تفسیر مظہری

تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی

تشریحی ترجمہ مع ضروری اضافات

مولانا سید عبدالدائم جلالی

دارالاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان [illegible]

تفسیر مظہری

جلد ہفتم

سورۂ اسرائیل سے سورۂ انبیاء تک
پارہ ۱۵ تا پارہ ۱۷ کا نصف رکوع ۷ تک

تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی

تشریحی ترجمہ مع ضروری اضافات

مولانا سید عبد الدائم الجلالی
رفیق ندوۃ المصنفین

ناشر

دار الاشاعت

اردو بازار کراچی ۱ ـــــــ فون ۲۱۳۷۶۸

Marfat.com

کاپی رائٹ رجسٹریشن نمبر

اس ترجمہ وکمپوزنگ کے حقوق ملکیت پاکستان میں بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں۔

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی

طباعت : ۱۹۹۹ء شکیل پریس کراچی۔

ضخامت : صفحات در ۶ جلد

﴿......ملنے کے پتے......﴾

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 26-نابھہ روڈ لاہور
کشمیر بک ڈپو۔ چنیوٹ بازار فیصل آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
مکتبہ رحمانیہ ۱۸۔ اردو بازار لاہور

Marfat.com

فہرست مضامین تفسیر مظہری اردو جلد ہفتم

مضمون	صفحہ نمبر
سورۂ بنی اسرائیل	
حدیث: معراج مسجد حرام سے ہوئی یا حضرت ام ہانیؓ کے مکان سے	۹
کیا معراج ایک خواب تھا۔ حدیث	۱۱
معراج کے واقعہ سے قریش نے انکار کیا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس کی تصدیق فرمائی	۱۲
پھر حضور ﷺ کا مسجد اقصیٰ کی تفصیلات بیان کرنا۔	۱۳
بنی اسرائیل کے فساد فی الارض اور حضرت شعیبؑ و زکریا و یحییٰ علیہم السلام کے قتل اور حضرت عیسیٰؑ کے ارادۂ قتل کا ذکر۔	۱۴
خداوند کریم کا بنی اسرائیل پر بطور سزا کے بخت نصر وغیرہ کو مسلط فرمانا	،
حدیث: زیریں عرش عظیم سے اعمال نامے داہنے اور بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔	۲۸
مسئلہ: کیا نبی کے مبعوث ہونے سے قبل احکام شرعیہ عقلاً واجب ہوتے ہیں؟ بعض علماء نے اصلاً انکار فرمایا اور بعض نے صرف توحید کا اقرار واجب قرار دیا۔	۲۹
ہر ہزار میں ۹۹۹ دوزخ کا حصہ ہیں۔ حدیث	۳۰
زمانۂ فطرت کے لوگ اور وہ لوگ جن کو پیغمبروں کی دعوت نہیں پہنچی قیامت کے دن جب پیغمبروں کی دعوت پر مطلع نہ ہونے کا عذر پیش کریں گے تو اس روز ان کی آزمائش کے بعد بطور امتحان دوزخ میں بھیجا جائے گا۔ احادیث	
فصل: اطفال مشرکین کا قیامت کے دن کیا حال رہے گا، علماء کے اقوال اور اس کے متعلق متعدد احادیث، مومنوں کے بچوں کے جنتی ہونے پر اجماع ہے، مبحث کی تحقیق۔	۳۱
ایک شبہ اور اس کا ازالہ	۳۲
بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کے بچے دوزخ میں جائیں گے۔	۳۴
حقوق والدین	۳۸
اہل قرابت کی مالی امداد	۴۰
مال کو فضول برباد کرنا، کنجوسی، حد سے زیادہ خرچ کرنا، احادیث	۴۱
قتل اولاد کی ممانعت، زنا کی ممانعت	۴۳
ناحق قتل کرنیکی ممانعت کی آیت اور احادیث، قصاص کا جواز	،
فصل: سب سے پہلے خون ناحق کے فیصلے ہوں گے	۴۴
وفاء عہد کی ہدایت۔ صحیح ناپ تول کا حکم	
جس ناپ کا قطعی علم نہ ہو اس کے پیچھے پڑ جانے کی ممانعت	۴۵
ظنی دلائل پر عمل کرنے نہ کرنے کی تحقیق ایک شبہ اور اس کا ازالہ	۴۶
تواضع کا حکم، تکبر غرور اور اکڑ کر چلنے کی ممانعت	۴۷
تسبیح جمادات کی صراحت	۴۹
مومنوں کا قبر سے اللہ کی حمد کرتے ہوئے اٹھنا اور کافروں کی زبانوں سے قبروں سے اٹھنے کے وقت حسرت وافسوس کے کلمات نکلنا۔ احادیث	۵۳
سب سے اول اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا کیا۔ حدیث	۵۶
انسان فرشتوں سے افضل ہے۔ تنقیح مبحث	۶۴
امّی سے کیا مراد ہے؟ ایک شبہ اور اس کا جواب	۶۶
وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْ الخ کا شان نزول	۶۷
یہودیوں یا مشرکوں کے ایک اعتراض کے باعث آپکا مدینہ یا مکہ سے شام تشریف لے جانے کے ارادہ کا ذکر	۶۸
نمازوں کی فرضیت اور اوقات کا بیان	۷۰
جماعت کی نماز منفرد کی نماز سے پچیس گنا افضل ہے	
اور فجر کی نماز میں رات اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔	،

Marfat.com

مضمون	صفحہ نمبر
رمضان وغیرہ میں سونے سے پہلے نوافل پڑھنے کی احادیث	۷۱
آخری رات میں تہجد کا ثواب شروع رات میں پڑھنے سے زیادہ ہے	۷۲
مسئلہ: رسول اللہ پر تہجد کی نماز فرض تھی یا آپؐ کے لئے بھی نفل تھی؟	″
موخرالذکر قول قابل ترجیح ہے۔	″
مسئلہ: تہجد سنت موکدہ ہے۔	۷۳
رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کی کیفیت	″
مقام محمود کونسا مقام ہے صحیح یہ ہے کہ مقام شفاعت کا نام مقام محمود ہے۔	۷۴
شفاعت کبریٰ کا بیان، موقف کی شدائد دور کرنے کے لئے شفاعت۔ احادیث	۷۵
فائدہ	۷۸
رسول اللہ ﷺ کو تین شفاعتوں کا حق دیا گیا	۷۹
مسئلہ: معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے لیکن اہل کبیرہ کے لئے شفاعت ہونے کی احادیث اتنی ہیں جو حد تواتر کو پہنچتی ہیں منکرین شفاعت، شفاعت سے بے بہرہ رہیں گے۔	۸۰
فصل: دوسرے انبیاءؑ بھی شفاعت کریں گے	۸۳
ایک شبہ اور اس کا ازالہ	۸۴
حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا، مقام شفاعت میں تہجد کی نماز کو بڑا دخل ہے۔	″
استعداد فطری کیا ہے؟	۸۷
آیت: وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ الخ یہود کا سوال اور حضور ﷺ کا جواب	″
آیت: وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ کے ضمن میں ایک شبہ	۸۸
شبہ کا ازالہ، فائدہ	۸۹
قیامت سے پہلے قرآن کاغذوں سے اور دلوں سے اٹھالیا جائے گا۔ احادیث	۹۰
علم کے اٹھ جانے کے معنی ہیں علماء کا اٹھ جانا یا علم کے موافق عمل کرنے کی توفیق نہ ملنا	۹۱
قیامت کے روز کفار منہ کے بل چلیں گے یا منہ کے	۹۵

مضمون	صفحہ نمبر
بل ان کو گھسیٹا جائے گا۔	
کفار قبروں سے اندھے، بہرے، گونگے اٹھائے جائیں گے یا اس کے خلاف ہوگا، دونوں قسم کی احادیث اور ان میں تطبیق۔	۹۶
حضرت موسیٰؑ کے نو معجزات جن کو آیات بیّنات کہا گیا ہے	۹۸
مسئلہ: اللہ کے خوف سے رونا اور اللہ کی راہ میں بیدار رہنے والی اور اللہ کے خوف سے رونے والی آنکھ کا بیان۔	۱۰۱
احادیث	
رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا رات کی نماز میں تم اپنی آواز ذرا اونچی رکھا کرو اور حضرت عمرؓ سے فرمایا تم رات کی نماز میں اپنی آواز ذرا پست رکھا کرو۔	۱۰۳
فصل: رات کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت کی کیفیت	″
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا الخ آیت عزت ہے	۱۰۴
حدیث	″
تحمید، تہلیل، تسبیح اور تکبیر پڑھنا۔ احادیث	
خاندان عبدالمطلب میں جب کوئی بچہ بولنے کے قابل ہوتا تو آپ اس کو سب سے پہلے آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا پڑھنا سکھاتے تھے۔	″
سورۂ کہف	۱۰۵
حدیث: رسول اللہ سے علماء یہود کے تین سوالات سورۂ کہف کا نزول	″
خطاء اجتہادی کے سلسلہ میں ایک شبہ ازالۂ شبہ	۱۰۷
آیت اِنَّا جَعَلْنَا عَلَى الْاَرْضِ الخ ایک شبہ اور اس کا ازالہ	″
حدیث: قصہ اصحاب الرقیم	۱۰۸
قصہ اصحاب کہف	۱۰۹
حضرت معاویہؓ کا اصحاب کہف کے غار پر جانا اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے منع کرنے کے باوجود تفحص حال کرنا۔	۱۲۰
مسئلہ: صوفی باہمہ بے ہمہ ہوتا ہے۔	۱۲۳

Marfat.com

مضمون	صفحہ نمبر
مسئلہ: اولیاء اللہ کے مقابر کے نزدیک مسجد بنانا جائز ہے	۱۲۳
حدیث: قبروں کے پکا بنانے کی ممانعت اور قبروں پر بیٹھنے اور ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت	//
انشاء اللہ کے بغیر یوں نہ کہنا چاہئے کہ کل یہ کام کروں گا	۱۲۴
اگر شروع میں انشاء اللہ کہنا یاد نہ رہے تو بات کہنے کے بعد انشاء اللہ کہہ لینا چاہئے	۱۲۵
دوزخ کے پردوں کا ذکر	//
مَآءٍ کَالْمُهْلِ کا ذکر	۱۳۰
حدیث: اہل جنت کے زیور اور لباس کے بارے میں	۱۳۱
حدیث: نبی کریم کو سبز رنگ بہت ہی پسند تھا۔	//
مسہری نشین اہل جنت کا لباس	
اگر کوئی چیز دیکھنے سے اچھی معلوم ہو اور ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ کہہ دے تو نظر نہیں لگے گی۔ حدیث	۱۳۴
باقیات صالحات کیا ہیں۔ حدیث	۱۳۷
حقیر گناہوں کو بھی حقیر نہ سمجھو۔ حدیث	۱۳۵
قیامت کے دن لوگوں کی تین پیشیاں ہوں گی	//
تیسری پیشی میں اعمال نامے اڑ کر ہاتھوں میں پہنچ جائیں گے۔	//
تمام اعمال نامے زیر عرش ہوں گے۔ حدیث	//
ابلیس کی اولاد	۱۴۱
وضو اور نماز میں بہکانے والے شیطانوں کے نام	۱۴۲
رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم تہجد کی نماز نہیں پڑھتے۔ الخ حدیث	۱۴۴
حضرت موسیٰ کا خضرؑ کی تلاش میں جانا، آیت و حدیث	۱۴۶
مفضول کو بھی فاضل پر جزئی فضیلت ہوتی ہے فاضل کو چاہئے کہ وہ مفضول سے بھی حاصل کرنے کی کوشش کرے اور کسی قسم کی اس میں عار نہ محسوس کرے۔	۱۵۰
حکمت و دانش کی بات مومن کی گمشدہ ہے جہاں ملے حاصل کرے۔ حدیث	//
مسئلہ: مسلک کا اتحاد، اطاعت کامل اور مرشد پر اعتراض نہ کرنا استفادہ کی بنیادی شرط ہے۔	۱۵۱
مسئلہ: اگر کسی ولی اللہ سے غیر شرعی فعل سرزد ہو تو	//

مضمون	صفحہ نمبر
اس کو رد کیا جا سکتا ہے مگر ولی اللہ کے کامل ہونے میں شک نہیں کرنا چاہئے اور نہ اس پر جرح و قدح کی جائے کہ شاید اس میں کوئی شرعی مصلحت ہو اور ہماری نظر کو وہاں تک رسائی نہ ہو۔	
ایک شبہ اور اس کا جواب	۱۵۱
جہاں تک ممکن ہو اولیاء اللہ کے غیر شرعی اقوال کی کوئی شرعی تاویل کی جائے اور اگر ایسا بھی ممکن نہ ہو تو ان کی مراد نہ سمجھنے کا اعتراف کیا جائے۔	۱۵۲
ایک شبہ اور اس کا جواب	۱۵۷
ایک جدید شبہ اور اس کا جواب	۱۵۸
مسئلہ: تمام اشیاء ممکنہ کے وجود ان حقائق امکانیہ کا پرتو ہیں جن کو اعیان ثابتہ کہتے ہیں اور جو مرتبہ علم الٰہی میں ہیں ابھی ان کا ظہور نہیں ہوا۔	//
کیا حضرت خضرؑ زندہ ہیں؟ یا وفات پا گئے ہیں۔ تنقیح یا	۱۶۲
جوج ماجوج کون ہیں ان کی کتنی قسمیں ہوں گی۔	۱۶۶
احادیث: یاجوج ماجوج کا خروج کب اور کیسے ہوگا۔	۱۷۰
خروج دجال کی احادیث مرویہ	//
دانش مند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو مطیع رکھا اور اخروی زندگی کی تیاری کی اور بے وقوف وہ ہے جو ناجائز خواہشات کے پیچھے پڑا رہے۔	۱۷۳
قیامت کے دن کفار اور ان کے اعمال کا وزن	۱۷۴
اس کے متعلق علماء کے مختلف اقوال	
جنت الفردوس کا ذکر۔ حدیث	//
ایک شبہ	۱۷۷
ازالہ شبہ	//
شرک اصغر یعنی ریاکاری کا ذکر۔ حدیث	۱۷۸
اہل تصوف کے نزدیک آیت فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا الخ کی تشریح۔ ایک شبہ	۱۷۹
	//
فصل: سورۂ کہف کے فضائل، حدیث کی روشنی میں	//
سورۂ مریم	۱۸۱
مسئلہ: انبیاء کے ترکہ کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔	۱۸۲
ایک شبہ، جواب شبہ	۱۸۵
ایک شبہ، ازالہ شبہ	۱۸۸

Marfat.com

مضمون	صفحہ نمبر
صدیق کا مرتبہ	۱۹۵
حضرت ادریسؑ کے جنت میں داخل ہونے کا بیان۔	۲۰۱
حضرت ادریسؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کا قصہ۔	〃
حدیث: قرآن کی تلاوت کرو اور گریہ کرو، رونا نہ آئے تو روتے بن جاؤ	۲۰۳
غیّ جہنم کے کسی دریا یا وادی کا نام ہے۔	〃
سب لوگ دوزخ پر ضرور اتریں گے پھر تقویٰ والوں کو رہا کر دیا جائے گا۔	۲۰۷
ایک شبہ اور اس کا ازالہ، ایک سوال اور اس کا جواب۔	۲۰۸
احادیث: دوزخ میں وارد ہونے کی تشریح۔	〃
اہلسنت کے مسلک کی تشریح اور مرجیہ کے شبہات کا ازالہ۔	۲۰۹
ایک شبہ اور ازالہ شبہ	
احادیث: متقی قیامت کے دن سواریوں پر ہونگے اور کافر منہ کے بل پیدل چلیں گے۔	۲۱۶
حدیث: جس کا میں مولا ہوں، علیؓ بھی اس کا مولیٰ ہیں۔"	۲۲۰
حدیث: جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل سے فرماتا ہے کہ تو بھی اس سے محبت کر۔	〃
سورۂ طٰہٰ	۲۲۲
"زمین مچھلی کی پشت پر ہے" کی پوری تفصیل ایک حدیث	۲۲۴
لفظ سرّ اور اخفیٰ کی تحقیق	〃
حدیث: اللہ کا حجاب نور ہے اگر وہ حجاب کھول دے تو اس کی تجلیات سب کو جلا ڈالیں۔	۲۲۶
موسیٰؑ نے اللہ کا کلام ہر طرف سے اور اپنے ہر عضو سے سنا تھا۔	〃
نماز کی فضیلت اور اہمیت	۲۲۷
اللہ کے فرمان "انا عند ظن عبدی بی" کی تشریح۔ حدیث	۲۲۸
حدیث: جو نماز پڑھنی بھول جائے یا سوتا رہ جائے۔	
مسئلہ: اللہ پر ایمان رکھنا اور اس کی عبادت کرنا بجائے خود اصلی مقصود ہے اگر جنت کی رغبت اور دوزخ کا ڈر نہ بھی ہو تب بھی ایمان و عبادت کو اصل مقصد قرار دیا جا سکتا ہے۔	〃
ایک شبہ، جواب شبہ	〃
کیا حضرت موسیٰؑ کی زبان کی گرہ بالکل کھل گئی تھی۔	۲۳۳
فائدہ: وحی اور نبوت تشریعی انبیاء کیلئے مخصوص ہے اور اس نبوت کا خاتمہ خاتم النبیین پر ہو گیا، کمالات نبوت اولیاء کو بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔	۲۳۴
کلیم اللہ، خلیل اللہ اور حبیب اللہ کی تعین کے مبادی کون سے اوصاف ہیں۔	۲۳۶
اصالت طینت (سرشتی) اور اصالت کبریٰ کا ذکر حضرت مجدد نے کس بات کا دعویٰ کیا۔	۲۴۳
ایک شبہ، ازالہ شبہ	۲۴۹
جنت میں اونچے درجہ والوں کے متعلق احادیث	〃
ایک شبہ، جواب شبہ	۲۵۲
یہ خیال کہ نبوت سے ولایت افضل ہے، صحیح نہیں	〃
خروج و نزول کی تحقیق	۲۵۳
قیامت میں کافر کا برا عمل اس پر سوار ہو جائے گا۔	۲۵۸
جو شخص ناجائز طور پر دنیا کی کوئی چیز لے گا قیامت کے دن اس کا بار اپنے کاندھے پر اٹھائے گا۔	〃
احادیث: قدر ضرورت سے زائد جو شخص عمارت بنائے گا قیامت کے دن اس کا بار اپنے اوپر اٹھائے گا۔	۲۵۹
ایک نکتہ، آیت لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ۔ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا کے ضمن میں صور کا بیان۔	۲۶۲
حضرت آدمؑ کا قصہ	۲۶۳
حدیث: جب اللہ نے آدمؑ کو پیدا کیا تو انکی پشت پر اپنا ہاتھ پھیرا۔ آدمؑ کو نسیان ہو گیا اسی لئے اس کی اولاد بھی بھولتی ہے، آدمؑ سے خطا ہو گئی اسی لئے ان کی نسل بھی خطائیں کرتی ہے۔	۲۶۴
حدیث: حضرت آدمؑ اور حضرت موسیٰؑ کا مباحثہ۔	۲۶۵
ایک شبہ، جواب شبہ	۲۶۶
حدیث: میری امت سے بھول چوک اٹھا لی گئی ہے یعنی معاف کر دی گئی ہے۔	〃
کافر کی تنگ زندگی کا بیان	۲۶۷
حدیث: سب سے زیادہ جانچ انبیاءؑ کی ہوتی ہے	۲۶۸
مسئلہ: نماز میں سورۂ فاتحہ کی قرات	۲۷۰
حدیث: سورۂ فاتحہ کے پڑھے بغیر نماز نہیں۔	〃
حدیث: تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو جیسے چاند دیکھتے ہو۔	۲۷۱
مسئلہ: اللہ کو ماننا اور واحد جاننا ہر عقل والے پر واجب ہے اور انکار مستحق عذاب بنا دیتا ہے۔	۲۷۴
سورۃ الانبیاء	۲۷۶
ذکر الٰہی کے استغراق میں بندے کا فعل اللہ کا فعل ہوتا ہے۔	۲۸۲
ایک شبہ۔ ازالہ شبہ	۲۸۴
آیت وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ایک شبہ جواب شبہ	۲۸۶

Marfat.com

مضمون	صفحہ نمبر
ایک شبہ: کہ عجلت پسندی اللہ کی صفت ہے تو اچھی ہوگی، لیکن آیت بتاتی ہے کہ یہ صفت مذموم ہے۔	۲۸۹
ازالۂ شبہ	//
وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ میں میزان سے کیا مراد ہے؟	۲۹۲
حضرت ابراہیمؑ نے تین بار کے علاوہ (صورۃ) بھی جھوٹ نہیں بولا۔ احادیث	۲۹۸
حضرت ابراہیمؑ کے آگ میں ڈالنے کا واقعہ۔	۲۹۹
گرگٹ کو مار ڈالنے کے بارے میں احادیث۔	۳۰۰
حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت شام کی طرف۔	۳۰۱
شام کی فضیلت و برکات کا بیان	۳۰۲
ارض شام روئے زمین پر اللہ کا خزانہ ہے۔	۳۰۴
سرزمین شام میں رہنے کی ہدایت (احادیث)	//
حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کا ایک کھیت کے بارے میں فیصلہ	۳۰۴
مسئلہ: فیصلہ کرنے کے بعد، حاکم کی رائے حکم سنانے سے قبل بدل جائے تو فیصلہ منسوخ کرنا جائز ہے۔	۳۰۵
مسئلہ: گھوڑے والا سوار ہو یا لگام پکڑے جارہا ہو ایسی صورت میں گھوڑا لات مار دے تو کیا تاوان دینا ہوگا۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔	۳۰۷
فائدہ: سلیمانؑ کا فیصلہ صلح اور داؤدؑ کا فیصلہ حکم تھا۔ صلح حکم سے بہتر ہے۔	//
مجتہد کے لئے دوہرا اجر ہے (حدیث)	۳۰۸
حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کا حکم دو عورتوں کے بارے میں جن میں سے ایک کا بچہ بھیڑیا اٹھالے گیا تھا۔ حدیث	//
حضرت داؤدؑ کے تسبیح کرنے میں پہاڑوں اور پرندوں کو بھی ان کے تابع کردینے کا بیان۔	//
حضرت سلیمانؑ کا قصہ (احادیث) حضرت ایوبؑ کا قصہ	۳۱۰
حضرت ایوبؑ نے اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ	۳۱۱
الرّٰحِمِیْنَ کہہ کر کن حالات میں دعا مانگی۔	۳۱۵
حضرت ایوبؑ کتنی مدت دکھ میں رہے کب دعا کی اور کیوں کی	۳۱۶
ایک شبہ: اللہ نے حضرت ایوبؑ کو صابر کہا اور حضرت ایوبؑ نے بے صبری کا اظہار فرمایا۔ ازالۂ شبہ (احادیث)	۳۱۹
کیا مرے ہوئے بچے زندہ کئے یا دوسری اولاد عطا کی گئی	۳۲۰
ذوالکفلؑ پیغمبر تھے یا نہیں؟ علماء کا اختلاف ہے	۳۲۱
حضرت یونسؑ کا ذکر	۳۲۳
آیت: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ کے ذیل میں احادیث کا ذکر	۳۲۴
حضرت یونسؑ کو کب پیغمبر بنایا گیا۔	۳۲۵
یاجوج وماجوج کا ذکر	
تخلیق انسانی کی بحث	۳۲۷
ایک سوال: کیا مومن گناہ گار جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔	۳۳۲
جواب:	//
حدیث: روئے زمین پر کوئی گھر یا جھونپڑا ایسا نہیں ہوگا جس میں اسلام نہ پہنچ گیا ہو۔	۳۳۳
میں ہادی اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں عذاب بنا کر نہیں (حدیث)	//
ایک شبہ اور اس کا ازالہ، فرقۂ باطنیہ اور شیعہ کے قول تقیہ کی تردید	۳۳۴

Marfat.com

پندرھواں پارہ شروع

......سورۂ بنی اسرائیل......

اس سورۃ میں ایک سو گیارہ آیات ہیں۔ آیت وَاِنْ کَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَکَ سے آٹھ آیات تک مدنی ہیں، باقی پوری سورۃ مکی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُبْحٰنَ پاک ہے یا میں اللہ کی پاکی کا اقرار کرتا ہوں یا اللہ کے پاک ہونے کا تم اقرار کرو۔

سُبْحٰنَ اصل میں اسم مصدر ہے بمعنی تسبیح کے، تسبیح کا معنی ہے پاک جاننا اور پاکی کا اقرار کرنا۔ کبھی اللہ کے نام کے طور پر بھی مستعمل ہوتا ہے، یعنی اللہ سبحان (پاک) ہے۔ سُبْحَانَ اگرچہ اسم مصدر ہے۔ لیکن بجائے فعل کے استعمال ہوتا ہے اس لئے اس کا فعل ذکر ہی نہیں کیا جاتا۔ کلام کے آغاز میں لانے سے اس بات پر تنبیہ کرنی ہے کہ اس کے بعد جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس پر اللہ کے سوا کسی کو قدرت نہیں۔ کبھی سبحان کو بطور تعجب کے بھی بولا جاتا ہے (جیسے کہتے ہیں سبحان اللہ)

الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ وہ جو رات کو لے گیا اپنے (خاص) بندے (یعنی محمد ﷺ) کو۔

لَیْلًا رات کو۔ اسراء کا معنی ہی رات کو لے جانا ہے اس کے بعد لَیْلًا کو بصورت نکرہ ذکر کرنے سے وقت کی کمی کی طرف اشارہ ہے (یعنی رات کے قلیل ترین وقت میں)۔

مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حرمت والی مسجد (یعنی کعبہ) سے۔ صحیحین میں حضرت انسؓ کی وساطت سے حضرت مالک بن صعصعہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں مسجد حرام کے اندر نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں تھا (نہ سو رہا تھا نہ جاگ رہا تھا) کہ جبرئیل میرے پاس براق لے کر آئے۔ دوسری روایت میں ہے میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا (یعنی نیند کی حالت میں تھا) کہ ایک آنے والا میرے پاس آیا۔ سورۂ والنجم کی تفسیر میں ہم نے اس کی تفصیل کر دی ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ حضور ﷺ حضرت ام ہانی کے مکان میں تھے وہیں سے معراج ہوئی تھی اس روایت پر مسجد حرام سے مراد (کعبہ یا حطیم نہ ہوگا بلکہ) حرم ہوگا۔ حرم کو مسجد حرام اس لئے فرمایا کہ سارا حرم مسجد ہے یا یہ وجہ ہے کہ مسجد حرام حرم میں واقع ہے حرم مسجد حرام کو محیط ہے۔ معراج کو جانے کے وقت رسول اللہ ﷺ کا کعبہ میں ہونا حضرت انسؓ کی اس روایت سے ثابت ہوتا ہے جو صحیحین میں مذکور ہے اور حضرت انسؓ نے حضرت ابوذرؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں مکہ میں تھا کہ (کعبہ کی چھت میں) میرے لئے شگاف کر دیا گیا، یہ حدیث بھی ہم نے سورۂ والنجم کی تفسیر میں ذکر کر دی ہے

Marfat.com

ابو یعلی نے مسند اور طبرانی نے الکبیر میں بیان کیا ہے کہ جب حضور ﷺ کو معراج ہوئی اس رات کو آپ حضرت ام ہانی کے مکان میں تھے اور اسی رات میں فوراً آپ واپس آگئے تھے اور ام ہانی سے معراج کی کیفیت بیان فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ پیغمبروں کو ——— متشکل (یعنی مجسم) کر کے میرے سامنے لایا گیا اور میں نے ان کو نماز پڑھائی پھر صبح کو حضور ﷺ مسجد میں آئے اور قریش کو اطلاع دی۔ لوگوں نے ناممکن سمجھ کر تعجب کیا اور بعض مسلمان بھی مرتد ہو گئے۔ کچھ لوگ دوڑے ہوئے حضرت ابو بکرؓ کے پاس پہنچے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا، اگر انہوں نے ایسا فرمایا ہے تو سچ فرمایا ہے۔ لوگوں نے کہا، کیا ان کی ایسی باتوں کو بھی آپ سچ جانتے ہیں۔ فرمایا، میں تو اس سے بھی زیادہ دور کی باتوں کی ان کے متعلق تصدیق کرتا ہوں (جبرئیل کا آنا اور اللہ کی طرف سے قرآن لانا اور وقتاً فوقتاً نازل ہو کر وحی لانا تو اس سے بھی زیادہ دور کی باتیں ہیں اور میں ان تمام باتوں میں ان کو سچا جانتا ہوں اور ایمان لایا ہوں) حضرت ابو بکرؓ کو اسی تصدیق کی وجہ سے صدیق کا لقب مل گیا، کچھ لوگ بیت المقدس جا چکے تھے اور وہاں کے حالات سے واقف تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیت المقدس کے متعلق دریافت کیا، فوراً حضور ﷺ کے سامنے سے پردے ہٹا دیئے گئے اور آپ بیت المقدس کو سامنے دیکھ کر حالات بیان کرنے لگے، لوگوں نے کہا، کیفیت تو آپ نے ٹھیک بیان کی اب آپ ہمارے قافلہ کے متعلق بتائیے (کہ وہ کہاں ہے) آپ ﷺ نے ان کو اونٹوں کی تعداد اور اونٹوں پر جو مال تھا اس کی کیفیت بتا دی اور فرمایا، فلاں دن طلوع آفتاب کے وقت قافلہ آپہنچے گا اور آگے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ ہو گا، لوگ دوڑتے ہوئے پہاڑ کے درے میں پہنچے قافلہ آتا ہوا مل گیا اور ویسا ہی ملا جیسا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا پھر بھی ایمان نہ لائے اور بولے یہ تو محض کھلا ہوا جادو ہے۔

میں کہتا ہوں معراج کا واقعہ دو مرتبہ ہوا ایک بار حطیم سے اور دوسری بار حضرت ام ہانی کے مکان سے۔ دونوں حدیثیں اپنی جگہ صحیح ہیں دونوں میں کوئی اختلاف نہیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ مقاتل نے کہا شب معراج ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی۔ لوگ کہتے ہیں ایک بار رجب کے مہینے میں معراج ہوئی اور دوسری بار ماہ رمضان میں۔

إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس تک۔ اقصیٰ (انتہائی۔ آخری۔ پرے کے کنارے کی) کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مسجد حرام سے بیت المقدس سے پرے بھی کوئی مسجد نہ تھی۔ رات میں مسجد اقصیٰ تک پہنچنے پر قریش کو تعجب ہوا، مسجد اقصیٰ بہت دور تھی ان کی نظر میں اتنی لمبی مسافت طے کر کے رات ہی میں واپس آجانا ناممکن تھا۔

بیضاوی نے لکھا ہے بیت المقدس تک آن کی آن میں رسول اللہ ﷺ کا پہنچ جانا ناممکن تھا۔ آفتاب کے دونوں کناروں کے درمیان کی مسافت زمین کے دونوں کناروں کے درمیان کی مسافت سے کچھ اوپر ایک سو ساٹھ گنا زائد ہے اور ایک سیکنڈ میں آفتاب کا نچلا کنارہ بالائی کنارے کے مقام تک پہنچ جاتا ہے اور یہ امر علم کلام میں ثابت کر دیا گیا ہے کہ تمام اجسام میں اعراض کو قبول کرنے کی صلاحیت ایک جیسی ہے پھر کیا محال ہے کہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے بدن یا بدنی قوتوں میں آفتاب جیسی یا اس سے بھی زیادہ تیز حرکت پیدا کر دی ہو، جب سرعت حرکت ممکن بلکہ بعض اجسام میں واقع ہے تو اللہ کے لئے ناممکن نہیں کہ جو کچھ اور جیسا کچھ چاہے پیدا کر دے۔ رہا تعجب تو وہ معجزات پر ہوا ہی کرتا ہے وہ معجزہ ہی کیا جس پر تعجب نہ ہو۔

الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ وہ جس کے ماحول کو ہم نے برکت والا بنا دیا ہے، یعنی بکثرت دریا، نہریں درخت اور پھل پیدا کر دیئے ہیں۔ مجاہد نے بیان کیا مبارک ہونے کا یہ معنی ہے کہ اس سرزمین کو اللہ نے انبیاء کی قرارگاہ اور منزل وحی بنایا تھا اور قیامت کے دن لوگوں کا حشر وہیں سے ہو گا۔

لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا تاکہ ہم اس بندہ کو اپنی قدرت کی کچھ عجیب نشانیاں دکھا دیں۔ چالیس دن کی مسافت کو رات کے قلیل ترین وقت میں طے کرانا پھر بیت المقدس سے آسمانوں تک لے جانا انبیاء کو مجسم بنا کر دکھانا پھر ان کی امامت کرانا اور ان کے علاوہ دوسرے عجائبات قدرت کی سیر کرانا یہ سب کچھ اللہ کی وہ آیات تھیں جن کا مشاہدہ کرانا مقصود تھا۔

Marfat.com

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝ بے شک اللہ (نبی کی دعا اور کلام کو) خوب سننے والا اور آپ کے احوال وافعال کو خوب دیکھنے والا ہے۔ اور تاریکی شب میں آپ کی حفاظت کرنے والا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ شب معراج میں رسول اللہ ﷺ کا جسم مبارک غائب نہیں ہوا بلکہ روح مبارک کو لے جایا گیا تھا، یعنی معراج خواب میں ہوئی اس کی تائید حضرت انس بن مالک کے اس بیان سے ہوتی ہے جو بخاری نے نقل کیا ہے جس رات کو رسول اللہ ﷺ کو (مسجد کعبہ) سے معراج کے لئے لے جایا گیا (اس کی صورت یہ ہوئی کہ) حضور ﷺ مسجد حرام میں سو رہے تھے اور یہ واقعہ وحی آنے سے پہلے کا ہے کہ تین شخص آئے اول شخص نے کہا وہ کونسا ہے۔ درمیان والا بولا وہ سب سے بہتر ہے۔ تیسرے نے کہا، تو جو سب سے افضل ہے اسی کو لے لو۔ یہ رات یونہی گزر گئی (کوئی اور واقعہ نہیں ہوا) دوسری رات ہوئی تو آپ کی آنکھیں سو رہی تھیں دل نہیں سو رہا تھا انبیاء کی حالت ہی یہ ہوتی ہے کہ آنکھیں سوتی ہیں دل بیدار ہوتا ہے وہی تینوں شخص آئے بات کچھ نہیں کی اور رسول اللہ ﷺ کو اٹھا کر لے گئے اور لے جا کر زمزم کے پاس رکھ دیا۔ جبرئیلؑ نے آپ ﷺ کا سینہ ہنسلی کے گڑھے سے ناف تک چاک کیا اور اندرون صدر کو زمزم کے پانی سے دھویا (اور پھر اس میں ایمان و علم بھر دیا اور آسمان دنیا میں پہنچے تو وہاں سے دو دریا نکلتے دیکھے جبرئیل نے کہا یہ نیل و فرات دونوں کا سرچشمہ یہاں ہے۔ پھر جبرئیلؑ آپ ﷺ کو آسمان میں لے چلے وہاں ایک اور دریا دیکھا جس پر موتی اور زبرجد کا محل بنا ہوا تھا، دریا میں ہاتھ مارا تو وہ یکدم خالص مشک بن گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا جبرئیلؑ یہ کیا ہے۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ کوثر ہے، جو اللہ نے آپ کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ حضرت انسؓ نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا، پھر آپ ﷺ کو ساتویں آسمان تک لے جایا گیا۔ موسیٰؑ نے کہا اے رب میرا تو گمان بھی نہ تھا کہ کسی کو مجھ پر بلندی حاصل ہو گی۔ پھر آپ کو اور اوپر لے جایا گیا، جس کا علم سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں، یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے اور اللہ جبار رب العزت کا قرب حاصل ہو گیا۔ رب العزت کچھ نیچے آیا، یہاں تک کہ دو کمانوں کے فاصلے کے بقدر یا اس سے بھی زیادہ قریب ہو گیا اور ہر رات دن میں پچاس نمازیں فرض کئے جانے کی کیفیت بتائی اور موسیٰؑ نے کہا آپ کی امت سے اس کی ادائیگی نہ ہو سکے گی غرض موسیٰؑ بار بار لوٹا کر آپ کو رب العزت کے پاس بھیجتے رہے یہاں تک کہ پانچ نمازیں رہ گئیں لیکن موسیٰؑ نے پھر بھی روک کر کہا محمد ﷺ! میں نے اپنی قوم بنی اسرائیل پر اس سے کم کا بہت تجربہ کیا ہے لیکن وہ اس سے بھی عاجز رہے اور ادائیگی کو چھوڑ بیٹھے اور آپ کی امت تو بنی اسرائیل کے مقابلے میں جسم و دل اور گوش و چشم کے اعتبار سے بہت کمزور ہے آپ اپنے رب کے پاس لوٹ کر جائیے (اور تخفیف کی درخواست کیجئے) تاکہ وہ تخفیف کر دے۔ حضرت موسیٰؑ نے جتنی مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو درخواست تخفیف کی تلقین کی ہر بار آپ جبرئیلؑ کی طرف مشورہ طلب نظر سے دیکھتے تھے اور جبرئیلؑ اس کو نامناسب نہیں خیال کرتے تھے آخر پانچویں مرتبہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے دعا تخفیف کی اور عرض کیا اے رب میری امت کے بدن بھی کمزور ہیں اور دل بھی اور گوش و نظر بھی تو ہمارے لئے اپنے حکم میں تخفیف فرما دے تو اللہ نے فرمایا، میرے ہاں حکم نہیں بدلا جاتا جیسے میں نے لوح محفوظ میں فرض کر دیا ہے وہی قائم رہے گا ہر نیکی کا ثواب دس گونہ مقرر ہے پس لوح محفوظ میں یہ پچاس نمازیں ہیں مگر تمہارے لئے پانچ ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے پھر رسول اللہ ﷺ سے کہا آپ پھر اپنے رب کے پاس لوٹ جائیں اور تخفیف کی درخواست کریں۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں نے بار بار اتنی مرتبہ آمد و رفت کی کہ اب مجھے اپنے رب سے تخفیف کا سوال کرتے شرم آتی ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد آپ جب بیدار ہوئے تو مسجد حرام میں ہی تھے۔

مسلم کی روایت میں جو فَاسْتَيْقَظَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کے الفاظ آئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا معراجی واقعہ خواب کا تھا لیکن صحیح متواتر احادیث سے ثابت ہے اور اسی پر اجماع بھی ہے کہ آیت سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا میں شب معراج مراد ہے اور معراج بیداری کی حالت میں ہوئی تھی اور جسمانی ہوئی تھی یعنی مع جسم کے رسول اللہ ﷺ کو لے جایا گیا تھا اگر خواب میں ہوتی تو قریش کو تعجب اور انکار ہی کیوں ہوتا خواب میں سیر آسمانی ہونا یا مسجد اقصیٰ تک جانا

Marfat.com

قابلِ تعجب چیز نہیں۔

ہمارے شیخ امام نے بیان کیا کہ بعض علماء حدیث کا قول ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سوائے حدیث مذکور کے اور کوئی ایسی حدیث نہیں جس سے منامی معراج کا ثبوت ملتا ہو صرف یہی ایک حدیث ہے جس سے خواب کے اندر معراج ہونے کا ثبوت ملتا ہے لیکن اس روایت کا مدار شریک بن عبداللہ پر ہے اور شریک منکر الحدیث ہے، اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جس معراج کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے وہ تو وحی آنے سے پہلے واقع ہوئی تھی اور جس معراج کا آیت میں ذکر ہے (اور جو جسمانی طور پر بیداری میں ہوئی تھی) وہ آغاز وحی سے بارہ سال کے بعد یعنی ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی تھی، حقیقت میں آغاز وحی سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے خواب میں معراج کا واقعہ دیکھا تھا پھر اس کو محقق کرنے کے لئے ہجرت سے ایک سال پہلے اللہ نے بیداری کی حالت میں آپ کو معراج کرا دی جس طرح حدیبیہ کے سال یعنی ۶ھ میں آپ کو فتح مکہ دکھائی گئی تھی پھر ۸ھ میں عالم ظاہر میں مکہ کی فتح عنایت کر دی گئی۔

بغوی نے لکھا ہے جب معراج سے واپسی میں رسول اللہ ﷺ مقام ذی طوی میں پہنچے تو فرمایا جبرئیل! میری قوم والے اس کی تصدیق نہیں کریں گے۔ حضرت جبرئیل نے فرمایا ابوبکرؓ آپ کی تصدیق کریں گے اور وہ بڑے سچے ہیں۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس رات کو مجھے (معراج میں) لے جایا گیا اس کی صبح کو میں مکہ میں بیٹھا اپنے متعلق سوچ رہا تھا اور سمجھا ہوا تھا کہ میری قوم والے مجھے جھوٹا قرار دیں گے، ایک گوشہ میں الگ تھلگ غمگین بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں اس طرف سے ابوجہل کا گذر ہوا اور مذاق کے لہجے میں اس نے کہا (کیسے بیٹھے ہو) کیا کوئی نئی چیز حاصل کی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں مجھے آج رات لے جایا گیا تھا۔ ابوجہل نے کہا، کہاں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بیت المقدس کو۔ ابوجہل بولا پھر صبح ہوئی تو تم ہمارے سامنے موجود ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ ابوجہل انکار نہ کر سکا اس کو اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ بات اسی پر نہ پڑے۔ کہنے لگا تم نے جو بات میرے سامنے بیان کی ہے کیا اپنی قوم والوں کے سامنے بھی بیان کر دو گے، حضور نے فرمایا، ہاں ابوجہل نے پکار کر کہا اے گروہ کعب بن لوی یہاں آؤ، آواز پر لوگ ٹوٹ پڑے اور رسول اللہ ﷺ اور ابوجہل کے پاس آ پہنچے، ابوجہل بولا اب تم نے جو کچھ مجھ سے بیان کیا تھا اپنی قوم سے بھی بیان کرو۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ہاں مجھے آج رات لے جایا گیا، لوگوں نے پوچھا کہاں فرمایا بیت المقدس کو۔ لوگوں نے کہا پھر صبح کو تم ہمارے سامنے بھی ہو۔ فرمایا ہاں۔ یہ سنتے ہی کچھ لوگ مذاق سے تالیاں بجانے لگے اور کچھ لوگوں نے تعجب سے اپنا سر پکڑ لیا اور کچھ لوگ جو ایمان لا چکے تھے اور حضور ﷺ کی نبوت کی تصدیق کر چکے تھے، اسلام سے پھر گئے اور ایک مشرک دوڑا دوڑا حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا اب آپ کا اپنے ساتھی کے متعلق کیا خیال ہے، وہ تو کہہ رہا ہے کہ رات مجھے بیت المقدس کو لے جایا گیا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، کہ انہوں نے ایسا کہا ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اگر انہوں نے ایسا کہا ہے تو سچ کہا ہے۔ لوگوں نے کہا کیا آپ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ رات میں بیت المقدس کو چلے بھی گئے اور صبح سے پہلے آ بھی گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، میں تو ان کی اس سے بھی بڑی بات کی تصدیق کرتا ہوں ان کے پاس جو صبح شام آسمان سے خبریں آتی ہیں میں تو ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ حضرت ابوبکر کو صدیق اسی لئے کہا جانے لگا (کہ آپ نے بے تامل معراج کی تصدیق کر دی اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت کو بھی آپ نے بے تامل مان لیا تھا) راوی کا بیان ہے کہ ان لوگوں میں بعض لوگ ایسے تھے جو بیت المقدس جا چکے تھے انہوں نے کہا کیا آپ ہمارے سامنے بیت المقدس کا بیان کر سکتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے بیت المقدس کی کیفیت بیان کرنی شروع کی اور برابر بیان کرتا رہا یہاں تک کہ بعض حالات کا مجھ پر اشتباہ ہو گیا تو فوراً (نظروں کے سامنے سے پردے ہٹا دیئے گئے اور) بیت المقدس میری نظروں کے سامنے آ گیا اور عقیل کے گھر سے بھی ورے لا کر اس کو رکھ دیا گیا اور میں مسجد کو اپنی نظر سے دیکھ دیکھ کر بیان کرنے لگا، وہ لوگ کہنے لگے بے شک بیت المقدس کی جو حالت تم نے بیان کی ہے وہ صحیح ہے۔ پھر بولے محمد ﷺ! ہمارے قافلے

Marfat.com

کی کچھ خبر بھی بیان کرو۔ ہمارے لئے وہ بہت ہی اہم ہے، تم نے اس کو کہیں دیکھا تھا، فرمایا ہاں فلاں قافلے کی صورت مقام روحاء میں میری نظر کے سامنے آئی تھی۔ اس کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا، لوگ اس کی تلاش میں تھے، ان کے پڑاؤ (فرودگاہ) پر ایک پیالہ میں پانی رکھا تھا۔ مجھے پیاس لگی تھی، میں نے وہ پانی پی لیا اور پیالہ کو اس کی سابق جگہ پر رکھ دیا، تم اس قافلے والوں سے دریافت کرنا کہ جب وہ اپنے پڑاؤ پر واپس آئے تھے تو ان کو پیالہ میں پانی ملا تھا۔ لوگوں نے کہا یہ ایک نشانی ہے جو فیصلہ کن ہے۔ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا فلاں قبیلہ والوں کے قافلے کی طرف سے گزرا تھا، فلاں فلاں دو آدمی ایک اونٹ پر سوار تھے۔ یہ واقعہ مقام ذی مر کا ہے، مجھے دیکھ کر اونٹ ان دونوں سواروں سمیت بدکا تھا ان دونوں شخصوں سے دریافت کر لینا لوگوں نے کہا یہ بھی صداقت کو جانچنے کی ایک نشانی ہے۔ لوگوں نے پوچھا۔ اچھا ہمارے اونٹوں کی تفصیل اور ان کی حالت کے متعلق کچھ بتاؤ فرمایا مقام تنعیم میں میں اونٹوں کی طرف سے گزرا تھا لوگوں نے کہا ان کی گنتی کیا تھی، سامان جو ان پر لدا ہوا تھا وہ کیا تھا ان کی ہیئت کیا تھی۔ فرمایا اس وقت تو مجھے ان باتوں کی طرف توجہ نہ تھی پھر مقام حزورہ میں وہ مکمل شکل کے ساتھ اپنے سامان اور ہیئت اور سواروں کے ساتھ میرے سامنے آکھڑے ہوئے ان کی ہیئت ایسی ایسی تھی اور فلاں فلاں لوگ ان کے ساتھ تھے اور ایک خاکستری رنگ کا اونٹ ان کے آگے آگے تھا جس پر دو بوریاں سلی ہوئی لدی ہوئی تھیں۔ طلوع آفتاب کے وقت وہ قافلہ تمہارے سامنے آجائے گا۔ لوگوں نے کہا یہ بھی سچائی جانچنے کی ایک نشانی ہے۔ اس گفتگو کے بعد وہ لوگ فوراً دوڑتے ہوئے کھائی پر پہنچے اور کہنے لگے خدا کی قسم محمد ﷺ نے واقعہ تو واضح طور پر بیان کر دیا ہے، اس کے بعد کداء (مکہ کے باہر ایک پتھریلی زمین یا پہاڑی تھی) پر پہنچے اور وہیں بیٹھ کر طلوع آفتاب کا انتظار کرنے لگے تاکہ اگر قافلہ نہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ کو جھوٹا قرار دے سکیں۔ انتظار ہی میں تھے کہ کسی نے اچانک کہا یہ آفتاب نکل آیا اور فوراً دوسرا آدمی بولا، اور یہ اونٹ بھی سامنے آگئے جن کے آگے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ ہے اور فلاں فلاں لوگ قافلے میں موجود ہیں یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد وہ لوگ ایمان نہیں لائے اور کہنے لگے یہ بلاشبہ کھلا ہوا جادو ہے۔

مسلم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ میں حجر اسود کے پاس موجود تھا اور قریش میرے رات کے جانے کے متعلق دریافت کر رہے تھے، انہوں نے بیت المقدس کے متعلق بھی مجھ سے پوچھا تھا جو مجھے یاد نہ تھا اور اس کی وجہ سے مجھے ایسی بے چینی ہوئی تھی کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی۔ لیکن اس وقت اللہ بیت المقدس کو اٹھا کر میرے سامنے لے آیا (یعنی درمیانی پردے ہٹ گئے اور بیت المقدس مجھے سامنے نظر آنے لگا) اب جو سوال بھی مجھ سے کرتے تھے، میں دیکھ کر اس کو بتا دیتا تھا۔ میں نے انبیاء کی جماعت کے ساتھ بھی اپنے آپ کو دیکھا تھا میں نے دیکھا کہ موسیٰ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ وہ چھریرے بدن کے گھونگھریالے بالوں والے شخص تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قبیلہ شنوءہ کا کوئی آدمی ہو ان کی مشابہت عروہ بن مسعود ثقفیؓ میں سب سے زیادہ ہے، میں نے ابراہیمؑ کو بھی کھڑے نماز پڑھتے دیکھا۔ ابراہیمؑ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والا تمہارا ساتھی ہے (یعنی میں....) پھر نماز کا وقت آگیا تو میں نے انبیاء کی امامت کی نماز سے فارغ ہوا تو کسی کہنے والے نے کہا، محمد ﷺ! یہ مالک داروغہ دوزخ ہیں ان کو سلام کرو۔ میں نے مالک کی طرف منہ موڑ کر دیکھا تو انہوں نے ہی مجھے پہلے سلام کیا۔

بخاری نے صحیح میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس رات کو مجھے معراج میں لے جایا گیا، میری ملاقات موسیٰؑ سے ہوئی وہ چھریرے بدن کے گھونگریالے بالوں والے آدمی تھے معلوم ہوتا تھا کہ قبیلہ شنوءہ کے کوئی آدمی ہیں۔ عیسیٰؑ سے بھی میری ملاقات ہوئی وہ درمیانی قد کے گٹھے بدن کے سرخ رنگ والے آدمی تھے معلوم ہوتا تھا کہ ابھی حمام سے نکل کر آئے ہیں۔ میں نے ابراہیمؑ کو بھی دیکھا ابراہیم کی نسل میں سب سے زیادہ ان سے مشابہت رکھنے والا میں ہوں۔ میرے سامنے دو برتن لائے گئے ایک میں دودھ تھا دوسرے میں شراب۔ پھر مجھ سے کہا گیا ان دونوں میں جو نسا چاہو لے لو۔ میں نے دودھ لے کر پی لیا۔ اس شخص نے (یعنی جس شخص نے انتخاب کا اختیار دیا تھا) کہا تم کو فطرت کی راہ پر ڈال دیا گیا یا یہ کہا کہ تم نے فطرت کو

Marfat.com

پالیا اگر شراب کو لے لیتے تو تمہاری امت گمراہ ہو جاتی۔

ہم نے سورۂ والنجم میں ساتوں آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کا واقعہ مفصل لکھ دیا ہے (تفصیل وہاں دیکھی جائے)۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝۲

اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب یعنی توریت عطا کی اور اس کو یعنی موسیٰؑ کو یا توریت کو بنی اسرائیل کے لئے راہنما بنایا کہ میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ قرار دینا، وکیل نہ بنانا یعنی میرے سوا کسی دوسرے کو رب نہ قرار دینا جس پر تم بھروسہ کر لو اور تمام امور کو اس کے سپرد کر دو (مراد یہ کہ کسی کو میرے سوا اپنا کارساز مالک و مختار نہ ماننا)

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ　　اے وہ لوگو جو اولاد ہو ان لوگوں کی جن کو نوح کے ساتھ (کشتی میں) ہم نے سوار کیا تھا۔

اس فقرہ میں وہ احسان و انعام یاد دلایا ہے جو اللہ نے بنی اسرائیل کے اسلاف و اجداد پر کیا تھا کہ حضرت نوحؑ کی معیت میں کشتی میں ان کو سوار کرا کے ڈوبنے سے محفوظ رکھا تھا۔

اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝۳　　نوحؑ بلاشبہ بڑا شکر گزار بندہ تھا۔ ابن مردویہ نے ابو فاطمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نوح جو بھی چھوٹا بڑا کام کرتے تھے بسم اللہ والحمد للہ کہہ لیا کرتے تھے۔ اسی لئے اللہ نے ان کو عبد شکور فرمایا جب آپ کچھ کھاتے یا پیتے یا کوئی کپڑا پہنتے تو اللہ کا شکر ادا کرتے۔ یہ مؤخر الذکر اثر حضرت سعد بن مسعود ثقفی کا ہے جو ابن جریر اور طبرانی نے بیان کیا ہے۔ اللہ نے اس جملہ میں اداء شکر کی ترغیب دی ہے کہ تم نوح کے ساتھیوں کی نسل سے ہو اور نوح بڑا شکر گزار بندہ تھا کہ اللہ نے اس کے ساتھ والوں کو بھی اس کی معیت میں محفوظ رکھا تھا (اگر وہ محفوظ نہ رکھے جاتے تو تم کہاں سے آتے ان کو محفوظ رکھنا در حقیقت تم پر اللہ کا احسان ہے جس کا شکر کرنا تم پر لازم ہے)

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝۴

اور صاف کہہ سنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب (توریت) میں کہ تم ملک میں دوبارہ ضرور خرابی کرو گے اور چڑھ جاؤ گے بری طرح چڑھنا۔

اَلْكِتَاب سے مراد توریت اور اَلْاَرْض سے مراد ملک شام ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور قتادہ نے فرمایا اِلٰی بمعنی عَلٰی ہے اور اَلْكِتَاب سے مراد ہے لوح محفوظ یعنی ہم نے بنی اسرائیل کے لئے یہ بات لوح محفوظ میں لکھ دی تھی، قطعی فیصلہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ فساد برپا کرو گے۔ پہلا بگاڑ اس وقت ہوا جب بنی اسرائیل نے توریت کے احکام چھوڑ دیئے، ممنوعات کو اختیار کیا اور حضرت شعیا بن مضیا کو شہید کر دیا اور دوسرا فساد اس وقت کیا جب انہوں نے حضرت زکریا اور حضرت یحیؑ کو شہید کر دیا اور حضرت موسیٰؑ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ بعض علماء نے کہا پہلا فساد حضرت زکریا کا قتل تھا اور دوسرا فساد تھا حضرت یحیؑ کا قتل اور حضرت موسیٰؑ کو قتل کرنے کا ارادہ۔ علو سے مراد ہے اللہ کی اطاعت سے سرکشی کرنا اور لوگوں پر ظلم کرنا۔ یعنی اللہ کی اطاعت سے بہت بڑھ چڑھ کر سرکشی کرو گے اور لوگوں پر بڑے ظلم کرو گے۔

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا　　پس جب پہلے فساد کی سزا کا مقررہ وعدہ آ گیا یعنی پہلے فساد کی سزا کا وقت آ گیا۔

بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ

تو ہم نے اپنے کچھ بندوں کو تم پر مسلط کر دیا جو لڑائی میں بڑے طاقتور تھے اور وہ تمہاری بستیوں کے اندر تمہاری جستجو میں گھس پڑے۔

عِبَادًا لَّنَآ سے مراد ہیں نینوای کے رہنے والے (سخاریب اور اس کے ساتھی) سعید بن جبیر کا یہی قول ہے۔ قتادہ نے کہا جالوت اور اس کا لشکر مراد ہے۔ یہ جالوت وہی تھا جس کو حضرت داؤدؑ نے قتل کیا۔ ابن اسحاق کے نزدیک بخت نصر بابلی مراد

Marfat.com

ہے۔ بغوی نے لکھا ہے یہی قول زیادہ ظاہر ہے۔
جَاسُوْا یعنی تم کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کرنے کے لئے وہ تمہارے گھروں میں گھس پڑے۔ زجاج نے کہا جَوْش کا معنی ہے کسی چیز کی انتہائی کوشش کے ساتھ جستجو کرنا۔ فراء نے کہا جَاسُوْا کا یہ معنی ہے کہ انہوں نے گھروں کے اندر تم کو قتل کیا۔
وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝ اور (تمہاری سزا کا) وعدہ پورا ہونا ہی تھا یعنی سزا لامحالہ دی جانی تھی سو دے دی گئی۔

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ پھر ہم نے پھیر دی ان پر تمہاری باری اور تم کو طاقت عطا کر دی کثیر مال اور بیٹے دے کر اور تمہاری جماعت بہت بڑی کر دی۔
اَلْكَرَّةَ یعنی سلطنت اور طاقت۔ عَلَيْهِمْ یعنی ان لوگوں پر جن کو تم پر مسلط کیا تھا۔ بیضاوی نے اس کی تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ بہمن بن اسفندیار جب اپنے دادا گشتاسپ بن لہراسپ کی جگہ شاہ ایران ہوا تو اللہ نے اس کے دل میں بنی اسرائیل کے لئے کچھ رحم پیدا کر دیا اس نے تمام اسرائیلیوں کو قید سے رہا کر کے ملک شام کو بھیج دیا اور حضرت دانیال کو سب کا سردار بنا دیا یہ لوگ شام کو چلے گئے اور بخت نصر کی فوج پر انہوں نے تسلط پا لیا، حضرت داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا۔
جب شام پر ان کا تسلط ہو گیا تو انہوں نے ملک کو پہلے سے زیادہ فروغ دیا، ان کی تعداد بھی خوب بڑھ گئی اور دولت بھی فراواں ہو گئی۔
نفیر ان لوگوں کو کہتے ہیں جو اپنے کسی آدمی کے ساتھ دشمن کی طرف مارچ کرتے ہیں۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ نفیر نفر کی جمع ہے جیسے عبید عبد کی۔ نفر اس جماعت کو کہتے ہیں جو دشمن سے مقابلہ کے لئے نکلتی ہے۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۫ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ (ہم نے کہہ دیا کہ) اگر بھلائی کرو گے تو اپنے لئے بھلائی کرو گے (یعنی اگر اللہ کے احکام پر چلو گے تو خود تمہارے لئے سود مند ہوگا ثواب پاؤ گے اللہ کو تو تمہاری اطاعت سے کوئی فائدہ نہیں اور اگر برائی کرو گے تب بھی اپنی جانوں کے لئے برائی کرو گے خود ہی سزا پاؤ گے اپنا نقصان کرو گے اللہ کا کچھ ضرر نہ ہوگا۔

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ پھر جب پچھلی مرتبہ (کی سزا) کا وعدہ (مقررہ وقت) آپہنچا (تو ہم نے کچھ لوگوں کو مسلط کر دیا) کہ وہ تمہارے چہروں کو اداس کر دیں اور مسجد (بیت المقدس اور اس کے اطراف) میں اسی طرح گھس جائیں جس طرح پہلی مرتبہ گھسے تھے اور جس مقام پر غلبہ پائیں اس کو کامل طور پر تباہ کر دیں۔
لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ سے یہ مراد ہے کہ تمہارے چہروں کی ایسی حالت کر دیں جس سے برائی اور خرابی کے آثار واضح طور پر نمایاں ہوں۔
بغوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے ایرانیوں اور رومیوں کو اور خردوش وطیش کو بنی اسرائیل پر مسلط کر دیا۔ حملہ کرنے والوں نے بنی اسرائیل کو قتل کیا قید کیا اور جلاوطن کیا اس طرح دوبارہ بنی اسرائیل تباہ ہو گئے۔
مَا عَلَوْا جس جگہ پر غلبہ پائیں یا جتنی مدت غالب رہیں۔
بغوی نے محمد بن اسحاق کا بیان نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل برابر نافرمانیاں اور گناہ کرتے رہتے تھے اور اللہ ان سے درگزر فرماتا تھا اور اپنے احسانات سے نوازتا رہتا تھا گناہوں کی پاداش میں سب سے پہلے جو مصیبت ان پر آئی وہ تھی جس کا اظہار اللہ نے اپنے پیغمبر موسیٰ کی زبان سے کرا دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بادشاہ ہوا جس کا نام صدیقہ تھا اس زمانہ میں اللہ کی طرف سے یہ ضابطہ جاری تھا کہ بادشاہ کو ہدایت کرنے اور سیدھے راستے پر چلانے کے لئے اس کے ساتھ اللہ ایک پیغمبر کو بھی مبعوث فرما دیا

Marfat.com

کرتا تھا، ان پیغمبروں پر کوئی جدید کتاب نازل نہیں ہوتی تھی، بلکہ توریت کے احکام پر چلنے کی ہدایت ہر پیغمبر کرتا تھا۔ صدیقہ بادشاہ ہوا تو اس کی راہنمائی کے لئے اللہ نے شعیا بن امصیا کو پیغمبر بنا کر بھیج دیا، شعیا کی بعثت حضرت زکریا و یحییٰ سے پہلے تھی شعیا نے ہی حضرت موسیٰ اور حضرت محمد ﷺ کی بشارت دی تھی اور کہا تھا، اے یروشلم تجھے بشارت ہو اب تیرے پاس ایک گدھے پر سوار ہونے والا اور دوسرا اشتر سوار آئے گا۔

غرض مدت تک صدیقہ بیت المقدس اور بنی اسرائیل کا بادشاہ رہا جب اس کا دور حکومت ختم ہونے کا وقت آگیا تو اللہ نے سخاریب شاہ بابل کو (عراق سے) بھیج دیا سخاریب کے ساتھ چھ لاکھ جھنڈے تھے، سخاریب چلتا چلتا بیت المقدس کے اطراف تک پہنچ گیا۔ اس زمانہ میں صدیقہ کی پنڈلی میں پھوڑا تھا، شعیا نبی نے صدیقہ سے کہا، اے شاہ اسرائیل سخاریب شاہ بابل چھ لاکھ پھریرے اڑاتا آپہنچا لوگ ڈر کے مارے بھاگ گئے تو ہوشیار ہو جا، صدیقہ کو یہ بات سن کر بڑی فکر ہوئی، کہنے لگا اے اللہ کے نبی کیا آپ کے پاس اللہ کی طرف سے اس واقعہ کے متعلق کوئی وحی آئی ہے کہ ہمارا اور سخاریب کا فیصلہ کیا ہوگا، حضرت شعیا نے فرمایا، وحی تو کوئی نہیں آئی، یہ کہہ ہی رہے تھے کہ شعیا کے پاس وحی آگئی اور حکم ملا کہ شاہ اسرائیل کے پاس جا کر اس کو حکم دے دو کہ تیرا وقت آگیا ہے اب تو اپنے گھر والوں میں سے جس کو چاہے وصیت کر دے اور اپنا جانشین بنا دے، حضرت شعیا نے صدیقہ سے جا کر کہہ دیا کہ اللہ کی طرف سے میرے پاس وحی آئی ہے جس میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تجھ سے کہہ دوں کہ تیرے مرنے کا وقت آگیا ہے اب تو جو کچھ وصیت کرنا ہو کر دے اور اپنے گھر والوں میں سے جس کو چاہے اپنی جگہ بادشاہ بنا دے۔ صدیقہ یہ پیام سن کر قبلہ رو ہو کر نماز کو کھڑا ہو گیا دعا کی اور اللہ کے سامنے رویا اور زاری کی اور خلوص قلب کے ساتھ گڑگڑا کر عرض کیا۔

اے اللہ! رب الارباب، اے تمام معبودوں کے معبود، اے وہ ذات جو تمام عیوب سے پاک اور تمام نقائص سے مبرا ہے، اے رحمان، اے مہربانی کرنے والے جس کو نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند اے اللہ میں نے جو کام کئے جو عمل مجھ سے ہوئے اور بنی اسرائیل پر انصاف کے ساتھ میں نے جو حکومت کی وہ سب کچھ تیری توفیق سے ہوا تو مجھ سے زیادہ اس سے واقف ہے میرا ظاہر و باطن تیرے سامنے ہے مجھ پر رحم فرما، صدیقہ اللہ کا نیک بندہ تھا اللہ نے اس کی دعا قبول فرمالی اور شعیا کے پاس وحی بھیجی کہ جا کر صدیقہ سے کہہ دو اللہ نے تیری دعا قبول کرلی تجھ پر رحم فرمایا، تجھے تیرے دشمن سخاریب سے نجات دے دی اور تیری میعاد زندگی پندرہ سال بڑھا دی، شعیا نے آکر صدیقہ کو یہ پیام پہنچا دیا۔ یہ سنتے ہی صدیقہ کے دل سے دشمن کا خوف جاتا رہا، رنج و فکر دور ہو گیا اور سجدے میں گر کر اس نے دعا کی، اے میرے اور میرے باپ دادا کے معبود میں تجھے ہی سجدہ کرتا ہوں، تیری پاکی کا اقرار کرتا ہوں، تجھے بڑا جانتا ہوں تیری تعظیم کرتا ہوں تو ہی جس کو چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے نکال لیتا ہے تو ظاہر و باطن کو جانتا ہے تو ہی اول تو ہی آخر تو ہی ظاہر اور تو ہی پوشیدہ ہے تو ہی رحم کرتا اور بے قراروں کی دعا قبول کرتا ہے تو نے ہی میری دعا قبول فرمائی اور میری زاری پر رحم کیا جب سر اٹھایا تو اللہ نے شعیا نبی کے پاس وحی بھیجی بادشاہ صدیقہ سے کہہ دو کہ اپنے خادموں میں سے کسی کو حکم دے کر انجیر کا پانی منگوا کر اپنے پھوڑے پر لگائے، اللہ صبح تک شفا دے دے گا۔ صدیقہ نے حکم کی تعمیل کی اور اللہ نے اس کو تندرست کر دیا۔

بادشاہ نے حضرت شعیا سے عرض کیا اپنے رب سے یہ دعا کر دیجئے کہ اللہ ہم کو بتا دے ہمارے اس دشمن کا کیا ہوگا اللہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا۔

اللہ نے شعیا سے فرمایا بادشاہ سے کہہ دو کہ میں نے تمہارے دشمن کو تم سے روک دیا اور تم کو اس سے بچالیا، صبح تک سب مر جائیں گے صرف سخاریب اور اس کے پانچ اہل کار بچیں گے تم ان کو پکڑ لینا صبح ہوئی تو کسی پکارنے والے نے چیخ کر شہر کے دروازے پر کہا اے بنی اسرائیل کے بادشاہ اللہ نے تیرا کام پورا کر دیا تیرے دشمن کو تباہ کر دیا، باہر نکل کر دیکھ لے، سخاریب اپنے ساتھیوں سمیت ہلاک ہو گیا، بادشاہ باہر نکلا، مردوں میں سخاریب کو تلاش کر لیا گیا مگر اس کی لاش نہیں ملی، بادشاہ نے اس کی

Marfat.com

طلب میں آدمی دوڑائے آخر اس دوش نے ایک غار میں سخاریب کو اس کے پانچ اہلکاروں کو جا پکڑا ان میں بخت نصر بھی تھا سب کو زنجیروں میں باندھ کر صدیقہ کے پاس لے آئے فوراً بادشاہ سجدہ میں گر پڑا اور طلوع آفتاب کے بعد سے عصر تک سجدہ میں پڑا رہا پھر سخاریب سے کہا، تم نے دیکھا ہمارے رب نے تمہارے ساتھ کیا کیا تم بے خبر تھے اور اس نے اپنی طاقت سے تم کو قتل کر دیا، سخاریب نے کہا مجھے پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے گا اور تم پر رحمت نازل فرمائے گا۔ اپنے ملک سے نکلنے سے پہلے ہی مجھے اس کی اطلاع مل چکی تھی مگر میں نے صحیح رہنما کا کہنا نہیں مانا میری کم عقلی نے مجھے اس بد بختی میں مبتلا کر دیا اگر میں راہنما کی بات سن لیتا یا سمجھ سے کام لے لیتا تو تم سے جنگ ہی نہیں کرتا۔ (تم پر چڑھائی نہ کرتا) صدیقہ نے کہا اللہ رب العزت کا شکر ہے کہ اس نے جس سے چاہا تم کو تباہ کرا دیا (اب جو تم اور تمہارے پانچ ساتھی بچ گئے ہیں تو یہ نہ سمجھنا کہ اللہ کے نزدیک تمہاری کوئی عزت ہے کہ اس نے تم کو باقی رکھا) اس نے تجھے اور تیرے ساتھیوں کو صرف اس لئے باقی رکھا ہے کہ دنیا میں تمہاری بد نصیبی اور آخرت میں تمہارا عذاب بڑھ جائے اور ہمارے رب نے جو کچھ تمہارے ساتھ کیا ہے اس کی اطلاع ان لوگوں کو بھی جا کر دے دو جو تمہارے ساتھ یہاں نہیں آئے اور اپنے پیچھے والوں کو بھی ہمارے رب کے عذاب سے ڈرا دو۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں　تم سب کو قتل کر دیتا تیرا اور تیرے ساتھیوں کا خون اللہ کے نزدیک چچڑی کے خون سے بھی حقیر ہے اگر میں قتل کر دیتا تو میرے رب کو پرواہ بھی نہ ہوتی پھر کوتوال نے شاہ اسرائیل کے حکم سے ان لوگوں کی گردنوں میں زنجیریں ڈال کر ستر روز تک بیت المقدس اور ایلیا کے گرد اگرد پھرایا..... ان میں سے ہر شخص کو روزانہ جو کی دو روٹیاں کھانے کو دی جاتی تھیں، سخاریب نے شاہ اسرائیل سے کہا تم جو سلوک ہمارے ساتھ کر رہے ہو اس سے تو قتل ہو جانا ہی بہتر ہے شاہ اسرائیل نے ان کو قتل خانہ کو بھجوا دیا اس کے بعد اللہ نے حضرت شعیا کے پاس وحی بھیجی کہ بادشاہ سے جا کر کہہ دو کہ سخاریب کو اور اس کے ساتھیوں کو رہا کر دے تاکہ وہ ان لوگوں کو جو ان سے پرے ہیں جا کر ڈرائیں، بادشاہ کو چاہئے کہ سخاریب اور اس کے ساتھیوں کی عزت کرے اور عزت کے ساتھ سوار کر کے ان کے ملک کو بھیج دے۔ شعیا نے بادشاہ کو اللہ کا یہ حکم پہنچا دیا اور بادشاہ نے حکم کی تعمیل کی۔ سخاریب ساتھیوں سمیت بابل پہنچ گیا اور لوگوں کو جمع کر کے اپنے لشکر کی حالت بتائی، کاہنوں اور نجومیوں نے کہا بادشاہ سلامت ہم تو آپ کو پہلے ہی بنی اسرائیل کے خدا کی خبر اور ان کے نبی کی کیفیت اور نبی کے پاس جو ان کے خدا کی طرف سے وحی آنے والی تھی، اس کی اطلاع دے چکے تھے مگر آپ نے ہمارا کہنا نہ مانا بنی اسرائیل ایسی امت ہے کہ ان کا رب ان کے ساتھ ہے اور ان کے رب کی موجودگی میں کوئی ان سے لڑ نہیں سکتا۔ سخاریب کا واقعہ اس کی قوم کو ڈرانے کے لئے ہوا تھا، اللہ نے اس واقعہ سے ان کو کافی نصیحت کر دی، اس کے بعد سخاریب سات برس زندہ رہا پھر مر گیا اور مرنے سے پہلے اس نے اپنا جانشین اپنے پوتے بخت نصر کو بنا دیا بخت نصر اپنے دادا کے راستہ پر چلا اور وہی کام کئے جو اس کے دادا نے کئے تھے اور سترہ سال حکومت کی۔ صدیقہ کے مرنے کے بعد بنی اسرائیل کی حکومت بگڑ گئی قوم میں گڑبڑ ہو گئی باہم حکومت کے لئے دوڑ شروع ہو گئی اور آپس میں خوب کشت و خون ہوا شعیا موجود تھے مگر ان کی نصیحت کوئی نہیں مانتا تھا جب قوم کی ابتری یہاں تک پہنچ گئی تو اللہ نے شعیا کے پاس وحی بھیجی تم اپنی قوم کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ دو میں تمہاری زبان پر اپنی وحی جاری کر دوں گا (جو کچھ میں کہلوانا چاہوں گا وہ تمہاری زبان پر آجائے گا) شعیا قوم کو خطاب کرنے کھڑے ہو گئے اور اللہ نے ان کی زبان پر یہ الفاظ وحی جاری کر دیئے۔ اے آسمان سن لے اور اے زمین تو بھی کان ادھر لگا اللہ بنی اسرائیل کی حالت بیان کرنا چاہتا ہے ان کو اللہ نے اپنی نعمتیں دے کر پرورش کیا اپنے لئے ان کو منتخب کر لیا اپنی طرف سے خصوصی عزت عطا کی اور سب لوگوں پر ان کو برتری عنایت فرمائی یہ لوگ بھٹکی ہوئی بکریوں کی طرح تھے جن کا کوئی نگراں نگہبان نہ تھا اللہ نے ان منتشر بکریوں کو یکجا کیا۔ بھٹکی ہوئی بکریوں کو جمع کیا اور شکستہ کو جوڑا، بیمار کو تندرست کر دیا، لاغر کو فربہی عطا کی اور فربہ کی فربہی کی حفاظت کی اللہ نے جب ان کے ساتھ یہ سلوک کیا تو یہ مغرور ہو گئے اور آپس میں ٹکرانے اور ایک دوسرے کے سینگ مارنے لگے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا یہاں تک کہ ان میں کوئی بھی ایسا صحیح الحال شخص نہ رہا کہ کوئی شکستہ اعضاء والا اس کی پناہ میں آجاتا ہلاکت کو اس خطاکار امت

Marfat.com

کے لئے جس کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کی موت کہاں سے آرہی ہے مقدر کر دیا (یعنی یہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ ان کی قومی موت کے اسباب کیا ہیں) اونٹ کو اپنا وطن یاد آتا ہے تو وہ وطن کو لوٹ آتا ہے۔ گدھے کو اپنی خوید یاد آتی ہے جس سے وہ پیٹ بھرا کرتا تھا تو وہ خوید کی طرف لوٹ آتا ہے۔ بیل کو جب سبزہ زار یاد آتا ہے جس کو کھا کر وہ موٹا ہوا تھا تو وہ سبزہ زار کی طرف آجاتا ہے لیکن یہ قوم جو عقل و دانش والے ہیں، بیل نہیں ہیں گدھے نہیں ہیں اس کے باوجود ان کو معلوم نہیں کہ ان کی موت کہاں سے آرہی ہے۔ میں ان کی ایک مثال بیان کرتا ہوں تم ان سے کہہ دو کہ ایک ویران زمین تھی جو مدت تک ویران پڑی رہی۔ بے آب و گیاہ تھی اس میں کوئی عمارت نہ تھی لیکن اس کا مالک ایک صاحب قدرت اور حکمت والا شخص تھا، مالک نے اس زمین کو آباد کرنے کی طرف توجہ کی اس نے پسند نہیں کیا کہ لوگ کہیں کہ اس زمین کا مالک قوت رکھتا ہے پھر بھی اس نے زمین کو ویران رکھ چھوڑا ہے یا یہ کہیں کہ اس کا مالک حکمت و دانش رکھتا ہے اس کے باوجود زمین کو اس نے برباد کر دیا ہے یہ خیال کر کے اس نے زمین کی چار دیواری بنائی اندر ایک مضبوط محل تیار کیا، نہریں جاری کیں، زیتون، انار، کھجور اور رنگ برنگ کے پھلوں کے درخت بوئے اور ایک عقلمند باہمت طاقتور امانت دار محافظ کی نگرانی میں اس زمین کو دے دیا جب درختوں میں شگوفے نکلے تو ناکارہ شگوفے نکلے لوگ کہنے لگے یہ زمین خراب ہے مناسب یہ ہے کہ اس کی دیواریں گرا دی جائیں محل کو ڈھا دیا جائے، نہریں پاٹ دی جائیں، نہروں کے دہانے بند کر دیئے جائیں درختوں کو جلا دیا جائے اور جیسے پہلے زمین بنجر و ویران تھی ویسی ہی کر دی جائے۔ تم ان سے کہہ دو کہ (ہر چہار سمت کی) دیوار میرا دین ہے، محل میری شریعت ہے، نہر میری کتاب ہے، نگران زمین میرا پیغمبر ہے اور درخت تم لوگ ہو اور ناکارہ شگوفے جو درختوں سے برآمد ہو رہے ہیں وہ تمہارے ناپاک اعمال ہیں جو فیصلہ تم نے اپنے لئے کیا ہے وہی فیصلہ میں نے تمہارے لئے جاری کر دیا ہے۔ یہ ایک مثال ہے جو میں نے ان کے حالات کو سمجھانے کے لئے بیان کی ہے۔ یہ گائے بکریاں ذبح کر کے میری قربت چاہتے ہیں حالانکہ یہ گوشت نہ مجھے پہنچتا ہے نہ میں اسے کھاتا ہوں، ان کو اس بات کی دعوت دی جا رہی ہے کہ تقوی اختیار کریں اور جس کو قتل کرنا میں نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل کرنے سے باز رہیں اور اس طرح میرا تقرب حاصل کریں مگر ان کے ہاتھ خون ناحق سے رنگین ہیں اور کپڑے ناجائز خوں ریزی سے آلودہ ہیں۔ یہ لوگ میرے لئے مکان یعنی مسجدیں پختہ بناتے ہیں ان کے اندرونی حصوں کو پاک بھی رکھتے ہیں مگر اپنے دلوں کو ناپاک اور جسموں کو گندہ اور میلا رکھتے ہیں مسجدوں میں پردے لگاتے اور ان کو آراستہ کرتے ہیں مگر اپنی عقلوں کو ویران اور اخلاق کو تباہ کرتے ہیں مجھے ان مسجدوں کے پختہ کرنے کی کیا حاجت ہے میں تو ان میں رہتا نہیں اور ان میں پردے لٹکانے کی مجھے کیا ضرورت ہے، میں تو ان کے اندر آتا نہیں، میں نے مسجدیں بلند کرنے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ وہاں میری یاد کی جائے اور میری پاکی بیان کی جائے۔

یہ لوگ کہتے ہیں ہم روزے رکھتے ہیں لیکن ہمارے روزے اوپر نہیں اٹھائے جاتے، ہم نمازیں پڑھتے ہیں یہ ہماری نمازیں نور نہیں پیدا کرتیں، ہم خیرات کرتے ہیں مگر ہمارے صدقات ہم کو پاک نہیں کرتے، ہم گدھوں کی آوازوں کی طرح چیخ چیخ کر دعا کرتے ہیں اور بھیڑیوں کی آوازوں کی طرح دہاڑیں مار کر روتے ہیں مگر ہماری کوئی چیز قبول نہیں کی جاتی۔

تم ان سے دریافت کرو۔ دعا قبول کرنے سے مجھے کون سی چیز روکتی ہے کیا میں سب سے زیادہ سننے والا سب سے بڑھ کر دیکھنے والا اور قریب ترین جواب دینے والا اور ارحم الراحمین نہیں ہوں، میں ان کے روزوں کو کس طرح اوپر اٹھاؤں جب کہ روزوں میں یہ جھوٹ بولتے ہیں اور لقمہ حرام کھاتے ہیں۔ میں ان کی نمازوں میں نور کیسے پیدا کروں جب کہ ان کے دل میرے دشمنوں اور میرے مخالفوں اور میری قائم کی ہوئی حدود کو توڑنے والوں کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔ ان کے صدقات میرے ہاں کیسے بار آور ہوں وہ تو پرایا مال صدقہ میں دیتے ہیں، میں تو خیرات کا اجر ان لوگوں کو دیتا ہوں جو معصوم اہل خیر ہوں۔ میں ان کی دعائیں کیسے قبول کر سکتا ہوں۔ ان کی دعا تو صرف قول بے عمل ہوتی ہے (کہتے ہیں عمل کچھ نہیں کرتے) ان کا عمل قول سے بہت دور ہوتا ہے میں تو دعا اس کی قبول کرتا ہوں جو صاحب اطمینان اور نرم دل ہو اور میں اس کی بات سنتا ہوں جو سوال سے

Marfat.com

بچنے والا مسکین ہو، میری رضامندی کی نشانی مسکینوں کی رضامندی ہے۔

جب یہ لوگ میرا کلام سنتے ہیں اور میرا پیام تم ان کو پہنچاتے ہو تو کہتے ہیں یہ بنائی ہوئی باتیں اور وہی پارینہ قصے ہیں جو باپ دادا سے ہم سنتے چلے آئے ہیں اور جادوگر و کاہن جیسے الفاظ کا جوڑ لگاتے ہیں ویسا ہی یہ بھی جوڑا ہوا کلام ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام ہم بھی پیش کر سکتے ہیں۔ شیطان ہمارے پاس بھی وحی لاتے ہیں اگر ہم چاہیں تو شیطانوں کی وحی کی وجہ سے ہم بھی غیب سے واقف ہو جائیں۔ سنو۔

میں نے جس روز آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا اسی روز ایک فیصلہ قیامت ہونے کا کر دیا تھا اور اپنے اوپر اس فیصلہ کو لازمی اور قطعی کر لیا تھا اور اس سے پہلے دنیوی زندگی کی ایک مقرر میعاد بنا دی تھی، وہ فیصلہ ضرور واقع ہو گا اگر یہ لوگ غیب دانی کے دعویٰ میں سچے ہیں تو تم کو بتا دیں کہ اس فیصلہ کو میں کب جاری کروں گا یا وہ کس زمانہ میں ظاہر ہو گا۔ اور اگر ان میں اس امر کی قدرت ہے کہ جو کچھ چاہیں پیش کر سکتے ہیں تو ایسی قدرت کا مظاہرہ کریں، جس سے میں اس فیصلے (قیامت) کو نافذ کروں گا۔ میں بہر حال اس فیصلہ کو تمام مذاہب پر غالب کروں گا خواہ شرک کرنے والوں کو پسند نہ ہو اور اگر وہ جیسا چاہیں جوڑ سکتے ہیں تو ایسی حکمت کے ساتھ تالیف کریں جس حکمت سے میں امر قضاء (کو نافذ کرنے) کی تدبیر کرتا ہوں۔ اور میں نے آسمان و زمین کو پیدا کرنے کے دن ہی یہ طے کر دیا تھا کہ نبوت جاری کروں گا اور حکومت نچلے طبقہ کے عوام کو دوں گا اور بے عزتوں کو عزت، کمزوروں کو قوت، محتاجوں کو دولت، جاہلوں کو علم اور بے پڑھے لکھوں کو حکمت عطا کروں گا۔ تم ان سے دریافت کرو کہ اگر وہ جانتے ہوں۔ تو بتائیں ایسا کب ہو گا اور کون یہ کام کرے گا اور کون لوگ ان چیزوں کے کارگزار اور مددگار ہوں گے، یہ یقینی امر ہے کہ میں ان کاموں کے لئے ایک نبی امی کو بھیجوں گا جو اکھڑ نہ ہو گا، درشت مزاج نہ ہو گا، بازاروں میں چیختا نہ پھرے گا، فحش بات زبان پر نہ لائے گا اور بے حیائی کی باتیں نہ کرے گا۔ میں اس کو سیدھا چلاؤں گا تمام عمدہ اخلاق عطا کروں گا وقار کو اس کا لباس بناؤں گا۔ نیکی اور بھلائی کو اس کا شعار، اندرونی لباس تقویٰ کو اس کا ضمیر، حکمت کو اس کا علم، سچائی اور وفاء عہد کو اس کا خمیر، عفو خیر کو اس کی عادت، انصاف کو اس کی سیرت، حق کو اس کی شریعت، ہدایت کو اس کا امام اور اسلام کو اس کا مذہب بناؤں گا۔ اس کا نام احمد ہو گا میں اس کے ذریعہ سے گمراہوں کو ہدایت، جاہلوں کو علم، گمناموں کو بلندی ذکر اور غیر معروف لوگوں کو شہرت عطا کروں گا۔ میں اس کے ذریعے سے قلیل کو کثیر، ناداروں کو زردار بناؤں گا پراگندہ لوگوں کو جمعیت، منتشر دلوں میں ملاپ، متفرق خواہشات رکھنے والوں میں باہم الفت اور متفرق جماعتوں میں اتحاد عنایت کروں گا، میں اس کی امت کو خیر الامم بناؤں گا جو لوگوں کی ہدایت کیلئے پیدا کی جائے گی، بھلائی کا حکم دے گی، برائی سے روکے گی، وہ مجھے واحد مانے گی مجھ پر ایمان لائے گی اور میرے لئے اپنے افکار و اعمال کو خالص کرے گی، وہ نمازیں پڑھے گی، نماز میں قیام کرے گی قعود و رکوع اور سجود کرے گی، وہ میری راہ میں صف در صف (یعنی صف بستہ ہو کر) لڑے گی اور دشمنوں پر ہجوم کرے گی وہ اپنے گھروں اور مالوں کو چھوڑ کر میری رضامندی کی طلب میں نکلے گی۔ میں ان کے دلوں میں ڈال دوں گا، تکبیر، توحید، تسبیح، تحمید، مدح، تمجید (یعنی اپنی بزرگی، یکتائی، پاکی، حمد و ثناء اور بزرگی) کا اعتراف و اقرار اور اظہار، سفر میں بھی، ان کی مجلسوں میں بھی، خوابگاہوں میں بھی، آمد و رفت کے راستوں میں بھی اور قیام گاہوں میں بھی، وہ تکبیریں کہیں گے، تنہا میری الوہیت کا اظہار کریں گے اور میری پاکی بیان کریں گے ٹیلوں کی بلندیوں پر چڑھ کر چہروں اور ہاتھوں پاؤں کو میرے لئے پاک کریں گے اور کمر پر کپڑے باندھیں گے ان کے خون ان کی قربانیاں ہوں گے ان کے سینے ان کی انجیلیں (یعنی وہ قرآنی آیات کے مخزن) ہوں گے وہ راتوں میں راہب اللہ سے ڈرنے والے شب زندہ دار اور دن میں (دشمنوں کے مقابلے میں) شیر ہوں گے اور یہ میرا فضل ہے میں جس کو چاہتا ہوں دیتا ہوں۔ اور میں بڑے فضل والا ہوں۔ جب حضرت شعیا اپنے خطبہ سے فارغ ہوئے تو آپ کو قتل کرنے کے لئے بنی اسرائیل نے آپ کے اوپر حملہ کر دیا آپ بھاگ پڑے راستہ میں ایک درخت ملا درخت سے آواز آئی اے اللہ کے نبی میرے اندر آجائیے اور وہ درخت پھٹ گیا، حضرت شعیا اس کی اندر داخل ہو گئے مگر شیطان نے پیچھے سے آپ کے کپڑے کا کونہ پکڑ لیا

Marfat.com

آپ کے اندر داخل ہو جانے کے بعد درخت جڑ کر ہموار ہو گیا مگر کپڑے کا کونہ باہر رہ گیا شیطان نے لوگوں کو وہ کونہ دکھادیا اور کہا شعیا اس کے اندر ہیں ثبوت یہ ہے کہ ان کے لباس کا یہ کونہ باہر رہ گیا ہے لوگوں نے آرے سے درخت کے دو ٹکڑے کر دیئے اور حضرت شعیا کو بھی چیر ڈالا۔

اس کے بعد اللہ نے ایک شخص کو جس کا نام ناشیہ بن آموص تھا، بنی اسرائیل کا بادشاہ بنایا اور اس کی رفاقت وہدایت کے لئے حضرت ہارون بن عمران کی اولاد میں سے ارمیا بن حلقیا کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ ابن اسحاق نے بیان کیا کہ یہ ہی خضر تھے جن کا نام ارمیا تھا اور خضر لقب کیونکہ آپ ایک بار خشک گھاس پر بیٹھے تھے اور اٹھے تو وہ سرسبز ہو کر لہلہانے لگی تھی، اللہ نے حضرت ارمیا کو بادشاہ کی ہدایت اور سیدھے راستے پر چلانے کے لئے مامور فرمایا۔

کچھ مدت کے بعد بنی اسرائیل میں بڑی بڑی بدعتیں پیدا ہو گئیں معاصی کی کثرت ہو گئی اور ممنوعات کو انہوں نے حلال قرار دے لیا۔ اللہ نے حضرت ارمیا کو حکم دیا کہ اپنی قوم بنی اسرائیل کے پاس جاؤ۔ میں تم کو جو حکم دے رہا ہوں وہ ان سے بیان کرو میرے احسانات یاد دلاؤ اور جو بدعتیں ان کے اندر پیدا ہو گئی ہیں، وہ بتاؤ۔ ارمیا نے عرض کیا اے میرے رب اگر تیری طرف سے مجھے قوت عطا نہ ہو تو میں (بجائے خود) کمزور ہوں اگر تو مجھے (مقصد تک) نہ پہنچائے تو میں عاجز ہوں اور اگر تو میری مدد نہ کرے (تو میری مدد کہیں سے نہ ہو گی) میں بے یار و مددگار ہوں اللہ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ تمام امور میری مشیت سے ہوتے ہیں تمام دل اور زبانیں میرے ہاتھ میں ہیں، میں جس طرح چاہتا ہوں ان کو موڑ دیتا ہوں میں تمہارے ساتھ ہوں اور میری موجودگی میں کوئی دکھ تم کو نہیں پہنچ سکتا۔ الغرض ارمیا بنی اسرائیل کو خطاب کرنے کھڑے ہو گئے لیکن ان کو کچھ علم نہ تھا کہ کیا کہنا ہے اور کیا کہیں فوراً اللہ نے ان کے دل میں ایک بلیغ خطبہ القاء کر دیا، آپ نے لوگوں کو طاعت کا ثواب اور نافرمانی کا عذاب کھول کر بتایا اور آخر میں (استغراقی حالت میں) اللہ کی زبان سے کہا، میں نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ ان بنی اسرائیل پر ایک بڑا فتنہ مسلط کروں گا جس کے اندر دانش مند بھی حیران ہو جائے گا کوئی خلاصی کا راستہ سمجھ میں نہیں آئے گا اور ایک ظالم سنگ دل کو ان پر غالب کر دوں گا جس کو میں ہیبت کا لباس پہنا دوں گا (یعنی بڑا ہولناک ظالم ہو گا) اور اس کے سینے سے رحم کو نکال لوں گا اس کے ساتھ ایک لشکر ہو گا، تاریک رات کی سیاہی کی طرح ہر طرف ہر چیز پر چھا جانے والا۔ اس کے بعد اللہ نے ارمیا کو وحی بھیجی کہ میں یافث سے بنی اسرائیل کو تباہ کراؤں گا۔ یافث باشندگان بابل تھے (شاید اہل بابل یافث بن نوحؑ کی نسل میں سے ہوں) چنانچہ اللہ نے بنی اسرائیل پر بخت نصر بابلی کو مسلط کر دیا، بخت نصر چھ لاکھ فوج لے کر نکلا اور مع لشکر بیت المقدس میں داخل ہو گیا۔ شام کو روند ڈالا بنی اسرائیل کو اتنا قتل کیا کہ فنا کر دیا، بیت المقدس کو تباہ کر دیا اور ہر فوجی کو حکم دیا کہ اپنی ڈھال بھر کر مٹی بیت المقدس پر ڈال دے، اس طرح بیت المقدس کو سپاہیوں نے خاک سے پاٹ دیا۔ پھر بخت نصر نے حکم دیا کہ بلاد بیت المقدس کے تمام باشندوں کو یکجا جمع کر لیا جائے چنانچہ سب لوگوں کو فوج والے پکڑ کر لے گئے۔ بنی اسرائیل کے سب بچے بڑے بخت نصر کے سامنے یکجا جمع کر دیئے گئے بخت نصر نے ان میں سے ستر ہزار بچے چھانٹ لئے (یعنی اپنی غلامی اور خدمت گاری کے لئے منتخب کر لئے) اور مال غنیمت فوج کو تقسیم کر دینے کا حکم دے دیا سواروں نے کہا مال غنیمت تو کل آپ کا ہے آپ شاہی خزانہ میں داخل کرا دیجئے بنی اسرائیل کے یہ بچے جو آپ نے منتخب کئے ہیں یہ فوج کو تقسیم کر دیجئے، بخت نصر نے یہ بات مان لی، اور بچوں کو بطور غلام سرداران فوج کو تقسیم کر دیا ہر شخص کے حصے میں چار غلام آئے پھر باقی لوگوں کی تین جماعتیں کر دیں بنی اسرائیل کی ایک تہائی جماعت کو تو شام میں ہی قائم رکھا گیا، ایک تہائی کو قیدی بنا لیا گیا اور تہائی کو قتل کر دیا گیا۔ ناشیہ کو اور ستر ہزار بچوں کو بخت نصر بابل لے گیا۔ بنی اسرائیل کی یہ پہلی تباہی تھی جو خود انہی کی بداعمالی کی وجہ سے ان پر آئی۔ آیت فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۔ میں یہ ہی تباہی مراد ہے اور عباد سے بخت نصر اور اس کے ساتھی ہیں۔

ایک مدت کے بعد بخت نصر نے ایک عجیب خواب دیکھا۔ کوئی چیز خواب میں دیکھی تھی لیکن اس کو یاد نہیں رہا کہ کیا

Marfat.com

دیکھا تھا۔ دانیال، حنانیا، عزاریا اور میشائیل قیدیوں میں موجود ہی تھے، یہ سب انبیاء کی نسل سے تھے، بخت نصر نے ان لوگوں کو بلوایا اور خواب دریافت کیا۔ ان بزرگوں نے کہا آپ خواب بیان کیجئے تو ہم اس کی تعبیر دیں۔ بخت نصر نے کہا مجھے تو خواب یاد نہیں رہا، تم ہی میرا خواب بتاؤ اور تم ہی اس کی تعبیر بیان کرو اگر ایسا نہ کرو گے تو میں شانوں سے تمہارے ہاتھ اکھڑ والوں گا۔ یہ بے چارے یہ ظالمانہ حکم سن کر دربار سے باہر آئے اور اللہ کے سامنے بہت گریہ وزاری کی، اللہ نے ان کو بادشاہ کے سوال کا جواب بتادیا جواب کا علم ہونے کے بعد یہ حضرات بادشاہ کے پاس پہنچے اور کہا آپ نے ایک مورت دیکھی تھی جس کے دونوں پاؤں اور پنڈلیاں پختہ مٹی کی تھیں اور زانو اور رانیں تانبے کی اور پیٹ چاندی کا اور سینہ سونے کا اور سر گردن لوہے کے۔ بادشاہ نے کہا تم نے سچ کہا ان حضرات نے کہا آپ یہ دیکھ ہی رہے تھے اور آپ کو تعجب ہو رہا تھا کہ اللہ نے آسمان سے ایک پتھر اتارا پتھر نے مورتی کو ریزہ ریزہ کر دیا یہی وہ چیز ہے جو آپ بھول گئے تھے۔ بخت نصر نے کہا تم نے سچ کہا اب اس کی تعبیر دو۔ انہوں نے جواب دیا آپ کو چند بادشاہوں کی حکومت دکھائی گئی ہے کسی کی حکومت تو نرم کمزور ہے اور کسی کی اس سے سخت اور کسی کی بہت ہی حسین اور کسی کی سب سے زیادہ سخت پختہ مٹی (ٹھیکرے) سب سے کمزور حکومت ہے پھر اس کے اوپر تانبا پہلی حکومت سے زیادہ سخت حکومت ہے پھر تانبے سے خوبصورت اور اعلیٰ چاندی ہے اور سونا چاندی سے زیادہ حسین اور برتر ہے سب کے اوپر لوہا آپ کی حکومت ہے جو پہلی حکومتوں سے زیادہ سخت اور مضبوط ہے اور وہ پتھر جو آسمان سے اترتا ہوا آپ نے دیکھا وہ اللہ کا غیبی حکم ہے جو اللہ کی طرف سے آکر اس ساری مورتی کو چکنا چور کر دے گا اور حکومت صرف اللہ کی رہ جائے گی۔

بنی اسرائیل کو اہل بابل کی خدمت میں رہتے رہتے جب مدت ہو گئی تو ایک روز بابل والوں نے بخت نصر سے کہا یہ غلام جو ہماری درخواست پر آپ نے ہم کو عنایت کئے تھے جب سے ہمارے ساتھ رہے ہیں ہم اپنی عورتوں کو کچھ بدلا ہوا پاتے ہیں، عورتوں کے رخ ہماری طرف سے پھر کر ان کی طرف ہو گئے ہیں، آپ ان کو یہاں سے نکال دیجئے یا قتل کرا دیجئے۔ بخت نصر نے کہا، تم کو اختیار ہے، چاہو ان کو قتل کر دو، چاہو نکال دو۔ جب لوگوں نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے اللہ سے گریہ وزاری کی اور عرض کیا بار الٰہا ہم پر یہ مصیبت دوسروں کے گناہوں کی پاداش میں پڑی ہے (تو ہم پر رحم فرما) اللہ نے ان سے وعدہ فرمایا کہ تم کو زندہ رکھوں گا۔ آخر کچھ لوگ تو مارے گئے اور بخت نصر نے جن کو جیتا چھوڑ دیا وہ رہ گئے انہی میں سے دانیال، حنانیا، عزاریا اور میشائیل بھی تھے۔

بالآخر جب اللہ نے بخت نصر کو ہلاک اور غارت کر دینے کا ارادہ کیا تو وہ خود ہی اپنی تباہی کا سبب بن گیا۔ جو بنی اسرائیل اس کے قبضے میں تھے ان سے ایک روز کہنے لگا۔ بتاؤ جو مکان میں نے تباہ کر دیا وہ مکان کیسا تھا۔ اور جن لوگوں کو میں نے وہاں قتل کیا وہ کون تھے۔ بنی اسرائیل نے جواب دیا وہ اللہ کا گھر تھا اور وہ مقتول اس گھر کو آباد کرنے والے تھے، یہ لوگ نسل انبیاء سے تھے لیکن جب انہوں نے مظالم اور زیادتیاں کیں تو اللہ نے ان کی خطاکاریوں کی سزا میں آپ کو ان پر مسلط کر دیا، ان کے رب نے جو سارے جہان کا رب ہے ان کو عزت عطا فرمائی تھی اور معزز بنایا تھا لیکن جب انہوں نے وہ کام کئے جو نہایت برے تھے (یعنی مظالم اور نافرمانیاں) تو اللہ نے ان کو غارت کر دیا اور دوسروں کو ان پر مسلّط کر دیا، لیکن غالب آنے والا مغرور ہو گیا۔ اس نے خیال کیا کہ میں نے بنی اسرائیل کے ساتھ جو کچھ کیا وہ اپنے بل بوتہ پر کیا۔ بخت نصر نے کہا اچھا تو تم لوگ مجھے ایسی تدبیر بتاؤ کہ میں اونچے آسمان پر چڑھ جاؤں اور جو بھی وہاں ہو اس کو قتل کر کے اپنی حکومت وہاں قائم کر لوں زمین کی حکومت سے تو میں اب فارغ ہو گیا ہوں، بنی اسرائیل نے کہا کوئی مخلوق بھی ایسا نہیں کر سکتی، کسی میں یہ طاقت نہیں ہے کہنے لگا تم کو ایسا کرنا تو ہو گا آسمان پر چڑھنے اور اس کو فتح کرنے کی تدبیر بتانی ہو گی، ورنہ میں تم سب کو قتل کر دوں گا، یہ بات سن کر سب لوگ اللہ کے سامنے روئے اور گڑگڑائے اور عاجزی کے ساتھ دعا کی، اللہ نے ان کی مدد کی اور اپنی قدرت سے ایک مچھر بھیج دیا جو بخت نصر کی ناک کے سوراخ میں گھس کر دماغ تک پہنچ گیا اور دماغ کی جھلی پر اس نے ڈنک مارا۔ بخت نصر بیتاب ہو گیا اس کو قرار ہی نہیں آتا تھا، جب تک سر پر ضربیں نہ لگتی تھیں، آخر اسی حالت میں مر گیا۔ مرنے کے بعد لوگوں نے سر چیر کر دیکھا تو ایک مچھر دماغ کی

Marfat.com

جھلی پر ڈنک مارتا نظر آیا جو بنی اسرائیل اس کے قبضہ میں باقی تھے اللہ نے ان کو نجات دی اور وہ شام کو چلے گئے وہاں پہنچ کر انہوں نے عمارتیں بنائیں ان کی تعداد بھی بہت ہو گئی اور جو حالت ان کی پہلے تھی اس سے بھی بہتر حالت ہو گئی لوگ کہتے ہیں کہ جو بنی اسرائیل قتل کر دیئے گئے تھے اللہ نے ان کو بھی زندہ کر دیا اور وہ بھی ان میں آکر شامل ہو گئے۔

جب بنی اسرائیل ملک شام میں آئے تو ان کے پاس اللہ کی کتاب باقی نہیں تھی، توریت جلادی گئی تھی، حضرت عزیرؑ بھی بابل کے قیدیوں میں تھے اور چھوٹ کر شام کو آئے تھے آپ تمام لوگوں سے الگ کہیں جنگل میں جاکر دن رات (توریت کے غم میں) روتے رہتے تھے۔ ایک روز کسی شخص نے ان سے پوچھا آپ اتنا روتے کیوں ہیں فرمایا اللہ کی کتاب کو روتا ہوں، اللہ کا وہ احکام نامہ جو ہمارے پاس تھا (جلا دیا گیا) نہ رہا اس کے بغیر نہ ہماری دنیا درست ہو سکتی ہے نہ آخرت۔ اس شخص نے کہا، اگر آپ چاہتے ہیں کہ توریت آپ کو دوبارہ مل جائے تو روزے رکھیئے نفس کو پاک کیجئے اور کپڑے بھی پاک رکھیئے اور کل کو اسی جگہ میں آپ سے ملوں گا۔ حضرت عزیزؑ نے روزہ بھی رکھا جسم اور کپڑوں کو بھی پاک کیا اور اسی مقررہ مقام پر اس شخص کا انتظار کرنے لگے، حسب وعدہ وہ شخص پانی سے بھرا ہوا ایک برتن لے کر آیا یہ شخص فرشتہ تھا، اللہ نے اس کو بھیجا تھا۔ حضرت عزیرؑ کو اس نے کچھ پانی پلایا، پانی پیتے ہی توریت آپ کے سینے میں منقش ہو گئی۔ جب بنی اسرائیل کے پاس لوٹ کر آئے اور توریت پیش کی تو بنی اسرائیل کو آپ سے اتنی محبت ہو گئی کہ کسی چیز سے ایسی محبت نہیں ہوئی تھی آپ محبوبِ قوم بن گئے پھر کچھ مدت کے بعد اللہ نے آپ کو بلا لیا اور بنی اسرائیل طرح طرح کی بدعتوں میں مبتلا ہو گئے اور اللہ بھی ان کو سزا دیتا رہا اور پیغمبروں کو ان کی ہدایت کے لئے بھیجتا رہا بنی اسرائیل کسی پیغمبر کی تو صرف تکذیب کرتے تھے اور کسی کو قتل کر دیتے تھے تصدیق نہیں کرتے تھے۔ سب کے آخر میں اللہ نے حضرت زکریاؑ، حضرت یحیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو بھیجا یہ تینوں حضرات داؤدؑ کی نسل سے تھے۔ حضرت زکریاؑ اپنی موت سے مر گئے۔ بعض نے کہا آپ کو شہید کر دیا گیا۔

جب بنی اسرائیل نے حضرت یحیٰؑ کو شہید کر دیا اور حضرت عیسیٰؑ کو اٹھا لیا گیا تو بابل کے ایک بادشاہ کو جس کو خردوش کہا جاتا تھا بنی اسرائیل پر مسلط کر دیا خردوش نے بابل کا لشکر لے کر شام پر چڑھائی کی ملک میں داخل ہو کر تمام بنی اسرائیل پر مسلط ہو گیا۔ جب کامل تسلط پا لیا تو اپنے ایک فوجی سردار سے جس کا نام یبورزاذان تھا کہا، میں نے اپنے معبود کی قسم کھائی تھی کہ بیت المقدس والوں پر جب مجھے فتح حاصل ہو گی تو ان کو اتنا قتل کروں گا کہ ان کا خون بہہ کر میرے لشکر کے وسطی حصہ تک آجائے، ہاں اگر قتل کرنے کے لئے کوئی شخص باقی ہی نہ رہے تو مجبوری ہے.... تم میری اس قسم کو پورا کرو۔ یبورزاذان اس حکم کی تعمیل کے لئے کھڑا ہو گیا اور بیت المقدس میں داخل ہو کر قربان گاہ تک پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ کچھ خون زمین سے ابل رہا ہے، پوچھا یہ کیا بات ہے، یہ خون کیسا ابل رہا ہے۔ بنی اسرائیل نے کہا اس جگہ ہم نے ایک قربانی ذبح کی تھی، قربانی قبول نہیں ہوئی اور اس وقت سے برابر یہ خون ابل رہا ہے۔ ویسے آٹھ سو برس سے ہم قربانیاں کرتے چلے آئے ہیں اور سب کی سب قبول ہوتی رہی ہیں صرف یہ ہی قربانی قبول نہیں ہوئی یبورزاذان نے کہا تم نے مجھے سچ سچ نہیں بتایا کہنے لگے اگر پہلے جیسا وقت ہوتا تو ضرور یہ قربانی بھی قبول ہو جاتی مگر اب تو نہ ہماری حکومت رہی نہ سلسلہ وحی و نبوت۔ اسی لئے یہ قربانی قبول نہیں ہوئی۔ اس کے بعد اسی مقام پر یبورزاذان نے بنی اسرائیل کے سرداروں کے سات سو ستر جوڑے ذبح کر ڈالے مگر خون جب بھی نہیں تھما۔ یبورزاذان نے بنی اسرائیل کے سات سو لڑکے اور قتل کرا دیئے پھر بھی خون ٹھنڈا نہ ہوا یبورزاذان نے جب دیکھا کہ خون تھمتا ہی نہیں ہے تو بنی اسرائیل سے کہا کہ کم بختوں مجھے سچ سچ بتا دو اور اپنے رب کے حکم پر صبر کرو، ایک طویل مدت تک اس زمین پر تمہاری حکومت رہی ہے، تم جو چاہتے تھے کرتے تھے، میں تم میں سے کسی آگ پھونکنے والے مرد کو چھوڑوں گا نہ عورت کو، سبھی کو قتل کر دوں گا۔ یہ وقت آنے سے پہلے مجھے سچ سچ بتا دو۔ جب بنی اسرائیل نے قتل کی یہ شدت اور ناقابل برداشت مصیبت دیکھی تو سچی بات کہہ دی، کہنے لگے حقیقت میں یہ ایک پیغمبر کا خون ہے وہ ہم کو بہت سی باتوں سے منع کرتے تھے اور اللہ کے غضب سے ڈراتے تھے، اگر ہم ان کا کہا مان لیتے تو یقیناً وہ راستہ ہمارے لئے بہت سیدھا راستہ تھا۔ انہوں

Marfat.com

نے ہم کو تمہارے متعلق بھی اطلاع دی تھی مگر ہم نے ان کو جھوٹا جانا اور بجائے تصدیق کے ان کو قتل کر دیا۔ بیورزاذان نے کہا اب تم نے سچی بات بتادی تم سے تمہارا رب اسی کا انتقام لے رہا ہے اس کے بعد بیورزاذان سجدے میں گر پڑا اور جو لوگ اس کی گرداگرد تھے ان کو حکم دیا کہ خردوش کے لشکر کے جو کوئی یہاں ہیں ان کو باہر کر دو اور شہر کے دروازے بند کر دو۔ جب بنی اسرائیل کے ساتھ تنہا رہ گیا تو کہا اے یحییٰ بن زکریا آپ کے قتل کی وجہ سے جس مصیبت میں آپ کی قوم گرفتار ہوئی اور جتنے مارے گئے اس کو میرا اور آپ کا رب جانتا ہے اب آپ اپنے رب کے حکم سے ٹھیر جائیں قبل اس کے کہ آپ کی قوم کے کسی شخص کو میں زندہ نہ چھوڑوں فوراً اللہ کے حکم سے خون تھم گیا اور بیورزاذان نے بنی اسرائیل کو قتل کرنے کا حکم منسوخ کر دیا اور بولا بنی اسرائیل جس پر ایمان لائے ہیں میں بھی اس پر ایمان لایا اور مجھے یقین ہو گیا کہ اس کے سوا کوئی دوسرا رب نہیں پھر بنی اسرائیل سے کہا خردوش نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں تم کو اتنا قتل کروں کہ تمہارا خون بہہ کر اس کے لشکر کے وسطی حصہ تک پہنچ جائے اور میں اس کے حکم عدولی کی طاقت نہیں رکھتا۔ بنی اسرائیل نے کہا خردوش نے جو تم کو حکم دیا ہے اس کی تعمیل کرو۔ بیورزاذان نے ایک خندق کھودنے کا حکم دیا خندق تیار ہو گئی تو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے جتنے گھوڑے، گدھے، خچر، اونٹ، گائیں، بھینسیں اور بکریاں بھیڑیں ہیں سب کو ذبح کر کے خندق میں ڈال دیا جائے۔ اس کی تعمیل بھی کر دی گئی، یہاں تک کہ ان جانوروں کا خون لشکر گاہ کے وسط تک بہہ کر پہنچ گیا اور ان جانوروں کے اوپر ان مقتولوں کی لاشوں کو ڈلوا دیا جن کو پہلے قتل کرا چکا تھا، خردوش سمجھا کہ خندق کے اندر صرف لاشیں ہی بھری پڑی ہیں خون تو لشکر گاہ تک پہنچ ہی چکا تھا اس لئے خردوش نے بیورزاذان کو قتل بند کر دینے کا حکم دے دیا، پھر بابل کو واپس چلا گیا۔ اس حادثہ میں سارے بنی اسرائیل فنا ہو گئے یا فنا ہونے کے قریب پہنچ گئے۔ یہی وہ دوسرا واقعہ ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ۔ پہلا واقعہ تو بخت نصر اور اس کے لشکر کا ہوا اور دوسرا واقعہ خردوش اور اس کی فوج کا۔ دوسرا واقعہ پہلے واقعہ سے زیادہ سنگین تھا اس کے بعد بنی اسرائیل کو استقلال نصیب نہیں ہوا شام اور علاقہ شام کی حکومت رومیوں اور یونانیوں کے ہاتھ میں پہنچ گئی۔ ہاں جو بنی اسرائیل بچ گئے تھے ان کی نسل بکثرت ہو گئی اور بیت المقدس اور اس کے علاقہ میں ان کی ریاست قائم ہو گئی۔ مستقل حکومت نہ بن سکی۔ پھر بھی اللہ کی بڑی نعمتیں ان کو حاصل ہوئیں اور آسائش و آرام سے بسر کرنے لگے۔ لیکن پھر انہوں نے طرح طرح کے جرائم کئے اور نافرمانیاں کیں تو اللہ نے ان پر ٹیٹس بن اسپانش رومی کو مسلط کر دیا ٹیٹس نے ان کی بستیوں کو تباہ کر دیا اور بیت المقدس سے ان کو نکال باہر کیا۔ ریاست ان سے چھین لی اور ایسی ذلت کی مار دی کہ آئندہ جس قوم میں یہ رہے ذلت کے ساتھ اور جزیہ گزار کے رہے اور بیت المقدس اجڑا پڑا رہا، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کا دور خلافت آیا تو آپ کے حکم سے مسلمانوں نے اس کو آباد کیا۔

قتادہ نے کہا پہلے مرتبہ اللہ نے جالوت کو مسلط کیا جالوت نے ان کو قید کیا اور آبادیوں کو تباہ کر دیا۔ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ یعنی پھر حضرت داؤدؑ کے زمانہ میں اللہ نے ان کی بازی پھیر دی۔ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ یعنی جب دوسری تباہی کا وقت آیا تو بخت نصر کو اللہ نے ان پر مسلط کیا بخت نصر نے ان کو قیدی بنایا اور بستیوں کو اجاڑا۔ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ یعنی امید رکھو کہ آئندہ اللہ تم پر رحم فرمائے گا، چنانچہ اللہ نے ان پر دوبارہ رحم فرمایا لیکن بنی اسرائیل نے پھر مختلف زمانوں میں شرارتیں کیں اور اللہ نے بھی سزا اور عقوبت ان کو دی، آخر کار عرب کو ان پر مسلط فرمایا۔ اللہ نے فرمایا۔ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ اور جب آپ کے رب نے آگاہی دے دی تھی کہ قیامت کے دن تک ان (یہودیوں) پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو برا عذاب دیتے رہیں گے۔ لہٰذا یہودی ہمیشہ عربوں کے ہاتھوں سے عذاب میں رہیں گے۔

سدی نے ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس کی بربادی ایک یتیم لڑکے کے ہاتھوں سے ہو گی جو بابل کی ایک بیوہ کا لڑکا ہو گا اور اس کا نام بخت نصر ہو گا (اس زمانہ میں) بنی اسرائیل چونکہ نبی ہوتے تھے اس لئے ان کا خواب بھی سچا ہوتا تھا۔ اس شخص نے خواب دیکھنے کے بعد بخت نصر کی جستجو میں نکلا یہاں تک کہ اس کی ماں کے پاس پہنچ گیا

گیا بخت نصر لکڑہارا تھا اس شخص نے دیکھا کہ وہ سر پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے آیا گٹھے کو سر سے ڈالنے کے بعد بیٹھ گیا اس آدمی نے بخت نصر سے کچھ باتیں کیں پھر اس کو تین درہم دیئے اور کہا جا کر اس کی کچھ کھانے پینے کی چیز لے آؤ بخت نصر نے جا کر ایک درہم کا گوشت ایک درہم کی روٹی اور ایک درہم کی شراب خرید لی اور لے آیا سب نے مل کر کھانا کھایا اور شراب پی اس آدمی نے دوسرے اور تیسرے روز بھی ایسا ہی کیا (روزانہ تین درہم کی کھانے پینے کی چیزیں منگوائیں اور سب نے کھایا) پھر بخت نصر سے کہا میں چاہتا ہوں کہ اگر کبھی کسی دن تم بادشاہ ہو جاؤ تو میرے لئے پروانہ امان ابھی سے لکھ دو تاکہ تمہاری حکومت کے وقت میرے کام آئے بخت نصر نے کہا، کیا تو مجھ سے مذاق کر رہا ہے اس شخص نے کہا میں مذاق نہیں کرتا، تمہارا کیا حرج ہے کہ پروانہ امان لکھ کر مجھے منت کش بنا دو۔ بخت نصر نے پروانہ امن لکھ دیا۔ اس شخص نے کہا جب تمہارے گرد اگر د لوگ جمع ہوں اور میں اس وقت پہنچوں تو تمہارے پاس تک میری رسائی کیسے ہو گی۔ بخت نصر نے کہا کسی بانس میں اس تحریر کو باندھ کر بلند کرنا میں پہچان لوں گا۔ غرض بخت نصر نے تحریر لکھ کر اس شخص کو دے دی۔

قتادہ نے کہا بنی اسرائیل کا بادشاہ حضرت یحییٰ بن زکریا کی بڑی عزت کرتا تھا آپ کو اس نے اپنا مقرب بنا رکھا تھا اتفاقاً بادشاہ کو اپنی بیوی کی بیٹی اور بقول حضرت ابن عباسؓ اپنی بھانجی سے گہری محبت ہو گئی، حضرت یحییٰؑ سے اس نے مسئلہ پوچھا آپ نے نکاح کی اجازت نہ دی، بیوی کی بیٹی یا بھانجی سے نکاح شریعت یہود میں بھی حرام تھا، اس لڑکی کی ماں کو حضرت یحییٰؑ کے فتویٰ کی خبر پہنچی تو اس کے دل میں حضرت کی طرف سے کینہ پیدا ہو گیا، ایک روز جب بادشاہ نے محفل شراب منعقد کی تو اس عورت نے اپنی بیٹی کو باریک سرخ رنگ کے کپڑے پہنائے خوشبو سے مہکایا، زیور سے آراستہ کیا اور بنا سجا کر بادشاہ کے پاس بھیج دیا اور یہ کہہ دیا کہ تو بادشاہ کو شراب پلانا اور جب وہ تیری طرف کو مائل ہو تو لول تو اس سے شرط کرا لینا کہ میرا ایک سوال آپ کو پورا کرنا ہو گا، جب وہ زبان دے دے تو اس سے کہنا مجھے یحییٰ بن زکریا کا سر طشت میں رکھا ہوا درکار ہے، پھر وہ جو کچھ تجھ سے چاہے اس کی تعمیل کرنا۔ لڑکی نے ایسا ہی کیا، بادشاہ جب اس کی طرف مائل ہوا تو اس نے حضرت یحییٰ کے سر کی شرط پیش کی۔ بادشاہ نے کہا کم بخت کچھ اور سوال کر لے۔ میں تیرا سوال پورا کر دوں گا یحییٰ کے سر کی طلبگار نہ ہو، لڑکی نے اصرار کیا، آخر یحییٰ کا سر بادشاہ نے منگوا دیا۔ سر لا کر رکھ دیا گیا تو سر سے آواز آرہی تھی یہ عورت تیرے لئے حلال نہیں ہے۔ جب صبح ہوئی تب بھی سر سے خون ابلتا رہا، بادشاہ نے اس پر مٹی ڈالنے کا حکم دیا تب بھی خون نہ تھما، اور مٹی ڈلوائی تب بھی خون ابلتا ہی رہا، یہاں تک کہ شہر کی فصیل تک اس طشت کو لے جایا گیا اور خون جوش مارتا رہا، اسی دوران میں بابل کے بادشاہ صحابین نے بخت نصر کی زیر قیادت بنی اسرائیل پر حملہ کرنے کے لئے ایک لشکر بھیج دیا جب یہ فوج حدود بیت المقدس میں پہنچی تو لوگ قلعہ بند ہو گئے، انہوں نے بستیوں کے دروازے بند کر لئے، بخت نصر محاصرہ کئے پڑا رہا، آخر طول محاصرہ سے تنگ آ کر اس نے ناکام واپسی کا ارادہ کر لیا۔ بنی اسرائیل کی نسل کی ایک بڑھیا نکل کر آئی اور اس نے بخت نصر سے کہا آپ شہر فتح کئے بغیر واپس جانا چاہتے ہیں۔ بخت نصر نے کہا ہاں، میرا یہاں قیام طویل ہو گیا اور ساتھ والوں کو کچھ کھانے کو مل نہیں رہا ہے۔ کہنے لگی تدبیر میں بتاتی ہوں مگر ایک بات میری آپ کو ماننی ہو گی، جس کو قتل کرنے کا میں آپ کو مشورہ دوں اس کو آپ قتل کر دیں اور جب قتل کرنے سے روک دوں آپ رک جائیں۔ بخت نصر نے کہا اچھا، بڑھیا نے کہا صبح کو آپ اپنے لشکر کے چار حصے کر دیں، ہر گوشہ پر لشکر کا ایک حصہ مقرر کر دیں۔ پھر سب مل کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہیں یحییٰ بن زکریا کے خون کے عوض ہم تجھ سے فتح کے طلب گار ہیں، امید ہے کہ دعا مانگتے ہی (شہر کی) دیواریں گر پڑیں گی بخت نصر اور اس کے لشکر نے ایسا ہی کیا، دیواریں فوراً گر پڑیں اور تمام اطراف سے فوج اندر داخل ہو گئی۔ بڑھیا نے بخت نصر سے کہا اب اپنا ہاتھ روک لو، پھر بخت نصر کو لے کر یحییٰ بن زکریا کے خون کے پاس پہنچی اور کہا لوگوں کو گرفتار کرا کے اس خون پر قتل عام اس وقت تک کرو کہ اس کا ابلنا بند ہو جائے، بخت نصر نے وہاں ستر ہزار آدمیوں کو قتل کیا، آخر وہ خون تھم گیا۔ خون رک گیا تو بڑھیا نے کہا اب قتل موقوف کرو۔ جب کوئی نبی قتل کیا جاتا ہے تو اللہ اس وقت تک راضی نہیں ہوتا جب تک قاتلوں کو اور قتل پر رضامند ہونے والوں کو قتل نہ کر دیا جائے

Marfat.com

، اتنے میں پروانہ امن والا پروانہ امان لے کر آگیا، بخت نصر نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو امان دے دی اور بیت المقدس کھنڈر کر دیا اور اس میں مردار جانور ڈالوا دیئے..... بیت المقدس کی بربادی میں رومیوں نے بھی بخت نصر کی مدد کی کیونکہ بنی اسرائیل نے یحییٰ کو قتل کیا تھا اور یحییٰؑ نے حضرت عیسیٰؑ کی بشارت دی تھی بخت نصر اپنے ساتھ بنی اسرائیل کے کچھ سرداروں کو لے گیا، جن میں حضرت دانیال اور دوسرے انبیاء زادے تھے اور جالوت کے سر کو بھی ساتھ لے گیا۔

بابل میں پہنچا تو چونکہ صحابین مر چکا تھا، لوگوں نے صحابین کی جگہ اسی کو بادشاہ بنا دیا بخت نصر حضرت دانیال اور آپ کے ساتھیوں کی بڑی عزت کرتا تھا، مجوسیوں کو اس بات سے جلن ہوئی اور انہوں نے بخت نصر سے دانیال کی چغلیاں کھائیں اور کہا دانیال اور ان کے ساتھی آپ کے معبود کو نہیں مانتے اور آپ کے ہاتھ کا ذبیحہ (یعنی آپ کا عقیدہ رکھنے والے مشرکوں کا ذبیحہ) بھی نہیں کھاتے، بخت نصر نے دانیال اور ان کے ساتھیوں سے یہ بات دریافت کی، انہوں نے جواب دیا ہاں ہمارا ایک رب ہے اور ہم آپ لوگوں کا ذبیحہ نہیں کھاتے، بخت نصر نے ایک خندق کھدوائی اور ان سب کو جن کی تعداد چھ تھی اس میں ڈلوا دیا، اور ایک شکاری شیر کو بھی خندق میں چھوڑ دیا تاکہ شیر ان لوگوں کو پھاڑ کھائے، لیکن دن گزرنے کے بعد شام کو جاکر دیکھا تو سب کو (صحیح سالم) بیٹھا ہوا پایا، شیر بھی پاؤں پھیلائے ان کے پاس ہی پڑا ہوا تھا اور اس نے کسی کے خراش بھی نہیں لگائی تھی، اس کے علاوہ ایک ساتواں آدمی اور بھی ان کے ساتھ موجود تھا، حقیقت میں وہ ایک بادشاہ تھا جس کی سات سال تک اللہ برابر ہر سال صورت مسخ کرتا رہا، وہب نے اس کی یوں تفصیل کی ہے کہ بخت نصر کو اللہ نے ایک سال بشکل گدھ رکھا، پھر ایک برس تک بیل کی شکل پر کر دیا، پھر شیر کی صورت پر کر دیا۔ اسی طرح سات سال تک صورت بگڑتی اور بدلتی رہی لیکن دل ہر صورت میں انسان ہی کا رہا، آخر میں پھر اس کی حکومت اس کو عطا فرمادی اور وہ مومن ہو گیا۔ وہب سے دریافت کیا گیا، کیا بخت نصر مومن تھا۔ وہب نے جواب دیا، اس کے بارے میں میں نے اہل کتاب کے اقوال مختلف پائے، کوئی تو قائل ہے کہ اس کی موت ایمان پر ہوئی اور کوئی کہتا ہے اس نے بیت المقدس کو جلایا جو خانہ خدا تھا، اللہ کی کتابوں کو سوختہ کیا اور انبیاء کو قتل کیا اس پر اللہ کا غضب پڑا اور توبہ قبول نہیں ہوئی۔

سدی کا بیان ہے کہ مسخ شکل کے بعد اللہ نے جب بخت نصر کو اس کی اصلی شکل پر کر دیا اور حکومت بھی اس کو دوبارہ عطا فرمادی تو دانیال اور آپ کے ساتھیوں کی اس نے بڑی عزت و تعظیم کی۔ مجوسیوں کو اس بات پر حسد ہوا انہوں نے بخت نصر سے کہا دانیال شراب پی لیتا ہے تو پیشاب ضرور کرتا ہے، یہ بات ان لوگوں کی سوسائٹی میں بہت بری مانی جاتی تھی۔ اس پر بخت نصر نے حضرت دانیال اور ان کے ساتھیوں کو کھانا اور شراب بھیجی اور دربانوں سے کہہ دیا، دیکھو جو شخص پیشاب کے لئے سب سے پہلے نکل کر جائے اس کو تبر سے مارنا خواہ وہ یہ بھی کہے کہ میں بخت نصر ہوں تب بھی تم یقین نہ کرنا اور ضرور مارنا اور کہہ دینا کہ تو بخت نصر نہیں جھوٹا ہے۔ بخت نصر نے تو ہم کو حکم دے رکھا ہے کہ جو شخص باہر نکلے اس کو مارنا۔ اتفاق کی بات کہ سب سے پہلے پیشاب کے لئے بخت نصر ہی گیا اور دربان نے اس پر حملہ کر دیا بخت نصر نے ہر چند کہا میں بخت نصر ہوں مگر دربان نے اس کو جھوٹا قرار دیا اور مارتے مارتے مار ہی ڈالا۔

بغوی نے لکھا ہے ارباب تاریخ کے نزدیک حضرت یحییٰؑ کے قتل کے بعد بخت نصر کا بنی اسرائیل پر چڑھائی کرنا ثابت نہیں بلکہ اہل تاریخ اس امر پر متفق ہیں کہ بنی اسرائیل نے جب حضرت شعیا کو قتل کر دیا تو اس کے بعد بخت نصر نے حضرت ارمیا کے زمانہ میں بنی اسرائیل کو قتل و غارت کیا حضرت ارمیا اور ولادت یحییٰ بن زکریاؑ کے درمیان چار سو اکسٹھ برس کا فصل ہے۔ بہمن بن اسفندیار (شاہ ایران) کی طرف سے کیرش بن اخشورش بن اصبہبذ بابل کا نواب تھا، اس کے زمانے میں ہی دوبارہ بیت المقدس کی تعمیر ہوئی یہ وہ وقت تھا جب بخت نصر کے ہاتھوں سے بیت المقدس کو برباد ہوئے ستر سال گزر چکے تھے۔ پھر تعمیر بیت المقدس سے اٹھاسی سال بعد سکندر نے بیت المقدس پر تسلط کیا اور عہد سکندر سے تین سو تریسٹھ سال بعد حضرت یحییٰ کی پیدائش ہوئی اس حساب سے تو بخت نصر کے ہاتھوں سے جو تخریب ہوئی اس سے ۵۲۱ برس بعد حضرت یحییٰؑ کی ولادت

Marfat.com

ہوئی، ۶۱ھ کی میزان مذکور تفصیل کے لحاظ سے غلط ہے۔ مترجم) بغوی نے لکھا ہے صحیح وہی ہے جو ابن اسحاق نے بیان کیا ہے۔

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ　(اے بنی اسرائیل) قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے۔ یعنی اگر تم محمد ﷺ پر ایمان لے آؤ گے اور قرآن کا اتباع کرتے ہوئے اپنے اعمال درست کر لو گے تو امید ہے کہ اللہ تم پر رحم فرمائے گا۔

وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ　اور اگر تم (اللہ کی نافرمانی اور رسول کی مخالفت کی طرف) لوٹے تو ہم بھی (سزا اور انتقام کی طرف) لوٹیں گے۔

پس عبد اللہ بن سلامؓ، شاہ نجاشیؒ، کعب احبارؒ اور ان جیسے دوسرے اہل کتاب جب رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے تو اللہ نے ان پر رحمت نازل فرمادی، ان کی ثنا کی اور فرمایا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ الخ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا، وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ الخ اور بنی قریظہ، بنی نضیر اور ان کی طرح دوسرے یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی اور آپ کو شہید کر دینا چاہا، آپ ﷺ پر جادو کیا، آپ ﷺ کے کھانے میں زہر ملا دیا، اور آپ ﷺ سے جنگ کی تو اللہ بھی ان کو سزا دینے کی طرف لوٹا، ان سے انتقام لیا، بنی قریظہ کو قتل کرا لیا، بنی نضیر کو جلاوطن کرا لیا، ان پر جزیہ مقرر کیا اور ان کو ذلیل کیا۔

وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۞　اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ بنا دیا ہے جس سے وہ کبھی نکل نہ سکیں گے، بعض علماء کے نزدیک حصیر کا ترجمہ بساط (فرش چٹائی وغیرہ) ہے۔ یعنی کافروں کے لئے ہم جہنم کا بچھونا کر دیں گے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ　بے شک یہ قرآن وہ بات یا وہ راہ بتاتا ہے جو تمام باتوں اور تمام راہوں سے زیادہ درست اور سیدھی ہے یا وہ کلمہ بتاتا ہے جو تمام کلمات سے زیادہ صحیح ہے، اس وقت کلمہ سے مراد ہوگی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت۔

وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۞

اور ان مومنوں کو جو نیک کام کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا اجر یعنی جنت ہے۔ اجر کبیر سے مراد جنت ہے۔

وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۞

اور مومنوں کو بشارت اس بات کی بھی دیتا ہے کہ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے ہم نے ان کے لئے دکھ والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ قرآن مومنوں کو دوہری بشارت دیتا ہے، جنت ان کے لئے ہوگی اور ان کے دشمنوں کے لئے سخت دکھ پہنچانے والا عذاب ہوگا۔

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ　اور (بعض) آدمی برائی (یعنی عذاب) کی ایسی درخواست کرتا ہے جس طرح بھلائی کی درخواست۔ شر کی دعا کرنے سے مراد یہ ہے کہ غصہ میں اپنے لئے اپنے اہل وعیال اور مال کے لئے بد دعا کرتا ہے یا یہ مراد ہے کہ بعض چیزوں کو اپنے لئے اچھا سمجھتے ہوئے ان کو حاصل کرنے کی اللہ سے دعا کرتا ہے، حالانکہ وہ چیزیں اس کے لئے بری ہوتی ہیں۔

خیر کی دعا کرنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ دنیا اور دین کی بھلائی کے لئے اور عذاب آخرت سے محفوظ رہنے کے لئے دعا کرتا ہے۔ پس اسی طرح وہ شر کا بھی طلب گار ہوتا ہے۔ اگر اللہ اس کی بد دعا قبول فرمالے تو یقیناً وہ تباہ ہو جائے مگر اللہ اپنی مہربانی سے اس کی یہ بد دعا قبول نہیں فرماتا اور اس کے سوال کے مطابق تباہ نہیں کرتا)

وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۞　اور انسان بڑا جلد باز ہے۔ یعنی جو خیال دل میں آتا ہے چاہتا ہے کہ فوراً پورا ہو جائے، انجام پر غور نہیں کرتا، اور یہ نہیں سوچتا کہ اگر اس کا خیال پورا کر دیا جائے تو ایسا نتیجہ سامنے آجائے گا جو اس کو پسند نہ ہوگا، ناگوار ہوگا۔

Marfat.com

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا صبر نہیں کرتا، نہ اس کو دکھ پر قرار ہوتا ہے نہ سکھ پر ہر چیز سے اکتا جاتا ہے اور تنگ دل ہو کر دعا کرتا ہے۔

بعض علماء نے کہا انسان سے مراد حضرت آدمؑ ہیں، جب روح آپ کے بدن میں ڈالی گئی تو ناف تک ہی پہنچی تھی کہ اٹھنے لگے، مگر گر پڑے اٹھ نہ سکے۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے۔

واقدی نے مغازی میں حضرت عائشہؓ کے کسی آزاد کردہ غلام کی وساطت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک قیدی کو ساتھ لے کر حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اس کی بڑی نگرانی رکھنا (کہیں بھاگ نہ جائے) حضرت عائشہؓ کسی عورت سے باتیں کرنے میں قیدی کی طرف سے غافل ہو گئیں، قیدی بھاگ گیا، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور قیدی کے متعلق دریافت فرمایا، حضرت عائشہؓ نے کہا مجھے معلوم نہیں وہ کہاں گیا میں ذرا اس کی طرف سے غافل ہوئی کہ وہ نکل گیا، حضور والا نے ناراض اور غضب ناک ہو کر فرمایا اللہ تیرا ہاتھ کاٹ دے، یہ فرما کر باہر تشریف لے گئے اور ملزم کے پیچھے آدمیوں کو دوڑایا لوگ اس کو پکڑ لائے پھر آپ اندر تشریف لائے حضرت عائشہؓ بستر پر (بیٹھی) اپنے ہاتھ کو الٹ پلٹ کر رہی تھیں، فرمایا، کیوں کیا بات ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا میں آپ کی بد دعا (کا اثر ظاہر ہونے) کا انتظار کر رہی ہوں، حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی اے اللہ میں ایک انسان ہوں دوسرے انسانوں کی طرح مجھے بھی رنج ہوتا ہے اور غصہ آگیا ہے، میں جس مومن مرد یا مومن عورت کے لئے کوئی بد دعا کروں تو میری بد دعا کو اس کے لئے گناہوں سے پاکی اور طہارت کا سبب بنادے۔ واللہ اعلم۔

کلام کی رفتار بتا رہی ہے کہ الانسان سے مراد کافر انسان ہے اور دعا شر سے مراد عذاب کے فوراً آجانے کی دعا ہے کافر بطور استہزاء جلد عذاب آنے کی درخواست کرتے تھے۔ نضر بن حارث نے کہا تھا اے اللہ! دونوں گروہوں میں جو فریق بہتر ہو اس کو فتح یاب کرا اے اللہ اگر تیری طرف سے یہ اسلام و قرآن ہی حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے، چنانچہ بدر کے دن نضر بن حارث کی گردن ماری گئی۔

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ اور ہم نے رات اور دن دو نشانیاں بنائی ہیں۔ شب و روز کا تعاقب اور ترتیب کے ساتھ آنا جانا قادر و حکیم کی ذات پر دلالت کر رہا ہے۔ (یہ نشانیاں ہیں قادر کی قدرت اور حکیم کی حکمت کی)۔

فَمَحَوْنَا اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَا اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً سو رات کی نشانی کو تو ہم نے دھندلا بنایا ہے اور دن کی نشانی کو روشن بنایا ہے۔

یعنی ہم نے رات کو تاریک اور دن کو روشن بنایا، بعض علماء کا قول ہے کہ دو نشانیوں سے مراد ہیں چاند اور سورج، یعنی رات اور دن کو ہم نے دو نشانیوں والا بنایا۔ یا رات اور دن کے درمیان دو نشانیاں بنادیں پھر رات کی نشانی یعنی چاند کو ہم نے گھٹاتے گھٹاتے مٹادیا اور دن کی نشانی یعنی سورج کو چمکایا، دمکایا کہ دنیا کی چیزیں اس کی روشنی میں نظر آنے لگیں۔

کسائی نے کہا عرب اَبْصَرَ النَّهَارُ اس وقت بولتے ہیں جب دن کی روشنی میں چیزیں نظر آنے لگیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے سورج کی چمک کے ستر حصے بنائے اور چاند کی روشنی کے بھی اتنے ہی اجزاء قائم کئے پھر چاند کی روشنی کے ۶۹ حصے سورج کی روشنی کے ساتھ شامل کر دیئے یہاں تک کہ جبرئیل نے بحکم خدا اپنا پر چاند کے چہرہ پر تین بار پھیر دیا تو اس کی چمک دمک جاتی رہی صرف روشنی رہ گئی۔ ابن الکوا نے حضرت علیؓ سے اس داغ کے متعلق دریافت کیا جو چاند کے اندر ہے، فرمایا یہ روشنی کو مٹانے کا نشان ہے۔[1]

---

[1] بیہقی نے دلائل میں سعید مقبری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس سیاہی کے متعلق دریافت کیا جو چاند میں موجود ہے۔ فرمایا دونوں چمکدار تھے۔ پھر بقول باری تعالیٰ فَمَحَوْنَا اٰيَةَ الَّيْلِ (ایک کی چمک مٹادی گئی) پس یہ سیاہی جو تم کو نظر آرہی ہے۔ محو کی نشانی ہے۔

Marfat.com

لِّتَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ تاکہ تم اپنے رب کا فضل طلب کرو۔ یعنی رات میں عبادت کے لئے راحت و فراغت اور دن میں روزی کمانے کے اسباب۔

وَلِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِيۡنَ وَالۡحِسَابَ‌ؕ اور (رات دن کے آنے جانے اور چاند سورج کی رفتار سے) سالوں کی گنتی اور (اپنے معاملات کا عموماً) حساب جان لو۔

وَكُلَّ شَىۡءٍ فَصَّلۡنٰهُ تَفۡصِيۡلًا ۝۱۲ اور تمہاری دنیا و دین کی ضرورت کی ہر چیز کو ہم نے کھول کر بیان کر دیا ہے یعنی اس طرح بیان کر دیا ہے کہ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے اور شرک و گمراہی کی کوئی دلیل تمہارے لئے باقی نہ رہے۔

وَكُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰهُ طٰۤـئِرَهٗ فِىۡ عُنُقِهٖ‌ؕ اور ہم نے ہر انسان کا عمل اس کے گلے کا ہار کر کے رکھا ہے۔

یعنی انسان کا عمل اور مقدر انسان کے ساتھ رہتا ہے انسان جہاں کہیں ہو امر مقدر اس سے جدا نہیں ہو سکتا (حضرت ابن عباسؓ) کلبی اور مقاتل نے کہا نیکی ہو یا بدی اچھائی ہو یا برائی انسان کے ساتھ رہے گی یہاں تک کہ اس سے ہر خیر و شر کی حساب فہمی ہو گی۔ حسن نے کہا طائر سے مراد ہے برکت و نحوست۔ اہل حقیقت کہتے ہیں طائر وہ امر تقدیری ہے جس کا فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ آدمی وہ ضرور کرے گا اور اس کا نتیجہ ضرور حاصل کرے گا، خواہ خوش نصیبی ہو یا بد بختی۔

جانور پرندہ ہو یا چرندہ عرب اس کے نکلنے سے اچھا برا شگون لیتے تھے، اگر شکاری کے بائیں ہاتھ کی طرف سے شکار نکل کر دائیں ہاتھ کی طرف آئے تو اس کو اچھا سمجھتے تھے کیوں کہ بغیر مڑنے اور گھومنے کے شکاری اس کو شکار کر سکتا تھا اور اگر دائیں ہاتھ کی طرف سے بائیں ہاتھ کی جانب شکار آجائے تو اس کو برا سمجھتے کیونکہ اس صورت میں بغیر گھومے شکاری تیر نہیں مار سکتا تھا۔ نہایہ۔ (یہ اچھائی برائی تو شکار اور شکاری سے تعلق رکھتی تھی لیکن اس کے بعد عرب اس سے عام شگون لینے لگے بائیں جانب سے جانور نکل کر جائے تو نیک فال سمجھتے تھے اور دائیں جانب سے نکلے تو برا شگون جانتے تھے۔ مترجم)

ابو عبیدہ اور قتبی نے کہا طائر سے اس جگہ نصیب مراد ہے اچھا ہو یا برا۔ عرب بولتے ہیں طَارَ سَهۡمُ فُلَانٍ بِكَذَا۔ اسی محاورہ سے لفظ طائر بمعنی نصیب ماخوذ ہے۔

تمام اعضاء میں گلا ایسا عضو ہے کہ اس میں پڑے ہوئے ہار یا طوق سے آدمی کی زینت یا بد نمائی کا خصوصی تعلق ہے عرب اسی وجہ سے جدا نہ ہونے والی چیزوں کے متعلق کہتے ہیں یہ چیز فلاں شخص کے گلے میں پڑ گئی یعنی لازم ہو گئی اس سے جدا نہیں ہوتی۔

مجاہد نے کہا جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کے گلے میں ایک پرچہ پڑا ہوتا ہے جس میں سعید یا شقی لکھا ہوتا ہے۔

وَنُخۡرِجُ لَهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ كِتٰبًا اور اس کے لئے ہم قیامت کے دن ایک صحیفہ نکالیں گے۔ کتاب سے مراد ہے۔ اعمالنامہ۔

يَّلۡقٰٮهُ مَنۡشُوۡرًا ۝۱۳ جو اس کو کھلا ہوا ملے گا۔ بغوی نے لکھا ہے۔ آثار (یعنی اقوال صحابہ) میں آیا ہے کہ جب آدمی کی عمر پوری ہو جاتی ہے تو اللہ فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ اس آدمی کا اعمال نامہ روز قیامت سے پہلے نہیں کھولا جائے گا۔

اِقۡرَاۡ كِتٰبَكَ‌ؕ (اس سے کہا جائے گا) اپنا اعمال نامہ پڑھ یا یہ مطلب ہے کہ اس اعمال نامہ (کے شروع) میں لکھا ہو گا، اپنا اعمال نامہ پڑھ۔

كَفٰى بِنَفۡسِكَ الۡيَوۡمَ عَلَيۡكَ حَسِيۡبًا ؕ‏ ۝۱۴ آج تیرا نفس خود ہی تجھ سے حساب فہمی کے لئے کافی ہے۔ حسیب حساب کرنے والا۔ یا حسیب کا معنی ہے کافی۔ یعنی تیرا نفس ہی تیرے خلاف گواہی دینے کے لئے کافی ہے۔ بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام اعمال نامے عرش کے نیچے ہیں جب موقف ہو گا (یعنی قیامت کے دن سب لوگوں کو ایک میدان میں حساب فہمی کے لئے کھڑا کیا جائے گا) تو اللہ ایک ہوا بھیج دے گا اور ہوا اڑا کر

Marfat.com

اعمالناموں کو دائیں اور بائیں ہاتھوں میں پہنچادے گی۔
حسن نے کہا جس نے تیری ذات کو خود ہی تجھ پر محاسب بنادیا اس نے یقیناً تیرے لئے انصاف کیا۔ بغوی، ابن جریر نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے جو شخص دنیا میں پڑھا ہو انہ ہو گا اس روز وہ بھی پڑھ لے گا۔
ابن مبارک نے حسن کا قول نقل کیا ہے کہ ہر شخص کے گلے میں ایک قلادہ لٹکا دیا گیا ہے جس کے اندر اس کے اعمال لکھ دیئے جاتے ہیں پھر لپیٹ کر اس کے گلے میں ڈال دیا جاتا ہے، پھر (قیامت کے دن) جب اس کو اٹھالیا جائے گا تو اس اعمال نامہ کو اس کے سامنے کھول دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا اِقْرَأْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا۔
اصبہانی نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، آدمی کے سامنے اس کا اعمال نامہ کھلا ہوا لایا جائے گا تو وہ پڑھ کر کہے گا، میں نے فلاں فلاں نیکیاں کی تھیں اس میں وہ درج نہیں ہیں اللہ فرمائے گا چونکہ تو لوگوں کی غیبت کرتا تھا اس لئے میں نے وہ تیری نیکیاں مٹادیں۔
مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ جو شخص دنیا میں سیدھے راستے پر چلتا ہے وہ اپنے نفع کے لئے چلتا ہے۔
یعنی جو کوئی ہدایت یاب ہوگا تو اس کا فائدہ خود اسی کو ملے گا کسی کا ہدایت یافتہ ہونا دوسروں کو عذاب سے نہیں بچائے گا۔
وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ اور جو راستہ بھٹکتا ہے سو وہ اپنے نقصان کے لئے بے راہ ہوتا ہے۔ یعنی جو گمراہ ہوگا اسی کو اپنی گمراہی کا وبال اٹھانا پڑے گا اور اس کی گمراہی دوسروں کی ہلاکت کا باعث نہ ہوگی۔ ابن عبدالبر نے ایک کمزور سند کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک بار حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے مشرکوں کے ان بچوں کا جو بلوغ سے پہلے مر گئے ہوں حکم دریافت کیا، حضور نے فرمایا وہ اپنے باپوں سے پیدا ہوئے ہیں لہٰذا انہی کے حکم میں داخل ہیں کچھ مدت کے بعد حضرت خدیجہؓ نے یہی سوال کیا تو فرمایا اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اگر بڑے ہو جاتے تو کیا کرتے اس کے بعد جب اسلام مستحکم ہو گیا اور حضرت خدیجہؓ نے یہی سوال کیا تو آیت ذیل نازل ہوئی۔
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کے گناہ کا بار اپنے اوپر نہیں اٹھائے گا۔ بلکہ صرف اپنے گناہ کا بار اپنے اوپر اٹھائے گا۔ وزر سے مراد ہے بار گناہ۔
وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ اور ہم رسول کو بھیجے بغیر کسی کو عذاب دینے والے نہیں۔ یعنی زندگی کے قوانین شرعیہ پیش کرنے اور آخری حجت ختم کرنے والے پیغمبروں کو بھیجے بغیر ہم کسی کو عذاب دینے والے نہیں۔ امام شافعیؒ نے کہا یہ آیت بتا رہی ہے کہ جس شخص کو دعوت پیغمبر کی اطلاع نہ پہنچی ہو فقط عقل و ہوش ملنے کی وجہ سے اس پر کوئی اعتقادی یا عملی حکم واجب نہیں ہوتا، پس پیغمبر کی دعوت نہ پہنچنے کی وجہ سے اگر کوئی شرک یا عملی معصیت کا مرتکب ہو تو اس کو عذاب نہ ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا حاکم اللہ ہی ہے لیکن انسانی عقل بجائے خود اللہ کو ایک سمجھنے اور تمام عیوب و نقائص سے پاک جاننے اور معجزات کی روشنی میں نبوت کا اقرار کرنے کی مکلف ہے، اقرار توحید و رسالت کا مدار عقل پر ہے، حکم خداوندی اور ہدایت رسول پر نہیں جس کو بعثت نبی کی اطلاع نہ پہنچی ہو، یا انبیاء کو اللہ مبعوث ہی نہ کرے تب بھی توحید و تنزیہ کا اعتراف عقل کا فریضہ ہے تمام شرائع اور احکام کا مدار توحید و نبوت کے اقرار پر ہے، اگر توحید و نبوت کے اقرار کا مدار بھی حکم شریعت پر ہوگا تو دور پیدا ہو جائے گا اور اس چکر کے نتیجے میں کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یوں سمجھو احکام شرعیہ نبوت و توحید کے اقرار پر مبنی ہیں، اور نبوت و توحید کا اقرار حکم شرع پر مبنی ہے، تو احکام شرعیہ خود ہی اپنی ذات پر موقوف ہوں گے پس انبیاء کے مبعوث نہ ہونے یا بعثت کی اطلاع نہ پانے کی وجہ سے اگر کوئی شخص شرک کرے گا تو مجرم اور مستحق عذاب ہوگا۔ اس قول کی تائید صحیحین کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ حضرت آدمؑ سے فرمائے

Marfat.com

گا۔ آدم! حضرت آدمؑ جواب دیں گے لبیک۔ حاضر۔ تمام بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اللہ فرمائے گا اپنی اولاد میں سے دوزخ کا حصہ نکالو۔ آدمؑ عرض کریں گے، دوزخ کا حصہ کیا۔ اللہ فرمائے گا، نو سو ننانوے فی ہزار۔ یہ فرمان ایسا ہوگا کہ (جس کی ہیبت سے) بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حاملہ کو اسقاط ہو جائے گا اور لوگ نشہ والوں کی طرح بے قابو اور مدہوش نظر آئیں گے، حالانکہ وہ نشہ آور چیز پیے ہوئے نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔

صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وہ ایک (نجات یافتہ) ہم میں سے کون ہوگا۔ فرمایا تم کو بشارت ہو کہ تم میں سے ایک جہنمی ہوگا اور یاجوج ماجوج میں سے ہزار۔ اِلٰی اٰخِرِ الْحَدِیْث۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ عقل پانے کے بعد ہر شخص توحید کے اقرار کا مکلف ہے، دیکھو یاجوج ماجوج کی قومیں سد کے پار ہوں گی ان میں کوئی پیغمبر مبعوث نہ ہوگا پھر بھی ان پر عذاب ہوگا۔

دو پیغمبروں کی درمیانی مدت میں جب کہ سلسلۂ رسالت عارضی طور پر منقطع ہو گیا ہو جو لوگ پیدا ہوئے ہوں گے، قیامت کے دن ان کی جانچ کی جائے گی۔ بزاز نے حضرت ثوبانؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن اہل جاہلیت (دور اسلامی سے پہلے کے لوگ جو حضرت عیسیٰؑ کے صحیح دین پر نہ تھے) اپنے بار اپنی اپنی پشت پر اٹھائے ہوئے آئیں گے اللہ ان سے باز پرس کرے گا، وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب تو نے ہمارے پاس اپنا کوئی رسول نہیں بھیجا تھا نہ ہم کو تیرا حکم پہنچا اگر تو کوئی رسول ہمارے پاس بھیجتا تو ہم سب سے زیادہ تیرے فرماں بردار بندے ہوتے۔ اللہ فرمائے گا اچھا اگر میں تم کو اب کوئی حکم دوں تو مانو گے اہل جاہلیت جواب دیں گے، بے شک ہم مانیں گے اللہ ان سے پختہ عہد و پیمان لے کر حکم دے گا، جاؤ دوزخ میں داخل ہو جاؤ، حسب الحکم وہ لوگ دوزخ کی طرف چلیں گے، جب قریب پہنچ کر اس کو دیکھیں گے تو ڈر کر واپس لوٹ پڑیں گے اور عرض کریں گے، اے ہمارے رب ہم کو تو دوزخ سے ڈر لگتا ہے ہم اس میں داخل نہیں ہو سکتے اللہ فرمائے گا، ذلیل ہو کر اس میں داخل ہو (یعنی اس وقت تم نے نافرمانی کی اب ذلت کے ساتھ تم کو دوزخ میں جانا پڑے گا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اگر وہ پہلی ہی مرتبہ دوزخ میں داخل ہو جاتے تو آگ ان کے لئے ٹھنڈی پڑ جاتی اور سلامتی بن جاتی۔

امام احمد اور ابن راہویہ نے اپنی اپنی مسندوں میں اور بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں حضرت اسود بن سریعؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور بیہقی نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن چار آدمی ایسے ہوں گے جو (اپنے گمراہ ہونے کی) حجت پیش کریں گے، بہرا پٹ، احمق، پیر فرتوت جو حواس کی حد تک پہنچ چکا ہوگا اور وہ شخص جو دور جاہلیت میں مرا ہوگا۔ بہرا کہے گا، میرے رب اسلام آیا تو میں نے دعوت اسلامی نہیں سنی مجھے کچھ سنائی ہی نہیں دیتا تھا۔ احمق کہے گا جب اسلام آیا (تو میری یہ حالت تھی کہ) بچے میرے مینگنیاں مارتے تھے میں تو پاگل تھا۔ پیر فرتوت کہے گا اسلام جس وقت آیا تو میں سمجھ سے قاصر تھا کچھ سمجھتا ہی نہ تھا اور دور جاہلیت میں جو شخص مر گیا ہوگا وہ کہے گا اے میرے رب میرے پاس تو تیرا کوئی رسول ہی نہیں آیا (اللہ فرمائے گا کیا اب اگر تم کو کوئی حکم دیا جائے تو تعمیل کرو گے وہ لوگ تعمیل کا وعدہ کریں گے) اللہ ان سے تعمیل حکم کا مضبوط وعدہ لے کر حکم دے گا کہ دوزخ میں چلے جاؤ (وہ داخل نہ ہوں گے اور ڈر کر لوٹ آئیں گے) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر وہ دوزخ میں حکم ملتے ہی داخل ہو جاتے تو آگ ان کے لئے ٹھنڈی پڑ جاتی اور سلامتی بن جاتی۔ تینوں نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ اس کے آخر میں اتنا زائد ہے کہ ان میں سے جو کوئی تعمیل حکم میں دوزخ کے اندر گھس جائے گا آگ اس کے لئے خنکی بخش اور سلامتی کا باعث ہو جائے گی اور جو اپنی خوشی سے داخل نہ ہوگا، اس کو کھینچ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

ابن مبارکؒ نے کہا مجھ سے مسلم بن یسار نے بیان کیا کہ قیامت کے دن ایک اندھے بہرے گونگے بندے کو اٹھایا جائے گا، جس نے نہ کبھی کچھ سنا ہوگا نہ دیکھا ہوگا نہ کوئی بات کی ہوگی اللہ اس سے فرمائے گا جو حکم میں نے تجھے دیا تھا اور جو کچھ

Marfat.com

عطا کیا تھا تو نے اس پر کیا عمل کیا وہ عرض کرے گا، اے میرے رب خدا کی قسم نہ تو تو نے مجھے آنکھیں دیں جن سے میں لوگوں کو دیکھتا نہ کان دیئے کہ تیرے اوامر و نواہی کو سنتا نہ مجھے زبان دی کہ میں اچھی بری بات کہتا میں تو بس ایک لکڑی کی طرح تھا اللہ فرمائے گا اب اگر میں تجھے کچھ حکم دوں تو تعمیل کرے گا وہ شخص جواب دے گا جی ہاں اللہ فرمائے گا تو آگ میں گر پڑ یہ حکم سن کر وہ انکار کرے گا تو دھکے دے کر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

میں حنفیہ کے قول کے موافق کہتا ہوں کہ مشرک اگر باہوش ہے تو اس کو خواہ پیغمبر کی دعوت نہ پہنچی ہو، پھر بھی شرک کرنے کا عذاب دیا جائے گا۔ اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ اللہ شرک کو معاف نہیں کرے گا۔ اس حکم میں بطور عموم وہ لوگ بھی داخل ہیں، جو دور اسلام سے پہلے دور جاہلیت میں شرک پر مر گئے ہیں، ممکن ہے وہ اللہ کے سامنے اپنی ناواقفیت کا عذر پیش کریں اور اللہ قیامت کے دن ان کا امتحان لے کر آخر جہنم میں بھیج دے۔ قیامت کے دن مشرک اپنے شرک کا انکار کریں گے اور ثبوت و شہادت طلب کریں گے تو ان کے اعضاء خود ان کے خلاف شہادت دیں گے اور اللہ کی طرف سے ثبوت مکمل ہو جائے گا اور شرک کا عذاب اللہ جس کو چاہے گا دے گا اور یہ تقاضا عدل کے خلاف بھی نہ ہوگا (کیونکہ شرک سے روکنے والی اور توحید کی طرف رہنمائی کرنے والی عقل اللہ نے ان کو عطا کر دی تھی، اس کے لئے کسی مزید پیام بھیجنے کی ضرورت نہ تھی) البتہ دوسرے صحیح ضوابط زندگی سمجھنے کے لئے چونکہ عقل انسانی کافی نہیں ہے اس لئے بغیر رسالت و بعثت کے کوئی شخص ان کا مکلف نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ ھَدَاھُمْ حَتّٰی یُبَیِّنَ لَھُمْ مَّا یَتَّقُوْنَ اللہ ایسا تو نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت کرنے کے بعد گمراہ کر دے تاوقتیکہ ان باتوں کو کھول کر نہ بیان کر دے جن سے ان کو بچنا ضروری ہے۔

صاحب مدارک نے حنفیہ کے مسلک کی بناء پر آیت کا تفسیری مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ پیغمبر کو بھیجے بغیر ہماری طرف سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ دنیا میں کسی کو بیخ بن سے اکھاڑ پھینکنے کا عذاب دیں، گویا آیت میں لفظ مُعَذِّبِیْنَ سے مفسر مدارک کے نزدیک دنیوی عذاب اس طرح دینا مراد ہے کہ جڑ بنیاد سے کسی قوم کو اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔ میں کہتا ہوں یہ تفسیر بہت ہی دور از فہم ہے کیونکہ مُعَذِّبِیْنَ کا لفظ عام ہے دنیوی اور اخروی ہر طرح کے عذاب کو شامل ہے نکرہ منفی کی نفی عام ہوتی ہے کوئی وجہ نہیں کہ اس لفظ سے صرف عذاب دنیا اور عذاب دنیوی میں سے بھی خاص طور پر عذاب استیصال مراد لیا جائے کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ جب بغیر اتمام حجت کے عذاب دینا ممکن نہیں تو عذاب آخرت کیسے ہو سکے گا (نفی تو دونوں کو شامل ہے)

اس لئے قبل بعثت عذاب نہ دینے سے مراد ہے معاصی اور بداعمالیوں پر عذاب نہ دینا۔ عذاب شرک کی نفی مراد نہیں ہے (نہ عذاب استیصال کی نفی)

بعض علماء کا قول ہے کہ لفظ رسولاً عقل کو بھی شامل ہے لفظ رسول کے اندر پیغمبر بھی داخل ہیں اور ہر انسان کی تندرست عقل بھی۔ عقل بھی اللہ کی طرف سے ایک رسول ہے جو خیر و شر کا فرق بتاتی ہے اور اچھائی برائی کی اس کے ذریعہ سے تمیز ہوتی ہے۔ پس عقل انسانی جن فرائض و حقوق کا ادراک کر سکتی ہے ان کے ترک پر انسان کو عذاب دیا جائے گا (خواہ شرک ہو یا بدیہی واضح امور خیر و شر)

فصل

آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ مشرکوں کے بچوں اور دیوانے انسانوں کو عذاب نہ ہوگا۔ (نہ عذاب شرک نہ عذاب معاصی) کیونکہ ان کو نہ کسی پیغمبر کی دعوت پہنچی نہ عقل کی (ماں باپ کا شرک ان پر اثر انداز نہ ہوگا) رفتار آیت اسی مطلب پر روشنی ڈال رہی ہے لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی سے یہی مستفاد ہو رہا ہے، بعض احادیث میں بھی اسی طرح کا مضمون آیا

Marfat.com

ہے، امام احمد نے حنساء بن معاویہ کے چچا کی روایت سے بیان کیا ہے۔ راوی کہتا ہے میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ جنت میں کون لوگ جائیں گے فرمایا نبی جنتی ہیں، شہید جنتی ہیں، اور نوزائیدہ بچے جنتی ہیں اور زندہ در گور کئے ہوئے بچے جنتی ہیں (یعنی یہ لوگ بے حساب جنت میں جائیں گے ان کا جنت میں داخلہ بغیر عذاب کے قطعی ہے)

بخاری نے حضرت سمرہ بن جندبؓ کی روایت سے ایک طویل حدیث خواب بیان کی ہے جس کے اندر یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ایک پیر مرد ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے گرداگرد کچھ بچے بھی تھے رسول اللہ ﷺ کا گزر ادھر سے ہوا اور آپؐ نے جبرئیلؑ سے دریافت کیا جبرئیل نے بتایا یہ ابراہیمؑ ہیں اور یہ بچے مسلمانوں کے اور مشرکوں کے ہیں، صحابہ نے یہ بات سن کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مشرکوں کے بچے بھی۔ فرمایا ہاں مشرکوں کے بچے بھی۔ اسی وجہ سے بعض علماء کا قول ہے کہ مشرکوں کے بچے اہل جنت کے خادم ہوں گے (یعنی جنت میں تو رہیں گے لیکن مومنوں کے خدمت گار بن کر) کیونکہ ابو داؤد طیالسی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مشرکوں کے بچوں کی بابت دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا نہ تو ان کی برائیاں تھیں کہ وہ دوزخیوں میں سے ہو جائیں نہ ان کی بھلائیاں تھیں کہ اہل جنت میں ان کا شمار ہو جائے اور ان کو نیکیوں کا ثواب دیا جائے پس وہ اہل جنت کے خادم ہوں گے۔

ابن جریر نے حضرت سمرہ کا بیان نقل کیا ہے، ہم نے رسول اللہ ﷺ سے مشرکوں کے بچوں کے متعلق دریافت کیا فرمایا وہ اہل جنت کے خادم ہوں گے۔ یہ ہی حدیث حضرت ابن مسعودؓ سے موقوفاً بھی مروی ہے۔

……ایک شبہ……

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ مشرکوں کے بچوں کا کوئی قطعی فیصلہ رسول اللہ ﷺ سے مروی نہیں۔ حضور ﷺ نے یقینی طور پر نہیں فرمایا کہ مشرکوں کے بچے جنتی ہوں گے یا دوزخی۔ چنانچہ صحیحین میں بخاری و مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مشرکوں کے بچوں کے متعلق دریافت کیا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کیا کرنے والے تھے ایسی ہی ایک حدیث حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی آئی ہے۔

……ازالہ……

مشرکوں کے بچوں کی غیر یقینی حالت والی مذکورہ دونوں حدیثیں منسوخ ہیں آیت الفتح ان کی ناسخ ہے جو لوگ کسی کے جنتی ہونے کی شہادت دیتے تھے رسول اللہ ﷺ ان کے قول کی تردید فرمادیتے تھے، کیونکہ اللہ نے فرمادیا تھا وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ (مجھے نہیں معلوم کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا اور میرے ساتھ کیا کیا جائے گا.....) اسی بناء پر حضرت عثمان بن مظعونؓ کے جنتی ہونے کے قول کی بھی آپ نے تردید فرمادی تھی، لیکن آیت فتح کے نزول سے آپ کو بڑی خوشی ہوئی اور اس کے بعد ایک جماعت کے لئے نام بنام آپ نے جنتی ہونے کی بشارت دی۔

مسلم نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک انصاری کے بچے کے جنازہ میں شرکت کے لئے رسول اللہ ﷺ کو بلایا گیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس کے لئے تو خوشی ہی خوشی ہے وہ تو جنت کی چڑیا تھی کبھی کوئی گناہ نہیں کیا نہ گناہ کرنے کی عمر پائی۔ یا اس کے خلاف کچھ ہوگا، فرمایا (سنو) عائشہؓ اس نے جنت کو پیدا کیا تو اس کے لئے کچھ لوگ ان کے باپوں کی پشت میں ہی پیدا کر دیئے اور دوزخ کو پیدا کیا تو اس کے لئے کچھ لوگ ان کے باپوں کی پشت میں ہی پیدا کر دیئے۔ یہ حدیث بتارہی ہے کہ مسلمانوں کے بچوں کے معاملے میں کوئی یقینی علم نہیں ہے، تو قف ہی رکھنا چاہئے۔ باوجود یہ کہ ان کے جنتی ہونے پر اجماع سلف ہے۔ امام احمد اور ابن ابی زید اور ابو یعلی وغیرہ نے قرار وغیرہ کے حوالے سے اجماع ہونا نقل کیا ہے اس

Marfat.com

کے علاوہ قرآن و احادیث کی صریح عبارتیں بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں کذا قال النووی والسیوطی۔ (لیکن یہ سب لاعلمی کا اظہار مسلمانوں کے بچوں کے سلسلہ میں بھی آیت فتح کے نزول سے پہلے تھا)۔

ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور بزاز نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یہ امت جب تک تقدیر کی بابت کوئی جھگڑا اور بچوں کے جنتی و دوزخی ہونے کے سلسلہ میں کوئی گفتگو نہ کرے گی اس کا معاملہ ٹھیک رہے گا کوئی فساد نہ ہو گا ابن حبان کے نزدیک جن بچوں کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے ان سے مراد مشرکوں کے بچے ہیں۔ یہ حدیث بھی آیت فتح سے منسوخ ہے اور یہ ارشاد اس زمانہ کا ہے جب رسول اللہ ﷺ کو مشرکوں کے بچوں کے نتیجہ کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا۔

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکوں کے بچے دوزخ میں جائیں گے

ابو یعلی نے حضرت براءؓ بن عازب کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے مسلمانوں کے بچوں کے متعلق دریافت کیا گیا، فرمایا وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہوں گے پھر مشرکوں کے بچوں کے متعلق دریافت کیا گیا تب بھی حضور ﷺ نے فرمایا وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہوں گے۔

ابو داؤد نے حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے، ام المومنین نے فرمایا، میں نے عرض کیا۔
یا رسول اللہ ﷺ! مومنوں کی اولاد کا کیا ہو گا، فرمایا وہ اپنے باپوں سے ہیں (یعنی انہیں کے ساتھ ہوں گے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا بغیر عمل کے، فرمایا اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ زندہ رہتے اور جوان ہوتے تو کیا کرتے، میں نے عرض کیا مشرکوں کی اولاد کا کیا حکم ہے فرمایا وہ اپنے باپوں سے ہیں (یعنی دوزخی ہوں گی) میں نے عرض کیا بغیر عمل کے فرمایا، اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کیا کرتے۔

احمد نے بہت زیادہ ضعیف سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے مشرکوں کے بچوں کے متعلق تذکرہ کیا، فرمایا اگر تم چاہو تو دوزخ کے اندر میں تم کو ان کی جگہ بتادوں۔

عبد اللہ بن احمد نے زوائد المسند میں ایک مجہول منقطع سند کے ساتھ اور ابن ابی حاتم نے السنۃ میں حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے ان دونوں بچوں کے متعلق دریافت کیا جو دور اسلامی سے پہلے مر چکے تھے فرمایا دونوں دوزخ میں ہیں، یہ بات سن کر حضرت خدیجہؓ کے چہرے پر کچھ افسردگی کے آثار پیدا ہو گئے حضور ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے چہرہ پر آثار کراہت دیکھ کر فرمایا، اگر تم کو ان کا مقام نظر آجائے تو خود ان سے نفرت کرنے لگو گی، حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا اور جو آپ سے میری اولاد ہو اس کا کیا حکم ہے فرمایا، مومن اور ان کے بچے جنت میں ہوں گے اور مشرک اور ان کے بچے دوزخ میں ہوں گے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ۔ ابو داؤد نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے اچھی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا لڑکی کو زندہ دفن کرنے والی اور زندہ در گور کی ہوئی (دونوں) دوزخ میں ہوں گی۔

ابو داؤد نے ایک دوسری سند کے ساتھ حضرت سلمہ بن قیس اشجعی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت سلمہ نے فرمایا میں اور میرا بھائی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کیا ہماری ماں جاہلیت کے زمانے میں مر گئی، وہ مہمان نوازی اور کنبہ پروری کرتی تھی، مگر اس کی ایک بہن تھی جو سن بلوغ کو نہیں پہنچی تھی، ہماری ماں نے اپنی اس بہن کو زندہ زمین میں دفن کر دیا، فرمایا زندہ دفن کرنے والی اور زندہ در گور کی ہوئی (دونوں) دوزخی ہوں گی، ہاں اگر زندہ دفن کرنے والی نے اسلام پالیا اور مسلمان ہو گئی تو جنتی ہو جائے گی۔

ان تمام احادیث کا جواب یہ ہے کہ الوائدہ سے (حدیث میں) دائی مراد ہے اور موؤدہ سے مراد ہے زندہ در گور کی جانے

Marfat.com

والی لڑکی کی ماں یعنی جس کی لڑکی زندہ درگور کی گئی ہو اور وہ اس پر راضی ہو۔ احادیث کا باہم تعارض دور کرنے کے لئے یہ تاویل ضروری ہے۔ رہیں وہ احادیث جو مشرکوں کے بچوں کے دوزخی ہونے کے سلسلے میں ذکر کی گئی ہیں ان میں سے کوئی حدیث بھی اتنی قوی نہیں جتنی وہ احادیث قوی ہیں جن میں اولاد مشرکین کا جنت میں ہونا ظاہر کیا گیا ہے، پھر قرآن مجید کی آیات سے بھی ان کا ٹکراؤ ہو رہا ہے، اس لئے ناقابل قبول ہیں۔ اور چونکہ یہ احادیث خبری شکل میں ہیں، یعنی ان میں اولاد مشرکین کے دوزخی ہونے کی اطلاع دی گئی ہے اور نسخ احکام میں ہوتا ہے خبروں میں جاری نہیں ہوتا، اس لئے ہم ان کو منسوخ نہیں کہتے بلکہ انتہائی ضعیف کہتے ہیں بایں معنی ان کو منسوخ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے ان کے لئے عذاب دوزخ تو مقرر کر دیا ہے لیکن رسول اللہ کی شفاعت سے اس کو دور کر دے گا، ابن ابی شیبہ کی حدیث اس مضمون پر دلالت کر رہی ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اولاد انسانی میں سے جو لوگ لاہی (کھیلنے والے یا غافل) مر گئے ہوں ان کے متعلق میں نے اپنے رب سے دعا کی کہ ان کو عذاب نہ دیا جائے، اللہ نے میرا سوال پورا کر دیا۔ ابن عبد البر نے کہا اس حدیث میں لاہی سے مراد بچے ہیں ان کے اعمال (قابل گرفت نہیں) محض لہو و لعب ہیں نہ عقل کے ساتھ ہوتے ہیں نہ عزم کے ساتھ۔

سیوطی نے لکھا ہے کہ سلف سے اب تک مشرکوں کے بچوں کے جنتی دوزخی ہونے کے سلسلہ میں علماء کے اقوال مختلف رہے ہیں۔

کچھ علماء احادیث مندرجہ بالا کی روشنی میں اطفال مشرکین کے دوزخی ہونے کے قائل ہیں، لیکن ہم لکھ چکے ہیں کہ احادیث مذکورہ ضعیف ہیں، استدلال میں پیش کرنے کے قابل نہیں۔

کچھ علماء ان کو جنتی اور کچھ اہل جنت کے خادم قرار دیتے ہیں، میرے نزدیک ان دونوں قولوں میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ اہل جنت کے خادم بھی جنت میں ہی ہوں گے۔

محتاط ترین قول یہ ہے کہ اطفال مشرکین کا معاملہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، نہ ان کے جنتی ہونے کا قول قول فیصل ہے نہ دوزخی ہونے کا۔ اس قول کی نسبت حماد، ابن مبارک ابن راہویہ اور شافعی کی طرف کی گئی ہے اور نسفی نے امام ابو حنیفہؒ کا قول بھی یہی قرار دیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ قیامت کے دن جس طرح رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے کے لوگوں کی جانچ کی جائے گی، اسی طرح اطفال مشرکین کا بھی امتحان لیا جائے گا۔ ابو یعلی اور بزاز نے حضرت انسؓ کی راویت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن چار قسم کے لوگوں کو پیشی میں لایا جائے گا۔ (۱) بچہ جو پیدا ہونے کے بعد جوان ہونے سے پہلے مر گیا (۲) دیوانہ (۳) زمانہ فترت والے یعنی حضرت عیسیٰ کے بعد جب صحیح عیسائیت ختم ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت ابھی نہیں ہوئی اس درمیانی مدت کے لوگ (۴) شیخ فانی یعنی پیر فرتوت ان میں سے ہر ایک اپنا اپنا عذر پیش کرے گا، اللہ آگ کے بالائی حصے سے فرمائے گا باہر نکل آ، پھر فرمائے گا میں دنیا میں اپنے بندوں کے پاس انہیں میں سے کچھ لوگوں کو پیغمبر بنا کر بھیجتا رہا ہوں اور آج میں خود اپنی طرف سے تم کو پیغام دے رہا ہوں اس آگ میں داخل ہو جاؤ اس کے جواب میں وہ لوگ جن کے لئے اللہ کی طرف سے بدبختی لکھ دی گئی ہو گی کہیں گے اے رب کیا ہم اس آگ میں گھس جائیں، اسی سے تو ہم بھاگ رہے ہیں اور جو ازلی خوش نصیب ہوں گے وہ فوراً جا کر آگ میں گھس پڑیں گے، اللہ نافرمانوں سے فرمائے گا جب تم نے آج میرا حکم نہیں مانا تو (دنیا میں) تم میرے پیغمبروں کی بہت زیادہ تکذیب اور نافرمانی کرتے آخر آگ میں داخل ہونے والوں کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور انکار کرنے والوں کو آگ میں بھیج دیا جائے گا۔

بزاز اور محمد بن حیی نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین قسم کے لوگ اپنا عذر پیش کریں گے فترت کے زمانہ میں جو شخص کفر پر مرا ہو گا وہ عذر پیش کرے گا اور بچہ جو بچپن میں مر گیا ہو گا وہ عذر پیش کرے گا یہ سب ہلاک ہونے والے اپنی اپنی معذرت کریں گے۔ ایام فترت میں ہلاک ہونے والا کہے گا، اے میرے رب میرے پاس کوئی کتاب ہی نہیں پہنچی، دیوانہ کہے گا تو نے مجھے سمجھ ہی نہیں دی کہ میں بھلائی سمجھتا، بچہ کہے گا میں نے عقل کی

Marfat.com

عمر یعنی سن بلوغ کو ہی نہیں پایا ان کی معذرتوں کے بعد ایک آگ کا حصہ یعنی دوزخ کا ابتدائی حصہ سامنے آجائے گا اور اللہ فرمائے گا اس میں داخل ہو جاؤ فوراً وہ لوگ جن کے متعلق اللہ کو معلوم تھا کہ اگر یہ عمل کا زمانہ پاتے تو سعید ہو جاتے اس آگ میں گھس جائیں گے اور جن لوگوں کے متعلق اللہ کو معلوم تھا کہ اگر یہ عمل کے زمانے کو پا بھی لیتے تب بھی بدنصیب رہتے آگ میں داخل ہونے سے رک جائیں گے اللہ فرمائے گا آج جب تم نے میری نافرمانی کی تو میرے پیغمبر دنیا میں اگر تمہارے پاس پہنچ جاتے تو کس طرح نافرمانی نہ کرتے۔

طبرانی اور ابو نعیم نے حضرت معاذؓ بن جبل کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن دیوانہ کو اور فترت کے زمانے میں کفر پر مرنے والے کو اور بچپن کی عمر میں ہلاک ہونے والے کو پیشی میں لایا جائے گا، دیوانہ کہے گا اے میرے رب اگر تو صحیح سمجھ دیتا تو یہ دوسرے عقلمند مجھ سے زیادہ خوش نصیب نہ ہوتے اور دوسرے دونوں بھی ایسی ہی بات کہیں گے۔ اللہ فرمائے گا اچھا اب میں اگر تم کو کوئی حکم دوں تو مانو گے سب کہیں گے جی ہاں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا جاؤ دوزخ میں گھس جاؤ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر وہ آگ میں گھس جاتے تو آگ سے کوئی دکھ ان کو نہ پہنچتا پھر اللہ دوزخ کے کچھ حصے ان کے سامنے لے آئے گا، وہ خیال کریں گے یہ تو ہر چیز سے زیادہ ہلاکت انگیز ہے اس لئے فوراً ہی واپس لوٹ پڑیں گے، اللہ دوبارہ حکم دے گا پھر بھی وہ لوٹ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم کو پیدا کرنے سے پہلے ہی مجھے معلوم تھا کہ تم اگر عمل پر قادر ہوتے تو کیا کرتے۔

مندرجہ بالا احادیث کی بنا پر جن لوگوں نے اطفال مشرکین کے متعلق توقف کا مسلک اختیار کیا ہے اور صراحت کی ہے کہ قیامت کے دن اللہ ان کا فیصلہ کرے گا اور امتحان کے بعد ان کو دوزخ میں بھیج دے گا یہ دین کی کھلی ہوئی صراحتوں کے خلاف ہے، امام احمد اور ابوداؤد اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ اور عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے یعنی وہ شرعی احکام کے مکلف ہی نہیں ہیں دیوانہ جب تک اچھا نہ ہو جائے، سوتا ہوا آدمی جب تک بیدار نہ ہو جائے اور بچہ جب تک بڑا یعنی بالغ نہ ہو جائے۔

حدیث سے ثابت ہے کہ اگر کسی نے گناہ کا ارادہ کیا تو اس وقت تک اس سے مواخذہ نہ ہو گا جب تک کہ وہ گناہ عملی شکل میں کر نہ لے، جب یہ بات ہے تو جس نے گناہ کا ارادہ ہی نہ کیا بلکہ گناہ کو سمجھنے کی اس میں صلاحیت ہی نہ ہو اس کو کیسے پکڑا جا سکتا ہے، لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اکْتَسَبَتْ ۔ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۔

تمام امت اسلامیہ کا اجماع ہے کہ عقل و بلوغ پر تمام اوامر و نواہی کی بناء ہے۔

احادیث مذکورہ میں جو مولود و مجنون کے الفاظ بھی آئے ہیں، شاید یہ راویوں کے وہم کا نتیجہ ہے یا یوں کہا جائے کہ بچہ اور دیوانہ تو قیامت کے دن اللہ کے حکم کی تعمیل میں آگ کے اندر گھس جائیں گے۔ زمانہ فترت کے مشرکوں کی حالت اس کے خلاف ہوگی (وہ قیامت کے دن بھی اللہ کے حکم کی تعمیل نہیں کریں گے)

سیوطی نے لکھا ہے کہ اطفال مشرکین کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان برزخ میں ان کو رکھا جائے گا وہ نہ دوزخی ہوں گے نہ جنتی۔ بعض نے کہا ان کو خاک کر دیا جائے گا۔ مگر اس کی کوئی دلیل نہیں۔ اولادِ مسلمین کے متعلق اجماع امت ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے ان کے متعلق کسی کا اختلاف نہیں۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْیَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش عیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں۔ مترفین یعنی صاحبان عیش و راحت اور جابر لوگ۔ مجاہد کی قرأت میں اَمَّرْنَا آیا ہے یعنی ہم مسلّط کر دیتے ہیں اور ان کو حاکم بنا دیتے ہیں۔ حسن اور قتادہ اور یعقوب نے اٰمَرْنَا پڑھا ہے یعنی راحت و نعمت میں پڑے ہوئے لوگوں کو پیغمبر کی زبانی ہم طاعت و فرمان برداری کا حکم دیتے ہیں۔ اَمَرْنَا کے بعد بِالطَّاعَةِ کا لفظ محذوف ہے، قرینہ یہ ہے کہ پہلے فرمایا تھا ہم پیغمبر کو بھیجے بغیر عذاب نہیں دیا کرتے اور اس آیت کے بعد فرمایا ہے۔

Marfat.com

فَفَسَقُوْا فِيْهَا پس وہ اس بستی میں نافرمانی کرتے ہیں۔
فسق کا معنی ہے طاعت سے نکل جانا اور سرکش ہو جانا۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک یہ معنی ہے کہ ہم اصحاب راحت و نعمت کو فسق کرنے کا حکم دیتے ہیں اور وہ فاسق ہو جاتے ہیں۔ عرب کا محاورہ ہے اَمَرْتُهٗ فَجَلَسَ میں نے اس کو حکم دیا یعنی بیٹھنے کا حکم دیا تو وہ بیٹھ گیا۔ اس مطلب پر امر اپنے حقیقی معنی میں مستعمل نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ گناہ کا حکم نہیں دیتا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا بلکہ مجازی معنی مراد ہوگا یعنی ہم ان کو فسق پر آمادہ کر دیتے، اسباب فسق فراہم کر دیتے ہیں، نعمتوں کی ان پر بارش کر دیتے ہیں جن کی وجہ سے وہ راحت پسند اور عیش کوش بن جاتے ہیں اور یہ عیش کوشی ان کو فسق میں مبتلا کر دیتی ہے۔
بعض علماء نے اَمَرْنَا کا معنی كَثَّرْنَا بیان کیا ہے۔ اَمَرْتُ الشَّيْءَ میں نے اس چیز کو کثیر کر دیا فَاَمَرَ پس وہ زیادہ ہو گئی۔ حدیث میں آیا ہے خَيْرُ الْمَالِ سِكَّةٌ مَّابُوْرَةٌ وَّمُهْرَةٌ مَّامُوْرَةٌ۔ سِكَّةٌ کھجور کے درختوں کی قطار۔ مابورہ ہموار درست۔ مہرہ بچھیری۔ مامورۃ کثیر النسل بہت بچے دینے والی۔ یعنی بہترین مال کھجور کے درختوں کی ہموار قطار ہے اور وہ بچھیری ہے جس کی نسل بہت ہو بہت بچے دینے والی ہو۔
ہرقل والی حدیث میں ابوسفیان کا قول آیا ہے لقد اَمَرَ اَمرُ ابْنِ اَبِيْ كَبْشَةَ۔ ابوکبشہ (عبداللہ) کے بیٹے (یعنی محمد ﷺ) کی بات تو بہت ہو گئی اس کا مرتبہ اونچا ہو گیا۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تھا مَالِيْ اَرٰى اَمْرَكَ يَاْمُرُ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کا معاملہ بڑھتا جا رہا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا وَاللّٰهِ لَيَاْمُرَنَّ عَلٰى مَاتَرٰى خدا کی قسم جتنا تم دیکھ رہے ہو اس سے اور بڑھتا جائے گا۔
حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہم جاہلیت کے زمانہ میں کہتے تھے قَدْ اَمَرَ بَنُوْ فُلَانٍ فلاں قبیلہ والے بہت ہو گئے۔
قاموس میں ہے اٰمَرَهٗ اور اَمَرَهٗ دونوں ہم معنی ہیں اس کی نسل اور مویشیوں کو بڑھا دیا بہت کر دیا۔
ایک محاورہ ہے اُمِّرَ اَمَارَةً فلاں شخص حاکم بنا دیا گیا۔ ممکن ہے آیت میں اَمَرْنَا اسی محاورہ سے ماخوذ ہو۔ یعنی ہم نے اس بستی کے راحت پسند اور عیش کوش لوگوں کو حاکم بنا دیا۔ مترفین کا خصوصیت کے ساتھ ذکر اس لئے کہ دوسرے لوگ تو ان کے تابع ہوتے ہی ہیں پھر عیش پسند لوگ ہی زیادہ احمق اور فسق پر قادر ہوتے ہیں۔
فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾ تب اس پر حجت تمام ہو جاتی ہے آخر اس بستی کو تباہ و غارت کر ڈالتے ہیں، یعنی اس بستی کے رہنے والوں کو ہم تباہ اور ہلاک کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے بستی ویران اور تباہ ہو جاتی ہے۔
بخاری نے حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیانؓ کی وساطت سے حضرت زینب بنت جحشؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز گھبرائے ہوئے خوف زدہ میرے پاس تشریف لائے آپ فرما رہے تھے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ شر قریب آگیا، عرب کے لئے اس سے تباہی (ہونے والی) ہے۔ حضور ﷺ نے انگوٹھے اور کلمے کی انگلی کو ملا کر ایک حلقہ بنا کر فرمایا آج اتنا سوراخ یاجوج ماجوج نے کھول لیا، حضرت زینبؓ کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ عرب میں تو نیک لوگ بھی ہیں کیا وہ بھی ہلاک ہو جائیں گے، فرمایا ہاں اگر گندگی بڑھ جائے گی (تو سب ہلاک ہو جائیں گے)۔
وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ اور نوحؑ کے بعد ہم نے بہت قوموں کو ہلاک کر دیا، جیسے قوم عاد و قوم ثمود وغیرہ۔ اس میں مکہ کے کافروں کے لئے وعید ہے۔
قرن وہ لوگ جو ایک زمانہ میں ہوں، یعنی ان کی پیدائش ایک زمانہ میں ہو۔ قاموس میں ہے عرب بولتے ہیں هُوَ عَلٰى قَرْنِيْ یعنی وہ میری عمر کا ہے، میرا ہم سن ہے۔ قرن کے ختم ہو جانے کا یہ معنی ہے کہ ایک زمانہ کا کوئی ایک شخص بھی باقی نہ رہے جتنے ہم عمر لوگ ہیں مر جائیں تو کہا جائے گا یہ قرن ختم ہو گیا۔ قاموس میں ہے ختم قرن کا یہ معنی ہے کہ ایک جماعت اور ہم زمانہ

Marfat.com

قوم میں سے کوئی بھی باقی نہ رہے سب مرجائیں۔
میں کہتا ہوں قرن صحابہ کا یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا صحبت یافتہ کوئی شخص باقی ہو اگر کوئی صحابی باقی نہ رہے تو قرن صحابہ ختم ہو گیا اور قرن تابعین کا یہ معنی ہے کہ صحابہ کی صحبت میں رہنے والا کوئی آدمی باقی ہو اگر صحابہ کو دیکھنے والا اور صحابہ کا زمانہ پانے والا کوئی شخص باقی نہ رہے تو تابعین کا قرن ختم ہو گیا۔
بعض لوگ کہتے ہیں قرن زمانہ کی ایک محدود مدت کو کہتے ہیں۔ یہ مدت کتنی ہو اس میں اقوال مختلف ہیں دس سال کی مدت یا بیس سال کی یا تیس سال کی یا چالیس سال کی یا پچاس سال یا ساٹھ سال کی یا ستر سال یا اسی یا سو سال کی یا ایک سو بیس برس کی۔ یہ تمام اقوال صاحب قاموس نے ذکر کئے ہیں۔
مفقود الخبر کے انتظار کی مدت حنفیہ کے نزدیک نوے سال ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ قرن ایک صدی کو کہتے ہیں محمد بن قاسم نے عبداللہ بن تستر مازنی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دست مبارک میرے سر پر رکھ کر فرمایا یہ لڑکا ایک قرن جیئے گا۔ محمد بن قاسم کا بیان ہے ہم عبداللہ کی عمر کا حساب برابر لگاتے رہتے تھے، یہاں تک کہ ان کی عمر کے سو سال پورے ہو گئے تو ان کا انتقال ہو گا۔

وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ⑰ اور آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں کو جاننے والا دیکھنے والا کافی ہے۔ یعنی لوگ چاہے کتنا ہی چھپائیں اللہ کو بندوں کے گناہوں کی خبر ہوتی ہے اور کتنے ہی پردے ڈالیں مگر اللہ دیکھتا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ جس کا مقصد محض دنیا ہوتی ہے تو ہم دنیا کے اندر جس کو مناسب سمجھتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں فوراً (یعنی دنیا ہی میں) دے دیتے ہیں۔ مَا نَشَآءُ جتنا ہم چاہتے ہیں اس کا پورا مطلوب یا کچھ مطلوب دے دیتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ ہر تمنا پوری پوری دے دی جائے۔
لِمَنْ نُّرِيْدُ جس کو چاہتے ہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ ہر شخص کا سوال اور تمنا تو پوری نہیں کی جاتی۔

ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ⑱ پھر (آخرت میں) ہم نے اس کے لئے جہنم مقرر کر دیا ہے جس کی آگ میں وہ داخل ہو گا، ایسی حالت میں کہ اس کو برا کہا جائے گا اور پھٹکار پڑے گی اور اللہ کی رحمت سے دور پھینک دیا گیا ہو گا۔ یعنی دھتکارا ہوا اللہ کی رحمت سے دور پھینکا ہوا۔

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ اور جو آخرت کا طلبگار ہو گا اور ایمان دار ہونے کی حالت میں آخرت کے لئے اس کے مناسب کوشش کرے گا۔ آخرت کے لئے مناسب کوشش کرنے سے مراد ہے اوامر و نواہی کی پابندی۔ صرف تمنا کرنا یا خود اپنے دماغ کے تراشیدہ ذرائع کو موجب تقرب خیال کر کے حصول تقرب کی کوشش کرنا کافی نہیں ہے (بلکہ آخرت کے لئے جیسی کوشش ہونی چاہئے ویسی کوشش اگر کوئی مومن کرے گا اور آخرت کا طلب گار ہو گا) ایمان سے مراد بھی خالص ایمان ہے جس میں نہ کسی قسم کی تکذیب کی آمیزش ہو نہ شرک کا شائبہ۔

فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ⑲ سو ایسے لوگوں کی یہ کوشش مقبول ہو گی۔ کوشش مشکور ہونے سے مراد ہے اللہ کے نزدیک مقبول ہو جانا اور ثواب پانا۔ اللہ کی طرف سے شکر کا معنی ہے طاعت کا ثواب عطا کرنا۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ آپ کے رب کی یعنی اپنی عطا سے ہم ہر فریق کی امداد کرتے ہیں ان کی بھی اور ان کی بھی۔ یعنی مذکورہ بالا دونوں فریقوں میں سے ہر ایک کو اس فریق کو بھی اور اس فریق کو بھی ہم آپ کے رب کی عطاء سے پیہم مدد دیتے ہیں۔

وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ⑳ اور آپ کے رب کی دین (دنیا میں کسی مومن یا کافر سے) روکی نہیں گئی ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ جو آپ کا رب ہے وہی سب کا رب ہے کافر کا بھی مومن کا بھی، کوئی فریق اس کی دین سے

Marfat.com

محروم نہیں ہے۔ مترجم) هٰٓؤُلَاۤءِ وَهٰٓؤُلَاۤءِ كُلًّا سے بدل ہے اور كُلًّا میں تنوین مضاف الیہ کے عوض لائی گئی ہے۔ اور عَطَآءُ (مصدر) بمعنی عطیہ ہے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ دیکھو ہم نے دنیا میں بعض کو بعض پر رزق و حسن و صحت وغیرہ کے لحاظ سے کس طرح فوقیت عطا کی ہے۔

وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾ اور البتہ آخرت مراتب کے اعتبار سے بہت بڑی ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے یعنی آخرت میں فرق مراتب دنیوی تفاوت سے بہت بڑا ہے جنت و دوزخ کے درمیان فرق عظیم ہے۔

ع ۲ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود مت تجویز کرو ورنہ بدحال، بے مددگار ہو کو بیٹھ رہو گے۔ خطاب اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو ہے مگر مراد خطاب امت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق تو احتمال شرک کیا ہی نہیں جاسکتا تھا یا ہر شخص مخاطب ہے یعنی اے انسان تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کر۔

فَتَقْعُدَ یعنی تو ہو جائے گا، قعود کا معنی اس جگہ ہو جانا ہے ایک محاورہ ہے شَحَذَ الشَّفرةَ حَتّٰى قَعَدَتْ كَاَنَّهَا حَرْبَةٌ اس نے دھار کو تیز کیا یہاں تک کہ وہ چھوٹے برچھے کی طرح ہو گئی۔ یا فَتَقْعُدَ سے مراد ہے عاجز ہو جاؤ گے (عاجز ہو کر بیٹھ رہو گے) قَعَدَ عَنِ الشَّيْئِ۔ وہ اس شئے سے عاجز ہو گیا۔

مَذْمُوْمًا یعنی فرشتوں اور مومن آدمیوں کی طرف سے مذمت کردہ۔ مَخْذُوْلًا بے مدد۔ امداد سے محروم۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اور تیرے رب نے قطعی حکم دے دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پوجا مت کرو اور ماں باپ کے ساتھ خوب اچھا سلوک کرو۔ قضاء یعنی قطعی حکم۔ حضرت ابن عباس، قتادہ، حسن اور ربیع بن انس نے اس جگہ یہی ترجمہ کیا ہے۔ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا اس لئے حکم دیا کہ ظاہری اسباب کے تحت ماں باپ ہی اولاد کے وجود اور زندگی کی علت ہیں۔

اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو ہوں بھی نہ کرنا اور نہ ان کو جھڑکی دینا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا۔

عِنْدَكَ یعنی تیری زیر کفالت تیری نگہداشت میں۔ اُفٍّ سے مراد یا وہ لفظ ہے جو کراہت اور تنگ دلی پر دلالت کرتا ہے یا اُفٍّ اسم فعل ہے یعنی تنگ دل ہو جانا۔ ابو عبیدہ نے کہا اصل لغت کے اعتبار سے اف اور تف اس میل کو کہتے ہیں جو انگلیوں پر جم جاتا ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے اُف کا معنی لغوی ہے ناخن کا تراشہ یعنی ناخن کا وہ حصہ جو کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ یا ناخن کا میل یا کان کا میل اور وہ ذرا سی لکڑی یا کھپاچ کا ٹکڑا جو تم زمین سے اٹھالو۔

یا اُف سے مراد ہے قلت یعنی ایسی ادنیٰ بات بھی نہ کہو جو تمہاری طرف سے نفرت یا کراہت کا اظہار کر رہی ہو۔ جب ادنیٰ ایذا رساں بات بصراحت نص حرام کر دی گئی تو اس سے بڑا ایذا رساں سلوک تو بدرجۂ اولیٰ حرام ہو گیا، نص اسی پر دلالت کر رہی ہے۔ لَا تَنْهَرْهُمَا یعنی ماں باپ کو جھڑکی نہ دو، اپنی ناپسندیدہ بات پر ان کو نہ جھڑکو۔

قَوْلًا كَرِيْمًا اچھی نرم بات۔ ابن مسیب نے یہی ترجمہ کیا ہے جیسے کوئی قصوروار اپنے بدخو آقا سے نرمی کے ساتھ بات کرتا ہے (ایسا ہی تم ماں باپ سے کلام کرو) مجاہد نے کہا جب ماں باپ بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے گھن نہ کرو اور جس طرح تمہارے بہت چھوٹے ہونے کے زمانے میں تمہارا بول و براز وہ صاف کرتے تھے اسی طرح ان کا ایام پیری میں بول و براز صاف کرنے سے تم نفرت نہ کرو اور ان کو اف بھی نہ کہو۔

Marfat.com

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ اور دونوں کے لئے اپنی عاجزی کے بازو بچھادو۔ یعنی ان کے سامنے عاجزی اور تواضع کا اظہار کرو، حضرت عروہ بن زبیر نے یہ مطلب بیان کیا کہ ان سے نرمی کرو۔ جس چیز کو وہ چاہتے ہوں اس سے ممانعت نہ کرو۔

مِنَ الرَّحْمَةِ انتہائی رحم کی وجہ سے یعنی یہ خیال کرو کہ تم کل ان کے انتہائی محتاج تھے آج وہ تمہارے محتاج ہوگئے اس بات کا خیال کرو اور ان پر ترس کھاؤ۔

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا اور ان کے لئے دعا کرو اور کہو اے میرے رب ان پر رحمت فرما جیسے انہوں نے مجھ کو میرے بچپن میں پالا پرورش کیا تھا، یعنی ان پر اپنی لازوال رحمت نازل فرما صرف اس دنیوی فانی نعمت پر ہی اکتفانہ کر۔

بغوی نے لکھا ہے والدین کے لئے دعا رحمت کرنے کا یہ حکم اس وقت ہے جب وہ مسلمان ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک یہ آیت، آیت مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ سے منسوخ ہے۔ بیضاوی نے کہا دعا رحمت کرنے کا حکم عام ہے ماں باپ کافر ہوں یا مسلمان سب کے لئے دعا کا حکم ہے کیونکہ کافر ماں باپ کے لئے دعا رحمت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ان کو اسلام کی توفیق دے اسلام کی توفیق دینا بھی رحمت ہے۔

حضرت ابوالدرداؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، باپ جنت (کے اندر داخل ہونے) کا وسطی دروازہ ہے اگر تم چاہو تو اس کی نگہداشت کرویا (چاہو) کھودو۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ والحاکم بسند صحیح۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں رواہ الترمذی والحاکم وصححہ۔ بزار نے حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے ماں باپ یا دونوں میں سے ایک اس کے سامنے بوڑھے ہوگئے اور ان کی خدمت نہ کرنے کی وجہ سے وہ جنت میں داخل نہ ہو سکا۔ دوسری روایت میں ہے بوڑھے ماں باپ اس کو جنت میں نہ لے جا سکے۔ رواہ البغوی والترمذی و الحاکم وصححہ۔ حضرت ابوامامہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے، فرمایا وہ دونوں تیری جنت اور دوزخ ہیں، رواہ ابن ماجۃ۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے ماں باپ کے معاملہ میں صبح کو اللہ کا فرماں بردار ہوتا ہے اس کے لئے جنت کے دو دروازے کھل جاتے ہیں اور جو شخص والدین میں سے کسی ایک کے معاملے میں صبح کو اللہ کا فرماں بردار ہوتا ہے تو اس کے لئے جنت کا ایک دروازہ مفتوح ہو جاتا ہے اور جو شام کو اپنے ماں باپ کے معاملہ میں اللہ کا نافرمان ہو جاتا ہے، اس کے لئے دوزخ کے دو دروازے کھل جاتے ہیں اور ایک کے معاملہ میں نافرمان ہوتا ہے تو دوزخ کا ایک دروازہ اس کے لئے کھل جاتا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ خواہ ماں باپ نے اس کی حق تلفی کی ہو، فرمایا خواہ انہوں نے اس کی حق تلفی کی ہو خواہ اس پر ظلم کیا ہو، خواہ اس کا حق مارا ہو، یہ بھی حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو ماں باپ کا فرماں بردار اپنے والدین کی طرف رحم و شفقت کی نظر سے دیکھتا ہے اللہ ہر بار نظر کرنے کے عوض اس کے لئے ایک حج مقبول کا ثواب ضرور لکھ دیتا ہے، صحابہ نے عرض کیا خواہ ہر روز سو بار دیکھے، فرمایا، ہاں اللہ اس سے بھی بڑا اور پاک ہے۔ حضرت ابو بکرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام گناہوں میں سے اللہ جو گناہ چاہے گا معاف فرمادے گا سوائے ماں باپ کی نافرمانی کے۔ کیوں کہ زندگی میں مرنے سے پہلے ہی ماں باپ کی نافرمانی کی سزا اللہ تعالیٰ دے دیتا ہے۔ یہ تینوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں اور اول الذکر حدیث ابن عساکر نے بھی ذکر کی ہے۔ طبرانی نے ضعیف سند سے اور حاکم نے حضرت ابو بکرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام گناہوں میں سے جس گناہ کو اللہ چاہتا ہے قیامت پر (اس کے عذاب یا مغفرت کو) ٹال دیتا ہے سوائے ماں باپ کی نافرمانی کے، ماں باپ کی نافرمانی کی سزا تو مرنے سے پہلے

Marfat.com

اسی زندگی میں فوراً دے دیتا ہے۔

رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہوتا ہے، تمہارا رب اس کو خوب جانتا ہے یعنی ماں باپ کی فرماں برداری کی نیت اور تعظیم کے اندرونی خیال سے اللہ خوب واقف ہے یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ دلوں میں بھی ماں باپ سے نفرت اور بوجھ کا خیال نہ آنا چاہئے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ والدین کی فرماں برداری کے معاملے میں تمہاری نیتوں کو اللہ خوب جانتا ہے اگر ثواب کی امید پر اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں فرماں برداری کرو گے تو اللہ اس کا اجر دے گا اور اگر کسی دنیوی لالچ کی وجہ سے فرماں برداری کرو گے تو اس کا نتیجہ نیت کے موافق ہو گا۔

إِنْ تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا ﴿٢٥﴾ اگر تم سعادت مند ہو تو اللہ توبہ کرنے والوں کی خطا معاف کرنے والا ہے (تمہاری خطا معاف کر دے گا) سعید بن جبیر نے کہا اس آیت میں وہ لوگ مراد ہیں جن سے بے سوچ بلا ارادہ اچانک ماں باپ سے کوئی بے ادبی بدسلوکی ہو گئی ہو اور نیت ان کی نیک ہی ہو تو اس کی پکڑ نہ ہو گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت کا حکم عام ہو۔ جو بھی ماں باپ کا نافرمان اپنے والدین کے ساتھ کوئی بدسلوکی کر گزرے اور پھر توبہ کر لے وہ آیت کے حکم میں داخل ہے۔

سعید بن میتب نے کہا اَوّاب وہ شخص ہے جو گناہ کرنے کے بعد توبہ کر لے، پھر گناہ کرے اور توبہ کر لے، پھر گناہ کرے اور گناہ کے پیچھے توبہ کر لے۔ سعید بن جبیر نے کہا خیر کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والا اَوّاب ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اَوّاب وہ شخص ہے جو ہر مصیبت اور حادثہ کے وقت اللہ کی طرف رجوع کرے۔ سعید بن جبیر کی روایت سے حضرت ابن عباس کا قول اس طرح آیا ہے کہ اَوّابِیْن سے مراد ہیں اللہ کی پاکی بیان کرنے والے کیونکہ اللہ نے پہاڑوں سے فرمایا تھا یَاجِبَالُ اَوِّبِیْ۔ قتادہ نے کہا نمازی مراد ہیں، عوف عقیلی کے نزدیک چاشت کی نماز پڑھنے والے مراد ہیں۔ بغوی نے حضرت زید بن ارقم کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قبا والے چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے بر آمد ہو کر ملاحظہ فرمایا اور فرمایا یہ اوابین کی نماز ہے۔ رواہ احمد و مسلم ورواہ عبد بن حمید وسیبویہ عن عبد اللہ بن ابی اوفی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جو لوگ مغرب و عشاء کے درمیان نماز پڑھتے ہیں ان کو موت کے فرشتے گھیر لیتے ہیں، یہ ہی اوابین کی نماز ہے۔

وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ اور اپنے قرابت داروں کو ان کا حق دو۔ کنبہ پروری، حسن معاشرت، اچھا سلوک اور بھلائی ان کے ساتھ کرو۔ اکثر اہل تفسیر نے یہی مطلب بیان کیا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا مال دار پر لازم ہے اس قرابت دار محرم کا خرچ جو نادار بچہ ہو یا نادار بالغ عورت ہو، یا اپاہج یا نابینا نادار مرد ہو اس سے حفظ جان وابستہ ہے اور حفظ حیات ہی اصل بر اور صلہ رحمی ہے۔ سورہ بقرۃ کی آیت وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ کی تفسیر میں ہم نے اس مسئلہ کی تنقیح کر دی ہے۔

بغوی نے حضرت علی بن حسینؒ (امام زین العابدین) کا قول نقل کیا ہے کہ قُرْبیٰ سے مراد رسول اللہ ﷺ کی قرابت ہے (یعنی رسول اللہ ﷺ کے قرابتداروں کو ان کا حق ادا کرو) ابن ابی حاتم نے سدی کی روایت سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔

طبرانی وغیرہ نے حضرت ابو سعید خدری کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو طلب فرما کر فدک عطا فرما دیا۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کی جانب بھی اس بیان کی نسبت کی ہے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے اس روایت کو صحیح ماننا مشکل ہے کیونکہ اس روایت پر کہنا پڑے گا کہ یہ آیت مدنی ہے حالانکہ مشہور اس کے خلاف ہے (یعنی آیت کا مکی ہونا مشہور ہے) میں کہتا ہوں مشہور قابل اعتماد یہ روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے حضور ﷺ سے خود فدک طلب کیا تھا مگر آپ نے نہیں دیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا قول بھی اسی طرح روایت میں آیا ہے اگر رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو فدک عطا فرما دیا ہوتا تو خلفاء راشدین خصوصاً علیؓ پھر ہرگز اس کو نہ روکتے اور اس کے

Marfat.com

خلاف نہ کرتے۔ واللہ اعلم۔

وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ اور مسکین و مسافر کو دو۔ اس کی تفصیل سورۂ بقرۃ میں کر دی گئی ہے۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ اور مال کو گناہ کے راستہ میں برباد نہ کرو۔ یعنی اپنے مال کو گناہ کے راستے میں خرچ نہ کرو۔ مجاہد نے فرمایا، اگر کوئی شخص اپنا سارا مال حق کے راستے میں خرچ کر دے تو اس کو تبذیر (مال کو بکھیرنا برباد کرنا) نہیں کہا جائے گا اور اگر ایک سیر غلہ بھی گناہ کے راستے میں خرچ کیا تو اس کو تبذیر کہا جائے گا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے تبذیر کی تشریح فرمائی مال کو خرچ کرنا حق (کے راستے) کے علاوہ (باطل راستہ میں)۔

شعبہ کا بیان ہے میں ابو اسحاق کے ساتھ کوفہ کے راستہ میں جا رہا تھا، سر راہ ایک دیوار چونے اور پختہ اینٹوں سے بنی ہوئی ملی، ابو اسحاق نے کہا، حضرت عبداللہ (ابن مسعود) کے قول پر یہ تبذیر ہے حق کے راستے کے علاوہ (باطل کے راستے میں) مال کا خرچ کرنا ہے۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ در حقیقت مال کو برباد کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں، یعنی شرارت میں شیطانوں کی طرح ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی قوم کے طریقہ کا پابند ہو جائے تو وہ اس قوم کا بھائی ہے۔

وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔ یعنی منکر نعمت ہے کفر اور ناشکری میں بہت بڑھ چڑھ کر ہے اسی لئے اس کی پیروی درست نہیں۔

اہل تحقیق کا قول ہے کہ کسی منعم کی عطا کردہ نعمت کو اس کی رضامندی کے زیر اثر صرف کرنا شکر ہے اور نافرمانی کے راستے میں صرف کرنا تبذیر ہے، گویا تبذیر شکر کی ضد ہے۔ لا محالہ تبذیر کرنے والا ناشکرا ہو گا۔

سعید بن منصور نے عطا خراسانی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قبیلہ مزینہ کے کچھ لوگ خدمت گرامی میں حاضر ہو کر جہاد میں شرکت کے لئے کچھ سواریوں کے طلب گار ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا میرے پاس کوئی سواری موجود نہیں کہ تم کو دے سکوں، جہاد سے محروم رہنے کا جب ان لوگوں کو یقین ہو گیا تو رنج کی وجہ سے روتے ہوئے لوٹ گئے ان کو خیال ہوا کہ شاید رسول اللہ ﷺ ہم سے ناراض ہیں اسی لئے ہم کو سواریاں نہیں عطا فرمائیں۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾

اور اگر اپنے رب کی طرف سے جس رزق کے آنے کی تم کو امید ہو اس کے انتظار میں تم کو ان کی طرف سے رخ پھیرنا پڑے تو ان سے نرمی کے ساتھ بات کہہ دو۔ (یعنی نرمی کے ساتھ ان سے معذرت کر دو) تم ان پر رحم کرو گے اور نرمی سے کلام کرو گے تو اللہ تم پر رحم فرمائے گا۔ مَیْسُوْر، یَسَرَ الْاَمْرُ سے ماخوذ ہے۔

بغوی نے لکھا ہے نرم بات کہنے سے یہ مراد ہے کہ ان سے نرمی کے ساتھ وعدہ کر لو۔ بعض کے نزدیک دعاء یسر کرنا مراد ہے یعنی ان کے لئے دعا کرو کہ اللہ تمہاری مشکل آسان کر دے، ہم کو اور تم کو اللہ رزق عطا فرمائے۔ سعید بن منصور نے حضرت سیار بن ابی الحکم کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ کپڑا پیش کیا گیا، حضورؐ بڑے سخی اور بخشش کرنے والے تھے آپ نے فوراً لوگوں کو وہ کپڑا تقسیم کر دیا، تقسیم کے بعد کچھ لوگ پہنچے تو ان کو کچھ نہ ملا، حضور ﷺ تقسیم سے فارغ ہو چکے تھے، اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾

اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لو کہ بالکل کنجوس ہو جاؤ اور نہ بالکل کھول ہی دو کہ سب مال فنا کر دو ورنہ الزام خوردہ تہی دست ہو کر بیٹھ رہو گے۔

ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعود کا بیان نقل کیا ہے، حضرت عبداللہ نے فرمایا ایک لڑکا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

Marfat.com

حاضر ہوا اور عرض کیا میری ماں نے حضور ﷺ سے فلاں فلاں چیز مانگی ہے (یعنی کھانا یا کپڑا یا کچھ نقد وغیرہ) فرمایا آج تو ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ لڑکا بولا، میری ماں کہتی ہے کہ اپنا کرتہ حضورؐ مجھے عنایت کر دیں۔ آپ نے اپنا کرتہ اس کو عنایت فرما دیا اور خود گھر کے اندر برہنہ بیٹھ گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم نے منہال بن عمرو کی روایت سے بھی یہ واقعہ اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا جو کچھ میرے ہاتھ میں ہو تم اس کو خرچ کر دیا کرو۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یوں تو پھر کچھ بھی نہیں بچے گا، اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

بغوی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک لڑکے نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری ماں آپ سے پہننے کے لئے ایک کرتہ مانگ رہی ہے۔ حضور ﷺ کے پاس اس وقت سوائے اس کرتہ کے جو پہنے ہوئے تھے اور کوئی کرتہ نہ تھا، فرمایا امید ہے کہ فلاں وقت سے فلاں وقت کچھ آجائے، تم کسی اور وقت آنا، لڑکا لوٹ کر اپنی ماں کے پاس چلا گیا پھر لوٹ کر آیا اور عرض کیا میری ماں کہتی ہے کہ جو کرتہ آپ پہنے ہوئے ہیں وہی دے دیجئے یہ درخواست سن کر رسول اللہ ﷺ گھر کے اندر تشریف لے گئے اور کرتہ اتار کر اس لڑکے کو دے دیا اور برہنہ ہونے کے سبب گھر میں بیٹھ رہے، پھر نماز کے لئے بلال نے اذان دی اور صحابہ حضور ﷺ کا انتظار کرتے رہے لیکن آپ برآمد نہیں ہوئے، صحابہ کے دلوں میں کچھ بے چینی پیدا ہوئی اور بعض لوگ حاضر بارگاہ ہوئے تو آپ کو برہنہ پایا اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

آیت کا تشریحی مطلب یہ ہے کہ حق کے راستے میں خرچ کرنے سے ہاتھ کو نہ روکو جیسے وہ شخص ہوتا ہے جس کے ہاتھ گلے سے بندھے ہوئے ہوں اور وہ ہاتھوں کو پھیلا نہ سکتا ہو اور بالکل ہاتھ کو پھیلا بھی نہ دو کہ ہاتھ میں کچھ باقی ہی نہ رہے یہاں تک کہ اپنی ذات کے اور اپنے اہل و عیال کے اور دوسرے اہل استحقاق کے حقوق بھی ادا نہ کر سکو۔ بیضاوی نے لکھا ہے یہ دونوں جملے کنجوس کی انتہائی کنجوسی اور فضول برباد کرنے والے کی بربادکنی کی تصویر کشی کر رہے ہیں۔ آیت میں دونوں کی ممانعت کی گئی ہے اور درمیانی راستہ یعنی سخاوت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا کا مطلب یہ ہے کہ باوجود فراخ دستی اور وسعت کے اگر کنجوسی کرو گے یا فضول برباد کرو گے اور تدبیر سے کام نہ لو گے تو اللہ کے نزدیک بھی اور لوگوں کی نظر میں بھی قابل مذمت ہو جاؤ گے۔ مَحْسُوْرًا کا ترجمہ قتادہ نے پشیمان کیا ہے اور اس کا تعلق دونوں سے قرار دیا ہے، یعنی انتہائی کنجوسی پر بھی پشیمان ہو جاؤ گے اور بربادکنی پر بھی۔

یا مَلُوْمًا کا تعلق کنجوسی سے ہے اور مَحْسُوْرًا کا تعلق فضول خرچی سے۔ مطلب اس طرح ہوگا کہ اگر فراخی کے باوجود سائلوں کو نہ دو گے تو سائل تمہاری مذمت کریں گے اور اگر سب مال برباد کر دو گے تو تمہارے ہاتھ میں کچھ نہیں رہے گا اور حسرت زدہ ہو کر رہ جاؤ گے۔ حَسَرْتَهٗ بِالْمَسْئَلَهِ تونے سوال کرنے سے اس کو تنگ کر دیا تو نے اس سے لپٹ چمٹ کر مانگا۔ حَسَرَهُ السَّفَرُ اس کو سفر نے چور کر دیا، شکستہ کر دیا۔

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ آپ کا رب جس کو چاہتا ہے رزق کی فراخی عطا فرماتا ہے۔ اور جس کا رزق تنگ کرنا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ لہٰذا تم اگر اپنی ضرورت کے مطابق کچھ مال روک لو گے تو تمہارا یہ عمل قابل ملامت نہیں۔

اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ۝ ع ۳ لاریب کہ وہ ہی اپنے بندوں سے باخبر ہے اور ان کو دیکھنے والا ہے یعنی ان کے باطنی احوال کو بھی جانتا ہے اور ظاہری احوال کو بھی۔ بندوں کی جس بات میں مصلحت ہوتی ہے اللہ اس کا علم رکھتا ہے خواہ ان کو خود معلوم نہ ہو۔ آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ رزق کی تنگی و فراخی اللہ کے حکم سے ہوتی ہے اللہ ہی ان کے ظاہر کو بھی جانتا ہے اور باطن کو بھی، پس جیسا مناسب ہوتا ہے کرتا ہے مگر بندوں پر لازم ہے کہ درمیانی چال سے رہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کبھی رزق فراخ کرتا ہے کبھی تنگ کرتا ہے پس تم بھی طریقہ خداوندی پر چلو نہ بالکل روک ہی رکھو نہ بالکل ہاتھ کھلا ہی رکھو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مذکورہ کلام آئندہ کلام کی تمہید ہو جس میں بخوفِ افلاس اولاد کو قتل کرنے کی ممانعت کی

Marfat.com

ہے اور فرمایا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ

اور اپنی اولاد کو یعنی لڑکیوں کو محتاجی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم ان کو بھی رزق عطا کریں گے اور تم کو بھی۔ سب کو رزق دینے کی ہماری ذمہ داری ہے۔

اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝۳۱ ان کو قتل کرنا یقیناً بڑا جرم ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا سب سے بڑا کونسا گناہ ہے، فرمایا (سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ) اللہ کے مثل دوسروں کو قرار دے باوجودیہ کہ اللہ ہی نے تجھے پیدا کیا ہے، میں نے عرض کیا یہ بے شک بڑا گناہ ہے اس کے بعد کونسا گناہ ہے فرمایا اپنی اولاد کو خود قتل کرنا اس اندیشے سے کہ وہ تیرے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائے گی۔ میں نے عرض کیا اس کی بعد کونسا گناہ ہے فرمایا، اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا۔ متفق علیہ۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝۳۲ اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، بلاشبہ زنا بہت زیادہ اور کھلی ہوئی برائی کا کام ہے اور برا راستہ ہے۔ کہ اس سے قطع نسب ہوتا ہے اور فتنے بپا ہوتے ہیں۔

حضرت بریدہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں بوڑھے زانی پر لعنت کرتی ہیں اور (دوزخ کے اندر) زانیوں کی شرمگاہیں اپنی سڑی ہوئی بو سے دوزخیوں کو (بھی) اذیت پہنچائیں گی، رواہ الخرائطی۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب آدمی زنا کرتا ہے تو زنا کرتے وقت ایمان اس کے اندر سے نکل کر سائبان کی طرح اس کے اوپر معلق ہو جاتا ہے جب وہ باز آجاتا ہے تو ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔ رواہ ابوداؤد و الترمذی والبیہقی والحاکم۔

صحیحین میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زانی جب زنا کرتا ہے تو ایمان دار ہونے کی حالت میں زنا نہیں کرتا اور چور جب چوری کرتا ہے تو ایمان دار ہونے کی حالت میں چوری نہیں کرتا، اور شراب پینے والا جب شراب پیتا ہے تو ایمان دار ہونے کی حالت میں شراب نہیں پیتا (یعنی ان افعال میں مشغول ہونے کی حالت میں اس کے اندر ایمان نہیں رہتا)

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ اور جس شخص کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو، ہاں مگر حق پر۔

نفس سے مراد ہے مسلمان یا ذمی کافر۔ اِلَّا بِالْحَقِّ سے مراد ہے قصاص یا زنا یا بغاوت یا صحابہ کو گالیاں دینا وغیرہ (یعنی قصاص یا زنا یا بغاوت وغیرہ میں قتل کر دینا حق قتل نہیں ہے) مرتد کا قتل نفس محرم کے قتل میں داخل نہیں ہے (یعنی مرتد کو قتل کر دینا مباح الاصل ہے) اللہ نے فرمایا ہے۔ اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا الخ (باغیوں کے قتل کے متعلق فرمایا) فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ (قصاص کے متعلق فرمایا) اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ الخ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اس کا خون جائز نہیں مگر تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے یا تو وہ شادی شدہ زانی ہو یا کسی کے قتل میں اس کو قتل کیا جائے یا دین کو چھوڑ کر مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہو گیا ہو۔ رواہ الشیخان وابوداؤد والترمذی والنسائی۔ دین کو چھوڑنے سے مرتد ہو جانا مراد نہیں ہے کیونکہ ایسا آدمی تو مسلمان ہی نہیں رہتا وہ لا الہ الا اللہ کی شہادت پر قائم ہی نہیں رہتا بلکہ اس سے مراد بدعتی فرقے ہیں جو اپنی خواہشات اور رائے کے پرستار ہوتے ہیں اور جماعت (اہل سنت) کو ترک کر دیتے ہیں جیسے رافضی، خارجی وغیرہ (یہ حضرت مفسر کی رائے ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مؤلف کے نزدیک معتزلہ اور روافض و خوارج وغیر ہم کا قتل جائز ہے مگر جمہور اہل سنت کا یہ مسلک نہیں ہے، مختلف اہل ہویٰ کا قتل اس لئے نہیں ہوا کہ وہ

Marfat.com

بدعتی ہوگئے تھے بلکہ ان سے قتال اس لئے کیا گیا کہ انہوں نے بغاوتیں کی تھیں اور باغی سے قتال کا جواز فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي سے ثابت ہے، رہا مولف کا یہ اعتراض کہ مرتد مسلمان ہی نہیں ہوتا اور آیت میں مسلم کو قتل کرنے کی وجوہ کا بیان ہے تو یہ اعتراض ہی غلط ہے مرتد ارتداد سے پہلے مسلمان ہی ہوتا ہے گزشتہ حالت کے اعتبار سے اس کو مسلم کہا گیا (ماضی اور مستقبل کے اعتبار سے مجازی استعمال عام ہے)

فصل

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن سب سے پہلے خونوں کے فیصلے کئے جائیں گے۔ متفق علیہ۔

حضرت براء بن عازب راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی نظر میں مومن کے ناحق قتل کے مقابلہ میں ساری دنیا کا فنا ہو جانا حقیر ہے۔ رواہ ابن ماجۃ بسند حسن، بیہقی نے اتنا زائد نقل کیا ہے کہ اگر تمام آسمانوں اور زمینوں والے ایک مومن کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ یقیناً سب کو دوزخ میں داخل کر دے گا۔

نسائی نے حضرت بریدہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے نزدیک ساری دنیا کا فنا ہو جانا مومن کے قتل سے حقیر ہے۔

ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کسی نے مومن کے قتل میں آدھی بات کہہ کر بھی اعانت کی تو اللہ کے سامنے جب وہ جائے گا، اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا، اللہ کی رحمت سے ناامید۔ اصبہانی نے اتنا زائد بیان کیا ہے کہ ابن عیینہ نے آدھی بات کی تشریح میں کہا کہ اُقْتُلْ کا پورا لفظ نہ کہا ہو، بلکہ صرف اُقْ کہا ہو۔ بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بھی حدیث مذکور اسی طرح بیان کی ہے۔

حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر گناہ کی امید ہو سکتی ہے کہ اللہ معاف فرمادے، سوائے اس شخص کے جو کافر مرا ہو یا کسی کو قصداً اس نے قتل کیا ہو۔ رواہ النسائی حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے، ابوداؤد نے حضرت ابودرداءؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے اور ابن حبان و حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔

حضرت ابوموسیٰ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صبح ہوتی ہے تو ابلیس اپنے لشکر پھیلا دیتا ہے اور کہتا ہے آج جو کسی مسلمان کو بے راہ کر دے گا میں اس کو تاج پہناؤں گا پھر (شام کو یا کسی وقت) ایک واپس آکر کہتا ہے آج میں اس (مسلمان) کے ساتھ لگا رہا، یہاں تک کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، ابلیس کہتا ہے ہو سکتا ہے وہ (دوسرا) نکاح کرلے، دوسرا آکر کہتا ہے میں اس (مسلمان) کے ساتھ لگا رہا یہاں تک کہ اس نے اپنے باپ اور ماں کی نافرمانی کی ابلیس کہتا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ پھر فرماں بردار ہو جائے، تیسرا آتا ہے اور کہتا ہے میں اس کے ساتھ لگا رہا، یہاں تک کہ وہ مشرک ہو گیا، ابلیس کہتا ہے تو تو ہی ہے (یعنی یہ تیرا کام بہت اچھا ہے) چوتھا آکر کہتا ہے میں اس کے ساتھ لگا رہا یہاں تک کہ اس نے مومن کو قتل کر دیا، ابلیس کہتا ہے تو نے (ایسا کام کیا) پھر اس کو تاج پہنا دیتا ہے۔ رواہ ابن حبان فی صحیحہ۔

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا ﴿٣٣﴾

اور جو شخص ناحق قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے، سو اس کو قتل کے بارے میں حد شرع سے تجاوز نہ کرنا چاہئے وہ شخص بلاشبہ طرف داری کے قابل ہے۔

وَلِيِّ یعنی وارث جو مقتول کے امور کا اس کے مرنے کے بعد ذمہ دار ہوتا ہے۔ سلطانا قوت اور قصاص لینے کا اختیار۔

لَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ کا مطلب دو طرح سے بیان کیا ہے۔ (۱) قاتل زیادتی نہ کرے، یعنی جس کو قتل کرنے کا اس کو حق نہیں ہے، اس کو قتل نہ کرے، عقلمند وہ کام نہیں کرتا جس کا نتیجہ دنیا اور آخرت کی تباہی کی شکل میں ظاہر ہونے والا ہو۔ (۲) حضرت

Marfat.com

ابن عباسؓ اور اکثر اہل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا کہ مقتول کا ولی قصاص میں زیادتی نہ کرے یعنی قاتل کے علاوہ دوسرے کو قتل نہ کرے، جاہلیت کے دور میں صرف قاتل کے قتل پر بس نہ کرتے تھے بلکہ قاتل کے علاوہ اس سے اونچے درجہ والے کو بھی قتل کرتے تھے۔

سعید بن جبیر نے کہا قاتل اگر ایک ہو تو اسی کو قتل کیا جاسکتا ہے ایک قتل کے عوض بے قصور اور شریک قتل نہ ہونے والی جماعت کو قتل نہیں کیا جاسکتا۔ عہد جاہلیت کا طریقہ تھا کہ مقتول اگر کوئی بڑا آدمی ہوتا تو قصاص میں تنہا اس کے قاتل کو ہی نہیں قتل کرتے تھے بلکہ قاتل کے ساتھ اس کے قرابتداروں کی ایک جماعت کو بھی قتل کرتے تھے۔ قتادہ نے کہا لَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ کا یہ مطلب ہے کہ قاتل سے قصاص تو لے لیا جائے اس کو مثلہ نہ کیا جائے (یعنی اس کے ناک کان اور آلات رجولیت نہ کاٹے جائیں) جیسا کہ جاہلیت کا دستور تھا۔ کَانَ مَنْصُوْرًا یعنی جو شخص ظلماً قتل کیا گیا ہو اللہ کی طرف سے اس کی مدد و نصرت دنیا میں بھی کی جاتی ہے کہ قاتل کو قصاص میں (حسب قانون شریعت) قتل کرنا ضروری ہے اور آخرت میں بھی مقتول منصور ہوگا اللہ اس کے گناہ ساقط کردے گا اور اس کے قاتل کے لئے دوزخ لازم کردے گا۔ مجاہد، قتادہ نے کہا کَانَ کی ضمیر مقتول کے ولی کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی مقتول کے وارث کو قاتل کے خلاف نصرت دی جاتی ہے، قاتل سے قصاص لینے کا اس کو حق دیا گیا ہے، حکام پر لازم ہے کہ اس کی مدد کریں۔

بعض اہل تفسیر کے نزدیک قاتل کی طرف ضمیر راجع ہے جس کو مقتول کا ولی قصاص میں قتل کرتا ہے اگر قصاص میں اسراف سے کام لے گا تو بار گناہ اس پر پڑے گا اور قانونِ شریعت میں قاتل کی حمایت کی جائے کیونکہ اولیاء مقتول کو صرف قصاص لینے کا حق ہے، قاتل پر زیادتی کرنے کا حق نہیں ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس طریقے سے جو بہترین ہو۔ یعنی یتیم کے مال میں تصرف نہ کرو، ہاں ایسے طریقے سے تصرف کرسکتے ہو جو یتیم کے لئے بہتر ہو، اس کے مال کی حفاظت ہو، اور تجارتی افزونی ہو۔

حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ یہاں تک کہ وہ اپنے سن بلوغ کو پہنچ جائے، یعنی اس حد کو پہنچ جائے، جو صحیح تصرفات کے لئے ضروری ہے۔ استثناء (اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ) اسی مفہوم پر دلالت کر رہا ہے۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اور عہد کو پورا کرو۔ یعنی اللہ نے اپنے احکام پر عمل کرانے کا تم سے وعدہ لیا ہے اس کو پورا کرو اور لوگوں سے جو تم جائز معاملات کا وعدہ کرو، اس کو بھی پورا کرو۔

اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا بے شک (ایسے) عہد کی بازپرس ہونے والی ہے، یعنی عہد کرنے والے سے عہد کا ایفاء مطلوب ہے یا یہ مطلب ہے کہ ہر عہد کے متعلق عہد کو توڑنے والے سے بازپرس کی جائے گی اور وعدہ شکنی پر اس کو سزا دی جائے گی، یا عہد پوچھا جائے گا، یعنی عہد توڑنے والے کو قیامت کے دن سرزنش کرنے کیلئے عہد یاد دلایا جائے گا، جیسے زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا۔ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اَلْعَهْد سے پہلے مضاف محذوف ہو یعنی صاحب عہد سے عہد پوچھا جائے گا۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ اور ناپ کر دیتے وقت ناپ کا پیمانہ پورا کر دیا کرو اور تولتے وقت صحیح ترازو سے تولا کرو (یعنی ناپ تول میں بے ایمانی نہ کرو) مجاہد نے کہا قِسْطَاس (ترازو) رومی لفظ ہے، عربی میں استعمال کرلیا گیا ہے لیکن اس سے قرآن مجید کے عربی ہونے میں کوئی خرابی نہیں آتی، کیونکہ جو غیر عربی لفظ عربی میں شامل کرلیا اور عربی الفاظ کے احکام اس پر جاری کردیئے گئے اعراب اور معرفہ و نکرہ کی خصوصیات عربی الفاظ کی طرح اس میں پیدا کردی گئیں وہ عربی بن گیا غیر عربی نہیں رہا (اگرچہ اصلاً وہ عجمی ہو) اکثر علماء کے نزدیک قِسْطَاس عربی لفظ ہے قسط سے بنا ہے قسط کا معنی ہے، عدل (برابری، انصاف) اَلْمُسْتَقِيْم ٹھیک، صحیح۔

Marfat.com

ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ؀ یہ (فعل) بہت اچھا اور نتیجہ کے اعتبار سے بہت بہتر ہی ہے۔

تاویل (تفعیل) انجام، نتیجہ۔ اٰلَ کا معنی ہے لوٹ گیا۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ط اور جس چیز کا تم کو علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ چلو۔ قفا یقفو کسی کے نشان قدم پر چلنا اتباع کرنا، قافیہ اسی سے بنا ہے۔ علم نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جس بات کا تم کو حسی علم بھی نہ ہو اور کوئی نقلی حکم بھی نہ ہو اور نہ کوئی عقلی قطعی دلیل ہو، ایسی چیز کی پیروی نہ کرو۔

......ایک شبہ......

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ظنی دلیل کی روشنی میں عمل کرنا جائز نہیں (یعنی خبر آحاد اور قیاس سے چونکہ یقینی علم حاصل نہیں ہوتا صرف گمان غالب اور راجح خیال پیدا ہو جاتا ہے اس لئے نہ قیاسی احکام پر چلنا جائز ہے نہ ان اوامر و نواہی پر جو احادیث غیر متواترہ سے مستفاد ہو رہے ہوں)۔

......ازالہ......

آیت میں علم سے مراد ہے غالب راجح اعتقاد اور حکم خواہ اس کی سند قطعی اور یقینی ہو یا ظنی، لفظ علم کا اس معنی میں استعمال بکثرت ہوتا ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ آیت میں عدم اتباع کا حکم صرف عقائد کے متعلق ہے (یعنی ظنی، وہمی، شکی دلائل پر عقیدہ کی بنیاد نہ رکھو) بعض اہل علم نے کہا پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے اور جھوٹی شہادت دینے کی ممانعت اس آیت میں مراد ہے یعنی محصنات پر زنا کی تہمت تراشی اور شہادت زور کی ممانعت کے ساتھ آیت کی خصوصیت ہے عام عدم اتباع ظن مراد نہیں ہے۔

مجاہد نے کہا آیت کی مراد یہ ہے کہ جس چیز کا تم کو قطعی علم نہ ہو اس سے کسی کو متہم نہ کرو۔ کسی پر مت باندھو وہ بات جس کا یقینی ذرائع سے تم کو علم نہ ہو۔ قتادہ نے کہا مطلب یہ ہے کہ ان دیکھی چیز کو دیکھی ہوئی اور ان سنی کو سنی ہوئی اور غیر معلوم کو معلوم نہ قرار دو۔

(حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں، ان احادیث آحاد سے جن کے اندر روایت کی تمام شرائط موجود ہوں اور صحیح قیاس سے اور دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے جو حکم ثابت ہو جائے اس پر عمل کرنا قطعی نصوص اور اجماع کی رو سے واجب ہے اللہ نے فرمایا ہے۔ لَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا۔ دوسری آیت ہے فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ۔ تیسری آیت ہے وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ الخ (۱) مسلمانوں کے ہر فرقے میں سے اور جماعت میں سے دین کو سمجھنے کے لئے ایک ایک گروہ کیوں وطن سے باہر نکل کر (مدینہ) نہیں جاتا (۲) اے اہل نظر عبرت اور سبق حاصل کرو (اشباہ و نظائر کو سمجھو اور ان کو امثال پر قیاس کرو) (۳) اپنے مردوں میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو۔

متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مختلف افراد صحابہ کو تبلیغ احکام کے لئے بھیجتے تھے، پس اخبار آحاد یا قیاس اگرچہ ظنی ہوتے ہیں لیکن ان سے مستفاد احکام یقینی العمل ہوتے ہیں کیونکہ ان سے حاصل شدہ علم پر عمل کرنا نصوص قطعیہ سے واجب ہے۔

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ؀

کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی (قیامت کے دن) باز پرس ہوگی۔ یعنی مذکورہ تینوں اعضاء میں سے ہر ایک سے اتباع مذکور کے متعلق باز پرس کی جائے گی یا یہ مطلب ہے کہ اعضاء مذکورہ سے دریافت کیا جائے گا کہ جس شخص کے یہ اعضاء تھے اس نے کیا کیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو شخص سننے، دیکھنے اور جاننے کا دعویٰ کرتا ہے، اس کے اعضاء سے اس کی تصدیق طلب

Marfat.com

کی جائے گی۔ آنکھ سے پوچھا جائے گا، کیا اس نے دیکھا تھا (یا دیکھنے کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا) کان سے سوال کیا جائے گا کیا اس نے سنا تھا (یا سننے کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا) اور دل سے دریافت کیا جائے گا کیا اس نے جانا تھا (یا جاننے کا غلط دعویٰ کیا تھا)

حضرت شکل بن حمید راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میری درخواست پر مجھ سے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، کہہ اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں، اپنے کان کے شر سے اور اپنی آنکھ کے شر سے اور اپنی زبان کے شر سے اور اپنے دل کے شر سے اور اپنی منی کے شر سے۔ میں نے یہ دعا یاد کرلی، رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی والحاکم والبغوی۔ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

اس حدیث کے راوی سعید نے کہا منی کے شر سے پناہ مانگنے کا یہ مطلب ہے کہ میں اپنا پانی ایسے مقام پر نہ ڈالوں جو حلال نہیں ہے۔

مذکورہ تین اعضاء کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا کہ یہ ہی آلات علم ہیں، اکثر محسوسات کا علم آنکھ سے ہوتا ہے یا کان سے اور غیر محسوس چیزوں کا ادراک تو صرف دل سے ہی ہوتا ہے۔

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو...... مَرَحًا یعنی اکڑتے ہوئے، مرح کا معنی غرور اور مستانہ چال سے چلنا۔

إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ کیونکہ (چال میں زور اور غرور اختیار کر کے) زمین کو تم ہرگز نہ پھاڑ سکو گے (زمین کے دو ٹکڑے نہ کر سکو گے، زمین کو نہ چیر سکو گے)۔

وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ﴿۳۷﴾ اور کتنا ہی اٹھ اٹھ کر پنجوں کے بل چلو لیکن پہاڑوں کی اونچائی کو نہ پہنچ سکو گے پھر یہ مغرورانہ مستانہ چال سراسر حماقت نہیں تو اور کیا ہے اس سے فائدہ ہی کیا ہے۔

حضرت عیاضؓ بن حماد مجاشعی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے کہ باہم تواضع اختیار کرو کوئی کسی پر فخر نہ کرے نہ کسی پر زیادتی کرے، رواہ مسلم۔

حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے دل میں ذرہ (چھوٹی سرخ چیونٹی یا ریت کا ذرہ) برابر تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ رواہ مسلم۔

حضرت سلمہؓ بن اکوع کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، آدمی برابر خودسری (غرور) کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کو جبارین (انتہائی ظالم اور مغرور گروہ) میں لکھ دیا جاتا ہے، پھر اس پر وہ ہی عذاب آجاتا ہے، جو ان پر آتا تھا۔ رواہ الترمذی۔

عمرو بن شعیب کے دادا راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن تکبر کرنے والوں کو چیونٹیوں کی طرح حقیر و ذلیل بنا کر آدمیوں کی صورتوں میں اٹھایا جائے گا کہ ہر طرف سے ان پر ذلت چھائی ہوئی ہو گی، ان کو بولس نام کے جہنم میں داخل کیا جائے گا، سب سے بڑی آگ ان پر مسلط ہو گی اور طینۃ الخبال یعنی دوزخیوں کا نچوڑ ان کو پلایا جائے گا۔ رواہ الترمذی۔

حضرت اسماءؓ بنت عمیس کا بیان ہے میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا وہ بندہ برا ہے جو اتراتا اور تکبر کرتا ہے اور اللہ برتر و بزرگ کو بھول جاتا ہے، رواہ الترمذی والبیہقی فی شعب الایمان۔

ایک روز حضرت عمرؓ نے منبر پر فرمایا تھا لوگو! میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے یہ فرمان سنا تھا کہ جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ اس کو اٹھا کر اونچا کر دیتا ہے گو وہ اپنی نظر میں تو نیچا ہوتا ہے مگر لوگوں کی نظر میں بڑا ہو جاتا ہے اور جو خود بڑا ہو جاتا ہے اور جو خود بڑا بنتا ہے اللہ اس کو پست کر دیتا ہے پس وہ لوگوں کی نظر میں چھوٹا ہو جاتا ہے اور خود اپنی نظر میں بڑا ہوتا ہے یہاں تک کہ لوگوں کے نزدیک وہ کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ پوری توریت پندرہ آیات میں ہے پھر آپ نے آیات وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ الخ تلاوت فرمائیں۔

كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ﴿۳۸﴾ یہ سارے برے کام تیرے رب کے نزدیک بالکل ناپسندیدہ ہیں۔

كُلُّ ذَٰلِكَ یعنی مذکورہ بالا تمام امور جن میں سے کچھ مامورات ہیں اور کچھ منہیات۔ بعض امور کے کرنے کا حکم دیا گیا

Marfat.com

ہے، بعض کے ارتکاب کی ممانعت کی گئی ہے۔ سَیِّئُہٗ یعنی امور مذکورہ میں سے جو برے ہیں اور ان کے ارتکاب کی ممانعت کی گئی ہے۔ مَکْرُوْہ ناپسندیدہ، قابل نفرت۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ یہ باتیں اس حکمت میں کی ہیں جو خدا تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے آپ کے پاس بھیجی ہیں۔

صاحب قاموس نے حکمت کے متعدد معانی لکھے ہیں، عدل، علم، تحمل، دانائی، نبوت، قرآن، انجیل۔ میرے نزدیک اس جگہ علم نافع مراد ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اور (اے انسان) اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ قرار دے۔ ممانعت شرک کا دوبارہ حکم دینے سے اس بات پر تنبیہ مقصود ہے کہ توحید ہی بنیاد ہے، اسی پر تمام اعمال کی صحت کا مدار ہے، یہ ہی ہر عمل کا انتہائی مقصد ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی غرض سے کوئی کام کیا جائے یا ترک کیا جائے تو کوئی کوشش نتیجہ خیز نہ ہو گی، توحید ہر حکمت کا سرچشمہ اور مدار ہے۔ علم توحید بالذات اور اصلی مقصد ہے، باقی علوم سے مقصود عمل ہے خود فی نفسہ وہ مقصود نہیں ہے شرک کا نتیجہ دنیا میں بھی برا ہے اور آخرت میں بھی۔

فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ ورنہ تو الزام خوردہ اور ماندہ ہو کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ مَلُوْمًا یعنی تو خود اپنی جان کو برا کہے گا اور اللہ بھی اور ساری مخلوق بھی تجھے ملامت کرے گی۔ مَدْحُوْرًا اللہ کی رحمت سے دھتکارا ہوا۔

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ ع ۴

کیا تمہارے رب نے تمہارے لئے تو لڑکے مخصوص کر دیئے ہیں اور اپنے لئے لڑکیاں اختیار کرلی ہیں، بلاشبہ تم (اللہ کی شان میں) بڑی (گستاخی کی) بات کہتے ہو۔ یعنی بہت بری بات کہتے ہو، اللہ کی طرف صاحب اولاد ہونے کی نسبت کر رہے ہو باوجودیکہ سلسلہ تناسلی ان اجسام کی خصوصیت ہے جو زوال پذیر اور فانی ہیں، پھر اولاد میں سے بھی اس اولاد کا والد اللہ کو قرار دیتے ہو۔ جو صنف کے لحاظ سے کمزور ہے (اور اپنے لئے قوی صنف کو پسند کرتے ہو) اور اس پر طرفہ یہ کہ ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہو۔ ملائکہ تو ساری مخلوق میں لطیف ترین نوع ہیں ان کو بیٹیاں کہنا (یعنی ضعیف ترین صنف انسان قرار دینا) انتہائی حماقت ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِىْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾

اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ اس کو اچھی طرح سے سمجھ لیں اور ان کو نفرت ہی بڑھتی جاتی ہے۔

یعنی اس قرآن میں ہم نے متعدد مقامات پر جو عبرتیں، حکمتیں، احکام، امثال، دلائل اور نصیحتیں بیان کی ہیں وہ اسی لئے بیان کی ہیں کہ لوگ نصیحت پذیر اور سبق اندوز ہوں۔ یا یہ مطلب ہے کہ مذکورہ بالا مطلب کو ہم نے بار بار مختلف طریقوں سے اس قرآن میں نصیحت پذیری کے لئے ثابت کیا ہے، یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ هٰذَا الْقُرْاٰن سے مراد ہے ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دینے کا ابطالی قول، یعنی فرشتوں کے بنات اللہ نہ ہونے کا قول ہم نے بار بار بکثرت بیان کیا ہے۔ (اس مطلب پر قرآن بمعنی قرأت ہو گا یعنی قول) صَرَّفْنَا (باب تفعیل) کثرت پر دلالت کر رہا ہے، یعنی ہم نے بکثرت بیان کیا۔ لِيَذَّكَّرُوْا تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں اور جو چیز اللہ کے لئے سزاوار نہیں ہے اس کی نسبت اللہ کی طرف نہ کریں اور اوامر و نواہی کی پابندی کریں۔ وَمَا يَزِيْدُهُمْ یعنی ہمارا بار بار بیان کرنا اور نصیحت کرنا ان کے لئے سود مند نہیں ہوتا اس سے ان لوگوں کو حق سے مزید نفرت اور دوری پیدا ہوتی ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾

آپ کہہ دیجئے اگر اس کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے جیسا یہ لوگ کہتے ہیں تو اس حالت میں عرش والے

Marfat.com

تک انہوں نے راستہ ڈھونڈھ لیا ہوتا یعنی اگر ان کے قول کے مطابق اللہ کے ساتھ دوسرے خدا ہوتے تو بادشاہوں کے دستور کے موافق وہ عرش والے خدا سے لڑپڑتے اور اس پر غالب آنے کی کوشش کرتے۔ اگر دو خدا ہوں گے تو ان کا باہم ٹکراؤ ممکن ہو گا اور امکان تصادم سے ایک کا مغلوب اور دوسرے کا غالب آنا یا دونوں کا مغلوب نہ ہونا ضروری ہے اس طرح ایک غالب ہو گا یا دونوں عاجز ہوں گے اور عاجز ہونا شان الوہیت کے خلاف ہے اسی طرح مغلوب بھی خدا نہیں ہو سکتا۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ جو باتیں یہ لوگ کہتے ہیں اللہ ان عیوب سے پاک ہے اور بہت زیادہ برتر ہے۔

یعنی اللہ عاجز ہونے اور تصادم سے پاک ہے۔ عجز و تصادم شان الوہیت کے منافی ہے اور مشرکوں کے مشرکانہ قول سے وہ بہت دور ہے جس طرح اللہ کی ذات ہر ذاتی شئی سے اعلیٰ اور بالا ہے اسی طرح اس کا وجود بھی تمام مراتب وجود سے اونچا ہے اور محتاج اولاد ہونا تو ادنیٰ ترین وجود کی خصوصیت ہے، فناپذیر موجودات کو اولاد کی ضرورت ہوتی ہے شرکت ملکیت کاملہ کے منافی ہے اور ناقص مالکیت کی علامت ہے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ

تمام ساتوں آسمان اور زمین اور جتنے ان میں ہیں اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو۔ یعنی ہر چیز لوازم امکان، خصوصیات حدوث اور ان تمام امور سے اللہ کی ذات کے پاک ہونے کا اعتراف کرتی ہے جو شان الوہیت کے خلاف ہیں اور اللہ کے جمال ذات، کمال صفات اور انعامات متواترہ کا اپنی اس نوعی زبان سے اقرار کرتی ہے جو اللہ نے خاص طور پر اس کو عطا فرمائی ہے اور اس کو سنتا اور سمجھتا بھی وہی ہے جس کے دل کو اللہ نے اس زبان و قول کو سننے اور سمجھنے کی قابلیت دی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ہم آیات (معجزات) کو برکت جانتے تھے اور تم لوگ ان کو خوف انگیزی کا سبب خیال کرتے ہو، ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب ایک سفر میں تھے پانی کی کمی پڑ گئی، حضور ﷺ نے فرمایا جو کچھ بچا کھچا ہو پانی ہو وہ میرے پاس لے آؤ۔ صحابہ نے ایک برتن لا کر حاضر کر دیا جس میں قدرے پانی تھا آپ نے دست مبارک اس میں ڈال دیا اور فرمایا برکت والے پاک (پانی) کی طرف آؤ اور برکت اللہ کی طرف سے ہے۔ میں نے خود دیکھا کہ آپؐ کی انگلیوں کے بیچ میں سے پانی پھوٹ کر نکل رہا تھا اور کھانا کھلایا جاتا تو کھانے کے اندر سے ہم سُبْحَانَ اللّٰہ کی آواز سنا کرتے تھے (یعنی کھانا سُبْحَانَ اللّٰہ کہتا تھا) رواہ البخاری۔ مجاہد کا قول ہے کہ ہر چیز خواہ جاندار ہو یا بے جان اللہ کی تسبیح پڑھتی ہے یعنی سُبْحَانَ اللّٰہ و بِحَمْدِہٖ کہتی ہے۔

ابراہیم نخعی نے کہا ہر چیز خواہ جاندار ہو یا جماد (بے جان) حمد کے ساتھ اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے یہاں تک کہ دروازے کی چرچراہٹ اور چھت کے ٹوٹ کر گرنے کی آواز بھی تسبیح و تحمید کا اظہار کرتی ہے۔ بعض علماء نے کہا شَیْئٍ سے مراد ہے، ہر زندہ چیز یعنی زندہ چیزیں سُبْحَانَ اللّٰہ پڑھتی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جن وانس، ملائکہ اور تمام جانور تسبیح خواں ہیں اور اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ قتادہ نے کہا تمام حیوانات اور نباتات تسبیح کا اقرار کرتے ہیں (یعنی ہر نمو پذیر چیز سُبْحَانَ اللّٰہ پڑھتی ہے، جمادات مراد نہیں ہیں)۔

عکرمہ نے کہا درخت تسبیح پڑھتا ہے اور (اسی درخت کی لکڑی سے بنا ہوا) ستون تسبیح نہیں پڑھتا۔

میرے نزدیک یہ تخصیص غلط ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب خطبہ کے وقت ستون سے ٹیک لگانی چھوڑ دی اور منبر پر خطبہ دینے لگے تو آپ کی جدائی کی وجہ سے اس ستون کا بچوں کی طرح رونا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

آیت میں آیا ہے کہ اللہ نے حضرت داؤدؑ کے ساتھ پہاڑوں اور پرندوں کو تسبیح پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ۔ طبرانی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا پہاڑ دوسرے پہاڑ سے پکار کر

Marfat.com

دریافت کرتے ہیں کیا تیرے اوپر سے کوئی آدمی اللہ کا ذکر کرتا گزرا ہے، جب وہ پہاڑ ہاں کہہ دیتا ہے تو پوچھنے والا پہاڑ خوش ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ ہر چیز بزبان حال تو تسبیح میں مشغول رہتی ہی ہے۔ ہر چیز ممکن ہے، حادث ہے اور ہر ممکن و حادث ایک ایسے صانع کا محتاج ہے جو واجب الوجود ہو، قدیم بالذات ہو، ہر نقص عیب، فنا اور زوال سے پاک ہو، صفات کمالیہ سے متصف ہو۔ لہٰذا تسبیح سے صرف تسبیح حالی مراد لینا غلطی ہے، ہر چیز تسبیح حالی اور تسبیح مقالی میں مشغول ہے۔

وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ لیکن (اے لوگو! یعنی اے اکثر انسانو) تم ان کی تسبیح خوانی کو نہیں سمجھتے۔ مطلب یہ ہے کہ تم ان کی تسبیح مقالی کو نہیں سمجھتے (تسبیح حالی کو تو تمام عقلمند انسان سمجھتے ہیں کون دانشور مصنوع کو بغیر صانع کے اور مخلوق کو بغیر خالق کے اور اثر کو بغیر مؤثر کے کہہ سکتا ہے۔

ہاں مشرک چونکہ کور بصیرت اور دماغی نابینا ہوتے ہیں (وہ تسبیح حالی کو بھی نہیں سمجھتے) ؎

اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝۴۴ بلاشبہ اللہ حلم والا اور بخشنے والا ہے۔ گناہ کی سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا اور جو توبہ کرتا ہے اس کو بخش دیتا ہے۔

ابن منذر نے ابن شہاب زہری کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جب قریش کے مشرکوں کو قرآن مجید پڑھ کر سنایا اور اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی تو انہوں نے مذاق بناتے ہوئے کہا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝۴۵

اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت کو نہیں مانتے، ایک ایسا پردہ حائل کر دیتے ہیں جو قرآن کو سمجھنے سے آڑ بن جاتا ہے۔ قتادہ نے کہا حجاب سے مراد اَكِنَّةٌ ہے (یعنی وہی غلاف اور پردہ مراد ہے جو مشرکوں نے قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ میں کہا تھا) حجاب یعنی ایسا پردہ جو دلوں کو قرآن فہمی سے روک دے اور فائدہ نہ اٹھانے دے۔

مَسْتُوْرًا یعنی وہ پردہ حسی نہیں ہوتا، حواس سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ وہ پردہ دوسرے پردوں کے اندر چھپا ہوا ہوتا ہے (یعنی پردے کے اوپر ایک اور پردہ ہوتا ہے)

بعض علماء نے کہا اس جگہ مَسْتُوْر اسم مفعول سَاتِر اسم فاعل کے معنی میں ہے یعنی چھپانے والا۔ جیسے آیت كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا میں مَاْتِيًّا سے مراد ہے آنے والا۔

بعض نے کہا حجاب سے مراد ہے ایسا پردہ جو رسول اللہ ﷺ کی رسولی شخصیت کو ظاہری آنکھوں سے چھپا دینے والا تھا، بغوی نے سعید بن جبیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی ایک پتھر لے کر (رسول اللہ ﷺ کو مارنے کے لئے) آئی، آپ اس وقت حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے لیکن عورت کو رسول اللہ ﷺ نظر نہیں آئے، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، خدا کی قسم وہ تو شعر نہیں پڑھتے، نہ شعر کہتے ہیں پھر ہجو کس طرح کی۔ عورت یہ کہتی ہوئی لوٹ گئی، میں تو اس پتھر سے اس کا سر پھاڑنے آئی تھی اگر مل جاتا تو سر پھاڑ دیتی۔ حضرت ابوبکرؓ نے عورت کے جانے کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ آپ کو نہیں دیکھ پائی، فرمایا ایک فرشتہ میرے اور اس کے درمیان آڑ کئے رہا۔

میں کہتا ہوں سعید بن جبیرؓ کی روایت کے بموجب آیت کا تعلق ایک مخصوص واقعہ سے قرار پائے گا، ایسا ہمیشہ

حضرت عمرؓ بن خطاب نے فرمایا جانوروں کے منہ پر نہ مارا کرو۔ ہر چیز اللہ کی تسبیح و تحمید کرتی ہے۔ میمون بن مہران کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں ایک کوا پیش کیا گیا جس کے بازو کٹے ہوئے تھے، آپ نے اس کے بازوؤں کو پھیلایا اور فرمایا کسی شکار کو بھی نہیں شکار کیا جاتا اور کسی درخت کو بھی نہیں کاٹا جاتا مگر اسی وقت جب کہ وہ تسبیح خوانی کھو چکا ہو۔ زہری کی روایت سے اسی طرح منقول ہے۔ (ازالۃ الخفاء)

Marfat.com

نہیں ہوتا تھا کہ آپ قرآن پڑھتے ہوں اور کافر آپ کو نہ دیکھ سکتے ہوں۔

وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ اور ان کے دلوں پر قرآن فہمی سے روکنے والے پردے ڈال دیتے ہیں یعنی ایسے پردے جو دلوں کو چھپالیتے ہیں اور حق کو سمجھنے اور قبول کرنے سے رکاوٹ بن جاتے ہیں۔

وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دیتے ہیں تاکہ گوشِ قبول سے نہ سن سکیں (معنی کا فہم دل سے ہوتا ہے اور الفاظ کانوں سے سنے جاتے ہیں) اور قرآن اپنی معنویت کے لحاظ سے بھی معجزہ ہے اور لفظی ساخت کے اعتبار سے بھی اس لئے مشرکوں کے دلوں پر بھی اللہ نے پردہ ڈال دیا کہ معنوی اعجاز کو سمجھ نہ سکیں اور کانوں میں بھی گرانی پیدا کر دی کہ لفظی اعجاز کو سن نہ سکیں۔

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ اور جب آپ قرآن میں صرف اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ لوگ نفرت کرتے ہوئے پشت پھیر کر چل دیتے ہیں۔

یعنی اگر اللہ کے ساتھ ان کے معبودوں کا ذکر نہ ہو تو وہ محض توحید کا ذکر سن کر بدکتے اور بھاگتے اور نفرت کرتے ہیں۔

نُفُوْرًا، بھاگنا، بدکنا، نفرت کرنا۔ یہ لفظ مفعول لہ ہے یا مفعول مطلق یا نافِر کی جمع، جیسے عَاقِد کی جمع عُقُود ہے۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ جس وقت یہ لوگ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں تو ہم خوب جانتے ہیں جس غرض سے یہ سنتے ہیں۔ یعنی جس سبب سے اور جس استہزائیہ طریقے سے وہ قرآن سنتے ہیں اور آپ کا اور قرآن کا مذاق اڑانے کے لئے آپ کی طرف کان لگاتے ہیں، ہم اس سے بخوبی واقف ہیں۔

وَاِذْ هُمْ نَجْوٰۤى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾

اور جس وقت یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں جب کہ یہ ظالم یوں کہتے ہیں کہ تم لوگ محض ایسے شخص کا ساتھ دے رہے ہو جو جادو زدہ ہے۔

نَجْوٰی مصدر بمعنی فاعل ہے یا نَجِی کی جمع ہے، یعنی جب آپ کی طرف کان لگا کر قرآن سنتے ہیں تو ہم ان کی اس غرض کو جو وہ دلوں میں پوشیدہ رکھتے ہیں خوب جانتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ جب وہ باہم کانا پھوسی اور سرگوشیاں کرتے ہیں تو ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کیا باتیں کہہ رہے ہیں۔ اَلظّٰلِمُوْنَ سے مراد ہے ولید بن مغیرہ اور اس کے ساتھی۔ رسول اللہ ﷺ کو سحرزدہ قرار دینا آپ پر ظلم تھا اور ولید بن مغیرہ وغیرہ اس ظلم کے مرتکب تھے۔ مَسْحُوْر سحرزدہ کا جادو کی وجہ سے اس کی عقل ٹھکانے سے نہ رہی ہو۔ مجاہد نے مَسْحُوْر کا ترجمہ کیا ہے فریب خوردہ۔ بعض علماء نے کہا یہ لفظ مَاسَحَرَكَ سے ماخوذ ہے، مَاسَحَرَكَ کا معنی ہے تجھے کس چیز نے پھیر دیا، اس وقت مَسْحُوْر کا ترجمہ ہوگا حق سے برگشتہ۔ ابو عبیدہ نے مَسْحُوْر کا ترجمہ کیا سحر والا اور سحر کا معنی ہے پھیپھڑہ۔ مراد یہ ہے کہ یہ شخص تو تم جیسا پھیپھڑوں والا آدمی ہے کھاتا ہے پیتا ہے سانس لیتا ہے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا دیکھو ان لوگوں نے آپ کے لئے کیسے کیسے القاب تجویز کئے ہیں سو یہ لوگ گمراہ ہو گئے۔ کسی نے شاعر کہا، کسی نے جادوگر، کسی نے سحرزدہ اور مسحور، کسی نے کاہن، کسی نے جن رسیدہ دیوانہ۔ یہ باتیں کہنے کی وجہ سے یہ حق سے بھٹک گئے کیونکہ ان باتوں میں سے کسی میں سچائی تو ہے نہیں، کوئی بات حق نہیں ہے۔

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾ اب رستہ ہی نہیں پا سکتے۔

یعنی حق و ہدایت کے راستے پر چل نہیں سکتے، کیونکہ اللہ نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ حسب مراد کسی مدلل، مناسب طعن کا ان کو راستہ نہیں ملتا کبھی کچھ کہتے ہیں کبھی کچھ کہتے ہیں، بے دلیل، اندھا دھند ہاتھ مارتے ہیں۔ جیسے حیران پراگندہ بدحواس آدمی ہوتا ہے۔ بدحواسی کی وجہ سے اس کو معلوم نہیں ہوتا کہ کیا کرے۔

وَقَالُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾

Marfat.com

اور مشرکوں نے کہا کیا جب ہم ہڈیاں اور بوسیدہ ریزے ہو گئے تو کیا ہم کو پھر بھی از سر نو تخلیق کر کے اٹھایا جائے گا۔
رُفَات فرسودہ، بوسیدہ، ریزے ریزے۔ فتَات اور حِطَام کا بھی یہی معنی ہے۔ قاموس میں ہے رَفَتَ یَرْفُتُ (نصَرَ یَنصُر) توڑ دیا، ٹوٹ گیا، ریزہ ریزہ ہو گیا اور ریزہ ریزہ کر دیا۔ یہ لفظ لازم بھی ہے اور متعدی بھی۔ رُفَات بروزن غُرَاب، فرسودہ بوسیدہ، ریزہ ریزہ۔ مجاہد نے رُفَاتا کا ترجمہ کیا ہے، خاک، مٹی۔ زندہ آدمی کے بدن میں تروتازگی اور شادابی ہوتی ہے اور بوسیدہ ہڈیاں خشک ہوتی ہیں، دونوں حالتوں میں تضاد ہے اس لئے مشرکوں کو بوسیدہ ہڈیوں کے از سر نو تر و تازہ ہو کر زندہ ہو جانے کا انکار تھا۔

قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ۝٥٠ أَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ

آپ کہہ دیجئے تم لوگ پتھر یا لوہا یا کوئی ایسی مخلوق ہو کر دیکھ لو جو تمہارے ذہن میں بہت ہی بعید ہو۔ یعنی پتھر بن جاؤ یا لوہا بن جاؤ یا کوئی اور اس سے بھی بڑھ کر ایسی چیز بن جاؤ۔ جو تمہارے خیال میں قبول حیات سے بہت دور ہو، مثلاً آسمان، زمین، پہاڑ وغیرہ کچھ بھی ہو جاؤ، مرنے کے بعد کچھ بھی بن جانا فرض کر لو۔ تم کو ضرور زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اعراض (یعنی مختلف احوال) کو قبول کرنے میں تمام اجسام برابر ہیں (ہر جسم عرض یعنی مختلف کمیت کیفیت وغیرہ کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے) بوسیدہ ہڈیاں ہو جانے کے بعد از سر نو زندہ ہو جانا تو زیادہ دشوار نہیں ہے۔ ہڈیاں تو پہلے زندہ ہی تھیں۔ تروتازگی کے بعد ان میں خشکی آتی ہے۔ جس میں ایک بار تازگی ہو چکی ہے اس کا دوبارہ تازگی کو قبول کرنا آسان ہے۔
كُونُوا حِجَارَةً الخ سے مراد امر تکلیفی نہیں ہے۔ یعنی یہ مطلب نہیں کہ تم کو پتھر یا لوہا بن جانا لازم ہے یا اس کام کو اختیار ہے بلکہ مراد امر تقدیری ہے، یعنی فرض کر لو کہ تم پتھر ہو جاؤ گے یا لوہا بن جاؤ گے یا کسی اور اس سے بھی زیادہ چیز میں تبدیل ہو جاؤ گے۔ اور جمادیت میں اتنے آگے بڑھ جاؤ گے جو تمہارے خیال میں زندگی سے بہت ہی زیادہ دور ہے۔

فَسَيَقُولُونَ مَن يُعِيدُنَا ۖ قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ　سو (یہ بات سن کر) وہ کہیں گے کہ (مرنے کے بعد) دوبارہ ہم کو زندہ کرے گا کون (یعنی مان لیا کہ ہر جسم قبول حیات کی صلاحیت رکھتا ہے اور ہر جسم میں ہر عرض کے توارد کی قابلیت ہے لیکن ہر جسم پر ہر عرض آتا تو نہیں ہے جب تک کوئی موثر نہ ہو محض صلاحیت واستعداد تو اس کے لئے کافی نہیں ہے کسی زبردست موثر اور فاعل کی ضرورت ہے اور ایسا کرنے والا ہمیں تو کوئی نظر نہیں آتا) آپ کہہ دیجئے کہ جس نے تم کو اول بار پیدا کیا (اس کی قدرت تم کو معلوم ہو چکی ہے) وہی دوبارہ بھی تخلیق کر دے گا (پہلے تو تم مٹی تھے زندگی کو قبول کرنے سے بہت دور اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے میں تو فقط پہلی حالت کو لوٹا کر لانا ہے اور ظاہر ہے کہ عدم محض سے وجود میں لانا معدوم کر کے موجود کر دینے سے زیادہ دشوار ہے)۔

فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ ۖ　یہ سن کر وہ تمہارے سامنے (تعجب یا استہزاء کے طور پر) سر مٹکا کر کہیں گے اچھا تو ایسا ہوگا کب یعنی اگر ہم مان لیں کہ دوبارہ زندہ ہو جانا ناممکن نہیں ہے اور یہ بھی مان لیں کہ جس نے اول بار پیدا کیا ہے وہی دوبارہ پیدا کر سکتا ہے) تو یہ بتاؤ کہ دوسری زندگی کب ہو گی (اس میں تاخیر کیوں ہے، کروڑوں مر گئے اور آج تک کوئی دوبارہ زندہ ہو کر نہیں آیا یہ تاخیر کیوں ہو رہی ہے۔)

قُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَرِيبًا ۝٥١　آپ کہہ دیجئے کہ امید ہے (ہو سکتا ہے) کہ دوسری زندگی قریب ہی ہو (آخر دوسری زندگی ہو گی ضرور اور جو چیز آئندہ ضرور ہونے والی ہے وہ قریب ہی ہے) یا یہ مطلب ہے کہ قریب اور قلیل وقت میں ہی ایسا ہو جائے گا یا یہ مطلب ہے کہ ابتداء تخلیق عالم سے دوسری زندگی زیادہ دور نہیں ہے۔

يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ　یہ اس روز ہو گا جس روز اللہ تم کو پکارے گا اور تم (بلا اختیار) اس کی حمد کرتے ہوئے حکم کی تعمیل کرو گے۔
یعنی اسرافیل کی زبانی جب اللہ تم کو قبروں سے میدان قیامت کی طرف حساب فہمی کے لئے طلب فرمائے گا تو تم (تعمیل

Marfat.com

حکم اور عمل سے) دعوت کو قبول کرو گے۔ یا (دعوت اور استجابت سے مراد ہے قبروں سے اٹھایا جانا اور اٹھنا اس صورت میں) یہ مطلب ہے کہ اللہ تم کو قبروں سے اٹھائے گا اور تم اٹھو گے یعنی فوراً حساب فہمی کے لئے اٹھ کر میدان قیامت میں آجاؤ گے۔

بِحَمْدِهٖ کا یہ مطلب ہے کہ قبروں سے اٹھتے وقت تم اللہ کی حمد کرو گے اس وقت اقرار کرو گے کہ اللہ ہی تمہارا خالق ہے اور دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے والا ہے یا بِحَمْدِهٖ کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح حمد کرنے والے اطاعت کرتے ہیں تم بھی قبروں سے اٹھنے کے وقت ایسی ہی اطاعت کرو گے۔ بعض علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ آیت میں خطاب مومنوں کو ہے قبروں سے اٹھتے وقت مومن اللہ کی ثناء کریں گے، کافر حمد نہیں کریں گے وہ تو قبروں سے اٹھتے وقت ہائے وائے کریں گے اور کہیں گے یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ یٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ ہائے ہم کو ہماری خواب گاہ سے کس نے اٹھادیا۔ یہ وہی ہے جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔ ہائے افسوس، ہم نے اللہ کے معاملہ میں کوتاہی کی۔

ختلی نے الدیباج میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے جبرئیل نے اطلاع دی ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مومنوں کے لئے مرنے کے وقت اور قبروں میں قبروں سے نکلنے کے وقت انس ہوگا (یعنی یہ کلمہ وحشت دور کرنے اور سکون بخشنے کا ذریعہ ہوگا) اے محمدؐ اگر آپ دیکھیں گے تو تعجب ہوگا کہ یہ مومن تو قبروں سے سر جھاڑتے اٹھ کھڑے ہوں گے جس کی وجہ سے ان کے چہرے گورے ہوں گے اور یہ کافر پکاریں گے ہائے افسوس میں نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی اس وقت ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

طبرانی ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے والوں کو نہ مرتے وقت وحشت ہوگی، نہ قبروں کے اندر، نہ قبروں سے نکلتے وقت، گویا میرے سامنے ہے وہ منظر کہ چیخ یعنی صور کی آواز ہوتے ہی مومن سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ کہہ رہے ہیں۔

عبد بن حمید، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کی روایت سے بھی یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے۔

۵ ع ۱۲ ۵ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا۟ ﴿۵۲﴾ اور تم خیال کرو گے کہ (دنیا میں یا قبروں میں) تم بہت ہی کم رہے۔ قتادہ نے کہا قیامت کے مقابلہ میں وہ دنیا کی مدت کو حقیر سمجھیں گے۔

کلبی کا بیان ہے کہ جب مشرکوں نے مسلمانوں کو زیادہ دکھ پہنچانے شروع کئے تو مسلمانوں نے حضور ﷺ سے اس کی شکایت کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اور میرے بندوں سے کہہ دو کہ وہ بات کہیں جو سب سے اچھی ہے۔ یعنی اسلام کی دعوت اور کلمہ توحید کی تبلیغ نرمی کے ساتھ مدلل طور پر خیر خواہی کا اظہار کرتے ہوئے، مشرکوں کی جہالت سے ٹکراؤ نہ کریں۔ حسن نے کہا مثلاً مشرکوں سے یوں کہیں اللہ آپ کو سیدھا راستہ دکھادے۔ اس آیت کا حکم قتال کی اجازت سے پہلے تھا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت عمر بن خطابؓ کے متعلق ہوا تھا آپ کو کسی کافر نے گالی دے دی تھی اس پر آپ کو اللہ نے درگزر کرنے کا حکم اس آیت میں دے دیا۔ بعض علماء نے کہا احسن الکلمہ کلمۂ اخلاص یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک آیت کا حکم تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے اللہ نے سب کو حکم دیا ہے کہ وہ بات کہیں جو سب سے اچھی ہو اور وہ خصلت اختیار کریں جو سب سے افضل ہو۔

اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۵۳﴾

بے شک شیطان لوگوں میں فساد ڈلوادیتا ہے واقعی شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔

Marfat.com

یعنی شیطان آدمیوں میں شر اٹھاتا ہے، بگاڑ پیدا کرتا ہے وہ انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے کافروں کو تو بہکا کر جہنم میں لے جاتا ہے اور مسلمانوں میں باہم فساد اور شر اٹھاتا رہتا ہے، اس لئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ کوئی بات ایسی نہ کہیں جس سے شیطان کو شر اور بگاڑ پیدا کرنے کا موقع مل جائے۔

رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ ۖ إِن يَشَأْ يَرْحَمْكُمْ أَوْ إِن يَشَأْ يُعَذِّبْكُمْ ۚ تمہارا رب تمہارے احوال سے خوب واقف ہے وہ اگر چاہے گا تو (ایمان کی توفیق دے کر) تم پر رحم کرے گا یا اگر چاہے گا تو (حالت کفر پر تمہارا خاتمہ کرکے) تم کو عذاب دے گا۔

ابن جریج نے کہا یہ آیت اَلَّتِیْ ہِیَ اَحْسَنُ کی تشریح ہے (یعنی کلمۂ اَحْسَن، رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِکُمْ الخ ہے) درمیانی کلام بطور جملہ معترضہ کے ہے، مطلب یہ ہے کہ کافروں سے تم یہ بات کہو کہ تمہارا رب تمہارے احوال سے بخوبی واقف ہے الخ، تم ان سے گالی گلوچ نہ کرو اور جاہلانہ جواب نہ دو۔ اور صراحۃً ان کو دوزخی نہ کہو۔ اس سے شر بڑھے گا، پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ جو اس وقت کافر ہیں ان کا خاتمہ کس حالت پر ہوگا ممکن ہے وہ ایمان لے آئیں اور ان کا خاتمہ ایمان پر ہو۔ خاتمہ کا علم تو صرف اللہ کو ہے۔ کلبی نے کہا یہ خطاب اللہ کی طرف سے مومنوں کو ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ چاہے گا تو مکہ والوں کے پنجہ سے تم کو بچالے گا، اور چاہے گا تو ان کے ہاتھوں سے تم کو دکھ پہنچوائے گا، اور ان کو تم پر قابو دے دے گا۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿٥٤﴾ اور (اے محمد ﷺ) ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔ ان کے معاملات آپ کے ہاتھ میں نہیں دے دیئے کہ آپ زبردستی ان کو مومن بنا دیں اور ان کے کافر رہنے کی آپ کے لئے کوئی اہمیت ہو، آپ کو تو صرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اس لئے ان سے نرمی کیجئے اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیجئے کہ کافروں کی طرف سے پہنچنے والی اذیتوں کو برداشت کریں۔

وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ اور آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی ہیں ان کے احوال سے آپ کا رب ہی خوب واقف ہے۔ وہی جانتا ہے کہ کون نبوت اور ولایت کے قابل ہے کس کی تخلیق سعادت پر ہوئی اور کون پیدائشی شقی ہے۔

قریش اعتراض کرتے تھے کہ ابو طالب کا یتیم نبی کیسے ہو سکتا ہے اور بلال و صہیب جیسے محتاج لوگ اللہ کے ولی اور جنتی کس طرح ہو سکتے ہیں اور بڑے بڑے شرفاء مکہ دوزخی کیسے بن سکتے ہیں، اس آیت میں ان بیہودہ خیالات کی تردید کردی گئی (کہ اہلیت اور صلاحیت سے اللہ کے سوا کوئی واقف نہیں، دولت اور ظاہری عزت معیار قابلیت نہیں، فطری جوہر قابل کس کو دیا گیا اور کون اس سے محروم ہے اس سے اللہ ہی واقف ہے۔

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ ۖ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر برتری عطا کی۔ یعنی اخلاقی اور نفسانی فضائل سے نوازا اور جسمانی اور مادی آلودگیوں سے پاک صاف کیا اور اسی کو معیار فضیلت بنایا، مال و اولاد وغیرہ کی کثرت و قلت کو انبیاء کی فضیلت کا ذریعہ نہیں قرار دیا، اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں قتادہ نے کہا اللہ نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا، موسیٰ سے کلام کیا، عیسیٰ کی پیدائش (بغیر باپ کے) صرف لفظ کن سے کی۔ (حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں جب عیسیٰؑ گہوارے کے اندر شیر خوارگی کی حالت میں تھے اس وقت ان سے کلام کیا اور ان سے فصیح زبان میں بات کروائی اور ان کو کتاب و حکمت عطا فرمائی اور توریت و انجیل کا علم مرحمت فرمایا اور روح القدس کو ہر وقت ان کی امداد پر مامور فرمایا (قتادہ نے کہا) اور سلیمان کو ایسی حکومت عنایت کی جو آپ کے بعد کسی کو ملنا مناسب نہیں یعنی جن وانس کو ان کا تابع حکم بنا دیا اور شیطانوں کو سلیمان کے حکم سے زنجیروں میں مقید کرا دیا۔ اور داؤدؑ کو زبور عطا فرمائی۔

وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ﴿٥٥﴾ اور داؤدؑ کو ہم نے زبور دی یعنی وحی کے ذریعے سے ان کے پاس کتاب بھیج کر فضیلت و بزرگی سے نوازا، حکومت (بھی دی مگر حکومت) کو وجہ برتری نہیں قرار دیا۔

Marfat.com

مکہ کے کافروں نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار اس وجہ سے کیا کہ اگر کسی کو نبی بنایا جانا ہی تھا تو ایسے آدمی کو کیوں بنایا گیا جس کو کوئی وجہ برتری حاصل نہیں۔ نہ مال و دولت اس کے پاس ہے نہ دنیوی وجاہت و اقتدار۔ مذکورہ بالا آیات میں اللہ نے اس کی تردید کر دی اور فرمادیا کہ بعض انبیاء کو بعض پر ہم نے برتری عطا کی تھی، یعنی اخلاقی بلندی، نفسانی بزرگی، جسمانی آلودگیوں سے پاکی، وہبی علوم، عمومی ہدایت اور مراتب قرب کے لحاظ سے ایک کو دوسرے سے اونچا کیا تھا، مال و اولاد کی کثرت وجہ برتری نہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو تمام انبیاءؑ سے برگزیدہ بنایا، آپ پر نبوت کو ختم کر دیا، آپ کی امت کو خیر الامم قرار دیا، کیونکہ زبور میں صراحت فرمادی تھی کہ میری زمین کے وارث اصحاب صلاح ہوں گے اور امت محمدیہ کو زمین کا وارث بنایا، معلوم ہوا کہ یہ امت سب امتوں سے برتری رکھتی ہے، رسول اللہ ﷺ کو قرآن مجید عطا کیا جو حجم میں اگرچہ کم ہے مگر علم وافادیت و اعجاز میں سب سے زائد ہے، رسول اللہ ﷺ کو آخری درجۂ قرب پر پہنچایا اور اس قرب کو آیت دَنٰی فَتَدَلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى میں ظاہر فرمایا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ زبور اللہ کی کتاب ضرور تھی جو حضرت داؤدؑ کو دی گئی تھی اس میں ایک سو پچاس سورتیں تھیں اور سب سورتیں دعا اور حمد وثنا سے بھری ہوئی تھیں۔ نہ ان میں حرام و حلال کا بیان تھا نہ فرائض و حدود کا۔ بخاری وغیرہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کچھ آدمی کچھ جنوں کی پوجا کرتے تھے جب وہ جن مسلمان ہو گئے، تب بھی یہ مشرک لوگ انہی جنات سے چمٹے رہے، اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾

آپ کہہ دیجئے کہ جن جنات کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہارا دکھ دور کرنے یا منتقل کرنے یعنی تمہارے اوپر سے ٹال کر دوسروں کو اس دکھ میں مبتلا کرنے پر قابو نہیں رکھتے۔ یعنی جن جنات کو تم معبود قرار دیتے ہو وہ تمہارے افلاس اور قحط سالی وغیر کو دور نہیں کر سکتے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔

وہ خود اللہ کا قرب ایمان اور اطاعت کے ذریعہ سے چاہتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ وسیلہ خاص ہے اور وصیلہ عام۔ وصیلہ کا معنی ہے کسی چیز سے اتصال اور وسیلہ کا معنی ہے رغبت کے ساتھ کسی چیز تک پہنچنا۔ وسیلہ الی اللہ سے مراد ہے علم اور عمل کے لحاظ سے اللہ کی قائم کی ہوئی راہ کی نگہداشت اور مکارم شریعت کے حصول کا ارادہ اور کوشش۔ گویا وسیلہ الی اللہ کا مرادی معنی ہوا قرب خداوندی۔ قاموس میں ہے، وسیلہ اور واسلہ بادشاہ کے دربار میں خاص مرتبہ، درجہ، قربت۔ وَسَلَ اِلَى اللّٰهِ تَوَسُّلًا کا معنی ہے ایسا عمل کیا کہ جس سے اللہ کے قرب میں پہنچ گیا۔

اَيُّهُمْ اَقْرَبُ ان کا جو ان میں سب سے زیادہ قرب (خداوندی) رکھتے ہوں۔

یعنی ان میں جو سب سے زیادہ قربت رکھنے والے ہیں وہ خود بھی وسیلہ کے طلب گار ہیں، قربت نہ رکھنے والوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ (زجاج) بعض اہل تفسیر نے اس طرح مطلب بیان کیا ہے کہ وہ اپنے شخص کو طلب کرتے ہیں جو سب سے زیادہ اللہ کا مقرب ہوتا ہے اس کا وسیلہ پکڑتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ وہ اقرب الی اللہ ہونے کی بڑی شدت سے خواہش رکھتے ہیں، یعنی کثرت طاعت کے سبب اللہ کے مقرب ترین بندے ہو جانا چاہتے ہیں۔

وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اور امید رکھتے ہیں اس کی رحمت کی اور ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے۔ یعنی جب وہ معبود خود ہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں تو کس بنیاد پر مشرک ان کو اپنا معبود قرار دیتے ہیں۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ آپ کے رب کا عذاب حقیقت میں ہے ہی ڈرنے کی چیز۔

Marfat.com

یعنی ایسا خوفناک ہے کہ اس سے فرشتوں اور پیغمبروں کو بھی ڈرنا چاہئے۔

بیضاوی نے کہا مطلب یہ ہے کہ جن کو تم معبود خیال کرتے ہو جیسے فرشتے اور مسیح اور عزیر ان میں سے کوئی بھی تمہارا دکھ دور نہیں کر سکتا، یہ تو خود اللہ کا مقرب ترین بندہ بننے کے لئے وسیلہ کے خواستگار ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ نے کہا، عیسیٰ، ان کی والدہ، عزیر، ملائکہ، چاند، سورج اور ستارے سب اپنے رب کی جانب وسیلہ کے طلب گار ہیں، اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں (پھر ان کو کارساز معبود کس طرح بناتے ہو) بغوی نے لکھا ہے ایک بار مشرک سخت کال میں مبتلا ہوئے، نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مردار تک کھا گئے، مجبور ہو کر رسول اللہ ﷺ سے دعا کرنے کی درخواست کی اس پر آیت قُلْ لِلْمُشْرِكِينَ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهَا آلِهَةٌ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ نازل ہوئی۔ آپ مشرکوں سے کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا تم جن کو معبود خیال کرتے ہو انہیں سے دعا کرو، وہ تمہارا دکھ دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

وَإِنْ مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا ط

اور (کفار کی) ایسی کوئی بستی نہیں جس کو ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں یا (قیامت کے دن) اس کو سخت عذاب نہ دیں۔ یعنی جو بستی کفر و معصیت کرنے والی ہے ہم اس کو یا تو قیامت سے پہلے ہلاک اور تباہ کر دیں گے یا سخت عذاب دیں گے۔ مقاتل وغیرہ نے کہا، ہلاک کرنے سے مراد ہے مار ڈالنا، موت کو مسلط کر دینا، یعنی بستی والے اگر مومن ہوں تو ہم ان پر موت کو مسلط کر دیں گے، زندگی ختم کر دیں گے اور کافر ہوں تو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر دیں گے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، جب کسی بستی میں زنا اور سود پھیل جاتا ہے (یا علی الاعلان لوگ زنا کرتے اور سود کھاتے ہیں) تو اللہ اس بستی کو تباہ کرنے کا حکم دے دیتا ہے۔

كَانَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ﴿۵۸﴾ کتاب میں یہی لکھا ہوا ہے۔ الْكِتَابِ سے مراد ہے لوح محفوظ۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے اول اللہ نے جس کو پیدا کیا وہ قلم تھا پھر اس سے فرمایا لکھ، قلم نے کہا کیا لکھوں، فرمایا تقدیر کو لکھ، حسب الحکم قلم نے ہر اس چیز کو لکھا جو ہو چکی ہے یا ابد تک ہونے والی ہے۔ رواہ الترمذی، ترمذی نے اس حدیث کی سند کو غریب کہا ہے۔

طبرانی اور حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور طبرانی و ابن مردویہ نے حضرت ابن زبیرؓ کے حوالہ سے ایک حدیث ذرا تفصیل کے ساتھ اسی طرح نقل کی ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی آپ کوہ صفا کو سونے کا کر دیجئے اور ان پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا دیجئے تاکہ (میدانی زمین نکل آئے اور) ہم اس میں کھیتی کریں، اللہ نے اپنے پیغمبر کے پاس وحی بھیجی کہ اگر آپ چاہیں تو میں ان کی درخواست پوری کرنے میں ڈھیل کر دوں (ٹال دوں) اور آپ چاہیں تو ان کا سوال پورا کر دوں، لیکن سوال پورا کرنے کے بعد اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو میں ان کو اسی طرح تباہ کر دوں گا جس طرح ان سے پہلے والوں کو تباہ کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا، نہیں، تو ان کو ڈھیل دے (درخواست پوری نہ کر) اس پر اللہ تعالیٰ نے آیات ذیل نازل فرمائیں۔

وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ ط　　اور ہم کو (مطلوبہ) نشانیاں بھیجنے سے صرف یہ امر مانع ہے کہ (ایسے مطلوبہ معجزات ہم نے گزشتہ قوموں کے لئے ظاہر کئے تھے پھر ان) پہلے لوگوں نے ان آیات کی تکذیب کی (اور ہم نے ان کو تباہ کر دیا) یعنی مکہ کے کافر بھی طبیعت اور خود خصلت میں گزشتہ کافروں کی طرح ہیں۔ انہوں نے بھی اسی طرح کی نشانیاں طلب کی تھیں اور جب ہم نے ان کی مطلوبہ نشانیاں ظاہر کر دیں تو انہوں نے نہ مانا اور ہم نے ان کو غارت کر دیا۔ یہ کافر بھی انہیں کی طرح ہیں، اگر ان کے مطلوبہ معجزات ظاہر کر دیئے جائیں گے اور یہ نہ مانیں گے

Marfat.com

تو ان کو تباہ کر دیا جائے گا اور ہم اس امت کو تباہ کرنا چاہتے نہیں مہلت دینا چاہتے ہیں۔

وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا اور ہم نے (قوم) ثمود کو (ان کی درخواست پر) اونٹنی (پتھر کے اندر سے نکال کر) دی تھی جو کھلی ہوئی نشانی تھی، پھر انہوں نے اس پر ظلم کیا، یعنی کفر کیا، یا اس کو قتل کر کے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا ﴿۵۹﴾ اور ہم ایسے معجزات کو صرف ڈرانے کے لئے بھیجا کرتے ہیں۔ یعنی بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے والے عذاب دنیا سے۔ ڈرانے کے لئے جب خوف دلانا ان پر اثر انداز نہ ہوا تو دنیا میں ہی عذاب آپہنچا، یا یہ مطلب ہے کہ (غیر مطلوبہ) معجزات جو ہم ظاہر کرتے یا قرآنی آیات بیان کرتے ہیں وہ صرف عذاب آخرت سے ڈرانے کے لئے۔

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ اور (یاد کرو) جب ہم نے آپ سے کہا تھا (آپ کے پاس وحی بھیجی تھی) کہ آپ کا رب سب لوگوں کو گھیرے ہوئے ہے یعنی اللہ کی ذات علم قدرت سب کو اپنے احاطے میں لئے ہوئے ہے لہٰذا تم کسی کی پروانہ کرو اور جو پیام آپ کو دے کر بھیجا گیا وہ پہنچا دیا (اَلنَّاس سے مراد قریش ہیں) مطلب یہ ہے کہ اللہ قریش کو گھیرے ہوئے ہے یعنی ان کو ہلاک کر دے گا (اَحَاطَ بِهِمْ ان کو ہلاک کر دیا) اس مطلب پر یہ آیت واقعہ بدر کی بشارت ہوگی اور چونکہ آئندہ واقعہ بدر کا ظہور پذیر ہونا یقینی تھا اس لئے ماضی کے صیغہ سے تعبیر کر دی گئی (گویا ایسا ہو چکا)

ابو یعلیٰ نے حضرت ام ہانی کی روایت سے اور ابن المنذر نے حسن کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو جس رات کو معراج ہوئی تو اس کی صبح کو قریش کے چند آدمیوں کے سامنے معراج کا واقعہ بیان فرمایا، قریش آپ کی ہنسی اڑانے لگے، اور حضور ﷺ سے سیر معراج کی کوئی نشانی دریافت کی (بیت المقدس کا نقشہ اور اپنے قافلہ کی خبر دریافت کی) آپ نے بیت المقدس کی حالت اور نقشہ بیان کر دیا اور قافلہ کی کیفیت بھی ظاہر کر دی، اس پر ولید بن مغیرہ بولا یہ شخص جادوگر ہے اس پر اللہ نے آیت ذیل نازل کی۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ اور جو تماشا ہم نے آپ کو (شب معراج میں) دکھایا تھا اس کو بس ہم نے لوگوں کے لئے موجب گمراہی کر دیا، لوگوں کے لئے معراج کا واقعہ ایک جانچ کی حیثیت رکھتا تھا کافروں نے تو انکار کر ہی دیا، لیکن بعض کمزور ایمان والے بھی ایمان سے پھر گئے۔ اس آیت میں سیر معراج کو رؤیا (خواب) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی آیت سے تائید ہوتی ہے، حضرت عائشہؓ کے اس قول کی کہ معراج روحانی تھی جسمانی نہ تھی (رواہ البخاری) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا رؤیا سے مراد ہے رؤیت یعنی آنکھوں سے دیکھنا۔ سعید بن جبیر، حسن بصری، مسروق، قتادہ، مجاہد، عکرمہ، ابن جریج اور اکثر علماء کا قول بھی یہی ہے۔ عرب کہتے ہیں، رَأَیْتُ بِعَیْنِیْ رُؤْیَةً و رُؤْیَا میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا۔ رؤیت اور رؤیا ہم معنی ہیں بعض علماء کا خیال ہے کہ حضور کو دو مرتبہ معراج ہوئی تھی ایک بار آنکھوں سے دیکھنے کی اور ایک بار دل سے دیکھنے کی۔[1] حضرت امام حسینؓ راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ صبح کو کچھ غمگین تھے، سبب دریافت کرنے پر فرمایا، میں نے دیکھا کہ میرے اس منبر پر گویا بنی امیہ باری باری سے آرہے ہیں، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ فکر مند نہ ہوں یہ دنیا ہے جو ان کو مل جائے گی۔ اس پر آیت وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ نازل

[1] حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں نے حکم بن عاص کی اولاد کو منبر [illegible] طرح (اچھلتے) دیکھا اور اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ [illegible] آیت میں جس خواب کا ذکر ہے اس کا تعلق حکم اور اس کی اولاد سے ہے (حکم اس کا بیٹا مروان اس کے بیٹے عبدالملک وغیرہ سارے لوگوں کے لئے فتنہ تھے اور خلافت پر قابض ہو گئے تھے۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ کو دکھادی گئی تھی۔ حضرت سہیلؓ بن سعد، یعلیٰ بن مرہ، حضرت حسینؓ بن علیؓ، حضرت عائشہؓ اور سعید بن مسیب کی روایت سے بھی اسی سے ملتی جلتی حدیث آئی ہے۔ (مفر)

Marfat.com

ہوئی۔ اس روایت کے بموجب لفظ فتنہ سے مراد ہوگا بنی امیہ کے دورِ اقتدار میں بدعات اور فسق و فجور کا پھیل جانا۔ یہ حدیث شیخ ابن جریر نے حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت سے بھی بیان کی ہے اس روایت کے بموجب حدیث کے الفاظ یہ ہیں رسول اللہ ﷺ نے بنی فلاں (یعنی بنی امیہ) کو خواب میں دیکھا کہ وہ آپ کے منبر پر بندروں کی طرح کود رہے ہیں (کبھی ایک آتا ہے کبھی دوسرا) حضور ﷺ کو اس خواب سے دکھ ہوا اس پر اللہ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت عمرو بن عاص اور حضرت یعلی بن مرہ کی روایت سے نیز ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ اور بیہقی نے دلائل میں سعید بن میتب سے مرسلاً نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں بنی امیہ کو منبر پر دیکھا جس سے آپ کو دکھ ہوا اللہ نے آپ کے پاس وحی بھیجی کہ ان کو تو یہ دیا گیا ہے (یعنی اللہ کا یہی فیصلہ ہے) اس سے آپ کو سکون ہو گیا۔

مذکورہ بالا تمام احادیث ضعیف ہیں۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ اَلرُّءْیَا سے مراد وہ خواب ہے جو حدیبیہ کے سال رسول اللہ ﷺ نے دیکھا آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی مکہ میں داخل ہو گئے ہیں، آپ مقررہ میعاد سے پہلے مکہ کی طرف چل کھڑے ہوئے، جب مشرکوں نے حدیبیہ کے مقام پر آپ ﷺ کو روک دیا تو آپ لوٹ آئے پہلے تو آپ نے لوگوں سے بیان کیا تھا کہ ہم مکہ میں داخل ہو جائیں گے اور پھر اسی سال حدیبیہ سے واپس لوٹنا پڑا اس سے لوگ فتنہ میں پڑ گئے اور بعض لوگوں میں شک پیدا ہو گیا، پھر جب دوسرے سال مکہ میں (صلح کے ساتھ حسب معاہدہ) داخل ہو گئے تو آیت لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ نازل ہوئی، اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو وہ خواب سچ کر دکھایا۔ بیضاوی نے اس روایت پر یہ شبہ وارد کیا ہے کہ آیت مکی ہے (اور حدیبیہ کا واقعہ تو ہجرت کے بعد کا ہے) ہاں اگر مکہ میں خواب دیکھا ہو اور اقامت مدینہ کے زمانہ میں اس کو بیان کیا ہو تو شبہ کا جواز ہو سکتا ہے۔

میں کہتا ہوں یہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے، شاید اس خواب کا تعلق واقعۂ بدر سے ہو۔ جس طرح دوسری آیت میں آیا ہے وَاِذْ یُرِیْكَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا۔ روایت میں ہے کہ جب حضور ﷺ بدر کے پانی پر اترے تو فرمایا، میں لوگوں (یعنی مشرکوں) کی قتل گاہوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں یہ فلاں شخص کی قتل گاہ ہے، یہ فلاں کی قتل گاہ۔ قریش نے یہ بات سنی تو اس کا مذاق اڑایا۔

وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ اور جس درخت کی قرآن میں مذمت کی گئی ہے (اس کو بھی موجب گمراہی کر دیا) شجرۂ ملعونہ سے مراد ہے زقوم (تھوہر) کا درخت یعنی اللہ نے اس درخت کو بھی لوگوں کے لئے جانچ کی چیز بنا دیا۔ درخت زقوم کا فتنہ ہونا دو طرح سے بیان کیا گیا ہے۔

(۱) ابو جہل نے کہا ابن ابو کبشہ (محمد بن عبداللہ) تم کو ایسی آگ سے ڈراتے ہیں جو پتھروں کو بھی جلا دے گی لیکن خود ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ وہاں ایک درخت اُگے گا (جس کو آگ نہیں جلائے گی) تم لوگ جانتے ہو کہ آگ درخت کو جلا ہی دیتی ہے، اس بے وقوف نے اتنا بھی نہیں سمجھا کہ جو سمندل کی پشت کی کھال کو آگ میں جلنے سے محفوظ رکھتا ہے اور جس نے شتر مرغ کے شکمی اعضاء کو یہ طاقت بخشی ہے کہ وہ لوہے کے تپتے دہکتے ٹکڑے نگل لیتا ہے اور اس کی آنتیں نہیں جلتیں، نہ حلق میں سوزش ہوتی ہے کیا وہ دوزخ میں ایسا درخت نہیں پیدا کر سکتا جو آگ سے نہ جلے۔ مفسر مدارک نے لکھا ہے کہ سمندل ترکستان میں ایک چھوٹا سا جانور ہوتا ہے جس کی کھال کے رومال بنائے جاتے ہیں، جب رومال میلے ہو جاتے ہیں تو ان کو آگ میں ڈال دیا جاتا ہے، آگ سے ان کا میل جل کر صاف ہو جاتا ہے اور کھال پر آنچ بھی نہیں آتی، صاحب قاموس نے لکھا ہے سمندل ہندوستان میں ایک پرندہ ہوتا ہے جو آگ میں نہیں جلتا (مشہور یہ ہے کہ سمندل جس کو سمندر کہا جاتا ہے ایک ایسا جاندار ہوتا ہے جو آگ میں ہی پیدا ہوتا ہے اور آگ میں ہی جیتا اور زندگی گزارتا ہے، آگ سے باہر نکالا جائے تو مر جاتا ہے۔ مترجم)

(۲) ابن الزبعری نے کہا تھا محمد ہم کو زقوم سے ڈراتے ہیں اور ہم تو زقوم کا معنی مکھن اور چھوارے ہی جانتے ہیں، اس کے علاوہ کوئی دوسرا معنی ہم کو معلوم نہیں۔ یہ سن کر ابو جہل نے لونڈی کو آواز دے کر کہا یَا جَارِیَةُ تَعَالَیْ زَقِّمِیْنَا جاریہ ہمارے

Marfat.com

لئے زقوم لا، باندی فوراً مکھن اور چھوارے لے آئی، ابو جہل بولا، لو گو زقوم کھاؤ، محمد ﷺ تم کو اسی سے ڈراتے ہیں۔ زقوم کا ذکر اللہ نے سورت الصافات میں کیا ہے۔

ابن ابی حاتم اور بیہقی نے البعث میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب اللہ نے زقوم کا ذکر کیا اور قریش کو زقوم سے ڈرایا تو ابو جہل نے قریش سے کہا جس زقوم سے محمد ﷺ تم کو ڈراتے ہیں وہ کیا ہے۔ لوگوں نے کہا ہم کو معلوم نہیں، ابو جہل نے کہا یثرب میں عمدہ قسم کی کھجوریں مکھن کے ساتھ کھائی جاتی ہیں اس مجموعہ کو زقوم کہا جاتا ہے، ہم کو اگر وہ (زقوم) مل جائے تو ہم تو اس کو خوب کھائیں لَنَتَزَقَّمَنَّهَا تَزَقُّمًا اس پر آیت وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ اور آیت اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ نازل ہوئی حقیقت میں ملعون تو زقوم کھانے والا ہو گا بطور مبالغہ آیت میں درخت کی ہی صفت مَلْعُوْنَةَ ذکر کی ہے کیونکہ یہ درخت جہنم کی جڑ میں ہو گا اور وہ ایسا مقام ہے جہاں پہنچنے والے رحمت خداوندی سے بہت ہی زیادہ دور ہوں گے۔ یا یوں کہا جائے کہ مَلْعُوْنَةَ کا معنی ہے بہت برا ضرر رساں، ناگوار۔ ہر ناگوار، ضرر رساں کھانے کو عرب ملعون کہتے ہیں۔

بعض کے نزدیک زقوم سے مراد شیطان یا ابو جہل یا حکم بن العاص ہے۔ یہ محض تاویل ہے۔

وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝ اور ہم ان کو ڈراتے ہیں لیکن ڈرانے سے ان کی بڑھی ہوئی سرکشی میں اور اضافہ ہی ہوتا ہے۔ طغیان، سرکشی اور تمرد۔ ع ۸ / ۶

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۝ اور یاد کرو جب ہم نے ملائکہ سے کہا آدم کے لئے (یعنی ان کی طرف) سجدہ کرو فوراً سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا، ابلیس بولا کیا میں اس شخص کو سجدہ کروں جس کو تو نے گارے سے بنایا ہے۔ ابلیس نے اپنے انکار کی وجہ آدم کی (تخلیقی گری ہوئی) حالت کو قرار دیا، بغوی نے لکھا ہے کہ سعید بن جبیرؓ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ نے آدم کو پیدا کیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ ایک مٹھی زمین کی خاک لی، شیریں بھی اور نمکین بھی اس سے آدم کا پتلا بنایا، پس جس کو میٹھی خاک سے بنایا وہ تو خوش نصیب ہو گیا، خواہ اس کے ماں باپ کافر ہوں اور جس کی تخلیق نمکین خاک سے کی وہ بد بخت ہوا خواہ وہ انبیاء زادہ ہو۔ احمد، ترمذی، ابو داؤد، بیہقی اور حاکم نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت سے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے کہ اللہ نے ایک مٹھی خاک تمام زمین سے لی اس سے آدمؑ کو بنایا۔ پس اولاد آدم زمین کے مطابق ہوئی، سرخ، سفید، سیاہ یا درمیانی رنگ، نرم، سخت، خراب، عمدہ اخلاق والے اسی وجہ سے ہو گئے۔

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ اور ابلیس نے کہا بھلا بتا تو یہ وہی ہے جس کو تو نے مجھ پر برتری عطا کی ہے۔ اور مجھے اس کو سجدہ کرنے کا حکم دے رہا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔

لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ اگر روز قیامت تک تو نے مجھے مہلت دے دی تو سوائے چند لوگوں کے میں اس کی ساری اولاد کو اپنے بس میں کر لوں گا، یعنی اگر تو مجھے مہلت دے گا اور قیامت تک زندہ رکھے گا تو اغواء کر کے میں اس کی نسل کی بیخ کنی کر دوں گا۔ اِحْتَنَكَ الْجَرَادُ الزَّرْعَ محاورہ ہے ٹڈی نے ساری کھیتی کھالی۔ یا یہ مطلب ہے کہ میں اس کو جدھر چاہوں گا کھینچ کر لے جاؤں گا اور اس پر تسلط قائم رکھوں گا۔ حَنَكَ الدَّابَّةَ گھوڑے کا نچلا جبڑا (اوپر سے ملا کر) رسی سے باندھ دیا تاکہ جس طرف چاہے مالک اس کو کھینچ کر لے جائے۔ قاموس میں ہے اِحْتَنَكَ اس پر غالب آگیا، تسلط جمالیا۔ اِحْتَنَكَ الْجَرَادُ الْاَرْضَ ٹڈی نے زمین کی ساری سبزی کھالی۔

قَلِيْلًا سے مراد ہیں وہ لوگ جن کو اللہ نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے (یعنی انبیاء اور خاص خاص اشخاص) انہی کے متعلق اللہ نے فرمایا تھا اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ۔

بیضاوی نے لکھا ہے نسل آدم کو بہکانے پر قادر ہونے کا علم ابلیس کو شاید ملائکہ کے قول سے ہو گیا تھا، ملائکہ نے کہا،

Marfat.com

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا یا حضرت آدم کی بناوٹ سے وہ سمجھ گیا ہوگا کہ اس کے اندر قوت غضب و شہوت اور وہم کی پیدائش کر دی گئی ہے (لامحالہ اس کو اغواء کرنا سہل ہے)

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾

اللہ نے فرمایا جا اور ان میں سے جو بھی تیرے پیچھے چلے گا، جہنم تم سب کی کامل سزا ہوگی۔ یعنی جا اور جو تیرا دل چاہے کر۔ یہ اللہ کی طرف سے دھتکار اور نکل جانے کا حکم تھا اور نفس کے کہے پر چلنے کی خود مختاری تھی۔ مَوْفُوْر بمعنی وَافِر ہے، یعنی مکمل پوری پوری۔ عرب بولتے ہیں وَفِّرْ لِصَاحِبِكَ عِرْضَهٗ اپنے ساتھی کی پوری پوری عزت کر۔

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ

اور ان میں سے جس جس پر تیرا قابو چلے اپنی چیخ پکار سے اس کا قدم اکھاڑ دینا اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لانا۔ اِسْتِفْزَاز۔ ابھار دینا، پھسلا دینا، بے وقوف بنالینا۔ قاموس میں ہے اِسْتَفَزَّهٗ اس کو ابھار دے کر اکھاڑ دیا اور گھر سے نکال دیا۔ بِصَوْتِكَ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک صوت سے اس جگہ دعوت گناہ مراد ہے۔ جو بھی اللہ کی نافرمانی کی دعوت دے وہ ابلیس کی جماعت میں شامل ہے۔ ازہری نے اِسْتَفْزِزْ بِصَوْتِكَ سے یہ مراد لی ہے کہ ان کو اپنی طرف بلانا اور اکھاڑ کر اپنی جانب مائل کر لینا۔ مجاہد نے کہا صوت سے مراد ہے گانا بجانا۔ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ۔ جَلَبَ (باب نصر) اِجْتَلَبَ (قاموس) حدیث میں آیا ہے لَا جَلَبَ یعنی ایک جگہ کا غلہ (جب کہ اس جگہ بھی ضرورت ہو) دوسری جگہ لے جانا جائز نہیں ہے۔ صاحب نہایہ نے لکھا ہے کہ جلب دو طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) زکوٰۃ کا محصل جا کر کسی خاص مقام پر فروکش ہو جائے اور اپنے کارندوں کو جابجا ہر طرف بھیج دے تاکہ زکوٰۃ دینے والے خود اپنا مال لا کر جمع کرائیں۔ اس کی شرعاً ممانعت کر دی گئی اور زکوٰۃ کے تحصیلداروں کو حکم دیا گیا کہ خود لوگوں کے گھروں اور قیامگاہوں پر جا کر زکوٰۃ کا مال وصول کریں۔

(۲) گھوڑوں کی دوڑ کے موقع پر کوئی شخص اپنے گھوڑے کے پیچھے کسی اور کو لگا دے تاکہ وہ آدمی گھوڑے کو چیخ چیخ کر زور سے تیز دوڑنے پر بھڑکاتا رہے اور گھوڑا کہیں سست رفتار نہ ہونے پائے اس کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔

قاموس میں اَجْلَبَ عَلَى الْفَرَسِ کا یہی معنی آیا ہے۔ جَلَبَة کا معنی آواز بھی ہے۔ قاموس میں ہے رَعَدَ فَجَلَبَ لرزا اور چیخا۔ اَجْلَبَ عَلَيْهِ اس پر چیخ کر اس کو بھڑکایا اور ابھارا۔ قتیبی نے کہا جَلَب جَلَبَة کی جمع ہے۔ آوازیں، شور۔ جلب بمعنی اجتماع بھی آیا ہے۔ نہایہ میں ہے اَجْلَبُوْا عَلَيْهِ اس پر جمع ہو گئے، اَجْلَبَهٗ اس کی مدد کی۔ اس تنقیح پر آیت کا مطلب اس طرح ہوگا، اپنے تمام لشکر کو اور اغواء و مکر کے تمام ذرائع کو جمع کر لینا۔

یا یہ مطلب ہے کہ گناہوں پر آمادہ کرنا، بھڑکانا یا یہ مطلب ہے کہ گناہوں کی طرف ان کو ہنکانا یا چلانا یا یہ مطلب ہے کہ گناہ کرنے میں ان کی مدد کرنا۔

بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ گناہوں کے راستہ پر چلنے والا ابلیس کا لشکری ہے سوار ہو کر چلے یا پیادہ۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا جنات اور انسانوں میں سے کچھ اشخاص ابلیس کے سوار بھی ہیں اور پیادے بھی، جو بھی معصیت کے راستہ میں لڑے وہ ابلیس کا لشکری ہے، بیضاوی نے آیت کا مطلب اس طرح لکھا ہے کہ اپنی طرف سے اغواء کر کے لوگوں کو بھڑکانا، سوار ہوں یا پیادے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ مذکورہ عبارت کا حقیقی مفہوم مراد نہ ہو بلکہ اللہ نے جو شیطان کو اغواء پر تسلط عنایت فرمایا تھا کہ وہ کامل طور پر گمراہ کر سکتا تھا اور ہدایت انسانی کو بیخ و بن سے اکھاڑ سکتا تھا اس کو ایسے سپہ سالار...... سے تشبیہ دی جو اپنے پورے لشکر کے ساتھ دشمن کی بستی پر حملہ کر کے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔

وَشَارِكْهُمْ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾

Marfat.com

اور ان کے مال و اولاد میں اپنا ساجھا کر لینا اور ان سے وعدے کرنا اور شیطان ان سے بالکل جھوٹے وعدے کرتا ہے۔

مجاہد، حسن بصری اور سعید بن جبیر کے نزدیک شرکت فی الاموال سے مراد یہ ہے کہ حرام کمائی کرنے اور اس کو جمع کر رکھنے پر لوگوں کو آمادہ کرنا اور حرام مال خرچ کرنا۔ عطاء نے کہا اس سے مراد (سود کا لین دین) ہے اور بتوں اور دیوتاؤں کے ناموں پر چھوڑے ہوئے یا خود ساختہ قوانین مذہب کے زیر اثر آزاد کئے ہوئے جانور بھی مراد ہیں، جن کو کھانا اور بعض اوقات ان سے سواری لینا بھی مشرک حرام قرار دیتے ہیں۔ ضحاک نے کہا غیر اللہ کے نام جانوروں کی بھینٹ چڑھانا مراد ہے۔ شرکت فی الاولاد سے حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک زندہ دفن کی ہوئی لڑکیاں مراد ہیں۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا اولاد زنا مراد ہے۔ حسن اور قتادہ نے کہا اولاد کو یہودی اور عیسائی اور مجوسی بنانا مراد ہے (جب کہ یہ مذاہب منسوخ ہو چکے) حضرت ابن عباسؓ کا قول دوسری روایت میں آیا ہے، کہ اولاد کے ناجائز نام رکھنا مراد ہے جیسے عبدالحارث، عبدالشمس، عبدالعزی، عبدالدار وغیرہ۔

حضرت امام جعفر بن امام زین العابدین نے فرمایا جب انسان بیوی سے قربت کا ارادہ کرتا ہے تو شیطان اس کے ذکر پر بیٹھ جاتا ہے اب اگر وہ شخص بغیر بسم اللہ کے کام شروع کر دیتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان بھی جماع میں مشغول ہو جاتا ہے اور انسان کی طرح عورت کے اندام نہانی میں شیطان بھی انزال کرتا ہے (اس طرح اولاد کی پیدائش میں شیطان شریک ہو جاتا ہے)۔

بغوی نے لکھا ہے بعض احادیث میں آیا ہے کہ تم میں کچھ لوگ مغرب ہیں، دریافت کیا گیا مغرب کون لوگ ہیں۔ فرمایا، جن (کی پیدائش) میں شیطان شریک ہوتے ہیں۔ وعدہ دلانے سے مراد ہے جھوٹی، غلط امیدیں دلانا مثلاً بتوں کی شفاعت، باپ دادا کی بزرگی پر بھروسہ، توبہ میں تاخیر، یہ عقیدہ پیدا کرنا کہ دوزخ اور قیامت وغیرہ کچھ بھی نہیں۔

……ایک شبہ……

استفزز۔ اجلب۔ شارک۔ عد۔ یہ سب امر کے صیغے ہیں تو کیا اللہ نے ابلیس کو معصیت کا حکم دیا تھا، اللہ تو گناہ کا حکم نہیں دیتا۔

……ازالہ……

صیغے امر کے ضرور ہیں لیکن مفہوم تہدید مراد ہے یا امر سے مقصود توہین ابلیس ہے کہ تو کچھ بھی کر لے، تیری کسی حرکت سے میری حکومت میں فرق نہیں آسکتا۔

غرور بمعنی فریب دھوکہ، باطل کو بصورت حق دکھانا۔

بغوی نے لکھا ہے آثار اقوال صحابہ میں آیا ہے کہ ابلیس کو جب نکال کر زمین پر بھیج دیا گیا تو ابلیس نے عرض کیا اے میرے رب آدم کی وجہ سے تو نے مجھے جنت سے نکال دیا، اب مجھے اس پر اور اس کی اولاد پر قابو عطا فرما دے (کہ میں جس طرح چاہوں ان کو بے راہ کر دوں) اللہ نے فرمایا تجھے قابو دے دیا گیا، ابلیس نے کہا، مجھے تیرے بغیر تو اس کی طاقت نہیں، اللہ نے فرمایا، اِسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ الخ۔ آدم نے عرض کیا اے میرے رب تو نے ابلیس کو مجھ پر اور میری نسل پر مسلط کر دیا اور تیرے بغیر میں اس سے محفوظ رہنے کی طاقت نہیں رکھتا، اللہ نے فرمایا، تیری جو بھی اولاد ہو گی، میں اس کی حفاظت کے لئے محافظ مقرر کر دوں گا، آدمؑ نے عرض کیا، میں اس کلام کی مزید تفصیل چاہتا ہوں، اللہ نے فرمایا، ہر نیکی کا بدلہ دس گنا دیا جائے گا، آدمؑ نے عرض کیا اور کیا۔ اللہ نے فرمایا جب تک روح جسم میں رہے گی توبہ کی قبولیت سامنے رہے گی (یعنی توبہ کا دروازہ بند نہ ہو گا) آدمؑ نے عرض کیا اور کچھ، اللہ نے فرمایا يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا۔

Marfat.com

بعض روایات میں آیا ہے کہ ابلیس نے عرض کیا اے رب تو نے انبیاءؑ بھیجے اور (ان کے پڑھنے کو) کتابیں نازل کیں، میرے پڑھنے کے لئے کیا (مقرر کیا) ہے اللہ نے فرمایا شعر، ابلیس نے عرض کیا میری تحریر (رسم خط) کیا ہوگی، فرمایا (اعضاء جسم کو) گودنا (گویا گودنا اور گدوانا شیطانی تحریر اور رسم خط ہے) ابلیس نے کہا میرے پیغامبر کون ہیں۔ فرمایا کاہن، عرض کیا میرے رہنے کا مقام کونسا ہے، فرمایا حمام (جہاں لوگ برہنہ غسل کرتے اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں) عرض کیا میرے بیٹھنے کا مقام کہاں ہے، فرمایا بازاروں میں عرض کیا میرا کھانا کیا ہے فرمایا وہ چیز جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، عرض کیا میرے پینے کی چیز کیا ہے، فرمایا ہر نشہ آور چیز، عرض کیا میرا جال کون سا ہے۔ فرمایا، عورتیں، عرض کیا میرا سامان (تفریح) کیا ہے، فرمایا باجے۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِیْلًا ﴿۶۵﴾ بلاشبہ میرے (مخلص) بندوں (کے اغواء) پر تجھے قدرت نہ ہوگی اور تیرا رب (ان کی حفاظت کا) ذمہ دار ہونے کے لئے کافی ہے۔ یعنی جو مخلص بندے اللہ پر بھروسہ رکھیں گے اس کی پناہ کے خواستگار ہوں گے اور اپنے تمام امور اس کے سپرد کر دیں گے، اللہ ان کو اپنی حفاظت میں رکھے گا۔ (ان پر تیری دست رس نہ ہوگی)

رَبُّكُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِی الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ﴿۶۶﴾

تمہارا رب وہی ہے جو تمہارے لئے دریا میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اس کا رزق تلاش کرو۔ بے شک وہ تمہارے حال پر بہت مہربان ہے۔ یُزْجِیْ ہنکاتا ہے، چلاتا ہے۔ فَضْل تجارتی نفع اور طرح طرح کا وہ رزق جو تمہارے پاس نہیں ہوتا۔ اللہ تم پر مہربان ہے اسی نے تمہارے لئے تمام ضرورت کی چیزیں فراہم کر دی ہیں اور تمہاری مشکلوں کو آسان کرتا ہے۔

وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِیَّاهُ ۚ اور جب تم کو دریا میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بجز خدا کے تم جتنوں کی عبادت کرتے تھے، سب غائب ہو جاتے ہیں۔

اَلضُّرُّ، یعنی ڈوبنے کا سخت خوف۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے خوف کے وقت تم اللہ کے سوا کسی معبود کو یاد نہیں کرتے، سب باطل معبود تمہارے ذہن سے غائب ہو جاتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ تمام باطل معبود تمہاری مدد کرنے سے غائب ہو جاتے ہیں اور سوائے اللہ کے کوئی تمہاری فریادرسی نہیں کرتا۔

فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾

پھر جب اللہ تم کو ڈوبنے سے بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو تم اللہ کی توحید سے کترا جاتے ہو اور کافر انسان بڑا ناشکرا ہوتا ہے۔ کَفُوْر نعمتوں کا منکر اور ادائے شکر نہ کرنے والا۔

اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِیْلًا ﴿۶۸﴾

سو کیا تم اس بات سے بے فکر ہو بیٹھے کہ تم کو خشکی کی طرف لا کر زمین میں دھنسا دے یا تم پر کوئی ایسی آندھی بھیج دے جو کنکر پتھر برسانے لگے پھر کسی کو تم اپنا کارساز نہ پاؤ۔

یعنی خشکی کے جس حصہ پر تم موجود ہو اللہ اس کو الٹ دے یا تمہاری وجہ سے اس کو الٹ دے اور تم کو اس طرح ہلاک کر دے۔ حَاصِب، وہ آندھی اور طوفان، جس میں سنگریزے بھی اڑ جاتے ہیں اور کہیں سے کہیں جا گرتے ہیں۔ وَكِیْل سے اس جگہ مراد ہے بچانے والا، حفاظت کرنے والا، روک دینے والا۔

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ﴿۶۹﴾

یا تم اس بات سے بے فکر ہو بیٹھے ہو کہ خدا تعالیٰ پھر تم کو دوبارہ دریا میں ہی لے جائے، پھر تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے پھر تم کو

Marfat.com

تمہارے کفر کے سبب غرق کردے پھر اس بات پر ہمارا پیچھا کرنے والا تم کو کوئی بھی نہ ملے۔

یعنی ہو سکتا ہے کہ اللہ ایسے اسباب تمہارے لئے پیدا کردے کہ دوبارہ تم کو سمندر کا سفر کرنا پڑ جائے اور پھر ایک طوفان بھیج دے۔

حضرت ابن عباسؓ نے قَاصِف کا ترجمہ کیا عاصف تیز آندھی، طوفان۔ ابو عبیدہ نے کہا، قَصَف کا معنی ہے کوٹنا، توڑ دینا، قَاصِف وہ ہوا جو اپنی قوت سے ہر چیز کو توڑ پھوڑ ڈالے۔ قتیبی نے کہا، قَاصِف وہ ہوتا ہے جو درختوں کو توڑ ڈالے۔

بِمَا كَفَرْتُمْ یعنی تمہارے شرک کی وجہ سے یا گزشتہ نعمت نجات کی ناشکری کرنے کی وجہ سے۔ تَبِيعًا مددگار یا طلب گار انتقام۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ

اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور خشکی اور دریا میں ان کو سوار کیا اور نفیس نفیس (کھانے پینے کی) چیزیں ان کو عطا کیں۔

یعنی آدمی کو بہت خاص نعمتیں عطا کیں۔ حسن صورت، سب سے زیادہ معتدل مزاج، قد کا اعتدال، عقل سے اشیاء میں امتیاز، زبان، تحریر اور اشاروں سے سمجھانے کی قوت، معاش و معاد کی ہدایت، زمین کی موجودات پر تسلط یعنی تمام چیزوں سے کام لینا اور مختلف ہنر اور پیشے اور تمام مادی عنصری اور فلکی کائنات کا ربط تاکہ انسان کو مختلف منافع حاصل ہوں اور اسباب رزق فراہم ہوں، پھر دوسرے جانوروں کے برخلاف آدمی کو ہاتھ سے اٹھا کر اور پکڑ کر کھانے کی تعلیم۔ یہ تمام امور انسان کے لئے مخصوص کئے، پھر محبت و عشق کا جذبہ، معرفت وحی اور مراتب قرب کی عطا بھی انسان پر خاص کرم ہے۔ حاکم نے تاریخ میں اور دیلمی نے حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انگلیوں سے کھانا بھی (انسان کے لئے اللہ کی طرف سے) عزت بخشی ہے۔

حَمَلْنَاهُمْ کا یہ معنی ہے کہ دریا اور خشکی میں سوار ہونے کے لئے ہم نے سواریاں عطا کیں، خشکی میں چوپائے (موٹر ریل وغیرہ) اور دریا میں کشتیاں جہاز۔ حَمَلْتُهُ حَمْلًا میں نے سوار ہونے کے لئے اس کو سواری دی۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم نے آدمیوں کو سوار کیا تاکہ زمین کے اندر پاؤں نہ دھنسیں اور پانی میں ڈوب نہ جائیں، دونوں مصیبتوں سے محفوظ رکھنے کے لئے سواریاں بنائیں۔

الطَّيِّبَات سے مراد ہیں لذیذ نفیس کھانے پینے کی چیزیں۔

وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴿٧﴾ اور ہم نے اپنی کثیر مخلوق پر ان کو برتری عطا فرمائی۔ ع ۷

لغت میں فضل کا معنی ہے زیادتی، اس جگہ ثواب اور مراتب قرب کی زیادتی مراد ہے۔ فَضَّلْنَاهُمْ میں ہُمْ ضمیر بنی آدم کی طرف لوٹ رہی ہے مگر مراد کل بنی آدم نہیں بلکہ صرف اہل ایمان مراد ہیں۔ آیت وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ میں اَلْمُطَلَّقَات کا لفظ تمام مطلقہ عورتوں کو شامل ہے، بائنہ ہوں یا رجعیہ، لیکن اس سے آگے وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ میں هُنَّ ضمیر اَلْمُطَلَّقَات کی طرف لوٹ رہی ہے، مگر عام مطلقات کی طرف نہیں بلکہ صرف وہ عورتیں مراد ہیں جن کو رجعی طلاق دی گئی ہو، آیت مذکورہ بالا میں صرف مومن اس وجہ سے مراد ہیں کہ کافروں کو اللہ نے دوسری مخلوق پر برتری نہیں عطا فرمائی، کافر تو اللہ کے نزدیک بدترین اور ذلیل ترین مخلوق ہیں، اللہ نے ان کو شَرُّ الْبَرِيَّة (بدترین خلق) قرار دیا ہے۔ ظاہر آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ نے انسان کو کل مخلوق پر برتری نہیں عطا فرمائی بلکہ کثیر مخلوق سے افضل بنایا ہے۔ اس موضوع پر علماء کے اقوال میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ملائکہ پر انسان کو فضیلت نہیں دی گئی، باقی مخلوق سے انسان کو افضل بنایا گیا ہے۔ کلبی نے کہا سوائے چند ملائکہ کے باقی فرشتوں سے بھی انسان کو برتری حاصل ہے، جبرئیل،

Marfat.com

میکائیلؑ، اسرافیلؑ اور ملک الموتؑ کے علاوہ سب پر انسان کو فضیلت دے دی گئی ہے۔ کچھ لوگ ہیں کہ آیت میں لفظ کثیر سے کل مراد لیتے ہیں یعنی تمام ملائکہ پر بھی انسان کو فضیلت دی گئی ہے، ایسا استعمال دوسری آیت میں بھی ہوا ہے وَاَکْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ میں اکثر سے مراد کل لوگ ہیں۔ اس مضمون کی تائید حضرت جابرؓ کی روایت کردہ مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جب اللہ نے آدم کو اور ان کی ذریت کو پیدا کر دیا تو فرشتوں نے عرض کیا اے رب تو نے ان کو پیدا کر دیا (اس طرح اور ان طاقتوں کے ساتھ کہ) وہ کھائیں گے، پئیں گے عورتوں سے صنفی قربت کریں گے اور سواریوں پر سوار ہوں گے، پس ان کے لئے تو دنیا (کے عیش) کر دے اور ہمارے لئے آخرت خاص کر دے، اللہ نے فرمایا جس کو میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس کے اندر اپنی روح کا کچھ حصہ پھونکا، اس کو میں اس مخلوق کی طرح نہیں کروں گا جس کو پیدا کرنے کے لئے میں نے کن کہا اور وہ ہو گئی۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

...... تحقیقی فیصلہ ......

عام مومن یعنی صالح مومن جو اللہ کے ولی ہیں عام ملائکہ سے افضل ہیں اور جو مومن گنہگار ہیں اولیاء نہیں ہیں تو گناہوں سے پاک صاف ہو جانے کے بعد عام فرشتوں سے افضل بنا دیئے گئے ہیں کیونکہ گناہوں سے صفائی توبہ کے ذریعہ سے بھی ہوتی ہے اور بغیر توبہ کے مغفرت کے ذریعے سے بھی اور بقدر گناہ سزا پا جانے کے بعد بھی ہوتی ہے، بہر حال صفائی کے بعد ان کو بھی اولیاء کے ساتھ شامل کر دیا جائے گا اور جنت میں ان کا داخلہ ہو جائے گا .... اس طرح ان کو بھی عام فرشتوں سے برتری حاصل ہو جائے گی، رہے خاص مومن یعنی انبیاء تو وہ تمام خاص ملائکہ سے بھی افضل ہیں دیکھو اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے وہ سب مخلوق سے بہتر ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن اللہ کے نزدیک ان ملائکہ سے بھی جو اس کے پاس ہیں زیادہ عزت والا ہے کذا ذکرہ البغوی۔ ابن ماجہ کی روایت میں اس طرح آیا ہے مؤمن (یعنی نفس مومن خواہ کسی درجہ کا ہو) اللہ کے نزدیک بعض ملائکہ سے زیادہ عزت والا ہے۔[1]

حضرت مفسر نے فرمایا آیت مذکورہ میں کثیر کا لفظ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں بعض ملائکہ کا لفظ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ بعض مومنین یعنی انبیاء کو تمام ملائکہ پر فضیلت نہیں دی گئی ہے، ہاں بطور مفہوم یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ کثیر مخلوق پر بنی آدم کو فضیلت دی گئی اور انبیاءؑ بھی بنی آدم ہیں ان کو بھی کثیر مخلوق پر برتری عطا کر دی گئی۔ سب مخلوق پر فضیلت نہیں دی گئی، یعنی کل ملائکہ پر فضیلت نہیں عطا کی گئی، مگر یہ نفی کل، مفہوم مخالف کے طور پر مترشح ہو رہی ہے اور ہمارے نزدیک مفہوم مخالف غیر معتبر ہے اور یہاں تو یقیناً مفہوم مخالف مراد ہی نہیں ہے کیونکہ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ میں اَلْبَرِيَّة کا لفظ تمام مخلوق کو شامل ہے جس میں خواص ملائکہ بھی داخل ہیں۔ حقیقت میں آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمام مومنوں کو یعنی ہر مومن کو کثیر مخلوق پر فضیلت عطا کی ہے (یعنی استغراق مجموعی سے مراد ہے استغراق افرادی)، اس صورت میں مطلب واضح ہے کہ ہر فرد مؤمن کو کثیر مخلوق پر برتری عطا کی گئی ہے عام مومن کو عام ملائکہ پر اور خاص مومن کو خاص

---

[1] شاید حضرت مفسرؒ سے اس جگہ کچھ تسامح ہوا کہ آیت اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ کو انبیاءؑ کی فضیلت عامہ کے ثبوت میں پیش کیا، یہ آیت انبیاءؑ کے لئے مخصوص نہیں، اس میں تمام مومنین صالحین شامل ہیں، انبیاء ہوں یا اولیاء، مومن صالح تو ولی بھی ہوتا ہے۔ پھر حضرت مفسر نے تائید میں جو دو حدیثیں نقل کی ہیں، ان میں بھی صرف انبیاءؑ کا ذکر نہیں ہے یہ تو ہو سکتا ہے کہ مؤمن سے مراد مؤمن صالح ہو۔ قرینہ عبارت یہی بتا رہا ہے لیکن انبیاءؑ کی خصوصیت تو احادیث میں بھی مذکور نہیں، اولیاء بھی تو مومن صالح ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ حضرت مفسر کے نزدیک تو اَلْمُؤْمِن سے مراد جنس مومن ہے جس میں گناہ گار مومنوں کا بھی شمول ہے مومن معصوم یا غیر معصوم، تائب یا غیر تائب، عاصی یا غیر عاصی کسی کا بھی ذکر نہیں۔ نفس مومن سب ہی ہیں۔ (مترجم)

Marfat.com

ملائکہ پر بھی)۔

اہل سنت کے عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خاص خاص انسان ہر فرشتے پر فضیلت رکھتے ہیں، یہاں تک کہ خاص ملائکہ سے بھی افضل ہیں۔ ملائکہ پر مومنوں کی برتری کا سبب یہ ہے کہ بہائم میں شہوت (یعنی جذبہ) ہے عقل (یعنی حواس سے بالاتر فہم کی طاقت) نہیں ہے اور ملائکہ میں عقل ہے شہوت نہیں ہے ان کی سرشت ہی طاعت پر ہوئی ہے (کوئی داعی معصیت ان کے اندر موجود ہی نہیں ہے) اور انسان کے اندر عقل بھی ہے اور شہوت بھی۔ اب جو عقل سے راہ راست اختیار کرتا اور فرماں بردار بن جاتا ہے اور شہوت کا عقل سے مقابلہ کرتا ہے وہ حقیقت میں راہ خدا کا مجاہد ہے (داعی معصیت کو رد کر دیتا ہے یہ مجاہدہ ہے) اور مجاہدین کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ اور جو عقل کو بے کار چھوڑ کر تقاضاء شہوت کو پورا کرتا ہے اور دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے ایسے (مفلوج العقل) لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ چوپایوں سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں (چوپایوں کے پاس تو شہوت سے روکنے والی عقل موجود ہی نہیں ہے وہ تو فطرتاً معذور ہیں اور ہوا پرست انسانوں کے پاس عقل فطری ہے) اور عقل سے یہ لوگ کام نہیں لیتے۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ جس روز ہم تمام آدمیوں کو ان کے امام کے ساتھ طلب کریں گے۔ یعنی یاد کرو اس دن کو یا اس روز لوگوں پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ جب سب لوگوں کو ہم حساب فہمی کے لئے طلب کریں گے۔

مجاہد اور قتادہ نے کہا امام سے مراد ہے ہر امت کا نبی۔ ابو صالح اور ضحاک نے کہا وہ الٰہی کتاب مراد ہے جو ہر امت کو دی گئی تھی۔ ابن مردویہ نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہر امت کو ان کے امام اور ان کے رب کی کتاب کے ساتھ طلب کیا جائے گا۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ امام سے مراد ہے ہر قوم کا وہ امام وقت جو اپنی قوم کو گمراہ کرتا یا ہدایت کی طرف بلاتا تھا، اللہ نے دونوں کے متعلق ائمہ کا لفظ فرمایا ہے ایک آیت ہے وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا یعنی اَئِمَّةُ هُدًى۔ دوسری آیت ہے۔ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ یعنی ائمہ ضلالت۔ بعض نے کہا امام سے مراد ہے (باطل فرضی) معبود۔ سعید بن مسیب نے کہا ہر قوم اپنے سردار کے پاس جمع ہوگی، خیر کا سردار ہو یا شر کا۔ حسن اور ابو العالیہ نے کہا امام سے مراد ہیں وہ اعمال جو زندگی میں انسان پہلے ہی بھیج دیتا ہے۔ قتادہ نے کہا آیت جاری ہے کہ امام سے مراد ہے اعمالنامہ، کتاب کو امام کہا جاتا ہے، اللہ نے فرمایا ہے وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْۤ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ۔ بعض کے نزدیک امام سے مراد وہ طاقتیں ہیں جو انسان کو غلط یا صحیح عقائد و اعمال پر آمادہ کرتی ہیں۔ محمد بن کعب نے کہا اِمَام اُمّ کی جمع ہے جیسے خِفَاف خُف کی یعنی ماؤں کے ناموں کے ساتھ لوگوں کو پکارا جائے گا، اس میں حضرت عیسیٰؑ کا اکرام و اعزاز اور حضرت امام حسنؓ و حضرت امام حسینؓ کی عظمت کا اظہار مقصود ہوگا اور یہ مصلحت بھی ہوگی کہ اولاد زنا رسوانہ ہونے پائے۔ بِاِمَامِهِمْ کا مطلب یہ ہے کہ جس نبی یا کتاب یا قائد خیر و شر کی پیروی کی ہوگی، اس کی ساتھ پیروی کرنے والے ہوں گے یا اپنے اپنے اعمالنامے اور صحیفے ہاتھوں میں اٹھائے ہوں گے یا یہ مطلب ہے کہ امام کے نام کے ساتھ ان کو پکارا جائے گا، مثلاً یوں کہا جائے گا، اے فلاں شخص کی امت اے فلاں شخص کی پیروی کرنے والو، اے فلاں مذہب والو، اے فلاں کتاب والو، اے فلاں فلاں اعمال والو، اے مریم کے بیٹے، اے فاطمہ کے بیٹے وغیرہ۔

فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧١﴾

پس جن لوگوں کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ اپنے اعمالناموں کو پڑھیں گے اور ان کی بالکل حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ فَتِيْل (بٹا ہوا) وہ باریک سوتا جو کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں ہوتا ہے، یا وہ میل کی بتی جو آدمی چٹکی سے بٹ کر پھینک دیتا ہے، یہاں مراد یہ ہے کہ فتیل برابر بھی ان کے ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی۔ آیت میں صرف ان

Marfat.com

لوگوں کا ذکر کیا گیا جن کے دائیں ہاتھوں میں اعمال نامے دیئے جائیں گے، اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جن لوگوں کے بائیں ہاتھ میں یا پشت کے پیچھے سے اعمال نامے دیئے جائیں گے (ان کی حالت کچھ اور ہوگی) وہ جب اپنے اعمال نامے پڑھیں گے تو شرمندگی اور حیرت ان پر چھا جائے گی، اتنی کہ زبانوں کو گنگ کردے گی اور وہ صحیح جواب دینے کے بجائے کہیں گے کاش یہ کتاب مجھ کو نہ دی گئی ہوتی۔ کافروں کا تذکرہ اس آیت میں نہیں نہ ان کے اعمال نامے دینے کا بیان ہے کیونکہ اگلی آیت خود کافروں کی حالت کا اظہار کر رہی ہے۔ فرمایا ہے۔

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى اور جو شخص اس (دنیا) میں اندھا رہے گا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا۔

بعض روایات میں حضرت ابن عباسؓ کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے۔ کہ هٰذِهٖ سے مراد ہیں اللہ کی وہ نعمتیں جن کا اظہار اللہ نے رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ سے تَفْضِيْلًا تک کیا ہے اور فِي الْاٰخِرَةِ سے مراد آخرت کے معاملے ہیں۔ یعنی اللہ کی ان کھلی ہوئی نعمتوں کو دیکھتے ہوئے جو شخص نابینا رہا، وہ آخرت کے معاملے میں تو بہت ہی زیادہ اندھا ہوگا کیونکہ آخرت کو تو اس نے دیکھا ہی نہیں۔

بعض اہل تفسیر کے نزدیک هٰذِهٖ سے دنیا کی طرف اشارہ ہے یعنی جو شخص اس دنیا میں دلائل توحید حق کو دیکھنے (بچشم عقل معائنہ کرنے) سے نابینا ہے وہ آخرت میں نجات کا راستہ دیکھنے سے تو بہت زیادہ نابینا ہوگا، نجات کا راستہ اس کو بالکل دکھائی نہ دے گا۔

لفظ اعمٰی اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور تفضیلی معنی ہی مراد ہے، یعنی بہت زیادہ اندھا۔

ایک شبہ

(ثلاثی مجرد سے) اسم تفضیل کا صیغہ اَفْعَل کے وزن پر اس وقت آئے گا جب اس کے معنی میں نہ کوئی عیب کا مفہوم ہو نہ رنگ۔ اور اندھا ہونا کھلا ہوا عیب ہے اس لئے اعمٰی اسم تفضیل کا صیغہ نہیں ہو سکتا اس کا ترجمہ صرف اندھا ہے، زیادہ اندھا ترجمہ غلط ہے۔ اگر رنگ اور عیب والے لفظ سے ثلاثی مجرد میں اسم تفضیل کا صیغہ بنانا ہوتا ہے تو اَشَدّ یا اَكْثَر کے لفظ کو ملا کر بناتے ہیں مثلاً بہت اندھا کا عربی میں ترجمہ اَشَدُّ عَمًيا ہوگا، اعمٰی نہ ہوگا۔)

جواب

اس جگہ نابینا ہونے سے مراد ہے، دل کا اندھا ہونا کور عقل ہونا اور عقل کی نابینائی معنوی اور باطنی عیب ہے اور جو عیب اسم تفضیل کا صیغہ بنانے سے روکتا ہے وہ ظاہری عیب ہے (پس اعمٰی سے مراد اگر چشم راس کا نابینا ہو تو یہ اسم تفضیل کا صیغہ نہ ہوگا اور اگر چشم قلب کا اندھا ہونا مراد ہو جیسا کہ اس جگہ ہے تو اعمٰی اسم تفضیل کا صیغہ ہوگا) اعمٰی کا لفظ اسی طرح تفضیل کا صیغہ ہے جیسے احمق، ابلہ، اجہل وغیرہ (جہالت، بلاہت اور حماقت باطنی عیوب ہیں ان سے اسم تفضیل کے صیغے بنائے جاتے ہیں)

وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾ اور بہت زیادہ گمراہ۔ یعنی دنیا میں جتنا گمراہ تھا اس سے زیادہ گم کردہ راہ آخرت میں ہوگا۔ نہ استعداد ہدایت یابی ہوگی۔ نہ آلات ہدایت یابی ہوں گے۔ نہ ہدایت یابی کی مہلت ہوگی، دنیا میں تو توبہ قبول ہو سکتی تھی آخرت میں توبہ بھی قبول نہ ہوگی۔ یا یہ مطلب ہے کہ اندھے سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہوگا۔

ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم نے بطریق ابن اسحاق بوساطت محمد بن ابی محمد عکرمہ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ امیہ بن خلف اور ابو جہل بن ہشام اور کچھ دوسرے قریشی جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر

Marfat.com

ہوئے اور عرض کیا محمد تم ہمارے معبودوں کو (تعظیماً ذرا) ہاتھ لگا دو ہم سب تمہارے مذہب میں داخل ہو جائیں گے، حضور ﷺ کو اپنی قوم کا مسلمان ہو جانا دل سے مطلوب تھا، اس لئے دل میں کچھ نرمی پیدا ہونے لگی تھی، اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اور یہ کافر لوگ آپ کو اس چیز سے بچلانے ہی لگے تھے جو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعے سے بھیجی ہے۔

مؤلف لباب النقول فی اسباب النزول نے لکھا ہے کہ آیت مذکورہ کے نزول کے سبب کے متعلق روایت مندرجہ بالا صحیح ترین روایت ہے جس کا سلسلہ سند کھرا ہے اور اس کی تائیدی شہادتیں دوسری روایات سے بھی ملتی ہیں۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیرؓ کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ حجر اسود کو چومتے تھے۔ مشرکوں نے کہا ہم آپ کو سنگ اسود کو چومنے نہ دیں گے تاوقتیکہ آپ ہمارے معبودوں کی طرف نہ جھکیں، رسول اللہ ﷺ نے خیال کیا اگر میں ایسا کرلوں تو میرا کیا حرج ہو جائے گا، جب کہ اللہ واقف ہے کہ میں دل سے اس کے خلاف ہوں۔ بغوی نے بھی یہ روایت نقل کی ہے اس روایت کے یہ الفاظ ہیں۔ حجر اسود کو بوسہ کی یہ اجازت دے دیں گے اس کے بعد میں نفرت تو کرتا ہی رہوں گا۔ ابن ابی حاتم نے زہری کی روایت سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

ابن ابی حاتم نے جبیر بن نفیرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اگر آپ کو ہماری ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے تو یہ نچلے کمین لوگ اور غلام جو آپ کے ساتھ ہو گئے ہیں ان کو اپنے پاس سے نکال دیجئے، اس وقت ہم آپ کے ساتھ ہو جائیں گے دل میں رسول اللہ ﷺ کچھ ان کی طرف مائل ہو گئے تھے کہ آیت مذکورہ نازل ہو گئی۔

ابن ابی حاتم نے محمد بن کعب قرظی کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی نماز میں سورۃ النجم تلاوت کی اور اس میں یہ آیت پڑھی اَفَرَاَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى اس میں شیطان نے آگے آپ ﷺ پر القاء کر دیا تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى اس پر آیت مذکورۃ الصدر نازل ہوئی، حضور والا برابر غمگین رہنے لگے (کہ یہ کیا الفاظ میری زبان سے بلا اختیار نکل گئے) آخر آیت وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى الخ نازل ہوئی (اس کے بعد آپ کو تسکین خاطر ہوئی)

ان تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے، لیکن کچھ لوگ اس کو مدنی کہتے ہیں اور مندرجہ ذیل واقعہ کو سبب نزول قرار دیتے ہیں۔ ابن مردویہ نے بوساطت عوفی حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس بیان کی نسبت کی ہے کہ ثقیف والوں نے خدمت گرامی میں عرض کیا تھا، ہم کو ایک سال کی مہلت عطا فرما دیجئے (ہمارے معبودوں پر نذریں چڑھائی جاتی ہیں) جب ہمارے قبضہ میں وہ ہدیا اور چڑھاوے آچکیں گے جو لوگ ان پر چڑھاتے ہیں تو ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو مہلت دینے کا ارادہ کر لیا اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ اس روایت کی سند ضعیف ہے (اس لئے ناقابل اعتبار ہے)

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف نسبت کر کے یہ قصہ اس طرح لکھا ہے کہ قبیلہ ثقیف کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت تین شرطوں پر کرنے کو تیار ہیں۔ حضور ﷺ نے پوچھا وہ کیا شرطیں ہیں وفد والوں نے کہا، پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم نماز کے اندر جھکیں گے نہیں۔ دوسری یہ ہے کہ ہم اپنے بتوں کو اپنے ہاتھوں سے نہیں توڑیں گے۔ تیسری بات یہ ہے کہ ہم لات (پر چڑھائے جانے والے نذرانوں) سے ایک سال تک تمتع اندوز ہوتے رہیں گے۔ البتہ اس کی پوجا نہیں کریں گے، رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا جس (دین کی عبادت) کے اندر رکوع و سجود نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں۔ رہی یہ بات کہ تم اپنے ہاتھ سے اپنے بتوں کو نہیں توڑو گے تو اس کا اختیار تم کو ہے۔ باقی طاغیہ یعنی لات و عزیٰ پر چڑھائے جانے والے نذرانوں سے تمتع اندوز ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ ہماری خواہش ہے کہ عرب یہ کہیں کہ کچھ خصوصی چیز آپ نے ہم کو عطا فرما دی ہے جو دوسروں کو عطا نہیں فرمائی، اب اگر آپ

Marfat.com

کو یہ اندیشہ ہے کہ لوگ کہیں گے آپ نے ثقیف والوں کو وہ خاص اجازت دے دی جو دوسروں کو نہیں دی تو آپ جواب میں فرمادیں کہ اللہ نے یہی حکم دیا تھا، حضور ﷺ یہ بات سن کر خاموش ہوگئے..... ان لوگوں نے حضورؐ کے سکوت کو رضامندی سمجھ لیا اور خیال کر لیا کہ آپ ایسا کردیں گے، اس پر آیت وَاِنْ کَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَکَ الخ نازل ہوئی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کے بھیجے ہوئے احکام سے نیچے اتار کر آپ کو فتنہ میں مبتلا کرنے کے قریب پہنچ گئے تھے۔

لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِیْلًا ﴿۷۳﴾ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَیْهِمْ شَیْـًٔا قَلِیْلًا ﴿۷۴﴾

تاکہ آپ اس کے سوا ہماری طرف غلط بات کی نسبت کریں ایسی حالت میں اپ کو گاڑھا دوست بنالیتے اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ بنادیا ہوتا تو آپ ان (کے مقصد) کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے۔ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا کہ آپ ہم پر وہ بات باندھ دیں جو ہم نے وحی کے ذریعے سے آپ کے پاس نہیں بھیجی۔ اِذًا اس وقت یعنی جب ایسا کر گزرتے تو وہ آپ کو اپنا رفیق بنالیتے۔ وَلَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰکَ اور اگر ہم آپ کو حق پر ثابت قدم نہ رکھتے اور جمائے نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کے مقصد کو ماننے کی طرف کسی قدر مائل ہوجاتے کیونکہ ان کا فریب سخت اور مکر شدید تھا اور آپ کو ان کے مسلمان ہوجانے کی بہت زیادہ خواہش تھی لیکن ہماری طرف سے آپ کا بچاؤ کردیا گیا اور آپ ان گوں کے مقصد کی طرف مائل ہونے کے قریب سے بھی بچ گئے، مائل ہوجانا تو بجائے خود رہا شَیْئًا قَلِیْلًا کا لفظ بتارہا ہے کہ بجائے خود صلاح و استقامت کی استعداد رسول اللہ ﷺ کے اندر اتنی کامل تھی کہ اگر اللہ کی طرف سے عصمت واجبہ نہ بھی ہوتی اور اللہ آپ کو ہر شر سے بچانے کا فیصلہ نہ بھی کردیتا، تب بھی آپ کی فطرت سلیم اگر گناہ کی طرف مائل ہوتی تو بہت ہی کم میلان ہوتا اور یہ ضروری نہیں کہ گناہ کی طرف ادنیٰ جھکاؤ ہونے کے بعد گناہ کا صدور ہو ہی جاتا اور اب تو احتمال ہی نہیں رہا کہ گناہ کی طرف مائل ہونے کے قریب بھی آپ پہنچ سکتے۔

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَیٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا ﴿۷۵﴾

اور اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو حالت حیات میں اور بعد موت کے دہرا عذاب چکھاتے پھر آپ کو ہمارے مقابلہ میں اپنے لئے کوئی مددگار بھی نہ ملتا۔

یعنی اگر آپ ان کی طرف مائل ہونے کے قریب بھی پہنچ جاتے تو دنیا اور آخرت میں ہم دوسروں سے دوگنے عذاب کا مزہ آپ کو چکھاتے۔ مقصد یہ کہ اس فعل کے مجرموں کو جتنا عذاب ہوگا اس سے دوگنا عذاب آپ پر ہوتا، بڑے مرتبے والے کی تھوڑی فروگذاشت بھی بڑی ہوتی ہے۔ عذاب حیات سے مراد ہے عذاب دنیوی اور عذاب ممات سے مراد ہے مرنے کے بعد کا عذاب۔ بعض علماء کے نزدیک ضِعْفَ الْحَیَاتِ سے عذاب آخرت اور ضِعْفَ الْمَمَاتِ سے مراد عذاب قبر ہے۔

بیہقی نے دلائل میں اور ابن ابی حاتم نے بروایت شہر بن حوشب، عبدالرحمن بن غنم کا بیان نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا اگر آپ نبی ہیں تو شام کو جائیے وہ انبیاءؑ کی سرزمین ہے اور محشر کا مقام بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے قول کی تصدیق کی اور غزوۂ تبوک (سرحد شام) پر تشریف لے گئے۔ تبوک جانے سے آپ کا مقصد شام کو جانا تھا جب تبوک کو پہنچ گئے تو سورۂ بنی اسرائیل کی مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں۔

وَاِنْ كَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِیُخْرِجُوْكَ مِنْهَا اور وہ لوگ اس سرزمین سے آپ کے قدم ہی اکھاڑنے لگے تھے تاکہ آپ کو یہاں سے نکال دیں۔

پھر اللہ نے مدینہ کو واپس جانے کا حکم دیا۔ جبرئیلؑ نے کہا اپنے رب سے کچھ مانگو ہر نبی کا کوئی ایک سوال قبول ہی کیا جاتا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا مجھے مشورہ دیجئے میں کیا دعا کروں، حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہئے قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ

Marfat.com

صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِىْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا۔ اس آیت کا نزول شام سے مدینہ کو واپس آنے کے زمانے میں راستہ میں ہوا۔ یہ روایت مرسل اور ضعیف ہے، لیکن ابن ابی حاتم نے سعید بن زبیر کی مرسل روایت اس کی تائید میں نقل کی ہے۔ سعید بن جبیر کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے۔ مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، انبیاء تو شام میں رہتے تھے آپ مدینہ میں کیسے ہیں۔ (یہ بات سن کر) رسول اللہ ﷺ نے مدینہ سے (بالکل) روانہ ہو جانے کا ارادہ کر لیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریر کی ایک اور مرسل روایت میں مشرکوں کی جگہ یہودیوں کا لفظ آیا ہے۔ بغوی نے کلبی کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینے میں تشریف فرما ہوئے تو یہودیوں کو جلن کی وجہ سے آپ کا مدینہ میں قیام ناگوار ہوا اور انہوں نے عرض کیا ابوالقاسمؐ آپ واقف ہیں کہ یہ انبیاءؑ کی سرزمین نہیں ہے انبیاءؑ کی سرزمین تو شام ہے وہ مقدس زمین ہے، وہیں پر ابراہیمؑ اور دوسرے انبیاءؑ رہتے تھے، اگر آپ بھی انہی کی طرح نبی ہیں تو شام کو چلے جائیے آپ جو شام کی سکونت پسند نہیں کرتے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ کو رومیوں سے ڈر لگتا ہے (اور روم کی شام میں حکومت ہے) لیکن اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو اللہ رومیوں سے آپ کی ضرور حفاظت کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینے سے نکل کر تین میل کے فاصلے پر اور بقول بعض ذی الحلیفہ میں لشکر گاہ قائم کی تاکہ آپ کے صحابی وہاں جمع ہو جائیں (اور سب تبوک یا شام کی طرف روانہ ہو جائیں) اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مجاہد اور قتادہ کے قول پر یہ آیت مکی ہے اور اَلْاَرْض سے مراد مکہ ہے، مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے نکال دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ مگر اللہ نے اپنی قدرت سے ان کو روک دیا آخر کار خود ہی ہجرت کا حکم نازل فرما دیا اور آپ نے مدینہ کو ہجرت کر لی۔ بغوی نے کہا یہ قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس سے پہلے مکے والوں ہی کا حال بیان فرمایا ہے اور سورت بھی مکی ہے۔ یہ قرینہ اس آیت کو مکی قرار دے رہا ہے۔ بعض نے کہا نہ یہودیوں کے ساتھ اس آیت کی تخصیص ہے نہ مشرکوں کے ساتھ بلکہ سارے کافر مراد ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو سرزمین عرب سے اکھاڑ کر باہر نکال پھینکنا چاہتے تھے مگر اللہ نے ان کو ناکام کر دیا اور اپنے رسول کو محفوظ رکھا۔

وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ اور ایسی صورت میں (جب کہ وہ آپ کو ابھار کر مدینہ سے نکال دیتے) وہ بھی بس تھوڑی مدت آپ کے پیچھے یہاں ٹھہرتے زیادہ نہ ٹھہر سکتے اللہ ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیتا۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ جس بات کی پیشین گوئی آیت میں کی گئی ہے ایسا ہو بھی گیا۔ مدینہ کے یہودیوں میں سے بنی قریظہ کو قتل کر دیا گیا اور بنی نضیر کو جلاوطن کر دیا گیا اور حضرت عمرؓ کی خلافت میں خیبر کے یہودیوں کو بھی نکال دیا گیا اور مکہ سے رسول اللہ ﷺ کے نکل آنے کے بعد مشرکین مکہ کو بدر میں قتل کر دیا گیا بالآخر تمام غیر مسلموں کو جزیرۃ العرب سے نکال باہر کر دیا گیا۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ ایسا واقع نہیں ہوا اگر وہ رسول اللہ ﷺ کو ابھار کر مدینہ سے نکال دیتے تو ان کو بھی جڑ سے اکھاڑ دیا جاتا۔

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾ ع ۸

اور یہی ہمارا ان لوگوں کے ساتھ قاعدہ رہا ہے جن کو آپ سے پہلے ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا تھا، اور آپ ہمارے اس قاعدے میں تغیر نہیں پائیں گے۔ یعنی اللہ نے یہ طریقہ جاری کر دیا ہے کہ جس امت نے اپنے پیغمبر کو اپنے اندر سے نکال باہر کر دیا، اللہ نے بھی اس امت کو تباہ کر دیا اور چونکہ اللہ کا یہ طریقہ عمل پیغمبروں کی وجہ سے جاری تھا اور آپ بھی پیغمبر ہیں اس لئے اگر آپ کے ساتھ بھی وہ لوگ ایسا سلوک کرتے تو اللہ بھی ان کو تباہ کر دیتا۔ تحویل کا معنی ہے تغیر و تبدل۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ دلوک آفتاب کے وقت نماز قائم کرو۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت جابرؓ، عطاء، قتادہ، حسن بصری اور اکثر علماء تابعین کے نزدیک دلوک کا اس جگہ معنی ہے زوال، سورج

Marfat.com

ڈھلنا۔ ابن مردویہ نے حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کی طرف اس تفسیر کی نسبت کی ہے۔ ابن مردویہ اور بزار نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے اس کو مرفوع کہا ہے لیکن دلوک سے مراد زوال ہونے کی تائید رسول اللہ ﷺ کے اس لفظ سے ہوتی ہے جو حضرت ابو مسعود انصاری کی روایت سے اسحاق بن راہویہ نے مسند میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اور بیہقی نے المعرفتہ میں نقل کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ دلوک آفتاب کے وقت جب سورج ڈھل گیا تھا، میرے پاس آئے اور مجھے ظہر کی نماز پڑھائی۔ الحدیث

دَلَکَ کا لغوی معنی ہے مَلنا، زوال کے وقت سورج کی طرف دیکھنے والا شعاعوں کی تاب نہیں لاتا اور آنکھوں کو ملتا ہے اس لئے دلوک کا معنی ہو گیا زوال۔

بعض علماء کے نزدیک دلوک سے مراد ہے غروب۔ بغوی نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول بیان کیا کہ دلوک کا معنی ہے غروب۔ ابراہیم نخعی، مقاتل بن حبان، ضحاک اور سدی کا یہی قول ہے۔ لفظ دلوک کا مفہوم لغوی (جھکنا، ایک طرف کو میلان) زوال کو بھی شامل ہے اور غروب کو بھی، سورج کا جھکاؤ دونوں اوقات میں ہوتا ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے دَلَکَتِ الشَّمْسُ دُلُوکًا سورج ڈوب گیا، زرد پڑ گیا، وسط آسمان سے ڈھل گیا۔ بیضاوی نے لکھا ہے اس لفظ کی اصل ساخت انتقال کے مفہوم کو ظاہر کرتی ہے، دلک مالش کرنے کو بھی اسی لئے کہتے ہیں کہ مالش کرنے والے کا ہاتھ ایک جگہ رکتا نہیں۔ جس لفظ کا پہلا حرف دال اور دوسرا حرف لام ہو اس کے معنی میں انتقال کا مفہوم ضرور ہوتا ہے خواہ تیسرا حرف کوئی ہو جیسے دلج، دلح، دلف، دلہ۔ بغوی نے کہا اول الذکر قول کے قائل بکثرت علماء ہیں اس لئے وہی قابل ترجیح ہے۔ پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر دلوک سے مراد زوال لی جائے تو اس آیت کے اندر نماز کے پانچوں اوقات مجملاً آجائیں گے دلوک شمس سے غسق اللیل تک چار نمازیں اور قرآن الفجر پانچویں نماز۔

اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ　　رات چھا جانے تک، یعنی شفق کے غائب ہو جانے اور تاریکی بھر جانے کے وقت تک۔

غسق کا معنی ہے بھر جانا۔

قاموس میں ہے غسق شروع رات کی تاریکی۔ غاسق چاند یا رات جب کہ شفق غائب ہو گئی ہو۔ اس آیت میں مجملاً مبہماً چار نمازوں کا ذکر آ گیا، ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور وقت فجر کا ذکر آگے کے فقرہ میں کر دیا۔

وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ　　اور فجر کا قرآن یعنی فجر کی نماز، قرآن کی قرأت نماز کا جزء اہم ہے، اس لئے صلوٰۃ فجر کی تعبیر قُرْاٰنَ الْفَجْرِ سے کر دی گئی، جیسے رکوع یا سجود بول کر پوری نماز مراد ہو جاتی ہے کیونکہ یہ دونوں اجزاء صلوٰۃ بھی بہت اہم ہیں۔ سورہ نساء کی آیت اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے اوقات نماز کا ذکر کر دیا ہے۔

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾　　بے شک فجر کی نماز فرشتوں کے حاضر ہونے کا وقت ہے، فجر کے قرآن کے وقت رات کے اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ شہود حاضر ہونا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے، میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے جماعت کی نماز تنہا نماز پر پچیس گنا فضیلت رکھتی ہے اور نماز فجر میں رات کے ملائکہ اور دن کے ملائکہ جمع ہو جاتے ہیں۔ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اگر تم اس کا ثبوت قرآن سے چاہتے ہو تو پڑھو وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ کَانَ مَشْهُوْدًا (رواہ البخاری وغیرہ)

بیضاوی نے لکھا ہے، صلوٰۃ الفجر کو مشہود کہنے کی یا یہ وجہ ہے کہ اس وقت قدرتی شواہد بہت نمایاں طور پر سامنے آجاتے ہیں تاریکی پھٹ کر روشنی نکل آتی ہے اور نیند جس کو اخ الموت کہا گیا ہے، بیداری سے بدل جاتی ہے، یا مشہود کہنے کی یہ وجہ ہے کہ بہت نمازی اس میں حاضر ہوتے ہیں یا اس طرف اشارہ ہے کہ کثیر جماعت کو اس میں حاضر ہونا چاہئے۔

بعض علماء نے آیت کا تفسیری مطلب اس طرح بیان کیا ہے نماز کو یعنی مغرب کی نماز کو قائم کرو، غروب آفتاب کے

Marfat.com

بعد سے لے کر غَسَقِ الَّیْلِ یعنی شفق کے غائب ہونے تک۔ اس تفسیر پر آیت میں وقت مغرب کی ابتداء اور انتہا کا بیان ہو جائے گا۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ مغرب کا وقت شفق کے ڈوبنے تک باقی رہتا ہے، گویا پوری آیت میں اللہ نے دو نمازوں کا حکم دیا مغرب اور فجر اور (چونکہ یہ دونوں نمازیں دن اور رات کے دونوں کناروں کے اوقات میں واقع ہیں اس لئے) یہ دونوں زیادہ اہم ہیں۔

وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ﷺ اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد کی نماز پڑھو جو تمہارے لئے زائد چیز ہے۔ یعنی نماز کے لئے نیند کو ترک کر دو۔ بِہٖ کی ضمیر قرآن کی طرف لوٹ رہی ہے (اور قرآن سے مراد ہے نماز) صاحب قاموس نے لکھا ہے هَجَدَ هُجُودًا (ثلاثی مجرد) اور تَهَجَّدَ (باب تفعل) سو گیا اور بیدار ہو گیا دونوں معنی کے لئے مستعمل ہے، لغات اضداد میں سے ہے۔ هَجَّدَ تَهْجِيدًا (باب تفعیل) بیدار کر دیا اور سلا دیا یہ بھی اضداد میں سے ہے۔ اَهْجَدَ (باب افعال) هَجَدَ کی طرح سو گیا اور سلا دیا (لازم بھی ہے اور متعدی بھی) حاصل بیان یہ ہے کہ جیم کی تشدید اگر (سلب ماخذ اور) ازالہ کے لئے قرار دی جائے تو نیند کو زائل کرنا اور بیدار ہونا مراد ہو گا اور اگر متعدی بنانے کے لئے قرار دی جائے تو سلا دینے کا معنی ہو گا۔

بغوی نے لکھا ہے تہجد جب بیدار ہو جانے کو کہتے ہیں تو یہ سونے کے بعد ہی ہو گا۔ (رات بھر جاگتے رہنے اور نمازیں پڑھنے کو تہجد نہیں کہا جائے گا) میں کہتا ہوں جب تہجد سے مراد ہے نماز کے لئے نیند کو ترک کرنا تو اس کی تینوں صورتیں ہو سکتی ہیں۔ بالکل رات کو نہ سونا اور نماز پڑھتے رہنا، شروع رات میں بیدار رہ کر نماز پڑھنا، سو جانا اور پھر بیدار ہو کر نماز پڑھنا۔ مؤخر الذکر صورت کی کوئی تخصیص نہیں۔ حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے، ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روزے رکھتے رہے اور آپ نے رات کو کبھی اٹھ کر ہم کو نماز نہیں پڑھائی جب (آخری عشرہ کی) سات راتیں باقی رہ گئیں (یعنی چوبیسویں رات آئی) تو آپؐ ہم کو لے کر نماز کو کھڑے ہوئے یہاں تک کہ نماز میں ایک تہائی رات گزر گئی۔

دوسری رات یعنی (تیس کی طرف سے شمار کرنے میں) چھٹی رات ہوئی تو آپ نہیں اٹھے (تیس کی طرف سے الٹی گنتی کرنے میں) پانچویں رات آئی تو پھر آپ ہم کو لے کر نماز کو کھڑے ہوگئے، یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کاش حضور ﷺ ہم کو ساری رات یہ نفل نماز پڑھاتے فرمایا آدمی جب امام کے ساتھ نماز پڑھ کر واپس ہو جاتا ہے تو پوری رات کا قیام اس کے حساب میں لکھ دیا جاتا ہے جب چوتھی رات (یعنی تیسویں کی طرف سے گنتی کرنے کے بعد جو چوتھی رات پڑتی ہے) ہوئی تو آپ نے ہم کو نماز نہیں پڑھائی یہاں تک کہ مہینہ میں تین راتیں رہ گئیں تو تیسری رات کو آپ ﷺ نے سب گھر والوں کو اور بیویوں کو اور دوسرے لوگوں کو جمع کیا اور ہم کو لے کر نماز کو کھڑے ہوگئے (اور اتنی طویل نماز پڑھائی) کہ ہم کو فلاح کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو گیا۔ راوی نے حضرت ابوذرؓ سے دریافت کیا، فلاح سے کیا مراد۔ فرمایا سحری۔ اس کے بعد (باقی دونوں راتوں کو) آپؐ نے نماز نہیں پڑھائی، رواہ اصحاب السنن۔ ترمذی کی روایت میں ایک لفظ کا تغیر ہے۔

سائب بن یزید نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو جماعت سے گیارہ رکعتیں پڑھائیں۔ (حسب الحکم) امام (نماز میں) پڑھتا تھا اور اس حد تک طول قیام کرتا تھا کہ ہم لاٹھی کا سہارا لیتے تھے اور فجر کے آثار نمودار ہونے کے وقت فارغ ہوتے تھے، رواہ مالک فی المؤطا۔

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے تھے ہم رمضان میں نماز شب سے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے کہ خادم صبح ہو جانے کے اندیشے سے جلد جلد کھانا تیار کرتا تھا۔ رواہ مالک۔ رسول اللہ ﷺ صبح کے قریب تک سفر جاری رکھتے تھے (یعنی سواری پر صبح کے قریب تک نفلیں پڑھتے رہتے تھے)

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں آیا ہے کہ سفر کی حالت میں رسول اللہ ﷺ اونٹنی پر ہی رات کی نماز پڑھتے تھے، اونٹنی کا

Marfat.com

رخ جدھر کو ہوتا (پرواہ نہیں کرتے) اور (رکوع سجود کے لئے) اشارہ کرتے تھے۔ وتر بھی او نٹنی پر ہی پڑھتے تھے ہاں فرائض کے لئے اونٹنی روک کر نیچے اترتے تھے۔ صحیحین۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لوگوں کی شروع رات کی نماز نفس کو خوب مرتاض بنانے والی ہوتی ہے، کیونکہ سونے کے بعد آدمی کو معلوم نہیں ہوتا کہ کب بیدار ہوگا۔ البتہ آخر رات میں تہجد پڑھنے کا ثواب شروع رات میں پڑھنے سے زیادہ ہے۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب رات کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو ہمارا رب ہر رات آسمانِ دنیا کی طرف نزولِ رحمت فرماتا ہے۔ (الحدیث)

عبدالرحمٰن بن عبد القاری نے بیان کیا ہے کہ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ ایک رات رمضان کے مہینہ میں مسجد کی طرف گیا، کچھ لوگ الگ الگ متفرق نمازیں پڑھ رہے تھے اور بعض لوگ ایک چھوٹے سے گروہ کو ساتھ لے کر جماعت کر رہے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر میں ان سب کو ایک قاری کی امامت پر جمع کردوں تو بہت ہی اچھا ہوگا، چنانچہ آپ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو سب کا امام بنادیا۔ پھر ایک اور رات جو آپ کے ساتھ مسجد کی طرف گیا تو دیکھا کہ لوگ اپنے قاری کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ نئی بات اچھی ہے۔ لوگ رات کے ابتدائی حصہ میں نماز پڑھ کر سو جایا کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا جس نماز سے تم سو جایا کرتے ہو (یعنی آخر شب میں بیدار ہو کر نماز نہیں پڑھتے) وہ اس نماز سے بہتر ہے جو تم پڑھتے ہو (یعنی شروع رات کی نماز سے آخر رات کی نماز افضل ہے) رواہ البخاری۔

مسئلہ

شروع میں رات کی نماز رسول اللہ ﷺ پر بھی فرض تھی اور امت پر بھی، اللہ نے فرمایا تھا یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَهٗٓ الخ پھر حکم میں تخفیف کردی گئی اور پنج وقتی نماز کی وجہ سے رات کی نماز کی فرضیت امت کے سر سے ساقط کردی گئی۔ البتہ نماز شب مستحب رہ گئی۔ اللہ نے فرمایا فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ۔ کیا تہجد کی نماز رسول اللہ ﷺ پر فرض رہی یا آپ کے لئے بھی فرضیت منسوخ ہوگئی، اس مسئلہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر تہجد کا وجوب قائم رہا، منسوخ نہیں کیا گیا، حضرت عائشہؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے لئے سنت۔ وتر، مسواک اور نماز شب (تہجد) اس قول پر آیت میں تہجد کا حکم وجوبی ہوگا اور نَافِلَةً لَّکَ کا یہ معنی ہوگا کہ تم پر یہ مزید فرض ہے (دوسروں پر نہیں ہے) میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ تہجد کی فرضیت رسول اللہ ﷺ سے بھی ساقط کردی گئی تھی اور آپ کے لئے تہجد کی نماز مستحب ہوگئی تھی، آیت کا صراحۃً یہی مفہوم ہے، کیونکہ اگر نَافِلَةً کا معنی مزید فرض ہوتا تو لَکَ کی جگہ عَلَیْکَ (تم پر) کہا جاتا وجوب کے بعد عَلٰی آتا ہے، لام نہیں آتا۔

ایک شبہ

تہجد کی نماز نفل تو سب ہی کے لئے ہے پھر آیت میں خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا ہی ذکر کیوں کیا گیا۔

ازالہ

نوافل سے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے، یہ حکم ساری امت کے لئے عام ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ معصوم تھے، آپ مرتکب گناہ نہیں ہو سکتے تھے۔ رہیں وہ لغزشیں جن کو ذنوب کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے وہ بھی تمام اگلی پچھلی اللہ نے معاف فرمادی تھیں، اب آپ کے نوافل کا کفارۂ گناہ بننا تو ممکن ہی نہیں، ہاں آپ کی یہ خصوصیت تھی کہ تہجد جو آپ کے لئے بھی نافلہ تھی وہ صرف آپ کے لئے ترقی درجات کا ذریعہ تھی (نہ کہ معافی گناہ کا۔ اسی لئے آپ ﷺ کے لئے تہجد کو نافلہ خصوصیت کے ساتھ قرار دیا گیا)

رسول اللہ ﷺ کے لئے بھی تہجد کا نفل ہونا حضرت مغیرہؓ کی روایت کردہ حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے، حضرت مغیرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قدر قیامِ شب کیا کہ آپ کے قدموں پر ورم آگیا، عرض کیا گیا، حضورؐ کو ایسا کرنے کی کیا

Marfat.com

ضرورت، اللہ نے آپ کو تو اگلی پچھلی ساری لغزشیں معاف فرمادی ہیں۔ فرمایا، کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ حضور ﷺ نے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ میرے اوپر قیام شب فرض ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ سفر میں رسول اللہ ﷺ علاوہ فرائض کے باقی نمازیں او نٹنی پر سوار ہونے کی حالت میں پڑھتے رہتے تھے، یہاں تک کہ وتر بھی سواری پر ہی پڑھتے تھے، او نٹنی کا رخ جس طرف کو ہوتا (کچھ پروانہ کرتے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز کے لئے بھی او نٹنی سے نہیں اترتے تھے اور تہجد آپ کے لئے بھی نفل تھا فرض نہ تھا)

مسئلہ

امت کے لئے تہجد سنت ہے۔ کیا سنت موکدہ ہے یا مستحب، میرے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ تہجد سنت موکدہ ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ اس کو پابندی سے ادا کیا۔ حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا اور بیان کیا گیا کہ وہ صبح تک برابر سوتا رہا (تہجد کے لئے) نماز کو نہیں اٹھا، فرمایا، اس کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا۔ متفق علیہ۔ اگر تہجد سنت موکدہ نہ ہوتا تو اس کو ترک کرنے والا عتاب اور ملامت کا مستحق نہ قرار پاتا۔ تارک مستحب مستحق ملامت نہیں ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ کے تہجد کی کیفیت

حضرت زید بن خالد جہنیؓ کا بیان ہے میں رات کو رسول اللہ ﷺ کی نماز کو غور سے دیکھنا چاہتا تھا اس لئے حضور کے دروازے کی دہلیز پر تکیہ لگائے دیکھتا رہا، آپ اٹھے اور دو خفیف رکعتیں پڑھیں، پھر دو طویل رکعتیں پڑھیں دو طویل رکعتیں، دو طویل رکعتیں پھر دو رکعتیں پڑھیں جو اس سے پہلے والی رکعتوں سے کم تھیں پھر دو رکعتیں جو ان سے بھی چھوٹی تھیں پھر دو رکعتیں پڑھیں جو ان سے بھی کم تھیں اس کے بعد وتر پڑھے یہ کل تیرہ رکعتیں ہوئیں۔ رواہ مسلم۔ بغوی نے اسی طرح نقل کیا ہے لیکن صاحب مشکوٰۃ نے پھر دو رکعتیں پڑھیں جو پہلی والی رکعتوں سے چھوٹی تھیں۔ یہ الفاظ چار بار نقل کئے ہیں (اس طرح کل رکعتیں پندرہ ہو جائیں گی) مشکوٰۃ میں یہ روایت کتاب الحمیدی اور موطا مالک اور سنن ابو داؤد اور جامع الاصول سے لی گئی ہے اس صورت میں وتر سے مراد ایک رکعت ہوگی اور بغوی کی روایت میں تین وتر مراد ہوں گے، غرض کل رکعات تیرہ ہی رہیں گی۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رمضان اور غیر رمضان سب میں رسول اللہ ﷺ (رات کی نماز) گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے پہلی چار رکعتوں کی خوبی اور طول کا حال تو کیا کہنے پھر دوسری چار رکعتوں کی خوبی اور طول بھی ناقابل بیان ہے پھر تین رکعتیں پڑھتے تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا وتر پڑھنے سے پہلے آپ سو جاتے ہیں، فرمایا، عائشہؓ میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔ رواہ البخاری و مسلم۔

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد فجر تک رات میں رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے، اور آخر میں ایک رکعت پڑھتے تھے اور دو سجدے کرتے تھے۔ جن کی مقدار سر اٹھانے سے پہلے اتنی ہوتی تھی کہ آدمی پچاس آیات پڑھ لے۔ اور موذن اذان فجر کہہ کے جب خاموش ہو جاتا اور فجر نمودار ہو جاتی تو آپ اٹھ کر دو خفیف رکعتیں پڑھتے، پھر دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے۔ پھر موذن آکر نماز کی اطلاع دیتا، اور آپؐ نماز کے لئے باہر تشریف لے جاتے تھے۔ کذا فی الصحیحین۔

حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں جب بھی رسول اللہ ﷺ کو نماز شب میں مشغول دیکھنا چاہتے دیکھ سکتے تھے (یعنی رات میں نماز بھی پڑھتے تھے اور سوتے بھی تھے) یہ بھی حضرت انسؓ ہی کی روایت ہے کہ کسی مہینے میں آپؐ اتنے روزے رکھتے کہ ہم خیال کرتے اب اس مہینہ میں ناغہ نہیں کریں گے اور روزہ نہ رکھتے تو اتنے ناغہ کرتے کہ ہم کہتے اب اس ماہ میں روزہ نہیں رکھیں گے۔ رواہ النسائی۔

Marfat.com

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ رات کو تیرہ رکعات پڑھتے وتر اور فجر کی دو رکعتیں اس میں شامل تھیں۔ رواہ مسلم۔

مسروق کا بیان ہے، میں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی نمازِ شب کے متعلق دریافت کیا، فرمایا فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ کبھی سات رکعتیں، کبھی نو رکعتیں، کبھی گیارہ رکعتیں ہوتی تھیں۔ رواہ البخاری۔

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھنے رات کو اٹھتے تو دو خفیف رکعتوں سے آغاز کرتے تھے۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے کہ رات کو تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہو تو دو خفیف رکعتوں سے نماز کا آغاز کرے۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے ایک رات میں رسول اللہ ﷺ کے گھر سویا، آپ ﷺ نے بیدار ہو کر مسواک کی، پھر آیات اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ختم سورت تک تلاوت کیں پھر (وضو کرکے) نماز کو کھڑے ہوگئے اور دو رکعتیں پڑھیں، جن میں قیام، رکوع اور سجود بہت طویل کیا، پھر نماز ختم کرکے سو گئے (اتنی گہری نیند سے) کہ سانس چلنے کی آواز آنے لگی، پھر اٹھ کر نماز پڑھنے لگے۔ ایسا تین مرتبہ کیا، کل چھ رکعتیں ہوگئیں، ہر مرتبہ میں اٹھ کر مسواک بھی کرتے تھے اور وضو بھی اور آیات مذکورہ کی تلاوت بھی کرتے تھے، آخر میں تین وتر پڑھے۔ رواہ مسلم۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا جسم مبارک بھاری پڑ گیا تو زیادہ تر رات کی نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ متفق علیہ۔ حضرت حذیفہؓ کا بیان ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو نمازِ شب پڑھتے دیکھا، آپ نے اول تین بار اللہ اکبر فرمایا پھر پڑھا ذُوالْمَلَکُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْعَظَمَۃِ اس کے بعد نماز شروع کی اور سورۂ بقرہ پڑھی، پھر رکوع کیا اور تقریباً قیام کے برابر کیا جس میں پڑھتے رہے لِرَبِّیَ الْحَمْدُ پھر سجدہ کیا اور تقریباً قیام کے برابر طویل سجدہ کیا اور سجدے میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھتے رہے پھر سجدہ سے سر اٹھایا اور دونوں سجدوں کے درمیان تقریباً سجدہ کے برابر بیٹھے رَبِّ اغْفِرْلِیْ رَبِّ اغْفِرْلِیْ پڑھتے رہے اس طرح چار رکعتیں پڑھیں جن میں سورۂ بقرہ، آل عمران، النساء اور مائدہ یا الانعام پڑھیں۔ رواہ ابو داؤد۔

حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور صبح تک ایک آیت یعنی آیت اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ پڑھتے رہے۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز پڑھ کر کچھ دیر کو لیٹ گئے پھر بیدار ہوئے اور آسمان کے کناروں کی طرف دیکھ کر پڑھا رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ...... اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔ تک۔ پھر بستر کی طرف ہاتھ بڑھا کر مسواک نکالی اس کے بعد ایک لوٹے سے پیالہ میں پانی الٹا اور دانتوں پر مسواک کی، پھر نماز کو کھڑے ہوگئے اور میری نظر میں اتنی دیر نماز پڑھی جتنی دیر سوئے تھے۔ نماز کے بعد پھر لیٹ گئے اور میرے خیال میں جتنی دیر نماز پڑھی تھی اتنی ہی دیر سوتے رہے، پھر بیدار ہو کر وہی کیا جو پہلی بار کیا تھا اور وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ یہ عمل حضور ﷺ نے فجر کی نماز سے پہلے تین بار کیا۔ رواہ النسائی۔

حضرت اُم سلمہؓ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ اتنی ہی دیر سوتے جتنی دیر نماز پڑھتے، پھر جتنی دیر سوتے اتنی ہی دیر نماز پڑھتے پھر نماز کے بقدر سو جاتے، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔ حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی قرأت کی تشریح فرماتے ہوئے ایک ایک حرف الگ الگ پڑھ کر سنایا۔ رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی۔

عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ امید ہے (یعنی امید رکھو) کہ تمہارا رب تم کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔

مقام محمود یعنی ایسا مقام جس کی ستائش اگلے پچھلے سب ہی لوگ کریں گے۔ بغوی نے ابووائل کی وساطت سے بروایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ نے ابراہیم کو خلیل بنالیا تھا اور تمہارا ساتھی اللہ کا خلیل اور اس

Marfat.com

کے ہاں سب مخلوق سے زیادہ عزت والا ہے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ اس کو عرش پر بٹھالے گا، حضرت عبد اللہ بن سلام ؓ نے فرمایا اللہ کرسی پر متمکن کر دے گا۔ (اول روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام محمود عرش ہے اور دوسری روایت میں صراحت ہے کہ وہ کرسی ہے) صحیح یہ ہے کہ مقام محمود سے مراد مقام شفاعت ہے۔ احمد ابن ابی حاتم اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مقام محمود وہ مقام ہے، جہاں میں اپنی امت کے لئے شفاعت کروں گا۔ حضرت انس ؓ کی روایت سے صحیحین میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن مسلمانوں کو روک دیا جائے گا، جس کی وجہ سے ان کو فکر ہو گی اور وہ کہیں گے، کاش ہم کسی سے اپنے رب کے دربار میں سفارش کرا سکتے اور اللہ اس مقام سے ہم کو بچا دیتا، چنانچہ لوگ حضرت آدم ؑ کے پاس جاکر کہیں گے، آپ سب لوگوں کے باپ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور اپنی جنت میں آپ کو جگہ دی اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور تمام چیزوں کے نام آپ کو سکھا دیئے آپؑ اپنے رب سے ہماری سفارش کر دیجئے کہ وہ اس جگہ سے ہم کو رہائی عطا فرمادے، آدم ؑ فرمائیں گے، میں تمہارے لئے اس مقام پر نہیں ہوں، آپ کو درخت ممنوعہ کا پھل کھانے کا اپنا قصور یاد ہو گا، فرمائیں گے تم لوگ نوح ؑ کے پاس جاؤ (طوفان کے بعد) وہ پہلے پیغمبر تھے جن کو اللہ نے زمین والوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا تھا لوگ حضرت نوح ؑ کے پاس جائیں گے۔ حضرت نوح ؑ فرمائیں گے۔ میں اس مقام پر نہیں ہوں آپ کو اپنا وہ قصور یاد ہو گا کہ نادانی میں اپنے بیٹے کے لئے نجات کی درخواست کی، پھر آپؑ فرمائیں گے تم لوگ ابراہیم خلیل الرحمٰن ؑ کے پاس جاؤ، لوگ حضرت ابراہیم ؑ کے پاس جائیں گے، آپؑ فرمائیں گے میں اس مقام پر نہیں ہوں آپ کو اپنے وہ تین جھوٹ یاد ہوں گے جو آپ کی زبان سے نکلے تھے (شاہ مصر کے سامنے حضرت سارہ کو اپنی بہن قرار دینا اور قوم کے ساتھ میلے میں شرکت نہ کرنے کے لئے اپنے کو بیمار کہنا اور بتوں کو خود توڑنے کے بعد قوم کے سامنے یہ کہنا کہ بڑے بت سے پوچھو اس نے ایسا کیا ہے) آپؑ کہیں گے تم لوگ موسیٰ ؑ کے پاس جاؤ، ان کو اللہ نے توریت عنایت فرمائی تھی، ان سے کلام کیا تھا، ان کو اپنا مقرب بنا کر خطاب کیا تھا۔ لوگ موسیٰ ؑ کے پاس جائیں گے۔ حضرت موسیٰ ؑ فرمائیں گے میں اس مرتبے پر نہیں ہوں، آپ کو اپنی وہ غلطی یاد ہو گی کہ ایک آدمی کو غلطی سے قتل کر دیا تھا، فرمائیں گے تم لوگ عیسیٰ ؑ کے پاس جاؤ، وہ عبد اللہ تھے، رسول اللہ تھے، روح اللہ تھے، کلمۃ اللہ تھے، لوگ حضرت عیسیٰ ؑ کے پاس جائیں گے۔ آپؑ جواب دیں گے، میں اس مقام پر نہیں ہوں، تم لوگ محمد ﷺ کے پاس جاؤ اللہ نے ان کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف فرمادی تھیں۔ لوگ میرے پاس آئیں گے میں اپنے رب سے اس کے مکان میں داخل ہونے کی اجازت کا طلب گار ہوں گا اور اجازت ملنے پر اس کے پاس داخل ہوں گا، اور جوں ہی میری نگاہ اس پر پڑے گی فوراً سجدے میں گر پڑوں گا، اور جتنی دیر اللہ چاہے گا سجدے میں پڑا رہوں گا، پھر اللہ فرمائے گا محمد ﷺ سر اٹھا اور (جو کچھ کہنا ہے) بیان کر، تیری بات سنی جائے گی۔ مانگ (جو کچھ مانگنا چاہے) تیرا سوال پورا کیا جائے گا میں سجدے سے سر اٹھاؤں گا اور اپنے رب کی وہ حمد و ثناء کروں گا جو مجھے وہ سکھادے گا، پھر شفاعت کروں گا۔ اللہ میرے لئے ایک حد مقرر کر دے گا (یعنی محدود تعداد کی رہائی کا حکم دے دے گا) میں جا کر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچا دوں گا، پھر لوٹ کر آؤں گا اور دوبارہ بارگاہ الٰہی میں داخلے کی اجازت کا خواستگار ہوں گا اور اجازت مل جائے گی تو اندر داخل ہوں گا اور جونہی میری نظر اس پر پڑے گی فوراً سجدے میں گر پڑوں گا، اور جتنی دیر اللہ چاہے گا سجدے میں پڑا رہوں گا، پھر اللہ فرمائے گا، محمد سر اٹھاؤ (اپنا مقصد) بیان کرو، تمہاری بات سنی جائے گی، شفاعت کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی، مانگو، تمہارا سوال پورا کیا جائے گا۔ میں سر اٹھاؤں گا اور حسبِ تعلیم الٰہی اپنے رب کی حمد و ثنا کروں گا، پھر شفاعت کروں گا، اللہ میرے لئے (دوزخ سے لوگوں کو باہر نکال لانے کی) حد مقرر فرمادے گا، میں بارگاہ خداوندی سے باہر آکر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دوں گا (تیسری مرتبہ بارگاہ خداوندی میں داخل ہونا، سجدہ میں گر پڑنا، اللہ کی طرف سے خطاب ہونا، سجدے سے سر اٹھا کر حمد و ثنا کرنا، قیدیوں کی محدود تعداد کو رہا کرنے کا حکم ملنا اور جا کر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچا دینا بھی انہی الفاظ کے ساتھ اس حدیث میں

Marfat.com

حضور ﷺ نے بیان فرمایا ہے جو اوپر ذکر کئے گئے ہیں۔ اس کے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) یہاں تک کہ دوزخ کے اندر سوائے ان لوگوں کے جن کو (ہمیشہ دوزخ میں رکھے جانے کی قرآن نے صراحت کردی ہے اور) قرآن نے ہمیشہ کے لئے ان کو دوزخ میں روک دیا ہے اور کوئی باقی نہیں رہے گا، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہی وہ مقام محمود ہوگا، جس کا وعدہ اللہ نے تمہارے نبی کے لئے کرلیا ہے۔

صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث شفاعت ذکر کی گئی ہے اس روایت میں حدیث کے الفاظ اس طرح آئے ہیں۔ میں اپنے رب کے پاس داخل ہونے کی اجازت طلب کروں گا مجھے اجازت مل جائے گی اور اللہ میرے دل میں کچھ کلمات حمد القاء کردے گا، جن سے میں اپنے رب کی حمد کروں گا، اس وقت وہ الفاظ میرے سامنے نہیں (یعنی جو کلمات حمد میں قیامت کے دن مقام شفاعت میں پہنچ کر استعمال کروں گا وہ اس وقت میرے ذہن میں نہیں) میں انہی الفاظ سے اپنے رب کی حمد کروں گا، پھر سجدہ میں گر پڑوں گا، اللہ فرمائے گا محمد ﷺ سر اٹھاؤ اور جو کچھ گزارش کرنا چاہتے ہو بیان کرو تمہاری بات سنی جائے گی، مانگو تم کو دیا جائے گا۔ شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا یا رب امتی امتی۔ حکم ہوگا جاؤ اور جس کے دل میں جو برابر ایمان ہو اس کو نکال لاؤ۔ میں جاکر حکم کی تعمیل کروں گا۔ پھر واپس آکر وہ کلمات ثنائیہ حسب سابق عرض کروں گا۔ پھر سجدے میں گر پڑوں گا حکم ہوگا جاکر اس کو نکال لو جس کے دل میں رائی کے دانے سے بھی کم ایمان ہو۔ میں جاکر ایسا ہی کروں گا۔ پھر حضور ﷺ نے تیسری اور چوتھی مرتبہ جانے اور شفاعت کرنے کا ذکر فرمایا اور فرمایا، میں عرض کروں گا اے میرے رب مجھے ان لوگوں کے نکال لینے کی اجازت دے دے جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے قائل تھے، اللہ فرمائے گا قسم ہے اپنی عزت و جلال کبریا اور عظمت کی جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا قائل تھا میں اس کو ضرور ضرور (دوزخ سے) نکال دوں گا۔

سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ علماء نے اس روایت کی صحت میں قوی شبہ کیا ہے۔ کیونکہ حدیث کا شروع حصہ تو موقف کی تکالیف سے تعلق رکھتا ہے اور آخری حصہ میں شفاعت کا اور دوزخ سے لوگوں کو نکالنے کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ شفاعت اور دوزخ سے برآمدگی کا واقعہ تو سب سے آخر میں ہوگا، اس سے پہلے موقف حشر سے جدا ہونا، پل صراط پر گزرنا اور گرنے والوں کا دوزخ میں گرنا ہوچکا ہوگا۔ حضرت حذیفہؓ کی صحیح روایت میں اس شفاعت کے بعد صراط سے گزرنے کا ذکر آیا ہے اور حضرت ابوہریرہ و حضرت ابوسعیدؓ کی روایات میں آیا ہے کہ ہر امت کو حکم ہوگا کہ جس کی عبادت کرتے تھے اس کے پیچھے لگ جاؤ۔ پھر منافقوں کو چھانٹ کر مومنوں سے الگ کردیا جائے گا، پھر پل صراط قائم کیا جائے گا اور لوگ اس پر سے گزریں گے، پھر شفاعت کرنے اور دوزخ سے نکالنے کا حکم ہوگا، گویا سب سے پہلے حکم ہوگا کہ ہر امت اپنے معبود کے پیچھے چلی جائے اس کے بعد موقف کی تکلیف سے نجات اور دوزخ سے نکالنے کا اور شفاعت کا حکم ہوگا، قاضی عیاض اور نووی نے یہی ترتیب ذکر کی ہے۔

میں کہتا ہوں حدیث مذکورۃ الصدر میں کچھ اختصار ہے اول اس شفاعت کا ذکر ہے جو میدان قیامت اور موقف کی شدتوں سے رہائی دلانے کے لئے ہوگی اور آخر میں دوزخ سے رہائی کے لئے شفاعت کا ذکر کیا گیا ہے دو قسم کی شفاعتوں کا ذکر دوسری احادیث میں بھی آیا ہے۔

میرے نزدیک حدیث میں جو فِیْ دَارِهٖ آیا ہے اس سے مراد جنت ہے اللہ کا دیدار صرف جنت میں ہی ہوگا (یعنی میدان حشر مراد نہیں ہے) اللہ کا مکان یا بارگاہ جنت سے باہر نہیں ہوسکتی۔ اللہ کو دیکھ کر سجدے میں گر پڑنا یقیناً جنت کے اندر ہی ہوگا۔

بخاریؒ نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ لوگ تیزی کے ساتھ ادھر سے ادھر جائیں گے ہر امت اپنے نبی کے پیچھے لگ جائے گی اور اس سے شفاعت کی خواستگار ہوگی آخر میں شفاعت کا اختیار رسول اللہ ﷺ کو ہوگا یہ وہی ہوگا کہ اللہ آپ کو مقام محمود میں کھڑا کردے گا۔

بعض احادیث میں آیا ہے کہ سورج قریب آجائے گا اتنا کہ (اس کی گرمی سے) پسینہ آدھے کانوں تک آجائے گا، اسی

Marfat.com

حالت میں لوگ حضرت آدمؑ سے فریاد کریں گے۔ حضرت آدمؑ فرمائیں گے مجھے اس کا اختیار نہیں، پھر آخر میں محمد ﷺ کی نوبت آئے گی اور وہ شفاعت کریں گے اور اللہ فیصلہ کرے گا، محمدؐ جا کر جنت کا دروازہ پکڑلیں گے اس روز اللہ ان کو مقام محمود میں کھڑا کرے گا، یہ مقام ایسا ہوگا کہ میدان قیامت میں جمع ہونے والے سب لوگ اس کی تعریف کریں گے۔

بزار اور بیہقی نے حضرت حذیفہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرے گا مگر کوئی کسی سے بات نہیں کرے گا، سب سے پہلے محمد ﷺ کو پکارا جائے گا آپ جواب دیں گے لَبَّیْکَ میں حاضر ہوں وَسَعْدَیْکَ اور حاضری کی سعادت حاصل کر رہا ہوں وَالْخَیْرُ فِی یَدَیْکَ (اور ہر بھلائی تیرے ہاتھوں میں ہے) وَالشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْکَ (اور کسی شر کی نسبت تیری طرف نہیں ہے) وَالْمَهْدِیُّ مَنْ هَدَیْتَ (اور ہدایت یافتہ وہی ہے جس کو تو نے ہدایت کردی) وَعَبْدُکَ بَیْنَ یَدَیْکَ (اور تیرا بندہ تیرے سامنے حاضر ہے) وَبِکَ وَاِلَیْکَ (اور تیرے ہی سبب سے وہ موجود ہوا اور تیری ہی طرف اس کا رجوع ہے یعنی مخلوق کا آغاز بھی تجھی سے ہے اور سب کی واپسی بھی تیری ہی طرف ہے) لَا مَنْجَاءَ مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ (تجھ سے کسی کو مفر نہیں تجھ سے بھاگ کر ہر ایک کا تیری ہی طرف فرار ہے) تَبَارَکْتَ وَتَعَالَیْتَ رَبَّ الْبَیْتِ (اے کعبے کے مالک تو برکت والا اور سب سے بالاتر ہے) اس وقت آپ شفاعت کریں گے، یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔ عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔

ترمذی نے باسناد حسن اور ابن خزیمہ اور ابن مردویہ نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور (میرا یہ قول) فخر نہیں ہے۔ اور (قیامت کے دن) حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور (یہ قول بھی) فخر نہیں ہے اس روز ہر نبی آدم ہوں یا دوسرے میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ زمین پھٹ کر سب سے پہلے میں ہی برآمد ہوں گا اور یہ بات بھی (میری طرف سے) فخر نہیں ہے (اس روز) لوگوں پر تین ہیبتیں اور گھبراہٹیں ہوں گی، لوگ آدم کے پاس جائیں گے اور شفاعت کے خواستگار ہوں گے اور کہیں گے آپ ہمارے باپ ہیں ہماری سفارش کر دیجئے، حضرت آدمؑ جواب دیں گے میں نے ایک بڑا جرم کیا تھا جس کی وجہ سے مجھے زمین پر اتار دیا گیا تم نوحؑ کے پاس جاؤ، نوحؑ کے پاس جب لوگ جائیں گے تو وہ جواب دیں گے میں نے سب زمین کے باشندوں کے ہلاک کرنے کی بددعا کی تھی اور وہ میری بددعا سے ہلاک بھی کر دیئے گئے تم ابراہیمؑ کے پاس جاؤ، لوگ ابراہیمؑ کے پاس جائیں گے، حضرت ابراہیمؑ فرمائیں گے، میں نے تین باتیں جھوٹی کہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ فرمایا، انہوں نے کوئی بات جھوٹی نہیں کہی بلکہ جو بات بھی بشکل کذب تھی، اس کا مقصد دین الٰہی کی طرف سے مدافعت تھی تم موسیٰ کے پاس جاؤ، موسیٰ کہیں گے میں نے ایک شخص کو (ناحق) نادانی سے قتل کر دیا تھا، تم لوگ عیسیٰ کے پاس جاؤ، حضرت عیسیٰؑ کہیں گے میری تو اللہ کے سوا پوجا ہونے لگی تھی لوگوں نے مجھے میرے بعد معبود بنا لیا تھا تم لوگ محمدؐ کے پاس جاؤ، لوگ میرے پاس آئیں گے میں ان کے ساتھ جاؤں گا اور جنت کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر کھٹ کھٹاؤں گا، دریافت کیا جائے گا کون ہے میں کہوں گا محمد ﷺ، دروازہ کھول دیا جائے گا اور (فرشتے) کہیں گے مرحبا، میں سجدہ میں گر پڑوں گا پھر اللہ میرے دل میں اپنی حمد و ثنا اور مجد القاء فرمادے گا اور حکم ہوگا اپنا سر اٹھاؤ۔ مانگو تمہارا سوال پورا کیا جائے گا، شفاعت کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی، اظہار مدعا کرو تمہاری بات سنی جائے گی، یہ ہی مقام مقام محمود ہوگا۔

قرطبی نے کہا تین ہیبتیں اور گھبراہٹیں میرے خیال میں اس وقت ہوں گی جب دوزخ کو لگاموں میں پکڑ کر کھینچ کر لایا جائے گا اور لوگ اس کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جائیں گے۔

ابن خزیمہ اور طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت سلمان کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن سورج کو دس سال کی (مجموعی) گرمی دے دی جائے گی اور کھوپڑیوں کے قریب لے آیا جائے گا۔

مذکورہ حدیث میں آیا ہے کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے آکر ملیں گے اور شفاعت کی خواہش کریں گے، حضور ﷺ فرمائیں گے ہاں میں تمہارا ساتھ دوں گا، چنانچہ آپ چل کر جنت کے دروازے کی زنجیر پکڑ کر کھٹ کھٹائیں گے، دریافت کیا

Marfat.com

جائے گا کون ہے، آپ جواب دیں گے محمد ﷺ۔ دروازہ کھول دیا جائے گا، آپ ﷺ اللہ کے سامنے جاکر کھڑے ہو جائیں گے اور سجدہ کریں گے، ندا آئے گی اپنا سر اٹھاؤ، مانگو تم کو تمہارا سوال دیا جائے گا۔ شفاعت کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی۔ یہ ہی وہ مقام محمود ہوگا (جس کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے)

قرطبی نے یہ حدیث ناتمام ذکر کی ہے لیکن ابن ابی حاتم نے السنۃ میں اور ابن ابی شیبہ نے پوری حدیث بیان کی ہے جس کے آخر میں ہے کہ جس کے دل میں گیہوں کے دانہ کے بقدر یاجَو کے دانہ کے برابر یارائی کے دانہ کے برابر ایمان ہوگا اس کے حق میں شفاعت قبول کرلی جائے گی پس یہی مقام محمود ہوگا۔ طبرانی نے حضرت کعب بن مالکؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن اللہ لوگوں کو اٹھائے گا۔ میں اور میری امت اس روز ایک ٹیلہ پر ہوں گے اور میرا رب مجھے ایک سبز جوڑا پہنائے گا، پھر مجھے اجازت دی جائے گی اور میں اللہ کی ثناء کروں گا ان الفاظ کے ساتھ جن کا وہ مستحق ہے، مقام محمود یہ ہی مقام ثناء ہے۔

فائدہ

شفاعتِ کبریٰ کے متعلق متعدد احادیث مفصل آئی ہیں۔ بزار، ابو عولنہ، ابویعلی اور ابن حبان نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی روایت سے، شیخین وغیرہم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے، احمد اور ابویعلی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے مسلم اور حاکم نے حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے طبرانی، ابن مبارک اور ابن جریر نے حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت سے یہ احادیث بیان کی ہیں۔ سورۂ ابراہیم کی آیت وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ کی تفسیر میں اس کی تشریح ہم نے کردی ہے۔ قرطبی نے لکھا ہے یہ ہی شفاعت عامہ جس کا حق صرف رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمایا گیا ہے۔ اس حدیث میں مراد ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا، ہر نبی کو ایک مقبول دعا کا اختیار دیا گیا، چنانچہ ہر نبی نے اسی زندگی میں اپنی دعا میں عجلت کرلی، لیکن میں نے اپنی امت کی شفاعت کے لئے اپنی دعا کو بچائے رکھا اور یہ شفاعت موقف والوں کے لئے ہوگی (یعنی میدان حشر میں جن کو روک لیا گیا ہوگا ان کی رہائی کے لئے شفاعت ہوگی) قرطبی نے کہا یہ شفاعت اس لئے ہوگی کہ ان کو موقف کی ہولناکی سے نجات مل جائے اور جلد حساب فہمی ہو جائے۔

میرے نزدیک اس شفاعت سے جو رسول اللہ ﷺ نے امت کے لئے بچائے رکھی ہے تیسری شفاعت مراد ہے جو گناہ گاروں کو دوزخ سے نکالنے کے سلسلے میں ہوگی، رسول اللہ ﷺ کو تین شفاعتوں کا حق ہوگا۔ ابن جریر نے تفسیر میں، طبرانی نے المطولات میں، ابویعلی نے مسند میں، بیہقی نے البعث میں، ابو موسیٰ مدینی نے المطولات میں، علی بن معبد نے کتاب الطاعۃ و العصیان میں اور ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے ایک طویل حدیث بیان کی ہے جس میں صور کی پیدائش کا، پھونکے جانے کا، نفخۂ خوف و بیہوشی کا، قبروں سے اٹھنے کا اور آخر میں اہل جنت کے جنت اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخلے کا بیان ہے اور ان لوگوں کا بھی ذکر ہے جن کی گردنوں پر لکھا ہوگا یہ وہ دوزخی ہیں جن کو رحمٰن نے خود دوزخ سے آزاد کیا ہے۔ ہم ذیل میں اس حدیث کو مختصراً نقل کرتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ لوگوں کو ایک جگہ روک کر کھڑا کر دیا جائے گا اور ان کا مدت تک کچھ فیصلہ نہ ہوگا، لوگ چیخ پڑیں گے اور سفارش کے طلب گار ہوں گے۔ پہلے آدمؑ کے پاس جائیں گے۔ حضرت آدمؑ فرمائیں گے مجھے اس کا اختیار نہیں، غرض یہ لوگ ایک کے بعد دوسرے نبی کے پاس اور دوسرے کے بعد تیسرے نبی کے پاس اس طرح متعدد انبیاءؑ کے پاس جائیں گے اور ہر ایک شفاعت کرنے سے انکار کردے گا، یہاں تک کہ میرے پاس آئیں گے، میں ان کے ساتھ چل دوں گا اور عرش کے سامنے پہنچ کر سجدہ میں گر پڑوں گا، باوجودیکہ اللہ بخوبی عالم ہے، لیکن دریافت فرمائے گا تیری کیا ضرورت ہے۔ میں عرض کروں گا اے میرے رب، تو نے مجھ سے (حق) شفاعت عطا فرمانے کا وعدہ کیا تھا اب اپنی مخلوق کے سلسلے میں میری سفارش قبول فرما اور ان کا فیصلہ کردے (انتظار میں روکے نہ رکھ) اللہ فرمائے گا میں نے تیری سفارش قبول کی، میں آخر تمہارا

Marfat.com

فیصلہ کئے دیتا ہوں۔ اس طویل حدیث میں چوپایوں اور وحشی جانوروں کے فیصلہ کا بھی ذکر ہے۔ پھر انسانوں کے باہمی حقوق اور قتل وخون کا فیصلہ ہوگا (یہ بھی حدیث میں مذکور ہے) پھر حکم ہوگا، ہر شخص یا ہر امت اپنے اپنے معبودوں سے جا ملے، سب لوگ اپنے اپنے معبودوں کے ساتھ ہو جائیں گے صرف مومن رہ جائیں گے جن میں منافق بھی شامل ہوں گے۔ یک دم اللہ اپنی پنڈلی کھول دے گا تو مومن فوراً سجدہ میں گر پڑیں گے اور ہر منافق گدی کے بل پیچھے گرے گا (اس کی کمر نہیں جھکے گی) گائے کی پشت کے مہروں کی طرح اس کی پشت ہو جائے گی۔ پھر پل صراط قائم کیا جائے گا اور لوگ اس پر سے گزریں گے۔ کچھ لوگ تو بالکل بے داغ بچ جائیں گے، بعض لوگوں کے کچھ خراشیں لگ جائیں گی مگر بچ وہ بھی جائیں گے اور پل کے پار ہو جائیں گے اور کچھ آدمیوں کے چہرے آنکڑوں سے زخمی ہو جائیں گے اور وہ آگ میں گر پڑیں گے۔ جب اہل جنت جنت تک پہنچ جائیں گے تو اندر داخل ہونے کے لئے پھر کسی شفیع کے طلب گار ہوں گے کہ کوئی سفارش کر کے ان کو جنت میں داخلے کی اجازت دلوا دے۔ چنانچہ سب سے پہلے اپنے باپ آدمؑ کے پاس پہنچیں گے۔ حضرت آدمؑ اپنے گناہ کو یاد کر کے کہیں گے مجھے اس کا اختیار نہیں ہے، تم نوحؑ کے پاس جاؤ۔ لوگ نوحؑ کے پاس جائیں گے۔ حضرت نوحؑ بھی حضرت آدمؑ کی طرح جواب دے دیں گے، پھر لوگ ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے پاس جائیں گے اور ہر ایک ایسا ہی جواب دے دے گا بالآخر میرے پاس آئیں گے۔ مجھے اللہ سے تین شفاعتوں کا حق ملا ہوا ہے اس نے مجھ سے اس کا وعدہ فرمالیا ہے، میں جنت کی طرف جا کر دروازے کی زنجیر پکڑ کر دروازہ کھولنے کی درخواست کروں گا دروازہ کھول دیا جائے گا اور جونہی نظر اٹھا کر اپنے رب کی طرف دیکھوں گا، فوراً سجدے میں گر پڑوں گا، اللہ مجھے اپنی حمد وثنا اور بزرگی بیان کرنے کی ایسی مخصوص اجازت عطا فرمائے گا جو کسی کو نہیں دی ہوگی، پھر فرمائے گا، محمد ﷺ اپنا سر اٹھاؤ شفاعت کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی، مانگو تم کو دیا جائے گا، میں عرض کروں گا اے میرے رب تو نے مجھ سے شفاعت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اہل جنت کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دے۔ اللہ میری شفاعت قبول فرمائے گا۔

اسی حدیث میں ہے کہ جب دوزخ میں گر جائیں گے اور ایک کثیر مخلوق اس میں چلی جائے گی جن کو ان کے اعمال نے وہاں باندھ رکھا ہوگا تو ان میں کچھ لوگ تو ایسے ہوں گے کہ صرف قدموں تک ان کے آگ ہوگی، اس سے اوپر نہ ہوگی۔ کچھ لوگوں کے نصف پنڈلیوں تک آگ ہوگی، کسی کے زانو تک آگ ہوگی، کسی کی کمر تک ہوگی اور بعض ایسے بھی ہوں گے کہ سوائے چہروں کے باقی تمام بدن کو آگ نے پکڑ لیا ہوگا۔ صرف ان کے چہرے اللہ نے آگ کے لئے حرام کر دیئے ہوں گے۔ میں عرض کروں گا اے میرے رب میری امت کے کچھ لوگ آگ میں ہیں، اللہ فرمائے گا جن کو تم پہچانتے ہو ان کو دوزخ سے نکال لو۔ حسب الحکم وہ لوگ نکال لئے جائیں گے یہاں تک کہ ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا، اس کے بعد اللہ شفاعت کی اجازت دے دے گا اور کوئی پیغمبر اور شہید ایسا نہ ہوگا جو شفاعت نہ کرے، اللہ حکم دے گا جن دلوں میں تم دینار برابر ایمان پاؤ ان کو نکال لو۔ پھر (نوبت بنوبت) فرماتا جائے گا، جس کے دل میں دو تہائی دینار، نصف دینار، چہارم دینار، ایک قیراط۔ رائی کے ایک دانہ کے برابر ایمان ہو اس کو بھی نکال لو یہاں تک کہ دوزخ کے اندر جب کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہے گا، جس نے اللہ کے لئے کوئی بھلائی کبھی کی ہو اور ہر شفاعت کا حق رکھنے والا شفاعت کر چکے گا تو اللہ فرمائے گا، اب میں رہ گیا اور میں ارحم الراحمین ہوں۔ یہ فرمانے کے بعد اللہ اپنا ہاتھ جہنم میں ڈال دے گا اور بے شمار مخلوق کو جہنم سے نکال لے گا۔ ان کے جسم سوختہ ہو کر کوئلے کی طرح ہو گئے ہوں گے (الحدیث)

حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کے بعض اجزاء میں نکارت ہے اور روایت کا مدار اسماعیل بن رافع قاضی مدینہ پر ہے۔ اس حدیث کی روایت کی وجہ سے اسماعیل بن رافع کے ثقہ ہونے میں بھی لوگوں کو کلام ہو گیا، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ متفرق اسنادوں اور طریقوں سے روایت کئے ہوئے مختلف اجزاء کو اسماعیل نے یکجا کر دیا ہے اور مسلسل ایک حدیث بنا دیا ہے۔ حافظ ابو موسیٰ مدینی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اس کی سند میں بھی گو بعض راوی ایسے ہیں جن کے متعلق کلام کیا گیا ہے

Marfat.com

لیکن حدیث کے متفرق اجزاء جن اسنادوں سے نقل کئے گئے ہیں وہ سندیں بجائے خود ثابت ہیں۔
ابن عربی اور قرطبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے بھی اس کی تصویب کی ہے۔ لیکن بیہقی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ سیوطی نے لکھا ہے کہ یحییٰ بن سلام بصری نے اپنی تفسیر میں کلبی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جاچکیں گے تو اہل جنت یعنی اہل ایمان کا ایک آخری گروہ دوزخ میں رہ جائے گا جن کو آگ کامل طور پر جلاچکی ہوگی دوزخی کافر مشرک منافق کہیں گے ہم تو شک اور کفر کی وجہ سے پکڑے گئے مگر تم کو بھی تمہارے ایمان نے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا (طنز) سن کر وہ لوگ چیخ پڑیں گے جن کی آواز جنتوالے بھی سن لیں گے اور حضرت آدمؑ کے پاس جاکر شفاعت کے طلب گار ہوں گے۔ الی آخر الحدیث۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ وہ لوگ محمد ﷺ کے پاس جائیں گے، محمد ﷺ بارگاہ رب العزت میں پہنچ کر سجدہ کریں گے اور عرض کریں گے تیرے کچھ بندے ایسے ہیں جو ہیں تو گناہ گار مگر تیری توحید میں انہوں نے شک کبھی نہیں کیا۔ مشرکوں نے ان کو تیرے پرستار ہونے کا طعنہ دیا۔ اللہ فرمائے گا اپنی عزت کی قسم میں ان کو دوزخ سے ضرور ضرور باہر لے آؤں گا۔ شیخ ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہ (یعنی جنت میں پہنچنے کے بعد لوگوں کا موحد گناہگاروں کے لئے شفاعت کا طلب گار ہونا) اگر ثابت ہو جائے تو داوردی نے جو حدیث شفاعت پر شبہ کیا ہے کہ موقف کی شدت سے بچانے کے لئے شفاعت ہوگی وہ شبہ حل ہو جائے گا، لیکن حقیقت میں یہ حدیث ضعیف ہے اور صحیح احادیث کے صراحۃً خلاف ہے۔ انبیاء سے درخواست شفاعت تو اس وقت کی جائے گی، جب لوگ موقف قیامت میں ہوں گے، اور مومن جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوئے ہوں گے۔ سیوطی نے لکھا ہے دونوں رواتیوں کا تعارض اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ ایک بار موقف کی شدت سے رہائی کے لئے مومن طلبگار شفاعت ہوں گے اور دوسری بار جنت کے اندر پہنچ کر دوزخی مومنوں کو دوزخ سے نکلوانے کے لئے سفارش کی درخواست کریں گے۔

میں کہتا ہوں تین مرتبہ لوگ شفاعت کے طلب گار ہوں گے ایک بار موقف سے رہائی کے لئے، دوسری بار جنت میں داخل ہونے کے لئے اور تیسری بار دوزخ کے اندر باقی ماندہ مومنوں کے خلاصی کے لئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا ہے کہ میرے رب کے سامنے تین شفاعتوں کا حق ہوگا، جن کا اس نے مجھ سے وعدہ کرلیا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ تین بار آپ شفاعت کریں گے اور مقام محمود مقام شفاعت کا ہی نام ہے، خواہ کوئی سی شفاعت ہو (گویا شفاعتیں متعدد ہوں گی مقام شفاعت ایک ہی ہوگا اور اسی کو مقام محمود کہا گیا ہے)۔

مسئلہ

معتزلہ کا فرقہ اور خوارج شفاعت کے منکر ہیں یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر مرتکب کبیرہ بغیر توبہ کے مر جائے گا تو ہمیشہ کے لئے دوزخی ہو جائے گا، اس کی کوئی شفاعت نہ ہوگی نہ کبھی اس کو دوزخ سے رہائی ملے گی۔ لیکن ثبوت شفاعت کے لئے اتنی کثرت سے صحیح احادیث آئی ہیں کہ حد تواتر کے قریب پہنچ گئی ہیں، بلکہ تواتر معنوی کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔

مسلم نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول ذکر کیا ہے رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کا یہ قول ذکر کیا اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر عرض کیا، امتی امتی، پھر رو دیئے۔ اس پر اللہ نے فرمایا جبرئیلؑ جاکر محمد ﷺ کو یہ پیام پہنچا دے کہ تمہاری امت کے معاملے میں تم کو راضی کردیں گے، دکھ نہیں پہنچائیں گے۔

بزار نے الاوسط میں اور ابو نعیم نے اچھی سند کے ساتھ حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں اپنی امت کے لئے شفاعت کروں گا، یہاں تک کہ میرا رب پکار کر فرمائے گا محمدؐ کیا تو خوش ہو گیا، میں عرض کروں گا جی ہاں میرے رب، میں راضی ہو گیا۔

Marfat.com

ایک حدیث ہے، حضور ﷺ نے فرمایا میرے رب نے مجھے دو باتوں میں سے ایک کو انتخاب کر لینے کا اختیار عطا فرمایا، ایک یہ کہ وہ میری آدھی امت کو بلا حساب کے جنت میں داخل فرمادے گا دوسری یہ کہ وہ مجھے حق شفاعت عطا فرمادے گا۔ میں نے حق شفاعت کو لینا پسند کر لیا، اب میری شفاعت ہر مسلمان کے لئے ہوگی۔ دوسری روایت میں آیا ہے، میری شفاعت ہر اس شخص کے لئے ہوگی جو شرک پر نہ مرا ہو (مرتے وقت مشرک نہ ہو) یہ حدیث عوف بن مالک اشجعی کی روایت سے ترمذی، ابن ماجہ، حاکم، ابن حبان، بیہقی اور طبرانی نے بیان کی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور امام احمد، بزار اور طبرانی نے اچھی سند کے ساتھ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسی اشعریؓ کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے۔ اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے صحیح سند کے ساتھ امام احمد، طبرانی اور بیہقی نے بھی اس کو نقل کیا ہے اس روایت کے آخر میں ہے کیا تم متقیوں کے لئے میری شفاعت خیال کرتے ہو، نہیں شفاعت تو گناہ گاروں، خطاکاروں اور معصیت کے ساتھ آلودہ لوگوں کے لئے ہوگی۔

ایک حدیث میں فرمایا، میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لئے ہوگی جو کبیرہ گناہوں والے ہوں گے، رواہ ابو داؤد والترمذی والحاکم والبیہقی عن انسؓ بن مالک والطبرانی وابو نعیم عن عبدؓ بن بشیر بمعناہ۔ والطبرانی فی الاوسط عن ابن عمرؓ نحوہ و الطبرانی فی الکبیرہ عن ام سلمہؓ بمعناہ والترمذی والحاکم عن جابرؓ بمعناہ و عن کعب بن عجرۃ و عن طاؤس۔

بیہقی نے کہا یہ حدیث مرسل حسن ہے۔ شِفَاعَتِی لِاَہلِ الکَبَائِر کی عبارت تابعین میں بہت زیادہ شائع تھی۔ ان الفاظ سے اصل روایت کی تائیدی شہادت ہو جاتی ہے۔

ابن ابی حاتم نے السنۃ میں حضرت انسؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں برابر اپنے رب سے شفاعت کرتا رہوں گا اور وہ میری سفارش قبول فرماتا جائے گا یہاں تک کہ آخر میں عرض کروں گا، اے میرے رب جو لوگ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے قائل تھے ان کے متعلق میری شفاعت قبول فرمالے۔ اللہ فرمائے گا، محمدؐ یہ اختیار نہ تمہارا نہ کسی اور کا یہ صرف میرا اختیار ہے قسم ہے اپنی عزت و جلال اور رحمت کی۔ میں کسی ایسے شخص کو جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہتا تھا دوزخ میں نہیں چھوڑوں گا۔

ایک حدیث ہے حضور ﷺ نے فرمایا، میں اپنی امت کے برے لوگوں کے لئے بہترین آدمی ہوں میری امت کے جو برے لوگ ہیں ان کو میری شفاعت سے اللہ جنت میں داخل فرمادے گا اور جو اچھے لوگ ہیں ان کو ان کے اعمال کی وجہ سے جنت میں لے جائے گا۔

طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں قیامت کے دن (سب) لوگوں کا سردار ہوں گا۔ (اور میرا یہ قول) بغیر فخر کے ہے قیامت کے دن ہر شخص میرے جھنڈے کے نیچے کشائش کا امیدوار ہوگا میرے ساتھ لواء الحمد ہوگا، لوگوں کو ساتھ لے کر میں جنت کے دروازہ تک جاؤں گا اور دروازہ کھلوانے کی درخواست کروں گا، دریافت کیا جائے گا کون ہے، میں عرض کروں گا محمدؐ ہے، حکم ہوگا، خوش آمدید محمدؐ! جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو اداء شکر کے لئے سجدہ میں گر پڑوں گا، حکم ہوگا اپنا سر اٹھاؤ، اظہار مدعا کرو تم کو تمہارا سوال دیا جائے گا۔ شفاعت کرو۔ تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی، مجرم اللہ کی رحمت اور میری شفاعت سے دوزخ سے نکال لئے جائیں گے۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں جہنم کی طرف جا کر اس کا دروازہ بجاؤں گا، دروازہ کھول دیا جائے گا۔ میں اندر چلا جاؤں گا۔ اور اللہ کی ایسی ثنا کروں گا کہ نہ مجھ سے پہلے کسی نے ثنا کی ہوگی نہ میرے بعد کوئی کرے گا پھر اس کے اندر سے ہر اس شخص کو نکال لاؤں گا جو خلوص کے ساتھ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا قائل تھا کچھ قریشی میری طرف اپنا رشتہ قرابت بتاتے ہوئے بڑھیں گے لیکن میں ان کو دوزخ میں ہی چھوڑ دوں گا۔ بخاری نے حضرت

Marfat.com

عمران بن حصینؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے۔ کہ کچھ لوگ محمد ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے وہ جنت والوں میں جہنمی کہلائیں گے۔ شیخین میں حضرت جابرؓ کی مرفوع روایت آئی ہے کہ شفاعت کی وجہ سے اللہ کچھ لوگوں کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل فرمادے گا۔

طبرانی نے اچھی سند کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اس قبلہ والوں میں سے اتنے لوگ اپنی گناہ گاری اور معصیت کوشی کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے کہ ان کی گنتی سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا، مجھے شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی تو میں سجدہ میں پڑ کر اللہ کی ویسی ہی ثنا کروں گا جیسی کھڑا ہو کر کروں گا حکم ہو گا اپنا سر اٹھاؤ اور مانگو جو کچھ مانگنا چاہو تمہارا سوال پورا کیا جائے گا اور شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول کی جائیگی۔

احمد اور طبرانی نے ایسی سند کے ساتھ جس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ فرمائے گا۔ محمد ﷺ میں نے جو بھی نبی یا رسول بھیجا اس نے مجھ سے کچھ نہ کچھ مانگا اور میں نے وہ مانگ اس کی پوری کی، محمدؐ تم بھی مانگو تم کو تمہاری مانگ دی جائے گی۔ میں عرض کروں گا میری مانگ اپنی امت کے لئے قیامت کے دن شفاعت کرنے کی ہے، حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ شفاعت کیسی۔ فرمایا میں عرض کروں گا، اے میرے رب مجھے وہ شفاعت عطا فرما، جو میں نے تیرے پاس محفوظ رکھی تھی، اللہ فرمائے گا ہاں پھر میری باقی امت کو بھی جنت میں داخل فرمادے گا۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اور مسلم نے حضرت انسؓ و حضرت جابرؓ کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے اور بزار و بیہقی نے حضرت عبد الرحمن بن عقیلؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہوتی ہے، چنانچہ ہر نبی نے اپنی دعا میں عجلت کی (اور وہ قبول کر لی گئی) مگر میں نے اپنی دعا امت کی شفاعت کے لئے محفوظ رکھ چھوڑی۔ سیوطی نے کہا یہ حدیث معنی کے لحاظ سے متواتر ہے۔

صحیحین میں حضرت عمر فاروقؓ کی روایت سے مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس امت میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو (کتخد ازانی وزانیہ کو) سنگ سار کرنے کے حکم کی اور خروج دجال کی تکذیب کریں گے اور مغرب کی جانب سے آفتاب کے طلوع ہونے کی خبر کو بھی نہیں مانیں گے اور عذاب قبر کے بھی منکر ہوں گے اور شفاعت کا بھی انکار کریں گے اور اس بات کو بھی نہیں مانیں گے کہ کچھ دوزخیوں کو دوزخ کے اندر سوختہ ہو جانے کے بعد نکالا جائے گا۔ اور پھر ان کو جنت میں پہنچا دیا جائے گا۔

سعید بن منصور اور بیہقی اور ہناد نے حضرت انسؓ کا قول نقل کیا کہ جو شفاعت کا قائل نہ ہو گا اس کو شفاعت نصیب نہ ہو گی اور جو رسول اللہ ﷺ کے حوض کو نہ مانے گا اس کو حوض سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

ابو نعیم نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میری امت کے دو قسم کے لوگوں کو میری شفاعت حاصل نہ ہو گی۔

(۱) مرجیہ (وہ فرقہ جو کہتا ہے کہ اعمال ہیچ ہیں اگر ایمان دل میں ہے تو کوئی بد عملی آخرت میں ضرر رساں نہ ہو گی، کوئی مومن خواہ کتنا ہی بد کردار ہو دوزخ میں نہیں جائے گا)

(۲) قدریہ (وہ فرقہ جو قائل ہے کہ ہم اپنے اعمال کے خود خالق ہیں اور تقدیر اعمال کوئی چیز نہیں ہم جس طرح چاہیں کر سکتے ہیں خیر ہو یا شر)

بیہقی نے شبیب بن ابی فضلہ مکی کی روایت سے بیان کیا کہ لوگوں نے حضرت عمران بن حصین کے سامنے شفاعت کا تذکرہ کیا ایک شخص بولا ابو نجید (حضرت عمران کی کنیت) آپ لوگ کچھ ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں جن کا ذکر قرآن میں ہم کو

Marfat.com

قطعاً نہیں ملیک حضرت عمران کو غصہ آگیا اور فرمایا تو نے قرآن پڑھا ہے اس شخص نے کہا جی ہاں فرمایا کیا قرآن میں تو نے نماز عشاء کی چار رکعتیں، مغرب کی تین رکعتیں، فجر کی دو رکعتیں، ظہر کی چار رکعتیں اور عصر کی چار رکعتیں، کہیں پائی ہیں اس شخص نے کہا نہیں فرمایا پھر کس سے تم نے یہ باتیں سیکھیں کیا ہم سے نہیں لیں۔ ہم نے یہ تفصیل رسول اللہ ﷺ سے ہی تو حاصل کی، کیا تم نے ہر چالیس درہم میں زکوٰۃ کا ایک درہم اور اتنی بکریوں میں سے ایک بکری اور اتنے اونٹوں میں ایک اونٹ قرآن میں کہیں لکھا پایا، اس شخص نے کہا نہیں۔ فرمایا تم نے قرآن میں وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ تو دیکھ لیا لیکن کیا یہ بھی لکھا دیکھا ہے کہ سات مرتبہ طواف کرو اور مقام ابراہیمؑ کے پاس دو رکعت نماز پڑھو یہ باتیں تم نے کس سے لیں کیا ہم سے نہیں لیں اور ہم نے رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیں، لوگوں نے کہا بے شک ایسا ہی ہے، فرمایا کیا قرآن میں تم نے کہیں پایا کہ شہر سے باہر نکل کر دیہات سے غلہ لانے والوں کا غلہ راستے میں ہی نہ خرید لیا کرو۔ جلب کی اجازت نہیں اور نہ تور کا نکاح صحیح (کوئی شخص اپنی بہن بیٹی کا نکاح اس شرط پر کسی سے کردے کہ وہ اپنی بہن بیٹی کا نکاح معاوضہ میں اس کے ساتھ کردے، اور مہر کسی عورت کا کچھ نہ ہو اس کو شغار یا تور کا نکاح کہتے ہیں شریعت میں اس کی اجازت نہیں) لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا اللہ نے اپنی کتاب میں فرمادیا ہے۔ مَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (رسول اللہ ﷺ جو کچھ تم کو دیں اس کو لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے باز رہو) ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بہت سے ایسے مسائل و احکام حاصل کئے جن کا تم کو علم بھی نہیں ہے۔

بغوی نے بیان کیا کہ یزید بن صہیب فقیر نے کہا خوارج کی رائے نے مجھے فتنہ میں ڈال دیا تھا (یعنی بعض مسائل میں میں ان کا ہم خیال ہو گیا تھا) ایک بار حج کے ارادے سے ایک جماعت کے ساتھ ہم چلے اور مدینہ کی طرف سے گزر ہوا تو وہاں جابر بن عبداللہؓ رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کر رہے تھے اور جہنمیوں کا انہوں نے ذکر کیا تھا، میں نے حضرت جابرؓ سے کہا اے رسول اللہ ﷺ کی صحابی آپ یہ کیا بیان کر رہے ہیں اللہ نے تو فرمایا ہے اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ. كُلَّمَا اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا (بے شک تو جس کو آگ میں داخل کردے گا اس کو رسوا کردے گا۔ اور دوزخی جب دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو ان کو دوزخ کے اندر ہی لوٹا دیا جائے گا)۔

حضرت جابرؓ نے فرمایا جوان اتم قرآن پڑھتے ہو میں نے کہا جی ہاں فرمایا کیا تم نے محمدؐ کے مقام محمود کا ذکر پڑھا ہے جس میں آپ کو اللہ کھڑا کرے گا، میں نے کہا جی ہاں فرمایا، بس یہی مقام محمود محمد ﷺ کا مقام ہوگا، جس کی وجہ سے اللہ جس دوزخی کو نکالنا ہوگا۔ نکال دے گا پھر حضرت جابرؓ نے پل صراط کی حالت بیان کی اور پل صراط پر سے لوگوں کے گزرنے کی تشریح کی اور فرمایا کچھ لوگ دوزخ کے اندر سے نکال لئے جائیں گے۔

فصل

شفاعت انبیاء وغیرہ کا بیان

ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت عثمانؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ قیامت کے دن انبیاء شفاعت کریں گے پھر علماء پھر شہداء۔ بزار کی روایت میں اس سے آگے اتنا زائد ہے پھر موذن.... دیلمی نے حضرت ابن عمرؓ کی موقوف روایت نقل کی ہے کہ عالم سے کہا جائے گا اپنے شاگردوں کی شفاعت کر خواہ ان کی تعداد آسمان کے تاروں کو پہنچ جائے۔ ابو داؤد اور ابن حبان نے حضرت ابو درداءؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ شہید اپنے ستر گھر والوں کی شفاعت کرے گا۔ احمد اور طبرانی نے اسی طرح کی حدیث حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت سے اور ابن ماجہ نے حضرت مقدام بن معد یکربؓ کی روایت سے اور بیہقی نے بروایت حسن بصری اور حاکم و بیہقی و ہناد نے حضرت حارث بن قیس کی روایت سے اور احمد نے حضرت ابو بردہؓ کی روایت سے اور ہناد نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اور احمد و طبرانی و بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو امامہؓ کی روایت سے بیان کی ہے ان سب حضرات نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میری امت کے ایک آدمی کی شفاعت سے قبائل ربیعہ و مضر سے بھی زیادہ

Marfat.com

تعداد جنت میں داخل ہو جائے گی۔
بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ دوسرے انبیاءؑ، اولیاء، علماء بھی شفاعت کریں گے۔

ایک شبہ

جب رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے ہر گناہ گار دوزخ سے رہا کر دیا جائے گا اور کوئی دوزخ میں باقی نہیں رہے گا تو پھر دوسرے انبیاءؑ اور اولیاء کی شفاعت کا کیا اثر ہو گا۔

ازالہ

ممکن ہے دوسرے انبیاءؑ کی شفاعت اپنی اپنی امتوں کے لئے مخصوص ہو۔ شفاعت عامہ نہ ہو اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت صرف اپنی امت کے لئے خاص نہ ہو، دوسری امتوں کو بھی شامل ہو رہے انبیاءؑ کے لئے علاوہ دوسرے لوگ تو ممکن ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے درخواست کریں کہ حضور ﷺ اللہ سے شفاعت کر دیں یا رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے ان کو شفاعت کرنے کی اجازت مل جائے گی۔

بیہقی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا تھا کہ شِفَاعَتِی لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِی (میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لئے ہو گی جو مرتکب کبیرہ ہوئے ہوں گے) یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ ملائکہ اہل کبائر کی شفاعت نہیں کریں گے، ہاں چھوٹے گناہوں کی معافی اور لوگوں کے درجات کی ترقی کے لئے شفاعت کریں گے۔

حضرت مجدد رحمہ اللہ نے فرمایا اول اللہ نے فرمایا وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ اس کے بعد فرمایا عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ اس ترتیبِ ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ تہجد کی نماز کو مقام شفاعت حاصل ہونے میں بڑا دخل ہے۔

ترمذی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ میں تھے پھر آپ کو ہجرت کا حکم دے دیا گیا اور آیات ذیل کا نزول ہوا۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِىْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِىْ مُخْرَجَ صِدْقٍ اور دعا کرو کہ اے میرے رب مجھے خوبی کے ساتھ پہنچانا اور مجھے خوبی کے ساتھ لے جانا۔

مُدْخَلَ صِدْقٍ سے مراد مدینہ اور مُخْرَجَ صِدْقٍ سے مراد مکہ ہے۔ حسن اور قتادہ کا یہی قول ہے۔ مُدْخَل اور مُخْرَج اسم ظرف ہیں۔ داخل اور خارج ہونے کی جگہ۔ یہ دونوں مصدر ہیں اس صورت میں آیت کا مطلب اس طرح ہو گا کہ مجھے مدینے میں اس طرح داخل فرما کہ میرے سامنے کوئی ناگوار صورت نہ آئے اور مکہ سے ایسے پسندیدہ طریقہ سے نکال کہ میری قلبی توجہ اور میلانِ خاطر بھی مکہ کی سکونت کی جانب باقی نہ رہے۔ ضحاک نے تشریح معنی اس طرح کی ہے کہ مجھے مکہ سے امن کی حالت میں نکال کہ مشرک مجھے دکھ نہ پہنچا سکیں اور مدینہ میں اس طرح داخل فرما کر مجھے وہاں اقتدار اعلیٰ حاصل ہو جائے۔ مجاہد نے کہا داخل کرنے سے مراد ہے فریضۂ نبوت کی ادائیگی میں داخلہ اور خارج کرنے سے مراد ہے فرض نبوت کی انجام دہی سے فراغت۔ یعنی جو امر نبوت تو نے میرے سپرد کیا ہے۔ اس میں صدق کے ساتھ مجھے داخل فرما، اور صدق ہی کے ساتھ مجھے اس فرض کی ادائیگی کی توفیق عطا فرما۔ جب میں دنیا سے جاؤں تو نبوت کے فریضے کو کامل طور پر ادا کر چکا ہوں۔ حسن نے کہا مُدْخَلَ صِدْقٍ سے مراد ہے جنت اور مُخْرَجَ صِدْقٍ سے مراد ہے مکہ۔

میں کہتا ہوں جب مُدْخَلَ صِدْقٍ سے مراد جنت ہو تو مُخْرَجَ صِدْقٍ سے دنیا سے جانا اگر مراد لیا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ بیضاوی نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ مجھے قبر میں خوشگوار طریقے سے داخل فرما اور قیامت کے دن قبر سے عزت کے ساتھ اٹھا، بعض نے اس طرح تشریح مطلب کی، مجھے اپنی طاعت میں داخل فرما اور ممنوعات سے نکال دے۔ بعض نے کہا کسی جگہ میں داخلہ خارجہ ہو یا امر میں بہر حال صدق کا لفظ ذکر کرنے سے یہ مراد ہے کہ مجھے داخل کرنے میں ہو یا خارج

Marfat.com

کرنے میں، دونوں صورتوں میں دور خالور ذو غلانہ بنا۔ دور خا آدمی اللہ کے نزدیک باعزت نہیں ہوتا۔ یاداخل وخارج کرنے سے مراد ہے غار میں داخل کرنا اور وہاں سے نکالنا۔ صدق اور کذب اصل میں کلام خبری کی صفات ہیں۔ کوئی خبر یا اطلاع ہی سچی یا جھوٹی ہوتی ہے۔ لیکن انشاء (یعنی امر، استفہام، نہی وغیرہ) کو بھی کبھی صادق وکاذب کہہ لیتے ہیں۔ لیکن یہ اطلاق مجازی ہوتا ہے انشاء کے اندر اگر خبر کا معنی ہوتا ہے تو اس کو بھی سچایا جھوٹا کہہ لیا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی دریافت کرتا ہے، کیا زید گھر میں ہے۔ یہ جملہ اگرچہ سوالیہ انشائیہ ہے لیکن اس سے پتہ چلتا ہے سوال کرنے والا کہہ رہا ہے کہ گھر کے اندر زید کے موجود ہونے نہ ہونے کا مجھے علم نہیں، اس لئے دریافت کر رہا ہوں، پس دریافت کرنا اس بات کو ظاہر کر رہا کہ سوال کرنے والا اپنی لاعلمی کی خبر دے رہا ہے، یہ تو قول اور کلام کے لئے صدق و کذب کا استعمال ہوتا ہے لیکن کبھی صدق و کذب کسی عمل اور فعل کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص لڑائی کا حق کامل طور پر ادا کر دے اور خوب لڑے، کوشش میں کمی نہ کرے تو عرب کہتے ہیں هُوَ صَدَقَ فِي الْقِتَالِ۔ اللہ نے فرمایا ہے رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ یعنی کچھ لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کر رکھا تھا اس کو پورے طور پر ادا کیا۔ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا اللہ نے اپنے رسول کو وہ خواب سچ کر دکھایا۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی ہر عمدہ، اعلیٰ وافضل کام کو صدق کہہ دیا جاتا ہے اور پھر کسی عمل یا چیز کی صدق کی طرف اضافت کر دی جاتی ہے، جیسے فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ۔ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ۔ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ۔ اسی محاورہ کے مطابق اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ ہے یعنی مجھے ایسا دخول وخروج عنایت فرما کہ اگر کوئی اس کو دیکھ کر تعریف کرے تو اس کی تعریف سچی ہو۔

وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾ اور اپنے پاس سے مجھے ایسا غلبہ دینا جس کے ساتھ نصرت ہو۔

مجاہد نے سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا کا ترجمہ کیا کھلی ہوئی غالب دلیل۔ حسن نے کہا، ایسی طاقتور حکومت جس سے مخالفوں پر غلبہ حاصل ہو جائے۔ اور ایسی نمایاں طاقت جس سے دین کا قیام واستحکام ہو جائے۔ اس دعا کے نتیجہ میں اللہ نے فارس اور روم وغیرہ کی حکومتیں عطا فرمانے کا وعدہ فرمالیا (اور چند ہی روز میں اقتدار کامل عطا فرمادیا)۔

قتادہ نے کہا، رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھا کہ بغیر اللہ کی مدد کے اقامت دین اور احکام قرآنی کا قیام نہیں ہو سکتا، اس لئے آپ ﷺ نے سلطان نصیر کی درخواست کی۔

میں کہتا ہوں اللہ نے آپ کو یہ بتادیا تھا اور اس بات کا علم عطا فرمادیا تھا کہ اقامت دین کے لئے من جانب اللہ نصرت کی ضرورت ہے اسی لئے حکم دے دیا تھا کہ اللہ سے مدد کی درخواست کریں۔

بعض علماء نے کہا کہ کفر پر اسلام کو فتحیاب بنانے کی غرض سے رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے دلیل واضح اور اقتدار حکومت کی درخواست کی تھی اور اللہ نے آپ ﷺ کی اس دعا کو قبول فرمالیا، اور ارشاد فرمایا، فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ اور فرمایا لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ۔

وَقُلْ اور (اے محمد ﷺ فتح مکہ کے وقت جب آپ شہر میں داخل ہوں تو) کہیے۔

جَآءَ الْحَقُّ حق (یعنی اسلام یا قرآن یا خالص اللہ کی عبادت کا وقت) آگیا۔

وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اور باطل گیا، یعنی شرک برباد ہو گیا، بتوں کی پوجا کا دور گیا زَهَقَ کا معنی ہے خَرَجَ۔ زَهَقَ رُوْحُهٗ اس کی روح نکل گئی۔

اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ باطل بلاشبہ برباد ہونے والا ہی ہے یعنی باطل اس قابل ہی ہے کہ فنا ہو جائے قائم نہ رہے۔ باطل ہوتا ہی بے بنیاد ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن کعبہ میں داخل ہوئے اس زمانہ میں کعبہ کے گرداگرد

Marfat.com

۳۶۰ استھان تھے، اس وقت دست مبارک میں لکڑی تھی، آپ اس لکڑی کی نوک سے ہر بت کو کچوکا دیتے جارہے تھے اور فرماتے جارہے تھے جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ - وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ رواہ البخاری و مسلم والترمذی و النسائی۔ طبرانی نے الصغیر میں اور ابن مردویہ نے الدلائل میں اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ اور قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لئے شفا اور رحمت ہیں۔ یعنی کفر و جہالت کی بیماری کے لئے شفا اور دلوں کی تاریکی کو دور کرنے والی روشنی ہے۔ روحوں کی کثافت کو زائل کرنے کے لئے جلاء ہے۔ قلبی اور نفسانی میل کو صاف کرنے والی ہے اور اندرونی اخلاق رذیلہ کو دفع کرنے والی ہے۔ اس صورت میں مِنَ الْقُرْاٰنِ میں مِنْ بیانیہ ہوگا۔ بعض علماء کے نزدیک من تبعیضیہ ہے اور شفاء سے مراد ہے امراض جسمانی کی شفاء یعنی قرآن کا کچھ حصہ مثلاً سورۂ فاتحہ وغیرہ جسمانی بیماری کو دور کرنے والا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا عَلَيْكُمْ بِالشِّفَائَيْنِ الْعَسَلُ وَالْقُرْاٰنُ تم دونوں (اسباب) شفاء کو اختیار کرو شہد اور قرآن (ظاہر ہے کہ شہد بعض جسمانی بیماریوں کی دوا ہے اور شہد کے ساتھ قرآن کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس لئے کہنا پڑے گا کہ قرآن بھی جسمانی مرض کی شفاء ہے۔ یہ مطلب اور استنباط کمزور ہے۔ مترجم)۔

مومنوں کے لئے رحمت ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ اس کو مانتے اور اس پر عمل کرتے ہیں ان کو قرآن سے دنیوی اور اخروی فوائد حاصل ہوں گے۔

وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝۸۲ اور جو ظالم یعنی قرآن کے منکر ہیں ان کے لئے اس سے نقصان اور بڑھے گا۔ کفر اور تکذیب کی وجہ سے ان کے نقصان میں مزید اضافہ ہوگا۔ قتادہ کا قول ہے اس قرآن کے ساتھ جو کوئی بیٹھتا ہے وہ کچھ اس سے لے کر اٹھتا ہے یا کچھ نقصان کر کے۔ اللہ فیصلہ کر چکا ہے کہ یہ قرآن مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے اور کفار کے لئے موجب خسارہ۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ اور آدمی کو جب ہم نعمت عطا کرتے ہیں تو منہ موڑ لیتا ہے۔ نعمت سے مراد ہے جسمانی صحت، مالی وسعت اور نزولِ قرآن۔ اعراض کرنے سے یہ مراد ہے کہ وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا۔

وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ اور پہلو پھیر لیتا ہے۔ یعنی اپنی گردن نیوڑا لیتا ہے۔ پہلو کو موڑ لیتا ہے، گویا وہ اس کا ضرورت مند نہیں ہے، مستغنی ہے۔

وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَــُٔوْسًا ۝۸۳ اور جب اس کو کوئی برائی (ناداری یا بیماری) چھو بھی جاتی ہے تو بالکل نراس ہو جاتا ہے۔ اللہ کی رحمت کا امیدوار بھی نہیں رہتا۔

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰي شَاكِلَتِهٖ ۭ آپ کہہ دیجئے ہر شخص (شکر گزار ہو یا ناشکرا) اپنے طریقے پر کام کر رہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے شَاكِلَة کا ترجمہ کیا اپنی سمت اور اپنے رخ پر جس کی طرف اس کا جھکاؤ ہو، خواہ ہدایت ہو یا گمراہی۔ قتادہ اور حسن نے کہا اپنی نیت پر یعنی جو شخص دنیا کی طرف مائل ہوتا ہے وہ اپنے عمل سے دنیوی بہبود حاصل ہونے کا خواستگار ہوتا ہے اور جو آخرت کا طلبگار ہوتا ہے، وہ اپنے عمل میں اللہ کی خوشنودی اور آخرت کی بہتری کی نیت رکھتا ہے۔ مقاتل نے شَاكِلَة کا ترجمہ کیا جبلت سرشت۔ فراء نے کہا خلقی اور سرشتی طریقے پر ہر شخص کام کرتا ہے۔

قتیبی نے طبیعت اور پیدائشی حالت کہا ہے۔ الفاظ مختلف ہیں مطلب سب کا ایک ہے، سب اقوال میں وہ پیدائشی صلاحیت و استعداد مراد ہے جو اللہ نے ہر شخص کے اندر رکھ دی ہے، یہی مفہوم ہے رسول اللہ ﷺ کے اس قول کا کہ ہر شخص کو اسی بات کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ متفق علیہ عن علیؓ بن ابی طالب مرفوعاً۔

Marfat.com

حضرت ابودرداءؓ کا بیان ہے، ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے اور باہم گفتگو کر رہے تھے کہ کیا ہونے والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے تو سچ مان لینا، لیکن اگر یہ سنو کہ کوئی شخص اپنی سرشت سے بدل گیا ہے تو نہ ماننا کیونکہ وہ (عارضی طور پر اگرچہ اپنی سرشت کو چھوڑے ہوئے نظر آئے گا۔ لیکن بالآخر) اسی جبلت کی طرف لوٹ آئے گا جس پر اس کی تخلیق ہوگی۔ رواہ احمد۔

استعداد فطری کیا ہے

ہر شخص کے اندر ایک خاص کیفیت ابتداءِ آفرینش سے موجود ہے جو پیدا کرنے والے کی صفت کا عکس اور پرتو ہے، خالق کے اندر ہادی ہونے کی صفت بھی ہے اور مُضِل ہونے کی بھی، جس صفت کا پرتو جس شخص پر پڑتا ہے وہی کیفیت فطرتاً اس شخص کے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر ہر شخص کی مزاجی ترکیب چار عناصر سے ہوئی ہے اور عناصر کی طبیعتوں میں تضاد ہے پس جس عنصر کی خاصیت کا جس شخص پر فطرتاً غلبہ ہوتا ہے اسی کے مناسب فطری خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اجزاء زمین کی خصوصیات بھی گوناگوں ہیں۔ سرخ، سفید، سیاہ اور متوسط، نرم، سخت، بری، اچھی اس اختلاف ارضی کی وجہ سے بھی اختلاف تخلیقی ہو جاتا ہے ایک حدیث کا مفہوم بھی یہی ہے۔ پس فاعلِ مطلق کی خصوصی صفات کی اثراندازی اور مادہ تخلیقی کی مختلف طور پر اثرپذیری سے جو پیدائشی صلاحیت میں اختلاف ہو جاتا ہے یہی استعداد فطری کا اختلاف ہے۔

بعض علماء نے عَلٰی شَاكِلَتِهٖ کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ ہر شخص اسی راستہ پر چلتا ہے جو اس نے اپنے لئے اختیار کر لیا ہوتا ہے۔

بیضاوی نے کہا ہر شخص اس راستہ پر چلتا ہے جو اس کی حالت کے مناسب ہوتا ہے گمراہی کا ہو یا ہدایت کا یا اس راستہ پر چلتا ہے جو اس کے جوہر روح اور ان احوال کے مناسب ہوتا ہے جو اس کے مزاج جسمانی کا تقاضا ہیں۔

صاحبِ قاموس نے لکھا ہے شَاكِلَة شکل، صورت، مثل۔ ہر وہ حالت جو مناسب ہو۔ کسی چیز کی محسوس یا وہمی صورت، سمت، نیت، طریقہ، مذہب۔

۹ع۷ ۹ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ سو تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون زیادہ صحیح راستہ پر ہے، یعنی کس کے عقیدے اور عمل کا راستہ حق تک پہنچانے والا ہے اور کس کا عملی اور اعتقادی راستہ ٹیڑھا ہے اور کجی ہے تو کتنی ہے کم یا زیادہ۔

بخاریؒ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ کے کھیتوں میں ایک بار جا رہے تھے، میں بھی ساتھ تھا، آپ کے پاس کھجور کی ایک شاخ تھی آپ اس پر ٹیک لگائے چل رہے تھے، چلتے چلتے یہودیوں کی ایک جماعت کی طرف سے گزرے۔ حضور ﷺ کو دیکھ کر یہودی باہم کہنے لگے، ان سے روح کے متعلق دریافت کرو۔ ایک شخص بولا کچھ مت پوچھو، کہیں ایسا جواب نہ دے دیں جو تم کو ناگوار ہو، دوسرے نے کہا ہم ضرور پوچھیں گے، چنانچہ ایک یہودی نے کھڑے ہو کر روح کے متعلق حضور ﷺ سے دریافت کیا، آپ کچھ دیر خاموش رہے، میں سمجھ گیا کہ وحی ہونے والی ہے میں بھی کھڑا ہو گیا، کچھ دیر میں جب وحی کی حالت دور ہو گئی تو آپ ﷺ نے مندرجہ ذیل آیت تلاوت فرمائی۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۖ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ اور یہ لوگ آپ سے (بطور امتحان) روح کے متعلق پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے، یعنی روح اس کائنات میں سے ہے جس کی ایجاد بغیر مادہ کے صرف لفظ کن سے ہوئی ہے۔ اعضائے جسم کی پیدائش کی طرح اس کی پیدائش کسی مادی اصل سے نہیں ہے۔ سوال کرنے والوں کے سمجھ کے اندازے کے مطابق جواب دے دیا گیا جس سے اتنا معلوم ہو گیا کہ دوسری مادی مخلوق کی طرح روح کی ہستی نہیں ہے، بلکہ سب سے الگ ہے لیکن یہودیوں نے تو روح کی حقیقت دریافت کی تھی اور حقیقتِ روح اس

Marfat.com

جواب سے واضح نہیں ہوئی۔ اس لئے آگے فرمایا۔

وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۵﴾ اور (غیر مادی) اشیاء کا تم کو علم نہیں دیا گیا ہے مگر تھوڑا سا۔ یعنی اتنا جتنا تم اپنے حواس کے ذریعہ حاصل کر سکو۔ نظری حقائق کا علم بدیہیات سے حاصل ہوتا ہے اور بدیہیات کا علم احساسِ جزئیات سے (اس طریقے کے علاوہ نظری علوم حاصل کرنے کا اور کوئی راستہ نہیں) اسی لئے کہا گیا ہے کہ جس نے حس کو کھو دیا اس نے علم کو کھو دیا، یہی وجہ ہے کہ اکثر غیر محسوس چیزوں کے اجزاء اور ذاتیات تک جس کی رسائی نہیں ہے ان کا علم محض امتیازی اوصاف اور خواص کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور الفاظ کی وضع یا تو محسوس چیزوں کے لئے کی جاتی ہے یا ان نامحسوس چیزوں کے لئے جن کے حصول علمی کا ذریعہ محسوس اشیاء ہوتی ہے۔ فرعون نے جب حضرت موسیٰؑ سے کہا مَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔ رب العالمین کون۔ اس کی کیا حقیقت ہے تو جواب میں حضرت موسیٰؑ نے رب العالمین کے بعض خصوصی اوصاف کا ذکر کیا (حقیقت نا معلوم تھی اس کو بتانے کے لئے الفاظ ہی نہ تھے اس لئے حقیقت کا کامل بیان نہ کر سکے) لیکن اس آیت سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ حقیقت روح کا علم رسول اللہ ﷺ اور بعض مخصوص روشن بصیرت رکھنے والے اولیاء کے لئے بھی ناممکن تھا کیونکہ انبیاءؑ اور مخصوص اولیاء کا علم کسبی نہیں ہوتا، ان کو علم کے لئے وساطت حواس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کا علم محض الہامی اور انکشافی ہوتا ہے۔ غور و فکر کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ نورانی اور لمعاتی ہوتا ہے وہ دلوں کے کانوں سے وہ آوازیں سنتے ہیں جو چہرے کے کانوں سے سنائی نہیں دیتیں اور چشمِ بصیرت سے وہ چیزیں دیکھتے ہیں جو چشم بصر سے نہیں دیکھی جا سکتیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ نے فرمایا ہے میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے برابر میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ مجھے اس سے محبت ہو جاتی ہے اور جب مجھے اس سے محبت ہو جاتی ہے تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے (یعنی اس کا سننا میرا سننا اور اس کا دیکھنا میرا دیکھنا ہو جاتا ہے، وہ کسی چیز کو ہاتھ سے پکڑتا ہے تو گویا میں پکڑتا ہوں اور وہ اپنے قدموں سے چلتا ہے تو گویا میں چلتا ہوں۔ مترجم)

اصحابِ بصیرت کو حقیقت روح کا علم ہوتا ہے۔ اربابِ انکشاف نے صراحت کی ہے کہ روح سفلی ایک ہے جس کو نفس کہا جاتا ہے اور علوی ارواح پانچ ہیں قلب، روح، سر، خفی، اخفی، ان سب میں ذاتی فرق بھی ہے اور صفاتی بھی۔ ہر ایک کی ذات دوسرے کی ذات اور ہر ایک کے اوصاف دوسرے کے اوصاف سے ممتاز ہیں کسی کا کسی سے اشتباہ نہیں۔ لیکن بعض لوگوں کو ان میں باہم اشتباہ ہو جاتا ہے بلکہ یہ تمام علوی ارواح اتنی لطیف ہیں کہ مراتب وجوب کے ساتھ ان کا اشتباہ ہو جاتا ہے اسی اشتباہ کی وجہ سے بعض لوگ کہہ اٹھے تھے، میں نے تیس برس روح کی عبادت کی۔ تیس برس کے بعد اللہ نے روح کی حقیقت کا اور روح کے ممکن و حادث ہونے کا اس پر انکشاف کر دیا اور وہ بول اٹھا۔ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ۔

ایک شبہ

ابن مردویہ نے عکرمہؒ کی روایت سے (مرسلاً) بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے آیت مذکورہ صحابہؓ کے سامنے پڑھی تو صحابہؓ نے عرض کیا یہ (حکم یعنی روح کا علم نہ ہونا) تو ہمارے لئے مخصوص ہے (آپ کو تو روح کی حقیقت معلوم ہوگی) فرمایا نہیں بلکہ ہم بھی اور تم بھی سب ہی مخاطب ہیں کسی کو بھی حقیقت روح معلوم نہیں صحابہؓ نے عرض کیا، عجیب بات ہے ایک وقت تو آپ فرماتے ہیں وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا (جس کو حکمت عطا کی گئی اس کو خیر کثیر عطا کر دی گئی) اور دوسرے وقت آپ یہ بات فرماتے ہیں (کہ حقیقت روح مجھے معلوم نہیں۔ روح کو جاننے سے زیادہ حکمت اور خیر کثیر اور کیا ہوگی) اس پر آیت وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ الخ نازل ہوئی۔ یہ روایت بتا رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی روح کی حقیقت معلوم نہ تھی۔

Marfat.com

ازالہ

یہ روایت اگر پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا کا خطاب عام ہے۔ صحابہ اور رسول سب ہی مخاطب ہیں اور سب ہی کو روح کا تھوڑا سا علم عطا کیا گیا ہے اور یہ بات ہے بھی صحیح۔ انبیاء اور ملائکہ کے علوم ہوں یا دوسری مخلوق کے سب کے علوم کی مقدار اللہ کے علم کے مقابلہ میں نہایت حقیر اور قلیل ہے آیت وَلَوْ اَنَّ مَافِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ الخ سے اس کی تائید ہو رہی ہے لیکن اس سے یہ بات ثابت نہیں کہ جو حکمت و معرفت انبیاءؑ اور ان کے مخلص متبعین کو عطا فرمائی گئی ہے (جن کے اندر حقیقت روح کا علم بھی داخل ہے) وہ خیر کثیر نہیں ہے یقیناً جو حکمت انبیاءؑ کو عطا کی گئی ہے (گو وہ اللہ کے علم کے مقابلے میں کتنی ہی حقیر و قلیل ہو پھر بھی) خیر کثیر ہے انسان کے ظاہری و باطنی کمال کی جامع ہے کوئی انسانی کمال اس سے خارج نہیں ہے۔

فائدہ

آیت مذکورہ کی جو تشریح اور شان نزول ہم نے بیان کی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے، لیکن بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ قریش نے جمع ہو کر باہم مشورہ کیا اور کہا محمد ﷺ ہم میں پلے بڑھے ہیں اور ہمیشہ امانت و سچائی کے حامل رہے ہیں کبھی ہم نے کسی جھوٹ کا ان پر شبہ بھی نہیں کیا، لیکن اب انہوں نے وہ دعویٰ کیا جو تم لوگ جانتے ہو، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو مدینہ کے یہودیوں کے پاس بھیج کر دریافت کراؤ، وہ اہل کتاب ہیں دیکھو وہ کیا کہتے ہیں۔ چنانچہ چند آدمیوں کو یہودیوں کے پاس مدینہ میں بھیجا گیا، لوگوں نے جا کر یہودیوں سے دریافت کیا یہودیوں نے جواب دیا، محمدؐ سے جا کر تین باتیں پوچھو، اگر وہ تینوں کا جواب دے دیں یا کسی کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو وہ نبی نہیں ہیں اور اگر دو باتوں کا جواب دیں اور تیسری کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو وہ نبی ہیں۔

(۱) ان سے دریافت کرو وہ نوجوان کون تھے جنہوں نے بھاگ کر کہیں پناہ پکڑی تھی ان کا کیا واقعہ تھا۔

(۲) وہ کون شخص تھا جو مشرق اور مغرب تک پہنچ گیا تھا اس کا کیا واقعہ تھا۔

(۳) روح کیا ہے۔ اس کے متعلق بھی جا کر دریافت کرو۔

قریش نے رسول اللہ ﷺ سے یہ تینوں سوال کئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں کل کو تمہارے سوالوں کے جواب دے دوں گا۔ آپ ﷺ نے انشاء اللہ نہیں فرمایا، اس لئے وحی آنے میں تاخیر ہو گئی۔ مجاہد کے قول میں بارہ دن، بعض اقوال میں پندرہ دن اور عکرمہ کے نزدیک چالیس دن تک تاخیر وحی کی صراحت آئی ہے۔ اہل مکہ کہنے لگے، محمد ﷺ نے ہم سے کل کا وعدہ کیا تھا، لیکن اتنی مدت ہو گئی کچھ بھی نہیں بتلایا، ادھر نزول وحی میں تاخیر ہوئی ادھر اہل مکہ ایسی باتیں کہتے [illegible] ﷺ کو اس کا رنج ہوا (اور سخت رنج ہوا) اسی اثناء میں اچانک ایک روز جبرئیلؑ یہ وحی لے کر آئے وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَيْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ پھر اول سوال کے متعلق نازل ہوا۔ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا۔ دوسرے سوال کے جواب میں نازل ہوا يَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ الخ اور روح کے متعلق ارشاد ہوا قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ۔ ترمذی نے یہ قصہ اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔

ابن کثیر نے دونوں حدیثوں کا تعارض دور کرنے کے لئے تکرار نزول کا قول اختیار کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے اور اتنا زائد بھی لکھا ہے یا یہودیوں کے سوال کے وقت رسول اللہ ﷺ خاموش رہے اس امید پر کہ شاید بیان میں کچھ زیادتی کر دی جائے اگر دونوں حدیثوں میں تطبیق کی کوشش نہ کی جائے تو لازمی طور پر کسی روایت کو ترجیح دینی پڑے گی اور

Marfat.com

ظاہر ہے کہ صحاح کی روایت ہی قابل ترجیح ہے۔ اس کی علاوہ بخاری کی روایت کے راجح ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ (جو راوی ہیں) یہودیوں کے وقت اسی جگہ موجود تھے اور بغوی کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کی دوران قصہ میں موجودگی مذکور نہیں۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی بھی نسبت کی ہے کہ جس روح کے متعلق سوال کیا گیا تھا اس سے مراد حضرت جبرئیلؑ تھے (یعنی جبرئیلؑ کے متعلق یہودیوں نے دریافت کیا تھا) حسن اور قتادہ کا بھی یہی قول منقول ہے۔

میں کہتا ہوں ضحاک کا قول عبد بن حمید اور ابو الشیخ نے اور ایک روایت میں حضرت علیؓ کا قول بغوی نے نقل کیا ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار چہرے ہیں اور ہر چہرے میں ستر ہزار زبانیں ہیں اور تمام زبانوں سے وہ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے، مجاہد نے کہا روح ایک اور مخلوق ہے جو ہیں تو آدمی کی شکل کے، ان کے ہاتھ بھی ہیں، پاؤں بھی ہیں اور وہ کھانا بھی کھاتے ہیں لیکن وہ آدمی نہیں ہیں فرشتے بھی نہیں ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا عرش کے سوا اللہ نے روح سے بڑی اور کوئی مخلوق پیدا نہیں کی اگر وہ چاہے تو ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں اور ان کی ساری موجودات کا ایک لقمہ بنا کر نگل سکتا ہے، اس کی جسمانی ساخت تو فرشتوں جیسی ہے اور چہرے کا ڈول آدمیوں کے چہروں کی طرح ہے، قیامت کے دن وہ عرش کے دائیں جانب کھڑا ہو گا اور تمام مخلوق سے زیادہ اللہ کے قریب ستر حجابوں کے پاس موجود ہو گا اور اہل توحید کی شفاعت کرے گا۔ اگر اس کے اور ملائکہ کے درمیانی نور کا حجاب حائل نہ ہو تو آسمانوں والے اس کے نور سے سوختہ ہو جائیں۔ عبد بن حمید اور ابن المنذر نے عکرمہ کا قول بیان کیا کہ روح فرشتوں سے بھی بڑی مخلوق ہے اور کوئی فرشتہ نازل نہیں ہوتا مگر اس کے ساتھ روح ضرور ہوتا ہے۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ روح سے مراد قرآن ہے اور مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ کا معنی ہے مِنْ وَحِیِ اللّٰہِ۔ بعض کے نزدیک حضرت عیسیٰ مراد ہیں۔ اس قول پر آیت کا مطلب اس طرح ہو گا کہ عیسیٰؑ ویسے نہیں جیسا یہود ان کو جانتے ہیں اور ان کی والدہ پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور نہ ابن اللہ ہیں جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے بلکہ ان کی پیدائش محض اللہ کے حکم سے کلمۂ کن سے بغیر باپ کے ہوئی تھی۔

آیت مندرجہ بالا میں اللہ نے سارے جہان کے علم کا اپنے علم کے مقابلے میں قلیل اور حقیر ہونا ظاہر فرمادیا، آئندہ آیت میں رسول اللہ ﷺ کو کافروں کی طرف سے پہنچنے والے دکھ پر صابر رہنے کی تلقین فرمانے کی غرض سے نعمت وحی کی عظمت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾

اور اگر ہم چاہیں تو جس قدر وحی ہم نے آپ کے پاس بھیجی ہے سب سلب کر لیں پھر (اس کو واپس لانے کے لئے) آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی نہ ملے۔ یعنی اگر ہم چاہیں تو اس قرآن کو واپس لے لیں اور لوگوں کے سینوں سے اس کو نکال دیں اور تحریروں سے مٹادیں، پھر آپ کو کوئی ایسی ہستی نہیں ملے گی جو ہم سے قرآن واپس لینے کی ذمہ داری لے سکے۔

اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ مگر یہ آپ کے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے ایسا نہیں کیا) اس آیت کا مطلب دو طرح سے ہو سکتا ہے (۱) مگر اللہ کی رحمت اگر ہو تو وہ ہی واپس دلوا سکتی ہے (۲) استثناء منقطع ہے، یعنی اللہ کی رحمت نے اس قرآن کو باقی رکھا ہے تمہارے دلوں میں تحریروں میں قائم رکھا ہے، اس مطلب پر اللہ کی طرف سے احسان ہونے کی دوہری صراحت کی گئی ہے، قرآن کا نازل کرنا اور پھر اس کو باقی رکھنا۔ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾

واقعہ یہ ہے کہ اللہ کا فضل آپ پر بڑا ہے کہ اللہ نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا اور اپنی کتاب نازل فرمائی، پھر اس کو تحریروں اور دلوں میں جمع کر لیا اور لوگوں سے بیان کرنے کا حکم دیا اور مقام محمود اور حوض کوثر آپ ﷺ کو عطا فرمائی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ

Marfat.com

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، قیامت سے پہلے قرآن اٹھالیا جائے گا۔ قبل اس کے کہ قرآن اٹھالیا جائے تم اس کو پڑھا کرو (یعنی اس کو سمجھ لو اور اس پر عمل کرو) ایک شخص کہنے لگا یہ تحریریں تو اٹھائی جاسکتی ہیں (کہ نئی نقلیں کرنا لوگ چھوڑ دیں اور پرانی تحریریں بوسیدہ فرسودہ ہو کر مٹ جائیں۔ مترجم) لیکن جو قرآن سینوں میں ہو گا وہ کیسے اٹھالیا جائے گا، فرمایا لوگ رات گزاریں گے سینوں میں قرآن ہو گا پھر اٹھالیا جائے گا صبح کو اٹھیں گے تو کچھ بھی یاد نہ ہو گا اور نہ لکھے ہوئے کاغذوں میں کچھ ملے گا آخر شاعری میں لگ جائیں گے (اور قرآن کی جگہ شاعری لے لے گی)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ نے فرمایا قیامت بپا ہونے سے پہلے قرآن لوٹ کر وہیں چلا جائے گا، جہاں سے اترا تھا، شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح عرش کے گرد اگرد اس کی گن گناہٹ ہو گی، اللہ فرمائے گا کیوں کیا بات ہے قرآن کہے گا اے میرے مالک مجھے پڑھا تو جاتا ہے مگر مجھ پر عمل نہیں کیا جاتا۔ بغوی نے یہی بیان کیا ہے۔

صحیحین میں حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ علم کو اس طرح قبض نہیں کرے گا کہ لوگوں کے سینوں سے کھینچ کر نکال لے بلکہ علماء کو قبض کرلے گا اور جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے جو بغیر جانے فتوے دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کردیں گے۔

امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت زیاد بن لبیدؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض چیزوں کا تذکرہ کیا اور فرمایا، ایسا اس وقت ہو گا جب علم جاتا رہے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ علم کیسے جاتا رہے گا ہم قرآن پڑھیں گے اور اپنی اولاد کو پڑھائیں گے اور ہماری اولاد اپنے بچوں کو پڑھائے گی اور یہ سلسلہ یوں ہی قیامت تک چلتا رہے گا۔ فرمایا، زیادؓ تجھ پر تیری ماں روئے، میں تو تجھے مدینہ کے دانشمند آدمیوں میں سے سمجھتا تھا، کیا یہودی اور عیسائی توریت و انجیل نہیں پڑھتے لیکن توریت و انجیل کے احکام پر عمل نہیں کرتے (یہی حالت مسلمانوں کی ہو جائے گی) ترمذی نے یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے۔ اور دارمی نے حضرت ابو امامہ کی روایت سے بھی یونہی بیان کیا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ میں نے خود حضور ﷺ کو فرماتے سنا علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ فرائض علم میراث سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کیونکہ میں (ہمیشہ نہیں رہوں گا) وفات پا جانے والا آدمی ہوں اور علم بھی قبض کرلیا جائے گا اور فتنے پیدا ہو جائیں گے فریضہ (ترکہء میت کی تقسیم) کے متعلق دو آدمیوں میں اختلاف ہو گا تو کوئی تیسرا آدمی ان دونوں کا فیصلہ کرنے والا نہ ملے گا (یعنی کوئی عالم ہی نہیں رہے گا کہ فیصلہ کر سکے) رواہ الدارمی والدار قطنی۔ حضرت ابن مسعودؓ نے اسی حدیث کو سن کر قرآن کے تحریروں سے زائل ہو جانے اور سینوں سے فراموش ہو جانے کا ذکر فرمایا۔

صحیحین کی حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے کہ قبض علم کی صورت یہ ہو گی کہ علماء نہیں رہیں گے، یہ مطلب نہیں کہ سینوں کے اندر سے قرآن نکال لیا جائے گا، حضرت زیادؓ کی روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ قبض علم کا معنی صرف یہ ہے کہ علم پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ توفیق عمل ختم ہو جائے گی۔ ان تینوں احادیث و روایات کے باہم تعارض کو دور کرنے کے لئے کہا جاسکتا ہے کہ اول علم کے مطابق عمل کی توفیق جاتی رہے گی۔ پھر علماء کی قلت ہو جائے گی۔ چنانچہ یہ زمانہ قلتِ علماء کا ہی ہے پہلے علماء بہت تھے، پھر عمل میں کمزوری آئی، پھر تعلیم و تعلم میں کمی ہوئی اور علماء کم ہو گئے۔

سعید یا عکرمہ کی وساطت سے ابن جریر اور ابن اسحاق نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ سلام بن مشکم یہودیوں کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ارکان جماعت کے نام راوی نے بیان کئے تھے۔ اور عرض کیا ہم آپؐ کا اتباع کس طرح کر سکتے ہیں آپؐ نے تو ہمارا قبلہ بھی چھوڑ دیا اور جو کچھ آپ لائے ہیں یعنی (قرآن) اس میں توریت کی طرح ہم کو کوئی ربط نظر نہیں آتا، ہم پر کوئی ایسی کتاب اتار دو جس کو ہم پڑھیں اور اس کی حقانیت و صداقت کو پہچان لیں، ورنہ جیسا آپ نے بیان کیا ہے ایسا تو ہم بھی پیش کر سکتے ہیں، اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

Marfat.com

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾

آپ کہہ دیجئے کہ اگر (سب) انسان اور جنات متفق ہو کر ایسا قرآن لانے کے لئے جمع ہو جائیں تو اس جیسا قرآن نہیں لا سکیں گے خواہ (باہم مل کر ایک) دوسرے کے مددگار ہو جائیں (اور سب مل کر کوشش کریں) یعنی اگرچہ یہ لوگ بڑے بڑے بلیغ، زبان داں، شاعر اور خالص عرب ہیں لیکن بلاغت، حسنِ ترتیب اور محاسن معنوی کے لحاظ سے قرآن جیسی عبارت نہیں پیش کر سکتے۔ بغوی نے لکھا ہے یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کافروں نے کہا تھا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس جیسا کلام کہہ لیں۔ اللہ نے اس آیت میں کافروں کے اس قول کو غلط قرار دیا، یہ اللہ کی طرف سے ایک معجزہ تھا کہ ویسا ہی ہوا جیسا اس آیت میں دعویٰ کیا گیا تھا۔ باوجود انتہائی کوشش کے کوئی چھوٹی سے چھوٹی سورۃ بھی مقابلہ میں قرآن جیسی نہیں پیش کر سکے۔

بیضاوی نے لکھا ہے آیت میں ملائکہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ملائکہ کوئی کلام قرآن کی طرح اپنا بنایا ہوا پیش بھی کر دیں، تب بھی یہ قرآن انسانوں اور جنات کے لئے تو معجزہ رہے گا اور اس کے معجزہ ہونے میں فرق نہیں آئے گا۔ اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ ملائکہ کے توسط سے تو یہ قرآن پہنچا ہی ہے (انسان اور جن کو وساطت میں کوئی دخل نہیں ہے) میں کہتا ہوں قرآن کی مانند کلام پیش کرنے کی دعوت کا یہ معنی ہے کہ خود بنا کر لاؤ جس میں وحیِ خداوندی کو کوئی دخل نہ ہو۔ اور فرشتے خود ایسا کلام لانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے جس کے خالق وہ خود ہوں اور وہ غیر مخلوق کلام کی طرح ہو، کلام اللہ کے مقابلہ میں کلام بنانے کی کوشش تو کفر ہے اور ملائکہ سے کفر و انکار کا ظہور ممکن نہیں، وہ معصوم ہیں۔

یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ یہ آیت سابق آیت ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا کے مفہوم کی تاکید ہو۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ اور ہم نے لوگوں کے سمجھانے کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کا عمدہ مضمون طرح طرح سے بیان کیا ہے۔

صَرَّفْنَا یعنی بار بار، طرح طرح سے وضاحت اور تاکید کر کے ہم نے بیان کیا۔

مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ہر مقصد اور معنی، عبرتیں، احکام، وعدہ، وعید وغیرہ۔

مَثَل کہاوت اپنے اندر ندرت رکھتی ہے قرآن کے اندر بھی ندرت ہے حسن ہے، دل نشینی ہے، یہ بھی ان اوصاف میں مثل کی طرح ہے۔

فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾ پھر بھی اکثر لوگ بے انکار کیسے نہ رہے۔ یعنی اکثر لوگوں نے سوائے کفر و انکار کے قرآن کی ہدایت میں سے کسی بات کو قبول کرنا پسند نہیں کیا۔

بغوی نے بوساطت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ کا مندرجہ ذیل بیان نقل کیا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو سفیان بن حرب اور قبیلۂ عبد الدار کا ایک اور آدمی (بقول بغوی نضر بن حارث) اور ابو البختری، اسود بن المطلب، زمعہ بن اسود، ولید بن مغیرہ، ابو جہل بن ہشام، عبد اللہ بن ابی امیہ، امیہ بن خلف، عاص بن وائل، نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج اور ان کے ساتھ کچھ اور لوگ سب کے سب غروب آفتاب کے بعد کعبہ کی پشت کے پاس جمع ہوئے اور باہم مشورہ کیا کہ کسی کو محمد ﷺ کے پاس بھیج کر ان کو بلواؤ اور ان سے بات چیت کرو اور جھگڑا طے کر لو تاکہ اتمام حجت ہو جائے اور پھر تم جو کچھ کرو تم کو معذور سمجھا جائے، چنانچہ ایک شخص کو بھیج کر یہ پیام کہلوایا کہ تمہاری قوم کے سردار تم سے گفتگو کرنے جمع ہوئے ہیں آکر بات چیت کر لو۔ رسول اللہ ﷺ کو خیال ہوا کہ لوگوں کی رائے میں کوئی نئی تبدیلی پیدا ہو گئی ہے آپ تو دل سے چاہتے تھے کہ کسی طرح ان کو ہدایت ہو جائے پیام ملتے ہی فوراً چلے آئے جب آکر بیٹھ گئے تو حاضرین نے کہا محمد ﷺ ہم نے آدمی بھیج کر تم کو اس غرض سے بلوایا ہے کہ تمہارے متعلق ہم حجت تمام کر دیں کوئی عربی شخص آج تک اپنی قوم پر وہ مشکلات

Marfat.com

نہیں لایا جو تم اپنی قوم پر لائے ہو، تم نے اسلاف کو گالیاں دیں، ان کے مذہب کو برا کہا، اہل عقل کو سبک سر قرار دیا، ان کے معبودوں کو برا بھلا کہا، جماعت میں پھوٹ ڈال دی، کوئی ایسی قبیح بات باقی نہیں جو تم نے اپنے اور ہمارے درمیان پیدا نہ کردی ہو اگر اس چیز (قرآن اور اسلام) کو پیش کرنے سے تمہارا مقصد حصول زر ہے تو ہم آپس میں چندہ کر کے تم کو اتنا مال دینے کو تیار ہیں کہ تم سب سے زیادہ دولت مند ہو جاؤ۔ اور اگر تم عزت کے طلبگار ہو تو ہم تم کو اپنا سردار بنالیں گے اور حکومت چاہتے ہو تو اپنا حاکم بھی تم کو قرار دے سکتے ہیں اور اگر کوئی جن تم پر مسلط ہو گیا ہے جو یہ کلام تم کو بتاتا ہے اور تم اس کو لوٹا نہیں سکتے تو ہم تمہارے علاج کے لئے اپنا مال خرچ کرنے کو تیار ہیں (کسی کاہن یا عامل کو روپیہ دے کر اس کا اتار کرا دیں گے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جتنی باتیں تم نے کہیں ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے۔ میں یہ قرآن پیش کر کے نہ زر کا طلب گار ہوں، نہ عزت و سیادت کا، نہ حکومت و اقتدار کا، مجھے تو اللہ نے تمہارے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور مجھے ایک کتاب عطا فرمائی اور مجھے حکم دیا ہے کہ ماننے والوں کو جنت کی خوش خبری دے دوں اور (نہ ماننے والوں کو دوزخ سے) ڈراؤں، اب میں اللہ کا پیام پہنچا چکا اور تم کو نصیحت کر چکا اگر مان لو گے تو یہ دنیا اور آخرت میں تمہاری خوش نصیبی ہوگی۔ رد کر دو گے تو میں اللہ کے حکم پر صبر کروں گا اور منتظر رہوں گا کہ اللہ میرا اور تمہارا کیا فیصلہ کرتا ہے۔ کہنے لگے، محمدؐ جو کچھ ہم نے پیش کیا اگر تم کو وہ قبول نہیں تو اپنی پیغمبری کا ثبوت پیش کرو تم واقف ہو کہ ہماری یہ بستی بہت تنگ ہے ہر طرف سے پہاڑ گھیرے ہوئے ہیں ہم اس کو کسی طرف بڑھا نہیں سکتے اور ہمارے پاس مال بھی سب (یعنی اہل یمن و شام) سے کم ہے اور ہماری زندگی بھی بہت زیادہ دکھی ہے پس تم اپنے رب سے درخواست کر کے ان پہاڑوں کو جنہوں نے ہماری بستی کو تنگ کر رکھا ہے یہاں سے ہٹوا دو کہ ہمارا یہ شہر پھیل جائے اور شام و عراق کی طرح ہمارے ملک میں بھی ہمارے لئے دریا بہا دو اور یہ بھی اپنے رب سے کرا دو کہ ہمارے آباء و اجداد زندہ ہو جائیں جن میں قصی بن کلاب (قریش کا مورث اعلیٰ) بھی ضرور ہو وہ بڑا سچا آدمی تھا، پھر ہم ان سب سے دریافت کریں کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ سچ ہے یا جھوٹ اگر وہ تمہاری تصدیق کر دیں گے تو ہم بھی تم کو سچا مان لیں گے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اس لئے نہیں بھیجا گیا ہے۔ جو پیام مجھے دے کر بھیجا گیا تھا وہ میں نے تم کو پہنچا دیا اگر مان لو گے تو دنیا و آخرت میں یہ تمہاری خوش نصیبی ہوگی قبول نہ کرو گے تو میں اللہ کے حکم کے انتظار میں صبر کروں گا۔ کہنے لگے اچھا اگر تم یہ نہیں کرتے تو اپنے رب سے کہہ کر اتنا ہی کرا دو کہ وہ تمہاری تصدیق کرنے کے لئے ایک فرشتے کو بھیج دے اور تم کو کچھ باغ اور سونے چاندی کے خزانے دے دے کہ جس تکلیف اور افلاس میں ہم تم کو دیکھ رہے ہیں اس سے تم بے غم ہو جاؤ، تم بازاروں میں کھڑے ہماری طرح روزی کی جستجو میں لگے رہتے ہو پھر اس کی فکر تم کو نہ رہے، حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے مجھے اس لئے نہیں بھیجا، مجھے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے کہنے لگے اچھا تو ہمارے اوپر آسمان کو ہی گروا دو کیونکہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تمہارا رب اگر چاہے تو ایسا کر سکتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ اختیار اللہ کو ہے اگر وہ تمہارے ساتھ ایسا کرنا چاہے گا تو کر دے گا، ایک شخص بولا، ہم تو تمہاری بات اس وقت تک نہ مانیں گے، جب تک اللہ اور فرشتوں کو تم ہمارے سامنے لا کر شہادت نہ دلوا دو۔ یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور آپؐ کے ساتھ آپؐ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبد المطلب کا لڑکا عبد اللہ بن ابی امیہ بھی اٹھ کھڑا ہوا اور راستہ میں کہنے لگا محمد ﷺ! تمہاری قوم نے چند باتیں تمہارے سامنے رکھیں اور تم نے کسی بات کو قبول نہیں کیا پھر انہوں نے چند باتیں طلب کیں جن سے معلوم ہو جاتا کہ اللہ کے ہاں تمہارا مرتبہ خصوصی ہے تم نے ان کو بھی نہ مانا پھر انہوں نے تم سے کہا کہ جس عذاب سے تم ڈرا رہے ہو وہ جلد لے آؤ تم نے ایسا بھی نہیں کیا اب بخدا میں تمہاری اس بات کا صرف اس وقت ہی یقین کر سکوں گا کہ تم میری نظر کے سامنے سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جاؤ۔ پھر میرے سامنے وہاں سے ایک کھلی ہوئی کتاب لے کر آجاؤ اور تمہارے ساتھ چار فرشتے بھی آئیں جو تمہاری تصدیق کریں۔ اور میرا تو خیال ہے کہ اگر تم ایسا کر بھی گزرو گے تب بھی میں تمہاری تصدیق نہیں کر سکوں گا۔ کافروں کی اتنی نفرت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ غمگین ہو کر اپنے گھر لوٹ آئے اور آیات ذیل بَشَرًا رَّسُوۡلًا تک نازل ہوئیں۔

Marfat.com

ابن جریر نے بطریق ابن اسحاق ایک مصری شیخ (مجہول الاسم) کی وساطت سے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے اور سعید بن منصور نے بھی سعید بن جبیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ان آیات کا نزول حضرت ام سلمہ کے بھائی عبداللہ بن امیہ کے متعلق ہوا صاحب لباب النقول نے لکھا ہے یہ روایت مرسل ہے مگر صحیح ہے۔ سابق روایت میں جو ابہام تھا اس کی توضیح اس سے ہو جاتی ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ اور (کفار مکہ نے) کہا کہ ہم ہرگز آپ کا قول سچا نہیں مانیں گے۔ یعنی قرآن کا معجز ہونا ان کو ثابت ہو گیا اور دوسرے معجزات بھی دیکھ لئے، پھر بھی از راہ عناد انہوں نے کہا۔

حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝۹۰ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝۹۱ جب تک آپ مکہ کی زمین سے ہمارے لئے کوئی چشمہ جاری نہ کر دیں، یا خاص آپ کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ نہ ہو پھر اس باغ کے بیچ بیچ میں جگہ جگہ بہت سی نہریں آپ جاری کر دیں۔

اَلْاَرْض یعنی ارض مکہ۔ يَنْۢبُوْع ایسا چشمہ جو کبھی خشک نہ ہو، یہ لفظ نَبَعَ الْمَاءُ (پانی پھوٹ نکلا) سے ماخوذ ہے۔

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا یا جیسا کہ آپ کہا کرتے ہیں آسمان کے ٹکڑے آپ ہم پر نہ گرا دیں یعنی آسمان پھٹ جائے اور اس کے ٹکڑے ہم پر گر پڑیں۔ كِسَفٌ كِسْفَةٌ کی جمع ہے جیسے قِطَعٌ قِطْعَةٌ کی جمع ہے کِسْفَة بمعنی قِطْعَة کے ہے پارہ ٹکڑا۔

اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝۹۲ یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لانہ کھڑا کر دیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے قَبِيْل کا ترجمہ کفیل کیا ہے یعنی اللہ اور ملائکہ کو اپنے دعوے کی صداقت کا ذمہ دار، کفیل بنا کر پیش کر دو جو شہادت دیں کہ تمہاری بات صحیح ہے اگر اس بات کو ماننے سے ماننے والوں کو کچھ نقصان پہنچا تو اس کے ذمہ دار اللہ اور ملائکہ ہوں گے۔ قتادہ نے قبیلا کا ترجمہ کیا مقابلاً آمنے سامنے یعنی ہماری آنکھوں کے سامنے لے آؤ۔ فراء نے کہا عرب بولتے ہیں لَقِيْتُ فُلَانًا قَبِيْلًا وَقُبُلًا میں نے فلاں شخص سے رُو در رُو ملاقات کی۔ اس ترجمہ پر قَبِيْلًا اَلْمَلٰٓئِكَة سے حال ہوگا۔ مجاہد نے کہا قبیل قَبِيْلَة کی جمع ہے قَبِيْلًا سے مراد ہے قسم قسم یعنی قسم قسم کے ملائکہ کو پیش کرو۔

اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ

یا تمہارے لئے کوئی سونے کا مکان ہو یا تم آسمان کے زینہ پر چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے صرف چڑھنے کا بھی یقین نہیں کریں گے جب تک تم ایک ایسی کتاب لے کر ہم پر نازل نہ ہو جس کو ہم پڑھیں زُخْرُف کا اصل لغوی معنی ہے سجاوٹ۔ اس جگہ مراد ہے سونے کا مکان۔ یہ قول عبداللہ بن امیہ کا تھا۔ كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ سے یہ مراد ہے کہ اس کتاب کے اندر تمہاری تصدیق ہو اور ہم کو تمہارا اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔

قُلْ اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے یعنی ان کے سوالات و مطالبات پر تعجب کرتے ہوئے کہہ دیجئے۔ یا اللہ کو اس کمزوری سے پاک قرار دیتے ہوئے کہہ دیجئے۔

ع ۱۰ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝۹۳ سبحان اللہ میں بجز اس کے کہ آدمی ہوں مگر پیغمبر ہوں اور کچھ نہیں ہوں۔ یعنی تمہارا سوال پورا کرنا انسانی اور بشری طاقت سے خارج ہے، ہاں اگر اللہ چاہے تو تمہاری خواہشات پوری کر دے لیکن فرمائشی معجزات کا اظہار اللہ کا دستور نہیں، اپنے رسول کے ہاتھ پر اللہ اتنی آیات و معجزات کا اظہار کر چکا ہے کہ تمہاری ان فرمائشات کو پورا کرنے کی ضرورت نہیں، قرآن مجید اس نے اتار دیا، رسول ﷺ کی انگلی کے اشارے سے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا، رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے بہا دیئے اور طرح طرح کے معجزوں کا ظہور ہو چکا۔ اس آیت میں کافروں کے سوالات کا ایک مجمل جواب دیا گیا ہے۔ تفصیلی جواب دوسری آیات میں آیا ہے فرمایا ہے۔

Marfat.com

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ الخ - وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ - وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى یعنی کچھ بھی ہو جائے قرآن کے ذریعہ سے پہاڑ چلنے لگیں یا زمین کی طنابیں کھینچ دی جائیں یا مردے زندہ ہو کر بولنے لگیں وہ ایمان نہیں لائیں گے ہر کام کا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾

اور ہدایت یعنی رسول یا قرآن کے آچکنے کے بعد لوگوں کو ایمان لانے سے سوائے اس کے اور کوئی وجہ مانع نہیں کہ انہوں نے تعجب کیا اور کہا کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ یعنی وحی نازل ہو گئی، حق ظاہر ہو گیا اب رسول اور قرآن پر ایمان نہ لانے کی اور کوئی معقول قابل قبول وجہ سوائے اس کے نہیں کہ ان کو آدمی کا پیغمبر ہونا عجیب نظر آیا اور انہوں نے نبوت بشری کا انکار کر دیا لیکن ان کا یہ تعجب و انکار بے جا ہے عقل اور نقل کی شہادت ہے کہ رسول اللہ کو اسی نوع میں سے ہونا چاہئے جو مرسل الیہ کی ہو۔ تاکہ رسول ان کو پیام دے سکے اور وہ رسولؐ کی رسالت سے فائدہ اندوز ہو سکیں غیر جنس سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾

آپؐ کہہ دیجئے اگر زمین پر فرشتے چین کے ساتھ چلتے پھرتے (فرشتوں کی آبادی ہوتی اور یہیں ان کی سکونت ہوتی آسمان تک پہنچنے کا ان کو اختیار نہ ہوتا) تو ہم آسمان سے ان کے لئے رسول بنا کر کسی فرشتہ کو اتار دیتے (لیکن زمین پر تو آدمی آباد ہیں، آسمان پر جا کر یہ خود احکام حاصل نہیں کر سکتے ان کی ہدایت کے لئے تو آدمی کو ہی رسول بنا کر بھیجنا ضروری تھا، اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ مترجم)

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۚ آپؐ کہہ دیجئے میرے اور تمہارے درمیان بس اللہ ہی شہادت کے لئے کافی ہے یعنی میرے رسول ہونے کا اللہ شاہد ہے اور اسی کی شہادت بس کافی ہے اسی نے میرے ہاتھ پر معجزات میرے دعویٰ کی تصدیق کے لئے ظاہر فرمادیئے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی شہادت اس امر پر کافی ہے کہ میں نے فرض رسالت ادا کیا اس کا پیام تم کو پہنچادیا اور ظہورِ حق کے بعد بھی از روئے عناد تم نے مخالفت کی۔ وہی میرا تمہارا فیصلہ کرے گا جو حق پر ہوگا اس کو ثواب دے گا اور جو باطل پر ہوگا اس کو سزا دے گا۔

اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ کیونکہ وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا خوب دیکھتا ہے۔ یعنی ڈرانے والے پیغمبر ہوں یا وہ امت جس کو ڈرایا جاتا ہے، سب کے ظاہری اور باطنی احوال سے اللہ واقف ہے اور ان کے احوال کے موافق سزا و جزا دے گا۔ اس جملہ میں رسول اللہ ﷺ کے لئے پیام تسکین اور کافروں کے لئے عذاب کی تہدید ہے۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ

اور جس کو اللہ راہِ راست پر لگادے وہی ہدایت پانے والا ہے اور جن کو اللہ گمراہ چھوڑ دے یعنی بے مدد چھوڑ دے اور کج راہی سے محفوظ نہ رکھے اور شیطانی اغواء اندرونی کو وہ قبول کر لیں) تو ان لوگوں کے لئے تم کو بجز خدا کے اور کوئی حامی نہیں ملے گا جو ان کو راہ راست پر ڈال سکے۔

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ اور قیامت کے دن ہم ان کو اندھا، گونگا، بہرا اٹھائیں گے کہ وہ منہ کے بل چلیں گے یا منہ کے بل ان کو گھسیٹا جائے گا۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا، کافر منہ کے بل قیامت کے دن کیسے چلے گا فرمایا، جس خدا نے اس کو ٹانگوں کے بل چلایا ہے کیا وہ منہ کے بل اس کو چلا نہیں سکتا۔ متفق علیہ۔

ابو داؤد اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کا حشر تین طریقے پر ہوگا، کچھ لوگ سوار ہوں گے، کچھ پیدل، کچھ منہ کے بل گھسٹتے ہوئے، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول

Marfat.com

اللہ ﷺ منہ کے بل کیسے چلیں گے فرمایا جس نے ٹانگوں کے بل چلایا ہے وہ منہ کے بل بھی چلا سکتا ہے۔ ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ اور حضرت معاویہ بن جندب کی روایت سے اس طرح بھی بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہ بن جندب نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ تمہارا حشر کیا جائے گا۔ سوار ہونے کی حالت میں اور پیدل ہونے کی حالت میں اور تم کو گھسیٹا جائے گا منہ کے بل (یعنی قیامت کے دن کچھ لوگ سوار کر کے لے جائے جائیں گے اور کچھ پیدل اور کچھ منہ کے بل گھسیٹ کر)

نسائی، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوذرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کی تین جماعتیں (بنا کر) اٹھائی جائیں گی، ایک جماعت کپڑے پہنے، کھائے پیئے اور سواریوں پر سوار ہو گی اور ایک جماعت پیدل چلے گی اور دوڑے گی اور ایک جماعت کو ملائکہ منہ کے بل گھسیٹیں گے۔

اندھے گونگے بہرے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ کوئی ایسی صورت ان کے سامنے نہیں آئے گی جس کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور کوئی ایسا عذر بیان نہ کر سکیں گے جو قابل قبول ہو اور کوئی خوش کن مسرت آفریں بات ان کے کانوں میں نہیں پڑے گی۔ کیونکہ آیات قدرت اور نشانہائے عبرت کو دیکھنے سے ان کی آنکھیں اندھی تھیں۔ کلام حق سننے سے ان کے کان بہرے تھے اور کلمۂ حق بولنے سے ان کی زبانیں گونگی تھیں۔ بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس تفسیر کی نسبت کی ہے۔ (حضرت ابن عباسؓ کی اس تشریح کا حاصل یہ ہے کہ اندھا گونگا بہرا ہونے سے یہ مراد نہیں کہ وہ کچھ بھی نہ دیکھ سکیں گے، نہ بول سکیں گے، نہ سن سکیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں وہ آیات وہدایات کو چشم بصیرت سے نہیں دیکھتے تھے اور کلمۂ حق کو گوش قبول سے نہیں سنتے تھے اور کلام حق زبانوں پر نہیں لاتے تھے، اسی طرح قیامت کے دن وہ کوئی جاذب قلب شکل نہیں دیکھیں گے کوئی صداء مسرت آفریں نہیں سنیں گے اور کوئی قابل قبول عذر زبانوں سے نہ پیش کر سکیں گے اس تشریح کے بعد اس آیت میں اور ان آیات میں جن میں قیامت کے دن کافروں کو دیکھنا، سننا اور بولنا مذکور ہے کوئی تعارض نہیں ہو سکتا، اللہ نے فرمایا ہے وَرَاَی الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ مجرم دوزخ کو دیکھیں گے۔ دَعَوْا هُنَالِکَ ثُبُوْرًا وہاں ہلاکت کو پکاریں گے۔ سَمِعُوْا تَغَیُّظًا وَّزَفِیْرًا غصے اور جھنجلاہٹ کو سنیں گے (ان آیات میں کافروں کا قیامت کے دن دیکھنا، پکارنا اور سننا ثابت ہو رہا ہے اور آئندہ ایک آیت میں تینوں کا یکجائی تذکرہ ہے فرمایا ہے) رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا۔ کافر کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو دنیا میں لوٹا دے کہ ہم نیک کام کر لیں۔ ان آیات میں حقیقی رویت، سماعت اور نطق کی صراحت اور عُمْیًا وَّبُکْمًا وَّصُمًّا سے حقیقی دیکھنے سننے اور بولنے کی نفی مقصود نہیں بلکہ اس بینائی، شنوائی اور گویائی کی نفی مقصود ہے جو حضرت ابن عباسؓ کی تشریح میں مذکورہ ہے فَلَا مُنَافَاةَ بَیْنَهُمَا۔

بعض اہل تفسیر نے آیات کے تعارض کو دور کرنے کے لئے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حشر کے وقت تو واقعی سب کافر اندھے، گونگے، بہرے ہوں گے، لیکن دوزخ کے سامنے جانے اور حساب کے لئے پیش ہونے کے وقت بینا، شنوا اور گویا ہو جائیں گے۔

بعض نے کہا کہ حساب کے بعد جب موقف سے دوزخ کی طرف ان کو لے جایا جائے گا اس وقت ان کے حواس غائب ہو جائیں گے، اس وقت گویائی سلب ہو جائے گی، بینائی اور شنوائی زائل ہو جائے گی۔

سعید بن منصور اور بیہقی نے محمد بن کعب کا قول نقل کیا ہے کہ دوزخ کے اندر دوزخیوں کی پانچ مرتبہ درخواست ہو گی اور ہر مرتبہ کی پکار کا جواب اللہ دے دے گا، اس کے بعد وہ بول ہی نہ سکیں گے۔

(۱) دوزخی کہیں گے رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰی خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ۔ اللہ اس کے جواب میں فرمائے گا ذٰلِکُمْ بِاَنَّهٗ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ کَفَرْتُمْ الخ۔

Marfat.com

(۲) پھر دوزخی کہیں گے رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ۔ اللہ جواب میں فرمائے گا فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ الخ

(۳) پھر دوزخی کہیں گے۔ رَبَّنَا اَخِّرْنَا اِلٰى اَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ۔ اللہ جواب میں فرمائے گا اَوَلَمْ تَكُوْنُوْا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ۔

(۴) پھر دوزخی کہیں گے رَبَّنَا اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ اللہ جواب میں فرمائے گا اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ الخ

(۵) پھر دوزخی کہیں گے رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّيْنَ ۔ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ۔ اللہ جواب میں فرمائے گا اِخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ اس کے بعد دوزخی کبھی کلام نہیں کریں گے۔

مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝ (پھر) ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے وہ جب ذرا دھیمی ہونے لگے گی تب ہی ان کے لئے اور زیادہ بھڑکا دیں گے۔ یعنی جب ان کی کھالیں اور گوشت جل چکیں گے اور آگ کی بھڑک میں کچھ سکون پیدا ہو جائے گا تو دوبارہ ان کو کھالیں اور گوشت پہنا دیا جائے گا اور اس ایندھن سے پھر آگ بھڑکائی جائے گی اور یونہی برابر ہوتا رہے گا۔ چونکہ مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھائے جانے کے وہ منکر تھے اس لئے اللہ بھی ان کو یہ سزا دے گا کہ بار بار مریں گے اور بار بار جئیں گے، اور یہ سلسلہ قائم رہے گا، اسی کی طرف آیت ذیل میں اشارہ فرمایا۔

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝

یہ ان کی سزا اس لئے ہوگی کہ انہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا (تھا) اور کہا (تھا) کہ جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا از سر نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسے آدمی دوبارہ پیدا کر دے۔ یعنی آسمانوں اور زمین کی بناوٹ تو بہت زیادہ بڑی اور قوی ہے اور یہ انسان صغیر الجثہ بھی ہے اور کمزور بھی اور اللہ نے بغیر سابق نمونے اور نظیر کے یہ آسمان و زمین بنائے ہیں تو وہ انسانوں کو کیونکر دوبارہ پیدا نہیں کر سکے گا۔ ایجاد سے تو دوبارہ تخلیق آسان ہے۔

وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا اور ان کے عذاب کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا ہے۔

لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ بعض کے نزدیک اجل سے مراد موت ہے اور بعض کے نزدیک روز قیامت۔

فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ۝ پس باوجود یہ کہ حق واضح ہے پھر بھی ظالم لوگ بغیر انکار کئے نہ رہے۔ لفظ ظالمین بتا رہا ہے کہ ان کا کفر وانکار بے جا ہے۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝ ع ۱۱

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت (یعنی نبوت) کے خزانوں (یعنی کمالات) کے مختار ہوتے تو اس صورت میں تم اس کے خرچ کرنے کے اندیشے سے ضرور ہاتھ روک لیتے اور آدمی ہے بڑا تنگ دل۔ حضرت مولانا تھانویؒ کے نزدیک رحمت سے مراد نبوت اور خزائن سے مراد کمالات ہیں، لیکن حضرت مولف کے نزدیک رحمت رب سے مراد رزق ہے یا ہر نعمت مراد ہے اور خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ سے مراد ہے ناداری کا خوف۔ یا ختم ہو جانے کا اندیشہ نَفِقَ الشَّيْءُ وہ چیز ختم ہو گئی، عربی محاورہ ہے۔ قَتُوْرٌ کا معنی ہے بخیل، کنجوس۔ انسان حاجت مند ہے اور جس چیز کی اس کو حاجت ہوتی ہے اس کو خرچ کرنے میں کنجوسی کرتا ہے اور خرچ کرتا ہے تو معاوضہ کے لالچ میں، مگر اللہ

Marfat.com

غنی ہے۔ کسی چیز کا محتاج نہیں، جتنا بھی وہ عطا فرمادے اس سے ہزاروں گنا زیادہ پیدا کر سکتا ہے، اس لئے اس کے خزانے کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو نو کھلے ہوئے نشانات (قدرت یعنی معجزات) دیئے تھے۔ تعیین معجزات میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور ضحاکؒ کے نزدیک نو معجزات یہ تھے۔ عصا، ید بیضا، زبان کی گرہ کھل جانا، سمندر کا لاٹھی کی ضرب سے پھٹ جانا، طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک، خون۔ عکرمہ، مجاہد اور عطاء کے نزدیک نو معجزات یہ تھے۔ طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک، خون، عصا، ید بیضاء، قحط، پھلوں کی کمی۔ قبطیوں میں سے ایک شخص اپنی بی بی کے ساتھ ایک بستر پر سو رہا تھا (شاید حضرت موسیٰ کی بددعا سے) دونوں پتھر بن گئے۔ ایک عورت کھڑی روٹی پکا رہی تھی (شاید حضرت موسیٰ کی شان میں گستاخی کرنے سے) وہ بھی پتھر کی ہو گئی۔ محمد بن کعب قرظی نے طمس (صورتوں کو بدل دینا یا بگاڑ دینا) اور سمندر کو پھاڑنے اور طور کے سروں پر معلق ہو جانے کو بھی تسع آیات میں شمار کیا ہے۔

حضرت صفوان بن عسال کا بیان ہے ایک یہودی نے دوسرے یہودی سے کہا چلو اس نبی کے پاس چلیں۔ اس نے کہا ارے نبی نہ کہو اگر اس نے یہ لفظ سن لیا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی۔ غرض دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نو واضح آیات دریافت کیں حضور نے فرمایا (نو کھلی ہوئی آیات یعنی احکام یہ ہیں)۔ (۱) کسی چیز کو اللہ کا ساجھی نہ قرار دو۔ (۲) چوری نہ کرو۔ (۳) زنا نہ کرو۔ (۴) ناحق ناجائز خون نہ کرو۔ (۵) کسی بے قصور کو (قتل یا بغاوت وغیرہ کی تہمت لگا کر) حاکم کے پاس قتل کرانے کے لئے نہ لے جاؤ۔ (۶) جادو نہ کرو۔ (۷) سود نہ کھاؤ۔ (۸) کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت نہ لگاؤ۔ (۹) جہاد میں مقابلہ کے وقت بھاگنے کے لئے پشت نہ پھیرو۔ اور اے یہودیو! تمہارے لئے خاص طور پر یہ حکم تھا کہ سنیچر کے دن کی حرمت میں (حدود شرعیہ سے) تجاوز نہ کرو (کہ ظاہری حیلہ بہانہ کر کے سنیچر کے دن اپنے معاشی کاروبار جاری رکھو اور کوئی شرعی حیلہ اس کے لئے تلاش کر لو) یہ سن کر دونوں یہودیوں نے حضور ﷺ کے ہاتھ پاؤں چوم لئے، اور بول اٹھے ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نبی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، پھر میری اتباع کرنے سے تمہارے لئے کون سی چیز مانع ہے۔ کہنے لگے، حضرت داؤدؑ نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ انہی کی نسل سے اللہ ہر پیغمبر مبعوث فرمائے اب اگر ہم آپ کی اتباع کریں گے تو ہم کو ڈر ہے کہ یہودی ہم کو قتل کر دیں گے۔ رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ والترمذی والحاکم۔ ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔ حاکم نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے اور صراحت کی ہے کہ اس کو معلول قرار دینے کی ہم کو کوئی وجہ معلوم نہیں۔ بغوی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے۔ ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا، آؤ ہم اس نبی سے کچھ سوال کریں۔ ساتھی نے کہا اس کو نبی نہ کہو اگر وہ سن لے گا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی، غرض دونوں نے حاضر ہو کر رسول اللہ ﷺ سے آیت وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ کی تشریح دریافت کی۔

بہر حال اس روایت کی روشنی میں آیات سے مراد احکام ہوں گے اور یہ احکام وہ ہیں جو ہر قوم اور ہر شریعت میں موجود ہیں اس روایت میں جو یہودیوں کے لئے حرمت شنبہ کی خصوصیت ظاہر کی گئی اس کا شمار آیات تسع میں نہیں ہے۔ یہ حکم صرف یہودیوں کے لئے تھا اور اصل جواب سے یہ آخری جملہ زائد ہے۔

فَسْـَٔلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِذْ جَآءَهُمْ پھر ہم نے (موسیٰ سے) کہا (کہ فرعون سے) بنی اسرائیل کو مانگ لو (یعنی فرعون سے کہو کہ بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ چھوڑ دے اور موسیٰ سے یہ بات ہم نے اس وقت کہی) جب وہ فرعون اور اس کے آدمیوں کے پاس پہنچے تھے (اس تشریحی ترجمہ سے واضح ہو رہا ہے کہ فَسْـَٔلْ میں خطاب حضرت موسیٰ کو ہے اور قُلْنَا لِمُوْسٰی ہم نے موسیٰ سے کہا۔ کا جملہ محذوف ہے اور اِذْ جَآءَهُمْ کا بھی قُلْنَا محذوف سے تعلق ہے) اس تشریح

Marfat.com

کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو سعید بن منصور نے سنن میں اور امام احمد نے الزہد میں حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فَسْئَلْ کی جگہ فَسَاَلَ (بصیغۂ ماضی) پڑھا تھا۔

یا خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اور مطلب اس طرح ہے اے محمدؐ آپ بنی اسرائیل سے وہ واقعات دریافت کیجئے جو فرعون و موسیٰ کے درمیان ہوئے تھے اور آیات بینات کے متعلق بھی ان سے پوچھیے (وہ آپ کی تصدیق کریں گے) تاکہ مشرکوں کو بھی آپ کی سچائی معلوم ہو جائے۔ یا اس لئے دریافت کیجئے کہ آپ کو بجائے خود بھی تسلی ہو جائے اور آپ جان لیں کہ بنی اسرائیل کی تمام فرمائش بھی اگر پوری کر دی جائیں تو عناداً انکار پر جمے رہیں گے، ایمان نہیں لائیں گے جیسے ان سے پہلے کے لوگ گزر گئے (کہ آیات بینات دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہیں لائے) یا یہ مطلب ہے کہ بنی اسرائیل سے دریافت کر لیجئے تاکہ آپ کو یقین اور اطمینان خاطر کامل طور پر پیدا ہو جائے۔ اس تشریح پر اِذْ جَآءَهُمْ کا تعلق اٰتَيْنَا سے ہوگا۔

فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿١٠١﴾ فرعون نے موسیٰؑ سے کہا موسیٰ میرا تو یہ قطعی خیال ہے کہ تیرے اوپر یقیناً جادو کیا گیا ہے تو بلاشبہ سحر زدہ ہے۔ تیرا دماغی توازن بگڑ گیا ہے کہ ایسی ناممکن باتوں کا مدعی بن بیٹھا ہے۔ اپنے کو اللہ کا رسول کہتا ہے۔ کلبی نے مَسْحُوْرًا کا ترجمہ کیا حق سے برگشتہ کیا ہوا۔ فراء اور ابو عبیدہ نے کہا مَسْحُوْر بمعنی سَاحِر ہے جادوگر۔ محمد بن جریر نے کہا سحر کی تعلیم دیا ہوا یعنی تجھے جادو سکھا دیا گیا ہے اور تمام عجیب باتیں جو تو ظاہر کر رہا ہے سحر کا کرشمہ ہیں۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿١٠٢﴾ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

موسیٰؑ نے کہا تو جانتا ہے (یعنی دل میں) کہ یہ (عجائبات) خاص آسمان وزمین کے پروردگار نے بھیجے ہیں جو بصیرت حاصل کرنے کے کافی ذرائع ہیں، اور میرے خیال میں ضرور تیری کم بختی کے دن آگئے ہیں، پھر اس نے چاہا کہ اس سرزمین سے بنی اسرائیل کا قدم اکھاڑ دے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، فرعون حضرت موسیٰؑ کو برحق جانتا تھا، لیکن عناد کی وجہ سے انکار کرتا تھا۔ اللہ نے فرمایا ہے وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ انہوں نے معجزات کا انکار کیا مگر دل سے یقین رکھتے تھے۔

بَصَآئِر بَصِيْرَة کی جمع ہے یعنی یہ آیات و معجزات میری سچائی کو تیرے سامنے ظاہر کر رہے ہیں مگر تو عناداً انکار کر رہا ہے۔

مَثْبُوْرًا کا ترجمہ حضرت ابن عباسؓ نے ملعون کیا ہے اور مجاہد نے ہلاک شدہ، اور قتادہ نے ہلاک کردہ۔ فراء نے کہا عرب کہتے ہیں مَاثَبَرَكَ عَنْ هٰذَا اس سے تجھے کس چیز نے روک دیا۔ اس صورت میں ثبور کا ترجمہ ہوا ایسا شخص جو سرشتی شریر ہو جو فطری طور پر خیر سے برگشتہ ہو۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے ظن کا مقابلہ اپنے ظن سے کیا فرعون کا ظن غلط تھا ادلۂ قطعیہ کے خلاف تھا اور حضرت موسیٰ کا ظن ایسی علامات پر مبنی تھا جو مفید یقین تھیں۔

اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ ان کو اکھاڑ دے موسیٰؑ کو اور ان کی قوم کو نکال دے۔

الْاَرْض سے مراد ہے زمین مصر۔ یا تمام روئے زمین، فرعون چاہتا تھا کہ بنی اسرائیل کو قتل کر کے روئے زمین سے ان کو نکال دے۔

فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿١٠٣﴾ پس ہم نے اس کو اور جو اس کی ساتھی تھے سب کو ڈبو دیا، یعنی مصر سے ہم نے اس کی اور اس کے ساتھیوں کی جڑ اکھاڑ دی۔

وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ اور فرعون کو ڈبونے کے بعد

Marfat.com

ہم نے بنی اسرائیل سے کہا تم اس زمین میں (جہاں سے تم کو فرعون نکالنا چاہتا تھا) رہو۔

فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ جِئۡنَا بِكُمۡ لَفِيۡفًا ﴿۱۰۴﴾ پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا تو ہم سب کو جمع کر کے حاضر کر دیں گے۔

اَلۡاٰخِرَةِ یعنی دوسری مرتبہ یا دوسری زندگی۔ یا دوسری ساعت یادار آخرت۔ بہر حال قیامت مراد ہے۔ لَفِيۡفًا مخلوط، باہم آمیختہ، یعنی تم اور وہ دونوں قیامت کے دن مخلوط ہو کر آؤ گے۔ پھر اہل شقاوت کی جماعت الگ کر دی جائے گی۔ لَفِيۡف مختلف متعدد قبائل کا مجموعہ، قیامت کے دن بھی ایسا ہی ہوگا، شروع میں مومن، کافر، نیک، بد مخلوط ہوں گے۔ کلبی کے نزدیک وعد آخرت آنے سے مراد ہے، حضرت عیسیٰؑ کا آسمان سے آنا اور جِئۡنَا بِكُمۡ لَفِيۡفًا کا یہ مطلب ہے کہ ادھر ادھر ہر طرف سے مختلف اقوام آئیں گی۔

وَبِالۡحَقِّ اَنۡزَلۡنٰهُ وَبِالۡحَقِّ نَزَلَ ؕ اور حق ہی کے ساتھ ہم نے اس کو اتارا ہے اور حق ہی کے ساتھ وہ نازل ہوا ہے۔ اول اَلۡحَق سے مراد ہے وہ حکمت و مصلحت جو نزول قرآن کی مقتضی تھی اور دوسرے اَلۡحَق سے مراد ہے دانائی اور سچائی جو قرآن کے اندر ہے۔ بعض اہل تفسیر نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ ہم نے قرآن کو ملائکہ کی نگرانی میں آسمان سے اتارا ہے اور ملائکہ کی حفاظت میں ہی وہ رسول پر نازل ہوا ہے۔ شیاطین کی دست رس سے قرآن محفوظ ہے۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ﴿۱۰۵﴾ اور (اے محمدؐ) ہم نے آپ کو صرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، فرماں برداروں کو جنت کی خوش خبری دینے والا اور نافرمانوں کو دوزخ سے ڈرانے والا۔ یعنی آپ کا کام صرف بشارت اور تخویف ہے، ہدایت پر مجبور کرنا آپ کا کام نہیں۔

وَقُرۡاٰنًا فَرَقۡنٰهُ لِتَقۡرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكۡثٍ وَّنَزَّلۡنٰهُ تَنۡزِيۡلًا ﴿۱۰۶﴾

اور قرآن میں جا بجا ہم نے فصل رکھا تا کہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا۔

فَرَقۡنٰهُ یعنی ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے متفرق طور پر اتارا پورا قرآن بیس برس میں اترا[1] یا یہ مطلب ہے کہ قرآن کو ہم نے تفصیل دار اور کھول کر بیان کیا ہے۔ حسن نے کہا فَرَقۡنَا کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے اس کے اندر حق کو باطل سے الگ کر دیا، حق و باطل میں امتیاز کر دیا۔

مُكۡثٍ مہلت۔ قرآن کو وقفہ وقفہ سے تھوڑا تھوڑا اتارنے کی حکمت یہ ہے کہ لوگوں کو سمجھنے اور یاد کرنے میں آسانی ہو۔

قُلۡ اٰمِنُوۡا بِهٖۤ اَوۡ لَا تُؤۡمِنُوۡا ؕ اِنَّ (اے محمدؐ) آپ کہہ دیجئے کہ تم قرآن کو سچا مانو یا نہ مانو۔ یعنی تمہارے ایمان سے قرآن کو کوئی فائدہ نہیں اور انکار سے اس کا کچھ ضرر نہیں، تمہارے ایمان سے خود تم کو فائدہ پہنچے گا۔ قرآن کے کمال میں اضافہ نہ ہوگا اور انکار سے تمہارا نقصان ہوگا۔ قرآن کے کمال میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِهٖۤ اِذَا يُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ يَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ سُجَّدًا ۙ﴿۱۰۷﴾

جن لوگوں کو قرآن سے پہلے علم دیا گیا تھا جب یہ قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔

---

[1] معلوم نہیں حضرت مفسرؒ کو بیس سال کی روایت کہاں سے پہنچی، تاریخی حقیقت اس کے خلاف ہے چالیس سال کی عمر میں بعثت ہوئی اور نزول قرآن کا آغاز ہوا اور ۶۳ یا ۶۴ سال کی عمر میں وفات ہوئی اور قرآن کا نزول ختم ہوا، اس حساب سے ۲۳ یا ۲۴ سال میں پورا قرآن اترا۔ مترجم۔

Marfat.com

یعنی اگر تم ایمان نہ لائے تو نہ لاؤ دوسرے لوگ اس پر ایمان لے آئے، جو تم سے بہتر ہیں ان دوسرے ایمان لانے والوں سے مراد ہیں اہل کتاب کے علماء جو کتب سابقہ پڑھتے، حقیقت وحی کو جانتے اور علامات نبوت سے واقفیت رکھتے تھے اور حق و باطل میں امتیاز کر سکتے تھے، انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے اوصاف اور حالات سابقہ کتابوں میں پڑھے تھے۔ بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ سے مراد ہیں وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے دین حق کی جستجو میں لگے ہوئے تھے جو نہی رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی وہ ایمان لے آئے، جیسے حضرت زید بن عمرو بن نفیلؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ وغیرہ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں منکروں کو تہدید کرنی مقصود نہ ہو بلکہ رسول اللہ ﷺ کو تسکین و تسلی دی گئی ہو کہ یہ جاہل ایمان نہیں لائے تو آپ پریشان نہ ہوں، اہل علم تو ایمان لے آئے آپ ان منکروں کی روگردانی کی پرواہ نہ کیجئے۔ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گرنے سے مراد ہے منہ کے بل سجدہ میں گرنا۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہی قول ہے۔

یعنی حکم الٰہی کی تعظیم کے لئے اور اس شکریہ میں کہ اللہ نے جو سابق کتابوں میں وعدہ فرمایا کہ انقطاعِ رسل کی مدت میں ہم محمد ﷺ کو پیغمبر بنا کر بھیجیں گے اور ان پر قرآن نازل کریں گے وہ وعدہ اللہ نے پورا کیا۔

وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ اور کہتے ہیں ہمارا رب وعدہ خلافی سے پاک ہے، ہمارے رب کا وعدہ یقیناً پورا ہونے والا ہے یعنی کتب سابقہ میں اللہ نے جو وعدہ کیا تھا اور محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجنے اور قرآن نازل کرنے کی بشارت دی تھی، لامحالہ اس کو پورا ہونا تھا۔

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہوئے روتے ہیں، ٹھوڑیوں کے بل گرنے کا دوبارہ ذکر اس لئے کیا کہ سجدہ کرنے کے سبب میں اختلاف تھا، پہلا تو سجدۂ شکر تھا کہ اللہ نے وعدہ پورا کیا اور دوسرا سجدہ اس تأثر کا نتیجہ تھا جو قرآنی ہدایات پڑھ کر ان کے دلوں میں پیدا ہوا تھا۔

وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ اور قرآنی برکات کا جو نزول ان کے دلوں پر ہوتا ہے اس کی وجہ سے قرآن سننا ان کے اندر خشوع، علم اور یقین بڑھنے کا موجب ہوتا ہے۔

مسئلہ

قرآن سننے کے وقت رونا مستحب ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کے خوف سے رویا وہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا یہاں تک کہ دودھ تھن میں لوٹ جائے (اور تھنوں کے اندر دودھ کا لوٹایا جانا تو محال ہے، پس خوف خدا سے رونے والے کا دوزخ میں داخل ہونا بھی محال ہے) اور اللہ کی راہ میں پڑنے والا غبار اور جہنم کا دھواں مسلمان کے نتھنوں میں جمع نہیں ہوگا (یعنی جس مسلمان کے بدن پر راہ خدا میں غبار پڑا، وہ جہنم کا دھواں بھی نہ سونگھے گا) رواہ البغوی والحاکم، حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ بیہقی کی روایت میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں، دو (قسم کی) آنکھوں کو دوزخ کی آگ کا پالینا حرام کر دیا گیا ہے (ایک) وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی (دوسری) وہ آنکھ جو رات بھر (بیدار رہ کر) اسلام اور اہل اسلام کی کافروں سے حفاظت کرتی رہی۔ حضرت حکیم بن حزامؓ کا بیان ہے، میں نے خود حضور ﷺ کو فرماتے سنا تین (طرح کی) آنکھوں پر آگ حرام کر دی گئی ہے، (ایک) وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی، (دوسری) وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں بیدار رہی، (تیسری) وہ آنکھ جو ممنوعات خداوندی سے بند رکھی گئی۔

بغوی نے حضرت ابو ریحانہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اس آنکھ پر آگ حرام ہے جو اللہ کے خوف سے روئی اور اس آنکھ پر آگ حرام ہے جو اللہ کی راہ میں بیدار رہی اور اس آنکھ پر دوزخ حرام ہے جو اللہ کی ممنوعات سے بند رکھی گئی، یا فرمایا اس آنکھ پر آگ حرام ہے جو اللہ کی راہ میں پھوڑی گئی۔ طبرانی نے اس روایت کو الکبیر میں لکھا ہے اور صحیح کہا ہے۔

Marfat.com

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس مومن بندے کی آنکھ سے اللہ کے خوف سے آنسو نکلتے ہیں خواہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہوں اللہ نے آگ کو اس پر حرام کر دیا ہے۔ رواہ ابن ماجۃ۔ ابن مردویہ وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز نماز پڑھی اور دعا کی یا اللہ یا رحمٰن۔ مشرک یہ الفاظ سن کر کہنے لگے اس بے دین کو دیکھو ہم کو تو دو معبودوں کو پکارنے سے منع کرتا ہے (اور خود دو کو پکارتا ہے) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ

آپ کہہ دیجئے کہ تم اللہ کو (لفظ اللہ کہہ کر) پکارو یا رحمٰن جس سے بھی پکارو۔

(دونوں درست ہیں) کیونکہ اس کے اچھے اچھے نام بہت سے ہیں۔ بغوی کے بیان میں حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے آیا ہے کہ مکہ میں ایک رات کو نماز کے اندر سجدے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یا اللہ یا رحمٰن۔ ابو جہل بولا محمد ﷺ ہم کو تو ہمارے معبودوں (کو پکارنے) سے منع کرتا ہے اور خود دو معبودوں کو پکارتا ہے۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی ذات کے دونوں نام ہیں، بولنے میں تعدد ہے مگر یہ تعدد وحدت ذات سے مانع نہیں۔ وہی ذات مستحق عبادت ہے کوئی دوسرا مستحق معبودیت نہیں۔ آیت میں لفظ اَوْ تخییر کے لئے ہے (یعنی تم کو اختیار ہے کہ ایک ذات کو لفظ اللہ کہہ کر پکارو یا لفظ رحمٰن کہہ کر) بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے کہا تھا آپ لفظ رحمٰن (اللہ کے لئے) کہتے ہیں (یہ لفظ تو توریت کا ہے) اللہ نے توریت میں بکثرت ذکر کیا ہے اس پر آیت بالا کا نزول ہوا، مطلب یہ ہے کہ دونوں لفظ برابر ہیں، دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔ پکارنے سے مراد ہے نام لینا۔ اللہ کے سب نام اچھے اچھے ہیں کیوں کہ ان سے صفات جلال و جمال کا ظہور اور ہر عیب و نقص سے پاکی کا مظاہرہ ہوتا ہے، اللہ کے اسماء کی تفصیل اور اس سے متعلق مباحث سورۂ اعراف کی آیت وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا کی تفسیر میں لکھ دیئے ہیں۔

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾

اور اپنی نماز نہ تو بہت پکار کر پڑھو اور نہ بالکل چپکے چپکے ہی پڑھو اور دونوں کے درمیان ایک طریقہ اختیار کرو۔ یعنی نماز میں قرأت اتنی اونچی آواز سے نہ کرو کہ (دور رہنے والے) مشرک بھی اس کو سن لیں اور نہ اتنی ہلکی آواز سے پڑھو کہ پیچھے صف اول کے مسلمان (شرکاء نماز) بھی نہ سن پائیں، بلکہ درمیانی راستہ اختیار کرو۔ متوسط درجہ ہر چیز کا بہتر ہوتا ہے (افراط و تفریط دونوں رخ قبیح ہیں) اَلصَّلٰوۃ سے مراد رات کی نماز ہے، فرض ہو (مغرب، عشاء)، یا نفل، (تہجد وغیرہ) کیونکہ دن کی نمازیں تو باجماع امت سری ہیں ظہر و عصر میں قرأت جہری نہیں، جمہور امت اسلامیہ تمام کی تمام دن کی نمازوں میں قرأت سری کرتی چلی آئی ہے۔

یا متوسط راہ اختیار کرنے کا یہ مطلب ہے کہ دن کی نمازوں میں اور جہاں مشرک سن سکتے ہوں وہاں سری قرأت اختیار کرو۔ اور رات کی نماز میں متوسط جہر سے قرأت کرو۔

بغوی نے بطریق بخاری ابو بشیر کی وساطت سے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس زمانہ میں مکہ میں چھپے ہوئے تھے، اس دور میں جب صحابہ کو نماز پڑھاتے تھے تو قرأت اونچی آواز سے کرتے تھے، جب مشرک قرآن کو سنتے تو قرآن کو اور قرآن اتارنے والے کو اور جس پر اتارا گیا تھا اس کو سب کو برا کہتے تھے، اس پر اللہ نے نازل فرمایا وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ یعنی قرأت اونچی آواز سے نہ کرو کہ مشرک سن کر قرآن کو گالیاں دینے لگیں۔ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا۔ اور نہ اتنی پست آواز سے پڑھو کہ ساتھی بھی نہ سن پائیں۔ وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اور درمیانی راہ اختیار کرو کہ صحابہ سن لیں اور مشرکوں تک قرأت کی آواز نہ پہنچے۔ بغوی نے لکھا ہے کچھ علماء کا خیال ہے کہ آیت کا نزول دعا کے متعلق ہوا تھا (یعنی صلوٰۃ سے مراد اس آیت میں دعا ہے) ام المؤمنین حضرت عائشہ، نخعی، مجاہد اور مکحول کا یہی قول ہے، بخاری نے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آیت وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا کے متعلق فرمایا یہ دعا کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ ابن جریر نے بطریق ابن عباس اس روایت کو نقل کیا ہے۔ لیکن اول روایت کو قوی الاسناد ہونے کی وجہ سے ترجیح دی ہے، نووی

Marfat.com

کے نزدیک اول روایت راجح ہے۔ شیخ ابن حجر نے دونوں روایتوں میں مطابقت پیدا کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نماز کے اندر دعا کے متعلق غالباً اس آیت کا نزول ہوا۔

ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے پاس جب نماز پڑھتے تو دعا اونچی آواز سے کرتے۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ حضرت مفسرؒ نے فرمایا مجھے تطبیق کی یہ کوشش پسند نہیں کیونکہ نماز کے اندر پڑھنے کی جو دعائیں اب تک منقول چلی آئی ہیں جو قعدہ میں پڑھی جاتی ہیں اور نوافل میں بحالتِ قیام و سجود بھی بعض دعاؤں کا پڑھنا آیا ہے وہ سب باتفاق روایت سری ہی پڑھی جاتی رہی ہیں۔ صرف دعا قنوت میں اختلاف ہے کہ اس کو جہراً پڑھا جائے یا سراً۔ اس کے علاوہ آیت اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ کا حکم عام ہے نماز کے اندر ہو یا باہر ہر دعا کو چپکے چپکے پڑھنے کا حکم ہے۔ اس لئے اگر روایات میں مطابقت پیدا کرنی ہی ہے تو مناسب ترین یہ توجیہ ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرہؓ کی مذکورہ روایت میں دعا سے مراد سورۂ فاتحہ ہے کیونکہ اس کے اندر آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ دعا ہی ہے۔

آیت مذکورہ کے سبب نزول کے متعلق دو روایتیں اور بھی آئی ہیں، لیکن چونکہ یہ روایت صحیح اور اجماعی روایت کے خلاف ہیں، اس لئے قابل قبول نہیں۔ ابن جریر اور حاکم نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے کہا تھا اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حکم دیا گیا کہ لَا تُخَافِتُوْا وَلَا تَجْهَرُوْا۔

بغوی نے حضرت عبداللہ بن شداد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قبیلہ بنی تمیم کے اعرابی رسول اللہ ﷺ کے سلام کے جواب میں بلند آواز سے کہتے تھے اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا مَالًا وَّ وَلَدًا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ دونوں روایات قابل قبول نہیں۔

بغوی نے بطریق ترمذی حضرت عبداللہ بن رباح انصاریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا تم پست آواز سے قرأت کر رہے تھے میں تمہاری طرف سے گزرا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا میں جس سے خطاب کر رہا تھا اس کو ہی سنا رہا تھا، فرمایا ذرا آواز اونچی رکھا کرو۔ اور حضرت عمرؓ سے فرمایا، میں تمہاری طرف سے گزرا تھا تو تم قرآن پڑھنے میں آواز بلند کر رہے تھے (یعنی بہت اونچی آواز سے پڑھ رہے تھے) حضرت عمرؓ نے عرض کیا میں (اپنی قرأت سے) سوتے کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا، فرمایا ذرا آواز کو نیچی رکھا کرو۔

حضرت ابوداؤدؒ وغیرہ نے حضرت ابوقتادہؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے۔ قرأت جہری اور سری کے کچھ مسائل ہم نے سورۂ اعراف کی آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ میں بیان کئے ہیں اور جہر و اخفاء کا ذکر اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً کی تفسیر میں کیا ہے۔

فصل

رسول اللہ ﷺ کی قرأت کی کیفیت

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ قرأت میں رسول اللہ ﷺ کبھی آواز کو اٹھاتے تھے اور کبھی پست کرتے تھے، رواہ ابوداؤد۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھر کے اندر ہوتے تھے تو آپ کی قرأت اتنی آواز سے ہوتی تھی کہ حجرہ کے اندر والے سن لیتے تھے۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی قرأت کی کیفیت خود پڑھ کر بتائی اور ایک ایک لفظ کھول کھول کر پڑھ کر بتلایا، رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی۔

حضرت ام ہانی کا بیان ہے میں اپنے بالاخانہ پر رسول اللہ ﷺ کی قرأت کی آواز سنا کرتی تھی (یعنی مسجد سے بالکل متصل حضرت ام ہانی کے مکان کی بالائی منزل تک قرأت کی آواز پہنچتی تھی) رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجۃ

حضرت عبداللہ بن قیسؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی قرأت کی بابت دریافت کیا کہ

Marfat.com

حضور ﷺ کیا چپکے چپکے قرأت کرتے تھے یا جہر کے ساتھ فرمایا، ہر طرح پڑھتے، کبھی چپکے چپکے پڑھتے تھے، کبھی جہر کے ساتھ۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح حسن غریب ہے۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ﴿۱۱۱﴾ ع ۱۲

اور کہو کہ تمام خوبیاں اسی اللہ کے لئے خاص ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ اس کا کوئی سلطنت میں شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے اور اس کی خوب بڑائیاں بیان کیا کرو۔

(حضرت مفسرؒ کے نزدیک) اَلْمُلْک سے مراد ہے الوہیت، اَلذُّلّ کمزوری۔ وَلِیٌّ، حامی، مددگار۔ یعنی اس کے اندر کوئی کمزوری نہیں کہ اس کو اپنی کمزوری دفع کرنے کے لئے مددگار کی ضرورت ہو۔ اول جنسی اور غیر جنسی شریک کی نفی کی اور اختیاری شریک یعنی اولاد اور غیر اختیاری شریک یعنی سلطنت میں کسی دوسرے کے ساجھی نہ ہونے کی صراحت فرمائی، پھر کسی مددگار کے ہونے اور کمزوری کو دور کرنے والے حامی کی نفی کی یعنی اس امر کی صراحت کی کہ اس کے اندر کوئی کمزوری ہی نہیں ہے جس کو دور کرنے کے لئے مددگار کی ضرورت ہو، نہ کوئی اس کا مددگار ہے اور تینوں اوصاف پر حمد کو مرتب کیا کیونکہ جب وہ کامل الذات، خلاقیت میں منفرد اور منعم علی الاطلاق ہے تو ہر حمد کا وہی مستحق ہے اس کے سوا تمام مخلوق ناقص، مملوک اور نعمت یافتہ ہے پس مخلوق کی جو حمد بھی کی جائے وہ حقیقت میں اللہ ہی کی طرف لوٹتی ہے۔

امام احمد نے مسند میں نیز طبرانی نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت معاذ جہنی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا آخر سورۃ تک۔ آیت عزت ہے۔

آیت میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ بندہ اللہ کی تنزیہ اور تمجید کتنی بھی کرتا ہو۔ اور کتنی ہی اللہ کی حمد و ثنا کرے اور کتنی ہی عبادت کرے پھر بھی اس کو اقرار کرنا چاہئے کہ حق ادا کرنے سے قاصر رہا۔

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن جن کو جنت کی طرف سب سے پہلے بلایا جائے گا وہ وہی لوگ ہوں گے جو دکھ سکھ ہر حالت میں اللہ کی بہت زیادہ حمد کرتے ہیں، رواہ الطبرانی والبیہقی والحاکم۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حمد شکر کی چوٹی یعنی مدار ہے جو بندہ اللہ کی حمد نہیں کرتا وہ شکر نہیں کرتا۔ رواہ البیہقی و عبدالرزاق فی الجامع۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے بڑھیا دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ہے، اور سب سے اعلیٰ ذکر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ رواہ الترمذی وابن ماجۃ۔

حضرت سمرہ بن جندبؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ کو سب سے زیادہ پیارے چار جملے ہیں، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور سُبْحَانَ اللّٰهِ اور اَللّٰهُ اَکْبَرُ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ جس سے شروع کرو، کوئی حرج نہیں (یعنی ترتیب ضروری نہیں) رواہ مسلم واحمد بسند صحیح۔ بغوی نے مذکورہ بالا چاروں احادیث ذکر کی ہیں۔ حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت طبرانی نے ذکر کی ہے کہ قیامت کے دن سب بندوں میں بڑھیا درجہ والے وہ لوگ ہوں گے جو بہت زیادہ حمد کرتے ہیں۔

حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ بندہ کا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کہنا اللہ کو بہت ہی محبوب ہے۔ رواہ احمد و مسلم والترمذی۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نسل عبدالمطلب کے بچہ کی جب زبان کھل جائے تو اس کو تعلیم دو اور کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا الخ۔ یہ حدیث ابن سنی نے عمل الیوم واللیلۃ میں نقل کی ہے۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے حوالہ سے عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں اس کو مفصل بیان کیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔ سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر ۳ رمضان ۱۲۰۲ھ کو اللہ کی مدد و توفیق سے ختم ہوئی۔

الحمد للہ والشکر کہ سورۃ بنی اسرائیل کا ترجمہ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ کو بعونہ تعالیٰ پورا ہوا۔

Marfat.com

سورۃ الکہف

سورۃ الکہف مکی ہے اس میں ایک سو گیارہ آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابن جریر نے بطریق اسحاق ایک مصری شیخ کے حوالہ سے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے جو حسب ذیل ہے، قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ کے علماء کو یہود کے پاس بھیجا اور ہدایت کی کہ محمدؐ جو کچھ کہتے ہیں اور ان کے جو احوال ہیں وہ تم یہودی عالموں سے جا کر بیان کرو، وہ اہل کتاب ہیں ان کے پاس جو علمی ذخیرہ ہے ہمارے پاس نہیں ہے جو کچھ وہ فیصلہ کریں آکر ہم کو بتاؤ۔ دونوں قاصد حسب مشورہ مدینہ پہنچے، یہودی علماء سے ملے رسول اللہ ﷺ کی کچھ باتیں اور احوال ان سے بیان کئے، یہودی علماء نے کہا، تم جا کر محمدؐ سے تین باتیں دریافت کرو۔ اگر وہ بتادیں تو یقیناً وہ خدا کے فرستادہ نبی ہیں، نہ بتائیں تو سمجھ لو جھوٹے ہیں۔

(۱) ان سے دریافت کرو، وہ چند نوجوان کون تھے جو پچھلے زمانے میں گزر گئے اور ان کے واقعات دنیا سے بالکل انوکھے تھے وہ واقعات کیا تھے۔

(۲) وہ کون آدمی تھا جو زمین کے سارے مشرق و مغرب میں گھوما تھا، اس کے واقعات اور حالات کیا تھے۔

(۳) ان سے پوچھو، روح کی کیا حقیقت ہے۔

دونوں نمائندے مدینہ سے مکہ واپس آگئے اور قریش سے کہا ہم ایک فیصلہ کن امر لے کر آئے ہیں جو تمہارے اور محمد ﷺ کے درمیان قطعی فیصلہ کردے گا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو ان لوگوں نے آپ سے مذکورہ بالا تینوں سوال کئے، حضور ﷺ نے فرمایا، تمہارے سوالوں کا جواب میں کل کو بتادوں گا، حضور ﷺ نے بتادینے کا وعدہ تو کرلیا مگر انشاء اللہ اس کے ساتھ نہیں فرمایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پندرہ روز کی تاخیر ہوگئی، اس مدت میں نہ کبھی جبرئیل آئے، نہ اللہ نے کوئی وحی بھیجی۔ آخر وحی نہ آنے سے آپ کو بڑی پریشانی ہوئی۔ اہل مکہ بری خبریں اڑانے لگے اور قریش کی طرف سے طعن و تشنیع کی بوچھار پڑنے لگی۔ آخر اللہ کی طرف سے جبرئیل سورۃ الکہف لے کر نازل ہوئے۔ اس سورۃ میں دونوں سوالوں کا جواب ہے اور روح کے متعلق آیت یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ الخ بھی ہے، اور کافروں کی ہدایت کے غم میں گھلتے رہنے پر کچھ عتاب بھی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ　تعریف ہے اس اللہ کی جس نے اپنے (خاص) بندے پر قرآن مجید اتارا۔ قرآن اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے یہ بندوں کو تکمیل انسانیت کا راستہ بتاتا ہے، معاش و

Marfat.com

معاد کو درست کرنے والی تعلیم دیتا ہے اور اللہ ہی نے بندوں کو یہ نعمت عطا فرمائی ہے، اس لئے اس نے انعام قرآن کا ذکر کر کے خود اپنی ثنا کی اور اس میں بندوں کو حمد خداوندی کرنے کی (درپردہ) تعلیم بھی دے دی۔

وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ﴿۱﴾ اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی۔

معانی میں کجی کو عِوَج بکسر عین اور خارجی چیزوں کی کجی کو عَوَج بفتح عین کہا جاتا ہے۔ فِي رَأْيِهٖ عِوَج اور فِي عَصَاه عَوَج بولا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے نہ الفاظ میں کوئی خرابی اور اختلال ہے، نہ معانی میں کوئی تعارض و اختلاف، نہ اللہ کی طرف دعوت دینے میں کسی جگہ مقصد سے انحراف ہے، نہ کسی آیت میں حکمت و مصلحت سے خروج۔ حضرت ابن عباسؓ نے آیت قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ کی تفسیر میں غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ کا ترجمہ غیر مخلوق کیا ہے۔ اس تفسیر کی روشنی میں بعض علماء نے لَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا کا ترجمہ اور مرادی معنی یہ بیان کیا کہ اللہ نے قرآن کو مخلوق نہیں کیا، یعنی قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے۔

قَيِّمًا استقامت کے ساتھ متصف فرمایا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، یعنی معتدل جس کے احکام میں نہ افراط (شدت) ہے نہ تفریط (زیادہ نرمی) فراء نے کہا تمام آسمانی کتابوں کی صحت کا شاہد اور ان کے بعض احکام کو منسوخ کرنے والا۔ بعض اہل تفسیر نے کہا تمام انسانوں کے مصالح کا درست کرنے والا۔

کجی نہ ہونا اور مستقیم ہونا دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے، لیکن کچھ سیدھی مستقیم چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ ان میں کسی قدر کجی ہوتی ہے (جو محسوس نہیں ہوتی) اس لئے کجی نہ ہونے اور مستقیم ہونے کی تاکیدی صراحت کر دی۔

لِّيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ﴿۲﴾ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ﴿۳﴾ تاکہ وہ (بندہ قرآن کے ذریعہ سے کافروں کو) اللہ کی طرف سے آنے والے سخت عذاب سے ڈرائے (جو دوزخ کے اندر ہو گا) اور جو مومن نیک کام کرتے ہیں ان کو اچھے ثواب کی بشارت دے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اچھے ثواب سے مراد ہے جنت اور اللہ کی خوشنودی۔ مَاكِثِيْنَ مقیم رہیں گے۔ اَبَدًا اتنی مدت جو کبھی منقطع نہ ہو گی۔

وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ﴿۴﴾ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴿۵﴾ اور تاکہ ان لوگوں کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ اولاد رکھتا ہے نہ تو اس کی کوئی دلیل ان کے پاس ہے نہ ان کے باپ دادا کے پاس تھی، بڑی سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے اور وہ بالکل ہی جھوٹ بکتے ہیں۔

اللہ کو صاحب اولاد قرار دینا شدید ترین کفر ہے اسی شدت کفر کو ظاہر کرنے کے لئے خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرانے کا ذکر کیا جو کسی کو اللہ کی اولاد قرار دیتے ہیں۔

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ یعنی اللہ کی (مفروضہ) اولاد کا یا اولاد قرار دینے کا یا اس (کفریہ) بات کا ان کو کوئی علم نہیں۔ مطلب یہ کہ جو بات زبان سے نکالتے اور جو عقیدہ رکھتے ہیں اس کی حقیقت کا ان کو کوئی علم نہیں، محض جہالت یا توہم پرستی یا دوسروں کی تقلید میں ایسا کہتے ہیں، خود ان کو اپنے کلام کی مراد معلوم نہیں باپ (اب) بیٹے (ابن) کا اطلاق ان کے نزدیک موثر اور اثر پر بھی ہوتا ہے اور نسبی باپ بیٹے پر بھی۔ اگر ان کو اس لفظ کی مراد معلوم ہوتی اور نسبی باپ بیٹا مراد ہوتا تو ایسا لفظ کبھی نہیں بولتے، یہ بات جو ان کی زبانوں سے نکل رہی ہے، بڑی کفریہ ہے۔ اس سے مخلوق کا خالق جیسا ہونا، اللہ کے ساتھ مخلوق کو شریک کرنا اور اللہ کا محتاج ہونا اور اپنا جانشین بنانے کا ضرورت مند ہونا ثابت ہوتا ہے۔

Marfat.com

......ایک شبہ......

نادانی میں کوئی جرم ہو جائے تو قابل مواخذہ نہ ہونا چاہئے، خطاء اجتہادی قابل عفو ہے پس بے علمی کی وجہ سے کچھ لوگ کفریہ الفاظ زبان سے نکالتے ہیں اور خدا کو صاحب ولد کہتے ہیں تو کیوں ان کو عذاب کی وعید دی گئی۔

......ازالہ......

کسی چیز کا علم نہ ہونے کی دو صورتیں ہوتی ہیں (۱) وہ چیز موجود ہو اور اس کے احوال کا علم نہ ہو۔ (۲) وہ چیز معدوم ہو بلکہ اس کا وجود ہی ناممکن ہو اس لئے اس کی کسی حالت کا علم نہ ہو۔ اول صورت میں ناواقفیت کبھی کبھی عذر بن سکتی ہے، لیکن دوسری قسم کی جہالت کا کوئی عذر قابل پذیرائی نہیں۔ اس جگہ ناواقفیت اور جہالت کی دوسری صورت مراد ہے جو بہر حال قابل مواخذہ ہے۔ کَبُرَتْ کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ کفر کے اعتبار سے یہ کفریہ بات بڑی ہے۔ دوسرا معنی کَبُرَتْ کا بِئْسَتْ ہے یعنی یہ بات بری ہے۔ کلمہ کا استعمال پورے کلام بلکہ پورے قصیدہ کے لئے بھی ہوتا ہے، اس جگہ کلام (بات) ہی مراد ہے بات کی آواز تو منہ سے ہی نکلتی ہے اس آیت میں تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ کا لفظ بڑھا کر یہ بتانا مقصود ہے کہ ان کی جرأت کفر بہت زیادہ ہے کہ کلمہ کفر اپنے منہ سے (دانستہ) نکالتے ہیں۔ جھوٹ کہنے سے یہ مراد ہے کہ اس بات کی واقع میں کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔

ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے بیان کیا کہ قریش کی ایک جماعت جس میں ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ اور ابوجہل بن ہشام اور نضر بن حارث اور عاص بن وائل اور اسود بن مطلب اور ابو البختری شامل تھے جمع ہوئے (اور رسول اللہ ﷺ کو بلوایا اور آپ سے وہ گفتگو کی جو اوپر شروع میں نقل کر دی گئی ہے اور بالآخر رسول اللہ ﷺ مایوس ہو کر مجلس سے اٹھ آئے) تو ان لوگوں کی مخالفت اور نصیحت سے سرتابی حضور ﷺ کو بہت کھلی اور قلبی تکلیف ہوئی، اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝۶

اگر انہوں نے اس کلام یعنی قرآن کو نہیں مانا تو شاید آپ ان کے پیچھے انتہائی غم سے اپنی جان کو ہلاک کر دیں گے۔

اَسَفٌ انتہائی غم وغصہ جیسے کسی کے دوست اس کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں اور فراق پر وہ صبر نہ کر سکے اور غم سے گھل گھل کر مر جائے، یہی حالت رسول اللہ ﷺ کی تھی، آپ کو سرداران قریش کے ایمان لے آنے کی انتہائی فکر و خواہش تھی اور ان کی سرتابی سے بہت زیادہ اندوہ و ملال تھا آپ کے انتہائی اندوہ و حسرت کو اس فراق زدہ کے غم سے تشبیہ دی، جس کو فراق احباب نے جان ہار بنا دیا ہو۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا زمین پر جو کچھ ہے (خواہ کانیں ہوں یا نباتات یا جاندار حیوان) اس کو ہم نے زمین اور اہل زمین کے لئے سجاوٹ بنایا ہے۔

ایک شبہ: سانپ، بچھو، موذی جانور اور شیطان زمین کی زینت کس طرح ہیں۔

جواب: سانپ، بچھو وغیرہ بھی اپنے بنانے والے کے کمال قدرت و صنعت اور وحدت ذات و صفات پر دلالت کر رہے ہیں، اس لئے یہ بھی زمین کی زینت ہی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مَا عَلَى الْاَرْضِ سے صرف انسان مراد ہیں، بعض اہل تفسیر کے نزدیک صرف علماء اور صلحاء مراد ہیں، بعض علماء کے نزدیک صرف وہ زینت مراد ہے جو آب رواں اور سرسبز لہلہاتے درختوں سے زمین پر ہو جاتی ہے، دوسری آیت میں اس کو زینت ارض قرار دیا گیا ہے، فرمایا حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ۔ بعض کے

Marfat.com

نزدیک صرف وہ چیزیں مراد ہیں جن سے اس دنیا کی آرائش ہو رہی ہے (کوٹھیاں، اونچے محلات، اعلیٰ فرنیچر، چمنستان، باغات وغیرہ)

(حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں مَا عَلَى الْاَرْضِ سے اگر ہر موجود ارضی مراد ہو تو ممکن نہیں ہے کیونکہ مجموعی طور پر بحیثیت اجمال پورا نظام حسین ہے یا یوں کہا جائے کہ ہر چیز کو تحسین میں دخل ہے کیونکہ ہر (ذاتی حسین) چیز کا حسن اضافی ہے اگر قبیح کا وجود نہ ہو تو حسین کا جمال معلوم نہ ہو (پس قبیح کو بھی زینت ارض میں دخل ہے)۔

لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ تاکہ ہم جانچ لیں کہ (زمین کی چیزوں کا استعمال) کون (مومن ہو یا کافر) اچھے طور پر کرتا ہے۔ سب سے بہتر استعمال کرنے والا وہی ہو گا جو ان چیزوں کا حریص اور ان پر فریفتہ نہ ہو اور قدر ضرورت پر قناعت کر لے اور صحیح راستہ میں ان کو صرف کرے، حدیث میں آیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کوئی شک نہیں کہ دنیا سر سبز اور شیریں ہے اور اللہ تم کو (پچھلوں کا) جانشین اس دنیا میں بنائے گا اور دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝۸ اور ہم زمین پر کی تمام چیزوں کو ایک چٹیل میدان بنا دیں گے۔

یعنی جس حیوان و نبات وغیرہ کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے اس کو یقیناً ہم خاک بنا دیں گے۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝۹ کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ کہف و رقیم والے ہمارے عجائبات میں سے کوئی عجیب چیز تھے۔ استفہام تقریری ہے یعنی کیا تم کو معلوم ہے کہ کہف و رقیم والے منجملہ آیات خداوندی کے ایک عظیم الشان نشانی تھے۔ مطلب یہ ہے کہ تم کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ اصحاب کہف و رقیم اللہ کی قدرت کی عجیب نشانی تھے یا استفہام انکاری ہے یعنی کیا تم یہ سمجھے ہوئے ہو کہ کہف و رقیم والے کوئی عجیب نشانی تھے، ایسا نہیں ہے، زمین اس کی مختلف الانواع، متعدد الاجناس موجودات جن کی کوئی گنتی نہیں اور اللہ نے ان کو زمین کی زینت بنایا ہے کہیں زیادہ تعجب آفرین ہیں پھر ان کا خاک میں مل جانا اور اپنی اصل کی طرف لوٹ جانا بہت ہی عجیب آیت قدرت ہے۔

کہف پہاڑی کشادہ غار۔ رقیم سے کیا مراد ہے سب سے اچھا قول اس سلسلہ میں سعید بن جبیر کا ہے کہ رانگ یا پتھر کی ایک تختی تھی جس میں اصحاب کہف کے نام اور ان کا قصہ لکھا ہوا تھا، اس قول پر رَقِیْم، رَقْم سے مشتق ہو گا، اور رَقْم کا معنی ہے لکھنا۔ اور رَقِیْم بمعنی مَرْقُوْم ہو گا۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ رقیم اس وادی کا نام تھا جس میں اصحاب کہف کا غار تھا، اس قول پر رقیم کا اشتقاق رُقْمَةُ الْوَادِیْ (وادی کا کنارہ) سے ہو گا۔ کعب احبار نے کہا رقیم اس بستی کا نام ہے جہاں سے اصحاب کہف بر آمد ہوئے تھے۔ بعض نے رقیم اس پہاڑ کا نام بتایا ہے جس میں اصحاب کہف کا غار تھا۔ ان تمام اقوال پر اصحاب الکہف اور اصحاب الرقیم دونوں ایک ہی تھے الگ الگ نہ تھے، لیکن بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اصحاب الکہف الگ تھے اور اصحاب الرقیم الگ۔

عبد بن حمید، ابن المنذر، طبرانی، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت نعمان بن بشیر کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اصحاب الرقیم کے متعلق ارشاد فرما رہے تھے کہ وہ تین شخص تھے جو ایک غار میں جا گھسے تھے۔

امام احمد اور ابن المنذر نے حضرت انسؓ کی مرفوع روایت بیان کی کہ گزشتہ لوگوں میں تین آدمی تھے جو گھر والوں کے لئے معاش کی جستجو میں چل دیئے راستے میں بارش آگئی، وہ ایک غار میں پناہ گیر ہو گئے۔ جونہی غار کے اندر داخل ہوئے ایک چٹان (دروازے کی طرف) آپڑی اور غار کا دروازہ بند ہو گیا۔ ایک شخص بولا (بھائیو) جس کسی نے جو بھی کوئی نیک کام کیا ہو اس وقت اس کو یاد کر کے اللہ سے دعا کرے، شاید اللہ اس کی برکت سے ہم پر رحم فرما دے۔ چنانچہ ایک نے کہنا شروع کیا میں نے ایک روز کچھ مزدور کام کرانے کے لئے رکھے۔ ایک مزدور دوپہر کو آیا لیکن اس نے باقی آدھے دن میں اتنا کام کیا جتنا دوسروں نے پورے دن میں کیا تھا، میں نے اس کو مزدوری دوسروں کے برابر دے دی۔ دوسرے مزدوروں میں سے ایک شخص کو اس پر غصہ

Marfat.com

آگیا، اور وہ اپنی مزدوری میرے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اس کی مزدوری گھر کے کسی گوشے میں رکھ دی، کچھ مدت کے بعد میں نے اس مزدوری سے بکری کا ایک بچہ خرید لیا اور اس کی نسل بڑھتے بڑھتے اللہ کی مشیت کے مطابق بہت ہو گئی، مدت کے بعد وہ مزدور میرے پاس لوٹ کر آیا، بوڑھا اور کمزور ہو گیا تھا، میں نے اس کو پہچانا بھی نہیں کہنے لگا میرا آپ کے پاس کچھ حق ہے پھر اس نے اپنے حق کی یاد دہانی کی، اس وقت میں نے اس کو پہچانا اور میں نے سارا مال یعنی بچہ کی نسل کے سارے جانور اس کو دے دیئے۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ محض تیری خوشنودی کے لئے کیا تھا تو اس کو کھول دے، چنانچہ پتھر میں اتنا شگاف ہو گیا کہ روشنی نظر آنے لگی۔

دوسرے نے کہا میرے پاس دولت تھی ایک بار سخت قحط پڑا لوگ تنگ حال ہو گئے ایک عورت میرے پاس آئی اور کچھ خیرات مانگی۔ میں نے کہا تیرے معاوضہ میں دے سکتا ہوں اس کے بغیر نہیں دے سکتا۔ اس نے انکار کیا اور واپس چلی گئی۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا آخر اس نے اپنے شوہر سے جا کر اس کا ذکر کیا، شوہر نے کہا اپنے بچوں کی مدد کے لئے اس کی درخواست مان لے۔ عورت میرے پاس آئی اور اپنے آپ کو میرے سپرد کر دیا، میں نے اس کا کپڑا کھولا اور کچھ کرنا چاہا تو وہ کانپنے لگی۔ میں نے لرزہ کی وجہ دریافت کی، کہنے لگی مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے۔ میں نے کہا تو اس تنگی میں اس سے ڈرتی ہے، اور میں فراخ حالی میں اس سے نہ ڈروں ایسا نہیں ہو سکتا۔ پھر میں نے اس کو یونہی چھوڑ دیا اور جو کچھ اس نے مانگا تھا، وہ دے دیا، اے اللہ! اگر میں نے یہ کام تیری خوشنودی کے لئے کیا تھا تو تو اس کو کھول دے فوراً پتھر اتنا پھٹ گیا کہ ان لوگوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ تیسرے نے کہا میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور میرے پاس بکریاں تھیں۔ میں والدین کو کھلا پلا کر بکریاں لے کر جنگل کو جاتا تھا، ایک روز بکریوں کے گم ہونے یا منتشر بکریوں کو جمع کرنے کی وجہ سے میں رات سے پہلے نہ لوٹ سکا پھر گھر آکر دودھ کا برتن ہاتھ میں لئے یونہی صبح تک کھڑا انتظار کرتا رہا آخر صبح کو وہ بیدار ہوئے تو میں نے ان کو پلایا اے اللہ! اگر یہ کام میں نے تیری خوشنودی کے لئے کیا ہو تو اس کو ہم سے کھول دے چنانچہ اللہ نے وہ چٹان کھول دی اور سب باہر نکل آئے واللہ اعلم۔

اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ قابل ذکر ہے وہ وقت جب ان نوجوانوں نے اس غار میں جا کر پناہ لی تھی..... یہاں سے اصحاب کہف کا قصہ شروع ہے۔ اَوٰی فُلَانٌ اِلٰی مَوْضِعٍ فلاں شخص نے اس جگہ کو اپنا ٹھکانہ بنا لیا۔ بغوی نے لکھا ہے یہ غار بیجلوس پہاڑ میں تھا۔ اس غار کا نام تھا جیرم۔

فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً انہوں نے کہا اے ہمارے رب ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ رحمت کا لفظ عام ہے دین کی ہدایت، گناہوں کی مغفرت، رزق کی وسعت، امن وغیرہ سب کو شامل ہے۔

وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ⑩ اور ہمارے لئے اس کام میں درستی کا سامان مہیا کر دیجئے۔ یعنی ایمان اور مفارقت کفر پر قائم رہنے کی کوئی صورت ہمارے لئے تیار کر دے (اس مطلب پر اَمْرِنَا سے مراد ہو گا ایمان اور ترک کفر) یا یہ مطلب ہے کہ ہمارے تمام معاملات میں ہم کو حق پر استقامت عطا فرما، اس وقت اَمْرِنَا سے تمام معاملات زندگی مراد ہوں گے۔ رَاَيْتُ مِنْكَ رُشْدًا عربی محاورہ ہے یعنی میں نے تیری طرف سے حق پر استقامت اور پختگی دیکھ لی۔ کذا فی القاموس۔ رُشِدَ باب نصر و سمع دونوں سے آتا ہے اس کا مصدر رُشْد اور رَشَد اور رَشَاد ہے رُشِدَ ہدایت یاب ہو گیا۔ باب استفعال سے بمعنی رَشَدَ کے بھی آتا ہے اور طلب رشد بھی اس کا معنی ہو جاتا ہے۔ اللہ کی صفات میں رشید کا استعمال ہادی کے معنی میں ہوتا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے اصحاب کہف غار کے اندر پناہ گیر ہونے پر کیوں مجبور ہوئے، علماء نے اس کے مختلف اسباب بیان کئے ہیں۔ محمد بن اسحاق نے بیان کیا عام عیسائیوں کی دینی حالت بہت بگڑ گئی تھی، بت پرستی تک نوبت پہنچ گئی تھی، بتوں پر چڑھاوے چڑھانے اور ان کے نام پر قربانیاں کرنے کا بھی رواج ہو گیا تھا، بادشاہ بھی سرکش اور بے دین ہو گئے تھے، لیکن کچھ لوگ صحیح دین عیسوی پر قائم تھے اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے، بے دین مخالف توحید بادشاہوں میں سے دقیانوس نام کا بھی

Marfat.com

ایک بادشاہ تھا اس کی حکومت بلادِ روم پر تھی، یہ بت پرستی کرتا اور بتوں کے نام کی قربانیاں کرتا تھا اور جو لوگ توحید پر قائم رہتے تھے ان کو قتل کرادیتا، اپنے ملک کی مختلف بستیوں میں جاتا اور وہاں کے باشندوں کی جانچ کرتا جو بت پرستی اختیار کرلیتا اس کو چھوڑ دیتا اور جو انکار کرتا اس کو قتل کرادیتا تھا، حسب عادت ایک بار یہ شہر افسوس میں جاکر اترا جو لوگ اہل ایمان تھے ڈر کے مارے وہ چھپ گئے اور جدھر کو جس کا منہ اٹھا بھاگ نکلے جو اہل ایمان پکڑے جاتے ان کو بت پرستی کی ترغیب دی جاتی اگر وہ توحید چھوڑ کر بتوں کی پوجا کرنے لگتے تو ان کو چھوڑ دیا جاتا، ورنہ قتل کر دیا جاتا۔ اور مقتولین کے ٹکڑے کر کے شہر پناہ کی دیواروں پر اور دروازوں پر لٹکا دیا جاتا۔ چند مومن نوجوان جن کی تعداد آٹھ بتائی گئی ہے، ایمان میں بڑے پختہ اور نماز روزے کے بہت پابند تھے اور سب رومی امراء کے لڑکے تھے، سخت گھبرا گئے اور مضطرب ہو کر زاری کے ساتھ انہوں نے دعا کی رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ ہمارا رب وہی ہے جو زمین و آسمان کا رب ہے ہم اس کے سوا کسی معبود کی عبادت ہرگز نہیں کریں گے ورنہ یہ بڑی زیادتی اور حق سے تجاوز ہوگا، اے رب اپنے ایماندار بندوں سے اس فتنہ کو دور کردے، ان کی مصیبت دفع کردے کہ وہ تیری عبادت علی الاعلان کرسکیں۔ یہ لوگ مسجد کے اندر سجدوں میں پڑے یہ دعا کر ہی رہے تھے کہ سرکاری آفیسر آپہنچے اور سب کو گرفتار کر کے دقیانوس کے پاس لے گئے اور کہا آپ دوسرے لوگوں کو تو اپنے معبودوں کی خوشنودی کے لئے قتل کراتے ہیں اور یہ لوگ جو آپ ہی کے خاندان کے ہیں آپ کے حکم کے خلاف کرتے اور آپ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا ان کو پیش کرو۔ یہ نوجوان پیش کئے گئے۔ سب کے چہرے غبار آلود تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے، بادشاہ نے کہا تمہارے شہر کے سردار ہمارے معبودوں کی پرستش کرتے اور ان پر قربانیاں چڑھاتے ہیں تم ان کی طرح کیوں نہیں کرتے اور ان کا رنگ ڈھنگ کیوں نہیں اختیار کرتے، میں تم کو اختیار دیتا ہوں کہ یا تو ہمارے معبودوں پر بھینٹ چڑھاؤ اور ان کی پوجا کرو، ورنہ میں تم کو قتل کرادوں گا۔ مکسلینا نے جو سب میں بڑا تھا کہا ہمارا معبود وہ ہے جس کی عظمت سے تمام آسمان بھرے ہوئے ہیں، ہم اس کے سوا کبھی کسی کی عبادت نہیں کریں گے، اسی کے لئے حمد، بزرگی اور پاکی ہے ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں اسی سے نجات اور خیر کے طلب گار ہیں، آپ جو چاہیں کریں ہم آپ کے بتوں کی پوجا نہیں کرسکتے۔ مکسلینا کے دوسرے ساتھیوں نے بھی دقیانوس کو یہی جواب دیا، یہ جواب سن کر دقیانوس نے حکم دیا کہ ان کے امیرانہ کپڑے اتروا لئے جائیں۔ حکم کی تعمیل کردی گئی، پھر کہنے لگا میں ذرا (دوسروں سے) فارغ ہو لوں تو تم کو وہ سزا دوں گا جو تمہارے لئے میں نے تجویز کی ہے، تم ابھی نوجوان ہو تم کو قتل کرنا میں نہیں چاہتا اسی لئے میں تم کو سزا دینے میں جلدی نہیں کر رہا ہوں اور تم کو مہلت دیتا ہوں کہ تم اپنے معاملہ پر غور کرلو۔ اس کے بعد ان کے سارے امیرانہ زیور اتار لئے گئے اور دربار سے نکال دیا گیا اور دقیانوس اس بستی کو چھوڑ کر کسی دوسرے شہر کو چل دیا اور واپسی تک کی ان کو سوچنے کی مہلت دے گیا۔ جب وہ شہر سے چلا گیا تو سب نے باہم مشورہ کیا کہ اس کی واپسی سے پہلے پہلے کچھ تدبیر کرنی ضروری ہے، چنانچہ باہم مشورہ کر کے طے کیا کہ ہر شخص اپنے اپنے گھر سے کچھ روپیہ لے کر آئے اس میں سے کچھ تو غریبوں کو بانٹ دے اور کچھ کھانے پینے کے لئے رکھ لے پھر سب شہر کے قریب کوہ بیجلوس کے غار میں جاکر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جائیں اور دقیانوس کی واپسی تک وہیں ٹھہرے رہیں، جب دقیانوس آجائے تو اس کے سامنے آکر کھڑے ہو جائیں پھر وہ جو کچھ چاہئے کرے (یعنی ہر ایک کو قتل ہونے کے لئے تیار ہو کر دقیانوس کے پاس جانا چاہئے حسب مشورہ ہر شخص اپنے باپ کے گھر جاکر کچھ روپیہ لے آیا، اس میں سے کچھ خیرات کردیا اور باقی اپنی گزر بسر کے لئے رکھ لیا اور ایک غار میں داخل ہو گئے، ایک کتا بھی ان کے پیچھے ہو لیا وہ بھی غار میں چلا گیا۔ سب غار میں جاکر ٹھہر گئے۔ کعب احبار کا بیان ہے اثناء راہ میں ایک کتا ان کے پیچھے ہو لیا، انہوں نے بھگا دیا لیکن وہ پھر لوٹ آیا، انہوں نے پھر بھگا دیا کتا پھر لوٹ آیا ایسا چند مرتبہ کیا تو کتا بولا لوگو! تم چاہتے کیا ہو، میری طرف سے اندیشہ نہ کرو۔ جن کو اللہ سے محبت ہے مجھے ان سے محبت ہے تم وہاں سونا میں تمہارا چوکیدارا کروں گا۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے یہ لوگ رات کو دقیانوس سے بھاگے تھے، کل سات آدمی تھے ایک چرواہے کی طرف

Marfat.com

سے گزرے جس کے پاس کتا تھا چرواہا بھی ان کا ہم مذہب ہو گیا اور ساتھ ہو لیا اور کتا بھی پیچھے پیچھے آگیا، سب لوگ شہر سے نکل کر ایک قریبی غار کی طرف چلے گئے اور اس میں داخل ہو گئے اور وہیں قیام پذیر ہو کر نماز، روزے، تحمید، تسبیح اور تکبیر اللہ کی حمد کرنے، اس کی پاکی بیان کرنے اور عظمت کا اقرار کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اس کے علاوہ ہر شغل کو چھوڑ دیا اور کل روپیہ اپنے ایک ساتھی جس کا نام تملیخا تھا کے پاس رکھ دیا، تملیخا بڑا ہی خوش تدبیر، خوبصورت اور بہادر تھا شہر کو چھپ کر جاتا اور سب کے لئے کھانے پینے کی چیزیں خرید لاتا تھا، تملیخا جب شہر کو جانا چاہتا تو اپنے بڑھیا خوب صورت کپڑے اتار کر فقیروں اور بھیک منگوں کے جیسے کپڑے پہن لیتا اور سکہ لے کر شہر میں جا کر کھانے پینے کی چیزیں خریدتا اور ٹوہ لگاتا کہ دقیانوس یا اس کے ساتھیوں میں سے کسی نے ان لوگوں کا کچھ تذکرہ کیا یا نہیں، پھر لوٹ کر آجاتا اور ساتھیوں کو مطلع کر دیتا۔ اس طرح غار کے اندر یہ لوگ مدت تک رہے، مدت کے بعد دقیانوس شہر میں واپس آیا اور سرداران شہر کو بتوں پر قربانیاں چڑھانے کا حکم دیا، اہل ایمان میں پھر کھلبلی مچ گئی، تملیخا ابھی اس وقت شہر کے اندر ہی تھا، ساتھیوں کے لئے کھانے پینے کی چیزیں خریدنے گیا تھا، غریب تھوڑا سا کھانا لے کر روتا ہوا لوٹ آیا اور آکر ساتھیوں کو بتایا کہ وہ ظالم شہر میں آگیا ہے وہ اور اس کے ساتھی اور شہر کے بڑے لوگ ہماری جستجو میں ہیں، یہ بات سن کر سب گھبرا گئے اور سجدہ میں پڑ کر گڑگڑا کر اللہ سے دعا کرنے اور فتنہ سے پناہ مانگنے میں مشغول ہو گئے۔ تملیخا نے کہا یارو! سروں کو اٹھاؤ کھانا کھاؤ اور اللہ پر توکل رکھو، سب نے سجدے سے سر اٹھائے آنکھوں سے آنسو جاری تھے، پھر سب نے کھانا کھایا، یہ واقعہ غروب آفتاب کے وقت کا تھا کھانے کے بعد آپس میں باتیں کرنے اور پڑھنے پڑھانے اور باہم نصیحتیں کرنے میں مشغول ہو گئے، غار کے اندر باتوں میں ہی مشغول تھے کہ یکدم اللہ نے سب پر نیند کو مسلط کر دیا، سب سو گئے۔ کتا دروازے پر پاؤں پھیلائے پڑا تھا جو نیند اللہ نے ان لوگوں پر مسلط کی تھی وہی کتے پر بھی مسلط کر دی، اس وقت ان کا سارا روپیہ سرہانے پڑا رہا دوسرے دن صبح ہوئی تو دقیانوس نے ان کو تلاش کرایا لیکن کسی کو نہ پا سکا کہنے لگا مجھے ان جوانوں کے کیس نے پریشان کر رکھا ہے، انہوں نے خیال کیا کہ میں ان پر ناراض ہوں (اور ضرور قتل کرادوں گا اس لئے چھپ گئے) وہ اپنی نادانی کی وجہ سے میرے سلوک سے واقف نہ تھے اگر وہ توبہ کر لیتے اور میرے معبودوں کو پوجنے لگتے تو میں ان پر کسی قسم کا بار نہیں ڈالتا، شہر کے سرداروں نے کہا آپ کو ان سرکشوں، نافرمانوں، بدکاروں پر رحم کرنا ہی نہیں چاہئے تھا (وہ اس قابل ہی نہیں تھے) آپ نے ان کو ایک محدود مہلت دے دی تھی اگر وہ چاہتے تو اس مدت کے اندر توبہ کر لیتے اور (فرماں برداری کی طرف) لوٹ آتے لیکن انہوں نے تو توبہ ہی نہیں کی۔ بادشاہ یہ بات سن کر سخت مشتعل ہو گیا اور اصحاب کہف کے باپوں کو بلوایا اور ان کے بیٹوں کے متعلق جواب طلب کیا اور دریافت کیا تمہارے وہ سرکش بیٹے کہاں ہیں جنہوں نے میرے حکم سے سرتابی کی۔ وہ بولے ہم نے تو آپ کی نافرمانی کی نہیں، پھر ان سرکشوں کے جرم کی وجہ سے آپ ہم کو قتل نہ کریں وہ تو ہمارا بھی مال لے گئے اور لے جا کر بازاروں میں برباد کر دیا یعنی فقیروں کو بانٹ دیا۔ یہ معذرت سن کر بادشاہ نے ان کو چھوڑ دیا اور کچھ آدمیوں کو کوہ بیجلوس کی طرف بھیجا اور اس کے سوا کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آئی کہ جس غار کے اندر اصحاب کہف داخل ہوئے تھے، اس کا منہ بند کرا دے، اللہ کی مشیت تھی کہ اصحاب کہف کو عزت عطا فرمادے اور آنے والی قوموں کے لئے اپنی قدرت کی نشانی بنا دے اور لوگوں کو دکھا دے کہ قیامت ضرور آئے گی اور (جس طرح اس غار کے اندر نیند کی حالت میں اللہ نے ان کو سینکڑوں برس رکھ کر پھر زندہ اٹھایا اسی طرح) اللہ قبروں سے مردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا۔ غرض دقیانوس نے غار کا منہ بند کرا دیا اور کہا جس غار کو انہوں نے اپنے لئے پسند کیا ہے اسی غار کو ان کے لئے قبریں بنا دو۔ وہیں گھٹ گھٹ کر بھوکے پیاسے مر جائیں، اس کا خیال تھا کہ اصحاب کہف بیدار ہیں اور غار کے بند ہو جانے کا ان کو علم ہے، حالانکہ اللہ نے نیند کی حالت کی طرح ان کی روحوں کو قبض کر لیا تھا، کتا غار کے دروازے پر اگلے دونوں پاؤں پھیلائے بیٹھا تھا اور جس طرح نیند اصحاب کہف پر مسلط کر دی گئی تھی اسی طرح کتے پر بھی نیند چھا گئی تھی۔ اللہ کے حکم سے اصحاب کہف سونے میں دائیں بائیں کروٹیں بھی لیتے تھے (اگر ایک پہلو پر پڑے رہتے تو ممکن تھا گوشت گل جاتا اس لئے کروٹ لینا ضروری تھا)

Marfat.com

شاہ دقیانوس کے خاندان میں دو آدمی مومن بھی تھے جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے ایک کا نام بیدروس تھا دوسرے کا رلیاش تھا، دونوں نے مشورہ کرنے کے بعد اصحاب کہف کے نام نسب، خاندان اور پورا واقعہ رانگ کی ایک تختی پر لکھ کر تانبے کے صندوق میں تختی کو رکھ کر ایک بنیاد میں صندوق کو اس خیال سے دفن کر دیا کہ قیامت سے پہلے ممکن ہے اہل ایمان کا کوئی گروہ اس جگہ قابض ہو جائے اور اس تحریر کو پڑھ کر ان کو اصحاب کہف کا واقعہ معلوم ہو جائے..... دقیانوس اور اس کی قوم کے بعد صدیاں گزر گئیں اور پے در پے بادشاہ آتے جاتے رہے اور اصحاب کہف غار کے اندر استراحت فرماتے رہے اور صندوق دفن رہا۔ عبید بن عمیر کا بیان ہے کہ اصحاب کہف چند نوجوان تھے جو گلے میں طوق اور ہاتھوں میں کنگن پہنے ہوئے تھے، زلفیں چھوڑی ہوئی تھیں، ایک شکاری کتا، ان کے ساتھ تھا کسی بڑے تہوار کے موقع پر بن سج کر گھوڑوں پر سوار ہو کر نکلے اور ساتھ میں ان بتوں کو بھی لے لیا جن کو پوجتے تھے اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان پیدا کر دیا، ان میں سے ایک وزیر بھی تھا سب در پردہ مومن تو ہو گئے لیکن ہر ایک نے دوسرے سے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھا اور ہر ایک نے دل میں طے کر لیا کہ ان کافروں کے ساتھ مجھے نہ رہنا چاہئے کہیں ان کے جرائم پر آنے والا عذاب مجھ پر نہ آجائے۔ غرض سب الگ الگ ہو گئے پہلا ایک جا کر کسی درخت کے سایہ میں تنہا بیٹھ گیا، دوسرے نے اس کو تنہا بیٹھے دیکھا تو خیال کیا کہ شاید اس کی حالت بھی میری حالت کی طرح ہو گئی ہے، اس لئے زبان سے ظاہر کئے بغیر اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا، پھر تیسرا اسی خیال کو لے کر چلا اور دونوں کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ اس طرح ایک ایک کر کے سب جمع ہو گئے۔ پھر ایک نے ایمان کو پوشیدہ رکھتے ہوئے ڈرتے ڈرتے دوسرے سے کہا، آپ حضرات یہاں کس غرض سے جمع ہوئے ہیں، دوسرے نے بھی یہی پوچھا، اور تیسرے چوتھے، غرض سب نے یہی سوال کیا، پھر دو دو کی ٹکڑیاں بنا کر انتہائی رازداری کے ساتھ ایک نے دوسرے پر حقیقت ظاہر کی اور معلوم ہوا کہ سب مومن ہیں، پہاڑ میں قریب ہی ایک غار تھا سب نے مشورہ کر کے اس کی طرف رخ کیا اور غار میں چلے گئے، شکاری کتا بھی ساتھ تھا اندر جا کر سب سو گئے اور ۳۰۹ برس تک سوتے رہے۔ قوم والوں نے ان کو تلاش کیا لیکن اللہ نے غار کو ہی ان کی نظر سے غائب کر دیا، اور تمام نشانات محو کر دیئے، مجبوراً ان کے نام نسب خاندان ایک تختی پر تحریر کئے اور لکھ دیا کہ فلاں فلاں اشخاص جو فلاں فلاں بادشاہ (امراء) کے بیٹے تھے، فلاں بادشاہ کے دور حکومت میں فلاں سال فلاں مہینے کھو گئے اور تلاش کے بعد بھی نہیں ملے، پھر یہ تختی سرکاری محافظ خانہ میں رکھ دی گئی، کچھ مدت کے بعد وہ بادشاہ مر گیا اور صدیاں گزر تی گئی۔

وہب بن منبہ نے بیان کیا حضرت عیسیٰ کا ایک حواری اصحاب کہف کے شہر کو گیا تھا، شہر کے اندر داخل ہونے کا ارادہ کیا، کسی نے کہا شہر کے دروازے پر ایک بت ہے، پہلے اس بت کو سجدہ کرنا پڑتا ہے، پھر اندر داخل ہونے کی اجازت دی جاتی ہے، حواری نے اس حرکت کو پسند نہیں کیا اور شہر کے قریب ایک حمام میں جا کر حمام والے کی نوکری کر لی اور کام کرنے لگا، حمام والے کو حواری کے آتے ہی بڑی برکت حاصل ہوئی اس کے کام کو بہت ترقی ہو گئی۔ شہر کے بعض نوجوانوں کا بھی اس حواری سے کچھ تعلق ہو گیا وہ اس کے پاس بیٹھنے لگے، حواری ان کو آسمان و زمین کی خبریں سناتا تھا اور وہ شوق سے سنتے تھے آخر وہ لوگ حواری پر ایمان لے آئے اور عیسائی ہو گئے۔ حواری نے حمام والے سے شرط کر لی تھی کہ رات کو میری نماز میں کوئی مداخلت نہ کرے رات میری ہے، رات کو کوئی کام نہیں کروں گا ایک روز شہزادہ ایک عورت کو لے کر حمام میں آیا، حواری نے کہا آپ شہزادے ہیں اور اس عورت کو لے کر حمام میں داخل ہو رہے ہیں۔ شہزادہ کو شرم آئی اور واپس چلا گیا، لیکن دوسری مرتبہ پھر آیا اور حواری نے پہلی بار کی طرح نصیحت کی، اس مرتبہ حواری کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ کی بلکہ اس کو جھڑک دیا، دونوں حمام میں داخل ہو گئے۔ بادشاہ کو کسی نے اطلاع دی کہ شہزادہ کو حمامی نے قتل کر دیا، بادشاہ نے حمامی کی تلاش کے لئے آدمی بھیجے مگر وہ بھاگ گیا، ہاتھ نہیں آیا۔ بادشاہ نے پوچھا، اس کے ساتھ کون لوگ رہتے تھے لوگوں نے بتایا فلاں فلاں جوان رہتے تھے، ان جوانوں کی جستجو کی گئی لیکن وہ بھی شہر سے باہر نکل گئے اور راستہ میں ایک اور شخص کو بھی ساتھ لے لیا جو انہیں کی طرح ایمان پر قائم تھا۔ ایک کتا بھی ساتھ ہو لیا، حمامی سب کو ایک غار پر لے گیا، سب اس میں داخل ہو گئے اور وہیں رات

Marfat.com

گزرنے کا ارادہ کر لیا اور طے کر لیا کہ آج رات یہیں رہو، صبح ہو گی تو کچھ سوچیں گے۔ چنانچہ اندر پہنچ کر رات کو بے خبر سو گئے بادشاہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان کی جستجو میں نکلا اور غار پر جا پہنچا، معلوم ہوا وہ لوگ اندر جا چکے ہیں، بادشاہ کے ساتھیوں میں سے کسی شخص نے اندر گھسنے کا ارادہ کیا مگر دہشت زدہ ہو گیا پھر کسی میں اندر گھسنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ایک شخص نے بادشاہ سے کہا اگر وہ آپ کے ہاتھ آجاتے تو کیا آپ کا ارادہ ان کو قتل کر دینے کا نہ تھا۔ بادشاہ نے کہا بلاشبہ یہی ارادہ تھا۔ اس شخص نے کہا تو اب غار کے دروازے کو بند کرا کے کوئی دیوار بنوا دیجئے کہ اندر بھوکے مر جائیں (بہر حال قتل کر دینا تو مقصد ہی ہے) بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔

وہب کا بیان ہے، دروازے کی بندش کو اس کے بعد طویل زمانہ گزر گیا، ایک دور کے بعد دوسرا دور آیا اور گزرتا چلا گیا مدت کے بعد اتفاقاً جنگل میں کسی چرواہے کو بارش نے آگھیرا وہ بکریاں بھیڑیں لے کر پناہ لینے کے لئے اس غار کی طرف آیا اور بکریوں کو سایہ میں محفوظ رکھنے کے لئے کوشش کر کے اس نے دروازہ کھول دیا ادھر صبح ہوئی تو اللہ نے ان کی روحیں لوٹا دیں (یعنی ان کو بیدار کر دیا اور ایسا معلوم ہوا کہ رات بھر سو کر صبح کو بیدار ہوئے ہیں)۔

محمد بن اسحاق نے لکھا ہے مدت کے بعد وہاں کی حکومت ایک نیک آدمی کے ہاتھ آگئی اس شخص کا نام بیدوسیس تھا، اس کی حکومت کو جب ۶۸ سال گزر گئے تو لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے، ایک گروہ مومنوں کا تھا جو اللہ پر ایمان رکھتا اور قیامت کو حق جانتا تھا اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا جو اللہ اور قیامت کا منکر تھا، بیدوسیس کو یہ پھوٹ اور گمراہی کا پھیلاؤ دیکھ کر بڑا رنج ہوا وہ اللہ کے سامنے رو دیا، زاری کی اور اس کو اس بات سے بڑا دکھ ہوا کہ اہل باطل حق پرستوں پر غالب ہوتے بڑھتے چلے جا رہے ہیں اہل باطل حشر جسمانی کے قائل نہیں تھے صرف حشر روحانی کو مانتے تھے اور دنیوی زندگی پر ہی ریجھے ہوئے تھے، بیدوسیس نے ان لوگوں کو بلوایا جن کے متعلق خیال تھا کہ وہ ائمہ حق اور اصحاب خیر ہیں جب وہ آئے تو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ بھی قیامت کے قائل نہیں ہیں اور لوگوں کو حواریوں کے دین و مذہب سے مرتد بنا دینے اور لوٹا دینے کے خواستگار ہیں یہ دیکھ کر بادشاہ اپنے کمرے میں چلا گیا، دروازہ بند کر لیا، کمبل کا لباس (یعنی فقیرانہ لباس) پہن لیا اور راکھ بچھا کر اس پر بیٹھ گیا اور مدت تک رات دن مسلسل اللہ کے سامنے گریہ و زاری کرتا اور دعا کرتا رہا کہ الٰہی تو ان لوگوں میں تفرقہ پڑ جانے سے واقف ہے کوئی ایسی نشانی ظاہر کر دے، جس سے ان لوگوں کو اپنے عقیدہ کا غلط اور باطل ہونا واضح ہو جائے۔ یوں بھی اللہ رحمٰن و رحیم ہے اس کو اپنے بندوں کا تباہ ہونا پسند نہیں، اس نے اپنے نیک بندے بیدوسیس کی دعا قبول فرمائی اور اصحاب کہف کی حالت کو ظاہر کرنا اور ان کو منکرین قیامت کے خلاف بطور دلیل پیش کرنا اور ثبوت قیامت اور مردوں کی بعثت پر یقین دلانے کے لئے ایک نشانی نمایاں کرنا چاہا۔ اس کی یہ بھی مرضی ہوئی کہ مسلمانوں کا بکھرا ہوا شیرازہ پھر مجتمع ہو جائے جس کی صورت اس نے یہ پیدا کی کہ جس بستی میں اصحاب کہف کا غار تھا وہیں ایک باشندہ کے دل میں یہ ارادہ پیدا کر دیا کہ غار کے دروازے پر جو عمارت بنائی گئی تھی اس کو ڈھا کر اپنی بکریوں کے لئے ایک باڑہ بنا دے اس شخص کا نام اولیاس تھا، اولیاس نے دو مزدور رکھ کر غار کے دروازے کی عمارت کے پتھر اکھڑ والنا اور اپنی بکریوں کے لئے باڑہ بنوانا شروع کر دیا آخر دروازہ کی ساری عمارت صاف کر دی اور دروازہ کھل گیا، پھر اللہ نے اصحاب کہف کو اٹھا کر بٹھا دیا وہ خوش خوش شگفتہ رو، ہشاش بشاش اٹھے اور خیال کیا کہ حسب معمول ہم رات کو سوئے تھے اور صبح ہوئی تو بیدار ہو گئے۔ پھر معمول کے مطابق انہوں نے نمازیں پڑھیں اور کوئی ایسی علامت ان کے چہروں پر نمودار نہیں ہوئی جس سے اجنبیت یا انوکھا پن ظاہر ہوتا وہ یہی سمجھتے رہے کہ بادشاہ دقیانوس ہماری جستجو میں لگا ہوا ہے۔ اتنی بات ضرور تھی کہ وہ یہ سمجھے تھے کہ ہم آج کچھ زیادہ سوئے اسی لئے انہوں نے باہم پوچھنا شروع کیا ہم کتنی دیر سوئے کسی نے کہا ایک دن، دوسرے نے کہا کچھ کم ایک دن سوئے ہوں گے (تعیین کے ساتھ صحیح مقدار خواب کوئی نہ بتا سکا) بالآخر بول اٹھے اللہ ہی جانے ہم کتنے وقت سوتے رہے۔ نماز کے بعد انہوں نے اپنے ایک ساتھی سے جس کا نام تملیخا تھا اور جس کے پاس سب کا خرچ تھا، کہا ذرا جا کر خبر لاؤ کہ اس ظالم کے سامنے شام کو (ہمارے آنے کے بعد) لوگوں نے کیا باتیں کیں۔ تملیخا نے کہا کیا

Marfat.com

تم شہر میں نہیں ہو، وہ ظالم چاہتا ہے کہ تم کو پکڑوا لے اور تم اس کے بتوں پر قربانیاں چڑھاؤ اور انکار کرو تو وہ تم کو قتل کرادے۔ جو اللہ چاہے گا وہ ہوگا فکر کس بات کی ہے مکسلمینا بولا، دوستو! خوب سمجھ لو کہ تم سب کو اللہ کے سامنے جانا ہے اللہ کے اس دشمن کے کہنے سے اپنا ایمان چھوڑ کر کافر نہ بن جانا، اس کے بعد سب نے تملیخا کو مامور کیا کہ شہر کو جا کر خبر لائے کہ وہاں کیا تذکرے ہو رہے ہیں اور دقیانوس سے کیا باتیں کہی جا رہی ہیں اور ذرا چالاکی سے جانا کسی کو تمہارا پتہ نہ چل جائے اور وہاں سے کھانے کے لئے بھی کچھ زیادہ خرید کر لانا ہم سب بھوکے ہیں۔ تملیخا تیار ہو گیا اور بھیس بدلا، کپڑے اتار کر دوسرے پہنے اور دقیانوسی سکہ لے کر باہر نکلنے کے لئے چل دیا، غار کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا دروازے کے پتھر اکھڑے ہوئے ہیں دیکھ کر تعجب کیا لیکن کچھ زیادہ پرواہ نہیں کی اور چھپتا چھپاتا اور راستے سے کتراتا شہر کے دروازے پر پہنچ گیا وہ دقیانوس ہی کا زمانہ سمجھا تھا، اس لئے ڈرتا تھا کہ کوئی اس کو پہچان نہ لے۔ اس کو معلوم ہی نہ تھا کہ دقیانوس کو مرے ہوئے تین سو برس ہو گئے۔ شہر کے دروازے پر پہنچا اور دروازے کے اوپر نظر پڑی تو ایسی علامتیں دکھائی دیں کہ ایمان والوں کو یہاں آزادی ہے، علامات سے اس بستی کا ایمانداروں کی بستی ہونا ظاہر ہو رہا تھا یہ دیکھ کر بڑا تعجب کیا اور پوشیدہ طور پر حیرت سے دروازے کو دیکھنے لگا پھر اس دروازے کو چھوڑ کر شہر کے دوسرے دروازے کی طرف گیا، وہاں بھی وہی علامتیں دکھائی دیں جو پہلے دروازے پر تھیں خیال کیا کہ یہ وہ شہر ہی نہیں ہے کوئی دوسرا شہر ہے جو میری شناخت میں نہیں آ رہا ہے، وہاں کچھ لوگوں کو باتیں کرتے ہوئے پایا تو وہ لوگ بھی غیر نظر آئے، غرض تعجب میں پڑ گیا اور خیال کیا کہ راستہ بھٹک گیا پھر لوٹ کر پہلے دروازہ پر آ گیا اور حیرت کرنے لگا کہ یہ وہی چیزیں ہیں جو کل رات تھیں یہ نشانیاں تو مسلمانوں کی ہیں جن کو وہ پوشیدہ رکھا کرتے تھے اور آج یہ نظروں کے سامنے ہیں کیا میں سوتے میں خواب دیکھ رہا ہوں پھر خود ہی کہتا تھا میں تو جاگ رہا ہوں آخر اپنی چادر سر پر ڈالی اور شہر میں داخل ہو گیا، چلتے چلتے بازار میں پہنچا تو وہاں کچھ لوگوں کو حضرت عیسیٰ بن مریم کی قسمیں کھاتے ہوئے سنا اس کے دل میں اور زیادہ ڈر پیدا ہوا اور یقین کر لیا کہ میں راستہ بھول کر کہیں اور آنکلا ایک دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور دل ہی دل میں کہنے لگا، کل شام تو سوائے چند آدمیوں کے اس سرزمین پر عیسیٰ بن مریم کا نام لینے والا کوئی بھی نہ تھا، آج صبح کیا بات ہو گئی کہ جس سے سنتا ہوں وہ بے دھڑک عیسیٰ کا ذکر کر رہا ہے، شاید میں کسی انجان شہر میں آ گیا۔ مگر ہمارے شہر کے قریب تو کوئی اور بستی بھی نہ تھی، پھر ایک جوان سے ملاقات ہوئی اور اس سے تملیخا نے اس شہر کا نام پوچھا، جوان نے کہا اس شہر کا نام افسوس ہے۔ تملیخا نے دل میں کہا شاید میں مسلوب الحواس اور بے عقل ہو گیا، اب تو میرے لئے یہی مناسب ہے کہ میں یہاں سے نکل جاؤں اس سے پہلے کہ میری بے عزتی کی جائے یا کوئی اور افتاد مجھ پر پڑے اور میں مارا جاؤں پھر ذرا ہوش آیا تو کہنے لگا قبل اس کے کہ لوگ مجھے جان لیں، یہاں سے بہت جلد نکل جانا ہی مناسب ہے یہ سوچ کر فوراً نان فروشوں کے پاس گیا اور چاندی کا سکہ جو ساتھ لیا تھا نکال کر ایک نان فروش کو دے کر کھانا طلب کیا، نان فروش نے روپیہ لے کر اس کو غور سے دیکھا، مہر اور سکہ کی ضرب پر نظر کی اور تعجب کیا پھر ایک اور آدمی کی طرف پھینک دیا اس نے بھی غور سے دیکھا، اس طرح چند آدمی دیکھنے لگے، ایک دوسرے کی طرف پھینک دیتا، اور وہ دیکھ کر تیسرے کی طرف پھینک دیتا۔ اب ان لوگوں نے آپس میں کہنا شروع کیا، پرانے زمانے کا گڑا ہوا کوئی پوشیدہ دفینہ اس شخص کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ تملیخا نے جو ان لوگوں کو سکے کے متعلق گفتگو کرتے دیکھا تو اس کو بڑا ڈر لگا۔ خوف کے مارے کانپنے لگا اور سمجھ گیا کہ یہ لوگ مجھے پہچان گئے اور شاہ دقیانوس کے پاس مجھے پکڑ کر لے جانا چاہتے ہیں کچھ دوسرے لوگ اور بھی آ گئے اور تملیخا کو انہوں نے پہچاننے کی کوشش کی مگر پہچان نہ سکے۔ تملیخا نے ان لوگوں سے ڈرتے ڈرتے کہا، مجھ پر مہربانی کرو تم نے میرا روپیہ بھی لے لیا اور کھانا بھی نہیں دیا اب مجھے تمہارے کھانے کی ضرورت نہیں اور روپیہ بھی تم ہی رکھ لو، لوگوں نے پوچھا اے شخص تو ہے کون اور واقعہ کیا ہے یقیناً گزشتہ لوگوں میں سے کسی کا کوئی دفینہ تجھے مل گیا ہے تو اس کو ہم سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ہم کو اپنے ساتھ لے کر چل اور دفینہ دکھا اور ہم کو بھی اس میں حصہ دار بنا۔ اس صورت سے تو ہم تیرا معاملہ پوشیدہ رکھیں گے، ورنہ حاکم کے پاس لے جائیں گے اس کے سپرد کر دیں گے اور تو مارا جائے

Marfat.com

گا، تملیخانے ان کی باتیں سن لیں تو کہا اسی مصیبت میں پھنس گیا جس کا مجھے اندیشہ تھا، لوگوں نے کہا اے شخص خدا کی قسم اب تو ہم سے چھپا کے تو نہیں رکھ سکتا، تملیخا کی سمجھ میں نہ آیا کہ ان باتوں کا کیا جواب دے، ڈر کے مارے خاموش رہا، کچھ بھی نہیں بتایا، لوگوں نے دیکھا کہ وہ بولتا ہی نہیں تو سر سے چادر کھینچ کر گلے میں ڈال کر کھینچتے ہوئے شہر کی گلیوں میں لے گئے، گلیوں والے وجہ پوچھتے تو بتاتے یہ شخص اس لئے پکڑا گیا ہے کہ اس کے پاس پرانا دفینہ ہے، غرض شہر کے تمام باشندے چھوٹے بڑے جمع ہونے لگے اور تملیخا کو دیکھ کر کہنے لگے یہ آدمی اس شہر کا رہنے والا تو ہے نہیں ہم نے اس کو کبھی نہیں دیکھا، تملیخا ڈر کے مارے خاموش تھا، بات ہی نہیں کرتا تھا، لیکن یہ اس کو یقین تھا کہ اس کا باپ، بھائی اور قرابتدار اسی شہر میں موجود ہیں اور اس شہر کے بڑے لوگ ہیں جب وہ سنیں گے تو یقیناً آئیں گے اور یہ لوگ اگر پکڑ کر لے جانا چاہیں گے تو گھر والے آکر چھڑا لیں گے، بے چارہ اسی انتظار میں تھا کہ لوگ اس کو شہر کے دو حاکموں کے پاس لے جانے لگے۔ یہ دونوں حاکم شہر کے منتظم تھے اور نیک آدمی تھے، ایک کا نام اریوس اور دوسرے کا نام اشطیوس تھا۔ تملیخا واقف نہ تھا، راستہ میں گھر والوں کے انتظار میں دائیں بائیں دیکھتا جاتا تھا اور لوگ پاگل کی طرح اس کی ہنسی بنا رہے تھے۔ تملیخا نے روتے ہوئے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہا اے اللہ تو آسمانوں کا اور زمین کا الٰہ ہے۔ آج میرے دل میں صبر ڈال دے اور اپنی طرف سے میرے ساتھ روح (جبرئیلؑ) یا اور کوئی غیبی مددگار کو بھیج دے جو اس ظالم کے سامنے میری مدد کرے، غریب تملیخا آنسو بہا رہا تھا اور دل میں کہہ رہا تھا دوستوں سے مفارقت ہو گئی، میں ان سے بچھڑ گیا۔ جو کچھ مجھے پیش آیا کاش اس کی ان کو اطلاع ہو جاتی تو وہ یقیناً آجاتے اور سب مل کر اس ظالم کے سامنے جاتے کیونکہ ہم نے آپس میں معاہدہ کر لیا تھا کہ کوئی جدا نہ ہو، سب ساتھ رہیں گے زندگی میں بھی اور مرنے میں بھی۔ وہ اپنے دل میں یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ لوگ دو نیک حاکموں یعنی اریوس اور اشطیوس کے پاس لے پہنچے جب تملیخا نے دیکھا مجھے دقیانوس کی پاس نہیں لے جایا جائے گا تو ہوش درست ہو گئے اور رونا موقوف کر دیا اریوس اور اشطیوس نے روپیہ لے کر دیکھا اچنبھے میں پڑ گئے اور دریافت کیا اے شخص جو دفینہ تجھ کو ملا ہے وہ کہاں ہے۔ تملیخا نے کہا مجھے تو کوئی دفینہ نہیں ملا یہ روپیہ تو میرے باپ دادا سے میرے پاس آیا ہے ضرب اور ٹکسال اسی شہر کی ہے لیکن میری سمجھ میں خود اپنی حالت نہیں آتی کہ میں کہاں ہوں، کل میں نے کیا دیکھا تھا اور آج کیا دیکھ رہا ہوں، کہوں کیا۔ حاکم نے پوچھا تم کون ہو تملیخا نے جواب دیا، میں اسی شہر کا رہنے والا ہوں، پوچھا تمہارے باپ کا کیا نام ہے اور تم کو کوئی پہچاننے والا بھی ہے، تملیخا نے باپ کا نام بتایا لیکن حاضرین میں کوئی شخص بھی ایسا نہ تھا جو اس کے باپ کو جانتا ہو۔ حاکم نے کہا تو جھوٹا ہے، سچی بات نہیں بتاتا، تملیخا نے سر جھکا لیا اور سمجھ میں نہ آیا کہ جواب کیا دے۔ ایک شخص بولا یہ دیوانہ ہے، دوسرا بولا دیوانہ نہیں ہے چھوٹنے کے لئے دیوانہ بن رہا ہے، حاکم نے تملیخا کو سخت نظر سے دیکھا اور کہا کیا تو یہ خیال کرتا ہے کہ ہم تجھے چھوڑ دیں گے اور تیری اس بات کو مان لیں گے کہ یہ سکہ تجھے باپ دادا سے ملا ہے اس کی ضرب اور نقوش تو تین سو برس سے بھی زیادہ پہلے کے ہیں۔ تو جوان لڑکا ہے ہم سے باتیں بنا کر ہماری ہنسی اڑانا چاہتا ہے، حالانکہ ہمارے بال سفید ہو چکے ہیں اور تیرے گرداگرد شہر کے سردار اور کرتا دھرتا ہیں۔ اس شہر کے تمام دفینے ہمارے ہاتھوں میں ہیں ان میں کوئی درہم و دینار اس ضرب کا نہیں ہے میرا خیال ہو رہا ہے کہ تجھے سخت سزا دے کر قید کر دینے کا حکم جاری کر دوں اور اس وقت تک قید رکھوں کہ تو دفینہ ملنے کا اقرار کر لے، حاکم کی یہ تقریر سن کر تملیخا نے کہا، میں آپ لوگوں سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں اگر آپ اس کا جواب دے دیں گے تو جو کچھ میرے پاس ہے میں بھی وہ سچ سچ تم کو بتا دوں گا، حاضرین نے کہا پوچھو ہم تم سے کوئی بات نہیں چھپائیں گے۔ تملیخا نے کہا دقیانوس بادشاہ کہاں گیا، لوگوں نے جواب دیا، اب روئے زمین پر اس نام کا کوئی بادشاہ موجود نہیں ہے، بہت پرانے زمانے میں دقیانوس بادشاہ تھا وہ مر گیا اور اس کے بعد صدیاں بیت گئیں۔ تملیخا نے کہا تو یقیناً میں راہ سے بھٹک گیا ہوں، کوئی شخص مجھے سچا نہیں جانے گا، لیکن میں کہتا ہوں کہ ہم چند جوان دین اسلام پر قائم تھے، بادشاہ نے ہم کو بت پرستی پر مجبور کیا۔ ہم نے انکار کیا اور کل شام بھاگ نکلے اور غار میں جا کر سو رہے صبح کو بیدار ہوئے تو میں کھانا خریدنے اور احوال کی ٹوہ لگانے کے لئے نکلا، کوہ بیجلوس کے غار تک تم لوگ میرے ساتھ چلو، میں اپنے ساتھیوں سے

Marfat.com

تمہاری ملاقات کراؤں گا، تملیخا کی یہ بات سن کر اریوس، اشطیوس اور تمام شہر والے چھوٹے بڑے اصحاب کہف کو دیکھنے کے لئے تملیخا کے ساتھ چل پڑے۔ ادھر اصحاب کہف کے پاس کھانا لے کر جب تملیخا واپس نہیں پہنچا اور مقررہ مدت سے زیادہ وقت گزر گیا تو انہوں نے خیال کر لیا کہ تملیخا گرفتار ہو گیا اور پکڑ کر لوگ دقیانوس کے پاس لے گئے وہ یہ خیال کر ہی رہے تھے کہ کچھ آوازیں اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی کھٹ کھٹ سنائی دی فوراً سمجھ گئے کہ یہ ظالم دقیانوس کے بھیجے ہوئے لوگ ہیں اور ہم کو گرفتار کرنے کے لئے ان کو بھیجا گیا ہے، فوراً نماز کو کھڑے ہو گئے اور نماز کے بعد ایک نے دوسرے کو دعا سلامتی دی اور حق پر قائم رہنے کی وصیت کی پھر آپس میں کہا چلو اپنے بھائی تملیخا کے پاس چلیں وہ ظالم دقیانوس کے پاس ہمارے پہنچنے کے انتظار میں ہوگا وہ غار کے اندر سامنے کے رخ پر بیٹھے، یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اریوس اور اس کے ساتھی غار کے دروازے پر آکھڑے ہوئے اور تملیخا آگے بڑھ کر روتا ہوا اندر آ گیا اس کو روتا دیکھ کر اصحاب کہف نے حالات دریافت کئے۔ تملیخا نے کل حال بیان کر دیا، اس وقت سب کی سمجھ میں آیا کہ اس پوری مدت اللہ کے حکم سے ہم سوتے رہے، اللہ ہم کو ایک نشانی اور قبروں سے مردوں کے اٹھانے کی ایک دلیل بنانا چاہتا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ قیامت حق ہے اس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں جو اللہ تین سو برس تک سلانے کے بعد بیدار کر کے اٹھا سکتا ہے وہ مردوں کو بھی زندہ کر کے اٹھا سکتا ہے کیونکہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہی ہے تملیخا کے پیچھے اریوس بھی اندر پہنچ گیا دروازہ پر اس کو تانبے کا ایک صندوق دکھائی دیا، جس پر چاندی کی مہر لگی تھی اریوس نے باہر سے ایک سردار کو بلا کر اس کے سامنے صندوق کھولا، صندوق کے اندر رانگ کی دو تختیاں ملیں ان پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ مکسلینا، مخشلینا، تملیخا، مرطونس، بشر طونس، بیربوس، دیومس اور یطبونس۔ ظالم بادشاہ دقیانوس کے ڈر سے بھاگ گئے تاکہ بادشاہ ان کے دین سے ان کو منحرف نہ کر سکے اور یہ لوگ اس غار کے اندر گھس گئے۔ بادشاہ کو اطلاع ملی کہ وہ لوگ اس غار کے اندر چلے گئے تو اس نے پتھروں سے غار کا منہ بند کر دینے کا حکم دے دیا، ہم نے ان حضرات کا حال اور واقعہ اس لئے لکھ دیا کہ بعد کو آنے والے لوگوں کو اس کا علم ہو جائے، اگر وہ اس تحریر سے واقف ہو جائیں۔ تمام حضرات کو یہ تحریر پڑھ کر تعجب ہوا اور اللہ کا شکر ادا کرنے لگے جس نے ان کو اپنی قدرت کی نشانی دکھا دی پھر اریوس اور اس کے ساتھی غار کے اندر اصحاب کہف سے جا کر ملے۔ اصحاب کہف بیٹھے ہوئے تھے چہرے نور سے دمک رہے تھے، ان کے کپڑے بھی پرانے نہیں ہونے پائے تھے، اصحاب کہف کو اس حالت میں دیکھ کر اریوس اور اس کے ساتھی اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑے اور اللہ کی حمد میں رطب اللسان ہو گئے، جس نے ان کو یہ نشانی دکھائی۔ اس کے بعد اصحاب کہف نے اریوس اور اس کے ساتھیوں کو اپنی سرگزشت سنائی اریوس نے ایک قاصد اپنے دیندار بادشاہ بیدوسیس کے پاس بھیجا اور تحریر کیا کہ آپ فوراً آجائیں تاکہ اللہ کی قدرت کی وہ نشانی آپ بھی دیکھ لیں جو اللہ نے آپ کے دور سلطنت میں لوگوں کی ہدایت کے لئے نمودار کی ہے کہ تین سو برس مردہ رکھنے کے بعد اللہ نے ان لوگوں کو زندہ کر کے اٹھا دیا، بادشاہ نے جونہی یہ اطلاع سنی اس کا سارا غم جاتا رہا، اور اللہ کی ستائش کرتے ہوئے اس نے کہا شکر ہے تیرا اے آسمانوں کے، زمین کے مالک میں تیری عبادت کرتا ہوں تمام عیوب و نقائص سے تیرے پاک ہونے کا اقرار کرتا ہوں، تو نے مجھ پر بڑا احسان کیا، بڑی مہربانی کی اور جو روشنی تو نے میرے آباء واجداد اور نیک بندے قسطیطینوس کو عطا فرمائی تھی وہ مجھے بھی مرحمت فرمائی، میرے لئے اس نور کو نہیں بجھایا، ملک والوں کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ بھی شہر افسوس میں آ گئے اور سب بیدوسیس کے ساتھ غار کی طرف چل دیئے۔ بیدوسیس کو دیکھ کر اصحاب کہف خوشی سے کھل پڑے اور اللہ کے سامنے سربسجود ہو گئے، بیدوسیس ان کے سامنے جا کھڑا ہوا اور دوزانو ہو کر ان کو گلے لگا لیا اور زمین پر ان کے پاس بیٹھ گیا، کچھ دیر کے بعد اصحاب کہف نے بیدوسیس سے کہا اب رخصت فی امان اللہ آپ پر اللہ کی طرف سے سلامتی اور رحمت ہو، اللہ آپ کو اور آپ کی حکومت کو شر سے محفوظ رکھے اور جن وانس کے شر سے بچائے، ہم آپ کو اور آپ کے ملک کو اللہ کو پناہ میں دیتے ہیں بادشاہ کھڑا ہو گیا اور ابھی کھڑا ہی تھا کہ وہ لوگ اپنی خوابگاہوں کی طرف واپس چلے گئے اور سو گئے اور اللہ نے ان کی روحوں کو قبض کر لیا، بادشاہ نے ان کو کپڑے اوڑھا دیئے اور حکم دیا کہ ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ سونے کے صندوق میں رکھ دیا جائے۔ جب

Marfat.com

رات ہوئی اور بادشاہ سو گیا تو خواب میں اصحاب کہف نے آکر اس سے کہا ہم کو سونے چاندی سے نہیں پیدا کیا گیا تھا، مٹی سے بنایا گیا تھا ہم مٹی ہی کی طرف منتقل ہو رہے ہیں، اس لئے قیامت تک کے لئے ہم کو مٹی پر اسی حالت میں چھوڑ دو جس حالت میں ہم غار کے اندر تھے، قیامت کے دن اللہ ہم کو اسی مٹی سے اٹھائے گا۔ یہ خواب دیکھ کر بادشاہ نے سار کی لکڑی کے صندوق بنوائے اور صندوقوں میں رکھوا کر ان کو وہیں چھوڑ کر چلے آئے پھر اللہ نے ان کو لوگوں کی نظروں سے چھپا دیا اور خوف کی وجہ سے کوئی ان کو دیکھ بھی نہ سکا نہ غار کے اندر جا سکا، بادشاہ نے غار کے دروازے پر نماز کے لئے ایک مسجد بنوا دی اور ہر سال وہاں خوشی منانے کے لئے جمع ہونے کا حکم دے دیا۔

بعض روایات میں اس طرح آیا ہے کہ تملیخا کو جب بادشاہ کے سامنے لے جایا گیا اور بادشاہ نے پوچھا تو کون ہے، تملیخا نے جواب دیا میں اسی شہر کا رہنے والا ہوں فلاں جگہ میرا مکان ہے فلاں فلاں لوگ میرے رشتہ دار ہیں کل شام میں یہاں سے نکلا تھا تو کسی نے نہ تملیخا کو پہچانا نہ ان ناموں کے آدمیوں کو جن کا ذکر تملیخا نے کیا تھا، بادشاہ نے پہلے بھی سنا تھا کہ پرانے زمانہ میں کچھ نوجوان تھے، جن کے نام محافظ خانہ کے اندر کسی تختی پر لکھے ہوئے ہیں، تملیخا کی بات سن کر اس نے تختی منگوا کر دیکھی اور مندرجہ ناموں کو پڑھا تو ثابت ہوا کہ تملیخا کا نام اس کے اندر موجود ہے، باقی لوگوں کے متعلق تملیخا نے کہا یہ میرے ساتھیوں کے نام ہیں اس بات پر بادشاہ اپنے ساتھیوں کو لے کر تملیخا کی نشان دہی پر چل پڑا، غار کے دروازے پر پہنچ کر تملیخا نے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ میں پہلے اندر جا کر ان کو خوش خبری دے دوں، کیونکہ اگر تم بغیر اطلاع کے میرے ساتھ اندر جا پہنچو گے تو وہ لوگ خوفزدہ ہو جائیں گے، تملیخا اجازت ملنے کے بعد اندر گیا اور غار والوں کو خوش خبری دی خوش خبری سنتے ہی اللہ نے ان کی روحیں قبض کرلیں اور بادشاہ یا اس کے ساتھیوں کی نظروں سے اللہ نے ان کو اوجھل کر دیا کسی کو ان کا نشان اور راستہ بھی نہیں ملا، آیت اِذْ اَوَی الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ⑪ سو ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر سالہا سال تک نیند کا پردہ ڈال دیا۔ یعنی ہم نے ان کے کانوں پر ایسے پردے ڈال دیئے تھے کہ باہر کی آواز اندر داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ پردے سے مراد ہے نیند کا پردہ۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو سلا دیا کہ کسی آواز سے بیدار نہیں ہو سکتے تھے۔

سِنِيْنَ کے بعد لفظ عَدَدًا بڑھانے سے کثرت سنین کی طرف اشارہ ہے کم چیز کو گنا نہیں کرتے گنتی انہی چیزوں کی ہوتی ہے جو تعداد میں زیادہ ہوں۔

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ پھر ہم نے ان کو اٹھایا، یعنی بیدار کیا۔

ع ۱۲ ۱۳ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ⑫ تاکہ ہم معلوم کرلیں کہ ان دونوں گروہوں میں کون گروہ ان کے رہنے کی مدت سے زیادہ واقف تھا۔

اَلْحِزْبَيْنِ دو گروہ دو جماعتیں۔

اَمَدًا غایت، مدت۔ علم سے مراد علم حالی جس کا تعلق استقبال سے تھا۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ⑬

ہم آپ سے ان کا واقعہ ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اور ترقی کر دی تھی۔

اَلْحَقُّ سچ۔ فِتْيَةٌ کا مفرد فَتًى ہے جیسے صِبْيَةٌ کا مفرد صَبِيٌّ۔ هُدًى سے مراد ہے۔ ایمان اور بصیرت یعنی ہم نے ان کو حقیقی ایمان عطا کیا تھا، مجازی ایمان تو زبانی اقرار اور قلبی تصدیق کا نام ہے۔ اس میں نفس کا طغیان و کفران باقی رہتا ہے اور حقیقی ایمان کا حصول نفس کو فنا کرنے کے بعد ہوتا ہے (نفس کی سرکشی اور انانیت فنا ہو جاتی ہے تو حقیقی ایمان نصیب ہوتا ہے)۔

وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے۔ یعنی وطن، گھر بار، رشتہ دار، دولت مال

Marfat.com

وغیرہ کو ترک کرنے پر ان کو صابر بنایا، اظہار حق کرنے اور دقیانوس کے حکم کو ٹھکرانے کی ان میں جرأت پیدا کر دی، ان کو فنائے قلب کا مقام حاصل ہو گیا، ساری مخلوق کا تصور و خیال ان کے دلوں سے مٹ گیا، ہر چیز ان کی نظروں میں ہیچ ہو گئی اور اللہ کی محبت، عظمت اور خشیت ان کے دلوں میں جم گئی۔

اِذْ قَامُوْا جب وہ کھڑے ہوئے یعنی دقیانوس نے جب بت پرستی ترک کرنے پر ان کو ملامت کی تو اس کے سامنے کھڑے ہو کر فخر کے طور پر۔

فَقَالُوْا انہوں نے کہا۔

رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا ہمارا رب وہی ہے جو آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے ہم اس کے سوا کسی اور معبود کی ہرگز عبادت نہیں کریں گے۔

لَقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا﴿۱۴﴾ اگر ہم ایسا کریں گے تو یقیناً حد سے بڑھی ہوئی بے جا بات کہیں گے۔

شَطَطٌ دور ہو گیا۔ یعنی ایسی بات کے قائل ہوں گے جو حق سے دور اور حد (صداقت) سے باہر اور دائرہ ظلم میں داخل ہو گی۔

هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ ہماری اس قوم نے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنا رکھا ہے یعنی بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔

لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ بتوں کو پوجنے کی کوئی واضح دلیل یہ کیوں نہیں پیش کرتے۔ بغیر واضح دلیل کے دین کے عقائد نا قابل قبول ہیں، گمان اور باپ دادا کی پیروی عقائد کی صحت کو ثابت نہیں کر سکتی، عقائد میں بلا دلیل اتباع درست نہیں۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾ جو شخص اللہ پر دروغ بندی کرے اس سے بڑھ کر ظالم بھلا کون ہے۔ یعنی جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو ساجھی مانتا ہو اور کسی کو اللہ کی اولاد قرار دیتا ہو اس سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں، یوں تو کسی پر بھی دروغ تراشی ظلم ہے لیکن اللہ پر تہمت تراشی تو سب سے بڑا ظلم ہے۔

جب ان جوانوں نے دقیانوس کو دوٹوک جواب دے دیا (اور اس نے ان کو سوچنے غور کرنے کے لئے مہلت دے کر رخصت کر دیا) اور سب نے شہر سے بھاگ جانے کا ارادہ کر لیا (بلکہ بھاگ گئے) تو آپس میں کہا۔

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ اور جب تم ان (بت پرستوں) سے اور ان کے ان معبودوں (یعنی بتوں) سے جن کو اللہ کے سوا وہ پوجتے ہیں الگ ہو گئے ہو تو چل کر غار میں اپنا ٹھکانا بنالو (تاکہ باہر والا کوئی تم کو دیکھنے ہی نہ پائے) اصحاب کہف کی قوم والے دوسرے مشرکوں کی طرح صنم پرستی کے ساتھ خدا کی بھی پوجا کرتے تھے، اس لئے اصحاب کہف کو اپنے قول میں الا اللہ کہنے کی ضرورت ہوئی (مطلب یہ کہ تم بت پرستوں اور بت پرستی سے تو الگ ہو گئے ہو مگر خدا پرستی سے الگ نہیں ہو۔ خدا پرستی میں ان کے ساتھ ہو اور بت پرستی میں ان سے بیزار)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ اللہ کا قول بطور جملہ معترضہ بیچ میں ذکر کر دیا ہو اور مَا نافیہ ہو اور يَعْبُدُوْنَ کی ضمیر اصحاب کہف کی طرف راجع ہو، یعنی اللہ نے فرمایا کہ اصحاب کہف اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے۔

اَوْٗا اِلَى الْكَهْفِ یعنی غار کی طرف منتقل ہو جاؤ۔ اسی کو اپنا مسکن اور ٹھکانہ بنالو تاکہ کافروں کے سامنے رہنے سے بھی بچ جاؤ۔

يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾ تمہارا رب تم کو رزق کی فراخی عنایت کرے گا اور دونوں جہان میں اپنی رحمت سے تمہارے لئے کشائش فرمادے گا اور تمہارے تمام امور میں فائدہ کا سامان (خود) فراہم کر دے گا۔ مِرْفَقٌ اسم آلہ۔ وہ ذریعہ جس سے فائدہ حاصل ہو۔ اصحاب کہف کا ایمان پختہ اور اللہ کے فضل

Marfat.com

پر بھروسہ اٹل تھا، اس لئے انہوں نے یہ بات کہی۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزَاوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ط اور (اے رسول یا اے مخاطب) تو دیکھے گا کہ دھوپ جب نکلتی ہے تو ان کے غار سے دائیں جانب کو بچی رہتی ہے اور چھپتی ہے تو بائیں طرف کو ہٹی رہتی ہے اور وہ غار کے فراخ مقام میں ہیں۔

تَزَاوَرُ مڑ جاتا ہے، پھر جاتا ہے۔ یہ لفظ زَوَر سے بنا ہے زَوَر کا معنی ہے، جھکاؤ ذَاتَ الْيَمِيْنِ دائیں جانب ذَاتَ الشِّمَالِ بائیں جانب یعنی غار سے دائیں بائیں جانب۔ تَقْرِضُ کترا جاتا ہے، ان کو کاٹ دیتا ہے، ان کو چھوڑ دیتا ہے۔ فَجْوَةٍ کشادہ جگہ، یعنی وسط غار میں اصحاب کہف پڑے ہیں۔ نسیم وصبا کے جھونکے بھی ان کو لگتے ہیں، دھوپ کی گرمی سے بھی محفوظ ہیں اور غار کا کوئی دکھ ان کو نہیں پہنچتا۔

ابن قتیبہ نے لکھا ہے غار کا رخ بنات النعش کی طرف تھا، غار کے محاذات میں قریب ترین مشرق و مغرب راس سرطان کا مشرق و مغرب تھا جس وقت سورج کا مدار اور سرطان کا مدار ایک ہوتا تو سورج کا طلوع اس کے مقابل بجانب یمین ہوتا اور غروب کے وقت غار کے مقابل سورج بجانب شمال ہوتا، اس طرح غار کے دونوں پہلوؤں پر سورج کی شعاعیں پڑتیں اور عفونت پیدا نہ ہونے پاتی تھی اور ہوا میں اعتدال قائم رہتا تھا اور آفتاب کی کرنیں اصحاب کہف کے جسموں پر نہ پڑنے پاتی تھیں کہ بدن جھلس جائیں، دکھ پائیں اور کپڑے فرسودہ ہو جائیں۔

بعض علماء نے ابن قتیبہ کی اس جغرافیائی وضاحت پر تبصرہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ بنات النعش کے سامنے غار کا ہونا خواہ اثر انداز ہو لیکن حقیقت میں اللہ کی قدرت کار فرما تھی کہ اللہ اصحاب کہف کی طرف سے سورج کو پھیر دیتا تھا۔ اس کی طرف اشارہ آئندہ آیت میں کیا گیا ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ط یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، یعنی اللہ کی صنعت کی اعجوبہ کاری اور اس کی قدرت کی نشانی ہے۔

یہ بھی مطلب ہوتا ہے کہ یہ یعنی اصحاب کہف کا واقعہ اور غار میں ان کا پناہ گیر ہونا اور ان کی حفاظت کے لئے سامان فراہم کرنا اور پھر صحیح قصہ بیان کرنا، اللہ کی (قدرت صنعت، علم اور قرآن کی صداقت کی) ایک نشانی ہے۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ج جس کو اللہ ہدایت کر دے وہی ہدایت پانے والا ہے، یعنی جس کو ہدایت یاب ہونے کی توفیق دے دے وہی کامیاب اور فلاح پانے والا ہوتا ہے، اس جملہ میں اصحاب کہف کی تعریف ہے اور اس امر پر تنبیہ ہے کہ اصحاب کہف کے واقعہ کی طرح آیات قدرت بہت ہیں لیکن ان سے فائدہ اندوز وہی لوگ ہوتے ہیں جن کو غور و فکر کرنے کی اللہ توفیق عنایت فرمائے۔

ع ۲ ۵ ۱۴ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾ اور جس کو اللہ گمراہ کر دے (یعنی بے مدد چھوڑ دے اور ہدایت نہ کرے) اس کے لئے کوئی ذمہ دار مددگار اور ہدایت کرنے والا تم کو نہیں ملے گا۔

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ق اور (آنکھیں کھلی ہونے اور کثرت سے کروٹیں لینے کی وجہ سے) تم ان کو بیدار سمجھو گے حالانکہ وہ سو رہے ہیں۔ ایقاظ یَقِظٌ کی اور رُقُود رَاقِد کی جمع ہے جیسے قُعُود قَاعِد کی جمع ہے۔

وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ق اور (خواب میں بغیر ان کے ارادے کے) ہم ان کو دائیں بائیں کروٹ دلاتے ہیں۔ یعنی کبھی دائیں پہلو پر اور کبھی بائیں پہلو۔ پر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سوتے میں وہ لوگ ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر کو کروٹ بدلتے رہتے تھے تاکہ پڑے پڑے زمین ان کے گوشت کو نہ کھالے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ عاشوراء کے دن وہ کروٹ لیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے کہ سال میں ایک مرتبہ ان کی کروٹ ہوتی تھی۔

Marfat.com

وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ؕ اور ان کا کتا غار کے دہانے کے اندر اپنے دونوں اگلے ہاتھ پھیلائے پڑا ہے۔

مجاہد اور ضحاک نے وَصِیْد کا ترجمہ کیا ہے غار کا صحن۔ عطاء نے ترجمہ کیا دہلیز۔ سدی نے کہا وَصِیْد دروازہ کو کہتے ہیں۔ عکرمہ کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول آیا ہے۔ اکثر اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف کا کتا واقعی کتا ہی تھا، بعض علماء نے کہا کتا نہ تھا، شیر تھا، کلب ہر درندہ کو کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے عتبہ بن ابی لہب کو بد دعا دی تھی اور فرمایا تھا، الٰہی اپنے کسی کلب کو اس پر مسلط کر دے (بد دعا قبول ہوئی) عتبہ کو شیر نے پھاڑ کھایا۔ اول قول معروف ہے۔ اور دوسرا قول ابن جریج کا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ چت کبرا کتا تھا۔ ایک اور روایت میں آیا قلطی سے بڑا اور کردی (کتے) سے چھوٹا۔ مقاتل نے کہا اس کا رنگ زرد تھا، قرطبی نے کہا گہرا زرد مائل بسرخی تھا، کلبی نے کہا اس کا رنگ دھنی ہوئی اون یا روئی کی طرح تھا۔ بعض نے کہا حجری رنگ تھا، حضرت ابن عباسؓ کے قول پر اس کا نام قطمیر اور حضرت علیؓ کے قول پر اس کا نام ریان تھا، اوزاعی نے کہا تقور تھا۔ سدی نے کہا ثور تھا اور کعب نے کہا صہبا تھا۔ خالد بن معدان نے کہا سوائے اصحاب کے کتے اور بلعم (بن باعورا) کے گدھے کے اور کوئی چوپایہ جنت میں نہیں جائے گا۔ سدی کا قول ہے اصحاب کہف کروٹ لیتے تھے تو کتا بھی ان کے ساتھ کروٹ لیتا تھا۔ اصحاب کہف دائیں طرف کروٹ لیتے تھے تو کتا اپنا دلیاں کان موڑ کر (دائیں) بل پر ہو جاتا تھا اور اصحاب کہف بائیں کروٹ لیتے تھے تو کتا اپنا بایاں کان موڑ کر (بائیں) بل پر ہو جاتا تھا۔

لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ⑱ (اے مخاطب) اگر تو ان کو جھانک کر دیکھ پائے تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہو اور تیرے اندر ان کی دہشت سما جائے۔ یعنی تمہارا دل خوف زدہ ہو جائے گا اور اس میں رعب بھر جائے گا۔ خوف کی وجہ اس مقام کی وحشت اور سنسان پن ہے۔ کلبی نے کہا، اصحاب کہف کی آنکھیں بیدار آدمیوں کی طرح کھلی ہوئی ہیں، معلوم ہوتا ہے، اب بولنے ہی والے ہیں (منظر بڑا خوف آگیں ہے) بعض کا قول ہے ان کے بال بڑھے ہوئے اور ناخن لمبے ہو گئے ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اسی ہولناکی اور رعب آگینی کی وجہ سے کوئی وہاں جا نہیں سکتا۔ اس مقام کی رعب آگینی مانع دخول ہے، یہی قول صحیح بھی ہے۔ سعید بن جبیرؒ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، ہم معاویہ کی معیت میں روم کے جہاد کو گئے۔ راستہ میں اصحاب کہف کے غار کی طرف سے گزر ہوا، معاویہ بولے اگر (غار کے دہانہ یا بیچ کی دیوار کو) کھول دیا جاتا تو ہم اصحاب کہف کو دیکھ لیتے۔ میں نے کہا وہ ذات جو آپ سے بہتر تھی اس کو بھی اس سے روک دیا گیا تھا۔ اللہ نے فرما دیا تھا، لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا۔ معاویہ نے میری بات نہیں سنی اور کچھ لوگوں کو دیکھنے کے لئے بھیج دیا وہ لوگ جب غار میں داخل ہوئے تو اللہ نے کوئی ہوا (زہریلی گیس) ایسی پیدا کر دی کہ سب جل گئے۔ اخرجہ ابن ابی شیبۃ وابن المنذر وابن ابی حاتم۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ اور اسی طرح ہم نے ان کو اٹھایا، یعنی جس طرح نشان قدرت بنا کر غار کے اندر ہم نے طویل مدت تک ان کو سلایا اور ان کے اجسام کو سڑنے گلنے سے محفوظ رکھا۔ اسی طرح اس موت نما خواب سے ان کو بیدار کیا تاکہ ان کے بیدار ہونے سے بھی قدرت خداوندی کا مظاہرہ ہو۔

لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ ؕ تاکہ وہ آپس میں سوال (و جواب یعنی پوچھ گچھ) کریں اور اپنی حالت کا ان کو علم ہو جائے۔ اور اپنے ساتھ اللہ کے سلوک کو پہچان کر قدر خداوندی کا ان کو مزید یقین ہو جائے اور وقوع قیامت کے عقیدے میں بصیرت آگیں پختگی پیدا ہو جائے۔ اس تفسیر پر لِيَتَسَاءَلُوا میں لام علت کے لئے ہوگا۔ یعنی بیدار کرکے اٹھانے کی علت یہ تھی کہ وہ باہم سوال و جواب کریں۔ بغوی نے اس لام کو لام عاقب (لام نتیجہ) قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے اٹھانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے باہم سوال جواب کئے اصل غرض یہ نہ تھی۔

قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ ان میں سے ایک کہنے

Marfat.com

والے نے کہا آپ لوگ کتنی مدت سوتے رہے۔ دوسروں نے جواب دیا (پورے) ایک دن ہم (سوتے) رہے یا کچھ کم ایک دن۔ اصحاب کہف کو بیدار ہونے کے بعد یہ تو محسوس ہوا کہ ہم زیادہ دیر سوئے (لیکن دیر کی مقدار کتنی زیادہ ہوئی اس میں اختلاف رائے ہونے لگا) بعض اقوال میں آیا ہے کہ زیادہ دیر سونے سے ان کی کچھ نمازیں فوت ہو گئی تھیں اس لئے (بطور افسوس یا بطور تعجب) انہوں نے یہ بات کہی۔

غار میں صبح کو داخل ہوئے اور شام کو بیدار ہوئے اس لئے انہوں نے دن بھر سوتے رہنا ظاہر کیا۔ لیکن آفتاب ڈوبا نہ تھا۔ یہ دیکھ کر کچھ کم ایک دن کہا، غرض یہ جواب محض تخمینی تھا اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ غالب ظن کی بنیاد پر کوئی بات کہنا جائز ہے۔

اصحاب کہف نے جب اپنے بال اور ناخن بڑھے ہوئے دیکھے تو خیال کیا کہ ایک دن نہیں بلکہ ہم کو سوتے سوتے شاید کوئی لمبی مدت ہو گئی اس لئے،

قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ بولے تمہارے رب کو بخوبی علم ہے کہ تم لوگ کتنی دیر (سوتے) رہے۔ بعض اقوال میں آیا کہ ان کی جماعت کا سردار مکسلمینا تھا جب اس نے یہ اختلاف دیکھا تو اس نے کہا اس جھگڑے کو چھوڑو۔ اللہ ہی جانے تم کتنا (سوتے) رہے۔

فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ اپنے میں سے کسی کو (یعنی تملیخا کو) یہ روپیہ دے کر شہر (طرطوس) کو بھیجو۔ دور جاہلیت میں اس شہر کا نام افسوس تھا، عہد اسلامی میں افسوس کی بجائے طرطوس ہو گیا (روپیہ اصحاب کہف کے پاس تھا) اس سے معلوم ہوا کہ روپیہ اور توشہ ساتھ لینا (توکل کے خلاف نہیں بلکہ) متوکلوں کی شان ہے۔

وَرِقٌ، چاندی ٹھپہ دار ہو یا سادہ۔

فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ پھر تحقیق کرے کہ کونسا کھانا حلال ہے سو اس میں سے تمہارے پاس کچھ کھانا لے آئے (مولانا اشرف علی رحمہ اللہ۔ لیکن حضرت مفسرؒ نے حسب ذیل تشریح کی)

اَيُّهَآ یعنی اس شہر کے رہنے والوں میں کون زیادہ حلال کھانا بیچتا ہے جو کسی سے چھینا ہوا نہ ہو اور کسی حرام ذریعہ سے حاصل کیا ہوا بھی نہ ہو یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا ہو۔ ضحاک نے اَزْكٰى کا ترجمہ کیا پاکیزہ ترین۔ مقاتل بن حبان نے کہا نہایت عمدہ۔ عکرمہ نے کہا مقدار میں زیادہ۔ زکوٰۃ کا لغوی معنی ہے، افزونی، زیادتی۔ بعض نے کہا اَزْكٰى سے مراد ہے بہت سستا۔

وَلْيَتَلَطَّفْ اور خوش تدبیری سے کام لے یعنی منگا نہ لے آئے یا یہ مطلب ہے کہ اپنے کو پوشیدہ رکھے کسی کو پتہ نہ ہونے پائے۔

وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾ اور کسی کو تمہاری سن گن نہ ہونے دے یعنی کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے نادانستگی میں تمہارا کچھ پتہ چل جائے۔

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ کیوں کہ ان لوگوں نے اگر تمہاری اطلاع پالی یا تم پر ان کا قابو چل گیا۔ تو

يَرْجُمُوْكُمْ پتھر مار مار کر وہ تم کو ہلاک کر دیں گے۔ (اگر تم نے مرتد ہونا قبول نہیں کیا اور ان کے بتوں کی پوجا نہ کی)

اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ یا (اگر تم نے ارتداد کو قبول کر لیا تو) تم کو اپنے مذہب میں لوٹا لیں گے۔ شاید اصحاب کہف پہلے ان کے ہم مذہب تھے پھر مومن بن گئے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جبراً تم کو اپنے مذہب میں داخل کر لیں گے۔

نصف القرآن باعتبار عدد الحروف [illegible] من وليتلطف
الاول [illegible]

Marfat.com

اس مطلب پر اعادہ کا معنی (لوٹالینا نہ ہوگا بلکہ) داخل کرنا ہوگا)
وَلَنْ تُفْلِحُوٓا إِذًا أَبَدًا ۝۲۰ اور اس وقت (یعنی اگر تم نے ان کے مذہب میں داخل ہونا قبول کر لیا
تو) کبھی بھی بہبودی نہیں پاؤ گے۔ (کبھی عذاب سے نجات نہیں ملے گی)۔
وَكَذٰلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوٓا أَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا
اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان پر مطلع کر دیا تاکہ وہ لوگ اس بات کا یقین کرلیں کہ اللہ کا وعدہ سچا
ہے اور قیامت (کے آنے) میں کوئی شک نہیں ہے۔

یعنی جس طرح ہم نے اصحاب کہف کو سلایا اور بصیرت پیدا کرنے کے لئے جگایا، اٹھایا اسی طرح ہم نے لوگوں کو بھی ان پر مطلع کر دیا تاکہ طویل نیند کے بعد بیدار کر دینے سے وہ اطلاع پانے والے سمجھ جائیں کہ موت کے بعد قبروں سے (زندہ کرکے) اٹھانے کا اللہ نے جو وعدہ کیا ہے وہ حق ہے اور امکان قیامت میں کوئی شک نہیں جس خدا نے اصحاب کہف کی روحوں کو اپنے پاس محفوظ رکھا اور اتنی طویل مدت تک جسموں کو گلنے سڑنے نہ دیا، پھر ان کی روحیں واپس کر دیں اور نیند سے بیدار کر دیا، وہی خدا اس بات پر قادر ہے کہ سب انسانوں کی روحوں کو اپنے پاس روک رکھے اور پھر قیامت کے دن سب کو قبروں سے زندہ کرکے اٹھا دے۔

إِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۖ رَّبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلٰىٓ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝۲۱

وہ وقت بھی قابل ذکر ہے، جب اس زمانے کے لوگ اصحاب کہف کے معاملہ میں باہم جھگڑ رہے تھے، سو ان لوگوں نے یہ کہا کہ ان کے پاس کوئی عمارت بنوا دو۔ ان کا رب ان کو خوب جانتا تھا، جو لوگ اپنے کام پر غالب تھے (یعنی حاکم وقت تھے) انہوں نے کہا ہم تو ان کے پاس ایک مسجد بنا دیں گے (مولانا اشرف علی رحمہ اللہ)

حضرت مفسر قدس سرہ، نے تفسیر آیات اس طرح کی ہے۔

إِذْ يَتَنَازَعُونَ کا تعلق أَعْثَرْنَا سے ہے یعنی لوگوں کو ہم نے اصحاب کہف پر مطلع اس وقت کیا جب وہ باہم اپنے دین کے متعلق جھگڑ رہے تھے۔ عکرمہ نے کہا دوبارہ آدمیوں کے حشر کے متعلق ان کا آپس کا اختلاف تھا۔ غیر مسلم کہتے تھے حشر صرف ارواح کا ہوگا اجسام کا نہ ہوگا۔ مسلمانوں کا قول تھا، ارواح کا مع اجسام کے ہوگا۔ اللہ نے اصحاب کہف کو اٹھا کر دکھا دیا کہ حشر، ارواح اور اجسام دونوں کا ہوگا، یا یہ مراد ہے کہ اصحاب کہف کے معاملہ میں لوگوں کا اختلاف ہو گیا جب اصحاب کہف بیدار ہونے کے بعد دوبارہ لیٹ گئے اور غافل ہو گئے تو بعض لوگوں نے کہا، اس مرتبہ بھی وہ سو گئے ہیں مرے نہیں ہیں اور کچھ لوگوں نے کہا اب کی مرتبہ تو مر گئے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، اصحاب کہف کے بعد مسلمانوں میں اور ان کے مخالفوں میں اختلاف رائے ہو گیا، مسلمانوں نے تو کہا ہم یہاں مسجد بنائیں گے یہ لوگ ہمارے ہم مذہب تھے، غیر مسلموں نے کہا ہم یہاں عمارتیں بنائیں گے جن کے اندر لوگ آباد ہوں گے اور ایک بستی آباد کریں گے یا غار کے دروازے پر ایسی عمارت بنائیں گے جس سے لوگوں کا اندر جانا بند ہو جائے، غار والے ہمارے رشتہ دار اور بھائی برادر تھے اس لئے تعمیر کا ہم کو حق ہے۔

رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ اللہ کی طرف سے ایک جملہ معترضہ ہے جو جھگڑا کرنے والوں کے کلام کے درمیان اللہ نے ذکر کر دیا ہے۔ اس جملہ کا مقصد دونوں فریقوں کے قول کی تردید ہے، ہر فریق نے اصحاب کہف کو اپنے ساتھ ملایا تھا، حالانکہ اصحاب کہف مشرکوں سے اور ان کے شرک سے جس طرح علیحدہ تھے، اسی طرح عام مسلمانوں کے گروہ میں بھی ان کا شمار نہیں تھا، ان کا درجہ بہت اونچا تھا، صوفی سب کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور سب سے الگ بھی۔ شیخ رومیؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

ہر کسے در ظنِ خود شد یارِ من ——— وز درونِ من نجست اسرارِ من

یا یہ انہی اختلاف کرنے والوں کا قول ہے جن کا اختلاف مدت قیام کے متعلق بھی تھا اور نسب کے متعلق بھی اور اصحاب

Marfat.com

کہف کے دوسرے احوال کے متعلق بھی لیکن جب کوئی اتحادی رائے قائم نہ ہو سکی تو بولے اللہ ہی کو ان کا صحیح علم ہے (کہ وہ کون تھے ان کے حالات کیا تھے اور کتنی مدت سوتے رہے)

مسئلہ: (حضرت مفسرؒ کے نزدیک) یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ اولیاء کی قبروں کے پاس نماز پڑھنے کے لئے مسجد بنانا جائز ہے تاکہ اولیاء کے مزارات کے قرب سے برکت حاصل ہو۔ شیخ استاد محمد فاخر محدث کے نزدیک مکروہ ہے، کراہت کا ثبوت مندرجہ ذیل احادیث سے ہوتا ہے۔

مسلم نے ابوالہیاج اسدی کا قول نقل کیا ہے، ابوالہیاج نے کہا مجھ سے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں تجھے اس کام پر نہ بھیجوں جس کام پر رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا، تجھے جو مورتی ملے اس کو مٹا دینا اور جو اونچی قبر ملے اس کو بغیر ہموار کئے، سطح زمین کے برابر کئے نہ چھوڑنا۔

مسلم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔

شیخین نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے، دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ پر شدت مرض ہوئی کہ (بیہوشی طاری ہو گئی) تو آپ کے چہرہ مبارک پر چادر ڈال دی گئی، لیکن دم گھٹنے لگا تو آپ نے چادر کو چہرہ سے ہٹا دیا اور اسی حالت میں فرما رہے تھے، اللہ کی لعنت ہو یہود و نصاری پر جنہوں نے اپنے انبیاءؑ کی قبروں کو مسجدیں بنا رکھا تھا۔ حضرت عائشہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ (امت کو) اہل کتاب کی طرح کرنے سے ڈرا رہے تھے۔

میں کہتا ہوں ان احادیث سے قبروں کو پختہ کرنے اور اونچا کرنے اور ان کے اوپر عمارت بنانے کی ممانعت ثابت ہو رہی ہے، قبروں کے قریب مسجد بنانے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، رہی یہ بات کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل کتاب کی مذمت میں فرمایا، انہوں نے اپنے انبیاءؑ کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے قبروں کو سجدے کرنے شروع کر دیئے۔ حضرت ابو مرثد غنوی کی روایت سے یہ مطلب صراحت کے ساتھ آیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قبروں پر نہ بیٹھو اور ان کی طرف رخ کر کے نماز نہ پڑھو۔ رواہ مسلم۔

سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ بعض لوگ تو کہیں گے وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا ہے اور بعض کہیں گے وہ پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا ہے اور یہ (لوگ) بے تحقیق اندھیرے میں تیر چلا رہے ہیں اور بعض کہیں گے وہ سات ہیں آٹھواں ان کا کتا ہے.... یعنی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اصحاب کہف کی تعداد میں اختلاف کرنے والے کہیں گے کہ وہ تین تھے، چوتھا کتا تھا اور (کچھ لوگ کہیں گے) وہ پانچ تھے، چھٹا کتا تھا، ان کا یہ قول اندھیرے میں تیر چلانے کے طور پر ہے کسی واقعی ثبوت پر مبنی نہیں ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ نجران کے عیسائی جن میں سید (یعقوبی فرقہ کا) اور عاقب (نسطوری فرقہ کا) بھی شامل تھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ اصحاب کہف کی تعداد کے متعلق ان کے آپس میں اختلاف ہو گیا، سید نے کہا وہ تین تھے چوتھا کتا تھا۔ عاقب نے کہا پانچ تھے چھٹا کتا تھا۔ رَجم تیر چلانا، پتھر مارنا اَلْغَیْب یعنی ایسا واقعہ جو غائب ہے ان کے علم میں نہیں یعنی ان کے یہ قول اندھیرے میں تیر چلانے کی طرح ہیں، کسی کو صحیح طور پر معلوم نہیں کہ واقعہ میں وہ کتنے تھے، لیکن جبرئیلؑ کی اطلاع اور رسول اللہ ﷺ کے خبر دینے کے بعد مسلمان کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں کتا تھا۔ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ کا جملہ وصفیہ ہے جو سَبْعَةٌ کی صفت ہے۔ صفت اپنے موصوف سے وابستہ ہوتی ہے اور حال اپنے ذوالحال سے متصل ہوتا ہے، جب معرفہ ذوالحال ہو اور جملہ حال ہو تو اس کی باہم وابستگی ایسی ہی ہوتی ہے جیسی صفت کی موصوف کے ساتھ۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ میں واو ثمانی ہے۔ عرب کا قاعدہ ہے کہ سات تک کی گنتی تو بغیر حرف

Marfat.com

عطف کے کرتے ہیں اور آٹھویں عدد کو واو عطف سے شروع کرتے ہیں، ایک دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات اور آٹھ، قرآن میں آیا ہے۔

اَلتَّائِبُوْنَ - اَلْعَابِدُوْنَ - اَلْحَامِدُوْنَ - اَلسَّائِحُوْنَ - اَلرَّاكِعُوْنَ - اَلسَّاجِدُوْنَ - اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ - ایک اور آیت میں آیا ہے۔

مُسْلِمَاتٍ، مُؤْمِنَاتٍ، قَانِتَاتٍ، تَائِبَاتٍ، عَابِدَاتٍ، سَائِحَاتٍ، ثَيِّبَاتٍ وَّ اَبْكَارًا -

قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ﵞ آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب ان کی (صحیح) تعداد سے بخوبی واقف ہے اور ان کو (یعنی صحیح گنتی ان لوگوں کی) صرف تھوڑے آدمی جانتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عیسائیوں میں سے تھوڑے آدمی ان کی صحیح تعداد سے واقف ہیں۔ سب لوگوں میں سے صرف تھوڑے آدمی یعنی مسلمان اصحاب کہف کی صحیح تعداد کو جانتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، میں ان تھوڑے آدمیوں میں سے ہوں جو اصحاب کہف کی صحیح تعداد سے واقف ہیں وہ سات تھے، رواہ ابن جریر والفریابی وغیرہما۔ اسی طرح ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ سات تھے، آٹھواں کتا تھا۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ تعداد اصحاب کہف کے متعلق اللہ نے صرف تین اقوال بیان فرمائے، کوئی چوتھا قول نہیں نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی چوتھا قول ہی نہ تھا پہلے دونوں قولوں کی رَجْمًا بِالْغَيْبِ کا لفظ کہہ کے تردید کر دی اور تیسرے قول کی تردید نہیں کی۔ معلوم ہوا کہ تیسرا قول ہی حق ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف کے نام حضرت ابن عباسؓ کے قول میں اس طرح آئے ہیں، مکسلمینا، تملیخا، مرطونس، سنونس، ساری نونس، ذونواس، کعسططیونس، یہ آخری شخص چرواہا تھا (جو اصحاب کہف کی جماعت میں شامل ہو گیا تھا) رواہ الطبرانی فی الاوسط باسناد صحیح۔ شیخ ابن حجر نے شرح بخاری میں لکھا ہے ان اسماء کے تلفظ میں بڑا اختلاف ہے، کوئی قابل اعتماد تلفظ نہیں۔

فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۪ سو آپ ان کے بارے میں بجز سرسری بحث کے زیادہ بحث نہ کیجئے۔

یعنی اصحاب کہف کی تعداد میں ان لوگوں سے آپ صرف سطحی اختلاف و مناظرہ کر سکتے ہیں کوئی گہرا اختلاف نہ کریں، زیادہ غور و خوض کرنے یا ان کو جاہل قرار دینے کی ضرورت نہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں۔

وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﵞ اور اصحاب کہف کے (حالات، تعداد یا قصہ کے) متعلق ان میں سے کسی سے تحصیل علم اور صحیح معلومات کے حصول کے لئے دریافت بھی نہ کریں۔ یعنی اللہ نے جو آپ کو بتادیا ہے وہ کافی ہے ان کو اتنا بھی علم نہیں ہے پھر سوال بے سود ہے، اس کے علاوہ آپ کا مقصد سوال ان لوگوں کو لاجواب یا رسوا کر دینا بھی نہیں یہ مکارم اخلاق کے خلاف ہے، اس لئے ان سے دریافت ہی نہ کریں۔

ع ۵ ۱۵

ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کام کے سلسلے میں پختہ وعدہ کیا تھا (مگر انشاء اللہ نہیں فرمایا تھا) چالیس دن گزر گئے (اور وہ کام نہ ہوا) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﵞ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ اور آپ کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کر دوں گا، مگر مشیت خدا کو ملا دیا کیجئے (یعنی انشاء اللہ ضرور کہہ دیا کیجئے)۔

ابن المنذر نے مجاہد کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ یہودیوں نے قریش سے کہا تھا ان سے روح اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کرو۔ قریش نے حضور ﷺ سے یہ سوالات کئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، کل میرے پاس آنا میں بتا

Marfat.com

دوں گا لیکن انشاء اللہ نہیں فرمایا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ لوپر دس روز تک کوئی وحی ہی نہیں آئی۔ آپ کو اس سے بڑی بے چینی ہو گئی اور ادھر قریش نے کہا تم جھوٹے ہو، اس موقع پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ شروع سورت کی تشریح میں اس مضمون کی ابن جریر کی روایت کردہ تفصیل ہم لکھ چکے ہیں اور سورۂ بنی اسرائیل کی آیت وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ کے ذیل میں یہ روایت ذکر کر دی گئی ہے۔

آیت مذکورہ میں انشاء اللہ کہے بغیر کسی آئندہ کام کو کرنے کے وعدہ کی ممانعت رسول اللہ ﷺ کی ادب آموزی کے لئے کی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کام کو پختہ طور پر کرنے کا ارادہ ہو تو کبھی بھی مشیت الٰہی سے وابستہ کئے بغیر اس کام کو کرنے کا وعدہ نہ کرو۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ إِذَا نَسِيْتَ اور جب آپ بھول جائیں تو اپنے رب کا ذکر کیا کیجئے۔ یعنی اگر انشاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو تسبیح واستغفار کرو۔ اس جملہ میں انشاء اللہ کہنے کی مزید اہمیت ظاہر کی گئی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے کسی حکم کی تعمیل تم بھول جاؤ تو اللہ کو اور اس کے عذاب کو یاد کرو تاکہ نسیان کی تلافی ہو جائے۔ یا یہ معنی ہے کہ اگر تم کسی بات کو بھول جاؤ تو اللہ کو یاد کرو، تاکہ اللہ تم کو وہ بات یاد دلا دے۔

عکرمہ نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت تم کو غصہ آئے تو اللہ کو یاد کرو۔ وہب کا بیان ہے، انجیل میں آیا ہے، اے ابن آدم تجھے غصہ آئے تو مجھے یاد کر (غصہ ٹھنڈا پڑ جائے گا) جب مجھے غصہ آئے گا تو میں بھی تیری یاد کروں گا (اور تیری کمزوری پر رحم کروں گا)

ضحاک اور سدی کے نزدیک آیت مذکورہ کا حکم نماز سے تعلق رکھتا ہے (نماز میں کچھ بھول جاؤ تو اللہ کو یاد کرو یا یہ معنی کہ نماز پڑھنی بھول جاؤ تو جس وقت یاد آئے پڑھ لو) حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اگر کوئی شخص نماز پڑھنی بھول جائے تو جس وقت یاد آجائے پڑھ لے۔ رواہ البغوی۔ امام بخاری، مسلم، امام احمد، ترمذی اور نسائی کی روایت میں حدیث ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔ جو شخص نماز کو بھول جائے یا سو جائے (یا سوتا رہے) اور نماز نکل جائے تو اس کا اتار یہ ہے کہ جب یاد آئے فوراً پڑھ لے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص وتر کی طرف سے سو جائے یعنی سو جانے یا سوتا رہنے کی وجہ سے وتر نہ پڑھ سکے یا وتر پڑھنا بھول جائے تو جب یاد آئے پڑھ لے۔ رواہ احمد والحاکم وصححہ۔

حضرت ابن عباسؓ، مجاہد اور حسن نے کہا، آیت کا معنی یہ ہے کہ انشاء اللہ کہنا اگر بھول جاؤ تو جس وقت بھی یاد آئے انشاء اللہ کہہ لو۔ اسی تشریحی مطلب کی وجہ سے ان حضرات کے نزدیک آج کے کلام سے متعلق ایک سال بعد بھی انشاء اللہ کہنا درست ہے بشرطیکہ انشاء اللہ کہنے سے پہلے کلام کے خلاف کوئی حرکت نہ کی ہو۔ اس مطلب کی تائید ابن مردویہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کچھ اوپر دس روز یا چالیس روز کے بعد انشاء اللہ کہہ لیا۔

جمہور فقہاء کا فتویٰ حضرت ابن عباسؓ کے قول کے خلاف ہے، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر کوئی غیر مستقل کلام ایسا ہو جس سے پہلے کلام کے حکم میں تبدیلی آرہی ہو تو اس کو پہلے کلام کے بالکل متصل اور ساتھ ساتھ ہونا چاہئے۔ مثلاً اگر کلام کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کرنا ہے یا کلام کو انشاء اللہ کے ساتھ مقید کرنا ہے، یا غایت زمانی و مکانی کو ظاہر کرنا ہے یا کسی مبدل منہ کے بعد بدل بعض کو بیان کرنا ہے تو شرط اور انشاء اللہ اور غایت اور بدل بعض پہلے کلام کے بعد متصلاً ذکر کرنا ضروری ہے اگر دیر کے بعد لگائی ہوئی شرط یا قید کو معتبر مانا جائے گا تو نہ کوئی اقرار صحیح ہوگا، نہ طلاق، نہ غلام کی آزادی۔ نہ صدق معلوم ہوگا نہ کذب (مثلاً زید نے اقرار کیا کہ عمر کا مجھ پر اتنا روپیہ قرض ہے اور کچہری سے نکلنے کے بعد اس نے کہا بشرطیکہ عمر مجھے فلاں چیز دے دے یا زید نے بیوی کو طلاق دے دی یا غلام کو آزاد کر دیا، اور دو گھنٹہ کے بعد کسی شرط کے ساتھ مشروط کر دیا، اسی طرح زید

Marfat.com

نے کوئی بات کہہ دی، اب معلوم نہیں کہ اس نے جھوٹ کہا یا سچ۔ ممکن ہے کل کو وہ اپنے گزشتہ کلام کو کسی شرط کے ساتھ مشروط یا کسی قید کے ساتھ مقید کر دے، اور اس وقت کا سچ کل کو جھوٹ ثابت ہو۔ ایک واقعہ منقول ہے کہ خلیفہ منصور کو کسی نے اطلاع دی کہ امام ابو حنیفہؒ آپ کے دادا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے خلاف فتوی دیتے ہیں اور انشاء اللہ کی شرط کو کلام سے متصل ہونا ضروری قرار دیتے ہیں اور دیر کے بعد انشاء اللہ کہنے کا کوئی اعتبار نہیں کرتے۔ خلیفہ نے امام ابو حنیفہؒ کو طلب کیا، امام ابو حنیفہؒ نے خلیفہ کے سوال کے جواب میں فرمایا، حضرت ابن عباسؓ کا فتوی تو آپ کے خلاف پڑتا ہے، آپ رعایا سے فرماں بردار اور وفادار رہنے کی بیعت لیتے ہیں اور لوگ بیعت کرتے ہیں لیکن آپ کے دربار سے نکلنے کے بعد اگر وہ انشاء اللہ کہہ لیں تو کیا ان کی بیعت قابل اعتبار نہیں رہے گی۔ منصور نے امام ابو حنیفہؒ کے قول کو مان لیا اور امام کے خلاف جس نے مخبری کی تھی اس کو دربار سے نکلوا دیا۔

رہا ابن عباسؓ کا یہ استدلال کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کے نزول کے بعد انشاء اللہ فرمایا تھا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ نے اپنی پچھلی غلطی کی تلافی نزول آیت کے بعد انشاء اللہ کہہ کر کی تھی بلکہ آیت میں جو آپ کو ہر عزم اور قول کے وقت انشاء اللہ کہنے کا حکم دیا گیا تھا آپ ﷺ نے انشاء اللہ فرما کر یہ ظاہر کر دیا کہ آئندہ انشاء اللہ میں اس حکم کی تعمیل کرتا رہوں گا۔

صوفیاء نے آیت وَاذْكُرْ رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ کی ایک بہت ہی پر کیف تشریح کی ہے، آیت کا مطلب بر قول صوفیاء یہ ہے کہ جب اللہ کے سوا تم ہر چیز کو بھول جاؤ، اس وقت خالص دل سے اللہ کی یاد کرو۔ صوفیاء کہتے ہیں اللہ کی ہمہ وقت یاد اس وقت تک نہیں ہو سکتی، جب تک ماسوا کے تصور کو دل سے مٹا نہ دیا جائے، عام طور پر دل کی حالت بدلتی رہتی ہے، یکسوئی عموماً نہیں رہتی اور ظاہر ہے کہ ایک آدمی کے دو دل تو ہیں نہیں کہ ایک میں یاد خدا جمی رہے اور دوسرے میں مخلوق کا ذکر قائم رہے۔ دل ایک ہی ہے، جب اس میں ماسوی اللہ کا تصور ہو گا تو اللہ کی یاد میں فتور آ جائے گا اور اللہ کے سوا اگر ہر چیز کو دل فراموش کر دے گا اور ماسوی اللہ کے تصور کو مٹا دے گا تو دل ہر دم یاد الٰہی میں مشغول اور غرق رہے گا، اسی کو فناء قلب کہتے ہیں۔ جب تک فناء قلب کا درجہ حاصل نہ ہو جائے، صوفی اس کو موحد نہیں کہتے۔ حضرت مفسر نے لکھا ہے کہ صوفیاء کی تشریح ہی کتاب اللہ کی صراحت اور عربی قوانین لغت کے زیادہ مناسب ہے۔ اس قول پر مجازی معنی کی طرف رجوع کرنا بھی نہیں پڑتا۔ دیکھو إِذَا نَسِيتَ کا تعلق اذْكُرْ سے ہے، یعنی بھولنے کے وقت اللہ کی یاد کرو۔ بھولنا اور یاد کرنا دو متضاد فعل ہیں، ایک وقت میں دونوں کا اجتماع نہیں ہو سکتا لامحالہ مجازی معنی مراد لینا ہو گا، دونوں فعل جدا جدا مختلف اوقات اور مختلف حالات میں ظاہر ہوں گے اور آیت میں تاویل کرنی پڑے گی، کوئی بھی تاویل کی جائے مجاز کی طرف رجوع کئے بغیر چارہ کار نہ ہو گا، البتہ صوفیاء کا قول مبنی بر حقیقت ہے ذکر رب، نسیان ماسوا کے وقت ہی ہوتا ہے اور اسی کو ذکر رب کہتے ہیں جس میں ماسوا کا نسیان ہو جائے۔

وَقُلْ عَسَىٰ أَن يَهْدِيَنِ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَٰذَا رَشَدًا ﴿٢٤﴾ اور کہہ دیجئے کہ مجھ کو امید ہے میرا رب نبوت کی صداقت کو اس سے بھی زیادہ قریب الوصول بنا دے گا۔

أَقْرَبَ رَشَدًا سے مراد ہے کوئی ایسی بہتری جو متصل ہی آنے والی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر انشاء اللہ کہنا یا اللہ کے کسی حکم کی تعمیل کرنا تم بھول جاؤ تو اللہ کی یاد کرو یعنی تسبیح و استغفار کرو اور کہو کہ امید ہے اللہ مجھے کوئی ایسی راہ بتا دے گا جو فراموش شدہ (لفظ یا حکم) سے افضل اور بہتر ہو گی یہ بہترین راہ کونسی ہے (جس سے گزشتہ کی تلافی اور آئندہ کی ترقی وابستہ ہے) وہ ہے صرف گزشتہ پر ندامت، توبہ، استغفار اور فوت شدہ کی قضاء۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ لوگوں نے جب رسول اللہ ﷺ سے اصحاب کہف کا واقعہ دریافت کیا اور اللہ نے اصحاب کہف کا قصہ بیان کر دیا تو آخر میں اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو یہ بات بتا دیں کہ اصحاب کہف کے واقعہ سے بڑھ کر روشن دلیل اور برہانِ نبوت اللہ عطا فرمائے گا چنانچہ یہ وعدہ اللہ نے پورا کیا، تمام انبیاء کے علوم بلکہ ماضی و مستقبل کے سارے علمی خزانے اللہ نے آپ کو عطا فرما دیئے، اصحاب کہف کے واقعہ کے اظہار سے آپ کی نبوت کو سچائی کا اتنا قوی ثبوت نہیں ملتا جتنا تمام انبیاء و

Marfat.com

مرسلین کے علوم اور گزشتہ و آئندہ کے واقعات و حالات کے علم عطا فرمانے سے ملتا ہے۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ اللہ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو اور بواسطۂ رسول اللہ ﷺ ہر مسلمان کو حکم دیا ہے کہ جب انشاء اللہ کہنا بھول جاؤ اور پھر یاد آجائے تو انشاء اللہ کہنے کے بعد یہ بھی کہو عَسٰٓی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا یہی گزشتہ قصور کی توبہ ہے۔ صوفیاء کی تشریح پر آیت کا مطلب اس طرح ہوگا کہ جب اللہ کے سوا ہر چیز کو بھول جاؤ تو اللہ کی یاد کرو اور یہ بھی کہو کہ امید ہے اللہ مجھے ایسے راستے کی ہدایت کردے گا یا ایسی چیز بتادے گا جو اس ذکر سے بھی زیادہ اقرب ہوگی یعنی اللہ اپنی ذات تک خود پہنچادے گا اللہ کی ذات رگ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے۔

وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۝ اور اصحاب کہف اپنے غار میں تین سو برس سے نو برس زیادہ (سوتے) رہے۔ پہلے مجمل طور پر فرمایا تھا فَضَرَبْنَا عَلٰٓی اٰذَانِهِمْ فِی الْكَهْفِ سِنِیْنَ عَدَدًا اس آیت میں تفصیل فرمادی اور تعداد بتادی۔

قتادہ نے کہا اللہ نے اہل کتاب کا یہ قول نقل کیا ہے، اہل کتاب اصحاب کہف کے سوتے رہنے کی معین تعداد بیان کرتے تھے اس قول کو اللہ نے ذکر کیا اور پھر اس کی تردید میں فرمایا قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا اللہ ہی کو خوب معلوم ہے کہ وہ کتنے زمانہ تک وہاں سوتے رہے۔ اگر مذکورہ بالا آیت کو اللہ کی طرف سے تعداد مدت کی تعیین قرار دیا جائے گا تو اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا کا کوئی معنی نہ ہوگا۔

حضرت مفسرؒ نے فرمایا، تفسیر وہی ہے جو پہلے ذکر کی گئی ہے، یعنی اللہ کی طرف سے یہ تعیین مدت کی صراحت ہے، اہل کتاب کے قول کو نقل نہیں کیا گیا ہے۔ رہا بر قول جمہور آیت اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا کا مطلب تو یہ پہلے قول کی تردید نہیں ہے ۳۰۹ برس کی تعیین فرمادی اور آخر میں حکم دے دیا کہ اب اگر یہ لوگ تعیین مدت میں نزاع کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو (اس جھگڑے سے کوئی فائدہ ہی نہیں) اللہ ان کی مدت قیام سے بخوبی واقف ہے (تمہارا نزاع تمہارے لئے سودمند نہیں)۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اہل کتاب کا ہی یہ قول ہے، غار میں داخل ہونے سے رسول اللہ ﷺ کے زمانے تک ۳۰۹ برس کی مدت اہل کتاب کے خیال میں گزری تھی، اللہ نے آیت اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا میں اس کی تردید فرمادی۔ یعنی ان کی روحیں قبض ہونے کے بعد سے اب تک جس قدر مدت گزری، اللہ ہی کو اس کا علم ہے، وہی بخوبی واقف ہے۔

ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے اور ابن جریر نے ضحاک کی روایت سے بیان کیا کہ شروع میں وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ نازل ہوا تھا، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ تین سو سال یا تین سو مہینے اس کے جواب میں لفظ سِنِیْنَ اور نازل ہوگیا۔ وَازْدَادُوْا تِسْعًا کی تشریح میں کلبی نے کہا نجران کے عیسائیوں نے کہا تھا، تین سو برس رہنے کا علم تو ہم کو بھی ہے مزید نو برس رہنے کا علم ہم کو نہیں۔ یعنی ہماری کتاب میں نہیں ہے) اس پر۔

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنے زمانہ تک وہ سوتے رہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا، اصحاب کہف شمسی حساب سے تین سو برس سوتے رہے اور اللہ نے قمری حساب سے تین سو نو برس رہنے کی صراحت کی ہے۔ ہر سو سال شمسی کے بحساب قمری ایک سو تین سال ہوتے ہیں۔ تین سو سال کے تین سو نو سال ہوگئے۔

لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ (تمام دنیا کی علمی نظر سے جو چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں پوشیدہ ہیں) ان تمام ارضی و سماوی پوشیدہ اشیاء کا علم اللہ ہی کو ہے، سب چیزیں اسی کے دست ملکیت و تصرف میں ہیں، وہ عجیب طرح کا دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔ یعنی اس کی بینائی اور شنوائی دوسروں کے دیکھنے سننے سے الگ اور عجیب ہے اس کو دیکھنے اور سننے سے کوئی چیز حاجب اور مانع نہیں، انتہائی لطافت ہو یا کثافت، باریک سے باریک چیز ہو یا بڑی سے بڑی، پوشیدہ ہو یا ظاہر اس کے نزدیک کوئی فرق نہیں اس کو ہر چیز کا علم سمعی و بصری ہے۔

Marfat.com

مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۫ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا۝ اہل ارض وسما کے لئے اللہ کے سوا کوئی کارساز اور ان کے امور کا ذمہ دار نہیں اور نہ وہ اپنے حکم میں ان میں سے کسی کو شریک کرتا ہے۔ نہ دخیل بناتا ہے۔ حکم سے فیصلہ قضاء یا امر و نہی یا علم غیب مراد ہے یعنی اپنے علم غیب میں وہ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

رسول اللہ ﷺ کو اصحاب کہف کا قصہ معلوم نہ تھا وہ آپ کے لئے غیب کے حکم میں داخل تھا لیکن اللہ نے وحی کے ذریعہ سے واقف بنا دیا اور قرآن میں ذکر کر دیا گویا غائب اور غیر معلوم واقعہ کو بیان کر دینا ایک معجزہ ہو گیا جو عبارت قرآنی کی شکل میں نمودار کر دیا گیا۔ اس لئے آئندہ آیت میں تلاوتِ قرآن اور اصحابِ قرآن کی مصاحبت کا حکم دیا گیا اور فرمایا۔

وَاتْلُ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ اور آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے جو کتاب بذریعہ وحی بھیجی گئی ہے وہ پڑھا کریں اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں۔

یعنی قرآن کی تلاوت کرو اور اس کے مفہوم پر عمل کرو اور ان لوگوں کی بات پر کچھ دھیان نہ دو جو اس کے سوا کسی دوسرے قرآن کے خواستگار ہیں یا اسی میں تم سے کچھ ترمیم و تبدیل کرانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کے سوا اس میں کسی طرح کی تبدیل و ترمیم کرنے کی طاقت رکھنے والا کوئی بھی نہیں ہے کوئی شخص بھی اللہ کے سوا اس کو بدل نہیں سکتا۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ گناہ گاروں، نافرمانوں کو جو قرآن کے اندر عذاب کی وعید دی گئی ہے اس کو بدلنے والا کوئی نہیں، عذاب ہو کر رہے گا۔

وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا۝ اور اے محمد ﷺ اگر آپ قرآن پر نہ چلے تو اللہ کے سوا آپ کو کوئی پناہ کی جگہ (حضرت ابن عباسؓ) یا چھپنے کی جگہ (حسن بصریؒ) یا جائے قرار نہیں ملے گی۔ لَحْدٌ کا اصل معنی ہے جھکاؤ، کجی۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

اور اپنے آپ کو قائم رکھو، جمائے رکھو ان لوگوں کے ساتھ جو صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں دعا اور ذکر کرتے ہیں اس سے ان کا مقصد صرف اپنے رب کی خوشنودی کا حصول ہوتا ہے کوئی اور غرض نہیں ہوتی۔

اِصْبِرْ نَفْسَكَ اپنے آپ کو روکے رکھو، جمائے رکھو۔ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ صبح شام یا تمام اوقات میں۔ يُرِيْدُوْنَ یعنی ان کی عبادت کی غرض سوائے ذات خداوندی کے اور کچھ نہیں ہوتی۔ وَجْهَهٗ میں لفظ وَجْه زائد ہے جیسے آیت وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ میں لفظ وَجْه زائد ہے، مطلب یہ ہے کہ ان کو اللہ کی ذات کے سوا اور کوئی مطلوب نہیں، نہ دنیا نہ آخرت۔

بغوی نے لکھا ہے کہ آیت مذکورہ بالا عیینہ بن حصین فزاری کے حق میں نازل ہوئی، مسلمان ہونے سے پہلے عیینہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت کچھ نادار مسلمان خدمت گرامی میں بیٹھے ہوئے تھے جن میں سلمان فارسی بھی تھے حضرت سلمان ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے تھے اور آپ کو پسینہ بھی آرہا تھا، عیینہ بولا، محمد ﷺ! کیا آپ کو ان لوگوں کی بدبو سے دکھ نہیں ہوتا، ہم قبائل مضر کے سردار اور بڑے لوگ ہیں اگر ہم مسلمان ہو گئے تو سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے لیکن ہم کو آپ کی اتباع کرنے سے ایسے لوگوں کی آپ کے پاس موجودگی روکتی ہے ان کو آپ ہٹا دیں تو ہم آپ کی اتباع کرنے لگیں گے یا ہمارے لئے ان سے الگ کوئی بیٹھنے کی جگہ مقرر کر دیں اور ان کی مجلس ہم سے الگ کر دیں اس پر آیت نازل ہوئی۔

قتادہ کا بیان ہے کہ اَلَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ الخ سے اصحاب صفہ مراد ہیں جن کی تعداد سات سو تھی یہ سب نادار لوگ تھے اور رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں فروکش تھے، نہ کسی کی کھیتی تھی، نہ دودھ کے جانور، نہ کوئی تجارت، نمازیں پڑھتے رہتے تھے ایک وقت کی نماز پڑھ کر دوسری نماز کے انتظار میں رہتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ستائش ہے اس اللہ کے لئے جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کر دیئے جن کی معیت میں مجھے جمے رہنے کا حکم دیا۔

اس آیت کی شان نزول کی کچھ تفصیل سورۂ انعام کی آیت وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ الخ کی تفسیر میں ہم نے کر دی ہے۔

Marfat.com

وَلَا تَعۡدُ عَيۡنَاكَ عَنۡهُمۡۚ تُرِيۡدُ زِيۡنَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ　اور دنیوی زندگانی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں (یعنی توجہات) ان (غریب مسلمانوں) سے ہٹنے نہ پائیں۔ یعنی دولت مندوں کے ساتھ بیٹھنے اور مال دار دنیاداروں کی مصاحبت اختیار کرنے کے لئے تم ہمہ وقت اللہ کا ذکر کرنے والے (نادار) لوگوں سے آنکھیں پھیر لو ایسا نہ کرو۔

وَلَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهٗ عَنۡ ذِكۡرِنَا　اور جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل بنادیا ہے اس کے کہے پر نہ چلو۔ بغوی نے لکھا ہے کہ آیت میں جس کا کہا ماننے کی ممانعت کی گئی ہے اس سے مراد عیینہ بن حصین فزاری ہے لیکن ابن مردویہ نے بروایت ضحاک حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت امیہ بن خلف جمحی کے حق میں نازل ہوئی۔ امیہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی تھی کہ ان فقیروں کو اپنے پاس سے نکال دیجئے اور سرداران مکہ کو اپنے پاس بٹھائیے، اللہ کو یہ درخواست پسند نہ تھی اس لئے آیت مذکورہ نازل فرمادی۔ ربیع کی روایت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ ابن بریدہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت سلمانؓ بیٹھے ہوئے تھے کہ عیینہ بن حصین آگیا اور کہنے لگا جب ہم آپ کے پاس آیا کریں تو آپ اس کو یعنی اس جیسے غریب لوگوں کو اپنے پاس سے نکال دیا کریں، اس پر آیت وَلَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهٗ عَنۡ ذِكۡرِنَا نازل ہوئی۔

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ　اور وہ اپنی خواہش پر چلتا ہے۔ یعنی سرداران قریش کے لئے آپ کی مجلس سے غریب مسلمانوں کو نکال دینے کا خواستگار ہوتا ہے۔ آیت میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ اس کی اس درخواست کا موجب دو باتیں ہیں (۱) اس کا دل اللہ کی یاد سے غافل ہے (اللہ کا تصور ہی اس کے دل میں نہیں اور خدا کی طلب ہی اس کو نہیں)۔ (۲) دنیوی لذتوں میں اتنا ڈوبا ہوا ہے کہ اس کو پتہ ہی نہیں کہ شرافت کا مدار ذلیل باتوں سے نفس کو پاکیزہ رکھنے، دل کو باطنی رذائل کی کثافت سے صاف رکھنے اور انوار معروف سے منور کرنے پر ہے جسمانی آرائش پر نہیں ہے جو اس کے کہے پر چلے گا وہ بھی غفلت اور حماقت میں اسی کی طرح ہوگا۔

فرقۂ معتزلہ کے نزدیک قبیح افعال کو پیدا کرنے کی نسبت اللہ کی طرف کرنی درست نہیں اور اس جگہ لفظ اَغۡفَلۡنَا میں غافل بنانے کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے اس لئے انہوں نے کہا کہ اَغۡفَلۡنَا کا معنی غافل بنانا نہیں ہے بلکہ غافل پایا ہے۔ ہم نے اس کے دل کو غافل پایا یا غفلت کی نسبت اس کے دل کی طرف کردی، یعنی غافل چھوڑ دیا، عرب کہتے ہیں اَغۡفَلَ اِبِلَهٗ اس نے اپنے اونٹوں کو بغیر نشان زد کئے چھوڑ دیا۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ اَغۡفَلۡنَا میں اللہ کی طرف غافل کر دینے کی نسبت اور وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ میں اتباع ہوا کی بندے کی طرف نسبت بتا رہی ہے کہ بندہ نہ مجبور ہے نہ مختار کامل بلکہ بین بین ہے (خالق، اللہ ہے اور کاسب، بندہ)

وَكَانَ اَمۡرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾　اور اس کا یہ حال حد سے گزر گیا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ قتادہ اور مجاہد نے فُرُطًا کا ترجمہ ضَيَاعًا یعنی ضائع شدہ کیا ہے۔ بعض علماء نے کہا اس کا امر ضائع ہو گیا اور زندگی کے دن رائیگاں گئے۔ بعض نے فُرُطًا کا معنی ندامت بیان کیا ہے۔ مقاتل بن حبان اور اخفش نے ترجمہ کیا حد سے آگے بڑھا ہوا، کسی نے باطل، کسی نے مخالف حق ترجمہ کیا ہے، فراء نے متروک کہا ہے، بیضاوی نے لکھا ہے حق کو پس پشت پھینک دینے والا۔ جو گھوڑا سب سے آگے نکل جائے اور سب گھوڑے اس کے پیچھے رہ جائیں اس کو فَرَسٌ فُرُطٌ کہا جاتا ہے فُرُطٌ (پیش خیمہ، ہراول) اسی سے بنا ہے۔

وَقُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ ۚ　(اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیں حق (وہ ہے جو) تمہارے رب کی جانب سے ہے۔

یعنی حق وہ ہے جس کو اللہ نے حق قرار دیا ہو۔ اقتضاءِ خواہشات حق نہیں ہے یا یہ مطلب ہے کہ یہ یعنی قرآن یا اسلام حق ہے جو اللہ کی طرف سے آیا ہے۔

Marfat.com

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ اب جو (ایمان لانا) چاہے ایمان لے آئے اور جو (کافر رہنا) چاہے وہ کافر رہے۔ یہ کلام وعید آگیں ہے۔ ایمان وکفر دونوں کا اختیار دیا گیا ہے جو اپنے اندر ایک خاص تہدید رکھتا ہے۔ گویا عیینہ کی درخواست کا جواب ہے۔ عیینہ نے کہا تھا ان لوگوں کے لباس اور بدن کی بدبو سے کیا آپ کو تکلیف نہیں ہوتی ہم قبیلہ مضر کے شرفاء اور سردار لوگ ہیں ہم ان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے، اگر ہم مان لیں گے تو سارے لوگ ایمان لے آئیں گے، مناسب یہ ہے کہ ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیجئے تاکہ ہم آپ کے پاس بیٹھ سکیں اور آپ کی بات سنیں اور آپ پر ایمان لے آئیں، اللہ نے اس کے جواب میں غریب مسلمانوں کے ساتھ بیٹھنے اور ان کو پاس بٹھانے کی رسول اللہ ﷺ کو ہدایت فرمائی اور اپنی مجلس سے ان کو نکال دینے کی ممانعت کردی اور صاف صراحت کردی کہ حق رب کی طرف سے آگیا، ماننا چاہو اس کو مانو، نہ ماننا چاہو نہ مانو، اللہ کو کسی کے ماننے نہ ماننے کی پرواہ نہیں، ہر شخص کا اپنا نفع و نقصان ہے جو مان لے گا اسی کو ایمان کا فائدہ پہنچے گا نہ مانے گا تو کفر کی مضرت اسی پر پڑے گی۔

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ اور ظالموں یعنی کافروں کے لئے ہم نے آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں ان کو گھیر لیں گی۔ متعدد چھوٹے ڈیروں اور خیموں کے گرداگرد جو احاطہ باڑھ کی طرح کھینچ دیا جاتا ہے اس کو سُرَادِق کہتے ہیں۔ صاحب نہایہ نے لکھا ہے دیوار ہو یا خیمہ یا کچھ اور چیز بہر حال جو باڑہ کی طرح کسی چیز کو گھیرے ہوئے ہو وہ سُرَادِق ہے، سُرَادِق معرب لفظ ہے اور مفرد ہے۔ معرب قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان میں کوئی مفرد لفظ ایسا نہیں جس کے ابتدائی دو حرفوں کے بعد تیسرا حرف الف ہو اور الف کے بعد دو حرف اور ہوں۔ بعض کے نزدیک سُرَادِق، سَرْدق کی جمع ہے۔ امام احمد، ترمذی اور حاکم نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سُرَادِقُ النَّار (دوزخ کی قناتیں) چار دیواریں ہوں گی (ایک کے بعد دوسری، دوسری کے بعد تیسری، تیسری کے بعد چوتھی) ہر دیوار کی موٹائی چالیس سال کی راہ کے برابر ہوگی۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ سُرَادِقُ النَّار آگ کی دیوار ہوگی (جو محیط ہوگی) کلبی نے کہا آگ کی لپٹ ہوگی جو کافروں کو ہر طرف سے باڑہ کی طرح گھیرے ہوگی۔ بعض علماء نے کہا ایک دھواں ہوگا جو کافروں کو محیط ہوگا، اللہ نے اسی کا ذکر آیت اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ میں کیا ہے۔

وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ اور اگر (شدت پیاس کی وجہ) سے وہ پانی مانگیں گے تو ان کو ایسا پانی دیا جائے گا جو مہل کی طرح ہوگا۔

امام احمد، ترمذی، ابن ابی حاتم، ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ آیت بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ کی تشریح میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا، منہ کے قریب لایا جائے گا تو چہرہ کی کھال اس میں گر پڑے گی۔

امام احمد، ترمذی، نسائی، حاکم، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن المنذر، ابن ابی الدنیا، اور بیہقی نے حضرت ابو امامہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ کی تشریح میں فرمایا، وہ سامنے لایا جائے گا تو دوزخی کو سخت ناگوار ہوگا پھر منہ کے قریب لایا جائے گا تو چہرہ کی اور سر کی کھال جل بھن کر گر پڑے گی جب اس کو پیے گا تو انتڑیاں کٹ کر دبر سے نکل جائیں گی، اللہ فرماتا ہے وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ۔ ابن ابی حاتم نے ابو طلحہ کے طریق سے حضرت ابن عباسؓ کا قول كَالْمُهْلِ کی تشریح کے متعلق نقل کیا ہے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، وہ سیاہ ہوگا جیسے زیتون کے تیل کی تلچھٹ۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول بغوی کی روایت میں یہ آیا ہے وہ گاڑھا پانی ہوگا، زیتون کے تیل کی گاد کی طرح۔ مجاہد نے مُهْل کا ترجمہ کیا ہے، لہو، پیپ، خون۔ حضرت ابن مسعودؓ سے اس کا ترجمہ دریافت کیا گیا تو آپ نے کچھ سونا چاندی منگوا کر پگھلایا، جب پگھل گیا تو فرمایا یہ مُهْل کی طرح ہے اس کے ہم شکل ہے۔

Marfat.com

يَشْوِي الْوُجُوهَ وہ چہروں کو بھون ڈالے گا، یعنی جب وہ منہ کے قریب لایا جائے گا تو اتنا گرم ہوگا کہ اس کی گرمی سے چہرے بھن جائیں گے۔

بِئْسَ الشَّرَابُ (وہ مُہل) برا مشروب ہوگا۔

وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾ اور (آگ) بری آرام گاہ ہوگی۔

مُرْتَفَقًا کا ترجمہ حضرت ابن عباسؓ نے فرود گاہ، مجاہد نے مقام اجتماع، عطاء نے قرار گاہ اور قیتبی نے مجلس کیا ہے۔ اِرْتِفَاق کا لغوی معنی ہے۔ کہنی کھڑی کر کے اس پر رخسار ٹیکنا، پس لغت کے لحاظ سے مُرْتَفَقًا اسم ظرف کا ترجمہ ہوا ٹیک کی جگہ، آرام گاہ۔ دوزخ کوئی آرام گاہ نہیں ہے لیکن جنت کو آگے آرام گاہ فرمایا ہے تقابل کے طور پر نار کو بھی مُرْتَفَق فرمادیا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے تو ہم ان لوگوں کا اجر ضائع نہیں کریں گے جنہوں نے اچھی طرح کام کیے، ایسے لوگوں کے لئے ہمیشہ رہنے کے باغ ہوں گے جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

عَدْن قیام کرنا، ٹھیرنا۔ عَدَنَ الْمَاءُ بِالْمَكَانِ پانی فلاں جگہ ٹھہر گیا۔ جَنّٰتُ عَدْنٍ وہ باغ اور جنتیں جہاں مومن ہمیشہ قیام کریں گے۔

يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وہاں اہل جنت کو سونے کے کنگنوں کا زیور پہنایا جائے گا۔ سِوَار کنگن اس کی جمع اَسْوِرَة یا اَسْوَار ہے اور اَسْوَار یا اَسْوِرَة کی جمع اَسَاوِرَ ہے۔

اَسَاوِرَ اور ذَهَب کو نکرہ لانے سے اس طرح اشارہ ہے کہ وہ کنگن اور سونا نرالی شان کا ہوگا کہ اس کے حسن کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ طبرانی نے الاوسط میں اور بیہقی نے اچھی سند سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر ادنیٰ جنتی کے ادنیٰ زیور کا تمام دنیا کے زیوروں سے موازنہ کیا جائے تو جو ادنیٰ زیور آخرت میں اللہ جنتی کو عطا کرے گا وہ دنیا کے تمام زیوروں سے بڑھ چڑھ کر ہوگا۔

ابوالشیخ نے العظمۃ میں کعب احبار کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ کا ایک فرشتہ جو اپنی پیدائش کے آغاز سے اہل جنت کے زیور ڈھال رہا ہے اور قیامت تک ڈھالتا رہے گا اگر اہل جنت کا ایک زیور بھی سامنے لے آیا جائے تو اس کے مقابلے میں سورج کی روشنی ماند پڑ جائے۔

وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ ۚ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾ ع ۱۶

اور سبز رنگ کے کپڑے باریک اور دبیز ریشم کے پہنیں گے (اور) وہاں مسہریوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے کیسا اچھا صلہ ہوگا اور جنت کیا ہی اچھی آرام گاہ ہوگی۔

ابن السنی اور ابونعیم نے طب النبی ﷺ میں حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سب سے پسندیدہ رنگ سبز تھا۔

سُنْدُس باریک ریشمی کپڑا۔ اِسْتَبْرَق دبیز ریشمی کپڑا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ جنت کے کپڑوں کے دبیز ہونے سے مراد ہے بناوٹ کی مضبوطی۔ عمر حربی نے کہا سندس زربفت کو کہتے ہیں۔

نسائی، ابوداؤد، بزار اور بیہقی نے بسند حسن حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایئے اہل جنت کے کپڑے کس قسم کے ہوں گے، کیا (بنے بنائے) پیدا شدہ ہوں گے یا بنے ہوئے ہوں گے جن کو بن کر تیار کیا گیا ہوگا۔ یہ بات سن کر ایک شخص کو ہنسی آگئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا ایک ناواقف جب کسی جاننے والے سے

Marfat.com

پوچھتا ہے تو تم لوگ ہنستے ہو، پھر دوبارہ فرمایا جنت کے پھلوں سے ان کے پھٹنے پر (تیار شدہ) بر آمد ہوں گے۔ بزار، ابو یعلی اور طبرانی نے جابر کی روایت سے حضرت ابو الخیر مرثد بن عبد اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ جنت کے اندر ایک درخت ہے جس سے سندس اگتا ہے جنتیوں کا لباس اسی کا ہوگا۔

اَلْاَرَائِکِ، اَلْاَرِیْکَۃ کی جمع ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، اگر چاروں طرف پردہ ہو اور اندر لیٹنے کی مسہری نہ ہو یا چارپائی لیٹنے کی ہو اور گرداگرد پردہ نہ ہو تو اس کو اریکہ نہیں کہتے اریکہ پردہ والی مسہری کو کہتے ہیں۔ بیہقی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ مسہریاں موتی اور یاقوت کی ہوں گی۔

ثواب صلہ یعنی جنت اور اس کی نعمتیں، مرتفق بیٹھنے کی جگہ اور قرارگاہ۔ یعنی جنتیں یا مسہریاں کیسی اچھی قرارگاہ ہوں گی۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ اور ان سے دو آدمیوں کا حال بیان کرو۔ بغوی نے لکھا ہے کہ مکہ میں قبیلہ بنی مخزوم کے دو بھائی رہتے تھے ایک مومن تھا، دوسرا کافر، مومن کا نام ابو سلمہ عبد اللہ (ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے سابق شوہر) بن عبد الاسود بن عبد یالیل تھا اور کافر کا نام اسود بن عبد الاسود بن عبد یالیل۔ انہی دونوں کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ عیینہ بن حصین اور اس کے ساتھیوں کے احوال اور حضرت سلمان کے حال کو بطور تمثیل بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کے احوال سے تشبیہ دی ہے، جن میں سے ایک کا نام بر قول ابن عباس یہودا اور بر قول مجاہد تملیخا تھا اور دوسرے کا نام قطروس اور بقول وہب قطفر تھا، اول مسلمان تھا دوسرا کافر۔ سورۂ والصّافات میں بھی انہیں کا قصہ بیان کیا ہے۔ عبد اللہ بن مبارک نے بروایت معمر عطاء خراسانی کا بیان ان دونوں کے متعلق حسب ذیل نقل کیا ہے۔

ایک شخص کے دو بیٹے تھے، دونوں کو باپ کی وراثت سے آٹھ ہزار دینار ملے، دونوں نے تقسیم کر کے اپنا اپنا حصہ لے لیا، ایک بھائی نے ایک ہزار دینار کی زمین خریدی، دوسرے نے ہزار دینار خیرات کر دیئے اور کہا اے اللہ میرے بھائی نے ہزار دینار کی زمین خریدی ہے میں تجھ سے جنت میں ایک ہزار کی زمین خریدتا ہوں، اول شخص نے ہزار دینار صرف کر کے مکان بنایا، دوسرے نے ہزار دینار غریبوں کو تقسیم کر کے دعا کی، اے اللہ! اس نے ہزار دینار خرچ کر کے مکان بنایا ہے میں تجھ سے جنت کے اندر ہزار دینار کا مکان خریدتا ہوں، پھر اول شخص نے ہزار دینار صرف کر کے ایک عورت سے شادی کر لی۔ اور دوسرے نے ہزار دینار راہ خدا میں دے کر کہا اے اللہ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ جنت کے اندر کسی جنت کی عورت سے میرا نکاح کر دے، پھر اول شخص نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے باندی، غلام اور گھر کا سامان خرید اور دوسرے نے ہزار دینار خیرات کر کے اللہ سے جنت کے اندر خدام اور سامان ملنے کی درخواست کی۔

جب یہ دوسرا شخص سب مال خیرات کر چکا تو کچھ مدت کے بعد مال کی کوئی سخت ضرورت پیش آئی اور دل میں خیال کیا مجھے بھائی کے پاس جانا چاہئے شاید اس کی طرف سے مجھے کچھ مل جائے، یہ سوچ کر بھائی کے راستہ پر ایک طرف کو جا بیٹھا، اس طرف سے دولت مند بھائی اپنے خادموں کے جھرمٹ میں گزرا اور بھائی کو دیکھ کر پہچان لیا اور پوچھا کیا حال ہے اس شخص نے کہا مجھے ایک حاجت درپیش ہے اور مفلس ہو گیا ہوں، آپ کے پاس کچھ بھلائی کی امید لے کر آیا ہوں، دولت مند بھائی نے کہا تمہارا مال کیا ہوا، تقسیم کے وقت تم نے اپنا حصہ تو لے لیا تھا، غریب بھائی نے اپنی سرگزشت بیان کر دی، دولت مند بھائی بولا، اچھا تو تم خیرات کرنے والوں میں شامل ہو گئے، چلے جاؤ، میں کچھ نہیں دوں گا، غرض اس نے غریب کو دھتکار دیا، آخر دونوں مر گئے اور ان ہی کے متعلق آیت فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ نازل ہوئی۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ مال دار بھائی غریب بھائی کو ہاتھ پکڑ کر اپنے مال کی سیر کرانے لے گیا اور گھما پھرا کر سب طرح کا مال دکھایا۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ هُمْ کی ضمیر کافروں اور مومنوں دونوں کی طرف لوٹ رہی ہے۔ مَثَلًا بمعنی حال، رَّجُلَيْنِ سے مراد ہیں وہ دو آدمی جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے (حضرت ابو سلمہ مخزومی اور اسود مخزومی) یا جو کبھی پہلے گزر گئے

Marfat.com

تھے (یعنی دو اسرائیلی بھائی یہود اور قطروس) کوئی مقرر شخص مراد نہیں ہے بلکہ دو شخص جن میں مندرجہ آیت اوصاف ہوں (عبرت دلانے اور نصیحت کرنے کے لئے) فرض کر لئے گئے ہیں اور ان کی حالت بیان کر دی گئی ہے۔

جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾

ان دو شخصوں میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ دے رکھے تھے اور ان دونوں باغوں کا کھجور کے درختوں سے احاطہ بنا رکھا تھا اور ان دونوں کے درمیان کھیتی بھی پیدا کر دی تھی۔

اَحَدُهُمَا سے مراد کافر ہے۔ انگوروں کے باغوں سے مراد ہیں انگور کے درختوں کے باغ، حَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ یعنی انگور کے باغوں کے گرداگرد باڑھ کی طرح کھجور کے درخت تھے، انگور کے باغ کھجور کے درختوں کے باڑھ کے اندر تھے۔ حَفَّهٗ الْقَوْمُ اس کو قوم نے گھیر لیا۔ حَفَفْتُهٗ بِقَوْمٍ میں نے اس کو قوم سے گھیر دیا، اس کے گرداگرد قوم کا گھیرا ڈال دیا۔ اس صورت میں بِقَوْمٍ میں بَ زائد ہوگی (کیونکہ حَفَفْتُ خود متعدی بدو مفعول ہے جن میں دوسرا مفعول فاعل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے)

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا یعنی دونوں باغوں کے درمیان واقع ہونے والی زمین بھی بنجر نہ تھی بلکہ اس میں کھیتی تھی، اس طرح ان باغوں میں پھل بھی تھے اور غلے کی پیداوار بھی تھی اور ترتیب بھی عمدہ تھی۔

كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا اور دونوں باغ اپنے پورے پھل دیتے تھے اور کسی کی پیداوار میں ذرا بھی کمی نہ تھی، یعنی باغوں کے پھلوں اور پیداوار میں وہ کمی نہ تھی جو معمولاً عام باغوں میں ہوا کرتی ہے کہ ایک سال پھل خوب آتے ہیں اور دوسرے سال کم۔

وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ اور دونوں باغوں کے اندر ہم نے نہر چلا رکھی تھی اور اس شخص کے پاس اور بھی تمول کا سامان تھا۔

فَجَّرْنَا یعنی زمین سے چشمے نکال کر بہا دیئے، تاکہ باغوں میں تروتازگی اور شادابی باقی رہے۔ لَهٗ ثَمَرٌ ازہری نے کہا ثَمَرَةٌ کی جمع ثَمَرٌ ہے اور ثَمَرٌ کی ثِمَارٌ اور ثِمَارٌ کی ثُمُرٌ۔

قاموس میں ہے ثَمَرَةٌ درخت کے پھل اور مختلف انواع کا مال، ثَمَرَةٌ اور ثُمُرَةٌ واحد ہے اس کی جمع ثِمَارٌ ہے اور ثِمَارٌ کی جمع ثُمُرٌ اور ثُمُرٌ کی جمع اَثْمَارٌ۔ سونے چاندی، مویشی اور اولاد کو بھی ثمرة کہا جاتا ہے۔

مذکورہ آیت کا مطلب بعض اہل علم نے یہ بیان کیا ہے کہ دو باغوں کے مالک کے پاس باغوں کے علاوہ اور بھی طرح طرح کا بکثرت مال تھا۔ ثَمُرَ مَالُهٗ اس کا مال بہت ہو گیا۔ مجاہد نے کہا ثمر سے مراد سونا چاندی ہے۔ بغوی نے لکھا ہے ثَمَرٌ بفتح میم جن لوگوں نے پڑھا ہے تو ان کے نزدیک یہ ثَمَرَةٌ کی جمع ہوگی اور مراد ہوں گے درختوں کے پھل جو کھائے جاتے ہیں اور جن لوگوں نے ثُمُرٌ پڑھا ہے ان کے نزدیک طرح طرح کا کثیر مال مراد ہوگا۔

فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾

سو اس نے اپنے ساتھی سے دوران گفتگو میں کہا میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور جتھا بھی میرا زبردست ہے۔ یعنی باغوں والے نے نادار مومن سے دوران گفتگو میں کہا، میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور میں نوکروں چاکروں کے اعتبار سے بھی تجھ سے زیادہ باعزت ہوں۔ نَفَرٌ سے مراد ہیں نوکر چاکر خدمت گار بعض نے کہا نرینہ اولاد مراد ہے کیونکہ مومن نے اس کے جواب میں کہا تھا۔ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا اگرچہ تو مجھے اپنے مقابلے میں کم مالدار اور قلیل الاولاد دیکھ رہا ہے۔

وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ﴿۳۵﴾

اور اپنے اوپر جرم قائم کرتے ہوئے اپنے باغ میں پہنچا کہنے لگا میں نہیں خیال کرتا کہ یہ کبھی بھی تباہ ہوگا۔ یعنی اللہ کی طرف سے ڈھیل ملنے، دماغ پر غفلت کے پردے پڑ جانے اور شوق و ہوس کی ہمہ گیری کے سبب وہ خیال کرنے لگا کہ جو کچھ

Marfat.com

میرے پاس ہے، وہ زندگی بھر میرے پاس رہے گا، کبھی برباد نہ ہوگا۔ یہ مطلب نہیں کہ ان نعمتوں کے ساتھ میں ہمیشہ زندہ رہوں گا کیونکہ کسی کافر کا بھی یہ عقیدہ نہیں ہو سکتا کہ موت سے ہمیشہ محفوظ رہوں گا کبھی نہیں مروں گا۔ ہاں قول سے مراد اگر دلالت حال لی جائے تو مؤخر الذکر مطلب بھی ہو سکتا ہے، جو لوگ دنیا اور دنیا کی لذتوں میں غرق ہوتے ہیں ان کے اعمال اور خیالات زبان حال سے پکار کر کہتے ہیں کہ ایسے اعمال و خیالات رکھنے والے اپنی زندگی کو دوامی سمجھے ہوئے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ کبھی موت نہیں آئے گی اور دنیا کی یہ لذتیں ان کو ہمیشہ حاصل رہیں گی۔

وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝۳۶

اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت بپا ہونے والی ہے اور بالفرض اگر مرنے اور جی اٹھنے کے بعد مجھے لوٹ کر اپنے رب کی طرف جانا ہی پڑا جیسا کہ تمہارا خیال ہے تو یقیناً اس سے بہتر نتیجہ مجھے (وہاں) ضرور ضرور ملے گا۔

مُنْقَلَب، مقام واپسی، نتیجہ، اس کا خیال تھا کہ اللہ کی نظر میں میری عزت زائد ہے اس نے جو کچھ مجھے دیا ہے میری عزت کی وجہ سے دیا ہے اس لئے قیامت کے بعد بھی وہ مجھے ان باغوں سے بہتر مقام و مرتبہ عنایت کرے گا۔

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِىْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝۳۷

اس کے مومن ساتھی نے اس کو جواب دیتے ہوئے کہا کیا تو اس خدا کو نہیں مانتا جس نے خاک سے تجھے پیدا کیا پھر (باپ کے) نطفہ سے (پیدا کیا) پھر تجھے پورا ٹھیک مرد بنا دیا۔ مٹی ہر شخص (کے بدن) کا مادہ ہے اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ ہر شخص خاک سے بنایا گیا ہے یا یہ کہ حضرت آدم کا پتلا خاک سے بنایا گیا تھا نطفہ ہر انسان کا مادہ قریبہ ہے، (مٹی سے غذا نباتی و حیوانی پیدا ہوتی ہے اس لئے مٹی بعید مادہ ہے غذا سے خون بنتا ہے خون بھی مادہ بعیدہ ہے پھر خون سے نطفہ اور نطفہ سے انسان، پس نطفہ مادہ قریبہ ہے۔ مترجم) سَوّٰىكَ تجھے ٹھیک کر کے پورا انسان بنا دیا، رَجُلًا یعنی پورا بالغ مرد۔ وجود قیامت میں شک ہونے کی بنیاد ہے اللہ کی قدرت کا انکار تو گویا انکار قیامت حقیقت میں انکار خدا ہے جو شخص اللہ کی قدرت کی ہمہ گیری کو مانتا ہے وہ جانتا ہے کہ جس خدا نے آدمی کو اپنے علم و ارادہ کے ساتھ خاک سے پیدا کیا وہ دوبارہ بھی پیدا کر دے گا۔

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّىْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّىْٓ اَحَدًا ۝۳۸

لیکن (میں تو کہتا ہوں کہ) اللہ میرا رب ہے میں اس کے ساتھ (عبادت و ربوبیت میں) کسی کو ساجھی نہیں قرار دیتا۔ بقول بغوی، کسائی نے بیان کیا کہ کلام میں کچھ تقدیم و تاخیر ہے، اصل کلام تھا لٰكِنَّ اللّٰهُ هُوَ رَبِّىْ اس صورت میں (میں کہتا ہوں کہ جملہ محذوف ماننے کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ) لٰكِنَّا کا الف زائد ہوگا۔

وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ

اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تھے (اور پھلوں سے لدے درخت تھے) تو مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کیوں نہیں کہا۔ لَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ یعنی داخل ہوتے وقت تم نے کیوں نہیں کہا۔ مَا شَآءَ اللّٰهُ یعنی اللہ جو کچھ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، باغ میں جو کچھ ہے وہ اللہ کی مشیت سے وابستہ ہے اگر وہ چاہے گا، باقی رکھے گا، باقی رکھنا نہ چاہے گا برباد کر دے گا۔

لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ یعنی تو نے اپنی عاجزی اور اللہ کی قدرت کا اقرار کیوں نہیں کیا اور کیوں نہیں کہا کہ اللہ کی مدد کے بغیر میں اس کو محفوظ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا، جو کچھ مجھے اس باغ کو لگانے، پرورش کرنے اور انتظام کرنے کی سہولت حاصل ہوئی ہے وہ اللہ کی توفیق اور اس کی مدد سے حاصل ہوئی ہے۔ بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کوئی چیز دیکھی اور اس کے دل کو پسند آئی اور اس نے مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہہ دیا تو پھر اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا (نہ نظر لگے گی، نہ غیبی حوادث اس چیز پر آئیں گے) ابن السنی کی روایت میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ اس کو نظر نہیں لگے گی۔

Marfat.com

بغوی نے ہشام بن عروہ کی روایت سے بیان کیا کہ عروہ کو جب اپنا کوئی مال پسند آتا اور عجیب معلوم ہوتا تھا یا اپنے کسی باغ میں داخل ہوتے تھے تو کہتے تھے مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا

اگر تو مجھے دیکھ رہا ہے کہ (آج) میں تجھ سے مال و اولاد میں کم ہوں تو امید ہے عنقریب اللہ مجھے تیرے باغ سے بہتر اور بڑھیا چیز عنایت فرمادے اور تیرے باغ پر (تیرے کفر کی وجہ سے) کوئی تقدیری آفت آسمان سے بھیج دے۔

حُسْبَان کا ترجمہ قتادہ نے عذاب اور حضرت ابن عباسؓ نے آگ اور قتیبی نے پتھریلا طوفان اور بیضاوی نے کڑک کیا ہے۔ بیضاوی نے کہا حُسْبَان، حُسْبَانَةٌ کی جمع ہے، بعض علماء نے اس کو مصدر بمعنی حساب قرار دیا ہے اور حساب سے مراد ہے گناہوں کے برابر عذاب یا تقدیر الٰہی کی بھیجی ہوئی آفت۔

مِّنَ السَّمَآءِ آسمان سے

فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ پھر وہ باغ چٹیل چکنا میدان بن جائے۔ یعنی کوئی درخت اور سبزہ اس میں باقی نہ رہے، صاف میدان ہو جائے۔ مجاہد نے صَعِيْدًا زَلَقًا کا ترجمہ کیا ہولناک ریگستان۔

اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ یا اس کا پانی زمین کے اندر اتنی گہرائی میں چلا جائے کہ تو اس کو تلاش بھی نہ کر سکے (ملنا اور پانا تو درکنار)

وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا اور اس شخص کے (باغ کے) پھلوں یا (سامانِ تمول) کو آفت نے آگھیرا، پھر اس نے اس باغ پر جو کچھ خرچ کیا تھا اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا۔ یعنی عذاب نے اس کے باغ کے پھلوں یا ہر طرح کے مال کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور خلاف امید تباہ کر دیا، اَحَاطَه سے مراد ہے غالب آجانا برباد و تباہ کر دینا، دشمن جب گھیر لیتا ہے تو جو بھی اس کے احاطہ میں آجائے اس پر غالب آجاتا اور تباہ کر دیتا ہے۔

يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ کف افسوس ملنے لگا، ہاتھ پر ہاتھ ملنے لگا یا افسوس و حسرت کے ساتھ ہتھیلیاں اس نے الٹی کر لیں (اور پشت کف کو کاٹنے لگا) تقلیب کفین سے بطور کنایہ مراد ہے، پشیمان ہونا یعنی جو کچھ اس نے باغ میں خرچ کیا تھا اس کے برباد ہو جانے پر وہ (پریشان حسرت زدہ اور) پشیمان ہوا۔

وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا اور وہ باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا پڑا تھا۔ یعنی انگور کی بیلوں کی چھتریاں زمین پر گر گئیں اس طرح سب بیلیں زمین پر آرہیں (اور سارا انگورستان اجڑ گیا)

وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ اور (قیامت کے دن یا قبر میں جب دیکھے گا کہ اس کا جنتی مقام دوزخ کے مقام سے بدل دیا گیا تو) کہے گا، کاش میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دیتا (یہ ترجمہ مرادی حضرت مفسرؒ نے کیا ہے۔ مولانا تھانویؒ نے ترجمہ اس طرح کیا ہے اور کہنے لگا کیا خوب ہوتا اگر میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراتا)۔

وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾

اور اس کے پاس کوئی ایسا مجمع نہ ہوا کہ خدا کے سوا اس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود ہم سے بدلہ لے سکا (مولانا تھانویؒ) اور قیامت کے دن عذاب کو دفع کرنے پر قدرت رکھنے والی اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی جماعت نہ ہوگی اور نہ وہ تنہا اپنی قوت پر اللہ کے انتقام سے بچ سکے گا۔ (حضرت مفسرؒ)

هُنَالِكَ وہاں اور اس وقت یعنی جب اس کو قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔

اَلْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ مدد کرنا اللہ برحق ہی کا کام ہوگا (مفسرؒ) مدد کرنا اللہ برحق کا ہی کام ہے (مولانا تھانویؒ)

Marfat.com

حمزہ اور کسائی کی قرأت اَلْوِلَايَةُ بکسر واو بمعنی غلبہ آیا ہے اور جمہور کی قرأت اَلْوَلَايَةُ بفتح واو ہے، جس کا معنی ہے دوستی، مدد۔ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا میں بھی یہی مضمون ولایت (یعنی مدد اور نصرت) ظاہر فرمایا ہے۔ بعض علماء نے کہا وَلَایَتْ کا معنی ہے ربوبیت اور وِلَایَت کا معنی ہے حکومت۔

یہ بھی جائز ہے کہ اللہ نے کافر کا یہ قول اسی وقت کا نقل کیا ہو جب اس نے اپنے باغوں کو تباہ دیکھ کر اظہار پشیمانی کیا تھا اور شرک سے توبہ کرلی تھی یا اپنے مومن بھائی کی نصیحت سن کر اور باغ کی اجڑی حالت دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ یہ ساری مصیبت شرک کی وجہ سے آئی ہے۔ یہ حقیقت سمجھ کر اس نے بے اختیار بے تابی کی حالت میں شرک سے بیزاری کا اظہار کردیا (مولانا اشرف علیؒ نے اسی مطلب کے موافق ترجمہ کیا ہے اور شرک سے بیزاری کی تمنا کو اسی وقت اور اسی موقعہ کا قول قرار دیا ہے جب اس کافر نے اپنے سامان تمول کو برباد اور باغ کو اجڑا ہوا دیکھا تھا) یعنی اس موقعہ پر اس اضطراری حالت میں اس کو یقین ہو گیا کہ نصرت یا حکومت اللہ برحق کی ہی ہے۔

هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾　اسی کا ثواب سب سے بہتر اور اسی کا نتیجہ سب سے اچھا ہے۔ ع ۱۳ ۵ ۱۷

یعنی اللہ اپنے اطاعت گذاروں کو سب سے اچھا بدلہ دیتا ہے، کیونکہ دوسرے لوگ جو اطاعت کا دنیا میں بدلہ دیتے ہیں، وہ حقیر اور فنا پذیر ہوتا ہے اور اللہ دنیا میں تو اپنی حکمت کے مطابق اچھا بدلہ دیتا ہی ہے آخرت میں عظیم الشان لازوال ثواب عنایت فرمانے والا ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ　اور آپ ان لوگوں سے دنیوی زندگی کی حالت بیان کیجئے کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا ہو، پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہو گئی ہوں پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے کہ اس کو ہوائیں اڑائے پھرتی ہوں.... یعنی دنیوی زندگی کی رونق اور اس کی زوال پزیری کی کیفیت بیان کردیا حیات دنیا کی عجیب حالت بیان کرو (مثل کا معنی عجیب کیفیت بھی ہے اور اس حالت کو بھی مثل کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کی حالت کے مشابہ ہو خواہ اس میں کوئی ندرت نہ ہو مگر غرض تشبیہ پوری ہو رہی ہو اور مشبہ کی حالت مشبہ بہ کی حالت کے مماثل و مشابہ ہو۔ اس جگہ حیات دنیا اور بارش کے پانی سے پیدا ہونے والے سبزہ کے درمیان مشترک صفت رونق آگینی اور پھر جلد رونق کا فنا ہو جانا ہے۔ مترجم)

فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ یعنی پانی کے سبب زمین کا سبزہ گھنا ہو گیا اور اتنا زیادہ ہوا کہ باہم گتھ گیا، یا یہ مطلب ہے کہ پانی نے سبزہ کو متاثر کیا اور سبزہ پانی سے سیراب و شاداب ہو گیا۔

فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا پھر تھوڑی ہی مدت میں سبزہ خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔

تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ابو عبیدہ نے کہا ہوائیں اس کو ادھر ادھر منتشر کرنے لگیں۔ آیت میں تشبیہ مفرد بمفرد نہیں ہے نہ پانی مشبہ بہ ہے نہ پانی کی حالت۔ بلکہ مشبہ بہ وہ کیفیت ہے جو مجموعہ سے منتزع ہوتی ہے (یعنی پانی سے سبزہ کا پیدا ہونا گھنا اور شاداب ہونا، پھر خشک ہو جانا اور اس کو ہواؤں کا ادھر ادھر اڑائے پھرنا، ان تمام چیزوں سے ایک خاص نمو اور فنا کی کیفیت منتزع ہوتی ہے، اس سے حیات دنیا کی ترقی پذیر اور پھر عنقریب فنا آگیں کیفیت کو تشبیہ دی ہے۔ مترجم)

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾　اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ (یعنی قابو پائے ہوئے ہے کامل اقتدار رکھتا ہے۔ مترجم)

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾

مال اور اولاد حیات دنیا کی ایک رونق ہے اور جو اعمال صالح باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی بدرجہا بہتر ہیں اور امید کے لحاظ سے بھی سب سے افضل ہیں۔

Marfat.com

یعنی وہ مال و اولاد جس پر عیینہ بن حصین اور اس جیسے دوسرے دولت مندوں کو فخر ہے محض دنیوی رونق کی چیزیں ہیں آدمی ان پر فخر کرتا ہے، پھر یہ چیزیں عنقریب فنا ہو جاتی ہیں یہ زاد آخرت نہیں ہیں، لیکن وہ اعمال صالحہ جن کا اچھا نتیجہ دوامی اور غیر فانی ہے وہ اللہ کے نزدیک اس دنیوی مال و اولاد سے ہزاروں درجہ بہتر ہیں اور سب سے بڑی تمنا کے قابل چیز ہے (دنیوی چیزوں کی امید و تمنا فانی کی تمنا ہے اور اعمال صالحہ کے ثواب کی تمنا باقی کی تمنا اور باقی فانی سے بدرجہا افضل ہے۔ مترجم)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا مال اور اولاد دنیا کی کھیتی ہے اور اعمال صالح آخرت کی کھیتی اور بعض لوگوں کے لئے اللہ دونوں کو جمع کر دیتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، عکرمہ اور مجاہد نے فرمایا، باقیات صالحات سُبْحَانَ اللّٰہِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ ہیں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، باقیات صالحات کو زیادہ پڑھا کرو۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ ﷺ باقیات صالحات کیا ہیں، فرمایا سُبْحَانَ اللّٰہِ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ پڑھنا۔ رواہ احمد وابن حبان والحاکم۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کا ذکر بہت کیا کرو، اس سے ضرر کے ننانوے دروازے بند ہو جاتے ہیں جن میں سے ادنیٰ دروازہ غم ہے۔ رواہ العقیلی۔ عقیلی نے حضرت نعمان بن بشیر کی مرفوع حدیث نقل کی ہے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ہی باقیات صالحات ہیں۔ طبرانی نے اسی طرح کی حدیث حضرت سعد بن عبادہؓ کی روایت سے بھی نقل کی ہے۔

سعید بن جبیر، مسروق اور ابراہیم نخعی کے نزدیک باقیات صالحات سے مراد پنجگانہ نمازیں ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول بھی ایک روایت میں یہی آیا ہے لیکن دوسری روایت میں آیا ہے کہ باقیات صالحات اعمال صالحہ ہیں، قتادہ کا یہی قول ہے۔

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا ﴿٤٧﴾ وَعُرِضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا

اور یاد کرو اس دن کو جب ہم پہاڑوں کو ہٹادیں گے اور آپ زمین کو دیکھیں گے کہ کھلا میدان پڑا ہے اور ہم ان سب کے سب کو (قبروں سے اٹھا کر) جمع کریں گے اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے اور وہ آپ کے رب کے روبرو برابر برابر کھڑے کر کے پیش کئے جائیں گے۔ یعنی ہم پہاڑوں کو اکھاڑ کر خاک بنا دیں گے جو فضا میں اڑی اڑی پھرے گی۔

وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً اور زمین چٹیل میدان کھلی ہوئی صاف نظر آئے گی نہ اس پر کوئی عمارت ہو گی، نہ پہاڑی، نہ درخت۔ ابن ابی حاتم نے قتادہ کی طرف اس تفسیر کی نسبت کی ہے لیکن عطاء نے بارزۃ کی تشریح میں کہا زمین کا اندرونی حصہ اوپر آجائے گا جو مردے وغیرہ اس کے اندر ہوں گے وہ برآمد ہو جائیں گے۔

وَحَشَرْنَاهُمْ اور ہم لوگوں کو قبروں سے اٹھائیں گے۔ فَلَمْ نُغَادِرْ اور ان میں سے کسی کو قبر سے اٹھائے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔ غَادَرَ باب مفاعلہ اور غَدَرَ باب ضرب دونوں کا معنی ہے چھوڑ دیا، وفاء وعدہ کے ترک کو بھی اسی مناسبت سے غَدَر کہا جاتا ہے۔

وَعُرِضُوا جیسے بادشاہ کے سامنے اس کی فوج لائی جاتی ہے، اسی طرح اللہ کے سامنے سب لوگوں کو صف بند شکل میں لایا جائے گا، لیکن بادشاہ کی پیشی معاینہ اور شناخت کے لئے ہوتی ہے، اور اللہ کی پیشی حکم جاری کرنے کے لئے ہو گی۔ صَفًّا یعنی سب ایک قطار میں سامنے آئیں گے، کسی سے کسی کی رکاوٹ نہیں ہو گی، کوئی دوسرے کے سامنے آنے سے مانع نہ ہو سکے گا۔

لَقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ (دیکھو) آخر تم ہمارے پاس آئے، جیسا ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔ یعنی جس طرح ہم نے تم کو برہنہ بدن، برہنہ پا، غیر مختون پیدا کیا تھا، پیدائش کے وقت تمہارے پاس دنیا کا مال و دولت کچھ بھی نہ تھا اسی طرح آج نادار، برہنہ، غیر مختون۔ ہم نے تم کو قبروں سے اٹھایا ہے۔ شیخین نے صحیحین میں اور ترمذی نے سنن میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کھڑے ہوئے

Marfat.com

اور فرمایا لوگو تم کو (قبروں سے) اٹھا کر اللہ کے سامنے برہنہ بدن، برہنہ پا اور غیر مختون حالت میں لے جایا جائے گا، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ ؕ پھر سب مخلوق سے پہلے ابراہیم کو لباس پہنایا جائے گا۔

شیخین نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن تم کو برہنہ پا، برہنہ بدن، غیر مختون اٹھایا جائے گا، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا مرد بھی ہوں گے، عورتیں بھی۔ کیا ایک دوسرے کو دیکھے گا۔ فرمایا عائشہؓ! اس وقت کا معاملہ بہت سخت ہوگا۔ یعنی کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش ہی نہ ہوگا۔

طبرانی نے الاوسط میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ام سلمہؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے اس روایت کے آخر میں کہ حضرت ام سلمہؓ نے کہا، یہ تو بڑی خرابی ہوگی، ہم میں سے بعض بعض کو برہنہ دیکھیں گے، فرمایا لوگ اپنے ہی شغل میں ہوں گے۔ حضرت ام سلمہؓ نے کہا وہ کس شغل میں ہوں گے، فرمایا اعمال نامے کھول کر سامنے لائے جائیں گے جن کے اندر چھوٹی چیونٹی کے برابر اور رائی کے دانہ کے برابر بھی اعمال کا اندراج ہوگا، بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے اس روایت میں یہ بھی ہے کہ بی بی نے کہا، ہم میں سے بعض بعض کی برہنگی کو دیکھیں گے، فرمایا، اری اس روز ہر شخص اپنے ہی حال میں ہوگا جو (دوسرے کی طرف دیکھنے سے) اس کو بے نیاز بنائے ہوگا۔

طبرانی نے حضرت سہیل بن سعد کی روایت سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔ اور حضرت امام حسن کی روایت سے مرفوعاً یہ حدیث آئی ہے جس میں مذکور ہے کہ بی بی کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا ہم میں سے بعض بعض کو کیسے دیکھیں گے، آنکھیں تو پھٹی ہوئی اوپر کی طرف حیرت سے دیکھ رہی ہوں گی، یہ بیان کرتے وقت حضور ﷺ نے اپنی نظر اوپر کی طرف اٹھائی۔

طبرانی اور بیہقی نے حضرت سودہ بنت زمعہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو برہنہ پا، برہنہ بدن، غیر مختون اٹھایا جائے گا، پسینہ کا سیلاب کسی کے منہ تک لگام کی طرح آیا ہوگا اور کسی کے کانوں کی لو تک۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو بڑی خرابی ہوگی، ہم میں سے ایک دوسرے کو برہنہ دیکھے گا، فرمایا لوگ اپنی ہی حالت میں مبتلا ہوں گے ان کی اپنی حالت دوسرے کی طرف دیکھنے نہ دے گی، اس روز ہر شخص اپنے ہی حال میں ہوگا جو (دوسرے کی طرف دیکھنے سے) اس کو بے نیاز بنائے ہوگا۔

قرطبی نے لکھا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بھی تو حدیث میں آیا ہے کہ مردے اپنی قبروں میں کفن پہنے ہوئے باہم ملاقات کرتے ہیں اور احادیث مذکورہ میں برہنہ اٹھائے جانے کی صراحت ہے دونوں میں کھلا ہوا تعارض ہے۔ لیکن حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں احادیث مذکورہ میں قیامت کے دن برہنہ اٹھایا جانا مذکور ہے اور اس حدیث کے اندر عالم برزخ میں کفن پوش ہونے کی حالت میں باہم ملاقات کا تذکرہ ہے، ہاں احادیث مذکورہ بالا کا تعارض مندرجہ ذیل احادیث سے ضرور ہوتا ہے۔

ابوداؤد، حاکم، ابن حبان اور بیہقی نے بیان کیا کہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے نئے کپڑے طلب فرما کر پہنے اور فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا آپ فرما رہے تھے جن کپڑوں میں مردہ مرتا ہے انہی کپڑوں میں اسے اٹھایا جائے گا۔

ابن ابی الدنیا نے حسن سند سے بیان کیا کہ حضرت معاذ بن جبل نے اپنی ماں کو نئے کپڑوں کا کفن دے کر دفن کیا اور فرمایا اپنے مردوں کو اچھے کفن دیا کرو کیونکہ انہی (کفن کے کپڑوں میں) ان کو اٹھایا جائے گا۔

سعید بن منصور نے سنن میں بیان کیا کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا، اپنے مردوں کو اچھے کفن دیا کرو کیونکہ قیامت کے دن انہی (کفن کے کپڑوں) میں ان کو اٹھایا جائے گا۔ قرطبی نے کہا کچھ علماء نے تو ان احادیث کے ظاہر (یعنی حکم کے عموم) کا اعتبار کیا ہے اور ہر مردہ کو اچھا کفن دینے کا حکم دیا ہے۔ بعض نے ان احادیث کے حکم کو شہیدوں کے ساتھ مخصوص مانا ہے کیونکہ شہیدوں کو انہی کپڑوں میں دفن کرنے کا حکم ہے جن کو پہنے ہوئے وہ شہید ہوئے ہوں۔ حضرت ابو سعیدؓ نے (سمجھنے میں

Marfat.com

کچھ غلطی کی) شہید کے متعلق حکم سنا اور عام لوگوں کے واسطے عمومی حکم سمجھ گئے۔
بیہقی نے مختلف روایات کے اختلاف کو دور کرنے کے لئے کہا کہ بعض کو برہنہ اٹھایا جائے گا، اور بعض کو کپڑے پہنے ہوئے۔ میں کہتا ہوں یہ تاویل اچھی ہے۔ رہی آیت مذکورہ بالا تو یہ صرف کفار کے لئے ہے کیونکہ آگے جملہ میں کفار ہی کو خطاب کیا گیا ہے۔

بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا۝ بلکہ تم یہی سمجھتے رہے کہ ہم تمہارے لئے کوئی وقت موعود نہیں لائیں گے۔

مَوْعِد وعدۂ حشر پورا کرنے کا وقت۔ لفظ بَلْ اس جملہ میں انتقال بیان کو ظاہر کر رہا ہے۔ ایک بیان سے دوسرے بیان کی طرف منتقل ہونے کا اظہار لفظ بَلْ سے ہو رہا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ برہنہ حالت میں اٹھایا جانا ان لوگوں کے لئے مخصوص ہو گا جو صلحاء نہ ہوں کافر ہوں۔
رسول اللہ ﷺ نے اَلْاَبْصَار شَاخِصَة (نظریں اوپر کو اٹھی ہوں گی) فرمایا اور اللہ نے فرمایا لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ دونوں جگہ کافر ہی مراد ہیں خوف کی وجہ سے آنکھوں کا پھٹ جانا اور اوپر کو حیرت سے دیکھتے رہنا کفار کی، خصوصیت ہوگی صلحاء کا یہ حال نہ ہو گا۔ البتہ یہ شبہ اس تاویل کے باوجود باقی رہتا ہے کہ اگر صلحاء عریاں نہیں اٹھیں گے تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہے کہ سب مخلوق سے پہلے ابراہیم کو لباس پہنایا جائے گا، اس کے ازالہ کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث میں قبر سے برآمد ہونے سے پہلے کی حالت کو ظاہر کیا گیا ہے قبروں کے اندر صلحاء کو عزت افزائی کے لئے لباس پہنا دیا جائے گا اور حضرت ابراہیمؑ کو سب سے پہلے پہنایا جائے گا۔ یہ جواب ضعف سے خالی نہیں۔
بعض علماء نے لکھا ہے کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ مردہ کو اسی لباس میں اٹھایا جائے گا جس میں وہ مرنے کے وقت ہو گا اس حدیث میں لباس سے مراد اعمال ہیں یعنی مرتے وقت جو عملی حالت اس کی ہو گی، اسی حالت پر اس کو اٹھایا جائے گا۔ دیکھو اللہ نے آیت وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ میں تقویٰ کو لباس فرمایا ہے۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ اور اعمال نامے رکھے جائیں گے۔ اَلْكِتَاب میں الف لام جنسی ہے (جس کا اطلاق کثیر پر بھی ہوتا ہے اور یہاں کثیر ہی مراد ہیں) لوگوں کے دائیں یا بائیں ہاتھوں میں یا میزان میں یا اللہ کے سامنے اعمال نامے رکھ دیئے جائیں گے۔

فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ

پھر آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ اس میں جو کچھ لکھا ہو گا اس سے ڈرتے ہوں گے اور کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی اس نامہ اعمال کی عجیب حالت ہے کہ بغیر لکھے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا۔
اَلْمُجْرِمِيْنَ یعنی وہ لوگ جن کے بائیں ہاتھوں میں اعمال نامے دیئے جائیں گے۔
مِمَّا فِيْهِ ان گناہوں سے جو اعمال نامے میں لکھے ہوں گے۔
يٰوَيْلَتَنَا ویل، بمعنی ہلاکت وہ اپنی خاص ہلاکت کو پکاریں گے۔ پکارنے کا مقصد موت کو بلانا نہیں ہو گا بلکہ بے قراری کا اظہار اور دوسروں کو اپنے اوپر نازل ہونے والی مصیبت سے آگاہ کرنا مقصود ہو گا۔
مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ یہ سوال (حقیقۃً استفہام کے لئے نہ ہو گا بلکہ) اظہار تعجب کے لئے ہو گا۔
لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا صغیرہ (سے جا) تبسم اور [illegible] جبیر نے کہا صغیرہ (نامحرم کا) چھو لینا، بوسہ لینا اور کبیرہ زنا ہے۔ دونوں بزرگوں نے صغائر و کبائر کی مثالیں دی ہیں، یہ [illegible] ہے کہ اس آیت کی یہی تفسیر ہے۔ سورۂ نساء کی آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ کی تفسیر

Marfat.com

میں ہم نے کبائر کی تفصیل کر دی ہے۔
اِلَّآ اَحۡصٰىهَا مگر اعمالنامے نے اس کی گنتی کر رکھی ہے، اس کا احاطہ کر لیا ہے یعنی کسی چھوٹے بڑے گناہ کو بغیر احاطہ کئے نہیں چھوڑا۔ حضرت سہل بن سعد کا بیان ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان گناہوں سے بھی بچو جن کو حقیر سمجھا جاتا ہے، حقیر گناہوں کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ کسی وادی کے اندر اترے ہوں پھر کوئی ایک لکڑی لائے، کوئی دوسری لکڑی (اور ان حقیر لکڑیوں کو جمع کر کے) لوگ روٹی پکالیں (مقصد یہ کہ حقیر اور چھوٹے گناہوں کا مجموعہ بڑا ہو جاتا ہے) حقیر گناہ (بھی) ہلاک کرنے والے کبائر (ہو جاتے) ہیں۔ رواہ البغوی۔ طبرانی نے حضرت سعد بن عبادہ کا بیان نقل کیا ہے، حضرت سعدؓ نے فرمایا جب رسول اللہ ﷺ حنین سے فارغ ہو گئے (اور واپس ہوئے) تو ہم ایک ویران بے آب و گیاہ مقام پر اترے جہاں کچھ بھی نہ تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کو جو چیز بھی ملے وہ لے آئے یا جس کے پاس جو چیز موجود ہو وہ لے آئے، تھوڑی دیر ہی گزرنے پائی تھی کہ ہم نے (تھوڑا تھوڑا لا کر) ڈھیر کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم اس کو دیکھ رہے ہو جس طرح تم نے (تھوڑا تھوڑا) جمع کر کے یہ ڈھیر کر دیا اسی طرح آدمی پر (چھوٹے چھوٹے) گناہوں کا اجتماع ہو جاتا ہے۔ اس لئے تم میں سے ہر شخص پر لازم ہے کہ اللہ سے ڈرے اور چھوٹا بڑا کوئی گناہ نہ کرے (اور سمجھ رکھے کہ) ہر گناہ شمار کر کے اس کے ذمے قائم رکھا جاتا ہے۔

نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جن گناہوں کو حقیر سمجھا جاتا ہے ان سے بھی بچو کیونکہ اللہ کی طرف سے ان کا مطالبہ کرنے والا بھی (قیامت کے دن) ہو گا۔

بخاری نے بیان کیا کہ حضرت انسؓ نے فرمایا تم لوگ کچھ ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں بال سے زیادہ باریک اور حقیر ہوتے ہیں، اور ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ان کو ہلاکت انگیز گناہوں میں شمار کرتے تھے، امام احمد نے بھی صحیح سند سے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔

وَوَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا ؕ اور جو کچھ انہوں نے کیا ہو گا (اعمالناموں میں لکھا ہوا) موجود پائیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ تمام اعمال کا بدلہ پائیں گے۔

وَلَا يَظۡلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ع ۵/۱۸

یعنی بن کیا کوئی گناہ نہیں لکھتا یا عمل کے موافق سزا میں اضافہ نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کی تین پیشیاں ہوں گی دو پیشیاں تو جھگڑنے اور اپنے اپنے عذر پیش کرنے کی ہوں گی اور تیسری پیشی وہ ہو گی کہ اعمال نامے اڑ کر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ جائیں گے کوئی دائیں ہاتھ سے اعمال نامے کو لے گا کوئی بائیں ہاتھ سے۔ ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت سے اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کے حوالہ سے موقوفاً بیان کی ہے۔ حکیم ترمذی نے کہا پہلی پیشی جھگڑے کے لئے ہو گی۔ یعنی بندے اپنے گناہوں سے بری ہونے کے لئے جھگڑے کریں گے، وہ رب سے واقف نہیں ہوں گے اس لئے جھگڑے کریں گے اور خیال کریں گے کہ اس طرح ہم حجت پیش کرنے میں غالب ہو جائیں گے اور سزا سے بچ جائیں گے، دوسری پیشی میں اللہ کی طرف سے حضرت آدمؑ اور دوسرے انبیاءؑ کے سامنے اتمام حجت کیا جائے گا اور دشمنوں کو عذاب دینے کی حقانیت ثابت ہو جائے گی اور اللہ ان کو دوزخ میں بھیج دے گا اور تیسری پیشی صرف مومنوں کی ہو گی جو ان کی مغفرت کے لئے ہو گی البتہ تنہائی میں اللہ ان کو طلب کر کے کچھ زیادہ سرزنش کر دے گا۔ مومن کو (اپنا گناہ دیکھ کر) بڑی شرم آئے گی اور خجالت کا مزہ چکھے گا پھر اللہ ان کو معاف کر دے گا اور ان سے راضی ہو جائے گا۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام اعمال نامے عرش کے نیچے جمع ہوتے ہیں جب میدان قیامت ہو گا اور لوگ کھڑے ہوں گے تو اللہ ایک ہوا بھیج دے گا جو اعمال ناموں کو اڑا کر لائے گی اور دائیں بائیں ہاتھوں میں پہنچا دے گی۔ سب سے اول اعمالنامہ میں یہ تحریر ہو گی۔ اِقۡرَاۡ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفۡسِكَ الۡيَوۡمَ عَلَيۡكَ حَسِيۡبًا۔ ابن جریر نے لکھا

Marfat.com

ہے کہ قتادہ نے بیان کیا جو شخص دنیا میں پڑھا نہ ہوگا وہ بھی اس وقت نامہ اعمال پڑھ لے گا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اور یاد کرو اس واقعہ کو جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو، سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے۔ قرآن مجید میں مختلف متعدد مقامات پر مختلف مقاصد کی تمہید کے طور پر فرشتوں کو آدم کے لئے سجدہ کرنے کا حکم اور ملائکہ کا سجدہ کرنا اور ابلیس کا انکار کرنا بیان کیا گیا ہے۔ اس جگہ بھی خاص مقصد کے لئے اس واقعہ کا تذکرہ کیا (مال دنیا اور شرافت نسب اور عزت قومی پر) فخر کرنے والوں کی جب آیات مذکورہ بالا میں مذمت کی اور ان کی اس حرکت کو ناپسندیدہ قرار دیا تو اس کو پختہ کرنے کے لئے ابلیس کے انکار اور فرشتوں کی تعمیل امر کا تذکرہ کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں غرور کرنا ابلیس کی حرکت ہے یا یوں کہا جائے کہ پہلے ان لوگوں کا ذکر کیا جو دنیا کے شیفتہ اور فریفتہ ہیں اور اس فریب خوردگی کا سبب ہواء نفس اور اغواء ابلیسی ہے۔ اس لئے سب سے پہلے دنیوی جمال ظاہری کی طرف سے ان کو نفرت دلائی اور اس کی فناپذیری و ناپائیداری کی طرف اشارہ کر کے اعمال صالحہ کی پائیداری و بقاء کو ظاہر فرمایا، پھر قدیمی دشمنی کا ذکر کر کے شیطان کے اغواء سے بچنے کی در پردہ ہدایت کی۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر سجدہ ملائکہ اور انکار ابلیس کا بار بار تذکرہ اسی حکمت کا حامل ہے۔

كَانَ مِنَ الْجِنِّ وہ تھا جنات میں سے یعنی اس نے سجدہ نہیں کیا اس لئے کہ وہ جنات میں سے تھا۔

فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ پس وہ اپنے رب کے حکم کی تعمیل اور اس کی اطاعت سے باہر ہو گیا۔ لفظ امر بتا رہا ہے کہ ابلیس بھی ملائکہ کے ساتھ سجدہ کرنے پر مامور تھا فَفَسَقَ میں فاء سببیت کے لئے ہے (یعنی ابلیس کا جنات میں سے ہونا نافرمانی کا سبب تھا۔ مترجم) اس لفظ سے (بطور مفہوم مخالف) یہ بات ظاہر ہوئی کہ فرشتے اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے، ابلیس نے جو نافرمانی کی اس کا سبب یہ تھا کہ وہ جنات میں سے تھا۔ (ملائکہ میں سے نہ تھا)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ابلیس ملائکہ کے ہی ایک گروہ میں تھا اس گروہ کو جن کہا جاتا تھا، اور اس کی تخلیق لپٹ والی آگ سے ہوئی تھی۔ اس قول پر اِلَّآ اِبْلِيْسَ میں استثناء متصل ہوگا۔ (کیونکہ ابلیس نوع ملائکہ سے قرار پائے گا۔ مترجم) حسن بصری نے کہا ابلیس ملائکہ میں سے نہیں تھا جنات میں سے تھا اور جس طرح آدم تمام انسانوں کی اصل ہیں اسی طرح ابلیس تمام جنات کی اصل تھا اس قول پر استثناء منقطع ہوگا لیکن یہ قول بہت بعید از عقل ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ میں نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ یہ آیت اور سورۂ رحمن اور سورۂ جن کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کی طرح کچھ جن مومن صالح ہیں اور کچھ ظالم، کافر، جہنم کا ایندھن اور ابلیس اور اس کی نسل کے تمام افراد اعداء خدا ہیں اور اعداء اولیاء خدا ہیں پھر ابلیس تمام جنات کی اصل کیسے ہو سکتا ہے۔

اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ اس پر بھی کیا تم لوگ اس کو اور اس کی ذریت کو میرے سوا (اپنا) رفیق دوست بناتے ہو حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ استفہام انکاری ہے یعنی تم کو ایسا نہ کرنا چاہئے کہ اپنے کھلے ہوئے دشمنوں کو میرے بجائے اپنا دوست قرار دو اور میری اطاعت کی جگہ ان کی اطاعت کرو۔

بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝ یہ ظالموں کے لئے بہت برا بدل ہے۔

یعنی کافروں نے جو اللہ کے بجائے ابلیس اور اس کی ذریت کو دوست بنا رکھا ہے تو اللہ کے عوض کافروں کا ابلیس اور اس کی ذریت کو اختیار کرنا برا بدل ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد نے شعبی کا بیان نقل کیا، شعبی نے کہا میں ایک روز بیٹھا ہوا تھا ایک قلی آیا اور اس نے مجھ سے دریافت کیا کیا ابلیس کی بیوی ہے، میں نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں، لیکن پھر مجھے یاد آیا کہ اللہ نے فرمایا ہے اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ اور اولاد بغیر بی بی کے ہو نہیں سکتی (کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ اللہ کے اولاد کہاں سے ہو سکتی ہے جب کہ اس کی بی بی نہیں ہے (مفسر رحمۃ اللہ) یہ یاد آنے کے بعد میں نے کہہ دیا

Marfat.com

ہاں (ابلیس کی بی بی ہے)
قتادہ نے کہا شیاطین میں آدمیوں کی طرح توالد و تناسل ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے بیان کیا کہ ابلیس خود اپنی دم اپنے دبر میں داخل کر لیتا ہے اس سے انڈا پیدا ہو جاتا ہے اور ایک انڈا پھٹ کر شیطانوں کی ایک جماعت نکل پڑتی ہے۔
مجاہد نے کہا ابلیس کی اولاد میں سے مندرجہ ذیل شیطان ہیں۔ لاقیس، ولہان، ہفاف، مرہ، زلنبور، اعور، مطوس، یثور، داسم۔ ولہان وضو، غسل اور نماز میں وسوسہ پیدا کرتا ہے۔ مرہ ہی کے نام سے ابلیس کی کنیت ابو مرہ مشہور ہے۔ زلنبور بازاروں میں جھوٹی قسمیں کھلواتا اور صاحب مال سے مال کی جھوٹی تعریف کراتا ہے۔ اعور زنا پر آمادہ کرنے والا شیطان ہے۔ مرد کے عضو تناسل اور عورت کے سرینوں میں پھونک مار دیتا ہے۔ مطوس جھوٹی بے اصل افواہیں لوگوں میں پھیلاتا ہے۔ یثور مردہ کے وارثوں کو منہ پیٹنے اور گریبان پھاڑنے پر آمادہ کرتا ہے۔ داسم وہ شیطان ہے کہ آدمی جب گھر میں جاتا ہے اور کسی کو سلام نہیں کرتا اور اللہ کا ذکر بھی نہیں کرتا تو شیطان اس آدمی کو گھر کی ہر چیز بے محل رکھی ہوئی دکھاتا ہے (جس سے آدمی کو غصہ آجاتا ہے اور وہ گھر والوں کو سخت سست کہنے لگتا ہے) اور بغیر بسم اللہ کئے آدمی کھانے لگتا ہے تو داسم بھی اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاتا ہے۔ اعمش نے کہا بعض اوقات میں بغیر بسم اللہ کے گھر میں داخل ہوا اور اندر جا کر کسی کو سلام بھی نہیں کیا تو مجھے (بے جگہ رکھا ہوا) لوٹا نظر آیا میں نے کہا اس کو یہاں سے اٹھاؤ پھر گھر والوں سے جھگڑا کرنے لگا لیکن پھر مجھے یاد آگیا اور میں نے کہا یہ داسم ہے، داسم ہے۔

حضرت ابی بن کعبؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وضو (میں بہکانے والا) ایک شیطان ہے جس کو ولہان کہا جاتا ہے تم لوگ پانی (کے استعمال) کے وسوسے سے بچتے رہو۔ رواہ الترمذی و ابن ماجہ۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔ اہل حدیث کی نظر میں اس کی سند قوی نہیں ہے۔ خارجہ بن مصعب راوی ضعیف ہے۔
حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ شیطان میرے اور میری نماز و قرأت کے درمیان دخل انداز ہو جاتا ہے اور نماز کو مشتبہ بنا دیتا ہے (مجھے یاد نہیں رہتا کہ میں نے کتنی رکعتیں پڑھیں) فرمایا یہ شیطان ہے جس کو خنزب کہا جاتا ہے جب تم ایسا محسوس کرو تو اللہ کی پناہ مانگو (یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھو) اور بائیں طرف کو تین بار تھتکار دو، حضرت عثمانؓ کا بیان ہے، میں نے اس کے بعد ایسا ہی کیا اور اللہ نے اس کو مجھ سے دور کر دیا۔ رواہ مسلم۔
حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے پھر وہاں سے اپنے دستوں کو (اطراف عالم میں) روانہ کرتا ہے۔ ابلیس کا سب سے بڑا مقرب وہی ہوتا ہے جو سب سے زیادہ فتنہ انگیز ہو۔ کوئی آکر کہتا ہے میں نے یہ یہ کام کئے۔ ابلیس کہتا ہے تو نے کچھ نہیں کیا پھر ایک شیطان آتا ہے اور کہتا ہے میں نے میاں بی بی میں علیحدگی کرا دی، ابلیس کہتا ہے تو نے اچھا کام کیا پھر اس کو اپنا مقرب بنا لیتا ہے۔ اعمش کا بیان ہے میرا خیال ہے راوی نے یہ بھی کہا، پھر ابلیس اس کو چمٹا لیتا ہے۔ رواہ مسلم۔

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ میں نے ان کو (یعنی ابلیس اور اس کی ذریات کو) نہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے کے وقت بلایا اور نہ خود ان کو پیدا کرنے کے وقت۔
مقصد یہ ہے کہ کسی چیز کو پیدا کرنے میں، میں نے ان سے مدد نہیں لی کہ وہ عبادت و اطاعت کے مستحق ہو جائیں۔ عبادت کا استحقاق اسی کو ہو سکتا ہے جو خالق ہو اور عبادت میں شرک کا معنی یہ ہے کہ خالقیت میں شرکت ہو اور خالقیت میں اللہ کے ساتھ کسی کی شرکت نہیں تو معبودیت میں کون اس کا شریک ہو سکتا ہے۔

وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝ اور میں ایسا (عاجز) نہ تھا گمراہ کرنے والوں کو اپنا بازو (یعنی مددگار) بناتا۔

Marfat.com

اَلْمُضِلِّیْنَ (گمراہ کرنے والے) سے مراد ہیں شیاطین۔ عَضُدًا (بازو) یعنی مددگار۔
اَلْمُضِلِّیْنَ صراحت کے ساتھ کہا ضمیر غائب ذکر نہیں کی اس سے شیاطین کی مذمت کا اظہار ہو رہا ہے۔
بعض علماء نے کہا مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ میں ہُمْ ضمیر (شیاطین کی طرف راجع نہیں) مشرکوں کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی مشرکوں کو میں نے تخلیق اشیاء کا شاہد نہیں بنایا اور وہ علم عطا نہیں کیا جو دوسروں کو نہ دیا ہو۔ پھر ان کی خصوصیت ہی کیا ہے اگر ان کو خصوصی علم عطا کیا گیا ہوتا تو اس وقت یہ کہہ سکتے تھے کہ اگر ہم مسلمان ہو گئے تو سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے (اب تو ان کا یہ دعویٰ ہی غلط ہے) اس لئے آپ ان کے قول کی طرف کوئی توجہ نہ دیں اور ان سے دین میں مدد کرنے کی امید ہی نہ رکھیں۔ میں اپنے دین کا مددگار ایسے گمراہ کرنے والوں کو بنانے والا نہیں۔
کلبی نے کہا ہُمْ ضمیر ملائکہ کی طرف راجع ہے یعنی میں نے ملائکہ کو تخلیق عالم میں شریک نہیں کیا تھا کہ ان کی پوجا کی جانے لگے اور ان کو اللہ کی بیٹیاں سمجھا جانے لگے۔ اس صورت میں وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا علیحدہ جملہ ہوگا اور اس دوسرے جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے تخلیقِ عالم میں شیاطین سے مدد نہیں لی تھی۔ خلاصہ یہ کہ نہ میں نے ملائکہ سے مدد لی، نہ شیاطین سے۔

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾

جس روز اللہ فرمائے گا پکارو میرے ان (مفروضہ) شریکوں کو جن کو تم (میرے شریک) خیال کرتے تھے وہ ان کو پکاریں گے لیکن وہ ان کو جواب ہی نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان ایک آڑ کر دیں گے۔

زَعَمْتُمْ یعنی تم گمان کرتے تھے کہ وہ میرے شریک ہیں یا سفارش کر کے میرے عذاب سے تم کو بچالیں گے۔ بعض علماء کے نزدیک شُرَكَآءِيَ سے مراد ہیں ابلیس اور اس کی ذریات۔
فَدَعَوْهُمْ پس وہ ان کو فریادرسی کے لئے پکاریں گے۔
فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ لیکن وہ فریادرسی نہیں کریں گے۔
وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ اور ہم کافروں اور ان کے معبودوں کے درمیان کر دیں گے۔
مَّوْبِقًا ہلاکت کا مقام اَوْبَقَهٗ اس کو ہلاک کر دیا۔ عطاء اور ضحاک نے یہی ترجمہ کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مَوْبِق دوزخ کی ایک وادی کا نام ہے۔ مجاہد نے کہا گرم پانی کی ایک وادی ہے۔ عکرمہ نے کہا مَوْبِق آگ کا ایک دریا ہے جس میں آگ بہتی ہے اس کے کناروں پر سیاہ خچروں کے برابر سانپ ہیں۔ ابن الاعرابی نے کہا دو چیزوں کے درمیان جو چیز آڑ اور حاجب ہو اس کو مَوْبِق کہتے ہیں۔
بعض کے نزدیک مَوْبِق مصدر ہے۔ فراء نے کہا بَیْن کا معنی ہے وصل یعنی دنیا میں جو کافروں اور ان کے معبودوں کے درمیان ملاپ اور جوڑ تھا قیامت کے دن ہم اس کو ہلاکت بنا دیں گے۔ یہی مضمون دوسری آیت میں آیا ہے لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ تمہارا باہمی اتصال پارہ پارہ ہو گیا۔

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾

اور اس وقت مجرم دوزخ کو دیکھیں گے پھر یقین کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور اس سے کوئی بچنے کی راہ نہیں پائیں گے۔

اَلْمُجْرِمُوْنَ سے مراد ہیں مشرک۔ فَظَنُّوْٓا یعنی وہ یقین کرلیں گے۔ مُّوَاقِعُوْهَا یعنی اس کے اندر گرنے والے ہیں۔
امام احمد نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا کی تشریح میں فرمایا، کافر کو پچاس ہزار برس کے بقدر (یعنی قیامت کے سارے دن) کھڑا رکھا جائے گا جیسے کہ دنیا میں اس نے کچھ کیا ہی نہ تھا اور

Marfat.com

وہ جہنم کو دیکھتا رہے گا اور چالیس برس کی مسافت سے بھی یہی خیال کرے گا کہ میں دوزخ میں گرا جارہا ہوں۔ مَصْرِفًا یا مصدر ہے لوٹنا، واپس ہونا یا اسم ظرف ہے یعنی کوئی ایسا مقام جس کی طرف وہ لوٹ سکیں (اور دوزخ سے بچ جائیں)

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝ اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت کے واسطے ہر قسم کے (ضروری) عمدہ مضامین طرح طرح سے بیان کئے ہیں اور اس پر بھی انسان جھگڑا کرنے میں سب سے بڑھ کر ہے۔

بقول حضرت ابن عباسؓ اَلْاِنْسَان سے مراد ہے نضر بن حارث اور بر قول کلبی ابی بن خلف جمحی۔ بعض کے نزدیک عام کافر مراد ہیں اللہ نے دوسری جگہ فرمایا ہے وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ۔ بعض کے نزدیک عام انسان مراد ہیں (کافر ہوں یا مومن) حضرت علیؓ کا بیان ہے ایک رات رسول اللہ ﷺ میرے اور اپنی صاحبزادی کے پاس آپہنچے اور فرمایا تم دونوں رات کو نماز نہیں پڑھتے ہو (یعنی تہجد کی نماز یا نفل نماز) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہماری جانیں اللہ کے قبضہ میں ہیں۔ وہ جب ہم کو اٹھانا چاہتا ہے ہم کو اٹھا دیتا ہے۔ میری اس گزارش کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس چلے گئے، مجھے کوئی جواب نہیں دیا اور پشت پھیری ہی تھی کہ میں نے سنا کہ ران پر ہاتھ مار کر فرما رہے تھے، وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝ اور لوگوں کے بعد اس کے کہ ان کو ہدایت پہنچ چکی ایمان لانے سے اور اپنے پروردگار سے (گناہوں کی اور کفر کی) معافی مانگنے سے اور کوئی مانع نہیں رہا بجز اس کے کہ ان کو انتظار ہو کہ گزرے ہوئے لوگوں کا سا معاملہ ان کو بھی پیش آجائے یا اللہ کا عذاب ان کے سامنے آکھڑا ہو۔

اَلْهُدٰى سے مراد ہے قرآن اور اسلام اور اللہ کی طرف سے بیان۔ بعض کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی ذات مراد ہے یعنی حق واضح ہونے کے بعد۔

سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ یعنی اللہ کے عذاب کا وہ طریقہ جو گزشتہ کافروں کے لئے استعمال کیا گیا کہ ان کی جڑ اکھڑ گئی۔ قُبُلًا کا ترجمہ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک ہے رو در رو، آمنے سامنے۔ مجاہد نے ترجمہ کیا ناگہانی۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ اور ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر (ثواب و جنت کی مومنوں کے لئے) بشارت دینے والے اور (کافروں کو عذاب و دوزخ سے) ڈرانے والے (بنا کر) یعنی پیغمبروں کو ہم نے اس بات پر قادر بنا کر نہیں بھیجا کہ کافر جو معجزات طلب کریں وہ پیش کردیں یا یہ مطلب ہے کہ ہم نے پیغمبروں کو اس امر پر قادر بنا کر نہیں بھیجا کہ وہ ساری مخلوق کو ہدایت یافتہ بنادیں۔

وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ اور کافر لوگ ناحق کی باتیں پکڑ پکڑ کر جھگڑے نکالتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ سے حق بات کو بچلادیں۔

مثلاً کافر کہتے ہیں اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا کیا اللہ نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تم تو ہم جیسے انسان ہی ہو اس کے سوا کچھ نہیں۔ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰۗئِكَةً اگر اللہ چاہتا تو (ہدایت کے لئے) فرشتوں کو اتار دیتا۔ لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰي رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ یہ قرآن ان دونوں بستیوں (مکہ و طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتار گیا۔ یہ بھی کافروں نے کہا تھا کہ تم جو ذبح کرتے ہو وہ ذبیحہ تو حلال ہو اور جس کو اللہ (تمہارے ذبح کئے بغیر) مار ڈالتا ہے وہ حرام ہو۔ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ (حض پھسل جانا اَدْحَاض (باب افعال) پھسلا دینا یعنی باطل کے ذریعہ سے جھگڑا کر کے حق کو اس کی جگہ سے مٹادیں۔

وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۝ اور انہوں نے میری آیتوں کو اور جس عذاب سے

Marfat.com

ان کو ڈرایا گیا تھا اس کو دل لگی بنار کھا ہے۔

آیات سے مراد ہیں وہ آیات جو قرآن میں نازل کی گئی ہیں۔ ہُزُوًا دل لگی کی چیز مثلاً کہتے ہیں لَوْنَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کہہ لیں۔ یُعَلِّمُہٗ بَشَرٌ کوئی آدمی ان کو سکھا دیتا ہے۔ اِنْ هٰذَا اِلَّا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ اگلوں کی داستانیں ہیں۔ عذاب کے متعلق کہتے تھے لَوْلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ہمارے قول پر اللہ ہم پر عذاب کیوں نہیں بھیج دیتا۔ زقوم کے متعلق کہتے تھے یہ تو عمدہ چھوارے اور مکھن کو کہتے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِیَ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ ؕ

اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس کو اس کے رب کی آیات کے ذریعہ سے نصیحت کی گئی اور اس نے آیات سے منہ پھیر لیا اور جو کچھ وہ پہلے کر چکا ہے اس (کے نتیجہ) کو بھول گیا۔ یعنی اس شخص سے بڑھ کر اور کوئی ظالم نہیں جس کو قرآن کی آیات سے نصیحت کی گئی اور آیات کے الفاظ و معانی کا معجزہ ہونا اس پر واضح ہو گیا۔ پھر بھی اس نے آیات پر غور نہیں کیا اور نصیحت پذیر نہ ہوا اور جو گناہ پہلے کر چکا ہے اس کے انجام کو نہیں سوچا (سب کو بھولا بسرا کر دیا)

اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ یَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝۵۷

ہم نے اس (حق بات) کے سمجھنے سے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اور (اس کے سننے سے) ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے اور (یہی وجہ ہے کہ) اگر آپ ان کو راہ راست کی طرف بلائیں تو ایسی حالت میں وہ ہرگز کبھی راہ راست پر نہیں آئیں گے۔

اِنَّا جَعَلْنَا یہ منہ موڑنے اور بھولنے کی علت وسبب کا بیان ہے کہ ان کے دلوں پر کفر کی تاریکیوں کے پردے ڈال دیئے گئے ہیں۔ ان کی تخلیق ہی کفر پر ہوئی ہے۔ اَنْ یَّفْقَهُوْهُ آیات رب کو سمجھنے سے کفر کے پردے ڈال دیئے گئے ہیں۔ یعنی تاریکی کے پردے ڈالنے کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ سمجھ نہیں پاتے، سمجھ نہیں سکتے۔ آیات رب سے مراد چونکہ قرآن ہے۔ اس لئے ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب ذکر کی۔

وَقْرًا بوجھ، گرانی۔ مراد یہ ہے کہ ان کے کانوں میں پورے طور پر سننے کی صلاحیت ہی ہم نے نہیں عطا کی۔ اِذًا اس وقت یعنی جب دلوں پر پردے ڈال دیئے اور کانوں میں گرانی پیدا کر دی تو ایسے وقت میں وہ ہرگز ہدایت یاب نہیں ہو سکتے۔ ہدایت یابی کی استعداد وصلاحیت ہی معدوم ہے۔ اس آیت میں وہ کافر مراد ہیں جن کا کبھی بھی ایمان نہ لانا اللہ کے علم میں تھا۔

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ یُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ یَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ۝۵۸

اور آپ کا رب بڑا مغفرت کرنے والا ہے، رحمت والا ہے اگر ان سے ان کے اعمال پر دار و گیر کرنے لگتا تو ان پر فوراً ہی عذاب واقع کر دیتا (مگر ایسا نہیں کرتا) بلکہ ان کے واسطے ایک معین وقت ہے کہ اس سے ورے کوئی پناہ کی جگہ نہیں پا سکتے۔

اَلْغَفُوْرُ (مبالغہ کا صیغہ ہے) بہت زیادہ مغفرت کرنے والا۔

ذُوالرَّحْمَةِ (رحمت والا) یعنی جس کی صفت رحمت ہے۔

یُؤَاخِذُهُمْ الخ اللہ کے غفور و رحیم ہونے کی شہادت یہ ہے کہ قریش کو اس نے مہلت اور چھوٹ دے رکھی ہے باوجودیکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی عداوت پر کمربستہ رہتے ہیں۔ مَوْعِدٌ یعنی قیامت کا دن اور (دنیا میں) جنگ بدر کا دن۔ مَوْىِٕلًا نجات اور پناہ کا ٹھکانہ۔ وَأَلَ نجات پائی۔ وَأَلَ اِلَیْهِ اس کے پاس پناہ پکڑی۔

ع ۸ / ۲۰ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝۵۹

اور یہ بستیاں (جن کے واقعات مشہور و مذکور ہیں) جب انہوں نے شرارت کی تو ہم نے ان کو تباہ کر دیا تھا۔

اَلْقُرٰى سے مراد ہیں قوم نوح، عاد، ثمود اور دوسری گزشتہ کافر اقوام کی تباہ شدہ بستیاں۔

Marfat.com

لَمَّا ظَلَمُوْا جب انہوں نے ظلم کیا یعنی کفار قریش کی طرح انہوں نے کفر کیا (ظلم سے مراد ہے کفر و معصیت)
مَّهْلِكِ (مصدر میمی) ہلاک ہونا یا ہلاک کرنا۔
مَّوْعِدًا یعنی معین مقرر وقت جس سے کوئی بھی آگے بڑھ سکا، نہ پیچھے ہٹ سکا۔ یعنی جس طرح گزشتہ اقوام ہالکہ کے ہلاک کرنے کا اللہ نے ایک وقت مقرر کر دیا تھا جو اٹل تھا اسی طرح کفار قریش کے لئے ایک خاص وقت مقرر کر دیا ہے جو اٹل ہے یہ اس سے آگے بڑھ نہیں سکتے نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا میں (اس سفر میں) برابر چلا جاؤں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں۔

حضرت موسیٰ کے باپ کا نام عمران تھا، صحیح حدیث میں یہی آیا ہے۔ فَتٰى سے مراد ہیں یوشع بن نون بن افراثیم بن یوسف علیہ السلام (حضرت مفسرؒ نے فرمایا) میں کہتا ہوں شاید یوشع کے باپ نون، افراثیم کے نسل میں سے تھے (بیٹے نہیں تھے) کیونکہ افراثیم کا زمانہ نون کے زمانہ سے بہت پہلے تھا۔ لَآ اَبْرَحُ یعنی برابر مسلسل چلتا رہوں گا۔
مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ دو سمندروں کا سنگم یعنی مشرقی جانب خلیج فارس و بحر روم کا سنگم (قتادہ) محمد بن کعب نے کہا اس سے مراد طنجہ ہے۔ حضرت ابی بن کعب کے نزدیک افریقیہ مراد ہے۔

اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۝ یا یونہی زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا۔ حُقُبًا یعنی طویل زمانہ تک۔ قاموس میں ہے حقبہ اسی سال یا اس سے زیادہ کی مدت، زمانہ طویل، سال، بہت سال۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے حقب طویل زمانہ۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا حقب اسی سال۔ بعض کے نزدیک ستر سال کو ایک حقب کہتے ہیں۔

بخاری اور مسلم نے لکھا ہے سعید بن جبیرؓ نے فرمایا میں نے حضرت ابن عباسؓ سے عرض کیا نوف بکالی کا خیال ہے کہ خضر والے موسیٰؑ بنی اسرائیل والے موسیٰؑ نہ تھے (دونوں الگ الگ تھے) فرمایا دشمن خدا جھوٹ کہتا ہے ہم سے ابی بن کعب نے بیان کیا کہ انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ (ایک روز) موسیٰؑ بنی اسرائیل کے سامنے تقریر کرنے کھڑے ہوئے، کسی نے سوال کر لیا (آج) سب سے زیادہ عالم کون ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا میں۔ اللہ کو موسیٰؑ کی یہ بات ناپسند ہوئی کیونکہ انہوں نے اللہ کی طرف جاننے کی نسبت نہیں کی (اور یوں نہیں کہا کہ اللہ جانے کون سب سے بڑا عالم ہے) اللہ نے وحی بھیجی، موسیٰؑ تم سے زیادہ عالم میرا ایک اور بندہ ہے جو دو سمندروں کے سنگم میں ہے۔ موسیٰؑ نے عرض کیا میرے رب اس سے میری ملاقات کیسے ہوگی۔ اللہ نے فرمایا ایک ٹوکری میں اپنے ساتھ ایک مچھلی رکھ لو (اور کنارے چل دو) جہاں مچھلی (اچھل کر پانی میں چلی جائے اور) غائب ہو جائے وہیں تمہاری ملاقات ہوگی موسیٰؑ توشہ دان یا ٹوکری میں ایک مچھلی (جو بھنی ہوئی تھی) لے کر چل دیئے اور ان کے خادم یوشع بن نون بھی ساتھ ہو گئے۔ چلتے چلتے ایک پتھر کے قریب پہنچے، وہاں ٹھہر گئے اور پتھر پر سر رکھ کر دونوں سو گئے، مچھلی تڑپ کر ٹوکری سے نکل کر دریا میں جا گری اور پانی کے اندر اس نے اپنا راستہ (سرنگ کی طرح) بنا لیا۔ اللہ نے پانی کی رفتار کو روک دیا اور پانی کی محراب بن گئی (اس واقعہ کے وقت یوشع بیدار تھے اور ان کی نظر کے سامنے مچھلی سمندر میں جا گری تھی) موسیٰؑ بیدار ہوئے تو دن کے باقی حصہ میں بھی چلتے رہے (یعنی سو کر اٹھے اور پھر چل دیئے اور شام تک چلتے رہے) یوشع اس واقعہ کا حضرت موسیٰؑ سے ذکر کرنا بھول گئے۔ موسیٰؑ دن بھر چلتے رہے اور رات بھر بھی چلتے رہے دوسرے دن کی صبح ہوئی تو یوشع سے کہا ہم اس سفر سے تھک گئے کھانا لاؤ، جب تک موسیٰؑ مچھلی کے تڑپنے کے مقرر مقام سے آگے نہیں بڑھے تھے، آپ کو تھکان نہیں ہوئی تھی، جب اس جگہ سے آگے بڑھے تو تھکان کا احساس ہوا، یوشع نے کہا حضرت جب ہم پتھر کے پاس ٹھہرے تھے (وہاں مچھلی تڑپ کر سمندر میں جا گری تھی) میں آپ سے مچھلی کا تذکرہ کرنا بھول گیا۔ شیطان نے مجھے بھلا دیا۔ مچھلی نے تو سمندر کے اندر عجیب طرح سے اپنا راستہ لے لیا تھا۔ موسیٰؑ نے

Marfat.com

کہا اسی (جگہ) کی تو ہم تلاش میں تھے۔ پھر دونوں اپنے نقش قدم پر لوٹ پڑے، یہاں تک کہ مقررہ پتھر کے مقام پر آگئے، وہاں ایک آدمی ملا جو کپڑے سے منہ چھپائے ہوئے تھا موسیٰؑ نے اس کو سلام کیا۔ خضرؑ نے کہا تمہاری اس زمین میں سلام کا طریقہ کہاں ہے۔ موسیٰؑ نے کہا میں موسیٰؑ ہوں۔ خضرؑ نے کہا بنی اسرائیل والے موسیٰؑ۔ موسیٰؑ نے کہا جی ہاں۔ میں آپ کے پاس اس غرض سے آیا ہوں کہ جو علم آپ کو دیا گیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی بتائیں۔ خضر نے کہا، موسیٰؑ آپ میرے ساتھ ٹھہر نہ سکیں گے، مجھے اللہ کی طرف سے وہ علم دیا گیا ہے جس سے آپ واقف نہیں اور جو علم اللہ نے آپ کو دیا ہے اس سے میں واقف نہیں۔ موسیٰؑ نے کہا انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے، میں آپ کے حکم کے خلاف نہیں کروں گا۔ خضرؑ نے کہا اگر آپ میرے ساتھ چلنا ہی چاہتے ہیں تو جب تک میں خود بیان نہ کروں آپ مجھ سے (کسی پیش آنے والے واقعہ کے متعلق) کچھ دریافت نہ کریں۔ عہد و پیان کے بعد دونوں چل دیئے۔ چلتے چلتے سمندر کے کنارے پہنچے۔ ادھر سے ایک کشتی گزری۔ کشتی والوں سے ان بزرگوں نے سوار کر لینے کے لئے کہا، کشتی والے خضر کو پہچانتے تھے، انہوں نے بغیر کرایہ کے دونوں کو سوار کر لیا۔ سوار ہوگئے (اور چل دیئے تو اثناء راہ میں) اچانک موسیٰؑ نے دیکھا کہ خضر بسولے سے کشتی کا ایک تختہ توڑ رہے ہیں۔ کہنے لگے آپ یہ عجیب حرکت کر رہے ہیں ان لوگوں نے تو ہم کو بغیر کرایہ کے سوار کر لیا اور آپ ان کی کشتی کو پھاڑ رہے ہیں کہ سب کشتی والے ڈوب جائیں۔ خضرؑ نے کہا کیا میں نے پہلے ہی نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔ موسیٰؑ نے کہا میں بھول گیا تھا آپ بھول چوک پر میری پکڑ نہ کیجئے اور میرے معاملہ میں مجھ پر تنگی اور دشواری نہ ڈالئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ موسیٰؑ سے پہلی حرکت بھول کر ہوئی تھی اور دوسری حرکت بطور شرط اور تیسری حرکت قصداً بالارادہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک چڑیا آکر کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی اور چونچ ڈال کر دریا سے اس نے پانی لیا۔ خضر نے موسیٰؑ سے کہا میرا اور آپ کا علم، علم خدا کے مقابلہ میں اس سے زیادہ نہیں جتنا اس چڑیا نے چونچ سے سمندر کا پانی لیا۔ اس چڑیا نے چونچ میں پانی لے کر سمندر کے پانی میں کوئی کمی نہیں کردی (میرا اور آپ کا علم بھی اللہ کے علم کے بحر بے کراں میں کوئی کمی نہیں کر سکتا) پھر (کشتی سے اتر کر) دونوں چل دیئے خضر کو راستہ میں ایک لڑکا نظر آیا جو لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ خضرؑ نے اس کو پکڑ کر اس کا سر اپنے ہاتھ سے اکھاڑ دیا اور قتل کر دیا۔ موسیٰؑ نے کہا آپ نے یہ بری حرکت کی ایک معصوم کو بے قصور قتل کر دیا، خضر نے کہا کیا میں نے آپ سے نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رک نہیں سکیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خضر کی یہ حرکت پہلی حرکت سے زیادہ سخت تھی (اس لئے موسیٰؑ نے بیتاب ہو کر دریافت کر ہی لیا) موسیٰؑ نے کہا اگر اس کے بعد میں آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، آپ کے لئے میری طرف سے معذرت کا کوئی موقع نہیں رہے گا۔ اس کے بعد پھر دونوں چل دیئے ایک گاؤں میں پہنچے، بستی والوں سے کھانا مانگا، انہوں نے کچھ کھانے کو نہیں دیا۔ وہاں ایک دیوار نظر آئی جو گرنے ہی والی تھی، خضر نے اپنے ہاتھ کے اشارے) سے اس کو ٹھیک کر دیا، موسیٰؑ نے کہا ہم اس بستی میں آئے بستی والوں سے کھانا مانگا، کسی نے کھانا نہیں دیا نہ ہماری میزبانی کی (اور آپ نے ان کی دیوار ٹھیک کر دی) اگر آپ چاہتے تو اس کی مزدوری ان سے لے سکتے تھے، خضر نے کہا اب میرے اور آپ کے درمیان فراق ہے (اس کے بعد اپنی تینوں حرکتوں کی مصلحت و حکمت بیان کی) اور کہا یہ ان باتوں کی تشریح ہے جن کو پوچھے بغیر آپ رہ نہ سکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کاش موسیٰؑ صبر کئے رہتے اور آئندہ اور واقعات ظہور پذیر ہوتے) یہاں تک کہ اللہ ہم کو ان کی تفصیل سے آگاہ فرماتا۔

ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیروں میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنے رب سے دریافت کیا (اے اللہ) تجھے اپنے بندوں میں کون بندہ سب سے زیادہ پیارا ہے۔ اللہ نے فرمایا (مجھے سب سے زیادہ پیارا وہ بندہ ہے) جو مجھے یاد رکھتا ہے اور بھولتا نہیں ہے۔ موسیٰؑ نے عرض کیا سب سے اچھا حاکم تیرے بندوں میں کون ہے۔ اللہ نے فرمایا جو نفسانی میلان پر نہیں چلتا، حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے موسیٰؑ نے عرض کیا تیرے بندوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے فرمایا جو اپنے علم کے ساتھ دوسرے لوگوں کا علم بھی ملا لیتا ہے (یعنی اپنے علم میں دوسروں سے پوچھ کر یا دوسروں سے

Marfat.com

سیکھ کر اضافہ کرلیتا ہے) اس غرض سے کہ شاید اس کو کوئی بات ایسی معلوم ہو جو ہدایت کا راستہ بتادے اور ہلاکت (کے راستہ) سے موڑ دے۔ موسیٰ نے کہا تیرے بندوں میں اگر کوئی مجھ سے زیادہ جاننے والا ہو تو مجھے اس کا پتہ اور راستہ بتادے، اللہ نے فرمایا، تجھ سے زیادہ عالم خضر ہے، موسیٰ نے کہا میں خضر کو کہاں تلاش کروں، اللہ نے فرمایا پتھر کے قریب سمندر کے کنارے پر۔ موسیٰ نے کہا مجھے اس کا نشان کیسے معلوم ہوگا، اللہ نے فرمایا ایک مچھلی لے کر (بھون کر) ٹوکری میں رکھ لے جہاں وہ مچھلی کھو جائے اسی جگہ خضر ملے گا۔ حضرت موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا جس جگہ مچھلی کھو جائے مجھے بتادینا، اس کے بعد حضرت موسیٰ اور ان کا خادم دونوں چل دیئے۔

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا پس جب دونوں مجمع البحرین پر پہنچے (دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے) یعنی مقرر پتھر تک پہنچ گئے۔ موسیٰ وہاں سوگئے اور بھونی ہوئی مچھلی تڑپ کر زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی۔

سفیان نے کہا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس پتھر کے پاس آب حیات کا چشمہ تھا (جس کی خاصیت یہ تھی کہ) جس چیز پر (یعنی جس مردہ پر) اسکا پانی لگ جاتا تھا وہ زندہ ہو کر سمندر میں جا کودتی تھی۔ کلبی نے کہا یوشع بن نون نے آب حیات سے وضو کر کے ٹوکری میں رکھی ہوئی نمکین مچھلی پر چھینٹا دیا جس سے مچھلی زندہ ہو کر پانی میں جا کودی اور پانی کے اندر دم مارتی چلی گئی پانی کے جس حصہ پر وہ دم مارتی تھی پانی خشک ہو (کر راستہ بن) جاتا تھا۔

نَسِيَا حُوتَهُمَا تو دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے یعنی موسیٰ مچھلی مانگنا اور دریافت حال کرنا بھول گئے اور یوشع مچھلی کے زندہ ہو کر سمندر میں جاگرنے کا تذکرہ کرنا بھول گئے۔

بغوی نے لکھا ہے مچھلی یوشع کے پاس تھی حقیقت میں وہ ہی مچھلی کا تذکرہ کرنا بھولے تھے لیکن چونکہ دونوں نے زاد راہ کے لئے اس کو رکھا تھا اس لئے بھولنے کی نسبت دونوں کی طرف کی گئی۔ جیسے کہا جاتا ہے فلاں لوگ سفر کو نکلے اور کھانے کے لئے انہوں نے کھانا ساتھ لے لیا حالانکہ ساتھ لینے والا اور اٹھانے والا صرف ایک آدمی ہوتا ہے لیکن رکھنے والے سب ہوتے ہیں اس لئے سب کی طرف ساتھ لینے اور اٹھانے کی نسبت کردی جاتی ہے۔

فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾ اور مچھلی نے دریا میں اپنی راہ لی اور چل دی یعنی بحکم خدا مچھلی نے سمندر کے اندر اپنا راستہ بنالیا۔ سَرَب چلنے کا راستہ سَارِبٌ بِالنَّهَارِ دن میں چلنے والا۔ بعض اہل لغت نے کہا سَرَب کا معنی ہے لمبائی میں چیرنا (یعنی مچھلی نے پانی کو چیر کر راستہ بنالیا) صحیح روایت میں آیا ہے کہ مچھلی پانی میں گھسی تو اللہ نے پانی کی رفتار کو اس کے گرد و پیش سے روک دیا اور پانی کے اندر محراب سی بن گئی۔ یہ روایت پہلے ذکر کی جاچکی ہے۔

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾

اس کے بعد جب دونوں (مجمع البحرین سے) آگے بڑھے (اور دوسرے دن دوپہر تک چلتے رہے) تو موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کھانا لاؤ، اس سفر میں ہم بہت تھک گئے۔

غَدَآءٌ صبح کے وقت کا کھانا۔ عَشَآءٌ شام کے وقت کا کھانا، نَصَب سخت تھکان۔ جب حضرت موسیٰ مقررہ پتھر سے آگے بڑھے تو اللہ کی طرف سے آپ پر بھوک کا دورہ پڑا، تاکہ کھانے کی خواہش ہو اور مچھلی یاد آجائے اور اپنے مقصد کی طرف لوٹ آئیں۔ صحیحین کی حدیث میں آیا ہے کہ جب تک مقررہ مقام سے حضرت موسیٰ آگے نہیں بڑھے تھے آپ کو تھکان نہیں ہوئی تھی۔

قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۫ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ

خادم نے کہا دیکھیے تو جب ہم اس پتھر کے پاس قیام پذیر ہوئے تھے تو مچھلی (کا تذکرہ کرنا اور زندہ ہو کر دریا میں جا کودنا) میں بھول ہی گیا اور (یہ حرکت صرف شیطان کی ہے) شیطان نے ہی مجھے بھلادیا۔

اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿٦٣﴾ کہ اس کا تذکرہ آپ سے کرتا اور (بیان

Marfat.com

کر تا کہ) مچھلی نے سمندر کے اندر (کود کر) اپنا راستہ عجیب طرح سے بنالیا۔
اَلصَّخْرَةِ یعنی وہ پتھر جس کے پاس ہم سوئے تھے۔ بغوی نے ہقل بن زیاد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ پتھر وہی تھا جو دریاء زیت سے ورے تھا۔
نَسِیْتُ الْحُوْتَ اس کا مطلب دو طرح سے بیان کیا گیا ایک مطلب وہی ہے جو ترجمہ میں ذکر کر دیا گیا کہ میں آپ سے مچھلی کا واقعہ بیان کرنا بھول گیا۔ دوسرا ترجمہ نَسِیْتُ کا تَرَکْتُ ہے یعنی میں نے مچھلی کھودی، مچھلی چھوڑ آیا، بغوی نے لکھا ہے یوشع نے مچھلی کو جب کود کر سمندر میں گرتے دیکھا تو حضرت موسیٰ کو مطلع کرنے کا ارادہ کیا لیکن حضرت موسیٰ کی بیداری کے بعد ذکر کرنا بھول گئے اور دن بھر بھولے رہے، یہاں تک کہ دوسرے روز ظہر کی نماز پڑھ لی اور حضرت موسیٰؑ نے کھانا طلب کیا تو حضرت یوشع کو مچھلی یاد آئی اور آپ نے عذر پیش کیا۔ اِلَّا الشَّیْطٰنُ یعنی شیطانی وسوسہ آفرینی اور اغواء قلبی نے مجھے مچھلی کا تذکرہ کرنا بھلا دیا۔ بیضاوی نے لکھا ہے حضرت یوشع آیات قدرت کے مشاہدے میں غرق ہو گئے تھے، مچھلی کا واقعہ دیکھ کر یکسر بارگاہ قدس کی طرف ان کی ساری توجہ کھنچ گئی تھی اور اسی مقام فنا میں پہنچ جانے سے ان کو مچھلی کا تذکرہ بھلا دیا تھا لیکن فروتنی اور انکسار طبع کی وجہ سے انہوں نے بھولنے کی نسبت اپنی طرف اور فراموش کرانے (یعنی شیطانی اثر اندازی) کی نسبت شیطان کی طرف کی۔
عَجَبًا کا موصوف محذوف ہے یعنی سَبِیْلًا عَجَبًا یا اِتِّخَاذًا عَجَبًا۔ بعض نے کہا لفظ عَجَبًا حضرت موسیٰ نے کہا تھا یوشع نے جب ان سے مچھلی کا تذکرہ کیا اور سمندر میں اپنی راہ لینے کا اظہار کیا تو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا، عجیب، بعض نے کہا اِتَّخَذَ کی ضمیر حضرت موسیٰ کی طرف راجع ہے یعنی مچھلی کا سمندر کے اندر اپنا راستہ اختیار کرنے کو موسیٰؑ نے عجیب قرار دیا۔
قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾ موسیٰؑ نے کہا یہی تو وہ چیز ہے جس کے ہم خواستگار تھے چنانچہ دونوں نقش قدم پر لوٹ پڑے یہاں تک کہ مقرر پتھر تک آگئے۔ وہی مقام حضرت خضر سے ملاقات کے لئے مقرر تھا۔
فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ (وہاں) ان دونوں نے ہمارے ایک بندہ کو پایا۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ خضر تھے۔ صحیح حدیث میں یہی آیا ہے۔ خضر کا نام بلیا بن ملکان یا الیسع یا الیاس کہا گیا ہے خضر لقب تھا اس لقب کی وجہ بغوی نے ہمام ابن مبہ کی روایت کو قرار دیا ہے۔ ہمام راوی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا خضر کو خضر کہنے کی یہ وجہ تھی کہ خضر جب خشک زمین یا خشک گھاس پر بیٹھ جاتے تو وہ سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی تھی۔ مجاہد نے کہا جس جگہ خضر نماز پڑھتے تھے اس کے گرداگرد سبزہ ہی سبزہ ہو جاتا تھا۔
بغوی نے خضر کو اسرائیلی نسل سے قرار دیا ہے کسی نے کہا شاہزادہ تھے جو تارک الدنیا ہو گئے تھے۔ حضرت مفسر نے فرمایا میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ خضر اسرائیلی نہیں تھے ورنہ موسیٰؑ کا اتباع کرنا ان پر لازم ہوتا۔ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے۔ صحیح حدیث بھی اوپر ذکر کی جاچکی ہے کہ خضر کے سوال کے جواب میں حضرت موسیٰؑ نے کہا میں موسیٰ ہوں خضر نے کہا بنی اسرائیل والے موسیٰؑ حضرت موسیٰؑ نے کہا جی ہاں۔
ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص کپڑا اوڑھے چت لیٹا ہے کپڑے کا کچھ حصہ سر کے نیچے دبا ہے اور کچھ ٹانگوں کے نیچے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس وقت خضر وسط سمندر میں ایک جھالر دار سبز مسند بچھائے نماز پڑھ رہے تھے۔
اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا جس کو ہم نے اپنی طرف سے رحمت (یعنی نبوت اور وحی عطا کی تھی)۔
وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ اور ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم سکھایا تھا یعنی ایسا علم دیا تھا جو صرف ہمارے لئے خاص تھا، بغیر ہماری توفیق کے اس کا حاصل ہونا ناممکن تھا، اس جگہ علماً سے مراد ہے ذات و صفات کا علم۔ بغوی نے

Marfat.com

لکھا ہے اکثر علماء خضر کو نبی تسلیم نہیں کرتے۔ (حضرت مفسر نے فرمایا) میرے نزدیک علماء کا یہ قول غور طلب ہے کیونکہ اولیاء کو جو علم الہام سے حاصل ہوتا ہے وہ ظنی ہوتا ہے یقینی نہیں ہوتا (قرینہ سے اس کو الہام رحمانی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے وہ القاء شیطانی ہو خصوصاً ایسی صورت میں کہ وہ تعلیم شریعت کے خلاف ہو اس صورت میں تو اس کا القاء شیطانی ہونا تقریباً یقینی ہوتا ہے مترجم) یہی وجہ ہے کہ الہامی علوم باہمی متعارض اور مختلف ہوتے ہیں، اب اگر خضر کا نبی نہ ہونا مان لیا جائے تو کیا جواب ہوگا معصوم بچہ کو بے قصور قتل کر دینے کا محض اس وجہ سے کہ خضر کو الہام سے معلوم ہو گیا کہ ماں باپ اس کی محبت میں پڑ کر گناہ گار اور بے راہ ہو جائیں گے اس لئے اس کو قتل کر دیا جائے (یہ الہام تو شریعت کے خلاف تھا پھر خضر نے اس پر عمل کیوں کیا مترجم)

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾

موسیٰؑ نے اس سے کہا کیا میں آپ کے ساتھ اس شرط پر رہ سکتا ہوں کہ اللہ کی طرف سے جو علم مفید آپ کو سکھلایا گیا ہے اس میں سے کچھ آپ مجھ کو بھی سکھا دیں۔ اصل کلام اس طرح ہونا چاہئے کہ موسیٰؑ نے کہا میں آپ کے پاس آپ کے ساتھ رہنے کے لئے آیا ہوں تا کہ ساتھ رہ کر آپ سے کچھ علم حاصل کروں لیکن (ادب و تہذیب کو پیش نظر رکھ کر) طلب اجازت کے طور پر کلام کا رنگ بدلا اور سوالیہ طرز اختیار کیا۔

رُشْد خیر کو پانا، رُشْدًا اور رَشَدًا دونوں ہم معنی ہیں۔ رُشْدًا تُعَلِّمَنِي کا مفعول دوئم ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اَتَّبِعُكَ کا مفعول لہ (علت) ہو۔ آیت بتا رہی ہے کہ بعض چیزوں میں مفضول کو فاضل پر برتری حاصل ہو سکتی ہے اگر مفضول کے اندر کوئی کمال ایسا ہو جو فاضل میں نہ ہو تو اعلیٰ کے لئے مناسب ہے کہ اپنے سے کم درجہ والے سے وہ کمال حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کو اپنے لئے کسر شان نہ سمجھے۔ آیت کی تفسیر میں اوپر حدیث نقل کر دی گئی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے سوال کیا سب سے بڑا عالم کون ہے تو اللہ نے فرمایا وہ شخص سب سے بڑا عالم ہے جو دوسروں کا علم لے کر اپنے علم میں اضافہ کر لے، ممکن ہے اس کو کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جو تباہی سے بچا لے یا سیدھا راستہ دکھا دے۔

ترمذی اور ابن ماجہ نے اچھی سند سے بروایت ابوہریرہؓ اور ابن عساکر نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حکمت کی بات مومن کی گم شدہ (کھوئی ہوئی امانت) ہے جہاں ملے مومن اس کا سب سے بڑا مستحق ہے (فوراً لے لے)

رسول اللہ ﷺ سے جو درود منقول ہے (جس میں حضور ﷺ نے اپنے اور اپنی آل کے لئے وہ رحمت طلب کی ہے جو حضرت ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ کو عطا کی گئی تھی) وہ بھی اسی (گمشدہ رحمت) کے ذیل میں داخل ہے۔ بغوی نے لکھا ہے بعض احادیث میں آیا ہے کہ موسیٰؑ نے خضر سے جب یہ بات کہی (یعنی ساتھ رہنے کی درخواست کی) تو خضر نے کہا علم کے لئے توریت کافی ہے اور عمل کے لحاظ سے بنی اسرائیل (کی ہدایت) کا مشغلہ کافی ہے (مزید علم و عمل کی آپ کو ضرورت نہیں) موسیٰؑ نے کہا اللہ نے مجھے اس کا حکم دیا ہے (کہ آپ کے ساتھ رہ کر علم میں اضافہ کروں) حضرت موسیٰؑ نے اپنے اس کلام میں ادب و تہذیب کو ملحوظ رکھا اور بطور انکسار اپنے کو بے علم قرار دیا اور خضر سے درخواست کی کہ مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دیجئے اور جو علم اللہ نے آپ کو عطا کیا ہے اس کا کچھ حصہ مجھے بھی بتائیے۔

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ یہ امر یقینی ہے کہ آپ میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے خضر نے استطاعت صبر کی نفی سخت تاکیدی طور پر کی (اِنَّ لَنْ وغیرہ نفی میں زور پیدا کر رہے ہیں) اس کے آگے خود ہی حضرت موسیٰؑ کے معذور ہونے کی تصویر کشی بھی کر دی (تا کہ حضرت موسیٰؑ کی شان میں سوء ادب اور گستاخی کا تصور بھی نہ ہو سکے، مترجم)

وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾ اور جس بات کا آپ کو پورا علم نہ ہو اس پر آپ صبر

Marfat.com

کیسے کر سکتے ہیں۔ خُبْرًا کا معنی ہے علم، اطلاع، امتیاز۔ خضر کو معلوم تھا کہ ایسے واقعات سامنے آئیں گے جو (بظاہر) ممنوع اور برے ہوں گے اور انبیاء امور ممنوعہ پر اس وقت تک خاموش نہیں رہتے جب تک ان کے جواز کی کوئی وجہ ان پر ظاہر نہ ہو جائے۔

میں کہتا ہوں وہ انبیاء اور رسل جن کو اصلاح عامہ کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ ان کی شریعتوں کے احکام ایسے اصول اور ضوابط پر مبنی ہوتے ہیں جن کی اصلاحات کا تعلق عوام سے ہوتا ہے، اس لئے ان کی حکمت و مصلحت عوام کے ذہنوں پر منکشف ہو جاتی ہے اور ہونا چاہئے بھی لیکن جو انبیاء کسی امت کی اصلاح کے لئے مبعوث نہیں ہوتے ان کے پاس وحی کے ذریعہ سے آنے والے احکام کا مقصد صرف انبیاء کے نفوس کی اصلاح یا اللہ کے ساتھ انبیاء کے معاملات کی براہ راست درستی ہوتا ہے۔ موسیٰ (نبی دعوت تھے ان) کے انکار اور خضر کے فعل پر اعتراض کی وجہ یہی تھی کہ خضر کا عمل شریعت موسوی کے خلاف تھا دونوں کا مسلک جدا جدا تھا اتحاد مسلک اور ترک اعتراض استفادہ کے لئے ضروری ہے۔ موسیٰ کو اسی لئے خضر بھی سمجھ گئے کہ ان سے برداشت نہ ہو سکے گی یہ خاموش نہیں رہیں گے کیونکہ میری مصاحبت ان کو سودمند نہ ہو گی۔ اسی لئے صوفیاء کا قول ہے کہ اگر مرید کو یقین ہو کہ پیر عارف کامل ہے تو اسکے کسی فعل پر اعتراض نہ کرے خواہ اس کا فعل بظاہر شریعت کے خلاف ہو اور اگر اختلاف مسلک کی وجہ سے مرید اعتراض کئے بغیر نہیں رہ سکتا تو پیر کی صحبت ترک کر دے (یعنی مرید پر اگر ظاہر شریعت کا غلبہ ہو اور خلاف شرع بات دیکھ کر وہ روکنے ٹوکنے سے باز نہ رہ سکتا ہو تو پیر کو کامل العرفان سمجھنے کے باوجود اس کو پیر کی صحبت سے ہٹ جانا چاہئے۔ مترجم)

ایک شبہ

شریعت محمدیہ عام ہے قیامت تک اس کے احکام میں کوئی تبدیلی و تنسیخ ممکن نہیں (نہ کوئی دوسرا نبی آئے گا کہ براہ راست اسکا تعلق اللہ سے ہو اور راست تعلق کی وجہ سے وہ اسلامی شریعت کے خلاف کر سکے۔ پھر پیر کو شریعت کے خلاف کرتے دیکھ کر کامل العرفان سمجھنا یا کسی کامل عارف کا شریعت کے خلاف کرنا کیسے ممکن ہے۔ اولیاء و عرفاء کو انبیاء پر کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے، انبیاء براہ راست مامور ہوتے ہیں اور اولیاء کا شرعی تعلق اللہ سے براہ راست نہیں ہوتا۔ مترجم)

جواب

بیشک منصوص، محکم احکام کی خلاف ورزی کرنا اور خلاف ورزی کے ثبوت میں اپنے ذاتی الہام کو پیش کرنا جائز نہیں، خضر نے لڑکے کو قتل کر دیا ان کے لئے جائز تھا۔ لیکن شریعت محمدیہ کو ماننے والے اولیاء امت ایسا نہیں کر سکتے، الہام کو بہانہ بنا کر کسی کو بے قصور قتل نہیں کر سکتے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس بے قصور کو اس لئے مار ڈال تاکہ آئندہ اس کے والدین اس کی محبت کی وجہ سے جاہ نہ ہو سکیں، لیکن اختلافی مسائل میں مثبت منفی ہر پہلو کی ایک وجہ ہوتی ہے اگر اللہ کا کوئی ولی اور عارف کسی ایک قول کو اختیار کرے (جو جمہور کے مسلک کے خلاف ہو) تو اس کو حکم شریعت کے خلاف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جہری ذکر اور سماع و غناء کے مسائل اسی طرح کے ہیں۔ (مجوزین کے پاس بھی کوئی علت جواز ہے) اگر اللہ کا کوئی عارف سماع یا جہری ذکر کا شغل کرتا ہے تو نکتہ چینی نہ کرنی چاہئے۔ بعض چیزیں بظاہر ممنوع نظر آتی ہیں لیکن واقع میں ایسی نہیں ہوتیں۔ ایک شخص گلاس میں شراب نما شربت پیتا ہو اور لوگوں کو دکھاتا ہو کہ یہ شراب ہے اور اس کی غرض صرف یہ ہے کہ لوگوں کا ہجوم بدگمان ہو کر اس کے پاس سے چھٹ جائے تاکہ اس کے ذکر و فکر میں خلل نہ پڑے تو اس میں کیا خرابی ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ باوجود ولی کامل اور عارف ہونے کے کسی صغیرہ گناہ کا اس سے صدور ہو جائے اور وہ اس کے گناہ ہونے کا اقرار بھی کر رہا ہو۔ عصمت تو انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔ پھر بدگمانی اور نکتہ چینی کی کیا وجہ، مرید پر لازم ہے کہ اگر اس

Marfat.com

کے شیخ سے کوئی اس قسم کی کوئی حرکت صادر ہو رہی ہے تو خود اس کا مرتکب نہ ہو لیکن شیخ کی تردید بھی نہ کرے۔ اور اسکے عارف کامل ہونے میں شک نہ کرے۔

اولیاء اللہ (جیسے شیخ ابن عربی، ابن سبعین، ابن فارض وغیرہ) کے بعض مقالات مشاہدہ اور کشف پر مبنی ہیں (اور شریعت کے خلاف نظر آتے ہیں) مناسب ہے کہ ان کی کوئی صحیح تاویل کی جائے اور شریعت کے موافق بنانے کی کوشش کی جائے اور بدگمانی کو راہ نہ دی جائے۔ اللہ نے فرمایا ہے لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا اگر صحیح تاویل ممکن ہی نہ ہو تو ان مقالات کو حالت سکر پر محمول کیا جائے۔ فقہاء کا فتویٰ ہے کہ مباح چیز سے اگر سکر پیدا ہو جائے اور اس سکر کی حالت میں طلاق دیدے۔ تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ تو اولیاء اللہ جو اللہ کی محبت میں ڈوبے رہتے ہیں ان کے اس غلبہ حال کے مقالات کیسے قابل گرفت ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پڑھنے اور سننے والے ان کے مقالات کا مراد ی مطلب ہی نہ سمجھے ہوں ان کی اصلی مراد کچھ اور ہو اور سننے پڑھنے والے کچھ اور سمجھ جائیں۔ بات یہ ہے کہ تمام عبادات محسوس معانی یا محسوس معانی سے استنباط کئے ہوئے عقلی معانی کے بیان پر موقوف ہیں انہی محسوس یا مستنبط از محسوس معانی کے اظہار پر تمام عبادات کا انحصار ہے لیکن جب ذات و صفات الٰہیہ کی ایسی (جن کی نہ کوئی محسوس نظیر ہو نہ شبیہ) کا کسی عارف کے دل پر تو پڑ رہا ہو اور وہ ان کو بیان کرنا چاہے لیکن نبی سادہ غیر محسوس حقائق کے اظہار کے لئے کسی زبان میں الفاظ وضع ہی نہیں کئے گئے ہیں، پھر کس طرح سوائے استعارہ، مجاز اور ناقص تشبیہ کے واردات قلب بیان کرے، ایسی تعبیر کو سن کر سننے والے کے لئے کسی طرح جائز نہیں کہ وہ اس تعبیر کا ظاہری معنی مراد لے کر عقائد اہل سنت کے خلاف قرار دیدے، مناسب یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے کلام میں متشابہات کا جس طرح استعمال کیا گیا ہے (جن کی حقیقت ناقابل فہم وافہام ہے) اسی طرح صفات وذات کی جلوہ ریزیوں کا الفاظ میں اظہار بھی ظاہری الفاظ کی تعبیر میں بطور استعارہ و مجاز کیا جاتا ہے (حقیقی وضعی معنی مراد نہیں ہوتے) اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی اور یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ عرش پر ٹھیک ٹھیک مقیم ہو گیا۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے) دونوں آیات قرآن کی ہیں جو ان کو آیات قرآن نہ کہے وہ کافر ہے (لیکن ان کے ظاہری الفاظ سے تو اللہ کا جسم ہونا ثابت ہوتا ہے) اور اللہ کے جسم ہونے کا عقیدہ رکھنا قریب قریب کفر کے ہے اسی طرح بعض اولیاء اللہ کا کلام بھی اگر بظاہر شرع کے خلاف ہو تو ظاہری معنی مراد نہ لئے جائیں اور ان کی تردید بھی نہ کی جائے۔

حضرت موسیٰ کو اپنے صابر رہنے کا چونکہ قطعی اعتماد نہ تھا اس لئے اللہ کی مشیت کے ساتھ آپ نے اپنے صابر رہنے کو مشروط کر کے جواب دیا۔

قَالَ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ موسیٰ نے کہا آپ انشاء اللہ مجھے آئندہ صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کے خلاف نہیں کروں گا۔ حضرت موسیٰ نے صابر رہنے کا وعدہ کیا۔ کیونکہ صحبت خضر اسی وقت نتیجہ خیز ہو سکتی تھی، جب موسیٰ خضر کے فعل پر اعتراض نہ کرتے اور خضر کے ساتھ رہنے کا حکم اللہ سے مل چکا تھا لیکن ان کو اپنے صابر رہنے میں شک تھا کیونکہ حضرت خضر کے مسلک سے آپ کا مسلک جدا تھا اور اختلاف مسلک صابر نہ رہنے اور اعتراض کر بیٹھنے کا موجب تھا اسی لئے۔

ع ۲ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰٓی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾

خضر نے کہا اگر میرے ساتھ آپ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کے متعلق (پہلے سے) نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کے متعلق ابتداءً ذکر نہ کر دوں۔

یعنی اگر میں کوئی ایسا کام کروں جو آپ کو ناپسند ہو تو جب تک میں خود ہی ابتداءً اپنی طرف سے اس کا ذکر آپ سے نہ کروں آپ مجھ سے کوئی سوال نہ کریں کیونکہ سوال کرنے سے اعتراض کرنے کا گمان ہوتا ہے اور اعتراض کرنے سے استفادہ ناممکن ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

فَانْطَلَقَا پس دونوں چل دیئے یعنی ساحل پر کشتی پر سوار ہونے کے ارادے سے کشتی کی تلاش میں چل دیئے، وہاں ایک کشتی مل گئی اور دونوں اس میں سوار ہو گئے۔ بغوی نے لکھا ہے جو لوگ کشتی میں سوار تھے، انہوں نے کہا یہ دونوں چور ہیں ان کو کشتی سے نکال دو، کشتی کے مالک نے کہا یہ لوگ چور نہیں ہیں مجھے ان کے چہرے انبیاء کے چہرے دکھائی دے رہے ہیں۔ حضرت ابی بن کعب کی روایت سے صحیحین کی حدیث ہم نقل کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک کشتی ان کی طرف سے گزری موسیٰؑ اور خضر نے کشتی والوں سے سوار کر لینے کی درخواست کی۔ کشتی والوں نے خضر کو پہچان لیا اور بلا کرایہ دونوں کو سوار کر لیا۔

حَتّٰۤى اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہو گئے تو خضر نے کشتی کو پھاڑ دیا۔ صحیحین کی روایت میں آیا ہے جو ہم نقل کر چکے ہیں کہ خضر نے کشتی کا ایک تختہ بسولے سے اکھاڑ دیا (یعنی پھاڑنے سے مراد ہے اکھاڑ دینا)

قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا موسیٰؑ نے کہا کیا کشتی والوں کو ڈبونے کے لئے آپ نے کشتی کو پھاڑ دیا۔ انہوں نے تو ہم کو بلا کرایہ سوار کر لیا اور آپ نے کشتی کو توڑ دیا۔ اب پانی اندر آجائے گا اور سب ڈوب جائیں گے۔

لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ آپ نے یہ بڑی (بری) حرکت کی۔

بغوی نے لکھا ہے عربی زبان میں اِمْر کا معنی ہے بڑی مصیبت، ہر بڑی سخت چیز۔ اَمِرَ الْاَمْرُ بات بڑی سخت ہو گئی، معاملہ بڑا ہو گیا۔ قتبی نے اِمْرًا کا ترجمہ کیا ہے عجیب۔ بغوی نے لکھا ہے خضر نے ایک بڑا شیشے کا پیالہ لے کر کشتی کے سوراخ پر ڈھانک دیا پیالہ سوراخ میں اڑ گیا (اور پانی اندر نہ آسکا) جلال الدین محلی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ کشتی کے اندر پانی نہیں آیا یعنی یہ خضر کا معجزہ تھا۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ خضر نے کہا کیا آپ سے میں نے (پہلے ہی) نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے۔ یہ گزشتہ واقعہ کی حضرت خضر کی طرف سے یاد دہانی ہے حضرت موسیٰ نے جب دیکھا کہ سوراخ سے کشتی میں سوار ہونے والوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، پانی اندر داخل ہی نہیں ہوا تو۔

قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ کہنے لگے (میں بھول گیا تھا) بھول پر آپ میری گرفت نہ کریں یعنی میں معاہدہ بھول گیا تھا مجھے یاد ہی نہ رہا کہ سوال نہ کرنے کا میں نے آپ سے وعدہ کر لیا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ نسیان سے مراد ہے یعنی میں نے آپ کی پہلی نصیحت پر جو عمل نہیں کیا اس کا آپ مواخذہ نہ کریں، حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت کردہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا موسیٰ کی پہلی حرکت از روئے نسیان تھی اور دوسری حرکت بطور شرط اور تیسری حرکت قصداً۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حضرت موسیٰ بھولے نہ تھے، نسیان کا تذکرہ ضمنی طور پر آگیا ہے، گویا حضرت موسیٰؑ کچھ اور بھولے تھے (اپنے سابق معاہدہ کو نہیں بھولے تھے)

وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾ اور میرے اس معاملہ میں مجھ پر زیادہ تنگی نہ ڈالئے یعنی تنگی اور مواخذہ کر کے مجھ پر مشقت اور دشواری نہ ڈالئے، مطلب یہ ہے کہ آپ کے اس سلوک سے میرے لئے آپ کے ساتھ رہنا دشوار ہو جائے گا۔ رَهِقَهٗ (ثلاثی مجرد) اس کو ڈھانک لیا اَرْهَقَهٗ اِیَّاهُ اس پر کسی چیز کو ڈھانک دیا۔ بعض نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ آپ میرے ساتھ سختی کا برتاؤ نہ کیجئے، آسانی کا سلوک کیجئے۔

فَانْطَلَقَا اس کے بعد (کشتی سے اتر کر) دونوں چل دیئے۔

حَتّٰۤى اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ یہاں تک کہ جب دونوں کو ایک لڑکا ملا تو خضر نے اس کو مار ڈالا۔ اہل تفسیر نے لکھا ہے لڑکوں کے ساتھ مل کر ایک لڑکا کھیل رہا تھا جو خوش کلام اور حسین تھا۔ سدی نے کہا وہ سب سے زیادہ حسین تھا اس کا چہرہ چمکیلا تھا خضرؑ نے اس کو پکڑ کر مار ڈالا۔ بعض علماء نے کہا پچھاڑ کر چھری سے ذبح کر دیا۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ پکڑ کر اس

Marfat.com

کا سر گردن کی جڑ سے اکھاڑ دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ پتھر مار کر اس کا سر کچل دیا۔ کسی نے کہا اس کا سر اکھاڑ دیا۔ حضرت ابن عباسؓ اور اکثر مفسرین کے نزدیک وہ لڑکا نابالغ تھا۔ قرآن مجید کے لفظ غلام سے یہی مستفاد ہو رہا ہے۔ بالغ ہونے کے بعد لفظ غلام کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ نے کہا تھا اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً آپ نے معصوم جان کو قتل کر دیا، اگر وہ نابالغ بچہ نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ نَفْسًا زَكِيَّةً نہ فرماتے۔ حسن نے کہا وہ پورا مرد تھا، کلبی نے کہا نوجوان تھا جو راستہ لوٹتا تھا اور پھر اپنے والدین کے پاس پناہ گزین ہو جاتا تھا۔ ضحاک نے کہا لڑکا تھا جو بگاڑ کے کام کرتا تھا اور ماں باپ اس سے دکھ پاتے تھے۔ مسلم نے حضرت ابی بن کعب کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس لڑکے کو خضر نے قتل کیا تھا وہ سرشتی کافر تھا اگر زندہ رہتا تو ماں باپ کو اللہ کی نافرمانی اور کفر میں مبتلا کر دیتا۔ فَقَتَلَهٗ میں فَ بتا رہی ہے کہ حضرت خضر نے جونہی لڑکے کو دیکھا فوراً تفتیش حال کے بغیر قتل کر دیا۔

قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا۝ موسیٰؑ نے کہا کیا آپ نے ایک معصوم جان کو بغیر جرم قصاص کے مار ڈالا۔ آپ نے بلاشبہ یہ ناجائز کام کیا۔

بعض روایات میں زَاكِيَةً آیا ہے۔ عام قراء کوفہ اور ابن عامر کی قرأت میں زَكِيَّةً اور باقی قراء کی روایت زَاكِيَةً آیا ہے۔ کسائی اور فراء نے کہا دونوں لفظ ہم معنی ہیں۔ ابو عمرو بن علاء نے کہا زَاكِيَةً وہ نفس معصوم جس نے کبھی گناہ نہ کیا ہو اور زَكِيَّةً وہ نفس جس نے گناہ کے بعد توبہ کر لی ہو۔ بِغَيْرِ نَفْسٍ کا یہ مطلب ہے کہ اس نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی جو موجب قتل ہو۔ یعنی نہ وہ قاتل ہے نہ مرتد۔ نُكْرًا وہ امر جو شرعاً ناجائز ہو۔ قتادہ نے کہا نُكْر کی برائی اِمْر سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لئے پہلی مرتبہ حضرت موسیٰؑ نے اِمْرًا فرمایا کشتی کو توڑنے سے لوگوں کے ڈوبنے کا صرف خطرہ تھا اور دوسری مرتبہ نُكْرًا فرمایا کیونکہ حقیقت میں قتل کا صدور ہو چکا تھا۔ بعض نے کہا اِمْر کا درجہ نُكْر سے بڑھ کر ہے، کشتی توڑنے سے ایک جماعت کے ڈوبنے کا خطرہ تھا۔ اس لئے وہاں اِمْرًا کہا اور دوسری بار صرف ایک شخص کا قتل تھا اس لئے نُكْرًا کہا۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

پارہ

﴿...... قال الم اقل لک ......﴾

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا۝ خضر نے کہا کیا میں نے آپ سے نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں رکھ سکیں گے۔ اس مرتبہ خضر نے اپنے کلام میں لک بڑھا دیا تا کہ خطاب سے ترک معاہدہ پر عتاب کا اظہار پُرزور طور پر ہو جائے۔

قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا۝

موسیٰ نے کہا اس (مرتبہ) کے بعد اگر میں آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا (مجھ سے الگ ہو جانا) آپ بے شک میری طرف سے عذر کی انتہا کو پہنچ گئے کہ تین بار مجھ سے آپ کے معاہدہ کی خلاف ورزی ہو چکی ہے۔

مسلم نے حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم پر اور موسیٰؑ پر اللہ کی رحمت ہو اگر وہ عجلت سے کام نہ لیتے تو عجیب (واقعات) دیکھتے لیکن ان کو اپنے ساتھی سے شرم آئی اور انہوں نے اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا فرمایا۔ ابن مردویہ کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں میرے بھائی موسیٰؑ پر اللہ رحمت فرمائے ان کو شرم آگئی اور انہوں نے یہ بات کہہ دی اگر وہ اپنے ساتھی کے ساتھ ٹھہرے رہتے تو بڑی عجیب باتیں دیکھتے۔

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ ۨ پھر دونوں چل دیئے یہاں تک کہ جب ایک بستی والوں کے پاس پہنچے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ بستی انطاکیہ تھی۔ ابن سیرین نے کہا ایکہ تھی۔ کسی نے اس کا نام برقہ کہا ہے۔ بغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ اندلس میں ایک شہر تھا وہی مراد ہے۔

اِسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا تو دونوں نے وہاں کے باشندوں سے کھانا طلب کیا مگر انہوں نے میزبانی کرنے سے انکار کر دیا (کھانا نہ دیا) بغوی نے حضرت ابی بن کعب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بستی والے کنجوس تھے۔ دونوں حضرات ان کے پاس پہنچے ان کی مجلسوں میں گشت کیا اور کھانا طلب کیا لیکن انہوں نے نہیں دیا، حق مہمانی طلب کیا تو کسی نے مہمان بھی نہ بنایا۔ قتادہ کا قول ہے وہ بدترین بستی ہے جو مہمان کی میزبانی نہ کرے۔ بغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے دونوں بزرگوں نے بستی کے مردوں سے کھانا طلب کیا لیکن کسی نے نہیں دیا، آخر عورتوں سے مانگا تو ایک عورت نے دیدیا اس پر دونوں نے وہاں کے مردوں پر لعنت (کی بد دعا) کی۔ یہ عورت [illegible] والوں میں [illegible]

فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ پھر دونوں کو وہاں ایک [illegible] ار ملی جو گرا چاہتی تھی، خضر نے اس کو سیدھا کر دیا۔ دیوار کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا، اس لئے مجازی معنی مراد ہے یعنی گرنے کے قریب تھی (بہت

Marfat.com

جھکی ہوئی تھی) عرب بولتے ہیں میر اگھر اس کے گھر کو دیکھتا ہے یعنی دونوں آمنے سامنے ہیں۔
بغوی نے حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا خضر نے ہاتھ کے اشارے سے دیوار کو سیدھا کر دیا۔ سعید بن جبیر نے کہا دیوار کو ہاتھ لگادیا اور دیوار سیدھی ہو گئی۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ خضر نے اس دیوار کو ڈھا کر دوبارہ بنادیا۔ سدی نے کہا گارا بنایا پھر دیوار کو بنادیا۔

قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا۞ موسیٰؑ نے کہا اگر آپ چاہتے تو اس کی اجرت لے سکتے تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ کو اجرت طلب کرنے کی ترغیب دی تاکہ مزدوری کی رقم سے دونوں کے کھانے کا کچھ سامان ہو جائے اس کلام سے در پردہ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کی نظر میں خضرؑ نے بیکار کام کیا۔ آیت بتا رہی ہے کہ حضرت خضرؑ نے دیوار کو بڑی محنت کر کے ٹھیک کیا تھا اگر محنت کا کام نہ کرتے تو اجرت کے مستحق نہ قرار پاتے اگر بطور معجزہ دیوار کو ٹھیک کر دیتے تو اجرت کس طرح طلب کر سکتے تھے بلکہ لینے کا بھی استحقاق کیسے ہوتا۔

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ۚ خضر نے کہا یہ (تیسرا اعتراض) میرے اور آپ کے درمیان جدائی (کا سبب) ہے۔
تیسرے اعتراض میں خواہش نفس کا کسی قدر دخل تھا جو سابق دونوں اعتراضوں میں نہ تھا اس لئے حضرت خضرؑ نے تیسرے اعتراض کو موجب فراق قرار دیا۔[1] مطلب یہ ہے کہ اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہونے کا وقت آگیا۔ کیونکہ آپ نے ایک ایسا اعتراض کیا جس میں خواہش نفس کا دخل ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہٰذا سے اشارہ اس فراق کی جانب ہو جس کی صراحت اِنْ سَاَلْتُکَ عَنْ شَیْئٍ بَعْدَھَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ میں کی گئی ہے۔

سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا۞ اب میں آپ کو ان چیزوں کی اندرونی تشریح بتاتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا تھا۔ کیونکہ بظاہر وہ خلاف شریعت نظر آتی تھیں حالانکہ واقع میں مآل اور انجام کے لحاظ سے وہ بری اور غلط نہ تھیں۔ بغوی نے لکھا ہے بعض تفاسیر میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ کا دامن پکڑ لیا اور کہا ان واقعات کا جو علم اللہ نے آپ کو دیا ہے جدا ہونے سے پہلے مجھے بھی بتائیے۔ اس پر حضرت خضرؑ نے کہا۔

أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا۞ کشتی تو تھی چند غریبوں کی جو دریا میں کمائی کرتے تھے (لوگوں کو دریائی سفر کراتے اور کرایہ لیتے تھے) میں نے کشتی کو (توڑ کر) عیب دار کرنا چاہا (اور عیب دار کر دیا) کیونکہ ان سے پرے (راستہ میں) ایک بادشاہ تھا جو ہر (عمدہ سالم اچھی) کشتی کو چھین لیتا ہے۔
کعب نے کہا یہ کشتی دس غریبوں کی تھی جو بھائی بھائی تھے، پانچ تو اپاہج تھے اور پانچ کام کرتے تھے۔ آیت بتا رہی ہے کہ مسکین کا اطلاق اس شخص پر بھی ہوتا ہے جس کے پاس مال تو ہو مگر ناکافی ہو۔ بقدر ضرورت نہ ہو یا اصلی ضرورتوں سے زائد نہ ہو۔
وَرَآءَ سے مراد ہے سامنے جیسے مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ میں وَرَاء سے مراد ہے آگے۔ بعض کے نزدیک وَرَاء سے

[1] بعض غالی صوفیاء نے بھی یہی کہا ہے حضرت مفسر نے انہی کا اتباع کیا اور طلب اجرت کو خواہش نفس کی آمیزش قرار دیا لیکن صاحب کتاب جلیل القدر معصوم پیغمبر کی شان میں یہ غلط فہمی سوء ادب ہے۔ بعض اہل تفسیر کو بھی حضرت ابن عباسؓ کے ایک اثر کی بنا پر یہ غلط فہمی ہوئی ہے اور تیسرے سوال میں انہوں نے حضرت موسیٰؑ کی خواہش نفس کا دخل قرار دیا ہے۔ مگر صاحب روح المعانی نے اس کو ہی بے بنیاد قرار دیا ہے۔ زمخشری مفسر کشاف نے ان اہل تفسیر کی تردید کی ہے جو تیسرے اعتراض کے اندر خواہش نفس کو دخیل سمجھتے ہیں۔ معتزلہ باوجودیکہ عصمت انبیاءؑ کے قائل نہیں لیکن زمخشری نے باوجود معتزلی ہونے کے اس جگہ خواہش نفس کے دخل ہونے کی تردید کی ہے۔ واللہ اعلم

Marfat.com

مراد پیچھے ہے۔ واپسی میں اس ظالم بادشاہ کے حدود سے ان مسکینوں کو گزرنا تھا۔ اول تفسیر صحیح ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی قرات میں وَرَآءَهُمْ کی جگہ اَمَامَهُمْ (ان کے آگے) آیا بھی ہے۔

كُلَّ سَفِيْنَةٍ سے مراد ہے ہر عمدہ سالم اچھی کشتی۔ خضر نے کشتی کا تختہ پھاڑ کر عیب دار کر دیا تاکہ ڈاکو بادشاہ اس کو نہ چھین لے۔ اس شخص کا نام جلیدی بن کرکر تھا۔ محمد بن اسحاق نے سولہ بن جلید ازدی لکھا ہے اور شعیب جبائی نے ہدد بن بدد کہا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت خضر نے کشتی توڑنے کی وجہ بطور معذرت کشتی والوں کے سامنے بیان کی اور ظالم غاصب بادشاہ کے واقعہ کی اطلاع دی۔ خضر کے بتانے سے پہلے ان کو کچھ معلوم نہ تھا۔ جب اس بادشاہ کی حدود سے کشتی والے آگے بڑھ گئے تو انہوں نے کشتی کو درست کر لیا۔ کسی نے کہا روغن قیر کا پالش کر لیا (یا رال سے جوڑ دیا) کسی نے کہا سوراخ میں شیشی اڑا دی، قوم کے سامنے حضرت خضرؑ کی معذرت کی روایت عبارت قرآن کے خلاف ہے، قرآن کی صراحت ہے کہ اپنے کئے ہوئے کاموں کی وجوہ حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے اس وقت بیان کیں جب کشتی سے اتر کر لڑکے کو قتل کر کے دیوار کو سیدھا کر چکے تھے اور دونوں کے الگ ہونے کا وقت آگیا تھا اگر حضرت خضرؑ کشتی والوں کو کشتی کے اندر ہی اپنے فعل کی وجہ بتا چکے ہوتے تو حضرت موسیٰؑ بھی اس سے ضرور واقف ہو جاتے، پھر دوبارہ موسیٰؑ سے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۝۸۰

اور رہا وہ لڑکا تو اس کے ماں باپ ایمان دار تھے ہم کو اندیشہ ہوا کہ یہ ان پر سرکشی اور کفر کا اثر (نہ) ڈال دے۔ یعنی اپنی نافرمانی اور بدسلوکی کی وجہ سے ماں باپ پر چھا جائے گا اور بے چارے والدین دکھ اور مصیبت میں پڑ جائیں گے یا یہ مطلب ہے کہ ماں باپ کے ایمان کے ساتھ اپنے کفر اور طغیان کو جمع کر دے گا۔ ایک ہی گھر میں ماں باپ کا ایمان بھی ہو گا اور بیٹے کا کفر و طغیان بھی۔ یا یہ مطلب ہے کہ ماں باپ پر ایسا غلبہ پالے گا کہ زبردستی ان کو کافر بنا دے گا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مومن ماں باپ بیٹے کی محبت کی وجہ سے آئندہ گمراہ اور کافر ہو جائیں گے۔ سعید بن جبیر نے یہ مطلب بیان کیا کہ محبت اولاد مومن والدین کو تبدیل مذہب تک لے جائے گی ہم کو اس کا اندیشہ تھا اس لئے ہم نے لڑکے کو قتل کر دیا۔ حضرت خضرؑ کا یہ اندیشہ محض عقلی نہ تھا (جس کے خلاف ہونا بھی ممکن تھا) بلکہ اللہ کی طرف سے خضر کے پاس وحی آگئی ہو گی کہ اگر یہ لڑکا زندہ رہا تو اس کے مومن ماں باپ گمراہ ہو جائیں گے اور یہ دونوں کو گمراہ ہو جانے پر مجبور کر دے گا۔

ابن ابی شیبہ نے زید بن ہرمز کی روایت سے بیان کیا ہے کہ نجدہ خارجی نے حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک تحریر بھیجی جس میں سوال کیا کہ حضرت خضر نے لڑکے کو کیسے قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے تو لڑکوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے (کیا پہلے بچوں کا قتل جائز تھا) حضرت ابن عباسؓ نے جواب میں لکھا اگر تجھے لڑکوں کی آئندہ حالت کا ویسا ہی علم ہو جائے جو موسیٰؑ کے علم والے ساتھی کو تھا تو تیرے لئے بھی بچوں کو قتل کرنا جائز ہو جائے گا، آپ کی مراد یہ تھی کہ عام مسلمانوں کے پاس تو وحی نہیں آتی (اور براہ راست اللہ کی طرف سے ان کو بچوں کے احوال بذریعہ وحی بتائے نہیں جاتے) رسول اللہ ﷺ کے بعد سلسلۂ وحی منقطع ہو چکا ہے اس لئے اب امت اسلامیہ کے لئے بچوں کو قتل کرنا جائز نہیں (عقلی قرائن اور الہام وجہ جواز نہیں ہو سکتے) اور حضرت خضر کے پاس وحی آئی تھی اور ان کو حکم دیا گیا تھا پس رسول اللہ ﷺ کی ممانعت حضرت خضرؑ پر لاگو نہیں ہے۔

ایک شبہ

علم معلوم کے تابع ہوتا ہے صحیح علم کے لئے معلوم کا خارج میں وجود اور تحقق ہونا ضروری ہے، اللہ جانتا تھا کہ وہ لڑکا اگر زندہ رہا تو کافر سرکش ہو گا لیکن وہ لڑکا زندہ ہی نہیں رہا نہ کفر و طغیان اس سے سرزد ہوا، خضر نے اس کو جوان ہونے سے پہلے ہی قتل کر دیا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ کا علم معلوم خارجی کے مطابق نہیں ہوا کیونکہ معلوم کا تحقق خارج میں ہوا ہی نہیں پھر کس طرح ایسے علم کو صحیح قرار دیا جا سکتا ہے جو معلوم خارجی کے مطابق نہیں تھا۔

Marfat.com

جواب

مخلوق کا علم معلوم کے تابع ہوتا ہے۔ معلوم خارجی سے مستفاد ہوتا ہے لیکن اللہ کا علم اس کے برعکس ہے وجود اشیاء اللہ کے علم کے تابع ہے اللہ کا علم اصل ہے اور معلوم خارجی اس کا تابع۔

حضرت مفسرؒ نے فرمایا

یہ جواب غیر مفید ہے اس سے اعتراض دفع نہیں ہوتا، علم تابع ہو اور معلوم اس کا متبوع یا معلوم تابع ہو اور علم متبوع، بہر صورت صحت علم کے لئے علم اور معلوم کی مطابقت ضروری ہے اور جب معلوم کا خارج میں وجود ہی نہ ہو تو مطابقت کا تصور ہی کس طرح ہو سکتا ہے۔ قضیہ شرطیہ کا خارج میں وجود ہی نہیں ہوا، لڑکا بالغ نہیں ہوا کفر وطغیان کا اس سے صدور نہیں ہوا تو ایسے معلوم سے جس کا خارجی وجود ہی نہیں ہوا علم کا صحیح تعلق کس طرح ممکن ہے۔ اس لئے صحیح جواب یہ ہے کہ قضیہ شرطیہ کا صدق اور اس سے علم کا صحیح تعلق صرف علاقہ لزوم پر موقوف ہے اگر شرط وجزا میں علاقہ لزوم ہے تو قضیہ سچا ہوگا خواہ شرط کا وجود محال ہی ہو اور جزا کا بھی وقوع نہ ہوا ہو صرف تعلق لزوم صحیح ہو جیسے آیت لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا قضیہ شرطیہ ہے اور صادق ہے اگر چند الٰہ ہوں گے یا ہوتے تو ضرور آسمان وزمین کی بربادی ہو جاتی یا ہو جائے گی۔ اس قضیہ کی سچائی میں آلہہ کا نہ ہونا اور آسمان وزمین میں تباہی واقع نہ ہونا مانع نہیں کیونکہ وجود آلہہ اور وقوع فساد کے درمیان تعلق صحیح ہے۔ یا اِنْ کَانَتِ الشَّمْسُ طَالِعَةً فَالنَّهَارُ مَوْجُوْدٌ میں علاقہ ملازمت صحیح ہے۔ جب سورج نکلے گا دن ہو جائے گا لیکن اس قضیہ شرطیہ کی صداقت نہیں چاہتی کہ سورج کبھی ضرور نکلے یا دن ضرور موجود ہو، طلوع آفتاب بھی کبھی نہ ہو اور دن بھی کبھی موجود نہ ہو تب بھی یہ قضیہ سچا ہوگا کیونکہ طلوع آفتاب اور وجود نہار میں تعلق لزوم صحیح ہے۔

ایک جدید شبہ اور اس کا جواب

دو چیزوں میں اگر لزوم کا تعلق ہو تو اس کا تقاضا ہے کہ ایک چیز کا وجود دوسری چیز کے وجود کی علت تامہ ہو (جیسے طلوع آفتاب وجود نہار کی علت ہے) یا دونوں کسی تیسری علت کے محتاج اور معلول ہوں اور اس تیسری علت نے ان دونوں کے درمیان لزوم پیدا کرا دیا ہو (جیسے دو اینٹیں محرابی شکل بنا کر کھڑی کر دی جائیں تو ہر اینٹ دوسری اینٹ کے سہارے سے قائم ہوتی ہے اگر دونوں میں سے کسی اینٹ کو ہٹا دیا جائے اور سہارا ختم ہو جائے تو دوسری اینٹ گر پڑے گی، مگر دونوں اینٹوں میں سے کسی کی بقاء بذات خود دوسری پر موقوف نہیں ہے بلکہ کسی معمار نے ان دونوں کو اس طرح کھڑا کر دیا ہے کہ ہر ایک دوسری کے سہارے سے قائم ہے۔ یہ معمار دونوں میں لزوم پیدا کرانے کے علت ہے) اب بتاؤ اس لڑکے کے زندہ رہنے اور کفر کرنے میں لزوم کس طرح کا تھا۔ لڑکا خود کفر کی علت تامہ نہیں ہو سکتا اور نہ کسی تیسرے نے ان دونوں کے درمیان لزوم کا تعلق پیدا کرایا کہ لڑکا زندہ ہی بغیر کفر کے نہ رہ سکتا ہو۔

اس کے جواب کے لئے ہم کو اہل تصوف کی تحقیقات سے استفادہ کرنا ہوگا۔ اہل تصوف کہتے ہیں کہ اشیاء کے وجود خارجی سے مقدم اور اصل اشیاء کی ماہیات کا ثبوت ہے ان ہی ماہیات ثابتہ کو حقائق امکانیہ اور اعیان ثابتہ کہا جاتا ہے۔ اعیان ثابتہ اللہ کی صفات کا عکس پرتو اور ظل ہیں اور اشیاء کا وجود خارجی اعیان ثابتہ کا پرتو اور ظل ہے، اعیان ثابتہ کا مبدء اور اصل اللہ کی صفات ہیں اور اللہ کی صفات مختلف اور متعدد ہیں۔ ہادی ہونا اور گمراہ کرنا بھی اللہ کی صفات ہیں۔ اعیان ثابتہ میں سے جس عین ثابت پر صفت ہدایت اثر انداز ہوتی ہے وہ ہدایت یاب ہوتا ہے اور جس پر صفت اضلال پر تو فگن ہوتی ہے وہ گمراہ ہوتا ہے اور اسی پر اشیاء کے وجود خارجی کی بنا ہوتی ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ علم الٰہی میں معلوم تابع ہوتا ہے اور علم متبوع (جیسا علم ہوتا ہے خارجی وجود ویسا ہی ہو جاتا ہے علم اصل ہے اور موجودات خارجیہ اس کا فوٹو اور کاپی) پس جن اشیاء کا مبدأ تعین صفت اضلال ہے اور وہ صفت اضلال کی پرتو ہیں ان کا گمراہ ہونا اور گمراہی کا ان سے ظاہر ہونا لازم ہے اور جن اشیاء کا مبدأ تعین صفت

Marfat.com

ہدایت ہے ان کا ہدایت یاب ہونا ضروری ہے۔ صفت اضلال کے مظہر کا گمراہ اور شقی ہونا اور صفت ہدایت کے مظہر کا ہدایت یاب اور سعید ہونا لازم ہے، یہی مطلب ہے اس فرمان نبوی ﷺ کا جس کے راوی حضرت علیؓ ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا ہر ایک کے لئے وہی (راہ) آسان کردی جاتی ہے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے جو شخص اہل سعادت میں سے ہوتا ہے اس کے لئے اہل سعادت کے اعمال آسان کردیئے جاتے ہیں (اہل سعادت کے عمل کی اس کو توفیق دیدی جاتی ہے)

اور جو اہل شقاوت میں سے ہوتا ہے اس کے لئے اہل شقاوت کا عمل آسان کردیا جاتا ہے (اہل شقاوت کے اعمال کی توفیق دیدی جاتی ہے) متفق علیہ۔

اس لڑکے کی تخلیق کفر پر ہونے کا یہی معنی ہے کہ اس کا مبدأ تعین ضلال تھا (لامحالہ اس کو گمراہ ہونا تھا) ظہور ضلالت سے پہلے اس کا مر جانا اس کے لئے بھی مفید تھا اور اس کے والدین کے لئے بھی اور یہ سب کچھ اللہ کی مہربانی سے ہوا۔ اللہ پر لازم نہیں کہ بندہ کے لئے جو زیادہ مفید ہو وہی کام کرے۔ یہ مسلک تو معتزلہ کا ہے جو وجوب اصلح کے قائل ہیں۔ اگر اللہ پر زیادہ مفید کام کو واجب قرار دیا جائے گا تو آئندہ ہونے والے ہر کافر کو بچپن میں مار ڈالنا ہی اللہ پر واجب قرار پائے گا۔ حقیقت میں یہ اللہ کی مہربانی ہے وجوب نہیں کہ بندہ کے لئے جو بات زیادہ مفید ہو اللہ وہی کرے۔ واللہ اعلم

فَاَرَدْنَآ پس ہم نے چاہا، حضرت خضرؑ نے جمع کا صیغہ بول کر اپنے ساتھ ارادہ کرنے میں اللہ کو شریک بنالیا اور ظاہر ہے کہ اللہ کے ارادے کا تعلق اللہ کے فعل سے ہو سکتا ہے، لیکن خضر کے ارادے کا تعلق اللہ کے فعل سے ہو جائے یا ناممکن ہے خضر کے ارادے سے اللہ کا فعل نہیں ہو سکتا اس لئے ارادہ کا معنی اس جگہ حقیقی نہیں بلکہ چاہنا مراد ہے۔

اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا کہ ان کا رب (اس لڑکے کا) عوض عطا فرمادے۔ اول لڑکے کو ہلاک کرنے کی جگہ دوسرے لڑکے کو پیدا کردینا، پہلے لڑکے کے ہلاک ہونے کا عوض اور بدل تھا اور ہلاک کرنے کے مرتکب حضرت خضرؑ تھے مگر دوسرے لڑکے کو پیدا کرنا خالص اللہ کا کام تھا اس میں حضرت خضرؑ کے فعل کو دخل نہ تھا اس لئے یُبْدِلَ فعل کی نسبت خالص اللہ کی طرف کی۔ یُبْدِلَ کی بجائے یُبَدِّلَ بھی متواتر قرأت ہے۔ اِبْدَال اور تَبْدِیْل دونوں ہم معنی ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ تبدیل عام ہے۔

نفس شئی کو ہی بدل دینا یا اس کی حالت کو بدل دینا دونوں کو تبدیل کہتے ہیں اور ابدال اصل شئی کے بدلنے کو کہتے ہیں مگر بغوی کی یہ تحقیق غلط ہے اگر ایسا ہو تا تو دوسری قرأت متواتر نہ ہوتی دونوں قرأتوں کو جمع کرنا ناممکن ہو جائے گا (کیونکہ اختلاف قرأت سے معنی میں تغیر آجائے گا)

خَیْرًا مِّنْهُ زَکٰوةً جو اس سے زیادہ (گناہوں اور بدکاریوں سے) پاک ہو۔

وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾ اور (ماں باپ پر) مہربانی اور رحم کرنے کے لحاظ سے (والدین سے) بڑا قرب رکھنے والا ہو۔ رُحْم بمعنی رحمت ہے۔

بعض علماء نے رُحْمًا کو رَحِم سے مشتق مان کر قرابت ترجمہ کیا ہے۔ قتادہ نے کہا بڑا اصلہ رحم کرنے والا اور ماں باپ کا بڑا فرماں بردار خدمت گزار بغوی نے کلبی کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے اس لڑکے کے عوض اس کے والدین کو ایک لڑکی عطا فرمائی جس سے ایک پیغمبر نے نکاح کیا اور اس کے بطن سے ایک نبی پیدا ہوا جس نے ایک امت کو ہدایت یافتہ بنادیا۔ حضرت جعفر بن محمدؒ نے فرمایا اللہ نے والدین کو ایک لڑکی دی جس کی نسل سے ستر پیغمبر پیدا ہوئے۔ ابن جریج نے کہا اس کے عوض اللہ نے ایک فرماں بردار مسلم لڑکا عنایت کیا۔ ابن ابی شیبہ، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے عطیہ کا قول نقل کیا ہے کہ ایک لڑکی اللہ نے ان کو دی جس کے بطن سے پیغمبر پیدا ہوا۔ حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول بھی اسی طرح روایت میں آیا ہے۔ ابن المنذر نے دوسری سند سے یوسف بن عمر کے حوالہ سے بیان کیا کہ اللہ نے اس لڑکے کے عوض ایک لڑکی عطا فرمائی جس سے بہت پیغمبر پیدا ہوئے۔ یہ قول بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ترمذی و حاکم نے حضرت ابو درداءؓ کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا ہے اور

Marfat.com

حاکم نے حضرت ابو درداءؓ کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی قرار دیا ہے۔

مطرف نے کہا جب وہ لڑکا پیدا ہوا تھا تو اس کے ماں باپ خوش ہوئے تھے پھر جب وہ قتل ہو گیا تو والدین کو غم ہوا اگر وہ زندہ رہتا تو ماں باپ کی تباہی کی یقینی تھی۔ آدمی کو چاہئے کہ اللہ کے حکم پر راضی رہے، اللہ مومن کے لئے اگر ناگوار فیصلہ بھی کرتا ہے تب بھی مومن کے لئے اس بات سے بہتر ہوتا ہے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنی پسند اور ناپسند دونوں میں اللہ کی مخفی تدبیر سے ڈرتا رہے اس کی رحمت کا امیدوار رہے اور اسی سے پناہ کا طلب گار رہے، اللہ کے حکم پر اعتراض نہ کرے، ہر حال میں اس کے فیصلہ پر راضی رہے۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا

اور دیوار کا قصہ یہ تھا کہ وہ بستی کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور دیوار کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا۔

بغوی نے لکھا ہے ان دونوں لڑکوں کے نام اصرم اور صریم تھے۔ کنز کا ترجمہ عکرمہ نے مال کیا ہے۔ حضرت ابو درداءؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا سونے چاندی کا خزانہ تھا۔ یہ حدیث بخاری نے تاریخ میں اور حاکم نے بیان کی ہے اور حاکم نے اسکو صحیح بھی کہا ہے۔ طبرانی نے اس آیت کی تشریح میں حضرت ابو درداءؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ ان کیلئے کنز (نا معلوم دفینے) حلال کر دیئے گئے تھے اور مال غنیمت حرام کر دیا گیا تھا اور ہمارے لئے کنز حرام کر دیئے گئے اور مال غنیمت حلال کر دیا گیا۔

(حضرت مفسرؒ نے فرمایا) میں کہتا ہوں ہمارے لئے کنز حرام کر دیئے جانے کا یہ مطلب ہے کہ سونا چاندی بغیر زکوٰۃ ادا کئے جمع کر کے رکھنا ہمارے لئے حرام کر دیا گیا ہے، اللہ نے فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اس کو خرچ نہیں کرتے ان کو دکھ والے عذاب کی خوش خبری دیدو۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا جس مال کی زکوٰۃ دیدی جائے وہ کنز نہیں ہے، خواہ اس کو دفینہ بنا کر ہی رکھا جائے اور جس مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو وہ کنز ہے خواہ اس کو زمین میں دفن نہ کیا گیا ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بستی والوں پر زکوٰۃ فرض نہ تھی جب ہی تو حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا کہ ان کے لئے مال کو کنز بنا کر رکھنا حلال کر دیا گیا تھا۔

بغوی نے سعید بن جبیرؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ کنز کچھ صحیفوں کی شکل میں تھا جس میں علم تھا (گویا علمی خزانہ تھا) حاکم نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ کنز سونے چاندی کا نہ تھا بلکہ علمی صحیفے تھے۔ ابن ابی حاتم نے ربیع بن انس کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ بروایت بغوی حضرت ابن عباسؓ کا دوسرا قول آیا ہے کہ وہ سونے کی ایک تختی تھی جس میں تحریر تھا، تعجب ہے کہ جس کو رزق (مقدر) ملنے کا یقین ہو وہ (تلاش رزق میں) تھکتا کیوں ہے (کیوں کمائی کے لئے سرگرداں پھرتا ہے) تعجب ہے کہ جس کو (آخرت کے) حساب پر یقین ہے وہ غافل کیسے رہتا ہے۔ تعجب ہے کہ جو زوال دنیا کا یقین رکھتا ہے وہ (حاصل شدہ) دنیا پر مطمئن ہو کر کیسے بیٹھ جاتا ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ تختی کے دوسری طرف لکھا تھا میں ہی اللہ ہوں میں اکیلا ہوں میرا کوئی ساجھی نہیں۔ میں نے خیر و شر کو پیدا کیا خوشی ہے اس شخص کے لئے جس کو میں نے خیر کے واسطے پیدا کیا اور اس کے ہاتھوں سے خیر کو جاری کر لیا اور ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جس کو میں نے شر کے لئے پیدا کیا اور شر کو اس کے ہاتھوں سے جاری کیا۔ بزار نے یہ حدیث ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابوذرؓ کی روایت سے مرفوعاً بیان کی ہے۔ ابن مردویہ نے بھی حضرت علیؓ کی روایت سے اس کو مرفوع قرار دیا ہے لیکن خرائطی نے قمع الحرص میں اس کو حضرت ابن عباسؓ کا قول کہا ہے۔ زجاج نے کہا لفظ کنز اگر بے قید (بغیر مضاف الیہ کے) بولا جاتا ہے تو اس سے مالی خزانہ مراد ہوتا ہے اور قید (مضاف الیہ) کے ساتھ بولا جاتا ہے تو دوسری چیزوں کا خزانہ بھی مراد ہوتا ہے جیسے کَنْزُ الْعِلْم علم کا خزانہ اور تختی میں دونوں باتیں تھیں (وہ سونے کی بھی تھی اور وہ علم کا خزانہ بھی تھی)

Marfat.com

وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا اور ان دونوں یتیموں کا باپ نیک تھا۔ بعض اہل علم نے اس شخص کا نام کاشح بیان کیا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا باپ کی نیکی کی وجہ سے (اللہ کی طرف سے) دونوں یتیموں کی حفاظت کی گئی یعنی باپ کی نیکی کی وجہ سے یتیموں کی حفاظت کے لئے اللہ نے دیوار درست کر دینے کا حکم خضر کو دیا۔ محمد بن منکدر کا قول ہے کہ بندہ کے نیک ہونے کے سبب اللہ اس کی اولاد کی اولاد، کنبہ، خاندان اور ہمسایوں کی بھی حفاظت فرماتا ہے۔ سعید بن مسیب نے بیان کیا میں نماز پڑھتا ہوں اور اولاد کا خیال آجاتا ہے تو نماز اور بڑھا دیتا ہوں (تاکہ میری نماز کی وجہ سے اولاد کی حفاظت رہے)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مرد صالح دونوں یتیموں کا باپ نہیں تھا بلکہ ساتواں دادا تھا (یعنی سات نسلوں تک ایک شخص کی نیکی کا اثر باقی رہا) ابن ابی حاتم نے سلیمان بن سلیم کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ توریت میں لکھا ہوا ہے کہ اللہ کسی نیک کی نیکی کی وجہ سے سات صدیوں تک (اس کی نسل اور قوم کی) حفاظت کرتا اور (کسی کی بدکرداری کی وجہ سے) سات صدیوں تک تباہی قائم رکھتا ہے۔

آیت دلالت کر رہی ہے کہ صلحاء کی اولاد کی رعایت اور ان کے فائدے کے لئے امکانی کوشش مسلمانوں پر لازم ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ کافر اور اللہ سے سرکش نہ ہوں اگر کافر یا سرکش ہوں تو وہ زیادہ سزا کے مستحق ہیں دوسرے لوگوں کی سرکش اولاد سے صلحاء کی طاغی اولاد پر زیادہ سختی کی جائے۔ حضرت خضرؑ کا اس لڑکے کو قتل کر دینا جس کے آئندہ کافر ہونے اور ماں باپ پر وبال پڑنے کا اندیشہ تھا اس قول کی تائید کر رہا ہے۔

فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا پس آپ کے رب نے چاہا کہ وہ اپنی بھرپور جوانی کو پہنچ جائیں۔ اَشُدّ کا معنی ہے پوری سوجھ بوجھ (کمال رُشد) اور قوت۔ کہا گیا ہے کہ اَشُد کی عمر ۱۸ ر سال ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا ظاہر قول یہ ہے کہ پچیس کی عمر میں آدمی حد اَشُد (کمال رُشد) کو پہنچ جاتا ہے (یعنی اس کے بعد کمال رشد کو پہنچنے کی امید نہیں رہتی اگر پچیس سال تک کوئی کمال رُشد کو نہیں پہنچا تو پھر اس سے زیادہ عمر میں بھی اس کو پورا رشد حاصل نہیں ہوگا) اسی لئے اگر کسی سادہ لوح سبک سر کی عمر پچیس سال ہو جائے (سمجھا جائے گا کہ اس کو جتنی سمجھ بوجھ ملنی تھی مل گئی آئندہ انتظار غیر ضروری ہے) اس کا مال اس کو دیدیا جائے گا کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ۔ حضرت مفسرؒ نے فرمایا میرے نزدیک چالیس سال کی عمر میں آدمی حد اَشُد کو پہنچتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً

وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اور اپنا دفینہ نکال لیں میں نے یہ سارے کام آپ کے رب کی مہربانی (یعنی الہام یا وحی) سے کئے ہیں۔

بیضاوی نے لکھا ہے حضرت خضرؑ نے کشتی کو عیب دار بنانے کے ارادے کی نسبت صرف اپنی ذات کی طرف کی، کیونکہ عیب دار بنانا انہی کا فعل تھا، اپنے فعل کا ارادہ خود انہوں نے ہی کیا تھا اس کے بعد اَرَدْنَا کہنے میں اپنے ساتھ اللہ کو بھی فاعل ارادہ قرار دیا۔ کیونکہ ہلاک یعنی قتل کرنا حضرت خضرؑ کا فعل تھا۔ قتل کے فاعل وہ خود تھے اور مقتول لڑکے کی جگہ دوسری اولاد کو پیدا کرنا اللہ ہی کا کام تھا اور اللہ کے کام کا ارادہ اللہ کے سوا کون کر سکتا ہے، اسی لئے تیسری جگہ فَاَرَادَ رَبُّكَ میں ارادہ کی نسبت صرف اللہ کی طرف کی کیونکہ یتیم لڑکوں کے بالغ اور جوان ہونے میں اللہ کے ارادہ کے علاوہ کسی اور کا دخل ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

یا یوں کہا جائے کہ کشتی توڑنا فی نفسہ شر ہے (اگر اس میں خیر تھی تو اضافی تھی) اس لئے اپنی ذات کی طرف نسبت کی اور تیسرا فعل سراسر خیر ہے اس لئے اس کی نسبت اللہ کی طرف کی اور دوسرے فعل میں شر اور خیر مخلوط تھی اس لئے اپنے ساتھ اللہ کی طرف بھی نسبت کی۔ یا یوں کہا جائے کہ اسباب و وسائط کی طرف توجہ کرنے میں عارف کا حال مختلف ہوتا ہے (کبھی خالص وسائط کی طرف توجہ ہوتی ہے کبھی وسائط سے بالکل منہ موڑ لیتا ہے، کبھی مخلوط التفات ہوتی ہے)

Marfat.com

وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ؕ اور (جو کچھ آپ نے دیکھا) میں نے اس میں سے کوئی حرکت اپنی رائے سے نہیں کی۔ بلکہ اللہ کے حکم سے کی۔

ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ﴿۸۲﴾ؕ یہ تشریح ہے ان باتوں کی جن پر آپ صبر نہیں کر سکتے تھے۔

بغوی کا بیان ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ حضرت خضرؑ سے جدا ہونے لگے تو فرمایا مجھے کچھ نصیحت کیجئے، حضرت خضرؑ نے کہا علم کی طلب لوگوں سے بیان کرنے کے لئے نہ کرنا بلکہ عمل کرنے کے لئے علم کی طلب کرنا۔ بیضاوی نے لکھا ہے اس قصہ سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آدمی کو اپنے علم پر غرور نہ کرنا چاہئے اور جو بات پسند نہ آئے اور صحیح نہ معلوم ہو اس کے انکار میں عجلت نہ کرے ممکن ہے اس کی تہ میں ایک ایسی پوشیدہ حقیقت ہو جس سے یہ شخص ناواقف ہو۔ میں کہتا ہوں جس شخص کی بات کو صحیح نہ سمجھا جا رہا ہو، اگر وہ عالم ہو دیندار ہو اور متقی ہو تب تو اس کے فعل کا فوری انکار کر دینا اور بھی نامناسب ہے۔ اس سے برابر سیکھنے کی کوشش کرنی چاہئے، معلم کا ادب کیا جائے، گفتگو میں تہذیب رکھی جائے۔ قصور وار کو اس کے قصور پر متنبہ کرنا اور پھر معاف کر دینا چاہئے اور جب اس سے بار بار قصور سرزد ہو تو اس سے جدائی اختیار کر لی جائے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے اس قصہ سے ان تمام امور کی تعلیم مستفاد ہو رہی ہے۔

کیا حضرت خضرؑ اب بھی زندہ ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے اس سلسلہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض کا خیال ہے خضر و الیاس دونوں زندہ ہیں، ہر سال حج میں دونوں کی ملاقات ہوتی ہے، خضر نے آب حیات پی لیا تھا، ذوالقرنین جب آب حیات کی تلاش میں ظلمات میں داخل ہوا تو خضر کو اپنے ساتھ لے گیا، خضر ہراول دستہ میں آگے آگے تھے، چلتے چلتے خضر چشمے پر پہنچ گئے اتر کر انہوں نے چشمہ کے پانی سے غسل کیا اور کچھ پی لیا اور اللہ کا شکر ادا کیا، ذوالقرنین راستہ بھٹک گیا اور نامراد واپس آگیا۔

(اکثر) علماء کا خیال ہے کہ خضر وفات پا چکے، اللہ نے فرمایا ہے وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ آپ سے پہلے ہم نے کسی انسان کو بقاء دوامی نہیں دی۔ ایک رات عشاء کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے یہ بات دکھادی گئی) اب سے (آئندہ) سو برس کی انتہا تک ہر وہ شخص جو اس وقت روئے زمین پر زندہ ہے (مرجائے گا) زندہ نہیں رہے گا۔ مولف حصن حصین نے الحرز میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ایک (اجنبی) شخص آگیا، سپید داڑھی، کھلتا ہوا رنگ، جسامت میں بھاری آتے ہی لوگوں کی گردنیں پھلانگتا آگے بڑھ گیا اور رونے لگا۔ پھر صحابہ کی طرف رخ کر کے کہا ہر مصیبت کی تسلی اور ہر فوت شدہ کا عوض اور ہر مرنے والے کا جانشین اللہ ہی کے پاس ہے اسی کی طرف رجوع کرو، وہ تمہاری اس مصیبت میں تم کو دیکھ رہا ہے۔ تم انتظار کر دو کھ ایسے شخص کا ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی اس کے بعد وہ آدمی واپس چلا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ نے فرمایا۔ یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

حضرت خضرؑ سے اولیاء کرام کی ملاقات اور تحصیل فیض کی حکایتیں تو مشہور ہی ہیں، یہ روایات بتاتی ہیں کہ خضر زندہ ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ خضر اگر زندہ ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے کنارہ کش نہ رہتے۔ حضور ﷺ کی بعثت تو سب ہی لوگوں کے لئے تھی۔ خضر کیسے مستثنیٰ ہو سکتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا، اگر موسیٰؑ میرے زمانہ میں زندہ ہوتے تو میری اتباع کے بغیر ان کے لئے بھی کوئی چارہ نہ ہوتا (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان عن جابر بن عبداللہ) آسمان سے اترنے کے بعد حضرت عیسیٰؑ بھی امت اسلامیہ ہی کے ایک فرد کے پیچھے نماز پڑھیں گے (یعنی امام مہدی کی اقتداء کریں گے) رواہ مسلم عن ابی ہریرہؓ و جابر بن عبداللہؓ

اس مسئلہ کا واحد حل حضرت مجددؒ کے بیان سے ہو سکتا ہے۔ حضرت مجددؒ صاحب سے جب حضرت خضرؑ کے زندہ یا

Marfat.com

مردہ ہونے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے اللہ کی طرف توجہ کی اور بارگاہ قدس سے اس کا جواب ملنے کی دعا کی۔ چنانچہ عالم مراقبہ میں آپ نے دیکھا کہ خضر سامنے آگئے ہیں۔ حضرت مجددؒ صاحب نے حضرت خضرؑ سے خود ان کی حالت دریافت کی۔ حضرت خضر نے فرمایا میں اور الیاس دونوں زندہ نہیں ہیں لیکن اللہ نے ہماری روحوں کو ایسی طاقت عطا فرمادی ہے کہ ہم جسم کا لباس پہن کر بھٹکے ہوؤں کو راستہ بتاتے اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں اگر اللہ چاہتا ہے (بعض لوگوں کو) علم لدنی بھی تعلیم کرتے اور نسبت بھی عطا کرتے ہیں۔ ہم کو اللہ نے قطب مدار کا مددگار بنایا ہے۔ قطب مدار کو اللہ نے مدار عالم بنایا ہے انہی کی برکت سے یہ عالم قائم ہے، ہم ان کی مدد کرتے ہیں اس زمانہ میں ان کا مسکن ملک یمن ہے، وہ فقہ شافعی کے پیرو ہیں، ہم بھی قطب مدار کے ساتھ شافعی فقہ کے موافق نماز پڑھتے ہیں۔

وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ ؕ اور وہ (یہودی یا مکہ کے مشرک بطور امتحان) آپ سے ذوالقرنین کے متعلق سوال کر رہے ہیں۔ بغوی نے کہا ہے بعض علماء کے نزدیک ذوالقرنین کا نام مرزبان بن مرزبہ تھا یہ یونانی تھا اور یافث بن نوحؑ کی نسل میں سے تھا بعض نے کہا وہ رومی تھا سکندر بن قبلیس بن فیلقوس نام تھا میرے نزدیک مؤخر الذکر قول زیادہ صحیح ہے۔ شیرازی نے الالقاب میں اور ابن اسحاق و ابن المنذر و ابن ابی حاتم نے وہب بن منبہ یمنی کا بیان نقل کیا ہے وہب بن منبہ گزشتہ واقعات تاریخی کا بڑا عالم تھا کہ ذوالقرنین رومی تھا ایک بڑھیا کا اکلوتا بیٹا تھا، بڑھیا کی کوئی اور اولاد نہ تھی ذوالقرنین کا نام سکندر تھا۔ ابن المنذر نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ سکندر ہی ذوالقرنین تھا۔

بغوی نے لکھا ہے ذوالقرنین نبی تھا یا نہیں، یہ اختلافی مسئلہ ہے کچھ لوگ کہتے ہیں نبی تھا۔ ابوالطفیل کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ سے ذوالقرنین کے متعلق دریافت کیا گیا کہ وہ نبی تھا یا بادشاہ تھا، حضرت علیؓ نے فرمایا، نہ وہ نبی تھا نہ بادشاہ تھا، ایک ایسا بندہ تھا جو اللہ سے محبت کرتا تھا اور اللہ اس سے محبت کرتا تھا اس نے اللہ کی فرمانبرداری خلوص سے کی اللہ نے اس کو خیر عطا فرمائی۔ ابن مردویہ نے سالم بن ابی الجعد کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت علیؓ سے دریافت کیا گیا، کیا ذوالقرنین نبی تھا۔ فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا تھا کہ ذوالقرنین اللہ کا مخلص فرماں بردار بندہ تھا۔ اللہ نے بھی اس کے خلوص کی قدردانی کی۔ بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے سنا ایک شخص دوسرے کو ذوالقرنین کہہ کر پکار رہا ہے۔ فرمایا پیغمبروں کے ناموں پر اپنے نام رکھنے پر تم نے قناعت نہیں کی کہ اب فرشتوں کے ناموں پر اپنے نام رکھنے لگے، اکثر علماء کا خیال ہے کہ ذوالقرنین ایک عادل نیک بادشاہ تھا۔ ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ کیا تھی؟ بغوی نے اس کے متعلق مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔

(۱) آفتاب کے دو کنارے ہیں مشرق اور مغرب ذوالقرنین دونوں کناروں تک جا پہنچا تھا۔

(۲) روم اور فارس دونوں کا بادشاہ تھا۔

(۳) روشن دنیا میں بھی وہ رہا اور ظلمات میں بھی داخل ہوا (شاید یہ مراد ہے کہ افریقہ بلادِ سوڈان اور روم دونوں جگہ گیا۔ نور سے مراد گوروں کا ملک اور ظلمت سے مراد کالوں کا ملک)

(۴) اس نے خواب دیکھا تھا کہ آفتاب کے دونوں کنارے اس نے پکڑ لئے ہیں۔

(۵) اس کے دو خوبصورت گیسو تھے (قرن گیسو یا زلف)

(۶) اس کے دو سینگ (یعنی سر میں دو ابھار) تھے جن کو عمامہ سے چھپائے رکھتا تھا۔ ابن عبدالحکم نے یونس بن عبید کی روایت سے اور شیرازی نے الالقاب میں قتادہ کے حوالہ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔

(۷) ابوالطفیل کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ نے ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ یہ بیان فرمائی کہ اس نے اپنی قوم کو اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کی، قوم نے اس کے سر کے دائیں طرف ایسی چوٹ ماری کہ وہ مر گیا پھر اللہ نے اس کو زندہ کر دیا اور اس نے قوم کو اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کی، قوم نے پھر اس کے سر کے بائیں جانب ایسی ضرب لگائی کہ وہ مر گیا، مگر اللہ نے اس کو پھر زندہ کر دیا (قرن کھوپڑی کا دایاں بایاں ابھار یا پیشانی کا دایاں بایاں رخ)

Marfat.com

احمد نے الزہد میں اور ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے العظمۃ میں ابوالورقاء کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت علیؓ سے دریافت کیا گیا۔ ذوالقرنین کے دو سینگ کیسے تھے فرمایا تم خیال کرتے ہو گے کہ سونے یا چاندی کے دو سینگ تھے ایسا نہ تھا بلکہ وہ نبی تھے اللہ نے امت کو ہدایت کرنے کے لئے ان کو مبعوث فرمایا تھا انہوں نے امت کو دعوت دی لوگوں نے ان کے سر کے بائیں جانب ایسی چوٹ ماری کہ وہ مرگئے پھر اللہ نے ان کو زندہ کر دیا اور دعوت کا حکم دیا انہوں نے قوم کو دعوت دی لوگوں نے ان کے سر کے دائیں جانب ایسی ضرب رسید کی کہ وہ مرگئے اور اللہ نے ان کا نام ذوالقرنین رکھ دیا۔

قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿۸۳﴾ آپ کہہ دیجئے (اے سائلو) میں اس کے حال کا کچھ تذکرہ تمہارے سامنے (اللہ کا بیان کیا ہوا) تلاوت کرتا ہوں۔

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ ہم نے ہی اس کو زمین میں اقتدار عطا کیا تھا۔ وہ جس طرح چاہتا تھا حکم چلاتا تھا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا بادل کو ذوالقرنین کے حکم کے تابع بنا دیا گیا تھا، ابر پر وہ سوار ہوتا تھا اس کے ذرائع دراز کر دیئے گئے تھے، اس کے لئے روشنی پھیلا دی گئی تھی (یعنی رات بھی اس کے لئے روشن کر دی گئی تھی) رات دن اس کے لئے برابر تھے تَمْكِیْن فِی الْاَرْض کا یہی معنی ہے، مطلب یہ ہے کہ زمین پر رفتار اس کے لئے آسان کر دی گئی اور سارے راستے اس کے لئے کھول دیئے گئے تھے (راستے آسان کرنے کا شاید یہ مقصود ہو کہ ہر طرح کی سواری اس کو میسر تھی اور رات دن یا موسم کا اختلاف اس کی رفتار پر اثر انداز نہ ہوتا تھا)

وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا ﴿۸۴﴾ اور ہر قسم کا سامان ہم نے اس کو عطا کر دیا تھا یعنی جو چیز وہ چاہتا تھا اور جس طرف رخ کرتا تھا اس کا علم، قدرت اور دوسرے کاربر آری کے ذرائع ہم نے اس کو عطا کر دیئے تھے۔ یا یہ مطلب ہے کہ مخلوق کو جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے ذوالقرنین کو اس کے حصول کے ذرائع ہم نے دیدیئے تھے یا یہ مقصد ہے کہ بادشاہوں کو دشمنوں سے لڑنے اور ملک فتح کرنے میں جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب ذوالقرنین کو ہم نے دیدی تھیں۔ بعض نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ زمین کے کناروں کو ہم نے اس کے لئے قریب کر دیا تھا۔ بغوی نے لکھا ہے حسن بصری نے سَبَبًا کا ترجمہ بَلَاغًا کیا ہے یعنی مقصد تک پہنچانے والے اسباب ہم نے ذوالقرنین کو دیدیئے تھے۔

فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾ سو وہ ایک راہ پر ہو لیا۔

اَتْبَعَ پہنچ گیا۔ مَازِلْتُ اَتْبَعُهٗ حَتّٰی اَتْبَعْتُهٗ میں نے برابر اس کا پیچھا کیا یہاں تک کہ اس تک پہنچ گیا۔ کذا روی عن الاصمعی۔ سَبَبًا سے اس جگہ مراد ہے راستہ یعنی مغرب کی طرف، حضرت ابن عباسؓ نے ترجمہ کیا فرودگاہ، منزل۔

حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ یہاں تک کہ جب وہ (ارض مسکونہ کے انتہائی پچھمی جانب) آفتاب غروب ہونے کے مقام پر پہنچا۔

وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ تو دلدلی چشمہ میں سورج کو ڈوبتا ہوا محسوس کیا۔ حَمِئَة سیاہ دلدل۔ حَمَاتِ الْبِئْر کنویں میں کالی کیچڑ ہو گئی۔ بغوی کا بیان ہے حضرت معاویہؓ نے کعب احبارؒ سے پوچھا سورج کیسے غروب ہوتا ہے توریت میں تم نے اس کے متعلق کیا پڑھا، کعب نے کہا ہم نے توریت میں پایا ہے کہ سورج پانی اور کیچڑ میں غروب ہوتا ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے شاید ذوالقرنین سمندر کے کنارے پہنچ گیا ہو گا اور وہاں اس کو ایسا لگا ہو گا جیسے سورج دلدل میں غروب ہو رہا ہے کیونکہ جہاں تک اس کی نظر پہنچی ہو گی پانی اور کیچڑ ہی دکھائی دی ہو گی۔ اسی لئے اللہ نے وَجَدَهَا تَغْرُبُ (سورج کو دلدل میں ڈوبتا محسوس کیا) فرمایا كَانَتْ تَغْرُبُ (سورج دلدل میں ڈوبتا تھا) نہیں فرمایا۔ کذا قال القتیبی۔

وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۬ اور اس چشمے کے پاس ذوالقرنین نے ایک قوم کو پایا۔ بیضاوی نے کہا وہ لوگ کھال کا لباس پہنتے تھے اور کافر تھے اور سمندر جو مردہ مچھلیاں یا دوسرے بحری جانور کنارے پر پھینک دیتا تھا وہی ان کی غذا تھی۔

قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾

Marfat.com

ہم نے کہا اے ذوالقرنین تو (چاہے تو) ان کو سزا دے اور چاہے تو ان کے معاملے میں نرمی کا سلوک کرے (تجھے دونوں طرح کا اختیار ہے)

یعنی پہلے اس قوم کو توحید کی دعوت دو اگر نہ مانیں اور کفر پر جمے رہیں تو ان کو سزا دو قتل کر دو، اگر توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو ان کی عزت کرو، ہدایت کرو، شرائع الہیہ سکھاؤ۔ اس جگہ اِمَّا تقسیم کے لئے ہے (تردید کے لئے نہیں ہے) جیسے آیت ذیل میں لفظ اَوْ تقسیم کے لئے ہے اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (یعنی مختلف حالات کے لئے مختلف احکام ہیں توبہ کر لیں تو در گزر کرو، کفر پر جمے رہیں تو عذاب دو) بعض علماء کے نزدیک اِمَّا تخییر کے لئے ہے یعنی اللہ نے ذوالقرنین کو اختیار دے دیا کہ تم چاہو تو ان کے کافر ہونے کی وجہ سے ان کو قتل کر دو اور چاہو تو ان کو اسلام کی دعوت دو۔ اسلام کی دعوت ہی اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا سے مراد ہے۔ بعض نے کہا ذوالقرنین کو اختیار دیدیا گیا کہ وہ چاہیں تو ان لوگوں کو قتل کر دیں اور چاہیں تو قید کر لیں، قتل کرنے کے مقابلہ میں قید کر دینا حسن سلوک ہے، اول الذکر دونوں مطلبوں کی تائید آئندہ آیات سے ہو رہی ہے۔

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨٨﴾ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ اِۨالْحُسْنٰى ۚ

ذوالقرنین نے کہا جو ظلم کرے گا ہم اس کو سزا دیں گے، پھر اس کو اس کے رب کے پاس لوٹا کر لے جایا جائے گا وہ اس کو سخت ترین سزا دے گا اور جو ایمان لے آئے گا اور اچھے کام کرے گا اس کے لئے نیکی کا اچھا بدلہ ہوگا، یعنی اللہ کے حکم کی تعمیل میں یا اللہ کی طرف سے اختیار لینے کے بعد جب اس نے دعوت اسلام دیدی تو کہا کہ میری اس دعوت کے بعد جو کوئی کفر پر جما رہا اور شرک کی صورت میں اپنے اوپر خود ظلم کرتا رہا تو میں اور میرے ساتھی اس کو قتل کر دیں گے اور آخرت میں اللہ اس کو ایسا عذاب دے گا جو کسی کے علم میں نہیں، وہ اتنا عظیم ترین اور غیر معمولی ہوگا کہ اس دنیا میں کسی کے سامنے نہیں آیا۔ نیک کام کرنے سے مراد ہے تقاضاء ایمان کے موافق عمل کرنا۔

وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾ اور ہم اپنے برتاؤ میں اس کے لئے آسان بات کہیں گے۔

یُسْر آسان سہولت والا جو دشوار نہ ہو۔ مجاہد نے یُسْرًا کا ترجمہ کیا مَعْرُوْفًا اچھا بھلا۔ اللہ نے ذوالقرنین کو (براہ راست) خطاب کیا اور وحی بھیجی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نبی تھا، صاحب وحی تھا۔

بغوی نے لکھا ہے صحیح ترین بات یہ ہے کہ ذوالقرنین نبی نہیں تھا اور وحی سے مراد اس جگہ الہام ہے (جیسا کہ اولیاء اللہ کو ہوتا ہے)

میں کہتا ہوں ممکن ہے کسی پیغمبر کی معرفت ذوالقرنین کو یہ پیام ملا ہو اور بعض انبیاءؑ بنی اسرائیل میں سے اس کے ساتھ بھی کسی نبی کو اس کی اصلاح اور درستگی قائم رکھنے کے لئے لگا دیا گیا ہو۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٩﴾ پھر وہ (مشرق کی طرف جانے والے) راستہ پر پہنچ گیا۔

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ یہاں تک کہ جب (اس ارض معمورہ کے پورب کی طرف) سورج کے طلوع ہونے کے مقام تک پہنچ گیا۔

وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿٩٠﴾ تو سورج کو ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا کہ ہم نے ان کے لئے سورج سے ورے کوئی آڑ نہیں بنائی تھی یعنی ان کا کوئی لباس نہیں تھا، نہ مکان کی کوئی آڑ تھی وہاں کی زمین تعمیر کا بار اٹھانے کے قابل نہیں تھی۔

كَذٰلِكَ ۭ (ذوالقرنین کا واقعہ) یوں ہی تھا یعنی ذوالقرنین کی وسعت اقتدار، حکومت کی پہنائی اور اس کے مرتبہ کی

Marfat.com

رفعت اسی طرح تھی جس طرح ہم نے بیان کردی۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس کا اہل مشرق کے ساتھ سلوک ایسا ہی تھا جیسا مغرب والوں کے ساتھ تھا۔ یا یہ مطلب ہے کہ جس طرح ذوالقرنین نے سورج کو دلدلی چشمہ میں ڈوبتا محسوس کیا تھا اسی طرح دلدل سے بر آمد ہوتے پایا تھا۔ یا یہ مطلب ہے کہ جس طرح مغرب والوں کے لئے ہم نے سورج سے کوئی آڑ نہیں بنائی اسی طرح مشرق والوں کے لئے بھی سورج سے کوئی آڑ نہیں تھی۔

وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ سامان تھا ہم کو اس کی پوری خبر تھی۔

یعنی ذوالقرنین کے پاس کتنی فوج تھی، کتنا مال و اسباب تھا اور کتنے آلات جنگ اور علمی ذرائع تھے۔ غرض اس کی ساری بیرونی اور اندرونی طاقت و سر و سامان سے ہم واقف ہیں، مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس اتنا لشکر اور سامان اور مال و اسباب تھا کہ کسی کو معلوم نہیں ہم ہی اس سے واقف ہیں۔ اَحَطْنَا کے لفظ سے فوج کی کثرت اور سامان و حکومت کی وسعت کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ پھر ذوالقرنین ایک تیسرے راستہ پر چل دیا۔ یعنی مغرب و مشرق کے درمیان جنوب سے شمال کی طرف۔

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾

یہاں تک کہ جب دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا تو دونوں پہاڑوں سے ورے اس کو ایک ایسی قوم ملی جو تقریباً کوئی بات بھی سمجھتی نہ تھی۔

سُد اور سَد ہم معنی ہیں، عکرمہ نے کہا انسان کی بنائی بندش کو سَد کہتے ہیں اور قدرتی رکاوٹ و آڑ کو سُد۔ سَدَّین سے مراد اس جگہ وہ دو پہاڑ ہیں جن کے درمیان ذوالقرنین نے ایک دیوار بنادی تھی تاکہ یاجوج و ماجوج پرے سے دیوار کے ورے نہ آسکیں، بیچ میں دیوار حائل ہو جائے۔ یہ دونوں پہاڑ آرمینیا اور آذربائیجان کے تھے۔ ابن المنذر نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ ترکوں کی حدود جہاں ختم ہوتی ہیں۔ اس کے بالکل آخری شمال میں دو پہاڑ تھے جن سے پرے یاجوج و ماجوج تھے وہی دونوں پہاڑ مراد ہیں۔ یہ قول سعید بن منصور نے سنن میں اور ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیروں میں نقل کیا ہے۔

مِنْ دُوْنِهِمَا یعنی دونوں پہاڑوں کے سامنے۔

لَا يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا یعنی کسی دوسرے کی بات نہیں سمجھتے تھے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ کسی دوسرے کی بات سمجھتے تھے نہ کوئی دوسرا ان کی بات سمجھتا تھا۔

قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ

انہوں نے کہا اے ذوالقرنین یاجوج و ماجوج ہمارے ملک میں آکر تباہی مچاتے ہیں۔ یعنی قتل و غارت کرتے اور ہماری کھیتیوں کو اجاڑ دیتے ہیں۔ کلبی نے کہا موسم بہار میں یاجوج و ماجوج گھس آتے تھے، تمام سبز چیزوں (سرسبز کھیتیوں اور پھلوں ترکاریوں) کو تو کھالیتے تھے اور خشک چیزوں کو اٹھا کر اپنے ملک کو لے جاتے تھے، ان لوگوں کو ان سے بڑا دکھ پہنچتا تھا۔ بعض نے کہا وہ آدم خور تھے آدمیوں کو کھا جاتے تھے۔

یاجوج و ماجوج عجمی لفظ ہیں، بعض کے نزدیک عربی ہیں، عرب بولتے ہیں آج الظلم یعنی اَسْرَعَ۔ بغوی نے لکھا ہے یہ دونوں لفظ اَجِيْجُ النَّار (آگ کا شعلہ، بھڑک، شرارہ) سے ماخوذ ہیں کثرت تعداد کی وجہ سے ان کو آگ کے شعلوں اور چنگاریوں سے تشبیہ دی گئی۔

بغوی نے لکھا ہے یاجوج و ماجوج یافث بن نوح کی نسل سے ہیں۔ ضحاک نے کہا وہ ترکوں کی ایک نسل ہے۔ سدی نے کہا ترک یاجوج کا ایک فوجی دستہ تھا جو (پہاڑوں سے ورے) نکل آیا تھا، جب ذوالقرنین نے دیوار (سد) بنادی تو وہ راستہ پہاڑوں سے ادھر ہی رہ گیا تمام ترک اسی کی نسل سے ہیں۔ قتادہ نے کہا یاجوج کے ۲۲ قبائل تھے ذوالقرنین نے سد بنائی تو ایک قبیلہ ادھر ہی

Marfat.com

رہ گیا ۲۱ قبائل ادھر چلے گئے اسی ایک قبیلہ کو ترک کہا جاتا ہے کیونکہ سد سے ورے اس کو ترک کر دیا (چھوڑ دیا) گیا تھا۔

اہل تاریخ نے لکھا ہے حضرت نوحؑ کے تین بیٹے تھے سام، حام، یافث۔ سارے عرب فارس اور روم والے سام کی نسل سے ہیں اور حام کی نسل سے حبش زنج اور نوبہ کے لوگ ہیں (یعنی سارا افریقہ حام کی نسل سے ہے) اور یافث کی نسل سے ترک خزر صعالبہ اور یاجوج وماجوج ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کا قول عطاء کی روایت میں آیا ہے کہ سارے آدمی تو ایک حصہ ہیں اور یاجوج وماجوج دس حصے (یعنی یاجوج وماجوج کی تعداد باقی انسانوں سے دس گناہ زائد ہے)

حضرت حذیفہ کی مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یاجوج (ایک الگ) قوم ہے اور ماجوج (دوسری) قوم ہے ہر ایک کی تعداد چار سو ہزار (چار لاکھ) ہے وہ سب آدم کی اولاد ہیں ان میں سے کوئی بھی اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اپنی پشت (یعنی نسل) سے پیدا شدہ ایک ہزار آدمی ایسے نہ دیکھ لے جو ہتھیار اٹھانے کے قابل ہوں (یعنی جوان ہوں) یہ لوگ غیر آباد دنیا کی طرف پھیلتے جائیں گے۔

میں کہتا ہوں شاید حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب ذوالقرنین نے دیوار بنوائی تھی اور یاجوج وماجوج کی ادھر آنے سے بندش کر دی تھی تو اس وقت ان کے دو گروہ تھے ہر گروہ کی تعداد چار لاکھ تک پہنچ چکی تھی اس کے بعد کتنی ہو گئی تو ظاہر ہے کہ جب ہر شخص اپنی نسل کے ایک ہزار آدمی چھوڑ کر مرتا ہے تو ان کی گنتی کون کر سکتا ہے۔

(یَسِیْرُوْنَ اِلٰی خَرَابِ الدُّنْیَا کا ایک ترجمہ تو وہ ہے جو اس فقیر مترجم نے کیا، دوسرا ترجمہ حضرت مفسرؒ نے فرمایا کہ) یَسِیْرُوْنَ اِلٰی خَرَابِ الدُّنْیَا کا یہ معنی ہے کہ قیامت کے قریب وہ سد کو توڑ کر نکلیں گے اور ویران دنیا کی طرف آئیں گے (یہ فقیر اس ترجمہ کو بعید از فہم جانتا ہے) واللہ اعلم۔

بغوی نے لکھا ہے یاجوج وماجوج تین طرح ہیں ایک قسم تو درخت ارز کے برابر ہے، ان میں سے ہر شخص کا قد ایک سو بیس ہاتھ لمبا ہے۔ دوسری قسم کا طول وعرض برابر ہوتا ہے۔ ۱۲۰ ہاتھ لمبا اور اتنا ہی چوڑا، ان کے سامنے کوئی پہاڑ بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ تیسری قسم وہ ہے جو ایک کان بچھاتے اور ایک کان اوڑھتے ہیں (قیامت کے قریب جب یہ برآمد ہوں گے تو) جو گھوڑا یا خنزیر یا جنگلی وحشی جانور ان کے سامنے آجائے گا اس کو بغیر کھائے نہیں چھوڑیں گے ان میں سے جو کوئی مر جاتا ہے اس کو کھا لیتے ہیں ان کا اگلا دستہ شام میں اور پچھلا حصہ خراسان میں ہوگا، مشرق کے تمام دریاؤں اور بحیرۂ طبریہ (بحیرۂ مردار) کا پانی پی جائیں گے۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت علیؓ نے فرمایا ان میں سے بعض کا طول ایک بالشت اور عرض ایک ہاتھ ہے اور بعض بہت زیادہ لمبے ہیں۔

کعب احبار نے کہا وہ اولاد آدم میں ایک عجیب مخلوق ہیں۔ ایک روز حضرت آدمؑ کو احتلام ہوا اور نطفہ مٹی کے ساتھ مخلوط ہو گیا اس نطفہ سے اللہ نے یاجوج وماجوج کو پیدا کر دیا وہ باپ کی طرف سے تو ہمارے (علاتی) بھائی ہیں لیکن ہماری ماں کی نسل سے نہیں ہیں۔

بغوی نے وہب بن منبہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ذوالقرنین رومی تھا اور ایک بڑھیا کا بیٹا تھا جوان ہوا تو نیک مومن بندہ ہوا اور اللہ نے اس سے فرمایا میں تجھے ایسی قوموں کی اصلاح کے لئے بھیجوں گا جن کی زبانیں مختلف ہوں گی ان میں سے دو قومیں ایسی ہوں گی جن کے درمیان پوری زمین کے طول کا فاصلہ ہوگا ایک غروب آفتاب کے مقام پر ہوگی جس کو ناسک کہا جائے گا اور دوسری سورج نکلنے کے مقام پر ہوگی، جس کو منسک کہا جائے گا اور دو قومیں اور ہوں گی جن کے درمیان پوری زمین کا عرض فاصل ہوگا جنوب کی طرف والی قوم کو ہاویل کہا جائے گا اور شمال والی کو قاویل، باقی اقوام وسط ارض پر آباد ہوں گی جن میں جنات بھی ہوں گے، اور انسان بھی اور یاجوج وماجوج بھی۔ ذوالقرنین نے عرض کیا پھر کس قوم کو ساتھ لے کر میں ان سے قوت اور

Marfat.com

کثرت میں مقابلہ کروں گا اور کس زبان میں ان سے گفتگو کروں گا، اللہ نے فرمایا میں تجھے طاقت عطا کروں گا، تیری زبان میں پھیلادوں گا اور تیرا بازو مضبوط کردوں گا تجھے کوئی چیز خوف زدہ نہ کرے گی تجھے ہیبت کا لباس پہناؤں گا کہ تجھے کوئی شئے روک نہ سکے گی، میں نور و ظلمت کو تیرا فرماں بردار بنادوں گا اور دونوں کو تیرا مددگار کردوں گا۔ نور تجھے آگے آگے راستہ دکھائے گا اور تاریکی پیچھے پیچھے سے تجھے گھیرے میں لیتی رہے گی۔ حسب الحکم ذوالقرنین چلدیا اور آفتاب کے غروب ہونے کے مقام تک پہنچ گیا، وہاں اس کو دشمنوں کی ایک جماعت ملی جو بیشمار تھی ان کی گنتی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ ذوالقرنین نے ظلمت سے مدد لے کر ان سے مقابلہ کیا سب کو ایک جگہ جمع کر کے اللہ کی عبادت کی ان کو دعوت دی کچھ لوگوں نے دعوت کو مان لیا کچھ کترا گئے جو لوگ روگرداں ہوگئے، ان پر ذوالقرنین نے ظلمت کو مسلط کردیا تاریکی ان کے پیٹوں اور گھروں کے اندر گھس گئی، آخر وہ ذوالقرنین کی دعوت میں داخل ہوگئے، اسی جگہ مغرب والوں کا ذوالقرنین نے ایک لشکر تیار کیا اور اس کو ساتھ لے کر ہاویل (جنوبی قوم کے پاس پہنچ گیا اور یہاں بھی وہی سلوک کیا جیسا ناسک کے ساتھ کیا تھا پھر منسک کی طرف گیا جو طلوع آفتاب کے مقام کے قریب آباد تھے، یہاں پہنچ کر ذوالقرنین اور اسکے لشکر نے وہی عمل کیا جو مذکورہ دونوں قوموں کے ساتھ کرچکا تھا، پھر قاویل (شمالی قوم) کی طرف رخ کیا اور ان سے بھی وہی معاملہ کیا جو مندرجہ بالا اقوام کے ساتھ کیا تھا، اس کے بعد وسطی اقوام کی طرف توجہ کی مشرقی جانب ترکوں کی سرحد پر پہنچا تو وہاں نیک ایمان دار آدمیوں کا ایک گروہ اس کے پاس آیا اور کہا ذوالقرنین ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک مخلوق ایسی ہے جو بہائم (چوپایوں) کی طرح ہے اور درندوں کی طرح ان کے نوکیلے دانت اور کچلیاں ہیں، سانپوں اور بچھوؤں کو کھاجاتے ہیں اور گھوڑوں، گدھوں اور جنگلی جانوروں کو پھاڑ کھاتے ہیں ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ کسی مخلوق کی اتنی تعداد نہیں ہے اور اتنی ہی ان کی افزونی ہے کہ کسی مخلوق کی نہیں ہے، وہ ہماری سرزمین پر آجاتے ہیں، تسلط جماتے ہیں اور تباہی مچاتے ہیں، کیا ہم آپ کیلئے چندہ کر کے رقم جمع کردیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک بند بنادیں، ذوالقرنین نے کہا میرے رب نے جو مجھے طاقت (دولت وغیرہ) عطا فرمائی ہے وہ (تمہارے چندہ سے) بہتر ہے تم لوگ میرے لئے پتھر کی چٹانیں اور لوہا اور تانبا فراہم کردو اور میں جاکر ان کے حالات معلوم کرتا ہوں۔ یہاں سے ذوالقرنین ان لوگوں کے احوال دریافت کرنے کیلئے چلا اور ان کی بستیوں کے اندر داخل ہوگیا۔ اس نے دیکھا کہ سب لوگ ایک ہی قد کے ہیں ہمارے متوسط القامت آدمی کے طول سے ان کا طول قامت آدھا ہے ان کے پنجے اور نوکیلے دانت اور کچلیاں درندوں کی طرح ہیں۔ اور سارے بدن پر سخت بال اتنی کثرت سے ہیں کہ جسم کو چھپائے ہوئے ہیں، سردی گرمی سے بچاؤ ان کو ان بالوں ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ ہر شخص کے دو بڑے بڑے کان ہیں ایک کان بچھاتا ہے ایک اوڑھتا ہے۔ ان کانوں ہی سے موسم گرما و سرما میں کام چلاتا ہے، جہاں جمع ہوتے ہیں آپس میں جانوروں کی طرح جماع کرتے ہیں۔ ذوالقرنین یہ کیفیت دیکھ کر لوٹ آیا اور دونوں پہاڑوں کے درمیان پہنچ کر اس نے پیمائش کی پھر پانی تک بنیاد کھدوا کر پتھر کی چٹانوں سے اس کو بھر دیا اور تانبا پگھلا کر اس سے مصالحہ کا کام لیا، اس طرح دیوار مکمل ہوگئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین کے نیچے سے ایک پہاڑ پھوٹ آیا ہے (یہ سب اسرائیلی خرافات ہیں۔ بیضاوی)

فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾

سو کیا ہم لوگ آپ کے لئے کچھ چندہ جمع کردیں اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی روک بنادیں (کہ وہ ہماری طرف نہ آسکیں)

خَرْج اور خَرَاج دونوں ہم معنی ہیں، مزدوری، اجرت، ابو عمرو نے کہا خَرَاج وہ چیز ہے جس کا ادا کرنا تم پر لازم ہو اور خَرْج وہ چیز ہے جس کو دے کر تم دوسرے کو راغب بناتے ہو۔ بعض نے کہا خَرَاج زمین کا ٹیکس اور خَرْج فی کس شخصی ٹیکس ہوتا ہے۔ عرب کہتے ہیں اَدِّ خَرْجَ رَاسِکَ وَ خَرَاجَ مَدِیْنَتِکَ اپنی ذات کا خرچ (پر سن ٹیکس) ادا کرو اور اپنے شہر کا خراج۔ بعض نے کہا جو چیز زمین پر لازم ہو یا شخصی طور پر وہ خَرَاج ہے اور خَرْج مصدر ہے۔

Marfat.com

سَدًّا یعنی ایسی دیوار اور بندش کہ یاجوج وماجوج پھر ادھر نہ آسکیں۔

قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝ آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ

ذوالقرنین نے کہا جس مال میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا ہے وہ بہت کچھ ہے (سو مال کی تو مجھے ضرورت نہیں) البتہ ہاتھ پاؤں سے تم لوگ میری مدد کرو، میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنادوں گا تم لوگ مجھے لوہے کی چادریں لادو۔

مَا مَكَّنِّي یعنی مال اور دولت سے اللہ نے جو کچھ مجھے عنایت کیا ہے وہ اس مال سے بہتر ہے جو بطور معاوضہ تم مجھے دینے کو کہہ رہے ہو۔

قُوَّةٍ سے مراد معمار، مزدور، کارکن یا آلات

رَدْمًا بہت مضبوط دیوار (تہ بر تہ چنی ہوئی)

زُبَرَ الْحَدِيدِ لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے، زُبَر کا واحد زُبْرَۃٌ ہے زُبْرَۃٌ بڑا ٹکڑا۔

آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ مجھے لوہے کے ٹکڑے لادو، مطلب یہ کہ مالی مدد کی اور معاوضہ کی مجھے ضرورت نہیں، تم لوگ جسمانی اور آلاتی مدد کرو۔ لوگ لوہے کی چادریں یا ٹکڑے لے آئے، لکڑیاں اور کوئلے بھی ساتھ لائے۔ ذوالقرنین نے لوہے لکڑی اور کوئلوں کو تہ بر تہ چنا اوپر لوہا پھر نیچے لکڑی پھر کوئلے پھر لوہا پھر لکڑی۔

حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انفُخُوا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ آتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝

یہاں تک کہ جب (ردّے ملاتے ملاتے) ان کے دونوں سروں (کے بیچ کے خلا) کو برابر کردیا تو کہا دھونکو (دھونکنا شروع ہوگیا، یہاں تک کہ جب (دھونکتے دھونکتے) اس کو لال انگارہ کردیا تو کہا اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبہ لاؤ کہ اس پر میں ڈال دوں۔

صَدَفَيْنِ دونوں کنارے صَدَفٌ جھکاؤ، میلان۔ تصادف آمنے سامنے ہونا۔ اُفْرِغْ میں ڈال دوں۔ اِفْرَاغ بہٹونا، بہادینا، قِطْر پگھلا ہوا تانبہ۔ لوگ تانبہ لے آئے، پھر پگھلا ہوا تانبہ دہکتے ہوئے لوہے پر ڈال دیا گیا، آگ سے لکڑی اور کوئلہ جل گیا، پگھلے ہوئے تانبے نے اس کی جگہ لے لی اس طرح لوہے کی اینٹیں پگھلے ہوئے تانبے کے مصالحہ سے باہم پیو[illegible] ہوگئیں اور ایک آہنی دیوار پہاڑ بن کر کھڑی ہوگئی۔ بغوی نے لکھا ہے اس دیوار کی چوڑائی، پچاس ہاتھ، اونچائی سو ہاتھ اور لمبائی ایک فرسخ تھی۔

یہ کام تمام کاریگروں اور معماروں کا تھا، لیکن ذوالقرنین کی تدبیر اور حکم سے ہوا اس لئے آیت میں دیوار تیار کرنے کی نسبت اس کی طرف کی گئی۔

فَمَا اسْطَاعُوا أَن يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا ۝

[illegible] یاجوج و ماجوج (دیوار اونچی اور چکنی ہونے کی وجہ سے) اس پر چڑھ نہ سکے اور نہ (سخت مضبوط [illegible]) کر سکے۔

قَالَ هَٰذَا رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّي

ذوالقرنین نے کہا یہ (یعنی دیوار [illegible]) رب کی (اپنے بندوں پر) رحمت ہے۔

فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ ۚ

پھر جب میرے [illegible] زمین کے ساتھ ہموار کردے گا۔ وعدۂ رب سے مراد ہے یاجوج وماجوج کے [illegible] دَكًّا کوٹ یعنی زمین پر پھیلا کر اس کو ہموار کردے گا۔

وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ۝

اور میرے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ [illegible] میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ذوالقرنین ظلمات میں گھس گیا پھر لوٹ کر آیا تو [illegible] میں اس [illegible]

Marfat.com

بعض کا قول ہے کہ ذوالقرنین کی عمر کچھ اوپر تیس برس کی ہوئی۔

بغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کا مرفوع بیان نقل کیا ہے کہ یاجوج و ماجوج روز دیوار کو کاٹتے ہیں اور اتنا کھود چکتے ہیں کہ سورج کی کرنیں (دوسری طرف کی) چمکنے کے قریب ہو جاتی ہیں تو ان کا سردار کہتا ہے اب لوٹ چلو، باقی کل کو کھود لیں گے لوگ چلے جاتے ہیں۔ رات میں اللہ دیوار کو پھر حسب سابق کر دیتا ہے، دوسرے دن آکر وہ پھر کھودتے ہیں اور اتنا کھودتے ہیں کہ دوسری طرف کی روشنی نظر آنے کے قریب ہو جاتی ہے تو سردار روک دیتا ہے اور کہتا ہے اب واپس چلو کل کو اس کی تکمیل کرلیں گے سب واپس چلے جاتے ہیں۔ اللہ رات میں پھر دیوار کو پہلے کی طرح کر دیتا ہے روزانہ ایسا ہی کرتے ہیں جب مقررہ وقت آجائے گا اور حسب معمول دیوار کو کھود کر اتنا کر دیں گے کہ ایک ورق رہ جائے گا۔ قریب ہوگا کہ پار کی روشنی نظر آجائے اور سردار ان سے کہے گا اب واپس چلو کل کو انشاء اللہ ہم اس کو کھود دیں گے۔ انشاء اللہ کہنے کا یہ اثر ہوگا کہ واقعی دوسرے دن آکر دیکھیں گے کہ دیوار کو جس طرح (ورق کی برابر) چھوڑ کر گئے تھے ویسی ہی ہے۔ پس بقیہ دیوار کو بھی کھود دیں گے اور پار نکل آئیں گے۔ اور جہاں جہاں پانی ہوگا ان مقامات کی تلاش کر کے پہنچیں گے (سارے تالابوں، چشموں، کنوؤں اور جھیلوں دریاؤں کا پانی پی جائیں گے) لوگ ان کے خوف سے قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہیں گے وہ آسمان کی طرف تیر چلائیں گے اور اللہ ان کے تیروں کو ایسا سرخ کر کے لوٹا دے گا جیسے وہ خون آلود ہوں (اور کسی شکار کے لگ کر واپس لوٹے ہوں) وہ خوش ہو کر کہیں گے ہم زمین والوں پر بھی غالب آگئے اور آسمان والوں پر بھی اس کے بعد اللہ ان کی گدیوں (گردنوں کے پچھلے حصہ) میں گلٹیاں (یعنی وہ کیڑے جو لونٹ، بکری وغیرہ کی ناک میں پیدا ہو کر باعث ہلاکت ہوتے ہیں اور انسان کی گردن بغل وغیرہ میں داخل ہو کر گلٹیوں اور سرطانی زخموں کی شکل میں برآمد ہوتے ہیں) برآمد کر دے گا۔ سب مر جائیں گے۔

مسلم نے حضرت نواس بن سمعان کی راویت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار صبح کے وقت دجال کا ذکر کیا (دوران ذکر میں) حضور ﷺ کی آواز پست بھی ہو جاتی تھی اور اٹھ بھی جاتی تھی یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ دجال (یہیں) نخلستان میں موجود ہے۔ پھر (دوسرے وقت) جب ہم حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے (خوف کا اثر ہمارے اندر پہچان لیا اور) فرمایا تم لوگوں کا کیا حال ہے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے دجال کا تذکرہ کیا تھا اور حضور کی آواز میں پستی بھی تھی اور بلندی بھی اس سے ہمارا خیال ہوا کہ وہ کہیں (اس جگہ) نخلستان میں ہی ہے۔ فرمایا دجال کے علاوہ ایک اور چیز ہے جو تمہارے لئے زیادہ خوفناک ہے دجال تو میری زندگی میں اگر برآمد ہو گیا تو تمہاری طرف سے میں اس کا مقابلہ کرلوں گا اور میں نہ ہوا تو اس وقت ہر شخص خود اپنی طرف سے اس کا مقابلہ کرے گا اور اللہ میری طرف سے ہر مسلمان کا محافظ ہے۔ دجال ایک ژولیدہ نوجوان ہوگا اس کی ایک آنکھ پٹ ہوگی۔ میرے نزدیک وہ عبدالعزی بن قطن سے ملتا جلتا ہوگا، جو شخص اس کو پائے تو سورۂ کہف کی ابتدائی آیات اس کے سامنے پڑھے۔ وہ عراق اور شام کے درمیان برآمد ہوگا اور دائیں بائیں لوٹ اور تباہی مچائے گا۔ اللہ کے بندو تم (ایمان پر) ثابت قدم رہنا۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس کا قیام زمین پر کتنی مدت رہے گا۔ فرمایا چالیس دن۔ جن میں ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا۔ ایک دن ایک مہینے کی برابر، ایک دن ایک ہفتہ کی برابر اور باقی ایام تمہارے دنوں کی طرح ہوں گے۔ ہم نے عرض کیا جو دن سال کے برابر ہوگا کیا اس میں ہمارے لئے صرف ایک دن کی نمازیں کافی ہوں گی۔ فرمایا نہیں مقدار کا اندازہ کرلینا، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس کی سرعت رفتار کی کیا حالت ہوگی، فرمایا جیسے بادل جس کے پیچھے آندھی ہو۔ کچھ لوگوں کی طرف سے اس کا گزر ہوگا۔ ان کو وہ اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دے گا وہ مان لیں گے۔ دجال آسمان کو حکم دے گا ان پر بارش ہو جائے۔ فوراً بارش ہو جائے گی۔ زمین کو حکم دے گا سبزہ پیدا کر۔ فوراً زمین سرسبز ہو جائے گی۔ ان کے اونٹ جنگل سے چر کر واپس لوٹیں گے تو ان کے کوہان خوب اونچے، تھن خوب لمبے دودھ سے بھرے ہوئے اور کوکھیں (چارہ کھانے کی وجہ سے) پھولی ہوں گی۔ اس کے بعد دجال کا گزر ایک اور قوم کی طرف ہوگا اور وہ ان کو دعوت دے گا وہ لوگ دجال کی دعوت کو رد کر دیں گے۔ جب دجال ان کے پاس سے لوٹے گا تو فوراً وہ

Marfat.com

سب قحط زدہ ہو جائیں گے۔ کوئی چیز ان کے مال میں سے باقی نہیں رہے گی دجال ویرانے کی طرف سے گزرے گا اور حکم دے گا اپنے دفینے برآمد کر دے۔ فوراً ویرانے سے دفینے نکل کر شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے ہو جائیں گے۔ پھر دجال ایک شخص کو طلب کرے گا جو جوانی سے بھرپور ہو گا اور تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر کے علیحدہ علیحدہ دو طرف کو ر سائی تیر کے فاصلے پر رکھ دے گا اور (اس شخص کو) آواز دے گا (دونوں ٹکڑے جڑ کر) وہ شخص زندہ ہو جائے گا، اور ہنستا کھلکھلاتا چلا آئے گا۔ دجال اسی حال میں ہو گا کہ اللہ تعالیٰ، عیسیٰ بن مریم کو بھیج دے گا۔ آپ دمشق کے مشرقی جانب سفید میناروں کے پاس (یا منارے پر) دو فرشتوں کے بازوؤں پر اپنے ہاتھ رکھے اتریں گے، سر جھکائیں گے تب اور سر اٹھائیں گے تب پسینے کے قطرے چاندی کے موتیوں کی طرح آپ کے چہرے سے ڈھلک کر گریں گے آپ کے سانس کی خوشبو وہاں تک پہنچے گی جہاں تک آپ کی نگاہ پہنچے گی۔ حضرت عیسیٰ دجال کی تلاش کریں گے اور لد (ایک بستی کا نام جو فلسطین میں ہے) کے پاس پہنچ کر دجال کو قتل کریں گے اس کے بعد آپ ان لوگوں کے پاس پہنچیں گے جن کو اللہ نے دجال کے شر سے محفوظ رکھا ہو گا ان کے چہروں سے غبار صاف کریں گے اور جنت میں ان کے درجات جو اللہ نے مقرر فرمائے ہیں اس کی بشارت دیں گے، اسی دوران میں حضرت عیسیٰ کے پاس وحی آئے گی کہ میں (سد ذوالقرنین سے) اپنے ان بندوں کو نکال کر لے آیا ہوں جن سے لڑنے کی طاقت کسی میں نہیں ہے (یعنی سد ٹوٹ گیا اور یاجوج و ماجوج اندر آگئے ہیں) آپ میرے بندوں کو کوہ طور پر لے جا کر حصار بند ہو جائیں۔ حضرت عیسیٰ حکم کی تعمیل کریں گے یاجوج و ماجوج آجائیں گے ہر ٹیلہ کی آڑ سے نکل کر پھیل پڑیں گے ان کا اگلا گروہ بحیرۂ طبریہ (بحیرۂ مردار) پر پہنچ کر تمام پانی پی جائے گا۔ پچھلا گروہ جب بحیرۂ طبریہ پر پہنچے گا تو دیکھے گا یہاں کبھی پانی ضرور تھا (یعنی صرف نمی کو دیکھ کر ان کی یہ رائے ہوگی کہ ہاں کبھی پانی ضرور تھا) حضرت عیسیٰ اپنے ساتھیوں کو لئے حصار بند رہیں گے (اور پہاڑ پر اتنی غذائی قلت ہو جائے گی کہ) جتنی سو دینار کی تم لوگوں کی نظر میں آج قیمت تھی اس سے زیادہ اس زمانہ میں گائے بیل کی ایک سری کی ان کی نظر میں قدر ہو گی۔ حضرت عیسیٰ اور آپ کے ساتھی اللہ سے دعا کرتے رہیں گے، آخر اللہ یاجوج و ماجوج کی گردنوں میں جراثیمی پھنسیاں پیدا کر دے گا جن کی وجہ سے وہ سب کے سب یکدم ایک آدمی کی طرح مر جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ ساتھیوں کو لے کر پہاڑ سے نیچے اتریں گے لیکن ان کو زمین پر ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں ملے گی جس میں (یاجوج و ماجوج کی لاشوں کی) عفونت اور سڑاند پھیلی ہوئی نہ ہو آپ اور آپ کے ساتھی دعا کریں گے اللہ ایسے پرندے بھیج دے گا جو بختی اونٹوں کی گردنوں جیسے ہوں گے یہ پرندے تمام لاشوں کو اٹھا کر وہاں پھینک دیں گے جہاں اللہ کی مرضی ہو گی۔ پھر بحکم خدا ایک عظیم بارش ہو گی جو ہر گھر میں پہنچے گی ڈیرہ، خیمہ ہو یا مٹی کا بنا ہوا مکان، بارش کو کوئی آڑ روک نہ سکے گی بارش سے ساری زمین دھل کر صاف چکنی ہو جائے گی، پھر اللہ کے حکم سے زمین میں غلہ اور پھلوں کی خوب پیداوار ہو گی اور حاصل ارضی میں بڑی برکت ہو گی اور یہ حالت ہو جائے گی کہ ایک انار ایک گروہ کے کھانے کے لئے کافی ہو گا اور اس کا چھلکا ایک جماعت کے لئے سائبان کا کام دے گا۔ دودھ میں بھی بڑی برکت ہو گی ایک اونٹنی کا دودھ بڑی جماعت کے لئے کافی ہو گا اور ایک گائے کا دودھ پورے قبیلہ کو اور ایک بکری کا دودھ قبیلہ کی ایک شاخ کے لئے کفایت کرے گا۔ اسی حالت میں اللہ ایک خوشگوار خوشبودار ہوا چلا دے گا اور یہ ہوا ہر شخص کے بغل کے نیچے (یعنی پہلو پر) لگے گی جو مومن اور مسلم ہو گا اس کی روح ہوا کا جھونکا لگتے ہی پرواز کر جائے گی اور صرف برے لوگ زمین پر رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح لڑتے رہیں گے انہی پر قیامت برپا ہو گی۔ مسلم کی دوسری روایت میں اتنا اور آیا ہے کہ طبریہ پہنچ کر پچھلا گروہ کہے گا یہاں کبھی پانی تھا اس کے بعد یاجوج و ماجوج کوہ خمر پر پہنچیں گے کوہ خمر بیت المقدس کے ایک پہاڑ کا نام ہے وہاں پہنچ کر کہیں گے ہم نے زمین والوں کو قتل کر دیا آؤ اب آسمان والوں کو قتل کریں یہ کہہ کر آسمان کی طرف تیر چھوڑیں گے اللہ ان کے تیروں کو خون سے رنگین کر کے لوٹا دے گا (تیروں کو خون سے رنگا ہوا دیکھ کر وہ خوش ہو جائیں گے) ترمذی کی روایت میں ہے پرندے ان کی لاشوں کو اٹھا کر گڑھوں اور غاروں میں پھینک دیں گے اور مسلمان ان کے تیروں، کمانوں اور ترکشوں کو سات برس تک ایندھن

Marfat.com

کے طور پر جلائیں گے۔ بغوی نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ وہب نے بیان کیا پھر یاجوج وماجوج سمندر پر پہنچ کر اس کا پانی پی جائیں گے اور سارے سمندری چوپائے اور جانور کھا جائیں گے۔ یہاں تک کہ لکڑیاں اور درخت بھی اور جو آدمی ان کے پہنچنے میں آجائے گا اس کو بھی کھا جائیں گے لیکن مکہ اور مدینہ اور بیت المقدس میں نہیں پہنچ سکیں گے۔ بخاری نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یاجوج وماجوج کے بعد کعبہ کا حج اور عمرہ کیا جائے گا۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوجُ فِي بَعْضٍ اور ہم اس روز ان کی یہ حالت کریں گے کہ ایک میں ایک گڈمڈ ہو جائیں گے۔

بعض علماء نے کہا یہ واقعہ اس وقت ہوگا جب یاجوج وماجوج سد کو توڑ چکے ہوں گے یعنی دیوار توڑ کر یاجوج وماجوج پانی کی طرح لہریں مارتے داخل ہوں گے کثرت اور ریل پیل کی وجہ سے ہر ایک دوسرے سے آگے بڑھنا چاہے گا اور آپس میں گڈمڈ ہو جائیں گے۔ بعض کا قول ہے کہ ایسا واقعہ اس وقت ہوگا کہ قیامت برپا ہو جائے گی اور لوگ قبروں سے باہر آجائیں گے۔ اور جنات بھی انسانوں کے ساتھ گڈمڈ ہو جائیں گے اور سب حیرت میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ اس تفسیر کی تائید آئندہ آیت سے ہو رہی ہے۔

وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ اور (قبروں سے مردوں کو زندہ کر کے اٹھانے کے لئے) صور پھونکا جائے گا۔ یہ وقت قیامت برپا ہونے کا ہوگا۔

فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾ اور (حساب وسزا وجزا کیلئے) ہم سب مخلوق کو ایک ہموار میدان میں جمع کریں گے۔

وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ﴿۱۰۰﴾ اور اس روز جہنم کو ہم کافروں کے بالکل سامنے لے آئیں گے کہ وہ اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر لیں گے۔

الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ جن کی آنکھوں پر میری یاد کی طرف سے پردہ پڑا ہوا تھا۔ غِطَاء کسی چیز کو چھپانے والا پردہ۔ ذکر سے مراد ہے ان دلائل و براہین کو دیکھنا جن سے اللہ کی ذات وصفات کا ثبوت ہو رہا ہے (یعنی ان کی آنکھوں پر غفلت اور ضد اور جہالت کے پردے پڑے ہوئے تھے ان کو اللہ کی ذات وصفات کی توحید وعظمت دکھائی نہیں دیتی تھی)

وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾ اور (ان کے کانوں میں ڈاٹیں تھیں) وہ سن نہیں سکتے تھے ع ۱۱

یعنی میری توحید، الوہیت اور ربوبیت کو یاد دلانے والے دلائل اور میرے کلام اور ہدایت آفریں بات کو سن بھی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ اللہ نے ان کے لئے شقاوت لکھ دی تھی اور رسول اللہ ﷺ کی اور آپ کے ساتھیوں کی دشمنی اور عناد وضد کو ان کے دلوں میں ڈال دیا تھا۔ کافروں کا مبدأ تعین اللہ کا اسم مُضِل تھا (یعنی اسم مُضِل کا پرتو ان پر پڑا تھا پس تخلیقاً وہ مظہر ضلالت تھے اس لئے ان کا ہدایت یاب ہونا ناممکن تھا مکمل تشریح ہم کئی مقامات پر کر چکے۔ تعین خلق کے مبادی صفات الٰہیہ ہیں۔ صفات الٰہیہ کا پرتو مخلوق پر پڑا ہے جس کی وجہ سے کوئی ہدایت یافتہ اور کوئی گمراہ ہو گیا، یہ تفصیل کئی جگہ کر دی گئی ہے)

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ سو کیا پھر بھی ان کافروں کا خیال ہے کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز (یعنی معبود وحاجت روا) قرار دیں۔

عِبَادِيْ سے مراد ہیں فرشتے، مسیح، عزیز۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ شیطان مراد ہیں جن کی اطاعت اللہ کے سوا کفار کرتے ہیں۔ مقاتل کے نزدیک بت مراد ہیں بتوں کو اس جگہ اصنام کہا گیا اسی طرح جس طرح آیت اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ میں بتوں کو اصنام کہا گیا ہے۔ اَوْلِيَآءَ یعنی کارساز، رب یا سفارشی، شفاعت کرنے والے۔ استفہام انکاری ہے یعنی کافر جیسا خیال کرتے ہیں واقعہ ایسا نہیں ہے ان کے معبود ان کے دشمن ہیں قیامت کے دن ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے، نیک بندے تو کافروں کے دشمن ہی ہیں اس میں کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔ رہے شیاطین اور بت تو یہ بھی

Marfat.com

قیامت کے دن باہم تکفیر کریں گے، ایک دوسرے پر لعنت بھیجے گا اور اپنے پرستاروں سے سب اظہار نفرت و براءت کریں گے۔

اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾ ہم نے تو ان کافروں کی دعوت کے لئے دوزخ کو تیار کر رکھا ہے۔

نُزُل مقام نزول یا طعام مہمانی۔ آیت میں کافروں کے لئے استہزاء کے طور پر جہنم کو طعام ضیافت قرار دیا گیا ہے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾

آپ کہہ دیجئے کیا ہم تم کو بتائیں کہ اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ گھاٹے میں کون لوگ ہوں گے۔ سب سے زیادہ خسارے میں وہ لوگ ہوں گے کہ دنیوی زندگی میں کی ہوئی ان کی ساری کوششیں (اکارت اور رایگاں) جائیں گی اور وہ یہی سمجھتے رہتے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے فرمایا آیت میں سب سے زیادہ خسارہ پانے والوں سے مراد ہیں عیسائی اور یہودی جو اپنے گروہ کو حق پر سمجھتے ہیں حالانکہ ان کی شریعت منسوخ ہو چکی۔ بعض کے نزدیک وہ تارک الدنیا خانقاہ نشین راہب مراد ہیں جو اپنے خیال میں آخرت کے طالب اور لذائذ دنیا سے روگرداں ہیں حالانکہ وہ شریعت اسلامیہ کے منکر ہیں ان کی یہ ساری کوششیں سراب اور ناکارہ ثابت ہوں گی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا حروراء والے (یعنی خارجی) مراد ہیں خارجیوں کا فرقہ ہی سب سے پہلا گروہ تھا جس نے صحابہ کرامؓ اور صحابہ کے رفقاء کے خلاف بغاوت کی اور بغاوت کو حق سمجھا۔ حضرت علیؓ کے اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ آیت میں بدعتی اور نفسانی میلانات کے پرستار مراد ہیں (جن کے سرگروہ اور موسس خارجی تھے) پس معتزلہ، روافض اور اہل سنت کے تمام مخالف اسی حکم میں داخل ہیں۔ میں کہتا ہوں آیت کا کھلا ہوا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں کفار مراد ہیں جو قیامت قائم ہونے اور دوسری جسمانی زندگی پانے کے منکر تھے اور دنیوی فائدہ ہی ان کا مقصود زندگی تھا اس زندگی کے منافع جن طریقوں سے وابستہ ان کو نظر آتے تھے انہی راستوں پر چلتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ اس دنیا کے سوا کوئی اور زندگی نہیں اگر کوئی شخص آخرت کی تمنا میں ایسے کام کرتا ہے جن سے دنیوی منافع میں نقصان ہوتا ہے تو ایسا آدمی بیوقوف ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ یہ ہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کی آیات اور اللہ سے ملنے کا انکار کیا۔ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے منکر ہوئے۔ آیت میں (درپردہ ان لوگوں پر بھی تشنیع ہے جو قیامت اور حشر و نشر کے تو قائل ہیں، لیکن اعمال دنیوی کو اعمال اخروی پر ترجیح دیتے ہیں، ہمیشہ ساری زندگی دنیا کو سنبھالنے اور سنوارنے میں لگائے رکھتے ہیں، آخرت کا ان کو تصور بھی نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہوشیار وہ آدمی ہے جس نے اپنے نفس کو اپنے حکم کا تابع رکھا اور مرنے کے بعد (والی زندگی) کے لئے کام کئے اور بے عقل وہ آدمی ہے جو نفس کا پیرو رہا اور اللہ پر اس نے (جھوٹی) آرزو بندی کی (یعنی اللہ کی قہاریت اور عذاب دینے کی طرف سے غافل رہا اور جو دل چاہا وہ کیا اور یہ خیال کر لیا کہ اللہ رحیم ہے کریم ہے وہ یقیناً معاف کر ہی دے گا) رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ والحاکم بسند صحیح عن انسؓ۔

اگر آیت میں یہودی اور عیسائی مراد ہوں تو آیاتِ رب اور ملاقاتِ رب کے انکار کا یہ مطلب ہوگا کہ (اگرچہ یہ لوگ قیامت کا اقرار کرتے ہیں مگر) قیامت کی جو واقعی تشریح ہے اس کے منکر ہیں یا (اپنے گروہ کے لئے) عذاب پانے کے منکر ہیں۔

فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ سو اس لئے ان کے سارے اعمال غارت ہو گئے قیامت کے روز ہم ان کے نیک اعمال کا ذرا بھی وزن قائم نہیں کریں گے۔

اَعْمَالُهُمْ یعنی وہ کام جو دنیا کمانے کے لئے انہوں نے کئے تھے یا وہ اعمال جو اخروی ثواب کی خاطر انہوں نے کئے تھے، لیکن ثواب سے محروم رہیں گے، کیونکہ نیک اعمال قبول ہونے کی بنیادی شرط ایمان ہے اور وہ کافر تھے، وزن قائم نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ہاں ان کی کوئی قدر نہ ہوگی۔ اللہ ان کے ان اعمال کا اعتبار نہیں کرے گا۔

Marfat.com

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (قیامت کے دن) بعض بڑے موٹے آدمی ایسے آئیں گے کہ مچھر کے پر کی برابر بھی اللہ کے نزدیک ان کا وزن نہ ہوگا (اس کی تصدیق کے لئے) پڑھو فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا رواہ البخاری و مسلم وفی الصحیحین۔

ابو نعیم اور اجری نے اس آیت کی تشریح میں حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے۔ بعض طاقت ور، مضبوط، پر خور آدمیوں کو (قیامت کے دن میزان (کے پلڑہ) میں رکھا جائے گا لیکن اس کا وزن جَو برابر بھی نہ ہوگا، فرشتہ ایسے ستر ہزار آدمیوں کو ایک ہی دھکا دے کر پھینک دے گا۔ یا آیت کا یہ مطلب ہے کہ ایسے لوگوں کے اعمال تولنے کے لئے میزان قائم ہی نہیں کی جائے گی۔ ان کے اعمال کی وزن کشی ہی نہیں ہوگی بلکہ بغیر وزن کئے ان کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ جن اعمال کو وہ نیکیاں خیال کرتے ہیں میزان عدل میں ان اعمال کا کوئی وزن نہ ہوگا۔

بغوی نے ابو سعید خدری کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ اپنے اعمال لے کر آئیں گے جو ان کی نظر میں اتنے بڑے ہوں گے جیسے تہامہ کے پہاڑ، لیکن تولنے کے بعد ان کا کوئی وزن ہی نہ ہوگا، یہی مطلب ہے آیت فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا کا۔

سیوطی نے لکھا ہے کیا اعمال کی وزن کشی صرف اہل ایمان کیلئے ہوگی اور کافروں کے اعمال تولے ہی نہ جائیں گے۔ یا کافروں کے اعمال کی بھی وزن کشی ہوگی۔ یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ کچھ علماء اول قول کے قائل ہیں اور کچھ علماء وزن کشی کے عموم کے قائل ہیں۔ اول گروہ اپنے قول کی تائید میں آیت فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا کو پیش کرتا ہے۔ دوسرا گروہ اس کے جواب میں کہتا ہے کہ آیت کا مقصد یہ نہیں کہ ان کے اعمال تولے نہیں جائیں گے بلکہ مجازی معنی مراد ہے یعنی ان کے اعمال قابل اعتبار نہ ہوں گے۔ کیونکہ دوسری آیت میں آیا ہے وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ سے فَكُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ تک۔ سیوطی نے قرطبی کا قول نقل کیا ہے کہ ہر شخص کے اعمال کا وزن ہونا ضروری نہیں (نہ ہر مومن کے اعمال کا، نہ ہر کافر کے اعمال کا) جو لوگ بلا حساب کے جنت میں چلے جائیں گے انکے اعمال کا وزن بھی نہ ہوگا (جب حساب ہی نہیں تو وزن کیسا) اسی طرح کچھ لوگ بلا حساب دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے ان کے اعمال کا بھی وزن نہ ہوگا۔ انہی کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ الخ۔ علامہ سیوطی نے فرمایا قرطبی کا یہ قول جامع ہے اور دونوں آیات میں تضاد کو دور کرتا ہے، جس فریق کو فوراً جہنم میں بھیج دیا جائے گا اس کے اعمال کا وزن بھی نہ ہوگا۔ باقی کافروں کے اعمال تولنے کیلئے میزان قائم کی جائے گی۔

(حضرت مفسرؒ نے فرمایا) میں کہتا ہوں شاید جن کافروں کا آیت مذکورہ میں ذکر کیا گیا ہے ان سے مراد منافق اور اہل کتاب ہوں۔ منافق تو قیامت کے دن (شروع میں چھٹائی سے پہلے) مسلمانوں کے گروہ میں شامل رہیں گے اور اہل کتاب کسی دوسرے معبود کی طرف مشرکوں کی طرح نہیں جائیں گے۔ ہر مشرک اس معبود کے پیچھے چلا جائے گا جس کو وہ پوجا کرتا تھا اہل کتاب میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿١٠٦﴾

(بلکہ ان کی سزا وہی ہوگی یعنی دوزخ اس سبب سے کہ انہوں نے کفر کیا تھا اور میری آیتوں اور پیغمبروں کا مذاق بنایا تھا۔

ذَٰلِكَ یعنی بات یہی ہے۔ بِمَا كَفَرُوا میں مَا مصدری ہے اور بَا سببی یعنی کفر کرنے اور میرے احکام اور میرے پیغمبروں کا مذاق بنانے کے سبب ان کی سزا جہنم ہوگی۔ هُزُوًا وہ چیز یا شخص جس کا مذاق بنایا جائے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کی مہمانی کے لئے فردوس کے باغ ہوں گے۔

كَانَتْ لَهُمْ یعنی اللہ کے سابق حکم اور وعدہ میں جنات فردوس نیکوکار مومنوں کا مسکن ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم اللہ سے مانگا کرو تو فردوس ملنے کی دعا کیا کرو کیونکہ وہ جنت کے وسط میں ہے اور دوسری

Marfat.com

جنتوں سے اعلیٰ ہے، اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔ متفق علیہ۔

ترمذی اور حاکم نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت معاذ بن جبلؓ کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کے سو درجات ہیں ہر دو درجوں کے درمیان فاصلہ اتنا ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان، فردوس جنت کا سب سے اونچا درجہ ہے اسی سے جنت کی چاروں نہریں نکلتی ہیں اس سے اوپر عرش ہے جب اللہ سے تم (جنت ملنے کی) دعا کیا کرو تو فردوس کی دعا کیا کرو۔

بزار نے حضرت عرباض بن ساریہؓ کے حوالہ سے اور طبرانی نے حضرت ابو امامہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ سے تم دعا کرو تو (جنت) فردوس مانگا کرو وہ دوسری ساری جنتوں سے اونچی ہے۔ حضرت ابو امامہؓ کی روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ فردوس والے عرش کی چرچراہٹ سنتے ہیں (یعنی فردوس اور عرش کے درمیان کوئی دوسری جنت حائل نہیں ہے)

بغوی نے حضرت کعبؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جنتوں میں فردوس سے اونچی کوئی جنت نہیں ہے۔ بھلائی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اسی میں داخل ہوں گے۔ مقاتل نے کہا فردوس جنت کا ٹیلہ (یعنی سب سے بلند) سب سے اعلیٰ، سب سے افضل اور سب سے زیادہ پر نعمت ہے۔ امام احمد طیالسی اور بیہقی نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فردوس کی چار جنتیں ہیں دو سونے کی جن کی آرائش کی چیزیں اور مکان اور ہر چیز سونے کی ہے اور دو جنتیں چاندی کی ہیں۔

میں کہتا ہوں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر جنت کا نام فردوس ہے لیکن صحیح اول قول ہے (کہ فردوس ایک خاص جنت کا نام ہے) اور اس حدیث میں راوی سے کچھ سہو ہو گیا ہے (اس لئے ناقابل اعتبار ہے) یا فردوس سے اس کا لغوی معنی مراد ہے۔ کعب نے کہا فردوس لغت میں انگوروں کے باغ کو کہتے ہیں۔ عکرمہ نے کہا حبشی زبان میں فردوس گھنے باغ کو کہا جاتا ہے۔ زجاج نے کہا یہ لفظ رومی ہے منقول ہو کر عربی میں استعمال کیا جانے لگا ہے۔ ضحاک نے کہا فردوس اس گھنے باغ کو کہتے ہیں جس کے درخت باہم گتھے ہوئے ہوں۔ بعض علماء نے کہا ہر پسندیدہ خوبصورت باغ کو فردوس کہا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک فردوس ایسے باغ کو کہتے ہیں جس میں طرح طرح کا سبزہ اگا ہوا ہو فردوس کی جمع فرادیس آتی ہے۔

فردوس کے یہ تمام لغوی معانی ہیں جو حدیث مذکور میں مراد ہے۔ رہا علمی اور معین اسمی معنی تو وہی ہے جو اول الذکر حدیث اور آیت میں مراد ہے یعنی فردوس ایک ایسی جنت کا نام ہے جو سب سے اونچی اور افضل ہے۔

اگر آیت میں فردوس کا لغوی معنی مراد ہو تو نیکو کار اہل ایمان سے بھی عام اہل ایمان مراد ہوں گے اور اگر فردوس سے مراد کوئی مخصوص جنت ہو تو اہل ایمان سے مراد کامل حقیقی ایماندار ہوں گے۔ بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے اپنے ہاتھ سے فردوس کو پیدا کیا اور مشرک نیز دوامی عادی شراب خور کے لئے اس کو ممنوع کر دیا۔

ابن ابی الدنیا نے صفت الجنۃ میں حضرت عبداللہ بن حارث بن نوفلؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے تین چیزیں اپنے دست (خاص) سے بنائیں آدم کو اپنے ہاتھ سے بنایا، توریت کو اپنے ہاتھ سے لکھا اور فردوس کو اپنے ہاتھ سے لگایا اور فرمایا قسم ہے اپنی عزت و جلال کی اسکے اندر نہ کوئی دوامی خوگر شراب داخل ہو گا، نہ دیوث (بھاڑو) صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ دیوث کا کیا مطلب فرمایا وہ شخص جو اپنی بیوی کے اندر برے کام (یعنی زنا) کو ٹھہرائے (یعنی بیوی کی بھاڑ کھائے)

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝ وہ جنات الفردوس میں ہمیشہ رہیں گے اس سے ہٹنا نہ چاہیں گے۔ کیونکہ جنت سے زیادہ نفیس، اعلیٰ، عمدہ کوئی چیز ہی نہیں ہو گی کہ وہ جنت کو چھوڑ کر اس کی طرف راغب ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لَا يَبْغُوْنَ سے خٰلِدِيْنَ کی صرف تائید مقصود ہو۔

حاکم وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ قریش نے یہودیوں سے (مدینہ میں جا کر) کہا ہم کو کچھ ایسے

Marfat.com

سوال بتاؤ کہ ہم جا کر اس شخص سے یعنی رسول اللہ سے بطور امتحان دریافت کریں۔ یہودیوں نے کہا آپ لوگ اس شخص سے روح کے متعلق دریافت کریں۔ قریش نے آکر رسول اللہ سے روح کے متعلق سوال کیا اس پر آیت یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا نازل ہوئی یہودی کہنے لگے ہم کو تو علم کثیر حاصل ہے ہم کو توریت دی گئی ہے اور جس کو توریت دی گئی اس کو خیر کثیر مل گئی اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾

آپ کہہ دیجئے کہ سمندر (کا سارا پانی) اگر میرے رب کے (علم و حکمت کے) کلمات (لکھنے) کے لئے روشنائی ہو جائے (اور کلمات رب قلم سے لکھے جائیں) تو کلمات رب کے ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا (کیونکہ سمندر کا پانی متناہی ہے اس کی مقدار محدود ہے اور کلمات رب لامتناہی اور غیر محدود ہیں) خواہ ہم اس موجود سمندر کی طرح اتنی ہی اس میں زیادتی بھی کر دیں۔ کیونکہ متناہی کا مجموعہ متناہی ہوتا ہے، سمندر متناہی ہے اگر اتنا ہی بڑا ایک اور سمندر اس کے ساتھ ملا دیا جائے اور تمام پانی روشنائی بن جائے تو وہ مجموعہ بھی متناہی ہوگا۔ بلکہ عالم امکان میں جو چیز موجود ہے یا موجود ہونے والی ہے جب وہ موجود ہوگی تو متناہی ہوگی غیر متناہی مقدار کا وجود ہی محال ہے۔

مِدَادًا وہ چیز جس سے دوسری چیز کو مدد پہنچائی جائے جیسے دوات کے لئے روشنائی، چراغ کے لئے تیل، اصل لغت کے لحاظ سے مدد کا معنی ہے زیادتی اور کسی چیز کا تواتر۔

میں کہتا ہوں سات سمندر اور اتنے ہی اور اگر روشنائی بن جائیں اور قلم کے ذریعہ سے اس روشنائی سے اللہ کے کلمات لکھے جائیں تو ناممکن ہے کہ کلمات کے ایک حصہ کے بھی تمام گزشتہ احوال لکھے جاسکیں۔ (کیونکہ جانب ماضی میں ہر حصہ کے احوال انگنت اور نا محدود ہیں) متناہی غیر متناہی کا احاطہ کیسے کر سکتا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہودیوں نے کہا تھا آپ کا خیال ہے کہ ہم کو حکمت عطا کی گئی ہے اور آپ ہی کی کتاب میں یہ بھی ہے کہ جس کو حکمت دی گئی اسکو خیر کثیر عطا کر دی گئی۔ پھر اب یہ اختلاف کیسا ہے اس شبہ کو دور کرنے کے لئے اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب کے علم میں یقیناً خیر کثیر ہے درستی معاش و معاد کی اس کے اندر ہے، لیکن کلمات خداوندی کے سمندر تو اتھاہ اور ناپید اکنار ہیں ان کے مقابلہ میں تو یہ سارا علم ایک قطرہ ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہاری طرح انسان ہی ہوں (فرق یہ ہے کہ) میرے پاس وحی آتی کہ تمہارا معبود اکیلا معبود ہے (کوئی اس کا شریک نہیں) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے اپنے رسول کو تواضع کی تعلیم دی تاکہ آپ مغرور نہ ہو جائیں اور حکم دیا کہ اپنے آدمی ہونے کا اقرار کریں لیکن اقرار بشریت کے ساتھ یہ بھی ظاہر کر دیں کہ میرے اندر صاحب وحی ہونے کی خصوصیت بھی ہے میرے پاس وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود اکیلا معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

میں کہتا ہوں اس حکم سے ایک بہت بڑے فتنہ کا دروازہ بند ہو گیا جس میں نصاریٰ مبتلا ہو گئے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کے معجزات امت عیسیٰؑ نے دیکھے اندھوں کو بینا ہوتے، لاعلاج بیماروں کو تندرست ہوتے اور مردوں کو زندہ ہوتے دیکھا، اللہ نے یہ معجزات حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھ سے ظاہر فرمائے تو عیسائی چکر میں پھنس گئے (کسی نے عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا اور کسی نے جزء الوہیت قرار دیا) رسول اللہ ﷺ کو تو اللہ نے حضرت عیسیٰؑ کے معجزات سے زیادہ معجزات عطا فرمائے تھے لوگوں کا فتنہ میں پڑ جانا غالب تھا۔ اس لئے حکم دیا کہ اپنی عبودیت اور اللہ کی توحید کا اعلان کر دیں۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۲

پس جو شخص اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اس کو چاہئے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

Marfat.com

یَرْجُوْ یعنی جو شخص اللہ کے سامنے جانے سے ڈرتا ہو اور اس کے ثواب اور دیدار کا خواہشمند ہو۔ بغوی نے لکھا ہے رَجَاء کا معنی خوف بھی ہے اور امید بھی۔ ایک شاعر نے دونوں معنی کے لئے ایک شعر میں اس لفظ کا استعمال کیا ہے۔

فَلَا کُلُّ مَاتَرْجُوْ مِنَ الْخَیْرِ کَائِنٌ
وَلَا کُلُّ مَاتَرْجُوْ مِنَ الشَّرِّ وَاقِعٌ

یہ ضروری نہیں کہ جس خیر کے تم امیدوار ہو وہ ہو ہی جائے اور نہ یہ لازم ہے کہ جس شر سے تم ڈرتے ہو وہ شر واقع ہی ہو جائے، کبھی خیر کی جگہ شر واقع ہو جاتی ہے اور کبھی شر کی جگہ خیر مل جاتی ہے۔ عَمَلاً صَالِحًا یعنی اللہ کی پسند کا کام کرے۔ وَلَا یُشْرِکْ یعنی لوگوں کو دکھانے کیلئے نیک کام نہ کرے، نہ سوائے اللہ کے کسی عمل صالح کی تعریف اور جزا کا کسی سے امیدوار ہو۔

ابن ابی الدنیا نے کتاب الاخلاص میں اور ابن ابی حاتم نے طاؤس کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں موقف (حج) میں کھڑا ہوتا ہوں اللہ کی خوشنودی کا خواستگار ہوتا ہے لیکن یہ بھی پسند کرتا ہوں کہ میرا اس جگہ موجود ہونا دیکھ لیا جائے۔ (یعنی لوگ مجھے اس جگہ کھڑا دیکھ لیں) حضور ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا یہاں تک کہ آیت فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْ الخ نازل ہوئی۔ حدیث مرسل ہے، حاکم نے مستدرک میں اس کو موصولاً حضرت ابن عباسؓ کی روایت قرار دیا ہے اور شرط شیخین کے مطابق کہا ہے۔

ابن ابی حاتم نے مجاہد کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک مسلمان جہاد کرتا تھا، لیکن اس بات کو پسند کرتا تھا کہ جہاد کے اندر اس کی موجودگی کو لوگ دیکھ لیں اس پر آیت فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْ الخ نازل ہوئی۔

ابن عساکر نے تاریخ میں اور ابو نعیم نے سدی صغیر کے سلسلہ سے بروایت کلبی از ابو صالح بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، جندب بن زہیر جب نماز پڑھتے یا روزہ رکھتے یا صدقہ وخیرات کرتے اور لوگوں میں آپ کی نیکی کا تذکرہ ہوتا تو آپ خوش ہوتے تھے اور خوش ہو کر عمل خیر میں اور زیادتی کرتے تھے اس پر آیت فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْ الخ نازل ہوئی۔

ایک شبہ

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنے گھر کے اندر جانماز پر تھا، اچانک ایک آدمی آ گیا اور مجھے اس کے آنے سے اس بات پر خوشی ہوئی کہ اس نے مجھے اس حالت میں یعنی جانماز پر دیکھا، حضور ﷺ نے فرمایا ابوہریرہؓ تیرے اوپر اللہ رحمت کرے تمہارے لئے دو ثواب ہیں ایک ثواب چھپ کر عبادت کرنے کا اور دوسرا ثواب ظاہر ہو جانے کا، ترمذی۔

مسلم نے حضرت ابوذرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ خدمت گرامی میں عرض کیا گیا، فرمایئے اگر کوئی شخص نیک کام کرتا ہے اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں تو کیا اس کا عمل رائے گاں ہو جائے گا، فرمایا مومن کے لئے یہ فوری دنیوی بشارت ہے۔ یہ دونوں حدیثیں ان احادیث کے خلاف ہیں جو آیت مذکورہ کے سبب نزول کے سلسلہ میں بیان کی گئی ہیں۔

ازالہ

دونوں میں کوئی تضاد نہیں، آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی عمل اللہ کے لئے کرتا ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی چاہتا ہے کہ لوگ اس کو نیکی کرتے دیکھیں یا لوگوں کے سامنے زیادہ نیکی کرتا ہے تاکہ لوگ اس کی تعریف کریں تو ریاکاری اور شرک خفی ہے، باقی جو شخص کوئی نیک کام اللہ کے واسطے کرتا ہے اور لوگ اس کو دیکھ پاتے ہیں اور تعریف کرنے لگتے ہیں اور وہ اس سے خوشی محسوس کرتا ہے تو چونکہ وہ نیکی لوگوں کو دکھانے اور تعریف کرانے کے لئے نہیں کرتا، نہ لوگوں سے

Marfat.com

کوئی معاوضہ چاہتا ہے نہ لوگوں کے دکھانے کے لئے عمل خیر میں اضافہ کرتا ہے، اس لئے یہ ریاکاری نہیں بلکہ یہ اس کے لئے فوری خوشی ہے اور اس کے لئے دوہرا اجر ہے ایک چھپا کر عبادت کرنے کا دوسرا اظاہر ہو جانے کا۔ واللہ اعلم۔

حضرت جندبؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں کو سنانے کے لئے نیکی کرتا ہے اللہ بھی اس کے ساتھ سنانے کا برتاؤ کرتا اور جو شخص لوگوں کو دکھانے کے لئے نیکی کرتا ہے اللہ بھی اس کے ساتھ دکھاوٹ کا برتاؤ کرتا ہے۔ متفق علیہ۔

حضرت محمود بن لبید راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم پر جس چیز کا سب سے زیادہ مجھے خوف ہے وہ شرک اصغر ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ شرک اصغر کیا ہے، فرمایا، ریاکاری۔ رواہ احمد۔ بیہقی نے شعب الایمان میں اتنا زیادہ نقل کیا ہے کہ جس وقت اللہ اپنے بندوں کو ان کے اعمال کے موافق بدلہ دے گا ان سے فرمادے گا انہیں کے پاس جاؤ جن کو دکھانے کے لئے تم نیکی کرتے تھے جا کر دیکھو کیا ان کے پاس تم کو نیکی کی جزا یا کوئی خیر ملتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا، شرک اصغر سے بچو لوگوں نے کہا شرک اصغر کیا ہے، حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا، ریاکاری، اخرجہ ابن مردویہ فی التفسیر والاصبہانی فی الترغیب والترہیب۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ فرماتا ہے، میں شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں جو شخص کسی نیک عمل میں میرے ساتھ کسی کو ساجھے دار بناتا ہے یعنی نیک عمل سے کسی اور کی بھی خوشنودی چاہتا ہے میں اس کو اس کے شرک کے ساتھ چھوڑ دیتا ہوں، دوسری روایت میں ہے، میں اس سے بیزار ہوں اس کا عمل اسی کے لئے ہوگا جس کے لئے اس نے کیا ہوگا۔ رواہ مسلم۔ حضرت ابوسعید بن ابی فضالہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے ناقابل شک دن میں جب لوگوں کو اللہ جمع کرے گا تو اللہ کی طرف سے ایک منادی ندا دے گا جس نے اپنے کئے ہوئے نیک عمل میں کسی کو اللہ کا ساجھی بنایا ہو وہ اپنا ثواب اسی کے پاس جا کر طلب کرے، اللہ شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہے، رواہ احمد والترمذی وابن ماجتہ وابن حبان والبیہقی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا، میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا، جو شخص اپنا نیک عمل لوگوں کو سنانے کے لئے کرے گا اللہ بھی اس کے ساتھ سنانے کا برتاؤ کرے گا، اس کو خفیف کرے گا، حقیر کرے گا اور اس کی توہین کرے گا۔ رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان۔

حضرت شداد بن اوسؓ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جس نے دکھاوٹ کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوٹ کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوٹ کے لئے خیرات کی اس نے شرک کیا۔

امام احمد نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سربمہر اعمال نامے لا کر بارگاہ الٰہی میں حاضر کئے جائیں گے، اللہ فرمائے گا ان کو پھینک دو اور ان کو قبول کر لو (یعنی بعض اعمال ناموں کو پھینک دینے اور بعض کو قبول کرنے کا حکم دے گا) فرشتے عرض کریں گے تیری عزت کی قسم ہم نے تو وہی لکھا ہے جو اس نے کیا تھا (یعنی اندراج غلط نہیں ہے) اللہ فرمائے گا (یہ ساقط کردہ) اعمال میرے سوا دوسروں کے لئے کئے گئے تھے اور میں آج وہی اعمال قبول کروں گا جو محض میرے لئے کئے گئے ہوں۔

طبرانی نے الاوسط میں اور اصبہانی نے الترغیب میں اور بزار نیز دار قطنی نے شہر بن عطیہ کی روایت سے بیان کیا کہ قیامت کے دن بعض لوگوں کو حساب کے لئے پیش کیا جائے گا اور ان کے اعمال ناموں میں پہاڑوں جیسی نیکیاں درج ہوں گی، رب العزت فرمائے گا تو نے فلاں دن نماز پڑھی تھی اور اس لئے پڑھی تھی کہ تجھے لوگوں میں نمازی کہا جائے، میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، اطاعت خالص میرے ہی لئے ہونی چاہئے، تو نے فلاں دن روزہ رکھا تھا تاکہ لوگ کہیں فلاں شخص نے روزہ رکھا، میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں اطاعت خالص میرے ہی لئے ہونی چاہئے۔ اس طرح ایک کے بعد ایک اس

Marfat.com

کے اعمال مٹا دیئے جائیں گے اور فرشتے اس سے کہیں گے تو اللہ کے سوا دوسروں کے لئے یہ نیک کام کرتا تھا۔ حضرت شداد بن اوسؓ کا بیان ہے کہ اللہ ایک میدان میں اگلوں پچھلوں کو سب کو تاحد نظر جمع کرے گا اور ایک پکارنے والا پکارے گا جس کی آواز سب سنیں گے، میں جھوٹے مفروضہ شرکاء سے بہتر ہوں، دار دنیا میں جو نیک کام ایسا کیا گیا جس میں کسی شریک کو بھی ملا دیا گیا تو میں اس کام کو اس شریک کے لے چھوڑ دوں گا اور آج صرف اسی عمل کو قبول کروں گا جو خالص میرے لئے کیا گیا ہوگا۔ رواہ الاصبہانی۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے جس نے دوسروں کو دکھانے کے لئے کچھ نیک کام کیا تو اللہ قیامت کے دن اس کام کو اسی کے (جس کے لئے وہ کام کیا گیا ہوگا) سپرد کر دے گا اور فرمائے گا دیکھ یہ جھوٹا شریک تجھے کچھ بھی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

اہل تصوف کے نزدیک آیت مذکورہ کی تشریح

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ جو اللہ کا بے کیف قرب اور نزول خداوندی کا خواستگار ہے اور اس بے کیف وصل کا امیدوار ہے کہ مرتبۂ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى پر پہنچ جائے فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا تو نیک کام کرے یعنی پہلے نفس اور نفس کے عیوب کو فنا کر دے اس کی بعد نیک کام کرے، عیوب نفس نیک عمل کو تباہ کر دیتے ہیں، عمل میں صلاح فناء نفس کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے، وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا اور کسی کو اپنے رب کی عبادت میں شریک نہ کرے یعنی اللہ کے سوا اس کے دل کا تعلق کسی سے نہ رہے، نہ علمی تعلق، نہ محبت کا تعلق (نہ عقلی تعلق، نہ جذباتی تعلق) علمی تعلق کا نام ذکر ہے اور ذکر عبادت ہے۔ اور محبت مقتضی عبادت ہے، محبوب معبود ہوتا ہے، عبادت کا معنی ہے انتہائی فروتنی اور اپنے کو حقیر سمجھنا اور محبوب کے سامنے انتہائی فروتنی کرنا ہے (گویا اس کی پوجا کرنا ہے) پس عبادت میں شرک نہ کرنے کا مطلب ہوا، دل کا کسی قسم کا تعلق غیر اللہ سے نہ رکھنا۔

ایک شبہ

اللہ کے سوا دوسروں سے دل کا علمی تعلق تو اولیاء وانبیاء کا بھی ہوتا ہے۔

ازالہ

فناء قلب کے بعد جو علم حاصل ہوتا ہے اس کا محل قلب نہیں ہوتا اس وقت تو قلب پر تجلیات رحمٰن کا نزول ہوتا ہے لیکن مادۂ تکلیف چونکہ باقی رہتا ہے (بندہ اس وقت بھی مکلف ہی ہوتا ہے) اس لئے دوسری چیز سے اس کا تعلق باقی رہتا ہے (حقیقی آویختگی تو کسی چیز سے باقی نہیں رہتی)۔

فصل

حضرت ابودرداءؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سورۂ کہف کے شروع کی دس آیات جو یاد رکھے گا اللہ اس کو فتنۂ دجال سے محفوظ رکھے گا۔ رواہ احمد وابوداؤد و مسلم والنسائی۔ ترمذی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے، سورۂ کہف کے شروع کی تین آیات جو شخص پڑھے گا (یعنی پڑھتا رہے گا) فتنۂ دجال سے محفوظ رہے گا۔ ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔ احمد، مسلم اور نسائی کی دوسری روایت اس طرح ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، جو شخص سورۂ کہف کے آخر کی دس آیات پڑھے گا دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔

سہل بن معاذؓ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص سورۂ کہف کے شروع (کی آیات) اور آخر (کی آیات) کو پڑھے گا، قدم سے لے کر سر تک اس کے لئے نور ہی نور ہوگا (یعنی وہ سراسر نور ہوگا) اور جو پوری سورت پڑھے گا اس کے لئے زمین سے آسمان تک نور ہوگا، رواہ البغوی۔ ابن السنی نے عمل الیوم واللیلۃ میں اور امام احمد نے مسند میں بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص خواب گاہ میں (سوتے وقت) سورۂ کہف پڑھے گا اس کے لئے سونے کی

Marfat.com

پوری حالت میں ایک نور ہوگا جو خواب گاہ سے مکہ تک جگمگائے گا، اس نور کے اندر فرشتے بھرے ہوں گے جو اٹھنے کے وقت تک اس کے لئے دعائے رحمت کرتے رہیں گے، اگر اس کی خواب گاہ مکہ میں ہوگی تو خواب گاہ سے بیت المعمور تک اس کے لئے نور جگمگائے گا جس کے اندر فرشتے بھرے ہوں گے جو بیدار ہونے تک اس کے لئے دعائے رحمت کرتے رہیں گے۔ اخرجہ ابن مردویہ۔ حضرت عمر بن خطابؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے رات کو فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ سے آخر تک پڑھا اس کے لئے عدن سے مکہ تک نور ہوگا جس کے اندر فرشتے بھرے ہوں گے۔ (ازالۃ الخفاء)

حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جمعہ کے روز سورۂ کہف پڑھی اس کے لئے اس جمعہ سے اگلے جمعہ تک ایک نور چمکتا رہے گا۔ رواہ الحاکم وصححہ والبیہقی فی الدعوات الکبیر۔ بیہقی نے شعب الایمان میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے جس نے جمعہ کے روز سورۂ کہف پڑھی تو اس کے پاس سے کعبہ تک اس کے لئے نور چمکتا رہے گا۔

حضرت براء بن عازبؓ راوی ہیں کہ ایک شخص سورۂ کہف پڑھ رہا تھا اس پر ایک نورانی بادل چھایا ہوا تھا، جو چکر کھا رہا تھا اور اس شخص کے قریب آرہا تھا۔ ایک گھوڑا قریب ہی رسیوں سے بندھا ہوا تھا، وہ یہ منظر دیکھ کر بدکنے لگا (جب وہ شخص پڑھنے سے رکتا تھا گھوڑا بھی بدکنا موقوف کر دیتا تھا، پھر وہ شخص پڑھتا تھا تو گھوڑا بھی بدکتا تھا۔ صبح کو خدمت گرامی میں حاضر ہو کر اس شخص نے یہ سرگزشت بیان کی فرمایا، وہ (نور) سکینہ تھا جو قرآن کی وجہ سے نازل ہوا تھا۔ متفق علیہ۔

اللہ کی مدد سے سورۂ کہف کی تفسیر بروز چہار شنبہ ۱۵ ذی الحجہ ۱۲۰۲ھ کو ختم ہوئی۔

بِحَمْدِ اللّٰهِ وَعَوْنِهٖ

تفسیر سورۂ کہف کا ترجمہ مع تشریحی اضافات ۶ رجب ۱۳۸۸ھ کو ختم ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

سورۂ مریم

سورۂ مریم مکی ہے اس میں (۹۸) آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

کٓہٰیٰعٓصٓ ۚ ۞ ① ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۚ ۞ ② اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ③

یہ تذکرہ ہے آپ کے رب کے مہربانی فرمانے کا اپنے بندے زکریا پر۔ جب کہ انہوں نے اپنے رب کو پوشیدہ طور پر پکارا۔

اگر کٓہٰیٰعٓصٓ سے مراد قرآن یا سورت ہو تو ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ خبر ہوگی اور کٓہٰیٰعٓصٓ مبتدا۔ یا مبتداء محذوف ہے یعنی ہٰذَا ذِكْرُ رَحْمَةِ۔ یا ذِكْر مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے یعنی ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ يتلٰى عَلَيْكَ عَبْدَهٗ۔ رَحْمَت یا ذِكْر کا مفعول ہے اور زَكَرِيَّا عَبْدَهٗ سے بدل ہے۔

نِدَآءً خَفِيًّا یعنی زکریا نے اپنے عبادت خانہ میں پوشیدہ طور پر رات کو اپنے رب کو پکارا۔ پوشیدہ دعا میں اخلاص زیادہ ہوتا ہے، پوشیدہ دعا کرنا سنت ہے، دعا کا طریقہ ہی یہ ہے کہ پوشیدہ طور پر کرے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا (اور) عرض کیا اے میرے رب میری ہڈیاں پیری کی وجہ سے کمزور ہو گئیں اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل گئی۔

وَهَنَ الْعَظْمُ ہڈی کمزور ہو گئی یعنی میں ضعیف ہو گیا، ہڈیاں سارے بدن کے ستون ہیں، ڈھانچہ ہیں۔ ہڈیاں کمزور ہو گئیں تو سارے اعضاء کمزور ہو گئے ہڈیاں باقی اجزاء بدن سے سخت ہیں، جب ہڈیاں کمزور ہو گئیں تو دوسرے اجزاء کا زیادہ کمزور ہو جانا ضروری ہے۔ اَلْعَظْمُ اسم جنس ہے کثیر پر بھی جنس کا اطلاق ہوتا ہے یعنی فی نفسہٖ ہڈی کمزور ہو گئی کسی جگہ کی ہو۔

وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا یعنی سارا سر سفید ہو گیا۔ سفیدی بالوں میں ایسی پھیل گئی کہ گویا آگ بھڑک اٹھی۔ حضرت زکریا کی اس وقت عمر کیا تھی، اس سلسلہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں عبداللہ بن مبارک نے ساٹھ برس کہا ہے (ابن ابی حاتم) ثوری کے نزدیک ستر برس تھی (عبدالرزاق و ابن ابی حاتم نے ایک سو دس سال بتائی ہے۔ بیوی کی عمر اٹھانوے سال تھی)۔

وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ④ اور اے میرے رب میں تجھے پکار کر کبھی نامراد نہیں رہا، یعنی گزشتہ زندگی میں جب اور جو دعا میں نے تجھ سے کی تو نے قبول فرمائی، میری دعا کو قبول کرنا تیرا معمول رہا ہے اس لئے اب بھی مجھے تجھ سے دعا قبول ہونے کی امید ہے کیونکہ قبول دعا کا تو نے مجھے عادی بنا دیا ہے اور کریم اپنے امیدوار کو نامراد نہیں چھوڑتا۔ اس مطلب پر دُعَاء کی کَ کی طرف اضافت۔ اضافت الی المفعول ہوگی، یعنی کَ دُعَاء کا مفعول ہوگا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ضمیر کَ فاعل دعا ہو اور دعا کی اضافت اضافت الی الفاعل ہوگی۔ اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ جب تو نے مجھے (ایمان کی طرف) دعوت دی میں نے تیری دعوت قبول کی، ایمان کو ترک کر کے بدبخت اور نامراد نہ ہوا، اب میرے ایمان کی برکت سے میری دعا قبول فرما۔

وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ⑤ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ⑥

Marfat.com

Marfat.com

آیت زیر تفسیر کی رفتار بھی چاہتی ہے کہ یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ، میں میراث سے مراد مالی میراث نہیں ہے کیونکہ تمام نسل یعقوبؑ کا میراث کاوارث ہونا تو ممکن ہی نہیں تھا، پھر حضرت زکریاؑ نبی برحق تھے آپ کی شان سے بعید تھا کہ اپنے چچا کے بیٹوں کے پاس اپنے مال کے پہنچنے کا ان کو ایسا اندیشہ ہو کہ وہ اس اندیشہ سے بیٹا ہونے کی دعا کریں تاکہ چچا کے بیٹوں کو میراث میں ان کا مال نہ پہنچ جائے۔

وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا۔ رَضِيًّا بمعنی مَرْضِيًّا یعنی تو اس کو اپنا پسندیدہ بنانا، اس کے قول و عمل کو پسند فرمانا، یا رَاضِيًا کے معنی میں ہے یعنی تو اس کو ایسا کر دینا کہ وہ دکھ سکھ ہر حال میں راضی رہے (تیرا شکوہ نہ کرنے لگے)۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اِسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝

(اللہ نے فرمایا) اے زکریا ہم تجھے ایک لڑکا (ہونے) کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام (ہماری طرف سے) یحییٰ ہے ہم نے اس سے پہلے کوئی اس کا (ہم نام یا نظیر اور مثل) نہیں بنایا، یعنی تیری دعا کے موافق تیرا وارث ایک لڑکا ہوگا جس کا نام (بطور عزت افزائی) ہم نے یحییٰ رکھا ہے۔ قتادہ اور کلبی نے سَمِيًّا کا ترجمہ ہم نام کیا ہے اور صراحت کی ہے کہ حضرت یحییٰؑ سے پہلے کسی کا نام یحییٰ نہیں رکھا گیا، آیت میں اس امر پر دلالت ہے کہ نادر نام رکھنے میں مسمی کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ سعید بن جبیرؒ اور عطاءؒ نے سَمِيًّا کا ترجمہ شبیہ اور مثل کیا ہے، جس طرح آیت هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا میں سَمِيًّا کا معنی ہے مثل اور مشابہ۔ اس صورت میں بر قول بغوی یہ معنی ہوگا کہ یحییٰ سے پہلے کوئی شخص ایسا نہیں ہوا کہ اس نے گناہ بھی نہ کیا ہو اور گناہ کی طرف اس کا میلان بھی نہ ہوا ہو۔ میں کہتا ہوں شاید اس سے یہ مراد ہے کہ بیشتر فضائل اس کے اندر موجود ہوں گے جن میں بعض جزئی فضائل دوسرے پیغمبروں کے مقابلہ میں امتیازی ہوں گے جیسے حصور ہونا۔ یہ مراد نہیں ہے کہ یحییٰ بحیثیت مجموعی تمام گزشتہ انبیاءؑ سے افضل ہوں گے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ، حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ، حضرت یحییٰؑ سے پہلے گزر چکے تھے اور حضرت یحییٰؑ سے افضل تھے۔

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباسؓ کا تفسیری قول یہ نقل کیا ہے کہ حضرت یحییٰؑ سے پہلے کسی بانجھ کے ایسا لڑکا پیدا نہیں ہوا، جو حضرت یحییٰؑ کی مثل ہوتا۔ (یہ قول بھی محل تامل ہے۔ حضرت اسحاقؑ کی والدہ بھی بانجھ تھیں اور کسی آیت یا حدیث سے حضرت اسحاقؑ سے حضرت یحییٰؑ کی برتری ثابت نہیں)۔

بیضاوی نے لکھا ہے یحییٰ عجمی نام ہے اور اگر عربی ہو تو فعل سے منقول ہوگا جیسے یعیش اور یعمر۔ بعض نے کہا، آپ کی وجہ سے والدہ کی رحم میں زندگی پیدا ہوگئی تھی یا آپ کی دعوت سے دین الٰہی زندہ ہوگا تھا۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝

زکریا نے کہا اے میرے رب میرے لڑکا کہاں سے ہوگا میری تو بیوی بھی بانجھ ہے اور (ادھر) میں بڑھاپے کے انتہائی درجہ کو پہنچ چکا ہوں۔ اَنّٰى یعنی کیسے ہوگا، یہ سوال انکاری نہیں، طلب کیفیت کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ بچہ کیسے ہوگا ہم دونوں کو جوان کر دیا جائے گا یا دونوں بوڑھے ہی رہیں گے اور بچہ ہو جائے گا۔

حضرت زکریا کو بنظر اسباب تعجب ہوا قدرت خدا میں ان کو کوئی کلام نہ تھا۔ عِتِيًّا میں عُتُوٌّ تھا، عُتُوٌّ کا معنی ہے سرکشی اطاعت سے انکار، یہاں مراد ہے کمال پیری، زیادہ بوڑھا آدمی بے قابو ہو جاتا ہے اس کے اعضاء حسب منشاء کام دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ قتادہ نے کہا ہڈیوں کی لاغری مراد ہے۔ عَاتِي وہ بوڑھا آدمی جس کی ہڈیاں خشکی کی طرف مائل ہوگئی ہوں، سوکھنے لگی ہوں۔ عَتَا الشَّيْخُ اس بوڑھے کی عمر انتہا کو پہنچ گئی۔

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ (اللہ نے یا بشارت دینے والے فرشتے نے کہا) بات یونہی ہے (جیسی تم نے کہی بنظر اسباب بچہ کی پیدائش عجیب بھی ہے اور بعید بھی)۔

قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ (اور) تیرے رب نے کہا میرے لئے یہ بات آسان ہے۔ مجھے اپنی منشاء کے

Marfat.com

موافق کرنے میں ظاہری اسباب کی ضرورت نہیں۔ قَالَ کَذٰلِکَ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ زکریاؑ نے کہا واقعہ یہی ہے جو میں نے عرض کر دیا۔

وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۝۹ اور اس سے پہلے ہم نے تجھے بھی تو پیدا کیا تھا جبکہ تو کچھ بھی نہ تھا، بالکل معدوم تھا اور معدوم کا معنی ہی کچھ نہ ہونا، آیت بتارہی ہے کہ معدوم شئی نہیں (یعنی شَیْئٌ کا اطلاق صرف موجود پر ہوتا ہے معدوم کو شَیْئی نہیں کہا جاتا۔ مترجم)

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ زکریاؑ نے کہا، اے میرے رب میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دے، جس سے میری بیوی کا حاملہ ہونا معلوم ہو جائے۔

قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ اللہ نے (یا فرشتہ نے) کہا تیرے لئے (حمل کی) نشانی یہ ہے کہ تو تین راتیں (اور تین دن) لوگوں سے کلام نہ کر سکے گا۔ سورۂ آل عمران میں بھی یہ قصہ آیا ہے وہاں بیان کر دیا گیا کہ حضرت زکریا تین دن تین رات کسی آدمی سے بات نہ کر سکے لیکن اللہ کا ذکر کرتے تھے تو زبان رواں ہو جاتی تھی اس لئے مسلسل تین روز ذکر و شکر میں مشغول رہے۔

سَوِيًّا ۝۱۰ ایسی حالت میں کہ صحیح سالم ہو گا یعنی کوئی بیماری لاحق نہ ہو گی، نہ گونگاپن ہو گا (نہ زبان کا فالج لقوہ۔ مترجم) مجاہد نے کہا، کلام سے روکنے والا کوئی مرض نہ ہو گا۔ بعض علماء نے سَوِیًّا کا ترجمہ کیا ہے مسلسل متواتر۔ اول ترجمہ زیادہ صحیح ہے۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝۱۱

اس کے بعد زکریا مسجد سے نکل کر قوم کے پاس آئے اور اشاروں سے ان سے کہا کہ صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرو۔

اَلْمِحْرَاب (اسم ظرف لڑائی کی جگہ) مراد مسجد کیونکہ مسجد شیطان سے لڑنے کی جگہ ہے۔ صاحب قاموس نے محراب کے متعدد معانی لکھے ہیں، بالاخانہ، گھر کے اندر صدر مقام، مسجد میں امام کے کھڑا ہونے کی جگہ، وہ مقام جہاں بادشاہ تنہائی میں سب سے الگ لوگوں سے دور رہتا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے لوگ مسجد کے باہر منتظر تھے کہ زکریاؑ اندر سے دروازہ کھول دیں تو وہ اندر جا کر نماز پڑھیں، اچانک زکریاؑ دروازہ کھول کر باہر آ گئے، چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا لوگوں نے کیفیت دریافت کی تو آپ نے اشارہ سے ان کو تسبیح و تنزیہ کا حکم دیا، مجاہد نے اَوْحٰی کی تشریح میں کہا کہ زمین پر لکھ دیا۔ سَبِّحُوْا یعنی نماز پڑھو اور اللہ کی پاکی بیان کرو۔

يٰيَحْيٰى اے یحییٰ، پورا کلام اس طرح تھا، زکریا کی بیوی حاملہ ہو گئی، پھر یحییٰ پیدا ہو گئے اور جب مخاطب بنانے کے قابل ہو گئے تو ہم نے کہا اے یحییٰ۔ محلی نے لکھا ہے جب یحییٰ کی عمر دو سال کی ہو گئی تو ان سے خطاب کیا گیا۔

خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ کتاب کو قوت کے ساتھ پکڑ لے۔ کتاب سے مراد ہے توریت۔ قوت سے مراد کوشش اور توفیق الٰہی سے استعانت۔

وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝۱۲ۙ اور ہم نے بچپن میں ہی اس کو حکم یعنی حکمت اور کتاب کی سمجھ عطا کر دی تھی، تین سال کی عمر میں حضرت یحییٰ نے توریت پڑھ لی اور سمجھ لی تھی، آیت کے اسی جملہ کے پیش نظر کہا گیا ہے کہ جس نے قرآن پڑھ لیا وہ اس آیت کے حکم کا مصداق ہو گیا۔ روایت میں آیا ہے کہ بچے حضرت یحییٰ کو کھیلنے کیلئے بلاتے تھے تو آپ جواب دیتے تھے، ہم کو اس کے لئے نہیں پیدا کیا گیا۔

بعض علماء کا قول ہے کہ حکم سے مراد نبوت ہے، بچپن میں ہی اللہ نے یحییٰ کو نبی بنا دیا تھا۔

وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ اور (ہم نے دی یحییٰ کو) اپنے پاس سے رحمت اور گناہوں سے طہارت۔ رحمت دینے کا مطلب دو طرح سے ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

(۱) یحییٰ پر اللہ نے رحم کیا ان پر رحمت نازل کی۔
(۲) ان کے دل میں ماں باپ پر رحم کرنے کا جذبہ پیدا کر دیا۔ بعض علماء نے حَنَانًا کا ترجمہ ہیبت و وقار یا رزق یا برکت کیا ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے حَنَانٌ بروزن سَحَابٌ، رحمت، رزق، ہیبت، وقار اور دل کی نرمی۔ حَنَان بمعنی رَحِیْم صفت کا صیغہ لفظ حَنَان سے ہی بنایا گیا ہے۔ اور اللہ کا وصفی نام ہے۔
زَکٰوۃً، یعنی گناہوں سے پاک دامن رہنا، بعض کے نزدیک طاعت و اخلاص، قتادہ و ضحاک کے نزدیک عمل صالح مراد ہے، کلبی نے کہا زَکٰوۃً سے مراد ہے محض عطیہ الٰہی جو حضرت یحییٰ کے والدین کو بصورت یحییٰ عطا ہوا تھا۔
وَكَانَ تَقِيًّا ﴿۱۳﴾ اور وہ تھا پرہیزگار، یعنی اطاعت شعار، مخلص، طاعت گزار جس نے نہ کبھی گناہ کیا، نہ گناہ کا ارادہ۔
وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ اور پاک تھا والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا اور مہربان تھا۔
وَلَمْ يَكُن جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾ اور متکبر، رب کا نافرمان نہ تھا، بعض علماء کا قول ہے کہ جبار وہ شخص ہے جو شدت غضب میں مار تا اور قتل کرتا ہو۔
ع ۵ ۱
وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾
سَلٰمٌ عَلَیْہِ ہر دکھ اور اذیت سے اللہ کی طرف سے اس کے لئے سلامتی ہے، یہ جملہ معترضہ ہے۔ یَوْمَ وُلِدَ یعنی پیدائش کے وقت یحییٰ کو شیطان کی دسترس سے محفوظ رکھا گیا، شیطان پیدائش کے وقت جو اثر بچے پر ڈالتا ہے، کچوکا دیتا ہے، یحییٰ کو اس سے بچالیا گیا۔ یَوْمَ یَمُوْتُ اور مرنے کے دن یعنی عذاب قبر سے بھی اسے محفوظ رکھا گیا۔ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا اور قیامت کے دن دوزخ کے عذاب سے اس کو محفوظ کر دیا گیا۔
سفیان بن عیینہؒ نے کہا انسان کے یہ ہی تین عجیب احوال ہوتے ہیں۔ (۱) ماں کے پیٹ کو چھوڑ کر باہر اس دنیا میں آتا ہے۔ (۲) دنیا سے نکل کر دوسرے عالم میں پہنچتا ہے جہاں اس کو وہ اشخاص ملتے ہیں جو اس دنیا میں اس کو کبھی نظر نہیں آئے۔ (۳) زندہ ہو کر میدان حشر میں پہنچے گا اور ایسا میدان اور اجتماع اس نے کبھی نہ دیکھا ہو گا (نہ دنیا میں نہ عالم برزخ میں) ان تینوں حالات و مقامات میں محفوظ رہنے کی خصوصیت اللہ نے یحییٰ کو عطا فرمائی۔
یَوْمَ وُلِدَ اور یَوْمَ یَمُوْتُ اور یَوْمَ یُبْعَثُ کا تعلق ظرف مستقر محذوف سے ہے جس سے لفظ عَلَیْہِ متعلق ہے۔

ایک شبہ

اہل کوفہ کہتے ہیں کہ ظرفِ مستقر کا تعلق صفت کے صیغہ سے ہوتا ہے اور صفت کا صیغہ محذوف ہوتا ہے، یعنی مُسْتَقِرٌّ عَلَیْہِ یا حَاصِلٌ عَلَیْہِ۔
اہل بصرہ کہتے ہیں کہ ظرف مستقر کا تعلق فعل محذوف سے ہوتا ہے یعنی اِسْتَقَرَّ عَلَیْہِ یا حَصَلَ عَلَیْہِ۔ ماضی کے صیغہ سے اگر یَوْمَ کا تعلق مانا جائے تو بے شک یَوْمَ وُلِدَ کا مطلب ٹھیک ہو جائے گا، یحییٰ پر سلامتی نے قرار پکڑا جس روز وہ پیدا ہوئے۔ لیکن یَمُوْتُ اور یُبْعَثُ تو مضارع کے صیغے ہیں جن کا زمانہ ابھی نہیں آیا پھر یہ کہنا کس طرح صحیح ہو گا کہ یحییٰ پر سلامتی نے قرار پکڑا۔ جس روز وہ مریں گے اور جس روز وہ اٹھائے جائیں گے، اور کوفیوں کے مسلک پر صفت کا صیغہ محذوف ہو گا جو حال کے معنی میں ہو گا اس صورت میں مستقر علیہ یَوْمَ یَمُوْتُ اور یَوْمَ یُبْعَثُ کہنا تو صحیح ہو جائے گا لیکن یَوْمَ وُلِدَ کہنا صحیح نہ ہو گا وُلِدَ ماضی کا صیغہ ہے اور مستقر بمعنی حال ہے۔

جواب

محققینِ نحو کہتے ہیں کہ ظرف پر عامل معنوی عمل کرتا ہے یعنی صرف مصدری معنی عامل ہوتا ہے کسی زمانہ کا لحاظ نہیں

Marfat.com

کیا جاتا، اسی لئے ھٰذَا زَیْدٌ قَائِمًا میں حال یعنی قائمًا کا عامل معنوی مانا جاتا ہے، کسی خاص زمانہ پر دلالت بالکل نہیں ہوتی۔ اِسْتَقَرَّ (بر قول اہل بصرہ) اور مُسْتَقِرٌّ (بر قول اہل کوفہ) کو عامل مجاز اقرار دیا جاتا ہے (کیونکہ عامل معنوی کے لئے کوئی لفظ نہیں بنایا گیا) اور بالفرض اگر حقیقت میں حَصَلَ فعل یا حَاصِلٌ (صیغہ صفت) کے متعلق ہم مان بھی لیں، تب بھی عَلَیْہِ کی ظرفیت زمانیت سے خالی ہو جائے گی، کیونکہ یہ ظرف فعل حَصَلَ یا صیغہء صفت حَاصِلٌ کے قائم مقام ہو گیا ہے اور ہر فعل کی بو اس کے اندر آگئی ہے لیکن کسی زمانہ کے ساتھ خصوصی اقتران نہیں ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اور اس کتاب میں مریم کا بھی ذکر کرو۔ اَلْکِتَابُ سے مراد قرآن ہے اور مریم سے مراد قصہء مریم۔

اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۚ

جب کہ وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر ایک ایسے مکان میں جو مشرقی جانب میں تھا (غسل کرنے کے لئے) گئیں پھر ان گھر والوں سے اوٹ کرنے کے لئے انہوں نے پردہ ڈال لیا۔

اِنْتَبَذَتْ الگ ہو گئی، دور ہو گئی، نَبْذٌ پھینک دینا، پھینک دینے سے کسی چیز کا دور ہو جانا لازم ہے۔ پس اِنْتَبَذَتْ کا مرادی ترجمہ ہو گیا دور ہو گئی۔

مَكَانًا شَرْقِيًّا مکان کے مشرقی حصہ میں ایک جگہ، چونکہ سردی کا زمانہ اور سرد دن تھا اس لئے حضرت مریمؑ مکان کے شرقی جانب سر میں کنگھا کرنے کے لئے بیٹھیں۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے حیض سے طہارت کا غسل کرنے سب سے الگ کسی جانب چلی گئی تھیں، بعض کا خیال ہے عبادت کے لئے یکسو ہو کر تنہائی میں چلی گئی تھیں۔ حسن نے کہا اسی وجہ سے عیسائی مشرق کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے ہیں۔

حِجَابًا حضرت ابن عباسؓ نے حجاب کا ترجمہ کیا پردہ، بعض نے کہا دیوار کی آڑ میں بیٹھ گئیں، مقاتل نے کہا پہاڑی کے پار چلی گئیں۔ عکرمہ نے کہا حضرت مریمؑ مسجد میں رہتی تھیں لیکن ایام حیض میں مسجد سے ہٹ کر اپنی خالہ کے گھر چلی جاتی تھیں اور فراغت کے بعد پھر مسجد میں آجاتی تھیں، اتفاقاً ایک روز کپڑے اتارے غسل کر رہی تھیں کہ حضرت جبرئیلؑ ایک خوش رو بے ریش و بروت روشن چہرہ، گھونگھریالے بالوں والے، متناسب القامت نوجوان کے بھیس میں آکھڑے ہوئے جیسا کہ اللہ نے فرمایا۔

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾ پس اس حالت میں ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتہ جبرئیلؑ کو بھیجا اور وہ ان کے سامنے ایک پورا آدمی بن کر نمودار ہوا، روح سے جبرئیلؑ مراد ہیں جبرئیلؑ ہی کی لائی ہوئی وحی سے دین کی حیات وابستہ ہوتی ہے۔ اللہ نے روح کی اضافت اپنی جانب روح کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے کی کیونکہ اضافت سے کبھی مضاف کی تعظیم یا توہین مقصود ہوتی ہے، بادشاہ کا خادم کہنے سے خادم کی عظمت اور ولد الحجام کہنے سے ولد کی اہانت کا اظہار ہوتا ہے۔

سَوِيًّا یعنی نوجوان امرد، کامل الاعضاء مرد۔ بعض علماء کے نزدیک روح سے مراد عیسیٰؑ کی روح ہے جو بشر کی شکل میں آگئی تھی، اول تفسیر زیادہ صحیح ہے۔

مریمؑ نے جبرئیلؑ کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا اور ان کو آدمی ہی خیال کیا تو دور سے ہی پکار اور۔

قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾ کہنے لگیں میں تجھ سے اپنے خدا رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں، اگر تو خدا ترس ہے (تو یہاں سے ہٹ جا)۔

اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا شرط ہے اس کی جزا محذوف ہے یعنی اگر تو تقویٰ والا اور پرہیزگار ہے تو مجھ سے دور رہ، مجھ سے تعرض نہ کر۔ تیرے تقویٰ کا یہ تقاضا ہونا چاہئے کہ تو بدکاری کی طرف اقدام نہ کرے یا اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ جزا مقدم ہے اور

وقف لازم

Marfat.com

کلام کی بناء مبالغہ پر ہے یعنی اگر تو پرہیزگار بھی ہے تب بھی میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں اور پرہیزگار نہیں ہے بدکار ہے تب تو اللہ کی پناہ کی خواستگار بدرجۂ اولیٰ ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اِنْ نافیہ ہے یعنی پرہیزگار نہیں ہے۔

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ جبرئیل نے کہا اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ میں تیرے رب کا فرستادہ ہوں تیرے رب نے مجھے بھیجا ہے تاکہ ایک پاک دامن لڑکا تجھے عطا کروں۔ یعنی میں آدمی نہیں ہوں جس سے تو ڈر رہی ہے اور اللہ کی پناہ مانگ رہی ہے، میں فرشتہ ہوں اللہ نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے تاکہ تجھے ایسا فرزند تیرے کرتے میں پھونک مار کر عطا کروں جو گناہوں سے پاک اور معصوم ہوگا۔ زَکِیًّا پاک، معصوم یا خیر و صلاح میں ترقی کرنے والا اور ہر دم بھلائی کی طرف چڑھنے والا۔ صوفیا کا قول ہے جس کے دونوں دن برابر ہوں (یعنی جتنی خیر و صلاح اس کو کل حاصل تھی اتنی ہی آج حاصل ہو، ترقی نہ ہوئی ہو) وہ گھاٹے میں ہے۔

قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾

مریم نے تعجب سے کہا، میرے لڑکا کیسے ہوگا مجھے تو کسی بشر نے نہیں چھوا۔ مس کرنے سے بطور کنایہ نکاح کے بعد جماع کرنا مراد ہے، زنا کے موقع پر مس کا لفظ نہیں بولا جاتا بلکہ یوں کہا جاتا ہے کہ میں نے برا کام نہیں کیا، میں نے خباثت نہیں کی زنا کی نفی کا اظہار حضرت مریمؑ نے لَمْ اَكُ بَغِيًّا کہہ کر کر دیا۔ خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ میں نے کسی انسان سے نہ قربت بالنکاح کی، نہ زنا۔ پھر میرے لڑکا کہاں سے ہوگا۔

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ جبرئیل نے کہا یونہی ہو جائے گا، یعنی اللہ بغیر باپ کے لڑکا پیدا کر دے گا۔

قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ تیرے رب نے فرمایا ہے کہ وہ یعنی بغیر باپ کے بچہ کا پیدا کرنا میرے لئے آسان ہے۔

وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾ (ہم ایسا کر دیں گے اس لئے کہ یہ ہمارے لئے کچھ دشوار نہیں) اور اس لئے کہ ہم اس کو لوگوں کے لئے اپنی قدرت کاملہ کی نشانی اور رحمت بنا دیں اور یہ کام طے شدہ ہے۔

اٰيَةً لِّلنَّاسِ یعنی ہماری قدرت کاملہ پر ایمان رکھنے کی نشانی۔

وَرَحْمَةً یعنی ہم اس کو بندوں کے لئے رحمت بنا دیں گے۔

وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا یعنی ازل میں فیصلۂ خداوندی اس کام کا ہو چکا ہے یا لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے یا اَمْرًا مَّقْضِيًّا کا یہ مطلب ہے کہ یہ بات ہونی ضروری ہے اس قابل ہے کہ اس کا وقوع ہو جائے۔

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ پھر ان کے پیٹ میں لڑکا رہ گیا پھر اس (حمل) کو لئے ہوئے کسی دور جگہ میں الگ چلی گئیں۔

اس کا عطف فعل محذوف پر ہے فرشتہ کے قول پر مریمؑ کو اطمینان ہو گیا اور فرشتے نے ان کے کرتے کے گریبان میں پھونک ماردی پھر مریمؑ نے وہ کرتہ پہنا تو حاملہ ہو گئیں۔ بعض کا قول ہے کہ جبرئیل نے کرتے کے گریبان کو چٹکی سے پکڑ کر کھینچا اور پھر گریبان پر پھونک ماری، بعض نے کہا کرتے کی آستین پر پھونک ماردی، بعض نے کہا مریمؑ حاملہ ہو گئیں اور حمل کو لئے گھر والوں سے دور ایک جگہ پر گوشہ گیر ہو گئیں، حضرت ابن عباسؓ نے کہا وادی بیت المقدس کے آخری حصہ میں چلی گئیں، تاکہ لوگ بدنام نہ کریں، تہمت سے بچنے کے لئے وہ سب سے الگ چلی گئیں۔ مدت حمل کتنی ہوئی بقول بغوی علماء کے اقوال اس سلسلہ میں مختلف ہیں، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حمل اور ولادت سب کچھ ایک ہی ساعت میں ہو گیا، بعض نے کہا دوسری عورتوں کی طرح نو مہینہ کے بعد حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے کسی نے آٹھ ماہ اور کسی نے چھ ماہ کی مدت بیان کی ہے، مقاتل بن سلیمان نے کہا ایک ساعت میں وہ حاملہ ہوئیں، دوسری ساعت میں حضرت عیسیٰؑ کی صورت بنی اور تیسری ساعت میں زوال

Marfat.com

کے بعد حضرت عیسیٰ پیدا ہو گئے۔ اس وقت حضرت مریمؑ دس سال کی تھیں اور حاملہ ہونے سے پہلے دو بار حیض ہو چکا تھا۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ پھر دردزہ ان کو کھجور کے ایک درخت کی طرف لے آیا۔

اَجَآءَ (باب افعال کا ماضی) جَاءَ (ثلاثی مجرد) پہ زیادتی ہمزہ متعدی بنایا گیا ہے، لیکن اس کا ترجمہ فقط لانا نہیں بلکہ مجبور کر کے زبردستی لانا ہے یعنی دردِ ولادت نے اس کو مجبور کیا اور مجبور کر کے اس کو ایک درخت کے تنا کی طرف لے آیا۔ مَخَاض مصدر ہے مَخِضَتِ الْمَرْاَۃُ عورت کے پیٹ کے اندر بچہ نے باہر نکلنے کے لئے حرکت کی، مَخَاض کی طرف لانے کی نسبت بطور مجاز فی الاسناد ہے یعنی مَخَاض کے وقت اللہ اس کو لے آیا، یہ مطلب ہے کہ مَخَاضُ کے سبب سے وہ آگئی درخت کے پاس، اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَةِ درخت کے تنے کی طرف مریم آگئیں پردہ کرنے کی غرض سے بھی اور سہارا لینے کی غرض سے بھی، جِذْعٌ کسی درخت کی رگیں گدھے (تنہ) یہ درخت الگ صحراء میں خشک کھڑا تھا۔ بقول ابن ابی حاتم ابوروق نے بیان کیا کہ مریمؑ ایسے درخت کھجور کے تنے کے پاس پہنچیں جس کے سر پر کوئی پتہ نہ تھا، مریمؑ نے اس کو ہلایا تو چوٹی پر شاخیں بھی پتوں کے ساتھ نکل آئیں اور کھجوریں بھی۔ بیضاوی نے لکھا ہے اللہ نے یہ بات حضرت مریمؑ کے دل میں ڈال دی تھی کہ وہ درخت کے پاس جائیں، اللہ کو ایسی نشانیاں دکھانی تھیں جس سے مریم کا خوف جاتا رہے اور کھانے کو کھجوریں بھی مل جائیں۔ عورتوں کے لئے کھجور بڑی اچھی مرغوب غذا ہے۔

قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝ گھبرا کر کہنے لگے کاش میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور بھولی بسری ہو جاتی۔ حضرت مریم کو لوگوں کی شرم تھی قوم والوں کے ملامت کرنے کا خوف تھا، اس لئے انہوں نے تمنائے موت کی۔ نسیان بھول جانا یاد نہ ہونا، محفوظ نہ رکھنا خواہ ضعف قوت حافظہ کی وجہ سے ہو یا غفلت کی وجہ سے یا قصد أبالارادہ دل سے فراموش کر دیا گیا ہو۔

جس نسیان کی اللہ نے مذمت فرمائی اور قابل مواخذہ قرار دیا وہ وہی نسیان ہے جو قصد أبالارادہ ہو خود اپنے اوپر فراموشی طاری کر لی گئی ہو، اللہ نے فرمایا فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا۔ اور جس نسیان کو قابل قبول عذر قرار دیا وہ بے اختیاری نسیان ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ وہ اللہ کو بالقصد بھول گئے، پس اللہ نے بھی تحقیر کرنے کے لئے ان کو ترک کر دیا۔ نَسْیٌ عربی لغت کے اعتبار سے فراموش شدہ چیز کو کہا جاتا ہے جیسے نقض وہ جس کو توڑا جائے (ریزے) عرف عام میں نَسْیٌ اس چیز کو کہتے ہیں جس کی طرف التفات نہ کی جائے، ناقابل التفات چیز، یعنی فراموش کر دیئے جانے کے قابل چیز جو التفات و توجہ کے قابل نہ ہو۔ نَسْیٌ بالفتح بھی نِسْیٌ کا ہم معنی ہے جیسے وِتر اور وَتر اور جِنس و جَنس، بعض کے نزدیک بالفتح مصدر ہے بمعنی مفعول۔ آیت میں لغوی معنی مراد ہے لیکن عرفی معنی کا احتمال تھا اس لئے نَسْيًا کی تاکید مَنْسِيًّا کے لفظ سے کر دی تاکہ عرفی معنی کا احتمال باقی نہ رہے اب ترجمہ ہو گیا، بھولی بسری۔

بغوی نے لکھا ہے نَسْیٌ وہ چیز جو پھینک دی گئی ہو حقیر ہونے کی وجہ سے ذکر کے قابل نہ ہو۔ اور مَنْسِيًّا کا ترجمہ ہے ترک کردہ، متروک۔ قتادہ نے کہا نَسْيًا یعنی ایسی چیز جو ذکر نہ کی جائے اور نہ اس کو کوئی جانے۔ عکرمہ، ضحاک اور مجاہد نے کہا مراد جو پھینک دیا گیا ہے۔ بعض نے کہا كُنْتُ نَسْيًا کا مطلب یہ ہے کہ کاش میں پیدا ہی نہ ہوتی۔

ایک شبہ

حضرت مریمؑ نے موت کی تمنا کی حالانکہ کسی دکھ یا مصیبت کی وجہ سے موت کی تمنا جائز نہیں۔ سورۂ بقرہ کی آیت فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ کی تفسیر میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

ازالۂ شبہ

شریعت بنی اسرئیل میں تمناءِ موت کی ممانعت بعد کو ہوئی اور یہ واقعہ پہلے کا تھا یا بے اختیاری کی حالت میں بلا ارادہ

Marfat.com

حضرت مریمؑ کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے یا حضرت مریمؑ کو اپنے دین کی تباہی کا خیال پیدا ہو گیا اور یہ الفاظ دینی تحفظ کے پیش نظر انہوں نے کہہ دیئے، رسوائی کے اندیشے سے انسان کبھی جھوٹ بولتا ہے جس سے اس کی دینی تباہی ہو جاتی ہے۔ سورۂ بقرہ میں ہم لکھ چکے ہیں کہ فتنہ کے خوف سے موت کی تمنا جائز ہے اس میں کوئی گناہ نہیں۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِىْ پس جبرئیلؑ نے ان کے پائین (مکان) سے ان کو پکارا کہ تو مغموم مت ہو۔

حضرت ابن عباسؓ، ضحاک، سدی اور قتادہ کا بیان ہے کہ حضرت مریمؑ ایک ٹیلہ پر تھیں اور حضرت جبرئیلؑ ٹیلے سے پیچھے نشیبی جانب کہ مریمؑ کی بے صبری و بے قراری سن کر جبرئیلؑ نے پکار کر کہا غمگین نہ ہو۔ مجاہد اور حسن نے کہا جب حضرت عیسیٰؑ پیٹ سے باہر آگئے تو انہوں نے پکار کر کہا غمگین نہ ہو۔ دونوں صورتوں میں تَحْتِهَا کی ضمیر مریمؑ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ بعض نے کہا نخلہ کی طرف راجع ہے۔

اَلَّا تَحْزَنِىْ یعنی تنہائی اور کھانے پینے کی چیز نہ ہونے اور لوگوں کے ملامت کے خوف سے تو رنجیدہ نہ ہو۔

قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ تیرے رب نے تیرے پائین سے ایک نہر پیدا کر دی ہے۔ سَرِی چھوٹی نہر۔ طبرانی نے معجم صغیر میں حضرت براء بن عازبؓ کی مرفوع روایت سے یہی نقل کیا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ ابو اسحاق کی روایت سے سوائے ابوسنان کے اور کسی نے اس کو مرفوعاً نہیں بیان کیا۔ ابن عدی نے الکامل میں بیان کیا کہ معاویہ بن یحییٰ نے اس روایت کو معلل قرار دیا ہے اور ابن معین و نسائی و ابن المدینی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ بخاری نے حضرت براءؓ کی روایت سے اس حدیث کو معلق کہا ہے، ابتدائی راوی معلوم نہیں اور عبدالرزاق و ابن جریر و ابن مردویہ نے اپنی اپنی تفاسیر میں حضرت براءؓ کی روایت کو موقوف کہا ہے۔ حاکم نے بھی مستدرک میں اس کو نقل کیا ہے اور شرط مسلم کے مطابق صحیح کہا ہے۔ طبرانی نے اور حلیہ میں ابو نعیم نے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ اللہ نے سَرِی کو برآمد کر دیا زمین سے نکال دیا تاکہ عیسیٰؑ کی والدہ پانی پی سکیں۔ اس روایت کے سلسلہ میں ایوب بن نہیک ضعیف راوی ہے ابوزرعہ اور ابو حاتم نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

بعض علماء نے تَحْتَكِ کا ترجمہ کیا ہے تیرے حکم کے ماتحت یعنی اگر تو حکم دے گی تو چشمہ جاری ہو جائے گا اور رکنے کا حکم دے گی تو رک جائے گا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، حضرت جبرئیلؑ نے (ایک روایت میں حضرت عیسیٰؑ نے) زمین پر اپنا پاؤں مارا جس سے شیریں پانی کا چشمہ برآمد ہو گیا اور بہنے لگا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہاں ایک خشک نہر تھی اللہ نے اس کو جاری کر دیا اور خشک درخت ترو تازہ ہو کر سرسبز ہو گیا اور ثمر دار بن گیا۔

بعض علماء کے نزدیک سَرِی کا ترجمہ سردار ہے، سَرْو سے مشتق ہے اس سے مراد حضرت عیسیٰؑ ہیں۔ حسن بصریؒ نے کہا خدا کی قسم عیسیٰؑ سَرِی تھے، یعنی عالی قدر سردار تھے۔

وَهُزِّىْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ اور اس کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف کو ہلا اس سے تیرے اوپر خرماء ترو تازہ جھڑیں گے۔

هُزِّىْٓ اِلَيْكِ یعنی ہلا اور اپنی طرف جھکا، بِجِذْعِ میں بِ زائد ہے۔

رُطَبًا جَنِيًّا ترو تازہ پختہ کھجوریں جو توڑنے کی حد کو پہنچ گئی ہیں۔

فَكُلِىْ وَاشْرَبِىْ وَقَرِّىْ عَيْنًا ۚ پھر اس کو کھا اور پی اور آنکھیں ٹھنڈی کر یعنی کھجوریں کھا اور نہر کا پانی اور کھجوروں کا عرق پی اور آنکھ ٹھنڈی کر یعنی دل خوش کر۔ قَرِّىْ، قَرَار سے مشتق ہے آنکھ جب کوئی خوش کن منظر دیکھتی ہے تو اس پر ٹھہر جاتی ہے دوسری طرف نہیں ہٹتی۔ قَرَّ اللّٰهُ عَيْنَكَ اللہ تیری آنکھ کو قرار دے، یعنی آنکھ کو صاف رکھے۔ قَرَّ اللّٰهُ فُؤَادَكَ اللہ تیرے دل کو قرار دے، یعنی خوش کرے، خوش کن منظر دکھائے کہ دل اس سے دوسری طرف نہ ہٹے۔ اَقَرَّ اللّٰهُ

Marfat.com

عَيْنَهُ اللہ نے اس کی آنکھ ٹھہرا دی یعنی سلا دیا۔ یا قرّ بمعنی خنکی سے ماخوذ ہے خوشی کے آنسو ٹھنڈے ہوتے ہیں اور غم کے آنسو گرم، اسی لئے قُرَّةُ الْعَيْنِ (آنکھ کی ٹھنڈک) محبوب کو کہتے ہیں اور سَخْنَةُ الْعَيْنِ (آنکھ کی گرمی) ناگوار چیز کو کہتے ہیں۔

فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا ۙ فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا ﴿٢٦﴾

پس اگر تو کسی آدمی کو دیکھے تو اس سے کہہ دینا کہ میں نے آج اللہ کے لئے خاموش رہنے کی نذر مانی ہے اس لئے کسی آدمی سے آج کلام نہیں کروں گی۔

صَوْمًا یعنی خاموشی، مطلب یہ کہ عیسیٰؑ کا معاملہ ہو یا کچھ اور کسی چیز کے متعلق میں کسی انسان سے کلام نہیں کروں گی، میں نے آج ہر معاملہ میں خاموش رہنے اور آدمیوں سے کلام نہ کرنے کی اللہ کے واسطے نذر مانی ہے۔ سدی نے کہا بنی اسرائیل میں جو لوگ زیادہ مجاہدہ کرتے تھے وہ جس طرح روزہ میں کھانا نہیں کھاتے تھے، کلام بھی کسی سے نہیں کرتے تھے، شام تک خاموش رہتے تھے۔

بعض علماء نے کہا کہ اللہ نے مریمؑ کو یہ بات اشارہ سے کہنے کا حکم دیا تھا، کیونکہ کلام قولی سے جھگڑا پیدا ہوتا اور حضرت عیسیٰؑ سے جواب دلوانا تھا ان کا قول ہر طعن و تشنیع کا قاطع تھا۔ بعض لوگوں نے کہا زبان سے صرف اتنی ہی بات کہنے کا اللہ کی طرف سے حکم ہوا تھا اس کے بعد خاموش رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ یعنی جب اپنی نذر کی میں نے تم کو اطلاع دے دی تو اس کے بعد کسی آدمی سے بات نہیں کروں گی۔
روایت میں آیا ہے کہ حضرت مریمؑ ملائکہ سے کلام کرتی تھیں۔ انسان سے بات نہیں کرتی تھیں۔

فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ پھر اس کو یعنی عیسیٰؑ کو گود میں اٹھائے مریمؑ اپنی قوم والوں کے پاس آئی۔
روایت میں آیا ہے کہ ولادت کے بعد فوراً حضرت عیسیٰؑ کو اٹھائے قوم والوں کے پاس حضرت مریمؑ آئی تھیں۔ کلبی کا بیان ہے کہ یوسف نجار نے حضرت مریمؑ اور ان کے بیٹے عیسیٰؑ کو ایک غار میں لیجا کر رکھا تھا، وہاں آپ چالیس دن تک رہیں، جب ایام نفاس ختم ہو گئے تو عیسیٰؑ کو لے کر نکلیں راستہ میں حضرت عیسیٰؑ نے کہا اماں تم کو بشارت ہو میں اللہ کا بندہ اور مسیح ہوں، غرض عیسیٰؑ کو اٹھائے قوم والوں کے پاس پہنچیں، وہ لوگ بڑے دیندار، نیکوکار تھے، مریمؑ کے پاس بچہ کو دیکھ کر اتنے رنجیدہ ہوئے کہ رو پڑے اور،

قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾ کہنے لگے مریمؑ تو نے یہ بہت برا کام کیا۔ فَرِیٌّ الجلد کھال کو چیرنا۔ حضرت حسانؓ نے فرمایا لَأَفْرِيَنَّهُمْ میں ان کی کھال ادھیڑ کر رکھ دوں گا، یعنی سخت ہجا کروں گا۔ قرآن مجید میں بہت جگہ اِفْتِرَاء کا لفظ دروغ تراشی، شرک اور ظلم کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ اس سے بڑا ظالم کون جس نے اللہ پر دروغ تراشی کی۔ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا اور جو شخص کسی کو اللہ کا شریک قرار دیتا ہے وہ بہت بڑا گناہ تراشتا ہے۔

آدمی کی عصمت اور صلاح میں جب شگاف پڑ جاتا ہے تو شرک و معصیت کا اس سے ظہور ہوتا ہے (اس لئے شرک و معصیت کو افتراء فرمایا) بعض علماء نے فَرِيًّا کا ترجمہ عجیب عظیم لکھا ہے، عجیب اور عظیم ترین چیز خارق عادت ہوتی ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا کلام ہو یا عمل جو بھی فائق اور عجیب ہو اس کو فَرِیٌّ کہا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے متعلق فرمایا تھا فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا يَفْرِي فَرِيَّهُ میں نے کوئی کامل حاذق ایسا نہیں دیکھا جو عمرؓ کے عمل کی طرح عجیب تعجب آفریں عمل کرتا ہو۔

يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾

اے ہارون کی بہن نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں زانیہ تھی۔ سدی نے کہا اُخْتَ هَارُوْنَ کہنے سے ان کی مراد تھی، حضرت موسیٰؑ کے بھائی حضرت ہارونؑ کی نسل میں سے ہونا۔ تمیم کے قبیلہ کے ہر فرد کو اخو تمیم کہا جاتا ہے۔ حضرت مریمؑ حضرت ہارونؑ کی نسل سے تھیں اس لئے ان کو اُخْتَ هَارُوْنَ کہا۔ ابن ابی حاتم نے اس قول کی نسبت علی بن ابی طلحہ کی طرف

Marfat.com

کی ہے۔ کلبی نے کہا حضرت مریمؑ کے علاتی بھائی کا نام ہارون تھا، بنی اسرائیل میں وہ بہت ہی بزرگ اور نیک آدمی تھا۔ بغوی نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت سے لکھا ہے مغیرہ کا بیان ہے جب میں نجران میں پہنچا تو اہل نجران نے مجھ سے کہا تم قرآن میں یا اُخۡتَ ہٰرُوۡنَ پڑھتے ہو حالانکہ موسیٰ کا زمانہ عیسیٰؑ سے اتنا اتنا (یعنی بہت مدت) پہلے تھا (پھر مریم ہارون کی بہن کیسے ہوئیں) میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے دریافت کی حضور ﷺ نے فرمایا وہ لوگ اپنے انبیاء اور گزشتہ نیک لوگوں کے ناموں پر اپنے نام رکھتے تھے (یعنی ہارون سے مراد حضرت موسیٰ کے بھائی نہیں ہیں بلکہ ان کا ہم نام کوئی اور شخص تھا جس کو مریم کا بھائی کہا گیا ہے۔ رواہ مسلم)۔

بغوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ قتادہ وغیرہ نے کہا بنی اسرائیل میں ایک بڑا نیک عبادت گزار آدمی تھا، روایت میں آیا ہے کہ جب وہ مرا تو اس کے جنازہ میں علاوہ دوسرے لوگوں کے چوبیس ہزار آدمی ہارون کے نام کے شریک ہوئے اس مرد صالح کا نام ہارون تھا، حضرت مریمؑ بھی بڑی عبادت گزار تھیں نیکی اور عبادت کی وجہ سے ان لوگوں نے مریم کو ہارون کی بہن کہہ دیا، نسبی بہن مراد نہیں ہے جس طرح اللہ نے اِنَّ الۡمُبَذِّرِیۡنَ کَانُوۡۤا اِخۡوَانَ الشَّیٰطِیۡنِ فرمایا ہے اور فضول مال برباد کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے، یعنی شیطانوں کی طرح، کذا اخرج عبدالرزاق و عبد بن حمید عن قتادہ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بطور مزاح اور استہزاء کے حضرت مریمؑ کو ہارون کی بہن کہا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ سابقہ عبادت اور نیکی کو دیکھ کر ایسا کہہ دیا ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بڑا بد چلن آدمی تھا جس کا نام ہارون تھا، حضرت مریمؑ کو گالی دینے کے لئے ہارون کی بہن کہا، کذا اخرج ابن ابی حاتم عبد سعید بن جبیرؓ۔

حضرت مریمؑ کے باپ کا نام عمران تھا، مَا کَانَ اَبُوۡكِ الخ پورا جملہ توبیخیہ اور زجریہ ہے کیونکہ نیک لوگوں کی اولاد سے بدکاری کا صدور بہت زیادہ برا ہوتا ہے۔

فَاَشَارَتۡ اِلَیۡهِ ؕ قَالُوۡا کَیۡفَ نُکَلِّمُ مَنۡ کَانَ فِی الۡمَهۡدِ صَبِیًّا ۝ مریمؑ نے عیسیٰؑ کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے بات کرو لوگوں نے کہا پالنے کے بچہ سے ہم کیسے بات کریں۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا حضرت مریمؑ کے پاس بن باپ کے بچہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں تھی اس لئے حضرت عیسیٰؑ کی طرف اشارہ کیا تاکہ عیسیٰؑ کا کلام ان کی صداقت کی دلیل بن جائے۔

روایت میں آیا ہے کہ مریمؑ نے جب عیسیٰؑ کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے بات کرو تو لوگوں کو غصہ آیا اور کہنے لگے ایک تو تو نے جرم کیا پھر ہم سے مذاق بھی کر رہی ہے۔

مَنۡ کَانَ میں کَانَ زائد ہے جیسے هَلۡ کُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا میں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کَانَ تامہ ہو یا دوام کے لئے ہو۔

مَهۡد سے مراد ہے ماں کی گود یا گہوارہ۔ مراد یہ تھی کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی عاقل کسی شیر خوار گہوارہ میں رہنے والے بچہ سے باتیں کرتا ہو۔ فِی الۡمَهۡدِ کہنے سے نا سمجھ بچہ جو بات نہیں کر سکتا۔ سدی نے کہا جب حضرت عیسیٰؑ نے ان کا کلام سنا تو دودھ پینا چھوڑ دیا اور قوم کی طرف رخ کر کے بول اٹھے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ جونہی حضرت مریمؑ نے حضرت عیسیٰؑ کی طرف اشارہ کیا آپ نے فوراً منہ پستان سے ہٹا لیا اور بائیں طرف کو ذرا سہارا لے کر قوم کی طرف متوجہ ہو کر دائیں ہاتھ سے اشارہ کیا اور۔

قَالَ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰهِ ۟ؕ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ کہا بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے۔ عَبۡدُ اللّٰهِ کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ میں بارگاہ الٰہی میں معزز ہوں، اس کا خاص بندہ ہوں اور چونکہ قوم منکر تھی اس لئے آپ نے پرزور طریقہ سے اپنی عبدیت کا اظہار کیا۔

وہب نے کہا جب حضرت مریمؑ کی قوم سے گفتگو ہو رہی تھی تو حضرت زکریاؑ آگئے اور حضرت عیسیٰؑ سے فرمایا، اگر تجھے

Marfat.com

حکم دیا گیا ہے تو خود اپنی دلیل بیان کر اور بول اس پر حضرت عیسیٰؑ بول اٹھے، اس وقت آپ چالیس دن کے تھے۔ مقاتل نے کہا پیدا ہوتے ہی آپ نے اپنی عبدیت کا اظہار کیا تھا اور سب سے پہلے یہی کلام کیا تھا تاکہ لوگ آپ کو الٰہ نہ سمجھنے لگیں۔

اَلْکِتَابَ سے حسن کے نزدیک توریت مراد ہے۔ آپ ماں کے پیٹ ہی میں تھے کہ اللہ نے آپ کے دل میں توریت القاء کر دی تھی، اکثر علماء قائل ہیں کہ انجیل مراد ہے بچپن میں ہی آپ کو انجیل عطا کر دی گئی تھی جب کہ آپ مردانہ عقل کی حد تک پہنچے بھی نہ تھے۔ بعض علماء کے نزدیک ماضی بمعنی مستقبل ہے، یعنی اللہ مجھ کتاب عطا فرمائے گا۔

وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿۳۰﴾ اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے یعنی یقیناً آئندہ وہ مجھے نبی بنائے گا۔ بعض علماء نے کہا، حضرت عیسیٰؑ نے تحریر لوح محفوظ کی اطلاع دی تھی (یعنی میں لوح محفوظ کی تحریر کے بموجب نبی بنایا جا چکا ہوں) جیسے رسول اللہ ﷺ سے جب دریافت کیا گیا کہ آپ نبی کب ہوئے تو آپ نے فرمایا، میں اس وقت نبی تھا جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھے (یعنی مٹی اور پانی سے آدمؑ کے پتلے کا خمیر ہی بنا تھا، روح پڑی بھی نہ تھی) رواہ ابن سعد وابو نعیم فی الحلیۃ عن میسرہ بن سعد عن ابی الجدعاء۔ والطبرانی عن ابن عباسؓ۔

وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ اور اس نے مجھے برکت والا بنایا ہے میں جہاں بھی ہوں۔ یعنی آسمان میں ہوں یا زمین میں اللہ نے مجھے نفع رساں بنایا ہے۔ اس جملہ سے حضرت عیسیٰؑ کی نفع رسانی ثابت ہو رہی ہے، زمین میں انسانوں کو اور آسمان میں ملائکہ کو۔ لفظ برکت کا معنی یا ثبات خیر ہے اس پر یہ بَرَكَ الْبَعِیْرِ اونٹ بیٹھ گیا کے محاورہ سے ماخوذ ہوگا۔ یا زیادتی عطا برکت کا معنی ہے، دعا میں کہا جاتا ہے اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِیْ عَطَائِكَ اے اللہ! اپنی عطا میں زیادتی فرما یا اس کا معنی ہے عظمت و بزرگی جیسے بولتے ہیں یہ فلاں شخص کی برکت سے ہے، اس جگہ مبارکًا سے بعض علماء کے نزدیک نفع رساں مراد ہے، مجاہد نے کہا معلم خیر ہونا مراد ہے، عطا نے کہا اللہ کی توحید و عبادت کی طرف بلانے والا، بعض نے کہا مجھے اللہ نے ان لوگوں کے لئے جو میری پیروی کریں مبارک بنایا ہے۔

وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ﴿۳۱﴾ اور زندگی بھر اس نے مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے۔ زکوٰۃ سے مراد ہے اللہ کی طرف سے عائد کردہ فرائض مالیہ کو ادا کرنا اور نفس کو بری خصلتوں سے پاک کر لینا۔

بغوی نے لکھا ہے شبہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے پاس کبھی مال تھا ہی نہیں پھر ان کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم کیا معنی رکھتا ہے اس کے جواب میں بعض لوگوں نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر میرے پاس مال ہو تو زکوٰۃ ادا کرنے کا اس نے مجھے حکم دیا ہے، بعض نے کہا زکوٰۃ سے مراد اس جگہ مالی زکوٰۃ نہیں بلکہ بکثرت بھلائی کرنا مراد ہے، بعض نے کہا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم لوگوں کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دوں۔ مَا دُمْتُ حَیًّا یعنی جب تک میں زندہ رہوں نماز اور زکوٰۃ ادا کرتا رہوں۔

وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَتِیْ ز اور اس نے مجھے اپنی والدہ کا فرماں بردار بنایا ہے یا یہ ترجمہ ہے کہ اس نے مجھے والدہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اول ترجمہ پر بَرًّا بمعنی بَارًّا اسم فاعل ہوگا اور دوسرے ترجمہ پر مصدر۔

وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾ اور اس نے مجھ کو سرکش بدبخت نہیں بنایا۔ جَبَّارٌ، سرکش، مغرور۔ شَقِیٌّ اللہ کا نافرمان یا وہ شخص جو گناہ کرے اور توبہ نہ کرے۔

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾

اور مجھ پر اللہ کی طرف سے سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز مروں گا اور جس روز زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔

اَلسَّلَامُ، سلامتی، حفاظت، پیدائش کے وقت شیطان کے کچوکا دینے سے اور مرنے کے بعد عذاب قبر سے اور قیامت کے دن ہول قیامت اور عذاب دوزخ سے یا السلام سے مراد ہے اللہ کی طرف سے تحیت و رحمت ہر تغیر حالت کے وقت یعنی

Marfat.com

پیدائش پھر موت پھر قیامت کے دن دوسری زندگی یہ تینوں انقلابی حالات ہیں ان میں سے ہر حالت کے وقت مجھ پر اللہ کی رحمت ہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیَّ کہنے میں درپردہ دشمنوں پر لعنت ہے جب حضرت عیسیٰؑ نے اپنے اور اپنے مومن ساتھیوں کے لئے سلامتی کا اعلان کر دیا تو لا محالہ دشمنوں پر لعنت ہونے کی طرف درپردہ اشارہ کر دیا، جیسے اللہ نے جب وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی فرمایا تو درپردہ اس امر پر تعریض ہو گئی کہ جو سیدھے راستہ پر نہ چلیں اور ہدایت سے روگرداں ہوں اور تکذیب کریں ان کے لئے عذاب ہو گا۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت عیسیٰؑ کے اس کلام کے بعد سب لوگ سمجھ گئے کہ مریم گناہ سے پاک ہیں اس کے بعد عیسیٰ خاموش ہو گئے اور اس عمر تک کوئی بات نہیں کی جس عمر تک معمولاً بچے بات نہیں کرتے۔

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ یہ ہیں عیسیٰؑ مریمؑ کے بیٹے۔

ذٰلِکَ یعنی یہ جس کا ذکر اوپر کے بیان میں کیا گیا اور جو پیدائشی طور پر اپنی بندگی اور عبدیت کا معترف تھا، عیسیٰ تھا مریم کا بیٹا، وہ ایسا نہیں تھا جیسا عیسائی اس کو کہتے ہیں وہ نہ خدا تھا اور نہ خدا کا بیٹا۔ اس مختصر جملہ میں نصاریٰ کے عقائد کی پرزور تردید ہے اور برہانی طور پر عقیدۂ نصاریٰ کے غلط ہونے کا اظہار ہے۔

قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ ہم نے وہ صحیح بات کہہ دی جس کے متعلق لوگ شک میں پڑے ہوئے ہیں اور باہم جھگڑے کرتے ہیں۔ یہودی عیسیٰؑ کو جھوٹا جادوگر کہتے ہیں اور عیسائی خدا یا خدا کا بیٹا۔

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اللہ کے لئے کسی طرح زیبا نہیں کہ وہ اپنے لئے کوئی اولاد اختیار کرے اس کی ذات پاک ہے۔

اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو بس اس کو فرما دیتا ہے ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے۔ یعنی جب اللہ کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے (قضا سے مراد ارادہ ہے) تو کن (ہو جا) کہتا ہے وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے، عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا کرنا بھی اسی طرح ہوا، پس جو خدا ایسا (قادر مطلق) ہے وہ یقیناً مشابہت خلق سے پاک ہے اس کو حاجت نہیں کہ عورتوں کو حاملہ کر کے اپنی اولاد پیدا کرے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اور (عیسیٰؑ نے یہ بھی کہا کہ) اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی پس اس کی عبادت کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ کہنے سے عقیدہ کو درست کرنے اور قوت نظریہ کا کمال حاصل کرنے کی طرف اشارہ ہے، اور قوت عملیہ کا کمال حاصل کرنے کی طرف بھی کہ عملی ممنوعات سے پرہیز رکھو اور مامورات کو ادا کرو یعنی اللہ کے احکام کے پابند ہو جاؤ۔

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ یہ سیدھا راستہ ہے یعنی عقیدہ اور عمل دونوں کو درست کر لینا سیدھا راستہ ہے، جس کے صحیح ہونے کی اللہ کی طرف سے شہادت دی گئی ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۚ سو پھر بھی مختلف گروہوں نے (اس کے بارے میں) باہم اختلاف ڈال دیا۔

اَلْاَحْزَابُ سے مراد ہیں یہودی اور عیسائی یا نصاریٰ کے تینوں فرقے، عیسائیوں کے تین بڑے فرقے ہو گئے۔ (۱) نسطوریہ فرقہ کہتا تھا کہ عیسیٰ ابن اللہ تھے۔ (۲) یعقوبیہ فرقہ قائل تھا کہ عیسیٰؑ بعینہٖ خدا تھے، خدا زمین پر اتر آیا تھا پھر آسمان پر چڑھ گیا۔ (۳) ملکائیہ فرقہ کہتا تھا کہ عیسیٰ اللہ کے بندے اور رسول تھے۔

مِنْ بَيْنِهِمْ میں مِنْ زائد ہے یعنی عیسیٰؑ کے صحابیوں کے متعلق لوگوں کا اختلاف ہو گیا یا عیسیٰؑ کی قوت کے متعلق

Marfat.com

اختلاف ہو گیا۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾ سو ان کافروں کے لئے ایک بڑے دن کے آنے سے بڑی خرابی ہونے والی ہے۔

وَيْل اصل میں مصدر تھا بمعنی ہلاک۔ یہ جملہ فعلیہ کے قائم مقام ہے اور مبتدا ہونے کی حیثیت سے مبتداء ہے۔ جملہ فعلیہ کی جگہ جملہ اسمیہ کو دینے کی غرض یہ ہے کہ فعل کا دوام اور استمرار ظاہر ہو کسی زمانہ سے اقتران باقی نہ رہے۔ يَوْمٍ عَظِيْمٍ یعنی روز قیامت، مَشْهَد، بمعنی مصدر ہے، یعنی جس روز کہ جزاء و سزا اور حساب سامنے حاضر ہو گا یا مَشْهَد ظرف زمان ہے یعنی وقت شہود یا ظرف مکان ہے، یعنی جس روز کہ ملائکہ اور ان کے انبیاء اور ہاتھ پاؤں اور بدن کی کھالیں ان کے کافر اور فاسق ہونے کی شہادت دیں گی۔

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا جس روز یہ لوگ ہمارے پاس (حساب و جزا کے لئے) آئیں گے، کیسے کچھ شنوا اور بینا ہوں گے۔

اَسْمِعْ بِهِمْ اور اَبْصِرْ دونوں فعل تعجب ہیں اور اللہ ہر تعجب سے پاک ہے (وہ کسی بات پر تعجب نہیں کرتا اس کے کوئی بات عجیب نہیں) اس لئے جمہور اہل تفسیر کے نزدیک آیت میں جس تعجب کا اظہار کیا گیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ان کی حالت قابل تعجب ہو گی، دنیا میں تو اندھے بہرے بنے رہے، نہ حق کی بات سنی، نہ صورت حق آنکھوں سے دیکھی اگر وہاں کلمۂ حق گوش قبول سے سنتے اور تصویر حق نظر قبول سے دیکھتے تو ان کو فائدہ ہوتا لیکن قیامت کے دن جب حق کی صورت سامنے آئی اور آواز حق سنی تو ایسے وقت کہ کوئی فائدہ نہ تھا، یا فعل تعجب سے مراد اظہار تعجب نہیں بلکہ تہدید اور ڈرانا مقصود ہے کہ قیامت کے دن یقیناً وہ اس عذاب کو دیکھیں گے اور وہ مایوس انگیز جھڑکیاں سنیں گے جن کا ان سے وعدہ کر لیا گیا ہے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ اَسْمِعْ اور اَبْصِرْ اس جگہ فعل تعجب نہیں ہیں امر کے صیغے ہیں رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے کہ مواعید قیامت ان کافروں کو سناؤ اور دکھاؤ۔

لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ لیکن یہ ظالم آج دنیا میں کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ لفظ اَلظّٰلِمُوْنَ ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں انہوں نے اپنی آنکھوں اور کانوں کا صحیح استعمال نہیں کیا اور حق کی طرف سے اپنے کو غافل بنائے رکھا۔ یہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ اور آپ ان لوگوں کو حسرت کے دن سے ڈرائیے جب کہ آخری فیصلہ کر دیا جائے گا۔　وقف لازم

یہ حسرت اس وقت ہو گی جب حساب ہو چکے گا، اہل جنت جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں اور موت کو ذبح کر دیا جائے گا، پھر جنت کے اندر اہل جنت اور دوزخ کے اندر دوزخی کبھی نہیں مریں گے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، موت کو چت کبرے مینڈھے کی شکل میں قیامت کی دن سب کے سامنے لایا جائے گا پھر ایک منادی پکارے گا، اے اہل جنت، جنت والے سر اٹھا کر جھانک کر دیکھیں گے، منادی کہے گا کیا اس کو پہچانتے ہو، اہل جنت کہیں گے ہاں یہ موت ہے، پھر سب کی نظروں کے سامنے اس کو ذبح کر دیا جائے گا اور منادی کہے گا، اے جنت والو یہاں تمہاری دوامی زندگی ہے موت نہیں۔ پھر وہی منادی دوزخیوں کو پکارے گا دوزخ والو تم کو یہاں ہمیشہ رہنا ہے موت نہیں آئے گی۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے آیت وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ تلاوت فرمائی۔ رواہ البخاری

شیخین نے صحیحین میں بھی حضرت ابو سعیدؓ کی روایت سے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے، شیخین نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے لیکن اس میں آیت کو تلاوت فرمانے کا ذکر نہیں ہے۔

Marfat.com

ابو یعلی، بزار اور طبرانی نے الاوسط میں حضرت انسؓ کی روایت سے اور حاکم و ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے اس میں بھی قرأت آیت کا ذکر نہیں ہے۔

یَوْمَ الْحَسْرَةِ کی تشریح میں بیضاوی نے لکھا ہے اس روز سب لوگ افسوس کریں گے، بدکار اپنی بدکاری پر اور نیکوکار اپنے نیکی کم کرنے پر۔

طبرانی اور ابو یعلی نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل جنت کو صرف اس ساعت پر افسوس ہو گا جس میں دنیا کے اندر انہوں نے اللہ کی یاد نہیں کی اور وہ گھڑی یونہی گزر گئی۔

بغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر مرنے والے کو پشیمانی ضرور ہو گی، صحابہؓ نے عرض کیا پشیمانی کیسی۔ فرمایا اگر نیکوکار ہو گا تو اس کو اس بات کی پشیمانی ہو گی کہ اس نے اس سے زیادہ نیکی کیوں نہیں کی اور بدکار کو اس بات کی پشیمانی ہو گی کہ وہ بدکاری سے باز کیوں نہ رہا۔

وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ اور وہ لوگ آج دنیا میں غفلت میں پڑے ہوئے ہیں یعنی جس گمراہی میں وہ پڑے ہوئے ہیں اس سے بھی غافل ہیں اور آخرت میں ان سے جو معاملہ کیا جائے گا اس کی طرف سے بھی غافل ہیں۔

وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ اور وہ ایمان نہیں لاتے۔ یعنی سچے مخبر (رسول اللہ ﷺ) کی خبر کی تصدیق نہیں کرتے۔

إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا (لیکن آخر ایک دن سب مر جائیں گے) اور تمام زمین اور زمین کے رہنے والوں کے ہم ہی وارث (آخر مالک) رہ جائیں گے یعنی زمین اور زمین کے رہنے والے سب فنا ہو جائیں گے، صرف اللہ باقی رہ جائے گا، جس طرح مورث کے مرنے کے بعد وارث رہ جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ کسی کی مالکیت باقی نہیں رہے گی صرف اللہ کا اقتدار باقی رہ جائے گا۔ مَنْ (جو لوگ) سے مراد عام ہے جو لوگ ہوں یا جو چیز ہو تغلیباً مَنْ (جو اہل عقل کے لئے استعمال ہوتا ہے) ذکر کیا گیا ہے ورنہ مراد عام ہے۔

وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ۝ اور ہماری ہی طرف ان کو لوٹا کر لایا جائے گا۔ یعنی قبروں سے اٹھائے جانے کے بعد ع ۵ ۵ ۲
ہماری طرف سب کو لوٹا کر لایا جائے گا۔ اور ہم اعمال کے مطابق ان کو سزا و جزا دیں گے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۝ اور کتاب (قرآن) میں ابراہیم (کے واقعہ) کو یاد کرو بلاشبہ وہ صدیق اور نبی تھا۔ صدیق کس کو کہتے ہیں، مختلف علماء نے مختلف معانی بیان کئے ہیں۔

(۱) بہت سچ بولنے والا۔ (۲) جو کبھی جھوٹ نہ بولا ہو۔ (۳) سچ بولنے کا عادی ہو، صدق کی عادت کی وجہ سے اس سے کذب کا صدور نہ ہوا ہو۔ (۴) جس کا اعتقاد بھی صحیح ہو اور قول بھی سچا اور اس نے اپنے عمل سے اپنے قول کی تصدیق کی ہو اور قول کے مطابق عملی مظاہرہ کرتا ہو۔ (۵) اللہ کی تمام غیبی صفات اللہ کے انبیاء اور ملائکہ اور قیامت جن کا بیان اللہ نے کیا ہے سب کی تصدیق کرتا ہو۔ اللہ نے جن کاموں کو کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیا ہے ان امور کو اللہ کے حکم کے مطابق اچھا یا برا جانتا ہو اور احکام خداوندی کی عملی پابندی بھی کرتا ہو اور اپنے عمل سے تصدیق قلبی و لسانی کو ثابت کرتا ہو، ایسا آدمی صدیق ہے۔

میں کہتا ہوں کثرت تصدیق سے یہ مراد نہیں ہے کہ زیادہ اور کثیر امور کی تفصیل وار تصدیق کی جائے جیسا کہ بغوی کی عبارت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے پورے دین کی اور تمام عقائد و اعمال کی تصدیق ہر مومن کے لئے ضروری ہے اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے کسی ایک مسئلہ کے انکار سے بھی کافر ہو جاتا ہے۔ ہاں مومنوں میں سے کچھ لوگ تمام اوامر و نواہی کے عملی پابند ہوتے ہیں، ہر حکم شرعی کو بجالاتے ہیں ایسے لوگ صالحین کہلاتے ہیں لیکن ہر صالح کو صدیق نہیں کہا جا سکتا۔ حقیقت میں صدیقیت کا مرتبہ تصدیق و ایمان کی قوت و شدت سے حاصل ہوتا ہے ایمان کی قوت درجۂ صدیقیت پر فائز کرتی ہے۔ ایمان و تصدیق کی قوت انبیاءؑ کو تو براہ راست بلا کسی توسط کے حاصل ہوتی ہے

Marfat.com

اور امت والوں کو انبیاءؑ کی کامل پیروی کرنے اور ظاہر و باطن ہر طرح کے پورے پورے اتباع سے۔ امتی کمالاتِ نبوت میں جب ڈوب جاتا ہے اور انبیاءؑ کی وراثت و تبعیت سے اس پر ذاتی خالص تجلیات کا ظہور ہوتا ہے تو درجۂ صدیقیت تک اس کی رسائی ہوتی ہے۔

آیت اُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ۔ میں اپنے فیضان و انعام کا حامل چار قسم کے لوگوں کو قرار دیا، انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین۔ دوسرے مومنوں کو انہی کی معیت و ہمرکابی کی بشارت دی۔ سورۃ النساء میں اس آیت کی تفصیلی توضیح ہم کر چکے ہیں، صدیق وہی جماعت ہے جن کا ذکر سورۂ واقعہ کی آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَ قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ میں کیا ہے اور ہم نے اس کی تشریح اسی مقام پر کر دی ہے۔

انبیاءؑ کے بعد رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ سب سے بڑے صدیق تھے اور صحابہؓ میں سے جلیل القدر صحابہ سب سے اونچے تھے اور جلیل القدر صحابہ میں بھی حضرت ابوبکرؓ سب سے بڑے صدیق تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو صدیق فرمایا تھا اور اسی پر اہل سنت کا اجماع ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا تھا کہ میں[1] ہی صدیق اکبر ہوں۔ میرے بعد جو صدیق اکبر ہونے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے یعنی میرے مرتبہ کے بعد نچلے درجہ پر رہتے ہوئے جو شخص صدیق اکبر ہونے کا مدعی ہو گا وہ کاذب ہے۔ بعد ہونے سے مراد یہ نہیں ہے کہ میرے بعد جو مدعی ہو گا، بلکہ بعدیت سے مراد ہے مرتبہ کی بعدیت اور درجہ میں پیچھے رہنا۔

نبی کا لفظ یا نبوۃ سے ماخوذ ہے یعنی عالی قدر، اونچے مرتبہ والا، اللہ کی طرف سے پیغمبر بنایا ہوا۔ نبوۃ ٹیلہ، زمین کا ابھرا ہوا اونچا حصہ۔ یا نبأ خبر سے ماخوذ ہے یعنی اللہ کی طرف سے دین حق سے باخبر۔ جس کو براہ راست اللہ کی طرف سے خبر دی جاتی ہے۔

اِذْ قَالَ لِاَبِیْہِ یٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَ لَا یُبْصِرُ وَ لَا یُغْنِیْ عَنْکَ شَیْـًٔا ﴿۴۲﴾

جب اس نے اپنے باپ سے کہا، میرے باپ آپ کیوں ایسی چیزوں کی پوجا کرتے ہیں جو نہ کچھ سنتی ہیں (ان کے پاس سننے کی طاقت نہیں ہے) نہ کچھ دیکھتی ہیں (ان کے پاس نور نظر نہیں ہے) نہ آپ کے کام آتی ہیں (ان میں نفع پہنچانے اور ضرر کو دفع کرنے کی طاقت ہی نہیں ہے یعنی ان کے پاس سننے والے کان نہیں کہ آپ کی دعا اور پکار کو سن سکیں، نہ دیکھنے والی آنکھیں کہ تمہاری پوجا اور تمہاری حالت دیکھ سکیں، نہ ان میں نفع پہنچانے یا دکھ کو دور کرنے کی طاقت ہے کہ تمہارے کام آسکیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے باپ کو نہایت ادب، احترام اور شفقت و محبت کے لہجہ میں بے راہ روی اور گمراہی پر متنبہ کیا اور بے دھڑک یہ نہیں کہہ دیا کہ تو گمراہی میں پڑا ہوا ہے بلکہ باپ کے معبودوں کی بے بسی، کمزوری اور بے حسی کو مدلل طور پر ظاہر کیا اور دریافت کیا کہ آخر ان کی عبادت کرنے سے آپ کی کیا غرض ہے یہ تو بے حس اور بے طاقت ہیں ان کے سامنے جھکنا ہی تقاضائے دانش کے خلاف ہے، پوجا کرنی تو بجائے خود رہی پوجا تو اس ذات کی ہونی چاہئے جو خود محتاج نہ ہو، اس کو کسی چیز کی ضرورت نہ ہو، دکھ سکھ پہنچانے کی اس کو پوری قدرت ہو، نفع پہنچا سکے اور ضرر کو دفع کر سکے، زندگی، موت اور رزق دینا نہ دینا اس کے اختیار میں ہو، سزا جزا دینا اس کے قبضہ میں ہو، اس کو ہر چیز پر کامل اقتدار حاصل ہو۔ وہ ممکن محتاج جو خود اپنی ہستی و بقاء ہستی اور لوازم ہستی میں دوسرے کا دست نگر اور محتاج ہے معبود ہونے کا مستحق نہیں ہو سکتا خواہ اس کے پاس سننے والے کان، دیکھنے والی آنکھیں اور دکھ سکھ پہنچانے اور ضرر دفع کرنے کی بظاہر ناقص قوت بھی ہو، یہاں تک کہ فرشتہ یا پیغمبر ہو تب بھی معبود ہونے کا اس کو استحقاق نہیں۔ عقلِ سلیم اس کی پوجا کرنے کی اجازت نہیں دیتی کیونکہ وہ کچھ بھی ہو بہر حال اس کا وجود اس کا اپنا وجود نہیں۔ مانگا ہوا اور دوسرے سے ملا ہوا ہے۔ پھر وہ ممکن جو بے سمع، بے بصر اور بے طاقت و بے حس ہو اس کو تو بدرجۂ اولیٰ معبود بننے یا معبود قرار دیئے جانے کا کوئی حق نہیں، ایسے بے علم، بے طاقت، بے حس، بے بس کی پوجا تو سراسر کور دانشی

[1] معلوم نہیں حضرت مفسر رحمۃ اللہ علیہ کو یہ اثر کہاں سے ملا۔ (مترجم)

Marfat.com

يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝

اے میرے باپ میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو آپ کے پاس نہیں پہنچا آپ میرے کہنے پر چلیے، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ یعنی اللہ کی ذات، صفات اور اس کے احکام کا جو علم مجھے ملا ہے وہ آپ کو نہیں ملا، لہٰذا دین و مذہب کے معاملہ میں آپ میری بات مانیں اور اس کے موافق چلیں میں آپ کو مذہبی راستہ سیدھا بتاؤں گا جو آپ کو فلاح دارین تک لے جائے گا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے آپ کو ہر طرح سے اونچا عالم اور باپ کو صراحت کے ساتھ جاہل نہیں فرمایا، بلکہ ایک ہم سفر رفیق کی طرح راستہ بتانے کا اظہار کیا اور اپنے کو زیادہ راہ شناس بتلایا۔ اس سے آگے ذیل کی آیت میں بیان کیا کہ جس راستہ پر آپ چل رہے ہیں نہ فقط یہ کہ وہ نفع رساں نہیں ہے بلکہ ضرر رساں بھی ہے، وہ شیطان کا راستہ ہے اور شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے۔ اس لئے اس کی پوجا نہ کرو۔

يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ اے میرے باپ آپ شیطان کی پوجا نہ کریں، بے شک شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے۔ یعنی شیطان کفر اور بت پرستی کو تمہاری نظر کے سامنے آراستہ اور دلکش بنا کر لاتا ہے تم اس کا کہنا نہ مانو، اس کے بتائے ہوئے راستہ پر نہ چلو، کیونکہ شیطان اس خدا کا جو منعم، محسن مہربان ہے سخت نافرمان ہے اور ظاہر ہے کہ رب کے نافرمان کا اتباع کرنے والا بھی رب کا نافرمان قرار پائے گا اور جو رب کا نافرمان ہوگا اس سے رب منعم اپنی نعمتیں چھین لے گا اور ایسے احسان فراموش سے انتقام لے گا۔

يٰٓاَبَتِ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ اے میرے باپ مجھے ڈر ہے کہ رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب آپ پر (نہ) آجائے۔ یعنی اگر آپ کفر اور شیطان کی اطاعت پر قائم رہیں گے تو رحمٰن کی طرف سے (باوجود یہ کہ اس کی رحمت رحمت کاملہ ہے) کوئی سخت عذاب آجائے گا مجھے اس کا اندیشہ ہے اس کی رحمت اگرچہ فرماں برداروں پر بہت زیادہ ہے لیکن سرکش نافرمانوں پر اس کا عذاب بھی بہت سخت ہے۔

فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝ پھر آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں گے۔ شیطان پر دنیا میں جو لعنت ہے وہ آپ پر بھی ہو جائے گی اور آخرت میں جو عذاب شیطان پر ہوگا وہ آپ پر بھی ہوگا اس طرح آپ کے ساتھ شیطان اور شیطان کے ساتھ آپ کا جوڑ اور اتصال ہو جائے گا۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ آیت میں شیطان کے صرف نافرمان ہونے کا ذکر کیا، دوسرے جرائم کا ذکر نہیں کیا، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اللہ کی نافرمانی ہی تمام جرائم کی جڑ ہے اسی سے سب جرائم پیدا ہوتے ہیں یا یہ وجہ ہو کہ حضرت آدمؑ اور ان کی اولاد سے دشمنی کا نتیجہ بصورت معصیت نکلا (پس جو شیطان رب کا نافرمان انسان کی دشمنی کی وجہ سے ہو اس کی پوجا انسان کے لئے کسی طرح زیبا نہیں وہ تو دشمن ہے)

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ ابراہیمؑ کے باپ نے کہا ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے نفرت کرتا ہے (اس لئے ان کی مذمت کر رہا ہے) حضرت ابراہیمؑ نے تو نرمی، ادب اور اخلاق کے ساتھ باپ کو مشورہ دیا تھا لیکن باپ نے (انتہائی کفر و جہالت کی وجہ سے) درشت کلامی، بد خلقی اور سختی کا مظاہرہ کیا۔ ابراہیمؑ نے کہا تھا اے میرے باپ لیکن باپ نے میرے بیٹے کہنے کی جگہ بیٹے کا نام لے کر خطاب کیا پھر دھمکی آمیز کلام کیا اور بطور تہدید کہا کیا تو میرے معبودوں سے نفرت کرتا ہے۔

لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھر ماروں گا اور تو ہمیشہ کے لئے (میرے پاس سے چلا جا)۔ مجھے چھوڑ جا۔

کلبی، مقاتل اور ضحاک نے لَاَرْجُمَنَّكَ کا ترجمہ کیا، میں تجھے گالیاں دوں گا، سخت سست کہوں گا، برا بھلا کہہ کر تجھے نکال دوں گا۔ حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق ہم نے ترجمہ کیا ہے، حسن نے ترجمہ کیا میں تجھے ضرور سنگسار کر دوں گا۔

Marfat.com

وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا کا مطلب کلبی نے بیان کیا مجھ سے الگ ہو جا طویل مدت تک۔ مجاہد اور عکرمہ نے مَلِيًّا کا ترجمہ کیا وقت طویل اور سعید بن جبیر نے کہا ہمیشہ۔ مَلِي کا لغوی معنی ہے ٹھیرنا، تَملیت حِیناً میں ایک وقت تک ٹھہرا رہا۔ مَلَوَان رات دن۔ قتادہ اور عطا نے کہا صحیح سالم الگ ہو جا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، میرے پاس سے صحیح سالم چلا جا ورنہ تجھے میری طرف سے دکھ پہنچ جائے گا۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ ابراہیمؑ نے کہا سَلَامٌ عَلَيْكَ میں اپنے رب سے آپ کے لئے معافی طلب کروں گا، بلا شبہ وہ مجھ پر مہربان ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے یہ سلام رخصت تھا۔ اہل حلم، کم ظرف جاہلوں کی بدسلوکی کے بدلہ میں بھلائی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔ سَلَامٌ عَلَيْكَ کہنے کا یہ مطلب ہے کہ میری طرف سے آپ کو دکھ نہیں پہنچے گا، آپ کچھ بھی میرے ساتھ کریں میں تو آپ کے لئے اپنے رب سے معافی کی درخواست کروں گا۔ اکثر اہل تفسیر نے سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ کی تشریح میں لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اللہ سے مشرک باپ کی مغفرت کی دعا کروں گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ وہ آپ کو شرک و کفر سے توبہ کرنے اور اسلام و ایمان اختیار کرنے کی توفیق عنایت کر دے، جو امر موجب مغفرت ہو اس کے حاصل ہونے کی توفیق ملنے کی دعا مشرک کے لئے کی جا سکتی ہے ایمان و اسلام موجب مغفرت ہے پس توفیق ایمان کی دعا مشرک کے لئے ناجائز نہیں۔

میں کہتا ہوں آیت کی یہ تشریح غلط ہے اللہ نے دوسری جگہ فرمایا ہے قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ اِبْرٰهِيْمَ الخ اس آیت میں اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کے طریقہ پر چلنے کی ہدایت فرمائی ہے اور آخر میں یہ بھی فرمادیا کہ مشرک کے لئے استغفار کرنے کے معاملہ میں تم ابراہیمؑ کی پیروی نہ کرو، باوجودیکہ ہر مشرک کے لئے ایمان کی توفیق ملنے کی دعا کی جا سکتی ہے اگر استغفار کا مطلب آیت مذکورہ میں دعاء توفیق ایمان ہوتا تو ایسے استغفار کرنے میں ابراہیمؑ کی پیروی کیوں ناجائز قرار دی جاتی ایسا استغفار تو ہر مشرک کے لئے ہو سکتا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو باپ سے کہا سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ یہ اس وقت کہا تھا جب مشرک کے لئے دعائے مغفرت کرنے کی ممانعت آپ کو معلوم نہ تھی، جب ممانعت کا حکم ہو گیا تو پھر آپ نے باپ سے اظہار براءت کیا، رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب سے فرمایا تھا خدا کی قسم میں ضرور آپ کے لئے دعاء مغفرت کرتا رہوں گا، جب تک مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے، آخر آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ الخ نازل ہو گئی، اس آیت کی تشریح سورۂ براءۃ میں گزر چکی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ہر نبی کی خاص دعا قبول کی جاتی ہے اگر حضرت ابراہیمؑ باپ کے لئے توفیق ایمان کی درخواست کرتے تو اللہ ضرور اس کو توفیق ایمان فرما دیتا، لیکن آزر کے لئے ایمان مقدر ہی نہ تھا، اس لئے حضرت ابراہیمؑ نے اس کو ایمان نصیب ہونے کی دعا ہی نہیں کی۔

كَانَ بِيْ حَفِيًّا کا یہ مطلب ہے کہ وہ مجھ پر بڑی مہربانیاں اور کرم کرنے والا ہے۔ کلبی نے کہا وہ عالم ہے میری دعا کو جانتا اور قبول فرماتا ہے۔ مجاہد نے کہا اس نے مجھے قبول دعا کا عادی بنا دیا ہے۔ (وہ میری بد دعا بھی قبول فرمالیتا ہے)۔

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور میں (اپنے دین کو لے کر) تم لوگوں سے اور ان چیزوں سے جن کو اللہ کے سوا تم پوجتے ہو الگ ہو جاؤں گا۔ مقاتل نے کہا حضرت ابراہیمؑ کوثی سے ہجرت کر کے ارض پاک کو چلے گئے، الگ ہونے کی آپ نے یہی شکل اختیار کی۔

وَاَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾ اور اپنے رب کی عبادت کروں گا، امید ہے کہ اپنے رب کی عبادت کر کے محروم نہیں رہوں گا، یعنی جس طرح تم لوگ بتوں کی پوجا کر کے اور ان کو پکار کے ناکام رہتے ہو اس طرح میں اپنے رب کو پکار کر اور اس کی عبادت کر کے نامراد نہیں رہوں گا۔ لفظ عَسٰى امید ہے، قریب ہے کا استعمال محض تواضع اور انکسار نفس و اظہار عجز کے طور پر کیا ورنہ اللہ کی عبادت اور اس سے دعا کرنے میں حضرت ابراہیمؑ

Marfat.com

یقیناً ناکام نہیں تھے، نہ رہ سکتے تھے۔ اس لفظ سے اس امر کی طرف ایماء بھی ہے کہ دعا کا قبول کرنا اور عبادت کا ثواب دینا محض اللہ کی مہربانی پر موقوف ہے اس پر لازم نہیں ہے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ خاتمہ پر دارومدار ہے اور خاتمہ کا علم کسی کو نہیں۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۙ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿٤٩﴾
پھر جب ابراہیمؑ ان لوگوں سے اور اللہ کے سوا جن کی وہ عبادت کرتے تھے ان سے علیحدہ ہو گئے تو ہم نے اس کو اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عطا کیا اور (ان دونوں میں سے) ہر ایک کو نبی بنایا۔

یعنی جب سب کو چھوڑ کر ابراہیمؑ ملک شام کو چلے گئے تو چھوٹے ہوئے کافر قرابت داروں کے عوض ہم نے ان کو اسحاقؑ و یعقوبؑ عطا فرمائے اور عزت مند اولاد دے کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو پیغمبر بنایا۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ صرف حضرت اسحاقؑ و حضرت یعقوبؑ کا ذکر شاید اس لئے خصوصیت کے ساتھ کیا کہ یہ دونوں بزرگ آئندہ پیغمبروں کی اصل تھے۔ (حضرت اسماعیلؑ کی نسل میں تو سوائے رسول اللہ ﷺ کے اور کوئی نبی نہیں ہوا) یا یہ وجہ ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کا مستقل ذکر علیحدہ کرنا تھا۔

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا اور ہم نے ان (تینوں) کو اپنی رحمت کا ایک حصہ عطا فرمایا۔ کلبی کے نزدیک رحمت سے مال اور عزت مند اولاد مراد ہے، بعض نے کہا کتاب و نبوت مراد ہے۔

وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿٥٠﴾ اور (آئندہ نسلوں میں) ہم نے ان کا نام نیک اور اونچا کیا۔

لِسَانُ (زبان) سے مراد وہ الفاظ ہیں جو زبان سے نکلتے ہیں لِسَانُ الْعَرَبِ، لغت عرب، عرب کا کلام۔ لِسَانَ صِدْقٍ یعنی وہ باتیں جن کی تمام مذاہب والے تعریف کرتے ہیں اور ان پر فخر کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی تھی وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِيْنَ اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ صِدْق کی طرف لِسَان کی اضافت اور پھر لِسَان کی صفت عُلو کا ذکر بتارہا ہے اس بات کو کہ جو کچھ ان کی تعریف و ثنا کی جاتی ہے اس کے وہ مستحق ہیں ان کی ایسی خوبیاں ہیں جو امتداد زمانہ کے باوجود پوشیدہ نہیں ہیں۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ ۚ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ﴿٥١﴾ اور کتاب میں موسیٰؑ کا ذکر پڑھو، بلاشبہ وہ (اللہ کا) منتخب اور عالی قدر پیغمبر تھا۔ مُخْلَصًا یعنی اللہ نے ان کو چن لیا تھا اور اپنے لئے منتخب کر لیا تھا اور غیر کی طرف توجہ کرنے سے پاک کر دیا تھا۔

رَسُوْلًا نَبِيًّا رسالت کا مرتبہ نبوت سے اونچا اور افضل ہے اسلئے رَسُوْلًا کے بعد نَبِيًّا کہنے کی بظاہر ضرورت نہیں تھی، ہم صِدِّيْقًا نَبِيًّا کی تشریح میں لکھ چکے ہیں کہ لفظ نَبِي جس طرح نَبَأ سے مشتق ہے اسی طرح نُبُوَّة بمعنی رفعت و علو سے بھی ماخوذ ہے، پس نبی کا ترجمہ ہوا عالی قدر، اونچے مرتبہ والا، لیکن اللہ جس کو رسول بناتا ہے اس کو اپنی پیغمبری کا مرتبہ دے کر عالی قدر بھی بناتا ہے اور اپنے احکام سے براہ راست باخبر بھی فرماتا ہے پس موسیٰؑ کو اللہ نے اپنے لئے چن لیا تھا ان کو عالی قدر رسول بنایا تھا۔

وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ اور ہم نے ان کو طور کے دائیں جانب سے پکارا۔ مصر اور مدین کے درمیان ایک پہاڑ تھا جس کو طور کہا جاتا تھا۔ بعض علماء نے اس کا نام زبیر بتایا ہے۔ حضرت موسیٰؑ مدین سے آرہے تھے، مصر کی طرف جانے کا ارادہ تھا، آپ کے دائیں جانب کوہ طور واقع تھا، دور سے آپ نے آگ روشن دیکھی اور ندا آئی يٰمُوْسٰٓى إِنِّيْٓ أَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ پہاڑ کا تو کوئی دایاں بایاں رخ نہیں ہوتا اس لئے موسیٰؑ کا دایاں جانب مراد ہے یعنی وہ مقام جہاں کوہ طور موسیٰؑ کے دائیں جانب تھا۔ یا اَيْمَن کا معنی ہے يُمْن برکت والا یعنی طور کے مبارک جانب سے ہم نے موسیٰؑ کو پکارا، مبارک جانب سے مراد ہے وہ رخ جہاں سے اللہ کا کلام آرہا تھا۔

وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا ﴿٥٢﴾ اور راز کی باتیں کرنے کے لئے ان کو مقرب بنایا۔ اللہ نے موسیٰؑ کو اپنا بے کیف قرب

Marfat.com

عنایت کیا جو وجدانی ہے، بیانی نہیں نَجِیًّا سے یہ مراد ہے کہ اللہ نے اس کو اپنا کلام سنایا اور اس نے اللہ سے کلام کیا۔

وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَّحْمَتِنَآ أَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿٥٣﴾ اور ہم نے اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارونؑ کو نبی بنا کر ان کو عطا فرمایا۔ حضرت ہارونؑ عمر میں حضرت موسیٰؑ سے بڑے تھے، اس لئے یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا کہ موسیٰؑ کے لئے ہم نے ہارونؑ کو پیدا کیا (بلکہ مراد یہ ہے کہ موسیٰؑ کی وجہ سے ہارونؑ کو نبوت عطا کی اور یہ عطاء نبوت موسیٰؑ کی درخواست پر ہوا) بغوی نے لکھا ہے اسی لئے حضرت ہارونؑ کا نام ہِبَةُ اللهِ (عطیہ خداوندی) ہو گیا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِسْمٰعِيْلَ إِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥٤﴾

اور کتاب میں اسمٰعیلؑ کا تذکرہ پڑھو بلاشبہ وہ وعدہ کا سچا تھا اور رسول نبی تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے ایک بیٹے کا نام اسمٰعیل تھا۔ حضرت اسمٰعیلؑ رسول اللہ ﷺ کے جدِ اعلیٰ تھے، آپ وعدے کے سچے تھے، بقول مجاہد جو وعدہ کیا اس کو پورا کیا۔

مقاتل نے کہا حضرت اسمٰعیلؑ نے ایک شخص سے وعدہ کیا کہ جب تک تو واپس نہ آئے گا میں اس جگہ سے نہیں ہٹوں گا وہ شخص تین روز میں یا بقول کلبی سال کے بعد واپس آیا اور حضرت اسمٰعیلؑ کو اسی جگہ منتظر پایا۔ وعدے کی سچائی اس سے بڑھ کر اور کونسی ہو سکتی ہے کہ آپ نے اپنے والد محترم حضرت ابراہیمؑ سے کہا سَتَجِدُنِيْٓ إِنْ شَآءَ اللهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے، اللہ نے جو کچھ آپ کو حکم دیا بجالائیے، چنانچہ ذبح ہونے پر ثابت قدم رہے بے تابی کا اظہار نہیں کیا۔

بیضاوی نے لکھا ہے آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ رسول کا صاحب شریعت ہونا ضروری نہیں، حضرت اسمٰعیلؑ رسول تھے اور ابراہیمی شریعت پر تھے، خود صاحب شریعت نہیں تھے، حضرت ابراہیمؑ کی اولاد شریعت ابراہیمی پر تھی۔

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾

اور وہ اپنے گھر والوں کو خصوصیت کے ساتھ نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیتے تھے اور اپنے رب کے ہاں وہ برگزیدہ پسندیدہ تھے۔ حضرت اسمٰعیلؑ خصوصیت کے ساتھ اپنے گھر والوں کو صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم اس لئے دیتے تھے کہ گھر والوں کی اصلاح سب سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ آدمی کو چاہئے کہ سب سے پہلے اپنی درستی کی طرف توجہ کرے پھر اقرب ترین لوگوں کی طرف اصلاح کا رخ موڑے پھر دوسرے لوگوں کی اصلاح کی فکر کرے۔ اللہ نے فرمایا ہے وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ۔ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ۔ قُوْٓا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ اہل سے مراد ساری امت ہے انبیاءؑ اپنی اپنی امتوں کے باپ ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا نماز و زکوٰۃ سے مراد وہ شریعت ہے جس کی تعمیل اللہ نے اسمٰعیلؑ پر فرض کی تھی اور وہی ملت حنفیہ (دین ابراہیمی) ہم پر فرض ہے، نماز تمام بدنی عبادت میں اور زکوٰۃ تمام مالی عبادات میں افضل ہے، اس لئے خصوصیت کے ساتھ انہی دونوں کا ذکر کیا ورنہ مراد تو پوری شریعت ہے۔

مَرْضِيًّا یعنی اللہ نے ان کو اپنی پیغمبری اور نبوت کے لئے پسند کر لیا تھا اور وہ اللہ کی طاعت پر قائم اور اعمال و افعال کی استقامت کے پابند تھے اس لئے اللہ ان سے راضی تھا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِدْرِيْسَ إِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٥٦﴾ اور کتاب میں ادریسؑ کا تذکرہ پڑھو، بلاشبہ وہ صدیق نبی تھے، ادریسؑ حضرت نوحؑ کے پردادا اور حضرت شیثؑ کے نواسے تھے، آپ کا نام اخنوخ تھا، درس کتب کی وجہ سے آپ کو ادریس کہا جاتا تھا (بہت پڑھنے والے) بیضاوی نے لکھا ہے ادریس غیر منصرف ہے (اس سے معلوم ہوا کہ یہ عربی نام نہیں) پھر درس سے مشتق ہونے کا کوئی معنی نہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ جس زبان کا یہ لفظ ہو اس میں بھی لفظ ادریس کا معنی (کثیر الدرس یا اس کے قریب کوئی معنی ہو اور اسی بناء پر ادریس کو ادریس کہا جاتا ہو) عربی معنی کے موافق ہو۔ اللہ نے حضرت ادریسؑ پر تیس صحیفے نازل فرمائے تھے۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت ادریسؑ قلم سے لکھنے اور کپڑا سینے اور سیا ہوا کپڑا پہننے کے موجد ہیں، آپ سے پہلے لوگ کھالوں کو بطور لباس استعمال کرتے تھے، آپ ہی نے سب سے پہلے ہتھیار بنائے اور

Marfat.com

کافروں سے جنگ کی۔ علم نجوم وحساب کے بھی آپ ہی موجد تھے۔

وَّرَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ اور ہم نے (کمالات میں) ان کو اونچی جگہ تک پہنچایا، بعض علماء نے کہا مکاناً علیاً سے مراد ہے نبوت اور قرب خدا کا اونچا درجہ، بعض کے نزدیک جنت، بعض کے نزدیک چھٹا یا چوتھا آسمان مراد ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضرت مالک بن صعصعہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ شب معراج میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ادریسؑ کو چوتھے آسمان پر دیکھا تھا، یہ حدیث سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ النجم میں بیان کردی گئی ہے۔

حضرت ادریسؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کا قصہ

کعب احبار وغیرہ نے بیان کیا کہ حضرت ادریس ایک روز دن بھر چلے اور دھوپ کی تیزی اور تپش سے آپ کو تکلیف ہوئی بارگاہ الٰہی میں عرض کیا میرے رب ایک روز دھوپ کی تپش میں چلنے سے مجھے اتنی تکلیف ہوئی پانسو برس کی مسافت جو ایک دن میں چلنے پر مجبور ہو اس کی کیا حالت ہوگی، اے میرے رب اس سورج کی گرمی ہلکی کردے اور جو فرشتہ اس کو چلاتا ہے اس کا بار کم کردے۔ دوسری صبح کو فرشتہ کو محسوس ہوا کہ سورج میں گرمی ہلکی ہوگئی جو روز کے معمول کے خلاف تھی، عرض کیا اے میرے رب تیرے اس حکم (تخفیف) کی کیا وجہ ہے، اللہ نے فرمایا میرے بندے ادریس نے درخواست کی تھی کہ میں سورج کی گرمی کم کرکے تیرے اوپر سے اس کا بار ہلکا کردوں میں نے اس کی دعا قبول کرلی، فرشتہ نے عرض کیا پروردگار میری اس سے دوستی کرادے، اللہ نے اجازت دیدی، آفتابی فرشتہ حضرت ادریس کے پاس آیا اور ادریس نے اس سے دریافت کیا اور کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو بڑا معزز فرشتہ ہے اور ملک الموت کے پاس تیری بڑی عزت ہے تو ملک الموت سے میری سفارش کردے کہ وہ میری موت میں کچھ مدت ڈھیل کردے تاکہ میں اللہ کے شکر و عبادت میں مزید اضافہ کرسکوں، فرشتے نے کہا آئی ہوئی اجل کو تو اللہ کسی کے لئے نہیں ٹالتا بہر حال میں ملک الموت سے کہوں گا۔ اس کے بعد آفتابی فرشتہ ادریس کو آسمان پر اٹھا کرلے گیا اور طلوع آفتاب کے مقام کے قریب ان کو ٹھیرایا، پھر ملک الموت سے جاکر کہا میرا آپ سے ایک کام ہے بنی آدم میں سے میرا ایک دوست ہے جس نے مجھ سے سفارش کرائی ہے کہ آپ اس کی موت کو کچھ پیچھے کردیں، ملک الموت نے اپنے رجسٹر میں ادریس کا نام دیکھا، دیکھ کر بولا آپ نے مجھ سے ایسے شخص کے متعلق گفتگو کی ہے جو میرے خیال میں آئندہ کبھی نہیں مرے گا کیونکہ اس کا نام زندوں کے اس رجسٹر میں نہیں ہے جو مرنے والے ہیں، آفتابی فرشتے نے کہا یہ کیسے، ملک الموت نے کہا میں نے اپنے رجسٹر میں یہ بات پائی کہ وہ آدمی طلوع آفتاب کے مقام کے قریب مرے گا۔ چنانچہ وہ مر گیا اب زندہ نہیں ہے آفتابی فرشتے نے کہا میں جو آپ کے پاس آیا ہوں تو اس کو چھوڑ کر آیا ہوں ملک الموت نے کہا اب جا کر دیکھو تم اس کو مردہ پاؤ گے اس کی زندگی کا کوئی حصہ باقی نہیں ہے فرشتے نے جا کر دیکھا تو ادریس کو مردہ پایا۔

وہب بن منبہ نے کہا آسمان پر ادریس زندہ ہیں یا مردہ علماء کے اقوال اس کے متعلق مختلف ہیں، ایک گروہ نے کہا وہ آسمان پر زندہ موجود ہیں اور صرف وہ ہی نہیں بلکہ چار انبیاء زندہ ہیں خضر اور الیاس زمین پر اور ادریس و عیسیٰ آسمان پر۔ وہب نے بیان کیا آسمان پر روزانہ ادریس کی اتنی عبادت پہنچتی تھی جتنی ساری زمین کے باشندوں کی، فرشتوں کو اس پر تعجب ہوا اور ملک الموت کو ادریس سے ملنے کا شوق ہوا اور اللہ سے اجازت لے کر وہ ادریس کی ملاقات کو آدمی کی شکل میں آیا۔ ادریس ہمیشہ روزے رکھتے تھے جب افطار کا وقت آیا تو ملک الموت کو بھی انہوں نے کھانے پر بلایا، ملک الموت نے کھانے سے انکار کردیا تین روز ایسا ہی ہوتا رہا، اب ادریس کو ملک الموت کا انکار ناگوار ہوا اور تیسری شب کو ملک الموت سے پوچھا میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کون ہیں، ملک الموت نے کہا میں موت کا فرشتہ ہوں اپنے رب سے آپ کے ساتھ رہنے کی اجازت لے کر آیا ہوں، ادریس نے کہا میرا آپ سے ایک کام ہے، ملک الموت نے کہا کیا کام ہے، ادریس نے کہا آپ میری روح قبض کرلو۔ فرشتے نے روح قبض کرلی پھر تھوڑی دیر کے بعد اللہ نے روح واپس کردی، ملک الموت نے پوچھا آپ نے جو روح قبض کرنے کی درخواست کی تھی اس کی غرض کیا تھی، ادریس نے کہا میں موت کی تکلیف اور گہرائی کا مزہ چکھنا چاہتا تھا (بالکل مر جانا میرا مقصد نہیں تھا)

Marfat.com

تاکہ موت کے لئے میری قابلیت زیادہ قوی ہو جائے (یعنی آئندہ جب مجھ پر موت آئے تو میرے اندر اس کی تکلیف اٹھانے کی صلاحیت کامل ہو اور کیفیت موت سے میں آشنا ہو چکا ہوں) اس کے بعد حضرت ادریس نے ملک الموت سے کہا میرا آپ سے ایک کام اور ہے ملک الموت نے پوچھا وہ کیا ہے، ادریس نے کہا آپ مجھے آسمان پر لے جائیں تاکہ میں وہاں کے احوال دیکھ لوں اور جنت و دوزخ کی طرف بھی لے جائیں۔ اللہ نے ملک الموت کو ادریس کی درخواست پوری کرنے کی اجازت دے دی، چنانچہ ملک الموت ادریس کو لے گئے دوزخ پر پہنچے تو ادریس نے ملک الموت سے کہا، آپ مالک (مہتمم دوزخ) سے کہہ کر دوزخ کے دروازے کھلوا دیجئے کہ میں (اندر جا کر اور) اتر کر دیکھ لوں، ملک الموت نے ایسا ہی کر دیا، ادریس نے کہا دوزخ تو آپ نے دکھا دی اب جنت بھی دکھا دیجئے۔ ملک الموت جنت کی طرف لے گئے اور جنت کے دروازے کھلوا کر اندر لے گئے اندر پہنچ گئے تو فرشتے نے کہا اب یہاں سے باہر نکلو اور اپنی اصلی قرار گاہ پر واپس جاؤ۔ ادریس ایک درخت کی ٹہنی پکڑ کر چمٹ گئے اور بولے اب میں یہاں سے باہر نہیں جاؤں گا (دونوں میں گفتگو کا رد و بدل ہونے لگا) اللہ نے فیصلہ کرنے کے لئے ایک فرشتہ کو بھیجا، فرشتے نے آکر ادریس سے پوچھا، آپ باہر کیوں نہیں جاتے، ادریس نے جواب دیا وجہ یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے، میں موت کا مزہ چکھ چکا، اور اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تم میں سے ہر شخص دوزخ میں ضرور اترے گا تو میں دوزخ میں اتر چکا اور اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ جنت سے باہر کبھی نہیں نکلیں گے، اس لئے میں اب نہیں نکلوں گا، اللہ نے ملک الموت کے پاس وحی بھیجی میری اجازت سے یہ جنت میں داخل ہوا اور میری اجازت (حکم) سے باہر نکلے گا (تم نکالنے کی کوشش مت کرو) یہی وجہ ہے کہ ادریس وہاں زندہ ہیں، وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا کی یہی تشریح ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِن ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے (خاص) انعام فرمایا، بجملہ دیگر انبیاء کے (نوح سے پہلے) آدم کی نسل سے اور (آدم سے نیچے) ان لوگوں کی نسل سے جن کو نوحؑ کے ساتھ ہم نے (کشتی میں) سوار کیا تھا اور (نوحؑ سے بہت نیچے) ابراہیم و یعقوب کی نسل سے اور یہ سب لوگ ان لوگوں میں سے تھے جن کو ہم نے ہدایت کی اور ہم نے ہی ان کو برگزیدہ کیا۔

اُولٰٓئِكَ یعنی زکریا سے ادریس تک جن انبیاء کا ذکر کیا گیا۔

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ یعنی دنیوی اور دینی نعمتوں سے نوازا۔

مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ یعنی حضرت آدمؑ کی نسل میں سے جیسے ادریس وغیرہ۔

وَمِمَّنْ حَمَلْنَا یعنی بجملہ آدم کی نسل کے ان لوگوں کی اولاد میں سے جو نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار کئے گئے تھے خصوصاً خود نوح کی نسل سے جیسے ابراہیم و اسرائیل جو سام بن نوح کی نسل سے تھے۔

وَمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اور نوح سے نیچے ابراہیم کی اولاد یعنی اسمٰعیل و اسحاق وغیرہ۔

وَاِسْرَآءِيْلَ اور اسرائیل یعنی یعقوب کی نسل سے مثلاً موسیٰ ہارون زکریا، یحییٰ، عیسیٰ آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ بیٹی کی اولاد بھی ذریت میں داخل ہے۔

وَاجْتَبَيْنَا یعنی نبوت، اعزاز اور ہدایت کرنے کے لئے ہم نے انتخاب کر لیا۔

إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۩ ﴿٥٨﴾ اور جب ان کے سامنے رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے زمین پر گر جاتے تھے۔

سُجَّدًا ساجد کی جمع ہے۔ بُكِيًّا باکی کی جمع ہے یعنی اللہ کی رحمت کی طلب میں سجدہ میں گر پڑتے تھے اور عذاب کے ڈر سے روتے تھے۔ مراد یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ ان کو شرافت نسب، کمالات ذاتی، علو مرتبہ اور قرب خداوندی حاصل تھا پھر بھی خشیۃ اللہ کی وجہ سے سجدہ میں گر جاتے اور روتے تھے۔

Marfat.com

ابن ماجہ، اسحاق بن راہویہ اور بزار نے حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قرآن پڑھو اور گریہ کرو، رونا نہ آئے تو روتے بن جاؤ۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ　پھر ان کے بعد کچھ ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا اور (ناجائز) نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ گئے۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یعنی ان کے بعد (ان کے جانشین ہوئے) ان کے پیچھے آئے۔ خَلْفٌ برے جانشین، خَلَفٌ اچھے جانشین۔ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ یعنی انہوں نے نماز ترک کردی۔ حضرت ابن مسعودؓ نے ترجمہ کیا، نماز وقت کو ٹال کر پڑھی۔ سعید بن میسب نے اس کی تشریح میں فرمایا جیسے ظہر کی نماز عصر کا وقت آنے سے پہلے نہ پڑھی جائے اور عصر کی نماز اس وقت پڑھی جائے جب سورج غروب ہونے لگے۔ حضرت مفسر نے فرمایا، میں کہتا ہوں کہ کسی مکروہ طریقے سے نماز پڑھنا اور نماز کے آداب و سنن کو ترک کرنا بھی نماز کو ضائع کرنا ہی ہے۔ اتباع شہوات کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی طاعت کو چھوڑ اور نفس کی خواہشات کو پورا کیا اور اللہ کی نافرمانیاں کیں۔

فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾　سو یہ لوگ عنقریب (آخرت میں) خرابی پائیں گے (یعنی غی میں پھینک دیئے جائیں گے)۔ بغوی نے لکھا ہے، وہب بن منبہ کا قول ہے کہ غی جہنم کے اندر ایک بہت گہری وادی کا نام ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جہنم کے اندر ایک ایسی وادی ہے کہ جہنم بھی اس کی گرمی سے پناہ مانگتی ہے۔ عادی زناکاروں کے لئے، دوامی شراب خوروں کے لئے اور ان سود خوروں کے لئے جو سود خوری سے باز نہیں آتے اور ماں باپ کی نافرمانی کرنے والوں کے لئے اور جھوٹے گواہوں کے لئے اس کو تیار کیا گیا ہے۔ ابن مردویہ نے یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے مرفوعاً نقل کی ہے۔ بغوی نے عطا کا قول نقل کیا ہے کہ غیٌّ جہنم کے اندر ایک وادی ہے، جس کے اندر (بجائے پانی کے) پیپ اور خون بہتا ہے۔ کعب نے کہا غیٌّ جہنم کے اندر ایک بہت ہی گہری اور گرم ترین وادی ہے جس کے اندر ایک کنواں ہے کنویں کو بہیم کہا جاتا ہے، دوزخ کی آگ جب بھی بجھنے لگتی ہے تو اس کنویں کا منہ کھول دیا جاتا ہے جس کی آگ سے دوزخ پھر بھڑکنے لگتی ہے۔

بغوی نے بروایت زکریا بن ابو مریم خزاعی بیان کیا کہ حضرت ابو امامہ باہلی نے فرمایا جہنم کے بالائی کنارہ سے گہرائی تک اتنی دوری ہے کہ کوئی دس ماہہ عظیم الجثہ اونٹیوں کے برابر اگر کوئی پتھر یا چٹان اوپر سے نیچے کو لڑھکائی جائے تو ستر برس کی مسافت طے کر کے نیچے پہنچے، یہ سن کر عبدالرحیم بن خالد بن ولد کے آزاد کردہ غلام نے دریافت کیا حضرت کیا اس کے نیچے بھی کچھ ہے، حضرت ابو امامہ نے فرمایا ہاں غیٌّ اور اَثَام ہے۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم، سعید بن منصور، ہناد، فریابی حاکم اور بیہقی نے مختلف سندوں سے اس آیت کے ذیل میں حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ غی جہنم کے اندر ایک وادی ہے یا ایک نہر ہے (اختلاف روایت) بہت گہری بہت بدمزہ۔ دوسری روایت میں ہے دوزخ کے اندر گرم پانی کی ایک نہر ہے جو لوگ خواہشات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں انکو اس کے اندر پھینکا جائے گا۔

بیہقی کا بیان ہے کہ حضرت براء بن عازب نے فرمایا غی جہنم کے اندر ایک بہت گہری بدبودار وادی ہے۔

طبرانی اور بیہقی نے حضرت براء بن عازب کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر دس اوقیہ وزن کا کوئی پتھر جہنم کے (بالائی) کنارہ سے اندر پھینکا جائے تو ستر برس تک اس کی تہ تک نہیں پہنچے گا پھر غی اور اَثَام تک پہنچ جائے گا (یعنی جہنم کی تہ تک پہنچنے کے بعد جب اور نیچے جائے گا تو غی و اَثَام پر پہنچے گا) میں نے عرض کیا غی اور اَثَام کیا چیز ہے، فرمایا جہنم کے نچلے حصے میں دو نہریں ہیں جن کے اندر دوزخیوں کا کچ لہو رواں ہے۔ اور یہی وہ دو نہریں ہیں جن کا ذکر اللہ نے آیت فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا اور آیت مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا میں کیا ہے، بعض علماء نے کہا غی کا معنی اس جگہ وہی لغوی معنی یعنی گمراہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ راہ جنت گم پائیں گے، جنت کے راستہ سے بھٹک جائیں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر بدی کو غی اور ہر اچھائی کو رشاد کہا جاتا ہے، اسی وجہ سے آیت کی تشریح میں ضحاک نے کہا وہ خسران پائیں گے، بعض نے غی کا

Marfat.com

ترجمہ ہلاک اور بعض نے عذاب کیا ہے، عذاب ہو یا ہلاکت یا خسران و ناکامی سب ہی شر و بدی کے اقسام ہیں، بعض علماء نے محذوف مانتے ہوئے آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے، دنیا میں گمراہ ہونے کا بدلہ اور سزا آخرت میں پائیں گے۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿۶۰﴾

ہاں اگر جس نے توبہ کرلی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کرنے لگا سو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور ان کی ذرا بھی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ یعنی اتباع خواہشات اور ترکِ صلوٰۃ سے جس نے توبہ کرلی اور کفر چھوڑ کر ایمان لے آیا اور حسب تقاضائے ایمان نیک عمل کئے وہ جنت میں داخل ہو گا اور اس کی بالکل حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ آیت میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ توبہ اور ایمان کے بعد سابق کفر کا کوئی مواخذہ اس سے نہیں ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اسلام پچھلے یعنی ایمان لانے سے پہلے جرائم کو ڈھا دیتا ہے۔ رواہ مسلم من حدیث عمرو بن العاص۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ کے الفاظ دلالت کر رہے ہیں کہ مذکورہ بالا عذاب کی وعید کافروں کے لئے ہے اور جو کفر کے بعد ایمان لے آئے اس کو جنت کی بشارت دی گئی ہے، (حضرت مفسرؒ نے فرمایا) میں کہتا ہوں کہ عذاب کی وعید سے صرف مَنْ اٰمَنَ ہی مستثنیٰ نہیں ہے بلکہ مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا کا مجموعہ مستثنیٰ ہے اس لئے وعید سابق صرف کافروں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ مومن فاسق بھی وعید میں داخل ہیں، حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ غی، زانی، شرابی اور دوسرے اہل کبائر کے لئے ہے یعنی صرف کافروں ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ فاسق مومن کے لئے بھی ہے۔

جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ

(اور) ہمیشہ رہنے کے باغوں میں جن کا رحمن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ کیا ہے (رہیں گے) عَدْن یا مصدر ہے بمعنی قیام یا ایک جنت یا جنت کی زمین کا نام ہے۔ بِالْغَيْبِ ان لوگوں کیلئے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے جو جنت سے غائب اور اس کو نہ دیکھنے کی حالت میں بھی اللہ کی بندگی کرنے والے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ غیب پر ایمان لانے اور تصدیق کرنے کی وجہ سے اللہ نے اپنے بندوں کیلئے جنت کا وعدہ کیا ہے، اول مطلب پر بِالْغَيْبِ کا تعلق مُتَلَبِّسِيْن محذوف سے ہو گا اور دوسرے مطلب پر وَعَدَ سے۔

اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾ بے شک اللہ کی وعدہ کی ہوئی چیز کو وہ ضرور پہنچیں گے۔ مَاْتِيًّا (اسم ظرف) یعنی اہل جنت جنت میں ضرور داخل ہوں گے یا مَاْتِيًّا اسم مفعول بمعنی اسم فاعل ہے، یعنی اللہ کا وعدہ ضرور آنے والا ہے، دونوں مضمونوں میں کوئی فرق نہیں، عربی محاورہ میں بولا جاتا ہے مجھ پر پچاس سال گزر گئے۔ میں پچاس سال پر گزر گیا، دونوں ہم معنی ہیں۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ اس جنت میں وہ لوگ کوئی فضول بات نہ سننے پائیں گے، بجز سلام کے یعنی جنت کے اندر اہل جنت کوئی بیہودہ لفظ نہیں سنیں گے بلکہ اللہ کی طرف سے اور باہم ایک دوسرے کی طرف سے سلام (کی آواز) سنیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اہل جنت ایسا کلام ہی سنیں گے جو عیب اور نقص سے پاک ہو گا۔

وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾ اور ان کو ان کا کھانا صبح و شام ملا کرے گا۔ یعنی ہر طرح کا رزق بافراغت اور سکھ حاصل ہو گا۔ حسن بصری نے کہا، عرب کے نزدیک زندگی کا عیش اس سے بڑھ کر اور کوئی نہ تھا کہ صبح و شام کھانے کو غذا (پیٹ بھر کر) مل جائے، اللہ نے عرب ہی کے محاورہ کے مطابق اہل جنت کے لئے صبح و شام رزق ملنے کا ذکر کیا ورنہ حقیقت میں ہر قسم کے عیش کا حصول مقصود ہے۔ سعید بن منصور اور ابن ابی حاتم نے اس آیت کے ذیل میں حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جتنی مقدار ان کو دنیا میں ملتی تھی اتنی ہی آخرت میں ملے گی۔ ابن مبارک نے اس آیت کی تشریح میں ضحاک کا قول نقل کیا کہ رات و دن کی مقدار کے مطابق ان کو ملے گا۔ ابن المنذر نے بیان کیا کہ ولید بن مسلم نے کہا میں نے اس آیت کی تشریح زہیر بن محمد سے دریافت کی۔ زہیر نے کہا جنت میں رات نہیں ہو گی، وہاں تو ہمیشہ نور ہی ہو گا۔ پردہ چھوڑنے سے رات کا اندازہ اور پردہ اٹھا دینے سے دن کا اندازہ معلوم ہو گا۔

Marfat.com

حکیم ترمذی نے النوادر میں حضرت ابو قلابہ و حضرت حسن کی روایت سے بیان کیا کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا جنت میں رات ہوگی، فرمایا، وہاں تو محض نور کی چمک ہوگی، صبح کا شام پر اور شام کا صبح پر توارد ہوگا، اللہ کی طرف سے نمازوں کے ان اوقات میں جن میں وہ نمازیں پڑھا کرتے تھے، عجیب تحفے ان کے پاس آئیں گے اور فرشتے ان اوقات میں ان کو سلام کریں گے۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾

یہ جنت ایسی ہے کہ ہم اپنے بندوں میں سے اس کا مالک ایسے لوگوں کو بنائیں گے جو خدا سے ڈرنے والے ہوں۔ نورث یعنی ہم جنت کو ان کے تقویٰ کا ثمرہ بنا کر ان کے لئے باقی رکھیں گی، جیسے مورث کا مال وارث کے لئے باقی رہتا ہے، مطلب یہ کہ وارث کرنے سے مراد ہے باقی رکھنا یہ مطلب نہیں کہ پہلے جنت کا کوئی اور مالک تھا اس کے مرنے کے بعد نیک بندوں کو اس کا وارث بنایا گیا۔ وارث بنانے سے مراد مالک بنانا بھی ہو سکتا ہے محاورات عربیہ اور بعض آیات اس کی شاہد ہیں اس وقت کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ (مترجم)

وراثت کا لفظ (بجائے تملیک کے) اسلئے اختیار کیا کہ ملکیت و استحقاق کا سب سے قوی ذریعہ وراثت ہی ہے، نہ مورث اس کو فسخ کر سکتا ہے، نہ وارث سے واپس لینے کا امکان ہے، نہ اس کو رد کیا جا سکتا ہے، نہ اس کا اسقاط ممکن ہے۔ بعض علماء نے کہا مومنوں کو جنت کے اندر بعض ایسے مکان بھی ملیں گے جو واقع میں ان دوزخیوں کے لئے تھے کہ اگر وہ کفر نہ کرتے تو ان مکانوں کے مالک و قابض ہوتے لیکن ان کے دوزخ میں جانے کے بعد اللہ ان کے مساکن پر مومنوں کو قابض بنا دے گا۔ ابن ماجہ اور بیہقی نے بسند صحیح حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کے لئے دو گھر ہوں گے ایک جنت کے اندر ایک دوزخ کے اندر جب کوئی مرنے کے بعد دوزخ میں چلا جائے گا تو اس کے جنت والے گھر کے وارث اہل جنت ہو جائیں گے یہ ہی اللہ کے قول (اُولٰٓئِکَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ) کا مفہوم ہے۔

حضرت انسؓ کی روایت سے ابن ماجہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے وارث کو میراث دینے سے بھاگے گا، اللہ جنت کے اندر اس کی (موجود) میراث کو کاٹ دے گا۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بخاری نے بیان کیا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیلؑ سے فرمایا ہماری ملاقات سے روکنے والی آپ کے لئے کیا چیز ہے (یعنی کیا وجہ کہ آپ ہمارے پاس نہیں آئے) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ اور ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم سے۔ اصل کلام اس طرح تھا۔ جبرئیلؑ محمد ﷺ سے کہہ دو کہ ہم بغیر رب کے حکم کے نہیں اترا کرتے۔ تَنَزُّل (باب تفعل) بمعنی نزول بھی آتا ہے اور تھوڑے وقفہ کے بعد اترنا بھی تنزّل کا مفہوم ہے، کیونکہ باب تفعل باب تفعیل کا مطاوع ہوتا ہے اور تَنْزِیْل کا معنی ہے تھوڑا تھوڑا اتارنا پس تَنَزُّل کا معنی ہوا وقفہ وقفہ کے بعد اترنا، کبھی تَنْزِیْل اِنْزَال (اتارنا) کا ہم معنی بھی آتا ہے یعنی اس کے معنی میں آہستہ آہستہ اور قدرے قدرے کا مفہوم نہیں ہوتا۔

ابن ابی حاتم نے عکرمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک بار جبرئیلؑ کے آنے میں چالیس روز کا وقفہ ہو گیا۔

ابن مردویہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا مکان اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور کون سی جگہ ہے جس سے اللہ کو سب سے زیادہ نفرت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے نہیں معلوم، میں جبرئیلؑ سے دریافت کروں گا، اس کے بعد جبرئیل کو آنے میں (ایک لمبی مدت تک) تاخیر ہو گئی، پھر جب جبرئیل آئے تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا آپ نے آنے میں بڑی مدت لگا دی مجھے تو یہ خیال ہونے لگا کہ شاید میرا رب مجھ سے کچھ ناراض ہو گیا، اس کے جواب میں حضرت جبرئیل نے کہا وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ۔

ابو نعیم نے دلائل میں اور ابن اسحاق نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے جب اصحاب کہف اور ذوالقرنین اور روح کے متعلق دریافت کیا اور آپ کو اس کا جواب معلوم نہ تھا (اس لئے آپ نے دوسرے روز جواب دینے کا وعدہ کر لیا) آپ کو امید تھی کہ وحی سے جواب معلوم ہو جائے گا لیکن جبرئیل پندرہ روز تک نہیں آئے اور

Marfat.com

کوئی وحی بھی نہیں آئی پندرہ روز کے بعد جب جبرئیل آئے تو آپ نے ان سے تاخیر نزول کا شکوہ کیا۔الخ
بغوی نے ضحاک، عکرمہ، مقاتل اور کلبی کے حوالہ سے بیان کیا کہ جب قوم والوں نے رسول اللہ سے اصحاب کہف اور ذوالقرنین اور روح کے متعلق سوال کیا تو حضورؐ نے فرمایا میں کل کو بتادوں گا آپ نے اس وعدے کے ساتھ انشاء اللہ نہیں فرمایا،اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جبرئیلؑ مدت تک نہیں آئے اور حضور ﷺ کو (جبرئیل کے نہ آنے اور جواب معلوم نہ ہونے سے) تکلیف ہونے لگی پھر کچھ دنوں کے بعد جب جبرئیل آئے تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا آپ نے بہت دیر کردی، میرا تو خیال خراب ہونے لگا تھا، میں آپ کا بے چینی کے ساتھ انتظار کرتا رہا، جبرئیلؑ نے کہا میں بھی آپ سے ملنے کا مشتاق تھا لیکن میں حکم کا بندہ ہوں، مجھے جب بھیجا جاتا ہے آجاتا ہوں روک دیا جاتا ہے رک جاتا ہوں، اس پر یہ آیت اور آیات وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی نازل ہوئیں۔

لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۴﴾

اسی کی ملک ہیں ہمارے آگے کی سب چیزیں اور ہمارے پیچھے کی سب چیزیں اور ان کے درمیان کی سب چیزیں اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔

لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا سے مراد ہے وقت حاضر سے آئندہ قیامت تک بلکہ ابدالآباد تک ہونے والے واقعات، امور، اشیاء، حوادث، دنیوی ہوں یا اخروی اور مَا خَلْفَنَا سے مراد ہیں ماضی کے احوال، واقعات، حوادث اور امور و اشیاء، اور مَا بَيْنَ ذٰلِكَ سے مراد ہے وقت حاضر اور اس میں موجود تمام اشیاء و احوال۔ بعض علماء کے نزدیک مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا سے مراد ہے زمین جب ہم اس پر اترنا چاہیں اور خَلْفَنَا سے مراد ہے آسمان جب ہم اس سے اترنے کا ارادہ کریں اور اترنے لگیں اور مَا بَيْنَ ذٰلِكَ سے مراد ہے درمیانی خلاء اور فضاء۔

آپ کا رب بھولنے والا نہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ کا رب آپ کو بالکل چھوڑ دے، اور آپ کے پاس وحی نہ بھیجے اور ہم بالکل آپ کے پاس نہ آئیں ایسا نہیں ہے بلکہ تاخیر وحی اللہ کی حکمت پر مبنی ہے جس سے وہی واقف ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ

وہ رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ان چیزوں کا جو ان دونوں کے درمیان ہیں سو اسی کی عبادت کر اور اس کی عبادت پر قائم رہ۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ عدم نسیان کی علت ہے۔ فَاعْبُدْهُ اور وَاصْطَبِرْ میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ اللہ کی رحمت و فضل آپ پر کامل طور پر ہے اور اللہ کی شان سے بعید ہے کہ وہ آپ کو بھول جائے لہٰذا بطور شکر نعمت آپ اس کی عبادت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جائیں اور عبادت کی پابندی کریں تاخیر وحی اور استہزاء کفار سے پریشان خاطر نہ ہوں۔

(صَبَرَ کے بعد عربی میں عَلٰی آتا ہے لیکن) یہاں اِصْطَبِرْ کے بعد لام کا استعمال کیا، اشارہ اس طرف ہے کہ عبادت کی پابندی سے لذت حاصل کرو (ناگوار سمجھ کر نہ ادا کرو) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز میں میری آنکھ کی خنکی بنادی گئی ہے۔

یا یہ مطلب ہے کہ کفار کی طرف کی ایذارسانی اور مشکلات و شدائد پر آپ صبر کریں تاکہ اللہ کی عبادت پر آپ کو جماؤ حاصل ہو اور آپ اللہ کے عابد بن سکیں۔ (اس صورت میں لِعِبَادَتِهٖ میں لام اجلیہ ہوگا)

ع۴

هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾ بھلا تو کسی کو اس کا ہم صفت جانتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے سَمِيًّا کا ترجمہ کیا ایسا مثل جو عبادت کئے جانے اور اِلٰہ کہلانے کا مستحق ہو۔ کلبی نے کہا یعنی کیا آپ اللہ کے سوا کسی اور کو ایسا پاتے ہیں جس کا نام اللہ ہو مشرکین بتوں کو اِلٰہ (معبود) کہتے تھے اللہ (ذات جامع صفات کمالیہ) نہیں کہتے تھے، وجہ یہ تھی کہ اللہ کی وحدانیت ظاہر تھی اس کی ذات کے کوئی مشابہ نہ تھا اس لئے لفظ اللہ کے مصداق میں کوئی اشتباہ نہ تھا۔

Marfat.com

یہ جملہ حکم عبادت کی علت ہے کیونکہ جب اللہ کی وحدانیت ثابت شدہ ہے اور کوئی اس جیسا نہیں نہ کسی کو معبود ہونے کا استحقاق ہے تو لازمی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کے حکم کو تسلیم کیا جائے اور اسی کی عبادت کی جائے اور عبادت میں جو مشقت ہو اس کو برداشت کیا جائے اور صبر کیا جائے۔

وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ ءَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿۶۶﴾ اور انسان (منکر قیامت) یوں کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر کے (قبر سے) نکالا جاؤں گا۔

اَلْإِنْسَانُ یعنی جنس انسان (الف لام جنسی) یا بعض معین انسان (الف لام عہدی) بغوی نے لکھا ہے الانسان سے مراد ابی بن خلف جمحی ہے، یہ قیامت جسمانی کا منکر تھا۔ روایت میں آیا کہ اس نے ایک بوسیدہ ہڈی ہاتھ میں لے کر اس کا چورا کر دیا اور کہنے لگا محمد کا خیال ہے کہ ہم مرنے کے بعد پھر زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے، اس کے قول کو اللہ نے اس آیت میں نقل کیا ہے۔ اُخْرَجُ میں نکالا جاؤں گا۔ زمین سے یا حالت موت سے۔ حیا زندہ ہو کر چونکہ وہ شخص مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کا منکر تھا اس لئے حرف انکار سب سے اول ذکر کیا۔ لَسَوْفَ میں لام صرف (تاکید کے لئے ہے زمانۂ حال کا مفہوم مراد نہیں ہے۔

اَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿۶۷﴾ کیا یہ شخص اس بات کو نہیں سمجھتا کہ ہم اس سے قبل اس کو عدم سے وجود میں لا چکے ہیں اور اس وقت تو یہ کچھ بھی نہ تھا۔ یعنی جو شئے بالکل معدوم ہو کبھی اس کا نام و نشان بھی نہ ہوا ہو اس کو موجود کر دینا زیادہ دشوار اور تعجب انگیز ہے مختلف مواد اور احوال و اعراض کا مجموعہ اگر موجود ہو کر فنا ہو گیا تو اس کو دوبارہ جمع کر کے موجود کر دینا اور جوڑ کر یکجا کر دینا اتنا دشوار نہیں ہے۔

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿۶۸﴾ سو قسم ہے آپ کے رب کی ہم ان کو اور شیاطین کو ضرور جمع کریں گے پھر ان کو دوزخ کے گرداگرد اس حالت سے حاضر کریں گے کہ یہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے۔

وَالشَّيٰطِيْنَ یہ مفعول معہ ہے یا ہُمْ ضمیر پر معطوف ہے۔ بغوی نے لکھا ہے ہر کافر کو ایک شیطان کے ساتھ ایک زنجیر میں باندھا جائے گا اور ساتھ ساتھ میدان حشر میں لایا جائے گا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جِثِيًّا یعنی گروہ گروہ یہ جثوۃ کی جمع ہے۔ حسن اور ضحاک نے کہا۔ جِثِيًّا جاثٍ کی جمع ہے۔ زانو کے بل بیٹھے ہوئے، سدی نے ترجمہ کیا تنگی مقام کی وجہ سے زانو کے بل کھڑے ہوئے۔

میں کہتا ہوں خوش نصیب ہوں یا بد نصیب مومن یا کافر سب کو جہنم کے گرداگرد اللہ جمع کرے گا۔ نیکوں کو یہ بات دکھا کر خوش کرنے کے لئے کہ اللہ نے ان کو جہنم سے بچا لیا اور بدوں کو زیادہ افسوس و حسرت دلانے کے لئے کہ نیک لوگ جہنم سے لوٹ کر جنت کی طرف چلے گئے اور ان کو جہنم کے لئے چھوڑ گئے۔

عبداللہ بن احمد نے زوائد الزہد میں اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بابتہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ منظر گویا میرے سامنے ہے کہ الکرم میں جہنم سے ورے تم لوگ زانو کے بل بیٹھے ہوئے ہو۔ یہ بیان کرنے کے بعد راوی حدیث (یعنی سفیان نے) آیت وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً پڑھی۔ شیخ ابن حجر نے کہا الکرم سے مراد ہے اونچا مقام جہاں امت محمدیہ ہو گی۔ لفظ ثُمَّ دلالت کر رہا ہے اس امر پر کہ حشر سے ایک مدت کے بعد لوگ جہنم کے گرداگرد جمع ہوں گے کیونکہ فیصلے سے پہلے ایک طویل مدت تک ان کو موقف حساب میں رکنا پڑے گا۔

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿۶۹﴾ پھر (ان کفار کے) ہر گروہ میں سے ان لوگوں کو علیحدہ کریں گے جو ان میں سب سے زیادہ اللہ سے سرکشی کرتا تھا۔ كُلِّ شِيْعَةٍ یعنی ہر امت اور ہر مذہب والوں میں سے۔ شِيْعَةٌ جدا گروہ، متبعین مددگار، اس لفظ کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور دو پر بھی اور جمع پر بھی، مذکر پر بھی اور مونث پر بھی۔ اصل ماخذ شَاعَ يَشِيْعُ (ضرب یضرب) ہے مصدر شَيْعًا شَيْعًا شُيُوْعًا مَشَاعًا شَيْعُوْعَةً ہے شَاعَ کا

Marfat.com

معنی ہے پھیل گیا۔ مشہور ہو گیا۔ (قاموس) میں کہتا ہوں متبعین اور انصار کو شیعہ اس لئے کہتے ہیں کہ شیوع اور پھیلاؤ کا لازمی نتیجہ تقویت ہے اور مددگاروں کے پھیلاؤں سے بھی متبوع اور پیشوا کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ شَاعَ الْقَوْمُ، قوم پھیل گئی۔ اس کی تعداد بہت ہو گئی۔ شَیَّعْتُ النَّارَ بِالْحَطَبِ میں نے آگ کو لکڑیاں ڈال کر تیز کر دیا، کثرت متبعین سے بھی آدمی کو قوت حاصل ہو جاتی ہے۔

عِتِیًّا (مصدر ہے) بیجا غرور، معصیت میں حد سے آگے بڑھ جانا (قاموس) یا طاعت سے سرکشی کرنا۔ بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ عِتِیًّ سے اس جگہ جرأت مراد ہے (یعنی اللہ کے مقابلہ میں بیباکی، مترجم) مجاہد نے اس کا ترجمہ فجور کیا۔

عِتِیًّا ضابطۂ نحو کے لحاظ سے تمیز ہے یعنی اَیُّهُمْ اَشَدُّ عَلَی الرَّحْمٰنِ عِتْوَةً۔ سیبویہ کے نزدیک لفظ اَیُّهُمْ مفعول ہونے کی بناء پر محل نصب میں ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ لفظ اَیٌّ موصولہ ہے اور دوسرے موصولات کی طرح اس کو مبنی ہی ہونا چاہئے لیکن لفظ بعض اور لفظ کل کی طرح یہ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے پھر اس جگہ اس کے صلہ کا ابتدائی جزء محذوف بھی ہے (یعنی اَیُّهُمْ اَشَدُّ عَلَی الرَّحْمٰنِ اصل میں اَیُّهُمْ هُوَ اَشَدُّ عَلَی الرَّحْمٰنِ تھا) اس جگہ لفظ اَیُّ مبنی نہیں ہے معرب ہے۔ سیبویہ کے نزدیک اَیُّهُمْ مبتدا ہے اور اَشَدُّ خبر ہے۔ مِنْ کُلِّ میں مِنْ بمعنی بعض ہے یا زائد ہے۔

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِیْنَ هُمْ اَوْلٰی بِهَا صِلِیًّا ۝ پھر ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہوں گے جو دوزخ میں داخل ہونے کے سب سے زیادہ مستحق ہوں گے۔

ایک شبہ

لفظ ثُمَّ کا استعمال بتا رہا ہے کہ پہلے جہنم کے گرداگرد دوزخیوں کو حاضر کیا جائے گا۔ اس کے بعد ہر گروہ میں سے سب سے بڑے نافرمانوں کو چھانٹا جائے گا، پھر آخر میں اللہ کو علم ہوگا کہ آگ میں داخل ہونے کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے، حالانکہ اللہ کو اگر دوزخیوں کا علم پہلے سے نہ ہوگا تو دوزخ کے گرداگرد ان کو جمع کیسے کیا جائے گا اور سب سے بڑے نافرمانوں کو ہر گروہ میں سے چھانٹ کر نکالا کیسے جائے گا۔

ازالہ

(۱) ثم اس جگہ تاخیر زمانی کے لئے مستعمل نہیں ہے بلکہ صرف ترتیب کلام کی تاخیر اور مرتبہ کی تراخی کے لئے مستعمل ہے جیسے آیت ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ میں آیا ہے۔ (۲) یا اس آیت میں جاننے سے مراد ہے عذاب دینا (کیونکہ جاننے کا نتیجہ عذاب کی شکل میں ہی نمودار ہوگا) اور ظاہر ہے کہ دوزخ پر حاضر کرنے کے بعد عذاب دیا جائے گا۔

ایک سوال

اَعْلَمُ اسم تفضیل ہے تو کیا اللہ کے سوا قیامت کے دن کوئی اور مخلوق بھی دوزخیوں کے مستحق دوزخ ہونے سے واقف ہو، کیا کسی اور کو بھی ان کے عقائد و اعمال کا علم ہوگا۔

جواب

(۱) یہاں اَعْلَمُ بمعنی عَلِیْمٌ کے ہے یعنی ہم ہی واقف ہوں گے کہ کون دوزخ میں داخلہ کا زیادہ مستحق ہے۔

(۲) یہ بھی ممکن ہے کہ اعمالنامے لکھنے والے فرشتے دوزخیوں کے اعمال سے واقف ہوں، بدکار اور پرہیزگار، سعید اور شقی ہر ایک کو تفصیل سے جانتے ہوں لیکن ان سب کے علم سے اللہ کا علم زائد ہو پس اللہ سب سے زیادہ ان کے احوال سے واقف ہوگا (کیونکہ اللہ کو دماغی تصورات اور قلبی تصدیقات اور اندرونی نیتوں کا بھی علم ہے اور اعمال لکھنے والوں کو ان میں سے کسی بات کا علم نہیں ان کو تو صرف بدنی اعمال کا علم ہے)

مِنْ کُلِّ شِیْعَةٍ کا لفظ اگر کافروں اور گناہ گار مسلمانوں سب کو شامل مانا جائے تو لفظ اَشَدُّ سے تنبیہ ہوگی اس امر پر کہ

Marfat.com

اللہ بکثرت گناہ گار مومنوں کو معاف فرمادے گا، لیکن بغوی اور اکثر اہل تفسیر نے کُلِّ شِیْعَةٍ سے صرف کافروں کے گروہ مراد قرار دیئے ہیں اور رفتار کلام کا بھی یہی تقاضا ہے اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم کافروں کے ہر گروہ میں سے ترتیب وار حسب درجۂ کفر چھانٹ لیں گے اور یکے بعد دیگرے ترتیب کے ساتھ دوزخ میں پھینک دیں گے۔ جو سب سے زیادہ باغی ہوگا، اس کو سب سے پہلے، پھر اس سے کم سرکش کو، پھر اس سے کم بغاوت والے کو یا یہ مطلب ہوگا کہ ہر کافر کو دوزخ کے اس درجہ اور طبقہ کے لئے چھانٹ لیں گے جو اس کے لئے مقرر اور نامزد ہوگا۔ آیت مذکورہ کی تشریح میں ابن ابی حاتم اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب اول و آخر سب کا حشر ہو چکے گا اور سب کی گنتی پوری ہو جائے گی تو پھر ترتیب وار بڑے جرائم والوں کو پھر ان سے کم جرائم والوں کو پھر ان سے کم درجہ کے مجرموں کو چھانٹا جائے گا۔ ہناد نے احوص کا قول بھی اس آیت کی تشریح میں اسی کے قریب قریب نقل کیا ہے۔

وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا اور تم میں سے ہر ایک دوزخ پر اترنے والا ہے (یعنی اللہ نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ ہر شخص کو دوزخ پر ضرور اترنا ہوگا)

كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ یہ آپ کے رب پر (اس کے وعدے کے موافق) لازم ہے، جو ضرور پورا ہو کر رہے گا۔

حَتْمًا مصدر (بمعنی صفت) ہے یعنی لازم ہے اللہ نے اپنے اوپر لازم قرار دے لیا ہے۔ اللہ نے یہ امر طے کر دیا ہے اور قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ ایسا ضرور ہوگا۔ اس کے خلاف ہونا ممکن نہیں۔

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ۝ پھر (جہنم پر اتارنے کے بعد) ان لوگوں کو ہم بچالیں گے جو (شرک سے) بچتے رہے تھے (عذاب دے کر یا بغیر سزا دیئے۔ بہر حال اہل توحید و ایمان کو دوزخ سے نجات دیدی جائے گی) اور کافروں کو دوزخ کے اندر سب کو چھوڑ دیں گے۔

جِثِيًّا یعنی سب کو یعنی دوزانو یا زانو کے بل بیٹھا چھوڑ دیں گے، ورود سے مراد ہے داخل ہونا، پل صراط جہنم کے اوپر ہوگا اور اس پر سے سب کو گزرنا ہی ہوگا۔

بعض اہل ہوئی (یعنی فرقۂ مرجۂ والے جو ایمان صحیح کے بعد کسی گناہ کو ضرر رساں نہیں خیال کرتے اور کہتے ہیں اگر ایمان دل میں موجود ہے تو پھر کسی مومن کا داخلہ جہنم میں نہ ہوگا) کہتے ہیں کہ ورود سے مراد داخل ہونا نہیں ہے بلکہ دوزخ پر حاضر ہونا اور اس کو دیکھنا مراد ہے۔ حساب کے مقام پر تو سب کو جانا ہی ہوگا اور مقام حساب جہنم کے قریب ہوگا اس لئے ہر ایک کو دوزخ سامنے نظر آئے گی۔

یہ فرقہ کہتا ہے کہ مومن کبھی دوزخ میں نہیں جائے گا، کیونکہ جو شخص دوزخ میں چلا جائے گا وہ کبھی وہاں سے باہر نہ آسکے گا۔ اللہ نے فرمایا ہے إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا مقام حساب میں حاضر کرنے کے بعد اللہ مومنوں کو تو وہیں سے نجات دے کر جنت میں لے جائے گا اور کافروں کو دوزخ میں داخل کر دے گا۔ ورود کا معنی قریب یا کنارے پر پہنچ جانا، قرآن مجید میں بھی آیا ہے وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ اور جب موسیٰؑ مدین کے پانی (کنویں) پر اترے، ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ کنویں کے اندر نہیں اترے تھے کنارہ پر پہنچے تھے، اس کی تائید رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو امام احمد اور ابو یعلی اور طبرانی نے قابل قبول سند کے ساتھ حضرت معاذ بن انس کی روایت سے بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی خوشی سے حاکم کے جبر کے بغیر جہاد میں مسلمانوں کی چوکیداری کرے گا وہ دوزخ کو اپنی آنکھ سے بھی نہیں دیکھے گا مگر صرف قسم پوری کرنے کے لئے کیونکہ اللہ نے فرمادیا ہے وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا اور یہ (جملہ اہل تفسیر کے نزدیک قسمیہ ہے)

Marfat.com

اہل سنت کے مسلک کی تشریح

اور مرجۂ کے شبہات کا ازالہ

ہم کہتے ہیں گردن اٹھا کر جھانکنا، دیکھنا، کنارہ پر پہنچ جانا اور حاضر ہونا بیشک ورود کے مجازی معنی ہیں (حقیقی معنی داخل ہونا ہی ہے) اور مجازی معنی کی طرف رجوع کسی خاص ضرورت ہی کے زیر اثر ہوتا ہے اور یہاں کوئی ضرورت داعی نہیں بلکہ اسی آیت میں مجازی معنی مراد نہ ہونے کی تائید ملتی ہے کیونکہ اس آیت میں لفظ نُنَجِّيْ اور نَذَر آیا ہے اور ظاہر ہے کہ نجات دینا یا دوزخ میں چھوڑ دینا اسی وقت ممکن ہے جب پہلے سے دوزخ میں داخلہ ہو گیا ہو۔

حدیث سے استدلال بھی ناکافی ہے، حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قسم پوری کرنے کے لئے دوزخ کو دیکھنا ضروری ہے آگ میں داخلہ نہ ہونا نہ مذکور ہے، نہ مستنبط۔

رہی آیت اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ تو اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ دوزخ میں داخلہ کے بعد اور پھر نجات کا وقت اور حکم آجانے کے بعد ان کو دور کر دیا جائے گا اس کے بعد وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے اور دور ہو جانے کے بعد پھر وہ دوزخ کی آہٹ بھی نہیں سنیں گے، یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ آگ چونکہ ان کے لئے ٹھنڈی کر دی جائے گی اس لئے دوزخ میں داخل ہونے کے وقت ان کو آگ کی آہٹ بھی سنائی نہیں دے گی۔

ہناد اور طبرانی اور بیہقی نے خالد بن معدان کا قول نقل کیا کہ جنت میں پہنچ جانے کے بعد جنتی عرض کریں گے اے ہمارے مالک کیا تو نے وعدہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم لوگ آگ میں ضرور داخل کئے جائیں گے، اللہ فرمائے گا ضرور یہ وعدہ کیا تھا اور ایسا ہو بھی گیا تم لوگ آگ پر سے گزر گئے اور (چونکہ) آگ ٹھنڈی کر دی گئی (اس لئے تم کو محسوس بھی نہیں ہوئی)

ابن عدی اور طبرانی نے حضرت یعلی بن امیہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن آگ مومن سے کہے گی (میرے اوپر سے) گزر جا، تیرے نور نے تو میری لپٹ کو بجھا دیا۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ ورود بمعنی دخول ہے خواہ بصورت مرور ہی ہو (اندر گھسنا مراد نہ ہو، اوپر سے گزر جانا مراد ہو) اس کا ثبوت ابوسمیہ کے اس بیان سے ملتا ہے جو امام احمد اور حاکم اور بیہقی نے نقل کیا ہے ابوسمیہ نے کہا ورود کے معنی کی تعیین میں ہمارا باہم اختلاف ہو گیا کسی نے کہا مومن دوزخ میں داخل ہی نہیں ہوگا کسی نے کہا دوزخ میں سب کو جانا ہوگا پھر شرک سے پرہیز رکھنے والوں کو اللہ نجات دیدے گا۔ میں نے اس اختلاف کا تذکرہ حضرت جابر بن عبداللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کیا حضرت جابر نے اپنی دونوں انگلیاں کانوں تک لے جا کر فرمایا یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے ان کانوں سے نہ سنا ہو کہ نیک ہو یا بد کوئی بھی آگ میں داخل ہوئے بغیر نہیں بچے گا مگر مومن کے لئے آگ ٹھنڈی پڑ جائے گی۔ اور باعث سلامتی ہو جائے گی جس طرح حضرت ابراہیم کے لئے ہو گئی تھی یہاں تک کہ مومنوں کی ٹھنڈک سے آگ چلا اٹھے گی۔ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا پھر ہم شرک سے بچنے والوں کو نجات دیدیں گے اور سب کافروں کو اسی کے اندر چھوڑ دیں گے۔

بغوی نے بحوالۂ ابن عیینہ، عمرو بن دینار کی روایت سے بیان کیا کہ نافع بن ازرق نے حضرت ابن عباسؓ سے ورود کے معنی کی تشریح میں کچھ اختلاف کیا اور کہا ورود سے مراد داخل ہونا نہیں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ کیا اس آیت میں ورود سے مراد داخل ہونا نہیں ہے۔ کیا وہ جہنم میں داخل نہیں ہوں گے، پھر فرمایا نافع تم اور میں سب اس میں داخل ہوں گے مجھے تو امید ہے کہ اللہ مجھے نکال لے گا لیکن میرا خیال ہے کہ تجھے نہیں نکالے گا کیونکہ تو داخل ہونے کا ہی منکر ہے۔

سعید بن منصور، عبدالرزاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے مجاہد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ نافع بن ازرق

Marfat.com

حضرت ابن عباسؓ سے ورود کے مرادی معنی کے متعلق جھگڑنے لگا۔ الی آخرہ۔ حضرت ابن عباس نے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کیاوہ آگ میں داخل ہوں گے یا نہیں۔ اسکے بعد یہ آیت پڑھی یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ اور فرمایا کیاوہ دوزخ میں اپنی قوم کو لے جائے گا یا نہیں۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس نے فرمایا میں اور تو سب ہی اس میں داخل ہوں گے۔ اب تو خود ہی غور کرلے کہ تو وہاں سے نکلے گا یا نہیں (ہمیشہ اس کے اندر ہی پڑا رہے گا) بطریق عوفی حضرت ابن عباس کا قول آیت اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا کی تفسیر میں آیا ہے کہ نیک اور بدسب ہی اس میں داخل ہوں گے کیا تم کو نہیں معلوم کہ (ورود بمعنی دخول دوسری آیات میں بھی آیا ہے) اللہ نے فرمایا ہے فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ۔ وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا۔

حاکم نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعودؓ سے آیت اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا کا معنی پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا دَاخِلُهَا (یعنی وارد کا معنی ہے داخل)

بیہقی نے بروایت عکرمہ بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے آیت مذکورہ کی تشریح میں فرمایا دوزخ میں داخل ہوئے بغیر کوئی نہیں رہے گا۔

امام احمد، ترمذی، بیہقی اور حاکم نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعود نے آیت وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا کے سلسلہ میں بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب لوگ دوزخ پر اتریں گے۔ اس کے بعد اپنے اپنے اعمال کے موافق وہاں سے نکال لئے جائیں گے، اول شخص بجلی چمکنے کی طرح (نکل جائے گا) پھر ہوا کی طرح پھر گھوڑے کی تیز دوڑ کی طرح پھر اونٹ کی رفتار کی طرح جس پر سامان بھی لدا ہو۔ پھر آدمی کے دوڑنے کی طرح پھر آدمی کی معمولی رفتار کی طرح۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ سب لوگ پل صراط پر اتریں گے۔ اور اترنے سے مراد ہے ان کا قیام پھر اپنے اپنے اعمال کے موافق صراط سے باہر نکال لئے جائیں گے۔ کوئی بجلی کی طرح گزر جائے گا۔ کوئی بہترین اونٹ کی طرح، کوئی آدمی کی دوڑ کی طرح (دوڑ کر) گزر جائے گا۔ یہاں تک کہ گزرنے والوں میں آخری وہ شخص ہوگا جو پل صراط پر اپنے قدموں کے انگوٹھے رکھتا ہوا صراط سے گزر جائے گا۔ شیخین (بخاری و مسلم) نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایسا نہیں ہوگا کہ کسی مسلمان کے تین بچے مرجائیں اور وہ آگ میں داخل ہو ہاں صرف قسم پوری کرنے کے لئے (ضرور داخل ہوگا) اس کے بعد سفیان (راوی) نے آیت وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا پڑھی، طبرانی نے حضرت عبد بن بشیر انصاری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے تین نابالغ بچے مرجائیں گے وہ (دوزخ میں) نہیں اترے گا۔ مگر رہ گزر کی طرح۔ یعنی وہ پل صراط سے گزر جائے گا (بغیر ٹھیرنے کے)

ابن جریر نے غنیم بن قیس کا بیان نقل کیا کہ لوگوں نے آگ میں وارد ہونے کے سلسلہ میں کچھ تذکرہ کیا۔ حضرت کعب نے فرمایا۔ آگ (سب) لوگوں کو روک لے گی یہاں تک کہ سب لوگوں کے قدم اس پر ٹھیک طرح سے ٹھہر جائیں گے نیکوں کے بھی اور بدوں کے بھی پھر (اللہ کی طرف سے) ایک پکارنے والا پکارے گا اپنے ساتھیوں کو روک رکھ اور میرے رفقاء کو چھوڑ دے یہ ندا ہوتے ہی جو دوزخ کا ساتھی ہوگا وہ دوزخ میں دھنس جائے گا جس طرح آدمی اپنے بچے کو پہچانتا ہے اس سے زیادہ دوزخ اپنے دوست کو پہچانتی ہوگی اور مومن اس طرح نکل جائیں گے کہ ان کے کپڑے بھی (خشک نہ ہوئے ہوں گے) تر ہوں گے۔

سیوطی نے لکھا ہے بعض علماء اہل سنت کے نزدیک ورود سے مراد ہے داخل ہونا قرطبی نے اس معنی کو ترجیح دی ہے اور حضرت جابر وغیرہ کی احادیث سے استشہاد کیا ہے۔ بعض اہل سنت کے نزدیک ورود سے مراد ہے گزر جانا، نووی نے اس معنی کو پسند کیا ہے اور حضرت ابن مسعود کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں صراط سے گزرنے کا ذکر کیا گیا ہے، حضرت ابوہریرہ کی حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ (حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں صراط سے گزرنا ہی موجب دخول ہے۔

Marfat.com

دخول سے مراد یہ نہیں ہے کہ آگ کے اندر گھس جائے، جہنم کے اوپر سے مرور بھی دخول ہی ہے لامحالہ ورود سے مراد دخول ہی ہے خواہ بطریق مرور ہی ہو۔ مختلف احادیث میں تطبیق دینے کی یہی صورت ہے۔

اگر شبہ کیا جائے کہ بیہقی نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ ورود سے مراد ہے دوزخ پر سے گزر جانا بغیر داخل ہونے کے اور مرور دخول سے الگ مفہوم رکھتا ہے تو میں کہوں گا کہ حضرت حسن کے قول میں داخل ہونے سے مراد ہے اندر گھس جانا اور آگ کے اندر پہنچ جانا (اور یقیناً گزر جانے کا مفہوم اندر گھس جانے کے مفہوم سے جدا ہے) مطلق دخول مراد نہیں ہے (مطلق دخول تو مرور کو بھی شامل ہے)

ہناد نے حضرت حفصہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں یقینی امید رکھتا ہوں کہ جو شخص بدر اور حدیبیہ میں حاضر تھا وہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اللہ نے وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا نہیں فرمایا ہے۔ فرمایا کیا تم نے اللہ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا۔

حضور ﷺ کا یہ آخری جواب بھی بتا رہا ہے کہ حدیث مذکور میں داخل نہ ہونے سے مراد ہے اندر نہ گھس جانا اور وہاں استقرار نہ کرنا۔

سیوطی نے لکھا بکثرت سلف صالحین دوزخ میں وارد ہونے سے ڈرتے تھے (کیونکہ دوزخ پر ورود تو یقینی ہوگا) اور نکلنے کا احتمال ہے (یہ امر یقینی نہیں کہ صراط سے گزرتے ہوئے نکل جائیں گے اس لئے ان بزرگوں کو ہر وقت خوف رہتا تھا۔)

امام احمد نے الزہد میں اور ہناد و بیہقی و سعید بن منصور و حاکم نے حضرت حازم بن ابی حازم کی روایت سے بیان کیا کہ ایک بار حضرت عبداللہ بن رواحہ رونے لگے بی بی نے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا مجھے خبر دی گئی ہے کہ میں یقیناً دوزخ پر اتروں گا اور یہ نہیں بتایا گیا کہ میں یقیناً وہاں سے نکلوں گا بھی۔ ہناد اور بیہقی نے ابو اسحاق کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت ابو میسرہ عمرو بن شرحبیل اپنے بستر پر جانے کے لئے اٹھے اور فرمایا کاش میری ماں مجھے نہ جنتی، بی بی نے پوچھا کیا بات ہے، فرمایا اللہ نے یہ تو ہم کو بتا دیا کہ میں (اور تم) ضرور دوزخ پر داخل ہوں گے اور یہ نہیں فرمایا کہ میں (اور تم) وہاں سے نکلیں گے۔

امام احمد نے الزہد میں بیان کیا کہ حسن بصری نے فرمایا کہ ایک شخص نے اپنے بھائی سے کہا کیا تجھے معلوم ہے کہ تو ضرور دوزخ پر اترے گا۔ بھائی نے کہا جی ہاں اس شخص نے کہا کیا یہ بھی تجھے معلوم ہے کہ تو وہاں سے نکل بھی آئے گا بھائی نے کہا نہیں۔ اس شخص نے کہا پھر ہنسی کیسی (روتے رہنے کا مقام ہے چنانچہ مرتے دم تک پھر اس کو ہنستے نہیں دیکھا گیا)۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ اور جب ان کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں جو کھلی ہوئی ہیں۔ یعنی جن کا مطلب واضح ہے خواہ خود ہی ان کا مطلب کھلا ہوا سمجھ میں آجاتا ہے یا رسول اللہ ﷺ کے بیان سے ان کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ یا بَیِّنٰت کا یہ مطلب ہے کہ چونکہ آیات معجزہ ہیں اس لئے رسول اللہ کی صداقت پر واضح طور پر دلالت کر رہی ہیں اور آپ کی نبوت کو ثابت کر رہی ہیں۔

قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ تو کافر اہل ایمان سے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھی غریب تھے پراگندہ، خشک بال، زندگی بدحال، فرسودہ لباس اور مشرک مالدار تھے بالوں میں تیل ڈالتے کنگھا کرتے اور اعلیٰ وعمدہ لباس پہنتے تھے پس ان خوش حال چکنے بال والے کافروں نے بدحال بوسیدہ لباس والے صحابہ سے کہا۔

اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا (دیکھو ہم) دونوں گروہوں میں کس کا مقام اچھا ہے اور کس کی مجلس اعلیٰ ہے۔ مَقَام مصدر بھی ہے بمعنی قیام اور اسم ظرف بھی ہے یعنی قیام کی جگہ۔ نَدِیٌّ مجلس، لوگوں کے جمع ہونے کا مقام، مطلب یہ ہے کہ کفار جب آیات واضحات کے مقابلہ سے عاجز ہو گئے اور کوئی جواب ان کو بن نہ پڑا تو بطور فخر و

Marfat.com

غرور کہنے لگے دیکھو ہمارا حال کیسا ہے اور تم کس حالت میں ہو ہم دنیا میں مرفہ الحال ہیں اور تم بدحال پس اللہ کے نزدیک بھی ہمارا درجہ تمہارے درجہ سے اعلیٰ ہے۔ اللہ نے اگلی آیت میں ان کے اس قول کی تہدید آمیز تردید فرمائی اور ان کی دلیل کو توڑتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِءْيًا ۝ اور ہم نے ان سے پہلے بہت سے قرن والوں کو تباہ کر دیا جو دنیوی سامان اور ظاہری دکھاوٹ میں ان سے اعلیٰ تھے۔

ہر زمانہ والوں کو قرن اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سب زمانہ میں باہم مقارن ہوتے ہیں۔ بغوی نے اَثَاثًا کا ترجمہ کیا ہے سروسامان اور مال۔ مقاتل نے کہا کپڑے اور لباس۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے اَثَاثٌ گھر کا سامان (اس وقت یہ لفظ اسم جنس ہوگا) اس کا واحد نہیں آتا اور اَثَاثٌ کا معنی مال بھی ہے اس وقت اس کا واحد اَثَاثَةٌ آتا ہے۔

رِئْيًا رُؤْيَةٌ سے ماخوذ ہے۔ منظر، دکھاوٹ، بعض قراء توں میں رِيًّا (سیرابی) آیا ہے یعنی نعمتوں سے سیری۔

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ مَدًّا ۚ (اے محمد) آپ کہہ دیجئے کہ جو لوگ گمراہی میں ہیں (یعنی تم) تو رحمٰن ان کو ڈھیل دیتا چلا جا رہا ہے۔

فَلْيَمْدُدْ اگرچہ امر کا صیغہ ہے لیکن خبر کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص گمراہی میں اندھا ہوا ہوتا ہے اللہ اس کو اور ڈھیل دیتا ہے اور گمراہی کے اندر اس کو بڑھاتا اور مہلت دیتا رہتا ہے۔ بجائے خبر کے لفظ امر ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کے لئے مناسب بھی یہی ہے کہ اس کو ڈھیل دیتا رہے تاکہ کسی طور پر اس کو معذرت پیش کرنے کا موقع نہ رہے۔ (اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اللہ نے فرمایا ہے أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ

حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضْعَفُ جُنْدًا ۝ یہاں تک کہ جس چیز کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے خواہ عذاب کو (دنیا میں) یا عذاب قیامت کو (مرنے کے بعد) جب وہ دیکھ لیں گے سو اس وقت جان لیں گے کہ برا مقام اور کمزور مددگار کس کے ہیں۔

إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ، مَا يُوعَدُونَ کی تفصیل ہے۔ عذاب سے مراد ہے دنیا میں قتل یا قید ہونا۔ اَلسَّاعَةُ سے مراد آخرت کی رسوائی اور عذاب حتیٰ کے بعد والا کلام ڈھیل دینے کی غایت ہے یعنی اللہ ڈھیل اس وقت تک دیتا ہے کہ عذاب دنیا یا عذاب آخرت (جو مرنے کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے۔ مترجم) سامنے آجاتا ہے جب عذاب کا وقت آجاتا ہے تو ڈھیل ختم ہو جاتی ہے۔

جُنْدٌ (فوج) یعنی مددگار کافروں کے مددگار شیاطین ہوتے ہیں اور اہل ایمان کے مددگار ملائکہ، یہ کلام کافروں کے کلام کا رد ہے۔ شَرٌّ مَكَانًا کہہ کر خَيْرٌ مَقَامًا کی تردید کر دی اور اَضْعَفُ جُنْدًا کہہ کر اَحْسَنُ نَدِيًّا کی۔ کیونکہ مجلس کی رونق سرداران قوم کے اجتماع سے ہوتی ہے اور مددگار نہ ہوں تو مجلس کا کمزور ہونا یقینی ہوتا ہے۔

وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہو جاتے ہیں اللہ ان کے ایمان میں مزید ترقی دیتا ہے۔ ان کے مراتب قرب میں اضافہ کرتا ہے۔ آیات مذکورہ کا خلاصہ یہ ہے کہ کافروں کی دنیا میں مالداری اور راحت اندوزی اور مومنوں کی ناداری و بدحالی کی وجہ یہ نہیں ہے کہ کافر اللہ کے محبوب ہیں اور مومن مردود بلکہ مومنوں کے لئے دنیوی عیش و دولت کی کمی کو اللہ ان کی ہدایت و مراتب قرب کی ترقی کا ذریعہ بنا دیتا ہے اور کافروں کی گمراہی کے باوجود خوش حالی اللہ کی طرف سے ایک ڈھیل ہوتی ہے تاکہ ان کی گمراہی میں مزید اضافہ ہو۔

وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَرَدًّا ۝ اور جو نیک کام ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں اور انجام میں بھی۔ اَلْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ سے مراد ہیں وہ نیک اعمال جن کا فائدہ کرنے والوں کو ہمیشہ ہمیشہ پہنچتا رہے گا۔ یعنی کافروں کو جو نعمتیں اللہ نے عطا فرمائی ہیں وہ (ناقص ہونے کے

Marfat.com

علاوہ) فانی بھی ہیں جن نعمتوں پر وہ پھولے ہوئے ہیں ان سے اہل ایمان کو نیک اعمال کا ملنے والا ثواب مآل اور انجام میں بہت بہتر ہے۔

خَیْرٌ اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید کافروں کا انجام بھی اللہ کے نزدیک کچھ اچھا ہوگا، مومنوں کے انجام کے برابر نہ سہی ان سے کم ہی سہی بہر حال کچھ تو اچھا ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تفضیل سے تفضیل اضافی مراد نہیں ہے بلکہ فی نفسہ بہتری کی فراوانی مراد ہے جیسے بولتے ہیں، موسم گرما موسم سرما سے زیادہ گرم ہوتا ہے یعنی موسم سرما سردی میں جس طرح زیادہ ہوتا ہے اسی طرح گرمی کا موسم گرمی میں موسم سرما سے زیادہ ہوتا ہے۔

شیخین نے حضرت خباب بن الارت کا بیان نقل کیا ہے حضرت خباب نے بیان کیا میں لوہاری کا کام کرتا تھا میں نے عاص بن وائل کا کچھ کام بنایا اور میری مزدوری اس کے پاس جمع ہو گئی ایک روز مزدوری مانگنے میں اس کے پاس گیا، عاص نے جواب دیا خدا کی قسم جب تک تو محمد کا انکار نہیں کرے گا۔ میں (تیرا قرض) ادا نہیں کروں گا۔ میں نے کہا خوب سن لے خدا کی قسم جب تو مر کر دوبارہ زندہ ہو کر اٹھے گا اس وقت تک بھی میں کفر نہیں کروں گا، عاص بولا کیا میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا، میں نے کہا ہاں، عاص نے کہا تو پھر میرے پاس وہاں مال بھی ہوگا اور اولاد بھی، میں وہیں تیرا قرض چکا دوں گا اسی پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝

کیا آپ نے اس شخص کو (یعنی عاص بن وائل کو) دیکھا جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا مجھے ضرور مال اور اولاد (دوبارہ زندگی میں) دیا جائے گا۔

بغوی نے لکھا ہے وُلْد اور وَلَد دونوں ہم معنی ہیں جیسے عُرْب اور عَرَب اور عُجْم اور عَجَم بعض نے کہا وُلد جمع ہے اور وَلَد مفرد جیسے اُسُد (جمع ہے) اور اَسَد (مفرد ہے)

اَطَّلَعَ الْغَيْبَ　　کیا اس کو غیب کا علم ہو گیا ہے۔

یہاں اِلٰی محذوف ہے جیسے اِطَّلَعَ الْجَبَلَ وہ پہاڑ کی چوٹی کی طرف چڑھا۔ اس صورت میں آیت کا ترجمہ اس طرح ہوگا کیا وہ غیب کی طرف چڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس نے ترجمہ کیا کیا اس نے لوح محفوظ میں دیکھ لیا ہے۔ مجاہد نے کہا کیا اس کو علم غیب حاصل ہو گیا ہے کہ وہ آخرت میں مال و اولاد حاصل ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔

اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝　　یا اس نے اللہ سے کوئی عہد (اس بات کا) لے لیا ہے یعنی کیا وہ لا الہ الا اللہ کا قائل ہو گیا ہے۔ قتادہ نے کہا یعنی کیا اس نے نیک کام کر چھوڑے ہیں۔ کلبی نے کہا کیا اللہ نے اس سے وعدہ کر لیا ہے کہ اس کو جنت میں ضرور داخل کرے گا۔

كَلَّا　　ہر گز نہیں، ایسا ہر گز نہیں ہے۔

سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝　　ہم اس کا کہا ہوا لکھ لیتے ہیں اور اس کے لئے عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے۔

ایک شبہ

ہر بات جو منہ سے نکلتی ہے فوراً لکھ لی جاتی ہے، اللہ نے فرمایا ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۔ لیکن اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عاص بن وائل نے جو بات حضرت خباب سے کہی تھی اللہ اس کو آئندہ لکھے گا۔

ازالہ

لکھنے سے مراد ہے محفوظ رکھنا، نظر انداز نہ کر دینا یا اس امر کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ہم نے اس کا قول لکھ لیا ہے یا اس کی بات کا انتقام لینا مقصود ہے۔ بہر حال محفوظ رکھیں گے یا اس بات کو ظاہر کریں گے کہ ہم نے تیری کہی ہوئی بات لکھ لی تھی یا

Marfat.com

انتقام لیں گے یہ تمام امور آئندہ ہوں گے۔
اللہ کے فرشتے اعمال لکھتے ہیں اور اللہ کے حکم سے لکھتے ہیں اس لئے فرشتوں کا لکھنا اللہ کا لکھنا ہوا، یہی وجہ ہے کہ آیت میں لکھنے کی نسبت اپنی طرف کی۔
عذاب میں اضافہ کرنے سے یہ مراد ہے کہ کفر کا عذاب تو اس کے لئے پہلے ہی سے مقرر ہے۔ اب استہزاء کا عذاب مزید اس کے ساتھ شامل کر دیا جائے گا۔
وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ اور اس کی کہی ہوئی چیزوں کے ہم مالک رہ جائیں گے۔ یعنی جس مال و اولاد کی ملکیت کا یہ مدعی ہے اس کو ہلاک کر کے وہ مال و اولاد ہم اپنے قبضہ میں لے لیں گے۔
وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝ اور (قیامت کے دن) یہ ہمارے پاس تنہا آئے گا جو مال و اولاد دنیا میں اس کے پاس تھا وہ بھی قیامت کے دن اس کے ساتھ نہ ہوگا۔ آخرت میں جدید مال و اولاد ملنے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔
وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ۝ اور ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور معبود تجویز کر رکھے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے (عند اللہ) باعث عزت ہوں۔
اِتَّخَذُوْا کی ضمیر کفار قریش کی طرف راجع ہے۔ آلِهَةً سے بت مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ کفار قریش بتوں کی پوجا اس لئے کرتے ہیں کہ اللہ کی بارگاہ میں ان بتوں کی سفارش یا وسیلہ سے ان کو عزت حاصل ہو جائے اور بت ان کی مدد کریں۔
كَلَّا ایسا ہرگز نہ ہوگا بتوں کے وسیلہ سے ان کو عزت حاصل نہ ہوگی۔
سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وہ ان کی عبادت ہی کا انکار کریں گے یعنی وہ آلِہَہ اور معبود ان کی عبادت کا قیامت کے دن انکار کریں گے اور کہیں گے یہ ہماری پوجا نہیں کرتے تھے (شیطانوں اور اپنے ہوا و ہوس کی پوجا کرتے تھے) ہم ان کے اس فعل سے بری ہیں یا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن کافر غیر اللہ کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور کہیں گے خدا کی قسم ہم مشرک نہیں تھے۔
وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝ اور ان کے مخالف ہو جائیں گے۔ ع ۵/۸
ضد سے مراد ہے ذلت و حقارت۔ اول فقرہ میں بتوں کا باعث عزت ہونا مذکور ہے جس کی امید کافروں کو تھی اور عزت کی ضد ذلت ہوتی ہے یا ضد سے مراد ہے مخالف ہونا، دشمن ہونا یعنی کافروں کے باطل معبود قیامت کے دن ان کے دشمن اور مخالف ہو جائیں گے، ان کی تکذیب اور ان پر لعنت کریں گے یا یہ مطلب ہے کہ کافروں کو عذاب دینے میں مددگار بن جائیں گے پتھروں کو آگ میں ڈالا جائے گا تو آگ کی تیزی بڑھ جائے گی پتھر ایندھن بن جائیں گے جن کی وجہ سے کافروں کی سوختگی میں اضافہ ہوگا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت کے دن یہ کافر اپنے آلِہَہ کے مخالف ہو جائیں گے دنیا میں تو ان کی پوجا کرتے ہیں لیکن آخرت میں منکر ہو جائیں گے۔
لفظ ضِدًّا کی وحدت معنی کی وحدت کی طرف اشارہ کر رہی ہے یعنی سب کافر آلِہَہ کی ضد ہونے میں ایک شخص کی طرح ہوں گے، سب ضِدِّیَت میں متفق ہوں گے۔ ابوداؤد و نسائی نے حضرت علیؓ کی روایت سے اور ابن حبان نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ سب دوسروں کے خلاف ایک ہاتھ ہیں یعنی سب متفق الرائے اور متحد القوت ہوں گے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ لفظ ضِدّ کا اطلاق جمع پر بھی ہوتا ہے اللہ نے فرمایا ہے وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا
أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ۝
کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے شیطانوں کو کفار پر (ابتلاءً) چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو خوب ابھارتے ہیں۔ سوال انکاری ہے اور نفی کا انکار اثبات ہوتا ہے۔ یعنی شیطانوں کو ہم نے کافروں پر مسلط کر رکھا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے اس سے اشارہ اس قول کی طرف ہے جس میں اللہ نے ابلیس سے فرمایا تھا۔ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُم بِصَوْتِكَ یا اَرْسَلْنَا سے مراد ہے آزاد

Marfat.com

چھوڑ دینا یعنی ہم نے شیطانوں کو اور ان کافروں کو باہم تعلق قائم کرنے میں آزاد چھوڑ دیا ہے اَرْسَلْتُ الْبَعِیْرَ میں نے لونٹ کو کھول دیا، آزاد چھوڑ دیا۔

اَزٌّ ابھارنا، برانگیختہ کرنا، جھوٹے فریب دے کر گناہوں پر آمادہ کرنا اور بہکا کر خواہشات کے پیچھے لگا دینا۔

سوال انکاری کے ساتھ جملہ کو شروع کرنے سے مقصود ہے رسول اللہ ﷺ کو تعجب دلانا کافروں کے اقوال پر اور باوجود ظہور حق کے کفر و گمراہی میں اندھے رہنے پر۔

فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾ پس آپ (نزول عذاب میں) ان کے لئے جلدی نہ کریں (یعنی جلد عذاب نازل ہونے کی دعا نہ کریں) ہم ان (کی زندگی کے ایام مقررہ) کی کامل طور پر یقیناً گنتی رکھتے ہیں یعنی ہم نے ان کی عمریں مقرر کردی ہیں ان کے ایام زندگی اور ساعات حیات محدود اور معدود ہیں (مدت زندگی پوری ہونے سے پہلے ان کو ہلاک نہیں کیا جاسکتا)

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾ اور جس روز ہم تقویٰ والوں کو رحمٰن (کے دار النعیم) کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے۔

اِلَى الرَّحْمٰنِ (میں رحمٰن کی ذات مراد نہیں بلکہ اس) سے مراد ہے وہ مقام عزت جہاں تجلیات الٰہیہ پر توانداز ہوں گی۔ وَفْدٌ وَافِدٌ کی جمع ہے بادشاہوں کی طرف وفد جاتے ہیں۔ عزت یابی کی امید اور انعام کی تمنا لئے ہوئے پس بارگاہ الٰہی کی طرف بھی اہل تقویٰ اسی طرح قبروں سے اٹھ کر جائیں گے۔

عبد اللہ بن احمد نے زوائد المسند میں اور حاکم و بیہقی و ابن جریر و ابن ابی حاتم نے بیان کیا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا سنو اللہ متقیوں کے وفد کو نہ پیدل اٹھائے گا، نہ ہنکا کرلے جائے گا بلکہ جنت کی ان اونٹنیوں پر سوار کرا کے بلوائے گا جن کی نظیر کسی مخلوق نے نہیں دیکھی اونٹنیوں پر سونے کے کجاوے اور زبرجد کی مہاریں ہوں گی۔ متقی ان پر سوار ہو کر جائیں گے اور جا کر جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا، خدا کی قسم ان کو پیدل نہیں لے جایا جائے گا بلکہ ایسی اونٹنیوں پر جن کے کجاوے سونے کے ہوں گے سوار کیا جائے گا اور ان اصیل گھوڑوں پر سوار کر کے لے جایا جائے گا جن کی زینیں یاقوت کی ہوں گی اگر اہل جنت چاہیں گے تو سواریاں اڑنے لگیں گی۔

بیہقی نے طلحہ بن ابی طلحہ کے طریق سے حضرت ابن عباسؓ کا قول يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا کی تشریح میں بیان کیا آپ نے فرمایا۔ سوار کر کے (لے جایا جائے گا) اور آیت نَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا کی تشریح میں فرمایا پیاسے (یعنی مجرموں کو پیاس کی حالت میں جہنم کی طرف ہنکایا جائے گا) ابن جریر نے ابو طلحہ کی روایت سے حضرت ابو ہریرہؓ کا قول نقل کیا وفدا یعنی اونٹوں پر (سوار)

ابن ابی حاتم نے عمر بن قیس ملائی کا بیان نقل کیا ہے کہ مومن جونہی قبر سے برآمد ہوگا اس کا عمل حسین ترین شکل اور پاکیزہ ترین خوشبو کے ساتھ اس کے سامنے آئے گا اور کہے گا کیا تو مجھے پہچانتا ہے، مومن جواب دے گا۔ نہیں مگر (اتنا جانتا ہوں کہ) اللہ نے تیری خوشبو کو پاکیزہ اور صورت کو حسین بنایا ہے، عمل کہے گا میں دنیا میں بھی ایسا ہی تھا۔ میں تیرا نیک عمل ہوں دنیا میں مدت دراز تک میں تجھ پر سوار رہا آج تو مجھ پر سوار ہو جا۔ اتنا بیان کرنے کے بعد راوی نے پڑھا يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا۔ پھر کہا کافر کا عمل نہایت بدشکل اور انتہائی گندی بدبو کے ساتھ اس کے سامنے آئے گا اور پوچھے گا کیا تو نے مجھے پہچانا، کافر جواب دے گا نہیں مگر (اتنا جانتا ہوں کہ) اللہ نے تیری شکل بہت بری اور بو نہایت گندی بنائی ہے، عمل کہے گا میں دنیا میں بھی ایسا ہی تھا میں تیرا برا عمل ہوں دنیا میں مدت دراز تک تو مجھ پر سوار رہا، آج میں تجھ پر سوار ہوں گا۔ اتنا بیان کرنے کے بعد راوی نے پڑھا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ وہ اپنے بار اپنی پشت پر اٹھائیں گے۔

Marfat.com

وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ۝ اور مجرموں کو دوزخ کی طرف پیاسا ہانکیں گے۔

مجرمین سے مراد ہیں کافر۔ ورداً کا ترجمہ بغوی نے کیا پیدل۔ بعض نے کہا پیاسے کی شدت پیاس سے گردنیں ٹوٹ رہی ہوں کی۔ ورد کہتے ہیں پانی پر اترنے والی جماعت کو۔ حضرت ابن عباس نے بھی اس کی تشریح میں پیاسے ہی فرمایا۔

میں کہتا ہوں اللہ نے اس جگہ دو گروہوں کے حشر کا ذکر فرمایا (۱) کامل تقویٰ والے انبیاء، مرسلین وغیرہم (۲) مجرمین یعنی کافر عام مسلمانوں کا ذکر نہیں کیا نہ صالحین کا، نہ گناہ گاروں کا۔ حدیث میں آیا ہے کچھ لوگ پیادہ پا اٹھائے جائیں گے۔ یہ عام مومن ہوں گے (صالحین بھی اور گناہ گار بھی)

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہؓ کی اور حضرت معاویہ بن جبل کی روایت کردہ احادیث ہم نے نقل کر دی ہیں۔ حضرت ابوذرؓ کی حدیث ہے کہ لوگوں کا حشر تین طرح سے ہوگا (یعنی تین فریق ہوں گے) سوار، پیدل اور منہ کے بل۔ شیخین نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ نے فرمایا لوگوں کا حشر تین طریقوں پر ہوگا (کچھ لوگ) راغب ہوں گے (کچھ) خوف زدہ ہوں گے اور ایک ایک اونٹ پر دو دو یا تین تین یا دس دس سوار ہوں گے، آگ بھی ان کے ساتھ ہوگی جہاں وہ دوپہر کو ٹھہریں گے آگ بھی ان کے ساتھ ٹھہرے گی جہاں وہ رات گزاریں گے آگ بھی ان کے ساتھ رات گزارے گی۔ شیخ ابن حجر نے کہا رَاغِبِيْنَ رَاهِبِيْنَ وہ لوگ ہوں گے جو پہلے طریقہ پر ہوں گے یعنی عام مومن مگر اس حدیث میں ایک ایک اونٹ پر دو دو اور تین تین اور دس دس کے سوار ہونے کا تو ذکر ہے ایک اونٹ پر ایک کے سوار ہونے کا ذکر نہیں کیا اس سے اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جو ان سب سے اونچے درجہ والے ہوں گے یعنی مذکورہ (مذکورہ) میں سے ہر شخص مستقل طور پر الگ اونٹ پر سوار ہوگا)

بیہقی نے کہا رَاغِبِيْنَ سے اشارہ مذکور کی طرف ہے اور رَاهِبِيْنَ سے ان مخلوط اعمال لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو امید و خوف کی درمیانی حالت میں ہیں اور جن کو آگ گھیر کر لے جائے گی وہ کافروں کا گروہ ہوگا۔ طیبی نے بھی حدیث کی یہی تشریح کی ہے اتنی بات زائد بیان کی ہے کہ مذکورہ (مذکورہ) متقی ہوں گے، جنت سے ان ہی (کی سواری) کے لئے اونٹنیاں لائی جائیں گی باقی وہ اونٹ جن پر مخلوط اعمال لوگوں کو سوار کیا جائے گا تو ممکن ہے کہ قیامت کے دن وہ اونٹ پیدا کر دیئے جائیں اور مخلوط اعمال لوگوں کو ان پر سوار کیا جائے۔ سہیلی نے کہا یہی قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ مخلوط اعمال لوگوں کا جنت سے لائے ہوئے اونٹوں پر سوار کیا جانا کچھ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ پھر اونٹوں پر سوار بھی ان مخلوط اعمال گناہ گاروں کو کرایا جائے گا جن کے گناہ حساب کے وقت معاف کر دیئے گئے ہوں گے اور ان کو عذاب نہیں ہوگا، رہے عذاب پانے والے لوگ تو ان کو پیدل چلایا جائے گا یہ بھی احتمال ہے کہ یہ لوگ شروع سے ہی پیدل چلائے جائیں ان کو سواری نہ دی جائے یا شروع میں سوار ہونے کی حالت میں ہوں جب میدان حشر کے قریب پہنچیں تو پیدل ہو جائیں باقی کافروں کا حشر تو منہ کے بل ہوگا۔ (ان کے سوار ہونے کا تو سوال ہی نہیں)۔

طبرانی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میرا سواری پر سے چلایا جائے گا یہاں تک کہ (اسی حالت میں) وہ میدان حشر تک پہنچ جائیں گے۔ صالح کو ان کی اونٹنی پر سوار (ہونے کی حالت) میں قبر سے اٹھایا جائے گا اور مجھے براق پر (سوار) اٹھایا جائے گا اور میرے دونوں بیٹوں حسن اور حسین کو جنت کی دو اونٹنیوں پر (اور) بلال کو جنت کی اونٹنی پر (اٹھایا جائے گا) بلال اونٹنی پر (بیٹھے ہوئے) اذان دیتے ہوئے اٹھائے جائیں گے۔ خالص شہادت توحید کی اور جب اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہیں گے تو اگلے پچھلے تمام مومن اس شہادت کی تصدیق کریں گے جس کی شہادت قبول ہونی ہوگی قبول ہو جائے گی اور جس کی شہادت رد ہونی ہوگی رد ہو جائے گی۔

حلیمی اور غزالی نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ جو لوگ سوار کر کے لے جائے جائیں گے وہ قبروں سے سوار ہونے کی حالت میں اٹھائے جائیں گے لیکن اسماعیلی کا قول ہے کہ موقف تک تو پیدل جائیں گے پھر وہاں سے سوار ہو جائیں گے

Marfat.com

اسماعیلی نے یہ تفریق مختلف احادیث میں توفیق پیدا کرنے کے لئے کی۔ صحیحین اور ترمذی کی حدیث حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے مذکور ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ (خطبہ دینے) کھڑے ہوئے اور فرمایا لوگو! تم کو اللہ کی طرف اس حالت میں لے جایا جائے گا کہ تم ننگے پاؤں، برہنہ بدن، غیر مختون اور پیادہ پا ہو گے۔ پھر حضور ﷺ نے آیت کَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ پڑھی اور سب لوگوں سے پہلے حضرت ابراہیم کو لباس پہنایا جائے گا۔

اسی طرح شیخین نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت سودہؓ اور حضرت ام سلمہؓ اور حضرت سہلؓ بن سعد اور حضرت حسنؓ بن علیؓ کی روایت سے اور بزار نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے لیکن ان احادیث میں تلاوت آیت اور حضرت ابراہیم کو سب سے پہلے لباس پہنائے جانے کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ اتنا مزید مذکور ہے کہ ام المومنین میں سے حضور ﷺ کی کسی بی بی نے کہا ہائے کیسی بری بات ہو گی کہ ہم میں سے ہر ایک دوسرے کو دیکھے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا لوگوں کو اس کی طرف توجہ ہی نہیں ہو گی، ہر شخص کو اس روز اپنی پڑی ہو گی۔

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾ وہاں کوئی سفارش کا اختیار نہیں رکھے گا مگر جس نے رحمٰن کے پاس (سے) اجازت لے لی ہے۔ یعنی جن کے اندر ایسے اوصاف ہوں گے جو شفاعت کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ وہ شفاعت کر سکیں گے مراد یہ ہے کہ ایماندار نیکوکار ہوں تو اہل شفاعت ہوں گے۔ اللہ نے فرمایا ہے اُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ دوسری جگہ فرمایا ہے يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ۔ بقول ابن صالح حضرت ابن عباسؓ نے موخر الذکر آیت کی تفسیر میں فرمایا يَسْتَجِيبُ یعنی ان کے بھائیوں کے لئے ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ یعنی اپنی مہربانی سے بھائیوں کی بھائیوں کے حق میں شفاعت منظور فرمالے گا۔

یا عَهْدًا سے مراد ہے اجازت اذن یعنی سوائے اس کے جس کو شفاعت کی اجازت مل جائے اور کوئی شفاعت نہیں کر سکتا۔ اسی مضمون کی دوسری آیت ہے مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ۔ عربی محاورے میں بولا جاتا ہے عَهِدَ الْأَمِيرُ إِلَى فُلَانٍ بِكَذَا۔ حاکم نے فلاں شخص کو ایسا کرنے کا حکم دیا۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا سے ہر وہ شخص مراد ہے جو لا اله الا الله کا قائل ہو اور مَنْ سے پہلے شَفَاعَةً محذوف ہے یعنی إِلَّا شَفَاعَةَ مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا اور چونکہ لا اله الا الله کا ہر قائل شفاعت کئے جانے کے قابل ہے۔ اس لئے آیت میں لا اله الا الله کا ہر قائل مراد لینا صحیح ہے۔ اللہ نے تمام مومنوں سے مغفرت کا وعدہ کیا ہے، فرمایا ہے مَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ پر بندوں کا حق ہے کہ وہ غیر مشرک کو عذاب نہ دے (متفق علیہ من حدیث معاذ) اسی طرح کی ایک اور آیت آئی ہے فرمایا ہے لَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ لَا يَمْلِكُونَ کی ضمیر الْمُجْرِمِينَ کی طرف لوٹ رہی ہے اور شَفَاعَةً سے مراد ہے سفارش یاب ہونا (مصدر مجہول) یعنی مجرم شفاعت یاب نہیں ہوں گے ہاں مومن شفاعت یاب ہوں گے جن کو اللہ نے وعدہ دے رکھا ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے (اپنے لئے) اولاد اختیار کر لی ہے۔

قالوا کا فاعل یہودی، عیسائی اور بعض وہ مشرک ہیں جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے تھے۔ چونکہ یہ قول مشہور تھا اور اس کے قائل بھی نامعلوم مجہول نہیں تھے اس لئے ضمیر جس فاعل کی طرف لوٹ رہی ہے اس کا پہلے مذکور ہونا ضروری نہیں۔ (فاعل متکلم اور مخاطب کو معلوم ہو اور مرجع ضمیر متعین ہو تو بغیر ذکر مرجع کے ضمیر غائب ذکر کی جا سکتی ہے۔)

لَّقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿٨٩﴾ تم نے نہایت سخت حرکت کی ہے حضرت ابن عباسؓ نے إِدًّا کا ترجمہ کیا

Marfat.com

منکر یعنی بری۔ مجاہد اور قتادہ نے سخت بری۔ اَدْنی اَمْر فلاں بات یا واقعہ کا مجھ پر سخت بوجھ پڑا یہ عربی محاورہ ہے۔ بغوی نے لکھا ہے عربی زبان میں اد کا معنی ہے بہت ہی بڑا حادثہ۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۙ﴿۹۰﴾ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾

اس کے سبب کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں اس بات سے کہ یہ لوگ خدا کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں۔ قاموس میں ہے حد توڑنا بالکل ڈھا دینا۔ بعض علماء نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے قریب ہے کہ آسمان ان پر ٹوٹ پڑیں اور زمین پھٹ کر ان کو اپنے اندر دھنسا لے اور پہاڑ ان پر ڈھ پڑیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور کعبؓ نے فرمایا سوائے جن وانس کے آسمان، زمین، پہاڑ اور ساری مخلوق اس قول سے خوف زدہ ہو گئی قریب تھا کہ سب اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔ فرشتے بھی غضب ناک ہو گئے اور جہنم بھی بھڑک اٹھی۔ بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا کہ اتنی پر ہیبت اور ہولناک بات ہے کہ اگر اللہ کا بے پایاں حلم نہ ہوتا تو سارا عالم تباہ ہو جاتا اور اس بات کو منہ سے نکالنے والے پر الٹ جاتا۔

وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ حالانکہ خدا تعالیٰ کی شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے۔

یَنْبَغِیْ کا ترجمہ دو طرح سے ہو سکتا ہے (۱) جائز نہیں ہو نہیں سکتا (۲) مناسب اور زیبا نہیں۔ اول صورت میں اِنْبَغٰی یَنْبَغِی باب انفعال سے ہوگا جو بَغٰی کا مطاوع۔ بَغٰی کا معنی ہے طلب کرنا۔ طلب شئی کے بعد اس شئی کے ہو جانے کا نمبر آتا ہے۔ حاصل ترجمہ یہ ہوگا کہ بالفرض اگر اللہ اپنے لئے اولاد کا طالب بھی ہو تب بھی اس کے لئے اولاد کا ہونا ممکن نہیں اس کی اولاد ہو ہی نہیں سکتی، دوسری صورت ظاہر ہے اللہ کی اولاد ہونا، اس کی شان کے خلاف ہے، نقص ہے، عیب ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے (بجائے اللہ کے) آیت میں صفت رحمانیت پر حکم کو مرتب کرنے سے شاید اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ منعم ہے تمام نعمتوں کا سرچشمہ ہے اس کے سوا باقی مخلوق میں یا اللہ کی نعمتیں ہیں یا نعمت پانے والے ہیں اور ظاہر ہے کہ نعمتیں ہوں (جو خدا نے پیدا کی اور دی ہیں) یا نعمت پانے والے ہوں (جن کو اللہ نے نعمتیں عطا فرمائی ہیں) منعم کے ہم جنس کیسے ہو سکتے ہیں اور بیٹے کے لئے ضروری ہے کہ وہ باپ کا ہم جنس ہو اس لئے اللہ کی اولاد ہونا ممکن نہیں ہے۔

إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾

کیونکہ جتنے بھی کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب خدا تعالیٰ کے روبرو غلام ہو کر حاضر ہونے والے ہیں۔

یعنی آسمان و زمین میں جو کوئی ہے وہ اللہ کی ملک ہے اس کی مخلوق ہے بندگی اور اطاعت وانقیاد کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرنے والا ہے اور قیامت کے دن اس کے سامنے ذلت عبدیت کے ساتھ آئے گا، مجازی غلام ہونا بھی اولاد ہونے کے منافی ہے اسی لئے اگر کوئی کسی سبب سے اپنے بیٹے کا مالک ہو جائے بطور میراث یا خریدنے کے ذریعہ یا کسی کے ہبہ کرنے سے کسی کا بیٹا اس کی ملک میں داخل ہو جائے تو ملک میں آتے ہی آزاد ہو جائے گا۔ پس حقیقی مملوک ہونے کا کیا ٹھکانہ ہے، حقیقی مملوک تو مالک کی مخلوق ہے۔

لَقَدْ أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ اللہ نے بلاشبہ سب کا احاطہ کر لیا ہے (اس کے دائرہ علم و قدرت سے کوئی بھی خارج نہیں) اور سب کو گن رکھا ہے یعنی تمام افراد کو ان کے افعال احوال اور زندگی و رزق کو اپنے علم و قدرت کے گھیرے میں لے لیا ہے ہر چیز اس کے نزدیک اندازہ کے مطابق ہے۔

وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾ اور قیامت کے دن ہر ایک اس کے پاس تنہا آئے گا۔ یعنی کسی کا کوئی مددگار ساتھی، پیرو اور دنیا کی کوئی چیز ساتھ نہ ہوگی۔

ابن جریر نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان نقل کیا ہے آپ نے فرمایا کہ میں جب ہجرت کر کے مدینہ کو چلا گیا تو میرے دل میں مکہ والے دوستوں کا کچھ خیال آیا جیسے شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ، امیہ بن خلف (ان لوگوں کی دوستی اور محبت

Marfat.com

یاد آتی تھی) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے یقیناً اللہ ان کے لئے (مومنوں کے دلوں میں) محبت (پیدا) کردے گا۔ یا محب (پیدا) کردے گا جو ان سے محبت کریں گے۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے وُدٌّ اور وِدَادٌ محبت اور محبت کرنے والا۔ ود کی تینوں حرکات صحیح ہیں وُدٌّ، وَدٌّ، وِدٌّ (یعنی یہ مصدر بھی ہے اور صیغۂ صفت بھی) اور وَدِیْد کی طرح کثیر محبت کرنے والے کو بھی وُدٌّ کہتے ہیں (یعنی صیغۂ مبالغہ بھی ہے) اس آیت میں حضرت عبدالرحمٰن کے لئے پیام تسلی ہے اور اس امر کا وعدہ ہے کہ بجائے کافروں کے اللہ مومنوں کے دلوں میں محبت ڈال دے گا اور ان کو تمہارا دوست بنادے گا۔

طبرانی نے الاوسط میں بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت علی بن ابی طالب کے حق میں ہوا اور ارشاد فرمایا کہ تمہاری محبت سوائے کافروں کے سارے مومنوں اور کل مخلوق کے دلوں میں ڈال دے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کا میں مولیٰ ہوں علیؓ بھی اس کے مولیٰ ہیں۔ (مولی بمعنی آقا، دوست، بھائی) رواہ احمد وابن ماجہ عن البراء بن عازب واحمد عن بریدۃ والترمذی والنسائی عن زید بن ارقم۔

حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا علی کا ذکر (یا علی کی محبت) عبادت ہے، رواہ صاحب مسند الفردوس عن ام المومنین عائشہؓ

حضور گرامی نے ارشاد فرمایا اللہ جب (کسی) بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرئیلؑ سے فرماتا ہے میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ حسب الحکم جبرئیلؑ بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر آسمان کے رہنے والوں میں منادی کرتے ہیں، اللہ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین پر اس شخص کو مقبولیت عطا کردی جاتی ہے (اور اہل زمین اس سے محبت کرتے ہیں) رواہ البخاری ومسلم من حدیث ابی ہریرۃؓ

میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ اس حدیث کا یہ مطلب ہو کہ اللہ بندہ کو اپنی ذات گرامی سے محبت کرنے والا بنادیتا ہے، بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے (جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ) پھر اللہ بندہ سے محبت کرنے لگتا ہے۔ کیونکہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اللہ نے فرمایا میرا بندہ پیہم نوافل کے ذریعہ سے میرا مقرب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ سو ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں اس لئے آسان کیا ہے کہ آپ اس سے متقیوں کو خوش خبری سنائیں نیز اس سے جھگڑالو لوگوں کو خوف دلائیں۔

بِلِسَانِكَ یعنی آپ کی زبان پر اس کو آسان کردیا ہے۔ اس صورت میں ب بمعنی عَلٰی (پر) ہوگا۔ یا آپ کی زبان (یعنی عربی) میں آسان کردیا ہے۔ یعنی سہولت آگیں کیفیت میں نازل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں بِلِسَانِكَ کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کی امت پر آسان کردیا ہے آپ کی زبان میں اتار کر (دوسری زبانوں میں نہیں اتارا کہ عرب کو سمجھنے میں دشواری ہوتی)

لُدًّا (اَلَدّ کی جمع ہے) سخت جھگڑالو لوگ جو حق واضح ہونے کے بعد بھی اس کو قبول نہیں کرتے اور محض عناد قومی وذاتی اور جذبۂ خصومت کی وجہ سے دوزخ کو پسند کرتے ہیں، مجاہد نے کہا اَلَدّ اس ظالم کو کہتے ہیں جو کبھی راہ راست پر نہ آئے، ابو عبیدہ نے کہا اَلَدّ وہ شخص ہے جو باطل کا مدعی ہو اور حق کا منکر۔

آیت میں حصر اضافی ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو صرف اس لئے اتارا کہ آپ مومنوں کو اس کے ذریعہ سے بشارت دیں اور کافروں کو ڈرائیں، اسلئے نہیں اتارا کہ آپ دکھ میں پڑجائیں اور اگر لوگ نہ مانیں تو آپ غمگین اور رنجیدہ ہوں۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اور ہم نے ان سے

Marfat.com

Marfat.com

سورۂ طٰہٰ

سورۂ طہٰ مکہ میں نازل ہوئی اس میں ۱۳۵ آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

ط اور ہ حروف کے نام ہیں۔ اس کی بحث سورۂ بقرہ کے شروع میں مفصل گزر چکی ہے۔ بعض کے نزدیک اللہ کا نام ہے اور اس جگہ اس کا ذکر بطور قسم ہے (یعنی طہ کی قسم جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا حٰمٓ لَا یُنْصَرُوْنَ (حم کی قسم ان کافروں کی مدد نہیں کی جائے گی، یہ فتح یاب نہیں ہوں گے) ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور حاکم نے حضرت براء بن عازب کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے خندق کی رات کو فرمایا حٰمٓ لَا یُنْصَرُوْنَ

مقاتل بن حبان نے کہا طہ کا معنی ہے زمین کو اپنے دونوں قدموں سے پامال کرو۔ یعنی تہجد کی نماز میں دونوں پاؤں زمین پر قائم رکھو) ابن مردویہ نے تفسیر میں اور بزار نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جب یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نازل ہوئی تو اس کے بعد رسول اللہ ﷺ تمام رات (نماز میں) کھڑے رہنے لگے یہاں تک کہ آپ کے پاؤں سوج گئے (تکلیف کی وجہ سے) آپ ایک پاؤں ٹیکتے تھے تو دوسرا اٹھا لیتے تھے، اس پر جبرئیل اترے اور کہا طہ یعنی اے محمد اپنے دونوں قدم زمین پر رکھو۔ مجاہد، عطاء اور ضحاک نے کہا طہ کا معنی ہے اے مرد۔ قتادہ نے کہا سریانی زبان میں اس کا معنی اے مرد ہی ہے۔ کلبی نے کہا عک (قبیلۂ عکل) کے محاورے میں طہ کا ترجمہ ہے اے انسان۔ موخر الذکر دونوں صورتوں میں طہ کے لفظ سے خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہوگا، اسی لئے بعض لوگوں نے طہ کو رسول اللہ کے ناموں میں سے شمار کیا ہے کیونکہ آیت میں طہ سے کنایہ آپ ہی کی ذات سے ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کلبی کا قول ہے کہ جب مکہ میں رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو آپ عبادت میں زیادہ سرگرم رہنے لگے، نماز میں طویل قیام کی وجہ سے کبھی ایک پاؤں ٹیکتے دوسرا اٹھاتے اور دوسرا ٹیکتے تو پہلا اٹھا لیتے تھے اور رات بھر نماز میں مشغول رہتے تھے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

طٰهٰ ۝۱ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى ۝۲ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا ہے کہ آپ (قیام کرتے کرتے) تھک جائیں۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے شقاء کا معنی ہے سختی اور تنگی۔

جوہری نے لکھا ہے شقاوت، سعادت کا عکس ہے اور جس طرح سعادت کی دو قسمیں ہیں، دنیوی اور اخروی، اسی طرح شقاوت بھی دو طرح کی ہوتی ہے دنیوی اور اخروی۔ پھر سعادت دنیوی تین طرح کی ہوتی ہے نفسانی، جسمانی، بیرونی، اسی طرح شقاوت دنیوی کی بھی یہی تین قسمیں ہیں۔ دنیوی، جسمانی شقاوت تھکان ہے اور آیت میں یہی مراد ہے۔ (گویا صاحب قاموس کے نزدیک تشقی کا مصدر شقاء ہے اور جوہری کے نزدیک شقاوہ) بعض علماء کا قول ہے کہ تعب کی بجائے شقاء کا لفظ بھی مستعمل ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے، تعب کے معنی میں شقاء کا لفظ عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ھواشقی من رابض المھر اور

Marfat.com

سَیِّدُ الْقَوْمِ اَشْقَاهُمْ مشہور کہاوتیں مستعمل ہیں۔ شاید تعجب کے بجائے تَشْقٰی کا لفظ ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہو کہ قرآن کا نزول آپ کے سعادت یاب ہونے کے لئے کیا گیا ہے نہ کہ شقاء کے لئے۔

ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ شروع شروع میں جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو نماز میں آپ قدموں کے سروں (پنجوں) کے بل کھڑے ہوتے تھے اس پر نازل ہوا طٰہٰ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی

عبد بن حمید نے رابع بن انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھتے تو ایک ٹانگ ٹیکے رکھتے اور دوسری اٹھالیتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بعض علماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ کافروں نے جب دیکھا کہ رسول اللہ عبادت میں بہت زیادہ مشقت اٹھا رہے ہیں تو کہنے لگے محمد قرآن تم پر صرف اس لئے نازل ہوا کہ تم مشقت اٹھاؤ یا تمہاری شقاوت کے لئے قرآن نازل ہوا ہے) اس قول کی تردید اور تکذیب کے لئے آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ شاید کفار کی مراد یہ ہو کہ تم نے چونکہ باپ دادا کا مذہب چھوڑ دیا ہے اس لئے بدنصیب ہوگئے قرآن اترنے کا یہی نتیجہ نکلا۔ اللہ نے اس خیال کی تکذیب فرمادی، اس مضمون پر وہ روایت دلالت کر رہی ہے جو بطریق عوفی آئی ہے جس میں حضرت ابن عباسؓ نے کفار کا یہ مقولہ بیان کیا کہ یہ شخص اپنے رب کی وجہ سے بدنصیب ہو گیا اس کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آیت کا مطلب اس طرح ہو ہم نے قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ تم تھکان میں مبتلا ہو جاؤ اور اس غم میں اپنے آپ کو تباہ کر دو کہ تمہاری قوم مومن کیوں نہیں ہوتی آپ کے ذمے تو صرف تبلیغ ہے ان کے ایمان لانے نہ لانے کا آپ سے کوئی تعلق نہیں۔

اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی ﴿۳﴾ بلکہ ایسے شخص کی ہدایت کے لئے اتارا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو۔ مَنْ یَّخْشٰی سے مراد ہے وہ شخص جس کے دل کے اندر خشیت اور رقت ہو کہ ڈرانے سے اس کو فائدہ پہنچ جائے یا ایسا شخص مراد ہے جس کے متعلق اللہ جانتا ہے کہ ڈرانے اور عذاب کا خوف دلانے سے وہ خوف زدہ ہو جائے گا (اگرچہ بالفعل وہ صاحب خشیت نہ ہو اور عذاب کا خوف اس کو نہ ہو مگر عذاب کا ذکر سن کر آئندہ خوف زدہ ہو جانے والا ہو) ایسا ہی آدمی انذار و تخویف سے فائدہ اندوز ہو سکتا ہے۔

تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ﴿۴﴾ یہ اس ذات کی طرف سے نازل کردہ ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے پہلے اَنْزَلْنَا بصیغہ جمع متکلم فرمایا تھا اور اس جگہ اپنی ذات کو بصیغہ غائب ذکر کیا اس سے طرز کلام میں نیرنگی پیدا ہو گئی اور اتارنے والے کی عظمت کا اظہار دو طرح سے ہو گیا، اول اتارنے کی نسبت اپنی عظیم الشان ذات کی جانب کی پھر ایسی ذات جامع الصفات کی طرف اسنادِ تنزیل کی جو عظیم الشان صفات و افعال کا سرچشمہ ہے اور اسی ترتیب سے اس کے افعال کا ذکر کیا جو ترتیب عند العقل مناسب تھی اول تخلیق زمین کا ذکر کیا۔ زمین بالکل ہمارے سامنے اور بہت زیادہ قریب ہے پھر اونچے آسمانوں کا ذکر کیا اس کے بعد استواء علی العرش اور درمیانی کائنات کی ملکیت و تخلیق اور زیر ثری کی پیدائش کا تذکرہ کیا۔

اَلْعُلٰی۔ اَلْعُلْیَا کی جمع ہے اور عُلْیَا اَعْلٰی کا مونث ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی ﴿۵﴾ وہ بڑی رحمت والا عرش پر قائم ہے۔ اِسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ کی پوری تشریح سورۂ یونس میں گزر گئی۔

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے یعنی ملائکہ اور ستارے اور پہاڑ اور دریا۔

وَمَا فِی الْاَرْضِ اور جو کچھ زمین میں ہے یعنی پہاڑ اور دریا اور درخت اور کانیں اور جانور اور جن و شیاطین اور انسان و ملائکہ

وَمَا بَیْنَهُمَا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان (خلاء) میں ہے یعنی ہوا اور بادل اور گرج اور بجلی وغیرہ۔

Marfat.com

عَلَى النَّارِ یعنی آگ کے قریب۔

فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۱﴾ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ سوجب وہ آگ کے پاس پہنچے تو ان کو (اللہ کی طرف سے) آواز دی گئی کہ اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں۔

بغوی نے لکھا ہے جب موسیٰ وہاں پہنچے تو آپ نے ایک درخت دیکھا جو اوپر سے نیچے تک بالکل سبز تھا اور اس کے گرداگرد شفاف، سفید آگ اس کو گھیرے ہوئے تھی جو بہت زیادہ روشن تھا (دھویں کا نام بھی نہ تھا) درخت کی سبزی اور آگ کی سفیدی دونوں اپنی اپنی جگہ نمایاں تھیں۔ نہ درخت کی سبزی آگ کی روشنی اور سفیدی میں مخل تھی نہ آگ کی نورانیت درخت کی سبزی نمایاں ہونے سے مانع تھی۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا درخت کا رنگ گندمی سبز تھا۔ قتادہ، مقاتل اور کلبی نے کہا وہ عوسج کا درخت تھا، وہب نے کہا علیق کا درخت تھا، بعض کا قول ہے کہ عناب کا درخت تھا، اس قول کی نسبت حضرت ابن عباس کی طرف کی گئی ہے، اہل تفسیر کہتے ہیں کہ موسیٰ نے جس کو آگ سمجھا تھا وہ آگ نہ تھی نور تھا، موسیٰ نے اس کو آگ ہی خیال کیا تھا۔ اس لئے اللہ نے بھی اس کو نار ہی فرمایا۔ اکثر مفسر قائل ہیں کہ وہ نور رب تھا۔ حضرت ابن عباس اور عکرمہ وغیرہ کا یہی قول ہے لیکن سعید بن جبیر نے فرمایا وہ حقیقت میں آگ ہی تھی آگ ہی چہرہ خداوندی کے لئے حجاب ہے جیسا کہ حضرت ابو موسیٰؓ اشعریؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کا حجاب آگ ہے اگر اس حجاب آتشیں کو کھول دے تو اس کی تجلی جمال اس تمام مخلوق کو سوختہ کر دے جو اس کی حد نگاہ تک ہو۔ بغوی کی روایت میں یہ حدیث اسی طرح آئی ہے لیکن صحیح مسلم اور سنن ابن ماجہ میں اس حدیث کے اندر نَار کی جگہ نُوْر کا لفظ آیا ہے۔ اس کا حجاب نور ہے۔ میں کہتا ہوں دونوں کا مآل ایک ہی ہے نور بھی لطیف ترین مصفّٰی آگ ہی ہوتا ہے جو جلاتا نہیں ہے۔

اس قصہ میں آیا ہے کہ موسیٰ کچھ خشک گھاس لے کر آگ کی طرف بڑھے تو آگ دور ہو گئی جس قدر اس کے قریب جاتے تھے وہ اور دور ہٹ جاتی تھی اور جب موسیٰ پیچھے ہٹ آتے تھے تو آگ قریب آجاتی تھی موسیٰ حیران ہو کر کھڑے ہو گئے اور آپ نے وہاں ملائکہ کی تسبیح کی آواز سنی اس وقت آپ کے اوپر سکینہ (ایمان شہودی، سکون خاطر، اطمینان قلبی، دل کی ٹھہراؤ) کا القاء ہوا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ وہب نے بیان کیا حضرت موسیٰ کو درخت سے ندا آئی تھی کہ میں تیرا رب ہوں۔ موسیٰ کو معلوم نہ ہوا کہ پکارنے والا کون ہے اس لئے آپ نے جواب دیا میں تیری آواز تو سن رہا ہوں لیکن میں نہیں جانتا کہ تیری جگہ کہاں ہے (کہاں سے آواز آ رہی ہے) تو کہاں ہے آواز آئی میں تیرے اوپر ہوں، تیرے ساتھ ہوں، تیرے سامنے ہوں، تیرے پیچھے ہوں، تجھ سے اتنا قریب ہوں کہ تو بھی اپنے آپ سے اتنا قریب نہیں ہے۔ اس وقت حضرت موسیٰ کو یقین ہوا کہ یہ اللہ ہے یہ شان تو اسی کی ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے موسیٰ کو ندا آئی تو آپ نے کہا یہ کلام کرنے والا کون ہے آواز آئی میں ہی اللہ ہوں اس وقت شیطان نے موسیٰ کے دل میں وسوسہ پیدا کیا کہ شاید میں شیطان کا کلام سن رہا ہوں، لیکن فوراً کہہ اٹھے یقیناً یہ اللہ کا کلام ہے کیونکہ ہر طرف سے اور ہر عضو سے میں اس کو سن رہا ہوں (شیطان کا کلام نہ ہر جہتی ہو سکتا ہے نہ بند بند سے اس کو سنا جا سکتا ہے) اس تشریح میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روحانی طور پر اول حضرت موسیٰ کے قلب پر کلام اللہ کا القاء ہوا تھا۔ پھر صورت مثالی میں آ کر حس مشترک کے سامنے آیا اور ثبت ہو گیا اور جسم کے سارے اعضاء سے آپ نے سنا لیکن وہ کلام ہر جہتی تھا اور ہر عضو سے آپ نے اس کو سنا۔

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ پس اپنے جوتے اتار دو۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ برہنہ پا ہو جانا تعظیم کی علامت ہے اس لئے جوتے اتارنے کا حکم دیا گیا۔ بغوی نے لکھا ہے اس حکم کی وہ وجہ تھی جو حضرت ابن مسعود کی روایت میں آئی ہے کہ وہ جوتے مردہ گدھے کی کھال کے بنے ہوئے تھے۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ وہ چمڑا جس کے جوتے بنے ہوئے تھے دباغت شدہ نہ تھا۔ عکرمہ اور مجاہد نے کہا ننگے پاؤں ہو جانے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ اس پاک زمین کی خاک سے حضرت موسیٰ کے قدم محروم نہ رہیں پاک سرزمین کی برکت موسیٰ کے قدموں کو حاصل ہو جائے، حضرت موسیٰ نے فوراً جوتے اتار کر وادی کے پرے پھینک

Marfat.com

دیئے۔

اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۲﴾ کیونکہ تم بلاشک طویٰ کی مقدس وادی میں ہو (تقدیسِ طویٰ کا تقاضا ہے کہ تو ننگے پاؤں ہو جائے) طویٰ اس وادی کا نام تھا۔ ضحاک نے کہا وادی طویٰ گہری تھی اور طور کی طرح متدیر تھی۔

بعض نے کہا طویٰ مصدر ہے اور یہ اشارہ ہے اس کیفیت کی طرف جو اللہ نے موسیٰؑ کو اپنی مہربانی سے بطور انتخاب عطا فرمائی تھی موسیٰؑ اپنی کوشش سے وہ کیفیت حاصل نہیں کر سکتے اللہ ہی نے وہ ساری وادی طے کرادی جس کی مسافت بہت بعید (مُقَدَّس بمعنی بعید) تھی۔ اہل تصوف کہتے ہیں قلب کا عروج اپنی اصل یعنی بالائی عرش تک اگر بالفرض کوشش سے ممکن بھی ہو تو پچاس ہزار برس کی کوشش کے بعد وہاں تک رسائی ہوگی کیونکہ زمین سے عرش تک پچاس ہزار برس کی مسافت ہے اسی کو بطور کنایہ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ میں بیان کیا گیا ہے لیکن شیخ کی توجہ سے یہ عروج بطریق اجتباء (انتخاب چن لینا) حاصل ہو جاتا ہے۔ عارف رومی نے کیا خوب کہا ہے۔

سیر زاہد ہر شبے یک روزہ راہ سیر عارف ہر دمے تا تختِ شاہ

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ اور (نبوت ورسالت کے لئے) میں نے تم کو پسند کر لیا ہے۔

فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿۱۳﴾ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ پس جو کچھ (تمہاری طرف) وحی کیا جارہا ہے اس کو سن لو میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری عبادت کرو (کسی اور کی نہ کرو)

اَنَا اللّٰهُ الخ مَا يُوْحٰى سے بدل ہے اس جملہ کے اندر وحی کے دو حصے بیان فرمائے، توحید عبادت جو علم کا کمال ہے اور عبادت خالص جو عمل کا کمال ہے۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿۱۴﴾ اور میری ہی یاد کی نماز پڑھا کرو۔

عمومی عبادت کا ذکر پہلے کیا پھر نماز کا خصوصیت کے ساتھ حکم دیا، کیونکہ تمام عبادتوں میں نماز کی اہمیت اور عظمت ظاہر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز دین کا ستون ہے۔ رواہ ابو نعیم والبیہقی عن عمرؓ وصاحب مسند الفردوس عن علیؓ ابن عساکر نے انس کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے نماز ایمان کا نور ہے۔

حضرت ابن مسعود نے فرمایا میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ کو سب سے زیادہ پیارا کون سا عمل ہے فرمایا نماز، رواہ الشیخان فی الصحیحین

مسلم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندہ کے اور کفر کے درمیان ترکِ صلوٰۃ (حائل) ہے۔ اسی طرح امام احمد اور اصحاب السنن نے حضرت بریدہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے۔

احمد، دارمی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز نماز کا ذکر کیا اور فرمایا جو اس کی پابندی کرے گا تو یہ قیامت کے دن اس کے لئے نور اور برہان اور نجات ہو جائے گی اور جو اس کی پابندی نہیں کرے گا اس کے لئے نماز نہ نور ہو گی نہ نجات (کا ذریعہ) اور قیامت کے دن وہ قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

ترمذی نے عبداللہ بن شقیق کی روایت سے بیان کیا ہے کہ صحابہ کرام سوائے ترکِ صلوٰۃ کے اور کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔ انہی احادیث کی بنا پر امام احمد نے فرمایا کہ جس نے قصداً نماز ترک کی وہ کافر ہو گیا۔

نماز کے افضل عبادات ہونے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نماز بجائے خود فی نفسہٖ نیکی ہے (دوسری عبادات کا حسن اضافی ہے) روزہ اس لئے اچھا ہے کہ اس سے نفس امارہ کے غلبہ کو شکست ہوتی ہے، زکوٰۃ اس لئے نیکی ہے کہ اس سے غریبوں، محتاجوں کی حاجت روائی اور امداد ہوتی ہے حج اس لئے نیکی ہے کہ اس سے اللہ کے گھر کی تعظیم کا اظہار ہوتا ہے۔ چونکہ نماز فی نفسہٖ بجائے خود نیکی ہے اسی لئے اللہ نے اقامتِ صلوٰۃ کے حکم کی لِذِكْرِيْ کے لفظ سے علت بھی بیان فرمادی۔

Marfat.com

لِذِكْرِی کا مطلب یہ ہے کہ تم نماز کو اس لئے قائم کرو کہ مجھے نماز کے اندر یاد کرو پوری نماز ہی ذکر خدا ہے نماز کے اندر آدمی دل، زبان اور تمام اعضاء کے ساتھ اللہ کی یاد میں مشغول ہوتا ہے۔ لِذِكْرِی کا مطلب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ چونکہ میں نے نماز کا ذکر اپنی تمام کتابوں میں کیا ہے اور سب ہی کتابوں میں اس کا حکم دیا ہے اس لئے تم بھی نماز قائم کرو (اول مطلب پر ذِكْرِی میں مفعول کی طرف نسبت ہوگی اور دوسرے مطلب پر فاعل کی طرف (مترجم) بعض علماء نے ذِكْرِی کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ تم نماز قائم کرو تاکہ میں رحمت اور تعریف کے ساتھ تمہارا ذکر کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ فرماتا ہے میں اپنے بندے کے گمان کے قریب ہوتا ہوں اور میں (ہر دم) اس کے ساتھ رہتا ہوں، اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کا ذکر (تنہا) اپنی ذات میں کرتا ہوں اور اگر وہ میرا ذکر جماعت میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر ایسی جماعت میں کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہوتی ہے (یعنی فرشتوں کی جماعت میں) اس جگہ اقامتِ صلوٰۃ کا ذکر اجمالی کیا ہے دوسری جگہ اس کی تفصیل آئی ہے مثلاً ایک آیت میں فرمایا ہے اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ۔ حضرت جبرئیلؑ کی امامت کی حدیث تو مشہور ہی ہے کہ جبرئیلؑ نے دو روز پانچوں وقت حضور ﷺ کی امامت کی تھی پہلے روز ہر نماز ابتدائی وقت میں اور دوسرے روز ہر نماز انتہائی وقت پر پڑھائی تھی۔ مترجم) بعض علماء نے آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے نماز قائم کرو جب نماز یاد آجائے۔ حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص نماز بھول گیا یا سو تارہ گیا ہے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آجائے (فوت شدہ) نماز پڑھ لے (دوسری روایت میں آیا ہے اس کے سواء اور کوئی کفارہ نہیں) اللہ نے فرمایا ہے اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِی متفق علیہ۔

حضرت ابو قتادہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نیند میں کوئی قصور نہیں قصور تو بیداری میں (نماز ترک کرنے پر) ہے جو شخص کسی نماز کو بھول جائے یا سو تارہ جائے تو جب (فوت شدہ) نماز یاد آجائے پڑھ لے، اللہ نے فرمایا ہے وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِی مسلم

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا بلاشبہ وہ گھڑی (یعنی قیامت) آنے والی ہے، میں اس (کے مقرر وقت) کو پوشیدہ رکھوں گا۔

یہ جملہ حکم عبادت کی علت ہے یا مستانفہ ہے یا معترضہ ہے جس کو خوف دلانے کے لئے ذکر کیا ہے اور بقول بغوی واو عاطفہ محذوف ہے اصل میں وَاِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ تھا۔

اخفش نے اَكَادُ کا ترجمہ اُرِيْدُ (میں چاہتا ہوں) کیا ہے، بغوی کے نزدیک یہ لفظ زائد ہے۔ معنی یہ ہے کہ میں اس کا مقرر وقت ظاہر نہیں کروں گا۔ بعض اہل علم نے اَكَادُ اُخْفِيْهَا کا یہ مطلب بیان کیا۔ قریب تھا کہ میں قیامت کو چھپا لیتا یہ بھی نہ کہتا کہ قیامت آنے والی ہے، بندوں پر مہربانی کرنا اور اتمام حجت کرنا مقصود تھا اس لئے ذکرِ قیامت کر دیا اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں اس کا ذکر بھی نہیں کرتا۔ یہی مطلب تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ کا ہے کہ اگر اللہ کا حکم آسمانوں کو باقی رکھنے کا نہ ہوتا تو ان لوگوں کے اس قول سے کہ اللہ صاحب اولاد ہے آسمان پھٹ جاتے۔ میں کہتا ہوں شاید اس کلام میں اس طرف اشارہ ہے کہ ایمان اور اللہ کی عبادت کو وہ فضیلت و شرف اور حسن و خوبی حاصل ہے کہ بغیر جنت کی خواہش اور دوزخ کے خوف اور قیامت کے عذاب کے اندیشہ کے خود ان دونوں کو مقصود اصلی ہونا چاہئے گو ایمان و عبادت اور ترک ایمان و عبادت کا لازمی نتیجہ اور ثمرہ ثواب و عذاب ہوگا لیکن ایمان و عبادت کی غرض و غایت اگر یہ نہ بھی ہو تب بھی ایمان و عبادت کو وہ عزت و شرف اور حسن حاصل ہے کہ ان دونوں کو بندوں پر لازم ہونا چاہئے اور کفر و ترک عبادت، ذلت و ناکامی اور خرابی و قباحت کے اس گڑھے میں گھسے ہوئے ہیں کہ بغیر خوفِ عذاب کے ان سے پرہیز رکھنا ضروری ہے اگر اللہ نے قیامت آنے کی اطلاع نہ دی ہوتی تب بھی مومن کا ایمان جنت کی طمع اور دوزخ کے خوف سے نہ ہوتا بلکہ خالص لوجہ اللہ ہوتا، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا صہیب بہت اچھا بندہ ہے اگر اسکو اللہ (کے عذاب اور دوزخ) کا خوف نہ بھی ہوتا تب بھی وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرتا۔ رابعہ

Marfat.com

بصریہ نے کہا تھا میں چاہتی ہوں کہ جنت کو جلادوں اور دوزخ کو بجھادوں تاکہ لوگ بغیر خوف و طمع خالص اللہ کے لئے عبادت کریں۔ اکثر اہل تفسیر نے اَکَادُ اُخْفِیْہَا کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ قریب ہے میں قیامت کو اپنی ذات سے بھی پوشیدہ رکھوں دوسروں کو وقت قیامت بتانے کا تو ذکر ہی کیا ہے گویا اخفاء قیامت کو اللہ نے زوردار طور پر مبالغہ کے ساتھ بیان کیا (اپنی ذات سے چھپانے کا ارادہ کرنا یا چھپانا مقصود کلام نہیں ہے بلکہ قیامت کے اخفاء کو مبالغہ کے ساتھ بیان کرنا مقصود ہے) اس مطلب کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ بعض قرائتوں میں اُخْفِیْہَا کے بعد فَکَیْفَ اُظْہِرُھَا لَکُمْ بھی آیا ہے۔ (لیکن یہ قرأت شاذ ہے مترجم) عرب کا قاعدہ ہے کہ جب کسی بات کو چھپانے کا بیان قوت و مبالغہ کے ساتھ کرتے ہیں تو کہتے ہیں کَتَمْتُ سِرَّکَ مِنْ نَفْسِی میں تمہارا راز اپنے آپ سے بھی پوشیدہ رکھوں گا۔ یعنی کسی پر ظاہر نہیں کروں گا قیامت کو مخفی رکھنے کی مصلحت و حکمت خوف اور ہول کو لوگوں کے دماغوں میں قائم رکھنا ہے اگر لوگوں کو قیامت بپا ہونے کا علم تعین وقت کے ساتھ نہ ہوگا تو ہر وقت ڈرتے رہیں گے کہ خدا جانے کب قیامت بپا ہو جائے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اُخْفِیْ (واحد متکلم مصدر اِخْفَاءٌ باب افعال) میں ہمزہ سلب ماخذ کے لئے ہے۔ اس اُخْفِیْ کا ترجمہ ہو گیا اُظْہِرُھَا (قریب ہے کہ میں قیامت کو ظاہر کردوں) لغت عربی میں اِخْفَاء کا ترجمہ (جس طرح اس کو چھپایا آتا ہے اسی طرح) اس کو ظاہر کیا (بھی) آتا ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے اس کی تائید اس قرأت سے بھی ہوتی ہے جس میں اُخْفِیْ کی جگہ اَخْفِیْ بفتح ہمزہ آیا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے یہ لفظ بفتح ہمزہ پڑھا گیا ہے اس وقت اس کا معنی ہوگا میں ظاہر کردوں خَفَیْتُ الشَّیْئَ میں نے اس چیز کو ظاہر کردیا، اَخْفَیْتُہٗ میں نے اس کو چھپا دیا (ثلاثی مجرد سے ظاہر کرنے کا معنی ہے اور ثلاثی مزید سے چھپانے کا کذا فی النہایۃ للجزری۔

ایک شبہ

جب خِفَاء ثلاثی مجرد اظہار کے معنی رکھتا ہے اور اِخْفَاء باب افعال (جب کہ ہمزہ سلب کی قرار دی جائے) سلب اظہار یعنی پوشیدہ کرنے کا معنی رکھتا ہے تو پھر قرأت متواترہ میں اِخْفَاء کا معنی جو اظہار کہا گیا ہے یہ کیسے، ممکن ہے (اِخْفَاء کا معنی تو سلب الخفاء یعنی نفی الاظہار ہونا چاہئے)

جواب

میں کہتا ہوں خِفَاء ثلاثی مجرد کبھی بمعنی اظہار کے ہوتا ہے اور کبھی چھپانے کے معنی کے لئے (پس قرأت متواترہ میں جو اِخْفَاء کا معنی اظہار کہا گیا ہے وہ اس خِفَاء (ثلاثی مجرد) سے باضافۂ ہمزہ بنایا گیا ہے جس کا معنی ہے چھپانا۔ قاموس میں ہے خَفٰی یَخْفِیْ جیسے رَمٰی یَرْمِیْ (یعنی ضَرَبَ سے) مصدر خَفْیًا اور خُفِیًّا اس کا معنی ہے ظاہر کرنا۔ اِخْتَفٰی کا بھی یہی معنی ہے اور خَفِیَ یَخْفٰی جیسے رَضِیَ یَرْضٰی (سَمِعَ سے) مصدر خفاء اسم فاعل خَافٍ صفت مشبہ خَفِیٌّ اس کا معنی ہے ظاہر نہ کرنا۔ پس خَفٰی جو ضَرَبَ سے آتا ہے اگر اس میں ہمزہ سلب زیادہ کردی جائے تو اس کا معنی ہو جائے گا چھپانا اور ظاہر نہ کرنا (کیونکہ خَفٰی کا معنی ہے ظاہر کیا) اور اگر خَفِیَ (باب سمع) میں ہمزہ بڑھائی جائے تو اس کا معنی ہو جائے گا ظاہر کردینا نہ چھپانا۔

لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ⑮ تاکہ ہر شخص کو اس کی کوشش کا بدلہ دے دیا جائے۔

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ⑯

پس تم کو نہ پھیر دے قیامت سے (یعنی قیامت پر ایمان لانے سے اور اللہ کی ملاقات سے یا نماز قائم کرنے سے) وہ شخص جو قیامت کو نہیں مانتا اور اپنی خواہشات کے پیچھے چلتا ہے (ورنہ) تم بھی ہلاک ہو جاؤ گے۔

آیت میں بظاہر کافر کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ موسیٰ کو اقرار قیامت یا اقامت نماز سے نہ پھیر دے اور حقیقت میں موسیٰ کو ممانعت کی گئی کہ تم کافروں کے کہنے میں نہ آجانا ورنہ ان کی طرح آخرت میں تم بھی تباہ ہو جاؤ گے۔ اس فقرہ سے اشارۃً معلوم

Marfat.com

ہورہا ہے کہ فطرت سلیمہ کا تقاضا ہے اقرار توحید و قیامت اور اقامتہ الصلوٰۃ لذکرہٖ، اس کا انکار استقامت فطرت کے خلاف ہے۔ کافر کے اندر کجی اور کج فہمی ہے اس لئے ان باتوں کا انکار کرتا ہے۔

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ یعنی محسوس ظاہری، فناپذیر، ناپائیدار دنیوی لذتوں کے پیچھے پڑا ہے اور جو خرابیاں ان لذت کوشیوں میں پوشیدہ ہیں ان کو سمجھنے سے بھی غافل ہے اور جو عذاب آخرت ان کے نتیجہ میں آنے والا ہے اس سے بھی صرف نظر کئے ہوئے ہے۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۷﴾ اور موسیٰؑ یہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے، موسیٰؑ کو مانوس بنانے اور ان کی وحشت خاطر کو دور کرنے کے لئے یہ سوال کیا گیا (ورنہ اللہ تو جانتا ہی تھا کہ موسیٰؑ کے ہاتھ میں کیا ہے اور اس سے موسیٰؑ کے کون سے اغراض و مقاصد وابستہ ہیں) چونکہ وہ لاٹھی مظہر معجزہ ہونے والی تھی اس لئے موسیٰؑ کو ہوشیار کر دیا اور سوال تقریری کر کے اقرار کرالیا ہے کہ واقعی یہ لاٹھی ہی ہے۔

قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ موسیٰؑ نے کہا یہ میری لاٹھی ہے۔ مقاتل نے کہا اس لاٹھی کا نام جبعہ تھا، بغوی نے لکھا ہے اس کا بالائی سرا دوشاخہ تھا اور نچلی جانب برچھی پیوست تھی۔

اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ میں اس سے ٹیک لگاتا ہوں اور بکریوں کے لئے (درختوں سے) پتے جھاڑتا ہوں یعنی تھک جاتا ہوں تو اس سے سہارا لیتا ہوں اگر اوپر اچھلتا ہوں تب اس سے سہارا لیتا ہوں اور جب بکریاں چرتی ہیں تو اس پر ٹیک لگا کر میں کھڑا رہتا ہوں۔ صاحب قاموس نے ہَشّ کا معنی لکھا ہے انڈھا دھند درخت کو پیٹنا (تاکہ اس سے پتے جھڑ کر نیچے گر پڑیں)

وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿۱۸﴾ اور میری اس سے اور ضرورتیں بھی وابستہ ہیں یعنی اور حاجتوں کے پورے ہونے کا بھی اس سے تعلق ہے۔ حضرت مفسر نے دوسری ضرورتوں کو مثال کے طور پر اس طرح بیان کیا کہ اس کو کندھے پر رکھ کر زاد راہ اور کھانے پینے کے برتن اس میں لٹکا لینا، اس کے دوشاخ میں کوئی چادر باندھ کر سر پر سایہ کر لینا، رسی چھوٹی ہو تو کنویں سے پانی بھرنے کے لئے، رسی کا سرا اس میں باندھ لینا، بکریاں چراتے میں کوئی درندہ آجائے تو اس سے اس کا مقابلہ کرنا۔

بعض اہل محبت نے کہا حضرت موسیٰؑ نے جواب کو قدر کفایت سے زیادہ طول دیا اور سوال سے زائد جواب میں تفصیل کی (جواب اتنا کافی تھا کہ یہ میری لاٹھی ہے، اس کے بعد لاٹھی کے فوائد کا بیان مقدار کفایت سے زائد تھا) اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ محبوب کے ساتھ ہم کلام ہونے میں لذت پارہے تھے اس لئے زیادہ ہم کلام رہنا چاہتے تھے لیکن پھر اپنی طوالت کلام سے ڈر گئے اور خیال کیا یہ گستاخی اور بے ادبی ہے اس لئے کلام کو آخر میں مجمل کر دیا اور وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى پر کلام کو ختم کر دیا۔

قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿۱۹﴾ اللہ نے فرمایا موسیٰؑ اس کو (ہاتھ سے) پھینک دو۔ یعنی لاٹھی پر تکیہ نہ کرو اس کا سہارا چھوڑ دو، ہمارا سہارا پکڑو، پھینکنے کے بعد تم کو اس لاٹھی کا حقیقی فائدہ نظر آجائے گا۔ وہب نے کہا پھینک دینے کا حکم سن کر حضرت موسیٰؑ سمجھے کہ لاٹھی کو (جوتوں کی طرح) بالکل پھینک دینے کا حکم دیا گیا ہے (حالانکہ حکم تھا لاٹھی کو زمین پر ڈال دینے کا تاکہ لاٹھی کے زمین پر گرنے سے معجزہ کا ظہور ہو جائے، مترجم)

فَاَلْقٰىهَا تو انہوں نے اس کو پھینک دیا پھر جو انہوں نے تعمیل حکم کے بعد نظر موڑ کر دیکھا تو کیا۔

فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿۲۰﴾ دیکھتے ہیں کہ وہ لاٹھی ایک سانپ ہے جو (پیٹ کے بل زمین پر) دوڑ رہا ہے۔ دوسری آیت میں آیا ہے كَاَنَّهَا جَآنٌّ، جَانٌّ چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں جو بہت خفیف الحرکت ہوتا ہے لیکن ایک اور آیت میں آیا ہے۔ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ، ثُعْبَانٌ کا ترجمہ ہے اژدہا، جو سانپوں میں سب سے بڑا ہوتا ہے۔ اور لفظ حَيَّةٌ کا اطلاق سانپ پر ہوتا ہے بڑا ہو یا چھوٹا، نر ہو یا مادہ، بظاہر جَانٌّ اور ثُعْبَانٌ میں تعارض معلوم ہوتا ہے اس تضاد کو دور کرنے اور دونوں آیتوں میں

Marfat.com

موافقت پیدا کرنے کی توجیہ اس طرح کی گئی ہے کہ شروع میں وہ سانپ چھوٹا ہی تھا جتنی لاٹھی تھی اتنا ہی بڑا سانپ بنا تھا پھر وہ بڑھتا اور پھولتا گیا یہاں تک کہ ثُعْبَانٌ (اژدہا) ہو گیا ابتدائی حال میں جَانٌّ تھا اور انتہائی حال میں ثُعْبَانٌ۔

بعض علماء نے کہا واقع میں تو وہ بڑا اژدھا تھا لیکن تیزی اور سرعت حرکت میں وہ جان (چھوٹی قوم کے سانپ) کی طرح تھا اسی لئے کَاَنَّھَا جَآنٌّ فرمایا) گویا وہ جان تھی) اِذَاھِیَ جَانٌّ نہیں فرمایا (کہ وہ جان ہو گئی تھی) اور جہاں ثُعْبَانٌ فرمایا ہے وہاں فَاِذَاھِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ فرمایا (تو اچانک وہ اژدھا ہو گئی)

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے جب اپنی لاٹھی کو دیکھا تو ان کو بجائے لاٹھی کے ایک بہت بڑا اژدھا نظر آیا، لاٹھی کا دوشاخہ سانپ کی دو باچھیں بن گیا تھا اور لاٹھی کی موٹھ سانپ کی گردن ہو گئی تھی جس کے سر پر بال بھی تھے انگارے کی طرح اس کی دونوں آنکھیں دہک رہی تھیں اور اس کے دانتوں کے رگڑنے کی کرکری کی طرح آواز سنائی دے رہی تھی تیزی کے ساتھ ادھر ادھر دوڑ رہا تھا بڑی چٹان پر منہ مارتا تھا تو اس کو بھی لقمہ بنا لیتا تھا اور بڑے بڑے درختوں کو ٹکڑے کئے دے رہا تھا، موسیٰؑ یہ دیکھ کر ڈر کر پشت پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن پھر ان کے دل میں اپنے رب کا خیال آیا تو شرمندہ ہو کر رک کر کھڑے ہو گئے، اس وقت ندا آئی اور

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ٭ سَنُعِیْدُھَا سِیْرَتَھَا الْاُوْلٰی ﴿۲۱﴾ اللہ نے فرمایا اس کو پکڑ لو کچھ اندیشہ نہ کرو (میرے پاس آکر پیغمبر کسی سے نہیں ڈرتے) میں دوبارہ لوٹا کر اس کی پہلی حالت اور ہیئت کر دوں گا۔

سِیْرَۃٌ بروزن فِعْلَۃ ایک بار چلنا، مجاز اً مراد ہے طریقہ ہیئت، حالت۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت موسیٰؑ اس وقت اونی جبہ پہنے ہوئے تھے جب حکم ہوا خُذْھَا اس کو پکڑ لو تو آپ نے جبہ کا دامن ہاتھ کو لپیٹ کر پکڑنا چاہا اللہ نے حکم دیا ہاتھ کھول دو (جبہ کا دامن ہاتھ پر مت لپیٹو) حضرت نے ہاتھ کھول دیا۔ بعض اہل روایت کا بیان ہے جب حضرت موسیٰؑ نے ہاتھ پر جبہ کا دامن لپیٹ لیا تو ایک فرشتہ نے کہا دیکھو آپ کو جس بات کا خوف ہے اگر اسی کے واقع ہو جانے کا اللہ حکم دیدے تو کیا یہ جبہ اس کو رفع کر سکتا ہے، حضرت موسیٰؑ نے فرمایا نہیں لیکن میں کمزور ہوں میرا ضعف خلقی ہے اس کے بعد آپ نے ہاتھ کھول کر سانپ کے منہ میں دیدیا یکدم سانپ لاٹھی بن گیا اور ویسی ہی لاٹھی ہو گئی جیسی پہلے تھی اور لاٹھی کا وہ دوشاخہ سرا ہاتھ میں آ گیا جس پر سہارا دے کر آپ کھڑے ہوتے تھے۔

اہل تفسیر نے لکھا ہے اللہ نے یہ نشان قدرت حضرت موسیٰؑ کو اس لئے دکھایا کہ جب فرعون کے سامنے موسیٰؑ یہ معجزہ دکھائیں تو خود خوف زدہ نہ ہو جائیں۔

بغوی کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حضرت موسیٰؑ سفر میں لاٹھی پر اپنے کھانے پینے کا سامان لاد دیا کرتے تھے وہ سامان اٹھائے ہوئے حضرت کے ساتھ ساتھ باتیں کرتی چلتی تھی آپ اسی لاٹھی کو زمین پر مارتے تو دن بھر کا کھانا برآمد ہو جاتا اور زمین میں گاڑ دیتے تو پانی نکل آتا جب اکھاڑ لیتے تو پانی بند ہو جاتا تھا، اگر کسی پھل کی خواہش ہوتی تو لاٹھی کو زمین پر گاڑ کر کھڑا کر دیتے۔ لاٹھی درخت کی سرسبز شاخ بن جاتی جس میں پتے بھی ہوتے اور پھل بھی۔ کنویں سے پانی کھینچنا چاہتے تو لاٹھی کو کنویں میں لٹکا دیتے کنواں جتنا گہرا ہوتا لاٹھی اتنی ہی لمبی ہو جاتی اور اس کے سر کا دوشاخہ ڈول کی طرح بن جاتا اس طرح آپ پانی بھر لیتے، رات میں لاٹھی چراغ کی طرح روشن ہو جاتی تھی اگر کوئی دشمن سامنے آجاتا تو خود اس سے لڑتی اور حضرت موسیٰؑ کی طرف سے دفاع کرتی تھی (وَکُلُّھَا مِنَ الْاَبَاطِیْلِ الْاِسْرَائِیْلِیَّۃِ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ مترجم)

وَاضْمُمْ یَدَکَ اِلٰی جَنَاحِکَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَۃً اُخْرٰی ﴿۲۲﴾

اور تم اپنا (دایاں) ہاتھ اپنی (بائیں) بغل میں دے لو (پھر نکالو) وہ بغیر کسی خرابی (یعنی مرض) کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا۔ کہ یہ دوسری نشانی ہو گی۔

یَدٌ سے مراد ہے دائیں ہتھیلی، بغوی نے لکھا ہے کہ جَنَاح سے مراد ہے بائیں بغل، بغوی نے اِلٰی کا ترجمہ نیچے کیا ہے

Marfat.com

اور مجاہد کی طرف اس کو منسوب کیا ہے (یعنی بائیں بغل کے اندر دائیں ہتھیلی کو لے جاؤ) آدمی کا بازو بغل کے اندر تک جَنَاح کہلاتا ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے اصل میں جَنَاح پرندہ کا بازو ہوتا ہے، انسان کے لئے جَنَاح کا استعمال بطور استعارہ کیا جاتا ہے۔
قاموس میں ہے سینہ کی طرف کی پسلیاں جَوَانِح کہلاتی ہیں اس کا مفرد جَانِحَة ہے جَنَاح بازو، ہاتھ اور بغل۔
تَخْرُجْ یعنی ہاتھ کو بغل کے نیچے لے جاؤ پھر نکالو تو وہ سفید، چمکدار، روشن بغیر کسی بیماری کے برآمد ہوگا سوء بیماری خرابی مراد برص (برص سے بھی جلد سفید ہو جاتی ہے جس کی اس جگہ لفظ سوء فرما کر نفی کر دی) بغوی نے حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ سے روشن چمکدار نور برآمد ہوتا تھا جو دن میں یا رات میں ہر وقت چاند سورج کی طرح جھلکتا تھا۔ اٰیَةً اُخْرٰی سے یہ مراد ہے کہ یہ دوسرا معجزہ ہوگا جو تمہارے دعویٰ نبوت کی تصدیق کرے گا۔
لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿۲۳﴾ تاکہ ہم تم کو اپنی قدرت کی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دکھائیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا ید بیضاء حضرت موسیٰ کا سب سے بڑا معجزہ تھا۔
اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۲۴﴾ فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت حد سے نکل گیا ہے۔ یعنی یہ دونوں معجزے لے کر فرعون کے پاس جاؤ اور اس کو اللہ کی عبادت کی دعوت دو وہ نافرمانی اور سرکشی میں حد سے آگے بڑھ چکا ہے، یہاں تک کہ الوہیت کا مدعی بن بیٹھا ہے۔ ع ۱ ۲۴ ۱۰
قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿۲۵﴾ موسیٰؑ نے کہا اے میرے رب میرے سینہ کو میرے لئے کھول دے کہ اس کے اندر وہ معرفت وجدانیہ سما جائے جس کو کوئی عقل بطور نظر حاصل نہیں کر سکتی۔ تیری ذات کے علاوہ پھر مجھے کسی کے اندر نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت نظر نہ آئے اور فرعون اور اس کی حکومت کا خوف میرے دل سے جاتا رہے، حضرت ابن عباس نے آیت کی تشریح میں بیان کیا موسیٰ یہ کہنا چاہتے تھے کہ میں تیرے سوا پھر کسی سے نہ ڈروں۔ بات یہ تھی کہ فرعون اور اس کے لشکر واقتدار کی وہ شان وشوکت تھی کہ حضرت موسیٰ کو بھی اس سے خوف محسوس ہوتا تھا (اس لئے آپ نے شرح صدر اور بے خوف ہو جانے کی دعا کی)
وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۲۶﴾ اور میرا کام میرے لئے آسان کر دے۔ یعنی ایسی سہولت پیدا کر دے اور ایسی توفیق دیدے کہ میں تبلیغ رسالت کر سکوں اور اداء واجب کی کوئی دشواری میرے لئے نہ رہے، کوئی بار بھی محسوس نہ ہو بلکہ ادائے فرض کی تکالیف برداشت کرنے میں مجھے لذت محسوس ہونے لگے۔
اِشْرَحْ اور يَسِّرْ کے الفاظ پہلے مبہم بولے پھر صَدْرِيْ اور اَمْرِيْ کے الفاظ بڑھا کر اس کی تشریح کر دی اس سے کلام میں زور اور طرز ادا میں قوت پیدا ہو گئی۔
وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿۲۷﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿۲۸﴾ اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ وہ میری بات سمجھ لیں۔ بغوی نے لکھا ہے بچپن میں حضرت موسیٰؑ ایک روز فرعون کی گود میں تھے کہ آپ نے اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور داڑھی نوچ لی۔ فرعون نے اپنی بی بی آسیہ سے کہا یہ میرا دشمن ہے میں اس کو قتل کرائے دیتا ہوں، آسیہ نے کہا یہ بچہ ہے بے سمجھ اس کو کچھ تمیز نہیں بھلے برے کو نہیں پہچانتا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ کی والدہ نے آپ کا دودھ چھڑا لیا تو واپس لا کر آسیہ کو دیدیا، چنانچہ آپ، نے فرعون اور اس کی بی بی کی گود میں پرورش پائی دونوں نے آپ کو بیٹا بنا لیا ایک روز فرعون کے سامنے کھیل رہے تھے اور ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، یکدم چھڑی فرعون کے سر پر ماردی، فرعون نے غضبناک ہو کر قتل کرا دینے کا ارادہ کر لیا۔ آسیہ نے کہا بادشاہ سلامت یہ بے سمجھ بچہ ہے اگر آپ چاہیں تو تجربہ کر لیں۔ چنانچہ آسیہ نے دو طشت موسیٰؑ کے سامنے رکھ دیئے موسیٰ نے ہاتھ بڑھا کر جواہرات کے طشت میں ڈالنا چاہا لیکن حضرت جبرئیل نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر انگاروں والے طشت میں ڈال دیا۔ آپ نے انگار پکڑ کر منہ میں رکھ لیا جس سے آپ کی زبان جل گئی اور زبان میں گرہ پیدا ہو گئی۔

Marfat.com

عبد بن حمید اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے بحوالۂ سعید بن جبیر بیان کیا کہ ایک روز فرعون نے موسیٰؑ کو اٹھالیا، آپ نے اس کی داڑھی پکڑ کر نوچ لی۔ فرعون نے غضب ناک ہو کر قتل کر دینے کا حکم دے دیا۔ آسیہ نے کہا یہ بچہ ہے انگارے اور یاقوت میں فرق نہیں کر سکتا۔ فرعون نے دونوں چیزیں منگوا کر آپ کے سامنے رکھ دیں آپ نے یاقوت کو پکڑنا چاہا مگر جبرئیل نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر انگارے پر رکھ دیا اور آپ نے انگارا اٹھا کر منہ میں رکھ لیا جس سے زبان جل گئی اور گرہ پڑ گئی۔

کیا حضرت موسیٰؑ کی زبان کی گرہ بالکل کھل گئی تھی۔

اس کے متعلق مثبت منفی دو قول آئے ہیں جو لوگ بالکل گرہ کھل جانے کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے جواب میں فرمایا قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَکَ (تیری درخواست پوری کر دی گئی) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زبان کی گرہ بالکل کھول دی گئی تھی۔ جو لوگ نفی کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ (باوجود زبان کی گرہ کھول دینے کے درخواست کی) حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارون کے متعلق فرمایا تھا هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا وہ مجھ سے فصیح اللسان ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ فرعون نے کہا تھا اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ اس ذلیل شخص سے میں بہتر ہوں وَلَا یَكَادُ یُبِیْنُ ذلیل بھی ہے اور کھول کر کلام بھی نہیں کر سکتا۔ اس فریق نے اول گروہ کے استدلال کا جواب یہ دیا کہ حضرت موسیٰؑ نے بالکل زبان کی گرہ کھولنے کی درخواست نہیں کی تھی بلکہ اتنی گرہ کھولنے کی درخواست کی تھی کہ لوگ آپ کی بات سمجھ جائیں چنانچہ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ اس کے بعد اسی لئے کہا تھا کہ لوگ میری بات سمجھ جائیں یعنی اتنی گرہ کھول دے کہ مطلب سمجھانے میں رکاوٹ نہ رہے۔ کامل طور پر گرہ کھولنے کی دعا ہی نہیں کی تھی۔

وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِی ﴿۳۰﴾ اور میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا مددگار بنا دے۔

وَزِیْر، وِزْرٌ سے مشتق ہے وِزْرٌ کا معنی ہے بوجھ، بادشاہ کی طرف سے وزیر پر بھی بار حکومت ہوتا ہے۔ یا وَزَرٌ جبل سے لفظ وَزِیْر مشتق ہے، وَزَر جبل پہاڑی پناہ گاہ کو کہتے ہیں، بادشاہ بھی وزیر کی رائے سے مدد لیتا ہے اور اپنی حکومت کے معاملات میں اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ مُوَازَرَت (باب مفاعلہ) باہم مدد کرنا۔ بھی اسی سے ماخوذ ہے۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ وَزِیْر اصل میں اَزِیْر تھا اَزِیْر اَزْرٌ سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے اور اَزْرٌ کا معنی ہے قوت۔ اَزِیْر قوی اور اَزِیْر بمعنی مَآزِرٌ کے ہے جیسے عَشِیْر بمعنی مُعَاشِر اور جَلِس بمعنی مُجَالِس کے آتا ہے۔ ہمزہ کو واؤ سے بدل دیا گیا۔

اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ ﴿۳۱﴾ اس سے میری کمر کو مضبوط کر دے یا میری قوت کو محکم کر دے یا میری کمزوری کو اس کے ذریعہ سے طاقت در بنا دے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے ازر گھیر لینا۔ پشت، قوت اور قوت کی ضد ضعف (یعنی اضداد میں سے ہے)

وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ ﴿۳۲﴾ اور میرے (اس) کام میں اس کو میرا شریک کر دے یعنی نبوت اور تبلیغ رسالت میں ہارون کو میرا ساتھی بنا دے۔

كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا ﴿۳۴﴾ تاکہ ہم تیری پاکی بکثرت بیان کریں اور تیری یاد بہت کریں۔ کلبی نے کہا تسبیح سے مراد نماز پڑھنا۔ حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارون کو مددگار بنا دینے کی درخواست اس لئے کی کہ باہم تعاون سے امور خیر کی تکمیل میں سہولت پیدا ہو جائے۔

اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا ﴿۳۵﴾ بیشک تو ہم سے خوب واقف ہے۔ بَصِیْر سے مراد ہے احوال کو جاننے والا۔ یعنی تو ہمارے احوال کو بخوبی جانتا ہے اور اس بات سے واقف ہے کہ ہارون کا اور میرا تعاون ہمارے کاموں کو درست کر دے گا اور تیرے احکام کی تعمیل میں ہارون میری مدد کرے گا۔

Marfat.com

قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾ اللہ نے فرمایا موسیٰ تمہارا سوال پورا کر دیا گیا، یعنی تمہاری سب مانگیں تم کو دیدی گئیں، سُؤْلٌ بروزن فُعْلٌ بمعنی مَسْئُوْلٌ جیسے خُبْزٌ بمعنی مَخْبُوْزٌ اور اُکُلٌ بمعنی مَاکُوْلٌ آتا ہے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْكَ مَرَّةً اُخْرٰۤى ﴿۳۷﴾ اور ہم ایک بار اور بھی (بغیر درخواست کے) تم پر احسان کر چکے ہیں۔ یعنی اس سے پہل یا ایک اور وقت، بعض نے کہا یہ ہی بار مراد ہے۔

اِذْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّكَ مَا یُوْحٰۤى ﴿۳۸﴾ جب کہ ہم نے تمہاری ماں کو وہ بات الہام سے بتائی جو الہام سے بتانے کی تھی۔ (حضرت مفسر نے اَوْحَیْنَا کی تشریح میں فرمایا) الہام سے بتایا یا خواب میں یا اس وقت کے کسی نبی کی زبانی یا فرشتے کی معرفت۔ لیکن فرشتہ کی معرفت اگر وحی کی گئی تو بطریق نبوت نہ تھی۔

فائدہ

وحی اور تشریعی نبوت کے لئے انبیاء مخصوص ہیں اور انبیاء سب کے سب مرد ہی ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ پر اس نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔ البتہ وحی غیر تشریعی انبیاء کے لئے مخصوص نہیں ہے خواہ بطریق الہام ہو یا بکلام ملائکہ، نہ اس کے لئے مردوں کی خصوصیت ہے۔ جس طرح حضرت مریم سے فرشتے نے کلام کیا تھا، اولیاء کے پاس بھی یہ وحی آتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی اس کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا، اسی طرح کمالات نبوت کا حصول بھی اولیاء کو بالتبع یعنی انبیاء کی خوشہ چینی سے ہو جاتا ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات کے باب نمبر ۲۷۰ میں لکھا ہے کہ تشریعی نبوت کا اگرچہ اس امت کے سلسلہ منقطع ہو گیا لیکن میراث نبوت کا سلسلہ نہیں منقطع ہوا اس امت میں بعض افراد میراث نبوت کیلئے وارث ہوتے ہیں، بعض میراث رسالت کے، بعض دونوں کے۔ علماء جو کہتے ہیں کہ نبوت محض اختصاص الٰہی (وہبی عنایتی محض انتخاب الٰہی) ہے اس سے مراد نبوت تشریعی ہے یعنی بوحی الٰہی اللہ کی طرف سے احکام کا نزول براہ راست صرف انبیاء کے لئے مخصوص ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی تشریعی نبوت کے متعلق فرمایا ہے کہ نبوت اور رسالت منقطع ہو گئی۔ میرے بعد نبوت نہیں ہے۔ شیخ اکبر نے فتوحات کے باب الصلوٰۃ کے آخر میں بھی ایسی ہی تشریح کی ہے اور فرمایا یہ (ذیلی) انبیاء وہی مقربین بارگاہ ہیں جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ۔ میں نے سورۃ النساء اور سورۃ الواقعہ کی تفسیر میں لکھ دیا ہے کہ مقربین سے مراد وہی لوگ ہیں جن کو کمالات نبوت حاصل ہو چکے ہوں لیکن وراثۃً (اور ذیلی طور پر نہ براہ راست تشریعاً) پس وحی غیر تشریعی انبیاء ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کی وحی کو تحدیث فرمایا ہے، امام احمد، بخاری، مسلم، نسائی اور ابو نعیم موصلی نے حضرت ابوہریرہؓ کی اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلی اقوام میں کچھ مُحَدَّث ہو گزرے ہیں میری امت میں اگر کوئی مُحَدَّث ہو سکتا ہے تو وہ عمر ہو گا۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے تم سے پہلے بنی اسرائیل میں کچھ ایسے لوگ گزرے ہیں کہ ان سے (اللہ کی طرف سے) کلام کیا جاتا تھا، باوجودیکہ وہ انبیاء نہیں تھے اب اگر اس امت میں کوئی (ایسا) ہوا تو وہ عمر ہو گا۔ اسی بناء پر حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب ہوتا۔ رواہ احمد والترمذی وابن حبان والحاکم عن عقبۃ بن عامر والطبرانی عن عصمۃ بن مالک وابی سعید الخدری، وابن عساکر عن ابن عمر۔

شیخ شعراوی نے الیواقیت والجواہر میں سوال کیا ہے کیا الہام بلاواسطہ ہوتا ہے پھر خود ہی جواب میں کہا ہے ہاں الہام بلاواسطہ اس غیبی کنکشن کی وجہ سے ہوتا ہے جو ہر ایک انسان کا اپنے رب سے ہے اس سے فرشتہ بھی واقف نہیں ہوتا لیکن اس اندرونی تعلق وربط کا انکار لوگ بہت جلدی سے کر دیتے ہیں۔ حضرت موسیٰ نے حضرت خضر کے اسی تعلق کا فوری انکار کیا تھا۔ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ انبیاء اور پیغمبر تو فرشتہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور غیر انبیاء صرف اثر دیکھتے ہیں فرشتوں کو نہیں دیکھتے مگر غیر مبصر فرشتہ کی معرفت (کبھی) الہام ہوتا ہے اور کبھی بغیر کسی واسطہ اس غیبی تعلق ورابطہ کی بناء پر جو ہر انسان

Marfat.com

اور اس کے رب کے درمیان قائم ہے، موخر الذکر الہام کا اعلیٰ اور افضل درجہ ہے اس میں انبیاء اور اولیاء سب ہی شریک ہوتے ہیں۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی نے شیخ ابوالمواہب شاذلی کا مقولہ نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کہے میرے دل نے میرے رب کی طرف سے مجھ سے کلام کیا تو اس شخص کی تردید یا انکار درست نہیں کیونکہ اس قول کا مقصد یہ ہے کہ بطریق الہام میرے سامنے اللہ کی طرف سے مجھ سے کہا، الہام تو اولیاء کی وحی ہے جو انبیاء کی وحی سے کم درجہ ہے ہاں اگر کوئی کہے کہ میرے رب نے مجھ سے کلام کیا جیسے موسیٰؑ سے کیا تھا تو یہ قول ضرور قابل ردو انکار ہے۔

میں کہتا ہوں کبھی ولی کو بھی آنکھوں سے فرشتہ نظر آتا ہے جیسے حضرت مریمؑ نے جبرئیلؑ کو دیکھا تھا (یا سبز عماموں والے فرشتوں کو بدر میں بعض صحابہ نے دیکھا تھا۔ مترجم)

مَا يُوْحٰى کا مطلب دو طرح سے ہو سکتا ہے ایک تو وہی ہے جس کے مطابق ترجمہ کیا گیا، دوسرا یہ کہ جو بات بغیر وحی کے عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی وہ موسیٰؑ کی والدہ کو ہم نے بذریعہ وحی بتائی۔

اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ

کہ موسیٰؑ کو ایک صندوق میں رکھ پھر موسیٰؑ کو (مع صندوق) دریائے نیل میں ڈال دے پھر موسیٰ کو دریا کنارے پر لے آئے گا۔ (آخر کار) موسیٰؑ کو ایک ایسا شخص لے لے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی دشمن ہے۔

فَلْيُلْقِهِ گو امر کا صیغہ ہے لیکن بمعنی خبر ہے یعنی دریا اس کو لا ڈالے گا۔ بعض نے کہا امر اپنے اصلی معنی پر ہے یعنی اللہ نے دریا کو حکم دیا کہ وہ صندوق کو کنارے پر لے جائے۔ دریا صاحب عقل نہیں اس لئے اپنے ارادے سے تعمیل حکم نہیں کر سکتا لیکن یہاں امر تکوینی ہے جس کے لئے ذی عقل ہونے کی ضرورت نہیں۔ بیضاوی نے لکھا ہے دریا کا صندوق کو کنارہ تک لے جانا لازمی امر تھا کیونکہ اللہ کی مشیت یونہی تھی تو گویا دریا کو ایسا قرار دیا کہ وہ امتیاز و فہم رکھتا ہے اور اللہ کے حکم سے آگاہ ہے۔

محقق اہل تصوف کہتے ہیں کہ جمادات ہمارے لحاظ سے ضرور عقل و خرد سے محروم اور بے سمجھ ہیں ہم ان کو خطاب نہیں کر سکتے نہ وہ ہماری بات سمجھ سکتے ہیں لیکن اللہ کے فرمان کو تو خوب سمجھتے اور اطاعت کرتے ہیں اللہ ان کو حکم دے سکتا ہے قرآن مجید کی متعدد آیات صراحتاً اس پر دلالت کر رہی ہیں۔ ایک جگہ فرمایا ہے وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ اور زمین نے اپنے رب کے حکم کو سنا اور ایسا اس کیلئے لازم تھا۔ دوسری آیت میں ہے قَالَتَا اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ پہاڑ (دوسرے) پہاڑ کو پکارتا ہے (اور پوچھتا ہے) کیا تیرے اوپر کوئی ایسا آدمی گزرا جو اللہ کا ذکر کر رہا ہو۔ فاضل رومیؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند — پیش تو مردہ و بر حق زندہ اند

اللہ نے فرعون کو اپنا دشمن بھی قرار دیا اور حضرت موسیٰ کا بھی۔ فرعون چونکہ مشرک تھا اس لئے اللہ کا دشمن تو درحقیقت تھا ہی لیکن حضرت موسیٰؑ کو لینے اور اپنے پاس رکھنے کے وقت آپ کا دشمن نہ تھا۔ آئندہ زمانہ میں دشمن ہونے والا تھا اس لئے موسیٰؑ کا فرعون کو دشمن کہنا مجازاً ہے اسی لئے عَدُوٌّ کا لفظ الگ الگ دو بار ذکر کیا (اول عَدُوٌّ سے مراد حقیقی دشمن اور دوسرے عدو سے مراد آئندہ ہونے والا دشمن ہے) پھر تکرار ذکر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر صرف ایک بار ہی عَدُوٌّ کا لفظ ذکر کیا جاتا اور حقیقی و مجازی دونوں طرح کا دشمن ہونا مراد ہوتا تو ایک ہی وقت میں حقیقی معنی بھی مراد ہوتا اور مجازی بھی اور حقیقت و مجاز صحیح نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تکرار عَدُوٌّ محض مبالغہ کے لئے ہو (یعنی فرعون کا دشمن ہونا پرزور طور پر ذکر کر دیا جائے) اور دونوں جگہ عَدُوٌّ سے مراد ہو آئندہ ہو جانے والا دشمن، خدا کا بھی اور موسیٰ کا بھی۔ یا یوں کہا جائے کہ فرعون بہر حال ایک ہی وقت میں خدا کا بھی دشمن تھا اور موسیٰ کا بھی۔ خدا کا دشمن ہونا تو ظاہر ہے وہ مشرک تھا اور موسیٰ کا دشمن اس طور پر تھا کہ کاہنوں اور نجومیوں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں تیری حکومت ختم ہو جائے گی۔ اسی لئے فرعون نے ہر سال بنی اسرائیل کے نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کرانا شروع کر دیا تھا لیکن موسیٰؑ کو (باوجود سخت

Marfat.com

دشمن ہونے کے) وہ پہچانتا نہ تھا اور نہ فوراً قتل کرادیتا بہر حال موسیٰ کا وہ دشمن ضرور تھا۔ نہ پہچاننے کی وجہ سے قتل نہیں کرایا تھا۔ چاروں جگہ مفعولی ضمیریں اور پانچویں جگہ لہ کی مجرور ضمیر حضرت موسیٰ کی طرف راجع ہیں یہ ممکن ہے کہ دوسری تیسری اور چوتھی ضمیریں تابوت کی طرف راجع ہوں اور پہلی اور پانچویں ضمیر موسیٰ کی طرف راجع ہو لیکن اس صورت میں اختلال عبارت اور تنافر ترتیب لازم آئے گا۔ دریا میں اور کنارے پر جس کو براہ راست پھینکا گیا وہ صندوق ہی تھا لیکن حضرت موسیٰ اس کے اندر تھے اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ موسیٰ کو (صندوق کے اندر رکھ کر) تو دریا میں پھینک دیا اور دریا موسیٰ کو صندوق سمیت کنارے پر لا ڈالے گا۔

بغوی کا بیان ہے حضرت موسیٰ کی والدہ نے ایک صندوق لے کر اس کے اندر دھنی ہوئی روئی بچھائی اور موسیٰ کو اس میں رکھ کر سرپوش ڈھانک کر تمام درزیں اور شگاف روغن قیر سے بند کر کے صندوق کو نیل میں ڈال دیا، نیل سے ایک نہر نکل کر فرعون کے مکان کے اندر جاتی تھی صندوق بہتا بہتا اس شاخ میں چلا گیا۔ فرعون اپنی بی بی آسیہ کے ساتھ اس وقت نہر کے دہانے پر بیٹھا تفریح کر رہا تھا کہ بہتا ہوا صندوق اندر آ گیا فرعون نے باندیوں اور غلاموں کو حکم دیا کہ اس کو نکال لائیں۔ خادم صندوق کو پکڑ کر لائے۔ سرپوش کھول کر دیکھا تو اندر سے ایک نہایت شگفتہ رنگ کا خوب صورت بچہ برآمد ہوا۔ فرعون دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گیا اور ایسا بے قابو ہوا کہ ضبط نہ کر سکا، آیت ذیل سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ اور میں نے تمہارے اوپر اپنی طرف سے ایک اثر محبت ڈال دیا۔ یعنی میں نے اپنی طرف سے لوگوں کے دلوں میں تیری محبت ڈال دی یا یہ مطلب ہے کہ میں نے تجھ پر اپنی محبت ڈال دی۔ تجھ سے محبت کی اور ظاہر ہے کہ جب اللہ نے موسیٰ سے محبت کی تو لوگوں کے دلوں میں بھی آپ کی محبت پیدا ہو ہی گئی، حضرت ابن عباسؓ نے آیت کی تفسیر میں فرمایا، میں نے اس سے محبت کی پس مخلوق کی نظر میں بھی اس کو محبوب بنا دیا۔ عکرمہ نے کہا جو بھی اس بچہ کو دیکھتا تھا پیار کرنے لگتا تھا۔ قتادہ نے کہا موسیٰ کی آنکھوں میں عجیب ملاحت تھی کہ جو بھی آپ کو دیکھتا عاشق اور فریفتہ ہو جاتا۔

آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں نے اپنی طرف سے اپنی محبت تیرے دل میں ڈال دی کہ میری محبت تجھ پر غالب آ گئی تو مجھ سے خالص دل سے محبت کرنے لگا تیرا دل میری محبت میں ایسا ہو گیا کہ پھر کسی دوسرے کی طرف اس کی توجہ ہی نہیں رہی پس تو سرگروہ عشاق ہو گیا۔

شیخ مجدد الف ثانی نے فرمایا کلیم کا مبدء تعین خالص محبیت (اور عشق) ہے اسی لئے آپ اہل محبت (اور عشاق) کے سالار ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کا مبدء تعین خالص محبوبیت ہے اس لئے آپ محبوبوں کے سرگروہ قرار پائے۔

صوفی بنظر کشف دیکھتا ہے کہ محبت کا ایک دائرہ ہے اس دائرہ کا ایک محیط ہے اور ایک مرکز پھر اس مرکز کا بھی ایک محیط (گرداگرد کا کنارہ ہے) اور ایک وسطی نقطہ، پس دائرۂ محبت کے محیط کا نام خلت ہے، حضرت خلیل اللہ کا مبدء تعین ہے اور جس طرح مرکز محیط سے افضل، اعلیٰ اور وسیع تر ہوتا ہے اسی طرح مقام محبت کو مقام خلت پر فضیلت حاصل ہے اور مرکز (محبت) کی نسبت محیط (خلت) سے ایسی ہے جیسے چاند کی نسبت اس کے ہالہ سے۔

پھر مرکز کی بھی دو حیثیات ہیں ایک مرکز کا کنارہ اور محیط دوسرا مرکز کا وسطی نقطہ۔ پس مقام محبیت مرکز کا محیط ہے اور یہی کلیم اللہ کا مبدء تعین ہے اور مرکز کا وسطی نقطہ مقام محبوبیت ہے جو حبیب اللہ ﷺ کا مبدء تعین ہے آپ خالص بے آمیزش محبوبیت کے مرکز دائرہ تھے۔ محیط دائرہ محبوبیت یعنی مخلوط محبوبیت آپ نے اپنی امت کے بعض افراد کے لئے چھوڑ دی (حضرت مفسرؒ نے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو مخلوط محبوبیت کا حامل قرار دیا بلکہ حصر کے ساتھ فرمایا کہ) جس فرد امت کے لئے مخلوط محبوبیت چھوڑی گئی وہ حضرت شیخ مجددؒ کی ہی شخصیت گرامی تھی۔

آیت کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہو رہا ہے کہ دریا نے صندوق ساحل پر پہنچا دیا پھر فرعون کے آدمیوں نے اس کو نکال لیا، نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا دشمن اور وہ شخص جو ان کے لئے آئندہ غم آفریں بن کر آنے والا تھا ان کے پاس پہنچ گیا۔ دریا کے ساحل

Marfat.com

سے مراد ہے دریا سے نکلی ہوئی نہر کا کنارہ۔

وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ۝۳۹ اور تاکہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ۔ صَنَعْتُ فَرَسِيْ میں نے اپنے گھوڑے کو بنالیا یعنی اس کی خوب خدمت اور نگہداشت کی۔ صنع کا معنی ہے حسن سلوک۔

اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ۭ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۥ

(یہ قصہ اس وقت کا ہے) جب تمہاری بہن چلتی ہوئی آئی پھر کہنے لگی کیا میں تم کو ایسی عورت کا پتہ بتاؤں جو اس (بچہ) کو (اچھی طرح سے) پالے رکھے اس تدبیر سے ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس پہنچادیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ رہے۔

یعنی حضرت موسیٰ کی بہن مریم موسیٰؑ کی خبر لینے یونہی چلتی چلتی ادھر بھی آپہنچی جہاں موسیٰ کو نوکروں چاکروں نے صندوق سے باہر نکالا اور دودھ پلانے والی عورتوں کو بلوالیا تھا مگر بچہ کسی کا دودھ نہیں پی رہا تھا تو اس نے کہا میں تم کو ایسی عورت کا پتہ بتاتی ہوں جو ذمہ داری کے ساتھ اس کی نگہداشت کرے گی (اور دودھ پلائے گی) منظوری کے بعد وہ حضرت موسیٰ کی ماں کو بلالائی ماں نے دودھ پلایا تو آپ نے پی لیا اور اس طرح اللہ کا وہ وعدہ پورا ہوا کہ ہم اس کو لوٹا کر تیرے پاس لے آئیں گے۔

وَلَا تَحْزَنَ اور وہ تمہاری جدائی سے غمگین نہ رہے یا تم ماں کی محبت نہ پاکر غمگین نہ ہو۔

وَقَتَلْتَ نَفْسًا اور تم نے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا۔ یعنی ایک کافر ظالم قبطی کو قتل کردیا تھا جو ایک اسرائیلی پر ظلم کررہا تھا اور اسرائیلی نے موسیٰؑ سے فریاد کی تھی کذا قال ابن عباس۔ اس وقت آپ کی عمر بارہ سال کی تھی کذا قال کعب الاحبار۔

فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ پھر ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی حضرت موسیٰؑ کو قتل کرنے کے بعد اللہ کے عذاب کا خوف تھا لیکن اللہ نے (یہ نادانستہ جرم معاف کردیا آپ کو فرعون کی طرف سے انتقام کا بھی ڈر تھا۔ اللہ نے یہ غم بھی دور کردیا کہ مدین کی طرف مصر سے نکال کرلے گیا۔

وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ڛ اور ہم نے تم کو خوب خوب محنتوں میں ڈالا۔ فُتُوْن بروزن قُعُوْد مصدر ہے یا جمع ہے حضرت ابن عباسؓ نے آیت کا ترجمہ کیا ہم نے تمہاری خوب آزمائش کی۔ ضحاک نے کہا ہم نے تمہاری خوب جانچ کرلی یہ دونوں ترجمے اس وقت ہوں گے جب فُتُوْن کو مصدر اور مفعول مطلق مانا جائے۔ یا یوں ترجمہ کیا جائے گا کہ ہم نے طرح طرح سے تمہارا امتحان لیا۔ اس ترجمہ پر فُتُوْن کو فِتَن کی یا فِتْنَۃٌ کی جمع مانا جائے گا اگر فِتْنَۃٌ کی جمع مانا جائے گا تو فِتْنَۃ کی آخری تاء کو نظر انداز کردیا جائے گا جیسے حجرہ کی جمع حجور اور بدرہ کی بدور آتی ہے۔

مجاہد نے ترجمہ کیا ہم نے خالص بنالیا (یعنی تکلیف اور مشقت ڈال کر تم کو نکھار دیا اور پھر تم کو چن لیا)

سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا کہ فُتُوْن سے مراد ہے مصیبتوں میں پڑنا جن سے بالآخر اللہ نے آپ کو نجات عطا فرمادی۔ پہلی مصیبت یہ تھی کہ آپ اس سال ماں کے پیٹ میں آئے جو سال فرعون کی طرف سے نوزائیدہ لڑکوں کے قتل کا تھا۔ دوسری مصیبت یہ ہوئی کہ آپ کو صندوق میں رکھ کر دریا میں پھینک دیا گیا۔ تیسرا امتحان کا موقع وہ تھا کہ آپ نے ماں کے سوا کسی اور عورت کی پستان منہ میں بھی نہیں لی۔ چوتھا نزول مصیبت کا وقت وہ تھا کہ آپ نے فرعون کی داڑھی پکڑلی تھی اور فرعون نے آپ کو قتل کردینے کا ارادہ کرلیا تھا لیکن آسیہ کی سفارش سے جب آپ کے پاس ایک طشت میں انگارے اور ایک میں یاقوت لائے گئے تو آپ نے انگارا پکڑلیا (اور اس طرح فرعون اپنے ارادہ سے باز آیا) پانچویں مصیبت قبطی کو قتل کرنے اور مدین کی طرف بھاگ کھڑے ہونے کی تھی۔ حضرت مفسر نے فرمایا وطن کو چھوڑنے دوستوں عزیزوں سے جدا ہونے پیدل چلنے زاد راہ بھی ساتھ نہ ہونے اور گرفتاری کا ہر وقت اندیشہ ہونے پھر مزدوری کرنے کی پیہم ایک کے بعد دوسری مصیبت آنے اور متعدد دکھ اٹھانے نے موسیٰؑ کو نکھار دیا تھا جس طرح آگ میں تپانے سے سونا کندن ہوجاتا ہے اس کا میل کچیل صاف ہوجاتا ہے اسی طرح اللہ نے آپ کو بھی پاک صاف کردیا۔

Marfat.com

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ پھر مدین والوں میں تم (دس) سال رہے، حضرت شعیب کی صاحبزادی سے نکاح کیا اور حسب قرار داد مہر کے عوض آپ دس سال تک حضرت شعیب کی بکریاں چراتے رہے۔ مدین مصر سے آٹھ منزل پر ہے۔

وہب نے کہا حضرت موسیٰ حضرت شعیبؑ کے پاس اٹھائیس برس رہے دس سال تو مہر زوجہ کے عوض اور اٹھارہ سال اس کے بعد۔ آپ کی اولاد وہیں ہوئی۔

ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝ پھر اے موسیٰ تم ایک خاص وقت پر (وادی مقدس کی طرف) آئے۔ یعنی جو وقت میں نے تمہارے آنے کا مقرر کر دیا تھا اس کے موافق تم یہاں آئے۔ محمد بن کعب نے کہا یہ مطلب ہے کہ انبیاء کے پاس وحی بھیجنے کا اندازۂ عمر جو مقرر کر دیا گیا ہے تم اس کو پہنچ گئے۔ انبیاء کے پاس وحی چالیس سال کی عمر میں آتی تھی۔ یعنی اس سے کم عمر میں سوائے حضرت عیسیٰؑ کے اور کسی کے پاس نہیں آئی۔ مترجم۔ عبدالرحمٰن بن کیسان کا بھی یہی قول ہے اکثر اہل تفسیر نے علی قدر کا ترجمہ کیا ہے مقرر وعدہ جو اللہ نے مقدر کر دیا تھا کہ اس عمر میں موسیٰ کے پاس وحی رسالت بھیجے گا۔ یعنی چالیس سال کی عمر، یہ مطلب بھی محمد بن کعب کے بیان کردہ مطلب کی (کسی قدر) تائید کر رہا ہے۔

یموسیٰ دوبارہ فرما کر خطاب کرنے سے حضرت موسیٰؑ کو مانوس بنانا اور موسیٰؑ سے اپنی محبت کو ظاہر کرنا مقصود ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کو جس چیز سے محبت ہوتی ہے اس چیز کا ذکر زیادہ کرتا ہے۔ رواہ صاحب مسند الفردوس من حدیث ام المومنین عائشہؓ۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝ اور میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کر لیا ہے یعنی تمہاری تربیت اپنے لئے کی اور اپنے لئے تم کو چن لیا تاکہ میرے علاوہ تم کسی اور سے دل نہ لگاؤ نہ ظاہر میں نہ باطن میں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ میں نے تم کو مکارم اخلاق کے لئے بنایا ہے اور اس طرح تربیت دی ہے کہ تم مجھ سے خطاب کرنے میرے قریب آنے اور میرا پیام پہنچانے کے قابل ہو گئے۔

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ تم اور تمہارے بھائی میرے (عطا کردہ) نشانات یعنی معجزات کے ساتھ جاؤ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا آیات سے مراد ہیں وہ نو معجزات جو حضرت موسیٰ کو دیئے گئے تھے۔

وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝ اور تم دونوں میرے ذکر میں سستی نہ کرنا (سدی) یا کمی نہ کرنا (محمد بن کعب) قاموس میں ہے وَنٰی بروزن فَتٰی تھکان سستی یہ وحی حضرت موسیٰ کو ہوئی تھی حضرت ہارون اس زمانہ میں مصر میں تھے، اللہ نے موسیٰ کو حکم دیا کہ ہارون کے پاس جاؤ ادھر ہارون کو وحی بھیجی کہ تم موسیٰ سے ملو۔ حسب الحکم حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ سے ملنے مصر سے نکل کر ایک منزل آئے تھے کہ ملاقات ہو گئی یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ کے آنے کی اطلاع مل گئی تھی اور آپ استقبال کے لئے مصر سے نکلے تھے۔ جب دونوں جمع ہو گئے تو اللہ نے دونوں کو زائد حکم دیا۔

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس کو نصیحت کرو وہ بہت نکل چکا ہے کہ خدا ہونے کا مدعی بن بیٹھا ہے۔ اللہ نے شروع میں حضرت موسیٰ کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا، پھر دوبارہ دونوں بھائیوں کو ملا کر حکم دیا۔ اس لئے کلام میں تکرار نہیں ہے بعض علماء نے کہا کہ پہلا حکم مطلق تھا اور دوسرا حکم مقید ہے (آگے قید لگا دی ہے کہ نرمی سے کلام کرنا شاید وہ نصیحت قبول کر لے۔ الخ)

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا پھر اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا بات کرنے میں درشتی نہ کرنا عکرمہ اور سدی نے کہا (نام نہ لینا بلکہ) کنیت کہہ کر کلام کرنا، فرعون کی کنیت ابوالعباس یا ابوالولید تھی مقاتل نے کہا نرم کلام کرنے سے مراد ہے اس طرح کہنا هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۝ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ایسا کلام

Marfat.com

دعوت ایمان ہے مگر بطور مشورہ نرم کلامی کے حکم کی وجہ یہ تھی کہ کس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں فرعون پر حمیت جاہلیت سوار نہ ہو جائے اور وہ دونوں پر حملہ نہ کر بیٹھے (اور بات بھی نہ سنے) بعض نے کلام میں نرمی اختیار کرنے کے حکم کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ فرعون کے زیر پرورش موسیٰ رہ چکے تھے اس کو حق تربیت حاصل تھا۔ سدی نے کہا نرم کلام یہ تھا کہ حضرت موسیٰ نے اس سے وعدہ کر لیا تھا کہ اگر تم ایمان لے آئے تو تم کو دوبارہ ایسی جوانی مل جائے گی جو کبھی پیری میں تبدیل نہیں ہوگی اور مرتے دم تک تمہاری حکومت قائم رہے گی اور کھانے پینے کی لذت اور صنفی مقاربت کی کیفیت وقت موت تک تم کو حاصل ہوتی رہے گی اور مرنے کے بعد جنت ملے گی۔ فرعون کو موسیٰ کی یہ بات پسند آئی لیکن ہامان کے مشورے کے بغیر وہ کوئی بات طے نہیں کرتا تھا۔ ہامان اس وقت موجود نہ تھا جب آیا اور فرعون نے اس سے موسیٰ کی باتیں نقل کیں اور مشورہ لیا اور قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ہامان نے کہا میں آپ کو دانش مند اور صاحب رائے سمجھتا تھا، آپ رب ہو کر کیا مربوب بننا چاہتے ہیں اب تک آپ کی پوجا ہوتی ہے تو کیا اب آپ دوسرے کی عبادت کرنے کے خواستگار ہیں، غرض ہامان نے فرعون کی رائے پلٹ دی۔

لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ﴿٤٤﴾ شاید وہ (برغبت) نصیحت پذیر ہو جائے یا (عذاب خداوندی سے) ڈر جائے یعنی اگر تم دونوں کی سچائی اس پر ظاہر ہو گئی تو شاید نصیحت مان لے اور سچائی ظاہر نہ ہوئی اور نصیحت پذیر نہ ہوا تب بھی کم سے کم اتنا تو شاید ہو جائے کہ وہ ڈر جائے، اللہ کو تو کوئی شک نہ تھا اس کو معلوم ہی تھا کہ فرعون نصیحت پذیر نہ ہوگا یہ شک کا لفظ حضرت موسیٰ و حضرت ہارونؑ نے اپنے علم کی مناسبت سے استعمال کیا یعنی تم دونوں امید رکھو کہ شاید وہ مان لے۔

قَالَا رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَافُ أَن يَفْرُطَ عَلَيْنَا أَوْ أَن يَطْغَىٰ ﴿٤٥﴾ موسیٰ اور ہارونؑ نے کہا اے ہمارے رب ہم کو اندیشہ ہے کہ کہیں وہ ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے یا یہ کہ زیادہ شرارت نہ کرنے لگے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَا کا یہ مطلب ہے کہ تکمیل دعوت اور اظہار معجزات سے پہلے ہی کہیں وہ ہم کو قتل کرنے اور عذاب دینے کا حکم نہ دے بیٹھے۔

عربی محاورہ میں فَرَطَ عَلَيْهِ کا معنی ہوتا ہے دکھ پہنچانے میں عجلت کی۔ اصل میں فُرُطٌ کا معنی ہے آگے بڑھ گیا فَارِطٌ آگے بڑھنے والا۔

اَوْ اَنْ يَّطْغٰى کا یہ مطلب ہے کہ کہیں وہ اور زیادہ سرکش نہ ہو جائے، تیری شان میں مزید گستاخی کرنے لگے اور تیرے بندوں کو زیادہ دکھ پہنچانا شروع کر دے۔

قَالَ لَا تَخَافَا ۖ إِنَّنِي مَعَكُمَا اللہ نے فرمایا، تم دونوں (کچھ) اندیشہ نہ کرو میں تم دونوں کے ساتھ یقیناً ہوں، یعنی میری حفاظت اور مدد تمہارے ساتھ ہے۔ أَسْمَعُ وَأَرَىٰ ﴿٤٦﴾

میں (تمہاری پکار کو) سنوں گا اور (جو حرکت تمہارے ساتھ کرنے کا ارادہ کیا جائے گا اس کو) دیکھتا ہوں گا، یعنی میں تم دونوں سے غافل نہیں ہوں تم پروا نہ کرو۔ یا یہ مطلب ہے کہ تمہارے اور فرعون کے درمیان کیا گفتگو ہو گی کیا عمل اور سلوک ہوگا۔ بہرحال میں اس کو سنوں گا اور دیکھوں گا اور تمہاری مناسب مدد کروں گا تم پر دکھ نہ آنے دوں گا۔

فَأْتِيَاهُ فَقُولَا إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ

سو تم اس سے جا کر کہو کہ ہم دونوں تیرے رب کے فرستادے ہیں لہٰذا ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دے اور ان کو تکلیفیں مت پہنچا۔

اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ ہم دونوں تیرے رب کے فرستادے ہیں یعنی ہم کو تمہاری طرف بھی بھیجا گیا ہے اور بنی اسرائیل کی طرف بھی۔

فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ یعنی ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو ملک شام کو چلے جانے دے ان کو اپنی عملداری سے آزاد کر دے اور اپنے کاموں کے بارے سبکدوش کر دے اور اپنی عبادت پر مجبور نہ کر اللہ کی عبادت آزادی کے ساتھ کرنے

Marfat.com

دے۔

وَلَا تُعَذِّبْهُمْ، یعنی ان کو سخت تکلیفیں اور دکھ نہ دے فرعون بنی اسرائیل سے دشوار ترین مشقت کے کام لیا کرتا تھا۔

قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے (اپنی نبوت کا) نشان یعنی معجزہ بھی لے کر آئے ہیں اوپر کے کلام کے اندر رسالت کا دعویٰ بھی ضمناً مذکور تھا اس آیت سے دعوئ رسالت کی تائید ہو رہی ہے معجزے تو دو تھے لیکن دو نشانیاں کہنا چاہئے تھا، لیکن آیت سے مراد اس جگہ فقط ثبوت اور دلیل ہے، دلیل کی وحدت و کثرت کا بیان پیش نظر نہیں۔ اسی طرح آیت قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ اور آیت فَأْتِ بِاٰيَةٍ میں نفس ثبوت مراد ہے، میں واضح دلیل تمہارے پاس لایا ہوں۔ تم کوئی دلیل پیش کرو۔

وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝۴۷ اور جو سیدھی راہ پر چلے اور اس کے لئے سلامتی ہے (عذاب سے دونوں جہاں میں) یا یہ مطلب ہے کہ جو سیدھی راہ پر چلے اس پر سلام ہوگا میری طرف سے اور ملائکہ کی طرف سے اور جنت کے کارندوں کی طرف سے۔

اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝۴۸ ہمارے پاس یہ حکم (بذریعہ وحی) پہنچا ہے کہ (اللہ کا) عذاب اس شخص پر ہوگا جو (حق کو) جھٹلائے اور (اس سے) روگردانی کرے۔ اَلْعَذَابَ دنیا اور آخرت میں اللہ کا عذاب۔ مَنْ كَذَّبَ جس نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ تَوَلّٰى اللہ کو ماننے اور اس کی عبادت کرنے سے پشت پھیری (یعنی انکار کیا مترجم) یہ کلام حضرت موسیٰ کے رسول ہونے کی علت ہے یا ذیلی تتمہ ہے حضرت مفسر نے فرمایا اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ سے بدل ہے رفتار آیت سے یہی معلوم ہو رہا ہے۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝۴۹ فرعون نے کہا موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے۔ جس نے تم دونوں کو بھیجا ہے چونکہ اصل مخاطب موسیٰ ہی تھے اسی لئے لفظ نداء (یا) صرف موسیٰ پر داخل کیا لیکن پیغامبر ہونے کا دعوی دونوں کا تھا اس لئے تثنیہ مخاطب کی ضمیر ذکر کی۔ موسیٰؑ کے وزیر ہارونؑ تھے، پھر تعلق قدیم تربیت کا بھی موسیٰؑ سے ہی تھا یا فرعون گفتگو سے سمجھ گیا کہ موسیٰؑ کا بھائی تو بیان کے لئے ساتھ ہے مرکز گفتگو موسیٰ ہیں۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝۵۰ موسیٰ نے کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب بناوٹ عطا فرمائی پھر اس کو راستہ دکھایا۔ حسن اور قتادہ نے کہا اللہ نے ہر چیز کو اس کی بھلائی اور بہتری کا سامان عطا فرمایا پھر اس کو اس چیز کے حصول کا جس میں اس کی بھلائی ہے راستہ بتادیا۔

مجاہد نے آیت کی تشریح کرتے ہوئے کہا اللہ نے ہر چیز کو اس کے مناسب صورت عطا فرمائی آدمی کی شکل جانوروں جیسی اور جانوروں کی شکل انسان جیسی نہیں بنائی پھر کھانے پینے اور قربت صنفی کرنے کی طرف اس کی راہنمائی کی۔

سعید بن جبیر نے کہا خلق سے مراد ہے ہر چیز کو اس کا ہم جنس جوڑا دیا مرد کو عورت اونٹ کو اونٹنی، گدھے کو گدھی اور گھوڑے کو گھوڑی۔ پھر صنفی قربت کا طریقہ اس کو فطرتاً بتادیا۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ آیت میں اول مفعول کو دوم مفعول اور دوسرے مفعول کو اول مفعول کی جگہ دی ہے، مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ نے اپنی مخلوق کو ہر وہ چیز عطا فرمادی جس کی اس کو ضرورت تھی اور جو اس کے کام آسکتی تھی پھر اس کو وہ طریقہ بتادیا جس سے وہ منفعت اندوز ہو سکے اور اپنی ہستی کی بقاء اور تکمیل تک بالارادہ بلا اختیار پہنچ سکے۔ بیضاوی نے لکھا ہے یہ توجیہ بہت ہی بلیغ ہے اس سے ہر مخلوق کی پوری حالت کا اظہار ہے مخلوق کوئی ہو (جاندار یا بے جان جامد یا نامی ذی حس یا بے حس۔ مترجم) اس کی کیفیت وحالت (تخلیقی) کو ظاہر کردیا اور یہ بات بھی بیان کردی کہ بے نیاز قادر مطلق اور ہر نعمت دینے والا اللہ ہی ہے اور ہر چیز اپنی ذات، صفات اور افعال میں اسی کی محتاج ہے اسی لئے فرعون متحیر ہو کر لاجواب ہو گیا اور کلام کا رخ اس نے پھیر دیا اور،

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝۵۱ اس نے کہا پھر اقوام سابقہ کا کیا حال ہوا یعنی قوم

Marfat.com

نوح، عاد، ثمود اور دوسری اقوام پارینہ کا کیا ہو گا جو بت پرست اور منکر قیامت تھیں ان کے ساتھ کیا سلوک ہو گا (کیا ان کے عقائد افکار و اعمال ان کے ساتھ تھیں مر گئے اب وہ کہاں اور ان کے عقائد و اعمال کہاں ہیں)

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ موسیٰ نے کہا ان کا علم میرے رب کے پاس دفتر (اعمال) میں (محفوظ) ہے میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے ان کا علم یعنی ان کے اعمال و احوال کا علم۔ کتاب سے مراد ہے لوح محفوظ۔ ضلال کسی چیز کی جگہ کا فراموش ہو جانا کہ اس کی جگہ نہ مل سکے نِسْیَان نفس چیز کو بالکل بھول جانا کہ اس کا تصور بھی دل میں نہ آئے۔ اللہ کے لئے دونوں ناممکن ہیں اللہ کسی چیز یا اس کی جگہ سے غافل نہیں ہے (اس کو معلوم ہے کہ فلاں فلاں چیز فلاں فلاں جگہ ہے)

بعض علماء نے کہا لَا یَضِلُّ کا معنی یہ ہے کہ نہ کوئی چیز رب سے غائب ہے نہ رب کسی چیز سے غیر حاضر ہے اور لَا یَنْسٰی کا مطلب یہ ہے کہ ان کے احوال کو اللہ بھولتا نہیں ہے اس کو سب کے احوال معلوم ہیں مراد یہ ہے کہ ہمارا رب ان کو ہر عمل کا بدلہ دے گا اچھے عمل کا اچھا بدلہ۔ برے عمل کا برا بدلہ۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا

وہ رب ایسا ہے جس نے تم لوگوں کے لئے زمین کو (مثل) فرش کے بنایا اور اس زمین میں تمہارے چلنے کے لئے راستے بنائے۔

سُلُوک راستہ میں چلنا۔ لازم بھی آتا ہے اور متعدی بھی اللہ نے فرمایا ہے لِتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا قاموس میں ہے سَلَکَ الْمَکَانَ سُلُوکًا وہ اس جگہ چلا سلکہ غیرہٗ کسی دوسرے نے اس کو چلایا، اول مثال لازم کی ہے اور دوسری متعدی کی۔ آیت میں متعدی استعمال کیا گیا ہے سُبُلًا کو ظرف ہے لیکن مفعول بہ کے طور پر مجازاً استعمال کیا گیا ہے جس طرح مجازاً بہنے کی نسبت نہر (شگاف گڑھا، خندق) کی طرف کردی جاتی ہے مثلاً کہتے ہیں نہر بہنے لگی حالانکہ پانی بہتا ہے نہر تو اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں پانی بہتا ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے پہاڑوں وادیوں اور صحراؤں کے اندر زمین پر تمہارے لئے راستے بنا دیئے جن پر تم چلتے ہو راستہ پر چل کر زمین کے ایک حصہ سے دوسرے حصے کی طرف جاتے ہو، حضرت ابن عباس نے آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ نے زمین میں تمہارے لئے راستے آسان کر دیئے اس قول کا بھی وہی مطلب ہے جو ہم نے ابھی بیان کیا۔

بغوی نے کہا سَلَکَ کا معنی ہے ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنا (پرونا چلانا) مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے زمین میں راستے داخل کر دیئے تاکہ تم ان پر چلو آیت میں آیا ہے مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ کس چیز نے تم کو دوزخ میں داخل کر دیا۔ چلا دیا۔

وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْ نَبَاتٍ شَتَّى ﴿۵۳﴾ كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ

اور اس نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے پانی کے ذریعے سے مختلف اقسام کے نباتات پیدا کئے اور تم کو اجازت دی کہ خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ۔

اَزْوَاجًا قسم قسم کی، طرح طرح کی اصناف۔ ماء سے مراد بارش شَتّٰی کا واحد شَتِیْتٌ ہے جیسے مَرْضٰی مَرِیْضٌ کی جمع ہے شَتّٰی یعنی مختلف اور متفرق صورتوں اور خواص و احوال والی جن کے منافع بھی مختلف ہیں کوئی انسان کے لئے مناسب ہے کوئی چوپایوں اور چرندوں کے لئے اِرْعَوْا رَاعِیْ سے بنا ہے رعی لازم بھی آتا ہے اور متعدی بھی (چرو اور چراؤ) عرب بولتے ہیں رَعَیْتُ الْقَوْمَ میں نے قوم کی حفاظت اور نگہداشت کی۔ فَرَاعَتْ پس وہ محفوظ ہو گئی اس جگہ جانوروں کو چرانے کا مفہوم ہے اور امر کا صیغہ اباحت کے لئے ہے یعنی کھانا اور جانوروں کو چرانا تمہارے لئے ممنوع نہیں ہے اس سے نعمت کی یاد دہانی مقصود ہے۔

بعض اہل تفسیر نے کہا ہے کہ مَاء تک حضرت موسیٰ کا کلام ختم ہو گیا یعنی موسیٰ نے یہ بھی کہا کہ اللہ نے بادل سے پانی برسایا پھر فَاَخْرَجْنَا سے اللہ نے خود اپنی طرف سے فرمایا کہ ہم نے پانی سے طرح طرح کا سبزہ پیدا کیا اور اس میں اہل مکہ کو

Marfat.com

مخاطب فرمایا اس سے موسیٰ کے اس کلام کی بھی تکمیل ہو گئی جو اللہ نے نقل کیا تھا۔
زیادہ ظاہر اور صحیح یہ ہے کہ یہ سب حضرت موسیٰ کا ہی کلام ہے جو اللہ نے نقل فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے کہا اللہ نے بادل سے پانی نازل فرمایا اور احسان و انعام کے طور پر فرمایا کہ ہم نے اس پانی سے طرح طرح کی سبزیاں تمہارے اور تمہارے جانوروں کے لئے پیدا کی ہیں، سو تم بھی کھاؤ اور جانوروں کو بھی کھلاؤ، یعنی اس کا شکر کرو۔

ع ۱۱ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی ﴿۵۴﴾ ان سب چیزوں میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں یعنی زمین کو فرش کی طرح بنانے میں بادلوں سے پانی برسانے میں اور پانی سے طرح طرح کا سبزہ پیدا کرنے میں بڑی بکثرت نشانیاں ہیں جو خالق کی ہستی کو اس کے لَمْ یَزَل ولَا یَزَال ہونے کو، اس کے علم کی ہمہ گیری اور قدرت کے محیط کل ہونے کو، اس کے جامع کمالات اور منزہ از نقائص ہونے کو بتارہی ہیں لیکن عظمت ربوبیت و الوہیت کے یہ نشانات صرف دانشمندوں کے لئے ہیں۔
اَلنُّهٰی نُهْیَةٌ کی جمع ہے نُهْیَةٌ عقل کو کہتے ہیں نُهْیَةٌ (روکنے والی) عقل بھی انسان کو بری اور ضرر رساں اور غلط باتوں سے روکتی ہے اس لئے عقل کو نهیۃ کہتے ہیں۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ ہم نے تم کو اسی زمین سے پیدا کیا۔

وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ اور (مرنے کے بعد) اسی میں ہم تم کو (لوٹا کر) لے جائیں گے۔

وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی ﴿۵۵﴾ اور (قیامت کے دن) پھر اسی سے دوبارہ تم کو نکالیں گے۔

یعنی تمہارے باپ آدم کو اور تمہارے جسمانی مادہ کو ہم نے زمین کی مٹی سے بنایا نطفہ غذا سے پیدا ہوتا ہے، پس ہر آدمی کے مادہ تخلیق کی پیدائش زمین سے ہی ہوتی ہے۔ بغوی نے عطاء خراسانی کا قول نقل کیا ہے کہ جس جگہ آدمی دفن ہونے والا ہوتا ہے اس جگہ کی مٹی فرشتہ لے کر نطفہ پر چھڑکتا ہے پھر اس نطفہ اور مٹی سے آدمی کا جسم بنتا ہے عطاء کے قول کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کی ناف میں وہ مٹی ضرور ہوتی ہے جس سے اس کی پیدائش ہوتی ہے پھر جب وہ اپنی بدترین عمر (بڑھاپے) کو پہنچ جاتا ہے تو جس مٹی سے اس کی تخلیق ہوتی ہے اسی کی جانب لوٹا دیا جاتا ہے اور اسی میں دفن کیا جاتا ہے میں اور ابوبکر اور عمر ایک ہی مٹی سے بنائے گئے ہیں اور اسی میں دفن کئے جائیں گے، یہ حدیث خطیب نے بیان کی ہے اور اس کو غریب کہا ہے اور ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ شیخ مرزا محمد حارثی بدخشانی نے کہا کہ حضرت ابن عمرؓ، ابن عباسؓ ابوسعید خدریؓ اور ابوہریرہؓ سے اس حدیث کے تائیدی اقوال (شواہد) منقول ہیں جن میں سے ایک دوسرے کی تائید کر رہا ہے اس لئے یہ حدیث حسن ہے اس حدیث کی تقویت مندرجہ ذیل اقوال و روایات سے بھی ہوتی ہے۔
عینی نے صحیح بخاری کی شرح میں کتاب الجنائز میں لکھا ہے کہ محمد بن سیرین نے فرمایا اگر میں قسم کھا کر کہوں تو میری قسم جھوٹی نہ ہوگی نہ مجھے اس میں کوئی شک ہے نہ استثناء کرتا ہوں کہ اللہ نے اپنے نبی صلعم کو اور ابوبکر کو اور عمر کو ایک ہی مٹی سے بنایا تھا۔
ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن جعفر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تجھے مبارک اور خوشگوار ہو کہ تو میرے خمیر سے پیدا کیا گیا ہے اور تیرا باپ ملائکہ کے ساتھ آسمان میں اڑتا ہے۔
مسند الفردوس میں دیلمی نے اور ابن النجار نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (باندی غلام کو) آزاد کرنے والے کا خمیر میری مٹی کا ہے شاید حضور ﷺ نے یہ ارشاد کسی آزاد کرنے والے سے فرمایا تھا، مذکورہ بالا احادیث اور عطاء کی تفسیر مذکور سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ بعض آدمیوں کی تخلیق انبیاء کے خمیر سے ہوتی ہے صوفیوں کی اصطلاح میں اس کو اِصَالَۃُ الطِّیْنَۃ کہتے ہیں بلکہ بعض کی تخلیق رسول اللہ ﷺ کی مٹی سے بھی خصوصیت کے ساتھ ہوئی ہے (اور ہوتی

Marfat.com

ہے) اصطلاح صوفیہ میں یہ اصالت کبریٰ ہے۔
میں کہتا ہوں اللہ نے جس روز آسمان و زمین کو پیدا کیا اسی روز زمین کے بعض اجزاء کو بعض انسانوں کی اور بعض اجزاء کو دوسرے بعض انسانوں کی تخلیق کے لئے تیار کر دیا۔ (غرض ہر حصۂ زمین میں مختلف اشخاص کو پیدا کرنے کی صلاحیت و استعداد رکھ دی) جس مٹی میں کسی پیغمبر کی تخلیق کی صلاحیت رکھی تو جو انوار و برکات اور تجلیات ذاتیہ اس پیغمبر کے لئے مخصوص کر دی گئی تھیں شاید ان انوار و برکات کا نزول اس حصۂ زمین پر بھی مسلسل ہوتا رہا جس سے اس نبی کی تخلیق ہونی تھی تاکہ نبی کے مبارک جسم کا خمیر اس مٹی سے ہو سکے اس کے بعد جب جسم نبی کی تخمیر ہو چکی تو اس مبارک مٹی کا کچھ حصہ باقی رہنا ممکن نہ تھا پس ہو سکتا ہے کہ تخمیر نبی سے جو حصہ بچ رہا ہو اس سے کسی دوسرے کی تخلیق کر دی جائے اس طرح ختم نبوت کی برکت غیر نبی میں پیدا ہو جائے۔ درخت کھجور والی حدیث سے اس طرف اشارہ ملتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اپنی پھوپھی یعنی درخت کھجور کی عزت کر، اس کی تخلیق تمہارے باپ آدم کے خمیر سے پس ماندہ مٹی سے ہوئی ہے اللہ کے نزدیک کوئی درخت اس درخت سے زیادہ عزت والا نہیں جس کے نیچے مریم بنت عمران کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا تھا تم اپنی عورتوں اور بچوں کو کھجوریں کھلاؤ اور کھجوریں نہ ملیں تو چھوارے دو۔ یہ حدیث ابو یعلی موصلی نے مسند ابو نعیم نے الطب میں بخاری نے تاریخ میں نیز ابن ابی حاتم اور عقیلی اور ابن عدی اور ابن السنی اور ابن مردویہ نے حضرت علی کی روایت سے بیان کی ہے۔
ابن عساکر نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، درخت کھجور اور انار اور انگور کی تخلیق آدم کے خمیر کے پس ماندہ حصہ سے ہوئی ہے۔
شیخ احمد مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات کی تیسری جلد کے ننانویں مکتوب میں اپنے کشف سے اصالت کبری کا دعویٰ کیا ہے اس دعوے پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا خواہ نادانی کی وجہ سے یا جذبہ عناد کی کارفرمائی سے۔ واللہ اعلم۔ تارۃً کا معنی ہے دوقت یا باری۔
قیامت کے دن دوبارہ زمین سے برآمد کرنے کا معنی یہ ہے کہ جسم کے پراگندہ اجزاء جو مٹی میں مخلوط ہو چکے ہوں گے پھر از سر نو ان کو جمع کر کے جوڑا جائے گا اور سابق صورت پہنائی جائے گی اور پھر ان کے اندر ارواح کو واپس لایا جائے گا۔

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾

اور ہم نے اس کو اپنی (وہ ساری نشانیاں دکھائیں لیکن اس نے (سب کو) جھٹلایا اور (ماننے سے) انکار کر دیا۔
اَرَيْنٰهُ کا ترجمہ ہے ہم نے اس کو چشم دید کرا دیں یا ان کی صحت اس کو بتا دی۔ اٰيٰتِنَا سے مراد ہیں وہ نو معجزات جو موسیٰ کو دیئے گئے تھے آپ نے وہ سارے معجزات دکھائے۔ فَكَذَّبَ، پس فرعون نے موسیٰ کو محض عناد کی وجہ سے جھٹلایا اور آپ کو جادوگر کہا۔ وَاَبٰى اور ایمان و اطاعت سے انکار کیا۔

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ کہنے لگا موسیٰ کیا تو اس لئے ہمارے پاس آیا ہے کہ ہم کو ہماری سرزمین (مصر) سے اپنے جادو (کے زور) سے نکال کر باہر کر دے۔ یعنی کیا تو یہ چاہتا ہے کہ ہم کو نکال کر ہمارے ملک پر تو قبضہ کر لے اور یہاں تیری حکومت ہو جائے۔

فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾

سو اب ہم بھی تیرے مقابلہ میں ایسا ہی جادو لائیں گے لہٰذا ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ مقرر کر لے جس کے خلاف نہ ہم کریں نہ تو کسی ہموار میدان میں (مقابلہ کریں گے تاکہ سب دیکھ لیں)
لَا نُخْلِفُهٗ یعنی ہم اس وعدے کے خلاف نہ کریں موعد بمعنی وعدہ۔ مَوْعِد اس جگہ ظرف زمان یا مکان نہیں ہے کیونکہ خلاف ورزی کا تعلق وعدے سے ہوتا ہے زمان و مکان ظرف سے نہیں ہوتا۔ سُوًى کا ترجمہ قتادہ اور مجاہد نے برابر۔ یعنی ہمارے تمہارے درمیان مسافت برابر ہو۔ حضرت ابن عباس کا قول بھی ایک روایت میں یہی آیا ہے کلبی نے کہا سُوًى یعنی اس

Marfat.com

جگہ کے علاوہ کوئی دوسرا مقام (جو ترجمہ ہم نے کیا ہے وہ مولانا تھانوی نے لکھا ہے اور صحیح ترین معلوم ہوتا ہے۔)

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾ موسیٰ نے کہا تمہارے مقابلہ کے وعدے کا وقت وہ دن ہے جس میں (تمہارا) میلہ ہوتا ہے (یعنی تمہارے تہوار کا دن) اور جس میں دن چڑھے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔

مَوْعِد (ظرف مکان) وعدے کی جگہ یعنی تمہارے مقابلہ کے وعدہ کی جگہ تہوار والے دن کا مقام ہے میلہ کا دن سب لوگ جانتے تھے جس میں لوگ جمع ہوتے تھے۔ مجاہد قتادہ مقاتل اور سدی نے کہا مصر والوں کا ایک تہوار سالانہ ہوتا تھا جس میں لوگ آراستہ و پیراستہ ہو کر میلہ کی شکل میں جمع ہوتے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں مصریوں کے تہوار کا دن نوروز کا ہوتا تھا حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر نے فرمایا محرم کی دس تاریخ کو وہ تہوار مناتے تھے۔ میلہ کا دن حضرت موسیٰؑ نے اس لئے مقرر کیا کہ تمام لوگوں کے سامنے حق کا ظہور ہو جائے اور باطل کو شکست ہو جائے اور اس طرح اطراف ملک میں یہ خبر پھیل جائے۔

ضُحًى چاشت کے وقت دن چڑھے تاکہ سب لوگ دیکھ لیں اور کسی کو شک نہ رہے۔

فَتَوَلَّىٰ فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهُ ثُمَّ أَتَىٰ ﴿٦٠﴾ غرض اس گفتگو کے بعد فرعون (دربار سے) لوٹ گیا پھر اپنا مکر (کا سامان) جمع کرنا شروع کیا (یعنی جادو کا سامان) پھر وعدہ پر آگیا۔

كَيْدَ (مکر تدبیر) سے مراد ہیں جادوگر اور ان کے آلات و سامان۔

أَتَىٰ یعنی مقررہ وعدہ پر مقام مقررہ پر پہنچ گیا۔

قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرَىٰ ﴿٦١﴾ موسیٰ نے ان (جادوگروں) سے کہا ارے کم بختی مارو اللہ پر جھوٹ نہ تراشو کبھی وہ تم کو کسی قسم کی سزا سے بالکل نیست نابود ہی کر دے اور جو دروغ تراشی کرتا ہے (آخر) کو ناکام رہتا ہے۔

لَهُمْ یعنی فرعون اور اس کے ساتھی جادوگروں سے موسیٰ نے کہا بغوی نے لکھا ہے صرف جادوگروں کی طرف ضمیر راجع ہے جن کو فرعون نے (اطراف ملک سے) جمع کیا تھا یہ بہتر تھے اور ہر ایک کے پاس ایک لاٹھی اور ایک رسی تھی۔ کعب نے ان کی تعداد چار سو بتائی ہے بعض نے بارہ ہزار اس سے زائد بھی کہا ہے۔

وَيْلَكُمْ ویل ہلاکت، یعنی اللہ نے ہلاکت تم پر لازم کر دی ہے یا ویل فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے، یعنی تم ہلاک ہو چکے یا جملہ ندائیہ ہے جس کے مطابق ہم نے ترجمہ کیا ہے یا جملہ دعائیہ ہے تمہارا ستیاناس ہو بری حالت کے اظہار کے لئے ممانعت افتراء سے پہلے بطور تمہید یہ جملہ ذکر کیا۔

جھوٹ تراشنے سے مراد ہے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔

اِسْحَاتٌ اور سَحْتٌ (ثلاثی مزید و مجرد) ہم معنی ہیں اہل نجد و بنی تمیم اِسْحَات بولتے ہیں اور حجاز والے سَحْت کہتے ہیں۔ مقاتل اور کلبی نے فَيُسْحِتَكُمْ کا ترجمہ کیا وہ تم کو ہلاک کر دے قتادہ نے کہا وہ بیخ و بن سے تم کو اکھاڑ پھینکے۔ بِعَذَابٍ (میں تنوین عظمت کو ظاہر کر رہی ہے) یعنی کسی بڑے عذاب کے ساتھ۔ خَابَ ناکام ہوا، نامراد ہوا۔ مقصد کو نہ پا سکا۔

واقعہ بھی ایسا ہی ہوا جیسا حضرت موسیٰ نے فرمایا تھا، فرعون نے اللہ پر دروغ تراشی کی اور اپنی حکومت و خدائی کو محفوظ رکھنے کی ہر تدبیر کر گذرا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا ہر تدبیر میں نامراد رہا۔

فَتَنَازَعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ یہ بات سن کر وہ (یعنی جادوگر) باہم اپنی رائے میں اختلاف کرنے لگے یا تَنَازَعُوا کی ضمیر فرعون اور اس کے مشیروں کی طرف راجع ہے یعنی فرعون اور اس کے ساتھی (یا جادوگر) اس معاملہ میں مختلف الرائے ہو گئے اور موسیٰ کا مقابلہ کرنا چاہئے یا نہیں۔ محمد بن اسحاق نے کہا جب حضرت موسیٰ نے ان کو مذکورہ بالا نصیحت کی تو جادوگروں نے باہم کہا یہ کلام تو جادوگر کا نہیں ہے۔

Marfat.com

وَاَسَرُّوا النَّجْوٰی ﴿۶۲﴾ اور خفیہ گفتگو کرتے رہے۔
نَجْوٰی اسم ہے یا نَاجَیْتُہٗ کا مصدر ہے نَاجَیْتُ کا معنی ہے میں نے اس سے خفیہ بات کی۔ نَجْوٰی کا اصل ماخذ نَجْوَۃٌ ہے نُجُوَۃٌ کا معنی ہے وہ ابھرا ہوا ٹیلہ جو بلندی کی وجہ سے الگ تھلگ معلوم ہو رہا ہو۔ بعض نے اصل ماخذ نجات کو قرار دیا ہے نجات کا معنی ہے رہائی یعنی ایسا باہمی مشورہ جس میں سب کی خلاصی اور بچاؤ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ آپس کے نزاع اور اختلاف رائے کو انہوں نے پوشیدہ رکھا۔ کلبی نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ انہوں نے اس مشورہ کو چھپائے رکھا کہ اگر موسیٰ (علیہ السلام) ہم پر غالب آگئے تو ہم ان کا اتباع کر لیں گے۔

قَالُوْۤا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ یُرِیْدٰنِ اَنْ یُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَ یَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾

(آخر کار سب متفق ہو کر) کہنے لگے کہ بے شک یہ دونوں جادوگر ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہاری سرزمین سے نکال کر باہر کر دیں اور تمہارے اعلیٰ (مذہبی) طریقے کو ختم کر دیں۔

قَالُوْۤا یعنی اختلاف رائے کے بعد آخر متفق ہو کر کہنے لگے یہ قول فرعون کا تھا (دوسرے لوگوں کو اس نے اس قول پر متفق بنا لیا تھا اس لئے سب کا قول ہو گیا، مترجم) غرض چار و ناچار طوعاً و کرہاً سب کا اس قول پر اتفاق ہو گیا فرعون اور اس کی قوم کا باہم اختلاف رائے اللہ نے سورۃ المومن میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَكْتُمُ اِیْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا سے فَمَنْ یَّنْصُرُنَا مِنْ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا قَالَ فِرْعَوْنُ مَاۤ اُرِیْكُمْ اِلَّا مَاۤ اَرٰى وَ مَاۤ اَهْدِیْكُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ تک۔

اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ میں ان مخففہ ہے اور لَسٰحِرٰنِ میں لام فارقہ ہے (یعنی بیشک یہ دونوں یقیناً جادوگر ہیں) یا ان نفی کے لئے ہے اور لام بمعنی اِلَّا ہے (یعنی نہیں ہے یہ دونوں مگر جادوگر)

ابو عمرو کی قرات میں اِنَّ (مشددہ) هٰذَیْنِ لَسٰحِرٰنِ آیا ہے اور یہ نحو کے عام ضابطہ کے موافق ہے لیکن ابو عمرو کے علاوہ هٰذٰنِ ہی جمہور کی قرات ہے اور اسی کے ساتھ بعض روایات میں اِنْ کی جگہ اِنَّ آیا ہے جو عام ضابطہ کے خلاف ہے (اِنَّ کا اسم منصوب ہوتا ہے مرفوع نہیں ہوتا) اس کے جواب میں ہشام بن عروہ نے اپنے باپ کے حوالہ سے حضرت عائشہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے لیکن یہ (یعنی اصل قرآن میں کتابت کی غلطی اجماع علماء کے خلاف ہے علماء کا اتفاق ہے کہ اصل قرآن میں کتابت کی کوئی غلطی نہ تھی) بعض لوگوں نے کہا یہ قبائل ابو الحارث اور خثعم اور کنانہ کے محاورہ کے موافق ہے تثنیہ ہو یا کوئی ایسی ساکن یاء جس سے پہلے فتح ہو ان قبائل میں ان کا الف بہر حال پڑھا جاتا ہے اَتَانِی الرَّجُلَانِ رَاَیْتُ الرَّجُلَان مَرَرْتُ بِالرَّجُلَانِ بہر حال تثنیہ کو الف ہی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ کَسَرْتُ یَدَاہُ اور رَکِبْتُ عَلَاہُ کہتے ہیں یدیہ اور علیہ نہیں کہتے۔ مشہور اسماء ستہ (اب اخ وغیرہ) بھی جب ضمیر کی طرف مضاف ہوں ان میں بھی وہ ہر حال میں الف بولتے ہیں ایک شاعر کا قول ہے۔

اِنَّ اَبَاهَا وَ اَبَا اَبَاهَا قَدْ بَلَغَا فِی الْمَجْدِ غَایَتَاهَا

بعض لوگ کہتے ہیں ان کا اسم ضمیر شان محذوف ہے اور هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ خبر ہے اصل کلام اِنَّهٗ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ تھا بعض نے کہا اِنَّ نَعَمْ کے معنی میں ہے (حرف مشبہ بفعل نہیں ہے) ایک اعرابی نے حضرت ابن زبیر سے کچھ مانگا آپ نے نہیں دیا، اعرابی نے کہا لَعَنَ اللّٰهُ نَاقَۃً حَمَلَتْنِیْ اِلَیْکَ اللہ کی لعنت ہو اس اونٹنی پر جو مجھے آپ کے پاس سوار کر کے لائی، حضرت ابن زبیر نے جواب دیا اِنَّ وَصَاحِبَهَا بے شک (اونٹنی پر بھی لعنت ہو) اور اس کے مالک پر بھی۔

یَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى حضرت ابن عباس نے فرمایا، طریقہ سے مراد سرداران قوم، بڑے لوگ طَرِیْقَۃُ الْقَوْمِ، قوم کے سرداروں کو کہتے ہیں شعبی نے اس آیت کی تشریح میں حضرت علی کا قول نقل کیا ہے۔ یعنی لوگوں کا رخ اپنی

Marfat.com

طرف پھیر دیں۔ قتادہ نے کہا اس زمانہ میں بنی اسرائیل تعداد میں بھی ساری قوم سے زیادہ تھے اور مال میں بھی اس لئے طریقۂ مثلیٰ سے بنی اسرائیل مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں چاہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے جائیں فرعون کے اس قول کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ نے فرعون سے کہا اَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔

عام طور پر اہل تفسیر نے کہا کہ طریقۂ مثلیٰ سے مراد وہ دین ہے جس پر اہل مصر قائم تھے گویا فرعون نے جو کہا اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَكُمْ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تمہارے مذہب کو بدل دے گا۔ یہی مطلب ہے یَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى یہ دونوں چاہتے ہیں کہ تمہارے اعلیٰ مذہب کو ختم کو دیں۔

فَاَجْمِعُوْا كَیْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ سو اب تم مل کر اپنی تدبیر کا انتظام کرو پھر صفیں آراستہ کر کے مقابلہ میں آؤ۔

اَجْمِعُوْا (مصدر اجماع باب افعال) کو بعض لوگوں نے ثلاثی مجرد۔ یعنی اِجْمَعُوْا کا ہم معنی قرار دیا ہے یعنی اپنی تدبیریں ساری جمع کرلو۔ عرب کہتے ہیں اَجْمَعْتُ الشَّیْءَ اور جَمَعْتُ الشَّیْءَ دونوں کو ہم معنی کہتے ہیں صحیح یہ ہے کہ اجماع کا معنی ہے متفق الرائے ہو جانا کسی رائے پر اتفاق کرلینا، مطلب یہ ہے کہ اپنی تدبیر پر متفق ہو جاؤ۔ پختہ ارادہ کرلو، باہم اختلاف نہ کرو۔ ورنہ کام بگڑ جائے گا۔

صف ایک قطار بنالینا آدمیوں کی ہو یا درختوں کی یا کسی اور چیز کی یہ مصدر ہے لیکن بمعنی اسم فاعل یعنی سب ایک قطار ہو کر اور جمع ہو کر آؤ تاکہ دیکھنے والوں کے دلوں میں ہیبت پیدا ہو۔ مقاتل اور کلبی نے کہا اسی کی مثل آیت اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا میں صَفًّا کا معنی (ایک قطار) ہے لیکن ابن عبیدہ نے کہا صف کا معنی جمع ہونے کی جگہ جاء نماز کو صف اسی مناسبت سے کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو جگہ مقرر ہے اس جگہ پہنچ جاؤ۔

وَقَدْ اَفْلَحَ الْیَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾ اور آج جو غالب آئے گا وہی کامیاب ہو گا۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ

انہوں نے کہا اے موسیٰ آپ (اپنا عصا) پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں موسیٰ نے کہا (میں پہلے نہیں ڈالتا) آپ لوگ پہلے ڈالو۔

قَالُوْا، یعنی جب جادوگر مقررہ مقام پر جمع ہو گئے تو چونکہ ان کی اپنی تدبیروں کی عظمت پر اعتماد تھا اور غالب آنے کا یقین تھا پھر تہذیب کا تقاضا بھی یہی تھا اس لئے کہا کہ اگر آپ پہلے اپنا داؤ پھینکنا چاہیں گے تو پھینکئے اور اگر آپ کہیں تو داؤ پھینکنے کی ابتداء کرنے والے ہم ہو جائیں (ہم پہلے اپنا داؤ پھینکیں) حضرت موسیٰ کو ان کے جادو کی پروانہ تھی اور کچھ کچھ ان کا میلان بھی اللہ کی طرف محسوس ہو رہا تھا، انہوں نے (نَحْنُ نُلْقِیْ اَوَّلًا) نہیں کہا تھا بلکہ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى کہا تھا) اول کا لفظ صراحۃ اپنے لئے بولا تھا اس لئے ان کی حوصلہ افزائی بھی کرنی تھی پھر یہ مقصد بھی تھا کہ جو جال یہ لوگ بنا کر لائے ہیں اس کو پہلے سامنے آ جانا اور ان کی انتہائی طاقت کو میدان میں لانے کی مہلت دینا چاہئے تاکہ جب میں لاٹھی پھینکوں گا تو حق ظاہر ہو جائے گا اور باطل کو شکست ہو جائے مزید یہ کہ جادوگروں نے ادب کو پیش نظر رکھ کر موسیٰ کو اختیار دیا تھا اس کا بھی تقاضا تھا کہ موسیٰ تہذیب کا مظاہرہ کریں اور ان سے کہہ دیں کہ آپ لوگ ہی شروع کریں اور اس لئے فرمایا میں آغاز نہیں کرتا آپ لوگ ہی (جو پھینکنا چاہتے ہیں) پھینکیں۔

فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾

پس یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کی نظر بندی سے موسیٰ کے خیال میں ایسی معلوم ہونے لگیں جیسے (سانپ کی طرح) چلتی دوڑتی ہوں۔ عبارت میں کچھ محذوفات ہیں (جن کو سمجھنے کے لئے رفتار کلام کافی ہے ذکر کرنے میں کوئی فائدہ نہ تھا اس لئے ان کو حذف کر دیا گیا) اصل کلام اس طرح تھا، پس انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینکیں تو اچانک موسیٰ کو ایسا خیال

Marfat.com

ہونے لگا کہ وہ رسیاں اور لاٹھیاں (سانپوں کی طرح) دوڑ رہی ہیں۔ قصہ کی تفصیل میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب جادوگروں نے رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینکیں تو لوگوں کی نظر بندی کر دی اور نظر بندی (یا خیال بندی) کی وجہ سے موسیٰ اور دوسرے حاضرین کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ ایک میل تک زمین سانپوں سے بھر گئی ہے اور سانپ دوڑ رہے ہیں۔

فَاَوۡجَسَ فِیۡ نَفۡسِہٖ خِیۡفَۃً مُّوۡسٰی ﴿۶۷﴾ پس موسیٰ نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔

وَجۡسٌ، آہٹ، ہلکی آواز۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے وَجۡسٌ وہ گھبراہٹ اور خوف جو کسی آواز وغیرہ سے دل میں پیدا ہو جائے یا کانوں میں سنائی دے، مطلب یہ ہے کہ باقتضائے بشریت حضرت موسیٰ کے دل میں فوراً کچھ خفیہ خوف پیدا ہو گیا۔ مقاتل نے کہا (موسیٰ کو اپنا کوئی خوف نہیں ہوا تھا بلکہ) آپ کو یہ اندیشہ ہوا کہ لوگ دھوکہ کھا جائیں گے اور میرے معجزے میں ان کو شک پڑ جائے گا اور حق واضح نہ ہوگا۔

قُلۡنَا لَا تَخَفۡ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡاَعۡلٰی ﴿۶۸﴾ ہم نے (موسیٰ سے) کہا تم کچھ خوف نہ کرو بلاشبہ تم ہی سب پر غالب رہو گے۔

اِنَّکَ اَنۡتَ الۡاَعۡلٰی سے خوف نہ کرنے کی وجہ بیان فرما دی اور غالب رہنے کو چند تاکیدی الفاظ سے بیان فرما دیا، جملہ از سر نو شروع کیا (حرف عطف ذکر نہیں کیا) ان حرف تحقیق ذکر کیا ضمیر فصل بھی ذکر کی اور خبر پر الف لام بھی داخل کیا اور الۡاَعۡلٰی فرمایا تم ہی غالب رہو گے پھر اسم تفضیل کا صیغہ بھی استعمال کیا۔

وَاَلۡقِ مَا فِیۡ یَمِیۡنِکَ تَلۡقَفۡ مَا صَنَعُوۡا ؕ اور جو کچھ تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے اس کو (زمین پر) ڈال دو ان لوگوں نے جو کچھ جھوٹ (فریب دینے کے لئے) بنایا ہے اس کو یہ نگل لے گی۔ مَا فِیۡ یَمِیۡنِکَ مبہم طور پر (جو کچھ) فرمایا، مراد لاٹھی ہے صراحۃً لاٹھی کا ذکر نہیں کیا اس سے ساحروں کی لاٹھیوں اور رسیوں کی حقارت دکھانا مقصود ہے کہ یہ لاٹھیاں اور رسیاں تو اتنی حقیر ہیں کہ تمہارے ہاتھ میں جو یہ ایک لکڑی کا ٹکڑا ہے اس کو اگر زمین پر پھینک دو گے تو یہ بھی انکو نگل لے گا۔

اِنَّمَا صَنَعُوۡا کَیۡدُ سٰحِرٍ ؕ ان لوگوں نے جو کچھ کارستانی کی ہے یہ تو جادوگر کا فریب ہے۔

وَلَا یُفۡلِحُ السّٰحِرُ حَیۡثُ اَتٰی ﴿۶۹﴾ اور جادوگر کہیں جائے کامیاب نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جادوگر زمین کے جس حصہ میں ہو اور جہاں جائے کامیاب نہیں ہوتا۔ بعض نے اَتٰی کا ترجمہ اِحۡتَالَ کیا ہے یعنی جو تدبیر جہاں کرے کامیاب نہیں ہوتا۔ ابن حاتم اور ترمذی نے حضرت جندب بن عبداللہ بجلی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم جادوگر کو پاؤ تو اس کو قتل کر دو پھر حضور ﷺ نے آیت وَلَا یُفۡلِحُ السَّاحِرُ حَیۡثُ اَتٰی تلاوت فرمائی۔

فَاُلۡقِیَ السَّحَرَۃُ سُجَّدًا (یہ دیکھتے ہی) جادوگر فوراً سجدہ میں گر گئے، کلام میں کچھ اختصار کر دیا گیا ہے (رفتار کلام محذوفات کو سمجھنے کے لئے کافی ہے) اصل کلام اس طرح تھا پس موسیٰ نے فوراً اپنے ہاتھ سے لاٹھی زمین پر ڈال دی وہ فوراً اژدہا بن گئی اور جو کچھ جادوگروں نے کارستانی کی تھی سب کو نگلنے لگی اس وقت جادوگر پہچان گئے کہ یہ جادو نہیں ہے بلکہ خدا داد معجزہ ہے اتنا پہچاننے کے بعد فوراً توبہ کی اور سجدے میں گر گئے یا معجزے کی عظمت کا اعتراف کرنے کے لئے سجدے میں گر گئے اور خود نہ گرے بلکہ عرفان حق (اور تعظیم معجزہ) نے بے اختیار کر کے ان کو سجدہ میں گرا دیا یا وہ گرا دیئے گئے۔

قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوۡنَ وَمُوۡسٰی ﴿۷۰﴾ (اور) بول اٹھے کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے اس جگہ ہارون کا لفظ موسیٰ سے پہلے آیا ہے اور سورۂ شعراء و اعراف میں فرمایا ہے۔ اٰمَنَّا بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ رَبِّ مُوۡسٰی وَ هٰرُوۡنَ اس میں موسیٰ کا لفظ ہارون سے پہلے آیا ہے معلوم یہ ہوا کہ کوئی ترتیب پیش نظر نہیں ہے کہ اس میں موسیٰ کا لفظ ہارون سے پہلے آیا ہے یا ہارون کا بلکہ صرف بتانا یہ ہے کہ دونوں پیغمبروں کے رب پر وہ ایمان لے آئے۔

Marfat.com

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ

فرعون نے (جادوگروں سے) کہا کہ میری اجازت کے بغیر تم موسیٰ پر ایمان لے آئے واقعی وہ (سحر میں) تم سے بڑا ہے جس نے تم کو سحر سکھایا ہے۔

لَکُمْ (ایمان کے بعد ب آنا چاہئے لیکن) اس جگہ لام آیا ہے کیونکہ اٰمَنْتُمْ کے اندر اتباع کا مفہوم پوشیدہ ہے اور (اتباع کے بعد اگر آتا ہے تو لام آتا ہے ب نہیں آتا یعنی تم نے موسیٰ کی بات کو مان لیا اور اس کے پیرو ہوگئے)

اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمْ یعنی جادو میں تمہارا بڑا ہے تم سے زیادہ جادو مکر جانتا ہے اسی لئے تم پر غالب آگیا اس کا نبوت کا دعویٰ غلط ہے یا کبیر سے مراد ہے استاد یعنی یہ تمہارا استاد ہے۔

اَلَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ جس نے تم کو جادو سکھایا اسی لئے تم سب نے متفق ہو کر اس کی موافقت اور پیروی کر لی۔

فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۬

سو اب میں تم سب کے ہاتھ پاؤں کٹواتا ہوں ایک طرف کا ہاتھ اور ایک طرف کا پاؤں۔ اور تم سب کو کھجور کے درختوں پر ٹنگواتا ہوں۔

مِنْ خِلَافٍ یعنی سیدھا ہاتھ اور بایاں پاؤں۔ خلاف یعنی مخالف۔

فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ، درخت کھجور کے تنوں میں درخت کھجور لمبا ہوتا ہے دور سے نظر آتا ہے (اور دوسروں کو دکھا کر عبرت دلانی مقصود تھی) اس لئے درخت کھجور کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا۔ اور عَلٰی جُذُوْعِ کی جگہ فِیْ جُذُوْعِ کہنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ میں تم کو تنوں کے ساتھ پیوست کردوں گا جس طرح مظروف ظرف کے ساتھ پیوست ہوتا ہے۔

وَ لَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبْقٰی ﴿۷۱﴾ اور تم کو یقیناً یہ بھی ضرور معلوم ہوا جاتا ہے کہ ہم میں سے کس کا عذاب سخت اور دیرپا ہے یعنی میں تم کو رب موسیٰ پر ایمان لانے کی زیادہ سخت سزا دے سکتا ہوں یا موسیٰ کا رب تم کو زیادہ سخت عذاب دے سکتا تھا، اگر تم اس پر ایمان نہ لاتے۔

وَاَبْقٰی اور کس کا عذاب دوامی ہے اور لازوال ہے۔

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَاۤ اَنْتَ قَاضٍ ؕ

جادوگروں نے کہا ہم تجھکو ہرگز ترجیح نہیں دیں گے بمقابلہ ان دلائل کے جو ہم کو مل گئے ہیں اور بمقابلہ اس ذات کے جس نے ہم کو پیدا کیا ہے بس تجھ کو جو کچھ فیصلہ کرنا ہے کرڈال۔ یا یوں ترجمہ کیا جائے کہ تجھ کو جو کچھ کرنا ہے کرڈال موخر الذکر ترجمہ پر مَاۤ اَنْتَ قَاضٍ اِقْضِ کا مفعول ہوگا اور اگر قضا کا معنی فیصلہ اور حکم کہا جائے تو مَاۤ اَنْتَ اس کا مفعول نہ ہوگا کیونکہ باب قضا کے مفعول پر ب آنا ضروری ہے اس صورت میں مَاۤ اَنْتَ قَاضٍ مفعول مطلق ہوگا یعنی جو حکم تجھے دینا ہے دے ڈال۔

اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۷۲﴾ تو بجز اس کے کہ اس دنیوی زندگی میں کچھ کرلے اور کر ہی کیا سکتا ہے۔

تَقْضِیْ یعنی اس دنیوی زندگی میں جو چاہے کرلے یا جو حکم دینا چاہے دے لے۔ اَلْحَیٰوةَ الدُّنْیَا مفعول فیہ ظرف زمان ہے، مطلب یہ ہے کہ بس اسی دنیوی زندگی میں تو جو کچھ کرنا چاہے کرلے یا جو کچھ حکم دینا چاہے دے لے، تیری حکومت اور سلطنت عنقریب ختم ہو جائے گی۔ بعض روایات میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ فرعون نے جو دھمکی جادوگروں کو دی تھی اس کے مطابق اس نے جادوگروں کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر صلیب پر لٹکوا بھی دیا۔ ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے یہ روایت نقل کی ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ ایسا کر نہیں سکا کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَكُمَا تم دونوں اور جو تمہارے متبع ہیں سب غالب ہوں گے۔

Marfat.com

اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ
بلا شبہ ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو اور اس جادو کو جس پر تو نے ہم کو مجبور کیا تھا معاف فرما دے۔

ایک شبہ

جادوگر اپنے اختیار سے آئے تھے، فرعون نے ان کو مجبور کب کیا تھا۔ خود ہی انہوں نے عزت فرعون کی قسم کھا کر کہا تھا کہ ہم غالب رہیں گے۔ پھر مَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔

ازالہ

بغوی نے حسن کا قول نقل کیا ہے کہ کچھ لوگوں کو فرعون جادو سیکھنے پر مجبور کرتا تھا تاکہ جادو کی جڑ قائم رہے مَآ اَكْرَهْتَنَا سے یہی مراد ہے۔ مقاتل نے کہا جادوگر بہتر ۷۲ تھے دو قبطی اور ستر اسرائیلی فرعون نے اسرائیلیوں کو جادو کرنے پر مجبور کیا تھا۔ عبدالعزیز بن ابان نے کہا کہ جادوگروں نے فرعون سے درخواست کی پہلے ہم کو موسیٰ کو سوتے میں دکھا دیجئے۔ (پھر کچھ رائے قائم کریں گے) چنانچہ حضرت موسیٰ جب سو رہے تھے اور لاٹھی آپ کا پہرا دے رہی تھی اس وقت فرعون نے جادوگروں کو بلوا کر حضرت موسیٰ کا معاینہ کرا دیا جادوگر دیکھ کر کہنے لگے یہ تو سحر نہیں ہے جادوگر سو جاتا ہے تو اس کا جادو بھی ختم ہو جاتا ہے (لیکن لاٹھی تو موسیٰ کی سوتے میں نگرانی کر رہی ہے، یہ جادو نہیں ہو سکتا) فرعون نے جادوگروں کی بات نہیں مانی اور مقابلہ کرنے پر مجبور کیا مَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ کا یہی مطلب ہے۔

الثلثة وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اور اللہ تعالیٰ (تجھ سے بدرجہا) اچھا اور زیادہ بقا والا ہے یعنی جو شخص ایمان کے ساتھ عمل صالح کرے اس کو ساری مخلوق سے بڑھ کر اللہ ثواب دینے والا ہے اور جو مجرم کفر کی حالت میں اس کے سامنے جائے گا اس کو عذاب بھی ساری مخلوق سے زیادہ پائیدار لازوال دے گا۔

محمد بن اسحاق نے کہا فرعون نے کہا تھا وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ساحروں نے اس کا یہ جواب دیا۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝

جو شخص (بغاوت کا) مجرم اپنے رب کے سامنے جائے گا اس کیلئے جہنم مقرر ہے اس میں نہ وہ مرے گا نہ جیئے گا۔

مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا یعنی کفر اور نافرمانی پر مرے گا۔ لایموت جہنم کے اندر اس کو موت نہیں آئے گی کہ عذاب سے چھوٹ جائے۔ لَا يَحْيٰى نہ خوش گوار زندگی ملے گی کہ آرام پائے۔

وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ

اور جو شخص اپنے رب کے پاس مومن ہو کر حاضر ہو گا جس نے نیک کام بھی کیے ہوں سو ایسوں کے لئے بڑے اونچے درجے ہیں یعنی ہمیشہ رہنے کے لئے باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

یعنی جو شخص ایمان کی حالت میں مرے گا اور اس نے دنیا میں اعمال صالحہ کیے ہوں گے اس کو رہنے کے لئے باغ ملیں گے عدن بمعنی قیام و سکونت یہ جنّات بڑے اونچے درجات ہوں گے۔

ع ۳ ۲۲ ۱۲ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۝ کفر و معاصی کے میل کچیل سے پاک ہونے کی یہی جزا ہے کلبی نے کہا تزکّٰی کا یہ معنی ہے کہ جس نے اپنے نفس کی زکوٰۃ دے دی اور لا الہ الا اللہ کا قائل ہو گیا۔ امام احمد ترمذی۔ ابن ماجہ اور ابن حبان نے صحیح سند سے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اونچے درجات والوں کو نیچے والے اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم چمکتے ستاروں کو آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو اور ابو بکر انہیں میں سے ہوں گے اور عمر (بھی) یہ حدیث طبرانی نے حضرت جابر بن سمرہ کی روایت سے اور ابن عساکر نے حضرت ابن عمر و حضرت ابو ہریرہ کی روایت

Marfat.com

سے بیان کی ہے۔ شیخین نے صحیحین میں اور امام احمد نے حضرت ابو سعید کی روایت سے اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے حدیث مذکور مرفوعاً اس طرح نقل کی ہے کہ اہل جنت اوپر والے کمروں والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح (آسمان کے) مشرقی یا مغربی افق میں ڈبڈباتے چمکتے ستارے کو تم لوگ دیکھتے ہو اس کی وجہ ان کے باہم درجات کا تفاوت ہوگا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پھر انبیاء کے مراتب کو ان کے علاوہ کوئی اور پہنچے گا نہیں فرمایا کیوں نہیں قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انبیاء کی تصدیق کی (وہ بھی انبیاء کے ساتھ ہوں گے)

موخر الذکر تینوں آیات ساحروں کے کلام کا تتمہ اور اللہ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی کی علت بھی ہو سکتی ہے اور اللہ کی طرف سے ساحروں کے کلام کی تصدیق بھی ان کو قرار دیا جا سکتا ہے۔

وَلَقَدْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰی ﴿۷۷﴾ اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ ہمارے ان بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کو (مصر سے) راتوں رات (باہر) لے جاؤ پھر ان کے لئے دریا میں (لاٹھی مار کر) خشک راستہ بنا دینا نہ تو تم کو کسی کے تعاقب کا اندیشہ ہوگا اور نہ (کسی اور قسم کا) خوف ہوگا۔

یعنی جب اللہ نے فرعون اور اس کی قوم کا ستیاناس کر دینا چاہا اور بنی اسرائیل کو ان کے ظلم سے نجات دے دینے کا اس نے ارادہ کیا تو حضرت موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ ان لوگوں کو لے کر راتوں رات مصر سے باہر نکل جاؤ۔

فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا، یعنی ان کے لئے راستہ مقرر کر دو اس ترجمہ پر یہ جملہ محاورہ ضرب سہم سے ماخوذ ہوگا۔ عرب بولتے ہیں ضَرَبَ لَهٗ مِنْ مَالِهٖ سَهْمًا اس نے اپنے مال میں اس کا ایک حصہ مقرر کر دیا۔ یا فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا کا ترجمہ ہوگا بنا دو ان کے لئے راستہ۔ عرب کہتے ہیں ضَرَبَ اللَّبِنَ اس نے اینٹیں بنائیں۔ میں کہتا ہوں اضرب سے مراد لاٹھی مارنا بھی ہو سکتا ہے اصل کلام اس طرح تھا۔ فَاضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ یَكُنْ طَرِیْقًا اپنی لاٹھی دریا میں مار راستہ خشک ہو جائے گا۔ دَرَكًا دشمن کا پہنچ جانا مراد ہے، یعنی دشمن کے تعاقب کرنے اور پہنچ جانے کا تم کو کچھ اندیشہ نہ ہوگا۔ وَلَا تَخْشٰی اور نہ ڈوبنے کا خطرہ۔

موسیٰ نے حکم کی تعمیل کی، بنی اسرائیل کو لے کر چل دیئے، دریا پر پہنچے تو دریا میں لاٹھی ماری پانی پھٹ گیا اور دونوں طرف پہاڑ کی طرح رک گیا خشک زمین نکل آئی بنی اسرائیل خشک زمین پر چل کر پار نکل گئے۔

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِیَهُمْ مِّنَ الْیَمِّ مَا غَشِیَهُمْ ﴿۷۸﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰی ﴿۷۹﴾ پھر فرعون اپنے لشکروں کو لے کر ان کے پیچھے چلا تو دریا ان پر جیسا ملنے کو تھا آملا اور فرعون اپنی قوم کو بری راہ پر لایا اور نیک راہ نہ بتائی۔ بِجُنُوْدِهٖ میں ب بمعنی مع کے ہے یعنی فرعون کو جب اطلاع ملی کہ موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر رات کو ہی مصر سے نکل گیا تو اس نے خود اپنے لشکر کے ساتھ موسیٰ کا پیچھا کیا۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک اتباع (باب افعال) بمعنی اتباع (باب افتعال) کے ہے (یعنی لازم ہے) ب کے ذریعہ سے اس کو متعدی بنایا گیا ہے، یعنی فرعون اپنے لشکر کو لے کر پیچھے چلا۔ یا فرعون نے اپنے لشکر کو بنی اسرائیل کے پیچھے چلایا، مِنَ الْیَمِّ یعنی دریا کا کچھ پانی۔ یم دریا مِنْ تبعیضیہ ہے (کچھ پانی) یا بیانیہ ہے مَا غَشِیَهُمْ میں ما کا ابہام موجوں کی عظمت پر دلالت کر رہا ہے، یعنی ایسی موجیں اوپر سے آئیں کہ جن کی مقدار اور حقیقت سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ اضل یعنی دین کے معاملے میں فرعون نے اپنی قوم کو بے راہ کر دیا۔ وَمَا هَدٰی اور صحیح راستہ نہ دکھایا۔ دین کا مذاق اڑاتا رہا۔ اس نے قوم سے کہا تھا مَآ اَهْدِیْكُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ میں تم کو نہیں بتاتا مگر سیدھا راستہ۔ لیکن اس نے سیدھا راستہ نہیں بتایا اس آیت سے فرعون کے قول مذکور کی تکذیب کر دی گئی یا یہ مطلب ہے کہ دریا کے اندر فرعون نے قوم کو بے راہ کر دیا اور خود بھی نجات نہ پائی۔

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ قَدْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَیْمَنَ

Marfat.com

اے بنی اسرائیل (دیکھو) ہم نے تم کو تمہارے (ایسے بڑے) دشمن سے نجات دی اور ہم نے تم سے (یعنی تمہارے پیغمبر سے) طور کے دائیں جانب آنے کا وعدہ کیا۔

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ سے خطاب ان بنی اسرائیل کو ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے اور جو احسانات ان کے آباؤاجداد پر کئے گئے تھے وہ موجودہ بنی اسرائیل کو یاد دلائے گئے ہیں لیکن اس مطلب پر ایک لاینحل اشکال یہ وارد کیا جاسکتا ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے اور مکہ کی زندگی میں خطاب بنی اسرائیل کو نہیں ہوسکتا۔ پوری مکی زندگی میں مخاطب قریش یا کفار مکہ ہوسکتے ہیں اس لئے کہنا پڑتا ہے کہ یہ گزشتہ واقعہ کا بیان ہے جن بنی اسرائیل کو اللہ نے فرعون کے پنجے سے رہا کرایا اور فرعون کو مع لشکر کے غرق کیا تھا انہی کو اللہ نے اس وقت یہ خطاب کیا تھا اور اس خطاب کو نقل اس جگہ کیا اس مطلب پر لفظ قلنا محذوف ماننا پڑے گا مطلب اس طرح ہوگا کہ فرعون کو غرق کرنے اور دوسرے واقعات ہوچکنے کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ قَدۡ اَنۡجَیۡنٰکُمۡ

جَانِبَ الطُّوۡرِ الۡاَیۡمَنَ جانب مفعول فیہ ظرف مکان ہے اور الایمن جانب کی صفت ہے لیکن پہاڑ کا حقیقت میں کوئی دلیاں بایاں رخ نہیں ہوتا اس لئے کہا جائے گا کہ دلیاں جانب موسیٰ کا تھا اور موسیٰ پہاڑ پر تھے اس لئے پہاڑ کا دلیاں جانب کہہ دیا۔ اللہ نے موسیٰ سے مناجات کا اور توریت دینے کا وعدہ کیا اور یہ بھی حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں سے ستر آدمیوں کو منتخب کر کے اپنے ساتھ لے آئیں یہ وعدہ حضرت موسیٰ سے تھا لیکن اس وعدہ کا تعلق چونکہ بنی اسرائیل سے تھا اس لئے (مجازاً) فرمادیا کہ ہم نے تم کو وعدہ دیا تھا۔

وَنَزَّلۡنَا عَلَیۡکُمُ الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰی ﴿۸۰﴾ کُلُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰکُمۡ

اور ہم نے تم پر من وسلویٰ نازل کیا اور (اجازت دی کہ) ہم نے جو نفیس چیزیں تم کو دی ہیں ان کو کھاؤ۔

مِنۡ طَیِّبٰتِ میں مِن بیانیہ ہے یا تبعیضیہ، یعنی وہ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں یا ہماری عطا کردہ پاکیزہ چیزوں میں سے کچھ چیزیں تم کھاؤ۔ طیبات سے مراد ہیں لذیذ یا حلال چیزیں (مَنّ وسَلویٰ لذیذ چیزیں بھی تھیں اور حلال بھی۔)

ہر نعمت خداداد ہی ہے لیکن اس جگہ رَزَقۡنَا میں اپنی طرف دینے کی نسبت صراحۃً کرنے سے مراد ہے نعمتوں کی عظمت کا اظہار۔

وَلَا تَطۡغَوۡا فِیۡهِ　اور اس (کھانے) میں حد (شرعی) سے مت گذرو۔ یعنی ہماری دی ہوئی نعمت میں حد سے تجاوز نہ کرو۔ حد سے تجاوز کرنا کئی صورتوں سے ہوتا ہے شکر نہ کرنا فضول برباد کرنا یا بے ضرورت بیکار خرچ کرنا، مغرور ہو جانا، مستحق کو نہ دینا (اور مالی حقوق ادا نہ کرنا وغیرہ۔ مترجم)

فَیَحِلَّ عَلَیۡکُمۡ غَضَبِیۡ ۚ وَمَنۡ یَّحۡلِلۡ عَلَیۡهِ غَضَبِیۡ فَقَدۡ هَوٰی ﴿۸۱﴾　کہیں میرا غضب تم پر واقع ہو جائے اور جس شخص پر میرا غضب واقع ہوتا ہے وہ بالکل گیا گذرا ہوا۔ یَحۡلِلۡ (باب ضرب سے) واجب الادا ہونا یعنی جس پر میرا غضب لازم ہو جائے۔ یَحۡلُلۡ (بہ قرات اعمش وکسائی حلول سے باب نصر) حُلُول کا معنی ہے نازل ہونا اترنا، جس پر میرا غضب نازل ہو جائے۔ ہَوٰی، ہلاک ہو گیا آگ میں لڑھک گیا۔

وَاِنِّیۡ لَغَفَّارٌ لِّمَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهۡتَدٰی ﴿۸۲﴾　اور (اس کے ساتھ یہ بھی کہ) میں ایسے لوگوں کو بڑا بخشنے والا ہوں جو توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں پھر اسی راہ پر قائم بھی رہیں۔

تَابَ یعنی شرک سے توبہ کی۔ اٰمن سے مراد ہے اللہ پر اور ان تمام احکام پر ایمان لایا جو اللہ کی طرف سے اس کے پیغمبر لے کر آئے تھے۔ عَمِلَ صَالِحًا یعنی اللہ کے حکم کے مطابق عمل کیا اِهۡتَدٰی سے کیا مراد ہے علماء کے اقوال اس میں مختلف ہیں عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے پھر اس نے ہدایت پائی یعنی جان لیا کہ یہ سب کچھ اللہ کی توفیق سے مجھے

Marfat.com

ملاہے۔ قتادہ اور سفیان ثوری نے ترجمہ کیا اسلام پر مرتے دم تک قائم رہا، شعبی مقاتل اور کلبی نے کہا یعنی یہ جان لیا کہ اللہ کی طرف سے اس کا ثواب مجھے ملے گا۔ زید بن اسلم نے کہا یعنی اس نے علم حاصل کیا تاکہ اس کے مطابق عمل کرے، ضحاک نے کہا یعنی ہدایت مذکورہ پر قائم رہا سعید بن جبیر نے کہا سنت اور جماعت کے مسلک پر قائم رہا۔ حضرت مفسر نے فرمایا میرے نزدیک یہ مطلب ہے کہ اللہ تک پہنچنے اور مقام قرب تک چڑھنے کی اس کو راہ مل گئی اور یہ رسائی و عروج ہر کیفیت سے بالاتر ہے اس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾ لور اے موسیٰ تمہارے لئے اپنی قوم سے جلدی آنے کا کیا سبب ہوا، یعنی کیا وجہ تھی کہ تم قوم کو پیچھے چھوڑ کر ان سے پہلے ہی آگئے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ نے طور پر جانے کے لئے بنی اسرائیل میں سے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا تاکہ طور پر پہنچ کر حسب وعدہ اللہ کی کتاب حاصل کرلیں پھر ان کو پیچھے چھوڑ کر دیدار الٰہی کے شوق میں خود پہلے آگئے اور ان سے کہہ دیا تم لوگ پیچھے آجانا اللہ نے حضرت موسیٰ سے یہی سوال کیا ہے کہ تم قوم سے پہلے کیسے چلے آئے۔ میں کہتا ہوں یہ سوال (طلب علم کے لئے نہیں ہے نہ انکاری ہے بلکہ) تقریری ہے جس طرح محبوب جب اپنے عاشق کے والہانہ شوق لور شیفتگی کو دیکھتے ہوئے چاہتا ہے کہ عاشق اپنے منہ سے اپنی محبت کا اظہار کرے اس لئے کہتا ہے کہ آپ کیسے آئے کیوں آئے۔

لیکن ساتھیوں کو چھوڑ کر آجانا کسی قدر نازیبا بھی تھا اس لئے سوال میں انکاری ہونے کی کچھ آمیزش بھی تھی اس لئے حضرت موسیٰ نے سوال کے دونوں رخوں کا لحاظ رکھتے ہوئے دونوں کا جواب دیا۔

قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ موسیٰ نے (اپنے گمان کے موافق) عرض کیا وہ لوگ بھی تو میرے پیچھے پیچھے (آرہے) ہیں لور میں آپ کے پاس جلدی اس لئے آیا کہ آپ (زیادہ) خوش ہوں گے۔

اِلَيْكَ تاکہ آپ زیادہ خوش ہوں بعض لوگوں نے کہا تعمیل حکم میں جلدی اور وعدے کی وفا میں سبقت زیادتی خوشی کا موجب تھی، یہی حضرت موسیٰ کے کہنے کا مطلب تھا میں کہتا ہوں لِتَرْضٰى کا مطلب یہ ہے کہ محبت و شوق کی زیادتی، دیدار کی تمنا اور کلام سننے کی بے پایاں خواہش موجب تھی زیادتی مرضی کے حصول کی اسی لئے موسیٰ نے لِتَرْضٰى کہا۔

قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ اللہ نے فرمایا ہم نے تمہاری قوم کو ایک بلا میں مبتلا کر دیا ہے۔ فتن سے مراد ہے آزمائش کرنی جانچنا یا گمراہ کر دینا یعنی (سامری نے گوسالہ بنایا اس میں) ہماری طرف سے جانچ تھی کہ کون اس کی پوجا کرتا ہے اور کون نہیں کرتا یا یہ مطلب ہے کہ بچھڑے کی پوجا کی وجہ سے ہم نے تمہاری قوم کو گمراہ کر دیا۔

ایک شبہ

فَاِنَّا میں ف سببیت کے لئے ہے یعنی اس سے پہلے کا کلام بعد میں آنے والے کلام کا سبب ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تمہاری جلدی چلے آنے سے تمہاری قوم گمراہ ہوگئی تمہاری عجلت آمد قوم کی گمراہی کا سبب بن گئی۔ لیکن بظاہر تو موسیٰ کے پہلے چلے آنے سے قوم گمراہ نہیں ہوئی تھی (کیا موسیٰ اگر جلدی کر کے ستر آدمیوں سے پہلے نہ چلے آتے لور انکو ساتھ لے کر آتے تو کیا باقی قوم گمراہ نہ ہوتی) میں اس کے جواب میں کہتا ہوں پیغمبر کی رسالت کے دو مقصد ہیں (۱) وہ لوگوں کو اسلام اور اللہ کے احکام سکھائیں اور تعمیل کی دعوت دیں۔ (۲) لوگوں کو اپنی باطنی کشش کی قوت سے اللہ کی طرف کھینچیں اور ایمان و معرفت کا نور ان کے دلوں میں ڈالیں تاکہ ان کے سینے روشن ہو جائیں اور وہ حق کو حق اور باطل کو باطل جان لیں۔ لیکن انبیاء کے اس فریضہ کی مکمل ادائیگی اسی وقت ممکن ہے جب وہ مخلوق کی طرف کامل طور پر متوجہ ہوں حضرت موسیٰ پر بارگاہ الٰہی میں حاضری کا شوق اور ہم کلامی کی محبت کا اس وقت غلبہ تھا اور سکر کی حالت تھی اس لئے ان کی باطنی توجہ امت کی طرف باقی نہیں رہی تھی یہ ہی وجہ تھی کہ بنی اسرائیل فتنہ لور گمراہی میں مبتلا ہوگئے۔ یہیں سے بعض اہل تصوف نے کہا ہے کہ ولایت

Marfat.com

نبوت سے افضل ہے اس قول کی تشریح بعض اہل باطن نے اس طرح کی ہے کہ انبیاء کی ولایت ان کی نبوت سے افضل ہے کیونکہ ولایت کا تقاضا ہے استغراق اور فنافی اللہ اور ہر طرف سے توجہ کو ہٹا کر اللہ ہی کی طرف اپنا رخ کر کے ڈوب جانا اور نبوت کا تقاضا ہے (تبلیغ وہدایت کے لئے) مخلوق کی طرف رخ کرنا (اور ظاہر ہے کہ خالق کی طرف کامل توجہ مخلوق کی طرف رخ کرنے سے افضل ہے) تحقیق وہ ہے جو حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا کہ نبوت بہر حال ولایت سے افضل ہے۔ ولایت کسی نبی کی ہو یا غیر نبی کی بہر صورت اس کا مرتبہ نبوت سے نچلا ہے کیونکہ ولایت نام ہے تجلیات صفاتی کا اور نبوت عکس ہے تجلیات ذاتیہ کا۔

حضرت مجدد نے فرمایا، نبوت ہو یا ولایت ہر ایک کے دو رخ ہیں عروج و نزول بالائی رخ کی طرف اٹھنا اور زیریں رخ کی طرف اترنا۔ نبی ہو یا ولی مرتبہ عروج میں اس کی توجہ خالص اللہ کی طرف ہوتی ہے تاکہ خود اس کو کمال ذاتی اور ترقی مرتبہ حاصل ہو اور مرتبہ نزول میں دونوں کی توجہ مخلوق کی طرف ہوتی ہے تاکہ دوسروں کو کامل بنا سکیں اور دوسروں کو ان سے نور چننے کا موقع مل سکے نبی اور ولی کے درمیان مرتبہ عروج میں یہ فرق ہوتا ہے کہ ولی کا عروج صفات کی جانب ہوتا ہے ذات کی جانب نہیں (یعنی سیر صفاتی اس کے پیش نظر ہوتی ہے سیر ذات تک اس کی رسائی نہیں ہوتی) اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نزول کی حالت میں بھی مبدء فیض کی طرف اس کی کسی قدر توجہ رہتی ہے کامل طور پر وہ مخلوق کی طرف متوجہ نہیں ہو جاتا لیکن نبی مرتبہ نزول میں آ کر پورے طور پر مخلوق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور بظاہر نظر وہ اپنے آپ کو منقطع عن اللہ خیال کرتا ہے اور یہ کیفیت وحالت اس کے لئے بڑی شاق اور دشوار ہوتی ہے مگر حقیقت میں وہ اللہ سے اس حالت میں بھی منقطع نہیں ہوتا بلکہ اس کا رخ ذات کی طرف بھی ہوتا ہے اور اس کے سینے میں دونوں جانب متوجہ ہونے کی سمائی ہوتی ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے تب بھی غلط نہ ہو گا کہ حقیقت میں مخلوق کی طرف توجہ کرنے کی حالت میں بھی وہ اللہ ہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ کے حکم اذن اور مرضی سے ہی وہ خلق کی طرف متوجہ ہوتا ہے اسی لئے اس سیر نزولی کو سیر من اللہ باللہ (اللہ کی طرف سے اللہ کی مرضی اور حکم کے ساتھ سیر) کہتے ہیں ہم نے اس مسئلے کی تنقیح پورے طور پر سورۂ الم نشرح کی آیت فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا کی تفسیر کے ذیل میں کی ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور حضرت موسیٰ کو توریت عطا فرما دی تو اس وقت فرمایا اپنی قوم کے پاس لوٹ کر جاؤ ہم نے ان کی آزمائش کی ہے (جا کر دیکھو ان کی کیا حالت ہو گئی)

مِنۢ بَعۡدِكَ تمہارے بعد یعنی تمہارے پہاڑ کی طرف روانہ ہونے کے بعد۔

وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ ﴿۸۵﴾ اور سامری نے ان کو گمراہ کر دیا اللہ گمراہی کو پیدا کرنے والا ہے اسی نے بنی اسرائیل کے اندر گمراہی پیدا کی اور سامری کے اندر بھی گمراہی اسی کی پیدا کردہ تھی اس لئے فتنہ میں ڈالنے اور گمراہ کرنے کی نسبت (حقیقی) اپنی طرف کی لیکن عملی گمراہی پیدا کرنے والا اور گمراہ کرنے کا سبب سامری تھا، پس فاعل اضلال کی حیثیت سے سامری کو گمراہ کرنے والا قرار دیا۔

بغوی نے لکھا ہے بنی اسرائیل چھ لاکھ تھے، بارہ ہزار کے علاوہ باقی سب گمراہ اور گوسالہ پرست ہو گئے۔ سب نے بچھڑے کی پوجا کی۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ سامری مقام سامرہ کی طرف منسوب ہے یہ ایک کرمان کا رہنے والا کافر تھا یا بنی اسرائیل کا کوئی سردار تھا بیضاوی نے لکھا ہے سامرہ بنی اسرائیل کا ایک قبیلہ تھا جس کی طرف سامری منسوب تھا سامری کا نام موسیٰ بن ظفر تھا یہ منافق تھا۔

فَرَجَعَ مُوۡسٰۤى اِلٰى قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۚ غرض موسیٰ غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف واپس آئے۔ یعنی چلہ پورا کر کے توریت لینے کے بعد موسیٰ انتہائی غمگینی اور رنج و فکر کی حالت میں قوم کی طرف لوٹے۔

قَالَ يٰقَوۡمِ اَلَمۡ يَعِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ وَعۡدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيۡكُمُ الۡعَهۡدُ اَمۡ اَرَدتُّمۡ اَنۡ يَّحِلَّ عَلَيۡكُمۡ غَضَبٌ

Marfat.com

مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿۸۶﴾

کہنے لگے اے میری قوم کیا تم سے تمہارے رب نے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا کیا تم پر (میعاد مقررہ سے زائد) کچھ زمانہ گذر گیا تھا یا تم کو یہ منظور ہوا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب واقع ہو اس لئے تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا۔

قَالَ يٰقَوْمِ واپس آکر موسیٰ نے جب قوم کو بچھڑے کی پوجا میں مبتلا پایا تو کہا وَعْدًا حَسَنًا، یعنی توریت دینے کا وعدہ جو سراسر ہدایت اور نور تھی اَفَطَالَ سوال انکاری ہے یعنی تم میرے ساتھ تھے تو اللہ پر ایمان رکھتے تھے اس کو واحد مانتے تھے اسی کی تنہا عبادت کرتے تھے اور مجھ سے تم نے وعدہ کیا تھا کہ میرے بعد بھی اسی پر قائم رہو گے مگر میرے جدا ہونے کو زیادہ زمانہ نہیں گذرا کہ تمہاری یہ حالت ہو گئی اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ کہ تم پر تمہارے رب کا غضب واجب ہو جائے۔ بچھڑے کی پوجا کرنے کا مطلب تو یہ ہے کہ تم کو اپنے اوپر اللہ کا غضب نازل ہونا مقصود ہے یعنی تم نے ایسا کام کرنا چاہا جو موجب غضب الٰہی ہے۔

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا کہنے لگے (ایمان پر قائم رہنے کا جو وعدہ ہم نے آپ سے کیا تھا) آپ کے اس وعدے کی خلاف ورزی از خود نہیں کی۔ مَلک مِلک مُلک تینوں ہم معنی ہیں (کذا فی القاموس) یعنی ہم نے اختیار سے ایسا نہیں کیا اگر آدمی خدا کی طرف سے آزمائش اور مصیبت میں پڑ جاتا ہے تو (ظاہر ہے کہ) اس کا اپنے نفس پر قابو نہیں رہتا (اور باوجود با اختیار ہونے کے بے اختیار ہو جاتا ہے)

وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾

لیکن قوم (قبط) کے زیور کا (جو) بار ہم پر لدر رہا تھا سو ہم نے اس کو (سامری کے کہنے سے آگ میں) ڈال دیا پھر سامری نے بھی اسی طرح ڈال دیا۔ جب بنی اسرائیل مصر سے نکل کر جانے لگے تو قوم فرعون سے کچھ زیور بطور عاریت شادی میں شرکت کے نام سے لے لیا تھا۔ زِيْنَةِ الْقَوْمِ سے یہی زیور مراد ہے۔ کذا اخرج عبد بن حمید وابن ابی حاتم، عن ابن عباسؓ، بغوی نے لکھا ہے بنی اسرائیل نے قوم فرعون کے زیور اپنے اوپر بار اس لئے کہا کہ عاریۃً لیا تھا اور پھر واپس نہ کیا تھا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ فرعون اور اس کے ساتھی جب دریا میں ڈوب گئے تو دریا نے ان کا زیور باہر پھینک دیا بنی اسرائیل نے بطور مال غنیمت اس کو لے لیا لیکن مال غنیمت ان کے لئے جائز نہ تھا اس لئے انہوں نے اس کو بوجھ ہی کہا۔

فَقَذَفْنٰهَا ہم نے اس کو پھینک دیا یعنی ایک گڑھے میں بغوی نے لکھا بعض اہل روایت کا بیان ہے کہ سامری کے کہنے سے انہوں نے ایک گڑھا کھود کر سارا زیور اس میں ڈال دیا تاکہ موسیٰ جب واپس آئیں تو زیور کے متعلق شرعی حکم بتائیں۔

فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ یعنی سامری کے پاس جو زیور تھا اس کو سامری نے بھی اسی طرح گڑھے میں ڈال دیا تھا۔

سعید بن جبیر کی روایت سے حضرت ابن عباس کا بیان منقول ہے کہ حضرت ہارون نے آگ جلوا کر بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ تم لوگوں کے پاس جو زیور ہے وہ اس میں ڈال دو حکم کی تعمیل میں بنی اسرائیل نے سارا زیور آگ میں ڈال دیا، پھر سامری نے حضرت جبرئیل کے گھوڑے کے قدم کے نیچے کی خاک (جو اس کے پاس تھی) آگ میں ڈال دی۔ قتادہ نے کہا وہ خاک سامری نے اپنے عمامے کے گوشہ میں رکھ لی تھی۔

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۬ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾

پھر اس (سامری) نے ان لوگوں کے لئے ایک بچھڑا (بنا کر) ظاہر کیا کہ وہ ایک قالب تھا جس میں ایک بے معنی آواز تھی سو وہ (احمق لوگ) ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود تو یہ ہے موسیٰ تو بھول گئے (اور معبود کی تلاش میں کوہ طور پر چلے گئے) یا نَسِيَ کا یہ مطلب ہے کہ سامری بھول گیا (یعنی) اس نے ایمان کو ترک کر دیا اور اللہ کا منکر ہو گیا (گویا بھولنے سے مراد ہے بالکل ترک کر دینا) خوار سے گائے بیل کی آواز مراد ہے (جو بے معنی ہوتی ہے) فَقَالُوْا یعنی سامری اور اس کے ساتھیوں نے جب سب سے پہلے بچھڑے کو دیکھا تو کہنے لگے۔

Marfat.com

أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾

کیا وہ لوگ اتنا نہیں دیکھتے تھے کہ وہ نہ تو ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا تھا اور نہ ان کو کسی طرح کا نفع و نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتا تھا۔

استفہام انکاری اور دیکھنے سے مراد ہے جاننا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے (بے سمجھے) اس کو معبود بنالیا اتنا بھی نہ جانا کہ وہ کچھ بھی قدرت نہیں رکھتا اَلَّا یَرْجِعُ میں اَنْ مخففہ ہے یعنی اَنَّ تھا جس کو اَنْ کر لیا اور اس کا اسم ضمیر شان ہے جو محذوف ہے اصل میں لَنَّہٗ تھا (یعنی اَنْ ناصبہ مصدریہ نہیں ہے اسی لئے یَرْجِعُ پڑھا گیا یَرْجِعَ نہیں پڑھا گیا) تو لا یعنی وہ کوئی بات نہیں کر سکتا تھا نہ کوئی جواب دے سکتا تھا۔ اس کی کمزوری اور عاجزی تو پوجا کرنے والوں سے بھی زائد تھی۔ پھر انہوں نے اس کو کس طرح معبود بنا لیا۔ لَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا یعنی نہ فائدہ پہنچانا اس کی قدرت میں تھا نہ نقصان پہنچانا نہ نفع یا نقصان کو روکنا، بغوی نے لکھا ہے مروی ہے کہ سامری بچھڑا بنا رہا تھا کہ حضرت ہارون ادھر سے گزرے اور دریافت فرمایا کیا کر رہا ہے، سامری نے کہا میں ایسی چیز بنا رہا ہوں جو مفید ہوگی، ضرر رساں نہیں ہوگی آپ میرے لئے (کامیابی کی دعا کر دیجئے حضرت ہارون نے دعا کی اے اللہ یہ جو کچھ تجھ سے مانگ رہا ہے اس کو اس کی دلی مراد کے مطابق عطا فرمادے آپ کی دعا قبول ہوئی اور سامری نے جب بچھڑے کے منہ میں خاک ڈال دی تو بولا چیختا ہوا بچھڑا بن جا، چنانچہ ایسا ہی ہو گیا، حقیقت میں یہ اللہ کی طرف سے آزمائش تھی جس میں اللہ نے بنی اسرائیل کو مبتلا کر دیا تھا۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِن قَبْلُ يَا قَوْمِ إِنَّمَا فُتِنتُم بِهِ ۖ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَٰنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي ﴿٩٠﴾

اور ہارون ان لوگوں سے (موسیٰ کی واپسی سے) پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ میری قوم والو اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تم اس بچھڑے کی وجہ سے مصیبت میں پھنس گئے اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب رحمٰن ہی ہے پس میری راہ پر چلو اور میرا کہا مانو۔

فُتِنتُم بِهِ یعنی بچھڑے کے سبب تمہاری جانچ کی گئی ہے کہ تم توحید و ایمان پر قائم رہتے ہو یا بھٹک جاتے ہو وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَٰنُ یعنی تمہارا رب وہ ہے کہ تمہارا وجود اور لوازم وجود اسی کی رحمت کا نتیجہ ہے یہ بچھڑا تم کو کیا دے سکتا ہے۔ فَاتَّبِعُونِي یعنی میری راہ پر چلو اور رحمٰن وحدہ لا شریک لہ کی عبادت پر قائم رہو وَأَطِيعُوا أَمْرِي اور میرا حکم مانو بچھڑے کی پوجا چھوڑ دو۔

قَالُوا لَن نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عَاكِفِينَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ ﴿٩١﴾

انہوں نے جواب دیا کہ جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس آئیں ہم تو اس کی پوجا کرنے پر برابر جمے بیٹھے رہیں گے۔ علیہ اس پر یعنی اس کی پوجا پر۔ عاکفین قائم رہیں گے جمے رہیں گے اس جواب کے بعد حضرت ہارون اپنے ساتھ بارہ ہزار اشخاص کو لے کر باقی جماعت سے الگ ہو گئے۔ حضرت موسیٰ واپس آئے تو آپ نے دور سے کچھ شور و غل کی آواز سنی کیونکہ لوگ بچھڑے کے گرد ناچ کود کر رہے تھے اور شور برپا تھا، حضرت کے ساتھ جو ستر آدمی گئے تھے انہوں نے عرض کیا یہ آواز تو کسی فتنہ کی محسوس ہو رہی ہے کوئی فتنہ برپا ہو گیا۔ حضرت موسیٰ نے آکر لوگوں کو بچھڑے کے آس پاس ناچتے دیکھا تو غضب ناک ہو کر دائیں ہاتھ سے حضرت ہارون کے سر کے بال اور بائیں ہاتھ سے داڑھی پکڑلی۔

قَالَ يَا هَارُونُ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا ﴿٩٢﴾ أَلَّا تَتَّبِعَنِ ۖ

موسیٰ نے کہا اے ہارون جب تم نے (ان کو) دیکھا تھا کہ یہ بالکل گمراہ ہو گئے (اس وقت) تم کو میرے پاس چلے آنے سے کون سا امر مانع ہوا۔ چونکہ مانع اور داعی میں گہرا تعلق ہے جو کسی چیز سے مانع ہوتا ہے وہ اس چیز کو ترک کرنے کا داعی ہوتا ہے، اس لئے بعض لوگوں کے نزدیک مَنَعَ کا (مجازاً) معنی ہے دَعٰی یعنی کس چیز نے تم کو میرے اتباع نہ کرنے پر آمادہ کیا۔

جمہور کے نزدیک لا زائد ہے مطلب یہ ہے کہ میں نے تم کو وصیت کی تھی کہ ان لوگوں کو برابر توحید پر قائم رکھنے کی

Marfat.com

کوشش کرتے رہنا اور شرک سے روکنا خواہ زبان سے ہو یا (آخر میں) اسلحہ کی قوت سے تم نے میرے حکم کی پابندی کیوں نہیں کی، میرے حکم کی تعمیل کرنے سے تم کو کس چیز نے روکا۔

بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ میرے پیچھے آنے اور مجھے اس واقعہ کی اطلاع دینے سے کیا مانع ہوا تم نے ایسا کیوں نہیں کیا (اس مطلب پر اتباع سے مراد ہوگا حضرت موسیٰ کے پیچھے آنا اور اطلاع دینا)

اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ کیا تم نے میرے کہنے کے خلاف کیا پورا کلام اس طرح تھا کیا تم ان کی اس حرکت پر راضی ہوگئے اور میرے نافرمان بن گئے۔ استفہام انکاری ہے۔

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾

ہارون نے کہا اے میرے ماں جائے تم میری داڑھی مت پکڑو اور نہ سر کے بال پکڑو مجھ کو یہ اندیشہ ہوا کہ (کہیں) تم کہنے لگو کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفریق ڈال دی اور میری بات کا پاس نہیں کیا۔

یَابْنَ اُمَّ اے میری ماں جائے۔ بجائے بھائی کہنے کے ماں جائے کا لفظ رقت آفریں اور مہربانی طلب ہے اور حضرت موسیٰ کے دل میں اپنے لئے رقت پیدا کرنی مقصود تھی اس لئے اخی نہیں کہا اور یہ لفظ اختیار کیا بعض لوگ کہتے ہیں کہ موسیٰ اور ہارون اخیافی بھائی یعنی دونوں کی ماں ایک تھی، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ دونوں حقیقی بھائی تھے۔ بِرَاْسِیْ یعنی میرے سر کے بال پکڑ کر نہ کھینچئے۔ حضرت موسیٰ نے شدت غضب میں حضرت ہارونؑ کے سر کے بال پکڑ کر کھینچے تھے۔ اِنِّیْ خَشِیْتُ یعنی مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں ان گوسالہ پرستوں سے سختی سے کروں گا اور قتل و قتال سے کام لوں گا تو لامحالہ ان کے دو فرقے ہو جائیں گے ایک میرا حامی اور دوسرا وہ جس سے میں قتال کرتا اور پھر آپ کہتے کہ بنی اسرائیل کے تو نے دو ٹکڑے کر دیئے وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ اور میری بات کا لحاظ نہیں رکھا، میں نے تجھ سے کہا تھا کہ میری جگہ تو ان کی درستی اور اصلاح کرتے رہنا اور ظاہر ہے کہ اصلاح نرمی سے سمجھانے سے ہی ممکن ہو سکتی تھی اس لئے میں نے نرمی سے ان کو سمجھایا خوں ریزی نہیں کی۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ (پھر سامری کی طرف متوجہ ہو کر) موسیٰ نے کہا سامری تیرا کیا معاملہ ہے (تو نے ایسا کس طرح کیا)۔

بیضاوی نے لکھا ہے خَطْبٌ خَطَبَ الشَّیْءُ کا مصدر ہے اس کا معنی ہے طلب یعنی ایسی حرکت کرنے سے تیرا مقصد کیا تھا کس چیز نے تجھے ایسا کام کرنے پر آمادہ کیا۔ صاحب نہایہ نے لکھا ہے کہ خطب کا معنی ہے حال اور شان یعنی تیرا کیا حال ہے خطب ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے متعلق خطاب کیا جائے اسی لئے حال اور شان کو بھی خطب کہا جاتا ہے صاحب قاموس نے لکھا ہے خطب کا معنی ہے شان اور امر چھوٹا ہو یا بڑا۔

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾

اس نے کہا مجھے ایسی چیز نظر آئی تھی جو اوروں کو نظر نہیں آئی تھی پھر میں نے اس فرستادہ خداوندی کی سواری کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر (خاک) اٹھالی تھی پس میں نے وہ مٹھی خاک (اس قالب کے اندر) ڈال دی اور میرے جی کو یہی بات پسند آئی۔

قَبْضَةً ایک بار قبضہ کرنا اس سے مراد وہ شے بھی ہوتی ہے جو مٹھی میں لے لی جائے یہاں ایک مٹھی خاک مراد ہے اَثَرِ الرَّسُوْلِ (مضاف محذوف ہے) یعنی فرستادہ (خداوندی) کے گھوڑے کے نقش قدم سے فَنَبَذْتُهَا میں نے وہ خاک (بچھڑے کے قالب میں) ڈال دی۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ سامری نے وہ خاک حضرت جبرئیل کے گھوڑے کی ٹاپوں کے نیچے سے اٹھائی تھی کیونکہ اس کی پیدائش اس سال ہوئی تھی جس سال بنی اسرائیل کے نوزائیدہ قتل کئے جا رہے تھے سامری کی ماں نے اس کو لے جا کر ایک غار

Marfat.com

میں رکھ دیا تھا اللہ نے اس کی پرورش کے لئے حضرت جبرئیل کو مامور فرمادیا کیونکہ اس کے ہاتھوں سے ایک فتنہ بنی اسرائیل میں بپا کرانا تھا۔ جبرئیل اس کی غذائی پرورش کرتے رہے یہاں تک کہ یہ خود اپنے پیروں کا ہو گیا اس وقت یہ جبرئیل کو پہچانتا تھا (اور گھوڑے کے قدموں کے نیچے کی خاک کی حیات بخشی سے بھی واقف تھا وہی خاک اس کے پاس تھی جو اس نے بچھڑے کے کالبد کے منہ میں ڈال دی اور بچھڑا چیخنے لگا)

وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ اور میرے دل نے یہی بات پسند کی اور میری نظر میں اس فعل کو پسندیدہ بنادیا۔

قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهُ

موسیٰ نے کہا تو بس تیرے لئے (اس دنیا کی) زندگی میں یہ سزا ہے کہ تو کہتا پھرے گا چھونا نہیں (مجھے کوئی ہاتھ نہ لگانا) اور تیرے لئے (آخرت میں) ایک اور مقررہ وعدہ ہے جو تجھ سے ٹلنے والا نہیں۔ مساس علم مصدر ہے (نفی بمعنی نہی ہے) یعنی مجھے چھونا نہیں میرے قریب نہ آنا میں کہتا ہوں شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اللہ نے اس کے دل میں انسانوں سے وحشت پیدا کر دی ہو اسی لئے وہ جنگلوں اور ویرانوں میں مارا مارا پھرتا تھا اسی حالت میں مر گیا، بغوی نے لکھا ہے حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو حکم دے دیا تھا کہ اس سے میل جول نہ رکھنا اس کے پاس بھی نہ جانا۔ حضرت ابن عباس نے لا مساس کی تفسیر میں فرمایا نہ تجھے چھونا ہے نہ تیری اولاد کو (یعنی نہ تجھے کوئی چھوئے گا نہ تیری اولاد کو) مَوْعِدًا یعنی آخرت میں عذاب کا اللہ کی طرف سے مقرر وعدہ ہے۔

وَانْظُرْ إِلٰى إِلٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾

اور تو اپنے اس معبود کو دیکھ جس (کی عبادت) پر تو جما بیٹھا تھا ہم اس کو جلادیں گے (جلا کر خاک کر دیں گے) پھر اس کی (راکھ) کو دریا میں بکھیر کر بہادیں گے۔

اِلٰهَكَ یعنی تیرے باطل خیال میں جو تیرا معبود تھا اس کو دیکھ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ہم اس کو آگ میں جلا ڈالیں گے یا ریتی سے بالکل گھس ڈالیں گے۔ حَرَقَ ریتی سے گھس ڈالا۔ باب افعال میں حَرَّقَ کو لے گئے تو گھسنے میں مبالغہ کا مفہوم پیدا ہو گیا بالکل گھس ڈالنا لَنَنْسِفَنَّهٗ خاک اور راکھ کو یا گھسے ہوئے چورے کو بکھیر دیں گے اڑادیں گے، دریا میں بکھیر کر بہادیں گے پھر اس کی خاک کا کوئی ذرہ بھی ہاتھ نہیں لگے گا ان بیوقوفوں کی حماقت کو ظاہر کرنے کے لئے حضرت موسیٰ نے ایسا کیا تھا۔

إِنَّمَا إِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾ حقیقت میں تمہارا معبود یعنی تمہاری عبادت کا مستحق صرف اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں (کیونکہ علم کی ہمہ گیری اور کمال قدرت میں کوئی اس جیسا نہیں بلکہ اس کی برابری کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتا) اس کا علم ہر چیز کو (اپنے اندر) سمائے ہوئے ہے یہ بچھڑا معبود کیسے ہو سکتا ہے جس کو اول سونے چاندی کو پگھلا کر ڈھالا گیا بنایا گیا پھر اس کو خاک بنایا جائے گا اگر یہ زندہ بھی ہوتا تو انتہا بے وقوف ہوتا کہ لوگ بیوقوفی میں اس کو ضرب المثل بناتے (اور کہتے یہ بیل ہے)

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾

اسی طرح ہم تم سے واقعات گزشتہ کی کچھ خبریں بیان کرتے رہتے ہیں اور ہم نے تم کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ دیا ہے۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ یعنی جس طرح ہم نے تم کو موسیٰ کا قصہ سنایا اسی طرح ہم گزشتہ اقوام کے سابقہ احوال و واقعات بیان کرتے ہیں تاکہ تم کو بصیرت حاصل ہو تمہارے علم میں افزونی ہو معجزات میں اضافہ ہو اور تمہاری امت کے بصیرت اندوز لوگوں کے لئے سرمایہ نصیحت و بیداری حاصل ہو۔

وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ذکر سے مراد ہے قرآن مجید، یعنی ہم نے تم کو ایسا قرآن عطا کیا ہے جس میں اقوام ماضیہ کے واقعات درج ہیں یہ قابل غور و فکر یادداشت اور نصیحت نامہ ہے بعض علماء کے نزدیک ذکر سے مراد ہے رسول اللہ ﷺ کا بہترین ذکر اور آپ کی عظیم الشان شہرت اور قیامت تک قائم رہنے والا تذکرہ، یعنی ہم نے اپنی جانب سے تم کو شہرت اور اعلیٰ نام

Marfat.com

آوری عطا کی۔ بعض اہل تفسیر نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا کہ میں نے تمہارے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ اذان میں اقامت میں تشہد میں اور (کلمہ وغیرہ جیسی) دوسری چیزوں میں ملا دیا۔

مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ یَحْمِلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾

جو لوگ اس سے منہ موڑیں گے وہ قیامت کے دن بھاری بوجھ (عذاب کا) اپنے اوپر لادے ہوں گے اور وہ اس (عذاب) میں ہمیشہ رہیں گے اور قیامت کے دن یہ بوجھ ان کے لئے (بہت) برا بوجھ ہوگا۔ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ یعنی جو شخص قرآن سے منہ موڑے گا اس کو نہیں مانے گا اور اس پر عمل نہیں کرے گا یا عنہ کی ضمیر ذکر کی طرف یا اللہ کی طرف راجع ہے یعنی جو تمہارے ذکر سے یا اللہ سے منہ موڑے گا۔

وِزْرًا، یعنی گناہوں کا بھاری بوجھ۔ سورۂ مریم کی آیت یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا کی تشریح میں عمرو بن قیس ملائی کی روایت کردہ حدیث ہم نے ذکر کر دی ہے اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ کافر کے سامنے اس کا برا عمل بہت ہی مکروہ شکل اور سڑاند کے ساتھ آئے گا اور کافر سے کہے گا کیا تو مجھے نہیں پہچانتا کافر جواب دے گا نہیں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اللہ نے تیری شکل بڑی مکروہ اور تیری بو بہت سڑی ہوئی بنائی ہے عمل کہے گا میں دنیا میں بھی ایسا ہی تھا میں تیرا عمل ہوں دنیا میں طویل مدت تک تو مجھ پر سوار رہا آج میں تجھ پر سوار ہوں گا، پھر حضور اقدس ؐ نے پڑھا وَهُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰی ظُهُوْرِهِمْ گناہ کو ایک بھاری بوجھ قرار دیا کیونکہ جس طرح بھاری بوجھ اگر پشت پر لدا ہو تو کمر ٹوٹنے لگتی ہے اسی طرح گناہوں کا عذاب بھی ناقابل برداشت ہوگا جس پر پڑے گا اس کو اٹھانے میں انتہائی دشواری ہوگی۔ فِیْهِ یعنی بار گناہ کی سزا میں۔

آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو قرآن سے روگردانی کرے گا وہ قیامت کے دن اپنے کندھے پر اس مال کا بار اٹھائے گا جو دنیا میں اس نے ناجائز طور پر بغیر استحقاق کے لیا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص کوئی چیز دنیا کی اپنے حق کے بغیر نہ لے ورنہ جب اللہ کے سامنے وہ جائے گا تو وہ چیز قیامت کے دن اس کے اوپر سوار ہوگی میں تم میں سے کسی شخص کو اللہ کے سامنے اپنے اوپر بلبلاتے اونٹ ڈونکتی گائے اور منمناتی بکری کو لادے ہوئے نہ پاؤں۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین عن ابی حمید الساعدی۔

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے بالشت بھر زمین ناحق لی قیامت کے دن اس کو سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔

طبرانی نے حضرت حکم بن حارث سلمی کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مسلمانوں کے راستہ کی بالشت بھر زمین لی وہ سات زمینوں سے اس کو اپنے اوپر لادے ہوئے (قیامت کے دن) آئے گا۔

امام احمد اور طبرانی نے حضرت یعلی بن مرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے جس نے بالشت بھر زمین ناحق لی اللہ اس کو مکلف کرے گا کہ بالشت بھر کا گڑھا زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا اور لوگوں کا فیصلہ ہونے تک یہ طوق گلے میں پڑا رہے گا۔

طبرانی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے بالشت بھر زمین ناحق لی، وہ قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق پہنے ہوئے آئے گا۔ امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابو مالک اشعری کی روایت سے بھی یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے۔

امام احمد اور شیخین نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ (ایک روز خطاب کرنے کے لئے) کھڑے ہوئے اور مال غنیمت میں خیانت کرنے کی بڑی برائی کی پھر فرمایا ایسا نہ ہو کہ میں قیامت کے دن تم میں سے کسی کو ایسی حالت میں پاؤں کہ بلبلاتے اونٹ کو اپنے گردن پر سوار کئے آرہا ہو اور مجھ سے کہہ رہا ہو یا رسول اللہ میری مدد کیجئے۔ میں کہہ دوں گا کہ اللہ کے مقابلہ میں، میں تیرے لئے (اب) کچھ نہیں کر سکتا۔ میں نے تجھے پیام پہنچا دیا حضورؐ نے اس حدیث میں اسی

Marfat.com

گردن پر ہنہناتے گھوڑے اور ممناتی بکری کے سوار ہونے کا تذکرہ فرمایا تھا، ابویعلیٰ اور بزار نے حضرت عمر بن خطاب کی روایت سے بھی اسی طرح یہ حدیث بیان کی ہے مال زکوٰۃ وصول کرنے والے اگر اس میں خیانت کریں تو اسی مضمون کی حدیث سعد بن عبادہ کی روایت سے امام احمد نے اور حضرت ابن عمرؓ و حضرت عائشہ کی روایت سے بزار نے اور حضرت ابن عباس و حضرت عبادہ بن صامت و حضرت ابن مسعود کی روایت سے طبرانی نے بیان کی ہے۔

ابو نعیم نے حلیہ میں اور طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنی ضرورت سے زیادہ کوئی مکان بنایا اس کو مجبور کیا جائے گا کہ اس کو کندھے پر اٹھائے، ابوداؤد ابن ماجہ اور طبرانی نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کسی انصاری کے (تعمیر کردہ) ایک قبہ (گول کرہ) کی طرف سے گزرنے اور دست مبارک سے اپنے سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جو عمارت اس سے زائد ہو گی وہ قیامت کے دن اس عمارت کے مالک کے لئے مصیبت ہو گی اس مکان کے مالک کو یہ اطلاع پہنچی (حضور ﷺ نے ایسا فرمایا ہے) تو انہوں نے اس عمارت کو ڈھا دیا۔ طبرانی نے حضرت واثلہ بن اسقع کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث بیان کی ہے۔

منذری نے کہا اس حدیث کے دوسرے شواہد بھی ہیں۔ طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک کنویں کی طرف سے جس سے پانی سینچا جا رہا تھا۔ گزرے فرمایا اس کنویں کا مالک اگر اس کا حق ادا نہیں کرے گا تو قیامت کے دن اس کو یہ کنواں اپنے اوپر لادنا ہو گا۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿١٠٢﴾

جس روز صور میں پھونک ماری جائے گی اور ہم اس روز مجرموں کو اس حالت سے جمع کریں گے کہ وہ کرنجے ہوں گے۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں آیا ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے صور کے متعلق دریافت کیا حضور ﷺ نے فرمایا ایک سینگ ہو گا جس کے اندر پھونکا جائے گا، رواہ ابوداؤد و الترمذی و النسائی و ابن حبان و الحاکم و البیہقی و ابن المبارک۔ نسائی نے اس حدیث کو حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے مسدد نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔ زرقا سے مراد ہے نیلی آنکھوں والے، آنکھ کی سیاہی میں سبزی کی آمیزش کو زرقت کہتے ہیں عرب کے نزدیک ایسے رنگ کی آنکھ بہت بدنما اور بری مانی جاتی ہے رومیوں کی آنکھیں اسی رنگ کی ہوتی تھیں اور رومی عربوں کے دشمن تھے، قیامت کے دن کافروں کے چہرے کالے اور آنکھیں نیلی ہوں گی۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک زرقا سے مراد ہیں نابینا آنکھوں والے نابینائی آنکھ ازرق ہو جاتی ہے، دوسری آیت سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے دوسری جگہ فرمایا ہے وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَعْمٰى بعض نے کہا زرقا سے مراد ہے پیاسے۔

يَتَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ﴿١٠٣﴾ چپکے چپکے آپس میں باتیں کرتے ہوں گے کہ تم لوگ صرف دس روز قبروں میں رہے ہو گے۔ چونکہ ان کے دل مرعوب اور ہول زدہ ہوں گے اس لئے چپکے چپکے باہم کہیں گے کہ تم لوگ دنیا میں صرف دس رات رہے یعنی بہت جلد دنیوی زندگی ختم ہو گئی۔ دس رات سے قلیل مدت مراد ہے جو مدت گذر گئی وہ ان کو قلیل ہی معلوم ہو گی اور آخرت کے مقابلہ میں تو ان کو دنیا کا قیام خصوصیت کے ساتھ قلیل محسوس ہی ہو گا، یا یوں کہا جائے کہ شدائد آخرت سامنے آنے کے بعد ان کو افسوس ہو گا کہ ہم نے دنیوی زندگی، نفسانی خواہشات پوری کرنے میں کھودی اور چند روزہ زندگی کو بیکار ضائع کر دیا۔ بعض اہل تفسیر نے کہا کہ قبروں کے اندر ٹھہرنے کو وہ دس روزہ قیام سے تعبیر کریں گے۔ بعض نے کہا کہ صور فنا اور صور بعث کے درمیان مدت چالیس سال کی ہو گی ان دونوں صوروں کے درمیان ان پر کوئی عذاب نہ ہو گا۔ (اور آرام کی مدت قلیل ہی معلوم ہوتی ہے اس لئے وہ چالیس سال کو دس روز کہیں گے)

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾

ع ۵ / ۱۴

Marfat.com

جس مدت کے متعلق وہ (اپنے اندازے سے) کہیں گے ہم خوب جانتے ہیں (کہ وہ کتنی ہوگی) جب کہ ان کا سب سے صائب الرائے یوں کہتا ہوگا کہ نہیں ہم تو ایک ہی روز (قبر میں) رہے اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً یعنی زیادہ سمجھدار اور بھرپور عقل والا اور سب سے بڑھ کر معتدل العقل یا معتدل العمل۔ اس قول کے قائل کو اللہ نے زیادہ صائب الرائے قرار دیا، کیونکہ آخرت کے طول کے مقابلہ میں دنیوی مدت انتہائی کم ہے اور اس قول میں کمترین مدت کا ہی اظہار کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ کسی ثقفی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا قیامت کے دن ان پہاڑوں کا کیا ہوگا۔ اس کے جواب میں آیت ذیل نازل ہوئی (رواہ البغوی) بعض نے کہا سوال کسی نے نہیں کیا تھا آیت میں جو جواب ہے وہ بر تقدیر سوال ہے یعنی اگر وہ سوال کریں تو آپ یہ جواب دیں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّىْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾

اور وہ آپ سے پہاڑوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں (کہ قیامت کے دن ان کا کیا ہوگا) سو آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دے گا پھر ان کو ایک چٹیل ہموار میدان (میں تبدیل) کر دے گا کہ جس میں آپ کو نہ ناہمواری دکھائی دے گی نہ (کہیں) بلندی۔ ابن المنذر نے ابن جریج کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قریش نے سوال کیا تھا قیامت کے دن آپ کا رب ان پہاڑوں کا کیا کرے گا اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

صحیح بات یہ ہے کہ کوئی خاص سائل نہ تھا اور بر تقدیر سوال جواب کی تعلیم دی گئی ہے کیونکہ فَقُلْ میں ف کا لانا بتا رہا ہے کہ یہ ف جزائیہ ہے اور شرط محذوف ہے یعنی اگر لوگ سوال کریں تو یہ جواب دیجئے دوسری آیات میں بھی سوالات کے جوابوں کی تعلیم دی گئی ہے لیکن وہاں چونکہ کوئی شرط محذوف ہے نہ مذکور اس لئے قل سے پہلے ف نہیں ذکر کی گئی مثلاً فرمایا ہے وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وغیرہ۔

يَنْسِفُهَا یعنی ان کو جڑ سے اکھاڑ دے گا اور ریت کی طرح ریزہ ریزہ کر دے گا نَسْفٌ جڑ سے اکھاڑ دینا۔ ہا ضمیر زمین کی طرف راجع ہے اگرچہ زمین کا ذکر پہلے نہیں آیا کیونکہ جبال کا لفظ اپنی قرارگاہ یعنی زمین پر دلالت کر رہا ہے قاع نرم نشیبی زمین جس کے ادھر ادھر پہاڑیاں اور ٹیلے ہٹ گئے ہوں، ہموار زمین نکل آئی ہو (قاموس) صَفْصَفٌ ہموار میدان قاموس عِوَجٌ کجی موڑ۔ اَمْتٌ ابھار۔ یعنی پہاڑوں کے تین احوال ہوں گے دیکھنے میں وہ ہموار چٹیل میدان محسوس ہوں گے اور نشیب فراز جانچنے کے آلہ سے دیکھو تو نہ ان میں کوئی کجی نظر آئے گی نہ ابھار۔

يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِىَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾

اس روز (سب کے سب خدا کی طرف سے) بلانے والے کے کہنے پر ہولیں گے اس کے سامنے کسی کا ٹیڑھا پن نہیں رہے گا اور ساری آوازیں رحمٰن کے سامنے (اس کی ہیبت کی وجہ سے) دب جائیں گی پس اے مخاطب تجھے پاؤں کی آہٹ کے سوا اور کوئی آواز سنائی نہیں دے گی۔

داعی یعنی اسرافیل میدان حشر کی طرف سب کو بلائیں گے اور صخرۂ بیت المقدس پر کھڑے پکار کر کہہ رہے ہوں گے اے بوسیدہ ہڈیو! اے پارہ پارہ کھالو! اے ٹوٹے بالو! تم کو اللہ فیصلے کے لئے جمع ہونے کا حکم دیتا ہے (سب آجاؤ) ابن عساکر نے زید بن جابر شافعی کی روایت سے اسی طرح بیان کیا ہے عِوَجَ لَهٗ یعنی پکارے جانے پر بلانے والے سے دائیں بائیں طرف کو نہیں مڑیں گے بلکہ سیدھے تیزی کے ساتھ داعی کی دعوت پر آئیں گے۔ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ اور رحمٰن کی ہیبت سے آوازیں پست ہو جائیں گی دب جائیں گی۔

فَلَا تَسْمَعُ ف سببیہ ہے اور خطاب ہر شخص کو ہے یعنی اسی سبب سے اے مخاطب تو کسی کی آواز نہ سن پائے گا ہَمْسٌ

Marfat.com

خفیف آواز جیسے چلنے میں اونٹوں کے پاؤں کی۔ بغوی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ ہمس کا معنی ہے چپکے چپکے بات کرنا اور پست آواز۔ سعید بن جبیر نے اس کی تشریح میں حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا کہ بغیر بات کئے لب ہلانا (کہ کوئی بات ادا نہ ہو) ابن ابی جارود نے بحوالہ ابو طلحہ حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا کہ بغیر بات کئے لب ہلانا (کہ کوئی بات ادا نہ ہو) ابن ابی جارود نے بحوالہ ابو طلحہ حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا کہ قاعاً یعنی ہموار، صفصفاً یعنی اس میں کوئی سبزہ نہ ہوگا، چٹیل میدان ہوگا عوج وادی (گڑھا) امت ٹیلہ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ آوازیں ساکن ہو جائیں گی۔ ہمسا خفی آواز۔ دوسرے طریق روایت سے حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے چٹیل چکنی زمین نہ اس میں کوئی مکان بلند ہوگا نہ نشیب۔ ایک اور سند سے حضرت ابن عباس کا قول مروی ہے کہ ہمس سے مراد ہے پاؤں کی چاپ، یعنی آدمیوں کے قدموں کی آواز جب ان کو میدان حشر کی طرف لایا جائے گا۔

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾

اس روز (کسی کو کسی کی) سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کے واسطے جس کے لئے رحمٰن نے اجازت دے دی ہو اور اس شخص کے واسطے بولنا پسند کر لیا ہو۔

مَنْ یا محل رفع میں ہے اور لفظ شفاعت مضاف محذوف ہے یعنی کسی کو کسی کی شفاعت فائدہ نہیں دے گی ہاں اس شخص کی شفاعت فائدہ دے گی جس کو شفاعت کرنے کی اللہ نے اجازت دے دی ہو گی۔ یا مَنْ محل نصب میں ہے یعنی کسی کو کسی کی شفاعت مفید نہ ہو گی ہاں اس شخص کو سفارش فائدہ دے گی جس کے لئے سفارش کرنے کی اللہ نے اجازت دے دی ہو گی۔

وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا یعنی اس شفیع کی شفاعت کو اللہ نے پسند کیا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ شفیع عند اللہ معزز ہو گا اللہ اس کو شفاعت کرنے کی اجازت دے گا اور اس کی سفارشی گزارش کو پسند فرمائے گا یا یہ مطلب ہے کہ اس گناہ گار کے حق میں اللہ نے سفارشی کے قول کو پسند کیا ہو۔ (اول مطلب اس وقت ہو گا جب مَنْ کو محل رفع میں مانا جائے اور دوسرا مطلب اس وقت ہو گا جب مَنْ کو محل نصب میں قرار دیا جائے)

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ وہ ان سب کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے اور اس کو ان کا علم احاطہ نہیں کر سکتا۔

مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ یعنی سفارش کرنیوالوں اور جن کی سفارش ہو گی ان کے آگے آنے والے احوال کو اللہ جانتا ہے وَمَا خَلْفَهُمْ یعنی دنیا میں اور قبروں میں جو احوال ان کے تھے ان کو بھی اللہ جانتا ہے۔ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا یعنی ان کا علم اللہ کی معلومات کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ اور (اس روز) تمام چہرے اس حَیّ و قَیُّوم کے سامنے جھکے ہوں گے۔ عَنَتْ ذلیل ہوں گے عاجز ہوں گے جیسے قیدی بادشاہ کے سامنے ذلیل و عاجز ہوتے ہیں عَنَا يَعْنُو عَنَاءً (نَصَرَ) تھک گیا تَعْنِیْ تکلیف جھیلی۔ بغوی نے لکھا ہے عَانِی بمعنی قیدی اسی (باب نصر عَنَا يَعْنُو) سے ہے۔ اَلْحَیُّ وہ ذات جو کبھی نہیں مرے گی اور اس پر موت ہی نہ آنی چاہئے۔ کیونکہ جس پر موت کا طاری ہونا ممکن ہو وہ حقیقت میں مَیِّت (یعنی معدوم الاصل) ہی ہوتا ہے اور اللہ معدوم الاصل نہیں اس لئے اس پر موت آنا ناممکن ہے۔ اَلْقَیُّوْمُ تھامے ہوئے ہر شخص جو کچھ کرتا ہے اس کے تمام اعمال کو تھامے ہوئے اور ساری مخلوق کے انتظام کو تھامے ہوئے۔ چہروں سے مراد ہیں چہروں والے۔ لفظ الوجوہ بظاہر تمام چہروں کو شامل ہے یعنی ہر شخص اللہ کے سامنے جھکا ہو گا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صرف مجرموں کے چہرے مراد ہوں اور الوجوہ میں الف لام مضاف الیہ کے عوض لایا گیا ہو۔ یعنی وجوہ المجرمین۔

وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ اور ایسا شخص تو (ہر طرح) ناکام رہے گا جو ظلم (یعنی شرک) لے کر آیا ہو گا۔ ظلم سے مراد ہے شرک حضرت ابن عباس نے آیت کی تشریح میں فرمایا گھاٹے میں رہے گا جس نے اللہ کا کسی کو

Marfat.com

شریک قرار دیا۔
طلق بن حبیب کے نزدیک عناؤ سے مراد ہے سجدہ کرنا اس تفسیر پر آیت کا مطلب اس طرح ہوگا تمام چہرے حی و قیوم کو سجدہ کرتے ہیں اور جو شخص شرک کرے اور اللہ کو سجدہ نہ کرے وہ ناکام رہے گا۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾

اور جس نے نیک کام ایمان دار ہونے کی حالت میں کئے ہوں گے سو اس کو نہ کسی زیادتی کا اندیشہ ہوگا اور نہ کمی کا مِنَ الصّٰلِحٰتِ میں مِنْ بمعنی بعض نیک کام، مراد فرائض کی ادائیگی۔ یا مِنْ ابتدائیہ ہے اور صَالِحَات سے مراد ہیں صحیح درست نیتیں، یعنی جس نے نیک نیت سے کوئی کام کیا ہوگا۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ جملہ حالیہ ہے یعنی نیک کام بحالت ایمان کئے ہوں تمام عبادات، طاعات اور نیک کاموں کے قبول ہونے کی لازمی شرط ایمان ہے۔
فَلَا يَخٰفُ جزا محذوف ہے ف سببیت کے لئے ہے۔ یعنی محذوف جزا کی علت بے خوفی ہے مطلب یہ ہے کہ جو مومن نیک کام کرے گا وہ کامیاب ہوگا کیونکہ وہ حق تلفی سے بے خوف ہوگا۔ یا لَا يَخٰفُ خبر ہے ہُوَ ضمیر مبتداء محذوف ہے پس وہ نہیں ڈرے گا۔ ظُلْمًا یعنی گناہوں میں اضافہ کردیئے جانے کا اس کو اندیشہ نہ ہوگا۔ وَلَا هَضْمًا اور نہ نیکیوں کے ثواب کم ہونے کا اس کو خوف ہوگا۔ کذا قال ابن عباسؓ حسن نے تفسیری مطلب اس طرح بیان کیا ہے نہ اس کو نیکیوں کے ثواب میں کمی ہونے کا اندیشہ ہوگا۔ اور نہ اس امر کا خوف ہوگا کہ دوسرے گناہ گار کے گناہ اس پر لادیئے جائیں۔ ضحاک نے کہا اس کو ناکردہ گناہ میں پکڑے جانے کا اندیشہ نہ ہوگا اور نہ کسی عمل کی اچھائی تلف ہونے کا خطرہ۔ هَضْمٌ کا لغوی معنی ہے کم کرنا اور توڑنا هَضْمُ الطَّعَامِ اسی سے بنا ہے (معدہ کے اندر کھانے کا ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہوجانا)

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾

اور ہم نے اسی طرح اس کو عربی قرآن کر کے نازل کیا ہے اور اس میں ہم نے طرح طرح سے وعید بیان کی ہے تاکہ وہ (سننے والے) ڈر جائیں یا یہ قرآن ان کے لئے (کسی قدر تو) سمجھ پیدا کر دے۔

یعنی جس طرح ہم نے گزشتہ اقوال اور سابق امتوں کے واقعات آپ پر نازل کئے اسی طرح یہ قرآن بھی عربی میں نازل کیا جو ہماری طرف سے نازل کردہ ہے اور اس میں نیک ایمانداروں کے لئے اچھے ثواب کا وعدہ اور کافروں بدکاروں کے لئے برے عذاب کی وعید ہے۔ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا یعنی جو قرآن ہم نے نازل کیا وہ عربی زبان میں پڑھا جاتا ہے سب کا اسلوب اور طرز ایک ہے سارا قرآن معجز ہے۔ وَصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ اور طرح طرح سے گھما پھرا کر بار بار وعید کی آیات بیان کیں تاکہ لوگ شرک اور معاصی سے پرہیز رکھیں اور تقویٰ کی پائیدار قوت ان کے اندر پیدا ہوجائے یا (اگر کامل تقویٰ کی راسخ قوت ان کے اندر پیدا نہ بھی ہو تب بھی) یہ قرآن سننے والوں کے لئے کسی قدر نصیحت ہی پیدا کر دے گا اور گناہوں سے وہ کچھ تو بچ جائیں۔
ایک شبہ: يَتَّقُوْنَ میں نسبت سننے والوں کی طرف کی گئی، کیونکہ تقویٰ ان ہی کے اندر ایک راسخ لازوال قوت ہو سکتا ہے اگر وہ ہی شرک و معاصی سے پرہیز کریں گے تو تقویٰ ان کے لئے مستحکم صفت اور راسخ قوت بن جائے گا اگر یہ نہ ہو سکا تو کم سے کم اتنا تو ہو ہی جائے گا کہ قرآن کے ذریعہ سے اللہ ان کو کچھ نصیحت و موعظت ہی عطا فرما دے (خواہ تقویٰ کے درجہ تک وہ نہ پہنچیں) احداث ذکر کی نسبت قرآن کی طرف مجازی ہے۔ قرآن سبب نصیحت پذیری ہے، فاعل حقیقی اور نصیحت پیدا کرنے والا تو خدا ہے۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک اَوْ يُحْدِثُ اَوْ بمعنی واؤ ہے (اس صورت میں مطلب زیادہ واضح ہو جائے گا کہ قرآن اس لئے نازل کیا ہے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔ اور قرآن ان کے لئے نصیحت پیدا کر دے) فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ

سو اللہ تعالیٰ جو بادشاہ حقیقی ہے بڑا عالی شان ہے فَتَعٰلَى اللّٰهُ یعنی جس طرح اللہ اپنی ذات و صفات میں مشابہت مخلوق سے پاک ہے اسی طرح اس کا کلام بھی مخلوق کے کلام کی مماثلت سے اعلیٰ اور بالا ہے پس وہ برتر اور منزہ ہے مشرکوں کے شرکیہ

Marfat.com

اقوال سے۔ میں کہتا ہوں، بلکہ وہ ان لوگوں کے بیان سے بھی برتر وبالا ہے جو اس کے اوصاف کامل طور پر بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کوئی اس کی ذات و صفات کو پورا پورا بیان نہیں کر سکتا۔ اَللّٰھُمَّ لَا اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ عَلٰی مَا اَرَدْتَّ

اَلْمَلِکُ یعنی وہ ایسا بادشاہ ہے جس کا حکم نافذ ہے جس کی حکومت ہمیشہ سے ہے جس کا غلبہ ہمہ گیر اور عظیم الشان ہے اَلْحَقُّ یعنی اس کا وجود اور تمام صفات اور اقتدار ذاتی ہے (کسی کا عطا کردہ نہیں ہے) فناء بگاڑ اور زوال کا اس کے اقتدار، حکومت اور صفات وذات میں کوئی احتمال ہی نہیں ہے۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰۤى اِلَیْكَ وَحْیُهٗ٘ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾

اور قرآن پڑھنے میں قبل اس کے کہ آپ پر اس کی وحی پوری نازل ہو عجلت نہ کیجئے اور کہئے کہ اے میرے رب میرا علم بڑھادے۔

یعنی جب تک جبرئیل پوری وحی پہنچا نہ چکیں آپ قرآن پڑھنے میں عجلت نہ کیجئے مطلب یہ ہے کہ جب تک جبرئیل وحی پہنچا نہ چکیں آپ قرآن پڑھنا شروع نہ کیجئے۔ آیت لَا تُحَرِّکْ بِهٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهٖ میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔

مجاہد اور قتادہ نے آیت کا تفسیری مطلب یہ بیان کیا ہے کہ صحابہ کو قرآن پڑھانا اور لکھوانا اس وقت تک شروع نہ کیجئے جب تک آپ کے لئے اس کا مطلب اور معنی واضح نہ ہو جائے گویا مکمل بیان آنے سے پہلے مجمل آیات کی تبلیغ (اور توضیح) کی ممانعت کی گئی ہے بلکہ جلدی کرنے کی جگہ آپ زیادتی علم کی درخواست کیجئے اور دعا کیجئے کہ پروردگار جو علم تو نے مجھے عنایت کیا ہے اس میں اور ترقی عطا کر اس کی وجہ یہ ہے کہ جو وحی آگئی وہ تو بہرحال پوری آکر رہے گی (اور یاد بھی ہو جائے گی اس میں عجلت بے سود ہے۔

ع ۱۱ ۱۵ وَلَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾

اور اس سے (بہت زمانہ) پہلے ہم آدم کو ایک حکم دے چکے تھے سو اس سے بھول اور (بے احتیاطی) ہو گئی اور ہم نے اس کے اندر پختگی نہیں پائی۔ عَهِدْنَا ہم نے آدم کو حکم دیا اور نصیحت کردی کہ درخت کے قریب نہ جائے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے عَهِدَ اِلَیْهِ اس کو حکم دے دیا نصیحت کردی فَنَسِیَ یعنی وہ حکم کو بھول گیا اور درخت سے بچے رہنے کا جو اس کو حکم دیا گیا تھا اس کو چھوڑ بیٹھا۔ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا اور حکم کو یاد رکھنے کی کوشش ہم نے اس کے اندر نہیں پائی یا جس چیز سے روکا گیا اس سے باز رہنے پر صبر اس کے اندر نہیں پایا۔ لغت میں عزم کا معنی ہے کسی کام کو کرنے کا پختہ ارادہ کر لینا۔ اِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّکَاحِ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ تینوں آیات میں عزم کا معنی پختہ ارادہ ہی ہے۔ قاموس میں ہے عزم علیہ اس کام کو کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ بالکل طے کر لیا کہ ایسا ہی کرنا ہے۔ یا اس کام کی کوشش کی (دونوں معنی آتے ہیں) نہایہ میں ہے، عزم کوشش اور صبر۔ میں کہتا ہوں اگر کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیا تو اس کا تقاضا ہے کہ اس کو کرنے کی کوشش کی جائے اور جو دشواریاں اور مشکلات راستہ میں آئیں ان پر صبر کیا جائے۔

بعض اہل تفسیر نے لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا کا مطلب یہ لکھا ہے کہ ہم نے آدم کے دل میں نافرمانی کرنے کا ارادہ نہیں پایا وہ بھول گیا اس سے چوک ہو گئی[۱]۔ صاحب کشاف (زمخشری) اور بیضاوی نے کہا ہے کہ لَقَدْ عَهِدْنَا کا عطف صرفنا پر ہے مطلب یہ ہے کہ بار بار نصیحت وعید کے بعد بھی جو یہ لوگ عہد شکنی کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ آدم کی تخلیق کی

---

[۱] ابن زید نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا کہ اللہ نے جو آدم کو بتادیا تھا کہ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّکَ وَلِزَوْجِکَ یہ تیر اور تیری بیوی کا دشمن ہے آدم ابلیس کی عداوت کو اور اللہ کی اس نصیحت کو بھول گئے۔ قاضی عیاض نے شفا میں لکھا ہے کہ اللہ نے فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا فرما کر خود ہی آدم کا عذر پیش کر دیا۔

Marfat.com

بنیاد ہی عصیان پر ہے اور نسیان آدم کی سرشت میں ہے ہم نے اس سے بہت پہلے آدم کو بھی ایک حکم دیا تھا لیکن وہ بھول گیا اور اس سے چوک ہو گئی، حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے آدم کو پیدا کر دیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا جس کی وجہ سے ہر وہ نفس جس کو آدم کی نسل سے قیامت تک اللہ پیدا کرنے والا ہے آدم کی پشت سے نکل پڑا اور ہر شخص کی دونوں آنکھوں کے درمیان اللہ نے نور کی ایک چمک پیدا کر دی۔ پھر سب کو آدم کے سامنے لایا آدم نے پوچھا اے میرے رب یہ کون ہیں اللہ نے فرمایا یہ تیری نسل ہے آدم نے ان میں ایک شخص کو دیکھا جس کے دونوں آنکھوں کی درمیانی چمک آپ کو بہت اچھی لگی پوچھا اے میرے رب یہ کون ہے اللہ نے فرمایا داؤد۔ آدمؑ نے عرض کیا اے میرے رب تو نے اس کی عمر کتنی مقرر کی ہے اللہ نے فرمایا ساٹھ برس۔ آدمؑ نے عرض کیا اے میرے رب میری عمر میں سے چالیس برس لے کر اس کی عمر بڑھا دے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدم کی عمر ختم ہو گئی اور (وہی) چالیس برس رہ گئے (جو آپ نے داؤد کو دے دیئے تھے) تو موت کا فرشتہ آ گیا آدم نے کہا کیا ابھی میری عمر کے چالیس برس باقی نہیں ہیں۔ فرشتے نے کہا کیا آپ نے چالیس برس اپنے بیٹے داؤد کو دے نہیں دیئے تھے۔ آدمؑ نے انکار کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد بھی انکار کرتی ہے اور آدم بھول گئے اور انہوں نے درخت (ممنوعہ) میں سے کھا لیا یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد بھی بھولتی ہے اور آدم نے خطا (چوک) کی یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد سے بھی خطا ہو جاتی ہے۔

بعض اہل تحقیق نے کہا زمخشری اور بیضاوی کا مذکورہ بالا قول غلط ہے اگر اس آیت کا عطف صَرَّفْنَا پر ہو گا اور ظاہر ہے کہ کَذٰلِکَ کا تعلق صَرَّفْنَا سے ہے اور کَذٰلِکَ صَرَّفْنَا کا عطف کَذٰلِکَ نَقُصُّ عَلَیْکَ پر ہے اور کَذٰلِکَ نَقُصُّ سے حضرت موسیٰؑ کے قصہ کی طرف اشارہ ہے پس حضرت آدم کا قصہ حضرت موسیٰ کے قصے سے مشابہ ہونا چاہئے کیونکہ آدم کے واقعہ میں نسیان اور ترک امر کا ذکر ہے اور موسیٰ کے واقعہ میں نسیان یا ترک امر کی طرف اشارہ بھی نہیں ہے۔ بلکہ آیت زیر تفسیر کا عطف وھل اتاک حدیث موسیٰ پر ہے حضرت آدم کا قصہ بھی گزشتہ قصوں میں داخل ہے۔ واللہ اعلم۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کے سامنے سجدہ کرو۔ فوراً سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے کہ اس نے انکار کر دیا۔ ہم نے کہا آدم یقیناً یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ تم دونوں کو جنت سے نکال دے (نکال دینے کا سبب بن جائے) پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔

وَاِذْ قُلْنَا اور یاد کرو اس وقت کا واقعہ جب ہم نے کہا تھا تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ آدم سے بھول ہو گئی تھی اَبٰی اس نے سجدہ کرنے یا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ ابلیس کے استثناء کی علت بھی اس کو قرار دیا جا سکتا ہے فَقُلْنَا کا عطف ایک محذوف جملہ پر ہے یعنی ہم نے آدم اور ان کی بی بی کو جنت میں داخل کر دیا پھر ہم نے کہا هٰذَا یعنی ابلیس لَا يُخْرِجَنَّكُمَا بظاہر یہ ابلیس کے لئے ممانعت ہے مگر حقیقت میں ممانعت کا رخ آدم اور ان کی بی بی کی طرف ہے کہ دونوں (ہوشیار رہیں) ابلیس کا کہنا مانیں ورنہ یہ تم دونوں کو جنت سے نکال دے گا یعنی تم دونوں کو جنت سے خارج کر دیئے جانے کا سبب بن جائے گا۔ اس کے بہکاوے کی وجہ سے اللہ تم دونوں کو جنت سے نکال دے گا۔ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا میں ف سببی ہے عداوت ابلیس چاہتی ہے کہ اس کا کہنا نہ مانا جائے۔ فَتَشْقٰى پھر تھک جاؤ گے، تعب میں پڑ جاؤ گے خود اپنے ہاتھ سے کما کر چوٹی کا پسینہ ایڑی تک بہا کر زمین کھود کر اس میں بیج بکھیر کر پھر کھیتی کاٹ کر دانہ پیس کر گوندھ کر پکا کر کھانا ہو گا۔ بغوی نے بحوالہ سعید بن جبیر لکھا ہے کہ آدم کے لئے ایک سرخ بیل بھی پیدا کیا گیا جس کے ذریعہ سے وہ زمین کھودتے تھے اور اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے جاتے تھے یہی تَشْقٰی کا مفہوم ہے چونکہ آدم کا مصیبت میں پڑ جانا بی بی کے دکھ اور تکلیف کو بھی مستلزم ہے۔ آدم کے دکھ کے بعد بی بی کو سکھ کہاں مل سکتا تھا اس لئے تَشْقٰى سے (براہ راست) خطاب صرف آدم کو کیا گیا (بی بی سے خطاب ضمنی ہو گیا) یا یوں کہا جائے کہ شقاء سے مراد ہے

Marfat.com

روزی کی تلاش میں تھکنا اور یہ کام صرف آدم کا تھا بی بی کا نہ تھا اس لئے صرف آدم کو خطاب کیا۔

إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ﴿۱۱۸﴾ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ ﴿۱۱۹﴾

جنت میں تو تمہارے لئے یہ بات ہے کہ اس میں نہ تم بھوکے رہو گے نہ ننگے اور یقیناً یہاں نہ پیاسے ہو گے نہ دھوپ میں تپو گے۔ عکرمہ نے کہا لاَ تَضْحٰی کا یہ مطلب ہے کہ دھوپ میں تپنا نہ پڑے گا کیونکہ جنت کے اندر دھوپ ہی نہیں ہر وقت سایہ پھیلا رہتا ہے مطلب یہ ہے کہ جنت کے اندر تمام ضروریات زندگی فراہم ہیں بھوک دور کرنے کے لئے کھانا پیاس کے لئے پانی برہنگی کے لئے لباس اور سایہ دار مکان۔ نہ کمانے کی تکلیف۔ نہ سامان زندگی فراہم کرنے کے لئے کوشش۔ ہر چیز خداداد موجود ہے۔

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ ﴿۱۲۰﴾

پھر ان کو شیطان نے بہکایا۔ کہنے لگا اے آدم کیا میں تم کو ہمیشگی (کی عطا کرنے) والا درخت بتاؤں اور ایسی بادشاہی جس میں کبھی زوال اور ضعف نہیں آئے گا۔

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ یعنی شیطان نے وسوسہ ڈالا جو آدم (کے دل) تک پہنچ گیا قَالَ یَاآدَمُ یہ وسوسہ کا بیان ہے۔ شَجَرَةَ الْخُلْدِ خُلْد بمعنی خُلُود۔ یعنی ایسا درخت جس کا پھل کھانے والا ہمیشہ زندہ رہے گا۔ گویا ابلیس نے اپنے خیال کے مطابق درخت کو حیات دوام کا سبب قرار دیا۔ لاَ يَبْلٰى جس کو کبھی زوال نہ ہو گا نہ اس میں ضعف آئے گا۔

فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِن وَرَقِ الْجَنَّةِ ۚ وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ ﴿۱۲۱﴾

سو (اس کے بہکانے سے) دونوں نے اس درخت سے کھا لیا، فوراً دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور (اپنا بدن ڈھانکنے کو) دونوں اپنے اوپر جنت کے (درختوں کے) پتے چپکانے لگے اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہو گیا سو وہ غلطی میں پڑ گئے۔

دونوں نے کھا لیا یعنی آدم و حوا نے ورق الجنۃ سے مراد ہیں انجیر کے درخت کے پتے۔

عَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى یعنی آدم منزل مقصود سے بھٹک گئے صحیح راستہ کھو دیا اور ناکام ہو گئے درخت کا پھل کھانے سے دوامی زندگی کے طلب گار ہوئے، حالانکہ وہ درخت سبب زوال تھا یا یہ مطلب ہے کہ جس بات کا ان کو حکم دیا گیا ہے اس سے کٹ گئے کج راہ ہو گئے یا ابلیس سے فریب کھا گئے اس لئے سیدھے راستہ سے ہٹ گئے۔

ابن اعرابی نے غوی کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ان کی آرام کی زندگی بگڑ گئی، عزت سے ذلت کی طرف اور سکھ سے دکھ کی طرف چلے گئے۔ ابن قتیبہ نے کہا اگرچہ عَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ کہنا درست ہے (آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی) لیکن آدم کو عاصی کہنا غلط ہے کیونکہ عاصی اسی شخص کو کہتے ہیں جو عصیان کا عادی اور خوگر ہو (ایک مرتبہ اگر کسی سے صدور عصیان ہو جائے تو اس کو عاصی نہیں کہا جا سکتا) اگر کسی نے ایک بار کوئی کپڑا سی لیا ہو تو یہ کہنا صحیح ہے کہ اس نے کپڑا سی لیا۔ لیکن جب تک سینے کا اعادہ بار بار نہ کرے اور سینے کا عادی نہ ہو جائے۔ اس کو خیاط (درزی) نہیں کہا جا سکتا۔ (اس فقیر مترجم کی نظر میں ابن قتیبہ کا قول نامناسب ہے اسم فاعل کو صفت مشبہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اسم فاعل تو وہ ہوتا ہے جس سے کسی فعل کا صدور ہو جائے یا اس کے لئے اس فعل کا ثبوت ہو خواہ ایک ہی مرتبہ ہو ہر فعل کا کرنے والا فاعل ہوتا ہے۔ لیکن صفت مشبہ کا صیغہ اس وقت صادق آئے گا جب کوئی وصف کسی ذات کے اندر موجود ہو اور قوت صدور اس میں موجود ہو خواہ ساری عمر اس سے اس فعل کا صدور نہ ہوا ہو پس خیاط وہ شخص ہے جس میں سینے کی صفت پائی جائے خواہ کبھی سیا ہو خواہ ایک ہی مرتبہ سیا ہو۔ اسم فاعل اور صفت مشبہ کا یہی فرق ہے پھر خیاط صرف صفت مشبہ کا مفہوم ہی اپنے اندر نہیں رکھتا، بلکہ بار بار خیاطت کرے گا تو خیاط کہلائے گا یہ مبالغہ کا صیغہ ہے، مبالغہ تعداد میں ہو یا کیفیت میں بہر حال صفت خیاطت کا مبالغہ کے ساتھ موجود ہونا خیاط کہلانے کے لئے لازم ہے عاصی اسم فاعل ہے اس کے اطلاق کے لئے تو ایک بار صدور عصیان کافی ہے واللہ اعلم۔

مسلم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رب کے سامنے آدمؑ اور موسیٰؑ کا باہم

Marfat.com

کچھ مباحثہ ہوا، اور آدم موسیٰ پر غالب آگئے موسیٰ نے آدم سے کہا آپ آدم ہیں آپ کو اللہ نے اپنے (خاص) دست قدرت سے بنایا آپ کے اندر اپنی روح پھونکی فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرلیا اور آپ کو اپنی جنت میں رکھا، پھر آپ نے اپنے قصور کی وجہ سے لوگوں کو جنت سے زمین پر اتروادیا۔ آدم نے کہا آپ موسیٰ ہیں آپ کو اللہ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام کے لئے منتخب فرمایا اور آپ کو (توریت کی) تختیاں عطا فرمائیں جن کے اندر ہر چیز کا واضح بیان تھا اور آپ کو ہم کلام بنانے کے لئے اپنا قرب عنایت کیا کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ میری پیدائش سے کتنی مدت پہلے اللہ نے توریت لکھ دی تھی موسیٰ نے کہا چالیس برس پہلے آدم نے کہا کیا اس میں یہ بھی تھا کہ آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بھٹک گیا موسیٰ نے کہا ہاں۔ آدم نے کہا پھر آپ مجھے ایسا کام کرنے پر ملامت کررہے ہیں جس کا مجھ سے صادر ہونا اللہ نے میری پیدائش سے چالیس برس پہلے لکھ دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، پس آدم موسیٰ پر غالب آگئے۔

بغوی کی روایت میں حدیث کے مندرجہ ذیل الفاظ ہیں موسیٰ نے کہا آدم آپ ہمارے باپ ہیں آپ ہی نے ہم کو جنت سے نکلوایا آدم نے کہا، اللہ نے آپ کو اپنے کلام کے لئے منتخب فرمایا اور اپنے ہاتھ سے توریت لکھ کر عطا فرمائی کیا آپ مجھے ایسے عمل پر ملامت کررہے ہیں جو میری پیدائش سے چالیس سال پہلے اللہ نے میرے لئے مقرر کردیا تھا۔ پس آدم موسیٰ پر غالب آگئے۔

ایک شبہ

جب حضرت آدم حکم کو بھول گئے اور جو کچھ کیا بھول چوک سے کیا تو پھر یہ کیسے کہا گیا کہ آدم نے گناہ کیا۔ معصیت کی نسبت آدم کی طرف کیوں کی گئی۔ انسان کا نسیان تو نا قابل مواخذہ ہے۔

جواب

اس امت کے لئے نسیان نا قابل مواخذہ قرار پایا ہے۔ ہر امت اور ہر شخص کے لئے نسیان کا یہ حکم نہیں ہے طبرانی نے حضرت ثوبان و حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میری امت سے بھول چوک اور وہ فعل جو کسی کو مجبور کر کے زبردستی کرایا گیا اٹھالیا گیا ہے (یعنی معاف کردیا گیا ہے) اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ ہر شخص اور ہر امت کے لئے بھول چوک معاف کردی گئی ہے (بلکہ صراحۃً صرف اس امت کا ذکر کیا گیا ہے) ہاں مجنون وغیرہ کے متعلق (اس امت ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ عموماً بلا کسی کا نام لئے) فرمایا ہے قلم اٹھالیا گیا دیوانے مغلوب العقل سے جب تک وہ تندرست ہو اور سوئے ہوئے آدمی سے جب تک وہ بیدار ہو اور بچہ سے جب تک وہ بالغ ہو۔ ہم نے سورۂ بقرہ کی آیت رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا کی تفسیر کے ذیل میں لکھ دیا ہے کہ بھول چوک پر گرفت عقلاً ممنوع نہیں ہے گناہ ایک زہر ہے زہر قصداً کھالیا جائے یا بھول چوک سے اپنا ہلاکت آفریں اثر ضرور کرے گا۔ اسی طرح گناہ بھی قصداً ہو یا بھول کر اپنا نتیجہ ضرور پیدا کرے گا اور گناہ گار بہر حال عذاب اور سزا میں مبتلا ہوگا۔ بشرطیکہ اللہ اس کو معاف نہ کردے۔ (توبہ یا مغفرت گناہ کے زہر کا علاج ہے مترجم) کلبی نے کہا کہ بنی اسرائیل سے اگر کسی حکم کے خلاف کوئی حرکت بھولے سے یا غلطی سے ہوجاتی تھی تو فوراً ان کو سزا دے دی جاتی تھی اور کوئی کھانے پینے کی چیز بطور سزا بقدر گناہ حرام کردی جاتی تھی۔

میں کہتا ہوں اسی لئے حضرت آدم کی بھول پر ان کی پکڑ ہوئی اور جنت کی کھانے پینے کی چیزوں سے محروم کردیا گیا۔

دوسرا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ اہل تقویٰ کی نیکیاں بھی اہل قرب کے لئے گناہ ہیں۔ عام لوگوں کی بھول چوک پر آخرت میں پکڑ نہ ہوگی اور دوزخ کا عذاب نہ ہوگا لیکن خواص کا حکم اور ہے وہ بھول چوک پر آخرت میں دوزخ کے عذاب سے گو محفوظ ہیں ان کا درجہ بلند ہے وہ اہل قرب ہیں اس لئے بھول چوک کی پاداش میں ان کے دلوں پر زنگ آجاتا ہے اور اللہ کے ساتھ ان کے معاملات قرب کے نہیں رہتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا میرے دل پر بھی میل آجاتا ہے اور میں ہر روز اللہ سے سو مرتبہ معافی کا طلب گار ہوتا ہوں۔ رواہ مسلم واحمد وابوداؤد والنسائی۔

صاحب مدارک نے کہا انبیاء ایسے نسیان پر ماخوذ ہیں کہ اگر وہ تکلیف کر کے بچنا چاہتے تو بچ سکتے تھے۔

Marfat.com

فائدہ: اسی بنیاد پر بعض علماء قائل ہیں کہ نبوت سے پہلے انبیاء سے صغیرہ گناہ کا صدور ہو سکتا ہے۔

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ پھر ان کے رب نے ان کو (زیادہ) مقبول بنالیا سو ان پر توجہ فرمائی اور راہ راست پر (ہمیشہ) قائم رکھا۔

اِجْتَبٰهُ، جَبْی کا لغوی معنی ہے جمع کرنا جَبَی الْخَرَاجَ اس نے خراج جمع کیا اِجْتِبَاءٌ (افتعال) اپنے پاس جمع کر لینا اپنے قرب میں لے آنا مراد چن لینا برگزیدہ بنا دینا مقرب بنا لینا یعنی آدم کو توبہ پر آمادہ کیا جب انہوں نے توبہ کرلی تو اللہ نے ان کو چن لیا مقرب بنا لیا۔

تَابَ عَلَيْهِ اللہ رحمت اور مغفرت کے ساتھ ان کی طرف متوجہ ہوا۔ ہدٰی ان کو توبہ کا راستہ بتا دیا۔ اللہ ہی کی ہدایت و توفیق سے انہوں نے دعا کی رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا اور اللہ نے ان کو درجات قرب تک پہنچنے کا راستہ بتا دیا۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا ۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ اللہ نے فرمایا۔ تم دونوں (آدم و حوا) ساتھ ساتھ جنت سے اس حالت میں زمین پر اترو اور دنیا میں ایسی حالت میں جاؤ کہ تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن ہوگا۔

حضرت آدم اور حضرت حوا کے نزول کے ساتھ ان کی آئندہ نسل کا نزول لازم تھا اس لئے حضرت حوا اور حضرت آدم کو خطاب مع ذُرِّیّات کے ہوا اور جَمِیْعًا کے لفظ سے اس مضمون کو پختہ کر دیا۔ ایک دوسرے کا دشمن ہوگا۔ یعنی تم دونوں کی نسل میں باہم دنیوی عداوت بھی ہوگی اور دینی و مذہبی بھی (کوئی موحد ہوگا کوئی مشرک، کوئی منکر)۔

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾

پس اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو (تم میں سے) جو کوئی میری ہدایت پر چلے گا وہ نہ (دنیا میں) گمراہ ہوگا نہ (آخرت میں) نامراد۔

بغوی نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے گا اور جو تعلیم اس میں ہے اس پر چلے گا اللہ اس کو دنیا میں بھی گمراہی سے بچا کر سیدھے راستے پر چلائے گا اور قیامت کے دن بھی حساب کی خرابی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ اللہ نے خود فرما دیا ہے فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى شعبی کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا، قرآن کی پیروی کرنے والے کو اللہ دنیا میں گمراہ اور آخرت میں بدنصیب ہونے سے محفوظ رکھے گا، پھر حضرت ابن عباس نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا اور جو شخص میری نصیحت سے اعراض کرے گا تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا۔ عَنْ ذِكْرِيْ، یعنی اس ہدایت سے جو میری یاد دلاتی ہے یا اس بلانے والے سے جو میری یاد کی طرف بلاتا ہے اعراض کرے گا ضَنْكًا بہت تنگ۔ بطور مبالغہ مَعِيْشَةً کی صفت قرار دیا ہے۔ ورنہ ضَنْكًا مصدر ہے (زندگی تنگی والی یعنی تنگ ہوتی ہے خود تنگی نہیں ہوتی) چونکہ یہ لفظ مصدر ہے اس لئے مونث کی بھی صفت بن سکتا ہے۔

بغوی نے حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابوہریرہ اور حضرتؓ ابو سعید خدری کا قول نقل کیا ہے کہ مَعِيْشَةً ضَنْكًا سے مراد ہے عذاب قبر۔ بزار نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مَعِيْشَةً ضَنْكًا عذاب قبر ہے۔ حضرت ابو سعید نے فرمایا زمین اس کو دبائے گی کہ اس کی پسلیاں ادھر ادھر نکل جائیں گی۔ بعض مسند احادیث میں مرفوعاً آیا ہے کہ اس پر قبر اس طرح سمٹے گی کہ اس کی پسلیاں ادھر ادھر نکل جائیں گی اور قبر سے اٹھائے جانے کے وقت تک برابر یہ عذاب اس پر ہوتا رہے گا۔ یہ حدیث سنن ترمذی میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آئی ہے۔

میں کہتا ہوں، حرام رزق، ناپاک کمائی اور بدبختی قبر کی تنگی یا دوزخ کی طرف لے جانے والی چیزیں ہیں اللہ نے فرمایا ہے اِذَا اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ

ایک روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ بندہ کو جو مال بھی دیا جائے تھوڑا ہو یا بہت اور وہ اس میں تقویٰ نہ

Marfat.com

[illegible] کوئی بھلائی نہیں ہوتی یہی مَعِیْشَۃً ضَنْکًا ہے ایسے لوگوں کو اللہ پر بدگمانی ہوتی ہے وہ خیال کرتے ہیں [illegible] تو اللہ اس کی جگہ ان کو دوسری معاش (مال) عطا نہیں فرمائے گا۔ سعید بن جبیر نے ضنک کا [illegible] سمجھ لیتے ہیں کہ کسی طرح حالت سیری نہیں ہوتا۔ ان دونوں قولوں کا حاصل یہ ہے کہ [illegible] ہوتا ہے اس کا اصلی مقصد بجز اپنے خواہش اور مطمح نظر صرف دنیا کا مال و متاع ہوتا ہے ہر وقت [illegible] حالت سے اپنی جگہ ڈر تا رہتا ہے اس کے برخلاف مومن کی حالت ہوتی ہے جو آخرت کا [illegible] ہوتا ہے وہ اس پر قانع اور شکر گزار ہوتا ہے۔ اس کا بھروسہ اللہ پر ہوتا ہے اسی لئے اس کی [illegible]

[illegible] خدا سے اعراض کرنے والے کافر ہی نہیں ہوں گے اور آیت میں صرف کافر ہی مراد [illegible] کثرت سے گریز کرتا ہے وہ مراد ہو گا کافر ہو یا مسلمان بہت سے مسلمان بھی دنیا کی [illegible] ہر وقت اندیشہ رہتا ہے کثرت ذکر خدا سے اعراض کرنے والا صرف دنیوی مال [illegible] زندگی تاریک ہو جاتی ہے اور احوال زندگی پراگندہ رہتے ہیں اگر یہ شبہ کیا جائے کہ [illegible] تنگی اور شدت مصائب ہے تو اس میں کافروں فاسقوں کی ہی کیا خصوصیت ہے انبیاء اور صلحاء تو [illegible] مصائب ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے سب سے زیادہ سخت ابتلاء (مصائب) انبیاء [illegible] افضل ہوں پھر ان کے بعد وہ لوگ جو ان سے افضل ہوں۔ دین کے مطابق [illegible] میں مضبوط (یعنی پختہ اور کامل) ہوتا ہے تو اس کی جانچ بھی سخت ہوتی ہے اور اگر اس کے [illegible] کے مطابق اس کی جانچ ہوتی ہے (یعنی ابتلا مصیبت ہوتا ہے) رواہ احمد والبخاری فی [illegible] طبرانی نے حضرت حذیفہ کی بہن کی روایت سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

[illegible] حضرت امہات المومنین کی روایت سے اچھی سند کے ساتھ حدیث کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں [illegible] سب سے زیادہ سخت نبی ہوتا ہے یا کوئی (اور) منتخب نیک بندہ۔

[illegible] جواب دو طرح سے دیا جا سکتا ہے۔

[illegible] معیشت کا ذکر کیا ہے وہ کافروں ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ تنگی سے مراد ہے دنیوی سامان [illegible] أُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ مطلب یہ ہے کہ جو میرے ذکر سے [illegible] تھوڑی سی معاش دے دیتا ہوں۔ (اگر کروڑوں کی دولت ہو تب بھی وہ قلیل ہی ہے) متاع [illegible] تھوڑی مدت کیلئے ملتی ہے، پھر قیامت کے دن ہم اس کو نابینا اٹھائیں گے۔

(۲) [illegible] دنیاوی معیشت تکلیف اور دکھ سے خالی نہیں (خالص سکھ ہر شخص کے لئے مفقود [illegible] الْإِنسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ۔ مومن پر جو دکھ آتا ہے اس سے اس کے گناہ مٹتے اور [illegible] حدیث مذکور سے واضح ہے یہ دکھ بظاہر تنگی معیشت کی شکل میں رونما ہوتا ہے لیکن حقیقت [illegible] انشراح باطن حاصل ہوتا ہے البتہ کافر کا دکھ اس دنیا میں اس کے لئے موجب ضیق بھی ہے اور [illegible] اللہ کی محبت موجود ہونے کی صورت میں جو دکھ بھی اللہ کی طرف سے آتا ہے مومن کو اس میں لذت [illegible] محسوس ہوتی ہے۔

[illegible] ابو سعید خدری کی روایت سے جو حدیث مذکور نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں سب [illegible] شدید ابتلاء انبیاء ہوتے ہیں ان کے بعد دوسرے نیک لوگ۔ ان میں سے بعض لوگ اس قدر فقر میں مبتلا رہے کہ [illegible] عباء کے ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا اور اس میں بھی اتنی جوئیں تھیں کہ قتل کئے ڈالتی تھیں لیکن اس

Marfat.com

مصیبت سے وہ اتنے زیادہ خوش ہوتے تھے کہ تم میں سے بعض لوگ عطیات (ملنے) سے اتنے خوش نہیں ہوتے۔

وَنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ اور قیامت کے روز ہم اس کو (قبر سے) اندھا اٹھائیں گے۔ حضرت ابن عباس کے نزدیک اعمی سے مراد ہے آنکھوں کا اندھا، مجاہد کے نزدیک کور بصیرت مراد ہے (جس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی) کوئی دلیل اس کو نہ سوجھے گی۔ آئندہ آیت حضرت ابن عباس کے قول کی موید ہے۔

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ﴿۱۲۵﴾ وہ (تعجب سے) کہے گا، اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا، میں تو (دنیا میں) آنکھوں والا تھا۔ اگر کور بصیرت مراد لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں دنیا میں صاحب بصیرت تھا، یعنی میرے پاس شرک کی دلیل تھی، حالانکہ شرک کی کوئی دلیل دنیا میں بھی اس کے پاس نہ تھی۔ اللہ نے فرمایا، وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ۔ دوسری آیت میں آیا ہے مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى جس کے پاس شرک کی کوئی دلیل اس زندگی میں نہیں ہے نابینا ہے اس کے پاس آخرت میں بھی کوئی دلیل نہ ہوگی وہاں بھی نابینا ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابن عباس کا تفسیری قول صحیح ہے اور آیت زیر تفسیر میں اَعْمٰى سے مراد ہے کور بصر۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کی سند سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے دریافت کیا حضرت اللہ نے فرمایا ہے: وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا اور فرمایا وَنَحْشُرُهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْیًا اس کا کیا مطلب ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا قیامت کے دن وہ ایک حالت میں کرنجے ہوں گے اور دوسری حالت میں نابینا۔

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾

ارشاد ہوگا ایسے ہی ہمارے احکام تیرے پاس پہنچے تھے (پھر تو اندھا بن گیا تھا) تو نے ان کا خیال نہیں کیا اور ایسا آج تیرا کچھ خیال نہیں کیا جائے گا۔ كَذٰلِكَ کا تعلق فعل محذوف سے ہے یعنی تو نے ایسا ہی کیا تھا کہ ہماری کائناتی نشانیاں تیرے سامنے آئی تھیں یا ہماری وہ آیات جو انبیاء پر اتاری گئیں تھیں، تیرے پاس پہنچی تھیں، پس تو نے ان کو بھولا بسرا کر دیا، یعنی ان کو چھوڑ دیا۔ ان کی طرف سے منہ پھیر لیا، نظر اٹھا کر ان کی طرف نہیں دیکھا جیسے اندھا چھوڑ دیتا ہے (اور نہیں دیکھتا) پس آج تجھے بھی (دوزخ کے اندر ڈال کر) اسی طرح بھلا دیا جائے گا۔

بعض اہل تفسیر کے نزدیک كَذٰلِكَ خبر ہے، مبتدا محذوف ہے۔ یعنی اَلْاَمْرُ كَذٰلِكَ (بات یونہی ہے) اس کے بعد اَتَتْكَ سے جملہ سابقہ کی علت بیان کی ہے۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ یُؤْمِنْۢ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾

اور اسی طرح ہم ہر اس شخص کو جو حد (اطاعت) سے گزر جائے اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لائے (اس کے عمل کے مناسب) سزا دیں گے اور واقعی آخرت کا عذاب بڑا سخت اور بڑا دیرپا ہے۔ اسرف حد سے گذر گیا یعنی ناجائز خواہشات میں ڈوب گیا اور آیات الٰہیہ سے منہ پھیر لیا۔ لَمْ یُؤْمِنْۢ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ یعنی رب کی آیات کی تکذیب کی، ان کو جھوٹا جانا، ان کی مخالفت کی۔ اَشَدُّ وَاَبْقٰى یعنی تنگی معیشت اور نابینا ہونے سے آخرت میں دوزخ کا عذاب بہت سخت اور بہت زیادہ دیرپا ہے۔

اَفَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ ع ۷ ۱۴ ۱۶

کیا ان لوگوں کو (اب تک) اس سے بھی ہدایت نہیں ہوئی کہ ہم ان سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر چکے ہیں کہ ان (میں سے) بعض کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں یقیناً اہل فہم کے لئے اس میں کھلی ہوئی دلیلیں موجود ہیں۔

كَمْ اَهْلَكْنَا میں كَمْ خبریہ ہے یعنی بہت گروہوں کو۔ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ اس آیت کا مطلب دو طرح سے

Marfat.com

بیان کیا گیا ہے اول یہ کہ یہ جملہ حالیہ ہے اور ہم ضمیر سے حال ہے یعنی مکہ کے کافروں کو اس بات سے بھی ہدایت نہیں ملی کہ بہت سے گزشتہ گروہوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ (ایسی حالت میں کہ) ان کے رہنے کے مقامات میں یہ چلتے پھرتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ گزشتہ گروہ اپنے اپنے مقامات سکونت میں چلتے پھرتے تھے کہ اسی حالت میں ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ (ہم نے ترجمہ اول ترکیب کے موافق کیا ہے) نُہٰی عقلیں (یہ نُہْیَۃٌ کی جمع ہے مترجم)، جو غفلت میں پڑے رہنے اور نابینا بننے سے روکتی ہیں۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے (طے شدہ) نہ ہوتی اور (عذاب کے لئے) ایک میعاد معین نہ ہوتی تو عذاب (اسی زندگی میں) لازمی ہوتا۔

كَلِمَةٌ سَبَقَتْ ایک بات جو پہلے طے کر دی گئی ہے، یعنی یہ پہلے سے اللہ نے طے کر دیا ہے کہ اس امت کے کافروں پر عذاب قیامت کے دن ہوگا اور رسول اللہ ﷺ کے رحمۃ للعٰلمین ہونے کی وجہ سے کافروں پر بھی اس دنیا میں ایسا عذاب نہیں آئے گا جو ان کی جڑا کھاڑ کر پھینک دے۔

لَكَانَ لِزَامًا تو ان کافروں کو گزشتہ انبیاء کی کافر امتوں کی طرح بالکل ہلاک کر دینا بھی لازم ہو جاتا۔

وَاَجَلٌ مُّسَمًّى اس کا عطف کلمۃ پر ہے یعنی اگر دنیا میں ان کے باقی رہنے کی یا قیامت برپا ہونے کی یا ان کے عذاب کی میعاد مقرر و معین نہ ہوتی تو عذاب لازم ہوتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کان کے اندر جو ضمیر پوشیدہ ہے اَجَلٌ مُّسَمًّى کا اس پر عطف ہو، اس صورت میں مطلب اس طرح ہوگا اگر تاخیر عذاب کا پہلے سے فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو دنیا میں فوری عذاب اور وہ عذاب جس کا وقت مقرر کر دیا گیا ہے دونوں لازمی ہو جاتے۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ

سو آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان کیجئے۔ (اس میں نماز بھی آ گئی) آفتاب نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے۔

وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ اور اوقات شب میں بھی پاکی بیان کیجئے۔ (مثلاً نماز مغرب و عشاء) اور دن کے دونوں طرفوں میں بھی (یعنی اول اور آخر) تا کہ (جو ثواب آپ کو ملے) آپ اس سے خوش ہوں۔

فَاصْبِرْ سے خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے یعنی کفار کے عذاب کی ایک میعاد مقرر ہے جب وہ دن آئے گا تو وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے، اب جو آپ کے متعلق (دکھ پہنچانے والی) باتیں وہ کرتے ہیں ان پر صبر کیجئے۔ وَسَبِّحْ اور پاکی بیان کیجئے یعنی نماز پڑھیے، بِحَمْدِ رَبِّكَ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہ اس نے آپ کو نماز اور تسبیح کی توفیق دی۔ اس فقرے میں گویا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگر اللہ کی عبادت کرنا ہے تو مغرور نہ ہو جائے بلکہ اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے عبادت کی توفیق دی اور مدد کی۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے بعد اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ سے بھی اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ سَبِّحْ کے ساتھ جو اس آیت میں بِحَمْدِ رَبِّكَ آیا ہے اس سے استنباط کیا جا سکتا ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے (کیونکہ سَبِّحْ سے مراد ہے نماز پڑھو اور بِحَمْدِ رَبِّكَ کا مطلب ہے اپنے رب کی حمد کے ساتھ۔ اور سورۂ فاتحہ سورۃ الحمد ہی ہے پس دونوں کو ملا کر یہ مطلب ہوا کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ نماز پڑھو۔ مترجم)

شیخین نے صحیحین میں نیز امام احمد نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نماز نہیں مگر فاتحۃ الکتاب (سورۂ الحمد) کے ساتھ۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں جس نے فاتحۃ الکتاب نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں۔ آیت میں تسبیح کا حمد کے ساتھ اقتران مجمل تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ کے ارشاد مبارک نے آیت کے اجمال کی وضاحت کر دی اور آیت کے ساتھ

Marfat.com

حدیث کو ملانے سے واضح ہو گیا کہ حمد سے (آیت میں) مراد سورۂ فاتحہ کی قرات ہے[1] قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ یعنی فجر کی نماز۔ قَبْلَ غُرُوْبِهَا یعنی عصر کی نماز۔ بعض نے کہا قبل الغروب سے پچھلا دن مراد ہے جس کے اندر ظہر اور عصر دونوں نمازیں آ گئیں۔

وَمِنْ آنَاۗئِ الَّيْلِ یعنی مغرب و عشاء کی نمازیں۔ آنَاۗءُ بمعنی ساعات یہ اِنًى کی جمع ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس فقرہ میں الَّيْل سے مراد ہے رات کا اول حصہ۔ میں کہتا ہوں ممکن ہے اس سے تہجد بھی مراد ہو کیونکہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اور تہجد کی نماز رسول اللہ ﷺ پر واجب تھی۔ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ کا قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ پر عطف ہے یہ فجر و عصر کی نمازوں کا مکرر تاکیدی حکم ہے (کیونکہ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا میں نماز فجر و عصر مراد ہے) مزید تاکید اور اظہار خصوصیت کے لئے ان دونوں نماوں کا مکرر حکم دیا۔ فجر کا وقت میٹھی نیند کا وقت ہوتا ہے اور عصر میں دنیوی کاروبار میں مشغولیت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے دونوں نمازوں کا حکم تاکید کے ساتھ دیا۔ اسی طرح حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى میں صلوٰۃ وسطیٰ (عصر) اگرچہ صلوۃ کے لفظ میں داخل تھی لیکن تاکید کے لئے اس کا ذکر صراحۃً کر دیا یہ بھی ممکن ہے کہ اَطْرَافَ النَّهَارِ سے صرف ظہر مراد ہو کیونکہ ظہر کا وقت دن کے نصف اول کا اختتام اور نصف دوئم کا آغاز ہوتا ہے پس یہ وقت نصف اول کا بھی کنارہ ہے اور نصف دوئم کا بھی۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ آنَاۗئِ الَّيْلِ سے صلوۃ عشاء اور اَطْرَافَ النَّهَارِ ظہر و مغرب کی نمازیں مراد ہیں کیونکہ دن کے نصف اول کا آخری کنارہ اور نصف دوئم کا ابتدائی کنارہ ظہر ہے پس ظہر طرفین کا مجموعہ ہے دن کا تیسرا کنارہ غروب آفتاب ہے اس وقت مغرب کی نماز پڑھی جاتی ہے یا اَطْرَافَ النَّهَارِ دن کے مختلف حصے ہیں اور تسبیح سے مراد نفل نماز ہے۔

لَعَلَّكَ تَرْضٰى، یعنی اوقات مذکورہ میں نماز پڑھو تاکہ اللہ کی طرف سے تم کو وہ ثواب مل جائے جس سے تم خوش ہو جاؤ (تمہاری پسند کے مطابق ہو) بعض نے لَعَلَّكَ تَرْضٰى کا مطلب یہ بیان کیا ہے تاکہ تم کو اللہ پسند کر لے جس طرح دوسری آیت میں آیا ہے كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا۔ بعض نے خوش ہونے سے مراد لیا ہے شفاعت کرنے سے خوش ہونا، تم شفاعت (کا حق حاصل ہونے) سے خوش ہو جاؤ (اس وقت لَعَلَّ کو لِكَيْ کے معنی میں لینے کی ضرورت نہ ہو گی بلکہ لَعَلَّ اپنے اصلی معنی پر ہی رہے گا۔ ترجمہ اس طرح ہو گا امید ہے کہ تم شفاعت کرنے کی اجازت پا کر خوش ہو جاؤ گے) یہی مضمون آیت وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى کا ہے۔ شیخین نے صحیحین میں اور چاروں اصحاب السنن نے اور امام احمد نے حضرت جریر بن عبداللہ کا بیان نقل کیا ہے، حضرت جریرؓ نے فرمایا، ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھ کر فرمایا یقیناً تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو جس کو دیکھنے میں تمہیں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی پس جہاں تک تم سے ہو سکے کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے کی نمازیں تمہاری ضائع نہ ہوں (تم مغلوب نہ ہو

[1] حضرت مفسر قدس سرہ نے دور از کار تقریر کر کے قراۃ فاتحہ کا ہر نماز میں وجوب ثابت کر دیا، اول تو بات ناقابل تسلیم ہے کہ سبح سے مراد صرف نماز ہے تسبیح کا لفظ عام ہے اس میں نماز شامل ضرور ہے۔ صرف نماز ہی مراد ہے یہ ناقابل تسلیم ہے تو کیا جس طرح نماز میں سورۂ فاتحہ کی قرأت کو واجب قرار دیا گیا ہے اسی طرح کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہر تسبیح بیان کرنے اور سبحان اللہ پڑھنے کے وقت سورۂ فاتحہ کی قرأت کا واجب ہونا اس آیت سے مستنبط ہے۔

پھر حدیث میں جو لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَنْهُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ آیا ہے، اہل علم کہتے ہیں کہ اس سے مراد کمال صلوۃ کی نفی ہے کمال شئی کی نفی کو کبھی نفس شئی کی نفی سے تعبیر کر لیتے ہیں اور یہ بات احناف کو بھی تسلیم ہے کہ فضیلت اور کمال صلوۃ بغیر قرأت فاتحہ کے حاصل نہیں ہوتا۔ کمال کی نفی حدیث میں مراد لینے کی وجہ یہ ہے کہ آیت قرآنی میں صراحۃً آیا ہے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ اس آیت میں مَا کا لفظ عام ہے پس قرآن کا جو حصہ پڑھا جائے گا نماز ہو جائے گی اگر لَا صَلٰوةَ سے مراد نفی صلوۃ ہو تو حکم قرآن اور حدیث میں تعارض و تضاد پیدا ہو جائے گا۔ والتفصیل فی الفقہ۔ مترجم۔

Marfat.com

آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ گزشتہ آسمانی کتابوں میں جو مختلف اقوام وامم کے حالات بیان کئے گئے ہیں کہ انہوں نے اپنے اپنے پیغمبروں سے اپنے فرمائشی معجزات طلب کئے اور جب وہ مطلوبہ معجزات ظاہر ہو گئے تو وہ ایمان نہ لائے۔ آخر اللہ نے دنیا ہی میں ان کو عذاب میں مبتلا کر دیا۔ اور ان کو تاخت و تاراج کر دیا، پس اگر ان مشرکوں کے مطلوبہ معجزات بھی ظاہر کر دیئے گئے اور یہ ایمان نہ لائے (اور حسب تاریخ اقوام بہ ظہور معجزات کے بعد بھی ایمان نہیں لائیں گے) تو پھر ان کو تباہی سے کون بچائے گا کیا ان کا حال بھی پچھلی امتوں کی طرح نہیں ہو جائے گا کیا ان لوگوں نے کتب سابقہ کے بیانات نہیں پڑھے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾

اور اگر ہم ان کو اس سے (یعنی قرآن آنے سے) پہلے کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ (بطور عذر) یوں کہتے کہ اے ہمارے رب تو نے ہمارے پاس (دنیا میں) کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تھا کہ ہم تیرے احکام پر چلتے قبل اس کے کہ ہم (یہاں خود) ذلیل ہوں اور (دوسروں کی نظر میں) رسوا ہوں۔

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ اور اگر ہم بالفرض ان قریش کے کافروں کو شرک کرنے کی وجہ سے کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے۔

مِنْ قَبْلِهٖ محمد ﷺ کو بھیجنے سے پہلے یا نصیحت کرنے اور بینۃ بھیجنے سے پہلے۔

لَقَالُوْا تو قیامت کے دن یہ کہتے۔

لَوْ لَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم کو توحید کی طرف بلاتا۔ فَنَتَّبِعَ اور ہم تیرے ان احکام پر چلتے جو تو رسول پر نازل کرتا۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ، قبل اس کے ہم دنیا میں ذلیل ہوتے قید اور قتل ہونے کی ذلت اٹھاتے۔ وَنَخْزٰى اور قیامت کے دن دوزخ میں پڑ کر رسوا ہوتے۔ یا ذلت سے مراد ہے قیامت کے دن ذلیل ہونا اور رسوا ہونے سے مراد جہنم میں پڑ کر رسوا ہونا۔

مسئلہ: آیات مذکورہ بتا رہی ہیں کہ پیغمبروں کی بعثت کے بغیر بھی اللہ پر ایمان لانا اور اس کو واحد جاننا واجب ہے اور ہر باہوش (بالغ) کو کفر عذاب کا مستحق بنا دیتا ہے پیغمبروں کو بھیجنا اللہ پر لازم نہ تھا اس نے محض اپنی مہربانی سے انبیاء کو مبعوث کیا تاکہ اتمام حجت ہو جائے اور کسی کو (ناقابل پذیرائی) معذرت کرنے کا موقع نہ مل سکے، امام ابو حنیفہؒ کا یہی مسلک ہے لیکن امام شافعیؒ کا قول اس کے خلاف ہے (امام شافعی کے نزدیک بغیر بعثت نبی کی اطلاع کے کفر بھی ناقابل مواخذہ ہے بغیر نبی کے عقل ایمان کا مکلف بنانے کے لئے کافی نہیں ہے۔ مترجم)

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾ ع ۸ / ۱۷

آپ کہہ دیجئے ہم سب انتظار کر رہے ہیں سو تم (چندے اور) انتظار کرو، عنقریب تم کو (خود) معلوم ہو جائے گا کہ راہ راست والے کون ہیں اور وہ کون ہے جو منزل مقصود تک پہنچا۔

قُلْ، رسول اللہ کو خطاب ہے اور نیا کلام شروع کیا گیا ہے۔

كُلٌّ ہم اور تم سب

مُّتَرَبِّصٌ نتیجہ کے منتظر ہیں اور انتظار کر رہے ہیں کہ تمہارا حال کیا ہوتا ہے اور ہمارا کیا۔

فَتَرَبَّصُوْا (کچھ اور) انتظار کرتے رہو۔ مشرکین کہا کرتے تھے ہم منتظر ہیں کہ محمد ﷺ پر زمانہ کی گردشیں آئیں اور وہ حوادث دہر میں مبتلا ہو جائیں جب وہ مر جائیں گے۔ اسی وقت ہمارا پیچھا چھوٹے گا۔

فَسَتَعْلَمُوْنَ عنقریب یعنی قیامت کے دن تم کو معلوم ہو جائے گا۔

Marfat.com

الصِّرَاطِ السَّوِيِّ سیدھا راستہ جنت تک پہنچانے والا۔

وَمَنِ اهْتَدٰى اور وہ کون ہے جس نے گمراہی سے ہدایت پائی یا وہ کون ہے جس نے لازوال راحت و چین کی راہ پائی۔

حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت معقل بن یسار کی روایت سے اور بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھے سورۂ بقرہ ذکر اول سے اور طٰہٰ اور طٰسم والی سورتیں اور حٰم والی سورتیں موسیٰ کی الواح (توریت) سے اور فاتحۃ الکتاب (سورۃ الحمد) اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات زیرین عرش سے عطا کی گئی ہیں اور مفصلات (مجھے) زائد عطا کی گئی ہیں۔ حاکم نے مستدرک میں اور طبرانی اور ابن ماجہ نے حضرت امامہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کا وہ اسم اعظم کہ اگر اس کو لے کر دعا کی جائے تو اللہ قبول فرمالیتا ہے۔ تین سورتوں میں ہے سورۃ البقرہ اور آل عمران اور طٰہٰ۔

☆☆☆

☆☆

☆

بحمد اللہ و فضلہ سورۂ طٰہٰ کی تفسیر ۸ ربیع الثانی ۱۲۰۳ھ کو ختم ہوئی۔ المنۃ للہ والشکر لہ کہ سورۂ طٰہٰ کی تفسیر مظہری کا اردو ترجمہ ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ کو صبح ۴ بجے پورا ہوا۔ فالحمد قبل لہ والحمد بعدلہ

Marfat.com

ہم تیری حمد کرتے ہیں اے خدا کہ تیرے سوا کوئی قابل پرستش نہیں، ہم تیرے پاک ہونے کا اقرار کرتے ہیں، تجھ سے مدد کے خواستگار ہیں اور مغفرت کے طلب گار۔ ہم شہادت دیتے ہیں کہ تو سارے ملک کا مالک ہے۔ جس کو چاہتا ہے حکومت واقتدار دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے حکومت نکال لیتا ہے، جس کو چاہتا ہے عزت عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت نصیب کرتا ہے، تیرے ہی ہاتھ میں ہر بھلائی ہے اور ہر چیز پر تیرا قابو ہے، تو ہی ہمارا مالک ہے اور آسمان وزمین اور ان کی کائنات کا بھی مالک ہے۔

ہم دعاء رحمت و سلامتی کرتے ہیں تیرے رسول ﷺ اور حبیب کے لئے جو ہمارے آقا اور مولی ہیں، جن کا نام نامی محمد ﷺ ہے اور تمام انبیاء و مرسلین کے لئے اور تیرے نیک بندوں کے لئے۔

ستر ھواں پارہ

سورۃ الانبیاء

اس سورۃ میں ایک سو بارہ ١١٢ آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ لوگوں کے قریب آگیا ان کا حساب یعنی گزشتہ زمانے کے مقابلے میں اب حساب (آخرت) کا زمانہ قریب آگیا۔ لِلنَّاسِ میں لام بمعنی مِنْ ہے یعنی لوگوں سے قریب آگیا۔ اَلنَّاسُ میں الف لام جنسی ہے عام لوگ یا عہدی ہے یعنی کافر لوگ، آئندہ آیت سے یہی معلوم ہو رہا ہے۔ کہ اَلنَّاس سے مراد کافر ہیں۔

وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں یعنی دنیا اور نفسانی خواہشات میں غرق ہونے کی وجہ سے وہ محاسبۂ آخرت سے بھی غافل ہیں اور اسی سزا سے بھی جو ان کو دی جائے گی۔

مُعْرِضُونَ ① منہ موڑے ہوئے یعنی حساب فہمی پر غور کرنے اور اس کی تیاری کرنے سے روگرداں ہیں۔

فِي غَفْلَةٍ کے بعد مُعْرِضُونَ کا اضافہ اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ حساب کی طرف سے ان کا غافل ہونا دنیا میں ڈوبنے کی وجہ سے ہے، یہ بات نہیں ہے کہ وہ اللہ کی یاد میں غرق ہیں اس لئے ان کو آخرت کا خیال نہیں آتا۔

اگر اَلنَّاس میں الف لام استغراقی قرار دیا جائے اور تمام لوگ مراد ہوں تو هُمْ ضمیر بعض لوگوں یعنی کافروں کی طرف راجع ہوگی اور یہ جائز ہے جیسے آیت وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ۔ وَبُعُولَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ میں اَلْمُطَلَّقَاتُ کا لفظ عام ہے، لیکن بُعُولَتُهُنَّ کی ضمیر ان مطلقات کی طرف راجع ہے جن کی طلاق رجعی ہو۔

مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ②

ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو نصیحت تازہ (ان کے حسب حال) آتی ہے یہ اس کو ایسے طور سے سنتے ہیں کہ (اس کے

Marfat.com

ساتھ) ہنسی کرتے ہیں۔

مِنْ ذِكْرٍ میں مِنْ زائد ہے جار مجرور محل فاعل میں ہے۔ ذکر یعنی ایسی نصیحت جو خواب غفلت سے بیدار کردے۔ مُحْدَثٍ تازہ جدید ہو، کانوں میں بار بار آئے تاکہ نصیحت پذیری پر تنبیہ ہو۔ مُحْدَثٍ سے یہ لازم نہیں آتا کہ ذکر قدیم نہ ہو (کیونکہ حدوث سے مراد نزول کا حدوث ہے، اس سے معتزلہ کے اعتراض کی بیخ کنی ہوگئی جو کلام اللہ کو حادث کہتے ہیں اور محدث کے لفظ سے حدوث پر استدلال کرتے ہیں۔ مترجم) وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ یعنی قرآن سے استہزاء کرتے ہیں۔ انتہائی غافل ہیں انجام کی طرف سے بالکل لاپرواہ ہیں اس لئے قرآن کا مذاق اڑاتے ہیں۔

لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ (قرآن میں غور کرنے اور انجام کو سوچنے سے) ان کے دل بے فکر ہیں۔ ابوبکر وراق نے لَاهِيَةً کا مطلب بیان کیا کہ ان کے دل دنیوی سجاوٹ و بناوٹ میں مشغول ہیں آخرت اور اس کی ہولناکیوں سے غافل ہیں۔

وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ڰ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ اور چھپا کر سرگوشیاں کیں ظالموں نے۔ (سرگوشی تو خود پوشیدہ ہی ہوتی ہے کانوں کانوں میں بات کرنے کو نجوی کہتے ہیں، پھر اسروا کیوں فرمایا تو اس اضافہ سے پوشیدہ رکھنے میں مبالغہ کو ظاہر کرنا مقصود ہے یا یہ مطلب ہے کہ ایسی جگہ سرگوشی کرتے ہیں کہ وہ مقام بھی پوشیدہ رہے کسی کو معلوم نہ ہو۔

اَسَرُّوْا میں وَاؤ زائد ہے یا ضمیر جمع کا ہے اور اَلَّذِيْنَ اس سے بدل ہے یا اَسَرُّوْا سے پہلے هٰٓؤُلَاۗءِ مبتدا محذوف ہے اور اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا سے پہلے هُمْ مبتدا محذوف ہے۔

هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ نہیں ہے یہ مگر تم ہی جیسا انسان۔ کافروں کا خیال تھا کہ پیغمبر کا فرشتہ ہونا ضروری ہے اور یہ ہم جیسا انسان ہے اس لئے پیغمبر نہیں ہو سکتا۔ غالباً ان کا خیال تھا کہ پیغمبر کو پیغامبر بنا کر بھیجنے والے کا ہم جنس ہونا چاہئے اور ان کے گمان کے موافق ملائکہ اللہ کے ہم جنس تھے اسی لئے فرشتوں کو وہ خدا کی بیٹیاں کہتے تھے پس پیغمبر کا فرشتہ ہونا لازم ہے، حق بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کا ہم جنس ہونا چاہئے جن کے پاس رسول کو بھیجا گیا ہو تاکہ اس کی ہدایت سے کچھ فائدہ حاصل ہو سکے اللہ تو کسی کا ہم جنس نہیں اس کی مثل تو کوئی نہیں (اور فرشتے انسان کے ہم جنس نہیں اس سے لوگوں کو کیسے فائدہ پہنچنا ممکن ہے اگر بالفرض فرشتہ کو بھی پیغمبر بنا کر بھیجا جاتا تو اس کی اصل شکل کو کوئی پہچان نہ سکتا تھا نہ اس سے فائدہ حاصل کر سکتا لامحالہ فرشتے بشکل بشری بھیجا جاتا لیکن کسی کو کیا معلوم ہو تاکہ یہ فرشتہ ہے یا آدمی۔ مترجم)

اللہ کے پیغمبر نے جب دعویٰ رسالت کے ثبوت کے لئے معجزات پیش کئے اور کافروں سے اس کا جواب نہ بن پڑا تو کہنے لگے۔

اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ کیا تم پھر بھی دیدہ دانستہ جادو کی بات سننے جاؤ گے۔ یعنی یہ شخص رسول نہیں ہے آدمی ہے اور یہ جو کچھ غیر معمولی عاجز کن چیزیں قرآن جیسی پیش کر رہا ہے تو یہ جادو ہے پس آنکھوں سے جادو دیکھتے ہوئے کیا تم جادو کی پیروی کرنے لگو گے، رسول اللہ ﷺ کے معجزات کو جادو قرار دینے کی ان کے پاس کوئی دلیل نہ تھی نہ کوئی ثبوت پیش کر سکتے تھے اس لئے مجبوراً وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ کہا یعنی ہدایت کا دعویٰ کیا اور ایسا جادو قرار دیا جس کو ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ باہم مشورہ کو پوشیدہ رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ ہم باہم متفق طور پر ایک ایسے فیصلہ پر پہنچنے کے خواستگار تھے اور ایسے قول پر اتفاق کرنا چاہتے تھے جس سے نبوت کا مقابلہ کر سکیں اور قصر نبوت کو ڈھادیں جس کو سن کر سننے والے نبوت کی تکذیب کرنے پر آمادہ ہو جائیں وہ چاہتے تھے کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں مگر اللہ تو اپنا نور پورا پورا پھیلانے والا تھا خواہ کافروں کو ناگوار ہو۔

قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

پیغمبر نے کہا میرا رب ہر بات کو خواہ وہ آسمان میں ہو یا زمین میں جانتا ہے اور وہ ہی خوب سننے والا اور بخوبی جاننے والا ہے۔ یعنی ہر قائل کی ہر بات کو آسمانوں میں ہو یا زمین میں ظاہر ہو یا پوشیدہ، چلا کر ہو یا چپکے چپکے بہر حال اللہ اس کو جانتا ہے وہ سب کی باتیں خوب سنتا اور سب کے احوال و افعال کو خوب جانتا ہے اس سے کوئی پوشیدہ بات بھی نہیں۔

Marfat.com

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ　　بلکہ یوں بھی کہا کہ یہ قرآن پریشان خیالات ہیں بلکہ اس شخص نے اس کو خود تراش لیا ہے۔

کافروں نے رسول اللہ ﷺ کی رسالت سے اس لئے انکار کیا تھا کہ یہ آدمی ہیں اور آدمی پیغمبر نہیں ہو سکتا اللہ نے ان کے اس قول کو گزشتہ آیت میں نقل فرمادیا پھر کافروں نے قرآن کی شان میں کہا تھا کہ یہ بے ہودہ گڑبڑ خوابوں کا مجموعہ ہے۔ اللہ نے پہلے قول کو نقل کرنے کے بعد کلام کا رخ موڑا اور کافروں کے دوسرے قول کو نقل فرمایا۔

مخلوط اور گڑبڑ خوابوں کا مجموعہ قرار دینے کا یہ مطلب تھا کہ یہ اللہ کی طرف سے وحی نہیں ہے۔ بلکہ کچھ بے ہودہ خواب ہیں جوان کو سوتے میں نظر آجاتے ہیں۔ پھر اس سے بھی اعراض کیا (کیونکہ بے ہودہ خواب غیر مربوط اور بے بنیاد ہوتے ہیں اور افادیت سے بھی خالی ہوتے ہیں اور قرآن مربوط مفید پیام کا حامل ہے اس لئے) کہنے لگے (یہ اَضْغَاثُ اَحْلَام نہیں ہے، بلکہ اس شخص نے خود اپنی طرف سے یہ کلام بنالیا ہے اور اللہ کی طرف اس کی نسبت کردی ہے۔

بَلْ هُوَ شَاعِرٌ　　(پھر کہنے لگے یہ خالی دروغ بندی اور کذب تراشی ہی نہیں) بلکہ یہ شخص شاعر ہے (یہ اس کی شاعری کی بلند پردازی اور کمال شعری ہے) پہلے قرآن کو دروغ بندی قرار دیا تھا پھر اس سے گریز کیا اور اللہ کے کلام کو شعر کہنے لگے۔

بغوی نے لکھا ہے مراد یہ ہے کہ کچھ مشرکوں نے کتاب اللہ کو پراگندہ خواب کہا کچھ لوگوں نے من گھڑت دروغ بندی قرار دیا اور بعض نے قرآن کو شعر کہا اور رسول اللہ ﷺ کو شاعر۔ مفتری اور شاعر میں فرق یہ ہے کہ افترا کرنے والے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ جھوٹی بات کہہ کر سننے والے کو اس کے سچے ہونے کا یقین دلادے۔ اور شعر ان مقدمات کے مجموعہ کا نام ہے جن سے سننے والے اور پڑھنے والے کے دل میں خوف یا رغبت یا شوق یا خوشی یا غم یا تعظیم یا تحقیر یا کوئی جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ شعر کی غرض صرف جذبات کو برانگیختہ کرنا ہوتا ہے۔ تصدیق کرانی مقصود نہیں ہوتی (گویا شعر کلام خبری نہیں ہوتا انشائی ہوتا ہے اور افترا کلام خبری کا نام ہے) کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شاعر مقدمات شعریہ کے ساتھ کچھ واقعات بھی بیان کرتا ہے (خواہ کلام سچا ہو یا جھوٹا مگر واقعات کی تصویر کشی ضرور ہوتی ہے محض انشاء (یعنی ترہیب و ترغیب، تعظیم و تحقیر وغیرہ) غزل میں ہوتی ہے اور مثنوی میں انشاء کے ساتھ اخبار بھی ہوتا ہے، کافروں کے یہ پراگندہ اقوال دلالت کر رہے ہیں کہ ان کو کسی بات کا یقین نہ تھا کبھی قرآن کے متعلق کچھ کہتے تھے کبھی کچھ۔

فَلْيَأْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝　　(یعنی محمد اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہیں) تو ہمارے سامنے کھلی ہوئی نشانی لائیں ایسی (محسوس) جیسی پہلے انبیاء کو دے کر بھیجا گیا تھا مثلاً حضرت صالحؑ کی اونٹنی، حضرت موسیٰؑ کا عصا اور ید بیضاء، حضرت عیسیٰؑ کا مردوں کو زندہ کرنا اور مادر زاد نابینا اور کوڑھی کو تندرست کر دینا وغیرہ۔

ابن جریر نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ مکہ والوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا آپ اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو کوہ صفا کو سونے کا کر دیجئے اس سوال کے بعد فوراً اللہ کی طرف سے حضرت جبرئیلؑ آئے انہوں نے کہا اگر آپ ﷺ چاہتے ہوں تو آپ ﷺ کی قوم کا سوال پورا کر دیا جائے اور (کوہ صفا کو سونے کا کر دیا جائے) لیکن اس کے بعد بھی اگر یہ ایمان نہ لائے تو پھر (سب کو ہلاک کر دیا جائے گا) مہلت نہیں دی جائے گی اور آپ چاہیں تو میں آپکی قوم کو ڈھیل دوں اور (مزید سوچنے سمجھنے اور ایمان لانے کی) مہلت دے دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اپنی قوم کے لئے درخواست مہلت کرتا ہوں، اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝　　ان سے پہلے جن بستیوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں وہ (مطلوبہ معجزات دیکھنے کے بعد بھی) ایمان نہیں لائے تھے تو کیا یہ لوگ (اپنے مطلوبہ فرمائشی معجزات کو دیکھ کر) ایمان لے آئیں گے۔

Marfat.com

قَبْلَهُمْ، یعنی مشرکین مکہ سے پہلے۔ مِنْ قَرْيَةٍ جار مجرور فاعل کے قائم مقام ہے اور مضاف محذوف ہے، یعنی اہل قریہ مِنْ قَرْيَةٍ میں مِنْ زائد ہے۔

أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ، استفہام انکاری ہے یعنی مکہ کے مشرک تو گزشتہ کافروں سے کفر میں سخت ہیں جب گزشتہ کافر ایمان نہیں لائے تو یہ لوگ یقیناً (مطلوبہ معجزات کے ظہور کے بعد بھی) ایمان نہیں لائیں گے۔ آیت میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ مطلوبہ معجزات کو ظاہر اور نمودار نہ کرنے کی وجہ اور مصلحت صرف یہ ہے کہ لوگ (کفار مکہ) اگر ظہور معجزات کے بعد بھی ایمان نہیں لائیں گے اور یقیناً ایمان نہیں لائیں گے تو ان کو بھی گزشتہ کافروں کی طرح ہلاک کر دیا جائے گا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ⑦

(اے محمد ﷺ) ہم نے آپ سے پہلے بھی صرف مردوں کو ہی پیغمبر بنا کر بھیجا جن کے پاس وحی بھیجتے تھے پس (اے مکہ والو) تم اہل ذکر یعنی اہل کتاب سے پوچھ لو اگر تم کو اس کا علم نہیں ہے۔ یعنی اہل کتاب سے یہ پوچھ لو کہ سابق پیغمبر آدمی ہوئے یا فرشتے، تاکہ تمہارا اشبہ جاتا رہے۔ اہل کتاب سے پوچھنے کا حکم دینے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ مشرکین مکہ کو رسول اللہ ﷺ (اور دوسرے دینی امور) کے سلسلہ میں اہل کتاب پر اعتماد تھا ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ یا یہ وجہ ہے کہ متواتر خبر موجب یقین ہوتی ہے خواہ اہل تواتر کافر ہی ہوں اور چونکہ آدمیوں کا ہی پیغمبر ہونا ہر زمانہ میں بطور تواتر مسلسل بیان کیا جاتا رہا ہے اس لئے یہودیوں کا قول بھی اس کے متعلق قابل اعتبار ہے۔

وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ اور ہم نے ان پیغمبروں کے ایسے جسم نہیں بنائے جو کھانا نہ کھاتے ہوں۔ (یعنی فرشتے نہیں بنایا) جَسَدٌ اسم جنس ہے ایک ہو یا زیادہ سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے یا مضاف محذوف ہے یعنی جسموں والے۔ جَسَدٌ رنگ دار جسم کو کہتے ہیں۔ لغوی اعتبار سے جَسَد کا معنی ہے کسی چیز کا باہم اکٹھا ہونا اور جڑنا۔

لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ، جَسَدًا کی صفت ہے یا علیحدہ ہے اور کافروں کے قول کا جواب ہے۔ کفار کہتے تھے کیا وجہ ہے کہ یہ رسول کھانا کھاتا ہے۔

وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ ⑧ اور وہ ہمیشہ رہنے والے بھی نہیں ہوتے۔ آیت سابقہ کے مضمون کی تاکید اس آیت سے ہو رہی ہے کہ جس کی زندگی کی بقاء کھانے پر موقوف ہو لامحالہ اس کے جسم میں تحلیل ہوگی اور تحلیل کا نتیجہ فنا ہے۔

ثُمَّ صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ پھر ہم نے ان سے جو وعدہ کیا اس کو سچ کر دکھایا، یعنی ہم نے پیغمبروں کی مدد کا جو وعدہ کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا۔

فَأَنْجَيْنَاهُمْ وَمَنْ نَشَاءُ اور ان کو اور جن کو ہم چاہتے تھے (یعنی پیغمبروں پر ایمان لانے والوں کو) ہم نے (اپنے عذاب سے اور کفار کی ایذا رسانی سے) بچا لیا۔ مَنْ نَشَاءُ سے وہ لوگ مراد ہیں جو پیغمبروں پر ایمان لے آئے تھے یا آئندہ ایمان لانے والے تھے یا آئندہ ان کی اولاد پیدا ہونے والی اور ایمان لانے والی تھی، یہی وجہ ہے کہ عرب عام تباہ کن عذاب سے محفوظ رکھے گئے (کیونکہ آئندہ ان کا یا آئندہ پیدا ہونے والی اولاد کا ایمان لانا اللہ کے علم میں تھا)

وَأَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِينَ ⑨ اور (کفر و معصیت میں) حد سے بڑھنے والوں کو ہم نے تباہ کر دیا۔

لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ⑩ (اے گروہ قریش) ع ۱

ہم نے تمہاری طرف قرآن نازل کیا ہے جس کے اندر تمہارا ذکر ہے کیا تم نہیں سمجھتے۔

ذکر یعنی تمہاری فضیلت اور بزرگی قرآن کے اندر ہے بشرطیکہ تم اس کو سمجھو (اور مانو) یا یہ مطلب ہے کہ قرآن میں تمہارے لئے شرف ہے کہ تمہاری زبان میں اتارا گیا۔ یا ذکر سے مراد ہے اللہ کا ذکر اور ضروری دینی امور کا تذکرہ۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ ذکر سے مراد ہے اچھا ذکر اور شہرت و ناموری۔ یا نصیحت یا وہ اعلیٰ اخلاق جن سے تم کو اچھا ذکر حاصل ہو۔ مجاہد کے

Marfat.com

نزدیک ذکر سے اس جگہ مراد ہیں باتیں۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے ذکر اور تذکار کسی چیز کو یاد رکھنا، ذکر کرنا زبان پر جاری کرنا، شہرت، تعریف، شرف، نماز، دعا، وہ کتاب جس میں قرض کی تفصیل ہوتی ہے مالی حساب ہوتا ہے۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ، میں ہمزہ انکاری ہے یعنی کیا تم اس کے اندر وہ باتیں نہیں سمجھتے جن سے تمہاری بہبودی اور شرف وابستہ ہے۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ⑪

اور ہم نے بہت سی بستیاں جہاں کے رہنے والے ظالم (یعنی کافر) تھے، غارت کردیں اور ان کے بعد دوسری قوم پیدا کردی۔

قَصَمْ توڑنا مراد بکثرت ہلاک کرنا۔ قَرْيَةٍ یعنی اہل قریہ بہت بستیوں والے۔ كَانَتْ ظَالِمَةً یعنی کفر اور گناہ کر کے انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تھا۔ اَنْشَاْنَا ہم نے وارث بنایا۔ بَعْدَهَا اس بستی کو تباہ کرنے کے بعد۔

فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ⑫ پھر جب اس بستی والوں نے ہمارے عذاب کی شدت دیکھ لی تو یکدم تیزی کے ساتھ وہاں سے بھاگنے لگے۔

اَحَسُّوْا یعنی جب انہوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ بَاْسَنَا ہمارے عذاب کی شدت کو، يَرْكُضُوْنَ گھوڑوں کی ایڑ لگا کر تیزی سے بھاگنے لگے، یا یوں کہا جائے کہ سوار گھوڑے کو ایڑ مار کر تیزی سے بھگاتا ہے اور بستی والے بھی تیزی سے بھاگنے لگے اس لئے ان کو ایڑ مارنے والے سواروں سے تشبیہ دی۔

لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ (ان سے کہا گیا) بھاگو مت اور اپنے سامان عیش کی طرف اور اپنے مکانوں کی طرف واپس چلو۔ یعنی ان سے بزبان حال یا کسی فرشتے یا کسی مومن کی زبانی کہا گیا کہ (اب کیوں بھاگتے ہو) مت بھاگو، اُتْرِفْتُمْ جس عیش میں پڑے تھے اس کی طرف پلٹو۔ اِتْرَافٌ نعمت پر اترا جانا۔ خلیل نے کہا مُتْرَفٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو خوش حال فارغ البال ہو کوئی پریشانی اور فکر اس کو نہ ہو۔

لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ⑬ شاید تم سے کوئی پوچھے پاچھے۔

تاکہ کل کو تم سے پوچھا جائے کہ تم پر اور تمہارے مال و متاع پر کیا گذری اور تم اس کا جواب معاینہ کے بعد دے سکو۔ یا یہ مراد ہے کہ تم لوٹ کر جاؤ اپنے جلسوں میں بیٹھو۔ پھر تمہارے نوکر چاکر اور کارندے تم سے دریافت کریں کہ اب ہم کو آپ کیا حکم دیتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ شاید لوگ تمہاری مجلسوں میں آکر تم سے اپنی اپنی مصیبتوں اور تکلیفوں کے متعلق دریافت کریں۔ یا یہ مطلب ہے کہ شاید کل کو تم سے تمہارے اعمال کی بازپرس ہوگی یا تم کو عذاب دیا جائے گا، بازپرس بھی عذاب کی ابتدائی تمہید ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تم سے قتل نبی کے متعلق بازپرس کی جائے گی۔ بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول حضورا کے باشندوں کے حق میں ہوا، حضور ایمن کی ایک بستی تھی جس کے باشندے عرب تھے، اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے ایک نبی کو مبعوث فرمایا، پیغمبر نے ان کو توحید کی دعوت دی، اہل حضورا نے نبی کی تکذیب کی اور اس کو قتل کردیا، اللہ نے (بطور سزا) شاہ بخت نصر کو ان پر مسلط کردیا، بخت نصر نے ان کو قتل اور قید کیا جب عام طور پر لوگ قتل ہونے لگے تو پشیمان ہوئے اور (بستی چھوڑ کر) بھاگ کھڑے ہوئے، فرشتوں نے ان کو آواز دی بھاگو مت، اپنے گھروں اور مالوں کی طرف لوٹو شاید تم سے (کچھ) مانگا جائے، اور پھر جس کو چاہو تم دو اور جسکو چاہو نہ دو، تم بڑے مالدار اور اہل ثروت ہو، غرض بخت نصر نے ان کا تعاقب کیا اور بے دریغ قتل کیا اور کسی ہاتف نے اوپر سے آواز دی انبیاء کا انتقام۔ یہ حالت دیکھ کر ان کو اپنے کئے پر پشیمانی ہوئی۔ لیکن اقرار قصور نے ان کو فائدہ نہ دیا۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں نے کہا بھاگو نہیں لوٹ کر گھروں کو چلو شاید تم سے بطور تاوان مال طلب کیا جائے اور تم مال دے کر قتل ہونے سے بچ جاؤ اس وقت آسمان سے ندا آئی انبیاء کا انتقام۔

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑭ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ⑮

Marfat.com

کہنے لگے ہائے ہماری تباہی (آگئی) ہم بلاشبہ ظالم تھے۔ وہ برابر یونہی پکار مچاتے رہے
آخر ہم نے ان کو کٹی ہوئی کھیتی (کی طرح تباہ اور) مردہ کردیا۔ یعنی وہ برابر یٰوَیْلَنَا اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیْنَ کی رٹ لگاتے رہے گویا وہ اپنی موت کو بلا رہے تھے اور کہہ رہے تھے اے موت تو کہاں ہے آجا اس وقت تیری ضرورت ہے حصید کٹی ہوئی کھیتی۔ خامدین مردے، بجھے ہوئے، خمود نار آگ کا بجھنا۔ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ، دونوں کا مجموعہ ہے، ایک اسم کی طرح ہو کر جَعَلْنَا کا مفعول دوئم ہے۔ یعنی ان کو کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ہم نے کردیا اور بجھی ہوئی آگ کی طرح بھی۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ اور ہم نے آسمان وزمین کو اور
جو کچھ کہ انکے درمیان ہے اس کو اس طور پر نہیں پیدا کیا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں۔ لٰعِبِيْنَ بیکار کام کرنے والے۔
یعنی آسمان وزمین اور ان کی درمیانی کائنات کی تخلیق ہم نے بیکار نہیں کی۔ بلکہ ان کے اندر حکمت کے عجائب کا اظہار کیا ہے۔
عبرت اندوز نظر رکھنے والوں کے لئے ان کے اندر ذخیرہ عبرت پوشیدہ ہے اور معاش ومعاد کو درست کرنے کا سامان موجود ہے
، ضروری ہے کہ موجودات کی ظاہری نظر فریبیوں کا شکار نہ ہوجائیں، اصل حکمت پر غور کریں اور اس ساری کائنات کو تحصیل کمال کا ذریعہ بنائیں۔

لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾
اگر ہم کو مشغلہ ہی بنانا ہوتا تو ہم خالص اپنے ہی پاس کی چیز کو مشغلہ بناتے اگر ہم کو یہ کرنا ہوتا۔
عطاء کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لہو سے مراد عورت ہے۔ حسن اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔
جماع کو لغت میں لہو کہتے ہیں اور عورت محل جماع ہے۔ کلبی کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ لہو سے مراد اولاد ہے۔ سدی کا بھی یہی قول ہے، آدمی اپنے چھوٹے بچوں کے ساتھ کھیلتا اور دل بہلاتا ہے۔
لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ کا یہ مطلب ہے کہ اگر ہم لہو کرنے والے ہی ہوتے تو اپنی شان کے مناسب ان چیزوں کو ذریعہ لہو بناتے جو ہماری ذات کے مناسب ہوتیں۔ مثلاً وہ مخلوق جو مادہ سے خالی ہے (مجردات، ملائکہ) ہر چیز کا جوڑا اور ہر شخص کی اولاد اس کی ہم جنس ہوتی ہے اور اللہ کا ہم جنس کوئی نہیں ہے اس لئے اس کا جوڑا یا اولاد ہونا محال ہے اور ناممکن چیز سے اللہ کے ارادے کا تعلق ہوجائے یہ بھی محال ہے (موقوف علی المحال محال ہوتا ہے) اس آیت میں نصاریٰ کے عقیدے کی تردید ہے جو مسیح کو اللہ کا بیٹا اور مسیح کی ماں کو اللہ کی بیوی قرار دیتے ہیں۔
اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ میں اِنْ شرطیہ ہے کلام سابق جزا پر دلالت کر رہا ہے اس لئے جزا کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ قتادہ اور ابن جریج اور مقاتل کے نزدیک اِنْ نافیہ ہے یعنی ہم ایسا کرنے والے نہیں۔ گویا یہ جملہ کلام سابق کا نتیجہ ہے۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ
بلکہ ہم حق بات کو باطل پر پھینک مارتے ہیں۔ سو وہ (حق) اس (باطل) کا بھیجا نکال دیتا ہے سو وہ مغلوب ہو کر دفعتاً جاتا رہتا ہے۔
اس کا عطف سابق کلام پر ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم کھیل کرنے والے نہیں۔ بلکہ باطل کو حق پر دے مارتے ہیں۔ حق سے مراد ہیں وہ آیات جو اللہ کی تنزیہ اور پاکی کو ثابت کر رہی ہیں اور اللہ کا بیوی بچوں سے پاک ہونا جن سے ظاہر ہو رہا ہے۔ قَذْفٌ کا معنی ہے پٹکنا، پھینک مارنا۔ اَلْبَاطِلُ سے مراد ہے کفر اور جھوٹ اور یہ قول کہ اللہ کے بیوی بچے ہیں۔ يَدْمَغُ یعنی اس کو فنا کر دیتا ہے۔ دَمْغٌ سر توڑ دینا، بھیجا کچل دینا جس سے ہلاکت واقع ہوجائے۔ مجازاً مراد ہے فنا کر دینا، حق کو قائم کرنا اور باطل کو تباہ کر دینا۔
قَذْفٌ کا لفظ بتارہا ہے کہ جس چیز کو پھینک کر مارا گیا وہ بھاری اور ٹھوس ہے۔ ابطال باطل کو دمغ کہنا بطور مبالغہ ہے، زَاهِقٌ ہلاک ہونے والا جس کا نشان بھی باقی نہ رہے۔ قاموس میں ہے زَهَقَ الْبَاطِلُ باطل نابود ہو گیا زَهَقَ الشَّيْئُ وہ چیز تباہ اور ہلاک ہو گئی بعض نے کہا زُهُوْقٌ کا معنی ہے جان نکل جانا۔

وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ اور تمہارے لئے اس بات سے بڑی خرابی ہوگی جو تم گڑھتے ہو۔ خطاب

Marfat.com

کافروں کو ہے۔ وَیْلٌ ہلاکت۔ مِمَّا تَصِفُوْنَ، یعنی جو نامناسب اوصاف تم بیان کرتے ہو اور جو اللہ کی شان کو زیبا نہیں ہیں ان کی وجہ سے تمہارے لئے ہلاکت ہو گی۔

وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ اور جتنے کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اسی کے ہیں (وہ بھی اور جو اسکے پاس (یعنی اس کے مقرب) ہیں یعنی جو کوئی آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ اللہ ہی کی مخلوق اور مملوک ہے نہ کوئی اس کی مثل بننے کے لائق ہے نہ بیوی اور اولاد بننے کا سزاوار۔

وَمَنْ عِنْدَهٗ اور جو اس کے مقرب ہیں وہ بھی اسی کے پیدا کردہ اور اسی کی ملک ہیں، یعنی ملائکہ، انبیاء اور دوسرے اہل قربت بھی اسی کے ہیں۔ اللہ کا قرب (جسمانی) نہیں بے کیف ہے (اس کی کوئی کیفیت نہیں بیان کی جا سکتی۔ مَنْ عِنْدَهٗ کو مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے الگ مستقل طور پر بصورت عطف اس لئے بیان کیا کہ بعض ملائکہ مثلاً حاملین عرش اور انبیاء و ملائکہ کی حقائق اور دائرۂ ظلال (یعنی حقائق امکانیہ اور اعیان ثابتہ) کا کوئی مکان نہیں نہ آسمان میں نہ زمین میں۔

لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ (اور ان میں سے) اللہ کے نزدیک جو (بڑے مقبول و مقرب) ہیں وہ اسکی عبادت سے عار نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں۔

اِسْتِحْسَارٌ تھکنا، ماندہ ہو جانا، اِسْتِحْسَار کے معنی میں حُسُوْر کے معنی سے زیادہ زور ہے۔ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی عبادت گو ثقیل ہے، دوام عبادت دشوار ہے، مقرب ملائکہ کو تھک جانا چاہئے لیکن وہ سست نہیں پڑتے کیونکہ ان کو عبادت میں لذت حاصل ہوتی ہے اس لئے ہر وقت عبادت میں ڈوبے رہتے ہیں، ترک عبادت کو اپنی ہلاکت جانتے ہیں۔

یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ رات دن اللہ کی پاکی بیان کرتے (اور تعظیم الٰہی کا اظہار کرتے) ہیں سست نہیں پڑتے۔ کعب احبار نے کہا ملائکہ کے لئے تسبیح خداوندی ایسی ہے جیسے آدمی کے لئے سانس (سانس لینا باعث حیات ہے اور سانس لینے سے آدمی کسی وقت نہیں تھکتا فرشتوں کے لئے تسبیح باعث حیات ہے وہ پاکی بیان کرنے سے نہیں تھکتے۔

لَا یَفْتُرُوْنَ کمزور نہیں پڑتے، نہیں اکتاتے۔ وہ عبادت جس میں اہل قربت ہر وقت غرق رہتے ہیں اس سے مراد ذکر خفی اور ہر وقت اللہ کی طرف توجہ ہے جس طرح برّی حیوان کے لئے ہوا میں سانس لینا اور بحری جانور کے لئے پانی میں سانس لینا ہر وقت ضروری ہے اور یہی بقاء حیات کا سبب ہے اسی طرح اہل قربت کے لئے خواہ ملائکہ ہوں یا انسان ہر دم اللہ کی طرف توجہ رکھنا لازم ہے (یہی ان کی زندگی ہے۔)

ذکر خداوندی کے استغراق کی حالت میں بندہ جو کچھ کرتا ہے حقیقت میں وہ اللہ کا فعل ہوتا ہے۔ ایسا شخص اللہ کی طاعت و عبادت کی قوت حاصل کرنے کے لئے کھاتا پیتا اور سوتا ہے۔ نکاح کرتا ہے تو اس کا مقصد ہوتا ہے سنت رسول اللہ ﷺ کا اتباع۔ امت اسلامیہ کی تعداد میں اضافہ اور حضور ﷺ کے اس فرمان کی تکمیل کہ نکاح کرو، تمہاری کثرت کے سبب میں دوسری امتوں پر قیامت کے دن فخر کروں گا۔ چونکہ ہر دم استغراق رکھنے والا شخص کسی وقت یاد سے غافل نہیں ہوتا اس لئے اکثر اس سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا اگر بتقدیر الٰہی کوئی گناہ ہو بھی جاتا ہے تو اس کو فوراً پشیمانی ہو جاتی ہے اور وہ توبہ کر لیتا ہے اس طرح اللہ اس کی خطاؤں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔ یہی بنیاد ہے اس قول کی کہ عالم کی نیند بھی عبادت ہے ایسے ہی لوگوں کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ تھکتے نہیں رات دن اللہ کی یاد میں سرگرم رہتے ہیں سست نہیں پڑتے۔

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ کیا (باوجود ان دلائل توحید کے) ان لوگوں نے خدا کے سوا اور معبود بنا رکھے (بالخصوص) زمین کی چیزوں میں سے)

اَمْ منقطعہ ہے جو بَلْ (بلکہ) مع ہمزۂ استفہام کے معنی میں ہوتا ہے اور بَلْ کلام سابق سے اعراض کے لئے آتا ہے

Marfat.com

(مطلب یہ ہوتا ہے کہ کلام سابق کا مضمون نہیں ہے بلکہ یہ بات ہے جو آئندہ بیان کی گئی ہے) اور ہمزہ انکار توبیخ کے لئے ہے۔ آیات سابقہ کی ترتیب اس طرح ہے اَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ پھر فرمایا بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ۔ اول مشورہ کر کے کہنے لگے یہ تو بس تم جیسا آدمی ہے (اور اسی کہنے پر اکتفا نہیں کیا) بلکہ کہنے لگے یہ پراگندہ خواب ہیں بلکہ (اس سے بھی آگے بڑھ کر کہنے لگے) اس نے از خود بنا کر اور اپنے دماغ سے تراش کر خدا کی طرف نسبت کر دی ہے (پھر کہنے لگے نہیں یہ بھی نہیں ہے) بلکہ یہ شاعر ہے۔ اس تمام کلام کا حاصل یہ ہے کہ نبوت کے متعلق (تاویلیں کرنے میں) حد سے آگے بڑھ گئے اور فقط نبوت و قرآن کے معاملہ میں انہوں نے حق سے تجاوز نہیں کیا بلکہ (اللہ کے ساتھ) انہوں نے دوسروں کو معبود بھی بنالیا ہے اور معبود بھی وہ جو زمین کی پیداوار ہیں، زمین کی چیزوں سے بنائے گئے ہیں۔ پتھر، سونا، چاندی (پیتل) وغیرہ، ان معبودوں کا مادہ صنعت ہے۔ مِنَ الْاَرْضِ کہنے سے تخصیص مقصود نہیں (کیونکہ ان کے معبود ستارے اور جن وغیرہ بھی تھے) بلکہ معبودوں کی تحقیر مقصود ہے (کہ انکے معبود ایسے حقیر و ذلیل ہیں جو موجودات ارضی سے بنائے گئے ہیں۔

هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿٢١﴾ وہ معبود مردوں کو زندہ کر کے اٹھائیں گے۔ اس فقرے میں مشرکوں کی انتہائی جہالت کا اظہار، استہزائیہ طرز کے ساتھ ہے۔ مستحق عبادت صرف وہی ہو سکتا ہے جو زندہ کرنے، مارنے اور کامل نعمتیں عطا کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ اور جب مشرک بتوں کو بھی معبود قرار دیتے ہیں تو گویا اس بات کے مدعی ہیں کہ بت بھی زندہ کرنے۔ مردہ کرنے اور نعمتیں عطا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور یہ دعوی واقعیت کے خلاف ہے۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ اگر ان دونوں (زمین یا آسمان) میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتے تو دونوں درہم برہم ہو جاتے۔

جس طرح لفظ غَيْر استثنائیہ بھی آجاتا ہے اسی طرح اِلَّا کبھی بصورت صفت بمعنی غَيْر کے بھی مستعمل ہے۔ آیت مذکورہ میں استثنائی معنی درست نہیں، استثناء کے لئے ضروری ہے کہ اِلَّا کا مابعد (مستثنیٰ) اِلَّا کے ماقبل (مستثنیٰ منہ) میں استثناء سے قبل داخل ہو اور پھر کلمۂ استثناء کے ذریعہ سے الگ کر لیا جائے اور یہاں اَللّٰہ (مستثنیٰ) اٰلِهَةٌ (مستثنیٰ منہ) میں داخل ہی نہ تھا، پھر استثناء متصل و منفصل کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔

لَفَسَدَتَا سے مراد یہ ہے کہ شروع سے ہی بگاڑ ہو جاتا اور دونوں پیدا ہی نہ ہوتے کیونکہ چند الٰہوں کا اگر مقصد میں اتفاق ہوتا تو سب کی باہمی قدرت میں ٹکراؤ ہونا یقینی ہوتا اور اگر الٰہ کے مقصد و مراد میں اختلاف ہوتا تب تو وجود کائنات میں رکاوٹ پڑ جانا لازم ہی تھی۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٢٢﴾ سو (اس تقریر سے ثابت ہوا کہ) مالک عرش خدا ان امور سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کر رہے ہیں۔

سُبْحٰنَ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے یعنی میں اللہ کی کامل پاکی بیان کرتا ہوں جو عرش کا رب (حاکم و مالک) ہے۔ عرش تمام اجسام کو محیط ہے۔ انتظامات عالم کا مرکز اور تمام مقادیر کا سرچشمہ ہے۔ اس عالم میں عرش کی حالت ایسی ہے جیسے انسانی جسم میں دماغ کی، عَمَّا يَصِفُوْنَ یعنی مشرک جو اللہ کی بیوی بچے اور شرکاء ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، میں ان کے اس بیان سے اللہ کے کامل طور پر پاک ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿٢٣﴾ اس سے اس کے فعل کی باز پرس نہیں کی جائے گی اور ان سے (یعنی آسمانوں و زمین والوں سے ان کے اعمال کی) باز پرس کی جائے گی، یعنی اللہ کی عظمت، اقتدار کی قوت، الوہیت میں یکتائی اور ذاتی حکومت کی وجہ سے اس سے باز پرس کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ باز پرس نہ کی جاسکنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کا ہر فعل اپنی ملکیت میں تصرف ہے وہ ہر چیز کا مالک ہے اور مالک اپنی ملکیت میں جیسا چاہے تصرف کر سکتا ہے اس پر کوئی

Marfat.com

اعتراض نہیں کیا جا سکتا اور مخلوق کا تصرف اپنی ملک میں تصرف نہیں، مخلوق کسی چیز کی حقیقی مالک ہی نہیں ہے بلکہ اللہ کی ملک میں تصرف ہے اور اللہ کی ملک میں تصرف اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں، لہٰذا اللہ کی ملک میں تصرف کرنے والوں سے باز پرس کی جائے گی، لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ یہ پورا کلام سابق مضمون کی علت ہے کیونکہ جو مسئول ہو گا وہ اس ذات کا شریک کیسے ہو سکتا ہے جو غیر مسئول ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً کیا خدا کو چھوڑ کر انہوں نے اور معبود بنا رکھے ہیں۔ اس جملہ کو دوسری مرتبہ ذکر کرنے سے مقصود ہے کفر کی برائی کی عظمت کا بیان اور کافروں کی جہالت کا مزید اظہار۔ تکرار کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ پہلی مرتبہ ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ کافروں کے پاس باطل معبودوں کو الٰہ قرار دینے کی کوئی عقلی دلیل نہیں، کیا وہ مردوں کو زندہ کر دیں گے اور دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھا دیں گے اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ان کی الوہیت کا عقلاً کوئی استحقاق نہیں۔ پھر دوبارہ اسی جملہ کو ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ گزشتہ آسمانی کتابوں میں بھی اس کو اللہ کا شریک قرار دینے کی اجازت نہیں، اس لئے شرک کی کوئی نقلی دلیل بھی ہے۔

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ آپ ان سے کہئے کہ (اس دعویٰ پر) تم اپنی دلیل پیش کرو۔ یعنی شرک کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل پیش کرو، بے دلیل بات صحیح نہیں، تمام عقلی و نقلی دلیلیں شرک کے خلاف موجود ہیں۔

هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ یہ میرے ساتھ والوں کی کتاب اور مجھ سے پہلے لوگوں کی کتابیں موجود ہیں۔ یعنی یہ قرآن اور توریت و انجیل جو تمہارے سامنے موجود ہے یہ قیامت تک میری امت کے لئے بھی نصیحت نامہ ہے اور گزشتہ امتوں کے لئے بھی، یہی یادداشت اور درس نصیحت تھا (مراد یہ ہے کہ تینوں کتابیں درس توحید پر متفق ہیں کسی میں بھی شرک کی اجازت نہیں۔ پس یہی پیام توحید میری امت کے لئے بھی ہے اور سابق امتوں کے لئے بھی یہی درس نصیحت تھا)

عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ سے قرآن مراد ہے اور ذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ سے توریت و انجیل، مطلب یہ ہے کہ قرآن ہو یا توریت یا انجیل یا کوئی اور آسمانی صحیفہ سب کو پڑھو اور بتاؤ کہ کسی کتاب میں بھی کسی جگہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے کسی کو اپنا شریک یا بیٹا بنا لیا ہے یا اپنے سوا کسی اور کی عبادت کا حکم دیا ہے۔

......ایک شبہ......

مکہ کے مشرک تو نہ قرآن کو مانتے تھے نہ توریت و انجیل کو اگر ان کتابوں میں شرک کی اجازت نہ تھی تو مشرکین مکہ پر اس فیصلہ کا ماننا ان کی نظر میں کب ضروری تھا پھر کتب سماویہ میں شرک کی اجازت نہ ہونے کو ابطال شرک کی دلیل کیسے قرار دیا جا سکتا تھا۔

......ازالہ......

مشرکین مکہ عناداً ان کتابوں کو نہیں مانتے تھے ورنہ ان کی صداقت و حقانیت تو واضح تھی خصوصاً قرآن کا اعجاز اور بلاغت اعلیٰ تو اس کی صداقت اور منزل من اللہ ہونے کی کھلی دلیل تھی ایسی حالت میں کافروں کا انکار قابل التفات ہی نہیں تھا گویا اہل انصاف کی نظر میں ان کتابوں کی سچائی مسلمہ تھی (اور مسلمات یقینیہ پر جس قیاس کی بناء ہوتی ہے وہ قیاس برہانی یقینی ہوتا ہے، پس کتب سماویہ میں شرک کی اجازت نہ ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک باطل ہے اور توحید ہی حق ہے)

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ بلکہ ان میں زیادہ وہی ہیں جو امر حق کا یقین نہیں رکھتے سو (اس وجہ سے) اعراض کر رہے ہیں۔ یعنی صداقت کے واضح ہونے کے باوجود یہ لوگ حق کو نہیں جانتے اور حق و باطل میں امتیاز نہیں کرتے، اس لئے توحید خداوندی اور اتباع رسول سے گریز کرتے ہیں۔

Marfat.com

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾
اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود (ہونے کے قابل) نہیں۔ پس میری ہی عبادت کرو۔ اس کلام میں تخصیص کے بعد تعمیم ہے یعنی توحید کا حکم صرف اس قرآن، توریت اور انجیل میں ہی نہیں ہے بلکہ جو پیغمبر بھی ہم نے بھیجا اس کو یہی پیغام دیا کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم سب میری ہی خالص عبادت کرو۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ اور یہ (مشرک) یوں کہتے ہیں کہ اللہ نے فرشتوں کو اولاد بنا رکھا ہے اللہ اس سے پاک ہے بلکہ وہ فرشتے اس کے بندے ہیں معزز۔
اس کلام کا عطف اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ کے مضمون پر ہے یعنی کیا انہوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں اور کہتے ہیں کہ رحمٰن نے اپنے لئے اولاد اختیار کی ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی خزاعہ کے حق میں ہوا، جو کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، بَلْ عِبَادٌ بلکہ بندے ہیں یعنی فرشتے اللہ کی بیٹیاں نہیں ہیں، خدا ان کا باپ نہیں، خالق ہے۔

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے اور اسی کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کی اجازت و اذن کے بغیر کوئی بات نہیں کہتے اور اللہ جو حکم ان کو دیتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ خلاف حکم کچھ نہیں کرتے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ اللہ ان کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے یہ گویا کلام سابق کی علت ہے، مطلب یہ کہ اللہ سے فرشتوں کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں، نہ گزشتہ عمل، نہ موجودہ عمل، نہ ہونے والا۔ اور چونکہ اللہ ان کے تمام احوال سے واقف ہے اس لئے وہ بھی اپنے احوال کی نگہداشت کرتے اور اعمال کا انضباط رکھتے ہیں۔

وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ اور بجز اس کے جس کے لئے شفاعت کرنے کی خدا تعالیٰ کی مرضی ہو اور کسی کی سفارش نہیں کر سکتے اور وہ سب اللہ کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔
یعنی ہیبت الٰہیہ کی وجہ سے ان کا یہ حال ہے کہ فقط انہی لوگوں کی شفاعت کرتے ہیں جن کے حق میں شفاعت کو اللہ پسند فرماتا ہے اور (یہ شفاعت بھی) ڈرتے ڈرتے کرتے ہیں، عظمت الٰہیہ کا خوف ان پر چھلیا رہتا ہے۔ تعظیم آمیز خوف کو خشیت کہا جاتا ہے اس لئے خشیت کو علماء کے لئے مخصوص فرمادیا ہے۔ اِشْفَاقٌ کا معنی ہے ڈرنا، خوف کھانا، اگر اس کے بعد لفظ مِنْ آتا ہے تو کسی سے خوف کرنا اور ڈرنا مراد ہوتا ہے اور اگر اس کے بعد عَلٰی آتا ہے تو کسی کو نقصان پہنچنے اور دکھ پانے سے ڈرنا اور اس پر رحم کھانا مراد ہوتا ہے۔

ع ۲
۱۹
۲
وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾
اور (بالفرض اگر) ان میں سے کوئی کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے۔ ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں، یعنی کوئی فرشتہ یا کوئی مخلوق اِلٰہ ہونے کا مدعی بالفرض ہو جائے تو اس کی سزا جہنم ہے اس آیت کا مقصد غیر اللہ کی ربوبیت کی نفی اور اس بات کی تکذیب ہے کہ فرشتے مدعی الوہیت ہیں۔ اور مدعی الوہیت کی سزا کا اظہار کر کے مشرکوں کو عذاب کی تہدید ہے۔ اس آیت کا مضمون (تقریباً) ویسا ہی ہے جیسا آیت لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا کا ہے، قتادہ نے کہا مَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ سے مراد ابلیس ہے، جو حقیقتہً یا حکماً ملائکہ میں سے تھا فرشتوں کے ساتھ اس کو شامل کر دیا گیا، ابلیس نے غرور کیا اور اپنی عبادت کی لوگوں کو دعوت دی۔ دوسرا فرشتہ اس کا قائل نہیں ہو سکتا۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے (گویا قتادہ کے نزدیک آیت میں ایک واقعہ کا اور اس کی سزا کا اظہار کیا گیا ہے محض فرض پر کلام کی بناء نہیں ہے)

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ

Marfat.com

کیاان کافروں کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ آسمان وزمین (پہلے) بند تھے، پھر ہم نے دونوں کو اپنی قدرت سے کھول دیا۔

اَلسَّمٰوٰات یعنی آسمانوں کا مجموعہ، اَلْاَرْض زمینوں کا مجموعہ، رَتْقًا، حضرت ابن عباس ضحاک، عطاء اور قتادہ نے کہا آسمان وزمین سب باہم چسپاں اور ایک ہی تھے۔ فَفَتَقْنٰهُمَا پھر ہوا داخل کر کے ہم نے دونوں کو الگ الگ کر دیا۔ رَتْقٌ کا لغوی معنی ہے بند کرنا، ملا دینا اور فَتْقٌ کا معنی ہے پھاڑ دینا، کھول دینا۔ کعب نے کہا اللہ نے آسمان وزمین کو اوپر نیچے (تہ برتہ) بنایا تھا پھر ہوا پیدا کر کے اس کو دونوں کے بیچ میں داخل کر کے دونوں کو کھول دیا۔ (یعنی الگ الگ کر دیا) مجاہد اور سدی نے کہا آسمان وزمین چسپاں ایک طبقہ ہی تھے پھر اللہ نے ایک آسمان کے سات کر دیئے اور اسی طرح ایک زمین تھی اس کے سات (طبقے) بنا دیئے۔ عکرمہ اور عطیہ نے کہا آسمان بند (بلا سوراخ) تھا اس سے بارش نہیں ہوتی تھی اور زمین بھی بند (بلا سوراخ) تھی اس سے کوئی سبزہ نہیں اگتا تھا، پھر اللہ نے بارش کے ذریعہ سے آسمان میں شگاف (یعنی سوراخ) اور سبزہ اگا کر زمین میں سوراخ بنا دیئے اس مطلب پر اَلسَّمٰوٰات (بصیغۂ جمع) سے مراد ہوگا آسمان دنیا اور چونکہ اس کے اجزاء بہت ہیں اس لئے سَمٰوٰات کے لفظ کا اس پر اطلاق کیا (گویا سماء کے مختلف بلند اجزاء کو سَمٰوٰات کہا گیا) یا سَمَاوَات سے متعدد آسمان ہی مراد ہیں اور سب آسمانوں کو بارش برسانے میں دخل ہے (اس لئے تمام آسمانوں کو رَتْقٌ فرمایا پھر ان سب کے اندر اللہ نے سوراخ کر دیئے) حضرت مفسرؒ نے فرمایا یہی قول زیادہ ظاہر ہے کیونکہ تمام اہل عقل مؤمن ہوں یا کافر جانتے ہیں کہ پہلے بارش نہیں تھی پھر ہو گئی اور پہلے سبزہ نہ تھا پھر زمین سے اگنے لگا۔ بارش ہونا اور سبزہ پیدا ہونا ایک امر حادث ہے (جو پہلے نہ تھا پھر ہو گیا) اور ہر حادث کے لئے پیدا کرنے والے کی ضرورت ہے، کوئی حادث بغیر واجب الوجود محدث کے نہیں ہو سکتا۔

رہا پہلا مطلب کہ آسمان وزمین باہم چسپاں تھے پھر اللہ نے ان کو ہوا کے ذریعہ سے الگ الگ کر دیا تو عام کافروں کے لئے یہ (علمی مسئلہ) ظاہر نہیں لیکن وہ علماء سے دریافت کر سکتے ہیں، آسمانی کتابوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں، اس طرح ان کو بھی علم ہو سکتا ہے۔ آئندہ آیت عکرمہ اور عطیہ کے قول کی تائید کر رہی ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ——— اور ہم نے (بارش کے) پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا ہے۔ اس کا عطف فَفَتَقْنَا پر ہے یعنی ہم نے آسمان میں سوراخ کر دیئے اور اس سے بارش نازل کی اور زمین میں سوراخ کر دیئے اور اس سے سبزہ اگا دیا اور ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا۔ اس مطلب پر رابطہ محذوف ہے۔ مطلب اس طرح ہوگا ہم نے ہر زندہ چیز کو جو آسمان و زمین کے درمیان ہے پانی سے پیدا کیا۔

جَعَلْنَا ہم نے پیدا کیا (جَعَل بسیط جو صرف ایک مفعول چاہتا ہے) اس وقت مِنَ الْمَآءِ کا تعلق جَعَلْنَا سے ہوگا اور كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ مفعول ہوگا۔ جَعَلْنَا کا دوسرا ترجمہ ہم نے کر دیا پانی سے مخلوق ہر چیز کو (جعل مرکب جو دو مفعول چاہتا ہے) اس صورت میں كُلَّ شَيْءٍ مفعول اول ہوگا اور مِنَ الْمَآءِ کا تعلق کَائِنًا یا مَخْلُوقًا محذوف سے ہوگا یعنی ہم نے پانی سے مخلوق کر دیا ہر چیز کو۔

...... ایک شبہ ......

گھاس کی پیدائش تو فی الجملہ پانی سے ہے۔ گھاس بھی کچھ نہ کچھ زندگی رکھتی ہے اس لئے گھاس کا پانی سے پیدا ہونا تو ٹھیک ہے۔ بعض حشرات الارض کا مادۂ تخلیق بھی رطوبت ہی ہے اس لئے ان کی تخلیق کو پانی سے قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن انسان اور اکثر حیوانات کا مادۂ تخلیق تو نطفہ ہے ان کو پانی کی پیداوار کہنا کس طرح درست ہے۔

...... جواب ......

کلام مجازی ہے ہر حیوان کو اپنی بقاء کے لئے پانی کی ضرورت اتنی زیادہ ہے کہ گویا ہر حیوان پانی ہی سے پیدا کیا گیا ہے، جیسے خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ آدمی طبعًا اتنا عجلت پسند واقع ہوا ہے اور ہر چیز کے نتیجے کو اتنی جلد طلب کرتا ہے کہ گویا اس کی

Marfat.com

تخلیق ہی عجلت کے مادے سے ہوئی ہے یالفظ بقا محذوف ہے۔ یعنی ہم نے ہر زندہ چیز کی بقاء پانی سے کی ہے یا یوں کہا جائے کہ پانی سے رطوبت مراد ہے۔ نطفہ سے اکثر حیوانات کی تخلیق ہوتی ہے اور نطفہ مرطوب ہوتا ہے۔ اَلْمَآءِ کے اندر نطفہ داخل ہے۔ ابو العالیہ نے کہا اکثر مفسرین نے آیت کا تفسیری مطلب یہ بیان کیا کہ ہر زندہ چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر چیز کو پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں پانی سے مراد نطفہ، جیسے دوسری آیت میں اللہ نے فرمایا ہے، وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ اور اللہ نے ہر چوپایہ کو پانی سے پیدا کیا ہے، اس مطلب پر حدیث میں جو لفظ شَیْءٍ آیا ہے اس سے مراد حیوان ہے اور (چونکہ بعض حیوانات کی تخلیق پانی سے نہیں ہوئی جیسے آگ کے اندر پیدا ہونے والا کیڑا جس کو سمندر کہا جاتا ہے۔ مترجم) لفظ کُلّ سے اکثر مراد ہے جیسے حدیث مبارک میں کُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ یعنی تم سے اکثر لوگ نگرانی کے ذمہ دار ہیں۔

اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾ کیا (ان باتوں کو سن کر) پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔ استفہام انکاری ہے اور ف تعقیب کے لئے یعنی صانع قدیم کی توحید ذاتی و صفاتی کی اتنی واضح اور عظیم الشان دلائل دیکھنے کے بعد بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۪ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور ہم نے زمین میں اس لئے پہاڑ بنائے کہ زمین ان لوگوں کو لے کر ہلنے نہ لگے اور ہم نے اس زمین میں کشادہ کشادہ راستے بنائے تاکہ وہ لوگ (ان کے ذریعہ سے) منزل مقصود کو پہنچ جائیں۔

رَوَاسِیَ۔ جِبَالًا محذوف کی صفت ہے، جمے ہوئے پہاڑ، گڑے ہوئے پہاڑ۔ یہ لفظ رَسَا سے ماخوذ ہے رَسَا کا معنی ہے ثبت۔

اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ لفظ کَرَاهَةً یا حرف نفی (لا) اس سے پہلے محذوف ہے۔ تاکہ زمین اپنے باشندوں کو لے کر نہ لرزے۔

وَجَعَلْنَا فِيْهَا، یعنی زمین میں یا پہاڑوں میں فِجَاجًا دو پہاڑوں کے درمیان کشادہ راستے (قاموس) سُبُلًا کھلے ہوئے راستے۔ یہ سَبِیْل کی جمع ہے (قاموس) فِجَاجٌ میں وسعت کا مفہوم ہے، سُبُلًا سے پہلے اسکو ذکر کرنا بتا رہا ہے کہ آغاز تخلیق میں پہاڑی راستے کشادہ تھے، لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ تاکہ وہ اپنے مقاصد و مصالح کا راستہ پالیں، راہ چل کر اپنے مقصد کو حاصل کرلیں۔

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾ اور ہم نے آسمان کو مثل ایک چھت (کے) بنایا جو محفوظ ہے اور وہ لوگ اس کے اندر کی نشانیوں سے اعراض کئے ہوئے ہیں۔ (غور نہیں کرتے) یعنی ہم نے آسمان کو گرنے سے محفوظ بنایا محض اپنی قدرت سے بغیر ستونوں کے سہارے کے۔ یا قیامت تک ٹوٹنے، پھوٹنے، تباہ و برباد ہونے اور بگڑنے سے محفوظ کر دیا یا اس بات سے محفوظ کر دیا کہ کوئی شیطان اوپر چڑھ کر چوری چھپے کوئی خبر سن نہ پائے۔ عَنْ اٰيٰتِهَا یعنی چاند، سورج ستارے اور ان کے مختلف احوال جو صانع کے وجود، وحدت، کمال قدرت اور وسعت حکمت پر دلالت کر رہے ہیں ان کی طرف سے وہ لوگ روگرداں ہیں غور نہیں کرتے۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور وہ ایسا ہے کہ اسی نے رات و دن اور سورج اور چاند بنائے ہر ایک، ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔

یہ بعض آیات ربوبیت و الوہیت کا بیان ہے، كُلٌّ یعنی ہر ایک فِیْ فَلَكٍ، یعنی مدار نجوم۔ جو سب ستاروں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے (قاموس) فَلَكٌ کی جمع اَفْلَاک آتی ہے۔ عربی زبان میں ہر گول گھیرے کو فلک کہتے ہیں۔ تکلے کے دمرکہ کو بھی اسی مناسبت سے فَلَک کہا جاتا ہے۔ حسن نے کہا فَلَک تکلے کے دمرکہ کی شکل کی ایک چکی ہے، مراد یہ ہے کہ چکی کے گول چکر کی طرح ستارے دائرہ میں چلتے ہیں یعنی ستاروں کی رفتار متدیر ہے۔ قتادہ نے کہا فلک سے مراد آسمان ہے جس کے اندر ستارے موجود ہیں اور ہر ستارہ اسی آسمان میں چلتا ہے جو اس کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے۔ کلبی نے کہا فلک آسمان کی گولائی

Marfat.com

کو کہتے ہیں کچھ لوگوں نے کہا آسمان کے نیچے موج بستہ کا نام فَلَکٌ ہے جس میں چاند، سورج اور ستارے چلتے ہیں۔

(حضرت مفسر نے کہا)، میں کہتا ہوں فلک آسمان ہی ہے آسمان دنیا ہی پر سب ستارے چلتے ہیں اور فَلَک کی تنوین بتا رہی ہے کہ ہر ستارہ ایک دائرہ میں چل رہا ہے تمام ستاروں کے مدار مختلف متعدد گھیروں پر ہیں باوجود مدار کے تعدد فَلَک کو بصیغۂ واحد ذکر کرنا عربی محاورے کے مطابق ہے۔ عرب بولتے ہیں امیر نے ان سب کو خلعت پہنایا (یعنی ہر ایک کو ایک ایک خلعت پہنایا)

یَسْبَحُوْنَ تیرتے ہیں یعنی تیز چلتے ہیں جیسے پانی میں تیرنے والے کی (ہموار) رفتار ہوتی ہے یَسْبَحُوْنَ کی ضمیر جمع شمس و قمر کی طرف راجع ہے۔ شمس و قمر کے مطالع متعدد اور کثیر ہوتے ہیں اس لئے جمع کی ضمیر راجع کرنا درست ہے۔

ابن المنذر نے ابو جوع کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اللہ کی طرف سے آپ کی وفات کی اطلاع دی گئی تو حضور ﷺ نے عرض کیا اے میرے رب (میرے بعد) میری امت کا کون نگران ہوگا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ

اور ہم نے آپ ﷺ سے پہلے بھی کسی بشر کے لئے ہمیشہ زندہ رہنا تجویز نہیں کیا پھر اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ لوگ (دنیا میں) ہمیشہ رہیں گے ہر جاندار موت کا مزہ چکھے گا۔

خلد دنیا میں ہمیشہ رہنا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب کافروں نے کہا تھا ہم تو اس وقت کے منتظر ہیں جب محمد پر موت کا چکر پڑے (اور وہ مر جائیں) مطلب یہ ہے کہ آپ ہمیشہ رہنے والے نہیں یہ بات طے شدہ ہے پھر آپ کے بعد کیا یہ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (ایسا ہرگز نہ ہوگا) ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے، بدن سے روح کے جدا ہونے کی تلخی سب کو چکھنی ہے۔

وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۗ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾　　اور ہم تم کو بری بھلی حالتوں سے اچھی طرح آزماتے ہیں پھر اس زندگی کے بعد تم سب ہمارے پاس چلے آؤ گے۔

نَبْلُوْكُمْ یعنی ہم تمہارے ساتھ ویسا عمل کریں گے جیسا امتحان لینے والا کرتا ہے (اللہ کو سب کچھ معلوم ہے اس لئے اصل کیفیت دریافت کرنے اور واقف ہونے کے لئے وہ ہماری جانچ نہیں کرتا، پس بَلَاء یعنی امتحان کی نسبت اس کی طرف حقیقی بلکہ محض مجازی اور ظاہری ہے، وہ بندوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے جیسا ممتحن ان لوگوں کے ساتھ کرتا ہے۔ جن کا وہ امتحان لیتا ہے)

بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ یعنی برائی، بھلائی، سختی، نرمی، صحت، بیماری، دولت، افلاس اور ہر ناگوار و گوارا چیز سے ہم تمہاری جانچ کرتے ہیں تاکہ یہ بات ظاہر ہو جائے کہ تم مرغوب و محبوب مقصد کو حاصل کر کے شکر کرتے ہو یا ناشکری۔ اور دکھ پر صبر کرتے ہو یا شکوہ و شکایت اور بے صبری۔

وَإِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ اور ہماری ہی طرف تم کو لوٹا کر لایا جائے گا پس ہم ہی تم کو صبر و بے صبری اور شکر و ناشکری کی جزا و سزا دیں گے۔ اس آیت میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ پیدا کرنے کی اصل غرض جانچ کرنا اور عذاب و ثواب دینا ہے۔ اس جملہ میں آیت نَبْلُوْكُمْ کے مضمون کی تائید ہے۔ ابن حاتم نے بروایت سدی بیان کیا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ، ابو جہل اور ابوسفیان کی طرف سے گزرے حضور کو دیکھ کر ابو جہل ہنسنے لگا اور ابوسفیان سے بولا یہ ہے بنی عبد مناف کا نبی۔ ابوسفیان کو اس بات سے غصہ آ گیا اور کہنے لگا بنی عبد مناف میں پیغمبر ہونا تم کو کیوں ناگوار ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ گفتگو سن لی اور پلٹ کر ابو جہل کو ڈرایا اور فرمایا میرا خیال ہے کہ تو اس وقت تک باز نہیں آئے گا جب تجھ پر وہ مصیبت نہ آ پڑے جو تیرے چچا پر پڑی تھی اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَإِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا إِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ إِلَّا هُزُوًا ۭ أَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ

Marfat.com

اور کافر لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کی ہنسی اڑاتے ہیں اور (آپس میں کہتے ہیں) کیا یہی ہے جو تمہارے معبودوں کا برائی کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔

هُزُوًا مسخرہ یعنی کیا یہ ہی وہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کو برا کہتا اور ان کا ذکر برائی کے ساتھ کرتا ہے (برائی کے ساتھ) لفظ گو مذکور نہیں ہے مگر مراد ہے دشمن کا ذکر کرنا، برائی کے ہی ساتھ ہوتا ہے اور دوست کا ذکر اچھائی کے ساتھ۔ فُلَانٌ يَذْكُرُ فُلَانًا فلاں شخص اس آدمی کی برائی کر رہا تھا فُلَانٌ يَذْكُرُ اللّٰهَ فلاں شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے یعنی اللہ کی اچھی صفات بیان کرتا ہے یہ دونوں محاورے ہیں۔

وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اور خود یہ لوگ رحمٰن کے ذکر کا انکار کیا کرتے ہیں، رحمٰن کے ذکر کے منکر ہیں، یعنی اللہ کی توحید و تعظیم کے منکر ہیں یا اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ اللہ نے مخلوق کی ہدایت کے لئے پیغمبروں کو بھیجا اور اپنی کتابیں نازل فرمائیں یا قرآن کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رحمٰن یمامہ یعنی مسیلمہ کے علاوہ ہم اور کسی رحمٰن کو نہیں جانتے، پس ایسے لوگ اس امر کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان سے استہزاء کی جائے اور ان کو مسخرہ بنایا جائے۔

هُمْ کا تکرار تاکید اور تخصیص کے لئے ہے یا اس لئے ہے کہ اول هُمْ (مبتدا) اور كٰفِرُوْنَ (خبر) کے درمیان بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ کے لفظ سے فصل ہو گیا ہے۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ انسان جلدی ہی کے خمیر کا بنا ہوا ہے۔ یعنی عجلت پسندی انسان کی سرشت میں داخل ہے۔ انسان اتنا عجلت پسند اور بے صبرا واقع ہوا ہے کہ گویا اس کے خمیر میں عجلت (داخل) ہے اگر کسی شخص سے کسی بات کا صدور کثرت سے ہوتا ہے تو محاورے میں کہا جاتا ہے اس کی تو سرشت میں یہ بات داخل ہے۔

فُلَانٌ خُلِقَ مِنْ غَضَبٍ۔ خُلِقَ فُلَانٌ مِنَ الْكَرَمِ فلاں شخص کا خمیر ہی غصہ کا ہے، فلاں شخص کی سرشت ہی سخاوت سے ہوئی ہے، ایسا کلام بطور مبالغہ کے کہا جاتا ہے اور مجازی معنی پر محمول ہوتا ہے۔ سعید بن جبیر اور سدی نے بیان کیا کہ جب حضرت آدم کے سر اور آنکھوں میں روح داخل ہو گئی تو جنت کے پھلوں پر فوراً نظر پڑی اس کے بعد روح پیٹ کے اندر پہنچی تو آپ کو کھانے کی اشتہا پیدا ہو گئی اور فوراً ٹانگوں تک روح پہنچنے سے پہلے ہی جنت کے پھل لینے کے لئے اٹھنے لگے، لیکن اٹھ نہ سکے اور گر پڑے، اسی لئے کہا گیا ہے، خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ اس آیت میں اَلْاِنْسَانُ سے مراد حضرت آدم ہیں آپ ہی کی عجلت پسندی آپ کی اولاد میں بطور توارث منتقل ہو کر آئی ہے۔ آدمی کی یہ عجلت پسندی ہی ہے کہ کفر کی طرف پیش قدمی کرتا ہے اور عذاب کی اس کو وعید سنائی جاتی ہے تو فوراً نزول عذاب کا طلب گار ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں صوفیہ صافیہ کے قول کے مطابق تمام عالم اللہ کے اسماء و صفات کا پرتو اور سایہ ہے اور یہ صفات الہیہ تعینات خلائق کے مبادی ہیں اور اللہ کی صفات متضاد ہیں (وہ رَحِيْمٌ بھی ہے اور قَهَّارٌ بھی) پس جس طرح صَبُوْرٌ اس کا وصفی نام ہے اسی طرح وہ سَرِيْعُ الْحِسَابِ بھی ہے عجلت پسندی بھی اس کی ایک صفت ہے اور انسان کے اندر صفت عجلت پسندی کا یہی مبداء ہے اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ انسان کی سرشت اور تخلیق میں عجلت داخل ہے۔

ایک شبہ

جب عجلت پسندی اللہ کی صفت ہے تو یقیناً یہ صفت اچھی ہی ہو گی لیکن رفتار آیت بتا رہی ہے کہ عجلت پسندی مذموم صفت ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ جب استعجال انسان کی فطرت میں داخل ہے تو اس کی ممانعت کیوں کی گئی، سرشتی چیز ناقابل تبدیل ہوتی ہے اس کو ترک کرنا انسان کے بس میں ہی نہیں ہے۔

ازالہ

نفس استعجال بری چیز نہیں ہے ہاں اس میں حد سے تجاوز کرنا یا بے موقع اس کا استعمال برا ہے، دیکھو اللہ نے انبیاء کی تعریف میں فرمایا ہے وہ نیکیوں کی طرف تیزی سے بڑھتے ہیں، پس استعجال کا افراط یا بے محل استعمال مذموم ہے اور اس کو ترک

Marfat.com

کرنا ناممکن نہیں ہے۔
بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ حضرت آدم کو اللہ نے تھوڑے وقت میں پیدا کیا تھا۔ آدم کی تخلیق میں عجلت سے کام لیا تھا، آپ کو جمعہ کے روز دن کے آخری حصے میں پیدا کیا گیا اور غروب آفتاب سے پہلے پہلے آپ کی تخلیق مکمل ہو گئی۔ دوسری مخلوق آپ سے پہلے دن کے آخری حصہ تک پیدا کی جا چکی تھی۔ حضرت آدمؑ کے سر میں جب روح داخل ہو گئی تو آپ نے عرض کیا الٰہی غروب آفتاب سے پہلے میری تخلیق پوری کر دے، یہ قول مجاہد کا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا اللہ نے حضرت آدم کو جلد یعنی یکدم پیدا کر دیا، دوسرے آدمیوں کی تخلیق تدریجی ہے پہلے نطفہ ہوتا ہے، پھر بستہ خون، پھر بوٹی وغیرہ، حضرت آدم کی تخلیق اس طرح نہیں کی گئی۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ عَجَل کا معنی ہے گیلی مٹی، کیچڑ۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ عجل بفتح عین و جیم کیچڑ یا لیسدار دلدل۔ ایک شاعر کا قول ہے۔

وَالنَّبْعُ فِي الصَّخْرَةِ الصَّمَّاءِ مَنْبَتُهُ ۔۔۔ وَالنَّخْلُ تَنْبُتُ بَيْنَ مَاءٍ وَ بَيْنَ عَجَلِ

درخت نبع کی پیدائش کا مقام ٹھوس پتھروں میں ہوتا ہے اور کھجور کا درخت پانی اور کیچڑ سے پیدا ہوتا ہے۔

سَأُورِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ۝ میں عنقریب (وقت آنے پر) تم کو اپنی آیات (قہر) دکھاؤں گا پس تم مجھ سے جلدی مت مچاؤ۔
نشانیوں سے مراد ہے (عذاب دنیا و آخرت یعنی) بدر کا واقعہ اور عذاب دوزخ۔ فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ کا مطلب یہ ہے کہ آیات کے ظہور کا ایک وقت مقرر ہے، وقت مقرر سے پہلے تم ان کی طلب نہ کرو۔ مقرر وقت پر ان کا وقوع ضرور ہو جائے گا۔ حقیقت میں یہ تردید کافروں کے اس خیال کی ہے کہ عذاب کا وقوع بعید از فہم ہے اور اگر واقعی عذاب آنے والا ہے تو فوراً آجانا چاہئے وہ استہزاءً کہتے تھے کہ اے اللہ محمد جو کچھ کہہ رہے ہیں اگر یہ حق ہے، تیری طرف سے ہے (اور ہم اس کے منکر ہیں) تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔
بعض روایات میں آیا ہے کہ اس آیت کا نزول نضر بن حارث کے حق میں ہوا مذکورہ بالا قول اسی کا تھا۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ اور وہ (کافر) کہتے ہیں کہ یہ (عذاب اور قیامت کی) وعید کب آئے گی اگر تم (اس وعید میں) سچے ہو (تو بیان کرو کہ کب اس کا وقوع ہو گا)
کُنْتُمْ کے مخاطب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ ہیں۔ اور کلام سابق چونکہ مفہوم جزا پر دلالت کر رہا ہے اس لئے اِنْ كُنْتُمْ کی جزا کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكُفُّونَ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ۝
اگر کافر جان لیتے تو اس وقت (کے سماں) کو جب کہ وہ آگ کو نہ اپنے چہروں کی طرف سے روک سکیں گے نہ پشت کی جانب سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ شرط کا جواب محذوف ہے یعنی اگر کافر جان لیں اس وقت کو جب کہ ہر طرف سے ان کو آگ اپنے گھیرے میں لے لے گی اور اس کو وہ نہ خود دفع کر سکیں گے نہ کوئی اور ایسا مددگار ملے گا جو عذاب کو دفع کر سکے تو اپنے کفر پر قائم نہیں رہیں گے یا عذاب آنے کی جلدی نہیں مچائیں گے یا ایسی بات نہیں کہیں گے۔

بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝ بلکہ وہ ساعت ان پر اچانک آپڑے گی اور ان کو حیران بنادے گی پھر نہ وہ اس کو لوٹا سکیں گے اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔
تَأْتِيهِمْ کی فاعلی ضمیر نار کی طرف راجع ہے یا وَعْد کی طرف یا حِين کی طرف۔ معنوی اعتبار سے وَعْدَه بمعنی مدت مقررہ اور حِين بمعنی ساعت ہے، اس لئے مؤنث کی ضمیر ان کی طرف لوٹ سکتی ہے۔
بَغْتَةً اچانک ناگہاں، وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ یعنی جس طرح دنیا میں مہلت دی گئی ہے اس وقت مہلت نہیں دی جائے گی۔
لَا هُمْ يُنْصَرُونَ اور لَا هُمْ يُنْظَرُونَ میں هُمْ کو فعل سے پہلے ذکر کرنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صرف کافروں کا

Marfat.com

کوئی مددگار نہ ہو گا اور صرف انہیں کو مہلت نہیں دی جائے گی۔ گناہ گار مومنوں کی یہ حالت نہیں ہو گی انبیاء، اولیاء، صلحاء اور ملائکہ کی سفارشی مدد ان کو حاصل ہو سکے گی اور ان کو مہلت بھی دی جائے گی اور مغفرت کر دی جائے گی۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۴۱﴾

اور آپ سے پہلے جو پیغمبر گزرے ان سے بھی استہزاء (مسخراپن) کیا جا چکا ہے آخر وہی (عذاب) ان پر نازل ہو گیا جس کا وہ مذاق بناتے تھے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کے لئے پیام تسکین ہے اور استہزاء کرنے والوں کے لئے عذاب کی وعید۔

فَحَاقَ، یعنی جس چیز کا وہ استہزاء کرتے تھے اسی کی سزا اور عذاب ان پر نازل ہوا۔

قُلْ مَنْ يَكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَٰنِ　(اے محمد ﷺ! آپ ان استہزاء کرنے والوں سے) کہیے کہ رات اور دن میں رحمٰن (کے عذاب) سے تمہاری کون حفاظت کرے گا۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر میں فرمایا یعنی اگر رحمٰن تم کو عذاب دینا چاہے گا تو تمہارا بچاؤ کون کرے گا، یا یہ مطلب ہے کہ اگر رحمٰن کا عذاب تم پر نازل ہو گا تو کون تم کو بچائے گا۔ مقصد یہ ہے کہ عذاب سے دنیا میں بچانے والا سوائے اللہ کی رحمت عامہ کے اور کوئی نہیں۔ اور عذاب کا دفاع اسی وقت ہو گا جب اللہ ہی مہلت دے گا۔

بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۴۲﴾　بلکہ وہ لوگ اپنے رب کے ذکر سے روگرداں ہی ہیں۔ یہ حکم سوال سے اعراض ہے، مطلب یہ ہے کہ رحمٰن سے انکو خوف دلاؤ اور اس کے عذاب سے ڈراؤ۔ اس کے بعد فرمایا، بلکہ یہ ڈرانا بیکار ہے۔ قرآن اور اللہ کے مواعظ سے تو یہ روگرداں ہیں یا یہ مطلب ہے کہ ان کے دل میں تو رحمٰن کا خیال ہی نہیں آتا اس کے عذاب سے کیسے ڈریں گے۔

أَمْ لَهُمْ آلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُونِنَا ۚ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُونَ ﴿۴۳﴾

کیا ان کے پاس ہمارے سوا ایسے معبود ہیں کہ (عذاب مذکور سے) ان کی حفاظت کر لیتے ہوں، وہ تو اپنی حفاظت کی بھی قدرت نہیں رکھتے اور نہ ہمارے مقابلے میں کوئی اور ان کا ساتھ دے سکتا ہے۔

تَمْنَعُهُمْ، یعنی ایسے معبود جو ہمارے عذاب سے ان کو بچا سکیں۔

لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنْفُسِهِمْ یعنی ان کے معبود تو اپنی مدد بھی خود نہیں کر سکتے۔ اگر ان پر مکھی بیٹھ جائے تو اڑا نہیں سکتے۔

وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُونَ اور نہ ان کے ساتھ ہماری مدد ہو سکتی ہے جس طرح ان لوگوں کے ساتھ ہو گی جو گناہ گار اہل ایمان کی شفاعت کریں گے یعنی انبیاء، اولیاء، ملائکہ، جو گناہ گار مومنوں کی شفاعت کریں گے ان کے ساتھ تو ہماری مدد ہو گی اور ان بتوں کے ساتھ (جن کو کافر اپنا شفیع سمجھتے ہیں) نہیں ہو گی۔

حضرت ابن عباسؓ نے اس جملہ کا ترجمہ اس طرح کیا کہ وہ (بت) بھی اپنے عذاب سے محفوظ نہ ہوں گے یعنی ان معبودوں پر بھی عذاب ہو گا۔ اسی طرح کا مضمون آیت اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ میں ادا کیا گیا ہے۔ تم اور جن بتوں کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ مجاہد نے يُصْحَبُوْنَ کا ترجمہ يُنْصَرُوْنَ کیا یعنی ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ قتادہ نے کہا ان کے ساتھ اللہ کی طرف سے اذن، شفاعت اور مدد نہ ہو گی۔

بَلْ مَتَّعْنَا هَٰؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ　بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو (دنیا کا) خوب سامان دیا یہاں تک کہ ان پر اسی حالت میں عرصہ دراز گزر گیا۔

مَتَّعْنَا یعنی ہم نے نعمت دی اور مہلت بھی دی، هٰؤُلَاءِ ان کافروں کو حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ یعنی ان کی مدت زندگی لمبی ہو گئی۔

Marfat.com

کافروں کو وہم ہو سکتا تھا یا وہم تھا کہ یہ تمام امور ہمارے معبودوں کی وجہ سے ہوئے، اللہ نے اس خیال سے اعراض کیا اور فرمایا ایسا نہیں ہے کہ تم کو نعمت و مدت زندگی معبودوں کی وجہ سے ملی ہو بلکہ یہ سب کچھ ہم نے دیا۔ یا یوں کہا جائے کہ اللہ نے جو ان کو نعمت سے نوازا اور طویل زندگی عطا کی تو یہ خیال ہوا کہ ہم کو یہ سب کچھ ہمارے ذاتی استحقاق کی وجہ سے حاصل ہوا ہے اور ہماری یہ حالت ہمیشہ رہے گی، اس خیال کو دور کرنے کے لئے فرمایا، ایسا نہیں ہے بلکہ یہ ہماری طرف سے ڈھیل ہے آئندہ آیت اس تاویل کی تائید کر رہی ہے۔

أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۴۴﴾

کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم (کافروں کی) زمین کناروں کی طرف سے گھٹا رہے ہیں پس کیا یہ پھر بھی غالب آجائیں گے۔

اَلْاَرْض سے مراد ہے کافروں کی سرزمین۔ کافروں کے مقبوضات گھٹانے سے مراد یہ ہے کہ کافروں کے قبضے سے نکال کر مسلمانوں کے تسلط میں ہم دے رہے ہیں تو ایسی حالت میں کیا کافر رسول اللہ ﷺ پر اور مسلمانوں پر غلبہ پا سکیں گے۔

قُلْ إِنَّمَا أُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۚ آپ کہہ دیجئے میں تم کو وحی کے ذریعہ سے (عذاب سے) ڈرا رہا ہوں۔

یعنی عذاب کا ڈراوا اپنی طرف سے نہیں دے رہا ہوں بلکہ جو قرآن میرے اوپر اترا ہے اس میں اللہ نے عذاب کی اطلاع دی ہے اور اللہ کی اطلاع میں غلطی کا احتمال بھی نہیں ہے اس لئے اس خبر کو تم بعید از فہم نہ سمجھو اور نہ تعجب کرو۔

وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ إِذَا مَا يُنْذَرُونَ ﴿۴۵﴾ اور بہرے پکار کو نہیں سنتے، جب ان کو ڈرایا جاتا ہے (کیونکہ وہ بہرے ہیں، پکارنے سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا) مطلب یہ کہ کافر بہرے ہیں ان کو پکارنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

وَلَئِنْ مَسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۴۶﴾

اور اگر آپ کے رب کے (اس) عذاب کی (جس سے ان کو ڈرایا جا رہا ہے اور جس کے جلد آجانے کے یہ خواستگار ہیں) ایک ذرا سی لپٹ بھی چھو جائے تو کہنے لگیں گے ہائے ہماری خرابی ہم ہی ظالم تھے اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک قرار دے کر اور اللہ سے نہ ڈر کر ہم نے اپنے اوپر خود ظلم کیا۔

حضرت ابن عباسؓ نے نَفْحَةٌ کا ترجمہ کیا کنارہ، بعض نے کہا تھوڑا سا۔ ابن جریج نے کہا نَفْحٌ یعنی ایک حصہ نَفَحَ فُلَانٌ لِفُلَانٍ فلاں نے فلاں کو اپنے مال میں سے ایک حصہ دے دیا۔ بعض نے نَفْحَةٌ کا ترجمہ کیا مارنا۔ نفحت الدابة برجلها گھوڑے نے اپنی ٹانگ ماری۔ لغوی اعتبار سے نفحة خوشبو کی لپٹ کو کہتے ہیں۔

مَسٌّ چھو جانا نَفْحَةٌ ایک ادنیٰ جھونکا، ذرا سی لپٹ۔ اس میں تاوحدت کی ہے، ان دونوں لفظوں سے مبالغہ کا اظہار کیا ہے کہ بڑا عذاب آنا اور پورے عذاب میں مبتلا ہونا تو درکنار ایک ذرا سی لپٹ ان کو چھو بھی جائے تو موت کو پکارنے لگیں گے اور اپنے ظالم ہونے کا اقرار کرنے لگیں گے۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ اور قیامت کے روز ہم میزان عدل قائم کریں گے (اور سب کے اعمال کا وزن کریں گے) اَلْقِسْطُ سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ یعنی انصاف والی ترازوئیں یا بطور مبالغہ موازین کو بعینہ انصاف قرار دیا۔ قِسْط مصدر ہے۔

لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ میں لام بمعنی فِیْ ہے، قیامت کے دن میں یا جزًا کا لفظ یَوْمُ سے پہلے محذوف ہے قیامت کے دن کے بدلے کے لئے یا اہل قیامت کے لئے مراد ہے۔ یعنی یَوْمُ سے پہلے لفظ اَہْل محذوف ہے۔ کچھ علماء نے کہا (میزان سے حقیقی ترازو مراد نہیں ہے بلکہ) ٹھیک ٹھیک حساب فہمی اور اعمال کے مطابق بدلہ دینے کا موازنہ مراد ہے، یعنی بطور تمثیل و تشبیہ مجازاً صحیح طور پر ٹھیک ٹھیک حساب فہمی اور معاوضۂ اعمال کو میزان عدل قرار دیا۔ اہل سنت کے نزدیک یہ تاویل درست نہیں بلکہ

Marfat.com

صحیح یہ ہے کہ میزان عدل بصورت ترازو حقیقتاً قائم ہوگی۔ ابن مبارکؒ نے الزہد میں اور آجریؒ نے الشریعتہ میں حضرت سلمان کی موقوف روایت بیان کی ہے۔ اور ابن حبان نے اپنی تفسیر میں بروایت کلبی از ابو صالح حضرت ابن عباسؓ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے کہ میزان کی ایک زبان اور دو پلڑے ہوں گے۔ ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے اللہ نے آسمان وزمین کی مثل میزان کے دو پلڑے پیدا کئے ہیں۔ الحدیث۔

بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے حضرت عمرؓ کا بیان حدیث جبرئیل کے ذیل میں نقل کیا ہے کہ جبرئیلؑ نے کہا محمد ﷺ! ایمان کیا چیز ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا (ایمان یہ ہے) تم اللہ کو، اس کے ملائکہ کو، اس کے پیغمبروں کو، جنت اور دوزخ کو اور میزان کو مانو اور مرنے کے بعد اٹھنے پر بھی یقین رکھو اور اچھی بری تقدیر کو بھی عقیدے کے ساتھ تسلیم کرو۔ جبرئیلؑ نے کہا اگر میں ایسا کرلوں گا (یعنی ان تمام چیزوں کو مان لوں گا) تو کیا میں مومن ہو جاؤں گا، فرمایا، ہاں جبرئیلؑ نے کہا آپ نے سچ کہا۔

حاکم نے مستدرک میں بر شرط مسلم بیان کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے کہ حضرت سلمان کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میزان قائم کی جائے گی۔ اگر اس میں آسمان کو اور زمین کو تولا جائے گا تو ان کی بھی اس کے اندر سمائی ہو گی۔

ترمذی اور بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔ حضرت انسؓ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ حضور قیامت کے دن میرے لئے شفاعت فرمائیں۔ ارشاد فرمایا، میں ایسا کروں گا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں حضور ﷺ کو کہاں تلاش کروں۔ فرمایا، سب سے پہلے مجھے صراط پر تلاش کرنا۔ میں نے عرض کیا اگر میں وہاں آپ کو نہ پاؤں۔ فرمایا تو میزان کے پاس مجھے تلاش کرنا، میں نے عرض کیا اگر میزان کے پاس بھی حضور ﷺ کو نہ پاؤں۔ فرمایا تو حوض کے پاس تلاش کرنا، ایسا نہ ہوگا کہ ان تینوں مقامات میں سے کسی ایک جگہ نہ ملوں۔

حاکم بیہقی اور آجری کا بیان ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، میں نے عرض کیا آپ لوگ (یعنی مرد) اپنی بیویوں کو قیامت کے دن یاد کریں گے، فرمایا تین مقامات ہیں کہ کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا۔

(۱) اس جگہ جہاں میزان قائم کی جائے گی تاوقتیکہ اس کو اپنی میزان کا بھاری یا ہلکا ہونا معلوم نہ ہو جائے۔

(۲) اس جگہ جہاں صراط قائم کی جائے گی تاوقتیکہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ صراط سے نجات پاتا ہے یا نہیں۔

(۳) اس جگہ جہاں اعمالنامے اڑتے ہوں گے تاوقتیکہ اس کو معلوم نہ ہو جائے کہ اس کا اعمالنامہ کہاں آکر پڑتا ہے دائیں ہاتھ میں یا بائیں ہاتھ میں یا پشت کے پیچھے سے۔ ایسی احادیث بکثرت ہیں جن میں میزان کا ذکر آیا ہے سورۃ القارعۃ کی آیت فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ کی تفسیر میں کچھ نقل کی ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت داؤدؑ نے اپنے رب سے درخواست کی کہ مجھے میزان دکھادی جائے، اللہ نے ان کو میزان اس حالت میں دکھادی کہ اس کا ہر پلڑا اتنا تھا کہ مشرق سے مغرب اس کی وسعت تھی، حضرت داؤد بیہوش ہوگئے، جب ہوش آیا تو عرض کیا الٰہی ایسا کون ہے جو اپنے نیکیوں کے پلڑے کو بھر سکے، اللہ نے فرمایا داؤد جب میں اپنے بندے سے راضی ہوں گا تو ایک چھوارے کو خیرات کرنے سے اس کی نیکیوں کے پلڑے کو بھر دوں گا۔ اَلْمَوَازِيْنَ جمع کا صیغہ ہے نسفی نے بحر الکلام میں اس کی چند وجوہ لکھی ہیں (۱) ہر شخص کی میزان الگ الگ ہوگی۔ (۲) یا یوں کہا جائے کہ جمع کا صیغہ بول کر واحد مراد لے لیا جاتا ہے جیسے آیت فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ میں ملائکہ سے جبرئیل مراد ہیں اور يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ میں اَلرُّسُلُ سے مراد صرف رسول اللہ کی ذات ہے (۳) یا یوں کہا جائے کہ میزان کے ہر جز کو میزان مان کر اس کی جمع موازین ذکر کی جیسے سراویل (پاجامہ شلوار) جمع کا صیغہ ہے جس کا واحد سِرْوَالَةٌ اور پاجامہ کے ہر جز کو سِرْوَالَةٌ قرار دے کر مجموعہ اجزاء کو سَرَاوِيْل کہا جاتا ہے۔

فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۔ پھر کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا، نہ ادنیٰ حق تلفی کی جائے گی، نہ برائیوں

Marfat.com

میں کوئی اضافہ کیا جائے گا۔

وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا اور اگر اس کا عمل رائی کے دانے کے برابر ہوگا تو ہم اسکو بھی میزان میں لے آئیں گے۔ رائی کے دانے سے مراد ہے حقیر ترین (رائی کے دانہ کے برابر ہو یا اس سے کم و بیش)۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کا قول بیان کیا ہے قیامت کے دن لوگوں کا محاسبہ کیا جائے گا، جس کی نیکیوں کی تعداد برائیوں سے ایک بھی زائد ہوگی وہ جنت میں جائے گا اور جس کے گناہوں کی تعداد نیکیوں سے ایک بھی زائد ہوگی وہ دوزخ میں جائے گا۔ یہ بھی حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ ایک دانہ کے وزن سے میزان ہلکی یا بھاری ہو جائے گی اور جس کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی وہ اصحاب اعراف میں سے ہوگا اور اس کو صراط پر روک لیا جائے گا۔

وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾ اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔

سدی نے حَاسِبِيْنَ کا ترجمہ کیا مُحْصِيْنَ گنتی میں احاطہ کرنے والے، حَسَبَ کا معنی ہے اندازہ کرنا۔ حضرت ابن عباسؓ نے ترجمہ کیا جاننے والے، یاد رکھنے والے جو شخص کسی چیز کی گنتی کرتا ہے یقیناً اس چیز کا اس کو علم ہو جاتا ہے اور وہ چیز اس کو حفظ ہو جاتی ہے۔ كَفٰى بِنَا کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے علم و عدل سے کسی کا علم و عدل بڑھ کر نہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بھی ایک فیصلہ کی اور روشنی کی اور ان متقیوں کے لئے نصیحت کی چیز یعنی توریت عطا کی تھی۔

اَلْفُرْقَانُ یعنی توریت جو حق کو باطل سے الگ کرنے والی اور دونوں میں امتیاز پیدا کر دینے والی تھی۔

ضِيَآءً عظیم الشان روشنی۔ جو لوگ حیرت و جہالت کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے تھے ان کو روشنی عطا کرنے والی۔ ذِكْرًا متقیوں کے لئے ہدایت نامہ، یادداشت جس سے اہل تقویٰ نصیحت حاصل کرتے تھے یاذکر سے مراد یہ ہے کہ اس میں ضوابط شریعہ بیان کئے گئے تھے۔ غرض یہ کہ توریت میں تینوں اوصاف تھے۔

ابن زید نے کہا فُرْقَان سے مراد ہے دشمنوں پر فتح۔ اللہ نے يَوْمُ الْفُرْقَانِ یوم بدر کو فرمایا ہے جس میں مسلمانوں کو کافروں پر فتح حاصل ہوئی تھی۔ بعض نے کہا فرقان (جدا کرنے) سے مراد ہے سمندر کو پھاڑنا (پایاب بنا دینا) اس قول پر ضِيَآء اور ذکر سے مراد توریت ہوگی جو حضرت موسیٰؑ کے پاس آتی تھی۔ اور اس کی روشنی میں حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو نصیحت کرتے تھے۔

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ ہی قیامت سے بھی خوف کھاتے ہیں۔ یہ متقین کی صفت ہے۔ یا فعل مدح محذوف ہے اور اَلَّذِيْنَ اس کا مفعول۔ مُشْفِقُوْنَ، ڈرنے والے۔ هُمْ کو شروع میں لانے سے یا تو مبالغہ مقصود ہے یا غیر متقین پر تعریض کہ جو متقی ہیں وہی ڈرتے ہیں اور جو متقی نہیں ہیں وہ نہیں ڈرتے۔

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ اور یہ قرآن بھی ایک کثیر الفائدہ نصیحت کی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے تو کیا پھر بھی تم اس سے منکر ہو۔ ع ۴

هٰذَا یعنی قرآن، ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ یعنی ایسا ذکر عظیم ہے جس کی افادیت اور خیر کثیر ہے۔

اَنْزَلْنٰهُ یعنی اس کو ہم نے محمد پر اتارا ہے۔ اَنْتُمْ سے خطاب اہل مکہ کو ہے اور استفہام انکاری ہے۔

یعنی جب یہ قرآن کثیر خیر والا ہے اور اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے تو پھر تم کو اس کا انکار نہ کرنا چاہئے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اور ہم نے موسیٰ سے بہت پہلے ابراہیم کو (ان کی شان کے مناسب) راستی فہم عطا کی تھی اور ان سے (ان کے احوال سے) خوب واقف تھے۔

رُشْد یعنی توحید اور بت پرستی سے پرہیز۔ رُشْدَهٗ میں اضافت بتا رہی ہے کہ رُشْد میں ابراہیم کا بہت بڑا درجہ تھا۔ مِنْ

Marfat.com

قَبْلُ یعنی موسیٰ اور ہارون سے پہلے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے جو محمد کے پاس وحی بھیجی یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ہمیشہ سے اللہ کا یہی دستور رہا ہے، مخلوق کی اصلاح کے لئے اللہ پیغمبروں کے پاس وحی بھیجتا رہا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے مِنْ قَبْلُ کی تشریح کی ہے بالغ ہونے سے پہلے جب کہ حضرت ابراہیم بچہ ہی تھے اور غار سے باہر آئے تھے اور سورج و چاند سے روگرداں ہو کر اللہ ہی کی طرف رخ کیا تھا اور اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ الخ کہا تھا، اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے بچپن میں ہی ابراہیم کو نبوت عطا کردی تھی۔ اسی طرح حضرت یحییٰ کے متعلق فرمایا اٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا۔

یا یہ مطلب ہے کہ نبی بنانے سے پہلے ہم نے ابراہیم کو رشد عطا کردی تھی۔ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ یعنی ہم ابراہیم کو جانتے تھے کہ وہ ہدایت و نبوت کے اہل ہیں۔ کیونکہ ان کا مبدء تعین اللہ کا اسم ہادی اور عالم تھا (پس ان پر اللہ کی صفت ہدایت و علم کا پر تو پڑا تھا۔ مترجم)

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝

جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی عبادت پر تم جمے ہوئے ہو۔

حضرت ابراہیمؑ نے اہانت آمیز لہجے میں دریافت کیا اور قوم والے جو مورتیوں کی تعظیم کرتے تھے اس پر ان کو تنبیہ کی، یہ مورتیاں ہیں، بے جان ہیں، نہ فائدہ پہنچا سکتی ہیں، نہ نقصان چونکہ عُكُوْف کے بعد عَلٰی آتا ہے اس لئے لَهَا میں لام تعدیہ کا نہیں بلکہ اختصاص کے لئے ہے۔ یعنی خصوصیت کے ساتھ تم ان کی لئے جمے ہوئے ہو یا لام بمعنی عَلٰی ہے یعنی تم ان کی عبادت پر جمے ہوئے ہو یا عُكُوف کے اندر عبادت کا معنی داخل ہے، یعنی تم ان کی عبادت کرتے ہو۔

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ ۝ انہوں نے کہا ہم نے اپنے آباء واجداد کو ان کی پوجا کرتے پایا (یعنی ہمارے اسلاف ان کی پوجا کرتے تھے، قدیم سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے کیا ہمارے باپ دادا بے وقوف تھے (مترجم) قوم والوں نے اپنی بت پرستی کا سبب بیان کیا کہ ہم اپنے اسلاف کی تقلید کرتے ہیں (کوئی عقلی وجہ نہ بیان کر سکے تو قومی رواج کا سہارا لیا)

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ ابراہیمؑ نے کہا تم بھی یقیناً گمراہی میں پڑے ہوئے ہو اور تمہارے باپ دادا بھی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

یعنی تم سب کھلی ہوئی غلطی پر ہو، پتھروں کی پوجا کرتے ہو جو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر۔ تمہارے باپ دادا بھی کھلی ہوئی غلط راہ پر تھے اور تم ان کے پیرو ہو تو تم بھی غلط راستہ پر ہو۔

قَالُوْٓا انہوں نے کہا حضرت ابراہیم کا قول ان کو عجیب معلوم ہوا۔ باپ دادا کو گمراہ بتانا ان کی نظر میں عجیب تھا، اس لئے خیال کیا کہ شاید ابراہیم کوئی دل لگی کی بات کہہ رہا ہے۔

اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ ۝ کیا واقعی کوئی صحیح بات ہم سے کہہ رہے ہو یا دل لگی کر رہے ہو یعنی کیا کوئی ایسی حق بات کہہ رہے ہو جس کی کوئی عقلی سند اور واقعی ثبوت ہو یا یہ محض تفریح طبع کے طور پر یوں ہی کہہ رہے ہو۔ استفہام انکاری ہے، مطلب یہ ہے کہ تمہاری بات مبنی بر حق تو نہیں ہے (، اسلاف کو گمراہ بتانا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے) معلوم ہوتا ہے تم دل لگی کر رہے ہو۔

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ۝

ابراہیم نے کہا (میں دل لگی کے طور پر یہ بات نہیں کہتا) بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں کا اور زمین کا رب (مالک و حاکم) ہے، جس نے ان کو نیست سے ہست کیا ہے اور میں بھی اسی کی شہادت دینے والوں میں سے ہوں۔

فَطَرَهُنَّ یعنی بغیر سابقہ نظیر کے اللہ نے ان کو نیست سے ہست کیا ہے، رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کے بعد فَطَرَهُنَّ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جاہل لوگ رب کا اطلاق بادشاہ اور ہر سرپرست پر بھی کرتے ہیں اور نمرود نے تو کہا ہی تھا اَنَا

Marfat.com

اُحْيِيْ وَاُمِيْتُ اس خیال کو دفع کرنے کے لئے فرمایا، اللہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا ایسا رب ہے کہ اسی نے ان کو پیدا کیا اور وہی عدم محض سے وجود میں لایا ہے۔ بَلْ کے لفظ سے گریز ہے یعنی میں تفریح کے لئے ایسی بات نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ زمین و آسمان شہادت دے رہے ہیں کہ اللہ ہی ان کا خالق ہے، یہ سب ممکن اور محل حوادث ہیں یہ اپنی ہستی میں ایسے واجب الوجود کے محتاج ہیں جو وحدہ، لاشریک اور تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے پس وہی معبود ہونے کا مستحق ہے۔ میں بھی ان خاموش شہادت دینے والوں میں سے ہوں، اور زبان اور دل سے اس کی توحید ذاتی و صفاتی کی شہادت دے رہا ہوں۔

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ اور خدا کی قسم میں تمہارے ان بتوں کی گت بناؤں گا جب تم ان کے پاس سے منہ پھیر کر چلے جاؤ گے۔

كَيْدٌ کا معنی ہے مکر۔ تدبیر یہاں مراد یہ ہے کہ کسی تدبیر سے میں ان کو توڑنے کی کوشش کروں گا۔ بیضاوی نے لکھا ہے ت قسمیہ واؤ قسمیہ سے بدل کر آئی ہے اس میں تعجب کا معنی ہے (واؤ قسمیہ میں تعجب کا معنی نہیں ہوتا) چونکہ بتوں کو توڑنا یا نقصان پہنچانا ایک مشکل کام تھا بت پرستوں کو نمرود کی اور ساری قوم کی حمایت حاصل تھی نمرود کی حکومت تھی، ان سب کے مقابلہ میں بت شکنی عجیب بات تھی اس لئے بجائے واؤ کے ت قسمیہ اور لفظ كَيْدٌ کا استعمال کیا۔

مُدْبِرِيْنَ یعنی جب ان کو پیچھے چھوڑ کر میلہ میں چلے جاؤ گے تو میں ان کو نقصان پہنچانے اور توڑنے کی کوئی تدبیر کروں گا۔

بغوی نے مجاہد اور قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے یہ بات چپکے سے کہی تھی۔ سوائے ایک شخص کے اور کوئی نہیں سن سکا تھا۔ اسی نے یہ بات پھیلا دی اور اسی نے کہا تھا کہ ایک نوجوان جس کا نام ابراہیم ہے بتوں کا ذکر کر رہا تھا ہم نے خود سنا تھا۔

سدی نے کہا قوم نمرود کا سالانہ تہوار پر ایک میلہ ہوتا تھا جب وہ میلہ سے واپس آتے تھے تو سیدھے بتوں کے پاس آتے تھے، ان کو سجدے کرتے تھے، پھر گھروں کو جاتے تھے حسب معمول جب میلہ کا وقت آیا تو حضرت ابراہیمؑ سے ان کے باپ نے کہا تم بھی اگر ہمارے ساتھ میلے کو چلو تو بہتر ہے ہمارا دین (رواج، مذہبی دستور) تم کو پسند آئے گا۔ باپ کے کہنے سے حضرت ابراہیم ان کی ساتھ ہو لئے کچھ ہی راستہ طے کیا تھا کہ آپ نے خود اپنے کو زمین پر گرا لیا اور کہنے لگے میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ کا مطلب یہ تھا کہ میرے پاؤں میں چوٹ آگئی ہے جب سب لوگ چلے گئے اور صرف کمزور لوگ پیچھے رہ گئے تو حضرت نے پکار کر وہ الفاظ کہے جن کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے لوگوں نے آپ کے الفاظ سن لئے پھر حضرت ابراہیم لوٹ آئے اور بت خانہ کی طرف پہنچے، تمام بت ایک بڑے کمرے میں قطار بندر کھے ہوئے تھے، بت خانہ کے دروازہ کے سامنے سب سے بڑا بت تھا اس کی برابر اس سے چھوٹا، پھر اس کی برابر اس سے بھی چھوٹا، اسی طرح سب کی قطار تھی اور سب کے سامنے تیار کھانا بھی رکھا ہوا تھا، کھانا اس لئے سب کے سامنے چنا گیا تھا کہ بتوں کی وجہ سے کھانے میں برکت آجائے اور میلہ سے واپس آکر سب لوگ اس کو کھائیں۔ حضرت ابراہیم نے بطور استہزاء بتوں سے فرمایا تم کھاتے کیوں نہیں جب کوئی جواب نہیں ملا تو فرمایا تمہیں کیا ہو گیا تم بولتے کیوں نہیں اس کے بعد بتوں کی طرف مڑے اور دائیں ہاتھ سے اس قسم کی وجہ سے جو بتوں کو توڑنے کے سلسلے میں آپ نے کھائی تھی اور فرمایا تھا تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بتوں پر ضرب لگائی (آیت میں آیا ہے فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ اور یمین دائیں ہاتھ کو بھی کہتے ہیں اور قسم کو بھی، مترجم)

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ پس ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا مگر بڑے بت کو بغیر توڑے ان کے لئے چھوڑ دیا۔ جُذَاذٌ بروزن فُعَالٌ بمعنی مفعول ہے جیسے حُطَام۔ یہ جَذٌّ سے ماخوذ ہے جذ کا معنی ہے کاٹنا، بعض اہل لغت کہتے ہیں جُذَاذٌ جمع کا صیغہ ہے لیکن اس کا کوئی مفرد نہیں ہے، كَبِيْر سے مراد ہے بڑا بت جس کو حضرت ابراہیمؑ نے نہیں توڑا اور اس کے کاندھے پر تبر رکھ دیا۔ فَجَعَلَهُمْ میں جمع مذکر کی ضمیر اس لئے ذکر کی کہ بت پرستوں کے خیال میں ان

Marfat.com

کے بت ذی علم تھے۔

لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ ﴿۵۸﴾ کہ شاید وہ لوگ ابراہیم کی طرف دریافت کرنے کے لئے لوٹیں۔ الیہ کی ضمیر ابراہیمؑ کی طرف راجع ہے۔ حضرت ابراہیم بتوں سے دشمنی رکھنے اور لوربت پرستی کی مخالفت کرنے میں مشہور تھے اس لئے حضرت نے بتوں کو توڑ دیا اور بڑے بت کو چھوڑ دیا، یہ خیال کر کے کہ جب یہ لوگ واپس آئیں گے تو میرے پاس آئیں گے اس وقت میں ان کو جتلادوں گا کہ تمہارے معبود ایک آدمی کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یا اِلَیْہِ کی ضمیر بڑے بت کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہے کہ بت پرست لوگ جب میلہ سے واپس بڑے بت کے پاس آئیں گے تو اس سے دریافت کریں گے کہ چھوٹے بتوں کی یہ حالت کس نے کی معبود کو علم ہونا اور جواب دینا چاہئے۔ وہ معبود ہی کیا جو نہ کچھ جانے، نہ جواب دے، آخر جواب نہ پاکر خود ہی ذلیل ہوں گے۔

یا اِلَیْہِ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے، مطلب یہ کہ جب بتوں کی بے بسی ان پر ظاہر ہو گی تو شاید وہ اللہ کی طرف لوٹ آئیں۔

قَالُوا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ انہوں نے کہا ہمارے ان معبودوں کے ساتھ کس نے یہ حرکت کی بلاشبہ وہ ظالموں میں سے ہے (کہ ان بے چاروں کو بے قصور اس نے توڑا اور ہمارے جذبۂ مذہبی کا بھی لحاظ نہیں کیا اور ہم کو دکھ پہنچایا، مترجم)

مَنْ فَعَلَ میں مَنْ سوالیہ ہے لور موصولہ بھی ہو سکتی ہے یعنی جس نے بھی یہ حرکت کی وہ ظالم ہے، اس نے معبودوں سے یہ گستاخی کی یا ان کو ایسا توڑا کہ ریزہ ریزہ کر دیا یا یہ کہ اس نے اپنے اوپر خود ظلم کیا کہ اپنے کو ہلاکت کے لئے تیار کیا۔

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ کہنے لگے ہم نے ایک نوجوان کو ان بتوں کا برائی کے ساتھ تذکرہ کرتے سنا تھا اس نوجوان کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔ یہ خبر نمرود لور اس کے ارا کین سلطنت کو جب پہنچی تو۔

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ انہوں نے کہا (اگر اس نے ایسا کیا ہے تو) اس کو لوگوں کی نظروں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ (اس کے قول و فعل کی) شہادت دیں اور بلا ثبوت ہم سزا دینے کے مرتکب نہ ہوں قتادہ، حسن اور سدی نے یہی مطلب بیان کیا ہے، بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ اَعْيُنَ سے مراد ہیں سردار یعنی سرداران قوم لور حکام کے سامنے اس کو لاؤ۔ محمد ابن اسحاق نے کہا يَشْهَدُوْنَ کا یہ مطلب ہے کہ لوگ آئیں لور دیکھیں کہ اس کو ہم کیسی سخت سزا دیتے ہیں۔ غرض جب لوگ ابراہیم کے پاس آئے تو۔

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ انہوں نے کہا اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے۔

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ابراہیم نے کہا بلکہ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا ہے تم ان بتوں سے پوچھ دیکھو اگر یہ بول سکیں گے (تو بتادیں گے)۔

حضرت ابراہیمؑ کو بڑے بت پر بڑا غصہ تھا اور اس سے آپ کو نفرت زیادہ تھی کیونکہ وہ لوگ اس کی تعظیم زیادہ کرتے تھے اسی لئے بت شکنی کی نسبت آپ نے بڑے بت کی طرف مجازاً کر دی۔ یا یوں کہا جائے کہ آپ نے بت شکنی پر تعریض اقرار نما کی استہزاء کے طرز میں خود بت توڑنے کا اقرار کر لیا۔ جیسے اگر آپ کسی ایسے آدمی کی جو خوشخط نہ ہو کوئی خوشخطی کی تحریر دیکھ کر کہیں کیا یہ تم نے لکھا ہے لور وہ جواب دے میں نے نہیں بلکہ آپ نے لکھا ہے یہ تعریضی اقرار ہے۔ گویا حضرت ابراہیم نے یوں جواب دیا میں نے نہیں کی بلکہ اس بڑے بت نے کی۔ یا یوں کہا جائے کہ بت پرستوں کا یہ اعتقاد تھا کہ بڑے بت کی موجودگی میں چھوٹے بتوں کی پوجا سے بڑا بت ناراض ہوتا ہے آپ نے ان کے عقیدہ کی نقل کر دی۔ قتیبی نے کہا معنوی حیثیت سے كَبِيْرُهُمْ هٰذَا کا تعلق فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ سے ہے مطلب یہ کہ اگر یہ بول سکتے ہیں تو ایسا کر بھی سکتے ہیں اور

Marfat.com

بول نہیں سکتے تو ایسا کر بھی نہیں سکتے گویا اس ضمن میں آپ نے بت شکنی کا اقرار کر لیا اور بتوں کا عجز ظاہر کر دیا۔ کسی کی یہ توجیہ غلط ہے کیونکہ کسائی نے کہا ہے جب ابراہیم نے اعتراض کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے ایسا نہیں کیا۔ اس کے بعد اگر ضمنی اقرار مانا جائے گا تو ایسا ہو گا جیسے کوئی کہے میں نے یہ کام نہیں کیا بلکہ میں نے کیا اور ظاہر ہے کہ یہ منفی مثبت کا اجتماع غلط ہے۔ پھر حضرت ابوہریرہ کی روایت کردہ حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ فعلہ پر وقف نہیں ہے (بلکہ فعلہ کا تعلق کبیرھم سے ہے۔)

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابراہیم نے تین بار کے علاوہ (صورۃً بھی) جھوٹ نہیں بولا۔ دو بار ذات خداوندی سے متعلق (انی سقیم کہا تھا (۲) اور بل فعلہ کبیرھم کہا تھا اور (تیسری بار کا واقعہ یہ ہوا کہ) کسی روز ابراہیم سارہ کو لیے ہوئے ایک ظالم شاہی طرف سے ہوا بادشاہ سے کہا گیا کہ یہاں ایک شخص نو وارد ہے جس کے ساتھ بہت ہی حسین عورت ہے۔ بادشاہ نے حضرت ابراہیم کو بلوایا اور دریافت کیا کہ یہ کون عورت ہے۔ ابراہیم نے کہا میری بہن ہے۔ پھر آپ نے سارہ کے پاس آ کر کہا اگر اس ظالم کو معلوم ہو جاتا کہ تم میری بیوی ہو تو وہ تم کو مجھ سے چھین لیتا اب اگر تم سے وہ دریافت کرے تو تم بھی یہی کہنا۔ میں ابراہیم کی بہن ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ تم میری اسلامی بہن ہو۔ روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے سارہ کو بلوایا اور ابراہیم نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے سارہ کو اس ظالم کے پاس پہنچایا تو اس نے سارہ پر دست درازی کرنی چاہی لیکن فوراً پکڑا گیا (یعنی غیبی پکڑ ہو گئی) یہاں تک کہ پاؤں زمین پر پٹکنے لگا اور سارہ سے درخواست کی میرے لئے اللہ سے دعا کرو۔ میں تجھے اچھا ہو کر کوئی دکھ نہیں دوں گا۔ سارہ نے اللہ سے دعا کی، اللہ نے نجات دی تو اس نے دوبارہ پھر اس نے ہاتھ بڑھایا اور پہلے کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سختی کے ساتھ پکڑا گیا۔ اس نے پھر دعا کی درخواست کی اور ضرر نہ پہنچانے کا وعدہ کیا، سارہ نے پھر دعا کی اور اللہ نے رہائی دے دی، رہائی کے بعد بادشاہ نے کسی دربان کو بلایا اور کہا تو میرے پاس انسان کو نہیں بلکہ جن کو لے کر آیا ہے اس کے بعد اس نے ہاجرہ کو خادمہ کے طور پر سارہ کو دے کر رخصت کر دیا۔ سارہ جب ابراہیم کے پاس پہنچیں تو آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے آپ نے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا کیا خبر ہے۔ سارہ نے جواب دیا اللہ نے کافر کے فریب کو اسی کے سینہ پر پلٹ دیا اور اس نے خدمت کے لئے ہاجرہ مجھے دی ہے۔

حضرت ابوہریرہ نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد کہا اے ماء السماء کی اولاد (آسمانی پانی سے مراد خالص نسب کا ہونا ہے) یہ (ہاجرہ) ہی تمہاری ماں ہے۔ متفق علیہ۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں تعریضات اور ایہام کو کذب مجازاً فرمایا کیونکہ بظاہر تعریض کذب کے مشابہ تھی۔ اللہ نے مشابہت صوری کی وجہ سے جزاءُ سیئۃ کو سیئۃ فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیم نے خود صراحۃً فرمایا کہ تم میری دینی بہن ہو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نے تعریضی الفاظ بولے تھے (جو بظاہر جھوٹے معلوم ہوتے ہیں اور حقیقت میں سچ ہیں ہر لفظ کے دو معنی ہیں ایک قریب الفہم دوسرے گہرے اور بعید از فہم۔ حضرت ابراہیم کی مراد گہرے معنی تھا جو ان کا مخاطب نہ سمجھ سکا وہ قریب الفہم معنی سمجھ کر دھوکہ میں پڑ گیا)

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ اس پر وہ لوگ اپنے جی میں سوچے پھر (آپس میں) کہنے لگے، حقیقت میں تم ہی لوگ ناحق پر ہو۔ یعنی اس وقت انہوں نے اپنی عقلوں کی طرف رجوع کیا اور غور و فکر کیا اور سمجھے کہ ابراہیم کی بات حق ہے اور ہم غلطی پر ہیں۔ اس لئے اپنے دل میں یا باہم کہنے لگے کہ تم ہی بڑا ظلم کر رہے ہو کہ جو بت بول نہیں سکتے نفع نہ اپنے کو نہیں پہنچا سکتے۔ اپنے دکھ کو دفع نہیں کر سکتے ان کی پوجا کرتے ہو۔

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ۝ پھر (شرمندگی کے مارے) اپنے سروں کو جھکا لیا اور (بولے) ابراہیم تم کو یہ تو معلوم ہی ہے کہ یہ (بت) کچھ بولتے نہیں ہیں۔ یعنی کچھ دیر کے لئے تو عقلوں کی طرف انہوں نے رجوع کر لیا تھا اور سمجھے تھے کہ ابراہیم کی بات درست ہے اور ہم غلطی پر ہیں لیکن پھر کفر کی طرف

Marfat.com

پلٹ گئے اور جھگڑا کرنے کی طرف لوٹ آئے اور کہنے لگے تم یہ بات تو یقیناً جانتے ہو کہ یہ بولتے نہیں ہیں، بات نہیں کرتے۔ کفر کی طرف پلٹنے کو کسی چیز کو سرنگوں کرنے سے تشبیہ دی، سرنیچے ٹانگیں اوپر اعلیٰ کو اسفل اور نچلے کو الٹ کر اونچا کر دینا حق کو نچلا اور کفر کو سربلند کر دینا ہے۔ مَا هٰۤؤُلَاۤءِ یَنْطِقُوْنَ یعنی یہ بت بات نہیں کر سکتے بولتے نہیں تو ہم ان سے دریافت کیا کریں۔

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكُمْ شَیْـٴًـا وَّ لَا یَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَ لِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ ابراہیمؑ نے کہا تو کیا خدا کو چھوڑ کر تم ایسی چیز کی پوجا کرتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع پہنچاتی ہے نہ نقصان۔ تف ہے تم پر (کہ باوجود وضوح حق کے تم باطل پر جمے ہوئے ہو) اور ان پر جن کو خدا کے سوا پوجتے ہو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

یعنی ابراہیمؑ نے کہا کیا یہ بات جاننے کے بعد بھی کہ یہ بت نہ بولتے ہیں نہ نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں تم ان کو پوجتے ہو۔ نہ بول سکنا اور اپنے پرستاروں کو فائدہ نہ پہنچا سکنا اور پرستش نہ کرنے والوں کو ضرر پہنچانے کی طاقت نہ رکھنا ایسی کمزوری ہے جو الوہیت کے منافی ہے، تمہاری حالت پر افسوس ہے کہ باطل پر جمے ہوئے ہو باوجود یہ کہ تمہاری نظر میں بھی اس کا باطل ہونا واضح ہو گیا اور ان معبودوں کی حالت بھی قابل نفرت و افسوس ہے کہ باوجود استحقاق نہ ہونے کے ان کو معبود بنایا جا رہا ہے۔ کیا تم یہ باتیں دیکھتے ہو پھر بھی نہیں سمجھتے کہ یہ بت قابل پرستش نہیں واجب العبادت اور مستحق معبودیت صرف اللہ ہے۔

اف اس آواز کو کہتے ہیں جو کسی چیز سے کراہیت کرنے والا اور اکتا جانے والا اپنے منہ سے نکالتا ہے۔ بعض اہل علم نے کہا کسی چیز کی تحقیر کے لئے یا بدبو محسوس کر کے جو آواز نکلتی ہے اس کو اف کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ناک میں ایک مرتبہ کسی طرح کی بدبو آئی اور آپ نے بدبو محسوس کر لی تو فرمایا اف اف اور کپڑا ناک کو لگا لیا۔ بیضاوی نے لکھا ہے اف کا معنی ہے قبح اور بدبو جب وہ لوگ عاجز ہو گئے (اور کوئی جواب بن نہ پڑا) تو آزار اور دکھ دینے کے درپے ہو گئے۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ﴿۶۸﴾ اور کہنے لگے اس کو (آگ سے) جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم ایسا کرنے والے ہو (تو کرو)۔

اِنْ كُنْتُمْ شرط ہے، کلام سابق جزا پر دلالت کر رہا ہے، اس لئے آگے جزا کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ یہ بات ایک شخص نے کہی جس کا نام ہنون کہا گیا ہے، اللہ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔ بعض نے کہا یہ بات نمرود نے کہی تھی، جب نمرود اور اس کی قوم کا باتفاق آراء فیصلہ ہو گیا کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں جھونک دیا جائے تو آپ کو گرفتار کر کے ایک کوٹھری میں بند کر دیا گیا اور باڑہ کی طرح کا ایک احاطہ بنایا یا قریۂ کوثی میں ایک بہت بڑا گڑھا کھودا گیا اور ٹھوس قسم کی لکڑیاں آپ کے جلانے کے لئے وہاں اکٹھی کیں اور عام جوش اس حد تک پہنچ گیا کہ بیمار منت مانتا تھا کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو ابراہیمؑ کو جلانے کے لئے لکڑیاں دوں گا۔ عورتیں اگر مراد مانگتی تھیں تو کہتی تھیں اگر ہماری مراد پوری ہو گئی تو ہم ابراہیمؑ کو جلانے والی آگ میں لکڑیاں ڈالیں گے، لوگ وصیت کرتے تھے کہ ہمارے بعد لکڑیاں خرید کر ڈھیر میں شامل کر دینا عورتیں چرخہ کات کر اس کی مزدوری سے لکڑیاں خرید کر بامید ثواب ڈھیر میں شامل کرتی تھیں۔

ابن اسحاق کا بیان ہے اس طرح ایک ماہ تک لوگ لکڑیاں جمع کرتے رہے جب حسب منشاء لکڑیاں جمع کر چکے تو ڈھیر میں ہر طرف سے آگ لگا دی آگ بھڑک اٹھی، جب خوب تیز ہو گئی اور اس حد تک پہنچ گئی کہ پرندہ بھی جلنے کے ڈر سے اوپر سے نہ اڑ سکتا تھا تو انہوں نے مزید سات روز تک بھڑکنے دیا اور ابراہیم کو اس میں ڈالنا چاہا لیکن سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آگ میں کیسے پھینکیں ابلیس نے آکر منجنیق گوپھن یا چرخی قائم کرنے کی تدبیر بتائی لوگوں نے چرخی بنائی اور سب سے اونچی عمارت کی چوٹی پر اس کو قائم کیا اور ابراہیم کو باندھ کر اس میں بٹھایا یہ دیکھ کر آسمان و زمین ملائکہ اور سوائے جن و انس کے ساری مخلوق چیخ پڑی اور عرض کیا اے ہمارے رب ابراہیم تیرا خلیل ہے اور آگ میں اس کو ڈالا جا رہا ہے اس کے سوا روئے زمین پر اور کوئی تیری عبادت کرنے والا

Marfat.com

نہیں ہے ہم کو اجازت مل جائے تو ہم اس کی مدد کریں۔ اللہ نے فرمایا ابراہیم میرا خلیل ہے اس کے سوا اور کوئی میرا خلیل نہیں اور میں ہی اس کا معبود ہوں میرے سوا اس کا اور کوئی معبود نہیں۔ اگر وہ تم میں سے کسی کی مدد کا خواستگار ہو یا دعا کرے تو جس سے وہ مدد طلب کرے وہ اس کی مدد کر سکتا ہے میری طرف سے اس کو اجازت ہے اور اگر میرے سوا وہ کسی اور سے مدد کا طلبگار نہ ہو تو میں اس کی حالت کو خوب جانتا ہوں، میں ہی اس کا کارساز ہوں میرے اور اس کے درمیان تم حائل نہ ہو جوں ہی لوگوں نے حضرت ابراہیم کو آگ میں پھینکنا چاہا تو وہ فرشتہ جو پانی کا خازن (کارندہ) تھا آیا اور اس نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا اگر آپ چاہیں تو میں آگ کو بجھا دوں اور ہوا کا موکل بھی آیا، اس نے کہا اگر آپ کا منشاء ہو تو میں آگ کو ہوا میں اڑا دوں۔ حضرت ابراہیم نے کہا مجھے تمہارے مدد کی ضرورت نہیں میرے لئے اللہ کافی ہے وہی میرا کارساز ہے۔

حضرت ابی بن کعب کی روایت میں آیا ہے کہ جب لوگوں نے ابراہیم کو آگ میں ڈالنے کے لئے مضبوطی کے ساتھ باندھ دیا تو آپ نے کہا لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الْمُلْکُ لَا شَرِیْکَ لَکَ اس کے بعد منجنیق میں رکھ کر آپ کو آگ کی طرف پھینک دیا گیا، اسی دوران میں جبرئیلؑ نے سامنے سے آکر کہا ابراہیم اگر تمہیں میری مدد کی ضرورت ہو تو میں موجود ہوں۔ حضرت ابراہیم نے کہا مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں، جبرئیلؑ نے کہا تو پھر اپنے رب سے درخواست کیجئے، حضرت ابراہیمؑ نے کہا مجھے سوال کی کیا ضرورت ہے۔ میری حالت کا اس کو علم ہے، میرے لئے یہی کافی ہے۔

کعب احبار کا بیان ہے ہر چیز نے ابراہیم کی آگ بجھانے میں حصہ لیا سوائے گرگٹ کے یہ آگ کو پھونکیں مار رہا تھا (تاکہ مزید اشتعال پیدا ہو)

بغوی نے بوساطت سعید بن مسیب حضرت ام شریک کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے گرگٹ کو قتل کر دینے کا حکم دیا اور فرمایا یہ ابراہیم پر بھڑکتی آگ میں پھونکیں مار رہا تھا اور آگ کو بھڑکا رہا تھا۔

شیخین نے صحیحین میں اور طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے گرگٹ کو قتل کر دو خواہ کعبہ کے اندر ہی ہو۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گرگٹ کو قتل کرنے کا حکم دیا اور اس کو فُوَیْسِقْ (فاسق بچہ) فرمایا۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے گرگٹ کو برچھے کی پہلی ضرب سے قتل کیا اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور جس نے دوسری ضرب سے قتل کیا اس کے لئے اس سے کم نیکیاں لکھی جائیں گی اور جس نے تیسری ضرب سے قتل کیا اس کے لئے اس سے بھی کم نیکیاں لکھی جائیں گی رواہ مسلم۔

قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ﴿۶۹﴾ ہم نے حکم دیا اے آگ تو ٹھنڈی اور سلامتی بخش ہو جا ابراہیم کے لئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگر اللہ سلامًا نہ فرماتا تو آگ کی انتہائی سردی کی وجہ سے ابراہیم مر جاتے۔ بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ سَلٰمًا (کُوْنِیْ کی خبر نہیں ہے) بلکہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے یعنی ہم نے ابراہیم کو کامل طور پر سالم رکھا۔

بغوی نے لکھا ہے بعض آثار میں آیا ہے کہ اس روز تمام روئے زمین کی آگ بجھ گئی تھی دنیا بھر میں کوئی اس روز آگ سے فائدہ نہ اٹھا سکا اگر اللہ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ نہ فرماتا تو ہمیشہ کے لئے آگ ٹھنڈی ہو جاتی۔

میں کہتا ہوں بظاہر آگ کی خاصیت سلب نہیں ہوئی تھی جلانے کی خاصیت حسب معمول موجود تھی۔ لیکن حضرت ابراہیم کے لئے وہ ضرر رساں نہیں رہی تھی۔ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ کا لفظ اسی پر دلالت کر رہا ہے۔

سدی نے کہا ملائکہ نے حضرت ابراہیم کے بازو پکڑ کر زمین پر بٹھا دیا، آپ نے وہاں اچانک شیریں پانی کا چشمہ اور خوب صورت سرخ گلاب کے پھول (اپنی نظر کے سامنے) دیکھے۔ کعب کا بیان ہے آگ سے حضرت کے جسم کا کوئی حصہ متأثر نہیں

Marfat.com

ہوا صرف بندھن کی رسی جل گئی۔ اہل روایت نے کہا ہے ابراہیم وہاں سات روز رہے۔ منہال بن عمرو کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم نے کہا جس آرام اور راحت کے ساتھ میں چند روز آگ میں رہا اتنے آرام سے کبھی نہیں رہا۔ ابن یسار نے کہا اللہ نے سایہ کے مؤکل کو ابراہیم کی صورت عطا فرما کر بھیجا جو آ کر ابراہیم کے پہلو میں آپ کی وحشت دور کرنے کے لئے بیٹھ گیا۔ اور بحکم خدا حضرت جبرئیلؑ جنت کا ایک قمیص اور مسند لے کر آئے۔ قمیص حضرت ابراہیم کو پہنایا اور کہا آپ کا رب فرماتا ہے کیا تم کو معلوم نہیں کہ میرے دوستوں کو آگ ضرر نہیں پہنچایا کرتی ہے۔ کچھ مدت کے بعد نمرود نے ایک اونچی عمارت کے اوپر سے حضرت ابراہیم کو جھانک کر دیکھا اور آپ کو باغ میں بیٹھا پایا اور ایک فرشتہ کو (بصورت انسان) آپ کے پہلو میں بیٹھا ہوا دیکھا اور آپ کے چاروں طرف آگ ہی آگ تھی جو لکڑیوں کو جلا رہی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر پکار کر کہا ابراہیم تیرا معبود بہت بڑا ہے جس کی قدرت اس حد تک ہے کہ وہ تیرے اور اس آگ کے درمیان حائل ہوا جو میں دیکھ رہا ہوں۔ ابراہیم کیا تو اس سے نکل بھی سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا، ہاں، نمرود نے کہا کیا تجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اگر وہاں رہے گا تو آگ تجھے دکھ پہنچائے گی۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا نہیں۔ نمرود نے کہا تو پھر اٹھ کر وہاں سے نکل آ۔ حضرت ابراہیم اٹھ کھڑے ہوئے اور آگ میں قدموں سے چل کر باہر آ گئے۔ نمرود نے کہا ابراہیمؑ! وہ کون آدمی تھا جو تمہارے پہلو میں نے بیٹھا دیکھا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا وہ سایہ کا مؤکل تھا، میرے رب نے آگ کے اندر میری وحشت دور کرنے کے لئے اس کو میرے پاس بھیج دیا تھا، نمرود نے کہا میں تیرے معبود کے لئے کچھ قربانی پیش کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میں نے اس کی قدرت اور طاقت کا ظہور تیرے معاملے میں دیکھ لیا ہے کہ جب تو نے اس کے سوا دوسروں کی عبادت سے انکار کر دیا اور اس کی توحید پر قائم رہا تو اس نے تیرے ساتھ کیسا سلوک کیا، میں اس کے نام پر چار ہزار گائیں قربان کروں گا، حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا جب تک تو اپنا مذہب چھوڑ کر میرے مذہب کو نہ اختیار کرلے گا میرا رب تیری قربانی قبول نہیں کرے گا۔ نمرود نے کہا میں اپنی سلطنت تو نہیں چھوڑ سکتا (مذہب تبدیل کروں گا تو سلطنت چھوڑنا پڑے گی) ہاں قربانی ضرور پیش کروں گا۔ چنانچہ نمرود نے چار ہزار گایوں کی قربانی کر دی اور پھر ابراہیمؑ سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ اللہ نے ابراہیمؑ کو محفوظ کر دیا۔

شعیب جبائی کا بیان ہے کہ جس وقت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا اس وقت آپ سولہ سال کے تھے۔

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۝ اور ان لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برائی کرنی چاہی تھی سو ہم نے انہی لوگوں کو ناکام کر دیا۔

فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ کی تشریح میں بعض لوگوں نے کہا کہ قوم نمرود کی مراد حاصل نہیں ہوئی، چیزوں کے نرخ گراں ہو گئے اور مہنگائی بڑھ گئی، بعض نے کہا اللہ نے مچھروں کی فوج بھیج دی جس نے نمرود کا گوشت کھا لیا اور ایک مچھر اس کے دماغ میں گھس گیا جس کی وجہ سے نمرود ہلاک ہو گیا۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے اللہ نے جب ابراہیم کے لئے آگ کو ٹھنڈا اور سلامتی بخش کر دیا تو یہ منظر دیکھ کر آپ کی قوم کے کچھ لوگ ایمان لے آئے لیکن نمرود اور اس کے حکام کا خوف تھا (اس لئے انہوں نے ایمان کا اعلان نہیں کیا) منجملہ ان کے آپ کے بھتیجے لوط بن ہاران بن تارخ بھی ایمان لے آئے۔ حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام تارخ تھا جو حضرت لوط کا دادا تھا تارخ بن ثالث تھا، ثالث کو ناخور بھی کہا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے چچا کی بیٹی سارہ بنت ہاران بھی ایمان لے آئی تھیں۔ اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے قریۂ کوثیٰ (علاقہ عراق) کو چھوڑ دیا اور لوط و سارہ کو ساتھ لے کر ترک وطن کر دیا، آپ کا یہ ترک وطن اللہ کے واسطے تھا، اپنے دین کو محفوظ رکھنے کی غرض سے تھا اور اطمینان سے اپنے رب کی عبادت کرنے کیلئے تھا، آپ نے فرمایا تھا اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّیْ لوط کے مؤمن ہونے کا ذکر اللہ نے آیۃ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ میں فرمایا ہے۔ کوثیٰ سے چل کر آپ حران پہنچے کچھ مدت وہاں قیام کیا پھر وہاں سے چل کر مصر پہنچے پھر مصر سے شام کی طرف چل دیئے اور علاقہ فلسطین میں سبع کے مقام پر اترے، یہاں سے مؤتفکات کی بستیاں (سدوم وغیرہ جو بحیرۂ میت کے ساحل کی پانچ بستیاں تھیں۔ مترجم) چوبیس گھنٹے کی مسافت پر تھیں حضرت لوط وہاں چلے گئے اور اللہ نے ان کو پیغمبر بنا کر وہاں بھیج دیا۔

Marfat.com

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ اور ہم ابراہیم کو اور لوطؑ
کو بچا کر اس زمین کی طرف لے گئے جس میں ہم نے دنیا جہان والوں کے لئے خیر و برکت رکھی تھی۔ برکت سے مراد ہے سرسبزی، باغات، درختوں اور پھلوں کی کثرت۔ مجملہ برکات کے یہ بھی ہے کہ بکثرت انبیاء کی بعثت اس سرزمین پر ہوئی۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے ارض مبارکہ کہنے کی یہ وجہ بیان کی کہ وہاں شیریں پانی کی کثرت ہے اور صخرۂ بیت المقدس کے نیچے سے ایک چشمہ جاری ہے۔

بغوی نے بروایت قتادہ بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت کعبؓ سے فرمایا تم مدینہ میں منتقل کیوں نہیں ہو جاتے وہ تو رسول اللہ ﷺ کا مقام ہجرت ہے اور روضۂ پاک بھی وہیں ہے۔ کعب نے کہا امیر المؤمنین! میں نے اللہ کی کتاب (توریت) میں پڑھا ہے کہ ارض شام تمام زمین میں اللہ کا خزانہ ہے اور وہیں اللہ کے خاص بندوں کا خزانہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ آئندہ ہجرت ہوگی (لوگ وطن چھوڑ چھوڑ کر بھاگیں گے) پس بزرگ مرتبہ والے لوگ ابراہیم کے مقام ہجرت کی طرف چلے جائیں گے۔ دوسری روایت میں آیا ہے ابراہیم کے مقام ہجرت سے جو لوگ چمٹے رہیں گے وہ زمین کے تمام باشندوں میں برگزیدہ ہوں گے۔ اور (باقی) زمین پر برے لوگ رہ جائیں گے، ان کی زمینیں ان کو باہر نکال پھینکیں گی اللہ ان سے نفرت کرے گا بندروں اور سوروں کے ساتھ ایک آگ ان کو ہنکائے گی جہاں وہ رات کو قیام کریں گے، آگ بھی رات کو ان کو ساتھ رہے گی اور جہاں وہ دوپہر کو ٹھیریں گے آگ بھی دوپہر کو ان کے ساتھ ٹھہرے گی۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت زید بن ثابتؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شام کے لئے خوشی ہو ہم نے عرض کیا کس وجہ سے فرمایا، رحمت کے فرشتے اپنے پر پھیلائے اس پر سایہ فگن ہوں گے۔ رواہ احمد والترمذی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک آگ حضر موت (یمن) کی طرف سے نکلے گی یا یہ فرمایا کہ حضر موت سے ایک آگ لوگوں کو ہنکا کر لائے گی، ہم نے عرض کیا پھر حضور ہم کو کیا حکم دیتے ہیں فرمایا تمہارے اوپر شام (میں رہنا یا آجانا) لازم ہے۔ رواہ الترمذی۔

حضرت ابوحوالہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب ایسا ہوگا کہ تمہاری تین مجتمع فوجیں ہو جائیں گی ایک فوج شام میں، ایک فوج یمن میں اور ایک فوج عراق میں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر میں نے وہ زمانہ پالیا تو مجھے حکم دیجئے (میں اس وقت کیا کروں) فرمایا تیرے اوپر شام (میں رہنا یا آجانا) لازم ہے اللہ کی زمین میں شام کی سرزمین برگزیدہ ہے۔ برگزیدہ بندے ہی اس کی طرف آئیں گے اگر تم ایسا نہ کر سکو تو پھر یمن میں رہنا یا اہل یمن کا ساتھ دینا تم پر لازم ہے اللہ نے میرے لئے شام اور اہل شام کی ذمہ داری لی ہے۔ رواہ احمد وابوداؤد۔

شریح بن عبید کی روایت ہے کہ حضرت علیؓ کے سامنے اہل شام کا ذکر آیا اور لوگوں نے کہا امیر المؤمنین ان پر لعنت کیجئے، فرمایا نہیں۔ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ابدال شام میں ہوں گے اور وہ چالیس آدمی ہوں گے جب ان میں سے کوئی مر جائے گا تو اس کے بدل میں اللہ کسی اور شخص کو مقرر فرمادے گا ان کی برکت سے بارشیں ہوں گی اور انہیں کی وجہ سے دشمنوں پر فتح عطا کی جائے گی اور انہیں کے سبب سے اہل شام کی طرف سے عذاب کا رخ پھیر دیا جائے گا۔ رواہ احمد۔

حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں نے اپنے سر کے نیچے سے نور کا ایک عمود نکلتا دیکھا یہ ستون جگمگاتا رہا یہاں تک کہ اوپر اٹھنے کے بعد شام میں پہنچ کر ٹھہر گیا۔ رواہ البیہقی فی الدلائل۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ اور ہم نے اس کو عطا کیا اسحق اور اس پر مزید یعقوب۔ بعض علماء کا قول ہے کہ عَافِيَة کی طرح نَافِلَة بھی مصدر ہے اور گو لفظاً اس کا فعل پہلے مذکور نہیں مگر وَهَبْنَا کا معنی بھی عطا کرنے کے ہیں اس لئے یہ وَهَبْنَا کا مفعول مطلق ہے۔ مجاہد اور عطاء نے کہا نَافِلَة کا معنی ہے عطیہ۔ اسحق اور یعقوب دونوں اللہ کے عطا کردہ تھے اس

Marfat.com

صورت میں نَافِلَةً دونوں سے حال ہوگا۔ حسن اور ضحاک نے کہا نافلہ کا معنی ہے فضل مہربانی یعنی ہم نے اپنی مہربانی سے ابراہیم کو بیٹا (اسحاق) اور پوتا (یعقوب) عطا کیا۔ اس صورت میں نَافِلَةً علت ہبہ (مفعول لہ) ہوگا۔

حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابی بن کعب، ابن زید اور قتادہ کا قول مروی ہے، کہ نَافِلَةً صرف یعقوب تھے، نَافِلَةً کا معنی ہے زائد۔ حضرت ابراہیم نے اللہ سے بیٹا مانگا تھا اور دعا کی تھی رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور اسحاقؑ بیٹا عطا فرمادیا اور مزید اپنی طرف سے (بلا طلب) پوتا (یعقوب) بھی عطا کر دیا۔ اس صورت میں نَافِلَةً یعقوبؑ سے حال ہوگا۔ اس کا قرینہ موجود ہے اس لئے عبارت میں کوئی کمزوری نہیں۔

وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾ اور (ابراہیمؑ، لوطؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ میں سے) ہر ایک کو ہم نے صالحین میں سے کر دیا۔ یعنی غیر اللہ کے ساتھ لگاوٹ سے ان کے دلوں کو پاک صاف کر دیا۔ برے اخلاق و اعمال سے ان کو شستہ رکھا، ہر زنگ کو ان کے نفسوں سے صاف کر دیا اور پھر اعلیٰ اوصاف و اخلاق کی ان کے دلوں پر جلا کر دی، گناہوں کی آلودگی سے ان کے بدنوں کو پاک رکھا۔ طاعت و صلاح میں ہر وقت مشغول رکھا، بگاڑ کہیں پیدا نہ ہونے دیا، نہ دل میں، نہ نفس میں، نہ جسمانی اعمال و اطوار میں۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا اور بنایا ہم نے ان کو بھلائیوں اور صحیح افکار و اعمال میں لوگوں کا پیشوا جو ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کو ہدایت کرتے تھے۔ ہمارے دین کا راستہ بتاتے تھے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾

اور ہم نے ان کے پاس حکم بھیجا نیک کام کرنے کا اور خصوصاً نماز کی پابندی کا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اور وہ ہماری ہی عبادت کرنے والے تھے۔

خیرات، یعنی وہ باتیں جو بذات خود بھی اچھی ہیں اور شریعت نے بھی ان کو اچھا قرار دیا ہے، اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ کا عطف فِعْلَ الْخَيْرٰتِ پر ہے۔ زکوٰۃ اور صلوٰۃ خصوصیت کے ساتھ اچھے اور اہم امور ہیں ان کا عطف عام فعل الخیرات پر ایسا ہی ہے جیسے اہمیت کی وجہ سے عام پر خاص کا عطف کر دیا جاتا ہے۔ اصل کلام اس طرح تھا ہم نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ اچھے کام کریں اور کامل طور پر نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ۔ یعنی وہ موحد اور عبادت کرنے میں مخلص تھے۔

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ۭ

اور ہم نے لوط کو دیا حکم و علم (حکمت یا نبوت یا مقدمات کو فیصل کرنے کی قوت) اور ہم نے اس کو اس بستی سے جو گندی حرکات کرتی تھی بچالیا۔ علم سے مراد ہے اللہ کی ذات و صفات کا اور پیغمبر لائق اوصاف کا علم۔ اَلَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ یعنی بستی والے گندے کام کرتے تھے، خبائث سے مراد ہے لواطت اور غلے مارنا اور پرندوں سے کھیلنا وغیرہ۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾ بلاشبہ وہ بڑے بدکار نافرمان لوگ تھے۔ یہ جملہ سابق کلام کی علت ہے۔

ع ۵ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ اور ہم نے لوطؑ کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا، کیونکہ وہ بلاشبہ نیکوں میں سے تھے۔

رحمت سے مراد ہے اہل رحمت یا جنت۔ میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ عالم مثال میں بنظر کشف اللہ کی صفات بصورت دائرہ دکھائی دیتی ہوں اور یہ بھی نظر آتا ہو کہ صوفی اپنی حقیقت کے فناء اور صفات الٰہی کی ساتھ بقاء کے مرتبے میں داخل ہو رہا ہے۔ گویا نَجَّيْنَا سے مراد یہ ہے کہ لوطؑ کو کثافت ذاتی سے ہم نے نکال دیا اور اَدْخَلْنَاهُ فِيْ رَحْمَتِنَا کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے اپنی صفات کے دائرہ میں اس کو داخل کر دیا اَلصّٰلِحِيْنَ یعنی وہ لوگ جن کے لئے پہلے سے ہی اللہ نے بھلائی مقدر کر دی ہے۔

وَنُوْحًا اور نوحؑ کو اس کا عطف لُوْطًا پر ہے یعنی ہم نے نوحؑ کو حکم اور علم عطا کیا تھا۔

Marfat.com

اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ جب کہ مذکورہ انبیاء سے پہلے انہوں نے اپنے رب کو پکارا تھا۔ یعنی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے بددعا کی تھی۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ پس ہم نے ان کی دعا کو قبول کر لیا۔

فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ اور ہم نے ان کو اور ان کے اہل کو یعنی ان لوگوں کو۔

مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے سخت غم سے نجات دی۔ ابن عباسؓ نے فرمایا، ڈوبنے سے اور قوم کی جانب سے تکذیب سے نجات دی۔ حضرت نوحؑ کی عمر تمام انبیاء سے زیادہ ہوئی۔ اور سختیاں بھی آپ نے سب سے زیادہ برداشت کیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ قوم والے حضرت نوح کو مارتے تھے اور اتنا مارتے تھے کہ اپنے خیال میں مردہ کر دیتے تھے پھر ایک نمدہ میں لپیٹ کر گھر میں ڈال دیتے تھے۔ لیکن دوسرے روز آپ پھر گھر سے بر آمد ہو کر لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے تھے۔

محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ عبید بن عمیر لیثی نے کہا مجھے اطلاع پہنچی ہے کہ لوگ حضرت نوحؑ کو پکڑ کر آپ کا گلا گھونٹتے کہ آپ بیہوش ہو جاتے پھر ہوش آتا تو کہتے میرے رب میری قوم کو بخش دے وہ ناواقف ہیں۔

وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا ہم نے نوحؑ کا بدلہ ان لوگوں سے جنہوں نے ہمارے احکام کو جھوٹا قرار دیا لے بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۷۷﴾ لیا، بلاشبہ وہ برے لوگ تھے سو ہم نے ان سب کو ڈبو دیا۔

وَنَصَرْنٰهُ اور ہم نے اس کی مدد کی، پس وہ غالب آگیا اور نجات پائی۔ بِاٰيٰتِنَا یعنی ہماری ان آیات کی جو نوحؑ کی رسالت کو ثابت کر رہی تھیں۔ بیضاوی نے لکھا ہے اللہ نے ساری قوم نوح کو ہلاک کر دیا، کیوں کہ انہوں نے حق کی تکذیب بھی کی تھی اور عملی شر میں بھی ڈوبے ہوئے تھے۔ جس قوم کے اندر بھی یہ دونوں خرابیاں یکجا ہو گئیں، شاید اللہ نے اس ساری قوم کو برباد ہی کر دیا۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اور داؤدؑ و سلیمان کا تذکرہ کیجئے جب دونوں ایک کھیت کے بارے میں مشورہ کرنے لگے۔

حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ اور اکثر اہل تفسیر کا قول ہے کہ وہ کھیت انگور کی بیلوں کا تھا جس میں خوشے نکل آئے تھے، قتادہ نے کہا وہ غلے کا کھیت تھا۔

اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ جب کہ اس کھیت میں کچھ لوگوں کی بکریاں جا پڑی تھیں۔ اذ کا تعلق یحکمان سے ہے یعنی وہ دونوں اس وقت فیصلہ کر رہے تھے جب کچھ لوگوں کی بکریاں بغیر چرواہے کے کسی کے کھیت میں پھیل گئی تھیں اور انہوں نے رات کے وقت کھیت کو چرواہے کی غیر موجودگی میں چر لیا تھا۔ کذا فی القاموس۔ نہایہ میں ہے نَفَشَتِ السَّائِمَة چرنے والے جانوروں نے رات کے وقت چرواہے کی غیر موجودگی میں چر لیا۔ اگر دن میں بغیر چرواہے کے کسی کھیت یا محفوظ چراگاہ میں جا پڑیں اور چرنے لگیں وَهَلَمَتِ السَّائِمَة کہا جاتا ہے۔ نَفْش کا لغوی معنی ہے پھیل جانا دھنی ہوئی اون کو بھی اسی مناسبت سے عِهْنِ مَنْفُوْش کہا جاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ۔

وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾ اور ہم ان سب کے فیصلے سے واقف تھے۔

سب سے مراد ہیں داؤد، سلیمان اور فریقین مقدمہ۔ فراء نے کہا صرف حضرت داؤد، حضرت سلیمان مراد ہے جمع کا صیغہ بول کر تثنیہ دو فرد مراد ہو سکتا ہے۔ اللہ نے فرمایا فَاِنْ كَانَ لَهٗ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ اگر میت کے چند بھائی ہوں تو اس کی ماں کا (کل مال کا) چھٹا حصہ ہو گا۔ باجماع علماء اِخْوَةٌ (جو جمع کا صیغہ ہے) سے مراد کم سے کم دو بھائی ہیں۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ پس ہم نے (صحیح) فیصلہ یا فتوی سلیمان کو سمجھا دیا، ان کی سمجھ میں ڈال دیا۔ اس جگہ کچھ کلام محذوف ہے، پورا کلام اس طرح تھا۔ ہمارے سمجھانے کے مطابق سلیمانؑ نے فیصلہ کر دیا اور داؤد نے اپنا فیصلہ منسوخ کر کے

Marfat.com

سلیمان کا فیصلہ جاری کر دیا۔

بخاری نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ اللہ نے داؤد کے لئے کتاب اللہ کی تلاوت بہت آسان کر دی تھی۔ گھوڑوں پر زینیں کسنے کا حکم دے کر وہ قرآن پڑھنا شروع کرتے تھے اور زینیں کسنے نہ پاتی تھیں کہ وہ پڑھ لیتے تھے اور داؤد صرف اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔

میں کہتا ہوں اس حدیث میں قرآن سے مراد زبور ہے۔ بغوی نے حضرت ابن عباس اور قتادہ کا یہی قول بتایا ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ فیصلہ کرنے کے بعد اگر حاکم کی رائے بدل جائے تو حکم جاری کرنے سے پہلے وہ سابق فیصلہ کو منسوخ کر سکتا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس، قتادہ اور زہری نے بیان کیا کہ دو آدمی حضرت داؤد کے پاس آئے، ایک کھیت کا مالک تھا اور دوسرا بکریوں کا۔ کھیت والے نے کہا اس کی بکریاں رات کو چھوٹ کر میرے کھیت میں پڑ گئیں اور سارا کھیت چر گئیں کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ حضرت داؤدؑ نے فیصلہ کیا کہ کھیت کے عوض وہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں۔ حضرت داؤد کے پاس سے دونوں حضرت سلیمانؑ کے پاس آئے۔ حضرت سلیمانؑ نے پوچھا تم دونوں کے مقدمہ کا کیا فیصلہ ہوا جو فیصلہ حضرت داؤدؑ نے کیا تھا دونوں نے بیان کر دیا، حضرت سلیمانؑ نے فرمایا اگر تمہارا مقدمہ میرے سپرد کر دیا جاتا تو میرا فیصلہ کچھ اور ہی ہوتا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے یہ بھی کہا تھا کہ میرا فیصلہ دونوں کے لئے فائدہ بخش ہوتا۔ حضرت سلیمانؑ کے اس قول کی اطلاع حضرت داؤدؑ کو بھی ہو گئی۔ آپؑ نے سلیمانؑ کو بلوا کر فرمایا، تم فیصلہ کرو۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت داؤدؑ نے اپنی نبوت اور حق پدری کا واسطہ دے کر فرمایا، مجھے بتاؤ وہ کیا فیصلہ ہے جو فریقین کے لئے سود مند ہے۔ حضرت سلیمان نے کہا بکریاں کھیت والے کو دے دیجئے اور کھیت بکریوں کے مالک کے سپرد کر دیجئے۔ کھیت والا بکریوں کے دودھ، اون اور نسل سے اتنی مدت تک فائدہ اندوز ہوتا رہے جتنی مدت تک کھیت بکریوں والے کی سپردگی میں رہے۔ بکریوں کا مالک کھیت کو درست کر کے اس میں بیج بکھیر دے اور جب کھیتی تیار ہو کر اصلی حالت پر آجائے تو تیار کھیت، کھیت والے کو دیدے اور اپنی بکریاں واپس لے لے۔ حضرت داؤد نے فرمایا صحیح فیصلہ یہی ہے جو تم نے کیا پھر آپ نے یہ فیصلہ جاری کر دیا۔ روایت میں آیا ہے کہ فیصلہ کرنے کے وقت حضرت سلیمانؑ کی عمر گیارہ سال کی تھی۔

ابن ابی شیبہ نے المصنف میں اور ابن المنذر و ابن مردویہ نے بھی حضرت ابن عباس کی روایت سے بغوی کے اس بیان کی طرح قصہ نقل کیا ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے حضرت داؤدؑ کا فتویٰ امام ابو حنیفہؒ کے فتویٰ کی طرح ہے جو مجرم غلام کے سلسلہ میں آپ نے دیا ہے اور حضرت سلیمانؑ کا فیصلہ امام شافعیؒ کے فتوے کی طرح ہے کہ مغصوب غلام اگر بھاگ جائے اور کوئی جنایت کر لے تو تاوان میں غلام سے کمائی کرائی جائے اور کمائی سے جب اصل حق ادا ہو جائے تو پھر غلام اصل مالک کو واپس کیا جائے۔

میں کہتا ہوں امام ابو حنیفہؒ فقط اسی کے قائل نہیں کہ غلام کے آقا پر تاوان جنایت عائد کیا جائے گا اور عبد کو جنایت کے عوض میں صاحب حق کو دے دیا جائے گا بلکہ ان کے نزدیک تو غلام کا مالک اختیار رکھتا ہے خواہ جنایت عبد کا تاوان اپنے پاس سے ادا کرے یا غلام ہی کی ملکیت منتقل کر دے اور غلام کو ہی صاحب حق کی ملکیت میں دے دے۔ مطلب یہ کہ امام ابو حنیفہ کا فتویٰ حضرت داؤدؑ کے فیصلے کی طرح نہیں ہے جس میں بکریوں کی ملکیت سے محروم کر دیا گیا تھا، بلکہ امام کا فیصلہ اپنے اندر دونوں رخ رکھتا ہے غلام کو ہی تاوان میں دے دیا جائے، یا غلام کا مالک اپنے پاس سے تاوان ادا کرے اور غلام کو اپنی ملکیت میں باقی رکھے۔

جصاص نے کہا تاوان ادا کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ انہوں نے بکریوں کو باندھ کر نہیں رکھا تھا۔ بعض اقوال میں آیا ہے کہ اسلام میں یہ حکم منسوخ ہے۔ بلکہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا قول یہ ہے کہ اگر مویشی چھوٹ جائیں اور رات کو کسی کا نقصان کر دیں تو بقدر نقصان جانوروں کے مالک پر تاوان عائد ہو گا اور اگر چھوٹے ہوئے دن میں کسی کے کھیت وغیرہ کا نقصان

Marfat.com

... کو

... میں شکار شدہ مچھلی کی حلت پر ... کی ہے تو

... ہے

... میں مچھلی کا ... جائز ... کی ... عمر ... شکار کرو ... وہاں

... مچھلی کی ... خالص ... رات میں مچھلی کھ

... جانوروں کو ... امام ... کے نزدیک سمندر

... نقصان ... کوئی ... رسول

... ایمان ... مصنف ... وغیرہ ... معلق ...

... جائز ... جائز ... کوئی ... کرو

... اس حدیث سے استدلال ... حضرت

... نقصان ... رسول اللہ ﷺ ... تو آپ نے

... جانوروں نے ... نقصان ... جانوروں کے مالک پر

... امام شافعی نے

... حدیث متصل ہے ... معروف ہیں

... حدیث ... کے لفظ سے

... روایت ... امام ... حسن

... روایت ... بلا ... کا

... کی ہے

... بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا امام ... نے

... طریق ... ابن ابی حسنہ ... زہری

... نہیں تھی

... قائم مقام ...

... کا حکم بھی ... کے ساتھ مخصوص

... قرار

... حدیث ... اور ...

... منسوخ کہا

... کے ...

... کیا

... جانوروں ... نہیں ...

... کسی نے کوئی جانور

... جانور ...

... اگر جانور کسی طرف ... کیا

ٹھہر گیا اور اس کے بعد کسی کو دکھ پہنچایا تو مالک کی طرف یہ فعل منسوب نہ ہوگا، راہ پر چھوڑنے کا حکم منقطع ہوگا۔

مسئلہ: اگر گھوڑے والا گھوڑے پر سوار ہو یا لگام پکڑے لئے جا رہا ہو یا پیچھے سے ہنکا رہا ہو اور گھوڑا کسی کو لات مار دے یا روند ڈالے یا سر مار دے یا کاٹ لے یا اندھا دھند چل پڑے یا کسی سے ٹکرا جائے یا کھڑا کھڑا کسی کو ٹکر مار دے اور وہ جگہ گھوڑے والے کی ملک ہو یا ٹھیکے وغیرہ کے ذریعہ سے اس کے قبضہ میں ہو تو سوائے اول الذکر صورت کے باقی کسی صورت میں گھوڑے والے پر تاوان عائد نہ ہوگا صرف پہلی صورت میں ضمان دینا پڑے گا کیونکہ سوار ہونے کی حالت میں اس کا بوجھ گھوڑے کی پشت پر پڑے گا ایسی حالت میں اگر گھوڑا کسی کو روند ڈالے گا تو گویا سوار بھی گھوڑے کے ساتھ روندنے میں شریک سمجھا جائے گا۔ پس اس حالت میں اس سوار کو مرتکب اتلاف قرار دیا جائے گا۔ باقی صورتوں میں ہم نقصان رسانی اور ایذا دہی کا سبب آخریں کہہ سکتے ہیں اور مسبب پر تاوان اس وقت عائد ہوگا جب اس کی طرف سے بالارادہ اس فعل کا ظہور ہو (اور خود وہ چاہتا ہو کہ گھوڑے سے کسی کو ضرر پہنچے) اور مذکورہ بالا صورتوں میں بالارادہ ایذا رسانی کا سبب پیدا کرنا ثابت نہیں لیکن اگر وہ جگہ گھوڑے کے مالک کی نہ مملوک ہو نہ مقبوض بلکہ اس کو وہاں چلنے کی اجازت ہو کھڑا رہنے کی اجازت نہ ہو جیسے عام شاہراہ یا چلنے اور ٹھہرنے دونوں کی اجازت ہو جیسے کوئی جنگل یا مویشیوں کا نخاسہ جہاں سے گزرنے اور ٹھہرنے دونوں کی اجازت ہوتی ہے اس حالت میں مذکورہ بالا تمام صورتوں میں تاوان عائد ہوگا، خواہ سوار ہو یا لگام پکڑے جا رہا ہو یا پیچھے سے ہنکا رہا ہو لیکن ان حالات میں بھی اگر گھوڑا کسی کو لات مار دے یا دم مار کر کچھ ضرر پہنچا دے تو گھوڑے والے پر کوئی تاوان نہ ہوگا کیونکہ عام راستہ میں سلامتی کے ساتھ دوسرے کو ضرر پہنچائے بغیر گزرنا ہر مسلمان کا حق ہے راستہ سب کا مشترک ہے راستہ سے فائدہ اٹھانا بھی ہر ایک کا حق ہے لیکن یہ اباحت اس شرط کے ساتھ مقید ہے کہ دوسرے کو ضرر نہ پہنچے مگر اسی حد تک سلامتی ضروری ہے اس حد تک گزرنے والے کے حدود اختیار میں ہو، سوار کے لئے یہ تو ممکن ہے کہ کسی کو گھوڑے کے قدموں سے نہ روند ڈالے کسی کو روندنا حق سیر کا تقاضا نہیں۔ ہاں چلنے میں دم اور لات سے لوگوں کو محفوظ رکھنا سوار کے اختیار سے باہر ہے پس اگر چلتے چلتے گھوڑا سر راہ کسی کے لات مار دے یا دم سے کچھ ضرر پہنچا دے تو سوار کو شریک جرم نہیں قرار دیا جا سکتا صرف اس وقت سوار پر تاوان عائد ہوگا جب وہ مسلمانوں کے راستے میں گھوڑے کو کھڑا کر دے اور اس حالت میں گھوڑا کسی کے لات یا دم مار دے۔

امام مالک نے فرمایا اگر گھوڑے کے سوار یا لگام پکڑ کر چلانے والے یا ہنکانے والے کی طرف سے گھوڑے کو کچھ ترغیب نہ ہو یا گھوڑے کو وہ مارے نہیں تو مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی صورت میں گھوڑے والے پر کوئی تاوان نہیں ہوگا اس گھوڑے کو بھڑکی دیں یا ماریں اور کسی کو گھوڑے سے کچھ ضرر پہنچ جائے تو گھوڑے پر تاوان عائد ہوگا، العجماء جبار حدیث مبارک ہے جس میں عجماء کی ضرب کو بلا معاوضہ قرار دیا ہے۔

امام شافعی نے فرمایا جانور اپنے منہ یا ٹانگ یا دم سے اگر کسی کو کچھ دکھ پہنچا دے تو گھوڑے والے پر تاوان عائد ہوگا خواہ اس کی طرف سے کوئی سبب ضرر پیدا ہوا ہو یا نہ پیدا ہوا ہو اور خواہ گھوڑے پر اس وقت سوار ہو یا ہنکا کر لے جا رہا ہو یا کچھ بھی نہ کرے صرف ساتھ ہو۔

امام احمد نے فرمایا اگر گھوڑے کا مالک گھوڑے پر سوار ہو اور گھوڑا اپنے منہ یا اگلی ٹانگوں سے کسی کو ضرر پہنچا دے تو مالک پر ضمان عائد ہوگا اور اگر لات مارنے سے کسی کو نقصان پہنچ جائے تو مالک پر کوئی تاوان نہ ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے الرجل جبار لات کا کوئی معاوضہ نہیں۔ رواہ الدار قطنی عن سعید بن المسیب مرسلاً۔ واللہ اعلم۔

فائدہ

مجاہد نے کہا حضرت سلیمان کا فیصلہ صلح کے طور پر تھا اور حضرت داؤد کا فیصلہ حکم تھا اور صلح حکم سے بہتر ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان دونوں کا فیصلہ وحی پر مبنی تھا، لیکن حضرت سلیمان کا فیصلہ ناسخ تھا جس سے حضرت داؤد کا فیصلہ منسوخ ہو گیا یہ قول ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ انبیاء کے لئے اپنے اجتہاد سے کوئی حکم دینا جائز

Marfat.com

نہیں۔ کیونکہ ان کے پاس وحی آتی ہے۔ ان کو اجتہاد کی ضرورت نہیں۔ اجتہاد میں تو غلطی ممکن ہے، اور انبیاء سے غلطی کا صدور ممکن نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ دونوں بزرگوں کا فیصلہ اجتہادی تھا۔ حضرت داؤدؑ کا اجتہاد غلط تھا اور حضرت سلیمانؑ کا صحیح۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمانؑ کے فیصلے کی تعریف فرمائی۔ انبیاء کے اجتہاد میں غلطی ہو سکتی ہے۔ مگر انبیاء اس پر قائم نہیں رہتے جب حق واضح ہو جاتا ہے تو وہ اپنے فیصلے سے رجوع کر لیتے ہیں۔

وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ اور ہم نے دونوں کو حکمت اور علم عطا فرمایا تھا۔

حسن نے کہا اگر آیت وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا نہ ہوتی تو حکام تباہ ہو جاتے لیکن اللہ نے اس آیت میں ہر اجتہادی فیصلہ کی تعریف فرمائی ہے۔

آیت وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر مجتہد کا اجتہاد مبنی بر صواب ہوتا ہے (کسی کو مخطی نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ اللہ نے اس آیت میں حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ دونوں کی تعریف فرمائی ہے)۔

لیکن ظاہر یہ کا یہ استدلال غلط ہے آیت سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بزرگوں کو اللہ نے قوت فیصلہ و علم عطا کی تھی دونوں فیصلوں کا صحیح ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ آیت فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ کا فیصلہ صحیح تھا اور حضرت داؤد کا فیصلہ اس کے خلاف تھا یعنی غلط۔

حضرت عمرو بن عاص کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا فرما رہے تھے جب حاکم اجتہاد کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کرے اور فیصلے میں حق پر پہنچ جائے تو اس کے لئے دوہرا اجر ہوگا اور اگر اجتہادی فیصلہ میں اس سے غلطی ہو جائے تب اس کے لئے اکہرا اجر ہے۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین واحمد واصحاب السنن الار بعة والترمذی عن ابی ہریرہؓ۔

یہ حدیث صراحتہً بتا رہی ہے کہ مجتہد سے فیصلہ میں غلطی بھی ہو جاتی ہے اور کبھی اس کا فیصلہ حق بھی ہوتا ہے صواب و خطا یکجا جمع نہیں ہو سکتے یا فیصلہ صحیح ہوگا یا غلط، لیکن فیصلہ میں غلطی ہو جائے تب بھی اس کو ایک اجر ضرور ملے گا، غلطی ہو جانے کی بناء پر نہیں بلکہ فکری کوشش اور اجتہاد پر اس کو اکہرا اجر ملے گا۔ اجتہاد بجائے خود عبادت ہے طلب حق کی کوشش موجب اجر ہے اجتہاد کے بعد غلطی قابل تسامح ہے اور صحت نتیجہ کی صورت میں دو اجر ہوں گے ایک طلب حق کی کوشش کا اور دوسرا حق پر پہنچ جانے کا۔ واللہ اعلم۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا میں نے سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے دو عورتیں تھیں ہر ایک کا ایک ایک بچہ اس کے ساتھ تھا بھیڑیا آیا ایک بچہ کو لے گیا، ایک عورت نے دوسری سے کہا بھیڑیا تیرے بچہ کو لے گیا میرا بچہ محفوظ ہے، دوسری نے اس کی تردید کی اور کہا تیرے بچہ کو لے گیا میرا بچہ یہ ہے جو موجود ہے دونوں جھگڑا لے کر حضرت داؤدؑ کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ نے بڑی کو ڈگری دے دی اور چھوٹی ہار گئی اس کے بعد دونوں کا گزر حضرت سلیمان کی طرف سے ہوا اور آپ سے تفصیل بیان کی۔ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا، میرے پاس چھری لے آؤ میں بچہ کے دو ٹکڑے کر کے دونوں کو بانٹ دوں گا یہ سنتے ہی چھوٹی بولی آپ پر اللہ کی رحمت ہو یہ بچہ بڑی کا ہی ہے اسی کو دے دیجئے۔ حضرت سلیمان نے بچہ چھوٹی کو دلوا دیا۔

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُودَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ اور ہم نے داؤد کے ساتھ تابع کر دیا تھا پہاڑوں کو جو داؤدؑ کے ساتھ تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی۔

کہا گیا ہے کہ داؤدؑ جب ذکر کرتے کرتے سست پڑ جاتے تھے اور بدن میں کچھ کسل آ جاتا تھا تو آپ کے ساتھ پہاڑ تسبیح پڑھنے لگتے تھے تاکہ پہاڑوں کی تسبیح سن کر داؤدؑ میں ذکر الٰہی کرنے کی تازہ چستی پیدا ہو جائے اور پرندے بھی آپ کے ساتھ تسبیح میں مشغول رہتے تھے۔ اَلطَّيْرَ کا عطف اَلْجِبَالَ پر ہے پرندوں کی تو پھر بھی ظاہری زبان ہوتی ہے وہ کچھ نہ کچھ بولتے ہی ہیں لیکن پہاڑوں کی کوئی زبان بظاہر نہیں ہوتی، پہاڑوں کا تسبیح خداوندی میں مشغول ہونا بہت ہی تعجب آفریں ہے اسی لئے

Marfat.com

اَلْجِبَالَ کا ذکر اَلطَّيْرَ سے پہلے کیا۔
وہب نے کہا حضرت داؤد کی تسبیح کے جواب میں پہاڑ اللہ کی پاکی بیان کرتے تھے اور پرندوں کا بھی یہی حال تھا۔ قتادہ نے کہا یعنی جب داؤد نماز پڑھتے تھے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا، حضرت داؤد درختوں اور پتھروں کی تسبیح کو سمجھتے تھے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ يُسَبِّحْنَ سَبَاحَتْ سے ماخوذ ہے اور سباحت کا معنی ہے تیرنا چلنا، حضرت داؤد چلتے تھے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ چلتے تھے۔

وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ اور ایسا کرنے والے ہم ہی تھے۔ یعنی داؤد کو علم و حکمت کی فہمائش اور پہاڑوں اور پرندوں کی تسخیر ہمارا فعل تھا۔

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور ہم نے اس کو زرہ بنانے کی صنعت تم لوگوں کے فائدے کے لئے سکھائی تاکہ وہ تم کو لڑائی میں ایک دوسرے کی زد سے محفوظ رکھے۔ تو کیا تم اب بھی شکر ادا نہ کرو گے۔

لَبُوْسٌ ہر پہننے والی چیز کو کہتے ہیں عرفاً اس کا استعمال اسلحہ کے لئے ہوتا ہے اس جگہ لوہے کی زرہ مراد ہے۔ قتادہ نے کہا حضرت داؤد سے پہلے زرہ سپاٹ ہوتی تھی، سب سے اول آپ نے جال دار زرہ بنائی اور کڑیاں جوڑ کر جھول کی شکل دی۔ حدیث صحیح پہلی گزر چکی ہے کہ حضرت داؤد اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔

لَكُمْ سے خطاب قریش کو ہے، لِتُحْصِنَكُمْ تاکہ وہ صنعت یا حلقہ دار زرہ تم کو دشمن کے حملے سے محفوظ رکھے۔ سدی نے کہا اسلحہ کی مار پڑنے سے تم کو محفوظ رکھے۔ فَهَلْ اَنْتُمْ پس اے اہل مکہ ہم نے جو دشمن سے محفوظ رہنے کا ذریعہ تمہارے لئے آسان کر دیا۔ کیا اس کا تم شکریہ ادا کرو گے۔ هَلْ اَنْتُمْ میں امر بصورت استفہام ہے۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ اور ہم نے سلیمان کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا، سلیمان کا عطف داؤد پر ہے اور الرِّيْحَ کا عطف اَلْجِبَالَ پر۔ حرف عاطف ایک ہی ہے۔ کیونکہ دونوں ایک ہی عامل کے مفعول ہے۔ بعض اہل تحقیق نے بیان کیا ہے کہ پہاڑوں اور پرندوں کا داؤد کے ساتھ تسبیح پڑھنا بامر داؤد نہ تھا بلکہ براہ راست اللہ کے حکم تسخیری کے ماتحت تھا اس لئے داؤد کے ساتھ لفظ مَعَ (ساتھ) ذکر کیا اور ہوا کی رفتار بامر سلیمان ہوتی تھی اس لئے لسیمان سلیمان کے لئے لام کے ساتھ فرمایا۔

عَاصِفَةً تیز، کہ تھوڑے وقت میں سلیمان کو لشکر سمیت دور لے جاتی تھی اللہ نے فرمایا ہے غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ شروع آدھے دن کی رفتار ہوا ایک مہینے کی مسافت کے برابر اور آخری آدھے دن کی رفتار ایک ماہ کی مسافت کے بقدر تھی۔ اتنی تیز رفتار کے باوجود ہوا کی چال نرم تھی جھکڑ نہ تھے خوشگوار تھی (زیروزبر کرنے والی نہ تھی) بعض لوگوں نے کہا ہوا کی رفتار حضرت سلیمانؑ کی مرضی کے تابع تھی کبھی تند کبھی نرم۔

تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ سلیمانؑ کے حکم سے ہوا اس زمین کی طرف چلتی جس میں ہم نے برکت عطا کی ہے۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اِلَى الْاَرْضِ میں اِلٰی بمعنی فِیْ (میں) ہے یعنی ملک شام میں مراد یہ ہے کہ بحکم سلیمان ہوا آپ کو فرودگاہ شام سے اصل وطن کی طرف لے جاتی تھی۔ حضرت سلیمانؑ وطن سے صبح کو چل کر ملک شام میں جا کر فروکش ہوتے تھے اور پچھلے دن میں ہوا کے کندھوں پر سوار ہو کر شام سے اصل وطن کی طرف لوٹ آتے تھے۔ بعض نے کہا اِلٰی اس جگہ اپنے اصلی معنی پر ہے۔

وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾ اور (ازل میں ہی) ہم ہر چیز سے واقف تھے۔ یعنی ہماری ازلی مصلحت کا جو تقاضا ہے اور ہماری حکمت جو چاہتی ہے ہم اسی کے مطابق جو کچھ چاہتے ہیں کرتے ہیں چنانچہ ہوا وغیرہ کو سلیمانؑ کے حکم کا تابع بنا دینے کی غرض یہ تھی کہ سلیمان اپنے رب کے سامنے اور جھک جائیں، وہب نے کہا حضرت سلیمان کی مجلس پر پرندے چھائے ہوئے ہوتے تھے، جن صف بستہ کھڑے ہوتے تھے اور اس شان کے ساتھ آپ جلوہ افروز ہوتے۔ حضرت سلیمان بڑے مرد مجاہد تھے

Marfat.com

دنیا کے جس حصہ میں کسی بادشاہ کے ہونے کی آپ کو اطلاع ملتی آپ فوراً وہاں پہنچ کر اس فرماں روا کو اطاعت پر مجبور کر دیتے تھے۔ اہل روایت کا قول ہے کہ آپ جب کسی جہاد کا ارادہ کرتے تو آپ کے لئے پہلے تختے بصورت تخت بچھائے جاتے پھر اس پر خیمہ ڈیرہ قائم کیا جاتا پھر آپ اس پر آدمیوں کو جانوروں کو اور جنگی سامان کو چڑھواتے پھر حسب الحکم تند ہوا تختوں کے نیچے آجاتی اور سب کو اوپر اٹھاتی اور اوپر پہنچ کر نرم بن جاتی تھی۔ اتنی نرم رفتار ہوتی کہ کسی کھیتی کی طرف سے گزرتی تو اس کی پتی بھی نہ ہلتی۔ اس کی رفتار سے گرد و غبار بالکل نہ اڑتا اور نہ کسی پرندے کو تکلیف ہوتی، سبک سیر اتنی کہ ایک ماہ کی مسافت دن کے نصف اول میں اور ایک ماہ کی مسافت پچھلے دن میں طے کر لیتی تھی۔

وہب نے یہ بھی بیان کیا۔ دجلہ کے کسی ساحلی مقام پر ایک کتبہ تھا جس پر حضرت سلیمان کے کسی ساتھی نے لکھ دیا تھا۔ معلوم نہیں وہ ساتھی جن تھا یا آدمی۔ "ہم یہاں اترے ہم رات کو یہاں نہیں رہے صبح اصطخر سے چلے تھے دوپہر کو یہاں قیلولہ کیا پچھلے دن میں انشاء اللہ یہاں سے چل دیں گے اور رات کو شام میں رہیں گے"۔

مقاتل نے بیان کیا کہ حضرت سلیمان کے لئے جنات نے سونے اور ریشم کے تاروں سے ایک فرش بنا تھا، جس کی لمبائی چوڑائی ایک ایک فرسخ تھی، اس فرش کے وسط میں حضرت کے لئے سنہری ممبر رکھا جاتا تھا جس پر آپ تشریف فرما ہوتے تھے اور ممبر کے ارد گرد سونے چاندی کی کرسیاں رکھی جاتی تھیں۔ سونے کی کرسیوں پر اور علماء چاندی کی کرسیوں پر فروکش ہوتے تھے اوپر سے پرندے اپنے پر پھیلائے سایہ فگن ہوتے تاکہ دھوپ کسی پر نہ پڑے کرسیوں کے گرداگرد دوسرے آدمی ہوتے تھے اور آدمیوں کے پیچھے جنات، ہوا، اس فرش کو (اور فرش والوں کو) اوپر اٹھاتی تھی اور صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک ایک ایک ماہ کی مسافت تک لے جاتی تھی۔

سعید بن جبیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت سلیمان کے دربار میں چھ لاکھ کرسیاں رکھی جاتی تھیں اگلی قطاروں میں آدمی اور آدمیوں کے پیچھے جنات بیٹھتے تھے پرندے اوپر سے سایہ کئے ہوتے تھے اور ہوا ان سب کو اٹھاتی تھی۔

حسن کا بیان ہے کہ جب پیغمبر خدا سلیمان کی عصر کی نماز گھوڑوں کے معاینہ کی وجہ سے فوت ہو گئی تو آپ کو لوجہ اللہ غصہ آگیا اور آپ نے سب گھوڑوں کو قتل کرا دیا۔ پھر اللہ نے مقتول گھوڑوں کے عوض دوسرے بہتر گھوڑے عطا فرما دیئے، ہوا آپ کے حکم سے آپ کی مرضی کے مطابق تیزی کے ساتھ آپ کو اٹھا کر لے جاتی تھی صبح کو ایلیا سے چلتے تو قیلولہ (دوپہر کا قیام) اصطخر میں کرتے پھر پچھلے دن میں اصطخر سے چلتے تو شام بابل میں کرتے۔

ابن زید نے بیان کیا تختوں سے بنی ہوئی آپ کی ایک سواری تھی جس کے ایک ہزار پائے تھے ہر پایہ کھوکھلا تھا جس کے اندر ہزار خانے تھے آپ کے ساتھ انس و جن سوار ہوتے تھے ہر پایہ کے نیچے (اٹھانے والے) ایک ہزار جنات ہوتے تھے جو اس تخت کو اٹھائے ہوتے تھے، تخت اونچا ہو جاتا تو نرم ہوا آکر اس تخت کو اٹھا لیتی صبح کو چل کر آپ دوپہر کو ان لوگوں کے پاس قیام کرتے جو ایک ماہ کی مسافت کی دوری پر ہوتے تھے پھر شام ایسے لوگوں میں کرتے جن کی دوری ایک ماہ کی مسافت کے بقدر ہوتی۔ لوگوں کو پتہ بھی نہ چلتا کہ اچانک آپ لشکر سمیت آپہنچے۔

روایت میں آیا ہے کہ ایک بار حضرت سلیمان عراق سے صبح کو چلے مرو میں دوپہر کو پہنچے وہاں قیام کیا پھر بلخ میں عصر کی نماز پڑھی پھر بلخ سے روانہ ہو کر ترکستان میں داخل ہو گئے پھر ترکستان سے سرزمین چین تک پہنچ گئے ہوا کے کندھوں پر یہ راستہ طے کیا اور پرندے سر پر سایہ فگن رہے۔ آپ صبح کے دن میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتے تھے اور شام کے دن میں بھی اتنی ہی دور پہنچ جاتے تھے، یہاں سے آپ نے مشرق کی طرف رخ کیا یہاں تک کہ قندھار پہنچ گئے پھر قندھار سے مکران اور کرمان پہنچے تو پھر یہاں سے گزر کر بلاد فارس میں پہنچے اور وہاں چند روز فروکش رہے پھر صبح کو یہاں سے روانہ ہو کر دوپہر کو کسکر پہنچے پھر شام تک ملک شام میں آگئے آپ کی اصل قرار گاہ شہر تدمر میں تھی شام سے عراق کی طرف روانہ ہونے سے پہلے آپ نے جنات کو حکم دیا تھا کہ ایک عمارت بنائیں چنانچہ جنات نے پتھر کی چٹانوں اور ستونوں اور سفید و زرد مرمر سے ایک عمارت تیار کی

Marfat.com

تھی۔

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾

اور کچھ شیاطین ایسے تھے جو سلیمان کے لئے (جواہر نکالنے کی غرض سے) سمندر میں غوطے لگاتے تھے اور اس کے علاوہ دوسرے کام بھی کرتے تھے۔ اور ہم ہی ان کو سنبھالنے والے ہیں۔

اور کچھ جنات سمندروں میں غوطے مار کر آپ کے لئے جواہر نکال کر لاتے اور اس کے علاوہ دوسرے کام بھی کرتے تھے۔ جیسے اونچی اونچی عمارتیں اور مجسمے اور بڑے بڑے حوض اور ایک جگہ قائم رہنے والی دیگیں اور شہروں کی تعمیر اور عجیب عجیب نادر مصنوعات کی تخلیق وغیرہ۔

كُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ کا یہ مطلب ہے کہ ہم جنات کی نگرانی رکھے ہوئے تھے کہ کہیں سلیمان کی اطاعت سے سرکشی نہ کرنے لگیں۔ زجاج نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نگرانی رکھتے تھے کہ کہیں بنائی ہوئی چیز کو تباہ نہ کر دیں۔

بغوی نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت سلیمان کسی جن کو کسی آدمی کے ساتھ کسی کام پر بھیجتے تو آدمی سے فرما دیتے جب اس کام سے یہ فارغ ہو جائے تو اس کو کسی اور کام پر لگا دینا ایسا نہ ہو کہ یہ کئے ہوئے کام کو برباد کر دے، جنات کی یہ عادت ہی تھی کہ جب کسی کام سے فارغ ہو جاتے اور دوسرے کام میں مشغول نہ ہوتے تو بنے ہوئے کام کو ہی تباہ کر دیتے۔

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ اور ایوب کا تذکرہ کیجئے جب اس نے مصائب میں اپنے رب کو پکارا اے رب مجھے دکھ لگ گیا ہے۔ نَادٰى یعنی دعا کی۔ وہب بن منبہ نے بیان کیا حضرت ایوب رومی تھے، آپ کا جدی نسب اس طرح تھا۔ ایوب بن احرص بن رازخ بن روم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیمؑ آپ کی والدہ حضرت لوط بن فاران کی اولاد میں سے تھیں۔

آپ اللہ کے برگزیدہ بندے اور نبی تھے اللہ نے آپ کے لئے دنیا وسیع کر دی تھی، سرزمین شام میں ایک گھاٹی جس کے اندر میدانی زمین بھی تھی اور پہاڑی بھی آپ کی ملک تھی۔ اونٹ، گائے، بیل، بھینس، بھیڑ، بکری، گھوڑے گدھے ہر قسم کے بکثرت جانور آپ کے پاس تھے پانچ جوڑ بیلوں کے کھیتی کرنے کے لئے بھی آپ کے پاس تھے۔ ہر جوڑ کا خادم ایک غلام تھا اور ہر غلام کے بیوی بچے بھی تھے۔ بیلوں کی ہر جٹ کا یعنی کھیتی کرنے اور ہل جوتنے وغیرہ کا سامان اٹھانے کے لئے ایک گدھی تھی اور ہر گدھی کے دو دو تین تین چار چار پانچ پانچ اور اس سے زیادہ بچے تھے اللہ نے آپ کو اہل و عیال لڑکے اور لڑکیاں بھی عطا کی تھیں۔ آپ بڑے نیک، پرہیزگار، غریبوں پر رحم کرنے والے، مسکینوں کو کھانا کھلانے والے، بیواؤں کی خبر گیری کرنے والے، یتیموں کی سرپرستی کرنے والے اور بڑے مہمان نواز تھے، مسافروں کو خرچ دے کر وطن تک پہنچا دیتے تھے، اللہ کی نعمتوں کا شکر اور اللہ کا حق ادا کرتے رہتے تھے اللہ نے شیطان مردود سے آپ کو محفوظ کر دیا تھا۔ ابلیس دوسرے مال داروں اور عزت یاب لوگوں کو اللہ کی یاد سے غافل بنا دیتا ہے لیکن آپ اس کی دسترس سے باہر تھے۔ آپ کے پاس تین (خاص) آدمی تھے جو آپ پر ایمان لائے تھے ایک یمنی تھا جس کا نام الیفن تھا اور دو آپ ہی کی بستی کے رہنے والے تھے ایک کا نام یلد اور دوسرے کا نام صافر تھا، یہ تینوں میانہ عمر کے آدمی تھے۔

اس زمانہ میں ابلیس کی رسائی آسمانوں پر تھی، آسمانوں میں جہاں چاہتا ٹھہر سکتا تھا۔ حضرت عیسیٰ کی بعثت کے بعد چار آسمانوں پر جانے کے اسے ممانعت کر دی گئی پھر رسول اللہ ﷺ کی پیدائش پر باقی آسمانوں سے بھی اس کو روک دیا گیا۔

حضرت ایوب اللہ کا ذکر اور اس کی حمد کرتے رہتے تھے ایک بار جب آپ نے اللہ کا ذکر کیا اور حمد کی تو فرشتوں نے اس وقت مل کر آپ کے لئے دعائے رحمت کی، ابلیس نے فرشتوں کی دعا سن پائی۔ سن کر جل گیا اور فوراً آسمان پر چڑھ کر اپنے ٹھکانے پر پہنچا اور اللہ سے التجا کی اور کہا الٰہی میں نے تیرے بندے ایوب کے معاملہ پر غور کیا، میں نے دیکھا کہ تو نے اپنے بندے کو نعمتوں سے نوازا ہے اور اس لئے اس نے تیرا شکر کیا، تو نے اس کو عافیت عطا کی اس لئے اس نے تیری حمد کی، تو نے جو کچھ اس

کو مرحمت کیا ہے اگر تو اس سے لے لے اور اس کو مصیبت میں مبتلا کردے تو یہ مصیبت اس کو عبادت و حمد سے روک دے گی اور وہ تیری طاعت سے نکل جائے گا۔ اللہ نے فرمایا جا میں نے اس کے مال پر تجھے دسترس عطا کر دی، دشمن خدا ابلیس یہ اختیار لے کر آسمان سے زمین کی طرف آیا پھر خبیث جنات اور سرکش شیطانوں کو جمع کر کے کہنے لگا مجھے ایوب کے مال پر تسلط عطا کر دیا گیا ہے اور یہ ایسی سخت مصیبت ہے جس پر بڑے بڑے لوگ صبر نہیں کر سکتے بتاؤ تمہارے اندر کیا طاقت ہے تم اپنی اپنی طاقتوں کی تفصیل بتاؤ۔ ایک خبیث شیطان بولا مجھے ایسی قوت دی گئی ہے کہ اگر میں چاہوں تو آتشیں بگولہ بن جاؤں پھر جس چیز پر گزروں اس کو جلا ڈالوں۔ ابلیس نے کہا اچھا تو جس وقت ایوب کے لونٹ اپنی چراگاہوں میں جمع بیٹھے ہوں تم اونٹوں کی طرف جاؤ اور سب کو جلا ڈالو، یہ کہتے ہی لوگوں کو پتہ بھی نہ چلا اور ایک دم زمین کے نیچے سے ایک آتشیں بگولہ اٹھا اور جب اونٹوں کے پاس سے گزرا تو ان کو اور چرواہوں کو جلا کر سوختہ کر دیا یہاں تک کہ سب لونٹوں کو جلا کر ختم کر دیا اس کے بعد ابلیس لونٹوں کے نگراں کی صورت بنا کر ایک اونٹ پر سوار ہو کر حضرت ایوب کے پاس پہنچا آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہنے لگا ایوب ایک آگ آئی سب لونٹوں کو ہر طرف سے اس نے گھیرے میں لے لیا سب اونٹ اور ان کے چرواہے سوختہ ہوگئے۔ حضرت ایوب نے فرمایا الحمد للہ جس نے دیئے تھے اسی نے لے لئے، میں تو ہمیشہ سے اپنی جان و مال کو فنا ہونے والا سمجھے ہوا ہوں، ابلیس بولا آپ کے رب نے ان پر آسمان سے آگ بھیج دی جس سے سب جل گئے لوگ حیرت میں پڑ گئے اور ان کو بڑا تعجب ہوا کوئی کہنے لگا ایوب کسی کی پوجا ہی نہیں کرتے تھے محض دھوکہ میں پڑے ہوئے تھے، بعض لوگ کہنے لگے ایوب خدا کی عبادت کرتے تھے خدا ہی نے یہ آگ بھیجی تاکہ ایوب کے دشمن خوش ہوں اور دوستوں کو دکھ پہنچے کسی نے کہا اگر ایوب کے معبود میں طاقت ہوتی اور وہ حفاظت کر سکتا تو ضرور اس کی کارسازی کرتا۔ حضرت ایوب نے یہ باتیں سن کر فرمایا الحمد للہ! اسی نے مجھے دیا تھا اسی نے مجھ سے لے لیا ہر حال میں وہ قابل حمد ہے۔ میں ماں کے پیٹ سے ننگا پیدا ہوا تھا اور ننگا ہی لوٹ کر مٹی میں جاؤں گا اور ننگا ہی اٹھ کر اللہ کی پاس جاؤں گا۔ جب اللہ تجھے کوئی چیز عاریۃً دے دے تو تجھے اترانے کا حق نہیں ہے اور جب اپنی عاریت پر قبضہ کر لے تو تجھے جزع و فزع نہ کرنا چاہئے اس چیز کا اللہ ہی زیادہ مستحق ہے اور وہی تیرا بھی مالک ہے اور اے شخص اگر اللہ کو تیرے اندر کوئی بھلائی معلوم ہوتی تو تو بھی شہید ہو جاتا اور ان روحوں کے ساتھ تیری روح بھی منتقل ہو جاتی، معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کو تیری طرف سے شر ہی معلوم ہوئی۔ اسی لئے آگ کے اندر سے اور شہیدوں کے گروہ سے تجھے نکال دیا۔ حضرت کی اس گفتگو سے ابلیس ذلیل و خوار ہو کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور ان سے کہا اب تمہارے پاس کونسی طاقت ہے میں تو ایوب کے دل کو زخمی نہیں کر سکا ایک دیو بولا میرے اندر ایسی قوت ہے کہ اگر آپ چاہیں تو میں ایسی چیخ ماروں کہ جو جاندار اس کو سنے اس کی جان نکل جائے، ابلیس نے کہا تو تم بھیڑ بکریوں اور ان کے چرواہوں کو جا کر ختم کر دو حکم پا کر دیو فوراً اچھل دیا اور بھیڑ بکریوں کے درمیان پہنچ کر ایک چیخ ماری جس سے تمام بکریاں اور ان کے چرواہے مر گئے اس کے بعد ابلیس چرواہوں کے داروغہ کے بھیس میں حضرت ایوب کے پاس پہنچا آپ اس وقت بھی نماز پڑھ رہے تھے ابلیس نے پہنچ کر وہی بات کہی جو پہلے کہی تھی اور حضرت ایوب نے بھی پہلے کی طرح جواب دیا ابلیس اپنے رفقاء کے پاس واپس چلا گیا اور بولا اب بتاؤ تمہارے پاس کیا طاقت ہے میں تو اب بھی ایوب کے دل کو زخمی نہیں کر سکا۔ ایک خبیث جن کہنے لگا۔ اگر میں چاہوں تو آندھی بن سکتا ہوں جو ہر چیز کو اڑا کر لے جائے گی۔ ابلیس نے کہا تو بیلوں اور کھیتوں کے پاس جا۔ خبیث جن چلا گیا، اور اچانک ایک طوفانی ہوا چلی اور ہر چیز کو اڑا کر لے گئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ اس کے بعد ابلیس کھیتی باڑی کے منیجر کی شکل بنا کر حضرت ایوب کے پاس آیا آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے ابلیس نے وہی پہلے والی بات کی اور آپ نے بھی وہی سابق کا جواب دے دیا اور مصیبت پر صبر کرنے پر اپنے دل کو جما لیا آخر جب آپ کے پاس کسی طرح کا مال نہ رہا اور ابلیس نے آپ کا سارا مال تباہ کر دیا تو آسمان پر پھر گیا اور بارگاہ الٰہی میں عرض کیا الٰہی ایوب جانتا ہے کہ جب آل و اولاد سے تو نے اس کو بہرہ اندوز کیا ہے تو مال بھی عنایت کر دے گا اس لئے مطمئن ہے کیا تو مجھے اس کی اولاد پر تسلط عطا فرما دے گا یہ مصیبت ایسی ہے جس پر بڑے بڑے آدمیوں کے دل برقرار نہیں رہ سکتے۔ اللہ نے فرمایا جا میں نے

Marfat.com

تجھے ایوب کی اولاد پر دسترس عطا کی۔ دشمن خدا چلا آیا حضرت ایوب کی اولاد ایک قصر کے اندر تھی ابلیس نے اس قصر کے در و دیوار کو جھنجھوڑ ڈالا.... دیواروں کو باہم ٹکرا دیا لکڑیاں اور پتھر اوپر سے پھینکے، یہاں تک کہ جب سب لوگوں کو خوب زخمی کر دیا تو محل کو اٹھا کر الٹ دیا، سب لوگ سر نگوں ہو کر گر پڑے اور ہلاک ہو گئے۔ اس کے بعد بچوں کے اتالیق کی شکل بنا کر حضرت ایوب کی خدمت میں پہنچا خود بھی اس وقت زخمی تھا چہرے پر خراشیں تھیں خون بہ رہا تھا جا کر واقعہ کی اطلاع دی اور کہا اگر آپ وہ منظر دیکھ لیتے جب کہ آپ کے بچے سخت اذیتوں میں مبتلا ہوئے تھے خون بہ رہا تھا اور دماغ بھی باہر نکلنے لگے تھے، پیٹ پھٹ گئے تھے، انتڑیاں بکھری پڑی تھیں اسی حالت میں قصر الٹ گیا اور سب الٹے ہو کر جاں بحق ہو گئے تو آپ کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ ابلیس برابر اسی طرح کے دردناک الفاظ کہتا رہا اور حضرت ایوب سنتے رہے آخر آپ کے دل میں رقت پیدا ہوئی اور رونے لگے اور ایک مٹھی خاک اپنے سر پر ڈال لی اور کہا کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا، ابلیس نے اس بات کو غنیمت سمجھا اور ایوب کے بے صبری کو دیکھ کر فوراً آسمان پر چڑھ گیا ادھر حضرت ایوب نے اپنے الفاظ سے رجوع کر لیا اور توبہ و استغفار کی اور آپ کی توبہ و استغفار کو ملائکہ لے کر ابلیس کے پہنچنے سے پہلے ہی جا پہنچے اور بارگاہ الٰہی میں پیش کر دی اللہ تو پہلے ہی بخوبی واقف تھا ملائکہ کی پیشی بھی حسب الحکم ہو گئی ابلیس ذلیل ہو گیا اور کہنے لگا۔ الٰہی تو نے ایوب کو تندرستی دی ہے جسمانی اذیت سے محفوظ رکھا ہے وہ جانتا ہے کہ اس کی تندرستی ہے تو اللہ مال و اولاد اور عنایت کر دے گا اس لئے مال و اولاد کی ہلاکت کا اس پر اثر نہیں پڑا تو مجھے اس کے جسم پر تسلط عطا کر دے گا تو اس کا قدم ڈگمگا جائے گا۔ اللہ نے فرمایا جا میں نے ایوب کے جسم پر تجھے تسلط عطا کیا لیکن زبان اور دل پر تیرا تسلط نہیں ہے زبان و دل کی علاوہ باقی جسم کو تیرے زیر تسلط کر دیا گیا۔ اللہ نے ابلیس کو یہ تسلط صرف اس لئے عطا فرمایا تھا کہ ایوب کے ثواب میں اضافہ ہو صبر کرنے والوں کے لئے مثال ہو۔ ہر دکھ اور مصیبت پر صبر کرنے کی دوسروں کو تلقین ہو اور بامید ثواب ہر اذیت پر ان کو صبر ہو۔ اللہ کا دشمن اجازت پا کر فوراً آیا، ایوب اس وقت سجدے میں تھے سر اٹھانے نہ پائے تھے کہ ابلیس آ گیا اور چہرے کی طرف سے آ کر ناک کے سوراخ میں ایک پھونک ماری جس سے حضرت ایوب کا جسم آگ کی طرح بھڑکنے لگا اور سر کی چوٹی سے پاؤں کی نوک تک ایسے دمبل نکل آئے جیسے بکری کی کلیجی اور ان میں کھجلی پیدا ہو گئی حضرت ایوب نے ناخنوں سے اس کو کھجانا شروع کیا یہاں تک کہ سب ناخن گر گئے پھر کھردرے ٹاٹ سے کھجایا ٹاٹ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا پھر نوک دار کھردرے ٹھیکروں اور پتھروں سے کھجایا اور اتنا کھجایا کہ گوشت کٹنے لگا، بو دینے لگا، سڑ گیا۔ بستی والوں نے آپ کو بستی سے باہر نکال کر ایک گھورے پر جھونپڑی بنا کر اس میں ڈال دیا اور سب نے چھوڑ دیا صرف آپ کی بی بی رحمت بنت افرائیم بن یوسفؑ بن یعقوبؑ نے ساتھ دیا بعض نے رحمت کو حضرت یوسفؑ ہی کی صاحبزادی کہا ہے۔ رحمت آپ کے پاس آتی رہیں اور آپ کی ضروریات فراہم کر کے لاتی رہیں جب حضرت کے تینوں رفقاء الیفز، بلد اور صافر نے حضرت ایوب کی یہ ابتلائی حالت دیکھی تو وہ بھی کنارہ کش ہو گئے اور (شرعی جرم کرنے کی) آپ پر تہمت لگائی مگر آپ کے دین کو نہیں چھوڑا جب مصیبت بڑھ گئی تو ایک روز تینوں حضرت کے پاس آئے اور خوب سخت سست کہا اور کہنے لگے آپ کو اللہ کی طرف سے یہ گناہ کی سزا دی گئی اللہ سے توبہ کیجئے۔

راوی کا بیان ہے ایک نوجوان مومن بھی ان تینوں کے ساتھ تھا اس نے کہا اے عمر رسیدہ لوگو آپ لوگ اپنی عمروں کی بیشی کی وجہ سے کلام کرنے کے زیادہ مستحق ہو لیکن آپ لوگوں نے جو کچھ کہا خیال کیا اور جو بات کی اس سے زیادہ اچھا کلام بہترین رائے اور مناسب ترین بات بھی پیش کر سکتے تھے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت ایوب کا تم پر حق ہے، ذمہ داری ہے کیا تم کو معلوم ہے کہ تم نے کس کی توہین اور بے عزتی کی وہ کیسی شخصیت ہے جس پر تم نے عیب تھوپے اور نکتہ چینی کی کیا تم نہیں جانتے کہ وہ اللہ کا پیغمبر ہے اس وقت تمام اہل ارض سے برگزیدہ اور اللہ کا منتخب بندہ ہے پھر تم کو یہ بھی نہیں معلوم اور نہ اللہ نے تم کو بتلایا ہے کہ جب سے ایوب کو پیغمبری ملی کبھی بھی اللہ نے اس کی کسی حرکت کو ناپسند کیا ہو یا جو عزت اس کو عطا فرمائی ہے اس کا کوئی حصہ چھین لیا ہو نہ یہ کہہ سکتے ہو کہ اس وقت سے جب سے تم اس کے ساتھ ہوئے ہو کبھی بھی آج تک اس نے اللہ

کے سلسلہ میں کوئی ناحق بات کہی ہو۔ جس دکھ اور تکلیف کو تم ایوب کے لئے اپنے خیال میں باعث تذلیل و تحقیر سمجھتے ہو وہ ایسا نہیں ہے اللہ اپنے پیغمبروں، صدیقوں، شہیدوں اور نیک لوگوں کو دکھ میں مبتلا کرتا چلا آیا ہے اس کی طرف سے یہ دکھ اور امتحان اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ اس طبقہ سے ناراض ہے نہ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کی نظر میں یہ لوگ ذلیل ہوگئے بلکہ یہ امر توان کے لئے مزید عزت افزائی اور فضیلت ہے۔

اور بالفرض اگر ایوب اللہ کے نزدیک اس مرتبہ پر نہیں بھی ہوں تب بھی وہ تمہارے بھائی تو ہیں، تم نے ان کے ساتھ رہ کر ان سے برادری کی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان کو پیغمبر نہیں مانتے تو دوست ہی سمجھو مدت تک تم ان کی ساتھ رہے ہو اور کسی دانش مند کے لئے جائز نہیں کہ اپنے دوست سے اس کی مصیبت کے وقت کنارہ کش ہو جائے یا اس کو لعنت و ملامت کرے وہ تو خود غم رسیدہ اور دکھی ہے اس پر نکتہ چینی کرنا اور نکتہ چینی بھی وہ جس کا علم عار دلانے والے کو نہیں کسی طرح درست نہیں۔ مناسب تو یہ ہے کہ اس سے ہمدردی کی جائے اس کے رونے میں شرکت کی جائے اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے اور جو تدبیریں اس کے معاملے کو درست کرنے والی ہیں وہ بتائی جائیں۔ دانش مند اور ہدایت یافتہ وہ شخص نہیں جو ان باتوں سے ناواقف ہو۔

سن رسیدہ بزرگو! اللہ کی عظمت و جلال کا مطالعہ اور موت کی یاد تمہاری زبانوں کو کاٹ دیتی ہے اور دلوں کو پارہ پارہ کر دیتی ہے کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو بڑے فصیح اللسان، بلیغ البیان، دانش مند اور عالم ہیں نہ گونگے ہیں نہ بیان سے عاجز اس کے باوجود اللہ کے خوف نے ان کو خاموش کر دیا ہے جب وہ اللہ کی عظمت کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی زبانیں ماسوا کے تذکرے سے کٹ جاتی ہیں، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں دل پارہ پارہ ہو جاتے ہیں اور ہوش و حواس پراں ہو جاتے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ کی عظمت کو دیکھنے اور جلال الٰہی کا مشاہدہ کرنے کے وقت ہوتا ہے لیکن جب ان کو ہوش آتا ہے اور استقامت حال نصیب ہوتی ہے تو اس وقت وہ اپنے پاکیزہ اعمال کے ساتھ اللہ کی طرف دوڑتے ہیں مگر اپنا شمار خطاواروں اور ظالموں کے ساتھ کرتے ہیں وہ خود ابرار اور گناہوں سے پاک ہوتے ہیں لیکن قصورواروں اور گناہ گاروں کے ساتھ ہوتے ہیں یہی لوگ بڑے دانش مند اور اصحاب قوت ہیں۔ حضرت ایوب نے اس نوجوان کی یہ تقریر سن کر فرمایا اللہ چھوٹے بڑے کے دل میں اپنی رحمت سے حکمت کی تخم پاشی کرتا ہے پھر دل میں پودا پیدا ہوتا ہے تو زبان پر اللہ اس کو ظاہر فرما دیتا ہے حکمت کا مدار نہ طول عمر اور بڑھاپے پر ہے نہ تجربے کی فراوانی پر اگر اللہ کسی کو بچپن میں ہی باحکمت بنا دیتا ہے تو اس کا مرتبہ دوسرے حکماء کے نزدیک کم نہیں ہوتا۔ اہل حکمت جانتے ہیں کہ نور عزت خداداد ہے اس کے بعد حضرت ایوب نے ساتھیوں کی طرف سے منہ پھیر لیا اور اپنے رب کی طرف رخ کر کے فریاد و زاری میں مشغول ہوئے۔ عرض کیا اے میرے رب تو نے مجھے کس لئے پیدا کیا کاش تو نے مجھے پیدا نہ کیا ہوتا۔ اے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ مجھ سے کونسی خطا ہوگئی اور میں نے کونسا ایسا کام کیا جس کی وجہ سے تو نے اپنا مبارک رخ میری طرف سے پھیر لیا، اگر میں نے کوئی گناہ کیا تو مجھے مار ڈالتا اور میرے آباؤ اجداد کے ساتھ مجھے ملا دیتا، موت ہی میرے لئے زیادہ مناسب تھی، کیا میں مسافروں کے لئے قیام گاہ اور مسکینوں کے لئے قرار گاہ نہیں بنا ہوا تھا، کیا میں یتیموں کا والی اور بیواؤں کا سرپرست نہیں تھا۔ الٰہی میں تیرا بندہ ہوں اگر تو مجھ سے بھلائی کرے گا تو تیرا احسان ہے اور اگر میرے ساتھ برائی کرے گا تو مجھے سزا دینے کا تجھے اختیار ہے، تو نے مجھے مصیبتوں کی آماج گاہ اور دکھوں کا نشانہ بنا دیا، مجھ پر ایسی مصیبت پڑی ہے کہ اگر تو پہاڑ پر ڈال دیتا تو وہ بھی نہ اٹھا سکتا، پھر میری کمزوری اس کو کیسے برداشت کر سکتی ہے تیرے قطعی حکم نے مجھے ذلیل کر دیا اور تیری ہی حکومت نے مجھے بدحال بنا دیا اور میرے جسم کو دبلا کر دیا۔ اگر میرا رب اپنی ہیبت کو نکال دے جو میرے، دل میں ہے اور میری زبان کو رواں کر دے کہ میں منہ بھر کر بول سکوں، پھر یہ مناسب بھی ہو کہ بندہ اپنی طرف سے حجت پیش کر سکے تو امید ہے کہ جو مصیبت مجھ پر ہے اس سے مجھے بچاؤ عطا کر دے گا لیکن وہ تو مجھ سے بہت بالا و اعلیٰ ہے وہ مجھے دیکھتا ہے میں اسے نہیں دیکھتا وہ میری بات سنتا ہے میں اس کی آواز نہیں سنتا اس کی نظر عنایت میری طرف نہیں۔ نہ وہ مجھ پر

Marfat.com

رحم کرتا ہے نہ مجھ سے قریب ہے نہ مجھے اپنے قریب کرتا ہے کہ میں اپنا عذر پیش کر سکوں اور اپنی براءت کی بات کر سکوں اور اپنا دفاع کر سکوں۔ حضرت ایوب اتنی ہی بات کرنے پائے تھے اور آپ کے ساتھی آپ کے پاس ہی بیٹھے تھے کہ یک دم ایک بادل چھا گیا ساتھیوں نے خیال کیا کہ اس کے اندر کوئی عذاب آیا، لیکن اس کے اندر سے آواز آئی اے ایوب! اللہ فرماتا ہے میں تیرے قریب ہوں اور ہمیشہ سے تیرے قریب ہی رہا، اٹھ اپنا عذر پیش کر اور اپنی براءت کی بات کر اور اپنی طرف سے دفاع کر اور کمر کس کر اٹھ کھڑا ہو اور اس مقام پر کھڑا ہو جس مقام پر کوئی طاقت ور کھڑا ہو کر دوسرے طاقتوں کا دفاع کرتا ہے اگر تجھ سے ہو سکے۔ مجھ سے وہی جھگڑا کر سکتا ہے جو مجھ جیسا ہو، اے ایوب تیرے نفس نے تجھے آرزو مند بنا دیا ہے کہ تو اپنی قوت سے اپنے مقصد کو پہنچ جائے گا تو کہاں تھا جس روز میں نے زمین کو پیدا کیا، اور اس کی بنیاد پر اس کو قائم کیا، کیا تو میرے ساتھ زمین کے کناروں کو پھیلا رہا تھا کیا تو واقف ہے کہ میں نے کس اندازے سے اس کو بنایا، کس چیز پر اس کے اطراف کو قائم کیا کیا تیری اطاعت کر کے پانی نے زمین کو اٹھایا ہے کیا تیری حکمت سے زمین پانی کا سرپوش بنی ہوئی ہے تو اس روز کہاں تھا جب میں نے آسمان کو چھت کی شکل میں ہوا میں بلند کیا تھا نہ اوپر سے کوئی رسی ہے کہ آسمان اس سے بندھا لٹک رہا ہو، نہ نیچے سے ستون اس کو اٹھائے ہوئے ہیں کیا تو اپنی حکمت سے اس مقام تک پہنچ سکتا ہے کہ آسمان کے نور کو بہادے یا ستاروں کو چلا دے کیا تیرے حکم سے رات و دن کا ادل بدل ہو رہا ہے۔ جس روز دریاؤں کے فوارے میں نے زمین سے نکالے تھے اور سمندروں کو ان کی حدود میں بند کیا تھا تو تو کہاں تھا کیا تیری قوت سے سمندروں کی لہریں ان کی حدود کے اندر روکی گئی ہیں یا مدت حمل ختم ہونے پر رحم کا منہ تو کھولتا ہے جب میں نے پانی کو خاک پر روکا تھا اور اونچے پہاڑ برپا کئے تھے، تو کہاں تھا کیا تجھے علم ہے کہ کس چیز پر میں نے پہاڑوں کو برپا کیا ہے یا کس توازن سے ان کو قائم کیا ہے کیا تیرے پاس ایسی کلائیاں ہیں جو ان کا بوجھ اٹھا سکیں۔ کیا تو جانتا ہے کہ جو پانی میں آسمان سے اتارتا ہوں وہ کہاں سے آتا ہے کس چیز سے بادل پیدا ہوتا ہے۔ برف کا خزانہ کہاں ہے، اولوں کے پہاڑ کہاں ہیں، دن کے اندر رات کا خزانہ کہاں ہے اور رات میں دن کا خزانہ کہاں رہتا ہے اور ہواؤں کا خزانہ کہاں ہیں، درخت کس زبان میں باتیں کرتے ہیں۔ کس نے انسان کے جوف سینہ یا پیٹ یا سر میں عقل پیدا کی اور کس نے کانوں اور آنکھوں کے یہ شگاف بنائے، فرشتے کس کے اقتدار کے مطیع ہیں اور کس نے اپنی قہاری طاقت سے سب طاقتوروں کو مغلوب کر رکھا ہے اور کس نے اپنی حکمت سے رزق کی تقسیم کی ہے۔ اللہ نے اسی طرح کے کلام میں اپنی آثار قدرت کا بکثرت اظہار فرمایا۔

ایوب نے عرض کیا، الٰہی جو تفصیل تو نے بیان فرمائی اس کو سمجھنے اور جواب دینے سے میری حالت اور میرا مرتبہ حقیر ہے میری زبان گنگ ہو گئی میری عقل و دانش کند ہو گئی اور میری قوت کمزور پڑ گئی۔ اے میرے معبود! میں جانتا ہوں کہ جو کچھ تو نے بیان فرمایا وہ تیرے ہی دست قدرت کی کاریگری اور تیری ہی حکمت کی تدبیر کا نتیجہ ہے بلکہ تیری تدبیر، حکمت و صنعت اور قدرت اس سے بھی بڑی ہے کوئی چیز تجھے بے بس نہیں کر سکتی کوئی چیز تجھ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ میرے معبود، مجھ پر دکھ ایسے پڑے کہ میں بے قابو ہو کر بول پڑا مصیبت نے ہی میری زبان چلا دی۔ کاش زمین پھٹ جاتی اور میں اس میں سما جاتا اور ایسی بات اپنے رب کی شان میں نہ کہتا جو میرے رب کی ناراضگی کا باعث ہوتی، کاش اس سے پہلے ہی سخت ترین دکھ سے پیدا ہونے والے غم کی وجہ سے میں مر چکا ہوتا میں نے جو کچھ زبان سے نکالا وہ اس لئے نکالا کہ تو میری معذرت قبول فرمالے اور خاموش رہا تو اس لئے کہ تجھے مجھ پر رحم آجائے۔ میری زبان سے غلطی سے ایک بات نکل گئی دوبارہ ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ میں نے اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیا ہے اور دانتوں کے نیچے زبان دبالی ہے اور چہرے پر خاک مل لی ہے۔ آج میں تیرے عذاب سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں، سخت دکھ سے تیرے ہی جوار رحمت کا خواستگار ہوں مجھے اپنی پناہ میں لے لے۔ میں تیری سزا سے محفوظ رہنے کے لئے تجھ سے ہی فریاد کرتا ہوں میری فریاد رسی فرما، میں تیری ہی مدد کا طلبگار ہوں میری مدد کر میں تجھی پر بھروسہ رکھتا ہوں میرا کام پورا فرمادے میں تیرے ہی ذریعہ سے بچاؤ کا خواہاں ہوں مجھے اپنی حفاظت میں لے لے، میں تجھ سے اپنے قصور کی معافی چاہتا ہوں مجھے معاف فرمادے میں آئندہ ہرگز کوئی ایسی بات نہیں کروں گا جو تیری مرضی کے خلاف ہو۔ اللہ نے ایوب

Marfat.com

سے فرمایا تیرے بارے میں میرا علم (پہلے ہی) نافذ ہو چکا تھا اور میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے میں نے تیرا قصور معاف کیا تیرے اہل و عیال اور مال کی واپسی کا حکم دے دیا بلکہ جتنا تیرے پاس تھا اتنا ہی مزید تجھے دے دیا تاکہ پیچھے آنے والوں کے لئے قدرت کی نشانی مصیبت زدہ لوگوں کے لئے عبرت اور صبر کرنے والوں کے لئے باعث عزت ہو جائے اپنی ایڑی زمین پر مار دیکھ یہ ٹھنڈا پینے کا اور نہانے کا پانی ہے، اسی میں تیری شفا ہے۔ اپنے ساتھیوں کی طرف سے قربانی پیش کر اور ان کے لئے دعاء مغفرت کر انہوں نے تیرے متعلق میری نافرمانی کی ہے یعنی تیرے متعلق برا خیال قائم کیا اور تجھے چھوڑ کر چلے گئے۔

حسب الحکم ایوب نے زمین پر اپنی ایڑی ماری فوراً ایک چشمہ پھوٹ نکلا، ایوب نے اس میں گھس کر غسل کیا اور فوراً ہی اللہ نے سارے دکھ دور کر دیئے آپ چشمہ سے نکل کر آکر بیٹھ گئے اتنے میں سامنے سے آپ کی بی بی آگئی اور ایوب جہاں پہلے پڑے تھے وہاں آپ کو تلاش کرنے لگی اور جگہ خالی پاکر متحیر دیوانی ہو کر ادھر ادھر ڈھونڈنے لگی آخر ایک آدمی کو بیٹھا دیکھ کر حضرت ایوب سے ہی پوچھنے لگی اللہ کے بندے تم کو اس بیمار کا کچھ پتہ ہے جو یہاں پڑا ہوا تھا ایوب نے جواب دیا جی ہاں (میں اس کو پہچانتا ہوں) نہ پہچاننے کی کوئی وجہ نہیں یہ کہہ کر آپ مسکرا دیئے اور فرمایا وہ میں ہی تو ہوں ہنسنے سے بی بی نے پہچان لیا اور دوڑ کر گلے لگ گئی۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں عبداللہ بن عباس کی جان ہے بی بی ایوب کے گلے سے اس وقت تک لپٹی رہی کہ سارے مویشی اور اولاد جو فنا ہو چکی تھی دوبارہ زندہ ہو کر ان کے سامنے سے گزر گئی۔ اسی کا تذکرہ ہے آیت ذیل میں۔

وَاَيُّوْبَ اِذْنَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ اور یاد کرو ایوب کا واقعہ جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب مجھے دکھ لگ گیا ہے۔

ضُرٌّ حالت کا خراب ہونا، جسمانی ہو یا مالی یا عزت کی بربادی۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے ضَرٌّ (بالفتح) اور ضُرٌّ (بالضم) مصدر ہے اور ضُر (بالضم) اسم بھی ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے۔ ضَر (بالفتح) کا استعمال ہر دکھ کیلئے عام ہے بدنی ہو یا مالی اور ضُر (بالضم) کا استعمال صرف بدنی دکھ کیلئے ہوتا ہے جیسے کوئی بیماری یا بدن کی لاغری کمزوری۔

حضرت ایوبؑ کتنی مدت دکھ میں مبتلا رہے، کب دعا کی اور کیوں کی۔

اس سلسلہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ زہری نے حضرت انسؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ ایوب اٹھارہ برس دکھ میں مبتلا رہے۔ وہب بن منبہ نے کہا پورے تین سال مبتلا رہے ایک دن بھی زائد نہیں ہوا، کعب احبار کے قول میں سات سال کی مدت مذکور ہے۔ بعض اقوال میں آیا ہے کہ مدت مرض سات سال سات ماہ اور سات دن ہوئی۔ حسن بصری نے کہا ایوب سات سال اور چند ماہ بنی اسرائیل کے گھورے پڑے رہے آپ کے بدن میں کیڑے رینگتے تھے، سوائے بی بی رحمت کے کوئی پاس بھی نہیں جاتا تھا صرف رحمت آپ کے ساتھ جمی رہیں آپ کے لئے کھانا لاتی تھیں اور جب ایوب اللہ کی حمد کرتے تھے تو بی بی بھی حمد میں شریک ہوتی تھیں۔ اس حالت میں بھی ایوب ذکر خدا میں مشغول رہتے تھے، ابلیس یہ بات دیکھ کر چیخ پڑا اور اطراف زمین سے اپنے تمام لاؤ لشکر کو بلا کر اپنے پاس جمع کر کے کہنے لگا مجھے تو اس بندے نے عاجز کر دیا ہے میں نے نہ اس کا مال چھوڑا، نہ اولاد اس حالت میں بھی یہ صبر کرتا رہا بلکہ پہلے سے زیادہ اس نے صبر کا اظہار کیا پھر مجھے اس کے بدن میں بھی اختیار مل گیا تو میں نے اس کے سارے بدن کو پھوڑا بنا کر چھوڑ دیا کہ یہ گھورے پر پڑا رہتا ہے اور سوائے اس کی بیوی کے اور کوئی اس کے پاس بھی نہیں پھٹکتا ہے مگر اس حالت میں بھی اس نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اب میں تم سے فریاد کرتا ہوں تم ہی میری مدد کرو اب میں کیا کروں ابلیس کے ساتھیوں نے کہا وہ تدبیر کیا ہوئی جس کی وجہ سے آپ نے گزشتہ لوگوں کو برباد کر کے چھوڑا۔ ابلیس نے کہا وہ ساری تدبیریں بے کار گئیں مجھے کچھ اور مشورہ دو، ساتھیوں نے کہا آدم تک آپ کی رسائی کیسے ہوئی تھی کہ آپ نے اس کو جنت سے نکلوایا۔ ابلیس نے کہا میں نے اس کی عورت کا ذریعہ اختیار کیا تھا، ساتھیوں نے

Marfat.com

کہا تو اب بھی ایوب کے سلسلہ میں اس کی عورت کے ذریعہ سے کچھ تدبیر کیجئے ایوب بیوی کے خلاف نہیں کر سکے گا اور بیوی کے علاوہ کوئی اور اس کے پاس جاتا نہیں ہے، ابلیس نے کہا تمہارا مشورہ ٹھیک ہے اس کے بعد ابلیس حضرت ایوب کی بیوی کے پاس پہنچا اور مرد کی شکل میں ان کے سامنے جا کھڑا ہوا اور دریافت کیا اللہ کی بندی تیرا شوہر کہاں ہے بیوی نے کہا وہ یہی تو ہیں جو اپنے پھوڑوں کو کھجا رہے ہیں اور ان کے بدن کے اندر کیڑے رینگ رہے ہیں، شیطان نے بی بی کے منہ سے یہ باتیں سنی تو اس کو امید ہو چلی اور اس نے خیال کیا کہ شاید یہ الفاظ بے صبری کے ہوں اور میں اس عورت کو مزید دردمند بنا کر بے صبر بنا سکوں چنانچہ اغوا کے طور پر بی بی کو راحتوں کا وہ دور یاد دلایا جس سے وہ گزر چکی تھیں مویشیوں کا اور مال کا تذکرہ ایوب کے گزشتہ شباب کا ذکر کیا اور موجودہ دکھ اور تکلیف کا بھی بیان کیا اور یہ بھی کہا کہ اب یہ دکھ کبھی ختم ہونے والا نہیں۔

حسن کی روایت میں ہے ان تذکروں کو سن کر بی بی چیخ پڑی، اس کی چیخ سن کر ابلیس سمجھ گیا کہ اب اس عورت کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور تدبیر کا کامیاب ہو جانا ممکن ہے چنانچہ اس نے ایک بکری کا بچہ بی بی کو لا کر دیا اور کہا ایوب کو چاہئے کہ اس بچے کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کر دے اس طرح وہ تندرست ہو جائے گا۔ بی بی حضرت ایوب کی طرف لوٹی اور دور سے ہی چیختی ہوئی آئی ایوب کب تک آپ کا رب آپ کو دکھ دیتا رہے گا۔ مال کہاں گیا، اولاد کہاں گئی، دوست کہاں گئے، آپ کا خوبصورت رنگ کیا ہوا آپ کا حسین جسم کس طرف چلا گیا۔ بکری کے اس بچہ کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کر دیجئے یہ دکھ جاتا رہے گا آپ آرام سے ہو جائیں گے، حضرت ایوب نے فرمایا، دشمن خدا تیرے پاس جا پہنچا اور تیرے اندر اس نے پھونک ماردی، تیرا برا ہو یہ تو بتا کہ جس مال مویشی اولاد اور صحت پر تو رو رہی ہے وہ دی کس نے تھی۔ بی بی نے کہا اللہ نے۔ ایوب نے کہا اور کتنے زمانے تک ہم مزے اڑاتے رہے۔ بی بی نے کہا اسی برس تک۔ ایوب نے کہا اب کتنے زمانے سے ہم پر یہ مصیبت پڑی ہے، بی بی نے کہا سات برس اور چند مہینوں سے۔ ایوب نے کہا تو کیا یہ تیری انصاف کی بات ہوگی اگر تو اسی برس تک مصیبت نہ جھیلے جس طرح اسی برس تک ہم راحت سے بہرہ اندوز رہے اگر اللہ نے مجھے شفا دے دی تو خدا کی قسم میں تیرے سو تازیانے ماروں گا تو مجھے مشورہ دے رہی ہے کہ میں اللہ کے سوا دوسروں کے نام پر ذبح کروں تو جو کھانا پینا لے کر آئی ہے مجھ پر حرام ہے اور آئندہ بھی جو کچھ تو لے کر آئے گی اس کو چکھنا بھی میرے لئے حرام ہے میرے پاس سے تو الگ ہو جا مجھے صورت نہ دکھا۔ غرض ایوب نے بی بی کو نکال دیا اور وہ چلی گئی، اس کے بعد جب ایوب نے دیکھا کہ اب تو میرے پاس نہ کچھ کھانے کو ہے نہ پینے کو نہ میرا کوئی دوست ہے تو سجدہ میں گر پڑے اور دعا کی اے میرے رب مجھے دکھ لگ گیا ہے۔

وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾ اور تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ حضرت ایوب نے عرض مدعا نہیں کیا بلکہ پہلے اپنی قابل رحم حالت کا اظہار کیا اور پھر اللہ کے ارحم الراحمین ہونے کا۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ پھر ہم نے اس کی دعا قبول کی۔ اور فرمایا تیری دعا قبول کر لی گئی اب سجدہ سے سر اٹھا۔

فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ اور جو کچھ اس کو دکھ تھا ہم نے دور کر دیا۔ حضرت ایوب کو حکم دیا گیا زمین پر ایڑی مارو۔ ایوب نے حکم کی تعمیل کی فوراً پانی کا ایک چشمہ پھوٹ پڑا، حسب الحکم، آپ نے اس میں غسل کیا غسل کرتے ہی ہر ظاہری بیماری جاتی رہی اور حسن و شباب لوٹ آیا اور چالیس قدم چلے پھر دوبارہ ایڑی مارنے کا حکم ہوا آپ نے حکم کی تعمیل کی تو ایک اور چشمہ پھوٹ نکلا جس کا پانی ٹھنڈا تھا، حکم ہوا اس میں سے پانی لے کر پیو، جونہی آپ نے وہ پانی پیا تمام اندرونی بیماریاں بھی دفع ہو گئیں اور مکمل ترین تندرست، حسین، جوان مردوں کی طرح ہو گئے اس کے بعد آپ نے لباس پہنا اور دائیں بائیں گردن موڑ کر دیکھا تو وہ تمام مال و اولاد جو پہلے ان کے پاس تھی سب موجود پائی بلکہ اللہ نے اس کو دوگنا کر دیا۔ دولت کی کثرت اتنی ہو گئی کہ جس پانی سے آپ غسل کر رہے تھے اس کی چھینٹیں جب سینہ پر پڑیں تو وہ سونے کی ٹڈیاں بن گئیں اور حضرت ایوب ان کو پکڑنے کے لئے ہاتھ مارنے لگے، اللہ نے وحی بھیجی ایوب کیا میں نے تجھے غنی نہیں بنا دیا ہے، آپ نے عرض کیا بے شک تو نے مجھے غنی بنا دیا، لیکن یہ تو تیری مزید عنایت ہے اور مزید رحمت سے کون سیر ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ایوب برہنہ غسل کر رہے تھے کہ سونے کی ٹڈیاں آپ کے اوپر گرنے لگیں آپ ان کو کپڑے میں بھرنے لگے، ندا آئی ایوب کیا میں نے تجھ کو اس سے بے نیاز نہیں کر دیا ہے تیرے پاس تو بہت مال ہے۔ تجھے سونے کی ٹڈیاں پکڑنے کی کیا ضرورت ہے ایوب نے کہا تیری عظمت کی قسم تو نے مجھے غنی ضرور بنا دیا ہے لیکن تیری طرف سے نازل ہونے والی برکت سے تو میں بے نیاز نہیں ہوں۔

حسن کا بیان ہے تندرست ہونے کے بعد حضرت ایوبؑ ایک اونچی جگہ پر جا بیٹھے ادھر بیوی نے اپنے دل میں کہا اگر ایوبؑ نے مجھے نکال بھی دیا ہے پھر بھی میں کس کے بھروسہ پر اس کو چھوڑ سکتی ہوں یوں وہ بھوکا مر جائے گا اور اس کو درندے کھا جائیں گے، یہ سوچ کر بیوی لوٹ آئی تو وہاں نہ وہ گھورا ملا، نہ گزشتہ حالت کا نشان۔ سب چیزیں بدل گئی تھیں جہاں پہلے گھورا تھا۔ بے چاری چکر کاٹنے اور رونے لگی، یہ سب واقعہ ایوب کی نظر کے سامنے ہو رہا تھا اور چونکہ آپ ایک اچھا لباس پہنے تھے اس لئے وہ بی بی آپ کے پاس آکر پوچھنے سے ڈر رہی تھی حضرت ایوب نے خود ہی اس کو بلایا اور دریافت کیا اللہ کی بندی تیرا کیا مقصد ہے، بی بی رونے لگی اور کہا یہاں گھورے پر ایک بیمار پڑا تھا مجھے اس کی تلاش ہے معلوم نہیں وہ مر گیا یا کیا واقعہ اس کو پیش آیا حضرت نے پوچھا وہ تیرا کون تھا بی بی نے رو کر کہا وہ میرا شوہر تھا۔ حضرت نے کہا اگر تو اس کو دیکھ لے تو پہچان لے گی، بیوی نے کہا کوئی بھی ایسا نہیں جس نے اس کو دیکھا ہو اور پہچان نہ سکے، پھر ڈرتے ڈرتے وہ آپ کو تکنے لگی اور کہا جب وہ تندرست تھا تو نقشہ میں آپ کے ساتھ بہت مشابہ تھا۔ حضرت نے فرمایا میں ہی ایوبؑ ہوں جس کو تو نے ابلیس کے نام پر قربانی کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن میں نے اللہ کا حکم مانا اور شیطان کا کہنا نہ مانا۔ میں نے اللہ سے دعا کی اس نے مجھے وہ سب چیزیں لوٹا کر دے دیں جو تیری نظر کے سامنے ہیں۔

وہب کا بیان ہے ایوب برسوں دکھ میں رہے اور ابلیس پر غالب آئے اور شیطان ان پر بالکل قابو نہ پا سکا تو ایک گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت ایوب کی بیوی کے راستہ میں آکھڑا ہوا ظاہری شکل آدمی کی بنائی تھی لیکن عجیب ہیئت تھی دوسرے آدمیوں سے جسم، قد اور حسن کے لحاظ سے بالکل ممتاز تھا اور گھوڑے کی جسامت نظر فریبی اور اعضاء کی مکمل ساخت بھی دوسرے گھوڑوں سے اعلیٰ تھی، جب حضرت ایوب کی بیوی ادھر سے گزری تو شیطان نے اس سے کہا کیا تم اس دکھی ایوب کی بیوی ہو۔ بیوی نے کہا ہاں، شیطان نے کہا کیا تم مجھے پہچانتی ہو بیوی نے کہا نہیں، شیطان نے کہا میں زمین کا دیوتا ہوں میں نے ہی ایوب کا یہ حال کر رکھا ہے کیونکہ اس نے مجھے چھوڑ کر آسمان کے خدا کی پوجا کی تھی اور مجھے ناراض کر دیا تھا اب بھی اگر وہ مجھے ایک سجدہ بھی کرلے تو میں نے ایوب کا جو مال و اولاد لے لیا ہے وہ تم دونوں کو لوٹا دوں گا وہ سب چیزیں میرے پاس موجود ہیں، یہ کہہ کر شیطان نے وادی کے اندر عورت کو تمام وہ جانور دکھا دیئے جو مر چکے تھے۔ وہب کا بیان ہے میں نے یہ بھی سنا ہے کہ ابلیس نے زوجۂ ایوب سے یہ بھی کہا کہ اگر تیرا آدمی بغیر بسم اللہ کئے کھانا کھالے گا تو اس کو تندرست کر دیا جائے گا اور جس مرض میں وہ مبتلا ہے وہ دکھ دور کر دیا جائے گا۔

بعض کتابوں میں آیا ہے کہ ابلیس نے عورت سے کہا تھا مجھے ایک سجدہ کرلے میں تیرا مال اولاد واپس کر دوں گا اور تیرے شوہر کو بھلا چنگا بنا دوں گا۔ عورت نے واپس آکر حضرت ایوب کو اس بات کی اطلاع دی، حضرت ایوب نے فرمایا وہ دشمن خدا تیرے پاس دین سے بہکانے کے لئے آپہنچا، پھر آپ نے قسم کھائی کہ اگر اللہ مجھے تندرست کر دے گا تو میں سو تازیانے تیرے ماروں گا۔ جب آپ نے دیکھا کہ ابلیس کو اب یہ خیال ہو چلا ہے۔ کہ آپ کی بیوی اس کو سجدہ کرلے گی اور اس نے بیوی کو اور مجھ کو کفر کی دعوت دینے کی جرأت کی ہے اس وقت آپ نے دعا کی رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ چونکہ آپ کی بی بی رحمت نے مصیبت میں آپ کا ساتھ دیا اور صبر کیا اس لئے اللہ نے اس پر رحمت فرمائی اور اس کے لئے حکم میں تخفیف کر دی اور حضرت ایوب کو قسم پوری کرنے کی یہ تدبیر بتا دی کہ سو شاخوں کا ایک گٹھا لے کر ایک دم رحمت کے مار دو اس طرح تمہاری قسم پوری ہو جائے گی حضرت ایوب نے حکم کی تعمیل کی چھوٹی چھوٹی سو شاخوں کا ایک گٹھا بنا کر بیوی کے ایک مرتبہ مار دیا۔

Marfat.com

بعض روایت میں آیا ہے کہ ابلیس ایک صندوقچہ میں دوائیں بھر کر طبیب کی ہیئت بنا کر حضرت ایوب کی بیوی کے راستہ میں آکھڑا ہوا۔ بی بی ادھر سے گزری اور طبیب کو دیکھا تو اس سے کہا میرا ایک بیمار ہے کیا تم اس کا علاج کردو گے۔ ابلیس نے کہا ہاں علاج کردوں گا اور اس کے سوا اور کسی معاوضہ کا طلب گار بھی نہیں ہوں گا کہ جب میں اس کو تندرست کردوں تو وہ اتنا کہہ دے کہ تم نے مجھے صحت مند کردیا، بیوی نے جا کر حضرت ایوبؑ سے اس بات کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا وہ ابلیس ہے جس نے تجھے فریب دیا ہے، میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر اللہ نے مجھے شفاعطا فرمادی تو میں تیری سو قمچیاں ماروں گا۔

وہب وغیرہ کا بیان ہے کہ ایوب کی بیوی کچھ محنت مزدوری کرکے ایوب کے لئے کھانا لے آتی تھی جب ایوب کا دکھ اور بڑھ گیا تو لوگوں نے آپ کی بیوی کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور ایک روز تو یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ کسی نے اس کو کام پر لگایا ہی نہیں دن بھر اس نے کام کی تلاش کی مگر کوئی کام نہیں ملا مجبوراً اس نے اپنے سر کے بالوں کی ایک لٹ کاٹ کر ایک روٹی کے عوض اس کو بیچ ڈالا۔ روٹی لے کر ایوب کے پاس آئی تو آپ نے پوچھا سر کی لٹ کیا ہوئی۔ بی بی نے واقعہ بیان کردیا اس وقت آپ نے کہا۔ مَسَّنِیَ الضُّرُّ۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نے یہ الفاظ اس وقت کہے تھے جب زخموں کے کیڑے آپ کے دل اور زبان کی طرف جانے لگے تھے، آپ کو اندیشہ ہوا کہ اگر ایسا ہو گیا تو میں اللہ کے ذکر و فکر سے بھی رہ جاؤں۔

حبیب بن ثابت نے کہا جب تین باتیں حضرت ایوب کے سامنے آگئیں اس وقت مجبوراً آپ نے مَسَّنِیَ الضُّرُّ کہا۔

(۱) حضرت ایوب کی بیماری کی اطلاع پاکر آپ کے دو دوست آئے اور دیکھا کہ آپ کی آنکھیں جاتی رہی ہیں اور عام حال بھی برا ہے، کہنے لگے اگر اللہ کے ہاں تمہارا کچھ بھی مرتبہ ہوتا تو یہ دکھ تم کو نہ پہنچتا۔ (۲) بیوی نے آپ کے لئے کھانا تلاش کیا لیکن قیمت موجود نہ ہونے کی وجہ سے میسر نہ آیا مجبوراً اپنا ایک گیسو کاٹ کر (فروخت کرکے اس کی قیمت سے) کھانا لے کر آئی اور آپ کو کھلایا۔ (۳) ابلیس نے کہا تھا کہ میں ایوب کا علاج کردوں گا، شرطیہ ہے کہ شفاء پانے کے بعد وہ یہ اقرار کرلے کہ تو نے مجھے تندرست کردیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابلیس نے حضرت ایوب کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ شاید بیوی نے حرام زنا کیا اور گیسو کاٹ دیا، اس وسوسہ کے پیدا ہونے پر آپ کے لئے صبر کرنا مشکل ہو گیا اور بیوی کو بلا کر بقسم کہا کہ میں تیرے سو تازیانے ماروں گا اور پھر دعا کی۔

مَسَّنِیَ الضُّرُّ کا مطلب بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ دشمنوں کی شماتت کا مجھے دکھ لگ گیا ہے بعض روایت میں آیا ہے کہ تندرست ہوجانے کے بعد جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ مصیبت کے زمانے میں سب سے بڑھ کر تکلیف دہ چیز آپ کے لئے کیا تھی فرمایا میرے دکھ پر دشمنوں کا خوش ہونا۔

بعض اقوال میں آیا ہے کہ ایک کیڑا ران سے نیچے گر گیا آپ نے اس کو اٹھا کر پھر اس کی جگہ ران میں رکھ دیا اور فرمایا کیا مجھے اللہ نے تیری غذا بنایا ہے۔ اس وقت کیڑے نے ایسا کاٹا کہ جتنے کیڑوں نے اس سے پہلے کاٹا تھا سب کی تکلیف سے اس کیڑے کے کاٹنے کی تکلیف بڑھ گئی اور آپ نے بے ساختہ مَسَّنِیَ الضُّرُّ کہا۔

ایک شبہ

اللہ نے تو ایوبؑ کو صابر کے خطاب سے سرفراز فرمایا، حالانکہ اپنے دکھ کا شکوہ کیا اور بے صبری کا مظاہرہ کیا اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ بھی کہا اور مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ بھی فرمایا۔

ازالہ

یہ شکایت نہ تھی دعا تھی کیونکہ اللہ نے اس دعا کے سلسلہ میں فرمایا فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ہم نے اس کی دعا قبول کی۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ جزع اور بے صبری تو مخلوق سے بیماری کی شکایت کرنے کی صورت میں ہوسکتی ہے، اللہ سے بیماری کے

Marfat.com

اظہار کا نام جزع اور بے صبری نہیں۔ حضرت یعقوب نے فرمایا تھا۔ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ میں اللہ سے اپنے اندرونی اندوہ و غم کا شکوہ کرتا ہوں۔

سفیان بن عیینہ کا قول ہے جو شخص فیصلۂ خداوندی پر راضی ہو اور لوگوں سے اپنے دکھ کا اظہار کرے تو یہ بے صبری اور جزع نہیں ہے بلکہ اپنی حالت کا اظہار ہے جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے زمانہ میں جبرئیل آئے اور پوچھا آپ اپنے کو کیسا پاتے ہیں یعنی آپ کو اپنی حالت کیسی محسوس ہوتی ہے، مزاج کیسا ہے حضور ﷺ نے فرمایا میں اپنے کو مغموم اور بے چین پاتا ہوں۔ میں کہتا ہوں ابن جوزی نے بھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جبرئیلؑ نے آکر کہا اللہ آپ کو سلام فرماتا ہے اور دریافت فرماتا ہے آپ کا کیا حال ہے۔ الحدیث۔

جب حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مزاج پرسی کے جواب میں کہا ہائے میرا سر تو حضور ﷺ نے بھی اپنے دردِ سر کی شکایت کی اور فرمایا تم کو ہی دردِ سر کی شکایت نہیں میں بھی کہتا ہوں ہائے میرا سر یعنی میرے سر میں بھی درد ہے۔

ابن اسحاق اور امام احمد نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ بقیع سے واپس آکر رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اس وقت آپ کے سر میں درد ہو رہا تھا اور مجھے بھی سر کا دکھ تھا یعنی دردِ سر تھا میں نے کہا ہائے سر فرمایا تم ہی نہیں میں بھی کہتا ہوں آہ میرا سر۔ الحدیث۔

وَاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ　　اور ہم نے اس کو عطا کئے اس کے بیوی بچے اور اتنے ہی اور بھی۔

کیا مرے ہوئے بچے زندہ کردیئے گئے یا دوسری اولاد عطا کی گئی

یہ مسئلہ اختلافی ہے حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، قتادہ، حسن اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اللہ نے بعینہ وہی مرے ہوئے اہل و عیال زندہ کر دیئے تھے اور اتنے ہی اور بھی عطا فرما دیئے تھے۔ ظاہر آیت اسی تفسیر پر دلالت کر رہی ہے، حسن کا قول ہے کہ اتنے ہی مویشی اور اولاد اسی مویشی اور اولاد کی نسل سے پیدا کر دیئے جن کو مرنے کے بعد اللہ نے زندہ کیا تھا، اس مطلب کی تائید حضرت ابن عباس کے اس قول سے ہوتی ہے جو بروایت ضحاک آیا ہے کہ اللہ نے اس بیوی کو دوبارہ جوان کر دیا اور اس کے بطن سے اس کے بعد چھبیس لڑکے پیدا ہوئے۔ وہب نے کہا سات لڑکیاں اور تین لڑکے پیدا ہوئے، ابن یسار نے کہا حضرت ایوب کے سات لڑکے اور سات لڑکیاں ہوئیں۔

حضرت انسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ حضرت ایوب کے دو خرمن تھے ایک گیہوں کا دوسرا جو کا۔ اللہ نے دو بدلیاں بھیجیں ایک بدلی نے ایک خرمن پر سونے کی بارش کی اور دوسری بدلی نے دوسرے خرمن پر چاندی بہا دی۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ایوب کے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا اللہ نے آپ کو آپ کے صبر کی وجہ سے سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اپنے خرمن کو باہر نکل کر دیکھو حسب الحکم آپ باہر نکلے اللہ نے آپ کے خرمن پر سونے کی ٹڈیاں بھیج دیں، ایک ٹڈی جو اڑی تو ایوب نے اس کا پیچھا کیا اور پکڑ کر واپس لے آئے، فرشتے نے کہا جو کچھ ٹڈیاں خرمن کے اندر ہیں کیا وہ آپ کے لئے کافی نہیں تھیں، حضرت ایوب نے کہا یہ تو میرے رب کی برکتوں میں سے ایک برکت ہے اور میں اپنے رب کی نوازشوں سے سیر نہیں ہو سکتا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جو مویشی اور اہل و عیال مر چکے تھے اللہ نے ان کو دوبارہ زندہ نہیں کیا بلکہ ان جیسے دوسرے عطا فرما دیئے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ حضرت ایوب سے کہا گیا کہ تیری اولاد آخرت میں تجھے ملے گی اب اگر تو چاہتا ہے تو ہم اس دنیا میں تیرے پاس بھیج دیں اور اگر تیری خواہش ہو تو وہ اولاد آخرت میں تیرے لئے رکھ دیں اور ان کی مثل ویسی ہی اولاد تجھے دنیا میں دے دیں۔ حضرت ایوب نے آخری شق کو پسند کیا کہ مرنے والی اولاد تو آخرت میں عطا کر دی جائے اور ان کی مثل دوسری اولاد دنیا میں مل جائے۔ اس روایت کے بموجب آیت کا مطلب اس طرح ہوگا۔ ہم نے ایوب کو اس کی مر جانے والی اولاد تو آخرت میں عطا کرنے کے لئے رکھ لی اور انہی کی طرح دوسری اولاد دنیا میں مرحمت فرما دی۔ آیت میں اہل سے مراد ہے اولاد۔

Marfat.com

[illegible]

(۱) [illegible]

(۲) [illegible]

(۳) [illegible]

[illegible]

Marfat.com

خلیفہ بیدار ہو گیا اور خادم کو آواز دے کر کہا اے شخص کیا میں نے تجھے حکم نہیں دیا تھا کہ کوئی شخص دروازے پر نہ آئے، خادم نے کہا میری طرف سے تو کوئی آیا نہیں ہے آپ خود دیکھ لیجئے کہ یہ شخص کس طرف سے آیا ہے خلیفہ نے اٹھ کر دروازہ کو دیکھا تو اس کو مقفل پایا لیکن وہ شخص کمرے کے اندر موجود تھا وہ کہنے لگا کیا آپ یہاں سوتے رہیں گے ایسی حالت میں کہ اہل معاملہ دروازہ پر موجود ہوں۔ اب خلیفہ نے اس کو پہچانا اور کہا اے خدا کے دشمن تو ہے ابلیس نے کہا ہاں آپ نے مجھے عاجز کر دیا اور میں نے جو کچھ آپ کے ساتھ کیا وہ محض غصہ دلانے کے لئے تھا لیکن اللہ نے آپ کو مجھ سے محفوظ رکھا اسی خلیفہ کو ذوالکفل کہا گیا کیونکہ انہوں نے ایک کام کا ذمہ لیا تھا اور اس ذمہ کو پورا بھی کر دیا۔

بعض روایات میں بھی آیا ہے کہ ابلیس ذوالکفل کے پاس آیا ہے اور کہنے لگا میرا ایک قرض دار ہے جو ادائیگی میں ٹال مٹول کر رہا ہے آپ میرے ساتھ ذرا اٹھ کر چلیے اور میرا حق وصول کرا دیجئے آپ اس کے ساتھ اٹھ کر چل دیئے لیکن ابلیس بازار میں پہنچ کر ذوالکفل سے علیحدہ ہو گیا اور آپ کو تنہا چھوڑ کر چل دیا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ ابلیس نے حضرت ذوالکفل سے معذرت کی اور کہا میرا مدعا علیہ مجھ سے بھاگ گیا۔

بعض اہل روایت نے کہا کہ ذوالکفل وہ شخص تھا جس نے مرتے دم تک ہر رات کو سو رکعت پڑھنے کا عہد کیا تھا اور اس عہد کو پورا کیا، بعض علماء نے کہا کہ ذوالکفل نبی تھے۔ عبارت قرآنی کی رفتار سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے لیکن کون سے نبی تھے اس کی تعیین نہیں کی جا سکتی۔ بعض نے ذوالکفل زکریا کو ہی قرار دیا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ نے کہا ذوالکفل نبی نہیں تھے ایک نیک آدمی تھے۔

كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٨٥﴾ ان میں سے ہر ایک مصائب پر اور مشقت اطاعت پر صبر کرنے والوں میں سے تھا خواہشات نفس اور گناہوں سے نفس کی باگ روکنے والوں میں سے تھا۔

وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ رحمت سے مراد ہے نبوت، جنت اور مراتب قرب۔

اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٦﴾ بلاشبہ وہ اہل صلاح میں سے تھے یعنی ان لوگوں میں سے تھے جن کو بگاڑ اور خرابی کی ہر کدورت سے بچا لیا گیا تھا۔

وَذَا النُّوْنِ اور ذوالنون مچھلی والے کو یاد کرو۔ ذوالنون سے مراد حضرت یونس بن متی ہیں، جن کو صاحب الحوت بھی کہا گیا ہے۔

اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا جس وقت وہ انتہائی غصے میں چل دیا تھا۔

حسب روایت عوفی حضرت ابن عباس کا قول ہے اور ضحاک نے بھی یہی کہا ہے کہ حضرت یونسؑ اپنی قوم کے ساتھ فلسطین میں رہتے تھے، کسی بادشاہ نے ان پر حملہ کیا اور ساڑھے نو قبیلوں کو قید کر کے لے گیا صرف ڈھائی قبیلے باقی رہ گئے۔ اللہ نے شعیا نبی کے پاس وحی بھیجی کہ تم حزقیا بادشاہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ کسی طاقت ور نبی کو دشمنوں کے پاس بھیج کر بنی اسرائیل کو قید سے رہا کرائے۔ میں دشمنوں کے دلوں میں بنی اسرائیل کو رہا کرنے کا خیال پیدا کر دوں گا۔ شعیا نبی شاہ حزقیا کے پاس گئے اور پیام پہنچایا۔ حزقیا کی سلطنت میں پانچ پیغمبر تھے۔ حضرت شعیا سے اس نے پوچھا آپ کی کیا رائے ہے کس کو بھیجوں۔ حضرت شعیا نے کہا یونس کو وہ طاقتور بھی ہے اور امانتدار بھی۔ بادشاہ نے کہا نہیں یونس نے کہا کیا مجھے اللہ نے نامزد کیا ہے۔ بادشاہ نے کہا نہیں یونس نے کہا تو میرے سوا یہاں دوسرے طاقتور پیغمبر ہیں کسی اور کو بھیج دو لوگوں نے آپ کی بات نہیں مانی اور جانے پر اصرار کیا، یونس پیغمبر بادشاہ اور قوم سے ناراض ہو کر غصہ کی حالت میں (کسی طرف کو) چل دیئے اور بحر روم پر پہنچ کر کشتی میں سوار ہو گئے۔

عروہ بن زبیر اور سعید بن جبیر اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یونس اپنی قوم کو چھوڑ کر اللہ سے ناراض ہو کر چل

Marfat.com

دیئے تھے اور خدا سے ناراضگی کا سبب یہ تھا کہ یونس نے حسب حکم خدا قوم کو عذاب سے ڈرا لیا تھا اور عذاب کا وقت مقرر کر دیا تھا لیکن جب قوم یونس نے علامات عذاب دیکھ کر توبہ و استغفار کیا تو اللہ نے عذاب ٹال دیا، یونس کو اس پر ناگواری ہوئی ان کو خیال ہوا کہ اب لوگ مجھے جھوٹا قرار دیں گے۔ شرم کے مارے قوم کو چھوڑ کر چل دیئے ان کو کیا معلوم تھا کہ عذاب ٹل جانے کی وجہ کیا ہوئی، آپ کی ناراضگی صرف اس سبب سے ہوئی کہ آپ کا جھوٹا ہونا قوم کی نظر میں محقق ہو گیا آپ کو اندیشہ ہوا کہ آئندہ لوگ مجھے جھوٹا کہیں گے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت یونس کی قوم کا دستور تھا کہ جھوٹے کو قتل کر دیا کرتے تھے حضرت یونس کو بھی عذاب ٹل جانے کی وجہ سے یہی اندیشہ ہوا کہ عذاب موعود نہیں آیا اب لوگ مجھے قتل کر ڈالیں گے۔

مُغَاضَبَت (باب مفاعلۃ) اس جگہ اشتراک طرفین کے لئے نہیں ہے بلکہ مُسَافَرَت اور مُعَاقَبَت کی طرح ثلاثی مجرد کے معنی میں ہے یعنی مُغَاضِبًا کا معنی ہے غَضْبَان۔

حسن نے کہا اللہ سے حضرت یونس کی ناراضگی کا سبب یہ تھا کہ اللہ نے یونس کو حکم دیا کہ فوراً جاؤ اور ان کو ہمارے عذاب سے ڈراؤ اور دعوت ایمان دو، یونس نے درخواست کی کہ مجھے روانگی کی تیاری کرنے کی مہلت دی جائے، جواب ملا، معاملہ اس سے بھی جلدی کا ہے، فوراً چلے جاؤ۔

یونس نے درخواست کی مجھے جوتہ پہن لینے کی تو اجازت دے دی جائے، لیکن اللہ کی طرف سے اتنی بھی مہلت نہیں ملی اور فطری طور پر آپ کے اندر قوت حلم کی کمی تھی اس لئے روانہ تو ہو گئے مگر غصہ کی حالت میں۔ وہب نے کہا یونس نیک آدمی تھے۔ پھر جب آپ پر نبوت کا بار ڈالا گیا تو آپ دب گئے اور بھاگ نکلے اسی لئے اللہ نے آپ کو اولوالعزم پیغمبروں کی فہرست سے خارج کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا آپ اولوالعزم پیغمبروں کی طرح صبر کیجئے مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیے۔

فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ پس یونس کا یہ خیال ہوا کہ ہم اس پر بندش کی تنگی نہیں کریں گے۔ قدرت کے معنی اس جگہ تنگی کرنے کے ہیں۔ یہی معنی دوسری آیت میں بھی آئے ہیں۔ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ اللہ جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کا تنگ کرنا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ عطاء اور کثیر علماء کا تفسیری قول یہی ہے۔

لیکن مجاہد، ضحاک، کلبی اور عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول یہ ہے کہ قدر کا معنی ہے فیصلہ الٰہی یعنی یونس کا خیال ہوا کہ ہم اس کو سزا دینے کا فیصلہ نہیں کریں گے۔ تَقْدِير اور قَدْر ہم معنی ہیں اللہ نے فرمایا ہے نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ۔

بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یونس نے خیال کیا کہ ہم اس کے معاملے میں اپنی قدرت سے کام نہیں لیں گے بعض نے کہا آیت کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے بلکہ یونس کے حال کو اس شخص کے حال سے تشبیہ دی جو اللہ کے حکم کا انتظار کئے بغیر اپنی قوم کو ذلت کی حالت میں چھوڑ کر چلا گیا ہو اور اس نے خیال کر لیا ہو کہ ہم اس پر قابو نہیں رکھتے۔

ابن زید نے کہا جملہ سوالیہ ہے حرف استفہام محذوف ہے اور استفہام انکاری و توبیخی ہے یعنی کیا یونس نے یہ خیال کر لیا کہ ہم اس پر قابو نہیں پائیں گے۔

بعض نے کہا یہ ظن (غالب خیال) نہ تھا بلکہ ایک شیطانی وسوسہ تھا یونس کے وہم میں یہ بات گزری تھی چونکہ پیغمبروں کے لئے ایسا وہم بھی ظن کا حکم رکھتا ہے، مترجم) اس لئے بطور مبالغہ اس کو ظن قرار دیا۔

حسن نے کہا مجھے اطلاع ملی ہے کہ یونسؑ سے جب گناہ سرزد ہو گیا اور وہ اللہ سے ناراض ہو کر چل دیئے تو شیطان نے ان کو راہ حق سے پھسلا دینا چاہا، یہاں تک کہ انہوں نے خیال کر لیا کہ میں خدا کے قبضے سے نکل جاؤں۔ لیکن ان کی گزشتہ نیکیاں اور عبادت گزاریاں تھیں اس لئے اللہ نے نہ چاہا کہ ان کو شیطان کے لئے چھوڑ دیا جائے، بلکہ مچھلی کے پیٹ میں ان کو ڈال دیا وہاں وہ

Marfat.com

چالیس شبانہ روز رہے، عطاء کا قول ہے کہ سات روز رہے، بعض کا خیال ہے تین روز رہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مچھلی اپنی پیٹ میں ان کو چھ ہزار سال کی مسافت پر لے گئی۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ ساتویں زمین کی حدود تک لے گئی پھر آپ نے اپنے رب سے توبہ کی۔

فَنَادٰى فِی الظُّلُمٰتِ پھر وہ پکارا تاریکیوں میں یعنی سخت ترین تہ بر تہ تاریکی میں، شدید ترین تاریکی کو متعدد تاریکیاں قرار دیا۔ یا متعدد تاریکیوں سے مراد ہیں رات کی تاریکی سمندر کی تاریکی، اور مچھلی کے پیٹ کی تاریکی۔ سیاق کلام بتارہا ہے کہ کچھ عبارت یہاں محذوف ہے۔ یعنی ناراض ہو کر غصے کی حالت میں یونس چل دیئے اور سمندر پر پہنچ کر ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ پھر کشتی کے اندر قرعہ اندازی کی گئی (کہ کس کی نحوست کی وجہ سے کشتی اڑ کر کھڑی ہو گئی ہے اور چکر کاٹ رہی ہے) تو یونس کا نام نکلا پھر ان کو سمندر میں پھینک دیا گیا یا انہوں نے خود اپنے کو سمندر میں ڈال دیا اور فوراً مچھلی نے ان کو منہ میں لے کر نگل لیا پھر انہوں نے پکارا۔

اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۷﴾ کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بے شک میں اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں میں سے ہوں۔ یعنی میں تیری اجازت کے بغیر قوم کو چھوڑ کر چل دیا اور انتظام نہیں کیا حقیقت میں یہ میں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

بغوی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ اللہ نے مچھلی کو حکم دیا یونسؑ کو پکڑ لے لیکن اس کے خراش نہ آئے نہ کوئی ہڈی ٹوٹے، حسب الحکم مچھلی نے آپ کو لے لیا اور اپنے مقام پر نیچے لے گئی جب سمندر کی تہ میں لے کر پہنچی تو یونس نے تسبیح (سبحان اللہ کہنے) کی آواز سنی، دل میں خیال کیا یہ کیسی آواز ہے اللہ نے وحی بھیجی یہ آواز سمندری جانوروں کی تسبیح کرنے کی ہے، یہ جان کر آپ نے بھی مچھلی کے پیٹ کے اندر ہی تسبیح کرنی شروع کر دی۔ ملائکہ نے تسبیح یونسؑ کی آواز سنی تو عرض کیا اے ہمارے رب ہم نے ایک عجیب زمین میں ایک ضعیف آواز سنی۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ فرشتوں نے کہا آواز تو جانی پہچانی ہے اور زمین انجان ہے، اللہ نے فرمایا یہ ہمارے بندے یونسؑ کی آواز ہے جس نے میری نافرمانی کی تھی۔ میں نے اس کو مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا فرشتوں نے کہا کیا یہ وہی نیک بندہ ہے جس کی طرف سے روزانہ کوئی نیک عمل تیری طرف چڑھایا جاتا تھا۔ اللہ نے فرمایا ہاں اس وقت ملائکہ نے یونسؑ کے لئے شفاعت کی اور اللہ نے مچھلی کو حکم دیا کہ یونسؑ کو اگل دے۔ مچھلی نے کنارے پر آ کر یونسؑ کو اگل دیا، اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے، فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِیْمٌ۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ پھر ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی اور اس کو غم سے نجات دے دی۔ یعنی گناہ کے غم سے اور مچھلی کا لقمہ بن جانے کے غم سے۔

وَ كَذٰلِكَ نُـْۨجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۸﴾ اور اسی کی طرح ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ وہ ہم کو پکاریں اور ہم سے فریاد کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مچھلی کے پیٹ کے اندر ذوالنون نے اپنے رب کو پکارا تھا ان کی دعا تھی لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اس دعا کے ساتھ جو مسلمان کسی معاملہ میں اپنے رب کو پکارے گا اللہ اس کی دعا ضرور قبول فرمائے گا۔ رواہ احمد والترمذی والحاکم وصحہ من حدیث سعد بن وقاص۔ حاکم کی ایک روایت ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتادوں کہ اگر تم میں سے کسی پر کوئی دکھ یا مصیبت آپڑے اور وہ اس چیز کے ذریعہ سے اللہ سے دعا کرے تو اللہ ضرور اس کی مصیبت دور کر دے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ضرور ارشاد فرمایئے۔ فرمایا وہ ذوالنون کی دعا ہے لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔

ابن جریر کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے اللہ کا وہ نام کہ جس کے ذریعہ سے اگر اس سے دعا کی جائے تو وہ قبول فرمالیتا ہے اور اگر اس سے کچھ مانگا جاتا ہے تو عطا فرما دیتا ہے (ذوالنون کی دعا یعنی) لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ہے۔

Marfat.com

سورۂ آل عمران کے آغاز میں ہم نے ذکر کر دیا ہے کہ اللہ کا اسم اعظم تہلیل یعنی نفی و اثبات ہے اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ کا درجہ بہت اونچا ہے (یعنی ضمیر غائب و حاضر کا ذکر صراحۃً لفظ اللہ کو ذکر کرنے سے افضل ہے) کیونکہ لفظ اللہ اگرچہ ذات پر دلالت کرتا ہے لیکن اس کے اندر صفات کمالیہ کا لحاظ ضرور ہوتا ہے اور اللہ اس ذات کا نام ہے جو تمام صفات کمالیہ کو جامع ہے اور ضمیریں خالص ذات پر دلالت کرتی ہیں، پھر ضمیروں میں بھی خطاب کی ضمیر کا درجہ غائب کی ضمیر سے اعلیٰ ہے کیونکہ خطاب کے اندر کامل ظہور ہوتا ہے (جس میں شرک کی احتمالی بو بھی باقی نہیں رہتی اور غائب کے ضمیر میں ابہام ہوتا ہے۔ مترجم)۔

حضرت یونس کو کب پیغمبر بنایا گیا

بغوی نے لکھا ہے کہ سعید بن جبیرؓ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول منقول ہے کہ مچھلی کے پیٹ سے رہائی کے بعد حضرت یونسؑ کو پیغمبر بنایا گیا کیونکہ سورۃ الصافات میں پہلے فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَاۗءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ کے بعد وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ آیا ہے (اور ترتیب ذکر ترتیب واقعہ پر دلالت کرتی ہے معلوم ہوا کہ پہلے مچھلی نے حضرت یونس کو خشک زمین پر اگلا، پھر اللہ نے ایک لاکھ یا اس سے زیادہ آدمیوں کی ہدایت کے لئے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا مترجم)۔

(حضرت مفسرؒ نے فرمایا) میں کہتا ہوں یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ دو واقعوں کے درمیان واو عطف کو لانا ترتیب واقعات پر دلالت نہیں کرتا صرف اتنی بات بتاتا ہے کہ دونوں واقعے ہوئے، کون پہلے ہوا واو عاطفہ سے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ دوسرے علماء کہتے ہیں کہ آپ کی رسالت مچھلی کے نگلنے اور اگلنے سے پہلے ہی تھی کیونکہ اللہ نے فرمایا وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ اور یونس پیغمبروں میں تھے جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگ گئے تھے۔

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا اور یاد کرو زکریا کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا اے میرے رب مجھے اکیلا نہ چھوڑ یعنی بغیر اولاد کے نہ رکھ اولاد کو میرا جانشین بنادے۔

وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾ اور سب وارثوں سے بہتر آپ ہی ہیں۔

یعنی مخلوق کے فنا ہونے کے بعد اللہ ہی باقی رہنے والا ہے اور سب سے اعلیٰ و بالا ہے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۭ پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور بیٹا عطا کیا جس کا نام یحییٰ تھا اور اس کی بی بی کو ٹھیک کر دیا، یعنی پہلے وہ بانجھ تھی اللہ نے اس کا بانجھ پن دور کر دیا۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ بے شک وہ تمام پیغمبر نیکیوں کی طرف تیزی سے بڑھتے تھے اور امید و خوف کے ساتھ ہم کو پکارتے تھے۔ رغبت سے مراد ہے ملاقات خداوندی کی رغبت، قرب الٰہی کی رغبت یا ثواب کی رغبت اور امید قبولیت یا طاعت کی رغبت۔ امام احمد نسائی حاکم اور بیہقی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز کے اندر میری آنکھ کی ٹھنڈک بنادی گئی ہے۔ خوف سے مراد ہے اللہ سے جدا ہونے کا خوف یا گناہ کا خوف یا عذاب کا خوف۔

وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾ یعنی وہ ہمارے ڈر سے دعا کرنے والے تھے۔

مجاہد نے کہا دل میں بیٹھے ہوئے ڈر کو خشوع کہا جاتا ہے چونکہ اللہ کی عظمت کو وہ پورے طور پر جانتے تھے اس لئے عظمت الٰہی کا خوف ان کے دلوں میں بیٹھ گیا تھا۔ قتادہ نے آیت کا ترجمہ کیا وہ ہمارے حکم کے انتہائی تابعدار تھے (یعنی ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے اور ہمارے حکم کی اطاعت عاجزی کے ساتھ کرنے والے تھے۔ مترجم)

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا اور اس عورت کو یاد کرو جس نے اپنی شرم گاہ کو (حلال اور حرام دونوں سے محفوظ رکھا (اس سے مراد مریم بنت عمران ہیں جو دوشیزہ اور پاک دامن تھیں۔ مترجم)

فَنَفَخْنَا پھر ہم نے پھونکا یعنی ہمارے حکم سے جبرئیل نے پھونک ماری۔

Marfat.com

فِیْهَا اس کے اندر یعنی مریم کے گریبان کے اندر جبرئیل نے پھونک ماری اور یہ پھونک مریم کے جسم کے اندر پہنچ گئی اور اس پھونک سے اللہ نے مسیح عیسیٰ بن مریم کو پیدا کر دیا۔

مِنْ رُّوْحِنَا اپنی روح سے یعنی اس روح سے جو ہمارے حکم سے ہے۔ اضافت کی وجہ سے مضاف کی عظمت کا اظہار مقصود ہے یا روح سے مراد ہیں عیسیٰ اور مِنْ رُّوْحِنَا میں مِنْ زائد ہے (اور رُّوْحِنَا مفعول کے قائم مقام ہے۔ مترجم)۔ یا رُّوْحِنَا سے پہلے مضاف محذوف ہے یعنی مِنْ جِهَةِ رُّوْحِنَا اور اس سے مراد ہیں حضرت جبرئیل۔

وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۱﴾ اور ہم نے اس عورت کو اس کے بیٹے کو (یعنی ان کے قصے اور واقعہ کو) جہان والوں کے لئے (یعنی انسانوں کے لئے۔ مترجم۔) نشانی بنا دیا۔ جو ہماری قدرت کی ہمہ گیری پر دلالت کر رہی ہے کہ ہم بغیر باپ کے اولاد پیدا کرنے پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ بے شک یہ (یعنی توحید کو ماننے اور تمام انبیاء پر ان کے زمانے میں ایمان لانے والوں کی ملت) تمہاری ملت ہے (یعنی تم سب کی ملت ایک ہی ہے۔ مترجم۔) اے انسانو! تم سب پر لازم ہے کہ اسی ملت کو اختیار کرو اور اس پر قائم رہو۔ یہ ایک ہی ملت ہے انبیاء کی ملتوں میں کوئی اختلاف نہیں اور دوسرے لوگوں کی ملتوں کا اس کے ساتھ اشتراک نہیں صرف اسی کا اتباع معتبر ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین اختیار کرے گا تو اس کا دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

لفظ اُمَّتٌ اُمٌّ سے ماخوذ ہے باب نصر، اُمٌّ کا معنی ہے قصد کرنا جو جماعت ایک مقصد پر متفق ہو یا دین و سنت پر متفق ہو، اس کو امت کہا جاتا ہے۔ کذا فی القاموس۔ دین اور سنت ہی ساری جماعت کا مقصود ہے اس لئے اس پوری جماعت کو امت کہا جاتا ہے۔

وَّاَنَا رَبُّكُمْ اور میں ہی تم سب کا رب ہوں۔ یعنی میرے سوا تمہارا کوئی رب نہیں ہے۔

فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ سو میری عبادت کرو، کسی اور کی نہ کرو۔

ع ۶

وَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ ۖ كُلٌّ اِلَیْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ اور انہوں نے آپس میں اپنے کام یعنی دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، ہر فرقہ ہماری طرف لوٹ کر آنے والا ہے۔

امر سے مراد ہے دین۔ تَقَطَّعُوْا اگرچہ باب تفعل ہے لیکن باب تفعیل مراد ہے یعنی انہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرقے فرقے بن گئے۔ ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگا باوجود یہ کہ ان کے لئے اس کا جواز نہ تھا۔ ہمارے پاس لوٹ کر آنے سے یہ مراد ہے کہ ہم ان کو سزا و جزا دیں گے۔

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْیِهٖ ۚ پھر جو شخص کچھ بھی نیکیاں مومن ہونے کی حالت میں کرے گا اس کی کوشش کی ناقدری نہیں ہوگی۔

مومن ہونے کی شرط اس لئے لگائی کہ اعمال کا ثواب پانے کی شرط ایمان ہے (بغیر ایمان کے کوئی نیکی ثواب آخرت کے قابل نہیں۔ مترجم) ایمان سے مراد ہے اللہ پر اس کے پیغمبروں پر اور پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعتوں پر ایمان رکھنا اور سب کو سچا ماننا۔

کفران سے مراد ہے ثواب نہ ملنا اور نیکی کا برباد چلا جانا جس طرح اللہ کی طرف سے بندے کی طاعت کی شکر گزاری کا معنی ہے ثواب عطا کرنا اسی طرح ناشکری کا معنی ہے ثواب نہ دینا۔

وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ اور ہم بلاشبہ اس کے عمل اور کوشش کو لکھ رکھنے والے ہیں یعنی فرشتے اعمال ناموں میں ان کے اعمال درج کر لیتے ہیں اور اللہ ان کو اعمال ناموں میں قائم رکھتا ہے۔

وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾ اور ہم جن بستیوں کو عذاب سے یا موت

Marfat.com

سے فنا کر چکے ان کے لئے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ دنیا میں لوٹ کر آئیں۔
حرام ہے یعنی ناممکن ہے تصور میں بھی نہیں لایا جاسکتا۔ اَھْلَکْنٰھَا یعنی جس کو ہلاک کرنے کا ہم نے حکم دے دیا، جس کو تباہ کر دیا، ہلاکت سے مراد ہے کفر یعنی جس بستی کو ہم نے کافر پایا اس کی نیکیوں کا اکارت نہ جانا ناممکن ہے، ہم اس کے نیک اعمال کو ضرور ضائع کر دیں گے یا حرام کا یہ مطلب ہے کہ اس بستی کا توبہ کرنا ناممکن ہے یا دنیا میں دوبارہ زندہ ہونا ناممکن ہے یا سزا کے لئے ان کا قیامت کی دن زندہ کر کے نہ اٹھایا جانا ناممکن ہے۔ اس مطلب پر اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ کلام سابق کی علت ہوگی یعنی یہ غیر ممکن ہونا اس لئے ہے کہ ان کا توبہ کرنا اور ہماری طرف رجوع کرنا اور گزشتہ کفر کی ایمان لا کر تلافی کرنا ہو نہیں سکتا۔ یا حرام خبر مقدم ہے اور اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ مبتدا مؤخر مطلب یہ ہے کہ جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا اس بستی کا لوٹ کر مقام حساب اور مکان سزا تک نہ پہنچنا ناممکن ہے۔
حضرت ابن عباسؓ نے تشریحی مطلب اس طرح بیان فرمایا کہ جس بستی کو ہم نے تباہ کر دیا اس کا دنیا میں واپس لوٹنا ممکن نہیں اس مطلب پر لَا یَرْجِعُوْنَ میں لا زائد ہوگا۔
بہر صورت مطلب کچھ بھی ہو آیت میں کافروں کے لئے وعید عذاب اور اہل ایمان کے لئے وعدہ ثواب ہے۔
حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ انتہائی کثرت کی وجہ سے ہر بلندی یعنی پہاڑ اور ٹیلہ سے نکلتے معلوم ہوں گے۔
وَھُمْ اور وہ یعنی یاجوج ماجوج۔ مِنْ کُلِّ حَدَبٍ ہر ابھار اور ہر ٹیلہ کی آڑ سے۔ یَنْسِلُوْنَ پھیل پڑیں گے یاجوج اور ماجوج دو قبیلوں کے نام ہیں۔ حضرت نواس بن سمعان کی حدیث سورۂ کہف کی آیت فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا کی تفسیر میں ہم نے نقل کر دی ہے، اس حدیث میں آیا ہے کہ اللہ یاجوج ماجوج کو بھیج دے گا اور وہ ہر ٹیلہ کی آڑ سے پھیل پڑیں گے۔
ہر ٹیلہ کی آڑ سے پھیل پڑنے کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا کہ یاجوج ماجوج کے مسکن پہاڑوں سے پرے ہوں گے اور وہ پہاڑوں سے نیچے اتریں گے۔
بعض اہل تفسیر کے نزدیک وَھُمْ کی ضمیر انسانوں کی طرف راجع ہوگی اور حَدَبٍ سے مراد ہوگی یعنی لوگ قبروں سے جلد جلد تیزی کے ساتھ نکل آئیں گے۔ مجاہد کی قرأت میں تو حَدَب کی جگہ جَدَث آیا ہے اور جدث کا معنی ہے قبر۔ اسی مضمون کو دوسری آیت میں بیان کیا ہے فرمایا ہے فَاِذَا ھُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ۔
حضرت حذیفہ بن اسد غفاری کا بیان ہے ہم لوگ کچھ باہم بات چیت کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ برآمد ہو گئے اور فرمایا کس چیز کا تذکرہ کر رہے ہو۔ ہم نے عرض کیا ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے۔ فرمایا جب تک قیامت سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھو گے، قیامت برپا نہ ہوگی۔ پھر آپ ﷺ نے دخان دھوئیں کا خروج دجال کا، دابۃ الارض کا مغرب کی طرف سے طلوع آفتاب کا، نزول عیسیٰ بن مریم کا، خروج یاجوج ماجوج کا تین مقامات پر زمین کے دھنسنے گا۔ ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں تیسرا جزیرۃ العرب میں اور آخر میں یمن سے ایک آگ کے برآمد ہونے کا، جو لوگوں کو ہنکا کر میدان حشر کی طرف لے جائے گی، ذکر فرمایا۔
دوسری روایت میں ہے کہ ایک آگ قعر عدن سے نکل کر لوگوں کو ہنکا کر میدان حشر کی طرف لے جائے گی۔ ایک اور روایت کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ نے دسویں چیز اس ہوا کو قرار دیا جو لوگوں کو سمندر میں پھینک دے گی۔ رواہ مسلم۔
وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ اور سچا وعدہ قریب ہو جائے گا۔ یعنی روز قیامت واو عاطفہ ہے اور اس کا عطف فُتِحَتْ پر ہے۔ لیکن فراء اور علماء کی ایک جماعت نے واو کو زائد کہا ہے اور اِقْتَرَبَ کو شرط کی جزا قرار دیا ہے۔ یعنی جب یاجوج و ماجوج کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے نکل پڑیں گے اور پھیل جائیں گے تو اس وقت قیامت قریب آجائے گی۔ ایک اور

Marfat.com

آیت میں واؤ زائد آیا ہے اور مابعد واؤ جزاء شرط ہے فرمایا ہے فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ وَنَادَيْنٰهُ پھر جب دونوں نے مان لیا اور ابراہیم نے اسمٰعیل کو پیشانی کے بل لٹا دیا تو ہم نے اس کو پکارا۔ اس مطلب کے ثبوت کے لئے حضرت حذیفہ کی حدیث کو پیش کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اگر کسی آدمی نے بچھیرا پالا ہو گا۔ خروج یاجوج وماجوج کے بعد تو بچھیرا سواری کے قابل نہ ہو گا کہ قیامت بپا ہو جائے گی۔ علاء نے اس قول کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ واؤ زائد ہو اور مابعد واؤ جزا ہو ایسا نہیں ہوتا۔

فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ط تو اس وقت اچانک کافروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ شخص بصرہ اس کی آنکھ کھل گئی یا اس نے اپنی آنکھ کھول دی۔ اَبْصَار سے مراد ہیں پوٹے پلکیں اور اِذَا مفاجاتیہ بمعنی اچانک، ناگہاں، یکدم ہے یعنی ہولناکی کی وجہ سے کافر نظر گھما نہ سکیں گے۔ حیران ہو کر رہ جائیں گے۔

يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾ کہیں گے ہائے ہماری تباہی ہم اس دن کی طرف سے غفلت میں پڑے ہوئے تھے بلکہ ہم خود ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے۔ یعنی اس دن کو حق نہیں جانتے تھے۔ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ یعنی ہم اپنے نفسوں پر خود ظلم کرنے والے تھے ہم نے خود اپنے غور و فکر کو بگاڑ رکھا تھا یا نا قابل معبودیت کو معبود بنا رکھا تھا، ظلم کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو بے محل رکھنا اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنا، عبادت کا بے محل استعمال ہے اسی لئے اس کو ظلم قرار دیا۔ مترجم۔)

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ط بلاشبہ تم اور جس چیز کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہے یا سب جہنم میں پھینکے جاؤ گے۔

مَا تَعْبُدُوْنَ سے مراد بے عقل بت ہیں۔ اور سامری کا بنایا ہوا بچھڑا اور ان جیسی دوسری بے جان چیزیں۔

جو چیزیں جاندار اور ذی عقل ہیں اگر لوگوں نے ان کو معبود بنا لیا ہو اور وہ اپنی پوجا کرانے پر راضی ہوں جیسے شیاطین اور انسانوں میں سے فرعون نمرود وغیرہ تو وہ بھی مَا تَعْبُدُوْنَ کے حکم میں داخل ہیں، ان کو بھی جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا (کیونکہ باوجود ذی عقل ہونے کے انہوں نے عقل کا صحیح استعمال نہیں کیا اور باوجود مخلوق عاجز ہونے کے خالق اور قادر مطلق کے مقام پر پہنچنے کے مدعی بن بیٹھے، اس لئے وہ بھی بے عقل چیزوں کی طرح ہو گئے ان کو ذی عقل مخلوق میں شمار کرنا ہی غلط ہے۔ مترجم۔)

باقی وہ مقدس عقلمند ہستیاں جو کسی سے اپنی عبادت کرانی نہیں چاہتے اور نہ وہ اپنے کو معبود کہنے پر راضی تھے نہ اس حرکت کو پسند کرتے تھے وہ مَا تَعْبُدُوْنَ کے حکم سے خارج ہیں۔ (جیسے حضرت عیسیٰ یا حضرت عزیز یا ملائکہ وغیرہ) کوئی کسی دوسرے کا گناہ اپنے اوپر نہیں اٹھا سکتا۔ اس تفصیل و توضیح کی ضرورت اس لئے پڑی کہ اکثر محققین لغت کے نزدیک مَا کا لفظ عام ہے۔ ذی عقل، اور غیر ذی عقل دونوں کو شامل ہے اس لئے مراد کی تعیین ضروری ہے، بیضاوی نے اس جگہ ایک حدیث نقل کی ہے کہ ابن زبعری نے یہ آیت سن کر دریافت کیا کیا یہ حکم ہمارے ہی معبودوں کے لئے مخصوص ہے اَوْلِكُلِّ مَنْ عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یا ان تمام لوگوں کا بھی یہی حکم جن کی پوجا اللہ کے سوا کی گئی ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا بَلْ لِكُلِّ مَنْ عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر اس شخص کا یہی حکم ہے جس کی عبادت اللہ کے سوا کی گئی ہے (اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ آیت میں لفظ مَا ذی عقل کو بھی شامل ہے اسی لئے ابن زبعری کو دریافت کرنے کی ضرورت پڑی اور حضور ﷺ کے جواب سے بھی اس کی تائید ہو گئی کہ آپ نے ذی عقل باطل معبودوں کو آیت کے حکم میں داخل قرار دے دیا۔ مترجم)

ابوداؤد ابن منذر، ابن مردویہ اور طبرانی نے دوسری سند سے یہ حدیث بروایت ابن عباس بیان کی ہے۔

اگر لفظ مَا کو بے جان، بے عقل مخلوق کے ساتھ مخصوص قرار دیا جائے تو ظاہر ہے کہ پھر وہ مقدس ہستیاں جو اپنے کو معبود قرار دیئے جانے کو پسند نہیں کرتی تھیں آیت کے حکم میں داخل نہیں ہوں گی۔

حَصَبُ جَهَنَّمَ وہ چیز جو جہنم میں پھینکی جائے اور اس سے جہنم کی آگ کو بھڑکایا جائے۔ حَصَبَهٗ اس پر پتھر برسائے۔ حَصْبَاء پتھریاں، سنگ ریزے۔ کذا قال الضحاک۔

Marfat.com

مجاہد اور قتادہ نے کہ یمنی زبان میں حَصَبُ جلائی جانے والی لکڑیوں کو کہا جاتا ہے۔ عکرمہ نے کہا یہ حبشی زبان کا لفظ ہے، جس کا معنی ہے جلائی جانے والی لکڑیاں ایندھن۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کی قرأت میں حَصَب کی جگہ لفظ حَطَبُ ایندھن آیا ہے۔

اَنۡتُمۡ لَهَا وٰرِدُوۡنَ ﴿۹۸﴾ تم اس پر (خصوصیت کے ساتھ) اترنے والے ہو (اترو گے) لَهَا میں لام بجائے علی خصوصیت کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ خطاب مشرکوں کو ہے اور ان کے ذیل میں ان کے معبود بھی داخل ہیں یعنی تم اپنے معبودوں سمیت جہنم میں اترو گے۔

لَوۡ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوۡهَا ؕ اگر تمہارے یہ معبود حقیقت میں معبود ہوتے تو جہنم میں نہ اترتے۔ یعنی جہنم میں سب کو داخل کرنے کے بعد کفار سے بطور توبیخ کہا جائے گا کہ اگر یہ معبود حقیقت میں ہوتے تو جہنم میں نہ اترتے۔

وَكُلٌّ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۹۹﴾ اور (عابد و معبود) سب جہنم کے اندر ہمیشہ رہیں گے۔

لَهُمۡ فِيۡهَا زَفِيۡرٌ ان کے لئے جہنم کے اندر کراہٹ ہوگی۔ زفیر کراہٹ تنفس کی شدت۔

وَّهُمۡ فِيۡهَا لَا يَسۡمَعُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ اور وہاں وہ اپنے غل شور میں کسی کی کوئی بات نہیں سنیں گے ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود کی روایت نقل کی ہے کہ جب دوزخ کے اندر حبس دوام کے جہنمی رہ جائیں گے تو ان کو لوہے کے صندوقوں میں بند کر کے لوہے کی کیلیں ٹھونک دی جائیں گی پھر ان صندوقوں کو دوسرے آہنی صندوقوں میں بند کر دیا جائے گا اور لوہے کی میخیں ٹھونک دی جائیں گی پھر ان صندوقوں کو جہنم کے نچلے حصہ میں پھینک دیا جائے گا اور ہر ایک یہی خیال کرے گا کہ میرے سوا کسی کو عذاب نہیں دیا جارہا ہے یعنی کوئی کسی کی آواز نہیں سنے گا یہ بیان کرنے کے بعد حضرت ابن مسعود نے آیت مذکورہ تلاوت فرمائی۔

بغوی نے لوہے کے صندوقوں اور لوہے کی کیلوں کی جگہ آگ کے صندوقوں اور آگ کے کیلوں کا لفظ نقل کیا ہے باقی حدیث حسب سابق ہے۔

حاکم وغیرہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ نازل ہوئی تو مشرکوں نے کہا پوجا تو اللہ کے سوا عیسیٰؑ اور عزیزؑ اور ملائکہ کی بھی کی جاتی ہے پھر یہ بھی جہنمی قرار پائیں اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ سَبَقَتۡ لَهُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنۡهَا مُبۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾ جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے وہ اس دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔

اَلۡحُسۡنٰى یعنی اچھا مرتبہ، درجہ قرب یا اچھی خصلت یعنی سعادت یا اللہ کی طرف سے طاعت کی توفیق یا جنت کی بشارت۔ حضرت جنید نے آیت مذکورہ کی تشریح میں فرمایا جن کو ابتداء میں ہماری عنایت حاصل ہوگئی انتہا میں ان کو ولایت نصیب ہوگئی۔

ابن مردویہ نے اور المختار میں ضیاء نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ عبداللہ ابن الزبعری نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا محمد ﷺ تم دعویٰ کرتے ہو کہ اللہ نے تم پر اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنۡتُمۡ لَهَا وٰرِدُوۡنَ نازل کیا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا ہاں ابن الزبعری نے کہا پھر پوجا تو چاند، سورج، ملائکہ اور عزیر کی بھی کی جاتی ہے۔ یہ سب بھی ہمارے معبودوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے۔ اس پر آیت اِنَّ الَّذِيۡنَ سَبَقَتۡ لَهُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰى اور آیت وَلَمَّا ضُرِبَ ابۡنُ مَرۡيَمَ مَثَلًا .... خَصِمُوۡنَ تک نازل ہوئی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور سرداران قریش حطیم میں موجود تھے اور کعبہ کے گرداگرد ۳۶۰ بت نصب تھے نضر بن حارث گفتگو کرنے کو آگے بڑھا، رسول اللہ ﷺ نے اس سے کلام کیا، یہاں تک کہ اس کو خاموش کر دیا پھر آپ نے

Marfat.com

اس کو اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ سے آیات پڑھ کر سنائیں، پھر آپ اٹھ کھڑے ہوئے، اتنے میں سامنے ابن الزبعری آگیا، ولید بن مغیرہ نے اس سے رسول اللہ ﷺ کی بات نقل کر دی۔ ابن الزبعری نے رسول اللہ ﷺ کی طرف رخ کر کے کہا کیا آپ کہتے ہیں اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں۔ ابن الزبعری نے کہا کیا یہودی عزیر کی اور عیسائی مسیح اور بنی الملیح ملائکہ کی پوجا نہیں کرتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا نہیں وہ عزیر مسیح وغیرہ کو نہیں پوجتے بلکہ شیطانوں کی پوجا کرتے ہیں اس پر آیت اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى نازل ہوئی اور ابن الزبعری کے حق میں اللہ نے نازل فرمایا مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ۔ واحدی نے بھی حضرت ابن عباس کی روایت سے بغوی کے بیان کی طرح واقعہ نقل کیا ہے۔

اصول فقہ کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن الزبعری سے فرمایا تم اپنی قوم کی زبان سے بھی کتنے ناواقف ہو، تم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ما کا استعمال بے عقل چیزوں کے لئے ہوتا ہے، کتب حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی یہ تفصیل مذکور نہیں ہے۔

بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں اِنَّ بمعنی استثناء ہے یعنی اِلَّا الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى۔ یہ تاویل دو وجوہ سے غلط ہے۔ (۱) اِنَّ بمعنی استثناء عربی میں نہیں آتا۔ (۲) اگرچہ بعض لوگ استثناء منفصل کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن عام طور پر استثناء کا استعمال اتصال کی صورت میں ہوتا ہے اور نزول آیت کا جو سبب ہم نے اوپر ذکر کیا ہے وہ انفصال پر دلالت کر رہا ہے اس لئے اکثر علماء کے نزدیک یہ آیت سابق آیت کے عموم کی مخصص ہے یعنی اس آیت میں سابق آیت سے استثناء نہیں ہے بلکہ اس کے عموم کی تخصیص ہے۔ مترجم۔ اور مستقل کلام خواہ متراخی ہو اور دیر کے بعد کہا گیا ہو لیکن اس سے پچھلے کلام کی تخصیص ہو سکتی ہے۔ حضرت ابن عباس کا یہی مسلک ہے عام صحابہ کا قول اس کے خلاف ہے وہ تخصیص کے لئے اتصال زمانی کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ مترجم۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ مستقل کلام جو پہلے سے متراخی ہو یعنی دونوں کا وقت ایک نہ ہو پہلے کلام کا ناسخ ہو سکتا ہے مخصص نہیں ہو سکتا اور نسخ کا قول اس جگہ ممکن نہیں کلام خبری میں نسخ جاری نہیں ہوتا (کسی حکم یا ممانعت کو منسوخ کیا جا سکتا ہے خبر کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا خبر کو منسوخ کیا جائے تو پہلے کلام کی تکذیب ہو جائے گی مترجم) اس لئے کہنا پڑے گا کہ یہ جدید کلام ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے کلام سے مجازی معنی مراد ہے۔

ابو داؤد اور ابن ابی حاتم اور ثعلبی اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیروں میں بیان کیا ہے کہ حضرت علی نے ایک بار خطبہ دیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی پھر فرمایا میں ان میں سے ہوں اور ابو بکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ اور سعیدؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ اور ابو عبیدہ بن جراحؓ بھی ان میں سے ہیں اس کے بعد نماز کی اقامت ہوئی تو آپ کھڑے ہو گئے اور چادر کھینچتے ہوئے (چلتے ہوئے) فرمانے لگے۔

لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وہ اس کی آہٹ بھی نہیں سنیں گے یعنی جہنم سے اتنی دور رکھے جائیں گے کہ اس کی آہٹ بھی ان کو سنائی نہیں دے گی۔

وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ اور وہ اپنی جی چاہی مرغوب طبع چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے۔

فِيْهَا کو خٰلِدُوْنَ سے مقدم ذکر کرنا اختصاص اور اہمیت کو ظاہر کر رہا ہے۔ صوفیۂ صافیہ کی ذات خداوندی کے سوا کوئی اور خواہش ہی نہیں ہوتی اس لئے ہر وقت وہ وصل کی حالت میں دیدار خداوندی کے استغراق میں رہیں گے لیکن یہ وصل اور استغراق ناقابل بیان کیفیت کا حامل ہو گا زمان و مکان اور ہیئت و شکل کی قیود سے خالی اور جہت و امتداد و مسافت سے پاک اسی لئے اس کو بلا کیف کہا جاتا ہے۔ مترجم۔

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ ان کو بڑی گھبراہٹ غمگین نہ بنائے گی۔

Marfat.com

بغوی نے حضرت ابن عباس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ فزع اکبر سے مراد صور کا اخیر نفخہ دوبارہ صور پھونکنا ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس کی نفخہ اخیرہ سے مراد وہ نفخہ ہے جو دنیا کے اختتام پر ہوگا یعنی نفخہ اولی جس سے دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ مترجم بعض نے کہا نفخہ سے بیہوشی مراد ہے مگر میرے قول میں اور اس قول میں تضاد نہیں ہے کیونکہ پہلے صور ہی کی آواز سے سب گھبرا جائیں گے بیہوش ہو جائیں گے۔ مترجم۔ مرجائیں گے۔ قرطبی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر احادیث میں صرف دو مرتبہ صور پھونکے جانے کا ذکر ہے ایک نفخہ صعق یعنی نفخہ موت، دوسرا نفخہ بعث جس کی وجہ سے سب زندہ ہو کر اٹھ جائیں گے ابن عربی نے کہا نفخات تین ہوں گے۔ (۱) نفخہ فزع (۲) نفخہ صعق (۳) نفخہ بعث۔ حضرت مفسرؒ نے فرمایا میرے نزدیک یہی زیادہ صحیح ہے۔

ابن جریر نے تفسیر میں، طبرانی نے مطولات میں، ابویعلی نے مسند میں، بیہقی نے البعث میں ابو موسیٰ مدینی نے المطولات میں علی بن معبد نے کتاب الطاعۃ والعصیان میں ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں اور عبد بن حمید نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے ایک طویل مرفوع حدیث نقل کی ہے اس حدیث میں ہے کہ صور میں تین بار پھونکا جائے گا (۱) نفخہ فزع (۲) نفخہ صعق (۳) نفخہ قیام۔ حدیث میں فزع کی جو تشریح آئی ہے ہم سورۃ النمل میں اس کو بیان کریں گے۔

حسن نے کہا فزع اکبر اس وقت ہوگا جب لوگوں کو دوزخ کی طرف لے جانے کا حکم دیا جائے گا۔ ابن جریج نے کہا فزع اکبر اس وقت ہوگا جب موت کو ذبح کر دیا جائے گا اور ندا آئے گی اے دوزخ والو دوزخ میں ہمیشہ رہنا ہے اور موت بھی نہیں آئے گی۔ سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا یہ وہ وقت ہوگا جب دوزخ کو اوپر سے سربند کر دیا جائے گا اور دوزخ کا سرپوش اس وقت بند کیا جائے گا جب اس کے اندر سے ان لوگوں کو نکالا جا چکا ہوگا جن کو اللہ نکالنا چاہے گا۔

وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۖ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے، یعنی وہ جب قبروں سے نکل کر جنت کی طرف جائیں گے تو جنت کے دروازوں پر فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور مبارک باد دیتے ہوئے کہیں گے۔

هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۱۰۳﴾ یہ تمہارا وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ یعنی یہ اسی ثواب کا دن ہے جس کا آسمانی کتابوں میں اور پیغمبروں کی زبانی تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ وہ دن بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس روز نفخہ اولی کے وقت ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمون کا کاغذ لپیٹ لیا جاتا ہے۔ طَے نَشْر کی ضد ہے یعنی لپیٹنا تہ کرنا۔ سجل کاغذ۔ مُسَاجَلة (باب مفاعلت) مُكَاتَبَت باہم مل کر لکھنا۔ یعنی ہم آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے، جس طرح کاغذ کو لکھنے کے لئے تہ کیا جاتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ جس طرح لکھے جانے والے مضمون کے لئے کاغذ کو تہ کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس مجاہد اور اکثر اہل علم نے یہ مطلب بیان کیا۔ جس طرح لکھے ہوئے کثیر مضامین کی وجہ سے کاغذ کو لپیٹ دیا جاتا ہے۔

سدی نے کہا سجل اس فرشتہ کا نام ہے جو بندوں کے اعمال لکھا کرتا ہے اور لِلْكُتُبِ میں لام زائد ہے۔ جیسے رَدِفَ لَكُمْ میں لام زائد آتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح سجل فرشتہ اعمال ناموں کو لپیٹ دیتا ہے اسی طرح ہم آسمانوں کو لپیٹ دیں گے یہ بھی کہا گیا ہے کہ سجل رسول اللہ ﷺ کا ایک کاتب تھا۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے میثاق نامہ یا تحریری معاہدہ کو کتب السجل کہتے ہیں اس کی جمع سجلات آتی ہے اور حبشی زبان میں کاتب کو بھی کہتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے ایک کاتب کا نام بھی سجل تھا اور ایک فرشتہ کا نام بھی سِجِل بمعنی کتاب آتا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ سِجِل اس پتھر کو کہتے تھے جس پر کچھ تحریر کیا جاتا تھا پھر ہر اس چیز کو سجل کہنے لگے جس پر کچھ لکھا جائے خواہ کاغذ ہو جھلی ہو ہڈی ہو یا کچھ اور ہو۔ مترجم۔

Marfat.com

كَمَا بَدَأْنَآ أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهٗ ط جس طرح ہم نے شروع میں ابتداء تخلیق کی تھی اسی طرح آسانی سے ہم اس کو دوبارہ پیدا کر دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح انسان کی ابتدائی تخلیق ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے کی ہے اسی طرح اس کو دوبارہ بھی ہم لوٹا کر لے آئیں گے، قدرت قدیمہ کے اندر انسان کی دونوں تخلیقیں داخل ہیں اور دونوں ممکن ہیں اور ہر ممکن احاطۂ قدرت میں داخل ہے یعنی تخلیق میں تعدد ہوگا۔ انسان وہی ہوگا بعض نے یہ مطلب بیان کیا کہ جس طرح ابتدائی تخلیق ہماری قدرت سے خارج نہیں ہم نے پیدا کر دیا اسی طرح دوباہ تخلیق بھی ہماری قدرت میں داخل ہے ہم دوبارہ بھی پیدا کر دیں گے، یعنی دوسری تخلیق بھی اسی طرح ممکن ہے جس طرح پہلی تخلیق ممکن تھی۔ اس صورت میں دوسری تخلیق اول تخلیق کی طرح ممکن ہو گی لیکن مخلوق الگ الگ ہو گی۔ دوسری بار پیدا کیا ہوا انسان پہلی مرتبہ پیدا کئے ہوئے انسان کی طرح ہوگا بعینہ وہی نہ ہوگا اس کے مثل ہوگا۔ صحیح بات یہ ہے کہ دوبارہ پیدا کیا ہوا انسان بعینہ وہی انسان ہوگا جس کو پہلی مرتبہ پیدا کیا گیا تھا، مشابہت صرف تخلیق یا احوال و اوصاف میں ہو گی شخصیت اور ذات ایک ہی ہو گی۔

شیخین نے صحیحین میں ترمذی نے جامع میں، حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور فرمایا لوگو! تم لوگ برہنہ بدن غیر مختون برہنہ پاؤں قبروں سے اٹھ کر اللہ کی طرف پیدل لے جائے جاؤ گے پھر آپ نے آیت كَمَا بَدَأْنَآ أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهٗ تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا، سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کو لباس پہنایا جائے گا۔

وَعْدًا ہم نے پختہ وعدہ کر لیا۔ وعدا مفعول مطلق ہے جو فعل محذوف کو پختہ کر رہا ہے۔

عَلَيْنَا ط اس کو پورا کرنا ہم پر مثل لازم کے ہے اللہ پر کوئی چیز لازم نہیں لیکن اس نے وعدہ پختہ کر لیا ہے اور اللہ کا وعدہ پورا ہونا لازم ہے، اللہ کے وعدے کے خلاف ہونا محال ہے اس لئے اس کے وعدے کی وفا اس پر گویا لازم ہے۔ مترجم۔

إِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ ہم ضرور (دوبارہ تخلیق) کرنے والے ہیں۔ یہ جملہ تاکید یہ ہے وعدے کی مزید تاکید ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اور ہم نے لوح محفوظ میں لکھنے کے بعد سب آسمانی کتابوں میں لکھ دیا ہے۔

سعید بن جبیر اور مجاہد نے کہا زبور سے مراد تمام کتب الٰہیہ ہیں اور ذکر سے مراد ہے لوح محفوظ۔ یعنی لوح محفوظ میں لکھنے کے بعد ہم نے اپنی تمام نازل کردہ کتابوں میں لکھ دیا ہے۔

شعبی نے کہا زبور سے مراد زبور داؤد ہے جو حضرت داؤد پر اتاری گئی تھی اور ذکر سے مراد ہے توریت حضرت ابن عباس اور ضحاک کا قول ہے کہ زبور سے مراد توریت ہے اور ذکر سے مراد ہیں وہ تمام آسمانی کتابیں جو توریت کے بعد اتاری گئیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ زبور سے مراد زبور داؤد ہے اور ذکر سے مراد ہے قرآن۔ موخر الذکر دونوں قولوں پر بعد الذکر میں لفظ بعد بمعنی قبل ہوگا، یعنی ذکر سے پہلے۔

أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ کہ زمین کے یعنی جنت کی زمین کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے۔

الْأَرْضَ سے مراد ہے جنت کی زمین۔ اسی مضمون کو آیت وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک سوال۔ کیا گناہگار مومن جو فاسق ہوتے ہیں صالح نہیں ہوتے جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔

جواب: سزا پانے یا اللہ کی طرف سے گناہ معاف ہو جانے کے بعد وہ پاک ہو جائیں گے اور صالحین کے حکم میں داخل ہو جائیں گے اور صالحین کے ساتھ ان کو ملا دیا جائے گا۔

مجاہد نے کہا صالحین سے مراد امت محمد یہ ہے کیونکہ ان ہی کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ

Marfat.com

صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاۤءُ ۔
بعض لوگوں کے نزدیک اَلْاَرْضَ سے مراد ہے ارض مقدسہ اور عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ سے مراد ہیں وہ لوگ جن کو زمین کے پوربی اور پچھی حصوں میں کمزور اور حقیر سمجھا جاتا تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اَلْاَرْض سے مراد ہے کافروں کی سرزمین مراد یہ ہے کہ کافروں کی زمین کو مسلمان فتح کریں گے گویا یہ اللہ کی طرف سے پیشین گوئی اور فیصلہ قطعی ہے کہ دین اسلام غالب آئے گا اور مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ حاصل ہوگا۔ میں کہتا ہوں اس وقت الارض سے مراد تمام روئے زمین ہوگا۔
امام احمد راوی ہیں کہ حضرت مقداد ؓ نے بیان کیا میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ روئے زمین پر تمام مکان خواہ مٹی کے بنے ہوئے ہوں یا اونی کمبلوں کی جگیاں ہوں کوئی مکان بھی ایسا نہ رہے گا جس کے اندر اللہ کلمہ اسلام کو داخل نہ کردے یعنی ہر گھر میں اسلام داخل ہو جائے گا عزت والے کی عزت کے ساتھ یا ذلیل کی ذلت کے ساتھ۔ یعنی اللہ ان کو یا مشرف باسلام کردے گا اور وہ عزت یاب ہو جائیں گے یا کافر ہی رہیں گے اور ان کو مجبوری اسلام کا غلبہ تسلیم کرنا اور ذلیل ہونا پڑے گا۔ حضرت مقداد نے فرمایا، میں کہتا ہوں اس وقت سارا دین اللہ ہی کا ہوگا یعنی سب پر اسلام ہی غالب ہو جائے گا۔ مترجم۔
اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا بے شک اس میں جنت تک پہنچانے کا پورا سامان ہے۔
فِيْ هٰذَا یعنی قرآن میں خبریں نصیحتیں اور وعدو وعید مذکور ہیں سب میں۔ لَبَلٰغًا یعنی جنت میں داخل ہونے کا پورا سامان ہے پورا قرآن جنت کا توشہ ہے جیسے مسافر کے لئے زادراہ منزل تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یا بَلٰغًا سے مراد ہے ذریعہ کامیابی۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس سے نصیحت اندوز ہوگا وہ اپنی آرزو کو پہنچ جائے گا۔
لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ عبادت کرنے والے لوگوں کے لئے یعنی ان مومنوں کے لئے جو صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا، عابدین سے مراد ہیں علماء یا کل اہل عالم۔ کعب احبار نے کہا امت اسلام مراد ہے جو پنجوقتہ نماز پڑھتی اور رمضان کے روزے رکھتی ہے۔
وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ اے محمد ﷺ ہم نے تم کو نہیں بھیجا مگر رحمت کی وجہ سے جہان والوں پر یا رحمت بنا کر جہان والوں کے لئے یعنی انس و جن کے لئے۔ پہلے ترجمہ پر رحمۃ مفعول لہ ہوگا یعنی تم کو رسول بنا کر ہم نے اس وجہ سے بھیجا کہ ہم انس و جن پر رحم کرنا چاہتے تھے پس تم کو ہم نے ہادی بنا کر بھیجا تاکہ لوگ تمہارے بتائے ہوئے راستے پر چلیں دوسرے ترجمہ پر رحمۃ ک سے حال ہوگا یعنی ہم نے تم کو نہیں بھیجا مگر اس حالت میں کہ تم سب کے لئے سبب رحمت ہو۔ حاکم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے اور ابن سعد و حکیم نے ابو صالح کی روایت سے مرسل حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں اللہ کی طرف سے فرستادہ رحمت ہوں۔ بخاری نے تاریخ میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے کہ مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے عذاب بنا کر نہیں بھیجا گیا۔
اس جملہ کا عطف اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا پر ہے کیونکہ قرآن جب جنت کا زادراہ ہے تو جس رسول پر قرآن کا نزول ہوا اس کا مبعوث ہونا رحمت ہو گیا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ میری نبوت اور پیام نبوت لوگوں کو سعادت مند بنا دینے کا سبب ہے اور معاش و معاد کی درستی کا کفیل ہے اب جو شخص اس کو قبول نہیں کرتا اور رحمت کے زیر سایہ آنے سے انکار کرتا ہے وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے میری نبوت کی رحمت ہونے میں کوئی کمی نہیں حضرت ابن عباس نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ کافروں کے لئے دنیا میں رحمت تھے کہ آپ کی وجہ سے دنیا میں ان پر عذاب نہیں آیا، صورت مسخ ہونے، زمین میں دھنسائے جانے اور بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے عذاب سے مامون ہو گئے۔ (خلاصہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ بر قول ابن عباس کافروں کے لئے بھی دنیا میں رحمت تھے اور بر تفسیر اول کافروں کا مبتلاء عذاب ہونا خود ساختہ اور خود آوردہ ہے انہوں نے رحمت کے زیر سایہ آنے سے خود انکار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے رحمت ہونے میں کوئی کمی نہیں تھی۔
قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس یہی

Marfat.com

وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک معبود ہے۔ آیت میں حصر اضافی ہے قرآن کے اندر تو احکام کی تعلیم بھی ہے، اقوام پارینہ اور گزشتہ پیغمبروں کے قصے بھی ہیں وعدو وعید بھی ہے جنت و دوزخ حساب و کتاب اور عقیدہ قیامت کے لازم ہونے کا ذکر بھی ہے اللہ کی صفات کمالیہ کا اظہار بھی ہے اور دوسرے مباحث علمی و عملی بھی اور مبدء و معاد سے تعلق رکھنے والے سارے مسائل کا بیان بھی ہے پھر یہ کہنا کہ میرے پاس صرف ایک کو معبود ماننے کی وحی آتی ہے بظاہر غلط ہے لیکن اگر حصر کو اضافی کہا جائے تو کلام صحیح ہو جائے گا کیونکہ (مترجم) وحی کی اصلی غرض اظہار توحید ہی ہے (نبوت، کتاب، شریعت، انبیاء کا تذکرہ، قیامت پر عقیدہ، جنت و دوزخ اور حساب و کتاب کی تشریح سب اسی کی شاخیں اور اسی پر مبنی ہیں) اس لئے توحید کا اعلان و اقرار ہی گویا جوہر وحی ہے۔ اور صرف یہ ہی پیام بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے۔

یا یوں کہا جائے کہ اللہ کی عبادت کے معاملے میں جو وحی آتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ معبود فقط ایک ہے (اس صورت میں حصر حقیقی ہو گا مگر مقید بامر عبادت۔ مترجم)

ایک شبہ

جب توحید حاصل وحی ہے تو توحید کا ثبوت وحی پر موقوف ہوا اور وحی کی بنا عقیدۂ توحید پر ہے اگر توحید کو نہ مانا جائے تو پھر نہ نبوت کی ضرورت باقی رہتی ہے نہ وحی کی۔ یہ کھلا ہوا دور ہے۔

ازالہ: توحید کا ثبوت نقلی بھی ہے جو سننے پر موقوف ہے کیونکہ رسالت کا مدار مرسل پر ہے۔

فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿١٠٨﴾ پس کیا تم اطاعت کرنے والے ہو۔ یعنی توحید کو مانو اور خالص عبادت اللہ ہی کی کرو اور وحی کا جیسا تقاضا ہے اس کو پورا کرو۔ اور اللہ کی رحمت حاصل کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ آذَنْتُكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ پھر بھی اگر یہ لوگ سرتابی کریں تو بطور تکمیل حجت آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو نہایت صاف اطلاع کر چکا ہوں۔ یعنی اگر وہ اسلام سے روگرداں ہو جائیں اور اتمام حجت کے بعد بھی توحید کو ماننے سے گریز کریں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں نے تم سب کو برابر وہ وحی پہنچا دی اور وہ اطلاع دے دی جو مجھے ملی تھی۔

اٰذَنْتُكُمْ یعنی میں نے وحی اور رسالت کی اطلاع دے دی یا اس بات کی اطلاع دے دی کہ میری تم سے مصالحت نہیں ہو سکتی۔

عَلٰى سَوَآءٍ کا یہ مطلب ہے کہ میں نے وحی کی کوئی بات کسی سے پوشیدہ نہیں رکھی، سب کو برابر اطلاع دے دی۔ اس سے فرقہ باطنیہ اور شیعہ کے اس قول کی تردید مستفاد ہوتی ہے کہ ائمہ اپنے خاص ساتھیوں کو احکام شرع بالکل پوشیدہ طور پر سکھاتے تھے اور کہتے تھے کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ یا عَلٰى سَوَآءٍ کا یہ مطلب ہے کہ ہم اور تم دونوں اس معاملہ میں برابر ہیں جو کچھ مجھے علم تھا اس سے تم کو بھی واقف کر دیا، یا جنگ کے معاملہ میں ہم دونوں برابر ہیں۔ میں تم کو فریب نہیں دیتا تم جنگ کی تیاری کر لو۔ ہم آپس میں دشمن ہیں یا یہ مطلب ہے کہ علی الاعلان میں نے تم کو اطلاع دے دی۔

بعض نے سَوَآء کا ترجمہ کیا ہے سیدھا راستہ، استقامت رائے یعنی میں عدل اور استقامت رائے پر دلیل کی روشنی میں قائم ہوں اور تم کو میں نے اس کی اطلاع برہان کے ساتھ دے دی۔

وَإِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ أَمْ بَعِيدٌ مَا تُوعَدُونَ ﴿١٠٩﴾ اور مجھے نہیں معلوم کہ جس چیز (یعنی مسلمانوں کی فتح اور تسلط یا حشر اور عذاب قیامت) سے تم کو ڈرایا جا رہا ہے وہ قریب ہے یا دور۔ یعنی ہو گا ضرور اس کی ہونے میں شک نہیں، لیکن کب ہو گا یہ مجھے معلوم نہیں۔

إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ﴿١١٠﴾ بے شک اللہ کو تمہاری پکار کر کہی ہوئی بات کی بھی خبر ہے اور جو بات تم دل میں چھپائے رکھتے ہو اس کی بھی خبر ہے یعنی علانیہ جو اسلام پر طعن کرتے ہو اللہ اس سے واقف ہے اور مسلمانوں سے دشمنی اور کینہ جو تم دلوں میں چھپائے ہوئے ہو اس کو بھی اللہ جانتا ہے، یقیناً وہ تم کو اس کی سزا دے گا، یہ جملہ معترضہ ہے اس سے نفاق پر زجر اور اخلاص کی ترغیب دینی مقصود ہے۔

Marfat.com

وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۱۱﴾ اور میں نہیں جانتا کہ کیا مصلحت ہے، شاید وہ تاخیر عذاب تمہارے لئے صورۃً امتحان ہو اور ایک وقت یعنی موت تک فائدہ پہنچانا مقصود ہو۔ یعنی باوجود یہ کہ اللہ تمہارے ظاہر وباطن سے واقف ہے پھر بھی تم کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا اس تاخیر کی وجہ مجھے معلوم نہیں شاید یہ تاخیر عذاب تمہارے لئے ڈھیل ہو جو تمہارے لئے مزید فتنہ میں پھنس جانے کی موجب ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ شاید یہ تاخیر عذاب تمہاری آزمائش ہو کہ تم نصیحت اندوز ہوتے ہو یا نہیں۔

وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ کا یہ مطلب ہے کہ تاخیر عذاب اللہ کی طرف سے تھوڑے وقت اور قلیل مدت کے لئے ایک حقیر بہرہ اندوزی اور فائدہ ہے۔ قضاء الٰہی میں پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے کہ تم کو اتنی مدت تک باقی رکھا جائے گا اس لئے فیصلہ شدہ مدت تک تمہاری بقاء ضروری ہے۔

جلال الدین محلی نے لکھا ہے کہ لَعَلَّ اظہار امید کے لئے آتا ہے اور فتنہ سے امید کی وابستگی غیر مناسب ہے اس لئے فتنہ کے مقابل مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ کو ذکر کیا۔

قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ رسول ﷺ نے کہا اے رب میرے اور کفار کے درمیان تو انصاف کا فیصلہ کر دے ظاہر ہے کہ انصاف کا فیصلہ یہی ہو گا کہ کفار کو عذاب میں مبتلا کیا جائے اور مومنوں کو عذاب سے محفوظ رکھا جائے۔

وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اور ہمارا رب بڑا مہربان ہے جس سے ان باتوں کے مقابلے میں مدد کی درخواست کی جاتی ہے جو تم بنایا کرتے ہو۔ ع ۱۹

الرَّحْمٰنُ مخلوق پر بہت رحم کرنے والا۔ صیغہ مبالغہ ہے۔

الْمُسْتَعَانُ وہ ذات جس سے یا جس کی مدد طلب کی جائے۔

عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ یعنی تمہارے جھوٹے غلط بیان کے خلاف کہ فتح کافروں کی ہو گی اور اسلام کا جھنڈا چند ہی روز سر بلند رہے گا پھر گرا دیا جائے گا اور اگر کافروں پر عذاب نازل ہونے کی دھمکیاں سچی ہوتیں تو اب تک عذاب آ گیا ہوتا۔ اللہ نے اپنے رسول کریم کی یہ دعا قبول کر لی، جنگ بدر کے دن کافروں کی کمر توڑ دی اور مسلمانوں کو فتح عنایت فرما دی۔

یا عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ کا یہ مطلب ہے کہ تم جو بیان کرتے ہو کہ اللہ صاحب اولاد اور محمد ﷺ ساحر ہیں اور قرآن مجید ایک طرح کی شاعری ہے وغیرہ۔ ان تمام خرافات کے خلاف ہمارا رب رحمٰن ہمارا مددگار ہے ہم اس سے ہی مدد کے خواستگار ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

الحمد للہ سورۃ انبیاء کی تفسیر ۲۵ / جمادی الثانیہ ۱۲۰۳ھ کو بروز دو شنبہ ختم ہو گئی۔ اس کے بعد انشاء اللہ سورۃ الحج کی تفسیر آئے گی۔ الحمد للہ و شکر لہ تفسیر مظہری سورۃ انبیاء کا ترجمہ بعونہ تعالیٰ ۱۲ / ربیع الاول ۱۴۰۳ھ کو بروز پنج شنبہ ختم ہوا۔

فَالْحَمْدُ لَهٗ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا

Marfat.com

سیرۃ اور سوانح پر دارالاشاعت کراچی کی مطبوعہ مستند کتب

سیرۃ حلبیہ اردو اصل ۶ جلد (کمپیوٹر)	سیرۃ النبی پر نہایت مفصل و مستند تصنیف	امام برہان الدین حلبی
سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، حصص در ۲ جلد	اپنے موضوع پر ایک شاندار علمی تصنیف مستشرقین کے جوابات کے ہمراہ	علامہ شبلی نعمانیؒ / سید سلیمان ندویؒ
رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ۳ حصے یکجا (کمپیوٹر)	عشق میں سرشار ہو کر لکھی جانے والی مستند کتب	قاضی محمد سلیمان منصور پوری
محسن انسانیت اور انسانی حقوق	خطبہ حجۃ الوداع سے استشہاد اور مستشرقین کے اعتراضات کے جواب	ڈاکٹر حافظ محمد ثانی
رسول اکرم کی سیاسی زندگی	دعوت و تبلیغ سے سرشار حضورؐ کی سیاست اور عملی تعلیم	ڈاکٹر محمد حمید اللہ
شمائل ترمذی	حضور اقدسؐ کے شمائل و عادات مبارکہ کی تفصیل پر مستند کتب	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
عہد نبوت کی برگزیدہ خواتین	اس عہد کی برگزیدہ خواتین کے حالات و کارناموں پر مشتمل	احمد خلیل جمعہ
دور تابعین کی نامور خواتین	تابعین کے دور کی خواتین	. . . . .
جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین	اُن خواتین کا تذکرہ جنہوں نے حضورؐ کی زبان مبارک سے خوشخبری پائی	. . . . .
ازواج مطہرات	حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مستند مجموعہ	ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری
ازواج الانبیاء	انبیاء علیہم السلام کی ازواج کے حالات پر پہلی کتاب	احمد خلیل جمعہ
ازواج صحابہ کرام	صحابہ کرامؓ کی ازواج کے حالات و کارنامے۔	عبدالعزیز شناوی
اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	ہر شعبۂ زندگی میں آنحضرتؐ کا اسوۂ حسنہ آسان زبان میں۔	ڈاکٹر عبدالحئی عارفیؒ
اسوۂ صحابہ ۲ جلد کامل یکجا	حضور اکرمؐ سے تعلیم یافتہ حضرات صحابہ کرام کا اسوہ۔	شاہ معین الدین ندوی
اسوۂ صحابیات مع سیر الصحابیات	صحابیات کے حالات اور اسوہ پر ایک شاندار علمی کتاب۔	. . . . .
حیاۃ الصحابہ ۳ جلد کامل	صحابہ کرام کی زندگی کے مستند حالات، مطالعہ کے لئے راہنما کتاب	مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ
طب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات طب پر مبنی کتاب	امام ابن قیمؒ
نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم	. . کے حالات اور عربی قصائد مع تراجم پر مشتمل عشق و طب میں ڈوبی تصنیف	مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ
سیرۃ خاتم الانبیاء	بچوں کے لئے آسان زبان میں مستند سیرت، مدارس میں داخل نصاب	مولانا مفتی محمد شفیعؒ
رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم	مشہور کتاب سیرۃ النبیؐ کے مصنف کی بچوں کے لئے آسان کتاب	سید سلیمان ندویؒ
سیرۃ خلفائے راشدین	مختصر انداز میں ایک جامع کتاب .	مولانا عبدالشکور لکھنویؒ
الفاروق	حضرت عمر فاروقؓ کے حالات اور کارناموں پر محققانہ کتاب	علامہ شبلی نعمانی
حضرت عثمان ذوالنورین	حضرت عثمانؓ	سراج الحق عثمانی

سرور الرسول صلی اللہ علیہ وسلم — مختصر و آسان زبان میں حضرت شاہ ولی اللہ — پیارے نبی کی پیاری صاحبزادیاں — ڈاکٹر حقانی میاں

تاریخ اسلام ۳ حصص در ۲ جلد کامل	آغاز اسلام سے آخری خلیفہ کے زوال تک کی مستند تاریخ	شاہ معین الدین ندویؒ
اخبار الاخیار	ہندو پاک کے مشاہیر صوفیاء کا مستند تذکرہ	شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ
حالات مصنفین درس نظامی	پورا درس نظامی تصنیف کرنے والے ائمہ و علماء کے مستند حالات	مولانا محمد حنیف گنگوہی
نقش حیات	مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی خود نوشت سوانح۔	مولانا حسین احمد مدنیؒ
جہنم کے پروانہ یافتہ	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں پہنچانے والے ملعون کفار کے حالات	احمد خلیل جمعہ

ناشر: دارالاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی ۱ پاکستان، فون و فیکس (۰۲۱) ۲۶۳۱۸۶۱

دیگر اداروں کی کتب دستیاب ہیں، بیرون ملک بھیجنے کا انتظام ہے۔ فہرست کتب مفت ڈاک ٹکٹ بھیج کر طلب فرمائیں

قرآن پاک اور مستند اسلامی و علمی کتابوں کا مرکز

Marfat.com

تفسیر مظہری

جلد ہشتم

سورۃ الحج سے سورۃ الشعراء تک

پارہ ۱۷ رکوع ۸ تا پارہ ۱۹ رکوع ۱۵ تک

تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتیؒ

تشریحی ترجمہ مع ضروری اضافات

مولانا سید عبدالدائم الجلالی

رفیق ندوۃ المصنفین

ناشر

دارالاشاعت

اردو بازار کراچی ۱ ـــــ فون ۲۱۳۷۶۸

Marfat.com

کاپی رائٹ رجسٹریشن نمبر
اس ترجمہ وکمپوزنگ کے حقوق ملکیت پاکستان میں بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں۔

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
طباعت : ۱۹۹۹ء شکیل پریس کراچی۔
ضخامت : صفحات در ۶ جلد

ملنے کے پتے

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 26- نابھہ روڈ لاہور
کشمیر بک ڈپو۔ چوک بازار فیصل آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارۂ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
مکتبہ رحمانیہ ۱۸۔ اردو بازار لاہور

Marfat.com

فہرست مضامین تفسیر مظہری اردو جلد ہشتم

مضمون	صفحہ نمبر
سورۃ الحج	
زلزلۂ ساعت کا بیان	۱۳
حدیث، ابعث بعث النار (اپنی نسل میں سے دوزخ کا حصہ بھیجو) کا مطلب	۱۴
بدر کے حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ کا کافروں سے مقابلہ	۲۴
(دوزخ کے اندر) آگ کا لباس۔	۲۵
فصل: تم ریشم ودیبانہ پہنو، نہ سونے چاندی کے برتن میں کھاؤ۔ اہل جنت کا زیور اور لباس	۲۸
فصل: ریشم پہننے کے بارے میں احادیث	؎
حرم اور حدود حرم کے مسائل	۲۹
مسئلہ: کیا مکہ کی زمین کی فروخت یا ٹھیکہ پر دینا جائز ہے؟ کیا مکہ کی زمین اہل مکہ کی ملک ہے؟	۳۰
مسئلہ: مکہ کے مکانوں کو مکان والوں کی ملک کہنے والوں کی دلیل۔	۳۱
ملک کہنے والوں کے استدلال کا جواب	۳۲
حرم کے اندر بددینی اور الحاد کے متعلق احادیث	۳۳
مجدد الف ثانیؒ کا قول کہ کعبہ خانہ خدا ہے مگر باوجود محسوس اور مرئی ہونے کے اس کا بیت اللہ ہونا بے کیف ہے۔	۳۴
حدیث: لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے حج کرو	۳۵
مسئلہ: کیا پیادہ پا حج افضل ہے	؎
حدیث: من حج للہ تعالیٰ ولم یرفث	؎
مسئلہ: کیا ہدی نفل ونذر کے لئے یوم النحر وایام تشریق کی شرط ہے۔	۳۶
مسئلہ: ہدیٔ نافلہ کا گوشت قربانی پیش کرنے والے کو کھانا جائز ہے۔	؎
بجرم شکار جو قربانی کی ہو یا حج کے دنوں میں کوئی اور جرم کر لیا ہو یا کوئی بگاڑ پیدا کر لیا ہو جس کی وجہ سے قربانی واجب ہو گئی تو اس قربانی کا گوشت قربانی	۳۷

مضمون	صفحہ نمبر
کرنے والے کے لئے کھانا جائز نہیں	
مسئلہ: عام قربانی کا گوشت قربانی کرنے والے کو کھانا جائز ہے۔	۳۷
مسئلہ: تمتع اور قران کی قربانی کے بارے میں اختلاف ہے۔	″
مسئلہ: رمی جمار صاحب قران کی قربانی اور حلق راس اور طواف کرنے میں ترتیب واجب ہے۔	۳۸
ایک شبہ شبہ کا ازالہ	۳۹
سر منڈانا واجبات احرام سے ہے حج کا رکن نہیں	۴۰
سر منڈانے کا ابتدائی وقت کون سا ہے۔	؎
مسئلہ: حلق یا قصر کی واجب مقدار کتنی ہے اس میں آئمہ کا اختلاف ہے۔	۴۱
مسئلہ: منڈانا بال ترشوانے سے افضل ہے	۴۲
نذر ماننے کا بیان۔ نذر کی اقسام	″
ہر قسم کی نذر کے مسائل اور اس کے متعلق احادیث	۴۴
مسئلہ: کیا نذر طاعت کی قضا اور کفارۂ یمین واجب ہے	۴۵
تین باتیں مذاق سے بھی کہی جائیں تو حقیقت ہی مانی جائیں گی۔	″
فصل نذر معصیت اور اس کے احکام واقسام	۴۶
نذر مباح کے احکام و مسائل۔	
توضیح اقوال کے لئے چند احادیث کا بیان۔	۴۷
مسئلہ: نذر مان کر پوری نہ کر سکنے کا بیان	″
نذر طاعت کا بیان	″
مسئلہ: نذر طاعت کو قیود سے مقید کرنے کا بیان۔	۴۹
مسئلہ: بلا قید قیام و قعود نماز پڑھنے کی نذر کا بیان	۵۰
مسئلہ: چت لیٹ کر یا کروٹ سے لیٹ کر نماز پڑھنے کی نذر ماننا۔	″
مسئلہ: کعبہ میں نماز پڑھنے کی نذر ماننے کا بیان	″
گھر کی مسجد یا کعبہ میں یا مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے	۵۱

Marfat.com

مضمون	صفحہ نمبر
کے ثواب کا بیان۔	
مسئلہ: نذر صوم کو بیمار کے تندرست یا مسافر کے واپس آنے سے مشروط کرنے کا بیان	۵۱
مسئلہ: وجوب ادا کی نسبت کسی خاص وقت یا زمانہ کی طرف کر کے نذر ماننے کا بیان۔	″
مسئلہ: پیدل حج کرنے کا بیان	۵۲
مسئلہ: پیدل حج کی نذر کر کے بلا عذر یا عذر سے سوار ہو کر حج کرنے کا بیان۔	۵۳
ایک سوال۔ جواب	۵۴
مسئلہ: پیدل حج کرنے کی نذر کر کے سوار ہو کر حج کرنے پر کیا قربانی واجب ہوگی؟	″
وجوب قربانی کی سند پر شبہ اور اس کا جواب	۵۵
مسئلہ: بیت اللہ یا کعبہ کو پیدل جانے کی نذر اس طرح ماننا کہ اس میں حج یا عمرہ کا ذکر نہ ہو۔	
مسئلہ: کسی طاعت کی اس کے واجبات کو ترک کر کے نذر ماننے کا بیان۔	۵۶
مسئلہ: پیدل حج کی نذر کے خلاف عمل کر کے قربانی کر دی تو کیا کفارہ واجب ہوگا۔	″
مسئلہ: صرف اعتکاف کی نذر ماننے سے کیا روزہ رکھنا بھی واجب ہے (متفرق مسائل)	″
ایک شبہ۔ ازالہ شبہ	۵۷
مسئلہ: رمضان المبارک میں اعتکاف کی نذر مانی تو رمضان میں ہی اعتکاف ضروری ہے۔	۵۹
مسئلہ: اگر مقررہ رمضان میں نذر پوری نہ کی تو دوسرے ایام میں قضا مع روزے کے ضروری ہے	″
ایک شبہ مع ازالہ شبہ	″
مسئلہ: حالت کفر میں نذر ماننے کا ذکر	۶۰
مسئلہ: نذر طاعت ماننے کے بعد ایفائے نذر سے قبل مرتد ہو جانے کا بیان۔	″
ہمیشہ روزہ رکھنے کی نذر ماننے کا بیان	″
دس یا سو حج کرنے کی نذر ماننے کا بیان	۶۱
مسئلہ: کسی نے کہا میں حج کروں گا کیا یہ نذر ہو گئی؟	″
مسئلہ: کسی نے اگر کہا کہ میں بیماری سے شفاء یاب ہو جاؤں تو حج کروں گا یہ نذر ہو گئی۔	″
مسئلہ: کسی نے کہا کہ اگر زید چاہے تو مجھ پر حج واجب ہے پس اگر زید نے کہا میں چاہتا ہوں تو حج نذر واجب ہوگا۔	۶۱ ″
مسئلہ: اپنا تمام مال خیرات کرنے کی نذر ماننے کا بیان	۶۲
مسئلہ: میرا مال غریبوں کیلئے خیرات ہے کہنے کا بیان	″
موجودہ مملوکہ مال اور آئندہ ملک میں آنے والے مال کو خیرات کرنے کی نذر کا بیان۔	″
مسئلہ: اگر کسی نے یوں کہا کہ ایک بکری یا گائے یا اونٹ ذبح کرے گا یا اس کو کسی شرط سے مشروط کر دیا تو کیا حکم ہے۔	″ ″
مسئلہ: بکری کی نذر مان کر اونٹ ذبح کرنے کا بیان	۶۳
مسئلہ: معین بکری کے ذبح کرنے کی نذر کا بیان	″
مسئلہ: کپڑا خیرات کرنے کی نذر کا بیان	″
مسئلہ: متعین جانور کو بیت اللہ یا کعبہ یا مکہ بھیجنے کی نذر ماننے کا بیان۔	″
ایک شبہ اور جواب	″
مسئلہ: کپڑے کو بیت اللہ یا حطیم کا ستر کرنیکی نذر کا بیان	″
مسئلہ: کسی بکری کے بارے میں یوں کہا کہ اگر اس کو خریدوں گا تو کعبہ کو ہدیہ کروں گا کیا یہ نذر ہو گی؟	″
مسئلہ: اپنے آپ کو یا بیٹے کو یا غلام کو ذبح کرنے کی نذر کا بیان۔	۶۴
مسئلہ: کسی کے مال سے جو نفع ہوا اس کے خیرات کرنے کی نذر کا بیان۔	۶۴
مسئلہ: جو کچھ کھاؤں یا جو کچھ پیوں اس کے مقابل خیرات کرنے کا بیان۔	″
مسئلہ: کسی کے آنے والے دن بطور شکرانہ روزہ رکھنے کو لازم کرنے کا بیان۔	″
مسئلہ: بیمار کی نذر کا بیان	″
مسئلہ: کسی سال یا ماہ کی معین تاریخ کو روزہ رکھنے کی نذر کا بیان۔	″
مسئلہ: کسی خاص دن مثلاً پیر یا جمعرات کے روزہ کی نذر ماننا۔	″

Marfat.com

مضمون	صفحہ نمبر
مسئلہ: سال بھر کے روزوں کی نذر ماننا۔	٦٥
مسئلہ: گزرے سال کے روزے کی نذر ماننے کا بیان	″
مسئلہ: نذر کے الفاظ بلا ارادہ زبان پر آجانے کا بیان	″
مسئلہ: سال بھر کے روزوں کی نذر ماننے کا بیان	″
سال بھر کے روزے کی نذر ماننے میں ایام ممنوعہ کے روزے مستثنیٰ ہوں گے۔	″
ایام ممنوعہ میں روزہ رکھنے کی نذر کا بیان	″
طواف کا بیان	٦٦
مسئلہ: طواف قدوم کے احکام واحادیث	″
تنبیہ: طواف کے اقسام شرائط اور ارکان کا بیان (احادیث)	″
مسئلہ: طواف نفل نذر سے واجب ہوتا ہے۔	٦٨
مسئلہ: طواف صدر رکن حج نہیں ہے۔	″
فصل طواف کے شرائط، ارکان وواجبات وسنن کا ذکر	٦٩
ایک سوال۔ جواب	
کسی شخص نے دوسرے کو کندھے پر اٹھالیا اور اسی حالت میں طواف کیا اس کے احکام مختلف ہیں۔	٧٠
مسئلہ: شرائط طواف میں سے حدث اکبر واصغر سے پاک ہونا شرط ہے وغیرہ واحادیث۔	″
مسئلہ: طواف زیارت کی ایک ضروری شرط وقت ہے	٧١
مسئلہ: کیا طواف کی شرائط میں ترتیب بھی ہے	٧٢
طواف کس جگہ کیا جائے	″
فصل: طواف کے سات چکر رکن ضروری ہیں	″
مسئلہ: اگر چار پھیرے طواف کیا تو کیا طواف ہو جائے گا۔	″
مسئلہ: طواف میں حطیم کعبہ کا حکم اور اس کی تحقیق	″
مسئلہ: حطیم کو چھوڑ کر طواف کرنے کا بیان	٧٣
طواف زیارت معذور ہو تو سوار ہو کر جائز ہے۔	″
مسئلہ: بغیر وقفہ کے مسلسل طواف کرنے کا بیان	٧٤
مسئلہ: فرض طواف کو درمیان میں منقطع کرنے کا حکم	″
مسئلہ: نماز فرض کی اقامت ہونے پر طواف نفلی منقطع کرنے کا حکم۔	″
سات چکروں کے بعد نماز نفل دو رکعت پڑھنا واجب ہے۔	٧٥
فصل: آداب طواف یعنی مستحبات کا بیان	″
رکن یمانی کو چھونا مستحب ہے، سنت نہیں	٧٥
طواف قدوم کا طریقہ	″
جھوٹی شہادت شرک کے برابر ہے۔	٧٦
مسئلہ: کیا حرم میں قربانی ہونے والے جانور پر سوار ہونا یا اس کا دودھ دوہنا اور پینا، یا اسی طرح کے دوسرے فائدے حاصل کرنا جائز ہے۔	٧٨
مسئلہ: کیا قربانی کا جانور حرم کے اندر ہر جگہ ذبح کیا جاسکتا ہے؟	٧٩
مسئلہ: اللہ کا ذکر ذبح کے وقت ضروری ہے	٨٠
مسئلہ: اونٹ، گائے، بھینس وغیرہ قربانی کے جانور کو بدنہ بنانا۔	٨١
اونٹ کو نحر کرنے اور دوسرے جانوروں کو ذبح کرنے کے وقت کیا کہا جائے۔	٨١
کفار سے جنگ کرنے کی اجازت کب دی گئی	٨٣
حربی کافروں کی عورتوں کو بوڑھوں کو راہبوں کو اندھوں اور ذمیوں یا مرتد عورت کو قتل کرنا جائز نہیں	٨٤
مسئلہ: اگر کسی مصلحت کی بنا پر حاکم اسلام کسی حربی یا مرتد عورت کو قتل کرنے کا حکم دیدے تو کوئی حرج نہیں۔	٨٦
آیت: فانها لا تعمی الابصار الآیہ میں اندھا ہونے کا مطلب (احادیث)	٨٩
فقراء دولت مندوں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے (حدیث)	٩١
قیامت کا ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہے (احادیث)	″
رسول اللہ ﷺ بشیر بھی تھے اور نذیر بھی، پھر صرف نذیر ہونے کا حکم کیوں دیا گیا۔	″
حدیث: انما مثلی و مثل ما بعثنی اللہ به کمثل رجل اتی قوما الخ	″
اسلام پہلے کے (یعنی حالت کفر کے) جرائم کو ڈھا دیتا ہے۔	″
حدیث: مثلی کمثل رجل استوقد نارا الخ	٩٢
انبیاء اور رسولوں کی تعداد کے متعلق احادیث	٩٣

Marfat.com

مضمون	صفحہ نمبر
ایک قوی شبہ	۹۳
علماء نے مختلف طور پر اس شبہ کا جواب دیا ہے۔	۹۴
جنت میں داخلہ اللہ کے فضل سے ہوگا اعمال جنت میں نہیں لے جائیں گے	۹۷
ہاں اہل جنت کے مراتب کا فرق اعمال کی وجہ سے ہوگا۔ (احادیث)	"
ایک شبہ ۔ جواب شبہ	"
حدیث: ہر آدمی کے تین رجسٹر نکالے جائیں گے	۱۰۵
حدیث: ایک نبی کے پاس وحی آئی کہ اپنی امت کے اطاعت گزار بندوں سے کہو کہ اپنے اعمال پر یقین اور بھروسہ نہ کریں اور نراس بھی نہ ہو جائیں۔	"
سورۂ حج کے دوسرے سجدے کے متعلق روایات	۱۰۶
دکھاوٹ اور شہرت طلبی کے متعلق احادیث	۱۰۷
فائدہ	۱۰۸
اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو اور آپ کے صحابہؓ کو چن لیا تھا (برگزیدہ کر لیا تھا)	"
احکام شرعیہ کی پابندی سے کوئی تکلیف ان حضرات کو نہ ہوتی تھی برگزیدہ ہونے کی یہ ایک خاص نشانی تھی۔	"
حدیث: تمام لوگ قریش کے تابع ہیں	۱۰۹
حدیث: میں تمہارے لئے باپ کی طرح ہوں۔	"
آیت و حدیث: امت محمدیہ قیامت کے دن لوگوں پر شہادت دے گی۔	۱۱۰
قرآن اور حدیث کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہنے اور بدعت سے بچنے کا حکم۔	"
سورۃ المومنون	
حدیث: جنت نے کہا قد افلح المومنون الخاشعون سے کون لوگ مراد ہیں؟	۱۱۳
نماز میں خشوع کرنے اور سجدہ گاہ پر نظر رکھنے اور اوپر نہ دیکھنے کا بیان	۱۱۵
فصل: حضرت انس کی حدیث سجدہ میں نظر سجدہ کرنے کے مقام پر رکھا کرو۔	
عورتوں سے متعہ کرنے کا بیان	۱۱۷
حدیث: قیامت کے دن سب سے پہلے بندہ سے کس چیز کا حساب ہوگا۔	"

مضمون	صفحہ نمبر
حدیث: اول نماز، اگر فرض میں کچھ نقصان اور کمی	۱۱۷
ہو جائے تو نوافل سے اس کی تکمیل ہو جاتی ہے۔	"
حدیث: زکوٰۃ کا بھی یہی حکم ہے	"
حدیث: ہر آدمی کا ایک گھر جنت کے اندر اور ایک گھر دوزخ کے اندر ہوتا ہے جو دوزخی ہوگا اس کا جنت والا گھر اہل جنت کو دیدیا جائے گا۔	"
حدیث: جو وارث کو میراث دینے سے بھاگتا ہے اللہ جنت کے اندر اس کا میراثی حصہ ختم کر دیتا ہے،	
نفخ روح کیا ہے؟	۱۱۹
حدیث: ہر شخص کا مادۂ تخلیق ماں کے پیٹ میں چالیس روز بصورت نطفہ جمع رہتا ہے الحدیث	"
ایک سوال اور جواب	"
مسئلہ: انڈا غصب کرنے کے بعد بچہ نکل آئے اور پھر بچہ مر جائے تو کیا ضمان واجب ہوگا۔	۱۲۰
معتزلہ کا قول خلق افعال کے بارے میں	۱۲۱
معتزلہ کا جواب	"
حدیث: اللہ نے جنت سے پانچ دریا نازل فرمائے،	۱۲۳
سیحون، جیحون وغیرہ الحدیث۔	۱۲۵
بعثت نوحؑ کا ذکر	۱۳۰
حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارون علیہما السلام کی بعثت کا ذکر	۱۴۰
ایک شبہ اور اس کا جواب	
ایک شبہ ۔ حدیث: کوئی نسبی اور خسرالی رشتہ کام نہیں آئے گا سوائے میرے نسبی اور خسرالی رشتے کے	۱۴۷
آیت: فلا انساب بینهم ولا یتساء لون اور دوسری جگہ آیا ہے واقبل بعضهم علی بعض یتساء لون دونوں میں تعارض کا شبہ اور اس کا جواب	"
میزان کیا ہے؟ اس کے متعلق آیات و احادیث	
فصل: وزن کشی کی کیفیت کا بیان	۱۴۸
حدیث: دوزخیوں کی پانچ پکاریں ہوں گی الحدیث۔	۱۵۱
سورۂ نور	
حد شرعی میں سزائے تازیانہ میں ایسا کوڑا استعمال کیا	۱۵۵
جائے جس کی گھنڈی نہ ہو اور درمیانہ سائز ہو۔	"

Marfat.com

مضمون	صفحہ نمبر
زنا کی سزا ۱۔ تازیانہ ۲ جلاوطن کرنا اور ۳ سنگسار کردینا۔	۱۵۶
سنگسار کرنے کیلئے زانی کے کنوارے نہ ہونے کی شرط وغیرہ	
ایک شبہ: آیت متواتر قطعی ہے اور اس کا مرادی معنی ظنی ہے الخ۔	۱۵۸
ازالہ شبہ	۱۵۹
فائدہ شوافع کے نزدیک حدیث تغریب کی ترجیح کیلئے توجیہ۔	〃
خلیفہ کے لئے زانی کو شہر بدر کردینا جائز ہے بلکہ ہر حاکم مصلحت عامہ کے پیش نظر کسی کو جلاوطن کرسکتا ہے۔	〃
قید کردینا بھی جلاوطنی کی ایک صورت ہے اسی سے مشائخ طریقت نے نفس کی قوت کو توڑنے کے لئے خانہ بدوشی کو جائز قرار دیا ہے۔	۱۶۰
مسئلہ: زانی اور زانیہ شادی شدہ ہوں تو سنگسار کرنا صحابہ کے نزدیک متفق علیہ علماء کا اس پر اجماع ہے۔	〃
مسئلہ: کیا شادی شدہ زانی کو سزائے تازیانہ بھی دی جائے گی مسئلہ میں اختلاف ہے۔	۱۶۲
مسئلہ: زانی وزانیہ میں ایک شادی شدہ ہو اور دوسرا غیر شادی شدہ ہو تو شادی شدہ کو سنگسار اور غیر شادی شدہ کو کوڑے لگائے جائیں گے۔	〃
آیت کا حکم منسوخ ہے، ناکتخدا کے ساتھ اس کی خصوصیت ہے یا شادی شدہ کے حق میں منسوخ ہے؟	〃
فائدہ احصان کے معنی	۱۶۳
مسئلہ: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک رجم کے لئے محصن کی شرط	۱۶۵
مسئلہ: محصن اور غیر محصن زانی و زانیہ کی سزا کے بارے میں علماء کا اتفاق۔	۱۶۶
مسئلہ: زانی وزانیہ میں ایک پاگل ہو تو اس صورت میں حد شرعی قائم کرنے میں اختلاف ہے۔	
فصل: زنا کیا ہے؟	〃
ملکیت کا اگر شبہ ہو تو کیا زنا کا حکم جاری ہوگا؟	〃
فرقہ مظاہریہ کا اختلاف	۱۶۷
مسئلہ: شبہ دو طرح کا ہوتا ہے ۱شبہ اشتباہ ۲ شبہ ملکیت	〃
مسئلہ: محرم عورت سے نکاح کرکے صحبت کرلینے کا حکم	۱۶۸
مسئلہ: اجرت ٹھہرا کر زنا کرنے کی صورت میں امام صاحب کے نزدیک حد جاری نہ ہوگی	۱۷۰
مسئلہ: زنا کے ثبوت کیلئے شہادت شرعی یا اقرار ضروری ہے چار مردوں کی شہادت پر اتفاق ہے۔	〃
مسئلہ: اگر چار مردوں نے شہادت متعدد اوقات یا متعدد مجالس میں دی تو علماء کا اس میں اختلاف ہے۔	〃
مسئلہ: کیا اقرار کی صورت میں تعداد اقراری ضروری ہے۔	〃
مسئلہ: کیا حاکم کیلئے مناسب ہے کہ اقرار سے لوٹ جانے کی تلقین کرے۔	۱۷۲
اقرار زنا کے بعد اقرار سے لوٹ جانا حد زنا کو ساقط کردیتا ہے۔	〃
فصل: مسئلہ: بیمار زانی پر حد زنا کب جاری کی جائے	〃
مسئلہ: بیمار عورت پر حد کیسے جاری کی جائے	۱۷۳
مسئلہ: کیا آقا اپنے غلام پر حد جاری کرسکتا ہے؟	〃
آیت فاجلدوا میں خطاب حاکم کو ہے؟ کیا حدود میں رعایت جائز نہیں؟	〃
اجرائے حدود کے موقعہ پر مسلمانوں کی ایک جماعت کے موجود ہونے کا حکم	۱۷۵
زانی اور زانیہ سے نکاح کرنے کے احکام	۱۷۶
فائدہ: حدیث میں بیوی کے بارے میں یہ شکایت کہ وہ کسی چھونے والے کو نہیں دفع کرتی کا مطلب تہمت زنا لگانے کے متعلق مسائل۔	۱۷۸
احصان (محصن) ہونے کے معنی	۱۷۹
حد قذف جاری کرنے کے مسائل	۱۸۰
ایک شبہ: لاتقبلوا لھم شھادۃ ابدا آیہ کا کیا معنی ہے؟	〃
ازالۂ شبہ	۱۸۱
ایک شبہ: واؤ عطف سابق کلام کو لاحق کلام سے ملانے کیلئے آتا ہے تو کیا سابق کے تمام جملوں کا استثناء میں اشتراک ہونا چاہئے۔	۱۸۲
فائدہ: حد قذف سے اللہ تعالیٰ کے حق کا بھی تعلق ہے علماء کا اس پر اتفاق ہے۔	۱۸۳

Marfat.com

مضمون	صفحہ نمبر
لعان کے مسائل	۱۸۴
مسئلہ : چونکہ آیت والذین یرمون ازواجھم الآیہ عام ہے اسلئے تین اماموں کے نزدیک میاں بیوی میں طلاق ہو سکتی ہو تو لعان کا حکم بھی جاری ہوگا مگر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دو شرطوں کے بغیر لعان کا حکم جاری نہ ہوگا۔	۱۸۸
مسئلہ : اگر کوئی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے یا حمل سے انکار کرے تو دونوں میں لعان ہو تو کیا حکم ہے ؟	۱۹۰
مسئلہ : اگر عورت خاوند کی تہمت کی تصدیق کر دے تو کیا حکم ہے ؟	۱۹۲
ایک شبہ، شوہر کی چار شہادتیں چار مرد گواہوں کی شہادت کے قائم مقام ہونے کے معنی۔ ازالہ شبہ	؍
مسئلہ : کیا مرد کے لعان کرتے ہی زوجین میں فرقت ہو جاتی ہے ؟ آئمہ کا اختلاف ہے۔	۱۹۳
مسئلہ : اگر لعان کے بعد شوہر اپنی تکذیب کرے تو کیا دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔	۱۹۵
قاضی لعان کے بعد اس بچہ کا نسب لعان کرنے والے سے نہیں جوڑے گا۔	۱۹۶
اگر مرد نے عورت سے کہا تیرا یہ حمل مجھ سے نہیں تو اس کا حکم	
مسئلہ : اگر شوہر کہے کہ تیرا یہ حمل زنا کا ہے تو باتفاق لعان ہوگا، اگر بچہ پیدا ہونے کے بعد شوہر انکار کرے تو اس کا حکم۔	۱۹۸
مسئلہ : پیدائش کے وقت مرد کہیں غائب تھا واپس آکر انکار کیا تو اس کی مدت اور احکام کیا ہیں ؟	؍
مسئلہ : شوہر کو اپنی بیوی کے زنا کرنے کا یقین ہو تو اس کا کیا حکم ہے ؟	۱۹۹
مسئلہ : باپ ہونے سے انکار کرنا کن حالات میں حرام ہے ؟ قصۂ افک	؍
واقعہ افک میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان	؍
حدیث : مسلمانوں کے متعلق حسن ظن رکھنا چاہئے کونسی چیز دخول جنت کی موجب ہے ابواب خیر کونسے ہیں۔	۲۰۴

مضمون	صفحہ نمبر
امر (دین) کی چوٹی اور ستون کیا ہے ؟ ان تمام امور کا مدار زبان کو روک رکھنے پر ہے	۲۰۶
حدیث : برابر کا بدلہ لینے والے کو صلہ رحم کرنے والا نہیں کہا جا سکتا۔	۲۰۹
حدیث : قیامت کے روز اعضائے جسم شہادت دیں گے	۲۱۰
ایک شبہ : فرمان الٰہی کہ زبان شہادت دیگی، اور کہ ہم نے ان کے منہ پر مہر لگادی بظاہر، دونوں میں اختلاف ہے۔	۲۱۱
ازالۂ شبہ	؍
حدیث : حضرت عائشہؓ چند ایسی باتوں پر ناز کرتی تھیں جو کسی دوسری عورت کو نہیں دی گئیں۔	۲۱۲
حدیث : اللہ کا حکم نہیں کہ اہل جنت یعنی مسلمانوں کے سوا میں کسی سے نکاح کروں یا کراؤں۔	؍
حضرت عائشہؓ کے فضائل	۲۱۳
کسی کے گھر اجازت لیکر جانے کا حکم اور سلام کرنا	۲۱۴
اگر کسی کو بلوایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ آجائے تو داخلہ کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔	
طلب اجازت کے بعد داخلہ کی اجازت نہ ملے تو واپس جانا چاہئے۔	۲۱۵
اجازت لینے کی بجائے صاحب خانہ کے باہر آنے کا انتظار کرنا ہے۔	۲۱۷
مسئلہ : اگر دروازہ پر پردہ نہ ہو تو سامنے کھڑا نہیں ہونا چاہئے۔	؍
نیچی نظر رکھنا۔ ستر عورت	۲۱۸
کیا غیر مرد کو عورت دیکھ سکتی ہے ؟	۲۱۹
مرد مرد کے عورت عورت کے کونسے حصے بدن کے دیکھ سکتے ہیں۔	؍
ناف کے نیچے سے زانو تک نہ عورت عورت کو دیکھ سکتی ہے اور نہ مرد مرد کو۔	؍
ماظہر منہا سے کیا مراد ہے ؟	۲۲۰
حرہ عورت کا کونسا حصہ واجب الستر ہے ؟ اور اجنبی شخص اجنبی عورت کے کس حصہ کو دیکھ سکتا ہے ؟ اور کیسے ؟	؍

Marfat.com

مضمون	صفحہ نمبر
آیت قل للمومنات یغضضن الخ یہ حکم بالاجماع آزاد عورتوں کے لئے ہے۔	٢٢٠
باندی کا کونسا حصۂ جسم ستر ہے	٢٢٢
اپنی بیوی کی شرمگاہ کو دیکھنا مکروہ ہے؟	٢٢٣
عورت اپنے محرم کے سامنے اپنے بدن کا کون سا حصہ کھول سکتی ہے اور پر د محرم عورتوں کے کس حصۂ بدن کو دیکھ یا چھو سکتا ہے بشرطیکہ جذبۂ شہوت نہ ہو۔	〃
کیا کافر عورتوں کے سامنے مومن عورتیں بے پردہ ہو سکتی ہیں؟	٢٢٤
کیا غلام اپنی آقا عورت کا محرم ہے؟	〃
مفقود الشہوت لوگ یعنی بوڑھے اور فطری نامرد کیا اجنبی عورت ان کے سامنے بے پردہ ہو سکتی ہے؟	〃
مسئلہ: خصی اور مقطوع الذکر نر کے حکم میں ہے	٢٢٥
بچوں کے سامنے عورتیں کونسا حصۂ بدن کھول سکتی ہیں اور عورت کے کس حصۂ بدن کو بچے دیکھ سکتے ہیں؟	٢٢٦
عورت کی آواز بھی عورت ہے	٢٢٧
عورت جہری قرأت سے اگر نماز پڑھے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔	
ہر آدمی خطاکار ہے اور سب سے اچھا خطاکار وہ ہے جو توبہ کر لے استغفار اور توبہ کی احادیث۔	〃
مسئلہ: بعض حالتوں میں نکاح فرض یا واجب اور بعض میں حرام یا مکروہ ہے اور اکثر حالات میں سنت ہے	٢٢٨
نکاح کے مسائل میں آئمہ کا اختلاف	٢٢٩
فریقین کے اختلاف کا خلاصہ	〃
تحقیق موضوع: توجہ الی اللہ میں خلل ہو تو نکاح نہ کرے اور کامل توجہ الی اللہ میں خلل نہ ہو تو نکاح افضل ہے۔	٢٣٠
ایک شبہ: النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی الخ سے معلوم ہوا کہ نکاح سنت ہدی ہے۔	٢٣١
جواب شبہ	〃
حضور ﷺ کا فرمان کہ دنیا کی تین چیزیں مجھے محبوب ہیں الخ پر ایک شبہ اور اس کا جواب	٢٣٢
اگر نیت اچھی ہو تو نکاح عبادت ہو جاتا ہے بلکہ کھانا	〃

مضمون	صفحہ نمبر
پینا اور دیگر جائز معاملات بھی عبادت بلکہ فرض ہو جاتے ہیں۔	٢٣٣
فائدہ: غلام آقا سے نکاح کی درخواست کرے تو آقا کو نکاح کرا دینا چاہئے۔	
حدیث: تزوجوا فانهن یاتین بالمال کی تشریح	٢٣٤
حدیث: نکاح کے ذریعے رزق طلب کرو کا مطلب	〃
جو نکاح کی مالی طاقت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے	٢٣٥
غلام کو مکاتب بنانے کے مسائل	〃
بدل کتابت کے بارے امام صاحب اور دوسرے آئمہ کے اقوال	٢٣٦
کیا عقد کتابت کے بعد غلام پر آقا کا قبضہ رہتا ہے؟ مسئلہ	〃
مسئلہ: عقد کتابت کے بعد آقا غلام کو آزاد کر سکتا ہے؟	〃
مسئلہ: عقد کتابت کے بعد کیا آقا غلام کو فروخت کر سکتا ہے؟ آئمہ کے مسلک اور دلائل	〃
مسئلہ: پورا بدل کتابت ادا کرنے کے بعد ہی مکاتب آزاد ہوتا ہے۔	٢٣٧
مسئلہ: اگر مکاتب قسط مقررہ وقت پر ادا نہ کر سکے تو حاکم معاملہ پر غور کرے۔	٢٣٨
مسئلہ: مکاتب نے زکوٰۃ کا مال لے کر بدل کتابت کا ایک حصہ ادا کر دیا بعد میں عاجز عن الادا ہوا تو اس کا حکم	〃
مسئلہ: مقررہ معاوضہ ادا کرنے سے پہلے اگر مکاتب مر جائے تو اس کی موت غلامی کی موت ہوگی۔	〃
مسئلہ: نکمے اور کمائی نہ کرنے والے غلام کو مکاتب بنانا بلا کراہت درست ہے۔	٢٣٩
مسئلہ: نکمی غیر ہنر مند کمائی کے ناقابل باندی کو مکاتبہ بنانا بالاتفاق مکروہ ہے۔	〃
ایک شبہ جس باندی کو زنا پر مجبور کیا گیا وہ گناہ گار نہیں، پھر مغفرت کی کیا ضرورت؟ جواب شبہ	٢٤١
اللہ نور السموت والارض الآیہ کی تفسیر	٢٤٢
ایک شبہ ازالہ شبہ	٢٤٤
زینت سے کیا مراد ہے۔	〃
	〃

Marfat.com

مضمون	صفحہ نمبر
فصل: نبوت سے پہلے کے معجزات کا بیان	۲۴۵
آیۃ النور کی تفسیر پہلی ولادت کے اعتبار سے خاص ہدایت	۲۵۲
آیت نور کی تفصیل دوسری ولادت یعنی بقاء بعد الفناء	۲۵۳
حدیث نماز مومن کی معراج ہے	۲۵۶
ہدایت محض عطیۂ الٰہی ہے صغریٰ کبریٰ کے علم کے بعد بھی نتیجہ کا علم محض مذہبی ہوتا ہے۔	۲۶۰
حدیث: آدمی دہر کو گالی دے کر اللہ تعالیٰ کو دکھ دیتا ہے۔	
خلفائے راشدین کی خلافت پر استدلال	۲۶۷
خلافت تیس سال رہے گی، اگر تیری زندگی کچھ اور رہی تو تو دیکھ لے گا کہ عورت تنہا حیرہ سے چل کر کعبہ کا طواف بلا کسی خوف وخطر کے کرے گی۔	″
کسریٰ بن ہرمز کے خزانے تم لوگ فتح کروگے۔	″
آیت من کفر بعد ذلک میں حضرت عثمان کے قاتلوں اور یزید بن معاویہ کی طرف اشارہ ہے۔	۲۶۸
مسئلہ: باشعور لڑکوں اور غلاموں کو مردوں کے پاس تین اوقات میں اجازت لے کر آنا چاہئے باندیاں بھی ان اوقات میں عورتوں کے پاس آئیں تو اجازت لے کر آئیں۔	۲۶۹
مسئلہ: کوئی مرد اپنی محرم عورتوں کے پاس آئے تو اجازت لے۔	۲۷۱
مسئلہ: بوڑھی عورتیں پردہ سے مستثنیٰ ہیں لیکن پردہ بہتر ہے۔	۲۷۲
مسئلہ: اگر کسی عزیز قریب یا دوست کے گھر میں داخل ہو اور بلا اجازت کھا پی لے تو جائز ہے۔	۲۷۴
نابینا اور لنگڑے کے ساتھ کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں اگر ساتھ کھانے میں کوئی اذیت محسوس نہ ہو۔	۲۷۵
مسئلہ: قریبی محرم رشتہ دار کے گھر کے اندر سے کچھ چوری کر لیا تو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہوگی۔	″
دوست کے گھر سے اگر اس کا یا کسی غیر کا کچھ مال چرا لیا	″
قریبی محرم کا مال کسی غیر کے گھر سے چرایا تو قطع ید ہوگا	
ایک شبہ، ازالہ شبہ	
اپنے یا کسی غیر کے گھر میں داخل ہو تو سلام کرے حدیث۔	۲۷۶
کھانا کھلانے، سلام (کارواج) پھیلانے بیمار کی عیادت کرنے اور جنازہ میں شریک ہونے کا حکم حدیث	۲۷۷
اگر کسی امر پر تمام مسلمان امام (حاکم) کے ساتھ متفق ہو جائیں تو پھر امام کی مخالفت نہ کریں نہ ساتھ چھوڑیں اور جب تک امام اجازت نہ دے ساتھ نہ چھوڑیں۔	۲۷۹
ہاں اگر بیماری وغیرہ کوئی شرعی رکاوٹ ہو تو ساتھ چھوڑ کر چلا آنا مجبوری جائز ہے۔	″
اجازت طلب کرنے پر اگر امام چاہے تو اجازت دیدے	″
مسئلہ: مطلق امر کا صیغہ (یعنی کسی قرینہ مانعہ کے بغیر) وجوب کے لئے ہوتا ہے)	۲۸۱
سورۃ الفرقان	
انیسواں پارہ	
مسائل پانی کس چیز سے نجس ہوتا ہے اور کس چیز سے نجس نہیں ہوتا، ماء مستعمل کا بیان	۳۰۸
ایک شبہ، ازالہ شبہ	″
ایک اور شبہ اور اس کا ازالہ	۳۰۹
ایک سوال اور اس کا جواب	
دوسرا شبہ حدیث میں قلتین کا لفظ مشکوک ہے اس کا جواب	۳۱۰
مزید شبہ اگر قلہ کا لفظ مشترک ہے گھڑا مشک ڈول وغیرہ پر تو قلہ کے معنی کا تعین کیسے ہو۔	۳۱۱
ایک قوی معارضہ حدیث قلتین پر اور اس کا جواب	″
مسئلہ: وضو اور غسل پانی کے علاوہ کسی اور سیال چیز سے بالاتفاق ناجائز ہے۔	۳۱۲
مسئلہ: پانی میں نجاست پڑے یا نجاست پانی پر پڑے پانی ناپاک ہو جائے گا۔ وجہ اور دلیل	″
مسئلہ: ازالۂ حدث کے لئے پانی کا استعمال کیا گیا ہو یا صرف حصول ثواب کے لئے وضو کیا گیا ہو ایسا مستعمل پانی جمہور کے نزدیک پاک ہے۔	۳۱۴
مسئلہ: ازالۂ حدث یا حصول ثواب کی خاطر جس پانی کو (غسل یا وضو کی شکل میں) استعمال کیا گیا ہو کیا اس سے نجاست حقیقیہ کو دور کیا جا سکتا ہے؟	۳۱۵

Marfat.com

مضمون	صفحہ نمبر
مطلق پانی اور مستعمل پانی میں فرق اور اس کے احکام پر تفصیلی بحث	۳۱۶
مسئلہ: پانی میں کوئی پاک چیز گر جائے اور پانی کے اوصاف ثلثہ باقی رہیں تو کیا حکم ہے۔	؍
مسئلہ: آیت قل ماا سئلکم علیه من اجر سے استنباط کیا گیا کہ طاعت پر اجر لینا جائز ہے۔	۳۲۰
قیام شب کی فضیلت۔ حدیث	۳۲۲
خوف اور امید۔ حدیث	
کون سا گناہ سب سے بڑا ہے حدیث غی واثام کا بیان حدیث	۳۲۵
ایک شبہ، ازالۂ شبہ، مزید شبہ، ازالہ	۳۲۶
گناہ بدل کر نیکیاں بن جائیں گے قرآن مجید و حدیث	
ایک شبہ، ازالۂ شبہ	۳۲۷
جھوٹی گواہی کا بیان قرآن	۳۳۰
جھوٹی شہادت پر تعزیر	؍
جنت کے بالاخانے اور ان کے اندر رہنے والے	۳۳۳
سورۃ الشعراء	
ایک شبہ، ازالہ شبہ	۳۳۸
حضرت موسیٰ کو قوم فرعون کی ہدایت کے لئے حکم	۳۴۰
حضرت موسیٰ کی حضرت ہارونؑ کو تبلیغ و رسالت میں قوت بازو بنانے کی درخواست، حضرت موسیٰ کو قبطی کے قتل کے جرم میں اپنے قتل کئے جانے کا خطرہ	
فاخاف ان یقتلون اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہ فرعون ایسا نہیں کر سکے گا۔	۳۴۱
حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم۔ الآیہ	؍
حضرت موسیٰ کا فرعون سے مکالمہ	۳۴۲
فرعون کی دھمکی دینے پر حضرت موسیٰ کا معجزہ پیش کرنے کی پیش کش اور فرعون کا معجزہ طلب کرنا۔ الآیہ	۳۴۵
فرعون کا حضرت موسیٰ کے مقابلے کیلئے جادوگروں کو جمع کرنا جادوگروں کا ایمان لانا اور اعتراف شکست، جادو کی حقیقت	۳۴۶
حضرت موسیٰ کو مصر سے اپنی قوم سمیت نکل جانے کا حکم	۳۴۷

مضمون	صفحہ نمبر
فرعون کا شہروں سے لشکر جمع کرنے کا حکم	۳۴۸
حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کا تعاقب	۳۴۹
فرعون تعاقب کرتے ہوئے معہ اپنے لشکر کے غرق ہو گیا۔	؍
حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ اپنے باپ و قوم سے خطاب اور دعوت توحید۔	۳۵۰
خطیئتی یوم الدین الآیہ میں خطا کا معنی	۳۵۱
حضرت ابراہیمؑ کی دعا اپنے باپ کے لئے اور برأت	۳۵۳
قلب سلیم کا مطلب	۳۵۴
جنت جنتیوں کے قریب اور دوزخ دوزخیوں کے سامنے کر دی جائے گی۔	؍
دوزخیوں کو اوندھے منہ دوزخ میں پھینکا جائے گا۔	۳۵۵
حضرت نوحؑ کی قوم نے اپنے انبیاء کی تکذیب کی۔	۳۵۶
مسئلہ: طاعت کی اجرت لینا جائز نہیں	۳۵۹
ضرورت سے زائد تعمیر مکان کیلئے روپیہ خرچ کرنا جائز نہیں (حدیث)	؍
حضرت مصنف کی رائے	؍
مسئلہ: لمبی لمبی آرزوئیں کرنا مکروہ ہے اور آرزو کی کمی مستحب ہے۔	۳۶۰
حضرت صالحؑ کی دعوت و تبلیغ اور قوم ثمود کا انکار	۳۶۱
اونٹنی کا بطور معجزہ پتھر سے برآمد ہونا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر ہلاک کرنے پر قوم ثمود پر عذاب	۳۶۲
حضرت لوطؑ کا ذکر اور ان کی دعوت تبلیغ اور قوم کی تباہی	۳۶۳
حضرت شعیبؑ کی دعوت اصحاب الایکہ کو	۳۶۵
اصحاب الایکہ کی سرکشی اور طلب عذاب	۳۶۶
کیا قرآن صرف معانی کا نام ہے	
امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف نماز کی قرأت فارسی میں کرنا جائز ہے فتویٰ عدم جواز پر ہے۔	۳۶۷
مسئلہ: قرآن کے ترجمہ کو اجنبی آدمی پڑھ سکتا ہے اور چھو بھی سکتا ہے۔	؍
علماء بنی اسرائیل سے کون لوگ مراد ہیں۔	۳۶۷
حضور ﷺ نے تبلیغ کی ابتداء اپنے گھر والوں سے کی	۳۷۰
وانذر عشیرتک الاقربین	؍

Marfat.com

مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
اہل جنت تین ہیں اور اہل دوزخ پانچ، تقلبک فی الساجدین کا مطلب صحابہ اور اہل علم کے اقوال	۳۷۱-۳۷۲		
رسول اللہ ﷺ کے باپ دادا اور ماں نانی یعنی سارے اصول مومن تھے۔	۳۷۳		
شیاطین چوری چھپے فرشتوں کی گفتگو کا کچھ حصہ سن کر بھاگتے ہیں۔	//		
کاہنوں کے بارے میں حضورؐ سے سوال حدیث عائشہؓ	۳۷۴		
حضرت عائشہؓ کی دوسری حدیث			
شعراء کا راستہ بے راہ رو لوگوں کا راستہ ہے۔ قرآن	۳۷۵		
با مقصد اور اسلام کے دفاع کے لئے شاعری جہاد ہے	۳۷۶		
فائدہ اگر شاعری جھوٹ اور ناجائز باتوں سے پاک ہو یا	۳۷۸		
شعر میں اللہ کا ذکر ہو تو شاعری جائز ہے (احادیث)	//		
حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ایک وصیت	۳۷۹		
تمت			

Marfat.com

سترھواں پارہ شروع

سورۃ الحج

اس سورۃ کی ۷۸ آیات ہیں، زیادہ آیت مکی ہیں بعض مدنی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اے لوگو اپنے رب (کے عذاب) سے ڈرتے رہو یعنی اس کی فرماں برداری اور اطاعت کرو۔

اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۞ بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی ہولناک چیز ہے۔ قیامت کا زلزلہ یعنی قیامت میں یا قیامت کے لئے ساری چیزوں کا ہل جانا جھنجھوڑا جانا۔

اوپر کی آیت میں عذاب سے ڈرنے کا حکم دیا گیا تھا اس آیت میں اس کی علت بیان کردی مطلب یہ کہ قیامت کے بھونچال کا تصور کرو۔ اس کی ہولناکیوں پر غور کرو اور سمجھ لو کہ اس سے محفوظ رکھنے والا سوائے تقویٰ اور اللہ کی فرماں برداری کے اور کوئی نہیں اسلئے تقوی اختیار کرو اور اللہ کے احکام پر چلو۔

علقمہ اور شعبی کے نزدیک یہ زلزلہ قیامت سے پہلے آئے گا اور قیامت کی خصوصی نشانی ہوگا۔ جلال الدین محلی نے لکھا ہے کہ مغرب سے آفتاب کے طلوع کرنے سے پہلے یہ زلزلہ آئے گا۔ ابن عربی اور قرطبی نے اسی قول کو پسند کیا ہے کیونکہ آئندہ آیات سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا

جس روز تم اس کو دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی عورت (زلزلہ کی دہشت کی وجہ سے) اس بچے سے غافل ہو جائے گی جس کو دودھ پلا رہی ہوگی اور ہر حمل والی عورت اپنا حمل ساقط کردے گی۔

مرضعۃ وہ عورت جو دودھ پلا رہی ہو، مرضع وہ جو دودھ پلاتی ہو خواہ اس وقت نہ پلا رہی ہو۔ دودھ پلانے کی صفت اس کے اندر موجود ہو۔ جیسے حائض اور حامل ہر حیض والی اور حمل والی عورت خواہ اس وقت اس کو حیض نہ آرہا ہو اور حمل نہ ہو۔ (اور حائضہ وحاملہ وہ عورت جس کو حیض آرہا ہو اور حمل موجود ہو) یعنی زلزلہ کی دہشت کی وجہ سے ہر وہ عورت جو بچہ کو دودھ پلا رہی ہوگی اپنے بچے کو دودھ پلانا چھوڑ دے گی۔

حسن نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا کہ مرضعۃ اپنے شیر خوار بچے کے دودھ چھڑانے سے غافل ہو جائے گی اور

Marfat.com

حاملہ کو ناقص اسقاط ہو جائے گا۔

وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝ اور (اے مخاطب) تجھ کو لوگ نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز۔

اس آیت کی تفسیر میں حسن نے کہا خوف کی وجہ سے تم کو لوگ سکر کی حالت میں نظر آئیں گے وہ شراب کا نشہ نہ ہوگا بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہوگا جس کی وجہ سے لوگوں کی یہ حالت ہوگی۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ تردن بصیغۂ جمع اور تری بصیغہ واحد اس لئے ذکر کیا کہ ساعت یعنی قیامت کو دیکھنے والے تو سب ہی ہوں گے سب ہی قیامت کو دیکھیں گے اور سکر کی حالت میں ہر شخص دوسرے کو دیکھے گا (اپنی حالت سکر اس کو دکھائی نہ دے گی) عذاب کا ہول، ہوش پراگندہ کردے گا، اوسان خطا ہو جائیں گے۔ جو لوگ زلزلۂ قیامت کو علامات قیامت میں سے کہتے ہیں اور قیامت سے قبل اس کا وقوع مانتے ہیں وہ اپنے قول کے ثبوت کے لئے ان آیات کو پیش کرتے ہیں ان آیات میں ہر مرضعہ کا اپنے شیر خوار بچے سے غافل ہو جانا اور حاملہ کا حمل ساقط ہو جانا اور ہر شخص کا نشہ کی حالت میں دکھائی دینا بیان کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ زلزلہ کا واقعہ قیامت کے وقوع سے پہلے ہوگا مردوں کے جی اٹھنے کے بعد تو نہ کوئی دودھ پلانے والی ہوگی نہ دودھ پینے والا بچہ نہ کوئی حاملہ نہ اس کا حمل حضرت مفسر نے اس استدلال کی تردید میں فرمایا کہ۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا میں خطاب عام قرار دیا جائے یا خاص اس وقت میں موجود لوگوں کے لئے بہرحال تقویٰ کی علت زلزلۂ ساعت کی ہولناکی اور شدت کو قرار دینا صحیح نہ ہوگا کیونکہ زلزلہ کی دہشت تو انہیں لوگوں پر ہوگی جو زلزلہ کے وقت موجود ہوں، انہیں کو ڈرانا اور اللہ کی فرماں برداری کا حکم دینا صحیح ہوگا۔ جو لوگ زلزلہ سے پہلے گزر گئے خواہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں خطاب کے وقت موجود تھے یا آئندہ پیدا ہونے والے تھے کوئی فریق بھی زلزلہ سے دہشت زدہ نہیں ہو سکتا جب زلزلہ ساعت کو دیکھا ہی نہیں تو اس کی ہولناکی سے دہشت زدہ ہو کر تقویٰ اختیار کرنے کا مفہوم ہی کیا ہو سکتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا زلزلۂ ساعت نفخۂ بعث اور مردوں کے قبروں سے اٹھنے کے بعد ہوگا حلیمی نے بھی اسی تفسیر کو پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ آیت میں مرضعہ کا بچہ کی طرف سے غافل ہونا اور حاملہ کا حمل ساقط ہو جانا بطور مجاز صرف تمثیلی شکل میں کہا گیا ہے حقیقی معنی مراد نہیں زلزلہ کی ہولناکی اور دہشت کی بطور تشبیہ تصویر کشی کی گئی ہے یہ مطلب نہیں کہ واقع میں زلزلہ کے وقت ایسا ہوگا بھی۔ اسی طرح دوسری آیت ہے يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ظاہر ہے کہ قیامت کا دن کسی بچے کو بوڑھا نہیں کر دے گا بلکہ یکدم غمناک شدت آگیں دن کے وقوع کی تمثیلی تعبیر ہے۔ اس تفسیر کی تائید حدیث مبارک سے بھی ہوتی ہے امام احمد اور ترمذی نے حضرت عمران بن حصین کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کی سند کو صحیح بھی کہا ہے حضرت عمران نے فرمایا ہم رسول اللہ کے ساتھ تھے کہ آیت يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا...... عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ تک نازل ہوئی حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ دن کون سا ہوگا صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی جانے۔ فرمایا یہ دن وہ ہوگا جس میں اللہ حضرت آدم سے فرمائے گا (اپنی نسل میں سے) دوزخ کا حصہ بھیجو۔ الحدیث

بغوی نے لکھا ہے حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ یہ دونوں آیتیں غزوۂ بنی مصطلق کے دوران رات کے وقت نازل ہوئیں حضور نے ندا کرا کے سب کو بلوایا اور یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں آیات کو سن کر لوگ اتنا روئے کہ اس رات سے زیادہ روتے والے کبھی نہیں دیکھے گئے صبح ہوئی تو لوگوں نے گھوڑوں سے زینیں نہیں اتاریں نہ ڈیرے لگائے نہ ہانڈیاں پکائیں کچھ لوگ روتے رہے کچھ غمگین پریشان سوچ میں بیٹھے رہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کون سا دن ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور رسول ہی جانے فرمایا یہ وہ دن ہوگا جب اللہ آدمؑ سے فرمائے گا اپنی اولاد میں سے دوزخ کا حصہ بھیجو حضرت آدم عرض کریں گے کیا سب میں سے۔ کتنا کتنا۔ اللہ فرمائے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے دوزخ کی طرف اور ایک جنت کی طرف۔ اس بات کی ضرب صحابہ پر بہت سخت پڑی وہ رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ پھر کون نجات

Marfat.com

پائے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم خوش ہو جاؤ اور سیدھی چال رکھو تمہارے ساتھ دو مخلوقیں اور بھی ہوں گی جو ہر قوم سے زائد ہوں گی یعنی یاجوج و ماجوج پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ تم کل اہل جنت کا ایک تہائی حصہ ہو گے یہ سن کر لوگوں نے اللہ اکبر کہا، اور اللہ کی حمد کی، حضور ﷺ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم کل اہل جنت میں آدھے ہو گے، صحابہ نے یہ (بشارت) سن کر اللہ اکبر کہا اور اللہ کا شکر ادا کیا پھر حضور ﷺ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم کل اہل جنت میں آدھے ہو گے۔ صحابہ نے یہ (بشارت) سن کر اللہ اکبر کہا اور اللہ کا شکر ادا کیا پھر حضور ﷺ نے فرمایا مجھے تو (اب) یہ امید ہے کہ تمہاری تعداد اہل جنت کی دو تہائی ہو گی اہل جنت کی بیس قطاریں ہوں گی جن میں اسی میری امت کی ہوں گی اور کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد اتنی (کم) ہو گی جیسے اونٹ کے پہلو پر تل یا گھوڑے کے پاؤں پر دوسرے رنگ کی لکیر (یا دھبہ) بلکہ جیسے سفید بیل کی پشت پر ایک سیاہ بال یا سیاہ بیل کی پشت پر ایک سفید بال پھر فرمایا میری امت کے ستر ہزار آدمی بلا حساب جنت میں جائیں گے حضرت عمر نے (بطور تعجب) کہا ستر ہزار فرمایا ہاں اور ہر ایک کے ساتھ ستر (ستر) ہزار یہ سن کر عکاشہ بن محصن کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دعا فرمائیے کہ اللہ مجھے ان میں سے کر دے فرمایا تم ان میں سے ہو اس کے بعد ایک انصاری کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا (یا رسول اللہ ﷺ) اللہ سے دعا فرمائیے کہ اللہ مجھے بھی ان میں شامل کر دے، فرمایا عکاشہ تم سے سبقت لے گئے۔

جو لوگ زلزلۂ ساعت کو نفخۂ اول سے پہلے مانتے ہیں ان کی طرف سے اس حدیث کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ جس روز حضرت آدم کو حکم ہو گا کہ اپنی اولاد میں سے دوزخ کا حصہ نکالو، اسی روز زلزلہ بھی آئے گا۔ یہی حدیث کا مفہوم ہے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس حکم اور وقوع زلزلہ کا وقت ایک ہی ہو گا تو اسی کے ساتھ دوسرے ہولناک واقعات کا بھی ذکر فرما دیا جو اس روز نمودار ہوں گے ان واقعات میں ایک دہشت ناک بات اولاد آدم میں سے دوزخ کا حصہ نکالنا بھی ہو گا جس کا حضور نے ذکر کر دیا۔

حضرت مفسر نے فرمایا یہ جواب کمزور ہے کیونکہ شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری کی روایت ان الفاظ کے ساتھ لائی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ فرمائے گا۔ آدم! حضرت آدم جواب دیں گے حاضر، حاضر اور ساری خیر تیرے ہاتھوں میں ہے اللہ فرمائے گا دوزخ میں بھیجا جانے والا حصہ نکالو آدم عرض کریں گے دوزخ کا کتنا حصہ ہے اللہ فرمائے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے، اس وقت بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حاملہ عورت اسقاط حمل کر دے گی، تم لوگوں کو متوالا دیکھو گے حالانکہ وہ (شراب کے) نشہ میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہو گا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ ہزار میں سے ایک ہم میں سے کون ہو گا، فرمایا تم میں سے (ایک دوزخی) ہو گا اور یاجوج و ماجوج میں سے ہزار پھر فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں امید رکھتا ہوں کہ تم جنت والوں کا چہارم حصہ ہو گے ہم نے یہ سن کر تکبیر کہی، حضور ﷺ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی حصہ ہو گے ہم نے یہ سن کر تکبیر کہی فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ تم لوگ اہل جنت کے آدھے ہو گے۔ ہم نے اللہ اکبر کہا فرمایا تم لوگ دوسرے لوگوں کی بہ نسبت (دوزخ کے اندر) اتنے ہو گے جیسے ایک کالا بال سفید بیل کی کھال پر یا جیسے ایک سفید بال کالے بیل کی کھال پر۔

یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ بچہ کا بوڑھا ہو جانا، حاملہ کا حمل گر جانا اور دوزخ کا حصہ نکالنے کا حکم ایک ہی وقت میں ہو گا بلکہ مردوں کا قبروں سے اٹھایا جانا زلزلہ سے پہلے ہو گا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ (کی ذات صفات اور احکام) میں بغیر علم کے جھگڑا کرتے ہیں۔

یہ آیت نضر بن حارث کے متعلق نازل ہوئی نضر بڑا جھگڑالو تھا کہتا تھا ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں قرآن گزشتہ لوگوں کی لکھی ہوئی (داستان) ہے یہ شخص حشر جسمانی کا منکر تھا اور کہتا تھا جو چیز خاک ہو گئی اس کو زندہ کرنا ناممکن ہے۔ رواہ ابن ابی حاتم عن ابی مالک۔

وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝ اور جھگڑا کرنے میں یا عام احوال زندگی میں) ہر شیطان شریر کی پیروی کرتا

Marfat.com

ہے۔ شیطان کا لفظ انسان اور جن دونوں کو شامل ہے۔ مرید خیر سے خالی شر میں ڈوبا ہوا مرد کا معنی ہے خالی ہونا۔ امرد بے داڑھی مونچھ کا لڑکا جو چہرے کے بالوں سے خالی ہوتا ہے۔ مرید اور مارد دونوں ہم معنی ہیں۔ قاموس میں ہے مرد (باب نصر و کرم) مرودا (مصدر) مرید مارد متمرد (صفات کے صیغے) اقدام کیا یا سرکش ہو گیا۔ مردہ اس کو کاٹ دیا۔ مرد علی الشئی اس چیز کا مشاق ہو گیا۔

كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝

اللہ نے شیطان کے متعلق یہ لکھ دیا ہے یعنی فیصلہ کر دیا ہے کہ جو شخص اس کے پیچھے چلے گا شیطان ضرور اس کو راہ سے بھٹکا دے گا اور عذاب دوزخ کی راہ اس کو دکھا دے گا (یا عذاب دوزخ تک اس کو پہنچا دے گا) یعنی شیطان کی سرشت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے پیچھے چلنے والے کو سیدھے راستے سے بہکا دیتا ہے اور ایسی راہ چلنے پر آمادہ کرتا ہے جو عذاب دوزخ تک لے جاتی ہے۔

زجاج نے کہا انہ کی ضمیر شیطان کی طرف راجع ہے اور تولی کا معنی دوستی کی محبت کی یا تسلط اور غلبہ کیا۔ مطلب یہ ہے کہ شیطان کے متعلق اللہ کا فیصلہ ہے اور شیطان کی یہ فطرت ہے کہ جس شخص سے وہ محبت اور دوستی کرتا ہے یا جس شخص پر تسلط جماتا ہے اس کو بھٹکا دیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ اے لوگو! اگر تم کو (حشر جسمانی اور دوبارہ) جی اٹھنے (کے امکان) میں کوئی شک ہے۔

فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ

تو (غور کرو کہ) ہم نے تم کو خاک سے بنایا پھر ایک بوند سے پھر خون کے جمے ہوئے لوتھڑے سے پھر مکمل اور نامکمل بوٹی سے یعنی اگر دوبارہ جی اٹھنے کے امکان میں تم کو شک ہے تو اپنی ابتدائی تخلیق پر غور کرو تمہارا شک دور ہو جائے گا۔

خلقنکم ہم نے تمہاری جنس کو یعنی آدمی کو پیدا کیا۔ لفظ کم اس بچے کو بھی شامل ہے جو گر جاتا ہے، ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ آدمی بننے کی اس میں بھی صلاحیت ہوتی ہے من تراب یعنی تمہارے باپ آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا یا یہ مطلب ہے کہ تم کو مادہ منویہ سے پیدا کیا اور مادہ منویہ تمہاری کھائی ہوئی غذاؤں میں سے پیدا ہوتا ہے اور غذائیں مٹی سے پیدا ہوتی ہیں من نطفة نطفہ سے مراد ہے منی یہ لفظ نطف سے مشتق ہے۔ علقة خون کا جما ہوا لوتھڑا۔ مضغة گوشت کا ٹکڑا۔ اصل میں مضغہ کسی چیز کے اتنے حصے کو کہتے ہیں جو چبایا جاتا ہے۔

مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ کی تشریح میں حضرت ابن عباس نے فرمایا مکمل بناوٹ والا اور ناتمام ساخت والا مجاہد نے کہا مصورہ اور غیر مصورہ (یعنی جس کی صورت بنا دی گئی یا وہ جس کی صورت ابھی نہیں بنائی گئی) بعض علماء نے کہا مخلقہ سے وہ بچہ مراد ہے جو اپنی پوری مدت حمل گزار کر اپنے وقت پر پیدا ہوتا ہے اور غیر مخلقہ سے مراد ہے وہ بچہ جو وقت سے پہلے ساقط ہو جاتا ہے۔ بعض نے کہا مخلقہ وہ بچہ جو ٹھیک درست حالت میں پیدا ہو نہ اس کے اعضاء میں کوئی کمی ہو نہ عیب اور غیر مخلقہ وہ بچہ جو ناقص الخلقۃ یا عیب دار ہو گویا بچہ جب بوٹی ہونے کی حالت میں ہوتا ہے اسی وقت اس کی سرشت میں تفاوت ہوتا ہے کوئی کامل الخلقۃ چکنا بے عیب ہوتا ہے اور کوئی اس کے خلاف ہوتا ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ لوگوں کی بناوٹ صورتوں نقشوں قد کی لمبائی اور پستی اور جسمانی اعضاء کی تکمیل یا کمی کے لحاظ سے باہم تفاوت ہے اس تفسیر پر غیر مخلقہ سے مراد وہ بچہ نہ ہوگا جو وقت سے پہلے گر جاتا ہے اور نہ اس توجیہ کی ضرورت ہوگی کہ ساقط ہو جانے والے بچے میں بھی آدمی بننے کی صلاحیت ہوتی ہے اس لئے لفظ کم اس کو بھی شامل ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ غیر مخلقہ سے مراد ہے قبل از وقت گرنے والا بچہ اس لئے مؤخر الذکر قول غلط ہے اور مذکورہ بالا اقوال صحیح ہیں۔

بغوی نے بروایت علقمہ حضرت ابن مسعود کا بیان نقل کیا ہے کہ رحم کے اندر جب نطفہ کا ٹھہراؤ ہو جاتا ہے تو ایک

Marfat.com

فرشتہ اس کو اپنے ہاتھ میں لے کر عرض کرتا ہے اے میرے رب یہ مخلقہ ہے یا غیر مخلقہ اگر اللہ فرماتا ہے غیر مخلقہ تو رحم اس کو خون کی شکل میں (باہر) پھینک دیتا ہے اور وہ نسمہ (جان دار) نہیں بن سکتا اور اگر اللہ مخلقہ فرماتا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے نر یا مادہ بدبخت یا سعید اس کی مدت زندگی کتنی ہے۔ اس کا عمل کیسا ہے اس کا رزق کیا ہے۔ حکم ہوتا ہے جا لوح محفوظ کو جاکر دیکھ تجھے سب کچھ اس میں مل جائے گا، فرشتہ جاتا ہے اور لوح محفوظ میں سب کچھ لکھا پاتا ہے اور اس کی نقل کر لیتا ہے اور وہ نقل اس کے پاس رہتی ہے۔

لِنُبَيِّنَ لَكُمْ تاکہ ہم تمہارے سامنے واضح کردیں۔ اس تدریج سے تم پر اپنی قدرت و حکمت کے کمال کو ظاہر کردیں اور تم وجود حشر پر اس سے استدلال کرسکو اور سمجھ جاؤ کہ جو چیز ابتدائی تخلیق میں تغیر کی قابل ہے اور اولین خلقت جس اللہ نے اس کی کی ہے وہ دوبارہ بھی تغیر کو قبول کرسکتی ہے اور خدا اس کو دوبارہ بھی زندہ کر کے اٹھا سکتا ہے۔

بعض علماء نے لِنُبَيِّنَ لَكُمْ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ ہم تمہارے سامنے کھول کر بیان کردیں کہ تم کیا کرو اور کیا نہ کرو اور تم اپنی عبدیت میں کن چیزوں کے ضرورت مند ہو یعنی احکام تکلیفہ کا مامور بنانے کے لئے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے۔

وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى اور رحم کے اندر ہم جس (نطفہ) کو چاہتے ہیں ایک معین مدت تک (یعنی وضع حمل کے وقت تک) ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ یعنی ہم ہی رحموں کے اندر جتنی مدت ٹھہرانا اور رکھنا چاہتے ہیں اس مدت تک جو اللہ کے نزدیک مقرر اور معلوم ہے ٹھہرائے رکھتے ہیں اس مدت کے اندر رحم بچہ کو باہر نہیں پھینکتے اور نہ اسقاط حمل ہوتا ہے۔

ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ پھر ہم تم کو باہر لاتے ہیں یعنی ماں کے پیٹ سے باہر لاتے ہیں۔

طِفْلًا ایسی حالت میں کہ تم چھوٹے بچے ہوتے ہو۔

ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ پھر (ہم تمہاری پرورش کرتے رہتے ہیں) تاکہ تم اپنی پوری قوت کو پہنچ جاؤ۔

اشد شدت کی جمع ہے جیسے انعم نعمۃ کی یعنی تم اپنی عقلی اور جسمانی طاقت کے اس کمال کو پہنچ جاؤ جو اللہ کی طرف سے تمہارے لئے مقرر کردیا گیا ہے علماء نے کہا ہے کہ ذہنی و جسمانی طاقتوں کا کمال ۳۰ برس اور ۴۰ برس کی عمر کے درمیان پورا حاصل ہو جاتا ہے۔

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى اور تم میں سے کچھ لوگ (تو بھرپور طاقت پر پہنچ کر یا اس سے پہلے ہی) وفات پا جاتے ہیں۔

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ إِلٰى أَرْذَلِ الْعُمُرِ اور کچھ لوگوں کو بالکل ناکارہ عمر تک پھیر دیا جاتا ہے یعنی انتہائی پیری اور سن خرافت تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ جان چکنے کے بعد پھر نادان ہو جاتا ہے۔ لکیلا میں لام عاقبت کا ہے (عاقبت بمعنی نتیجہ) یعنی جس طرح ابتداء طفولیت میں فہم کی کمی اور دانش کی کمزوری کی وجہ سے کچھ نہیں جانتا تھا انتہائی بوڑھا ہونے کے بعد بچپن کی ہیئت پر ہو جائے اور زندگی میں جو کچھ جانتا تھا اسکو بھول جائے۔ عکرمہ نے کہا جو شخص قرآن پڑھتا ہے اس کی یہ حالت نہیں ہوتی۔ امکان حشر کی یہ دوسری دلیل ہے مختلف حدود عمر میں انسان کے احوال بدلتے رہتے ہیں اور متضاد امور کا اس پر ورود ہوتا رہتا ہے اور یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے تو جو ذات ان تبدیلیات و تغیرات پر قادر ہے وہ ان جیسی تبدیلیات دوبارہ بھی کرسکتی ہے (یعنی انسان کی پوری زندگی موت و حیات اور فناء و پیدائش کی کشمکش کا نام ہے ہر آن احوال کا تغیر اور زندگی کے بعد موت کا ورود اور موت کے پیچھے زندگی کا ظہور ہے۔ جہالت کے بعد علم اور علم کے بعد جہالت آتی ہے جسمانی اور ذہنی قوتوں کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے مبدء آفرینش اور منتہاء حیات کے درمیان تغیرات، تبدیلات اور ترقیات و تنزلات کا ایک جہان ہے جو اللہ کی قدرت کے زیر اثر رواں دواں ہے پس بعث بعد الموت بھی اگر ظہور پذیر ہو جائے تو

Marfat.com

امکان سے باہر نہیں اور قدرت الٰہیہ اس سے عاجز نہیں۔ مترجم)

وَ تَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ⑤

اور تو دیکھتا ہے کہ زمین خشک پڑی ہے پھر جب اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی اور پھولتی ہے اور ہر قسم کے خوشنما نباتات اگاتی ہے۔

هَامِدَةً مردہ خشک ھمدت النار آگ راکھ ہو گئی۔ اھتزت سبزہ کی روئیدگی کے سبب ہلنے لگی (لہلہانے لگی) ربت بڑھ گئی، ابھر آئی پھول گئی۔ مبرد نے کہا زمین کی طرف لہلہانے اور ابھرنے کی نسبت بطور مجاز کی گئی ہے مضاف محذوف ہے (یعنی مجاز بالحذف ہے۔ مترجم) مراد ہے سبزہ کا لہلہانا اور ابھرنا۔ من کل زوج میں من زائد ہے اور زوج کا معنی ہے ہر صنف ہر قسم بھیج خوبصورت۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے بھجۃ خوشی۔ بھج (باب کرم) سے (صیغہ صفت) بھج اور مبھاج (آتا ہے) اور بھج (باب سمع) خوش ہوا (اس سے صیغہ صفت) بھیج اور بھج (آتا ہے) اور بھج (باب فتح سے نیز ابھج (باب افعال سے) خوش کیا۔ ابتھاج (افتعال) خوشی۔ انزلنا اور اھتزت اور ربت اور انبتت سب افعال استعمال کئے اور (بجائے جملہ اسمیہ کے) اس جگہ جملہ فعلیہ ذکر کرنا یہ ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ وقتاً فوقتاً پیہم ایسا ہوتا رہتا ہے ثبوت حشر کی یہ تیسری دلیل اللہ نے بیان فرمائی ہے۔

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَأَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑥

یہ سب اس وجہ سے ہوا کہ اللہ ہی ہستی میں کامل ہے اور وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ذلک سے اشارہ مذکورہ بالا تفصیل کی طرف ہے یعنی انسان کی تخلیقی نیرنگیاں اور تضاد احوال اور مردہ ہونے کے بعد زمین کا زندہ ہونا اور سبز ہو کر لہلہا جانا اس سبب سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے بذات خود محقق ہے واجب الوجود ہے اسی کی وجہ سے دوسری تمام چیزوں کا وجود ہے اگر وہ نہ ہوتا تو کسی ممکن کا پردہ عدم سے نکل کر سطح وجود پر آنا ممکن نہ ہوتا۔ اور وہ ہی بے جان نطفہ اور مردہ زمین کو زندگی عطا فرماتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قابو رکھتا ہے کیونکہ اس کی قدرت بذات خود ہے اور اس کی قدرت کی ہر چیز سے نسبت برابر ہے۔ اس لئے کوئی چیز بھی اس کی قدرت سے باہر نہیں اور مشاہدہ دلالت کر رہا ہے کہ وہ بعض مردوں کو زندہ کرتا ہے اور یہ اس کی قدرت سے خارج نہیں ہو سکتا، وہ ہر مردہ کو زندہ کر سکتا ہے خواہ وہ بوسیدہ ریزہ ریزہ ہڈی ہو جائے۔

وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا اور یقیناً (دنیا کے ختم ہونے کی) ساعت ضرور آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ گوناگوں تغیرات کا ظہور اختتام دنیا کا پیش خیمہ ہے۔

وَأَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ⑦ اور یہ بات قطعی ہے کہ اللہ قبروں والوں (یعنی مردوں) کو زندہ کر کے اٹھائے گا کیونکہ اس نے اس کا وعدہ فرمالیا ہے اور وعدۂ خداوندی کے خلاف ہونا ممکن نہیں۔

اول الذکر تینوں جملے علت فاعلہ کو ظاہر کر رہے ہیں یعنی انسان کی تخلیقی نیرنگیاں اور متضاد احوال میں نو بنو تبدیلیاں اور مردہ زمین کو زندہ کرنا علت فاعلہ کی حیثیت میں ہے اور آخر کے دونوں جملے نتیجہ دلیل یا علت غائیہ کی طرح ہیں انسان وغیرہ کی تخلیق بیکار نہیں ہے آدمی کی تخلیق کا مقصد اللہ کی معرفت و عبادت ہے معرفت پر عبادت مرتب ہوتی ہے اور عبادت پر جزاوسزا کی بنا ہے اگر قانون جزاوسزا نہ ہو تو مومن و منکر اور فرماں بردار و مجرم مساوی ہو جائیں گے اور عدل کا تصور ختم ہو جائے گا۔ اللہ نے فرمایا ہے کیا ہم اہل اطاعت کو مجرموں کی طرح کر دیں گے تمہارا یہ کیسا فیصلہ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ ⑧ اور

کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر علم (بدیہی) کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں علم سے مراد ہے علم بدیہی

Marfat.com

اور ہدیٰ سے مراد ہے علم استدلالی و نظری جو معرفت الٰہیہ تک پہنچانے والا ہو اور کتاب روشن سے مراد کسی آدمی پر اللہ کی اتاری ہوئی کتاب جو حق کی مظہر ہو انسانی علم کے یہی تین ذرائع ہیں (علم ضروری یعنی علم بدیہی جو نظر و فکر اور سوچ بچار کا محتاج نہیں ہے محض حسی ہے، دوسرا علم نظری و استدلالی جو غور و فکر اور ترتیب معلومات کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ تیسرا نقلی علم جو اللہ کی نازل کردہ کتاب سے حاصل کیا گیا ہو۔ مترجم)

ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ تکبر کرتے ہوئے تاکہ اللہ کی راہ (یعنی دین حق) سے (لوگوں کو) بے راہ کردیں۔

عطف پہلو۔ جانب عطفین دونوں پہلو، دلیاں بایاں۔ روگردانی اور اعراض کے وقت جس حصہ بدن کو آدمی موڑلیتا اور گھمالیتا ہے اس کو عطف کہتے ہیں۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد ہے گردن تیوڑانا۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جب اس کو حق کی طرف بلایا جاتا ہے تو غرور اور تکبر سے وہ گردن تیوڑاتا اور رخ پھیرلیتا ہے کذا قال ابن عطیۃ وابن زید وابن جریج۔

لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۹ اس کے لئے دنیا میں رسوائی (ذلت) ہے اور قیامت کے دن ہم اس کو جلانے والی آگ کا عذاب چکھائیں گے۔ خزی سے مراد ہے قتل و قید چنانچہ (اس پیشین گوئی کے مواقق) نضر بن حارث اور قصبہ بن ابی معیط قتل کئے گئے اور ستر دوسرے کافر جنگ بدر میں مارے گئے اور ستر قید ہوئے۔ جلال الدین محلی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول ابوجہل کے متعلق ہوا ابوجہل غزوہ بدر میں مارا گیا۔ حریق بمعنی محرق جلانے والا۔ مراد آگ۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۱۰ (اس سے کہا جائے گا) یہ ع ۸ ۱
تیرے ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

یعنی قیامت کے دن جب ان کو عذاب دیا جائے گا تو ان سے کہا جائے گا کہ تم نے جو کفر و گناہ کیا تھا یہ تمہارے اسی کرتوت کی سزا ہے اور اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے یعنی انصاف کرنے والا ہے اور عدل کا تقاضا ہے کہ کفر و گناہ کی سزا دی جائے ظالم نہ ہونے سے بطور کنایہ مراد ہے عادل ہونا جیسے آیت لایحب اللّٰہ الجھر میں عدم محبت سے مراد ہے نفرت اور ناپسندیدگی۔

بخاری، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ بعض لوگ مدینہ میں آکر مسلمان ہوجاتے تھے اسلام کے بعد اگر اس کی بیوی کے لڑکا ہوتا اور گھوڑیوں کے بچے پیدا ہوتے تو کہتا یہ مذہب اچھا ہے اور عورت کے لڑکا نہ ہوتا اور گھوڑیوں کے بچے نہ پیدا ہوتے تو کہتا یہ دین برا ہے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ اور بعض آدمی اللہ کی عبادت (ایسے طور پر) کرتا ہے (جیسے) کنارہ پر کھڑا ہو۔

اہل تفسیر نے لکھا ہے حرف کا معنی ہے کنارہ مراد ہے شک۔ شک کرنے والا منافق دونوں گروہوں کے کنارے پر ہوتا ہے مومنوں کے گروہ کے بھی کنارے پر اور کافروں کے گروہ کے بھی کنارے پر کبھی ادھر مڑجاتا ہے کبھی ادھر گویا منافق فوج کے آخری کنارے پر ہوتا ہے اگر فتح محسوس کرتا ہے تو ٹھہرا رہتا ہے اگر شکست محسوس کرتا ہے تو بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔

ابن ابی حاتم اور بغوی نے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول ان بدوی دیہاتیوں کے متعلق ہوا جو صحرا کو چھوڑ کر مدینے میں آکر مسلمان ہوجاتے اور وہیں رہ پڑتے تھے، اگر قیام مدینہ کے زمانے میں ان کی صحت درست رہتی بیویوں کے لڑکے پیدا ہوتے اور گھوڑیوں کے خوبصورت بچھیرے ہوتے تو کہتے یہ اچھا مذہب ہے اور اس سے مجھے بڑا فائدہ ہوا اور اگر اسکے خلاف ہوتا یعنی ان کی صحت بگڑ جاتی عورتوں کے لڑکیاں پیدا ہوتیں اور گھوڑیاں حاملہ نہ ہوتیں اور مال کم ہوجاتا تو کہتے جب سے ہم اس مذہب میں داخل ہوئے ہیں ہم کو کوئی بھلائی حاصل نہیں ہوئی یہ کہہ کر اسلام سے مرتد ہوجاتے اور ایمان سے منہ موڑلیتے۔ آیت مذکورہ

Marfat.com

میں علی حرف کا یہی مطلب ہے اور ذیل کی آیت میں اسی کی تشریح فرمائی ہے۔

فَاِنْ اَصَابَهٗ خَیْرُ اِ۟طْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ اِ۟نْقَلَبَ عَلٰی وَجْهِهٖ ۚ۫ خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ۝۱۱ اب اگر اس کو کوئی دنیوی نفع پہنچ گیا تو اس کی وجہ سے (ظاہری) قرار پالیا اور اگر اس پر کوئی آزمائشی مصیبت آگئی تو منہ اٹھا کر کفر کی طرف چل دیا دنیا اور آخرت دونوں کھو بیٹھا یہی کھلا ہوا نقصان ہے۔

یعنی اگر اس کو کوئی بھلائی (دنیوی منفعت) پہنچتی ہے تو وہ اللہ کی عبادت اور اسلام پر مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اس کو کچھ دکھ پہنچ جاتا ہے اور کوئی تکلیف اور سختی آجاتی ہے تو وہ دین سے پھر کر کفر کی جانب ایڑیوں کے بل پلٹ پڑتا ہے۔

ابن مردویہ نے بوساطت عطیہ حضرت ابو سعید کی روایت نقل کی ہے کہ ایک یہودی مسلمان ہو گیا اسلام لانے کے بعد اس کی آنکھیں جاتی رہیں اور مال و اولاد کا بھی نقصان ہو گیا اس نے اسلام سے برا شگون لیا اور خیال کیا کہ یہ ساری مصیبت مجھ پر مسلمان ہونے کی وجہ سے آئی ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا (میری بیعت) مجھے واپس کر دیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسلام واپس نہیں کیا جاتا۔ کہنے لگا میں نے تو اپنے اس مذہب میں کوئی بھلائی نہیں پائی میری نظر جاتی رہی اور مال بھی جاتا رہا اور بچہ بھی مر گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے یہودی اسلام لوگوں کا میل صاف کرتا ہے جیسے آگ سے لوہے سونے اور چاندی کا میل صاف ہوتا ہے۔

خَسِرَ الدُّنْیَا الخ یعنی دنیوی مصائب کی وجہ سے دین سے مرتد ہونے والے کی دنیا بھی تباہ ہو گئی مال اور اولاد کا نقصان ہو گیا اور جو امیدیں اس نے باندھی تھیں وہ پوری نہ ہوئیں اور آخرت میں خسران نصیب ہوا کہ سارے اعمال برباد گئے اور ہمیشہ دوزخ میں جانا پڑے گا یہ ایسا کھلا ہوا خسران ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی گھاٹا نہیں۔

یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهٗ وَ مَا لَا یَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ ۝۱۲

وہ اللہ کے سوا ایسے کی عبادت کرتا ہے جو نہ اس کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ یہ ہی پرلے درجے کی گمراہی ہے۔

یعنی وہ ایسی چیز کی پوجا کرتا ہے کہ اگر اس کی پوجا نہ کرے تو وہ چیز اس کو ضرر نہیں پہنچا سکتی اور اس کو پوجے تو وہ فائدہ نہیں دے سکتی۔ ایسی چیز کی پوجا ایک بھٹکاوا ہے حق سے دور۔ ضلال کا اس جگہ معنی بھٹکنا حق کا راستہ نہ ملنا، راہ مستقیم سے دور ہو جانا ہے ضل فی التیہ وہ بیابان میں بھٹک گیا سیدھے راستے سے دور ہو گیا۔

یَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ وہ عبادت کرتا ہے ایسے کی جس (کی عبادت) کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ قریب الوقوع ہے۔ یعنی کافر جس کی پوجا کرتا ہے اس کی عبادت کا ضرر اس موہومی فائدے سے زیادہ قریب ہوتا ہے جس کی تمنا کافر کے دل میں ہوتی ہے۔ نفع سے مراد ہے امید سفارش اور بارگاہ الٰہی تک پہنچنے کا وسیلہ بنانا۔ عرب کا محاورہ ہے کہ جو چیز بالکل موجود نہ ہو اس کے متعلق بعد کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں فلاں چیز بعید ہے یعنی معدوم ہے اللہ نے فرمایا ہے ذلک رجع بعید یہ لوٹنا بعید ہے یعنی ہو نہیں سکتا چونکہ بتوں سے فائدہ حاصل ہونا ممکن نہیں تھا۔ اس لئے ضرہ اقرب من نفعہ فرمایا مطلب یہ ہے کہ بت پرستی کا ضرر ضرور ہو گا۔

لَبِئْسَ الْمَوْلٰی وَ لَبِئْسَ الْعَشِیْرُ ۝۱۳ ایسا کارساز بھی بہت برا اور ایسا رفیق بھی بہت برا۔

مولیٰ بمعنی مددگار، بعض نے کہا اس جگہ بمعنی معبود ہے۔ عشیر ساتھی، رفیق مراد ہے، شوہر کو عشیر اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ہر وقت کا ساتھی اور رفیق معاشرت ہوتا ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ دوسرا یدعو پہلے یدعو کی تاکید ہے اور لفظی تکرار ہے اور لمن سے دوسرا کلام شروع ہوتا ہے یہ محذوف قسم کا جواب ہے اور من موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر مبتداء ہے اور لَبِئْسَ الْمَوْلٰی الخ خبر ہے بعض کے نزدیک لمن کا لام یدعو سے متعلق ہے اور یدعو کا معنی ہے وہ گمان رکھتا ہے اس کا زعم ہے۔

Marfat.com

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿۱۴﴾ بلاشبہ اللہ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے بہشت کے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی بیشک اللہ جو ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے۔

یعنی اللہ مومن کو جزا اور مشرک کو سزا دینا چاہتا ہے اور کوئی اس کے فیصلہ کو روک نہیں سکتا اور اس کی مشاء کو رد نہیں کر سکتا۔

مَن كَانَ يَظُنُّ أَن لَّن يَنصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ جو شخص یہ خیال یا گمان کرتا ہو کہ اللہ اس (نبی محمد ﷺ) کی مدد دنیا و آخرت میں ہرگز نہیں کرے گا۔ اس کلام میں کسی قدر اختصار ہے پورا کلام اس طرح تھا، اللہ دنیا و آخرت میں اپنے رسول کی مدد ضرور کرے گا۔ اب جو شخص رسول اللہ ﷺ سے بغض رکھنے کی وجہ سے یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ اپنے رسول کی نصرت نہ دنیا میں کرے گا نہ آخرت میں۔

فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ ﴿۱۵﴾

تو اس کو چاہئے کہ ایک رسی آسمان تک تان لے پھر اس کے ذریعے سے آسمان تک پہنچ کر اس وحی کا سلسلہ ہی کاٹ دے پھر غور کرے کہ کیا اس کی یہ تدبیر اس کی ناگواری کی چیز کو (یعنی وحی کو) موقوف کر سکتی ہے۔

لیقطع یعنی اس کو چاہئے کہ خود اپنا گلا گھونٹ لے۔ قطع اس نے اپنا گلا گھونٹ لیا۔ مختنق وہ شخص جس نے اپنی سانس کے آمد و رفت کے راستے کاٹ دیئے ہوں، بند کر دیئے ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ خود اپنے غصہ میں دانت پیستا ہے اور غضب آلود آدمی جو کچھ کرتا ہے وہ سب کچھ کر گزرے یہاں تک کہ مر جائے۔ حاسد سے کہا جاتا ہے اگر تو اس پر راضی نہیں تو اپنا گلا گھونٹ کر خود مر جا۔ آیت میں امر تعجیز کے لئے ہے ابن زید نے کہا آیت میں السماء سے مراد آسمان دنیا ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص خیال کرتا ہو کہ اللہ اپنے نبی کی مدد نہیں کرے گا اس کو چاہئے کہ اس سلسلہ کو جڑ سے ہی کاٹ دے اور رسی تان کر آسمان دنیا تک پہنچ جائے اور وہاں سے آنے والی خداوندی نصرت کو روک دے یا یہ مطلب ہے کہ آسمان دنیا تک پہنچ کر وہاں سے وحی کا آنا بند کر دے۔

بغوی نے لکھا ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی اسد اور بنی غطفان کے حق میں ہوا، ان دونوں قبیلوں کا یہودیوں سے باہم امداد کا معاہدہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا ہمارے لئے مسلمان ہونا ممکن نہیں کیونکہ ہم کو اندیشہ ہے کہ اللہ محمد کی مدد نہیں کرے گا اور مسلمان ہونے کے بعد ہمارا یہودیوں سے معاہدہ ٹوٹ چکا ہوگا وہ ہم کو غلہ دیں گے نہ ٹھہرنے کو جگہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد نے کہا نصر کا معنی ہے رزق عرب کہتے ہیں من نصرنی نصرہ اللہ جو مجھے دے گا اللہ اس کو دے گا (یا جو مجھے دے اللہ اس کو دے) ابو عبیدہ نے کہا عربی میں ارض منصورہ اس زمین کو کہتے ہیں جس پر بارش ہو گئی ہو اس صورت میں ینصرہ کی مفعولی ضمیر من کی طرف راجع ہو گی مطلب یہ ہو گا کہ جو شخص اللہ پر بدگمانی رکھتا اور خیال کرتا ہو کہ مسلمان ہونے کے بعد اللہ اس کو رزق نہیں دے گا وہ اپنے گھر کی چھت میں رسی باندھ کر اپنے گلے میں پھندا ڈال کر مر جائے یا یہ مطلب ہو گا کہ ایک رسی تان کہ اس کے ذریعہ سے قطع مسافت کر کے آسمان دنیا تک پہنچ جائے اور وہاں سے اپنا رزق لے آئے۔

فلینظر یعنی اپنا گلا گھونٹنے یا قطع مسافت کرنے یا رسی تاننے کا ارادہ کرنے کے بعد اپنے دل میں سوچے۔

ھل یذھبن کیدہ کہ اس کی یہ تدبیر اور یہ عمل اس کے غصے کی آگ کو فرو کرتا ہے یا اللہ کی اس مدد کو جو اللہ کے رسول کو حاصل ہے اور جو اس (حاسد) کو غضبناک بنا رہی ہے دفع کر سکتا ہے۔ حاسد کے عمل کو کید (تدبیر) فرمایا کیونکہ حاسد کا فکری کوشش کا آخری تصور بس یہی ہو سکتا ہے۔ سوال انکاری ہے اور مَن كَانَ يَظُنُّ الخ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ کی تاکید ہے یعنی جس طرح حاسد کا غصہ اور غضب اللہ کی اس نصرت کو نہیں روک سکتا جو خدا کی طرف سے اللہ کے رسول اور مومنوں کو حاصل ہے اسی طرح اس ملعون کا حسد اللہ کے کسی حکم اور ارادے کو نہیں دفع کر سکتا۔

Marfat.com

وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّأَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾ اور ہم نے اس (قرآن) کو اسی طرح اتارا ہے جس میں کھلی کھلی دلیلیں (حق کی) ہیں اور یہ بات بھی ہے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے حق کی ہدایت کرتا ہے۔

کذلک یعنی جس طرح ہم نے وہ آیات نازل کیں جن سے امکان حشر توحید صداقت رسول اور نصرت رسول کے وعدے کی سچائی ثابت ہو رہی ہے اسی طرح ہم نے ایسی آیات نازل کی ہیں جن کے اندر رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور قرآن کی صداقت کا واضح بیان ہے۔

لفظ آیات بینات سے ایک شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ قرآن کی کچھ آیات محکمات ہیں جن کی مراد کھلی ہوئی ہے اور کچھ متشابہات ہیں جن کی مراد واضح نہیں اور اس جگہ تمام آیات کو بینات (واضحات) کہا گیا یہ بیان کا تضاد ہے لیکن بینات کی جو تفسیر ہم نے کی ہے اس سے یہ شبہ زائل ہو جاتا ہے کیونکہ متشابہات کی مراد اگرچہ مخفی ہوتی ہے مگر ان کا معجز ہونا اور صداقت رسول پر دلالت کرنا تو واضح ہوتا ہے۔

وان اللہ یہدی اس جملہ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو بصورت آیات بینات نازل کیا اور یہ بھی نازل کیا کہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت یاب کرتا ہے۔ (اس صورت میں أَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ کا أَنْزَلْنٰهُ پر عطف ہوگا اور مفعول ہونے کی وجہ سے جملہ محل نصب میں ہوگا) دوسرا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے یہ قرآن مصالح عباد کے لئے نازل کیا اور اس لئے نازل کیا کہ اس کے ذریعہ سے اللہ جس کو چاہے ہدایت کردے یا ہدایت پر قائم رکھے (اس صورت میں اس جملہ کا عطف محذوف لفظ پر ہوگا اور حرف جر محذوف ہوگا اور جملہ محل جر میں ہوگا)۔

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ أَشْرَكُوْٓا ۖ إِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان اور یہودی اور صابی اور عیسائی اور مجوسی اور مشرکین، اللہ قیامت کے دن ان سب کے درمیان فیصلہ کردے گا۔

الذین اشرکوا سے مراد ہیں بت پرست یفصل بینہم یعنی حق پرست کو باطل پرست سے الگ کردے گا حق پرست کی حق پرستی اور باطل پرست کی باطل پرستی ظاہر کردے گا) یا یہ مراد ہے کہ اللہ ہر ایک کو اس کے مناسب بدلہ دے گا کسی فریق کو جنت میں اور کسی کو دوزخ میں بھجوادے گا۔

إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾ بلاشبہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ شہید واقف ہے۔ احوال کا نگراں ہے ممکن نہیں کہ اطاعت گزاروں کو نافرمانوں کی طرح یا اہل حق کو باطل پرستوں کی مثل کردے کیونکہ سب کے ظاہری اور باطنی احوال کا اس کو کامل علم ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ کیا آپ نہیں جانتے کہ جو (ملائکہ) آسمانوں میں ہیں اور جو مومن جن وانس) زمین میں ہیں وہ (سب) اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے بھی من کا استعمال اہل عقل کے لئے ہوتا ہے اس لئے مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ سے مراد ہیں صرف ملائکہ اور من فی الارض سے مراد ہیں جن وانس۔ اور جن وانس میں سے بھی صرف اہل ایمان مراد ہیں لفظ من اگرچہ عام ہے کافر و مومن دونوں کو شامل ہے لیکن آئندہ آیت وکثیر حق علیہ العذاب سے کافروں کو سجدہ کرنے والے جن وانس سے الگ کرلیا گیا اس لئے اس جگہ مَنْ فِي الْأَرْضِ سے صرف مومن جن وانس مراد ہیں۔

لفظ من کا استعمال کبھی بطور عموم بھی ہوتا ہے (اہل عقل اور بے عقل دونوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے لیکن وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وغیرہ کا اس پر عطف کیا گیا ہے اور عطف میں مغایرت (معطوف علیہ سے معطوف کی مغایرت) ہونی

Marfat.com

عطف کا حقیقی استعمال ہے اس لئے من سے مراد صرف اہل عقل ہیں۔
بیضاوی نے لکھا ہے کہ من کا لفظ اہل عقل اور بے عقل دونوں کو شامل ہے یا بے عقل پر اہل عقل کو غالب قرار دے کر لفظ من استعمال کیا۔ اکثر اہل تحقیق کا قول ہے کہ غیر ناطق کے لئے من کا استعمال نہیں کیا جاتا۔ ہاں اگر ناطق اور غیر ناطق دونوں مراد ہوں تو من کا استعمال ہو جاتا ہے۔ اب اگر لفظ من کے اندر اہل عقل اور بے عقل دونوں کو داخل قرار دیا جائے تو والشمس وغیرہ کا اس پر عطف ایسا ہی ہے جیسے اہمیت کے پیش نظر خاص کا عطف عام پر ہوتا ہے خصوصیت کے ساتھ چاند و سورج وغیرہ کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ ان کو شہرت حاصل تھی اور سجدہ کرنا ان کی شان سے بعید تھا۔ آیت میں محدثین اور علماء سلف کے نزدیک سجدہ سے مراد ہے طاعت اختیاری کیونکہ جمادات اگرچہ بے جان ہیں لیکن کسی قدر حیات (شعوری) کا حصہ ان کو بھی حاصل ہے اور وہ بھی اپنے اختیار و ارادہ سے اللہ کی طاعت میں سرگرم ہیں اللہ نے آسمان و زمین کے متعلق) فرمایا قالتا اتینا طائعین پتھروں کے متعلق فرمایا وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ایک اور آیت میں آیا ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کو پکارتا ہے اے فلاں کیا تیرے اوپر کوئی ایسا شخص گزرا جو اللہ کا ذکر کر رہا ہو۔ رواہ الطبرانی من حدیث ابن مسعودؓ بغوی نے لکھا ہے یہ قول اچھا ہے اور اہل سنت کے قول کے موافق ہے۔

وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۖ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۖ اور بہت سے لوگ بھی اور بہت ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو گیا ہے، دوسرا کثیر پہلے کثیر کی تاکید ہے یا کثرت میں مبالغہ ظاہر کرنے کے لئے لفظ کثیر دوبارہ ذکر کیا ہے۔ اس کثیر سے مراد ہیں کافر، یہ سجدہ کرنے والوں کی فہرست میں شامل نہیں ہیں۔

بعض اہل تفسیر کا خیال ہے کہ مَنْ فِي الْاَرْضِ میں من عموم کے لئے ہے اور بمعنی ما ہے اور سجود سے مراد اطاعت تسخیری ہے یعنی تمام ممکنات قدرت کے مسخر ہیں حکم خداوندی سے کوئی سرتابی نہیں کر سکتا۔ ہر ایک کی ذات مدبر قدیر کی عظمت پر دلالت کر رہی ہے اور كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے یعنی بہت لوگوں کے لئے۔ اللہ کے نزدیک ثواب ثابت ہے، یا یوں کہا جائے کہ کثیر من الناس فعل محذوف کا فاعل ہے۔ یعنی بہت سے لوگ اللہ ہی کو سجدہ اطاعت کرتے ہیں، زمین پر پیشانی رکھتے ہیں، دونوں صورتوں میں کثیر من الناس مستقل جملہ ہوگا اور کثیر حق علیه العذاب دوسرا جملہ ہوگا۔

بعض علماء فقہ کے نزدیک عموم مشترک جائز ہے یعنی ایک لفظ جس کے دو معنی ہوں ایک ہی وقت میں اس لفظ کے دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں پھر ایک معنی کے اعتبار سے اس کی نسبت ایک امر کی طرف کی جاتی ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے دوسرے امر کی طرف۔ مثلاً اسی مقام میں کثیر من الناس کا عطف کلام سابق پر ہے اور سجود کے دو معنی ہیں۔ (۱) زمین پیشانی رکھنا (۲) فطری طور پر فرماں بردار اور عاجز ہونا حکم سے سرتابی نہ کرنا۔ اس جگہ سجود کے دونوں معنی مراد ہیں کثیر من الناس کی طرف جب سجدے کی نسبت کی گئی تو سجدے سے مراد ہے زمین پر پیشانی رکھنا اور دوسرے ممکنات کی طرف جب سجدے کی اسناد کی گئی تو سجدے سے مراد ہے فطری فرماں برداری اور مسخر حکم ہونا۔ اس کے بعد کثیر حق علیه العذاب مستقل علیحدہ جملہ ہے یعنی بہت سے لوگ جنہوں نے سجود و اطاعت سے انکار کیا وہ عذاب کے مستحق ہو گئے اور عذاب ان پر ثابت ہو گیا۔

وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۖ اور جس کو خدا ذلیل کر دے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں یعنی اللہ جس کو بدبختی کی ذلت دے اس کو خوش بختی کی کوئی عزت نہیں دے سکتا۔

اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ﴿۱۸﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ یعنی ذلت دے یا عزت دے جو کچھ کرے وہ مختار ہے۔ سعادت اور شقاوت دینا اس کی مشیت کے ساتھ مخصوص ہے۔

Marfat.com

هٰذٰنِ خَصۡمٰنِ اخۡتَصَمُوۡا فِیۡ رَبِّهِمۡ ز　　یہ دونوں (مذکورۂ بالا) دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے (دین کے) بارے میں اختلاف کیا۔

هذان یعنی یہ دو فریق ہیں ایک فریق مومنوں کا دوسرا فریق مذکورۂ بالا پانچوں اقسام کے غیر مسلموں کا ان کا باہم جھگڑا ہے اس بات میں کہ اللہ کا دین کون سا ہے یا اللہ کی ذات و صفات اور احکام کے سلسلہ میں ان کا اختلاف ہے شیخین نے صحیحین میں حضرت ابوذر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ آیت هٰذٰنِ خَصۡمٰنِ اخۡتَصَمُوۡ فِیۡ رَبِّهِمۡ کا نزول حضرت حمزہؓ، حضرت عبیدہؓ، حضرت علیؓ اور عتبہ شیبہ اور ولید بن عتبہ کے متعلق ہوا۔ اول تینوں حضرات مومن تھے اور مؤخر الذکر تینوں اشخاص کافر۔ اس شان نزول کی بناپر فریق عام مومنوں کا نہ ہوگا اور نہ فریق دوئم اقسام مندرجہ آیت کافروں کا بلکہ شان نزول خاص ہے۔ (مترجم)

بخاری اور حاکم نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا یہ آیت ہمارے متعلق اور بدر کے دن کافروں سے ہمارے مقابلے کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ حاکم نے دوسری سند سے حضرت علی کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو جنگ بدر کے دن باہم مقابل تھے (ایک طرف علیؓ، حمزہؓ، عبیدہؓ، تھے (دوسری طرف) شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ تھے۔

بغوی نے قیس بن عباد کی وساطت سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا قیامت کے دن (کافروں سے) جھگڑا کرنے کے لئے سب سے پہلے میں ہی رحمت (الٰہی) کے سامنے دوزانو بیٹھوں گا۔

قیس نے کہا انہی لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی جن لوگوں نے بدر کے دن باہم مقابلہ کیا تھا۔ علی حمزہ، عبیدہ، شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ انہی کے سلسلہ میں اس آیت کا نزول ہوا۔

محمد بن اسحاق کا بیان ہے بدر کے دن (میدان میں) عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ نکل کر آئے اور صف تک پہنچ کر انہوں نے اپنے حریفوں کو میدان میں نکل کر آنے کی دعوت دی ان کے مقابلہ میں عبداللہ بن رواحہ اور تین انصاری جوان عوف، معاذ اور معوذ نکل کر سامنے آئے مؤخر الذکر تینوں جوان حارث کے بیٹے تھے اور ان کی ماں کا نام عفراء تھا۔ فریق اول نے پوچھا تم کون لوگ ہو فریق دوئم نے کہا ہم انصاری ہیں اور نسب میں تمہارے ہمسر اور شرفاء ہیں، فریق اول کے منادی نے پکارا محمد ہمارے مقابلے کے لئے ہمارے ہمسروں کو بھیجو جو ہماری قوم میں سے ہوں۔ (یعنی قریشی ہوں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عبیدہ بن حارث اٹھو حمزہ بن عبدالمطلب اٹھو، علی بن ابی طالب اٹھو (یعنی تم تینوں میدان میں جاؤ) حسب الحکم تینوں حضرات نکل کر میدان میں پہنچے۔ فریق اول نے پوچھا تم کون لوگ ہو، فریق دوئم نے اپنے نام بتائے۔ فریق اول نے کہا ہاں تم ہمسر اور شرفاء ہو۔ عبیدہ سب سے زیادہ عمر رسیدہ تھے انہوں نے عتبہ کو للکارا اور حمزہ شیبہ کے مقابلہ پر نکلے اور علی ولید بن عتبہ کے مقابلہ میں پہنچے، حمزہ نے تو دم ہی نہیں لینے دیا۔ فوراً ہی شیبہ کو قتل کر دیا اور علی نے ولید کا کام تمام کر دیا۔ البتہ عبیدہ اور عتبہ کے درمیان چوٹیں رہیں دونوں جمے رہے یہ دیکھ کر حمزہؓ اور علیؓ اپنی تلواریں لے کر عتبہ پر ٹوٹ پڑے اور قتل کر دیا اور عبیدہ کو اٹھا کر اپنے ساتھیوں کے پاس لے آئے حضرت عبیدہ کی ٹانگ کٹ گئی تھی اور ٹانگ کی مینگ بہہ رہی تھی جب یہ حضرات حضرت عبیدہ کو لے کر خدمت گرامی میں پہنچے تو عبیدہ نے کہا کیا میں شہید نہیں ہوں گا، حضور ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں، عبیدہ نے کہا اگر ابوطالب زندہ ہوتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ ان کے ان شعروں کا میں ہی زیادہ مستحق ہوں۔

ابوطالب نے کہا تھا۔

کذبتم وبیت اللہ یبزی محمد　　ولما لظاعن دونه ونناصل
ونسلمه حتی نصرع حوله　　ونذهل عن ابناء ناوالحلائل

کعبہ کی قسم تم جھوٹے ہو کہ محمد کی طرف جب تک ہم پورے طور پر نیزہ بازی اور تیر اندازی نہ کرلیں گے محمد کو تم

Marfat.com

مغلوب کر سکو گے ہم اس وقت تک ان کو (تمہارے) سپرد نہیں کر سکتے جب تک اپنے اہل وعیال کی طرف سے بے پرواہ ہو کر ان کے گرد ہماری لاشیں نہ پڑی ہوں۔

ابن جریر نے بروایت عوفی حضرت ابن عباس کا قول اور ابن المنذر و ابن ابی حاتم نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کے اور اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی اہل کتاب نے کہا تھا ہم تمہارے مقابلے میں اللہ سے زیادہ قرب رکھتے ہیں ہماری کتاب تمہاری کتاب سے اور ہمارا نبی تمہارے نبی سے مقدم ہے مسلمانوں نے کہا ہم قرب الٰہی کے زیادہ مستحق ہیں ہم اپنے نبی محمد ﷺ پر اور تمہارے نبی پر اور اللہ کی نازل کی ہوئی ہر کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور تم ہمارے نبی کو بھی پہچانتے ہو اور ہماری کتاب کو بھی اور محض حسد کی وجہ سے انکار کرتے ہو۔ فریقین کا اللہ کے معاملہ میں یہی جھگڑا تھا۔ مجاہد اور عطا بن رباح نے کہا ھذان خصمن سے تمام مسلمان مراد ہیں (یہ دو فریق ہیں)۔

بعض علماء نے کہا کہ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا الخ میں چھ مذاہب کا تذکرہ کیا گیا ہے ایک مذہب والوں کو جنتی اور پانچ مذاہب والوں کو دوزخی قرار دیا گیا ہے یہی دو فریق ہیں ایک مومنوں کا اور دوسرا باقی پانچ مذاہب والوں کا (ایمان و اسلام ایک دین ہے اور) کفر (کسی قسم کا ہو) ایک ملت ہے۔

مؤخر الذکر دونوں تفسیری قولوں میں عموم الفاظ کا لحاظ کیا گیا ہے شان نزول کی خصوصیت کا اعتبار نہیں کیا گیا اور (تفسیری لحاظ سے) یہ بات ہے بھی صحیح عموم الفاظ کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ خصوصیت قصہ کے اندر حکم کو محصور نہیں کیا جاتا۔

عکرمہ نے کہا باہم جھگڑا کرنے والی دو چیزیں جنت اور دوزخ ہیں شیخین نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت اور دوزخ کا باہم جھگڑا ہوا دوزخ نے کہا (میں اعلیٰ ہوں) مجھے تکبّر کرنے والوں اور مغروروں کے لئے پسند کیا گیا ہے، جنت نے کہا میری کیا حالت ہے میرے اندر تو سوائے کمزوروں، گرے پڑے لوگوں اور مسکینوں کے اور کوئی بھی داخل نہیں ہو گا۔ اللہ نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے میں اپنے جس بندے پر چاہوں گا تیرے ذریعہ سے رحم کروں گا (یعنی میرے رحم کی مجسم شکل تو ہے میں جس پر رحم کرنا چاہوں گا اس کو اپنی رحمت یعنی جنت عطا کر دوں گا) اور دوزخ سے فرمایا تو میرا عذاب ہے تیرے ذریعہ میں جس کو چاہوں گا عذاب دوں گا تم دونوں میں سے ہر ایک کو ضرور بھرا جائے گا دوزخ تو اس وقت تک نہ بھرے گی جب اللہ اس میں اپنا قدم نہ رکھ دے گا۔ جب اللہ اس کے اندر اپنا قدم رکھ دے گا تو دوزخ بھر جائے گی اور کہے گی بس بس اور (اس کے اجزاء) باہم سمٹ جائیں گے۔ اللہ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا (کہ دوزخ کو بھرنے کے لئے بے قصور لوگوں کو بھی اس میں ڈال دے) اور جنت (کو بھرنے) کے لئے اللہ دوسری مخلوق پیدا کر دے گا۔

فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ سو جو لوگ کافر تھے ان (کے پہننے) کے لئے (قیامت کے دن) آگ کے کپڑے قطع کئے جائیں گے یعنی کافروں کے جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے لئے آگ کے کپڑے باندازہ جثہ و درجہ دیئے جائیں گے اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ جس فیصلہ کا اس آیت میں اظہار کیا گیا ہے وہ یہی فیصلہ ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا پگھلائے ہوئے تانبے کے کپڑے ہوں گے کوئی دھات بھی ایسی نہیں کہ تپانے کے بعد اس لباس سے زیادہ گرم ہو چونکہ لباس کی طرح پگھلا ہوا تانبا کافروں کے جسم کو محیط ہو گا اس لئے اس کو لباس قرار دیا۔

بعض علماء نے کہا دوزخیوں کو آتش پارے (بطور لباس) پہنائے جائیں گے امام احمد نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت جویریہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے دنیا میں ریشم پہنا قیامت کے دن اللہ اس کو آگ کا لباس پہنائے گا۔ بزار ابن ابی حاتم اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے آگ کا جوڑا (پورا لباس) ابلیس کو پہنایا جائے گا وہ اس کو اپنی دونوں بھوؤں پر رکھے گا پھر اس کو گھسیٹتا جائے گا اور ابلیس کے

Marfat.com

پیچھے اس کی ذریات آگ کا لباس کھینچتی چلے گی ابلیس بھی ہلاکت کو پکارے گا اور اس کی ذریات بھی آخر دوزخ پر جاکر یہ سب کھڑے ہوں گے اس وقت ان سے کہا جائے گا ایک ہلاکت کو نہ پکارو بلکہ کثیر ہلاکتوں کو پکارو۔

ابو نعیم نے وہب بن منبہ کا قول نقل کیا ہے کہ دوزخیوں کو لباس پہنایا جائے گا (لیکن اس لباس سے تو) ان کا ننگا رہنا اچھا ہوگا اور ان کو زندگی دی جائے گی (لیکن اس زندگی سے تو) موت ان کے لئے بہتر ہوگی۔ حضرت ابو مالک اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نوحہ کرنے والی نے اگر اپنے مرنے سے پہلے توبہ نہ کرلی ہوگی تو قیامت کے دن اس کا حشر اس حالت میں ہوگا کہ قطران (صنوبر وغیرہ کا روغنی سیال) کا کرتہ اور جرب (تلوار کا زنگ) کی قمیص اس کے بدن پر ہوگی۔ ابن ماجہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے۔ نوحہ کرنے والی اگر مرنے سے پہلے توبہ نہیں کرے گی تو (قیامت کے دن) اس کے کپڑے قطران کے ہوں گے اور کرتہ آگ کے شعلوں کا تراشا یعنی بدن کے مطابق بنایا) جائے گا۔

يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ﴿١٩﴾ ان کے سروں کے اوپر انتہائی گرم پانی ڈالا جائے گا۔ حمیم انتہائی گرم پانی۔

يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ﴿٢٠﴾ جس کی وجہ سے جو کچھ ان کے پیٹوں کے اندر (چربی انتڑیاں، جگر تلی وغیرہ) ہوگا پگھل جائے گا اور کھالیں بھی (پگھل جائیں گی) مراد یہ ہے کہ گرم پانی کی حرارت دوزخیوں کے بیرونی بدن پر بھی اثر انداز ہوگی اور اندرونی اعضاء واحشاء پر بھی۔

ترمذی نے ایک حدیث۔ حسن حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گرم پانی ان کے سروں کے اوپر سے ڈالا جائے گا اور یہ کر پیٹ کے اندر داخل ہو کر دونوں قدموں کے درمیان سے نکل جائے گا۔ صہر کا یہی معنی ہے پھر بار بار ایسا ہی کیا جائے گا۔

وَلَهُمْ مَقَامِعُ مِنْ حَدِيدٍ ﴿٢١﴾ اور ان کو (کوٹنے) کے لئے (مخصوص طور پر) لوہے کے گرز ہوں گے۔ مقامع مقمعة کی جمع ہے مقمعة حقیقت میں اس آلہ کو کہتے جس کی سخت ضرب کی وجہ سے کسی چیز کو ردکا جائے۔ لیث نے کہا مقمعة گرز کو کہتے ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے یہ لفظ قمعت راسه کے محاورے سے ماخوذ ہے۔ قمعت میں نے سخت ضرب رسید کی۔

حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تشریح میں فرمایا، دوزخیوں کو گرزوں سے مارا جائے گا اور گرز کی ضرب مستقل طور پر ہر ہر عضو پر پڑے گی۔ اور (ہر ضرب پر) وہ موت کو پکاریں گے۔

ابو یعلی، ابن ابی حاتم، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر لوہے کا وہ گرز زمین پر رکھ دیا جائے اور سارے جن وانس اس کو اٹھانا چاہیں تو اٹھا نہ سکیں اور اگر اس کی ایک ضرب پہاڑ پر پڑ جائے تو پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائے (یہ گرز دوزخی پر پڑے گا) پھر دوزخی ویسا ہی ہو جائے گا جیسا تھا اور بار بار ایسا ہی ہوتا رہے گا)

كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا وہ جب بھی دوزخ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جب بھی وہ نکلنا چاہیں گے (نکلنے کے قریب ہوں گے) فوراً اندر ہی کو لوٹا دیئے جائیں گے اس تاویل کی ضرورت اس لئے پڑی کہ دوبارہ لوٹایا جانا اسی وقت ہوتا ہے جب باہر نکل آئیں (اور اہل جہنم کا آگ سے باہر نکلنا ممکن نہیں یہ نص قطعی ہے اس لئے اعادہ کو ارادے پر مرتب کیا اور قرب خروج کی قید کا اضافہ کیا گیا)

ابن ابی حاتم کی روایت ہے کہ اس آیت کی تشریح میں فضیل بن عیاض نے فرمایا واللہ ان کو دوزخ سے نکلنے کی امید بھی نہیں ہوگی، کیونکہ ان کے پاؤں مضبوطی کے ساتھ جکڑے ہوئے ہوں گے بلکہ آگ کی لپیٹ (اپنے جوش کی وجہ سے) ان کو اٹھا کر اوپر لے جائے گی اور (وہاں سے فرشتوں کے) گرز پھر ان کو لوٹا دیں گے۔

Marfat.com

میں کہتا ہوں شاید آگ سے باہر نکل جانے کا ارادہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آگ کی لپیٹ جب ان کو اٹھا کر اوپر لے جائے گی تو ان کو خیال پیدا ہو جائے گا کہ آگ سے باہر جا پڑیں گے لیکن ایسا نہ ہو سکے گا بلکہ گرز ان کو پھر نیچے لوٹا دیں گے، بیہقی نے ابو صالح کا قول نقل کیا ہے کہ جب دوزخ میں کسی کافر آدمی کو پھینکا جائے گا تو گڑھے کی تہ تک پہنچے بغیر وہ کہیں نہیں رکے گا پھر جہنم کی آگ کا جوش اس کو اٹھا کر جہنم کے بالاترین کنارے تک لے جائے گا اس وقت اس کی ہڈیوں پر گوشت کی بوٹی نہ ہو گی (سب کو آگ کھا چکی ہو گی صرف پنجر باقی ہو گا) پھر ملائکہ اس کو گرزوں سے ماریں گے اور وہ لڑھکتا ہوا تلی تک پہنچ جائے گا اور یہ سلسلہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ بغوی نے بھی یہی تفسیر کی ہے اس میں اتنا زائد ہے کہ دوزخ کے فرشتے اس کو لوہے کے گرزوں سے ماریں گے اور وہ ستر سال تک لڑھکتا چلا جائے گا۔

وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿۲۲﴾ اور جلنے کا مزہ چکھو۔

۲ ع ۱۲ ۹

الحریق آتش سوزاں، بہت زیادہ سوختہ بنا دینے والی آگ، حریق (صفت مشبہ) بروزن فعیل یعنی فاعل (یعنی بمعنی محرق) جیسے الیم بمعنی مولم اور وجیع بمعنی موجع، زجاج نے کہا یہاں تک ایک فریق کا ذکر تھا دوسرے فریق کا تذکرہ اگلی آیات میں آرہا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اللہ یقیناً ان کو جنتوں میں داخل فرمائے گا۔ جن کے (درختوں اور کوٹھیوں کے) نیچے نہریں جاری ہوں گی، اس آیت میں اسلوب بیان بدل دیا اور مؤمنوں کی قابل ستائش حالت کی قدر دانی اور برتری کو ظاہر کرنے کے لئے جنت کے داخلے کو اللہ نے اپنی طرف منسوب کیا اور لفظ ان ذکر کر کے کلام میں زور پیدا کر دیا۔

يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا جنت کے اندر ان کو سونے کے کنگن اور موتیوں کا زیور پہنایا جائے گا۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ اہل تفسیر کا قول ہے کہ ہر جنتی کے ہاتھ میں تین کنگن پہنائے جائیں گے۔ ایک سونے کا دوسرا چاندی کا تیسرا موتیوں کا۔

ترمذی اور حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ۔ تلاوت فرمائی پھر فرمایا ان (کے سروں) پر تاج ہوں گے جن کے ادنیٰ موتی کی چمک سے مشرق سے مغرب تک جگمگا جائے گا۔

طبرانی نے الاوسط میں اور بیہقی نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر ادنیٰ جنتی کے زیور کا تمام دنیا والوں کے زیور سے موازنہ کیا جائے تو ادنیٰ جنتی کو جس زیور سے اللہ آراستہ کرے گا وہ ساری دنیا والوں کے زیور سے اعلیٰ ہو گا۔

ابو الشیخ نے العظمۃ میں کعب بن احبار کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ کا ایک فرشتہ اپنے روز پیدائش سے اہل جنت کے لئے زیور ڈھالنے میں مشغول ہے اور روز قیامت تک مشغول رہے گا اور اگر اہل جنت کا کوئی ایک زیور بھی برآمد ہو جائے تو سورج کی روشنی کو ماند کر دے گا۔

شیخین نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کا زیور (اس کے ہاتھ اور پاؤں میں) اس حد تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے۔

الزہد میں عمران بن خالد کی وساطت سے ایک تابعی کی روایت آئی ہے کہ صحابہ کرام نے فرمایا کہ باوجود قدرت رکھنے کے جس نے سونا پہننا چھوڑا اللہ خطیرۃ القدس میں اس کو سونا پہنائے گا اور جس نے باوجود قدرت رکھنے کے شراب ترک کی اللہ اس کو خطیرۃ القدس کی شراب پلائے گا۔ نسائی اور حاکم نے حضرت عقبہ بن عامر کی راویت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ (سونے کا) زیور اور ریشم پہننے والوں کو ممانعت فرماتے تھے اور فرماتے تھے اگر تم جنت کا زیور اور جنت کا ریشم پسند کرتے ہو تو دنیا میں اس کو

Marfat.com

نہ پہنو۔ حضرت عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس (مرد) نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں (جنت کا) ریشم نہیں پہنے گا۔

وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿۲۳﴾ اور جنت کے اندر ان کا لباس ریشمی ہوگا۔ بزار۔ ابویعلی اور طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر کی وساطت سے حضرت مرثد بن عبداللہ کا قول نقل کیا ہے کہ جنت کے اندر ایک درخت ہے جس سے سندس (باریک ریشمی لباس) پیدا ہوتا ہے اسی کے اہل جنت کے کپڑے ہوں گے۔ نسائی طیالسی، بزار اور بیہقی نے کھری سند کے ساتھ حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس سے (یعنی درخت سے) پھٹ کر نکلیں گے یعنی اہل جنت کے کپڑے درخت کے پھل کے پھٹنے سے نکل آئیں گے۔

ابن مبارک نے بیان کیا کہ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا مومن کا مکان ایک کھوکھلا موتی ہوگا جس کے اندر ستر کمرے ہوں گے اور موتی کے وسط میں ایک درخت ہوگا جس کے اندر کپڑے اگیں گے۔ مومن جا کر اپنی انگلی سے ستر جوڑے کپڑوں کے لے لے گا اور ہر جوڑے میں زمرد کی اور موتیوں کی اور مونگے کی لڑیاں پروئی ہوئی ہوں گی۔

فصل : شیخین (بخاری و مسلم) نے بیان کیا کہ حضرت حذیفہ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ ﷺ فرمار ہے تھے تم لوگ نہ ریشم پہنو نہ دیبا نہ سونے چاندی کے برتنوں میں پیو، نہ ان کے پیالوں رکابیوں میں کھاؤ، یہ چیزیں ان (کافروں) کے لئے دنیا میں ہیں اور تم لوگوں کے لئے آخرت میں ہوں گی)

شیخین نے حضرت عمر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس (مرد) نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں نہیں پہنے گا (یعنی ریشمی لباس سے محروم رہے گا) ایسی ہی حدیث حضرت انسؓ اور حضرت زبیرؓ کی روایت سے بھی آئی ہے۔ نسائی اور حاکم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس مرد نے دنیا میں ریشم پہنا آخرت میں وہ ریشم کا لباس نہیں پہنے گا۔ جس نے دنیا میں شراب پی آخرت میں وہ شراب (طہور) نہیں پئے گا اور جس نے سونے چاندی کے برتنوں میں (کچھ) پیا آخرت میں وہ سونے چاندی کے برتنوں میں نہیں پئے گا۔ (محروم رہے گا)۔

طیالسی نے صحیح سند سے اور نسائی نے اور ابن حبان نے اور حاکم نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں ریشم نہیں پہنے گا اور اگر جنت میں پہنچ بھی گیا تب بھی اس کو ریشمی لباس نہیں ملے گا۔

ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا نے حضرت ابو امامہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے ہر ایک کو طوبیٰ کے پاس لے جایا جائے گا۔ طوبیٰ کے شگوفے اس کے لئے کھل جائیں گے (اور شگوفوں کے اندر سے لباس برآمد ہوگا) جو کوئی جس طرح کا لباس لینا چاہے گا لے لے گا۔ خواہ سفید کا خواستگار ہو یا سرخ کا یا سبز کا یا زرد کا یا سیاہ کا (یہ لباس خوبصورتی میں) گل لالہ کی طرح ہوگا بلکہ اس سے بھی زیادہ نرم اور حسین۔

حضرت کعبؓ کا بیان ہے اگر جنت کے کپڑوں میں سے کوئی کپڑا دنیا میں پہن لیا جائے تو جو کوئی اس کو دیکھے گا بیہوش ہو جائے گا۔ صابونی نے المأتین میں بیان کیا ہے کہ جنتی آدمی جب حلۂ بہشتی پہنے گا تو فوراً ایک ساعت میں اس کے ستر رنگ بدل جائیں گے۔ مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص جنت میں داخل ہو کر وہاں کی نعمتوں سے راحت اندوز ہوگا تو نہ اس کا لباس کبھی پرانا (فرسودہ) ہوگا نہ شباب فنا ہوگا۔

وَهُدُوٓا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۖ وَهُدُوٓا إِلَىٰ صِرَاطِ الْحَمِيدِ ﴿۲۴﴾ اور (جنت میں یہ نعمتیں اس لئے ملیں گی کہ دنیا میں) ان کو کلمہ طیب (پر ایمان کی) ہدایت ہوگئی تھی اور اس (خدا) کے راستہ پر چلنے کی توفیق مل گئی تھی جو مستحق حمد ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا طیب قول سے مراد ہے لا الہ الا اللہ واللہ اکبر و الحمد للہ کی شہادت۔ جس کی

Marfat.com

ہدایت ان کو دنیا میں مل گئی تھی۔ سدی نے کہا پاکیزہ قول سے مراد ہے قرآن مجید۔ بعض علماء کا قول ہے کہ آیت میں ماضی بمعنی مستقبل ہے یعنی جنت کے اندر ان کو پاکیزہ کلام کی ہدایت ملے گی مطلب یہ کہ وہ جنت میں پہنچ کر الحمدللہ الذی صدقنا وعدہ الخ پڑھیں گے۔

صراط الحمید سے مراد ہے اللہ کا راستہ یعنی اسلام اور حمید سے مراد اللہ کی ذات ہے جو فی نفسہٖ مستحق ستائش ہے یا صراط الحمید سے راہ جنت مراد ہے یعنی آخرت میں ان کو جنت کے راستہ پر چلنے کی توفیق دی جائے گی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ﹰالْعَاكِفُ فِیْهِ وَ الْبَادِؕ بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور (مسلمانوں کو) اللہ کے راستہ سے اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جس کو ہم نے تمام آدمیوں کے لئے مقرر کر دیا ہے کہ اس میں سب برابر ہیں اس میں رہنے والا بھی اور باہر سے آنے والا بھی۔ یعنی لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔

یصدون مضارع کا صیغہ ہے لیکن اس سے مراد نہ حال ہے نہ استقبال بلکہ استمرار مراد ہے اسی لئے اس کا عطف ماضی پر کیا گیا ہے عرب بولتے ہیں فلان یعطی ویمنع فلاں شخص دیتا ہے اور منع کرتا ہے یعنی اس کی یہ عادت ہی ہے وہ ایسا کرتا ہی رہتا ہے۔

المسجد الحرام کا عطف سبیل اللہ پر ہے یا لفظ اللہ پر (یعنی اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور مسجد حرام کے راستہ سے)

مسجد حرام سے امام شافعی کے نزدیک صرف مسجد (کعبہ) مراد ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک سارا حرم جیسے دوسری آیت میں آیا ہے سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الخ بعض (قوی) روایات میں آیا ہے کہ معراج کا واقعہ حضرت ام ہانی کے مکان سے ہوا (جو حرم کے اندر تھا کعبہ کے اندر نہیں تھا) پس جس طرح آیت سبحان الذی میں مسجد حرام سے مراد حرم ہے، اسی طرح والمسجد الحرام میں بھی حرم ہی مراد ہے۔ اگلی آیت الذی جعلناہ الخ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد حرام سے مراد حرم ہے کیونکہ اس آیت میں مقیم اور مسافر کو برابر کا حق دیا گیا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اگرچہ اس آیت میں مسجد حرام سے مراد مسجد ہی ہے لیکن آیت اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا میں مسجد حرام سے عام حدود حرم ہی مراد ہیں کیونکہ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ حدود حرم کے اندر داخل ہونے سے غیر مسلموں کو روکا جائے۔ عاکف سے مراد ہے مقیم اور بادی سے مراد ہے مسافر۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے بدو۔ بداوۃ بداۃ اور بادیہ کا مفہوم شہریت کے برعکس ہے (یعنی دیہاتیت یا جنگلیت یا خانہ بدوشی) آیت کا مطلب یہ ہے کہ حرم کے اندر ٹھہرنے اور اترنے میں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں۔ جو شخص بھی حرم کے اندر کسی جگہ پہلے ٹھہر جائے اس کو پیچھے آنے والا نکال نہیں سکتا۔ حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر، قتادہ اور ابن زید کا یہی قول ہے، ان بزرگوں نے کہا کہ مقیم ہو یا مسافر حرم کے اندر مکانوں اور فرودگاہوں پر سب کا حق برابر ہے۔ عبدالرحمن بن سابط کا بیان ہے کہ حاجی جب مکہ میں آتے تھے تو مکہ کے باشندوں کو بھی اپنے مکانوں پر ترجیحی حقوق باقی نہیں رہتے تھے۔ حضرت عمر موسم حج میں لوگوں کو اپنے گھروں کے دروازے بند رکھنے سے منع فرماتے تھے۔ بغوی نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔

میں کہتا ہوں حضرت عمر کا یہ قول عبدالرحمن بن عبد حمید نے بوساطت نافع حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے۔

ازالۃ الخفاء کی ایک روایت ہے کہ مروہ کے قریب ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا امیر المومنین میرے لئے کچھ جگہ کاٹ دیجئے (یعنی کوئی خاص جگہ مقرر فرما دیجئے) حضرت عمرؓ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور اس کو پیچھے چھوڑ کر (آگے بڑھ گئے اور) فرمایا یہ تو اللہ کا حرم ہے اس میں مقیم و مسافر سب کا حق برابر ہے۔ عبدالرزاق نے بروایت معمر از منصور مجاہد کا قول نقل کیا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ مکہ والو اپنے گھروں کے دروازے بند نہ رکھو تاکہ باہر سے آنے والے جہاں چاہیں اتر سکیں۔ عبدالرزاق نے ابن جریج کی روایت سے بیان کیا کہ عطا حرم کے اندر گھوڑوں کے داخلے سے منع کرتے تھے۔ اور مجھے

Marfat.com

یہ بھی روایت پہنچی ہے کہ حضرت عمر نے مکہ کے گھروں کو۔ دربند کرنے کی ممانعت فرمادی تھی۔ تاکہ حاجی گھروں کے صحنوں میں اتر سکیں سب سے پہلے سہیل بن عمرو نے اپنے گھر کا دروازہ قائم کیا اور حضرت عمر سے اپنے اس فعل کی معذرت کی۔

لیکن بیہقی کی یہ روایت صحیح ہے کہ حضرت عمرؓ نے مکہ میں چار ہزار درہم سے ایک مکان جیل خانہ بنانے کے لئے خریدا تھا۔ اور ابن الزبیر کی یہ روایت بھی صحیح ہے کہ آپ نے حضرت سودہ کا حجرہ خرید اتھا۔ اور یہ بھی روایت آئی ہے کہ حضرت حکیم بن حزام نے دار الندوہ فروخت کردیا تھا۔ اور یہ بھی صحیح بات ہے کہ توسیع مسجد کے لئے حضرت عمرؓ نے کچھ مکان انکے مالکوں سے خریدے تھے اور حضرت عثمان کے سلسلہ میں بھی ایسی ہی روایت آئی ہے اس وقت رباط میں بکثرت صحابی موجود تھے اور کسی نے اس سے انکار نہیں کیا یہ تمام روایات بتارہی ہیں کہ حرم کے اندر بلکہ مکہ کے اندر مکانوں کی خرید و فروخت جائز ہے۔

میں کہتا ہوں یہ سب خرید و فروخت عمارت کی تھی عمارتیں مختلف مالکوں کی تھیں یہ زمین کی خرید و فروخت نہ تھی اور ممانعت زمین کی فروخت و خرید کی تھی۔ اسی لئے امام ابو حنیفہ کا قول ہے اور قوی ترین روایت میں امام احمد کا بھی یہی قول آیا ہے کہ مکہ کی زمین کی فروخت اور مکہ کے مکانوں کو کرایہ پر اٹھانا ناجائز ہے کیونکہ حرم کی زمین آزاد ہے کسی کی ملک نہیں ہے اللہ نے فرمایا ہے ثم محلها الى البيت العتيق اللہ نے اس آیت میں بیت کو عتیق (آزاد) فرمایا ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ بیت عتیق سے مراد پورا حرم ہے کیونکہ صرف حدود حرم کے اندر ہی قربانی جائز ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جو کعبہ کے قریب ہو۔ یہ تاویل خود ساختہ اور ناقابل قبول ہے۔

امام مالکؒ کا بھی یہی مسلک ہے لیکن انکے اس مسلک کی بناء ایک اور نظریہ پر ہے امام مالک کے نزدیک مکہ کی فتح زبردستی اور جبری ہوئی تھی اور جس بستی کو جبراً فتح کیا گیا ہو وہ ساری بستی وقف ہو جاتی ہے اس کی زمین کو فروخت نہیں کیا جاسکتا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مکہ کے مکانوں کا بیچنا اور کرایہ پر اٹھانا جائز ہے کیونکہ وہ مکانداروں کی ملک ہیں (وقف نہیں ہیں) حسن، طاؤس، عمرو بن دینار اور علماء کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے اور آیت میں امام شافعیؒ کے نزدیک مسجد (کعبہ) مراد ہے۔ تفسیری مطلب یہ ہے کہ ہم نے کعبہ کو تمام لوگوں کی نمازوں اور عبادتوں کے لئے قبلہ بنادیا ہے کعبہ کی تعظیم اس کے اندر نماز کی فضیلت اور اس کے طواف کرنے کا حکم سب کے لئے ایک ہے، مقیم ہو یا کوئی صحرائی مسافر سب اس میں برابر ہیں، مکہ کو آباد کرنے کی اصل غرض ہی وہاں نماز کا قیام تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے قول کو نقل کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا ہے رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔

میں کہتا ہوں (اگر مسجد حرام سے صرف کعبہ مراد ہو تو) مقیم و مسافر کے لئے صرف کعبہ کے معاملہ میں مساوات ثابت ہو گی۔ باوجودیکہ اس خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں، تمام مساجد کا یہی حکم ہے ہر مسجد کی ہر شخص پر تعظیم واجب ہے۔ ہر مسجد کے اندر ثواب کا جو درجہ مقرر ہے وہ سب کے لئے یکساں ہے سفر و حضر سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد اور علماء کی ایک جماعت کا قول بھی شافعیؒ کے قول کے موافق ہے میں کہتا ہوں ایسا تو نہیں ہے بلکہ مجاہد کا قول تو روایت میں وہی آیا ہے جو امام ابو حنیفہ کا ہے طحاوی نے ابراہیم بن مہاجر کے طریق سے بیان کیا ہے کہ مجاہد نے فرمایا مکہ (ہر ایک کے لئے) مباح ہے نہ اس کی زمینوں کی فروخت درست ہے نہ کرایہ پر دینا۔

عبد الرزاق نے بطریق ابراہیم بن مہاجر بروایت مجاہد حضرت ابن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ مکہ کے گھروں کو نہ بیچنا جائز ہے نہ کرایہ پر دینا۔ اس قول کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو امام محمد نے کتاب الآثار میں بیان کی ہے کہ امام ابو حنیفہ نے براویت عبد اللہ بن زیاد بحوالۂ نجیح بیان کیا کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ نے مکہ کو حرم بنادیا ہے اس کی زمینوں کو بیچنا اور ان کی قیمت کھانا حرام ہے۔ ابن جوزی نے اپنی سند کے ساتھ التحقیق میں امام ابو حنیفہؒ کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا جس کے الفاظ اس طرح ہیں، مکہ حرام ہے اس کی زمینیں حرام ہیں اس کے گھروں کا کرایہ حرام ہے۔

Marfat.com

دار قطنی نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا اس حدیث کو مرفوع قرار دینا وہم ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔ ابوحنیفہؒ کی طرف وہم کی نسبت کرنا نفی پر دلالت کررہی ہے اور دار قطنی کا قول نفی پر شہادت ہے اور شہادت علی النفی قابل قبول نہیں۔ امام ابوحنیفہ ثقہ ہیں اور ثقہ کا کسی حدیث کو مرفوعاً ذکر کرنا قابل قبول ہے امام محمد نے اسی سند سے مرفوعاً ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مکہ کے مکانوں کا کچھ بھی کرایہ کھایا اس نے آگ کھائی۔ دار قطنی نے اپنی سند سے اسماعیل بن ابراہیم بن مہاجر کی روایت سے بحوالہ حضرت ابن عمر بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مکہ مباح ہے (ہر ایک کا حق اس کی زمین اور مکان پر برابر ہے) اس کی زمینیں نہ بیچی جائیں اور نہ اس کے مکان کرایہ پر دیئے جائیں۔

میں کہتا ہوں اسماعیل بن ابراہیم کو یحییٰ اور نسائی نے اور اسماعیل کے باپ ابراہیم کو بخاری نے ضعیف قرار دیا ہے اور ابوحاتم نے ابراہیم کو منکر الحدیث کہا ہے ابن المدینی اور نسائی نے کہا یہ قوی نہیں ہے۔ لیکن سفیان (بن عیینہ) اور احمد اور یحیی بن معین اور ابن مہدی نے اس کو لاباس بہ کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ ابوبکر بیہقی نے کہا صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ ابن جوزی نے اپنی سند سے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مکہ حرام ہے اللہ نے اس کو حرمت والا بنایا ہے اس کی زمینوں کو بیچنا حلال نہیں اور نہ اس کے مکانوں کو کرایہ پر اٹھانا جائز ہے۔ یہ روایت مرسل ہے (صحابی کا اس میں ذکر نہیں) اور ہمارے نزدیک مرسل حجت ہے۔

جو لوگ مکہ کے مکانوں کو مکان والوں کی ملک کہتے ہیں ان کی دلیل حسب ذیل ہے

(۱) اللہ نے فرمایا ہے اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ اور رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا تھا جو ابوسفیان کے مکان میں چلا گیا وہ مامون ہے آیت اور حدیث دونوں میں مکان کی اضافت مکان والوں کی طرف کی گئی جو ملکیت پر دلالت کرتی ہے۔ پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر مکانوں کے مالک مہاجرین نہ ہوتے تو ان کو مظلوم نہ قرار دیا جاتا (کیونکہ جن مکانوں سے ان کو نکالا گیا ان کے مالک وہ تھے ہی نہیں تو پھر ان پر ظلم ہی کیا ہوا)

اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ سکونت یا تعمیر کی وجہ سے اضافت کی گئی یہ ضروری نہیں کہ اضافت مفید تملیک ہی ہو، مسجد النبوی ﷺ اور مسجد فلان کا معنی یہی ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یا فلاں شخص کی بنائی ہوئی مسجد (مسجد کسی کی ملک نہیں ہوتی اور یہ ضروری نہیں کہ مملوکہ مکانوں سے نکالا جانا ہی ان پر ظلم ہو (مقبوضہ اور معمورہ مکان سے کسی کو نکال دینا بھی ظلم ہے) دیکھو مسجد حرام میں عبادت کرنے کا مہاجرین کو بھی برابر حق تھا اور یہ حق ان سے چھین لیا گیا اور کعبہ میں ذکر خدا کرنے سے ان کو روک دیا گیا۔ یہ بڑا ظلم تھا۔

(۲) حضرت اسامہ بن زید کا بیان ہے کہ حج کے موقع پر میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کل آپ کہاں اتریں گے فرمایا کیا عقیل نے کوئی اترنے کی جگہ (ہمارے لئے) چھوڑ دی ہے پھر فرمایا انشاء اللہ ہم کل کو خیف بنی کنانہ میں اتریں گے۔ پھر فرمایا کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا اور نہ مسلمان کافر کا۔ متفق علیہ۔

ابن جوزی نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے حضرت اسامہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! کیا حضور مکہ میں اپنے مکان میں اتریں گے فرمایا کیا عقیل نے (ہمارے لئے) کوئی زمین یا مکان چھوڑا ہے۔ زہری نے کہا عقیل اور طالب ابو طالب کے وارث ہوئے اور جعفر و علی چونکہ مسلمان ہوگئے تھے اس لئے ابوطالب کے وارث نہیں ہوئے۔ مراد یہ ہے کہ ابوطالب کے مرنے تک عقیل اور طالب کافر رہے (اس لئے وارث ہوئے)

کہا جاتا ہے کہ جس مکان کی طرف رسول اللہ ﷺ کے کلام میں اشارہ ہے وہ اصل میں ہاشم بن عبد مناف کا مکان تھا۔ ہاشم کے بعد ان کے بیٹے عبدالمطلب کا ہوا جب عبدالمطلب زیادہ بوڑھے ہوگئے تو انہوں نے وہ مکان اپنے بیٹوں کو تقسیم کر دیا اور

Marfat.com

عبد اللہ بن عبد المطلب کا حصہ رسول اللہ ﷺ کو ملا اسی میں رسول اللہ ﷺ کی پیدائش ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے ہجرت کرلی تو عقیل و طالب نے پورے مکان پر قبضہ کرلیا کیونکہ اس وقت تک یہ دونوں مسلمان نہیں ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ اپنا حصہ چھوڑ کر چلے گئے تھے، طالب بدر میں مارے گئے اس لئے عقیل نے پورا مکان اس کے بعد فروخت کردیا۔

فاکہانی کی روایت میں آیا ہے کہ عقیل نے مکان فروخت نہیں کیا تھا اور عقیل کی اولاد اس پر قابض رہی یہاں تک کہ حجاج کے بھائی محمد بن یوسف نے ایک لاکھ دینار میں اس کو خرید لیا۔

اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ عقیل نے اگر کافر ہونے کی حالت میں مکان کو فروخت کردیا تھا تو اس سے مکہ کے مکانوں کی بیع کا اسلامی جواز ثابت نہیں ہوتا۔

میرے نزدیک حدیث کا مطلب اس طرح ہو سکتا ہے کہ مکان کو فروخت کرنے سے پہلے عقیل کا اس پر تصرف تھا اور فروخت کرنے کے بعد خریدار نے اس کو اپنے کام میں لے لیا۔ بہرحال وہ مکان خالی نہ تھا جب رسول اللہ ﷺ نے اس کو خالی نہ پایا تو فرمایا عقیل نے کیا ہمارے ٹھہرنے کے لئے کوئی مکان (خالی) رہنے دیا ہے۔ اس مطلب پر راوی کا یہ کہنا کہ عقیل ابو طالب کے وارث ہوئے صرف ایک خیال ہے اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان کہ کافر مومن کا وارث نہیں ہوتا اور نہ مومن کافر کا۔ شاید اس کا تعلق کسی اور واقعہ سے ہے (عقیل کے واقعہ سے اس کا تعلق نہیں ہے) راوی نے دونوں حدیثوں کو یہ خیال کرکے ملا دیا کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان کافر و مومن کے درمیان عدم توارث کا ہے اسی بناء پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ عقیل نے کیا ہمارے اترنے کے لئے کوئی مکان چھوڑا ہے۔ اس صورت میں دونوں حدیثوں کا تعلق الگ الگ واقعات سے ہوگا اور اس حدیث سے مکہ کے مکانوں کا کسی کی ملک ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ بالفرض اگر تسلیم بھی کرلیا جائے کہ اس حدیث سے مکہ کے مکانوں کی بیع کا جواز مستنبط ہوتا ہے تب بھی حرمت مکہ کی حدیثیں صراحتاً اور عبارۃً عدم جواز پر دلالت کررہی ہیں اور یہ حدیث جواز بیع کی طرف صرف اشارہ کررہی ہے اور ظاہر ہے کہ صراحت و عبارت کا درجہ اشارہ سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔

اگر ہم دونوں حدیثوں کو ہم مرتبہ بھی مان لیں اور کسی کو قوی نہ کہیں اور دونوں میں تعارض تسلیم کرلیں تب بھی تحریم و تحلیل کے تعارض کے وقت حرمت کو حلت پر ترجیح دی جائے گی (کیونکہ حرمت و حلت میں تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے یہ عام ضابطہ ہے) اسی لئے امام ابو حنیفہ نے مکہ کی زمینوں اور مکانوں کی بیع کو مکروہ تحریمی کہا ہے (حرام نہیں کہا) مزید برآں یہ بات بھی ہے کہ اگر عبد اللہ کا میراثی حصہ رسول اللہ کا تھا تو لامحالہ عقیل نے (آپ کی ہجرت کے بعد) اس پر جابرانہ قبضہ کیا ہوگا اور امام ابو حنیفہ قائل ہیں کہ اگر کافر مسلمان کے مال کا بالجبر مالک ہو جائے تو وہ مال مسلمان کی ملک نہیں رہتا (شافعی اس کے قائل نہیں ہیں) اور جب عقیل زبردستی رسول اللہ ﷺ کے میراث حصہ پر قابض ہوگئے تو پھر اس بیان میں رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا کوئی معنی نہیں کہ کافر مومن کا وارث نہیں ہوتا اور نہ مومن کافر کا۔ اگر وہ پورا مکان ابو طالب کا تھا تو رسول اللہ ﷺ کا اس میں حصہ ہونا ناقابل تصور ہے۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ ابو طالب مسلمان ہوگئے تھے تب بھی رسول اللہ ﷺ ابو طالب کے وارث نہیں ہو سکتے (دادا کے مال کا پوتا وارث نہیں ہوتا جبکہ اس کے بیٹے موجود ہوں) بہرحال رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث کہ کیا عقیل نے ہمارے اترنے کے لئے کوئی مکان چھوڑا ہے تاویل طلب ہے اور جو تاویل ہم نے بیان کی اس سے بہتر تاویل ممکن نہیں۔ کیونکہ اگر بالفرض علی اور جعفر کو ابو طالب کا وارث نہ ہونا مان بھی لیا جائے تب بھی عاریۃً اور عارضی طور پر آپ علی یا جعفر یا عقیل کے حصہ میں اتر سکتے تھے۔

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ اور جو شخص اس میں

یعنی حرم میں کسی خلاف دین کام کا قصد ظلم (یعنی شرک و کفر) کے ساتھ کرے گا تو ہم اس کو دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ فیہ کی ضمیر مسجد حرام کی طرف راجع ہے خواہ اس سے کعبہ مراد ہو یا عام حرم الحاد مفعول ہونے کی بنا پر محل نصب میں ہے اور ب زائد ہے جیسے تنبت بالدھن میں ب زائد ہے (کیونکہ انبات خود متعدی ہے) عمش شاعر کا قول ہے

Marfat.com

ضمنت برزق عیالنا اور ماحتاس میں بھی ب زائد ہے بظلم کا تعلق یرد سے ہے۔

بخاری نے صحیح میں حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مستحق نفرت تین آدمی ہیں۔ (۱) حرم میں بے دینی کرنے والا۔ (۲) اسلام (کے دور) میں جاہلیت کا طریقہ چاہنے والا (۳) کسی کا ناحق خون بہانے کا طلب گار۔

زرین نے اپنی کتاب میں اور بیہقی نے المدخل میں اور ترمذی و حاکم نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چھ (طرح کے لوگ) ہیں جن پر میں نے بھی لعنت کی ہے اور اللہ نے بھی اور ہر مقبول الدعا پیغمبر نے بھی۔ (۱) اللہ کی کتاب میں اپنی طرف سے اضافہ کرنے والا۔ (۲) تقدیر الٰہی کا انکار کرنے والا۔ (۳) زبردستی حاکم بن جانے والا کہ جس کو اللہ نے ذلیل کیا ہے اس کو عزت دیدے اور جس کو خدا نے عزت دی ہے اس کو ذلیل کردے۔ (۴) اللہ کے حرم کو حلال بنانے والا۔ (۵) میری عترت (اولاد و نسل کے قتل و غارت و تذلیل) کے تعلق سے جو اللہ نے حرام کردیا ہے اس کو حلال قرار دینے والا۔ (۶) میرے طریقے کو ترک کرنے والا۔

حاکم نے حضرت علیؓ کی روایت سے بھی مرفوعاً یہ حدیث بیان کی ہے۔

مذکورہ بالا دونوں حدیثیں بتارہی ہیں کہ مسجد حرام سے مراد حرم ہے کیونکہ حرم کو حلال سمجھنا اور وہاں بے دینی کرنا مطلقاً حرام ہے خواہ مسجد کعبہ کے اندر ہو یا باہر۔

الحاد لغت میں کجی ایک جانب کو جھکاؤ اور سیدھے راستے سے کٹ جانے کو کہتے ہیں مجاہد اور قتادہ کے نزدیک اس جگہ شرک اور غیر اللہ کی پرستش مراد ہے بعض علماء نے کہا کہ تمام ممنوعات کا ارتکاب مراد ہے خواہ قولی ہو یا فعلی یہاں تک کہ خادم کو گالی دینا بھی اس میں داخل ہے۔ عطاء نے کہا بغیر احرام کے حرم میں داخل ہونا اور حرم کے اندر خلاف حرمت حرم کوئی کام کرنا (مثلاً شکار کرنا یا حرم کے درخت کو کاٹنا) مراد ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا حرم میں الحاد یہ ہے کہ جو شخص تم کو قتل نہ کر رہا ہو تم اس کو قتل کردو اور جو شخص تم پر ظلم نہ کر رہا ہو تم اس پر ظلم کرو۔ ضحاک کا قول بھی یہی ہے۔

مجاہد نے کہا مکہ کے اندر گناہ کا درجہ بھی (باہر کے گناہ کے مقابلے میں) چند گنا ہو جاتا ہے جیسے حرم کے اندر نیکیوں کا درجہ چند گناہ ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا وہ (یعنی صحابہ) کہتے تھے کہ اگر کسی شخص نے گناہ کا صرف ارادہ کیا اور ارتکاب نہیں کیا تو اس کے اعمالنامے میں گناہ نہیں لکھا جائے گا لیکن اگر کسی شخص کو مکہ میں قتل کرنے کا ارادہ کسی نے کیا اور جس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا ہے وہ عدن میں ہے یا کسی اور شہر میں ہے تو ایسا ارادہ کرنے والے کو اللہ عذاب الیم کا مزہ چکھائے گا (گویا مکہ کے اندر گناہ کا ارادہ بھی گناہ کے حکم میں ہے اور مستوجب سزا ہے) سدی نے کہا اللہ اس کو عذاب الیم کا مزہ چکھائے گا مگر یہ کہ وہ توبہ کرلے (تو ارادہ گناہ پر مواخذہ نہ ہوگا)

حضرت عبداللہ بن عمرو کے متعلق روایت میں آیا ہے کہ آپ کے دو خیمے تھے ایک حل میں اکا ۔۔۔ حرم کے اندر جب گھر والوں کو آپ کچھ سخت سست کہنا چاہتے تھے تو حل والے خیمہ میں جاکر کہتے تھے لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا ہم اپنی گفتگو میں کہا کرتے تھے کہ حرم کے اندر کلا واللہ اور بلی واللہ کہنا بھی الحاد (بے دینی) ہے۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اور جب ہم نے ابراہیم کے لئے بیت اللہ کی جگہ معین ۔۔۔

یہ ترجمہ زجاج کے قول کے موافق کیا گیا ہے۔ بعض علماء نے کہا لابراہیم میں لام زائد ہے اس صورت میں ترجمہ اس طرح ہوگا اور جب ہم نے ابراہیم کو کعبہ کے مقام پر ٹھہرایا، اتارا۔

قاموس میں ہے بواہ منزلا اور فی المنزل کسی جگہ اس کو اتارا۔ المباءۃ منزل۔ (۔۔۔ مکان۔ مقام) ۔۔۔

Marfat.com

(تاریخی) یہ ہوا کہ حضرت نوح کے طوفان کے زمانے میں کعبہ کو آسمان کی طرف اٹھالیا گیا تھا، پھر جب اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو تعمیر کعبہ کا حکم دیا تو حضرت ابراہیم حیران ہوئے اور آپ کو پتہ بھی نہ چلا کہ کعبہ کا مقام کہاں ہے اور کہاں بناؤں بحکم خدا ایک تند آندھی آئی جس کی وجہ سے کعبہ کے خطوط اساسی پر پڑی ہوئی ریت اور مٹی ہٹ گئی اور آپ کو کعبہ کی بنیادیں معلوم ہو گئیں۔ کذا قال البغوی۔

بیہقی نے دلائل میں اور ابن ابی حاتم نے سدی کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ نے ایک ہوا بھیجی تھی جس کو ریح خجوج کہتے ہیں، اس ریح خجوج کے دو بازو (اڑنے والے) اور ایک سر تھا اور سانپ جیسی شکل تھی اس ہوا نے کعبہ کے گرداگرد زمین کو الٹ دیا اور کعبہ کی اساس اول برآمد ہو گئی۔

بغوی نے کلبی کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے مسافت کعبہ کے بقدر ایک ہوا بھیجی، جو کعبہ کے مقام پر آکر کھڑی ہو گئی، اس کے اندر ایک سر تھا جو کہہ رہا تھا ابراہیم میری مقدار کے برابر عمارت بناؤ۔ حضرت ابراہیم نے اسی مقدار کے بموجب تعمیر کی۔

اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾

کہ ساجھی نہ بنانا میرا کسی چیز کو اور پاک کر دینا میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے اور قیام کرنے والوں کے لئے اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لئے۔

بوانا کے اندر قول کا معنی ہے یعنی ہم نے حکم دیا کہ میری عبادت میں کسی بت وغیرہ کو ساجھی نہ بنانا۔ بیتی میں اضافت بیت کی عظمت کو ظاہر کر رہی ہے (ورنہ اللہ کا کوئی گھر نہیں وہ ہر مکان سے پاک ہے) وہ تجلیات خداوندی کی خصوصی فرودگاہ ہے۔

مجدد الف ثانی نے فرمایا کعبہ اگرچہ ایک جسمانی چیز ہے لیکن ایسی حقیقت کے مشابہ ہے جو بے کیف ہے کیونکہ کعبہ کی دیواریں، چھت انتہائی گہرائی تک زمین اور انتہائی چوٹی تک آسمان کوئی بھی قبلہ نہیں ہے اگر اس مٹی چھت اور دیواروں کو ہٹا کر کہیں اور لے جائیں تب بھی قبلہ وہی رہے گا جواب ہے جہاں دیواروں اور پتھروں کو منتقل کر کے پہنچایا جائے گا وہ جگہ قبلہ نہیں بن جائے گا۔ حقیقت میں قبلہ ایک بے کیف اور بے جسم چیز ہے جہاں انوار الٰہیہ کا نزول ہوتا ہے اور تجلیات کا پرتو پڑتا ہے۔

اَلْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ سے مراد ہیں نمازی، یہ تینوں نماز کے اجزاء ہیں اور چونکہ ہر جز کے لئے طہارت مقام ضروری ہے اسلئے ہر جز کا مستقلاً ذکر کر دیا اور بغیر سجدے کے رکوع شرعاً عبادت میں شمار نہیں کیا جاتا اس لئے الرکع السجود کے درمیان حرف عطف نہیں ذکر کیا۔ شیعہ کہتے ہیں کہ نماز کے اندر صرف پیشانی رکھنے کی جگہ کا پاک ہونا کافی ہے۔

وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ　　اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔

بغوی نے لکھا ہے ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا کہ حضرت ابراہیم کو جب اعلان حج کا حکم دیا گیا تو آپ نے عرض کیا میری آواز کیسے پہنچے گی۔ اللہ نے فرمایا تمہارا کام اعلان کرنا اور پکارنا ہے اور پہنچانا میرا ذمہ ہے۔ حضرت ابراہیم مقام ابراہیم پر کھڑے ہوئے فوراً وہ مقام اٹھ کر بلند ترین پہاڑ کے برابر ہو گیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی دونوں انگلیاں دونوں کانوں میں رکھ کر چہرے کو دائیں بائیں اور مشرق کی طرف گھماتے ہوئے کہا لوگو! تمہارے رب نے ایک مکان بنایا ہے اور تم پر اس کا حج کرنا فرض کر دیا ہے، اپنے رب کی دعوت کو قبول کرو (قیامت تک جو جو حج کرنے والے ہیں) سب نے باپوں کی پشت اور ماؤں کے پیٹوں کے اندر سے لبیک اللھم لبیک کہا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا سب سے پہلے لبیک کہنے والے اہل یمن تھے، اسی لئے یمنی لوگ سب سے زیادہ حج کرتے ہیں۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے کوہ بوقبیس پر چڑھ کر ندا دی تھی۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا اس آیت میں الناس سے مراد اہل قبلہ ہیں۔

Marfat.com

بغوی نے لکھا ہے حسن کا خیال ہے کہ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ علیحدہ کلام ہے (حضرت ابراہیم اس میں مخاطب نہیں ہیں بلکہ) اس میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کیا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ حجۃ الوداع میں لوگوں کو حج کے لئے بلائیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو خطبہ دیا اور فرمایا، لوگوں تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے حج کرو۔ رواہ مسلم۔ احمد اور نسائی اور دارمی نے یہ حدیث حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کی ہے۔

يَأْتُوكَ رِجَالًا (ندا کرو گے تو) لوگ پیدل چل کر حج کو آئیں گے۔ یہ آئندہ واقعہ کا بیان ہے اس سے ان لوگوں پر حج کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی جن کو سواری میسر نہیں ہے۔ داؤد ظاہری وغیرہ اپنے قول پر اس سے استدلال نہیں کر سکتے داؤد ظاہری اور مالکیوں کے نزدیک اس شخص پر بھی حج فرض ہے جس کو سواری نہ مل سکے۔ سورۃ آل عمران کی آیت وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا کی تفسیر کے ذیل میں سواری اور زادراہ کی تفصیل آ چکی ہے۔

مسئلہ: جو شخص پیدل چل سکتا ہو اس کے لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک پیدل چل کر حج کرنا افضل ہے کیونکہ پیدل چل کر آنے کا ذکر سوار ہو کر آنے سے پہلے کیا پھر پیدل چل کر آنے میں جسمانی دکھ بھی زیادہ اٹھانا پڑتا ہے اور خضوع و عجز کا مظاہرہ بھی ہوتا ہے۔ اگر کسی نے پیدل چل کر حج کرنے کی منت مانی ہو تو رسول اللہ ﷺ نے پیدل حج کرنا اس پر واجب قرار دیا ہے اور اگر پیدل حج نہ کر سکے تو قربانی کو واجب قرار دیا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پیدل حج (اصل) طاعت ہے اور طاعت کا ادنیٰ درجہ استحباب و فضیلت ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ حج کے لئے سوار ہو کر آنا افضل ہے کیونکہ پیدل آنے میں بہت سی عبادتوں میں خلل پیدا ہو جائے گا اور اسلام میں رہبانیت کا جواز نہیں)

وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ اور ہر مشاق سفر اونٹنی پر سوار ہو کر ضامر دبلا لاغر جو کثرت سفر کی وجہ سے دبلا ہو گیا ہو مراد مشاق سفر۔

ابن جریر نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ حاجی سوار نہیں ہوتے تھے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور زادراہ ساتھ لینے کا حکم دے دیا اور سوار ہو کر آنے اور سفر حج میں تجارت کرنے کی اجازت دیدی۔

يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ﴿٢٧﴾ جو دور دراز راستوں سے پہنچیں گی۔

ضامر کا لفظ اگرچہ مذکر ہے لیکن معنی کے لحاظ سے مؤنث ہے لفظ کل کی اس کی طرف اضافت کی گئی ہے اس لئے یاتین، بصیغہ مؤنث ذکر کیا۔

لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ تاکہ اپنے فوائد کے لئے آ موجود ہوں۔

منافع دنیوی اور دینی فوائد جو حج سے مخصوص طور پر ان کو حاصل ہوتے ہیں۔ امام محمد باقر بن علی زین العابدین بن امام حسین نے اور سعید بن مسیب نے فرمایا منافع سے اس جگہ مراد ہے عفو و مغفرت۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ کے لئے حج کیا اور (دوران حج میں) نہ فحش کلمہ زبان سے نکالا نہ گناہ کیا وہ ایسا (بے گناہ ہو کر) لوٹے گا جیسا پیدا ہونے کے وقت تھا۔ متفق علیہ۔ سعید بن جبیر کے نزدیک منافع سے مراد تجارت ہے، زید کی روایت میں ابن عباس کا بھی یہی قول آیا ہے حضرت ابن عباس نے منافع کا ترجمہ لفظ اسواق (بازار) سے کیا تھا مجاہد نے کہا تجارت بھی مراد ہے اور وہ تمام دنیوی و اخروی امور مراد ہیں جن کو اللہ پسند فرماتا ہے۔

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ

اور مقررہ دنوں میں یعنی قربانی کے ایام میں (قربانی کے) چوپایوں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں۔

اللہ کا نام یاد کرنے سے بطور کنایہ جانور کی قربانی کرنا ہے بصورت ذبح ہو یا بصورت نحر کیونکہ اللہ کا نام ذبح کے وقت لئے

Marfat.com

غیر کوئی ذبیحہ حلال نہیں ہوتا۔ اس سے اس بات کی طرف بھی اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اللہ کا نام لینا ضروری ہے۔

ایام معلومات سے اکثر مفسرین کے نزدیک ذی الحجہ کے دس دن مراد ہیں معلومات کہنے سے ان دنوں کی گنتی جاننے کی ترغیب دینا مقصود ہے کیونکہ ان عشرے کے خاتمہ پر حج کا وقت آتا ہے۔ عطا کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ ایام معلومات سے مراد ہے عرفہ کا، قربانی کا دن اور ایام تشریق مقاتل نے ایام معلومات کو صرف ایام تشریق کہا ہے ایک روایت میں حضرت علی کا قول آیا ہے کہ ان ایام سے مراد ہے قربانی کا دن اور تین روز اس کے بعد کے بہیمۃ الانعام یعنی قربانی کے جانور جو کعبہ کی طرف بھیجے جاتے ہیں خواہ قربانی واجب ہو یا مستحب۔ آیت میں کوئی قید نہیں۔ تقرب حاصل کرنے کی اس میں ترغیب ہے اور اس امر پر تنبیہ ہے کہ یاد الٰہی کا تقاضا پورا کیا جائے۔

امام شافعی نے اسی آیت کی روشنی میں کہا ہے کہ سواء دم الاحصار (اگر حاجی کو احرام باندھنے کے بعد راستہ میں کوئی دشمن روک دے اور کعبہ تک نہ پہنچنے دے تو جہاں اس کو روکا گیا ہو اسی جگہ احرام کھول دینا اور ارادۂ حج ملتوی کر دینا اور قربانی کر دینا چاہئے یہ دم الاحصار کہلاتا ہے) حاجی ہر قربانی صرف انہی ایام میں کرے گا یوم النحر اور تین روز اس کے بعد۔

ہم کہتے ہیں ایام معلومات کی قید اتفاقی ہے (عام قربانی مقررہ ایام میں ہی ہوتی ہے) ضروری اور احترازی نہیں ہے اور ہم مفہوم مخالف کے قائل نہیں ہیں (کہ جو قربانی ایام معلومات میں نہ ہو وہ ناجائز قرار دیں) اور آیت کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے (حضرت علی حضرت ابن عباس کے اقوال الگ الگ ہیں) ہم کہتے ہیں ہدی نافلہ، نذر اور کفارہ کی قربانی کے لئے شرط نہیں کہ یوم النحر اور اس کے بعد تین دن میں ہی کی جائے کیونکہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حدیبیہ کے سال ماہ ذیقعدہ میں رسول اللہ ﷺ ستر اونٹ قربانی کے لئے لے کر چلے تھے اور عمرہ کے ارادے سے چلے تھے یوم النحر تک مکہ میں قیام کا ارادہ بھی نہ تھا اور حضور ﷺ نے ان اونٹوں کی قربانی کی، حضور ﷺ کا یہ عمل صراحتاً بتا رہا ہے کہ ہدی نافلہ کی قربانی ذیقعدہ میں بھی جائز ہے اور جب یوم النحر کے سوا دوسرے ایام میں نافلہ قربانی کا جواز حضور ﷺ کے عمل سے ثابت ہے تو معلوم ہوا کہ ایسی قربانی طاعت ہے (جو موجب ثواب ہے) اور ہر طاعت نافلہ نذر کی وجہ سے واجب ہو جاتی ہے، پس نذر والی قربانی ایام النحر کے علاوہ بھی ہو سکتی ہے اسی طرح شکار کرنے کی سزا بلکہ ہر جنایت کے کفارہ میں جو قربانی کی جائے وہ یوم النحر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کیونکہ ہر جرم کا کفارہ ایک طرح کی عبادت ہے پھر اللہ نے شکار کی سزا میں جس قربانی کا حکم دیا ہے اس کے متعلق هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ فرمایا یوم النحر کی قید نہیں لگائی اور کتاب اللہ اگر مطلق ہو تو اس کو اپنی طرف سے مقید نہیں کیا جاتا مطلق کو مقید بنانا تو اطلاق کا نسخ ہے (تخصیص یا بیان نہیں ہے) ہاں دم قران و تمتع یوم النحر کے ساتھ مخصوص ہے (کسی اور دن نہیں ہو سکتا) بلکہ دم احصار بھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک صرف یوم النحر کے ساتھ مخصوص ہے۔ امام ابو یوسفؒ و محمدؒ اس سے اختلاف کرتے ہیں دونوں مسئلوں کی تحقیق سورۂ بقرہ کی آیات وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ سے فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ تک تفسیر کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

فَكُلُوا مِنْهَا سو اس میں سے کھاؤ۔ یہ امر باتفاق علماء استحبابی ہے وجوب کے لئے نہیں ہے۔ امام شافعی کے نزدیک یہ امر اباحت کے لئے ہے (یعنی اپنی قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے مستحب یا واجب نہیں ہے) وہ کہتے ہیں اللہ کی طرف سے یہ اجازت اس خیال کو زائل کرنے کے لئے دی گئی جس میں اہل جاہلیت مبتلا تھے اور اپنی قربانیوں کا گوشت کھانا جائز نہیں سمجھتے تھے۔

مسئلہ: علماء کا اتفاق ہے کہ ہدی نافلہ (نفل قربانی) کا گوشت قربانی پیش کرنے والے کو کھانا جائز ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ کی طویل حدیث جو حجۃ الوداع کے بیان میں اس کی شاہد ہے اس روایت میں ہے کہ حضرت علی یمن سے کچھ اونٹ قربانی کے لئے لے کر آئے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے سو اونٹ بھیج دیئے تھے، حضور نے تریسٹھ اونٹ ذبح کئے پھر حسب الحکم باقی

Marfat.com

اونٹ حضرت علیؓ نے ذبح کیے۔ ذبح کرنے میں حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو شریک کرلیا پھر حضور ﷺ نے حکم دیا کہ ہر اونٹ کے گوشت کا ایک ایک ٹکڑا لے کر ہانڈی میں ڈال کر پکایا جائے حکم کی تعمیل کی گئی۔ پھر حضور ﷺ نے اور حضرت علیؓ نے وہ گوشت کھایا اور شوربہ پیا۔ رواہ مسلم۔

اس حدیث سے ثابت ہورہا ہے کہ اپنی (نافلہ) قربانی کا گوشت کھانا مستحب ہے ورنہ ہر اونٹ کے گوشت کا پارہ لینے کا حکم نہ دیا جاتا۔ ایک ہی اونٹ کے گوشت کو لے لینا کافی تھا۔

مسئلہ: شکار کے جرم کے عوض جو قربانی کی جائے اس کے گوشت کو قربانی کرنے والے کے لئے کھانا باتفاق علماء جائز نہیں۔ شکار کے عوض قربانی شکار کا بدلہ ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ اس آیت میں مثل صوری مراد ہے یا (مثل معنوی یعنی) اس کی قیمت، یہ تفصیل سورۃ مائدہ میں کردی گئی ہے۔ شکار کا گوشت شکاری کے لئے جائز نہیں اس لئے شکار کے عوض جو قربانی کی جائے اس کا گوشت بھی قربانی کرنے والے کے لئے جائز نہیں۔ اصل حرام ہے عوض بھی حرام ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہودیوں پر اللہ کی مار ہو اللہ نے ان کے لئے چربیاں حرام کردی تھیں۔ انہوں نے چربیاں پگھلا کر فروخت کر کے اس کی قیمت کھائی (یہ حیلہ کیا) متفق علیہ من حدیث جابر۔

اسی طرح امام مالک کے علاوہ جمہور آئمہ کے نزدیک نذر کی قربانی کا گوشت نذر ماننے والے کے لئے جائز نہیں۔

دوران حج میں مختلف جرائم کے ارتکاب سے جو قربانی واجب ہوجاتی ہے اس کا گوشت بھی قربانی دینے والے کے لئے باتفاق ائمہ ناجائز ہے۔ حج کو فاسد کردینے کی وجہ سے جو قربانی واجب ہوتی ہے اس کا بھی یہی حکم ہے۔

اسحاق کا مسلک ہے اور ایک روایت میں امام احمد کا بھی یہی قول آیا ہے کہ نذر کی قربانی اور شکار کے جرم کے عوض واجب شدہ قربانی کا گوشت تو قربانی والے کے لئے جائز نہیں ان کے علاوہ ہر قربانی کا گوشت کھا سکتا ہے۔ بخاری نے تعلیق کے ساتھ حضرت ابن عمر کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے۔ نذر کی قربانی اور تمام قصوروں کی پاداش میں جو قربانیاں دی جاتی ہیں صاحب قربانی کے لئے ان کا گوشت اس لئے ناجائز ہے کہ شکار کی پاداش میں قربانی کا گوشت شکار کرنے والے کے لئے ناجائز ہے اور تمام قصوروں کے سلسلہ میں جو قربانیاں دی جاتی ہیں وہ بھی جرائم کا کفارہ ہی ہیں اس لئے ان کا حکم بھی شکار کے کفارہ کی طرح ہونا چاہئے۔ جس طرح ہر کفارہ کی قربانی پوری کی پوری مستحق کو دینا ضروری ہے اسی طرح ہر جنایت کی پاداش میں جو قربانی کی جائے اس کے تمام اجزاء مستحق کو دینا ضروری ہیں۔

لیکن نذر کی قربانی تو کسی جرم کی پاداش میں نہیں ہوتی اس لئے اسکو شکار کے عوض واجب شدہ قربانی پر قیاس کرنا صحیح ہے۔ البتہ اتنا کہا جاسکتا ہے کہ نذر کی قربانی بھی پوری کی پوری مستحق کے پاس پہنچنا ضروری ہے (اس لئے اس کا کوئی ٹکڑا بھی نذر کرنے والا نہیں کھا سکتا)

مسئلہ: عام قربانی کا گوشت باتفاق ائمہ قربانی کرنے والا بھی کھا سکتا ہے امام ابو حنیفہ کی دلیل ظاہر ہے کہ قربانی عبادت وطاعت ہے رسول اللہ ﷺ نے قربانیوں کے متعلق فرمایا تھا کہ کھاؤ اور کھلاؤ اور بچا کر اندوختہ بنا کر بھی رکھ سکتے ہو۔ یہ روایت صحیح ہے حضرت سلمہ بن اکوع کی روایت سے صحیحین میں مذکور ہے۔ امام شافعی اور دوسرے علماء بھی جواز کے قائل ہیں کیونکہ ان حضرات کے نزدیک قربانی مسنون مستحب ہے اور نافلہ قربانی کا گوشت بہر حال حلال ہے۔

مسئلہ: تمتع اور قران کے متعلق اختلاف ہے امام ابو حنیفہ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک اس کو کھانا جائز ہے کیونکہ یہ بھی ذبیحہ عبادت ہے اور حضرت جابر کی روایت ہم نقل کرچکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر اونٹ کے گوشت کا ایک ٹکڑا پکوا کر کھایا تھا اور اس کا شوربہ پیا تھا اور حضرت علی کو بھی اس میں شریک کیا تھا۔

ابن جوزی نے سنن میں عبدالرحمن بن ابی حاتم کی روایت بیان کی ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ تمتع کی قربانی کا جتنا گوشت کھالیں سو کھالیں اور کھانے سے جو بچ رہے اس کو خیرات کردیں اس روایت سے بھی

Marfat.com

ذبیحہ تمتع کو کھانے کا جواز صراحتاً ثابت ہو رہا ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک تمتع اور قران کا ذبیحہ قربانی کرنے والے کے لئے ناجائز ہے بلکہ کسی واجب قربانی کا گوشت قربانی کرنے والے کے لئے جائز نہیں خواہ نذر کی قربانی ہو یا کسی اور وجہ سے واجب ہوئی ہو امام شافعی نے اپنے مسلک کے ثبوت میں تین حدیثیں پیش کی ہیں ایک وہ جو حضرت ناجیہ خزاعی نے غزوۂ حدیبیہ کے موقع کی بیان کی ہے دوسری حضرت ابن عباس کی روایت کردہ حدیث تیسری حضرت ذویب بن طلحہ کی حدیث ہم نے سورۃ بقرہ کی آیت فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ کی تفسیر کے ذیل میں یہ تینوں احادیث اور ان کے جواب نقل کر دیئے ہیں۔ ظاہر آیت سے قربانی کے گوشت کو کھانے کا جواز معلوم ہوتا ہے خواہ قربانی واجب ہو جیسے تمتع اور قران کی قربانی یا نفل ہو کیونکہ الفاظ میں کوئی قید نہیں اجماع کی وجہ سے نذر کی قربانی کو اس عموم جواز سے خارج کر دیا گیا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ نذر قربانی کے جواز و عدم جواز کا مسئلہ حج سے غیر متعلق ہے آیت حج کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں شکار کرنے کی سزا میں جو قربانی واجب ہوتی ہے بلکہ ہر وہ قربانی جس کا وجوب بطور کفارہ ہوتا ہے اس کا تعلق ضرور حج سے ہے لیکن اس آیت میں وہ مراد نہیں ہے مسلمان کے حال کا تقاضا ہے کہ حج میں خلاف شرع کوئی جرم ہی نہ کرے اپنے حج کو پاک رکھے اس لئے کسی جنایت کے کفارے کی قربانی کا اس آیت سے تعلق ہی نہیں ہے۔

وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ اور بدحال محتاج کو کھلاؤ۔ البائس بؤس والابوئس سخت محتاجی۔

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ پھر وہ اپنے میل کچیل کو دور کریں یعنی سر منڈوائیں، لبیں کتریں، ناخن کاٹیں، زیر ناف اور بغلوں کی صفائی کریں مطلب یہ کہ طواف زیارت سے پہلے احرام کھول کر یہ سب کام کر سکتے ہیں اور سر منڈوانے کے بعد سوائے عورتوں کی قربت کے مذکورۂ بالا ممنوعات حلال ہو جاتے ہیں، عورتوں سے قربت کی حلت طواف کے بعد ہوتی ہے کذا قال المفسرون۔

قضاء کا لغوی معنی ہے ادا کرنا اور کوئی کام کر دینا قضی دینه اس نے اپنا قرض چکا دیا۔ واذا قضیتم مناسککم اور جب تم اپنے مناسک ادا کر چکو۔ قضٰهن سبع سموت کر دیا ان کو سات آسمان۔ کسی کام کو کر چکنے کے بعد اس سے فراغت ہو ہی جاتی ہے اس لئے قضاء کے بعد فارغ ہو جانا لازم ہے۔ اللہ نے فرمایا اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ دونوں مدتوں میں جو مدت پوری کر چکوں میل کچیل دور کرنے کے بعد بھی فراغت ہو جاتی ہے اس لئے لیقضوا فرمایا قضاء تفث تمام مناسک حج (کی ادائیگی) ہے۔ مجاہد نے کہا تفث سے مراد ہیں مناسک حج، لبیں کترنا، زیر ناف اور بغلوں کو صاف کرنا، ناخن تراشنا، بعض اہل علم نے کہا تفث رمی جمار (کنکریاں مارنا) ہے ان اقوال پر مطلب یہ ہوگا کہ جب تم یہ افعال کر چکو زجاج نے کہا تفث کا لفظ ہم کو قرآن سے ہی معلوم ہوا یعنی یہ لفظ کلام عرب میں زیادہ مستعمل نہیں ہے۔ قرآن کی اس آیت سے پہلے ہم کو معلوم نہ تھا۔

لفظ ثم سے معلوم ہوتا ہے کہ حلق اور طواف قربانی کے بعد کیا جائے۔ یہ دلیل ہے امام ابو حنیفہ کے قول کے صحیح ہونے کی کہ رمی جمار اور صاحب قران کی قربانی اور حلق راس میں ترتیب واجب ہے سعید بن جبیر قتادہ، حسن اور نخعی کا بھی یہی قول ہے، اس لئے اگر کوئی شخص ترتیب کو قصداً چھوڑ دے یا غلطی سے بہر حال اس پر (اس جرم کے عوض) قربانی واجب ہو جائے گی۔ حضرت ابن عباس کی حدیث ہے کہ مناسک کی ترتیب میں جو شخص تقدیم و تاخیر کرے اس کو قربانی کرنی چاہئے۔ یہ روایت ابن ابی شیبہ نے موقوفاً بیان کی ہے اور ایسے موقع پر حدیث موقوف بھی مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے کیونکہ کسی جرم کا کفارہ ایسے طور پر ادا کرنا جو از روئے عقل جرم سے مشابہت نہ رکھتا ہو (یعنی قضاء بمثل غیر معقول) رائے سے معلوم نہیں ہوتا۔ (یقیناً حضرت ابن عباس نے رسول اللہ ﷺ سے ایسا سنا ہوگا)

ایک شبہ

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن مہاجر ہے جس کو ابو حاتم نے منکر الحدیث کہا ہے اور ابن المدینی و نسائی کے نزدیک یہ شخص قوی نہیں ہے ابن عدی کا قول ہے کہ اس شخص کی حدیث کو ضعفاء میں شمار کیا جائے۔

Marfat.com

شبہ کا ازالہ

ابراہیم بن مہاجر جلیل القدر تابعی تھا، مسلم نے اس کا متابع ذکر کیا ہے سفیان (ابن عینیہ) احمد اور ترمذی نے اس کو لاباس بہ (اس میں کوئی خرابی نہیں) کے زمرہ میں شامل کیا ہے پھر یہ حدیث صرف اسی راوی کی روایت پر منحصر نہیں ہے طحاوی نے دوسری سند سے بھی جس میں ابراہیم شامل نہیں ہے۔ یہ حدیث نقل کی ہے۔ طحاوی نے لکھا ہے حدثنا وہیب عن ایوب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس۔ اس کے بعد حدیث مذکور نقل کی ہے۔

امام احمد کے نزدیک صرف قصداً ترتیب کو ترک کرنے سے قربانی واجب ہے بھول کر ناواقفیت کی وجہ سے ترتیب کے خلاف ہو گیا تو قربانی واجب نہیں۔ امام احمد کا یہ قول اثرم نے بھی نقل کیا ہے بخاری کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ میرے نزدیک بھی فتویٰ کے لئے یہی قول پسندیدہ ہے۔ امام شافعیؒ اور بہت سے علماء سلف کے نزدیک ترتیب سنت ہے واجب نہیں ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک قربانی اور رمی جمار سے حلق الراس کو مقدم کرنا جائز ہی نہیں ہے امام شافعیؒ کا بھی ایک قول اسی طرح کا ایک روایت میں آیا ہے امام شافعیؒ نے اپنے مسلک کے ثبوت میں حضرت ابن عباس کی روایت پیش کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سے قربانی اور رمی جمار اور حلق راس کی تقدیم و تاخیر کے متعلق دریافت کیا گیا تو حضور ﷺ نے (سب کے جواب میں) فرمایا کوئی ہرج نہیں ہے۔ متفق علیہ۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ منیٰ میں قربانی کے دن حضور ﷺ سے سوال کئے جا رہے تھے۔ (جن کے جواب میں) حضور ﷺ فرما رہے تھے کوئی ہرج نہیں۔ ایک شخص نے سوال کیا میں نے قربانی سے پہلے سر منڈوا دیا فرمایا (اب) قربانی کر لے کوئی ہرج نہیں۔ بخاری کی ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں نے رمی سے پہلے زیارت کر لی (یعنی طواف زیارت کر لیا) فرمایا کوئی ہرج نہیں، اس نے عرض کیا میں نے رمی سے پہلے قربانی کر لی فرمایا کوئی ہرج نہیں۔

طبرانی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے رمی سے پہلے کعبہ کا طواف کر لیا فرمایا (اب) رمی کر لے کوئی ہرج نہیں۔

حضرت علیؓ کی حدیث میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ قربانی سے پہلے طواف کر لینے کا مسئلہ اس نے دریافت کیا تھا۔ رواہ احمد۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں اگر ترتیب واجب ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کو ترتیب کے ساتھ دوبارہ مناسک ادا کرنے کا حکم دیتے، کیونکہ قربانی کا دن تھا، اداء مناسک کا وقت موجود تھا، یا (ترک واجب کے کفارہ میں) قربانی کرنے کا حکم دیدیتے۔ لیکن ایسا کوئی حکم دینا کسی روایت میں نہیں آیا۔ مسلمانوں کا عظیم اجتماع تھا اور ہر شخص مناسک حج سے واقف ہونے کا آرزومند اور حریص بھی تھا، پس جب کسی روایت میں اعادہ مناسک یا جدید قربانی کرنے کا حکم منقول نہیں اور کسی نے اس کا تذکرہ ہی نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہی نہ تھا اور ترتیب واجب ہی نہیں تھی واجب ہوتی تو برمحل واجب حکم کی تعلیم ضروری تھی اور جب ترتیب واجب نہ قرار پائی تو اگر کسی نے اس کو قصداً ترک کر دیا تو اس پر قربانی کا وجوب بھی نہیں ہو سکتا۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا مذکورہ بالا قصہ کے ایک راوی حضرت ابن عباس ہیں اور (اس روایت کے خلاف) حضرت ابن عباس کا یہ قول بھی مروی ہے کہ جس نے مناسک میں کچھ تقدیم و تاخیر کی اس کو (بطور کفارہ) قربانی کرنا چاہئے اور اگر راوی کا اپنا قول اس کی روایت کے خلاف ہو تو وہ روایت مجروح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ روایت کے خلاف اس کا قول بتاتا ہے کہ روایتی حدیث کے خلاف اس راوی کو کوئی دوسری حدیث ملی ہے جو اول حدیث کو منسوخ کرنے والی ہے (اسی بنا پر تو اول حدیث کے خلاف راوی کا قول پیدا ہوا) لیکن یہ دلیل امام شافعی کے مسلک کو غلط ثابت نہیں کرتی کیونکہ امام شافعی کے نزدیک اگر کسی راوی کا قول اس کی روایت

Marfat.com

کے خلاف ہو تو روایت مجروح نہیں ہوتی، بلکہ امام صاحب کے اصول پر بھی یہ دلیل منطبق نہیں ہوتی کیونکہ راوی کا قول اگر اس کی روایت کے خلاف ہو تو اس وقت روایت کو مجروح کرتا ہے جب اس قول کو مرفوع حدیث کے حکم میں قرار دے دیا گیا ہو۔ موقوف کو اگر مرفوع کا حکم دیدیا جائے تو گویا وہ قول اول حدیث کا ناسخ ہو جائے گا اور یہاں ایسا نہیں ہے۔ قول ابن عباس روایت ابن عباس کا ناسخ نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں جہاں تک ممکن ہو احادیث کا تعارض دور کرنا ضروری ہے، ایک پر عمل کرنا اور دوسری کو بالکل ترک کر دینا مناسب نہیں اس لئے میرے نزدیک حضرت ابن عباس کے قول کو جو حدیث مرفوع کے حکم میں ہے اور حدیث حسن کے درجہ تک پہنچ چکا ہے ارادی ترک ترتیب پر محمول کیا جائے یعنی ابن عباس کے قول کا یہ مطلب سمجھا جائے کہ جس نے قصداً مناسک کی ترتیب توڑ دی اور تقدیم و تاخیر کر دی تو اس پر قربانی واجب ہے اور امام شافعیؒ نے جو حدیث نقل کی ہے اس کو نسیان یا ناواقفیت پر محمول کیا جائے یعنی اس حدیث سے یہ سمجھا جائے کہ بھول کر یا ناواقفیت کی وجہ سے کسی نے مناسک میں تقدیم و تاخیر کر لی ہو تو کوئی حرج نہیں، اس پر قربانی واجب نہیں، جیسے امام ابو حنیفہ کے نزدیک فوت شدہ نمازوں کو ترتیب وار ادا کرنا واجب ہے لیکن اگر بھول گیا تو ترتیب فوائت کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے یا جس طرح روزے میں کھانا یا پینا ترک کرنا ضروری ہے لیکن بھول کر کھا لیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا یا جیسے تکبیرات تشریق واجب ہیں لیکن نسیان کی صورت میں ساقط ہو جاتی ہیں۔

مسئلہ: سر منڈوانا، احرام کے واجبات میں سے ہے۔ حج کا رکن نہیں ہے۔ امام ابو یوسف امام احمد اور بعض مالکیہ کے نزدیک واجب نہیں ہے ایک امر مباح ہے۔ ایک کمزور روایت میں امام شافعیؒ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے، ہماری دلیل یہی آیت ہے۔ اس میں تفث دور کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور تفث سے مراد سر منڈوانا ہے اور امر (حقیقتاً) وجوب کے لئے ہوتا ہے، لہٰذا سر منڈوانا واجب ہو گیا یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب حلق راس کا رکن حج ہونا امر وجوبی قطعی سے ثابت ہے تو پھر حلق فرض کیا جائے، واجب کیوں قرار دیا گیا (واجب کا ثبوت تو دلیل ظنی سے ہوتا ہے) یہ شبہ غلط ہے کیونکہ آیت اگرچہ قطعی ہے ناقابل شک لیکن تفسیری مطلب قطعی نہیں ہے ظنی ہے۔ موجب یقین نہیں ہے اس لئے حلق راس کا رکن حج ہونا وجوب کی حدود سے آگے نہیں بڑھتا۔ شافعیؒ نے حلق راس کو رکن حج اس وجہ سے بھی قرار دیا ہے کہ حلق راس سے احرام کا حکم ختم ہو جاتا ہے اور احرام رکن حج ہے پس جس چیز سے احرام ختم ہو گیا اس کا بھی رکن حج ہونا ضروری ہے جیسے لفظ سلام شافعی کے نزدیک رکن صلوٰۃ ہے کیونکہ نماز کا رکن لفظ سلام کی وجہ سے جاتا رہتا ہے، نماز ختم ہو جاتی ہے اس لئے لفظ سلام بھی رکن صلوٰۃ قرار پایا۔ ہمارے نزدیک احرام حج کی شرط (خارجی) ہو یا رکن (داخلی) کسی صورت میں بھی اس عمل کا جس سے احرام جاتا رہتا ہے نہ رکن ہونا ضروری ہے نہ شرط ہونا۔ اور ہمارے نزدیک لفظ سلام بھی نماز کا رکن نہیں ہے اس کے علاوہ احرام کو سلام پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے سلام کو تحریمہ صلوٰۃ کی انتہا قرار دیا ہے، فرمایا ہے (تحریم صلوٰۃ تکبیر ہے اور) تحلیل صلوٰۃ سلام ہے (یعنی تکبیر سے نماز شروع ہو جاتی ہے نماز میں داخلہ ہو جاتا ہے اور لفظ سلام سے نماز مکمل جاتی ہے۔ بندش صلوٰۃ ختم ہو جاتی ہے) پس اگر لفظ سلام کے بغیر کوئی ایسا فعل (یا قول) کیا جو نماز کے خلاف ہے تو اس سے نماز کا تحریمہ ختم ہو جائے گا۔ خواہ تحریمہ کو نماز کا رکن کہا جائے یا شرط۔ بہر حال تحریمہ جاتا رہے گا۔ لیکن احرام حج کی یہ حالت نہیں ہے، امور ممنوعہ کرنے سے احرام حج باطل نہیں ہو جاتا، دیکھو عرفات میں قیام سے پہلے اگر کسی نے جماع کر لیا تو حج جاتا رہے گا۔ آئندہ حج کی قضا واجب ہو گی ایسا نہیں کہ احرام باطل ہو جائے اور حج قائم رہے اور آخر تک حج کو پورا کرنا لازم ہو۔

مسئلہ: حلق راس کا ابتدائی وقت کون سا ہے اور انتہائی کون سا۔ قربانی کے دن فجر صادق سے اکثر کے علماء کے نزدیک اور آدھی رات کے بعد سے بعض علماء کے نزدیک حلق راس کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ حضرت عروہ بن مضرس کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ہمارے ساتھ یہ نماز یعنی فجر کی نماز مزدلفہ میں پڑھی اور اس سے پہلے رات

Marfat.com

گویا دن کو عرفات میں بھی وہ قیام کر چکا۔ اس کا حج پورا ہو گیا اور اس نے اپنا تفث دور کر دیا (یعنی سر منڈوا دیا) رواہ اصحاب السنن، الاربعتہ۔ حاکم نے کہا یہ روایت تمام اہل حدیث کی شرائط کے مطابق ہے لیکن بخاری و مسلم نے اس کو نہیں بیان کیا یہ روایت اصول شیخین کے خلاف ہے۔ عروہ بن مفرس سے صرف شعبی نے روایت کی ہے ہم نے ابن مفرس کے بجائے عروہ بن زبیر پایا ہے اور عروہ بن زبیر سے حدیث مروی ہے۔

امام شافعیؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمد، بلکہ اکثر علماء کے نزدیک سر منڈانے کے وقت کی کوئی آخری حد نہیں ہے۔ ہاں اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ حلق کے لئے کیا داخل حرم ہونا شرط ہے یعنی سر منڈانے کا مقام حرم ہی ہے۔ امام ابو یوسف اور امام زفر حرم کو حلق کا مقام ضروری نہیں قرار دیتے۔ کوئی شرط نہیں کہ حرم کے اندر ہی سر منڈ لیا جائے، امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا سر منڈانے کے دو پہلو ہیں ایک رخ تو یہ ہے کہ حلق راس احرام کھول دینے کا ذریعہ ہے، دوسرا رخ یہ ہے کہ یہ مناسک حج میں داخل ہے حج کے ارکان واجبہ میں سے ایک رکن ہے اول لحاظ سے تو اس کی خصوصیت کسی مقام اور جگہ سے نہیں ہے اور دوسرے اعتبار سے اس کے لئے دن بھی مقرر ہے، یعنی قربانی کا دن اور مقام کی بھی تعیین ہے یعنی حرم یہ ایک عبادت ہے جس کے اندر قیاس کو دخل نہیں، اس لئے اس کی عبادتی خصوصیات وہی ہوں گی جو شارع کی طرف سے مقرر کر دی گئی ہیں، یعنی زمان (یوم النحر) اور مکان (حرم) اول لحاظ سے اس میں رائے اور قیاس کو دخل ہے کیونکہ محلل (احرام کھولنے کا ذریعہ) وہی ہو گا جو مقررہ وقت و مقام کے علاوہ اگر کیا جائے تو جنایت اور جرم قرار پائے (جس کی تلافی کفارہ سے کی جانی چاہئے) اس لئے ہم کہتے ہیں کہ اگر وقت مقررہ کے بعد حلق کیا یا حرم سے باہر کیا تو احرام سے بیشک آزاد ہو جائے گا۔ مگر غیر شرعی طریقے سے کرنے کی وجہ سے اس کی عبادتی حیثیت فوت ہو جائے گی اور (بطور کفارہ) قربانی کرنی ہو گی۔

امام ابو یوسف نے حدیث کے اس فقرہ سے استدلال کیا ہے کہ جب ایک شخص نے قربانی سے پہلے سر منڈا دیا (اب) قربانی کر لے کوئی ہرج نہیں۔

ہم کہتے ہیں قربانی کا دن تو موجود ہی تھا حلق راس کا وقت باقی تھا۔ ظہر کے بعد کا وقت تھا۔ ناواقفیت یا نسیان کی وجہ سے ترتیب قائم نہیں رہی تھی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا کوئی ہرج نہیں (اب) ذبح کر لے۔

اب رہی یہ بات کہ حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ نے حلق کرا دیا تھا اس کے متعلق امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی حیثیت عبادتی نہیں تھی بلکہ قطعی واپسی کی ایک نشانی تھی (کہ اب واپس جانا ہی ہے) اسی لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس شخص پر حلق واجب نہیں جس کو راستے میں کسی مجبوری کی وجہ سے رک جانا پڑا ہو اور حج کرنا ممکن نہ ہوا ہو۔

میرے نزدیک اس کا جواب اس طرح دیا جا سکتا ہے کہ جو شخص جبر جابر کی وجہ سے راستہ میں ہی روک دیا گیا ہو وہ معذور ہے دوسرے کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا دیکھو باجماع علماء ایسے ممنوع الحج شخص کے لئے تو وقت سے پہلے سر منڈا دینا جائز ہے دوسرے کے لئے تو اس کا جواز نہیں ہے یہی صورت غیر مقام کی بھی ہے ممنوع الحج معذور ہے جہاں پائے حلق کرا دے، دوسروں کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

ہم نے جو حلق کے لئے حرم کی شرط لگائی ہے اس کا ثبوت آیت ثُمَّ مَحِلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ سے ملتا ہے اس کی تفسیر عنقریب آئے گی، دوسری آیت ہے لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ اس آیت میں سر منڈوانے اور بال کتروانے کو دخول مسجد کے خواص میں سے قرار دیا ہے۔

سلف کا ہمیشہ سے طریقہ بھی یہی رہا ہے کہ حرم کے اندر حلق کراتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا اور حضور کے بعد سب صحابہ اور تابعین وغیرہم کا یہی طریقہ رہا کہ حج کی صورت میں منیٰ میں اور عمرہ کی صورت میں مروہ کے قریب حلق کراتے رہے اور منا و مروہ دونوں حرم کے اندر ہیں۔

مسئلہ: حلق یا قصر کی واجب مقدار کتنی ہے یہ مسئلہ آئمہ کے اندر مختلف فیہا ہے۔

Marfat.com

امام ابوحنیفہ ایک چوتھائی سر کا منڈوانا یا بال کتروانا کافی سمجھتے ہیں۔
امام شافعی کے نزدیک ایک بال یا تین بالوں کا منڈوانا یا کتروانا کافی ہے۔
امام مالک اور امام احمد پورا سر منڈوانا یورے سر کے بال کتروانا ضروری قرار دیتے ہیں۔
امام شافعی نے فرمایا، قضاء تفث (یعنی حلق وغیرہ) از روئے آیت واجب ہے اور باتفاق علماء کامل طور پر قضاء تفث ضروری نہیں کیونکہ قصر کی اجازت ہے اور قصر سے مکمل طور پر میل کچیل (تفث) کا ازالہ نہیں ہوتا، کسی قدر ہو جاتا ہے اور کسی قدر ازالۂ تفث (کی کوئی حد نہیں یہ) ایک یا تین بالوں کے منڈوانے یا کتروانے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں ایک یا تین بالوں کے منڈوانے یا کتروانے کو کوئی عرب سر منڈوانا یا کتروانا نہیں کہتا نہ اس کو قضاء تفث کہتے ہیں شرعاً کم سے کم اس کی کوئی حد مقرر ہونی چاہئے اور چوتھائی سر کو کل سر کا قائم مقام وضو کے اندر مانا گیا ہے چوتھائی سر کا مسح کل سر کے مسح کی جگہ کافی قرار دیا گیا ہے اور باقی اعضاء کو کامل طور پر دھونا ضروری قرار دیا ہے سورۂ مائدہ کے اندر آیت وضو کی تفسیر کے ذیل میں اسکی تحقیق کر دی گئی ہے اس لئے یہاں بھی ایک چوتھائی سر منڈوانا یا کتروانا کافی ہے۔ امام مالک اور امام احمد نے وضو کے اندر چوتھائی سر کے مسح کو کافی نہیں قرار دیا اس لئے یہاں بھی ان کے نزدیک پورا سر منڈوانا یا کتروانا واجب ہے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد تمام صحابہ کا یہی عمل رہا کہ پورا سر منڈواتے تھے یا سب بال کترواتے تھے۔
مسئلہ: باتفاق علماء حلق قصر سے افضل ہے حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اے اللہ سر منڈانے والوں پر رحم فرما، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور بال کتروانے والوں پر (بھی) حضور نے پھر فرمایا اے اللہ سر منڈانے والوں پر رحم فرما صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اور کتروانے والوں پر (بھی) حضور نے تیسری بار دعا کی اے اللہ سر منڈانے والوں پر رحم فرما۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور کتروانے والوں پر (بھی اس وقت) حضور ﷺ نے فرمایا اور کتروانے والوں پر (بھی)۔
ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے چوتھی مرتبہ میں فرمایا تھا اور کتروانے والوں پر بھی۔ حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بھی یہ حدیث آئی ہے۔ صحیحین میں دونوں حدیثیں مذکور ہیں۔
وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ اور ان کو چاہئے کہ اپنی مانی ہوئی نذریں پوری کریں، بعض اہل تفسیر نے کہا کہ نذر پوری کرنے سے مراد ہے تمام واجبات کو ادا کرنا خواہ نذر مانی ہو یا نہ مانی ہو (یعنی اللہ کی طرف سے کوئی بات واجب ہو یا بندہ نے خود اپنے اوپر واجب کر لی ہو کہ میں یہ کام ضرور کروں گا) جمہور کے نزدیک ایفاء نذر سے ان امور کی ادائیگی مراد ہے جو اللہ کی طرف سے واجب نہیں ہوئی ہو بندہ نے خود اپنے ذمہ واجب کر لی ہو، نذر دو طرح کی ہوتی ہے (۱) منجز (غیر مشروط) مثلاً کوئی یہ عہد باندھ لے کہ میں اللہ کے لئے دو رکعت نماز پڑھوں گا۔ (۲) مشروط یا معلق مثلاً اگر میرا یہ کام ہو جائے گا تو میں ایک روزہ رکھوں گا۔ شرط دو طرح کی ہوتی ہے (۱) پسندیدہ (۲) ناپسندیدہ۔ اگر اللہ نے میرے بیمار کو شفا دیدی تو میں چار روزے رکھوں گا۔ یہ پسندیدہ شرط ہے۔ اس کو نذر تردد کہتے ہیں اگر میں نے زید سے بات کی تو ایک ماہ کے روزے رکھنا مجھ پر لازم ہیں۔ یہ ناپسندیدہ شرط ہے ایسی نذر کو نذر لجاج کہتے ہیں۔
نذر نام ہے ایسی بات کو اپنے اوپر واجب کر لینے کا جو اللہ کی طرف سے واجب نہ کی گئی ہو (یعنی ایجاب مالم یجب شرعا) تو اگر کسی نے ایسی چیز کو اپنے اوپر واجب کر لیا جو پہلے سے شرعاً واجب ہے تو یہ نذر نہ ہوگی بلکہ محض خبری جملہ ہوگا جیسے اگر کسی نے کہا اگر اللہ میرے بیمار کو شفا دیدے گا تو رمضان بھر روزے رکھوں گا یا ظہر کی نماز پڑھوں گا۔ ظاہر ہے کہ رمضان کے روزے اور ظہر کی نماز پہلے ہی اللہ کی طرف سے لازم ہے ایسے کلام کو نذر نہیں کہیں گے اور نہ نذر کا حکم اس پر مرتب ہوگا اور اس صورت میں اگر کسی نے واجب شرعی کے اوصاف یا مقدار میں کچھ تغیر کیا ہوگا تو وہ تغیر وصفی یا تبدیل مقداری ناقابل اعتبار ہوگی۔ مثلاً اگر کسی نے کہا میرے بیمار کو اللہ شفا عطا فرما دے گا تو میں اپنے مال کی زکوٰۃ پانچ فیصد کے حساب سے دوں گا یا فرض ظہر

Marfat.com

کی چھ رکعت پڑھوں گا یا ہر نماز کو تازہ وضو سے پڑھا کروں گا یا ہر نماز جماعت سے پڑھا کروں گا۔ ان تمام صورتوں میں فرائض شرعیہ اصلی شرعی صورت و مقدار کے ساتھ قائم رہیں گے الفاظ نذر کا اعتبار نہ ہو گا نہ وصف بدلے گا نہ مقدار میں بیشی ہو گی زکوٰۃ کی فرضیت ڈھائی فیصد ہی رہے گی اور ظہر کے فرض چار ہی رہیں گے اور نماز بغیر تازہ وضو کے جائز ہو گی اور جماعت کا جو درجہ پہلے تھا وہی الفاظ نذر کے بعد بھی رہے گا کیونکہ اللہ نے ظہر کی نماز کے چار فرض مقرر کئے ہیں اور ہر نماز باوضو ہو (خواہ تازہ وضو نہ ہو) اور بغیر جماعت کے منفرد کی نماز کو کافی قرار دیا ہے اب اگر بغیر قیود کے ان احکام کی شرعی ادائیگی کو کافی نہ مانا جائے گا تو اللہ کے حکم کو منسوخ کر دینا لازم آئے گا اور اصلی شرعی صورت میں کافی سمجھا جائے گا تو اس تبدیل و تغیر کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ایسی نذر مشروط کے بعد اگر نذر کی وفا نہ کی گئی ہو کسی اور طرح سے اس کی ادائیگی ہونی چاہئے یعنی کفارہ ادا کرنا چاہئے اور چونکہ یہ چیزیں مستقل نہیں ہیں اس لئے ان کا کفارہ بادائے مثل معقول ہو نہیں سکتا اور بادائے مثل غیر معقول (مثلاً قربانی کرنا) ہو تو مثل غیر معقول کی تعیین شریعت کی طرف سے ہونی چاہئے اور شرعاً ایسی صورت میں مثل غیر معقول کی کوئی تعیین نہیں ہے۔ یہی معنی ہیں علماء کے اس قول کے کہ وجوب ایفاء نذر کی شرط یہ ہے کہ وہ طاعت مقصودہ ہو اور بجائے خود اس کی حیثیت مستقل ہو۔

اگر کسی نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی اور سوار ہو کر گیا تو (بطور کفارہ) قربانی کرنا مشروع ہے شریعت میں بطور کفارہ قربانی کرنا متعارف ہے۔

بیان مذکورہ بالا پر ایک اشکال بہر حال قائم رہتا ہے جو لاینحل ہے کہ پانچ فیصد زکوٰۃ ادا کرنے کی نذر ماننے کی صورت میں ڈھائی فیصد ادا کرنے سے نذر باقی نہیں رہتی جب کہ اللہ کی واجب کردہ زکوٰۃ کا نسخ پانچ فیصد ادا کرنے سے لازم نہیں آتا بلکہ قدر زائد کا الگ وجوب ہو جاتا ہے ڈھائی فیصد حسب قانون شرع اور ڈھائی فیصد بطور ایفاء نذر۔ واللہ اعلم۔

جو امر شرعاً اللہ کی طرف سے واجب نہیں ہے (اور نذر کی وجہ سے اپنے اوپر واجب کیا گیا ہے) اس کی تین قسمیں ہیں (۱) وہ امر طاعت ہو (۲) وہ امر گناہ ہو۔ (۳) وہ امر مباح ہو۔ نہ اس میں طاعت کا معنی ہو نہ معصیت کا۔ اول الذکر کا ایفاء باتفاق علماء واجب ہے اور اسی آیت کو دلیل میں پیش کیا گیا ہے۔

آیت سے ایفاء نذر کا جو حکم مستفاد ہو رہا ہے وہ فرض قطعی ہے یا واجب ظنی۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایک مسلمہ ضابطہ ہے کہ عام مخصوص البعض ظنی ہوتا ہے (یعنی مفید ظن ہوتا ہے فرض نہیں ہوتا اور) یہ آیت عام ہے ہر طرح کی نذر کے ایفاء کا حکم دیا گیا ہے لیکن نذر معصیت کا ایفاء باتفاق علماء جائز نہیں (معلوم ہوا کہ یہ آیت مخصوص البعض ہے) اور آیت مخصوص البعض ظنی ہو جاتی ہے (لہٰذا ایفاء نذر از روئے آیت واجب ہے فرض نہیں ہے) بعض علماء نے کہا کہ امام ابو حنیفہ کے مسلمہ کی بنا پر بھی ایفاء نذر کا مفہوم قطعی ہے کیونکہ آیت اگرچہ مخصوص البعض ہے جو مفید وجوب ہے لیکن اس مخصوص البعض حکم کے فرض ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ انعقاد اجماع کی وجہ سے جو حکم ایفاء نذر (از روئے آیت واجب) تھا قطعی اور فرض ہو گیا۔ نذر طاعت اگر مجز ہو اور اس کو پورا کرنا استطاعت میں ہو تو اس کو پورا کرنا فرض ہے۔ ایفاء نذر کو ترک کر کے کفارہ ادا کرنا بالاتفاق ناجائز ہے۔ بعض کے نزدیک ترک ایفا کی صورت میں کفارہ قسم ادا کیا جا سکتا ہے اور اگر نذر مشروط ہو اور شرط موجود ہو جائے تو امام مالکؒ امام ابو حنیفہؒ اور اکثر علماء کے نزدیک اس کا حکم بھی نذر مجز کی طرح ہے گویا نذر مشروط کا معنی یہ ہو جائے گا کہ وجود شرط کے وقت میں اللہ کے لئے ایسا کام کرنے کا ذمہ لیتا ہوں۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ اپنی وفات سے سات روز پہلے امام ابو حنیفہؒ نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا اور فرمایا تھا نذر مشروط کی صورت میں صاحب نذر کو اختیار ہے ایفاء نذر کرے یا کفارہ قسم کے برابر کفارہ ادا کرے۔ امام محمد کا بھی یہی مسلک ہے۔

اگر کسی نے نذر مانی کہ میرے بھائی کو اللہ شفاء دے دے گا تو شکرانے میں ایک حج کروں گا۔ یا ایک سال کے روزے

Marfat.com

رکھوں گا تو اس کو اختیار ہے حج کرے یا کفارہ ادا کرے اور روزوں کی نذر کی صورت میں اگر نادار ہے (کفارہ مالی ادا نہیں کر سکتا) تو وہ سال بھر کے روزے رکھے یا صرف تین روزے رکھ لے (کیونکہ نادار کے لئے قسم کا کفارہ تین روزے ہیں)

اول قول امام ابو حنیفہ کا ظاہر مذہب ہے (جو امام محمد کی چھ کتابوں میں سے کسی کتاب میں منقول ہے) اور دوسرا قول جس میں کفارہ قسم کے برابر کفارہ ادا کرنے کا اختیار دیا گیا ہے نواد میں آیا ہے (امام محمد کی چھ کتابوں کے علاوہ کسی اور کتاب میں منقول ہے) اول قول کی وجہ تو یہی آیت ہے اور اس کی تائید مختلف احادیث سے بھی ہوتی ہے اور نوادر والے قول کا اثبات مسلم کی حدیث سے ہوتا ہے جس کے راوی حضرت عقبہ بن عامر ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ کفارہ ادا کرنے سے نذر ساقط ہو جاتی ہے اس حدیث کا دوسری احادیث سے تعارض ہو رہا ہے دونوں میں توافق پیدا کرنے کے لئے ہم کہتے ہیں کہ بعینہ نذر کو پورا کرنا (اور کفارہ نہ ہونا) نذر مجز کے لئے لازم ہے اور کفارہ کا تعلق نذر معلق (مشروط) سے ہے۔ دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ نذر مشروط فی الحال تو نذر ہوتی نہیں جب تک شرط کا تحقق نہ ہو نذر معدوم رہے گی قسم کی بھی یہی صورت ہوتی ہے جب تک قسم نہ توڑے کفارہ واجب نہیں ہوتا قسم توڑنے کے بغیر قسم کے کفارہ کا حکم معدوم ہوتا ہے اور نذر مجز کا وجود فی الحال ہوتا ہے اس لئے اس کو پورا کرنا (اور کفارہ سے اس کا ساقط نہ ہونا) تو لازم ہی ہو جاتا ہے۔

صاحب ہدایہ اور دوسرے اکابر حنفیہ کے نزدیک (وفاء نذر اور کفارہ کا) اختیار نذر لجاج میں ہوگا کیونکہ نذر لجاج کرنے والا حقیقت میں وجود شرط کا خواستگار ہی نہیں ہوتا اس لئے وجوب نذر کا اس کا ارادہ ہی نہیں ہوتا۔ انسان نہیں چاہتا کہ ہمیشہ اس پر عبادتیں واجب رہیں اگرچہ وہ عبادتیں موجب ثواب ہی ہوں اس کو ڈر رہتا ہے کہ کہیں ترک عبادت کسی وقت ہو جائے جو اس کو مستحق عذاب بنادے اسی وجہ سے صحیح روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نذر ماننے سے منع فرمایا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ نذر بھلائی (کامیابی شفا۔ واپسی مسافر وغیرہ) کی موجب نہیں ہوتی۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ کسی دشوار عبادت کی نذر مانی ہو جیسے حج یا سال بھر کے روزے۔

رہا نذر۔ تردد کا حکم تو اس کا حکم نذر مجز کی طرح ہے جس بات کی نذر مانی ہے اسی کو کرنا ہوگا (کفارہ ادا کرنے سے یہ نذر پوری نہیں ہوتی) کیونکہ جب وجود شرط کا ارادہ کر لیا تو لامحالہ وجود نذر کا خواستگار ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ نذر مجز اور نذر تردد کو بعینہ پورا کرنا ضروری ہے اور نذر لجاج میں اصل نذر کو پورا کرے یا کفارہ ادا کرے دونوں کا اختیار ہے۔ امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے صاحب ہدایہ نے یہ ساری تفصیل بیان کی ہے امام شافعی کا بھی ظاہر ترین قول یہی ہے لیکن شافعی کے دو قول اور بھی بعض روایات میں آئے ہیں، ایک یہ کہ نذر لجاج میں کفارہ ہی دینا لازم ہے دوسری روایت یہ کہ بعینہ ایفاء نذر لازم ہے (کفارہ سے نذر نہیں ساقط ہوگی۔)

مسئلہ: امام ابو حنیفہ کے نزدیک نذر سے کسی منذور بات کا وجوب اس وقت ہوگا جب منذور اس جنس کی چیز ہو جو اللہ نے واجب کی ہے (مثلاً حج کی نذر نماز پڑھنے کی نذر راہ خدا میں مال خرچ کرنے کی نذر کی، بعینہ یا بکفارہ ادائیگی واجب ہوگی کیونکہ اللہ نے حج نماز اور صدقات کو واجب کیا ہے لیکن مریض کی عیادت جنازہ کے ساتھ چلنا اور اسی طرح کی دوسری باتیں ایسی ہیں جن کی ہم جنس کوئی چیز اللہ نے واجب نہیں کی لہٰذا نذر سے ان باتوں کا وجوب نہیں ہوتا۔) منہاج میں امام شافعی کا مسلک اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ہر قسم کی طاعت کا نذر سے وجوب ہو جاتا ہے خواہ وہ طاعت ان طاعتوں کی ہم جنس نہ ہو جو اللہ نے واجب کی ہیں جیسے مریض کی عیادت، تشیع جنازہ اور سلام (ابتدائی)

امام ابو حنیفہ کے قول پر اعتراض کیا جاسکتا ہے۔ نذر اعتکاف کی صورت میں باتفاق علماء اعتکاف کرنا واجب ہو جاتا ہے حالانکہ جو واجبات الٰہیہ ہیں ان میں سے کسی کا اعتکاف نہیں ہے اگر کہا جائے کہ روزہ اعتکاف کی ضروری شرط ہے (اور روزہ رمضان اللہ کی طرف سے واجب کر دیا گیا ہے اور رمضان کا روزہ اعتکاف کے روزے کا ہم جنس ہے) اس کا جواب یہ ہے کہ

Marfat.com

اعتکاف کرنے کے لئے روزہ کی شرط ناقابل تسلیم ہے (روزہ کے بغیر اعتکاف ہو سکتا ہے اور اگر اعتکاف کے لئے روزے کی شرط مان بھی لی جائے تب بھی اتنا لازم آئے گا کہ اعتکاف کی شرط کا ہم جنس فرائض الہیہ میں موجود ہے اعتکاف کا ہم جنس تو موجود نہیں ہے اس پر بھی اگر ایفاء نذر کو واجب قرار دیا جائے گا تو پھر عبادت مقصود ہو یا نہ ہو بہر حال نذر کی وجہ سے اس کا واجب ہونا ضروری ہو جائے گا کیونکہ ہر قربت (عبادت) اسلام واخلاص کے ساتھ مشروط ہے (کوئی عبادت بغیر اسلام کے نہیں ہوتی۔ خواہ مقصود ہو۔ جیسے اسلام یا غیر مقصودہ جیسے نماز کے لئے وضو) اور اسلام واخلاص اللہ کی طرف سے واجب کردہ فرائض ہیں اور اگر اعتکاف بالنذر کے وجوب کو صوم بالنذر کے وجوب کے تابع قرار دیا جائے گا اور یوں کہا جائے گا کہ نذر سے اعتکاف کا وجوب اس وقت ہو گا جب اس کے ساتھ نفلی روزہ بھی ہو) تو رمضان میں اعتکاف کرنے کی نذر کی ایفاء واجب ہی نہ ہو گا (کیونکہ رمضان میں روزے رکھنے کی اگر نذر مانی تو صوم نذر کا وجوب نہیں ہوتا۔ رمضان کے روزے تو اللہ کی طرف سے واجب کردہ ہی ہیں واجب خداوندی پر واجب بالنذر وارد نہیں ہوتا)

مسئلہ: اگر نذر طاعت کو پورا نہ کر سکا ہو (مثلاً کسی مریض کے تندرست ہو جانے پر ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ تاریخ کے روزے رکھنے کی نذر مانی ہو اور روزے نہ رکھ سکا ہو) تو باتفاق جمہور قضاء نذر واجب ہے (دوسرے ایام میں روزے رکھ لے) لیکن اسی کے ساتھ کیا قسم کا کفارہ بھی واجب ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے سفیان ثوری وجوب کفارہ اور قضاء نذر دونوں کے قائل ہیں امام ابو حنیفہ نے فرمایا، اگر قسم کی نیت نہ کی اور نذر کا صیغہ زبان سے ادا کیا خواہ نذر کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو، بہر حال قضا نذر واجب ہے کفارۂ قسم واجب نہیں ہے اور اگر صرف قسم کی نیت کی اور نذر کی نفی کی تو کفارہ واجب ہے، قضاء نذر واجب نہیں اور اگر قسم کی نیت کی اور نذر کی نہ نیت کی نہ نفی نذر کی۔ نذر کے متعلق کوئی خیال ہی دل میں نہیں آیا یا نذر کی بھی نیت کی تو قضاء نذر اور کفارۂ قسم دونوں واجب ہیں۔

امام ابو یوسف نے فرمایا اگر قسم کی نیت کی اور نذر کی نیت نہیں کی تو اس صورت میں صرف کفارۂ قسم واجب ہے قضا واجب نہیں کیونکہ صیغۂ نذر کا مجازی معنی اس نے مراد لیا ہے اور قسم کی نیت کی ہے اور اگر نذر کی نیت کی قسم کی نیت نہیں کی، تو قضا واجب ہے کفارہ واجب نہیں حقیقی معنی متعین ہے اور اگر دونوں کی نیت کی تب بھی قضا ہی لازم ہو گی کفارہ نہ ہو گا کیونکہ حقیقت کو مجاز پر ترجیح ہے اور حقیقت و مجاز دونوں کا بیک وقت اجتماع ہو نہیں سکتا۔

سفیان ثوری نے اپنے قول کے ثبوت کے لئے فرمایا کہ نذر کا صیغہ محتاج نیت نہیں اگر نذر کے صیغہ کو بول کر نذر کی نیت نہ بھی کی ہو تب بھی نذر کی نفی نہیں ہو سکتی کیونکہ نذر انشاء ہے اور انشاء کا صیغہ استعمال کرنے کے بعد حقیقی معنی کی نفی نہیں ہو سکتی نذر کی حالت ایسی ہی ہے جیسے نکاح طلاق رجعت اور غلام کی آزادی۔ رسول اللہ کا ارشاد ہے تین چیزیں جن کی سنجیدگی بھی واقعیت ہے اور مزاحیہ کہہ دینا بھی واقعیت (پر محمول کیا جاتا) ہے نکاح، طلاق، رجعت (مزاحیہ ایجاب وقبول، مزاحیہ طلاق اور مزاحیہ رجعت واقع ہو جاتی ہے اس میں مزاح کا عذر قابل قبول نہیں) اخرجہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ من حدیث ابی ہریرہ۔ مصنف میں عبدالرزاق نے حضرت ابوذر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جس نے مذاق میں طلاق دی اس کی طلاق نافذ ہے اور جس نے مذاق میں باندی غلام کو آزاد کر دیا اس کی آزادی نافذ ہے۔ ابن عدی نے الکامل میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ہیں جن کا کھیل نہیں ہے (یعنی بطور دل لگی بھی ایسا کیا جائے تو حقیقت کا وقوع ہو جاتا ہے) جس نے کھیل کے طور پر اگر ان میں سے کوئی بات کہہ دی تو پڑ جائے گی۔ طلاق غلام کی آزادی اور نکاح۔

عبدالرزاق نے موقوفاً حضرت عمر و حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ تین چیزیں ہیں جن میں کوئی کھیل نہیں۔ نکاح اور طلاق اور باندی غلام کی آزادی۔ ایک روایت میں چار چیزوں کا لفظ آیا ہے اور چوتھا لفظ نذر کا ہے۔

اور نذر کا مقتضی قسم ہے (یعنی نذر اپنی معنویت کے لحاظ سے قسم ہی ہے) کیونکہ جو چیز (شرعاً) واجب نہیں اس کو اپنے

Marfat.com

اوپر واجب بنالینے کا معنی ہی یہ ہے کہ جو چیز (شرعاً) حرام نہ تھی اس کو اپنے اوپر حرام کرلیا اور غیر حرام کو حرام بنالینا قسم ہے اللہ نے فرمایا ہے۔ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ...... قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ تَحِلَّۃَ اَیْمَانِکُمْ اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ نذر کا قسم ہونا بھی نیت کا محتاج نہیں ہے (خود نذر کے اندر قسم کا معنی موجود ہے) اور نیت نہ ہو تب بھی قسم کی نفی نہیں ہوتی اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے اپنے والدین یا اولاد کو خرید لیا پس خریدتے ہی وہ آزاد ہوجائیں گے۔ خواہ آزاد کرنے کی نیت نہ کی ہو یا آزاد نہ کرنے کی نیت کی ہو (دونوں صورتوں میں کچھ فرق نہیں پڑتا)

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ غیر حرام کو حرام بنالینا ہر جگہ قسم نہیں ہے دیکھو طلاق کے بعد بیوی، آزاد کرنے کے بعد باندی اور فروخت کردینے کے بعد فروخت کردہ چیز حرام ہوجاتی ہے (جو پہلے حرام نہ تھی ان افعال سے اس کو حرام بنالیا جاتا ہے) حالانکہ یہ تحریم قسم نہیں ہے ہاں اگر تحریم میں قصداً قسم کی نیت کی ہو تو غیر حرام کو حرام بنانا قسم ہوجاتا ہے جیسے ماریہ اور شہد کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے حرام بنالیا تھا اور اس سے قسم کی نیت کی تھی۔ (جس کا ذکر قرآن کی مذکورہ آیت میں ہے) اس آیت میں تحریم ارادی ہے، تحریم التزامی نہیں۔ پس جب تک قسم کی نیت نہ ہوگی نذر ہوگی۔ نذر کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو کیونکہ یہی حقیقی معنی ہے (اور حقیقی معنی پر دلالت نیت کی محتاج نہیں ہوتی) اور جب قسم کی نیت کی ہو اور نذر کی نفی کی ہو تو یہ قسم ہوگی (نذر کا مجازی معنی قسم ہے اور مجازی معنی نیت کا محتاج ہے) اور جب نذر کی نفی نہ ہو خواہ اسکی نیت کی ہو یا نہ کی ہو اور قسم کی نیت کی ہو تو لفظ کے لحاظ سے یہ نذر ہوگی اور مقتضیٰ (مفہوم التزامی) کے اعتبار سے قسم ہوگی۔ واللہ اعلم۔

فصل: نذر معصیت دو طرح کی ہوتی ہے (۱) ایسی نظر جس کا کوئی فرد معصیت سے خالی نہیں ہوسکتا جیسے شراب پینے اور زنا کرنے کی نذر، امام ابو حنیفہ نے ایسی نذر کے متعلق فرمایا اگر اس نذر سے قسم کی نیت ہو تو نذر منعقد ہوجائے گی اور قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنا ہوگا، اگر قسم کی نیت نہ ہوگی تو نذر منعقد نہ ہوگی لغو کلام قرار دیا جائے گا اور آیت مذکورہ میں یہ مراد بھی نہیں ہے اور باتفاق علماء اس کو پورا کرنے کا حکم بھی اس آیت میں نہیں دیا گیا ہے۔ اللہ فحشاء اور کھلے گناہ کا حکم نہیں دیتا ہے۔ امام مالک اور امام شافعی بھی اسی کے قائل ہیں۔

امام احمد نے فرمایا یہ نذر منعقد ہوجائے گی اور (اس صورت میں بھی) کفارہ ادا کرنا ہوگا خواہ قسم کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔
ابن ہمام نے کہا اکثر مشائخ حنفیہ نے یہی مسلک اختیار کیا ہے۔ طحاوی نے لکھا ہے کہ اگر نذر کی معصیت کی طرف نسبت کی اور یوں کہا کہ (اگر میرا یہ کام ہوجائے گا (تو) میں اللہ کے لئے نذر مانتا ہوں کہ زید کو قتل کردوں گا۔ تو یہ قسم ہوجائے گی اور اس کو توڑ کر کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ میں کہتا ہوں طحاوی کے اس قول کی وجہ یہ ہے کہ الفاظ کے حقیقی معنی مراد لینا جب ناممکن ہے تو لامحالہ مجازی معنی ہی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ معصیت میں نذر نہیں اور نذر معصیت کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اس کا بھی یہی مطلب ہے، امام صاحب کے نزدیک اس حدیث میں قسم کے جس کفارہ کا ذکر ہے اس سے مراد قسم کا وہ کفارہ ہے جو نیت قسم کے بعد عائد ہوتا ہے (یعنی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نذر معصیت تو جائز نہیں۔ نذر معصیت میں اگر قسم کی نیت کرلی ہو تو کفارۂ قسم لازم ہے)

(۲) نذر معصیت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جس چیز کی نذر مانی ہے وہ ہے تو گناہ لیکن اسی نذر کی بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جو معصیت سے پاک اور خالص طاعت ہیں۔ مثلاً کسی نے عید الفطر کے دن کے روزہ کی نذر مانی یا طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھنے کی منت مانی امام ابو حنیفہ کے نزدیک نذر کا انعقاد ہوجائے گا اور عید کے دن روزہ نہ رکھنا اور پھر کسی دن اس کے عوض روزہ رکھنا واجب ہے، کفارہ کا وجوب نہیں ہے اور۔ (اگر عید کے دن) اس نے روزہ رکھ لیا تو نذر پوری ہوجائے گی (عید کے دن روزہ رکھنے کا گناہ بجائے خود اس پر ہوگا نذر کا اس سے کوئی تعلق نہیں نذر کا ایفاء ہوجائے گا) اور نذر کی نفی کردی اور قسم کی نیت کی تو کفارۂ قسم لازم ہے اور اگر نذر کی نفی نہیں کی (اور نیت بھی نہیں کی صرف قسم کی نیت کی) تو قضاء نذر بھی ضروری ہے اور کفارۂ قسم بھی۔ جیسا نذر طاعت میں ہوتا ہے۔

Marfat.com

امام احمد نے فرمایا عید کے دن روزہ توڑ دینا اور دوسرے کسی دن اس کی قضاء کرنا اور قسم کا کفارہ دینا لازم ہے اگر روزہ رکھ لے گا تو کافی نہ ہوگا۔ دوسری روایت میں امام احمد کا قول آیا ہے کہ اگر عید کے دن روزہ رکھ لے گا تو نذر پوری ہو جائے گی، امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ نذر معصیت نمبر دو کا انعقاد ہی نہیں ہوتا جس طرح نذر معصیت نمبر ایک کا انعقاد نہیں ہوتا، دونوں میں کوئی فرق نہیں وہ بھی معصیت یہ بھی معصیت بندے کے خود ساختہ ایجاب سے معصیت واجب نہیں ہو جاتی۔

امام ابو حنیفہ کے قول کی توجیہ اس طرح کی گئی ہے کہ معصیت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ذاتی وفی نفسہ جیسے شراب کا پینا جو ہر وقت حرام ہے اس کی معصیت ذاتی ہے) اور اضافی (معصیت لغیرہ جو فی نفسہ معصیت نہیں بلکہ کسی دوسری وجہ سے حلال چیز حرام اور طاعت معصیت بن گئی ہے) جیسے روزہ جو بجائے خود ممنوع نہیں طاعت ہے لیکن عید کے دن کی وجہ سے اس میں معصیت پیدا ہو گئی (اصل کے لحاظ سے) نذر تو منعقد ہو جائے گی لیکن روزہ نہ رکھنا واجب ہے تاکہ اضافی معصیت سے اجتناب ہو جائے اور پھر اس کی قضاء کر لی جائے تاکہ واجب ساقط ہو جائے۔ اب کسی نے عید کے دن ہی روزہ رکھ لیا تو جس بات کا ذمہ لیا تھا وہ تو پوری ہو گئی۔ آئمہ کا یہ اختلاف اصولی اختلاف پر مبنی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر افعال شرعیہ (مشروعہ) سے منع کر دیا گیا ہو تو ان افعال میں قبح اضافی ہوتا ہے بجائے خود ان کے اندر مشروعیت ہوتی ہے اور امام شافعی کے نزدیک افعال شرعیہ سے ممانعت کر دی گئی ہو تو اس سے ان افعال میں قبح ذاتی اور فی نفسہ غیر مشروعیت ہو جاتی ہے۔

امام احمد نے فرمایا نذر صوم کا انعقاد اس وجہ سے ہوتا ہے کہ صوم طاعت ہے۔ معصیت کے لحاظ سے انعقاد نہیں ہوتا اس لئے کامل صوم ہو تو ادائے نذر ہو گی، عید کے دن روزہ رکھ لیا تو ادائے نذر نہ ہو گی۔ (کیونکہ یہ صوم کامل نہیں) اور شریعت میں ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں کہ بعض افعال واجب ہوتے ہیں اور اصل وقت میں ان کو ادا کرنا حرام ہوتا ہے اور دوسرے وقت میں بطور قضاء ان کو ادا کرنا لازم ہوتا ہے جیسے حائضہ پر رمضان کے روزے واجب ہوتے ہیں اور رمضان میں اگر وہ رکھ لے گی تو ادا نہ ہوں گے بلکہ دوسرے ایام میں ان کی قضا لازم ہو گی۔

(۳) اگر امر مباح کو ترک کرنے کی نذر مانی تو ایسی نذر لغو ہے انعقاد نذر نہ ہوگا ہاں اگر قسم کی نیت کرلے گا تو قسم شکنی پر کفارۂ قسم دینا ہوگا۔ امام شافعی نے فرمایا نذر تو بہر حال نہ ہو گی ہاں قسم کا حکم ضرور عائد ہو جائے گا قسم کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو اور قسم شکنی کی صورت میں کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا امام شافعی کا قول راجح یہی ہے کذا فی المنہاج۔ اس کی وجہ وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے کہ جب حقیقی معنی مراد نہیں ہو سکتے تو مجازی معنی کی طرف رجوع کیا جائے گا یعنی قسم مراد ہو کیونکہ جو چیز واجب نہیں اس کو واجب قرار دینا تحریم مباح ہے (اور تحریم مباح قسم ہے) میں کہتا ہوں یہ دلیل وہی پیش کر سکتا ہے جو تحریم مباح کو قسم کہتا ہے۔

توضیح اقوال مذکورہ کے لئے چند احادیث کا بیان

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی ہو وہ طاعت بجالائے اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی نذر مانی ہو وہ نافرمانی نہ کرے (بخاری) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نذر صرف وہ ہے جس میں اللہ کی رضامندی مطلوب ہو۔ اس حدیث کا ورود اس شخص کے سلسلہ میں ہوا جس نے دھوپ میں کھڑے رہنے کی نذر مانی تھی۔ رواہ احمد۔ بیہقی نے ایک اور قصہ کے سلسلہ میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ ابو داؤد نے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے ان احادیث کا عموم بتا رہا ہے کہ نذر طاعت بہر حال منعقد ہو جاتی ہے خواہ وہ طاعت ایسی ہو کہ اس جیسی طاعت اللہ نے واجب کی ہو، (جیسے نماز روزہ وغیرہ) یا اس جیسی طاعت اللہ نے واجب نہ کی ہو (جیسے عیادت مریض) حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نذر معصیت کو پورا کرنا (جائز) نہیں نہ اس نذر کو پورا کرنا ہے جس کا آدمی مالک نہ ہو (مثلاً زید نے نذر مانی کہ عمر کے غلام کو میں آزاد کر دوں گا) رواہ مسلم۔ ابو داؤد نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس چیز کا آدمی مالک نہ ہو اس کی نذر نہیں۔ اسی حدیث کی وجہ سے

Marfat.com

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے کہا اگر میں یہ کام کروں تو ایک ہزار درہم میرے مال میں سے خیرات ہیں اور اس کا مال سو درہم سے زائد نہیں تو امام ابو حنیفہ کا صحیح قول یہ ہے کہ جتنے مال کا وہ اس وقت مالک ہوگا اتنے ہی حصہ میں نذر جاری ہوگی اور جس مال کا مالک نہیں اس کی نذر نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں اس کی نذر کی نسبت نہ ملک کی طرف ہوگی نہ سبب ملک کی طرف۔ اور اگر اس نے کسی شخص کی خاص بکری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس بکری کو قربانی کے لئے میں بیت اللہ کو بھیجوں گا تو اس پر نذر لازم نہ ہوگی۔

حضرت عقبہ بن عامر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ رواہ مسلم طبرانی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے نذر قسم ہے اور نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ اس حدیث کے الفاظ میں بھی عموم ہے (جو ہر نذر کو شامل ہے)

مسئلہ: جس نے نذر مانی اور پوری نہ کر سکا خواہ اس وجہ سے کہ وہ شرعی گناہ کی نذر تھی اس لئے پوری نہ کر سکا یا طبعاً ناقابل ایفاء تھی کہ پوری کر ہی نہیں سکتا تھا جیسے ہمیشہ ہر روز روزہ رکھنے کی نذر یا برداشت تو کر سکتا تھا لیکن اس کا وقت جاتا رہا اور اس کا تدارک ممکن نہ رہا اس وجہ سے کہ وہ مباح الترک تھی یا اس وجہ سے کہ نذر تو مان لی تھی لیکن کیا نذر مانی تھی اس کی تعیین نہیں کی تھی مثلاً یوں کہا تھا کہ اگر اللہ نے یہ کام میرا کر دیا تو اس کے نام کی نذر دلاؤں گا ان سب صورتوں میں قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہے خواہ قسم کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے نذر مانی اور جس چیز کی نذر مانی اس کی تعیین نہیں کی تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جس نے نذر مانی اور اس میں معصیت ہے تو اس کا کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہے اور جس نے ناقابل طاقت نذر مانی تو اس کا کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہے اور جس نے نذر طاعت (قابل برداشت) مانی تو وہ اپنی نذر پوری کرے۔ رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ۔ بعض اہل حدیث نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس کا قول قرار دیا ہے۔ یہ حدیث گزشتہ حدیث کا بیان ہے۔

مسئلہ: جس نے نذر طاعت مانی اور ادا کرنے کی طاقت بھی ہے تو ایسی صورت میں ادائے نذر نہ کرنا اور کفارہ ادا کرنے کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں اگر کفارہ دے گا تو ادائے نذر کے لئے کافی نہ ہوگا کیونکہ حضرت عمران بن حصین کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا معصیت کی کوئی نذر (جائز) نہیں اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ رواہ النسائی والحاکم والبیہقی

امام احمد کا جو مسلک ہے کہ نذر معصیت منعقد ہو جاتی ہے اور اس کا کفارہ قسم کے کفارہ کی طرح ادا کرنا واجب ہے۔ حدیث مذکور کے اطلاق سے ان کے مسلک کی تائید ہوتی ہے لیکن اس حدیث کی سند میں ایک راوی محمد بن الزبیر حنظلی ہے جو قوی نہیں ہے ابن زبیر کی روایت میں اہل روایت نے اختلاف کیا ہے عبدالرزاق نے محمد کے باپ زبیر کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے حافظ نے لکھا ہے کہ دوسرے طریقے سے بھی یہ حدیث آئی ہے جس کی سند صحیح ہے مگر معلول ہے۔

امام احمد، بیہقی اور اصحاب السنن نے زہری کی روایت سے بحوالہ ابو سلمہ از ابو ہریرہ یہ حدیث بیان کی ہے لیکن یہ روایت منقطع ہے زہری کی ابو سلمہ سے سماعت ثابت نہیں (بیچ کا راوی منقطع ہے)

ابو داؤد، ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ نے سلیمان بن بلال کی روایت سے بحوالہ موسیٰ بن عقبہ و محمد بن عتیق از زہری از سلیمان بن ارقم از یحییٰ بن کثیر از ابو سلمہ از عائشہؓ یہ حدیث نقل کی ہے۔ نسائی نے لکھا سلیمان بن ارقم متروک الحدیث ہے یحییٰ بن کثیر کے متعدد شاگردوں نے اس کی مخالفت کی ہے اور یحییٰ بن کثیر کے حوالہ سے بروایت محمد بن الزبیر حنظلی عن ابیہ عن عمران یہ حدیث نقل کی ہے گویا وہی سند لوٹ آئی جو پہلے گزر چکی۔

حافظ نے لکھا ہے یہ حدیث معمر نے بروایت یحییٰ بن کثیر بیان کی ہے اور یحییٰ نے ابو سلمہ اور بنی حنیفہ میں سے ایک اور آدمی کے حوالہ سے مرسلاً رسول اللہ ﷺ کا فرمان قرار دیا ہے۔ بنی حنیفہ کے اس آدمی کا نام حاکم نے محمد بن الزبیر کہا ہے اور یہ

Marfat.com

بھی کہا ہے کہ بنی حنیفہ میں سے اس کو قرار دینا پڑھنے کی غلطی ہے یہ تو بنی حنظلہ میں سے تھا۔
ایک اور سند سے حضرت عائشہؓ کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا گیا ہے جس کو دار قطنی، ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی نے بروایت غالب بن عبداللہ الجوزی عن عطاء عن عائشہؓ مرفوعاً بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے اوپر نذر معصیت واجب کرلی تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ غالب بن عبداللہ متروک الحدیث ہے۔
ابوداؤد نے ایک اور طریق سے بروایت کریب از ابن عباس بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے اس کی سند اچھی ہے لیکن اس کی سند میں بھی یحییٰ آتا ہے جو مختلف فیہ ہے۔
نووی نے لکھا ہے حدیث لانذر فی معصیة و کفارته کفارة یمین۔ ضعیف ہے محدثین کا اس پر اتفاق ہے حافظ نے لکھا ہے باتفاق محدثین کہنا غلط ہے طحاوی اور ابو علی ابن السکن نے تو اس کو صحیح قرار دیا ہے میں کہتا ہوں سیوطی نے جامع صغیر میں اس حدیث پر صحیح ہونے کی نشانی لکھ دی ہے۔
امام ابوحنیفہ جو نذر معصیت میں (جب کہ وہ معصیت ایسی ہو جس کی حرمت ذاتی ہو اضافی نہ ہو) کفارے کو واجب نہیں قرار دیتے (اور کلام کو لغو قرار دیتے ہیں) حضرت عمران بن حصین کی روایت کردہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نذریں دو ہوتی ہیں (ایک) نذر طاعت یہ اللہ کے لئے ہوتی ہے اور اس کو پورا کرنا واجب ہے (دوسری) نذر معصیت یہ شیطان کے لئے ہوتی ہے اس کا پورا کرنا جائز نہیں۔ صورت استدلال یہ ہے کہ کفارہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب نذر کو پورا کرنا واجب ہو (اور نذر کو پورا نہ کیا ہو) کفارہ سے نذر (پوری نہ کرنے) کا گناہ ساقط ہو جاتا ہے اور جہاں نذر کو پورا کرنا ہی واجب نہیں تو کفارہ کا وجوب کیسے ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ استدلال نص کے مقابلہ میں قیاسی استدلال ہے (جو مقبول نہیں پھر) ہر جگہ اس کا اجراء بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ دیکھو نذر معصیت کو پورا کرنا واجب نہیں توڑ دینا اور اس کے خلاف کرنا واجب ہے اور کفارہ لازم ہے تاکہ اللہ کے نام کی بے حرمتی نہ ہو اور عظمت قائم رہے۔
حضرت ثابت بن ضحاک راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک شخص نے مقام بوانہ میں اونٹ کی قربانی کی نذر مانی اور خدمت گرامی میں حاضر ہو کر اطلاع دی حضور ﷺ نے فرمایا کیا جاہلیت کے زمانہ میں وہاں کوئی بت تھا جس کی تو پوجا کرتا تھا صحابہ نے جواب دیا نہیں (وہاں کوئی بت نہیں تھا) فرمایا تو کیا جاہلیت کے میلوں میں سے کوئی میلہ وہاں لگتا تھا صحابہ نے عرض کیا، نہیں۔ فرمایا تو اپنی نذر پوری کر۔ بلاشبہ نذر معصیت کی وفا (جائز) نہیں اور نہ اس چیز کی نذر (صحیح) ہے جو نذر کرنے والے کی ملکیت میں نہ ہو۔ رواہ ابوداؤد بسند صحیح۔
عمرو بن شعیب نے اپنے باپ کے حوالے سے دادا کی روایت بیان کی کہ ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں نے نذر مانی تھی کہ (اظہار مسرت کے لئے) آپ کے سر پر دف بجاؤں گی۔ فرمایا تو اپنی نذر پوری کر۔ رواہ ابوداؤد۔ ایک روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ عورت نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں نے منت مانی تھی کہ فلاں فلاں مقامات پر قربانی کروں گی۔ عورت نے ان مقامات کے نام لئے جہاں اہل جاہلیت ذبح کیا کرتے تھے، فرمایا جاہلیت کے بتوں میں سے کیا وہاں کوئی بت تھا جس کی پوجا کی جاتی تھی عورت نے جواب دیا۔ نہیں فرمایا کیا وہاں اہل جاہلیت کا کوئی میلہ لگتا تھا (تہوار منایا جاتا تھا) عورت نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو اپنی نذر پوری کر۔ میں کہتا ہوں نذر کو پورا کرنے کا حکم اس جگہ وجوبی نہیں ہے، اسی پر علماء کا اجماع ہے ایسا اس لئے کہا گیا کہ احادیث میں تعارض نہ رہے اور رسول اللہ ﷺ نے تو فرما ہی دیا تھا کہ نذر وہ ہے جس میں اللہ کی خالص رضا مطلوب ہو اور اس بات کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ جو نذر طاعت نہیں وہ نہ واجب ہو سکتی ہے نہ خالص خدا کے لئے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ اس جگہ امر اباحت کے لئے ہے جب نذر معصیت میں معصیت کو ترک کرنا اور کفارہ ادا کرنا ضروری ہے تو یہاں بدرجۂ اولیٰ ترک معصیت لازم ہے۔

مسئلہ: جس شخص نے نذر طاعت تو کی لیکن اس کو کچھ قیود و اوصاف سے مقید کر دیا تو کیا ایسی قیود قابل لحاظ ہوں گی۔

Marfat.com

امام صاحب کا اس کے متعلق یہ فیصلہ ہے کہ اگر قیود و صفات ایسی ہوں جو اللہ کو پسند ہوں اور کثرت ثواب و ترقی درجات کی موجب ہوں تو نذر کو مع قیود اوصاف کے پورا کرنا واجب ہے قیود کو نظر انداز کر کے نفس نذر کا حکم باقی رکھنا ممکن نہیں اور اگر قیود و اوصاف غیر شرعی اور عند اللہ ناپسندیدہ ہوں تو شرائط کی پابندی ضروری نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اگر قیود و شرائط موجود نہ ہوں تو کیا کفارہ واجب ہوگا اس مسئلہ میں وہی اختلاف ہے جو ہر منذور مباح کے ترک کرنے کی صورت میں ہے مثلاً کسی نے بازار میں نماز پڑھنے کی یا ہفتہ کے دن نماز پڑھنے کی نذر مانی یا یہ نذر مانی کہ میں روزہ رکھوں گا اور کھڑا نہ ہوں گا یا روزہ میں بات نہیں کروں گا یا سایہ میں نہیں جاؤں گا یا یہ نذر مانی کہ یہ ایک روپیہ اس غریب کو دوں گا یا اس شہر میں کسی غریب کو دوں گا ان سب صورتوں میں اس پر روزہ رکھنا اور نماز پڑھنا اور کسی فقیر کو ایک روپیہ کسی جگہ دینا واجب ہوگا شرائط ساقط الاعتبار ہیں ہر جگہ ہر وقت نماز پڑھ سکتا ہے روزہ رکھنا ضروری ہے۔ خاموش رہنا یا بیٹھا رہنا یا سایہ سے دور رہنا ضروری نہیں اور ایک روپیہ دینا خواہ کسی غریب آدمی کو ہو کسی شہر میں ہو لازم ہے۔ حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک شخص کھڑا ہوا ہے اس کے متعلق دریافت کیا صحابہ نے عرض کیا یہ ابو اسرائیل ہے اس نے کھڑے رہنے کی نذر مانی ہے نہ بیٹھتا ہے نہ سایہ میں جاتا ہے نہ بات کرتا ہے اور روزہ رکھے ہوئے ہے۔ فرمایا اس کو حکم دو کہ بات کرے سایہ میں جائے بیٹھ جائے اور اپنا روزہ پورا کرے۔ رواہ البخاری۔ اس حدیث میں کفارہ دینے کا حکم نہیں ہے اگر کسی نے پے در پے تین روزے رکھنے کی نذر مانی یا کھڑا ہو کر نماز پڑھنے کی نذر مانی تو نذر کو پورا کرنا اس پر واجب ہے اگر متفرق طور پر روزے رکھے گا یا بیٹھ کر نماز پڑھے گا تو نذر پوری نہیں ہوگی اور (نذر کے مطابق) دوبارہ روزے رکھنا اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنا لازم ہوگا کیونکہ بیٹھ کر نماز کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے آدھی ہے رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی فرمایا ہے رواہ احمد والنسائی وابن ماجۃ بسند صحیح عن انس۔ ورواہ ابن ماجۃ عن عبد اللہ بن عمرو۔ والطبرانی عن ابن عمرو عن عبد اللہ بن السائب، وعن المطلب بن ابی وداعۃ ورواہ احمد وابوداؤد عن عمران بن حصین، ورواہ مسلم وابوداؤد والنسائی عن ابن عمرو نحوہ۔ پے در پے روزے رکھنا اللہ کو پسند ہے اسی لئے مختلف کفاروں میں پے در پے روزوں کا حکم دیا گیا ہے۔

مسئلہ: اگر نماز پڑھنے کی نذر مانی اور کھڑے بیٹھے کی کوئی نیت نہیں کی تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا واجب ہے کیونکہ نماز کھڑے ہو کر پڑھنا ہی اصل ہے اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی نذر مانی تو بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر دونوں طرح نماز پڑھنے سے نذر پوری ہو جائے گی۔

مسئلہ: اگر کروٹ سے یا چت لیٹ کر نماز پڑھنے کی نذر مانی تو بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر نماز پڑھنا واجب ہے کیونکہ جب تک اضطراری حالت نہ ہو لیٹ کر نماز پڑھنا شرعاً معروف نہیں ہاں بیٹھ کر نماز پڑھنے کا جواز ہے۔ لیٹ کر نماز وہ مریض پڑھ سکتا ہے جو بیٹھ بھی نہ سکے۔ ایسا بیمار اگر لیٹ کر نماز پڑھنے کی نذر مانے گا اور لیٹ کر پڑھ لے گا تو نذر پوری ہو جائے گی لیکن اگر نذر پوری کرنے سے پہلے (بیٹھنے کے قابل) صحت ہو گئی تو لیٹ کر پڑھنے سے نذر پوری نہ ہوگی۔ (بیٹھ کر نماز پڑھے گا اور کھڑے ہونے کے قابل ہو گیا تو) صرف کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے نذر پوری ہوگی۔

مسئلہ: اگر کعبہ میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جس جگہ چاہے پڑھ لے نذر پوری ہو جائے گی۔ امام زفر اور امام ابو یوسف کا قول ہے کہ اگر بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی نذر مانی اور پڑھ لی مسجد نبوی یا کعبہ میں تو نذر پوری ہو جائے گی اور جس نے مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کی نذر مانی اور کعبہ میں پڑھ لی تب بھی نذر پوری ہو جائے گی اور مسجد نبوی اور کعبہ کے علاوہ کسی اور مسجد میں ادا کی تو نذر پوری نہ ہوگی اور جس نے کعبہ کے اندر نماز نماز پڑھنے کی نذر مانی تو کعبہ کے اندر پڑھے کعبہ کے علاوہ کسی اور مسجد میں پڑھنے سے نذر پوری نہ ہوگی۔

امام ابو حنیفہؒ نے اپنے مسلک کے ثبوت میں حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت کردہ حدیث پیش کی ہے کہ فتح مکہ کے دن ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گزارش کی۔ یا رسول اللہ ﷺ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ فتح مکہ عنایت

Marfat.com

کردے تو میں بیت المقدس میں دو رکعت نماز (شکرانہ) پڑھوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہیں پڑھ لو۔ اس شخص نے دوبارہ وہی پہلی گزارش کی فرمایا یہیں پڑھ لو اس نے تیسری بار پھر گزارش کی تو حضور ﷺ نے فرمایا تم کو اپنا اختیار ہے رواہ ابوداؤد والطحاوی والدارمی۔

امام ابو یوسف اور امام زفر نے فرمایا ہم اسی حدیث کی رو سے تو کہتے ہیں کہ مسجد بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی نذر ماننے والے کے لئے جائز ہے کہ وہ کعبہ میں نماز نذر پڑھ لے رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن کعبہ میں ہی موجود تھے لیکن جس نے کعبہ میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو بیت المقدس یا کسی اور مسجد میں نماز پڑھنا (نذر کے لئے) کیسے کافی ہو سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تو ارشاد فرمایا تھا کہ آدمی کی اپنے گھر میں نماز (بس) ایک نماز کا ثواب رکھتی ہے اور محلہ کی مسجد میں ایک نماز پچیس (گھر والی) نمازوں کے برابر ہے اور جامع مسجد میں ایک نماز پڑھنی (گھر کی) پانسو نمازوں کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ میں ایک نماز (گھر کی) ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے اور میری مسجد میں ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور کعبہ کے اندر ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے رواہ ابن ماجۃ من حدیث انسؓ۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری مسجد میں ایک نماز کعبہ کے علاوہ دوسری جگہ کی ہزار نمازوں سے افضل ہے طحاوی نے حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عائشہؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ حضرت میمونہ اور حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے وہی حدیث بیان کی ہے جو صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے آئی ہے۔ طحاوی نے حضرت عطاء بن الزبیر کی روایت کردہ یہ حدیث بھی بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز کعبہ کے علاوہ دوسری مساجد میں ہزار نمازوں سے بہتر ہے اور کعبہ میں ایک نماز اس مسجد کی ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ کی موقوف روایت اور حضرت جابر بن عبداللہ کی مرفوع روایت سے بھی یہ حدیث اسی طرح آئی ہے۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ احادیث مذکورہ میں نمازوں سے صرف فرض نمازیں مراد ہیں۔ مساجد میں فرض نمازوں کا ثواب اسی ترتیب کے ساتھ ہے جو ترتیب احادیث میں بیان کی گئی ہے تو افل مراد نہیں کیونکہ نوافل تو گھروں میں افضل ہیں۔ صحیحین میں حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سوائے فرض نماز کے دوسری نمازیں اپنے گھر کے اندر افضل ہیں۔

ابوداؤد و ترمذی نے حضرت زید بن ثابت کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی کی اپنے گھر کے اندر نماز میری اس مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے سوائے فرائض کے۔ طحاوی نے حضرت عبداللہ بن سعد کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ اپنے گھر کے اندر نماز پڑھنی مسجد میں نماز پڑھنے سے مجھے زیادہ پسند ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے بیمار کے تندرست ہو جانے یا مسافر کے واپس آجانے کی شرط کے ساتھ اپنی نذر صوم کو مشروط کیا اور یوں کہا جب میرا مسافر واپس آجائے گا یا بیمار تندرست ہو جائے گا تو میں ایک ماہ کے روزے محض اللہ کے لئے رکھوں گا تو شرط پوری ہونے کے بعد ایفاء نذر اس پر واجب ہے وجود شرط سے پہلے اگر روزے رکھ لے گا تو ادائے نذر کے لئے) کافی نہ ہوگا دوبارہ روزہ رکھنے ہوں گے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک شرط انعقاد سبب ہی سے مانع ہے (شرط کی موجودگی میں سبب ہی نہیں پیدا ہوتا) اور وجود سبب کے بغیر ادا کا کوئی معنی نہیں۔ امام شافعی وجود شرط سے پہلے ادا کو کافی سمجھتے ہیں ان کی نظر میں شرط حکم سے مانع ہے وجود سبب سے مانع نہیں۔ اس لئے اگر وقوع شرط سے پہلے روزے رکھ لئے تو نذر پوری ہو جائے گی۔ جیسے نصاب زکوٰۃ ہو جانے کے بعد، سال تمام ہونے سے پہلے اگر زکوٰۃ ادا کر دی جاتی ہے تو ادا ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: اگر وجوب ادا کی نسبت کسی خاص وقت یا زمانہ کی طرف کی (مثلاً یوں کہا کہ اس مقدمہ میں اللہ مجھے کامیاب کردے گا تو میں اس کے نام پر سارے ماہ رجب کے روزے رکھوں گا۔ یا آئندہ سال حج کروں گا) تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک وقت آنے سے پہلے بھی نذر کو ادا کر سکتا ہے (رجب آنے سے پہلے بھی ایک ماہ کے روزے رکھ سکتا ہے) امام محمد

Marfat.com

فرماتے ہیں وقت کی طرف نسبت ایسی ہی ہے جیسے کسی شرط کے ساتھ مشروط کرنا (اور جب تک شرط اور قید موجود نہ ہو ادا صحیح نہیں اسی طرح اگر وقت مقرر نہ آیا ہو تو ادا صحیح نہیں) شیخین فرماتے ہیں نذر کی وقت کی طرف نسبت شرط کی طرح نہیں ہے (وقت کی طرف نسبت کرنے سے نذر مشروط نہیں ہو جاتی بلکہ) یہ نذر منجز (بلا شرط) ہے صرف وقت کے ساتھ مقید کر دیا گیا ہے اور قیود قابل اعتبار نہیں ہوتیں۔ جیسے کسی نے اگر بازار میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو کہیں نماز پڑھے نذر ادا ہو جائے گی اسی طرح وقت مقرر سے پہلے روزے رکھ لینا بھی جائز ہے اور نذر پوری ہو جائے گی اور اگر مقررہ وقت گزر گیا اور روزے نہ رکھے اور حج نہ کیا تو اس کے بعد روزے رکھے جاسکتے ہیں اور حج کیا جاسکتا ہے۔

امام زفر نے فرمایا ادائے نذر کی جس وقت کی جانب نسبت کی ہے اگر شرعاً اس وقت کو افضلیت حاصل ہے اور مقررہ وقت سے پہلے جس وقت میں نذر ادا کر رہا ہے وہ وقت فضیلت میں مقررہ وقت سے کم ہے اور قبل از وقت نذر ادا کر دی تو ادا نہ ہو گی بلکہ دوبارہ (مقررہ وقت آنے پر) ادا کرنی ہو گی اور اگر ایک وقت کو دوسرے وقت پر کوئی فضیلت نہ ہو تو وقت مقرر آنے سے پہلے بھی نذر ادا ہو جائے گی۔ میرے نزدیک یہی قول زیادہ مناسب ہے مثلاً کسی نے عرفہ کے دن یا عاشورہ کے دن یا پورے ماہ محرم کے روزے رکھنے کی نذر مانی تو مقررہ ایام کے آنے سے پہلے اگر روزے رکھ لئے تو نذر پوری نہ ہو گی (ان ایام کو فضیلت حاصل ہے) اسی طرح وسط رات میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو رات آنے سے پہلے دن میں یا رات کے بعد آنے والے دن میں نماز پڑھنے سے نذر ادا نہ ہو گی (وسط رات کا وقت فضیلت رکھتا ہے۔)

اگر شبہ کیا جائے کہ رات آنے سے پہلے ہی دن میں جو نماز پڑھ لیتا ہے وہ ایفائے نذر میں احتیاط سے کام لیتا ہے معلوم نہیں آنے والی رات تک زندہ رہے یا نہ رہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ آنے والی رات تک زندہ رہنا عموماً ہوتا ہی ہے (کیونکہ نذر ماننے والا کسی مہلک مرض میں مبتلا نہیں، نہ مرنے کے قرائن موجود ہیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عرفہ کے روزے سے میں اللہ سے ثواب کی امید اتنی رکھتا ہوں کہ وہ پچھلے سال (کے گناہوں) کا بھی کفارہ ہو جائے گا اور آنے والے ایک سال (کے گناہوں) کا بھی۔ اور عاشورہ کے روزے سے مجھے اللہ سے اتنی امید ثواب ہے کہ وہ پچھلے سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ رواہ مسلم وابن حبان والترمذی وابن ماجۃ من حدیث ابی قتادۃ وروی ابن ماجۃ من حدیث ابی سعید الخدری عن قتادۃ بن نعمان نحوہ۔ اس مبحث کی حدیث حضرت زید بن ارقم اور حضرت سہل بن سعد اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بھی آئی ہے رواہ الطبرانی۔ حضرت عائشہ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے رواہ احمد۔ حافظ ابن حجر نے کہا حضرت انس وغیرہ سے اس موضوع کی روایت آئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی دوسرے ایام ایسے نہیں کہ ان ایام (یعنی ایام تشریق) سے زیادہ ان میں نیک عمل کرنا اللہ کو محبوب ہو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ راہ خدا میں جہاد بھی (ان ایام کی نیکی سے زیادہ محبوب) نہیں۔ فرمایا راہ خدا میں جہاد بھی نہیں۔ ہاں (اگر کسی نے ایسا جہاد کیا ہو کہ) راہ خدا میں جان و مال لے کر نکلا اور پھر اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لایا ہو (تو ایسا جہاد اللہ کو ان ایام میں عمل صالح کرنے سے زیادہ محبوب ہو جائے گا) رواہ ابو داؤد من حدیث ابن عباسؓ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایام عشرہ (یعنی عشرۂ ذی الحجہ کی عبادت) سے زیادہ محبوب اللہ کے نزدیک اور کسی ایام کی عبادت نہیں ان دنوں میں ایک دن کا روزہ (دوسرے ایام کے) ایک سال کے (روزوں کے) برابر ہے اور (ان دنوں کی) ایک رات شب قدر کے برابر ہے۔ رواہ ابن ماجۃ من حدیث ابی ہریرہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ماہ رمضان کے بعد سب سے افضل روزے خدا کے مہینے کے یعنی محرم کے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔ رواہ مسلم واصحاب السنن الاربعۃ عن ابی ہریرۃؓ والرویانی فی مسندہ والطبرانی عن جندب۔

مسئلہ: جس نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی اس کو اختیار ہے پیدل جائے یا سواری پر۔ مبسوط میں امام ابو حنیفہ کا یہی

Marfat.com

مسلک بتلایا گیا ہے یعنی پیدل چلنا اس پر واجب نہیں ہے بعض دوسرے علماء بھی اسی طرف گئے ہیں۔ اس قول کی بناء اسی گزشتہ نظریہ پر ہے کہ جس نے نذر طاعت کی ہو لیکن اس میں شرط لگادی ہو جو طاعت نہ ہو تو شرط کی پابندی اس کے لئے لازم نہیں ہے۔

قدوری اور اکثر متون میں (امام کا مسلک یہ) بیان کیا گیا ہے کہ پیدل جانا اس کے لئے لازم ہے سوار نہ ہو اور یہ حکم طواف زیارت تک قائم رہے گا۔

پیدل چلنا کس جگہ سے لازم ہے یہ مسئلہ اختلافی ہے بعض نے کہا میقات سے پیدل جانا لازم ہے کیونکہ میقات سے ہی حج شروع ہوتا ہے صحیح تر قول یہ ہے کہ گھر سے ہی اس کو پیدل (حج کو) جانا لازم ہے ہاں اگر گھر سے پیدل نہ چلنے کی نیت کی ہو تو جہاں سے پیدل چلنے کی نیت کی ہو اس کی پابندی کرے۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے یہ یعنی جو قدوری نے ذکر کیا ہے اس طرف اشارہ ہے کہ پیدل چلنا نذر کی وجہ سے واجب ہو جاتا ہے۔ طحاوی نے کہا یہی قول امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا ہے۔

جو لوگ سوار ہو کر حج کو جانے کو پیدل حج کو جانے سے افضل جانتے ہیں ان کی دلیل تو صاف ہے کہ عبادت کی نذر مانی گئی ہے (یعنی مقصد نذر حج ہے) اور پیدل جانے میں ترک افضل ہے (کیونکہ اللہ نے استطاعت حج کے لئے شرط کی ہے اور استطاعت میں سواری بھی شامل ہے اس لئے سوار ہو کر جانا افضل ہے) امام صاحب کے نزدیک پیدل جانا بشرطیکہ پیدل چلنے کی طاقت اور برداشت ہو افضل ہے لیکن آپ کے نزدیک ادائے منذور کے لئے شرط یہ ہے کہ واجبات مقصودہ میں سے اللہ کی طرف سے کوئی واجب اس منذور کا ہم جنس ہو اور پیدل چلنا اللہ کی طرف سے کسی جگہ بھی واجب نہیں ہے لہٰذا پیدل حج کرنے کی نذر ماننے کی صورت میں بھی پیدل جانا ضروری نہیں۔

پیدل حج کی نذر کرنے کی صورت میں سوار ہو کر جانے کی افضلیت احادیث سے بھی ثابت ہے حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ ایک بوڑھا شخص اپنے دونوں طرف اپنے دونوں بیٹوں پر سہارا لگا کر چل رہا تھا، رسول اللہ ﷺ نے معاینہ فرمایا اور دریافت کیا اس کو کیا ہو گیا صحابہ نے عرض کیا حضور اس نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی ہے، فرمایا یہ جو اپنے کو خود دکھ دے رہا ہے خدا کو اس (کی اذیت کوشی) کی ضرورت نہیں پھر اسی بوڑھے آدمی کو سوار ہو جانے کا حکم دیا۔ متفق علیہ۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں حدیث مذکور کے یہ الفاظ ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا بوڑھے آدمی تیری (اس محنت) اور تیری نذر کی خدا کو ضرورت نہیں۔ رواہ مسلم۔

حضرت عقبہ بن عامر جہنی کا بیان ہے میری بہن نے پیدل کعبہ کو جانے کی منت مانی اور مجھے مسئلہ دریافت کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا (میں نے حاضر خدمت ہو کر مسئلہ دریافت کیا) فرمایا اس کو چاہئے کہ پیدل (بھی) چلے اور سوار (بھی) ہو جائے۔ متفق علیہ۔

جو لوگ پیدل جانا ضروری قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ جب پیدل جانے کی نذر مانی ہے تو پیدل جائے، رہی اس کی نظیر شرعی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک طواف زیارت پیادہ پا کرنا واجب ہے یہ عبادت مقصودہ ہے اس لئے نذر ماننے والا اس کی نذر مان سکتا ہے اور حسب نذر ادائے منذور ضروری قرار پا سکتی ہے۔

رہا احادیث مذکورہ کا جواب تو وہ خود روایت ہی سے ظاہر ہے کہ جب وہ بوڑھا پیدل نہیں چل سکتا تھا (جیسا کہ حضرت انس کی روایت میں صراحتاً آیا ہے) تو حضور نے اس کو سوار ہونے کا حکم دیدیا اسی طرح حضرت عقبہ کی بہن کا قصہ تھا کہ وہ طاقت نہیں رکھتی تھی۔ (ابوداؤد کی حدیث میں اس کی صراحت آئی ہے) ان حدیثوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پیدل حج کرنے والے پر نذر کے مطابق حج کرنا واجب نہیں ہے بلکہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ عذر کی وجہ سے سوار ہونا جائز ہے۔

مسئلہ: اگر پیدل حج کو جانے کی نذر مانی اور کسی عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے سوار ہو گیا تو باتفاق علماء دوبارہ پیدل حج کرنا واجب نہیں لیکن امام ابو حنیفہ کے مسلمہ نظریہ کے مطابق قیاس کا تقاضا تھا کہ دوبارہ پیدل حج کرنا واجب ہو، جس طرح پے در

Marfat.com

پے روزے رکھنے کی نذر یا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی نذر کی صورت میں خلاف ورزی کرنے سے اعادہ مطابق نذر واجب ہوتا ہے لیکن سوار ہو جانے کی اجازت چونکہ حدیث میں آگئی ہے اس لئے قیاس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

ایک سوال

احادیث مذکورہ سے سوار ہونے کی اجازت اس شخص کے لئے ثابت ہوتی ہے جس میں پیدل چلنے کی طاقت نہ ہو۔ جس میں پیدل چلنے کی طاقت ہو اس کے لئے سوار ہونے کی اجازت احادیث سے ثابت نہیں ہوتی اس لئے پیدل حج کی نذر ماننے والا اگر بلا عذر سوار ہو جائے تو اس کی نذر پوری نہ ہونی چاہئے۔

جواب

حضرت عمران بن حصین نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب بھی ہم کو خطاب فرمایا صدقہ کرنے کا حکم ضرور دیا اور مثلہ کرنے کی ممانعت ضرور فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ پیدل حج کو جانے کی نذر ماننی بھی مثلہ کی ہی ایک شاخ ہے جس نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی ہو وہ ایک قربانی بھیج دے اور سوار ہو جائے۔ رواہ الحاکم فی المستدرک و قال صحیح الاسناد۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ شریعت کے احکام اکثر عام ہوتے ہیں اور حج کے لئے عام طور پر پیدل جانے کی طاقت نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ توشۂ راہ اور سواری سفر میں سہولت پیدا کرنے والی چیزیں ہی نہیں ہیں بلکہ ضروری چیزیں ہیں جن کے بغیر عام طور پر حج ممکن نہیں ہوتا اسی لئے ہم سوار ہونے کے جواز کے قائل ہیں حضرت عمران کی روایت کردہ حدیث مذکور سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واجب کا ترک کسی عذر کی وجہ سے ہو یا بغیر عذر کے دونوں صورتیں چاہتی ہیں (کہ سوار ہو جانے سے چونکہ واجب کا ترک ہوا ہے) دوبارہ ادا بطور قضا کی جائے اب اگر پیدل چلنا عبادت مقصودہ ہو اور مستقل ہو تو ترک کی صورت میں اس کی دوبارہ ادا بصورت قضا ہونی چاہئے اور اگر اس کو خود مستقل عبادت نہ قرار دیا جائے بلکہ عبادت کا وصف یا شرط کہا جائے تو چونکہ غیر مستقل ہے اس لئے اس کی قضاء بمثل معقول تو ممکن ہی نہیں اور بمثل غیر معقول قضاء کا ضرور تصور کیا جا سکتا ہے لیکن اس کا اختیار شارع کو ہے، رائے اور قیاس سے کسی مثل غیر معقول کی تعیین نہیں کی جا سکتی۔ جیسے واجبات صلوٰۃ کی قضا نے سجدۂ سہو کو مقرر کیا ہے (جو مثل غیر معقول ہے) مثل غیر معقول کی تعیین شارع پر موقوف ہے شارع نے اگر کسی چیز کا مثل غیر معقول مقرر کر دیا ہو تو مثل غیر معقول سے اس چیز کی ادائیگی (بطور قضا) ہو جائے گی ورنہ اس فوت شدہ عبادت کو دوبارہ لوٹایا جائے گا اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ اگر روزے پے در پے نہ رکھے ہوں یا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی نذر کی صورت میں کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھی ہو تو صوم و صلوٰۃ کو دوبارہ ادا کیا جائے (کیونکہ اس کا مثل غیر معقول شارع نے مقرر نہیں کیا) اور اگر پیدل حج کو جانے کی نذر میں سوار ہو کر حج کو گیا تو اس کی تلافی ایک قربانی پیش کرنے سے ہو جائے گی شریعت نے اس کے لئے مثل غیر معقول (یعنی قربانی پیش کرنے) کی تعیین کر دی ہے۔ دوبارہ حج کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس صورت میں عذر اور غیر عذر کا کوئی فرق نہیں۔ دونوں میں فرق تو صرف گناہ کا ہوگا مزدلفہ میں قیام اگر بلا عذر ترک کر دیا تو یہ ناجائز ہے اور کسی عذر (شرعی) کی وجہ سے ایسا کر لیا تو جائز ہے۔ اور قربانی پیش کرنا دونوں صورتوں میں واجب ہے۔

مسئلہ: جس نے حج کو پیدل جانے کی نذر مانی اور پیدل نہ گیا خواہ کسی عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے تو ایک قربانی واجب ہے امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک کم سے کم ایک بکری کی قربانی کرنی چاہئے اور اگر اس نذر میں قسم کی نیت کی ہو تو قسم کا کفارہ بھی لازم ہے، طحاوی نے امام صاحب اور صاحبین کا یہی قول بیان کیا ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اس صورت میں صرف کفارۂ قسم کافی ہے (قربانی کی ضرورت نہیں)

پیدل حج کرنے کی نذر ماننے کی صورت میں اگر سوار ہو جائے تو قربانی دینی چاہئے اس کی دلیل حضرت عقبہ بن عامر کی بہن والی حدیث ہے جو بروایت ابو داؤد اس طرح آئی ہے کہ حضور ﷺ نے اس کو سوار ہو (کر) جانے اور ایک قربانی پیش کرنے

Marfat.com

کا حکم دیا۔ یہ روایت صرف ابوداؤد کی ہے اور ابوداؤد کی سند اہل حدیث کے نزدیک معتبر ہے۔ صحیحین میں حضرت عقبہ کی بہن والی جو حدیث آئی ہے وہ مختصر ہے (اس میں قربانی پیش کرنے کا حکم نہیں یہ حکم ابوداؤد کی روایت میں زائد ہے) اور باوثوق راوی کی روایت میں (اگر دوسری روایتوں سے کچھ) زیادتی قابل قبول ہوتی ہے۔ اور چونکہ اس حدیث میں مطلق قربانی کا حکم ہے اور قربانی کم سے کم بکری کی ہوتی ہے) اس لئے امام ابوحنیفہ کا یہ قول صحیح ہے کہ ایک بکری کی قربانی بھی کافی ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ قربانی کے لئے حدیث میں بدنہ کا خاص طور پر ذکر آیا ہے (بدنہ صرف اونٹ یا بھینس گائے کو کہتے ہیں بلکہ صاحب قاموس کے نزدیک تو اس کا اطلاق صرف اونٹ پر ہوتا ہے بہر حال بدنہ بکری کو نہیں کہتے) طحاوی کی روایت کے بموجب حضرت عقبہ بن عامر کی بہن کے واقعہ میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اس کو حکم دو کہ سوار ہو جائے اور ایک بدنہ کی قربانی دے۔ ابوداؤد نے حضرت ابن عباس کی روایت سے جو یہ حدیث نقل کی ہے اس میں بھی صرف بدنہ کی قربانی کا حکم ہے۔ روایت اس طرح ہے کہ عقبہ کی بہن نے پیدل حج کو جانے کی نذر مانی تھی لیکن اس میں اتنی طاقت نہ تھی کہ ایسا کر سکے حضور ﷺ نے حضرت عقبہ سے فرمایا اللہ کو تیری بہن کے پیدل چلنے کی ضرورت نہیں اس کو سوار ہو جانا چاہئے اور ایک بدنہ کی قربانی دیدے۔ میں کہتا ہوں یہ حدیث حسن ہے اس کا سلسلہ سند اس طرح ہے ابوداؤد از عیسیٰ بن ابراہیمؒ از عبدالعزیز بن مسلم از مطر الوراق از عکرمہ از ابن عباس اور سوائے دونوں آخری راویوں کے سب نے یہ حدیث حدثنا کے لفظ سے بیان کی ہے۔

سند حدیث پر شبہ

عبدالعزیز بن مسلم غیر معروف ہے اور مطر وراق کو ابن سعد نے ضعیف الحدیث کہا ہے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ذہبی نے عبدالعزیز کو معروف کہا ہے اگر کسی کی نظر میں مجہول ہو تو اس سے عبدالعزیز کے معروف ہونے میں فرق نہیں آتا اور مطر الوراق مسلم کے راویوں میں سے ہے (اس لئے ضعیف الحدیث نہیں ہو سکتا) ذہبی نے کہا یہ ثقہ ہے امام احمد اور ابن معین نے مطر وراق کو ضعیف الحدیث کہا ہے لیکن عطاء سے روایت کرنے میں اس کو ضعیف کہا ہے اور یہ حدیث مطر نے بروایت عکرمہ بیان کی ہے۔

ابن ہمام نے کہا امام ابوحنیفہ نے جو مطلق قربانی کو کافی قرار دیا ہے (اگرچہ بکری کی ہو) اونٹ کی تعیین نہیں کی اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے راوی قوی ہیں (اور بدنہ کی تخصیص کے راوی کمزور ہیں)

میں کہتا ہوں مطلق قربانی والی حدیث کو قوی الروایت کہنا نا قابل تسلیم ہے اور مان بھی لی جائے تب بھی قوی کو ترجیح ضعیف پر اسی وقت ہوتی ہے جب دونوں میں (نا قابل ازالہ) تعارض ہو اور اس جگہ دونوں میں تعارض ہی نہیں ہے ایک مطلق ہے دوسری مقید اور ایک ہی واقعہ سے دونوں کا تعلق ہے اور دونوں میں ایک ہی حکم ہے اس لئے مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا اور مطلق سے بھی مقید ہی مراد ہو گا حضرت علی اور بعض دوسرے صحابہ کے اقوال میں یہ آیا بھی ہے (کہ دونوں حدیثوں میں مقید ہی مراد ہے) یہ اگرچہ اقوال صحابہ ہیں جو حدیث موقوف کا درجہ رکھتے ہیں لیکن ایسے مباحث میں (کوئی صحابی اپنی طرف سے کسی قید کا اضافہ نہیں کر سکتا) موقوف کو مرفوع کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ امام شافعی نے بسلسلہ سعد بن ابی عروبہ از قتادہ بحوالہ حسن نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے اس شخص کے متعلق جس نے پیدل جانے کی قسم کھائی ہو، فرمایا وہ پیدل جائے اور اگر پیدل چلنے سے عاجز ہو جائے تو سوار ہو جائے اور بدنہ کی قربانی کرے۔

عبدالرزاق نے صحیح سند سے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے پیدل کعبہ کو جانے کی نذر مانی ہو وہ کیا کرے یہ سوال حضرت علی سے کیا گیا، فرمایا پیدل جائے، اگر تھک جائے تو سوار ہو جائے اور اونٹ کی قربانی کر دے۔ حضرت ابن عمر حضرت ابن عباس اور قتادہ و حسن کے اقوال بھی ایسے ہی روایت میں آئے ہیں۔

مسئلہ: جس نے بیت اللہ یا کعبہ کو پیدل جانے کی نذر مانی اور حج یا عمرہ کا لفظ نہیں کہا تو استحساناً اس پر پیدل حج یا عمرہ کرنا

Marfat.com

Marfat.com

نے اس کے متعلق اچھے کلمات کہے۔ بعض علماء نے کہا یوں تو سفیان ٹھیک ہے لیکن زہری کی روایت نقل کرنے میں اس کے متعلق لاباس بہ نہیں کہا جاسکتا اور چونکہ مذکورہ حدیث زہری کی روایت سے نقل کی ہے اس لئے صحیح نہیں ہے سوید اور سفیان از زہری اس کے راوی ہیں۔

دوسری حدیث ابوداؤد نے بحوالۂ عبدالرحمٰن بن اسحاق بروایت زہری از عروہ بیان کی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت یہ ہے کہ معتکف کسی مریض کی عیادت کو نہ جائے کسی جنازہ میں شریک نہ ہو عورت کو مَس بھی نہ کرے، نہ مباشرت کرے اور سوائے (فطری) ضروریات کے اور کسی حاجت کے لئے نہ نکلے اور اعتکاف بغیر روزہ کے نہیں ہوتا اور جماعت والی مسجد کے علاوہ (کسی اور جگہ) بھی نہیں ہوتا۔

ایک شبہ

ابوداؤد نے کہا ہے کہ عبدالرحمٰن بن اسحاق کے علاوہ کسی نے بھی اس حدیث کے متعلق سنت کا لفظ نہیں کہا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے اور دارقطنی نے عبدالرحمٰن کو ضعیف کہا ہے۔

ازالہ

اس حدیث کو مرفوع قرار دینا (راوی کی طرف سے دوسروں کی روایت پر) زیادتی ہے اور (ثقہ کی روایت میں زیادتی مقبول ہے) اور عبدالرحمٰن ثقہ ہے البتہ قدری ضرور ہے (قدریہ فرقہ کے عقیدہ کا ہے) ابوداؤد نے یہی کہا ہے۔ ابن معین نے اس کو ثقہ مانا ہے اور امام احمد نے اس کو صالح الحدیث کہا ہے اور مسلم نے بھی اس کی راویت لی ہے۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث (گو صحیح ہو پھر بھی) استدلال کے قابل نہیں کیونکہ لااعتکاف کا لفظ جو اس حدیث میں آیا ہے وہ سنت علی المعتکف کے ذیل میں تو آہی نہیں سکتا ایسا کرنا ترتیب کلام کے اقتضاء کے خلاف ہے اور بالفرض مان بھی لیا جائے تب بھی مدعیٰ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اعتکاف کے لئے روزہ کے سنت ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، اختلاف تو شرط ہونے میں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ روزہ کو اعتکاف کے لئے شرط قرار دیتے ہیں۔ اور شرط کے لئے کوئی دلیل ہونی چاہئے (اور اس حدیث سے روزہ کا سنت ہونا ثابت ہوتا ہے)

ابن جوزی نے التحقیق میں بحوالہ دارقطنی بروایت زہری از سعید بن مسیب و عروہ یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کرتے تھے اور معتکف کے لئے سنت یہ ہے کہ سوائے (فطری) حاجت کے اور کسی غرض سے (مسجد سے) باہر نہ نکلے نہ جنازے کے ساتھ جائے نہ مریض کی عیادت کرے نہ عورت کو مس کرے نہ مباشرت (مس بدن) کرے اور اعتکاف مسجد جماعت کے سوا (اور جگہ) نہیں ہوتا اور اعتکاف کرنے والے کو حضور روزہ رکھنے کا حکم دیتے تھے۔ اس حدیث کی صحت پر ابن جوزی نے اعتراض کیا ہے کیونکہ اس کی روایت میں ایک راوی ابراہیم بن محسر آیا ہے جس کو ابن عدی نے کہا کہ اس کی روایت کردہ حدیثیں منکر ہیں۔ دارقطنی نے کہا اس حدیث میں جو الفاظ آئے ہیں کہ معتکف کے لئے...... سنت ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث نہیں ہے بلکہ یہ زہری کا کلام ہے جس نے اس کو حدیث میں داخل سمجھا ہے اس کو وہم ہو گیا ہے ایک حدیث ابوداؤد نے عبدالرحمٰن بدیل کی روایت سے بحوالۂ عمرو بن دینار بیان کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے دور جاہلیت میں کعبہ کے پاس ایک دن رات کا اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی (اسلام کے بعد) رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا حضور ﷺ نے فرمایا اعتکاف کرلو۔ اور روزہ رکھو۔ نسائی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو اعتکاف کرنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ اس روایت کے لئے دارقطنی نے کہا اس میں عبدالرحمٰن بن بدیل منفرد ہے اور یہ ضعیف ہے۔ نافع نے حضرت ابن عمر کی روایت سے جو حدیث بیان کی ہے اس میں روزہ کا ذکر نہیں ہے اور یہی زیادہ صحیح بھی ہے۔ دارقطنی نے کہا میں نے ابوبکر نیشاپوری کو کہتے سنا کہ یہ حدیث منکر ہے کیونکہ عمرو بن دینار کے معتمد تلامذہ میں سے کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا نہ ابن جریج نے نہ ابن عیینہ نے نہ حماد بن سلمہ وغیرہ نے ابن

Marfat.com

ہمام نے اس کو ضرور ثقہ کہا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ ابن معین نے اس کو صالح الحدیث قرار دیا ہے۔ اور ابن حبان نے بھی اس کا شمار قابل وثوق راویوں میں کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ذہبی نے سفیان کی توثیق میں کچھ نہیں کہا۔ بالفرض اگر حضرت عمرؓ کو اعتکاف کے ساتھ روزہ رکھنے کا حکم روایۃً ثابت بھی ہو جائے تب بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر نے پہلے اعتکاف کی مع روزے کے نذر مانی ہوگی اور سوال بھی دونوں ہی کے متعلق کیا ہوگا لیکن راوی کے (ذہول یا نسیان کی وجہ سے) سوال کی روایت میں صوم کا لفظ رہ گیا جس طرح اکثر صحیح روایتوں میں جواب کے اندر صوم کا ذکر نہیں کیا گیا۔

دار قطنی نے اپنی سند سے بروایت سعید بن بشیر از عبداللہ بن عمر از نافع از حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے شرک کے زمانہ میں اعتکاف کرنے اور روزہ رکھنے کی نذر مانی تھی اور اسلام کے بعد رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔

عبدالحق نے کہا ہے کہ اس حدیث کی روایت میں سعید بن بشیر منفرد ہے ابن جوزی نے یحیٰی اور ابن نمیر کا قول نقل کیا ہے کہ سعید ہیچ ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حافظ نے سعید کی شخصیت کو مختلف فیہ قرار دیا ہے ذہبی نے لکھا ہے کہ قتادہ کے شاگرد سعید بن بشیر کو شعبہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔ بخاری نے کہا اس کی قوت حفظ میں کلام کیا گیا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قدری تھا۔ میں کہتا ہوں یہ امر نا قابل شک ہے کہ سعید بن بشیر ابن بدیل سے زیادہ ضعیف نہ تھا، امام شافعی اور امام احمد نے اپنے استدلال میں حضرت ابن عباس کی روایت کردہ حدیث پیش کی ہے کہ معتکف پر روزہ رکھنا (لازم) نہیں ہے مگر یہ کہ وہ خود ہی اپنے اوپر واجب کرلے (اور مع روزہ کے اعتکاف کی نیت کرلے) رواہ الحاکم، حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ابن جوزی نے بھی اس پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی۔

بخاری (جن کے نزدیک اعتکاف کے لئے روزہ ضروری نہیں) نے حضرت ابن عمر کے بیان سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عمر نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گزارش کی کہ میں نے دور جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ ایک رات مسجد حرام میں اعتاف کروں گا (اب میرے لئے کیا حکم ہے) فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔ متفق علیہ۔ اس حدیث میں صراحت ہے کہ رات کو اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی اور ظاہر ہے کہ رات کو روزہ کا حکم نہیں ہے۔ بطور اعتراض اس روایت کے مقابلہ میں مسلم کی نقل کردہ وہ حدیث پیش کی جاسکتی ہے جو شعبہ نے بروایت عبیداللہ بیان کی ہے اس روایت میں بجائے رات (لیلۃ) کے دن (یوماً) کا لفظ صراحتاً آیا ہے اب دونوں حدیثوں کے اختلاف کو دور کرنے کی صرف یہ صورت ہے کہ لیلۃ (رات) سے مراد ہوگی رات مع دن کے اور یوماً (دن) سے مراد ہوگا دن مع رات کے (یعنی دونوں حدیثوں میں پورے چوبیس گھنٹے مراد ہوں گے) اس اعتراض کا جواب دیا جاسکتا ہے کہ جس روایت میں یوماً کا لفظ آیا ہے وہ شاذ ہے اور یوماً کی روایت کو اگر درست مان بھی لیا جائے، تب بھی کہا جاسکتا ہے کہ جب حضرت عمر نے دن کو اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہی گزارش بھی کی تھی اور حضور ﷺ نے صرف ایفاء نذر کا حکم دیا روزہ کا ذکر بھی نہیں کیا اس سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں ہے۔

(اعتکاف شب بلاصوم کی تائید میں) یہ روایت بھی پیش کی گئی ہے کہ حضرت عبداللہ بن انیس نے خدمت گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں صحرا کا رہنے والا ہوں وہیں رہتا ہوں اور الحمد للہ وہیں نماز بھی پڑھتا ہوں مجھے اجازت مرحمت فرما دیجئے کہ میں اس مسجد میں ایک رات کے لئے فروکش ہو جایا کروں۔ فرمایا بیسویں تاریخ کی رات کو اس میں رہ جایا کرو۔

عبداللہ کے بیٹے سے لوگوں نے پوچھا پھر تمہارے باپ اس حکم کے بعد کیا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا میرے والد نماز عصر کے بعد یہاں داخل ہو جاتے تھے اور صبح تک کسی کام کے لئے بھی مسجد سے باہر نہیں نکلتے تھے جب فجر کی نماز پڑھ لیتے تو باہر آتے تھے مسجد کے دروازے پر ان کا گھوڑا موجود ہی ہوتا تھا اس پر بیٹھ کر اپنے صحرا کو چلے جاتے تھے۔ رواہ ابوداؤد، اس روایت سے صراحتاً معلوم ہو رہا ہے کہ صرف رات کا بھی اعتکاف درست ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ہم اس کو اعتکاف نہیں کہتے تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے اس میں کوئی قباحت نہیں اصطلاحات میں کوئی نزاع کی گنجائش نہیں چاہیں آپ اس کو اعتکاف

Marfat.com

نہیں کہیں لیکن اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ بہ نیت طاعت مسجد کے اندر ٹھہرے رہنا طاعت ہے اور نذر کی وجہ سے (مستحب) طاعت بھی واجب ہو جاتی ہے۔

مسئلہ :اگر کسی نے رمضان میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی تو رمضان میں ہی اعتکاف کرنا لازم ہے، رمضان کی شرط ساقط نہیں کی جاسکتی کیونکہ رمضان میں ہر عبادت کا ثواب دوسرے ایام کی عبادت سے زیادہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے رمضان میں کوئی کار خیر بطور نفل کیا اس کی حالت اس شخص کی طرح ہے جس نے رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں کوئی فرض ادا کیا ہو۔ (یعنی رمضان میں نفل نیکی کا ثواب دوسرے دنوں میں فرض نیکی کے برابر ہوتا ہے) اور جس نے رمضان میں ایک فریضہ ادا کیا تو اس کی حالت اس شخص کی طرح ہوگی جس نے رمضان کے علاوہ دوسرے ایام میں ستر فرض ادا کئے۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن سلمان الفارسیؓ فی حدیث طویل۔

اگر مطلق رمضان میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی تو ہر رمضان میں اعتکاف کر سکتا ہے کوئی رمضان ہو اور اگر کوئی رمضان معین کر دیا ہے تو اسی رمضان میں اعتکاف کرنا لازم ہے۔

ابن ہمام نے کہا لیکن یہ فتویٰ اس ضابطہ کے مطابق نہیں ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ جس شرط کو بحیثیت طاعت دوسری طاعت پر فضیلت حاصل نہ ہو اس کی پابندی لازم نہیں اور ظاہر ہے کہ ایک رمضان کو دوسرے رمضان پر کوئی برتری حاصل نہیں، اس لئے اولیٰ یہ ہے کہ اگر اعتکاف کے لئے اول ترین رمضان معین کیا گیا ہے تو پابندی کرے جہاں تک ہو سکے طاعت میں عجلت سے کام لیا جائے اللہ نے فرمایا ہے یسارعون فی الخیرات وھم لھا سابقون اور اگر کوئی اور رمضان معین کیا ہے اور پہلے رمضان میں اعتکاف کر لیا تو نذر ادا ہو جائے گی بلکہ اس صورت میں بھی اول ترین رمضان میں ہی ادا کرنا مناسب ہے کیونکہ آئندہ رمضان تک معلوم نہیں زندہ رہے یا نہ رہے۔

مسئلہ :اگر معین رمضان میں اعتکاف کی نذر مانی اور مقرر کردہ رمضان بغیر اعتکاف کے گزر گیا تو دوسرے ایام میں قضاء اعتکاف لازم ہے اور انہی ایام میں روزے رکھنے بھی ضروری ہیں (کیونکہ ادائے نذر کا اصل وقت فوت ہو گیا لہٰذا دوسرے ایام میں بالارادہ روزے رکھے اور اعتکاف کرے) امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا قول یہی ہے اور امام ابو یوسف کا ایک قول بھی اس کی موافقت میں مروی ہے اور دوسرا قول یہ مروی ہے کہ قضاء آئندہ زمانے میں نہ کرے۔ (نذر کی خلاف ورزی ہو گئی اب اس کی تلافی ممکن نہیں) یہی قول امام زفر کا ہے کیونکہ رمضان میں اعتکاف افضل ہے، دوسرے ایام میں فوت شدہ رمضان کی تلافی نہیں ہو سکتی جیسے کسی نے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی نذر مانی اور بیٹھ کر پڑھی تو نذر پوری نہ ہوگی۔ یا پے در پے روزے رکھنے کی نذر مانی اور متفرق ایام میں روزے رکھے تو نذر ادا نہ ہوگی اور جب ایفاء نذر بالقضاء ممکن نہیں ہے تو نذر ساقط ہو جائے گی۔

ہم کہتے ہیں مقرر کردہ رمضان فوت ہو گیا جس کا تدارک ممکن نہیں یعنی فضیلت ایام حاصل نہیں ہو سکتی اس لئے فضیلت ساقط ہو گئی لیکن اعتکاف کا تدارک تو ممکن ہے لہٰذا رمضان کے بعد اعتکاف مع الصوم کرنے سے نذر ادا ہو جائے گی۔ فضیلت رمضان نہ ہوگی۔ رہا دوسرے رمضان کا انتظار اور اس وقت تک اعتکاف کو موخر کرنا تو اس کا یقین نہیں کیا جا سکتا کہ دوسرے رمضان تک زندگی باقی بھی رہے گی۔ مدت انتظار طویل ہے اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی وقت کی فرض نماز فوت ہو گئی، یا رمضان کے روزے فوت ہو گئے تو دوسرے وقت نماز اور صوم رمضان کی ادائیگی اصل نماز اور اصل روزوں کو ادا کرنے کی نیت سے کرنا لازم ہے، اس صورت میں فضیلت وقت ضرور ساقط ہو جائے گی اس کا تدارک تو ممکن ہی نہیں ہے لیکن نفس فریضہ تو ادا ہو جائے گا۔ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی نذر ماننا اور بیٹھ کر ادا کرنا نذر کو اس لئے پورا نہیں کرتا ہے کہ دوبارہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ممکن ہے تدارک ہو سکتا ہے۔

ایک شبہ

جب رمضان کا اعتکاف فوت ہو گیا تو مناسب یہ تھا کہ آئندہ رمضان میں اعتکاف کیا جاتا لیکن مرنے کا احتمال تھا اس

Marfat.com

لئے جلد از جلد دوسرے ایام میں روزوں کے ساتھ اعتکاف کرنے پر مجبور ہو گیا اور رمضان کے علاوہ دوسرے ایام میں روزوں کے ساتھ اعتکاف کر لیا لیکن جب زندگی میں دوسرا رمضان آگیا تو دوبارہ اس رمضان میں اعتکاف کرنا واجب ہونا چاہئے جیسے کسی شخص پر اگر حج واجب ہو اور کسی عذر کی وجہ سے حج نہ کر سکا اور دوسرے کو اپنی طرف سے حج کرنے کو بھیج دیا اور وہ شخص اس کی طرف سے حج کر آیا پھر اصل شخص کا عذر جاتا رہا اور خود حج پر قادر ہو گیا تو پہلا حج کرایا ہوا باطل ہو گیا اور از سر نو حج کرنا واجب ہو گیا۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا، نص سے اعتکاف کے روزے رکھنے واجب ہو گئے ہیں تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ رمضان میں اعتکاف ادا ہی نہ ہو۔ (بلکہ اعتکاف کے لئے بالقصد دوسرے روزے رکھے) جب نذر کی وجہ سے اعتکاف واجب قرار پایا تو (رمضان سے الگ) اعتکاف کے روزے بھی واجب قرار پائے اور ظاہر ہے کہ نذر کے روزے رمضان کے روزوں سے ادا نہیں ہو سکتے کیونکہ رمضان کے روزوں کا وجوب نذر کا محتاج نہیں ہے وہ تو پہلے ہی اللہ کی طرف سے واجب ہیں لیکن وقت کی فضیلت کی وجہ سے ہم نے رمضان میں اعتکاف کو جائز قرار دے دیا اور چونکہ یہ جواز ضرورتاً تھا اور رمضان کا اعتکاف فوت ہونے سے فضیلت وقت کی ضرورت فوت ہو گئی اس لئے حکم اصل کی طرف لوٹ آیا اور اعتکاف کے لئے بالقصد دوسرے ایام میں روزے رکھنے لازم ہو گئے یہ ساری تفصیل اس بنیاد پر ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اعتکاف کے لئے روزہ ضروری ہے جو روزہ کو ضروری قرار نہیں دیتا اس کے نزدیک رمضان کے بعد بغیر روزے رکھے فوت شدہ اعتکاف ادا ہو سکتا ہے اور دوسرا رمضان آجائے تو اس میں بھی اعتکاف ادا ہو سکتا ہے۔ بلکہ رمضان کے روزے اگر فوت ہو گئے اور ان کے عوض رمضان کے بعد دوسرے روزے رکھے یا اعتکاف کے دن روزے رکھے ہر صورت میں فوت شدہ اعتکاف ادا ہو جائیگا بس اعتکاف کر کے کسی طرح کے روزے رکھے یا بالکل نہ رکھے اب فوت شدہ اعتکاف کے عوض جب اعتکاف کر لیا خواہ روزے کے ساتھ یا بغیر روزے کے اور پھر دوسرا رمضان آگیا تو دوبارہ اعتکاف نہیں کرے گا جیسے کسی کی وقتی نماز اگر فوت ہو جائے اور اس وقت پانی بھی موجود تھا پھر دوسرے وقت اس نے فوت شدہ نماز تیمم سے پڑھ لی کیونکہ اس وقت پانی نہیں مل سکتا تھا۔ پھر پانی مل گیا تو دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ یا جیسے کسی نے کپڑا نہ ملنے کی وجہ سے برہنہ بدن نماز پڑھ لی پھر کپڑا میسر آگیا تو اعادۂ صلوٰۃ لازم نہیں۔

مسئلہ: حالت کفر میں کسی کافر نے نذر طاعت کی پھر ایفاء نذر سے پہلے مسلمان ہو گیا، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کہتے ہیں، حالت کفر کی نذر کا ایفا حالت اسلام میں واجب ہے، حضرت عمر نے حالت کفر میں اعتکاف کی نذر مانی تھی مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ سے حکم دریافت کیا، حضور ﷺ نے فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک حالت کفر کی نذر کو حالت اسلام میں پورا کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ کافر طاعت کا اہل ہی نہیں ہے کافر کی طاعت معصیت ہے اس کی طاعت خلوص ایمانی کے ساتھ نہیں ہوتی اور نذر معصیت کو پورا کرنا واجب نہیں۔ حضرت عمر کو رسول اللہ ﷺ نے جو نذر اعتکاف پورا کرنے کا حکم دیا تھا، اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ نذر سابق کا ایفاء لازم ہے بلکہ حضرت عمر کو اعتکاف کی خواہش تھی حضور ﷺ نے آپ کی شدت رغبت کو محسوس کر کے ابتدائی حکم دیدیا یہ نذر جاہلیت کو پورا کرنے کا حکم نہ تھا۔

مسئلہ: نذر طاعت کرنے کے بعد (ایفاء سے پہلے) اگر کوئی مرتد ہو گیا پھر کچھ مدت کے بعد اسلام میں لوٹ آیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایفاء نذر واجب نہیں کیونکہ طاعت کی نذر بھی طاعت ہے اور ہر قربت مرتد ہونے کی وجہ سے فوت ہو گئی۔ معدوم ہو گئی اس کا اثر بھی باقی نہیں رہا۔

مسئلہ: اگر ہمیشہ روزہ رکھنے کی نذر مانی لیکن معاشی مشاغل کی وجہ سے دوامی روزے نہ رکھ سکا تو جتنے دن روزے نہ رکھے ہوں ہر روزہ کے بدلے ایک صاع (تقریباً چار سیر) گیہوں خیرات کرے (کذا قال فی الفتاویٰ الکبریٰ) ابن ہمام نے بھی یہی لکھا ہے مزید یہ بھی لکھا ہے کہ تنگدستی کی وجہ سے اگر مالی خیرات نہ کر سکے تو اللہ سے معافی کا خواستگار ہو۔ فتویٰ اس بات پر ہے کہ

Marfat.com

جس نے دوامی روزے رکھنے کی نذر مانی ہو اس کو اختیار ہے چاہے روزے رکھے چاہے ہر روزہ کا کفارہ (چار سیر گندم) دیدے۔ (کذا فی الفتاویٰ الحجتہ) ناقابل برداشت چیز یا کام کی نذر ماننے کے حکم میں بھی یہی اختلاف ہے جو لوگ کفارہ کے قائل ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو حضرت ابن عباس کی روایت سے آئی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے ناقابل استطاعت نذر مانی تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ: جس نے دس یا سو حج کرنے کی نذر مانی کیا اس پر نذر کے مطابق سب حج کرنے لازم ہیں یا اتنے حج کرنے ضروری ہیں جتنے حج کرنے کی زندگی اجازت دے خلاصہ میں اول الذکر قول اختیار کیا گیا ہے دوسرے لوگوں نے مؤخر الذکر قول کی نسبت صاحبین کی طرف کی ہے سرخسی کا بھی یہی قول مختار ہے۔

اگر اسی سال دس حج کرنے کی نذر مانی تو سرخسی کی مختار روایت میں اس پر دس سال میں دس حج کرنے لازم ہوں گے۔ خلاصہ کی روایت کے اعتبار سے اسی سال دس حج لازم ہوں گے اب اگر اس نے اپنی طرف سے دس آدمیوں کو دس حج کرا دیئے اور دس سال ابھی نہیں گزرے تو نذر پوری ہو جائے گی بشرطیکہ دس سال گزرنے سے پہلے وہ مر جائے لیکن اگر وہ دس سال تک زندہ رہا تو ہر سال خود حج کرنا اس پر واجب ہے، دوسروں سے کرائے ہوئے حج کافی نہیں ہوں گے۔ پھر اگر باوجود دس سال تک زندہ رہنے کے ہر سال حج کرنے کی اس میں طاقت نہ ہو۔ تو کیا کفارہ ادا کرنا کافی ہو جائے گا۔ حسب سابق یہ بھی مختلف فیہ مسئلہ ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے کہا میں حج کروں گا تو یہ وعدۂ حج ہے اس لفظ سے اس پر حج کرنا لازم نہیں ہو جاتا یہ نذر نہیں ہے ہاں وعدہ کو پورا کرنا مستحب ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے کہا اللہ مجھے اس بیماری سے شفاعطا فرما دے گا تو میں حج کروں گا، یہ نذر ہو گئی۔ اسلامی فریضہ کے علاوہ حج نذر بھی اس پر لازم ہو گیا آئندہ اگر بغیر کسی تعیینی نیت کے اس نے حج کیا تو فرض حج مانا جائے گا اور اس کے بعد اگر اس نے دوسرا حج کیا اور کوئی نیت نہیں کی تو بعض اقوال میں آیا ہے کہ یہ نفل حج ہوگا۔ نذر والا حج نہیں ہوگا اور ادائے نذر کے لئے نیت ضروری ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے کہا مجھ پر حج لازم ہے اگر زید چاہے اور زید نے کہا ہاں میں چاہتا ہوں تو حج نذر لازم ہو گیا اور یہ ضروری نہیں کہ جس وقت زید کو اس قول کی اطلاع ملے اسی مجلس میں وہ اپنی مشیت کا اظہار کر دے۔ تعلیق طلاق بالمشیت کا مسئلہ اس کے خلاف ہے دونوں میں فرق ہے طلاق میں تو تملیک (اور تفویض) کا معنی ہوتا ہے اور حج کے مسئلہ میں تعلیق مشیت زید محض ایک شرط ہے۔

مسئلہ: جس نے نذر مانی کہ اپنا تمام مال خیرات کر دے گا تو احساناً اس پر لازم ہے کہ جتنے مال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اتنا خیرات کر دے کیونکہ اللہ کی طرف سے مقدار نصاب پر زکوٰۃ فرض کی گئی ہے اسی پر ایجاب عبد یعنی التزام نذر کو بھی قیاس کر لیا جائے گا۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ کلام سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مال کو خیرات کرنا مقصود ہے اور فاضل مال وہی ہوتا ہے جو نصاب زکوٰۃ ہے وصیت کا حکم اس کے خلاف ہے کیونکہ وصیت ایسے وقت ہوتی ہے جب وصیت کرنے والا مال کا ضرورت مند نہیں ہوتا۔ ہاں اگر یہ نذر مانی کہ میری ملک میں جو کچھ ہے میں خیرات کر دوں گا اس صورت میں امام ابو حنیفہؒ نیز صاحبین کے نزدیک کل مال خیرات کرنا لازم ہے امام احمدؒ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں میں کوئی فرق نہیں کل مال کا لفظ ہو یا کل ملک کا دونوں صورتوں میں سارا مال خیرات کرنا لازم ہے۔

امام مالکؒ نے فرمایا دونوں صورتوں میں ایک تہائی مال دینا پڑے گا۔ رزین کی روایت ہے کہ حضرت ابولبابہ نے خدمت گرامی ﷺ میں عرض کیا میری توبہ کی یہ بھی تکمیل ہے کہ میں اپنے اس گھر سے بے تعلق ہو جاؤں جہاں میں نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے اور اپنے کل مال سے الگ ہو جاؤں کل مال خیرات کر دوں حضور ﷺ نے فرمایا تیری طرف سے ایک تہائی کافی ہے۔ ہم

Marfat.com

کہتے ہیں حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں نہ اشارہ ہے کہ حضرت ابولبابہ نے کل مال خیرات کرنے کی نذر مانی تھی۔ صرف اتنا سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ نے کل مال خیرات کردینے کا ارادہ کیا تھا۔ حضور ﷺ نے ایک تہائی مال خیرات کرنے کا مشورہ دیدیا۔ تاکہ غریبوں کے جو حقوق ابولبابہ پر تھے وہ ضائع نہ ہوں۔ اس معنی کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ کعب بن مالک کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تہائی مال کا بھی ذکر نہیں فرمایا۔ صحیحین میں شیخین نے بیان کیا کہ حضرت کعب بن مالک نے فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری توبہ کی تکمیل یہ ہے کہ میں اپنے مال سے قطع تعلق کرلوں اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پیش کردوں فرمایا کچھ مال اپنے پاس روک لے یہ تیرے لئے بہتر ہے، میں نے عرض کیا تو میں اپنا وہ حصہ رو کے لیتا ہوں جو خیبر میں ہے۔

مسئلہ: اگر یوں کہا کہ میرا مال غریبوں کے لئے خیرات ہے تو اس میں وہ مال داخل نہیں مانا جائے گا جو اس کا لوگوں پر ہو۔

مسئلہ: اگر کسی نے کہا کہ میرا تمام مال جو اس وقت میری ملک میں ہے اور جو آئندہ میری ملک میں آئے گا سب خیرات کرنے کی نذر مانتا ہوں تو اس میں اپنی ذات کا ضروری صرف اور بیوی کا نفقہ اور ان تمام متعلقین کا نفقہ جن کے مصارف اس کے ذمہ ہوں داخل نہ ہوگا جیسے کہ کسی نے ہمیشہ روزہ رکھنے کی نذر مانی تو رمضان کے روزے اس میں داخل نہیں ہوں گے اس لئے ان کا کفارہ بھی نہیں دے گا کیونکہ رمضان کے روزے تو حق خداوندی سے متعلق ہیں اب کسی وجہ سے رمضان کے علاوہ دوسرے ایام کے روزے نہ رکھ سکے تو انہی ایام کا کفارہ ادا کرے۔

مسئلہ: اگر کسی نے اس طرح کہا اللہ کے لئے ایک بکری یا گائے یا اونٹ ذبح کرنا میرے اوپر لازم ہے تو (نذر کا حکم ہو جائے گا) فی الحال ذبح کرنا لازم ہے اور اگر کوئی شرط لگائی مثلاً یوں کہا کہ میرا بھائی شفایاب ہو جائے گا تو اللہ کے لئے یہ جانور ذبح کرنا مجھ پر لازم ہے تو جب شرط پوری ہو جائے اس وقت ذبح کرنا لازم ہوگا اور اختیار ہوگا جہاں چاہے ذبح کرے لیکن گوشت فقراء و مساکین کو تقسیم کرے۔

نوادر ابن سماعہ میں مذکور ہے کہ لفظ مذکور کہنے سے نذر نہیں ہوتی۔ ذبح کرنا واجب نہیں ہو جاتا۔ ہاں اگر کلام مذکور میں بطور خیرات زائد کہہ دیا تو یہ نذر ہو جائے گی ہم کہتے ہیں الفاظ مذکور دلالت کر رہے ہیں کہ اس نے مال دینے کا ذمہ لیا ہے اور مال ایسا ہے کہ فقراء کو دیا جاسکتا ہے اس لئے ذبح کرنے سے مراد ہوگا قربانی کر کے فقراء کو گوشت تقسیم کرنا ہاں اگر اس نے نیت ہی صرف ذبح کرنے کی کی ہو (تو گوشت کی تقسیم لازم نہ ہوگی اور اس کلام کو نذر پر محمول نہیں کیا جائے گا) اور اگر یوں کہا کہ اللہ کے لئے مجھ پر ہدی (قربانی) ہے تو بھیڑ بکری، اونٹ، گائے، بھینس جس جانور کی قربانی جائز ہے اس کو ذبح کر سکتا ہے۔ البتہ کسی جنس کا جانور اگر نیت میں متعین کرلیا ہے تو اسی قسم کا جانور ذبح کرنا ہوگا۔

صورت مذکورہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ حرم کے اندر ہی ذبح کرے (ہدی کا لفظ حرم کو ہی چاہتا ہے) اب اگر یہ واقعہ ایام نحر کا ہے تو منیٰ میں قربانی کرنا سنت ہے ورنہ مکہ میں جہاں مرضی ہو ذبح کرے اور (مکہ کی تخصیص جواز کے لئے نہیں بلکہ) حرم کے اندر جہاں چاہے ذبح کرے اور اگر لفظ ہدی کے ساتھ جزور کا لفظ کہا ہے تو حرم کے اندر اونٹ کی قربانی لازم ہو گی اور اگر جزور کے لفظ کے ساتھ ہدی کا لفظ نہیں کہا (اور ذبح کا یا اس کا ہم معنی کوئی دوسرا لفظ کہا) تو قربانی اونٹ کی کرنی ہو گی۔ حرم کے اندر ہو یا حرم کے باہر۔ اور اگر بدنہ کا لفظ کہا اور ہدی کا لفظ نہیں کہا تو چونکہ بدنہ (بمعنی اونٹ) عام استعمال میں اسی اونٹ کو کہتے ہیں جو حرم کے اندر قربانی کے لئے حاجی پہلے سے بھیج دیتے ہیں اس لئے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حرم کے اندر ہی قربانی کرنی لازم ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بدنہ کی نذر ماننے سے اونٹ کو حرم کے اندر ذبح کرنا لازم نہیں ہوتا۔ ہاں اگر علی بدنۃ من شعائر اللہ کہا تو چونکہ شعائر اللہ وہی اونٹ ہوتے ہیں جن پر خصوصی علامت اس بات کی بنادی جاتی ہے کہ یہ اونٹ حرم کو

Marfat.com

قربانی کے لئے جارہے ہیں اس لئے اس بدنہ ٔ نذر کو بھی حرم کے اندر ذبح کرنا لازم ہوگا۔ اب اگر ہدی کو حرم میں ذبح کیا ہو تو حرم کے فقیروں کو اس کا گوشت تقسیم کر دے اگرچہ حرم کے علاوہ دوسرے فقیروں اور غریبوں کو دینا بھی جائز ہے۔

اگر ہدی کی نذر مانی تو کیا ہدی کی قیمت حرم میں بھیج کر وہاں کے غریبوں میں تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں اول قول ابو سلیمان کی روایت میں آیا ہے۔ جس طرح جانوروں کی زکوٰۃ ان کی قیمت کی شکل میں ادا کی جاسکتی ہے اسی طرح نذر ہدی میں ہدی کی قیمت تقسیم کی جاسکتی ہے۔

ابو حفص کی روایت میں عدم جواز آیا ہے کیونکہ لفظ ہدی کے اندر ذبح کا مفہوم ہے اس لئے ذبح کرنا ہی ضروری ہے اور یہی طاعت ہے۔ رہا تقسیم کرنا تو یہ ذیلی چیز ہے جو ذبح کے بعد مقصد ثانوی کی حیثیت رکھتی ہے اور زکوٰۃ میں اصل مقصد جانوروں کی زکوٰۃ ہے۔ یعنی بقدر نصاب جانور دے دینا، پس اس کی دونوں صورتیں ہیں جانور دیدے یا قیمت (زکوٰۃ میں ذبح کا مفہوم نہیں ہے۔)

مسئلہ : جس نے بکری کی نذر مانی اور اونٹ ذبح کر دیا تو بہتر ہے۔ نذر ادا ہو گئی یہ صورت اداء بقیمت کی نہیں ہے کہ کافی نہ ہو کیونکہ ایفائے نذر بھی ذبح کی شکل میں کیا ہے لیکن دو بکریوں کی نذر مانی اور ایک ایسی بکری کی قربانی کر دی جو قیمت میں چار بکریوں کے برابر تھی تو وفاء نذر کے لئے کافی نہ ہوگی صرف ایک ہی بکری مانی جائے گی۔

مسئلہ : جس اگر معین بکری ذبح کرنے کی نذر مانی تو اسی بکری کو ذبح کرنا ہوگا، اگر وہ مرجائے یا چوری ہو جائے تو دوسری لازم نہ ہوگی۔ اس طرح معین روپیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کو خیرات کرنے کی نذر مانی اور روپیہ ضائع ہو گیا۔ چوری ہو گیا یا کچھ اور ہو گیا تو دوسرا معین روپیہ اس کی جگہ لازم نہ ہوگا لیکن اگر وہ روپیہ موجود ہو اور اس کی جگہ اتنا ہی دوسرا روپیہ خیرات کر دیا جائے تو کافی ہوگا اور اگر روٹی خیرات کرنے کی نذر مانی اور روٹی کی قیمت خیرات کر دی جائے تو جائز ہے۔

مسئلہ : اگر کپڑا خیرات کرنے کی نذر مانی اور کعبہ کے غریب دربانوں کو دیدیا تو جائز ہے۔ اگر دربان غریب نہیں ہیں تو ان کو دینے سے نذر پوری نہ ہوگی اور اگر نذر کے کپڑے سے کعبہ کے پردے یا دیواروں کے غلاف وغیرہ بنا دیئے تو نذر پوری نہ ہوگی۔

مسئلہ : اگر کسی نے یہ نذر مانی کہ یہ جانور بیت اللہ یا کعبہ یا مکہ تک (ذبح ہونے کے لئے) بھیجوں گا تو نذر کی وفا لازم ہو گئی اور اگر کعبہ اور بیت اللہ اور مکہ کی جگہ حرم یا مسجد حرام کا لفظ بولا تو نذر حسب قول موجب نہیں ہوئی۔ صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں نذر موجب ہو گئی اور وفا حسب قول لازم ہو گئی لیکن اگر لفظ صفا بولا تو سب کے نزدیک اس کا التزام ضروری نہیں

ایک شبہ

اگر صرف لفظ ہدی استعمال کیا ہے تو حرم میں ذبح کرنا لازم ہو جاتا ہے پھر کیا وجہ کہ جب لفظ ہدی کے ساتھ لفظ حرم یا لفظ صفا بھی استعمال کیا تو کیوں حرم میں ذبح کرنا واجب نہیں ہوگا۔

جواب

اگر صرف لفظ ہدی بولا تو یا بیت اللہ یا مکہ کو لفظ ہدی کی مناسبت سے دل میں پوشیدہ ماننا پڑے گا لیکن جب لفظ حرم یا مسجد کہہ دیا تو اب کعبہ یا بیت اللہ یا مکہ دل میں پوشیدہ نہیں مانا جاسکتا اس لئے التزام ضروری نہیں قرار پایا۔

مسئلہ : اگر اس طرح کہا میں اپنے اس کپڑے سے بیت اللہ کا ستر (غلاف) کروں گا یا حطیم پر لگاؤں گا تو استحساناً اس کو نذر قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ عرفاً اس سے ہدیہ ہی مراد ہوتا ہے۔

مسئلہ : اگر کسی شخص کی بکری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اگر میں اس بکری کو خریدوں گا تو کعبہ کو ہدیہ کر دوں گا (یعنی وہاں قربانی کروں گا) تو امام شافعیؒ کے نزدیک یہ نذر لغو ہوگی کیونکہ تعلیق بالشرط انعقاد حکم سے مانع ہے سبب سے مانع نہیں اور انعقاد سبب کے وقت بکری دوسرے کی ملک میں تھی اور غیر مملوک چیز کی نذر صحیح نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ

Marfat.com

آدمی کی ملک میں جو چیز نہ ہو اس کی نذر (صحیح) نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شرط انعقاد سبب سے مانع ہوتی ہے وجود شرط کے بعد سبب کا انعقاد ہوتا ہے یعنی خریدنے کے بعد سبب کا انعقاد ہوتا ہے اس لئے نذر لغو نہیں ہو گی۔ وجود شرط کے بعد اس کو پورا کرنا لازم ہو گا۔

مسئلہ: اگر کسی نے اپنے آپ کو یا اپنے بیٹے کو یا اپنے غلام کو ذبح کر دینے کی منت مانی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ نذر معصیت ہے جو لغو ہے کچھ لازم نہ ہو گا۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک استحساناً ایک بکری کی قربانی کرنی چاہئے اور اگر اس نے چند بیٹوں بیٹیوں کی ذبح کرنے کی منت مانی ہو تو ہر بیٹے یا بیٹی کے عوض ایک بکری کی قربانی کرے امام محمد کے نزدیک اولاد کو ذبح کر دینے کی منت مانی ہو تو بکری کی قربانی لازم ہے لیکن اگر اپنے آپ کو یا اپنے غلام کو ذبح کرنے کی نذر مانی ہو تو نذر لغو ہے کچھ لازم نہیں۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ پر حضرت اسماعیلؑ کو قربان کرنا واجب کر دیا گیا تو حضرت اسماعیلؑ کے فدیہ میں مینڈھے کو قربان کرنے کا حکم دیا گیا اور ظاہر ہے کہ اپنی جان کو یا اولاد کو قتل کرنا تو شرعاً معصیت ہے اس کی اجازت نہیں ہے اور نذر کی صورت میں اس نے خود اپنے اوپر قربانی کو واجب کر لیا ہے اس لئے جان یا اولاد کے عوض بکری کی قربانی اس کے قائم مقام ہو جائے گی محمد بن منتشر راوی ہیں کہ ایک آدمی نے اپنے آپ کو قربان کرنے کی نذر مانی اور یوں کہا کہ اللہ نے دشمن سے مجھے نجات دیدی تو اپنے کو قربان کر دوں گا پھر حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر حکم دریافت کیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا مسروق سے جا کر پوچھو وہ شخص مسروق کے پاس گیا۔ مسروق نے فرمایا خود اپنے کو قتل نہ کرو اگر تم مومن ہو تو مومن کے قاتل بن جاؤ گے اور کافر ہو تو دوزخ میں جلد پہنچ جاؤ گے بلکہ ایک مینڈھا خرید کر غریبوں کے لئے اس کو ذبح کر دو۔ حضرت اسحاق تم سے افضل تھے ان کے فدیہ میں بھی مینڈھے کی قربانی کرادی گئی تھی۔ اس فتویٰ کی اطلاع اس شخص نے حضرت ابن عباس کو جا کر دی۔ آپ نے فرمایا میں نے بھی ایسا ہی فتویٰ دینے کا ارادہ کیا تھا۔ رواہ ابن رزین۔

مسئلہ: اگر کسی نے کہا مجھے تیرے مال سے جو نفع حاصل ہو مجھ پر اس کو خیرات کر دینا لازم ہے تو جو نفع مخاطب کے مال سے حاصل ہو گا اس کو خیرات کرنا لازم ہے لیکن اگر مخاطب نے اس کی دعوت کی اور کھانا پیش کیا تو اس کو خیرات کرنا لازم نہیں۔

مسئلہ: اگر اس طرح نذر مانی میں اگر ایسا کروں تو جو کچھ میں کھاؤں اس کے مقابل خیرات کرنا مجھ پر لازم ہے یا جو میں پیوں اس کے مقابل خیرات کرنا مجھ پر لازم ہے اول صورت میں ہر لقمہ کے عوض ایک درہم اور دوسری صورت میں ہر گھونٹ کے عوض ایک درہم خیرات کرنا لازم ہے اس سے کم کھانے پینے کا اختیار نہیں (۔عرفی معنی یہی ہے)

مسئلہ: جس روز زید آجائے اللہ کے شکر کے طور پر اس روز مجھ پر روزہ رکھنا لازم ہے۔ اگر کسی نے ایسا کہا تو یہ قسم ہو گئی اب اگر زید ماہ رمضان کے کسی دن کے وقت آیا تو قسم کا کفارہ ہو گا نذر کی قضا لازم نہ ہو گی۔ شرط یعنی صوم بہ نیت شکر کا وجود ہی متحقق نہیں ہوا لیکن اگر روزہ کی نیت سے پہلے زید آگیا پھر اس نے صوم شکر کی نیت کر لی اور رمضان کی نیت نہ کی تو قسم پوری ہو جائے گی اور رمضان کا روزہ بھی ادا ہو جائے گا اور نذر کی قضا لازم نہ آئے گی۔ اگر الفاظ مذکورہ کہتے وقت قسم کی نیت نہیں کی اور نذر مانی تو یہ نذر ہی صحیح نہ ہو گی رمضان کا روزہ تو پہلے ہی سے فرض ہے اس کی جگہ صوم نذر نہیں لے سکتا۔ اس صورت میں نہ کفارہ ہے (کیونکہ قسم کی نیت نہیں) اور نہ قضاء نذر (کیونکہ نذر ہی صحیح نہیں)

مسئلہ: اگر کسی بیمار نے ایک ماہ کے روزوں کی نذر مانی اور تندرست ہونے سے پہلے مر گیا تو اس پر کچھ لازم نہیں۔

مسئلہ: اگر کسی نے سال یا مہینہ کی کسی معین تاریخ کے روزہ کی نذر مانی تو ہر سال یا ہر ماہ جب بھی وہ تاریخ آئے گی روزہ رکھنا لازم ہو گا (یعنی عمر بھر کے لئے اس تاریخ کا روزہ لازم ہو گیا)

مسئلہ: اگر کسی نے پیر یا جمعرات کے دن کے روزہ کی نذر مانی تو ایک ہی پیر یا جمعرات کا روزہ کافی ہو گا۔ ہاں اگر ہر پیر یا ہر

Marfat.com

جمعرات کو روزہ رکھنے کی نیت کی ہو گی تو ہر پیر یا ہر جمعرات کو روزہ رکھنا ہو گا۔

مسئلہ: اگر نذر کے الفاظ بلا ارادہ زبان پر آجائیں تو نذر کا حکم ہو جائے گا جسکو پورا کرنا ضروری ہو جائے گا۔ کیونکہ نذر انشاء ہے (خبر نہیں ہے جس میں جھوٹ سچ دونوں کا احتمال ہوتا ہے لفظ انشاء میں جھوٹ کا کوئی احتمال نہیں) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین چیزیں ہیں جن کی سنجیدگی اور واقعیت بھی سنجیدگی ہی ہے (یعنی ان کو صحیح مانا جائے گا اور ان کے احکام نافذ ہوں گے) اور جن میں مذاق بھی سنجیدگی ہی ہے۔ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے کہا اس سال اللہ کے لئے مجھ پر روزے ہیں (یعنی سال بھر کے روزوں کی نذر مانی، تو وقت نذر سے آئندہ بارہ مہینوں کے روزے لازم ہوگئے لیکن فتاویٰ قاضی خان اور خلاصہ میں ہے سنت یہ ہے کہ محرم سے شروع کرے اور آخر ذی الحجہ پر ختم کردے لیکن اگر اس نے سال رواں کی طرف اشارہ کیا ہے تو وقت نذر سے آخر ذوالحجہ تک روزے رکھنا لازم ہو گا اور سال رواں کے جو مہینے یا دن گزر گئے ان کے روزے لازم نہ ہوں گے اسی طرح اگر کسی نے کہا میں گزرے ہوئے کل کا روزہ رکھنے کی نذر مانتا ہوں یہ کلام لغو ہے گزرا ہوا کل لوٹ کر نہیں آتا ہے۔

اگر کسی نے ماہ رواں کی طرف اشارہ کر کے اس مہینے کے روزوں کی نذر مانی تو مہینہ کے جتنے دن باقی ہوں ان کے روزے تو لازم ہوں گے اور گزرے ہوئے دنوں کی نذر لغو قرار پائے گی۔

مسئلہ: اگر کسی نے کہا آج مجھ پر گزرے ہوئے کل کا روزہ رکھنا لازم ہے تو گزرے ہوئے کل کی قضا لازم نہ ہو گی صرف اسی دن کا روزہ رکھے گا۔ جس دن یہ الفاظ کہے ہوں گے۔

مسئلہ: اگر ایک سال کے روزوں کی نذر مانی تو جن دنوں کے روزے شرعاً ممنوع ہیں وہ دن مستثنیٰ ہوں گے اور ممنوعہ ایام کے علاوہ روزے رکھے گا۔ اسی طرح عورت کے ایام حیض مستثنیٰ رہیں گے اور باقی ایام میں روزے رکھنے لازم ہوں گے۔

مسئلہ: کسی عورت نے ایام حیض میں روزے رکھنے کی نذر مانی تو نذر صحیح نہیں اسی لئے قضا واجب نہیں اگر کسی نے رات کا روزہ رکھنے کی نذر مانی تو یہ نذر بھی صحیح نہیں شرعی روزہ دن میں ہوتا ہے۔

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿۲۹﴾ اور چاہئے کہ بیت عتیق کا طواف کریں۔ حضرت ابن عباس حضرت زبیر مجاہد اور قتادہ کے حوالہ سے بغوی نے عتیق کہنے کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ ہر جابر اور بادشاہ ظالم کے قبضہ سے اللہ نے اس گھر کو ہمیشہ آزاد رکھا ہے کوئی جبار حاکم کبھی اس پر قبضہ نہ کر سکا نہ قبضہ کر سکے گا اس لئے اس کو عتیق کہا جاتا ہے لیکن اس توجیہ کی تردید حضرت ابوہریرہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جو صحیحین میں مذکور ہے کہ ایک چھوٹی پنڈلیوں والا حبشی کعبہ کو برباد کر دے گا۔ حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ منظر میری نظروں کے سامنے ہے کہ ایک حبشی چری ہوئی رانوں والا کعبہ کا ایک ایک پتھر اکھاڑ رہا ہے۔ رواہ البخاری۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک حبشی تم کو چھوڑے رکھیں تم بھی ان سے تعرض نہ کرو کیونکہ کعبہ کا خزانہ سوائے اس حبشی کے جو چھوٹی پنڈلیوں والا ہو گا اور کوئی نہ نکال سکے گا۔ رواہ ابوداؤد والحاکم وصححہ۔

بعض نے وجہ تسمیہ یہ بیان کی کہ اللہ نے کعبہ کو ڈوبنے سے آزاد رکھا طوفان نوح کے زمانے میں اس کو اٹھالیا گیا تھا۔ ابن زید اور حسن نے عتیق کا معنی پرانا قدیم بیان کیا ہے یہ سب سے اول تعمیر انسانی ہے دینار عتیق۔ قدیم دینار۔

بعض نے کہا عتیق کا معنی ہے معزز عمدہ، اعلیٰ، عتاق الخیل اعلیٰ گھوڑے، عتق الرقیق، غلام کا غلامی کی ذلت سے آزاد ہو کر آزادی کی عزت حاصل کرنا۔ سفیان بن عیینہ نے کہا کوئی انسان کبھی نہ اس کا مالک ہوا نہ ہو سکتا ہے بلکہ اس کے گرداگرد سارا حرم بھی انسانی ملکیت سے آزاد ہے۔ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ

تنبیہ

بیت اللہ کا طواف عبادت مقصودہ ہے اور خلاف عقل نہیں ہے اس کی حالت نماز کی طرح ہے۔ طواف تین طرح کا ہوتا

Marfat.com

ہے۔

(۱) طواف فرض، یہ حج اور عمرہ کا رکن اور جزء ضروری ہے۔

(۲) طواف واجب، یہ طواف قدوم ورجوع ہے (پہلی زیارت کے وقت کا اور واپسی کے وقت کا طواف)

(۳) ان دونوں قسموں کے علاوہ ہر طواف نفل ہے، جس کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اولاد عبد مناف، تم میں سے جو کوئی لوگوں کے امور میں سے کسی امر کا والی ہو (یعنی حکومت کا کوئی رکن ہو یا حکومت میں اس کا دخل ہو) تو لوگوں کو رات دن میں کسی وقت بیت اللہ کا طواف کرنے سے نہ روکے۔ رواہ الشافعی واصحاب السنن وابن خزیمۃ و ابن حبان والدار قطنی والحاکم عن جبیر بن مطعم وصححہ الترمذی، یہ حدیث دار قطنی نے دوسرے دو طرق سے حضرت جابر کی روایت سے بیان کی ہے مگر یہ معلول ہے دار قطنی نے حضرت ابن عباس کی راویت سے بھی اس کو بیان کیا ہے، ابو نعیم نے تاریخ اصبہان میں اور خطیب نے تلخیص میں ایک سلسلہ سے حضرت ابن عباس تک اس حدیث کی روایت کو پہنچایا ہے مگر یہ سلسلہ بھی مجروح ہے۔ ابن عدی نے بحوالہ سعید بن راشد از عطاء از ابو ہریرہؓ اس کو بیان کیا ہے۔

مسئلہ: طواف قدوم (ابتدائی طواف) امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمدؒ کے نزدیک سنت ہے اور امام مالک کے نزدیک واجب ہے ابو الثور شافعی کا یہی قول ہے اس کو ترک کرنے سے قربانی واجب ہو جاتی ہے لیکن اگر یہ فوت ہو جائے تو باتفاق علماء حج ادا ہو جاتا ہے۔

حضرت عروہ بن زبیر کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج کیا۔ جس کی تفصیل حضرت عائشہؓ نے مجھے یہ بتائی کہ مکہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے وضو کر کے طواف کیا۔ اس کے بعد کوئی عمرہ نہ تھا۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے حج کیا اور سب سے پہلے کعبہ کا طواف کیا اب بھی عمرہ نہ تھا، عمرہ اس کے بعد کیا، پھر حضرت عثمانؓ نے ایسا ہی کیا۔ متفق علیہ۔

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (مکہ میں) آکر سب سے اول جو حج یا عمرہ کا طواف کیا اس میں پہلے تین چکر لپک کر (تیزی کے ساتھ کئے) اور چار چکر معمولی چال سے پھر دو سجدے کئے پھر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔ متفق علیہ۔

امام مالکؒ نے حضرت عروہ بن زبیر کی روایت سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تنہا حج کیا تھا کیونکہ اس حدیث میں آیا ہے پھر عمرہ نہ تھا اور طواف قدوم کا وجود مذکورہ دو حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ دونوں حدیثوں میں ہے کہ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے طواف کیا اور یہ بھی صحیح روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے مناسک (حج کے طریقے) مجھ سے لے لو (۔ سیکھ لو) اسی حکم کی وجہ سے طواف قدوم واجب ہو گیا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ باتفاق علماء طواف قدوم کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنی جائز ہے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنی بالا جماع واجب ہے اور سعی سے طواف کرنا بھی لازم ہے طواف کے بعد سعی ہونا چاہئے اس لئے طواف بھی واجب ہونا چاہئے کیونکہ کوئی واجب نفل (یا سنت) کا تابع نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ کے باشندوں کے لئے طواف زیارت سے پہلے صفا و مروہ کے دریمان سعی جائز نہیں۔ کیونکہ اہل مکہ کے لئے طواف قدوم نہیں ہے اور طواف کے بعد بطور نفل سعی جائز نہیں۔ اگر شبہ کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے افراد نہیں قران کیا (حج اور عمرہ دونوں کی نیت ساتھ ساتھ کی تھی) بکثرت احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو حج اور عمرہ کی لبیک کہتے ہوئے میں نے خود سنا آپ ﷺ فرمارہے تھے لبیک عمرۃ وحجا متفق علیہ۔

حضرت عمران بن حصین راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا حج اور عمرہ یکجا کیا تھا۔ حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ حج وداع میں رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کرنے کے بعد حج تک تمتع کیا تھا اور قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے جن کی قربانی کی تھی۔ متفق علیہ۔

Marfat.com

اس حدیث سے اور اس جیسی دوسری روایتوں کو دیکھ کر امام احمدؒ کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے (نہ تمتع کیا نہ قران بلکہ) تمتع کیا تھا۔ ہم کہتے ہیں اس حدیث میں تمتع سے قران ہی مراد ہے کیونکہ لغت کے اعتبار سے تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ کا معنی صرف یہ ہے کہ ایک یہ سال میں حج کے مہینہ میں عمرہ اور حج دونوں کئے جائیں۔ خواہ ایک احرام سے کئے جائیں یا دونوں کا احرام الگ الگ باندھا جائے اور دو احرام کئے جائیں۔ آیت فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ میں یہی مراد ہے۔ ہاں فقہاء کی اصطلاح میں تمتع الگ ہے اور قران الگ۔ لیکن حدیث یا قرآن کی آیت میں فقہاء کا اصطلاحی معنی مراد نہیں ہے۔ احادیث مذکورہ بالا سے بصراحت معلوم ہو رہا ہے کہ حضور ﷺ نے حج اور عمرہ دونوں کے لئے ایک ہی احرام یکجائی باندھا تھا۔ البتہ اہل روایت کا اس امر میں اختلاف ہے کہ مکہ میں داخل ہونے کے بعد ایک ہی طواف کیا تھا (یعنی طواف قدوم) یا دو طواف کئے تھے۔ ایک طواف قدوم اور دوسرا طواف عمرہ۔ جمہور کا قول ہے کہ ایک ہی طواف کیا تھا۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا دو طواف کئے تھے جمہور کے قول کی تائید بخاری کی بیان کردہ حضرت ابن عباس کی روایت سے ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ مکہ میں آئے اور طواف کیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی اور (پھر) طواف کرنے کے لئے کعبہ کے قریب بھی نہیں گئے یہاں تک کہ عرفہ سے واپس آگئے (پھر طواف کیا) صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر کے حج کا واقعہ مذکور ہے۔

جس سال حجاج نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پر لشکر کشی کی تھی اور حضرت ابن زبیرؓ کا گھیراؤ لے پڑا تھا اسی سال حضرت ابن عمرؓ نے حج کا ارادہ کیا۔ عرض کیا گیا لوگ جنگ و جدال کی حالت میں ہیں ہمیں اندیشہ ہے وہ آپ کو حج سے روک دیں گے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (اگر مجھے روک دیا گیا تو) میں وہی کروں گا جو رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے عمرہ واجب کر لیا، پھر آپ روانہ ہو گئے جب بیداء کے باہر پہنچے تو فرمایا حج اور عمرہ کی ایک ہی حالت ہے، میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے عمرہ کے ساتھ حج کو بھی واجب کر لیا، آپ نے قدید سے خریدی ہوئی ایک قربانی بھی ساتھ لے لی، اور یوم النحر سے پہلے نہ قربانی کی نہ احرام کھولا، نہ سر منڈوایا نہ بال کتروائے نہ کسی ایسے کام کا ارتکاب کیا جو احرام کی حالت میں ممنوع ہے، جب یوم النحر آیا تو قربانی کی اور سر منڈوایا اور خیال کیا کہ پہلے ہی طواف سے آپ کا حج بھی ادا ہو گیا اور عمرہ بھی۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عمر فرماتے تھے جس نے حج اور عمرہ کو ملا کر ادا کیا اس کے لئے ایک ہی طواف کافی ہے (جب تک دونوں کو ادا نہ کر دے احرام نہ کھولے) دونوں کو ادا کر دے تو ساتھ ساتھ احرام کھولے۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ جب کعبہ کے پاس پہنچے تو سات چکر لگائے اور صفا و مروہ کے درمیان سات سعی کی اور (اس سے) زیادہ (کچھ) نہیں کیا اور خیال کیا کہ بس یہی کافی ہو گیا۔

حنفیہ نے حضرت علیؓ کے عمل سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے حج و عمرہ کو یکجا ساتھ ساتھ ادا کیا اور دونوں کے لئے (جدا جدا) دو طواف کئے اور (علیحدہ علیحدہ) دونوں کے دوبار سعی کی اور فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ رواہ الدار قطنی والنسائی بطرق۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت ابو حنیفہ کی روایت سے موقوفاً بیان کیا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا جب حج و عمرہ کا یکجا احرام باندھو تو دونوں کے لئے دو طواف کرو اور صفا و مروہ کے درمیان دونوں کے لئے دوبار سعی کرو۔

طحاوی نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود نے فرمایا قران کرنے والا (کعبہ کے) دو طواف کرے اور (صفا و مروہ کے درمیان) دو سعی کرے۔

حافظ نے کہا حضرت علی اور حضرت ابن مسعود سے مرفوعاً اس حدیث کی روایت کے تمام طرق ضعیف ہیں ہاں موقوفاً جنہیں طحاوی نے مختلف سندوں سے حضرت علی اور حضرت ابن مسعود کے اقوال قرار دیا ہے وہ مجموعی لحاظ سے قابل قبول ہیں ان میں کوئی ضعف نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث اگر صحیح بھی ثابت ہو جائے تب بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں

Marfat.com

پہنچے تو منیٰ جانے سے پہلے آپ نے کعبہ کے دو طواف کئے ایک قدوم حج کا دوسرا عمرہ کا بلکہ حدیث کا مطلب صرف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کے لئے (کعبہ کا) طواف کیا اور اس کے لئے سعی کی اور یہ (عمرہ) منیٰ کو جانے سے پہلے کیا۔ پھر قربانی کے دن حج کے لئے طواف کیا اور سعی کی۔ یہی مطلب حضرت عمران بن حصین کی روایت کردہ حدیث کا ہے حضور ﷺ نے دو طواف کئے اور دو مرتبہ سعی کی۔ رواہ الدار قطنی۔

کسی قوی یا ضعیف روایت میں یہ نہیں آیا کہ طواف عمرہ کے بعد حضور ﷺ نے طواف قدوم کیا صرف مسند ابی حنیفہ میں ضبی بن معبد کی روایت سے ایسا آیا ہے ضبی نے بیان کیا میں جزیرہ سے حج قران کرنے کے لئے چلا۔ سلیمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان کی طرف سے میرا گزر ہوا میں ملا کر کہہ رہا تھا لبیک بحجة و عمرة۔ دونوں بزرگوں نے میری لبیک کو سنا، سن کر ایک صاحب نے کہا یہ (شخص) اونٹ سے بھی زیادہ گمراہ ہے، دوسرے نے بھی اسی طرح کی بات کہی لیکن میں (اپنے شغل میں) برابر مصروف رہا اور حج ادا کر لیا اور پھر امیر المومنین عمر بن خطاب کی طرف مجھے جانا ہوا۔ راوی نے اس سے آگے کچھ تفصیل بیان کی جس کے آخر میں کہا امیر المومنین نے دریافت فرمایا پھر تو نے کیا کیا۔ میں نے عرض کیا میں نے برابر (اپنی لبیک) جاری رکھی، پھر عمرہ کے لئے طواف کیا اور سعی کی پھر دوبارہ ایسا ہی اپنے حج کے لئے کیا پھر میں احرام کی ہی حالت میں رہا اور وہاں ٹھہر کر وہی کیا جو حاجی کرتے ہیں یہاں تک کہ آخری نسک (رکن) بھی پورا کر لیا امیر المومنین نے فرمایا تجھے رسول اللہ ﷺ کی سنت مل گئی۔ مسند ابو حنیفہ نا قابل اعتماد ہے اس کے مؤلف اور امام ابو حنیفہ کے درمیان بہت سے مجہول غیر معروف راوی ہیں اس کی احادیث کو صحیح بخاری کی حضرت ابن عباس کی اس روایت کے مقابلہ میں نہیں پیش کیا جا سکتا جس میں صراحت ہے کہ عرفہ سے واپسی تک پھر حضور ﷺ کعبہ کے قریب بھی نہیں گئے۔

اور جب یہ امر طے شدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قران کیا تھا اور سوائے طواف عمرہ کے حج کا طواف قدوم نہیں کیا تو معلوم ہو گیا کہ طواف قدوم نہ رکن حج ہے نہ مستقل طور پر واجب بلکہ صلوٰۃ تحیۃ المسجد کی طرح سنت ہے، دوسرے واجب یا سنت کے ذیل میں یہ سنت پوری ہو جاتی ہے، جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں پہنچے اور عمرہ کے لئے طواف کر لیا تو طواف قدوم کی جگہ یہ طواف کافی ہو گیا۔

مسئلہ: طواف نفل، نماز نفل کی طرح نذر سے واجب ہو جاتا ہے اور آیت مذکورہ بالا میں طواف سے حج کا طواف زیارت باتفاق علماء مراد ہے طواف زیارت ارکان حج میں سے ایک رکن ضروری ہے اس پر علماء کا اجماع ہے باقی کوئی طواف رکن حج نہیں ہے۔

مسئلہ: طواف صدر بھی باتفاق امت رکن حج نہیں ہے امام ابو حنیفہ امام احمد اور (صاحبین) کے نزدیک واجب ہے ایک روایت میں امام شافعی کا بھی یہی قول آیا ہے۔ امام ابو حنیفہ اس کو واجبات حج میں سے شمار کرتے ہیں اور امام محمد مستقل واجب قرار دیتے ہیں۔ اگر کسی نے طواف وداع کر لیا اور پھر کسی وجہ سے مکہ میں ٹھہر ا رہا پھر کچھ مدت کے بعد واپس ہوا تو مکہ چھوڑنے کے وقت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک طواف وداع کی ضرورت نہیں لیکن امام محمد کہتے ہیں کہ دوبارہ طواف رخصت کرنا ہو گا، مسافر جب مکہ سے واپس ہو گا تو اس پر طواف وداع لازم ہے۔

امام مالک کے نزدیک طواف صدر سنت ہے ایک روایت میں امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے۔

طواف صدر حیض یا کسی طاقت کے رکاوٹ ڈالنے سے باجماع امت ساقط ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ (حج کے بعد) لوگ ہر طریقہ سے واپس ہو جاتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک آخری ملاقات بیت اللہ سے نہ کر لے (مکہ سے) نہ نکلے۔ رواہ احمد، دار قطنی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں لوگ منیٰ سے نکل کر اپنے اپنے رخ پر جاتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ (ہر شخص کی) آخری ملاقات بیت اللہ سے ہونی چاہئے اور حضور ﷺ نے حائضہ کو (بغیر طواف صدر کئے) اجازت دیدی تھی۔ مسلم کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے تم میں سے کوئی (مکہ

Marfat.com

سے) نہ نکلے جب تک اس کی آخری ملاقات بیت اللہ سے نہ ہو جائے۔ متفق علیہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے حضور ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ آخر میں بیت اللہ کی زیارت کریں۔ مگر آپ نے حائضہ عورت کے لئے حکم میں تخفیف کر دی۔

حضرت ابن عمر نے فرمایا جو کعبہ کا حج کرے اس کا آخری کام بیت اللہ کا طواف ہونا چاہئے حیض والی عورتیں مستثنیٰ ہیں رسول اللہ ﷺ نے ان کو رخصت دیدی ہے، رواہ الترمذی وصححہ وحسنہ۔

حضرت عبداللہ بن اوس کا بیان ہے میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا، حضور ﷺ فرمارہے تھے جو کوئی اس گھر کا حج یا عمرہ کرے اس کی آخری ملاقات اس گھر سے ہونی چاہئے۔ رواہ الترمذی۔

امام ابو حنیفہ نے اس آخری حدیث سے طواف صدر کے واجب ہونے پر استدلال کیا اور واجبات حج سے قرار دیا ہے کیونکہ اس حدیث میں مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِاعْتَمَرَ آیا ہے۔

میں کہتا ہوں اس حدیث میں اواعتمر کا لفظ بھی آیا ہے تو طواف صدر عمرہ میں بھی واجب ہونا چاہئے لیکن اس کا کوئی قائل نہیں۔

امام احمد نے فرمایا لا ینفر احد کا لفظ عام ہے اس لئے طواف صدر کا واجب ہونا ضروری ہے۔ امام ابو حنیفہ کے مسلک پر مطلق کو مقید پر محمول کرنا لازم نہیں آتا کیونکہ تقیید سبب پر وارد ہے جس طرح حدیث مبارک ہے ادا کرو ہر آزاد اور غلام کی طرف سے، دوسری حدیث ہے ادا کرو ہر مسلمان آزاد اور غلام کی طرف سے دوسری حدیث میں لفظ مسلمان مذکور ہے اور پہلی حدیث میں یہ لفظ مذکور نہیں ہے لامحالہ مطلق کو ہی مقید پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی پہلی حدیث میں بھی مسلمان آزاد غلام مراد ہو گا) لیکن طواف صدر کی حدیث میں ایسا نہیں ہے قید سبب پر وارد ہے مکہ سے مطلق نکلنا موجب طواف ہے اور حج کے بعد مکہ سے نکلنا بھی موجب طواف ہے اور دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

فصل

طواف کعبہ کی کچھ شرطیں ہیں۔ کچھ ارکان (یعنی فرائض) ہیں۔ کچھ واجبات ہیں، کچھ سنتیں ہیں کچھ آداب (یعنی مستحبات) ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) شرائط طواف طواف کے لئے نیت شرط ہے، ہر مستقل عبادت کے لئے نیت شرط ہے۔ شرعی نصوص سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہے اور اسی پر اجماع ہے۔

طواف زیارت کے لئے مطلق طواف کی نیت کافی ہے، فرض طواف کی نیت ضروری نہیں۔

ایک سوال

وقوف عرفات کی طرح طواف زیارت بھی حج کا ایک ضروری رکن ہے اور عرفات میں ٹھہرنے کی نیت ضروری نہیں ہے اگر سوتے میں یا بیہوشی کی حالت میں عرفات میں قیام ہو جائے یا مختلف پہاڑیوں پر ٹھہراؤ ہو جائے جن میں عرفہ کی پہاڑی بھی ہو اور وقوف کرنے والے کو معلوم بھی نہ ہو کہ یہ عرفات کی پہاڑی ہے تو رکن حج ادا ہو جائے گا۔ حضرت عروہ بن مضرس نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ میں بنی طے کے پہاڑ سے آیا ہوں میں نے (کثرت سفر کی وجہ سے) اپنی اونٹنی کو گھلا دیا اور خود بھی بڑی تکلیفیں اٹھائیں کہ میں تھک گیا، خدا کی قسم میں نے کوئی پہاڑی ایسی نہ چھوڑی جس پر قیام (وقوف) نہ کیا ہو کیا میرا حج ہو جائے گا حضور ﷺ نے فرمایا جس نے ہمارے ساتھ یہ نماز یعنی فجر کی نماز مقام جمع میں پالی اور اس سے پہلے رات کو یا دن میں عرفات میں پہنچ گیا اس کا حج پورا ہو گیا۔ رواہ ابو داؤد۔

پھر اگر طواف زیارت کے لئے نیت شرط ہے تو بغیر تعیین فرض کے مطلق طواف کی نیت کافی ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ تعیین نیت فرض تو ہر اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے شرط ہے جس کے لئے وقت ظرف ہے اور معیار نہیں ہے (یعنی ادائیگی

Marfat.com

کے بعد بھی وقت باقی رہتا ہے) جیسے نماز۔

جواب

تحقیق مقام یہ ہے کہ جب احرام کی شکل میں حج کی نیت ہو جاتی ہے تو تمام ارکان حج کی نیت ہو جاتی ہے، اب اگر کوئی دوسری نیت مناسک کی نیت کے خلاف نہ ہو تو سابق کی (ابتدائی) نیت معتبر سمجھی جائے گی۔ اور ہر رکن کی ادائیگی کے وقت اس نیت کو برقرار مانا جائے گا ہر رکن کے لئے تجدید نیت کی شرط نہ ہوگی، جیسے نماز کی (ابتدائی نیت کافی ہوتی ہے) ہر رکن کی ادائیگی کے لئے جدید نیت کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر کوئی رکن عبادت مستقل عبادت کی حیثیت رکھتا ہو جیسے طواف اور طواف کی دو رکعتیں تو ایسے رکن کی ادائیگی کے لئے تجدید نیت ضروری ہے اور اس رکن کو شروع کرتے وقت مطلق نیت کافی ہے۔ نماز ہو یا طواف ہر ایک کی دو حیثیتیں ہیں ایک مستقل عبادت ہونے کی دوسری جز عبادت ہونے کی اول حیثیت کے لحاظ سے رکن کو شروع کرتے وقت اس رکن کو ادا کرنے کی نیت لازم ہے اور دوسری صورت میں سابقہ ابتدائی نیت کافی ہے جو احرام کے وقت ہوتی ہے ہم نے دونوں حیثیتوں کو ملحوظ رکھا ہے مستقل عبادت کی حیثیت میں مستقل نئی نیت اور جز عبادت ہونے کی صورت میں ابتدائی سابقہ نیت، پس شروع کے وقت مطلق نیت کافی ہے کیونکہ عبادت ہے اور عبادت کے لئے مطلق نیت کافی ہے اور طواف زیارت کی تعیینی نیت ضروری نہیں کیونکہ طواف زیارت جز عبادت ہے۔

اور جو عمل بجائے خود عبادت نہ ہو بلکہ جزء حج ہونے کی وجہ سے اس کو عبادت قرار دے لیا گیا ہو جیسے عرفہ میں قیام اور صفا و مروہ کے درمیان سعی اس کے لئے علیحدہ کسی نیت کی ضرورت نہیں ابتدائی احرام کی نیت کافی ہے۔

مسئلہ: ایک شخص نے دوسرے کو اپنے اوپر اٹھا لیا اور اسی حالت میں طواف کیا اس کی چند صورتیں ہیں جن کے احکام بھی مختلف ہیں۔

۱۔ حامل محرم نہ تھا اور محمول محرم تھا اور حامل نے محمول کے طواف کی نیت کی تھی اور محمول نے بھی اپنے طواف کی نیت کی تو محمول کا طواف ہو جائے گا۔

۲۔ حامل محرم تھا اور محمول محرم نہ تھا اور حامل نے اپنے طواف کی نیت کی تو اس کا طواف باتفاق ائمہ صحیح ہوگا۔

۳۔ حامل و محمول دونوں محرم تھے اور حامل نے محمول کے طواف کی نیت کی تو صرف محمول کا طواف ہو جائے گا اور اگر اپنے طواف کی نیت کی تو اس کا طواف ہو جائے گا اور اگر دونوں کے طواف کی نیت کی تو امام شافعی کے نزدیک صرف حامل کا طواف ہوگا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک محرم حامل نے اگر اپنے طواف کی نیت کی یا اپنے ساتھ محمول کی بھی نیت کی اور محمول نے اپنے طواف کی نیت کی تو دونوں کا طواف ہو جائے گا کیونکہ دونوں کی اپنی اپنی جگہ نیت درست ہے دونوں کی نیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

مسئلہ: شرائط طواف میں سے حدث اکبر و اصغر سے طہارت بھی شرط ہے اور بدن۔ لباس اور جگہ کی طہارت بھی لازم ہے۔ اور جمہور کے نزدیک ستر عورت بھی لازم ہے حضرت عائشہؓ کی روایت اوپر گزر چکی ہے کہ مکہ میں داخل ہو کر رسول اللہ ﷺ نے پہلے وضو کیا پھر طواف کیا اور یہ بھی فرمایا مجھ سے حج کے طریقے سیکھو۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا حائضہ ہونے کی حالت میں میں مکہ میں آئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا جو کام حاجی کرتے ہیں تم بھی کرنا البتہ جب تک طہارت نہ ہو جائے کعبہ کا طواف نہ کرنا۔ (صحیحین) مسلم کی روایت میں آیا ہے جب تک غسل نہ کرو (طواف نہ کرنا) حضرت عائشہ راوی ہیں کہ مکہ سے روانگی کے دن صفیہ کو حیض شروع ہو گیا۔ اس حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا کیا اس نے قربانی کے دن طواف (زیارت) کر لیا عرض کیا گیا جی ہاں فرمایا تو روانہ ہو جاؤ۔ (صحیحین)

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے حج وداع سے پہلے جس حج کا امیر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو بنا کر بھیجا تھا اسی حج کے موقع پر قربانی کے دن حضرت ابو بکرؓ نے مجھے لوگوں میں یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں

Marfat.com

کرے گا اور نہ کوئی ننگا (ہو کر) طواف کرے گا (اس حدیث سے ستر عورت کا ضروری ہونا ثابت ہو رہا ہے)
اللہ نے فرمایا ہے طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے پاک کر۔ اس عبارت سے تطہیر مکان کی ضرورت صراحتاً ثابت ہو رہی ہے اور لباس و جسم کی تطہیر کا حکم دلالۃً بطریق اولیٰ معلوم ہو رہا ہے خصوصاً حدث اکبر و اصغر سے طہارت کا تو بدرجۂ اولیٰ مستفاد ہو رہا ہے کیونکہ نجاست حقیقیہ سے حدث (یعنی نجاست حکمیہ) کا مرتبہ زیادہ اہم ہے بعض صورتوں میں نجاست کے ساتھ نماز ہو سکتی ہے اور بے وضو نماز ناجائز ہے۔
حضرت ابن عباس نے فرمایا، اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا اور فرمایا طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ اس آیت کو صلوٰۃ سے پہلے ذکر کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا طواف نماز کی طرح ہے صرف اتنی بات ہے کہ طواف میں بولنا جائز قرار دیا ہے اور نماز میں بولنے کی ممانعت کی ہے پس جو شخص طواف میں بات کرے وہ نیک بات کرے۔ رواہ الحاکم فی المستدرک وصححہ والطبرانی والبیہقی۔
ترمذی، حاکم، دار قطنی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور بیہقی نے حدیث ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے بیت اللہ کا طواف نماز ہے صرف یہ بات ہے کہ اس میں اللہ نے کلام کو مباح کر دیا ہے۔ اس روایت کو ابن سکن نے صحیح کہا ہے۔
امام ابو حنیفہ کے نزدیک نجاست حقیقیہ سے طہارت سنت ہے اور نجاست حکمیہ (حدث) سے طہارت واجب ہے اور ستر عورت بھی واجب ہے اس کو ترک کرنے سے گناہ گار ہوگا۔ اگر برہنگی یا جنابت کی حالت میں طواف فرض کیا ہوگا تو ایک بدنہ (اونٹ، گائے) کی قربانی کرنی واجب ہوگی اور اگر بے وضو طواف فرض کیا ہے تو کوئی سی ایک قربانی لازم ہوگی (خواہ بکری ہی کی ہو) اسی طرح طواف غیر فرض اگر جنابت یا برہنگی کی حالت میں کیا ہے تو کوئی سی قربانی دینی ہوگی (چھوٹی ہو یا بڑی) اور اگر غیر فرض طواف بے وضو کیا ہے تو نصف صاع گیہوں کسی مسکین کو بطور کفارہ دینا ہوں گے۔
امام ابو حنیفہ کے نزدیک مذکورہ بالا اشیاء میں سے کوئی چیز بھی طواف کے لئے لازمی شرط نہیں ہے کیونکہ قرآن میں مطلق طواف کا حکم آیا ہے اور کتاب اللہ پر زیادتی کا معنی ہے حکم کتاب کو منسوخ کر دینا اور اخبار احاد سے کتاب کا حکم منسوخ کر دینا امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں اس لئے ہم کسی شرط کو فرض لازمی نہیں قرار دے سکتے ہاں احادیث احاد پر عمل کرنا واجب ہے اس لئے مذکورہ امور بعض صورتوں میں واجب ہیں۔
مسئلہ: طواف زیارت کی ایک ضروری شرط وقت بھی ہے مقررہ وقت سے پہلے ادا نہیں کیا جا سکتا اور بعد از وقت بالاجماع قضا ضروری ہے اگر خود اپنی کوتاہی کی وجہ سے طواف زیارت کو وقت مقرر کے بعد ادا کیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک قربانی واجب ہے جمہور کا مسلک اس کے خلاف ہے اور اگر کسی عذر کی وجہ سے مؤخر کرنا پڑ گیا جیسے حیض یا جابر طاقت کی طرف سے بندش وغیرہ تو قربانی واجب نہیں۔
امام صاحب کے نزدیک طواف زیارت کا وقت قربانی کے دن کی فجر صادق سے شروع ہوتا ہے اور جمہور کے نزدیک یوم النحر کی آدھی رات سے شروع ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے شب نحر میں بھیج دیا تھا۔ میں نے فجر سے پہلے رمی جمرہ کی پھر جا کر طواف زیارت کیا۔ رواہ الدار قطنی۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے اس کے سلسلہ میں ضحاک بن عثمان راوی شامل ہے اور قطان نے اس کو نرم قرار دیا ہے۔ پھر یہ حدیث حضرت ابن عباس کی روایت کے بھی خلاف ہے جس میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے متعلقین میں کمزور طبقہ کو پہلے سے بھیج دیا تھا اور یہ فرما دیا تھا کہ سورج نکلنے سے پہلے رمی جمرات نہ کرنا۔ رواہ الترمذی وصححہ۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ طحاوی اور ابن حبان نے حسن عرنی کے طریق سے اس کو بیان کیا ہے اور یہ سلسلہ روایت حسن ہے ترمذی اور طحاوی نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔ ابوداؤد نسائی، طحاوی اور ابن حبان نے مختلف طریقوں سے اس کو نقل کیا ہے بعض طرق کی تائید بعض سے ہو کر حدیث میں قوت آ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ حدیث میں فرمیت الجمرۃ کے بعد ثم مضت فافاضت آیا ہے۔ یعنی رمی جمرہ تو فجر سے پہلے کر لی اس کے (کچھ دیر) بعد جا کر طواف

Marfat.com

افاضہ (طواف زیارت) کیا۔ اس میں کوئی ثبوت نہیں کہ طواف بھی طلوع فجر سے پہلے کیا (بلکہ ثم کا لفظ تو بظاہر اس امر کا قرینہ ہے کہ طلوع فجر کے بعد طواف کیا)

طواف زیارت کا آخری وقت ایام تشریق کے دوسرے روز کے غروب آفتاب تک ہے یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ انتہائی وقت یوم النحر کے غروب تک ہے سورہ برات کی آیت وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ کی تفسیر میں ہم نے بیان کر دیا ہے کہ جمہور کے نزدیک طواف زیارت کا وقت صرف یوم النحر ہے حضرت ابن عمر کی مرفوع حدیث اسی مضمون کی ابوداؤد اور حاکم نے بیان کی ہے حضرت علی کا بھی یہی قول روایت میں آیا ہے۔ ابن جریج نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ یوم الحج الاکبر منیٰ کے تمام ایام ہیں (یعنی صرف یوم النحر ہی مراد نہیں ہے) سفیان ثوری کا بھی یہی قول ہے سفیان نے یہ بھی فرمایا کہ یوم بمعنی وقت اور مدت کے آتا ہے۔ جیسے یوم صفین یوم الجمل، یوم بعاث ان الفاظ میں یوم سے مراد پوری مدت ہے۔

مسئلہ:- طواف کی ایک شرط امام مالک امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ترتیب بھی ہے امام محمد کا بھی یہی قول ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک ترتیب شرط نہیں (یعنی فرض نہیں) اکثر حنفیہ کے خیال میں سنت ہے جس کا ترک مکروہ ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک ترتیب واجب ہے جس کے ترک سے قربانی واجب ہو جاتی ہے رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ اس ترتیب پر عمل کیا اور یہ بھی فرمادیا مجھ سے اپنے حج کے طریقے سیکھو اگر ترتیب کو شرط فرض کیا جائے گا تو کتاب پر زیادتی لازم آئے گی۔ ترتیب کی صورت یہ ہے کہ حجر اسود کے پاس پہنچ کر سامنے کو رخ کر کے طواف شروع کرے پورا حجر اسود دائیں ہاتھ کو ہو اور بیت اللہ بائیں ہاتھ کو اس کے برعکس کرنا ناجائز ہے۔

مسئلہ:- علماء کا اتفاق ہے کہ طواف مسجد کے اندر کرے مسجد کے گرداگرد نہ کرے یہی طریقہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے متواتر چلا آیا ہے اگر کوئی مسجد کے گرداگرد طواف کرے تو اس کو طواف بیت اللہ نہیں کہا جاتا طواف مسجد کہا جاتا ہے حرف و محاورہ کی یہی شہادت ہے پس مسجد کے اندر جا کر طواف کرے۔

فصل:- طواف میں سات چکر رکن ضروری ہیں۔ ہر زمانہ میں ایسا کیا جانا ناقابل شک شہرت رکھتا ہے مشہور مستفیض روایات میں بھی صراحت آئی ہے کہ چکروں کی تعداد نماز کی رکعتوں کی تعداد کی طرح ہے۔

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ وَلْيَطَّوَّفُوْا امر کا صیغہ ہے اور امر نہیں چاہتا کہ مامور بہ کا تکرار کیا جائے (بس ایک مرتبہ طواف کرنے سے تعمیل امر ہو جائے گی) بات یہ ہے کہ مفہوم امر نہ تکرار فعل کا مقتضی ہوتا ہے نہ نفی تکرار کا اور نقل متواتر سے تکرار ثابت ہے (اس لئے سات چکر لگانا مفہوم آیت کے خلاف نہیں ہو سکتا)۔

مسئلہ: اگر چار چکر لگائے اور تین چھوڑ دیئے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ طواف کافی ہو جائے گا لیکن طواف زیارت میں ایک قربانی اور دوسرے طوافوں میں کچھ صدقہ خیرات لازم ہوگی۔ اکثر کا حکم مثل کل کے ہوتا ہے اور نقصان طواف کا تدارک قربانی یا خیرات سے ہو جائے گا۔

دوسرے آئمہ کے نزدیک سات سے کم چکر لگانے سے طواف پورا نہ ہوگا۔ طواف میں چکروں کی تعداد اسی طرح ہے جس طرح نماز میں رکعتوں کی تعداد اگر ظہر عصر وغیرہ کی نماز میں ایک رکعت کی بھی کمی کی جائے تو پوری نماز نہیں ہوتی۔

مسئلہ:- حطیم، کعبہ کا ہی حصہ ہے طواف کے اندر اس کو داخل کر لیا جائے۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ دیوار کیا بیت اللہ کا حصہ فرمایا ہاں میں نے کہا پھر لوگوں نے اس کو بیت اللہ کے ساتھ شامل کیوں نہیں کر لیا فرمایا تیری قوم کے پاس خرچ کی کمی ہو گئی تھی (اس لئے یہ ٹکڑا باہر ہی رہ گیا) میں نے عرض کیا بیت اللہ کا دروازہ کیوں رکھا گیا۔ فرمایا ایسا اس لئے کیا تھا کہ جس کو چاہیں اندر آنے دیں نہ چاہیں نہ گھسنے دیں (یعنی کوئی زبردستی اندر نہ آسکے دروازہ زینہ کے اوپر ہونے کی وجہ سے لوگوں کو روکا جا سکتا ہے) اگر تمہاری قوم کا دور جاہلیت ابھی حال ہی میں نہ گزرا ہوتا تو میں اس ٹکڑے

Marfat.com

کو بیت اللہ کے اندر داخل کر دیتا اور دروازہ کو زمین سے ملا دیتا مگر مجھے اندیشہ ہے کہ ان کے دلوں کو یہ بات پسند نہ ہو گی۔ متفق علیہ۔

ترمذی اور نسائی کی روایت میں حضرت عائشہ کا بیان اس طرح آیا ہے، میں کعبہ کے اندر نماز پڑھنا پسند کرتی تھی رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر حجر (حطیم) میں داخل کر دیا اور فرمایا یہاں نماز پڑھ لو یہ بھی کعبہ کا ہی ایک ٹکڑا ہے ابو داؤد کی روایت بھی اسی طرح ہے۔

اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ حطیم، کعبہ کا ہی حصہ ہے اور (اس کی لمبائی فقہی) چھ گز سے کچھ زائد ہے۔ مسلم نے حضرت عائشہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تیری قوم کے شرک کا زمانہ قریب ہی نہ گزرا ہوتا (اور مجھے ان کی ناگواری کا اندیشہ نہ ہوتا) تو میں کعبہ کو ڈھا کر زمین سے ملا دیتا (پھر از سر نو تعمیر کراتا) اور اس کے دو دروازے مشرقی و مغربی رکھتا اور حجر کی چھ گز (زمین) اس میں واپس لے آتا۔ مسلم کی دوسری روایت میں تقریباً سات گز آیا ہے بخاری نے اپنی سند سے جریر بن حازم کی روایت یہی نقل کی ہے۔

یزید بن رومان کا بیان ہے میں موجود تھا جب کہ حضرت عبداللہ بن زبیر نے بیت اللہ کو ڈھا کر (دوبارہ) اس کی تعمیر کی تھی اور حجر کو اندر داخل کر لیا تھا۔ میں نے اساس ابراہیم میں اونٹ کے کوہان کے برابر پتھر دیکھے تھے جریر کا بیان ہے کہ میں نے اندازہ کیا تقریباً چھ گز حجر (کی زمین) تھی۔

مجاہد نے کہا حضرت ابن زبیر نے حجر کی طرف کی چھ گز زمین بیت اللہ میں شامل کر لی تھی۔ دوسری روایت میں ایک بالشت اور چھ گز کا لفظ آیا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے طواف میں حطیم کو باہر چھوڑ دیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا طواف ہو جائے گا البتہ ایک قربانی دینی ہو گی کیونکہ حطیم کا جزء بیت اللہ ہونا خبر آحاد سے ثابت ہے (اس لئے حطیم کو طواف کے اندر لے لینا واجب ہے اور ترک واجب کی تلافی قربانی سے ہو جائے گی۔ حطیم کو جزء بیت اللہ قطعی طور پر نہیں قرار دیا جا سکتا (اس لئے حطیم کا طواف فرض نہیں ہے) ورنہ کتاب اللہ پر خبر واحد سے زیادتی لازم آئے گی جو ناجائز ہے۔

جمہور کے نزدیک حطیم کے اندر طواف کافی نہ ہو گا خبر آحاد سے کتاب اللہ میں زیادتی جائز ہے۔

میں کہتا ہوں حطیم کو طواف کے اندر لے لینے کو فرض قرار دینا کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہے کیونکہ اللہ نے البیت العتیق کے طواف کا حکم دیا ہے اور البیت میں الف لام عہدی ہے یعنی البیت سے مراد وہ بیت ہے جو حضرت ابراہیم نے بنایا تھا (اور عمارت ابراہیمی میں حطیم کعبہ میں شامل تھا) رفتار آیت بھی اسی پر دلالت کر رہی ہے اللہ نے فرمایا ہے وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اور جب ظنی دلیل سے حطیم کا جزء بیت اللہ ہونا ثابت ہے تو اگر طواف کے وقت حطیم کو باہر چھوڑ دیا تو طواف کامل ہونے میں بہرحال شک رہے گا اور طواف کامل فرض تھا اس لئے طواف کامل ادا نہ ہو گا۔

یا یوں کہا جائے کہ حضرت ابراہیم نے جو کعبہ بنایا تھا وہ کتنا تھا یہ بات مجمل ہے احادیث میں اس کا بیان آ گیا ہے۔

مسئلہ:۔ طواف زیارت کسی عذر کی وجہ سے سوار ہو کر باتفاق آئمہ جائز ہے اور عذر نہ ہو تو پیدل طواف زیارت کرنا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے جس نے بلا عذر سوار ہو کر طواف کیا تو جب تک مکہ میں ہو دوبارہ طواف کرنا ضروری ہے اگر دوبارہ طواف نہ کیا ہو تو قربانی واجب ہے۔

دوسرے ائمہ کے نزدیک پیادہ طواف کرنا سنت ہے واجب نہیں ہے حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹ پر سوار ہونے کی حالت میں طواف کیا جب رکن کے قریب پہنچتے تھے تو جو چیز آپ کے ہاتھ میں ہوتی (عصا چھڑی وغیرہ) اس سے رکن کی طرف اشارہ کرتے تھے اور اللہ اکبر کہتے تھے (متفق علیہ) حضرت جابر کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اونٹ پر سوار ہونے کی حالت میں) صفا و مروہ کے درمیان چکر لگایا تاکہ لوگ آپ کو دیکھیں آپ (ان کی نظروں میں) نمایاں

Marfat.com

ہو جائیں اور لوگ آپ سے مسائل دریافت کریں۔ رواہ مسلم۔
حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے اونٹ پر سوار ہو کر کعبہ کا طواف کیا تھا اور (ہر چکر میں) رکن کو بوسہ دیتے تھے۔ آپ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ لوگ رکن سے کترا جائیں۔
حنفیہ کہتے ہیں حضور ﷺ نے ایسا بیماری کی وجہ سے کیا تھا کیونکہ حضرت ابن عباس کی روایت ہے جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں آئے تو کچھ بیمار تھے اس لئے آپ نے اونٹ پر سوار ہونے کی حالت میں طواف کیا۔ جب رکن کے پاس پہنچتے تھے تو اپنی چھڑی سے رکن کو چھو لیتے تھے۔ طواف سے فارغ ہو گئے تو اونٹ کو بٹھایا اور دو رکعتیں پڑھیں۔ رواہ ابوداؤد۔
آئمہ کی طرف سے اس کو یہ جواب دیا گیا ہے کہ صرف یہ احتمال کہ حضور اس وقت کچھ بیمار تھے ثبوت مدعی کے لئے کافی نہیں۔ رہی ابوداؤد کی روایت تو وہ ضعیف ہے اس کی سند میں ایک راوی یزید بن زیاد ہے جو قوی نہیں ہے اس کی روایت کردہ حدیث قابل استدلال نہیں۔ امام شافعی نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا اور فرمایا میں نہیں جانتا کہ اس حج میں رسول اللہ ﷺ کچھ دکھی تھے (یا نہیں)
میں کہتا ہوں اگر مکہ میں تشریف لانے کے وقت حضور ﷺ کچھ بیمار ہوتے تو بیماری کی وجہ سے طواف قدوم بھی پیدل نہ کر سکتے۔ حالانکہ حضرت جابر وغیرہ کی صحیح روایت ہے کہ حضور ﷺ نے طواف قدوم اس طرح کیا کہ تین چکر تو تیزی سے کئے اور چار چکر معمولی پیدل رفتار سے۔ یہ بھی حضرت جابر کی صحیح روایت ہے کہ صفا و مروہ کے درمیان حضور نے سعی کی اور رفتار کی شدت کی وجہ سے آپ اپنے بغل گھمار ہے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سوار ہونے کی حالت میں طواف زیارت (کسی بیماری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ) جواز کو ظاہر کرنے کے لئے اور لوگوں کو آداب حج سکھانے کے لئے تھا۔
طواف نافلہ سوار ہو کر بلا کراہیت جمہور کے نزدیک جائز ہے لیکن امام ابوحنیفہ کے ضابطہ کے لحاظ سے مکروہ ہے۔ جمہور کی دلیل بخاری کی وہ روایت ہے جو سورۃ الفتح کی تفسیر میں ہم نے بیان کی ہے کہ جب حضور ﷺ نے مکہ فتح کر لیا تو طواف قدوم اونٹنی پر سوار ہونے کی حالت میں کیا۔
مسئلہ :- بغیر وقفہ کے مسلسل طواف باجماع علماء شرط (فرض) نہیں ہے سنت ہے سعید بن منصور راوی ہیں کہ حضرت ابن عمر بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے اتنے میں نماز کی اقامت ہوئی۔ آپ نے جماعت کے ساتھ پڑھ لی، نماز سے فارغ ہو کر پھر طواف کا باقی حصہ پورا کیا۔ عبدالرزاق اور عبدالرحمٰن بن ابوبکر کی روایت سے بھی یہ واقعہ منقول ہے سعید بن منصور کا بیان ہے کہ عطا کہتے تھے اگر کوئی شخص طواف کا کچھ حصہ کر چکا ہو پھر کوئی جنازہ آجائے اور یہ شخص طواف ناتمام چھوڑ کر جنازہ کی نماز میں جا کر شرکت کر لے تو نماز سے فارغ ہو کر اس کو اپنا بقیہ طواف پورا کر لینا چاہئے (از سر نو طواف شروع کرنے کی ضرورت نہیں)۔
نافع نے کہا طواف کی حالت میں طول قیام بدعت ہے۔ حسن نے کہا اگر کوئی شخص طواف میں مشغول ہو اور نماز کی اقامت ہو جائے اور وہ بیچ میں سے طواف کو چھوڑ کر نماز میں شریک ہو جائے تو نماز کے بعد اس کو از سر نو (پورا) طواف کرنا چاہئے۔
مسئلہ :- فرض طواف کو بیچ میں سے منقطع کرنا خواہ فرض نماز کی اقامت ہو گئی ہو مکروہ ہے۔ حضرت ام سلمہ کی روایت میں آیا ہے کہ انہوں نے طواف صدر کیا اور اس وقت رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔
مسئلہ :- اگر فرض نماز کی اقامت ہو جائے یا جنازہ کی نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو نفل طواف کو قطع کر دے نفل عبادات کے لئے نفل طواف کو منقطع کرنا جائز نہیں۔
وتر کی شرکت کے لئے نفل طواف کو منقطع کر دینا اولیٰ ہے حضرت عبدالرحمٰن بن حضرت ابوبکر صدیق کا اثر اس کا مؤید ہے۔

Marfat.com

مسئلہ :- ہر سات چکروں کے بعد دو رکعت نماز پڑھنی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے امام مالک کا بھی یہی قول روایت میں آیا ہے ایک قول امام شافعی کا بھی یہی ہے۔ اگر طواف کے بعد دو رکعتیں ترک کر دیں تو قربانی واجب ہو گی۔ مسئلہ کی تمام شاخیں اور متعلقات کا ذکر ہم نے آیت وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى کی تفسیر کے ذیل میں کر دیا ہے۔

فصل

آداب طواف یعنی مستحبات کا بیان

جب کعبہ پر نظر پڑے اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ پڑھے۔ اور دعا کرے۔ طبرانی کی روایت ہے کہ کعبہ کو دیکھنے پر دعا کرنا مستحب ہے اگر حجر اسود کے پاس پہنچے تو دونوں ہونٹوں سے چومے بشرطیکہ دوسروں کو تکلیف پہنچائے بغیر ممکن ہو۔ بخاری نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عمر حجر اسود کو چھوتے اور چومتے تھے۔ شافعی کی مرفوع روایت ہے کہ آپ دیر تک دونوں لب حجر اسود پر رکھے رہے۔ ابن ماجہ کی روایت میں ہے دیر تک دونوں لب حجر اسود پر رکھے روتے رہے، حاکم کی روایت ہے آپ نے اسود کو چوما اور اس پر سجدہ کیا۔

اگر چومنے اور ہاتھ سے چھونے پر قادر نہ ہو تو کسی چیز سے چھولے پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا اور اپنی چھڑی سے رکن کو چھوا۔ اگر اتنا بھی ممکن نہ ہو تو حجر اسود کی طرف منہ کر کے رک جائے۔

سعید بن مسیب کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم قوی آدمی ہو، حجر اسود پر درانہ مت جانا (دھکے نہ دینا) کہ کمزور کو دکھ پہنچاؤ اگر جگہ خالی ہو تو چھولینا ورنہ اس کی طرف منہ کر کے تکبیر و تہلیل کرنا۔ رواہ احمد۔

مسئلہ :- رکن یمانی کے پاس پہنچے تو اسے چھولے، جمہور کا یہی قول ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک رکن یمانی کو چھونا مستحب ہے، سنت نہیں ہے۔ صحیحین میں حضرۃ ابن عمر کا قول آیا ہے، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ان دونوں کو یعنی حجر اسود اور رکن یمانی کو چھو رہے تھے (یا چوم رہے تھے) دار قطنی نے مرفوع روایت ذکر کی ہے کہ حضور ﷺ رکن یمانی کو بوسہ دے رہے تھے اور اس پر اپنا رخسار رکھ رہے تھے۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ رکن یمانی پر ستر فرشتے موکل ہیں جب کوئی شخص (وہاں) کہتا ہے۔ اللّٰھم انی اسئلک العفوو العافیة فی الدنیا والاٰخرة ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة وفی الاٰخرة حسنة وقنا عذاب النار۔ تو وہ موکل آمین کہتے ہیں۔

مسئلہ :- طواف قدوم میں پہلے تین چکر لپک کر کرے (تیز رفتار سے کرے) اور چادر کا ایک پلو دائیں بغل میں نیچے سے سینہ پر لا کر بائیں کندھے پر ڈالے رکھے (اس طرح دایاں مونڈھا کھلا رہے گا) چکر کو سنگ اسود سے شروع کر کے (گھوم کر) سنگ اسود پر ہی ختم کرنا سنت ہے صحیح روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سنگ اسود سے سنگ اسود تک تیز چال سے تین چکر لگائے۔ باقی چار چکروں میں معمولی رفتار رکھے اور جب حجر اسود اور رکن کے پاس پہنچے تو وہی کرے جو پہلے چکر میں کیا تھا۔ آخر طواف کو سنگ اسود کو چھو کر یا چوم کو ختم کرے رسول اللہ ﷺ کا عمل صحیح روایت میں یہی منقول ہے۔

پھر دوگانہ مقام ابراہیم کے پاس ادا کرے اور دو رکعتوں میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ پڑھے پھر لوٹے حجر اسود کو چومے اور تکبیر و تہلیل پڑھے۔ حضرت جابر کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (نماز میں) مقام ابراہیم کو اپنے اور کعبہ کے درمیان رکھا تھا (یعنی نماز میں حضور ﷺ کا رخ دونوں کی طرف تھا) اور دو رکعتیں پڑھی تھیں جن میں قل یاَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ اور قُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ پڑھی تھی پھر لوٹ کر حجر اسود کو چوما تھا۔

ذٰلِكَ ۚ　　یعنی حکم یہی ہے جو واجب التعمیل ہے۔ ذلک سے گزشتہ احکام کی طرف اشارہ ہے۔

وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِندَ رَبِّهِ ۗ　　اور جو شخص اللہ کے محترم احکام کی وقعت

Marfat.com

کرے گا۔ سو یہ اس کے حق میں اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے۔

حُرُمٰتِ اللّٰہِ سے مراد ہیں ممنوعات الٰہیہ اور گناہ و نافرمانی۔ ممنوعات کی تعظیم کا یہ معنی ہے کہ ان کے قریب جانا بھی اس کے لئے سخت شاق اور ناگوار ہو۔ مومن سے جو قصور صادر ہو جاتا ہے اس کو وہ پہاڑ سمجھتا ہے جو اس کے سر پر ٹوٹا پڑ رہا ہو اور منافق گناہ کو ناک پر بیٹھی ہوئی مکھی کی طرح جانتا ہے کہ ذرا ہاتھ ہلایا اور اڑ گئی۔ حدیث میں مومن و منافق کے گناہ کی یہی تشبیہ آئی ہے۔

لیث نے کہا حُرُمٰتِ اللّٰہ وہ امور ہیں جن کی پابندی لازم ہے یعنی تمام اوامر و نواہی حرمات الٰہیہ ہیں (یہ اللہ کی طرف سے بندشیں ہیں جن کی پابندی ضروری ہے)

زجاج نے کہا حرمت وہ چیز جس کو پورا پورا ادا کرنا واجب ہے اور کسی طرح کی اس میں کمی کرنا حرام ہے۔

بعض اہل علم نے کہا حرمت اللّٰہ سے مراد ہیں آداب حج۔ ابن زید نے کہا اس جگہ حرمت اللّٰہ سے مراد ہے بلد حرام (حرمت والا شہر یعنی مکہ) اور بیت حرام (حرمت والا گھر یعنی کعبہ) اور ماہ حرام (یعنی وہ مہینے جن میں لڑنا بھڑنا حرام ہے) اللہ کے نزدیک بہتر ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کا ثواب اللہ کی طرف سے بڑا ہوگا۔

وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ اور سوائے انکے جن کی (حرمت کی) بابت تم کو سنائی جا رہا ہے باقی چوپائے تم پر حلال کر دیئے گئے ہیں۔ یعنی پھر کیوں مختلف قسم کے بحاروں اور سانڈوں (بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حامی) کو حرام قرار دیتے ہو (اللہ نے تو یہ حرمت نازل نہیں کی)

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ پس بتوں کی گندگی سے بچے رہو یعنی بت گندہ ہیں ان (کی پرستش سے ان سے دعائیں کرنے سے اور ان کو پکارنے) سے پرہیز رکھو۔ عقلمند سلیم الطبع آدمی بتوں سے ایسا ہی اجتناب رکھتے ہیں جیسا عام آدمی گندگی سے اجتناب (پرہیز) کے لفظ سے بتوں کی عبادت و تعظیم سے پرزور ممانعت کا اظہار کیا گیا ہے (یعنی بتوں کی تعظیم اور پوجا اتنی گندی چیز ہے کہ اس کے پاس بھی نہ جانا چاہئے) بعض نے رجس کا ترجمہ رجز کیا ہے اور رجز کا معنی ہے عذاب چونکہ بتوں کی پرستش موجب عذاب ہے اس لئے (بطور مجاز) بتوں کو ہی عذاب فرما دیا۔

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ اور جھوٹی بات کہنے سے پرہیز رکھو۔

زور کا لفظ زور سے مشتق ہے زور کا معنی ہے مڑ جانا۔ جھوٹی بات بھی حق سے منحرف ہوتی ہے جس طرح افک کا لفظ افک (پھیر دینا موڑ دینا) سے بنا ہے اور جھوٹی بات صداقت سے برگشتہ ہوتی ہی ہے۔ زور کا لفظ اگرچہ عام ہے ہر قسم کی جھوٹی بات اس میں شامل ہے لیکن اس جگہ کافروں کے مشرکانہ مقولے مراد ہیں مثلاً وہ کہتے تھے کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ بت اللہ کے دربار میں ہماری سفارش کریں گے لبیک کہتے کے وقت کہتے تھے لبیک لاشریک لک الا شریکا تملکہ وماملک تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے جس کا تو مالک ہے وہ (تیرا) مالک نہیں۔

امام احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، طبرانی اور ابن المنذر نے حضرت حزیم بن فاتک کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھی اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد کھڑے ہوگئے اور فرمایا جھوٹی گواہی شرک باللہ کے برابر ہے یہ بات تین بار فرمائی پھر آیت فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ تلاوت فرمائی۔

قتادہ نے کہا دور شرک میں لوگ حج کرتے تھے لیکن ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں کو روکتے تھے اور اپنے کو حنیف کہتے تھے یعنی دین ابراہیمی پر قائم۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی اور حکم دیا گیا کہ دین ابراہیمی پر قائم ہونا چاہتے ہو تو بت پرستی چھوڑ دو اس گندگی سے بچو اور جھوٹی بات کہنے سے اجتناب رکھو۔

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ اللہ کے لئے دین کو خالص رکھنے والے (دین میں کسی مخلوق یہاں تک کہ اپنی نفسانیت کو دخل نہ دینے

Marfat.com

والے) حنیف کالفظ حنف سے نکلا ہے حنف کا معنی ہے استقامت (قاموس) اور حق پر قائم رہنے اور استقامت رکھنے کا معنی ہی ہے۔ اللہ کے لئے عبادت کو خالص کر لینا اور دوسروں کی پرستش سے منہ موڑ لینا۔

غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ط　ساجھی قرار دینے والے نہ ہو اس کے ساتھ۔ نہ عبادت میں نہ واجب الوجود ہونے میں نہ الوہیت میں مقصد یہ ہے کہ شرک کرنے والا نہ حنیف ہو سکتا نہ ابراہیم کے دین پر۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ الخ اگرچہ جملہ خبریہ ہے لیکن حکم امر میں ہے یعنی حرمات اللہ کی تعظیم کرو اور بت پرستی سے پرہیز رکھو بت پرستی ممنوعات میں نمبر اول پر ہے اور شرک آفریں بات کہنا سب سے بڑا اور سخت ترین جھوٹ ہے۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝۳۱

اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑتا ہے پھر پرندے اس کی بوٹیاں نوچ لیتے ہیں یا طوفان اس کو کسی دور جگہ لے جا کر پھینک دیتا ہے۔ یعنی اللہ کی عبادت کمال رفعت ہے اس سے اعلیٰ اور بالا کوئی چیز نہیں ہے جیسے کوئی شخص آسمان پر چڑھا ہوا ہو اور سب سے اونچا دکھائی دیتا ہو اس سے اونچا بلکہ اس کے برابر کوئی اور نہ ہو لیکن جب اللہ کی عبادت کے ساتھ کسی مخلوق کی عبادت کو کوئی شریک کر دیتا ہے تو وہ کمال رفعت کی چوٹی سے نیچے گر پڑتا ہے جیسے آسمان پر چڑھا ہوا آدمی پستی کے غار میں گر پڑے اس سے زیادہ پستی اور کیا ہو گی کہ آدمی اپنی ہی جیسی مخلوق کو پوجا کرنے لگے۔ ایسا آدمی تو پتھروں سے بھی زیادہ ذلیل اور پست درجہ ہے۔

پرندوں کے اچک لے جانے میں استعارہ بالکنایہ ہے پرندوں سے مراد ہیں تباہ کن خواہشات نفس جو انسان کی یکسوئی اور اطمینان خاطر کو چھین لیتی ہیں اور خیالات کو پریشان کر دیتی ہیں۔ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ میں استعارہ بالکنایہ ہے ریح (طوفان باد) سے مراد ہے شیطان۔ شیطان ہی انسان کو پرلے درجہ کے گمراہی کے مقام پر جا پھینکتا ہے۔ مکان سے مراد ہے گمراہی کا مقام اور سَحِيْقٍ کا معنی ہے دور یعنی حق سے دور، مطلب یہ ہے کہ مشرک پر نفس اور شیطان مسلط ہو جاتا ہے اور شیطان انسان کو (ایمان کی) بلندی سے (گمراہی کی) پستی میں پھینک دیتا ہے۔

لفظ او منع خلو کے لئے ہے منع جمع کے لئے نہیں ہے (یعنی یہ ممکن ہے کہ ہوائی طوفان اس کو کہیں دور جا پھینکے اور پرندے بھی اچک لیں۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ دونوں میں سے کچھ بھی نہ ہو)

بیضاوی نے لکھا ہے اس جگہ او کا لفظ تقسیم کے لئے ہے کیونکہ مشرک دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) کبھی شرک سے نہ نکلیں شرک چھوڑنا ان کے لئے ممکن نہ ہو گویا وہ ایسے ہیں کہ جن کو پرندے اچک لیں اور چیر پھاڑ کر برابر کر دیں۔ (۲) کبھی مشرک توبہ کر لیتے ہیں اور شرک سے رہائی ممکن ہوتی ہے وہ ایسے ہوتے ہیں جیسے طوفان کسی کو دور پھینک دے ممکن ہے وہ نہ مرے اور صحیح سالم گھر لوٹ آئے۔

صحیح یہ ہے کہ یہ تشبیہ مرکب بمرکب ہے شرک کرنے والے کی حالت اس شخص کی حالت کی طرح ظاہر کی گئی ہے جو آسمان سے گر پڑے اور کسی تدبیر سے وہ اپنے کو بچا نہ سکے اس کا ہلاک ہونا یقینی ہے خواہ اس طرح ہو کہ پرندے راستہ میں اس کو اچک لیں یا کوئی طوفان اس کو کہیں دور لے جا کر ٹپک دے۔

حسن نے کہا کافروں کے اعمال کو آسمان سے گرنے والے کے حال سے تشبیہ دی ہے کفار کے اعمال بھی اکارت جائیں گے اور کوئی عمل سود مند نہ ہو گا (اور آسمان سے گرنے والے کی ہر بچاؤ کی تدبیر بھی اکارت جائے گی کسی طرح اس کو ہلاکت سے بچا نہ سکے گی)

سورت اعراف کی آیت لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ کی تفسیر کے ذیل میں حضرت براء بن عازب کی روایت کردہ طویل حدیث کا ہم نے کچھ حصہ نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کافر بندہ کے مرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ملائکہ اس کی روح کو چڑھا لے جاتے ہیں جب آسمان دنیا تک پہنچتے ہیں اور (دروازہ) کھلوانے کی خواہش کرتے ہیں تو کافر کی

Marfat.com

روح کے لئے آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جاتا پھر حضور نے آیت لاتفتح لهم ابواب السماء الخ تلاوت فرمائی (اور فرمایا) پھر اللہ حکم دیتا ہے کہ اس کی کتاب نچلی زمین کے اندر سجین میں لکھ لو حسب الحکم اس کی روح پھینک دی جاتی ہے اس کے بعد حضور ﷺ نے آیت ومن يشرك بالله فكانما خر من السماء فتخطفه الطير الخ تلاوت فرمائی۔

ذٰلِكَ ۚ (حقیقت) یہی ہے۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ اور جو شخص دین خداوندی کی ان (مذکورہ) یادگاروں کا پورا لحاظ رکھتا ہے تو اس کا یہ لحاظ رکھنا دلوں کے اندر (بیٹھے ہوئے) خوف خدا کی وجہ سے ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا شعائر اللہ سے مراد وہ اونٹ اور قربانی کے جانور ہیں جو قربانی کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ یہ لفظ اشعار سے ماخوذ ہے اشعار کا معنی نشانی بنادینا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ قربانی کا جانور ہے اور تعظیم شعائر سے مراد ہے قربانی کے جانوروں کو موٹا کرنا۔ صحیح روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سو اونٹوں کی قربانی کی تھی۔

ابوداؤد کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے ایک بختی اونٹنی کی قربانی کی جس کی قیمت خریداروں نے تین سو دینار لگائی تھی۔

فانها من تقوى القلوب کا یہ مطلب ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم پاک دل والوں کے اعمال میں سے ایک عمل ہے۔

لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى تمہارے لئے ایک مقرر وقت تک ان میں منافع (حاصل کرنے جائز) ہیں۔ یعنی قربانی کے نامزد اونٹوں پر بغیر ایذاء پہنچائے سوار ہونا۔ بوجھ لادنا اور ان کا دودھ پینا تمہارے لئے جائز ہے اور ذبح ہونے کے وقت تک یہ عمل جائز ہے۔ عطاء بن رباح امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمد اور اسحاقؒ نے آیت کا یہی مطلب بیان کیا ان حضرات کا مسلک ہے کہ قربانی کے نامزد اونٹوں اونٹنیوں پر سوار ہونا۔ بوجھ لادنا اور ان کا دودھ پینا بشرطیکہ اس عمل سے ان کو ایذا نہ پہنچے جائز ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ (خود پیدل چل رہا تھا اور) قربانی کے اونٹ کو ہنکا کر لے جارہا تھا۔ فرمایا اس پر سوار ہو جا اس شخص نے عرض کیا حضور یہ قربانی کا اونٹ ہے فرمایا سوار ہو جا۔ اس نے پھر کہا یہ قربانی کا اونٹ ہے فرمایا اس پر سوار ہو جا۔ دوسری یا تیسری مرتبہ میں حضور ﷺ نے فرمایا۔ تیرا برا ہو۔ متفق علیہ۔

حضرت انسؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے۔ رواہ البخاری۔

حضرت ابن عمر نے ایک شخص کو دیکھا کہ قربانی کے اونٹ کو ہنکا کر لے جارہا تھا۔ فرمایا اس پر سوار ہو جا رسول اللہ ﷺ کے قائم کردہ طریقہ سے زیادہ سیدھے کسی طریقہ پر تو نہیں چل سکتا (یعنی دوسرا طریقہ نہ اختیار کر قربانی کے جانور پر سوار ہونا سنت کے موافق ہے) رواہ الطحاوی۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا بغیر خاص ضرورت کے قربانی کے جانوروں پر نہ سوار ہونا جائز ہے نہ ان پر بوجھ لادنا نہ ان کا دودھ پینا کیونکہ جب ان کو اللہ کے لئے خالص طور پر نامزد کر دیا تو وہ سارے کے سارے اللہ کے ہوگئے اپنے فائدے کے لئے ان میں کوئی تصرف کرنا درست نہیں۔ یہ توجیہ ثابت کر رہی ہے کہ ضرورت کی وجہ سے ہو یا بغیر ضرورت کے کسی طور پر قربانی کے جانوروں سے فائدہ اندوزی جائز نہیں۔ صریح آیت ہے وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ سوار ہونا اور بوجھ لادنا تعظیم کے خلاف ہے اور اس سے جانور کی فربہی پر اثر پڑتا ہے لیکن احادیث میں چونکہ قربانی کے جانوروں پر سوار ہونا اور بوجھ لادنا جائز قرار دیا گیا ہے اس لئے ضرورت کے وقت ہم بھی اس کو جائز کہتے ہیں تاکہ عمل بالسنۃ ترک نہ ہو اور احادیث میں جس اجازت کا ذکر ہے اس کو ہم ضرورت پر محمول کرتے ہیں اس کی تائید طحاوی کی بیان کردہ اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو دو سندوں سے بحوالہ حمید الطویل حضرت انس کی روایت سے طحاوی نے ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو قربانی کا اونٹ ہنکا کر لے جاتے دیکھا اور وہ شخص خود تھک چکا تھا فرمایا اس پر سوار ہو جا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو قربانی کا اونٹ ہے فرمایا اس پر سوار ہو جا دوسری روایت میں ہے فرمایا اس پر سوار ہو جا اگرچہ قربانی کا اونٹ ہو۔

Marfat.com

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عمر نے اس شخص سے جو قربانی کے اونٹ کو ہنکا کر لے جارہا تھا اور خود تھک گیا تھا، فرمایا تھا اس پر سوار ہو جا۔ باقی روایت حسب سابق ہے۔

مسلم کا بیان ہے ابوالزبیر نے کہا میں نے سنا کہ حضرت جابر بن عبداللہ سے قربانی کے اونٹ پر سوار ہونے کا مسئلہ پوچھا جارہا تھا حضرت جابر بن عبداللہ نے فرمایا میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے جب تو اس کی سواری پر مجبور ہے تو اس پر دستور کے مطابق سوار ہو جا تاوقتیکہ تجھے دوسری سواری نہ ملے۔ آیت مذکورہ میں ہمارے نزدیک منافع سے مراد مجبور کن ضرورت کے وقت سوار ہونا ہے۔

مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى کی تفسیر میں مجاہد قتادہ اور ضحاک نے فرمایا تمہارے لئے قربانی کے جانوروں سے فائدہ اندوزی کی اس وقت تک اجازت ہے جب تک تم ان کو قربانی کے لئے نامزد اور مقرر نہ کر دو۔ اور ان کو ہدی نہ بنادو۔ جب نامزد کر کے ہدی بنادو تو پھر فائدہ اندوزی کا کوئی حق نہیں۔

ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴿۳۳﴾ پھر ان کے ذبح حلال ہونے کا موقع بیت عتیق کے قریب ہے۔ محل (ظرف مکان) قربانی کی جگہ۔ یا (ظرف زمان) قربانی کا وقت اور مقررہ زمانہ۔ ختم کا لفظ تراخی کو چاہتا ہے تراخی سے مراد یا تو تاخیر وقت حقیقۃ ہے فائدہ اندوزی کا وقت بہر حال قربانی سے پہلے ہوتا ہے یا تاخیر ترتیبی مراد ہے۔ اس وقت منافع سے مراد دنیوی فوائد ہوں گے اور قربانی ثواب آخرت کے لئے کی جاتی ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارے لئے قربانی کے جانوروں سے فائدہ اندوزی کا جواز ایک وقت مقرر تک دنیا میں بھی ہے پھر ان کی قربانی کا ثواب آخرت میں ملے گا۔

البیت العتیق سے مراد سارا حرم ہے پورا حرم انسانی ملکیت سے آزاد ہے کوئی شخص حرم کی زمین کو نہ فروخت کر سکتا ہے نہ خرید سکتا ہے گویا تمام حرم بیت اللہ کے حکم میں ہے۔ عرب بولتے ہیں بلغت البلد یعنی میں حوالی شہر تک پہنچ گیا (شہر کے اندر داخل ہونا ضروری نہیں)

بعض کے نزدیک یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ قربانیوں کے ذبح ہونے کا مقام حرم کے کناروں سے بیت عتیق، کعبہ تک ہے۔ اس آیت سے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ سارا حرم قربان گاہ ہے حرم کے اندر ہر جگہ قربانی جائز ہے۔

امام مالک نے فرمایا حاجی صرف منٰی میں ذبح کرے اور عمرہ کرنے والا صرف مروہ میں اس کے خلاف ناجائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا۔ ہم کہتے ہیں اگر رسول اللہ ﷺ نے منٰی میں قربانی کی تو اس سے باقی حرم میں قربانی کرنے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی (کہیں تو رسول اللہ ﷺ قربانی کرتے کسی ایک جگہ قربانی کرنے سے دوسرے مقام پر ذبح کرنے کی ممانعت کیسے مستفاد ہو سکتی ہے) جب کہ کتاب اللہ اور سنت سے حرم کے اندر دوسری جگہ ذبح کرنے کا جواز موجود ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سارا منٰی قربانگاہ ہے مکہ کے تمام پہاڑی راستے قربان گاہ ہیں کل عرفات اور سارا مزدلفہ موقف ہے (ٹھہرنے اور قیام کرنے کی جگہ ہے) رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ من حدیث جابر بن عبداللہ۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ شعائر اللہ سے مراد ہیں خصوصی دینی نشانات اور ظاہر ہے کہ خاص دینی نشانات کی تعظیم اہل تقوٰی کا نا قابل شک کردار ہے اس تفسیر پر لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ کا رابطہ آیت وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ سے ہوگا اور اجل مسمی سے مراد ہوگی موت اور محلہا سے مراد ہوگی انتہاء اور البیت سے مراد ہوگا وہ مقام رفیع جہاں تک اعمال کی رسائی ہوتی ہے یا اعمال کا ثواب ہوتا ہے۔ مطلب اس طرح ہوگا چوپایوں میں تمہارے لئے دنیوی منافع ہیں اور وقت موت تک یہ منافع حاصل ہوتے رہتے ہیں پھر ان کی انتہا اور آخری رسائی اس مقام تک ہوتی ہے جہاں تک اعمال پہنچتے ہیں۔ یا اعمال کا ثواب ہوتا ہے۔

بعض کے نزدیک شعائر سے مراد ہیں حج کے فرائض اور حاضری کے خاص خاص مقامات جہاں دنیوی تجارتی منافع بھی وقت مقرر یعنی وقت واپسی اور مکہ سے روانگی تک حاصل ہوتے ہیں اور مناسک حج کو ادا کرنے کا ثواب بھی ایام حج ختم ہونے تک

Marfat.com

حاصل ہوتا ہے ثم محلھا یعنی پھر احرام کھولنا، بیت عتیق یعنی کعبہ پر پہنچ کر قربانی کے دن طواف زیارت کرنے کے بعد ہوتا ہے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا اور ہر امت کے لئے ہم نے ایک منسک بنایا ہے منسک عبادت گاہ (اسم ظرف ہے) اور اگر منسک کو مصدر قرار دیا جائے تو اس سے مراد ہوگا، خون بہانا، قربانیاں ذبح کرنا یا وہ قربانی مراد ہوگی جس کو بارگاہ خداوندی میں پیش کر کے لوگ قرب الٰہی کے طلب گار ہوتے ہیں۔

لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ تاکہ وہ (صرف) اللہ کا نام ہمارے دیئے ہوئے چوپایوں (کو ذبح کرنے) پر ذکر کریں، یعنی اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام نہ لیں اور قربانی خاص اللہ کے لئے کریں۔ یہ تنبیہ ہے اس امر پر کہ قربانیاں کرنے کا مقصد محض اللہ کی یاد ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ذبح کے وقت اللہ کا ذکر ضروری اور شرط لازم ہے (بغیر اللہ کا نام لئے ذبیحہ حلال نہیں ہوتا)

بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ پر اللہ کا نام ذکر کرنے سے مراد ہے ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا۔

چوپائے کلام نہیں کرتے اسی لئے ان کو بہیمہ کہا جاتا ہے (انعام اونٹ گائے بیل بھینس بکری دنبہ) کچھ چوپائے انعام کے علاوہ بھی ہوتے ہیں، گھوڑا، گدھا، خچر بہائم تو ہیں لیکن ان کو انعام نہیں کہا جاتا اسی لئے ان کی قربانی جائز نہیں بہیمہ کے بعد الانعام کا لفظ بڑھانے سے دوسرے بہائم (گھوڑا گدھا وغیرہ) خارج ہوگئے۔

انعام میں سے بھی صرف پالتو جانوروں کی قربانی درست ہے اسی پر اتفاق ائمہ ہے (جنگلی گائے یعنی نیل گائے، جنگلی بکری یعنی پہاڑی وغیرہ کی قربانی درست نہیں)

جملہ مذکورہ میں پچھلی قوموں اور امتوں کا تذکرہ کر کے امت اسلامیہ کو قربانی کرنے کی ترغیب دینی مقصود ہے۔

فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ پس تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے یعنی اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں اس لئے ذبح کرنے کے وقت اسی کا نام لیا کرو۔

فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا پس صرف اسی کی اطاعت کرو مطلب یہ ہے کہ قربانی اور ذکر کو اسی کے لئے خالص کرو، کسی دوسرے کو اس کا ساجھی نہ بناؤ نہ قربانی کے وقت نہ کسی ذکر کے وقت۔

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ اور (اللہ کے سامنے) خشوع و خضوع کرنے والوں کو جنت اور مرضی رب کی خوشخبری دیدو۔

خبیت، حقیر چیز جو شخص خشوع کرے اور اللہ کے سامنے اپنے کو عاجز و حقیر قرار دے وہ مجت ہے۔ اخبت عاجزی اور فروتنی کی (قاموس) اسی معنی کا لحاظ کرتے ہوئے حضرت ابن عباس اور قتادہ نے ترجمہ کیا ہے عاجزی کرنے والے تواضع کرنے والے۔ اخفش نے ترجمہ کیا خشوع کرنے والے۔ بعض اہل لغت نے کہا کہ خبت نشیبی مقام کو کہتے ہیں اسی معنی کی رعایت سے مجاہد نے ترجمہ کیا اللہ کی یاد میں مگن مطمئن۔ نخعی نے ترجمہ کیا، اہل اخلاص، اطمینان اور اخلاص کا ایک ہی معنی ہے کلبی نے کہا نرم دل لوگ عمرو بن اوس نے کہا مخبتین وہ لوگ ہیں جو کسی پر ظلم نہیں کرتے اور ان پر ظلم کیا جائے تو انتقام نہیں لیتے۔

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ مخبتین وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ یعنی جلال خداوندی کی شعاعیں ان کے دلوں پر پڑتی ہیں اور عظمت الٰہیہ کے انوار پر تو انداز ہوتے ہیں اس لئے ان کے دل ہیبت زدہ ہو جاتے ہیں۔

وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ اور مصیبتوں پر (خاص طور پر) صبر کرنے والوں کو۔ اور پابندی اوقات اور شرائط کے ساتھ نماز ادا کرنے والوں کو اور (ان کو جو) ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے (کچھ راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ اور قربانی کے جانوروں کو (خصوصیت کے ساتھ) ہم نے

Marfat.com

تمہارے لئے اللہ کے دین کے خاص نشانات میں سے قرار دیا۔

البدن۔ بدنۃ کی جمع ہے جیسے خشب خشبۃ کی جزری نے نہایہ میں لکھا ہے بدنہ کا اطلاق اونٹ اونٹنی اور گائے بیل، بھینس پر ہوتا ہے اور اس کا زیادہ استعمال اونٹوں، اونٹنیوں کے لئے کیا جاتا ہے۔ بدن کی جسامت بڑی ہونے کی وجہ سے ان کو بدنہ کہا جاتا ہے۔

صاحبؒ قاموس نے لکھا ہے بدنۃ (بحرکت ثلاثہ) اونٹ اونٹنی اور گائے بھینس۔ امام ابو حنیفہؒ کا بھی یہی قول ہے۔ عطاء اور سدی نے کہا، اونٹ گائے بدن ہیں بکریوں کو بدنہ نہیں کہا جاتا، امام شافعی کے نزدیک بدن کا لفظ اونٹنی اور اونٹ کے لئے مخصوص ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے کلانی جسم کی وجہ سے اس لفظ کا اطلاق اونٹوں پر ہوتا ہے۔ بدن بدنۃ وہ کلاں جسم ہو گیا۔ بغوی نے لکھا ہے بڑی جسامت اور ضخامت کی وجہ سے بدنہ کہا جاتا ہے۔ یعنی بدن سے مراد ہوتے ہیں بڑی جسامت والے اونٹ، جب آدمی خوب جسیم اور ضخیم ہو جائے تو بدن الرجل بدانتہ کہا جاتا ہے اور جو زیادہ عمر رسیدہ ہو جائے گوشت ڈھیلا پڑ جائے تو باب تفعیل سے بدن الرجل تبدینا کہا جاتا ہے۔

جو لوگ بدنہ کا لفظ صرف اونٹوں کے لئے مخصوص قرار دیتے ہیں انہوں نے حضرت جابر کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ کے سال قربانی کی سات کی طرف سے ایک گائے اور سات ہی کی طرف سے ایک بدنہ (مراد یہ ہے کہ ایک ایک گائے کی قربانی میں سات سات آدمی برابر کے شریک ہو گئے اسی طرح ایک ایک اونٹ میں سات سات سہام کر لئے) رواہ الترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

ہم کہتے ہیں مسلم کی روایت میں حضرت جابر کا بیان اس طرح آیا ہے کہ ہم مکہ میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے ساتھ قربانی نہ ہو وہ احرام کھول دے اور حضور ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ اونٹ اور گائے میں ہم میں کے سات سات آدمی ایک ایک بدنہ میں شریک ہو جائیں (اس حدیث میں بدنہ کا اطلاق بقر پر بھی کیا گیا ہے)

شعائر اللہ، اللہ کے دین کے خاص نشانات جو اللہ نے بطور شریعت مقرر کئے ہیں۔

بعض لوگوں نے شعائر کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ یہ لفظ اشعار سے بنایا گیا ہے اور اشعار کا مطلب ہے اونٹ کے کوہان میں نیزے کی نوک چبھونا تاکہ دیکھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ اونٹ قربانی کا ہے جو کعبہ کو جا رہا ہے۔

لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ تمہارے لئے اس میں بھلائی ہے یعنی دینی اور دنیاوی فوائد ہیں۔

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا پس ان پر اللہ کا نام ذکر کرو (یعنی ذبح کے وقت اللہ کا نام لو۔ بسم اللہ کہہ کر ذبح کرو) مستدرک میں حاکم نے حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ اگر اونٹ ہو تو اس کو کھڑا کر کے کہے اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر اللھم منک ولک اس کے بعد بسم اللہ کہہ کے اونٹ کے گلے میں (ہنسلی کے پاس) زور سے نیزہ چبھو دے۔

ابوداؤد اور ابن ماجہ اور مستدرک میں حاکم نے حضرت جابر کی مرفوع روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے۔ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰی مِلَّةِ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ، اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اللھم منک ولک بسم اللہ واللہ اکبر۔

صَوَآفَّ صف بستہ صاحب قاموس نے لکھا ہے صواف بروزن فواعل بمعنی مفاعل (صواف صاف کی جمع ہے اور صاف اسم فاعل ہے لیکن بمعنی مصفوف ہے اسم فاعل اسم مفعول کے معنی میں آجاتا ہے) یعنی تین ٹانگوں پر کھڑا ہوا دو پچھلی اور اگلی دائیں ٹانگ زمین پر ٹکی ہوئی اور اگلی بائیں ٹانگ میں دھنکنا بندھا ہوا (تاکہ بھاگ نہ سکے) اسی حالت میں سینہ میں نیزہ مارے۔

Marfat.com

بخاری کی روایت ہے کہ ایک شخص اونٹ کو بٹھا کر حلقوم میں نیزہ مار رہا تھا، حضرت ابن عمر ادھر سے گزرے اور یہ حالت دیکھ کر فرمایا اس کو کھڑے کر دے اور پاؤں باندھ دے۔ محمد ﷺ کا یہی طریقہ ہے۔ عبد بن حمید۔ ابن ابی الدنیا (فی الاضاحی) ابن المنذر۔ ابن ابی حاتم، حاکم اور سنن میں بیہقی نے ابوظبیان کا بیان نقل کیا ہے، ابوظبیان نے کہا میں نے حضرت ابن عباس سے آیت فاذکروا اسم اللہ علیھا صوآف کی تشریح پوچھی فرمایا، جب تو اونٹ کی قربانی کرنی چاہے تو اونٹ کو تین ٹانگوں پر کھڑا کر اور ٹانگوں کو بندھا رکھ پھر کہہ بسم اللہ واللہ آکبر اللھم منک ولک۔ بخاری نے تعلیقاً بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے صواف کا ترجمہ قیاماً کیا۔ سفیان بن عینیہ نے اپنی تفسیر میں عبداللہ بن یزید کی روایت سے بھی یہی بیان کیا ہے اور سعید بن منصور نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔

مجاہد نے کہا صواف اس وقت کہا جائے گا جب اونٹوں کو تین ٹانگوں پر کھڑا کیا جائے اور بائیں پچھلی ٹانگ باندھ دی جائے۔ حضرت ابن مسعود کی قرائت میں صواف کی جگہ صوافن آیا ہے۔ صافن وہ گھوڑا یا اونٹ وغیرہ جس کو تین ٹانگوں پر کھڑا کیا جائے اور اگلی ایک ٹانگ باندھ دی جائے۔ مجاہد اور حسن نے حضرت ابی کی قرات کے مطابق صوافی پڑھا ہے، یعنی خالص لوجہ اللہ۔

فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا پھر جب ان کے پہلو (زمین پر) گر پڑے یعنی وہ مر جائیں۔

فَكُلُوْا مِنْهَا تو اس میں سے تم کھالو۔ یہ امر اباحت ہے امر وجوب کے لئے نہیں ہے اپنی قربانی کے جانور کا گوشت کھانا جائز ہے۔ یہ مسئلہ اوپر گزر چکا ہے۔

وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ اور کھانے کو دو بے سوال اور سوالی محتاج کو۔

عکرمہ، قتادہ اور ابراہیم نخعی نے کہا قانع وہ شخص جو خانہ نشین ہو گیا ہو۔ سوال سے بچتا ہو، جو کچھ اس کو مل جائے اسی پر قناعت کرتا ہو۔ اور معتر وہ مسکین جو سوال کرتا اور مانگتا ہو۔ عوفی نے حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ قانع وہ شخص ہے جو کسی سے تعرض نہیں کرتا اور نہ کسی سے سوال کرتا ہے اور معتر وہ شخص جو دینے والوں کے سامنے تو آتا ہے اپنے آپ کو دکھاتا بھی ہے مگر مانگتا نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں قانع قناعت سے مشتق ہوگا۔ قنع قناعة اس نے قناعت کی جو کچھ اس کو دے دیا گیا اس پر راضی رہا سوال نہیں کیا۔ سعید بن جبیر، حسن۔ اور کلبی نے کہا قانع سوال کرنے والے مسکین کو کہتے ہیں اور معتر وہ شخص جو سوال نہ کرے صرف اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے اس غرض سے لائے کہ کوئی اس کو کچھ دے دے اس مطلب پر قانع کا مصدر قنوعا ہوگا۔ قنوع، سوال کرنا۔ ابن زید نے کہا قانع کا معنی ہے مسکین اور معتر وہ شخص جو مسکین تو نہ ہو مگر خود بے بضاعتی اور مال کی کمی کی وجہ سے قربانی بھی نہ کر سکا ہو اور لوگوں کے سامنے کچھ گوشت حاصل کرنے کے لئے اپنے کو نمایاں کر رہا ہو۔

كَذٰلِكَ اسی طرح یعنی جس طرح اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کرنے کی ہم نے تم کو طاقت عطا کی اسی طرح۔

سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ (باوجود عظیم الجثہ اور طاقتور ہو کے) ہم نے ان کو تمہارے قابو میں دے دیا کہ تم ان کو تین ٹانگوں پر کھڑا کرتے ہو اور نحر کرتے ہو۔

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾ تاکہ تم ہمارے انعامات کے شکر گزار ہو اور اخلاص کے ساتھ قربانی پیش کرو۔

ابن ابی حاتم، ابن جریر اور ابن المنذر نے ابن جریج کا بیان نقل کیا ہے کہ دور جاہلیت میں لوگ قربانی کا خون کعبہ میں چھڑکتے اور گوشت (کے پارچے) وہاں بکھیرتے تھے جب اسلامی دور آیا تو صحابہ نے کہا ہم اس عمل کے زیادہ مستحق ہیں ہم بھی کعبہ میں خون کا چھڑکاؤ کریں گے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ ابن المنذر اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ قربانی کے بعد مشرک ذبیح کا خون کعبہ کے سامنے لے جاتے اور کعبہ کی طرف کو چھینٹیں مارتے تھے، مسلمانوں نے بھی یہی عمل کرنے کا ارادہ کیا تو آیت ذیل نازل ہوئی۔

Marfat.com

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ

اللہ کو قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ مقاتل نے نہ پہنچنے کا مطلب یہ بیان کیا کہ اللہ قربانیوں کے گوشت اور خون کو اٹھا کر اپنے پاس نہیں لے جاتا بلکہ تمہارے اعمال صالحہ اللہ کے پاس پہنچتے ہیں۔ تقویٰ سے مراد ہیں نیک اعمال۔ جن کی بناء اخلاص و تقویٰ پر ہو۔ اور محض خوشنودی خدا حاصل کرنے کے لئے بغیر شرک کی آمیزش کے ان کو کیا گیا ہو۔

كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ اسی طرح اللہ نے جو جانوروں کو تمہارے زیر حکم کر دیا تاکہ تم اللہ کی راہ میں ان کی قربانی کر کے اس بات پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تم کو قربانی کرنے کی توفیق دی۔

كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ سے نعمت تسخیر کی دوبارہ یاد دہانی کی گئی ہے تاکہ آئندہ ذکر کی جانے والی غرض یعنی اللہ کی تعظیم اور اعتراف کبریائی کا اظہار کیا جائے۔

لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ یعنی تم اللہ کی عظمت کا اعتراف کرو اور یقین کرو کہ جس بات سے دوسرے عاجز ہیں اللہ کو اس پر قدرت تامہ ہے اور اس کے شکر میں تم اللہ کو کبریائی و عظمت میں واحد جانو۔

عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ اس بات پر اللہ کی کبریائی کا اعتراف کرو کہ اس نے اپنے دین کے نشانات اور آداب حج بتائے جانوروں کو تابع بنالینے کا راستہ دکھایا اور قرب خداوندی تک پہنچنے کے لئے رہنمائی کی۔

بعض اہل تفسیر کے نزدیک تکبیر سے مراد ہے احرام کھولنے اور ذبح کرنے کے وقت تکبیر کہنا۔

وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾ اور اخلاص والوں کو خوش خبری سنا دو۔ اس کا عطف بشر المخبتین۔ پر ہے حضرت ابن عباس کے نزدیک محسنین سے مراد ہیں موحدین۔

إِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾

بلاشبہ اللہ ان مشرکوں کے غلبہ اور ایذا کو ایمان والوں سے عنقریب ہٹا دے گا، بے شک اللہ کسی دغاباز کفر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

پسند نہ کرنے سے مراد ہے نفرت کرنا۔ خوان یعنی امانت الٰہیہ میں بڑی خیانت کرنے والا کفور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والا۔

زجاج نے کہا جو شخص ذبح کے وقت اللہ کے سوا دوسرے کا نام لیتا ہے اور دوسرے کے نام پر قربانی کرتا ہے اور بھینٹ چڑھا کر بتوں کا تقرب حاصل کرتا ہے وہ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ہے۔ امام احمد ترمذی، سدی اور حاکم نے حضرت ابن عباس کے حوالہ سے بیان کیا کہ جب ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ مکہ سے نکلے تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا، ان لوگوں نے اپنے نبی کو وطن سے نکلنے پر مجبور کیا ہے یہ ضرور ہلاک ہو جائیں گے۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ اب (لڑنے کی) ان لوگوں کو اجازت دے دی گئی جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر بہت ظلم کیا گیا ہے۔ یعنی مسلمانوں کو جہاد کرنے اور کافروں سے لڑنے کی اجازت دے دی گئی۔ بغوی نے لکھا ہے اہل تفسیر کا بیان ہے کہ مکہ کے مشرک، صحابہ کو بہت زیادہ ایذائیں دیتے تھے، صحابہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے تو کسی کا سر پھٹا ہوتا کوئی زخمی ہوتا کوئی پٹ کر آتا سب لوگ حضور ﷺ سے شکایت کرتے کہ ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیا جا رہا ہے، حضور ان کو تسلی دیتے اور فرماتے صبر رکھو ابھی مجھے لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے اس کے بعد یہ آیت ہجرت کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی۔

عبد الرزاق۔ عبد بن حمید، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بزار، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن حبان، حاکم، ابن

Marfat.com

مر دویہ، اور بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباس کے حوالہ سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے کہ کچھ اوپر ستر آیات میں قتال کی ممانعت کے بعد اجازت قتال کی یہ سب سے پہلی آیت نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم نے عروہ بن زبیر کی روایت سے اور عبد الرزاق وابن المنذر نے زہری کی روایت سے بھی اس کو تخریج کیا ہے۔ بغوی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان خاص لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کو جانے کے خیال سے نکلے تھے اور کافران کے لئے سنگ راہ بن کر رکاوٹیں ڈال رہے تھے۔ اس آیت میں اللہ نے ان کو کافروں اور رکاوٹ پیدا کرنے والوں سے لڑنے کی اجازت دے دی۔

بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا یعنی کافروں نے چونکہ ان پر زیادتیاں کی ہیں اور ناحق ایذائیں پہنچائی ہیں اس لئے ان کو بھی لڑنے کی اجازت دے دی گئی۔ مظلومیت کو اس آیت میں اجازت قتال کی علت قرار دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جن کافروں میں ظلم کرنے کی قوت نہیں ان سے مسلمانوں کا لڑنا اور ان کو قتل کرنا بھی جائز نہیں پس حربی کافروں کی عورتوں کو قتل کرنا باتفاق ائمہ ناجائز ہے ہاں اگر وہ مسلمانوں کے خلاف مشورہ دینے میں مددگار ہوں یا مالدار ہوں اور اپنے مال سے کافروں کی مدد کر رہی ہوں تو ان سے بھی جہاد کرنا جائز ہے۔ اور ان کو قتل کرنا درست ہے۔

اسی طرح ناکارہ بوڑھے، سادھو، راہب، نابینا، اپاہج، لنگڑے، لولے کسی کو قتل کرنا جائز نہیں۔ امام شافعیؒ کا ایک قول اس کے خلاف آیا ہے ان لوگوں کو قتل نہ کرنے کا حکم اس وقت ہے جب مسلمانوں سے لڑنے کے مشوروں اور تدبیروں میں شریک نہ ہوں اور اپنی دماغی اسکیموں سے مسلمانوں کے خلاف کافروں کی مدد نہ کرتے ہوں ورنہ بالاتفاق ان کا قتل جائز ہے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک مرتد عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ قید رکھا جائے گا اور اس وقت تک قید رکھا جائے گا جب تک وہ توبہ نہ کرلے یا قید ہی میں مر نہ جائے۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ارتداد کے حکم میں عورت مرد کی کوئی تفریق نہیں، دونوں کو قتل کیا جائے گا۔ ہماری دلیل حضرت عبد اللہ بن عمر کی حدیث ہے حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ رواہ الشیخان۔

حضرت رباح بن الربیع کا بیان ہے ہم ایک جہاد میں رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تھے، حضور ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ لوگ کسی چیز پر جمع ہیں آپ نے ایک آدمی کو بھیجا جو دیکھ کر آئے کہ کس چیز پر سب لوگ جمع ہے اس نے آکر اطلاع دی ایک مقتول عورت ہے جس پر لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے فرمایا یہ تو قتال نہیں کرتی تھی (یعنی مسلمانوں سے لڑنے کی اہل نہ تھی پھر کیوں اس کو قتل کیا گیا)۔ ہراول دستے کے کمانڈر اس وقت حضرت خالد بن ولید تھے، آپ نے ایک آدمی بھیج کر ان کو کہلوا دیا کہ کسی عورت کو قتل نہ کرنا اور نہ کسی مزدور (قلی) کو۔ رواہ ابوداؤد۔ اس حدیث میں لفظ عسیف کا ترجمہ شیخ فانی بھی کیا گیا ہے۔

مذکورہ حدیث میں لفظ امراۃ نکرہ ہے یعنی عام عورت کو خواہ کوئی ہو قتل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، اس میں کافرہ بھی شامل ہیں اور مرتدہ بھی۔ اس حدیث میں عورت کو قتل نہ کرنے کی علت یہ بتائی کہ وہ لڑتی نہیں (یعنی قتال و جنگ کی اہل نہیں) حنفیہ کہتے ہیں کسی عمل کی سزا و جزاء کا اصل مقام تو دار آخرت ہے، دنیا میدان عمل ہے اللہ نے فرمایا ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ دین میں جبر نہیں، یہ دنیا امتحان کا مقام ہے نتیجہ کی جگہ نہیں اب جو کچھ بعض اعمال کی حدود اور سزائیں اس زندگی میں دی جانے کے ضوابط مقرر کر دیئے، مثلاً قصاص، چوری، شراب خواری، زنا تہمت زنا وغیرہ کی سزائیں سو ان میں ہمارے ہی فائدہ مضمر ہیں اور ہماری ہی مصالح کا ان سے تعلق ہے جان، مال، آبرو، نسب اور عقل کی حفاظت مقصود ہے۔ مرتد کو قتل کرنے کا وجوب اسی وقت ہو گا جب اس کی جنگ شرارت اور قتال سے مسلمانوں کی حفاظت مقصود ہو، یہ قتل اس کے کافر ہونے کی سزا نہیں کفر کی سزا تو بہت بڑی ہے جو آخرت میں ملے گی۔ پس جو صنف قتال کی اہل ہے۔ یعنی مرد اگر مرتد ہو جائے تو اس کے شر سے بچنے کے لئے اس کو قتل کرنا ضروری ہو جائے گا اور جو صنف قتال کی اہل نہیں یعنی عورت، اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ اصلی کافر

Marfat.com

ہو یا مرتدہ۔ اسی لئے حربی کافروں کی عورتوں کو قتل کرنے سے حضور ﷺ نے ممانعت فرمادی۔ اگر کافر کا قتل کفر کی سزا ہوتی تو قتل کے بعد اس کا کفر سے پاک ہو جانا ضروری ہو جائے گا جیسے قصاص کے بعد قاتل کی تطہیر ہو جاتی ہے۔ پس مقتول کافر کو آخرت میں نجات یافتہ ہونا چاہئے لیکن ایسا نہیں ہے۔

مرتد عورت کے قتل کو واجب قرار دینے والے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو (مسلمان) اپنا مذہب بدل دے اس کو قتل کر دو۔ رواہ البخاری من حدیث ابن عباس۔ طبرانی نے معجم کبیر میں بروایت بہز بن حکیم اور الاوسط میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے بھی اس مضمون کی حدیثیں بیان کی ہیں۔ ان احادیث میں ہر مرتد کو قتل کر دینے کا حکم ہے خواہ مرد ہو یا عورت لفظ عام ہے۔

حنفیہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ مرتد کو قتل کر دینے کا حکم مخصوص البعض ہے دوسری احادیث میں عورتوں کو اس حکم سے الگ کر دیا گیا ہے اس لئے مرتد سے مراد مرتد مرد ہوگا۔ اگر عموم ہی مراد ہو تو پھر لازم آئے گا کہ جو کافر کفر کو چھوڑ کر مسلمان ہو جائے یا یہودیت چھوڑ کر عیسائی بن جائے اس کو بھی قتل کر دینے کا حکم ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے معلوم ہوا کہ من بدل دینہ کا لفظ اپنے عموم پر نہیں ہے، دوسری احادیث اس کی مخصص ہیں۔

میں کہتا ہوں مذکورہ الفاظ کے ساتھ حدیث مذکور کا جواب تو حنفیہ نے دے دیا لیکن حاکم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے۔ جو شخص مسلمانوں میں سے اپنا مذہب بدل دے اس کو قتل کر دو۔ اس روایت میں تبدیل دین کرنے والے مسلمان کو واجب القتل قرار دیا ہے اس لئے کفر چھوڑ کر مسلمان ہونے والوں یا دوسرے مذاہب کا باہم تبادلہ کرنے والوں پر حدیث کا حکم لاگو ہی نہیں ہوتا۔

حافظ ابن حجر نے کہا حکم کی روایت کردہ حدیث کے سلسلہ میں ایک راوی حفص بن عمر عدنی واقع ہے جو مختلف فیہ ہے (کچھ علماء نے اس کو مجروح کہا ہے)۔

قتل مرتدہ کے جواز کے قائل کہتے ہیں کہ حضرت جابر کی روایت سے منقول ہے کہ ایک عورت جس کو ام مروان کہا جاتا تھا مرتد ہو گئی رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا اس کے سامنے اسلام پیش کیا جائے اگر توبہ کر لے تو خیر ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ دار قطنی نے اس کو دو طریقوں سے روایت کیا ہے ایک طریق میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ اس عورت نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا، اس لئے اس کو قتل کر دیا گیا۔ حافظ ابن حجر نے کہا روایت کے دونوں طریق ضعیف ہیں۔ ابن ہمام نے لکھا اول روایت عمر بن رواحہ کی وجہ سے کمزور ہے اور دوسری روایت عبداللہ بن اذینہ کی وجہ سے۔ ابن حبان نے کہا اس کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

ایک اور حدیث حضرت عائشہؓ کی روایت سے آئی ہے کہ احد کے دن ایک عورت اسلام سے پھر گئی رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس سے توبہ کرائی جائے اگر انکار کرے تو قتل کر دی جائے۔ اس حدیث کی سند میں محمد بن عبدالملک واقع ہے جس کو علماء نے واضع الحدیث کہا ہے پھر مذکورہ احادیث ان دوسری احادیث کے بھی خلاف ہیں جو دوسرے طریقوں سے مروی ہیں۔

دار قطنی نے بروایت ابن عباس تخریج کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اگر عورت مرتد ہو جائے تو اس کو قتل نہ کیا جائے۔ اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن علیس جزری ہے جس کو دار قطنی نے کذاب واضع الحدیث کہا ہے۔

ابن عدی نے الکامل میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے تخریج کی ہے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک عورت مرتد ہو گئی مگر حضور ﷺ نے اس کو قتل نہیں کرایا، یہ روایت حفص بن سلیمان راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

طبرانی نے معجم میں حضرت معاذ بن جبل کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ان کو یعنی (حضرت معاذ کو) جب رسول اللہ ﷺ نے یمن کی طرف (گورنر بنا کر) بھیجا تو فرمایا، جو مرد اسلام سے پھر جائے اس کو پھر اسلام کی طرف بلانا، اگر وہ توبہ کر لے تو توبہ قبول کر لینا، اگر توبہ نہ کرے تو گردن مار دینا اور جو عورت اسلام سے پھر جائے تو اس کو اسلام کی دعوت دینا اور اگر توبہ کر لے تو

Marfat.com

قبول کر لینا اور انکار کرے تو اس کو اس کے حال پر قائم رکھنا۔

امام ابو یوسف نے بروایت امام ابو حنیفہ از عاصم بن ابی النجود از ابو رزین بیان کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا اگر عورتیں مرتد ہو جائیں تو ان کو قتل نہ کیا جائے بلکہ قید کر دیا جائے اور اسلام کی دعوت دی جائے اور مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے (یعنی اس وقت تک نہ چھوڑا جائے جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں جبر کرنے کا مطلب مارنا پیٹنا اور آب ودانہ بند کر دینا نہیں) بلاغات محمد میں بھی حضرت ابن عباس کی روایت سے ایسا ہی آیا ہے۔

عبدالرزاق نے بیان کیا ہے کہ ایک عورت عیسائی ہو گئی، حضرت عمر نے حکم دیا اس کو ایسی جگہ لے جا کر فروخت کر دو۔ جہاں اس پر محنت و مشقت کرنے کا بار پڑے ایسی جگہ فروخت نہ کرنا جہاں اس کے ہم مذہب لوگوں کی آبادی ہو، چنانچہ دومۃ الجندل میں لے جا کر اس کو فروخت کر دیا گیا) غالباً یہ عورت باندی ہو گی کیونکہ حرہ کی بیع تو صحیح نہیں ہے)۔

دار قطنی نے حضرت علی کا قول بیان کیا ہے کہ (مرتد) عورت سے توبہ کرائی جائے قتل نہ کی جائے۔ اس سند میں ایک شخص جلاس ہے جس کی وجہ سے یہ سند کمزور ہو گئی۔

مسئلہ: اگر کسی حربی کی عورت کو امام قتل کر دینے کا حکم دے دے تو عورت اصلی کافرہ ہو یا مرتدہ بہر حال امام کی مصلحت کے پیش نظر ایسا حکم جائز ہے۔ سورۃ الفتح کی تفسیر میں ہم نے لکھ دیا ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے مقرر کردہ مسلمان سرداروں کو حکم دے دیا تھا کہ جب مکہ میں داخل ہو تو سوائے اس شخص کے جو تم سے جنگ کرے اور کسی کو قتل نہ کرنا لیکن چند آدمیوں کے نام لے کر فرما دیا تھا کہ ان کو ضرور قتل کر دینا خواہ وہ کعبہ کے پردوں کے نیچے ہوں۔ ہم نے تفسیر سورۃ کے موقع پر ان کے نام بھی ذکر کر دیئے ہیں ان میں کچھ عورتیں بھی تھیں (جن کو قتل کرنے کی ہدایت فرمادی تھی) عبداللہ بن اخطل کی دو گانیکہ باندیاں، قرینہ اور قرنہ۔ چنانچہ قرینہ تو قتل کر دی گئی اور قرنہ مسلمان ہو گئی۔ یہ دونوں عورتیں پہلے مرتد ہو چکی تھیں ایک عورت عمر بن ہاشم کی آزاد کردہ باندی تھی اور ابو سفیا کی بیوی ہندہ بھی۔ یہ دونوں اصلی کافر تھیں اور فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئیں۔ واللہ اعلم۔

وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۝ اور بلاشبہ قطعاً اللہ ان کو فتحیاب کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ پہلے مسلمانوں سے وعدہ فرمایا تھا کہ ہم کافروں کی طرف سے ایذاؤں کو دور کر دیں گے اس آیت میں فتحیاب کرنے کا وعدہ ہے۔

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ (ان لوگوں کے لئے اجازت جہاد دی گئی) جن کو ان کے گھروں سے نکال باہر کر دیا گیا۔ یعنی مکہ والے گھروں سے نکال دیا گیا۔

بِغَيْرِ حَقٍّ ناحق۔ (محض ظلم سے جلاوطن کیا گیا)

اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ (جلاوطن کرنے کا ان کو کوئی حق نہ تھا) سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ کو رب کہنا کوئی جرم نہیں کہ جس کی پاداش میں ان کو جلاوطن کیا جاتا مگر کافروں کے خیال میں تو یہ بہت بڑا جرم تھا۔ آیت ربنا اللہ کہنے کو کافروں کے خیال کے بموجب جرم قرار دیا ہے۔ آیت میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ کافروں کو کوئی حق نہ تھا کہ مسلمانوں کو جلاوطن کرتے اگر ان کے خیال میں کوئی جرم تھا تو ایسا جرم تھا کہ اس کا جرم نہ ہونا ظاہر ہے۔ عرب کہتے ہیں فلاں شخص میں کوئی بھلائی نہیں اگر کوئی بھلائی ہے تو یہ ہے کہ وہ محسن کش ہے جو اس کے ساتھ بھلائی کرتا وہ اس کے عوض برائی کرتا ہے۔ گویا یہ دعویٰ مع دلیل ہے کافروں نے جلاوطن کیا اس حق کی بناء پر کہ مسلمان اللہ کو اپنا رب کہتے ہیں اور واقع میں یہ خوبی ہے برائی نہیں اس سے کافروں کو مسلمانوں کے گھر چھین لینے اور جلاوطن کرنے کا حق نہیں پیدا ہو جاتا معلوم ہوا کہ ظلماً جلاوطن کیا۔ یہی بلیغ اسلوب بیان آیت وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا تو ہم سے انتقام نہیں لیتا مگر اس بات کا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں میں ہے ایک شاعر نے کہا۔

وبلدۃ لیس بہا انیس الا الیعافیر و الا العیس

Marfat.com

اور شہر جس میں سوائے ہرنوں اور خاکی رنگ کے اونٹوں کے اور کوئی انیس نہیں ہے (اور ظاہر ہے کہ ہرنوں اور اونٹوں سے آدمی کی وحشت میں مزید اضافہ ہوتا ہے یہ چیزیں تو وحشت افزا ہیں انس آفریں نہیں)۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ الا ان یقولوا میں استثناء منقطع ہے اور الا بمعنی لکن کے ہے لیکن اس سبب سے ان کو نکالا گیا کہ وہ کہتے ہیں اللہ ہمارا رب ہے۔ حالانکہ یہ بات حق ہے یا یوں کہا جائے کہ مستثنیٰ منہ محذوف ہے یعنی کسی اور وجہ سے نہیں نکالا صرف ربنا اللہ کہنے کی وجہ سے نکالا، حالانکہ یہ بات حق ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ

[1] اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ سے دفع نہ کرتا تو تارک الدنیا درویشوں کی خانقاہیں اور عیسائیوں کے گرجا اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں ڈھادی جاتیں۔ یعنی اگر اللہ کافروں پر مسلمانوں کو اقتدار و تسلط نہ عطا کرے تو یہ سارے عبادت گھر تباہ کر دیئے جائیں (ہر مذہب والا دوسرے مذہب والوں کے عبادت خانہ کو ڈھادے) مجاہد اور ضحاک نے کہا صوامع سے مراد ہیں تارک الدنیا درویشوں کے عبادت خانے، خانقاہیں۔ قتادہ نے کہا صابیوں کے عبادت گھر مراد ہیں۔ بیع بیعة کی جمع ہے۔ عیسائیوں کے گرجا۔ صلوت یہودیوں کی عبادت گاہیں۔ عبرانی زبان میں یہودیوں کے عبادت خانو کو صلوت کہا جاتا تھا مساجد سے مراد ہیں مسلمانوں کی مسجدیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ سے دفع نہ کرتا تو ہر نبی کے دور میں اس کی امت کی عبادت خانے ڈھادیئے جاتے۔ حضرت موسیٰ کے عہد میں صابیوں کے عبادت گھر۔ حضرت عیسیٰ کے زمانے میں عیسائیوں کے گرجے اور صابیوں کے عبادت خانے (اور یہودیوں کے عبادت گھر) اور عہد محمدی ﷺ میں مسجدیں۔

يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا (وہ مسجدیں) جن کے اندر اللہ کا ذکر بہت کیا جاتا ہے۔ فیہا کی ضمیر یا مساجد کی طرف راجع ہے یا چاروں مذکورہ عبادت خانوں کی طرف۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کی (یعنی اس کے دین کی) مدد کرے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ بے شک اللہ قوت والا (اور) غلبہ والا ہے۔ یعنی ان کو فتحیاب کرنے کی قوت رکھتا ہے اور ایسا غالب ہے کہ اس کے غلبہ کو روکا نہیں جا سکتا۔ یہ سابق وعدہ کی تاکید ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ

وہ کہ جب ہم ان کو زمین میں اقتدار عطا کریں گے تو نماز قائم کریں گے اور زکوۃ ادا کریں گے اور بھلائی کا حکم کریں گے اور برائی سے باز داشت کریں گے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو جماؤ، قوت اور اقتدار عطا کرنے کا وعدہ ہے بظاہر یہ جملہ شرطیہ ہے لیکن واقع میں شرط بمعنی خبر ہے اور جملہ خبریہ ہے۔

آیت میں مومنوں کے جن اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے وہ صرف خلفاء راشدین ہی میں موجود تھے۔ گویا یہ دلیل ہے خلفاء راشدین کی خلافت راشدہ کی۔ دوسرے مہاجرین کو کامل اقتدار عطا نہیں کیا گیا اس لئے یہ سب مہاجرین مفہوم آیت کے مصداق نہ تھے اور معاویہ مہاجر ہی نہ تھے ان کے لئے بھی یہ بشارت نہیں ہو سکتی۔ یہ تفسیری مطلب اس وقت ہو گا جب الذین ان مکنهم الخ کو آخر جز کی صفت تقییدی مانا جائے۔ لیکن بعض اہل تفسیر نے کہا ہے کہ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ الخ من ینصرہ سے بدل ہے۔ مطلب اس طرح ہو گا، اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اللہ کے دین کی مدد کریں گے یعنی ان لوگوں کی مدد کرے گا کہ اللہ جب ان کو اقتدار عطا کرے گا تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوۃ دیں گے اور اس میں شک نہیں کہ اللہ نے اپنا

[1] ثابت بن عرفجہ تابعی نے کہا مجھ سے عبداللہ اور علی کے ۷۰ ساتھیوں نے کہا کہ حضرت علی نے فرمایا لو لا دفع اللہ الناس الخ کا مطلب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کے ذریعہ اللہ دوسروں کو دفع کرنا چاہتا تو عبادت خانے ڈھاہ دیئے جاتے۔ الخ یہ نصرت الٰہیہ کا وعدہ ہے۔

Marfat.com

یہ وعدہ پورا کیا، خلفاء راشدین کی مدد کی عرب کے جباروں، عجم کے شہنشاہوں اور روم کے پرحیروت جرالروں پر فتح عنایت فرمائی، کافروں کے ملک ان کو عطا فرما دیئے (یہ صلہ تھا اس بات کا کہ انہوں نے بھی اللہ کے دین کی مدد کی، نمازیں قائم کیں، قانون زکوٰۃ نافذ کیا۔ زکوٰۃ دی اور دلوائی خصوصاً حضرت ابو بکر نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف لشکر کشی کی اور کامیاب ہوئے اور ہر طرح کی برائی کی بیخ کنی بقوت ایمانی بتبلیغ لسانی اور بزور شمشیر کی)

وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾ اور تمام امور کا نتیجہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ تمام امور کارجوع اللہ کے فیصلہ کی طرف ہے۔ اس کلام میں وعدۂ سابقہ کی تاکید ہے۔ (کہ چونکہ ہر کام کا نتیجہ اللہ ہی کے دست قدرت میں ہے اس لئے وہ مہاجرین مذکور الصدر کو کامیاب ضرور فرمائے گا)۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ اور (اے محمد ﷺ یہ کفار مکہ) اگر آپ کو جھوٹا قرار دیتے ہیں۔

فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى تو (آپ رنجیدہ نہ ہوں غم نہ کریں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے) اس سے پہلے بھی قوم نوح (نوح) کو اور قوم عاد (ہود) کو اور قوم ثمود (صالح) کو اور قوم ابراہیم (ابراہیمؑ) کو اور قوم لوط (لوط) کو اور مدین والے (شعیب) کو جھوٹا قرار دے چکے ہیں اور موسیٰ کی بھی تکذیب کی جا چکی ہے۔ یہ سارا کلام اپنے اندر رسول اللہ ﷺ کے لئے پیام تسکین رکھتا ہے۔ ہر پیغمبر کی تکذیب اس کی قوم نے جس کی ہدایت کے لئے اس کو بھیجا گیا تھی۔ لیکن حضرت موسیٰ کی تکذیب بنی اسرائیل نے نہیں کی جو آپ کی قوم تھی۔ بلکہ قوم فرعون نے کی جو قبطی تھی اس لئے اسلوب عبارت بدل دیا گیا۔ تمام امتوں کے لئے کذبت (اقوام انبیاء نے انبیاء کی تکذیب کی) فرمایا اور حضرت موسیٰؑ کے ذکر میں کذب موسیٰؑ کی تکذیب کی گئی ہے فرمایا کس نے تکذیب کی اس کا ذکر نہیں کیا۔

یا یوں کہا جائے کہ حضرت موسیٰؑ کے معجزات بہت واضح تھے اس لئے آپ کے ان معجزات کی موجودگی میں تکذیب زیادہ قابل مذمت اور شنیع تھی، اسی لئے سب سے الگ حضرت موسیٰ کا ذکر کیا۔

فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾ سو میں نے کافروں کو مہلت دی (کچھ مدت تک عذاب ٹالے رکھا) آخر ان کو دھر پکڑا تو میرا انکار کیسا ہوا (کیسا رنگ لایا) کہ نعمت کو تکلیف سے، آبادی کو بربادی سے اور زندگی کی ہلاکت سے بدل دیا۔ یہ استفہام سوال کے لئے نہیں اللہ کو سب کچھ معلوم ہے اس کو سوال کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ تعجب آفرینی یا ہولناکی کے اظہار یا بیان عذاب کو پختہ کرنے کے لئے ہے کہ عذاب برمحل نازل کیا گیا۔

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا

اور بہت بستیوں کو ہم نے تباہ کر دیا کیونکہ وہ ظالم تھیں سو اب وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں۔ بستیوں کو تباہ کر دیا، یعنی بستیوں والوں کو کیونکہ وہ لوگ ظالم تھے۔ (ظلم کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو بے جگہ رکھنا) انہوں نے بھی مشرکانہ پوجا کو اللہ کی عبادت کے قائم مقام بنا لیا تھا اللہ کا انکار کرتے تھے اور بتوں کو مانتے تھے۔ فھی پس وہ یعنی ان کے مکانوں کی دیواریں چھتوں پر ڈھی پڑی ہیں یعنی پہلے چھتیں گریں پھر ان کے اوپر سے دیواریں آپڑیں۔ اس مطلب پر علی عروشھا کا تعلق خاویۃ سے ہوگا۔ اور خاویۃ کا مطلب ڈھنے والی یا گرنے والی۔ یا خاویۃ کا معنی ہے خالی، ویران۔ اس وقت علی عروشھا کا تعلق قائمۃ یا کائنۃ محذوف سے ہوگا، یعنی وہ بستیاں ویران پڑی ہیں اور اپنی چھتوں سمیت کھڑی ہیں (مکان ویران ہوگئے ان میں رہنے والا کوئی موجود نہیں چھتیں دیواروں پر قائم ہیں) یا یہ مطلب ہے کہ چھتیں گر گئیں اور دیواریں ان پر جھکی ہوئی ہیں ٹیڑھی ہوگئی ہیں۔

وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ اور بہت سے کنویں (یعنی بہت سے کنووں والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا اور کنویں) بے کار پڑے رہ گئے کوئی ان سے پانی کھینچنے والا ہی نہیں رہا۔

وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ اور بہت سے مضبوط محل ہم نے برباد کر دیئے۔ یعنی محلوں میں رہنے والوں کو تباہ کر دیا۔

Marfat.com

قتادہ، ضحاک اور مقاتل نے مشید کا ترجمہ کیا اونچے، بلند۔ شاد بناءہ اس کی عمارت کو اونچا کیا عربی محاورہ ہے۔ سعید بن جبیر عطاء اور مجاہد نے کہا شید کا معنی ہے چونہ، گچ، مصالحہ اس لئے مشید کا ترجمہ ہوا چونے اور گچ سے چنے ہوئے۔ (مضبوط)۔

بغوی نے لکھا ہے بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ اور قَصْرٍ مَّشِيْدٍ دونوں یمن میں تھے، قصر پہاڑ کی چوٹی پر تھا اور کنواں دامن کوہ میں، ہر ایک کے مالک کچھ لوگ تھے۔ بڑے عیش و راحت میں غرق لیکن جب انہوں نے کفر کیا تو اللہ نے ان کو تباہ کر دیا۔ اور کنواں ویران ہو گیا۔

ابو روق نے ضحاک کے حوالے سے بیان کیا وہ کنواں حضر موت کے ایک شہر میں تھا۔ شہر کا نام حاصورا تھا۔ یہ شہر ان چار ہزار مومنوں نے آباد کیا تھا جو حضرت صالح کے ہم رکاب حضر موت میں آگئے تھے اسی حضر موت میں حضرت صالح کی وفات ہو گئی اسی لئے اس بستی کو حضر موت کہنے لگے (یعنی حضرت صالح یہاں آئے اور یہیں مر گئے) آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے (ایک حصار فصیل قائم کر دی یعنی) حاصورا کی تعمیر کی اور کنویں پر مستقل قیام کر لیا۔ اور اپنے آدمیوں میں ایک شخص کو امیر اور حاکم بنا لیا مدت دراز تک رہتے رہے نسلیں بڑھیں اور آبادی وسیع ہو گئی۔ آخر کچھ لوگ بگڑ گئے اور بتوں کی پوجا کرنے لگے۔ اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے حنظلہ بن صفوان کو نبی بنا کر بھیجا۔ حضرت حنظلہ قلی تھے لوگوں کا بوجھ اٹھایا کرتے تھے، آپ نے نصیحت کی، قوم نے نصیحت نہ مانی، تکذیب کی اور بازار میں آپ کو قتل کر دیا، نتیجہ میں اللہ نے ان کو بھی تباہ کر دیا، ان کے محل ویران اور کنویں بے کار پڑے رہ گئے۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ

سو کیا یہ (منکر) لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل ایسے ہو جاتے کہ ان سے سمجھنے لگتے اور ایسے کان ہو جاتے جن سے وہ سننے لگتے۔

افلم یسیروا کا عطف محذوف فعل پر ہے پورا کلام اس طرح ہوگا کیا یہ لوگ گھروں سے نہیں نکلے اور ملک میں گھومے پھرے نہیں۔

یعقلون بھا یعنی ایسے دل ہوتے جن سے وہ ان امور کو سمجھتے جن کو سمجھنا لازم ہے، یعنی ان کو بصیرت حاصل ہوتی جس سے اللہ کی توحید کامل کو سمجھتے۔

او اذان الخ یا ان کے کان ہوتے جن سے حق کی آواز سنتے۔ گویا ملک میں چلنے پھرنے کا نتیجہ یہ نکلتا کہ توحید کو سمجھنے والی بصیرت حاصل ہوتی اور نداء حق سننے والے کان۔

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝۴۶

بات یہ ہے کہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں بلکہ وہ دل نابینا ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔ یعنی ان کی آنکھیں بینائی سے محروم نہیں ہیں کہ اقوام ہالکہ کے فرسودہ آثار قدیمہ سفر کے دوران ان کو دکھائی نہ دیں مگر ان کی نظر عبرت اندوز نہیں ہے۔ آیات توحید کو دیکھتے ہیں اور توحید کا عقیدہ نہیں رکھتے دلائل حق کو سنتے ہیں مگر دماغ میں ان کو جگہ نہیں دیتے۔ وجہ یہ ہے آنکھیں بینا ہونے کے باوجود ان کے دل نابینا ہیں وہ فاقد البصر نہیں، فاقد البصیرت ہیں اور دل بھی وہ جو سینوں میں ہیں (یعنی دلوں سے مراد قوت مدرکہ نہیں بلکہ وہ دل مراد ہیں جو مرکز ایمان ہوتے ہیں جو نور توحید کو دیکھتے ہیں)

آیت میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ حقیقی نابینائی آنکھ کا اندھا پن نہیں بلکہ کور بصیرت ہونا ہے۔

قتادہ نے کہا آنکھ کی بینائی مرئی تک پہنچنے اور فائدہ اٹھانے کا ایک ذریعہ ہے اور دل کی بینائی حقیقت میں فائدہ بخش بینائی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ دل کا نابینا ہونا بدترین اندھا پن ہے (رواہ البیہقی فی الدلائل وابن عساکر عن عقبۃ بن

Marfat.com

عامر الجہنمی وابو النصر السجزی فی الابانۃ عن ابی الدرداء ورواہ الشافعیؒ عن ابن مسعودؓ موقوفاً)۔

آیت میں دل کی نابینائی سے مراد ہے دل کے تمام آلات علم وشعور کا مفقود ہو جانا گویا یوں فرمایا ان کے دلوں کی آنکھیں نابینا اور کان بہرے ہو گئے ہیں۔ (یعنی نابینائی سے صرف نابینائی ہی مراد نہیں جو آنکھوں کا عارضہ ہے بلکہ گوش قلب کا بہرا ہو جانا بھی اس میں داخل ہے۔)

بیضاوی نے لکھا ہے جب آیت وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى ۔ نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن ام مکتوم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں دنیا میں نابینا ہوں تو آخرت میں بھی نابینا رہوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

میں کہتا ہوں ابن ابی حاتم نے قتادہ کا قول (اسی سے ملتا جلتا) نقل کیا ہے۔ قتادہ نے فرمایا ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن زائدہ یعنی ابن ام مکتوم کے حق میں نازل ہوئی۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ اور (جس عذاب کی ان کو وعید سنائی جا رہی ہے اس) عذاب کا نزول یہ لوگ آپ سے جلد چاہتے ہیں۔ اس جملہ میں کافروں کے دلوں کے نابینا ہونے کا ایک طرح کا ثبوت پیش کیا گیا ہے جو شخص عذاب میں مبتلا ہو جانے کا فوری خواستگار ہو وہ دل کا اندھا ہی ہوگا۔

بغوی نے لکھا ہے یہ آیت نضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی جس نے دعا کی تھی اے اللہ اگر یہ جو محمد ﷺ پیش کر رہے ہیں تیری طرف سے حق ہے اور یہ سچے ہیں اور ہم کو اس سے انکار ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔

وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ اور اللہ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔ کیونکہ اللہ کی دی ہوئی خبر کے خلاف ہونا ممکن نہیں۔ اللہ نے جس عذاب کی وعید ان کو دی ہے وہ لامحالہ آکر رہے گا خواہ کچھ مدت کے بعد آئے۔ اللہ فوری سزا نہیں دیتا اس کا حکم بہت بڑا ہے۔ چنانچہ یہ وعید عذاب بدر کے دن پوری ہو گئی۔ اس آیت سے بظاہر ثابت ہو رہا ہے کہ جس طرح ثواب کے وعدے کا پورا نہ ہونا محال ہے، اسی طرح عذاب کی وعید کے خلاف ہونا ناممکن ہے۔ لیکن کیا اس سے اللہ کی صفت مغفرت معدوم ہو جائے گی کیونکہ گناہوں پر وعید اور نیکیوں پر ثواب کا وعدہ جب پورا ہو کر رہے گا تو پھر گناہوں کی مغفرت کی کیا گنجائش باقی رہتی ہے) حقیقت یہ ہے کہ آیات عذاب بعبارت قرآن وحدیث وباجماع علماء ناقابل مغفرت فرقہ کے ساتھ مخصوص ہیں (یعنی مشرکوں پر عذاب ضرور آئے گا۔ جو شرک پر مر گیا ہو یا اللہ کے علم میں ہو کہ شرک پر مرے گا اس کا عذاب میں مبتلا ہونا یقینی ہے اس کو اللہ کی صفت مغفرت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، باقی دوسرے گناہ گار تو ان کو عذاب میں مبتلا کرنے کا کوئی قطعی وعدہ نہیں اس لئے ان کی مغفرت ممکن ہے (ان کی مغفرت سے وعید الٰہی کا کذب لازم نہیں آتا)۔

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ اور آپ کے رب کے پاس کا ایک دن (یعنی قیامت کا دن لمبائی میں) تم لوگوں کی گنتی کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ عطا کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کا معنی یہ بیان کیا کہ اللہ کے پاس کا ایک دن اور تمہارے ایک ہزار سال مہلت دینے میں برابر ہیں کیونکہ اللہ قادر ہے جب چاہے گا پکڑ لے گا کوئی چیز اس کے قبضہ سے باہر نہیں ہے تاخیر کی وجہ سے کوئی چیز اللہ کی دست قدرت سے باہر نہیں سکتی۔ عذاب کو فوراً نازل کر دینا اور کچھ مدت مؤخر کر دینا دونوں باتیں اس کی قدرت کے لئے مساوی ہیں بعض اہل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جس عذاب موعود کے یہ لوگ فوری طلب گار ہیں اس کا ایک دن شدت تکلیف اور طول میں انسانوں کی گنتی کے ہزار سال کے برابر ہے سچ ہے غم کے دن لمبے ہوتے ہیں اور خوشی کے دن چھوٹے۔ پھر ایسے عذاب کے یہ فور طلب گار کیوں ہیں جس کا ایک دن ہزار برس کے برابر ہے۔

بعض اہل علم نے کہا یہ اللہ کے حلم کی انتہاء کا اظہار ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنے وعدے کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا لیکن اس نے عذاب کو اس دن تک مؤخر کر رکھا ہے جو تمہارے ہزار سال کے برابر ہوگا (یعنی قیامت کا دن)۔ مجاہد و عکرمہ نے کہا ایام آخرت کا ایک دن تمہارے ہزار سال کے برابر ہوگا اس کی تائید حضرت ابو سعید خدری کی اس روایت سے ہوتی ہے

Marfat.com

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے فقراء مہاجرین کے گروہ تم کو بشارت ہو کہ قیامت کے دن تم کو نور کامل حاصل ہو گا تم جنت کے اندر مالداروں سے آدھا دن پہلے داخل ہو گے اور تمہارے رب کا ایک دن تمہارے ہزار سال کے برابر ہو گا۔ رواہ احمد، ترمذی نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے اور اس کو حسن کہا ہے۔

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جنت کے اندر فقراء دولت مندوں سے پانچ سو برس اور آدھا دن پہلے داخل ہوں گے۔ رواہ الترمذی۔

ع ۱۳ وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا ۚ وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿٤٨﴾

اور بہت سی بستیوں والوں کو میں نے مہلت دی اور وہ (تمہاری طرح) بے جا حرکتیں کرنے والے (کافر) تھے پھر میں نے ان کو دھر پکڑا اور میرے ہی (حکم کی) طرف (ان کو) لوٹ کر آنا ہو یا لوٹ کر (سب کو) آنا ہے۔

اس آیت میں شہادت پیش کی گئی ہے اس امر کی کہ اللہ اپنی وعید عذاب کے خلاف نہیں کرتا اور تاخیر عذاب سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ عذاب آئندہ نہیں آئے گا تاخیر عذاب اللہ کا دستور حکم ہی ہے دیکھو بہت سی ظالم بستیاں ایسی گزر چکی ہیں جن کو فوری عذاب میں مبتلا نہیں کیا گیا مہلت اور ڈھیل دی گئی اور آخر ان کو پکڑ لیا گیا۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٤٩﴾ اے محمد ﷺ کفار مکہ سے آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف تم کو کھول کر اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ یعنی عذاب نے آنے پر قادر نہیں ہوں واضح الفاظ میں وعید عذاب سنانا میرا کام ہے۔

رسول اللہ ﷺ بشیر بھی تھے اور نذیر بھی پھر صرف نذیر ہونے کا کیوں حکم دیا گیا

مشرکین ہی عذاب آنے کی جلدی مچاتے تھے اور خطاب کا رخ انہی کی طرف تھا اہل ایمان کے ثواب کا ذکر تو کافروں کے غصہ کو اور بھڑکانے والا تھا اس لئے صرف نذیر کا ذکر کیا نذیر کے ساتھ بشیر نہیں فرمایا۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بشارت سے تخویف مقدم ہوتی ہے بشارت تو صرف فرماں برداروں کے لئے ہوتی ہے اور تخویف دونوں فریقوں کے لئے عام ہے۔

صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے جو پیام مجھے دے کر بھیجا ہے اس کی اور میری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے اپنی قوم کو آکر متنبہ کیا اور کہا میں نے اپنی آنکھوں سے دشمن کے لشکر کو پہاڑ کے اس طرف دیکھا ہے اور میں تمہارے لئے نذیر عریاں ہوں پس جلدی کرو۔ جلدی کرو۔ اور (بھاگو بھاگو) کچھ لوگوں نے اطلاع دینے والے کی بات مان لی اور رات سے ہی چل دیئے اور فرصت کو غنیمت سمجھ کر روانہ ہو گئے اور بچ گئے اور کچھ لوگوں نے اس کے کہے کو سچ نہ جانا اور صبح تک وہ اپنی جگہ پر رہے نتیجہ یہ نکلا کہ صبح کو دشمن کے لشکر نے ان پر حملہ کر دیا سب کو غارت کر دیا اور ان کی جڑ اکھاڑ کر رکھ دی۔ یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے میرا کہا مانا اور جو کچھ میں لایا ہوں اس پر چلے اور ان لوگوں کی جنہوں نے میرا کہا نہ مانا اور جو حق میں لے آیا ہوں اس کی انہوں نے تکذیب کی۔

فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٥٠﴾

پس جن لوگوں نے (میرے لائے ہوئے پیام کو) مان لیا اور نیک کام کئے (یعنی جن کاموں کا میں نے حکم دیا اس کی انہوں نے تعمیل کی) انہی کے لئے (گزشتہ گناہوں کی) معافی ہے اور عزت کی روزی (یعنی جنت) ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام ان گناہوں کو ڈھا دیتا ہے جو پہلے کئے ہوئے ہوتے ہیں رواہ مسلم عن عمرو بن العاص۔

وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿٥١﴾

اور جو لوگ (رد کرنے کے لئے) ہماری آیات کے متعلق کوشش کرتے رہتے ہیں (پیغمبر اور اہل ایمان کو) ہرانے کے لئے ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں۔

Marfat.com

معجزین یعنی عناد اور سخت مخالفت کا مظاہرہ کرتے ہوئے۔ قتادہ نے یہ مطلب بیان کیا کہ وہ اپنے خیال میں ہمیں ہرانا چاہتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ نہ قیامت ہوگی نہ جنت و دوزخ۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ ہمارے قبضہ سے نکل جائیں گے ہم ان پر قادر نہ ہو سکیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ ہم سے مقابلہ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم پر غالب آجائیں اور ہماری گرفت سے باہر ہو جائیں۔

میں کہتا ہوں معجزین کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے رسول کو عاجز بنا دینا چاہتے ہیں، پیغمبر ﷺ تو ان کو دوزخ میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اور وہ جہنم میں (زور کر کے) گھسے جاتے ہیں۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ روشن کی جب آگ خوب روشن ہوگئی اور گرد و پیش میں روشنی پھیل گئی تو پروانے اور یہ کیڑے مکوڑے جو آگ میں گرا کرتے ہیں اس میں گرنے لگے وہ شخص پتنگوں اور کیڑوں کو آگ میں گرنے سے روکتا رہا مگر پتنگے اس پر غالب آئے اور آگ میں گھسنے لگے میں بھی اسی طرح تم کو کمر پکڑ پکڑ کر دوزخ میں گھسنے سے روک رہا ہوں اور تم اس کے اندر گھسے پڑتے ہو۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباس اور محمد بن کعب قرظی نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ سے آپ کی قوم والوں نے رخ پھیر لیا اور کلام اللہ سے ان کا دور دور رہنا حضور کو شاق گزرا تو آپ کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش اللہ کی طرف سے کوئی طریقہ ایسا پیدا ہو جاتا جس سے قوم والے آپ کے قریب آجاتے آپ کو قوم والوں کے مسلمان ہو جانے کی بڑی ہی رغبت تھی۔ چنانچہ ایک روز آپ قریش کے جلسہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ سورۃ النجم نازل ہوئی آپ نے لوگوں کے سامنے پڑھ کر سنائی جب پڑھتے پڑھتے آیت اَفَرَأَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى پر پہنچے تو شیطان نے وہ دلی خواہش جو آپ کے سینہ میں پیدا ہوتی رہتی تھی زبان سے نکلوا دی اور (بے ارادہ) آپ کی زبان سے آیت مذکورہ کے بعد نکل گیا تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی قریش نے جو یہ الفاظ سنے تو بڑے خوش ہوئے اور رسول اللہ ﷺ اپنی تلاوت میں مستغرق رہے اور اس طرح سورۃ ختم کرلی تو آخر سورہ میں سجدہ کیا۔ آپ کے سجدہ کرنے کی وجہ سے تمام مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا اور کعبہ میں جو مشرک موجود تھے انہوں نے بھی سجدہ کیا۔ کوئی مسلمان یا مشرک بغیر سجدہ کئے نہیں رہا صرف ولید بن مغیرہ اور سعید بن عاص نے سجدہ نہیں کیا اور ایک ایک مٹھی کنکریاں اٹھا کر اپنی پیشانی سے لگالیں اور بولے ہمارے لئے یہی کافی ہے بات یہ تھی کہ یہ دونوں بہت بوڑھے تھے سجدہ کرنے کی ان میں طاقت نہ تھی اس کے بعد قریش منتشر ہوگئے اور اپنے معبودوں کا جو ذکر سنا تھا اس سے بڑے خوش تھے اور کہہ رہے تھے اب تو محمد ﷺ نے بھی ہمارے معبودوں کا ذکر اچھے الفاظ میں کر دیا، ہم کو اقرار ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اللہ ہی زندگی اور موت دیتا ہے وہی پیدا کرتا اور رزق دیتا ہے لیکن ہمارے یہ معبود اللہ کے دربار میں ہماری سفارش کریں گے۔ اب جبکہ محمد ﷺ نے بھی ان کو ان کا حصہ دے دیا تو اب ہم محمد کے ساتھ ہیں۔

غرض شام ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبرئیل آئے اور کہا محمد ﷺ آپ نے یہ کیا کیا کہ جو کلام میں آپ کے پاس اللہ کی طرف سے لایا تھا، اس کے سوا دوسرے کلام کی لوگوں کے سامنے آپ نے تلاوت کی۔ حضور والا یہ بات سن کر بہت غمگین ہوئے اور آپ کو اللہ کی طرف سے عتاب کا بڑا ڈر لگا اس پر اللہ نے آیت وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ الخ نازل ہوئی اس میں اللہ نے آپ کو تسلی عطا فرمائی ہے جو صحابی اس زمانہ میں حبش میں تھے ان کو جو اطلاع ملی کہ قریش نے بھی سجدہ کیا اور یہ بھی کہا گیا کہ قریش مسلمان ہوگئے تو ان میں سے اکثر لوگ اپنے اپنے قبائل میں واپسی کے ارادے سے چل دیئے اور بولے مکہ والوں سے ہمیں محبت ہے لیکن جب مکہ کے قریب پہنچے تو ان کو اطلاع ملی کہ اہل مکہ کے مسلمان ہونے کی جو خبر ان کو پہنچی تھی وہ غلط تھی چنانچہ یہ لوگ مکہ میں یا چھپ چھپا کر داخل ہوئے یا کسی کی پناہ لے کر۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِىْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ

اور (اے محمد!) آپ سے پہلے بھی ہم نے کوئی رسول اللہ ﷺ اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا مگر (اس کو قصہ ضرور پیش

Marfat.com

آیا کہ) جب اس نے اللہ کا کچھ کلام پڑھا تو شیطان نے اس کے پڑھنے میں مداخلت ضرور کی۔
بغوی نے لکھا ہے رسول وہ ہوتا ہے جس کے سامنے رودررو ہو کر جبرئیلؑ آئے اور نبی وہ ہوتا ہے جس کی نبوت بصورت الہام یا بصورت خواب ہو۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ رسول وہ ہے جس کو نئی شریعت دے کر بھیجا گیا ہو اور نبی کا لفظ عام ہے۔ رسول بھی نبی ہوتا ہے اور وہ شخص نبی ہوتا ہے جس کو سابق شریعت کی دعوت دینے اور اس کی تائید کرنے کے لئے بھیجا گیا ہو جیسے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ کے درمیان اسرائیلی انبیاء تھے اس قول پر ہر رسول کا تو نبی ہونا لازم ہے اور ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں۔

حضرت ابوذر کا بیان ہے میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ سب سے پہلا نبی کونسا ہوا۔ فرمایا، آدمؑ عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا آدم نبی بھی تھے فرمایا، ہاں ایسے نبی تھے، جن سے کلام کیا گیا تھا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مرسل کتنے ہوئے فرمایا ایک بڑی جماعت تین سو اور کچھ اوپر دس۔

حضرت ابو امامہ کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوذر نے بیان کیا میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ انبیاء کی پوری گنتی کتنی ہوئی۔ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار، ایک بڑی جماعت، ان میں تین سو پندرہ۔ رسول ہوئے۔ رواہ احمد وابن راہویہ فی مسندیہما وابن حبان فی صحیحہ والحاکم فی المستدرک۔

اِذَا تَمَنّٰٓی کا ترجمہ بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے جب اس نے پسند کیا جب اس نے دلی خواہش کی۔ جب اس نے دل ہی دل میں ایسی بات کی جس کا علم اس کو نہیں دیا گیا تھا (تمنی کا صحیح ترجمہ قرء ہے جو ہم نے ترجمۂ آیت کے ذیل میں لکھ دیا ہے)۔
اَلْقَی الشَّیْطٰنُ سے مراد ہے وسوسہ ڈالنا۔ وسوسہ کا راستہ پالینا اور مراد نبی میں (کچھ) ڈال دینا کوئی نبی ایسا نہیں ہوا کہ جب اس نے قوم کے ایمان لانے کی تمنا کی ہو اور شیطان نے اس کی تمنا میں کوئی ایسی بات نہ ڈال دی ہو، جو اس کی قوم کے لئے دل پسند ہو۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ جب پیغمبر اپنے دل کے اندر اپنی غلط مرغوبات پیدا کرلیتا ہے تو شیطان اس کے دل پسند خیال میں ایسی بات ڈال دیتا ہے جو دنیا میں انہماک کا موجب ہوتی ہے۔

فَیَنْسَخُ اللّٰہُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ پھر اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے خیال کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔ یعنی شیطان کے وسوسہ کو نابود کر دیتا ہے، زائل کر دیتا ہے، پیغمبر کو اس خیال کی طرف جھکنے سے محفوظ رکھتا ہے اور ایسا راستہ بتا دیتا ہے کہ شیطانی وسوسہ دور ہو جائے۔

ثُمَّ یُحْکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ اس کے بعد اللہ اپنی آیات کو (اور) مضبوط کر دیتا ہے۔ یعنی ایسی آیات کو محکم کر دیتا ہے جو امر آخرت میں پیغمبر کے استغراق کا موجب ہوتی ہیں (دنیوی خیال بالکل زائل کر دیتا ہے) اکثر اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ تمنی کا معنی ہے پڑھا اور امنیة کا معنی ہے قرات یعنی پیغمبر نے جب اللہ کی کتاب پڑھی تو شیطان نے اس کی قرات میں مداخلت کی۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ایک شاعر نے کہا۔

تمنی کتاب اللّٰہ اول لیلة واخرها لاقی حمام المقادر

شروع رات میں آپ نے کتاب اللہ کی تلاوت کی اور آخر رات میں موت مقدرہ سے ملاقات کی۔

ایک قوی شبہ

رسول اللہ ﷺ معصوم تھے، اصل دین (قرآن) میں آپ سے غلطی ممکن نہ تھی، اللہ نے فرمایا ہے لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه شیطان اس کے پاس نہیں آسکتا نہ آگے سے نہ پیچھے سے اسی وجہ سے بیضاوی نے اس سارے قصے کو جو آیت کے نزول کے سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے، ماننے سے انکار کر دیا ہے اور صراحت کی ہے کہ اہل تحقیق کی نظر میں یہ

Marfat.com

ساری داستان غلط ہے۔ لیکن شیخ جلال الدین سیوطی نے کہا ہے کہ اس قصہ کو بزار اور ابن مردویہ اور طبرانی نے براویت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بزار نے اس قصہ کو صرف اسی اسناد سے متصلاً ذکر کیا ہے ورنہ اور کوئی سند متصل نہیں ہے اور اس متصل سند میں امیہ بن خالد راوی بیچ کا حلقۂ اتصال ہے اور یہ راوی مشہور ثقہ ہے۔ ابن ابی حاتم ابن جریر اور ابن المنذر نے صحیح سند سے بروایت سعید بن جبیر مرسلاً بیان کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ مکہ میں تھے کہ سورۂ والنجم نازل ہوئی، اور آپ نے لوگوں کے سامنے اس کو پڑھا پڑھتے پڑھتے جب آیت اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰی وَ مَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی تک پہنچے تو شیطان نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے تلک الغرانیق العلی و ان شفا عتھن لترتجی۔ مشرک یہ الفاظ سن کر کہنے لگے محمد ﷺ نے اس سے پہلے تو ہمارے معبودوں کا ذکر کبھی بھلائی کے ساتھ نہیں کیا رسول اللہ ﷺ نے سورت پڑھ کر سجدہ کیا اور مشرکوں نے بھی سجدہ کیا، اس پر آیت وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ الخ نازل ہوئی۔

نحاس نے متصل سند کے ساتھ اس قصہ کی روایت کی حضرت ابن عباس کی طرف نسبت کی ہے لیکن اس سند میں واقدی راوی ہے جو غیر معتبر ہے۔

ابن مردویہ نے بطریق کلبی از ابو صالح از ابن عباس..... اس کو بیان کیا ہے (اور کلبی غیر معتبر ہے)۔

ابن جریر نے بحوالہ عوفی از ابن عباس اس کو بیان کیا ہے۔ محمد بن اسحاق نے السیرۃ میں محمد بن کعب کی روایت سے۔ اور المغازی میں ابن شہاب کی روایت سے اور ابن جریر نے محمد بن کعب و محمد بن قیس کی وساطت سے اور ابن ابی حاتم نے سدی کے حوالہ سے یہ قصہ بیان کیا ہے اور سب روایتوں کا مطلب ایک ہی ہے اور ساری رایتیں یا ضعیف ہیں یا منقطع لہٰذا سعید بن جبیر کی اول الذکر روایت جو بزار، ابن مردویہ اور طبرانی نے نقل کی ہے ضرور متصل اور قوی ہے۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے طرق روایت کی کثرت سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس قصہ کی کچھ اصل ہے خواہ سارے طرق روایت کمزور ہوں اور رویات کے دو طریقے ایسے بھی ہیں کہ گو دونوں مرسل ہیں لیکن صحیحین کی شرط کے مطابق ہیں ان طریقوں سے یہ قصہ مرسلاً ضرور ثابت ہوتا ہے ایک سلسلہ روایت طبرانی کا بیان کردہ ہے یونس بن یزید ابن شہاب زہری از ابو بکر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام اور دوسرا سلسلہ روایت بھی طبرانی نے ہی بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہے معتمر بن سلیمان و حماد بن سلمہ از داؤد از ابو ہند از ابو العالیہ۔

علماء نے مختلف طور پر اس شبہ کا جواب دیا ہے (۱) رسول اللہ ﷺ نے یہ الفاظ نہیں پڑھے تھے۔ نہ صحابہ نے یہ الفاظ آپ کی زبان سے نکلتے سنے صرف شیطان نے (آپ کی آواز بنا کر) مشرکوں کے کانوں میں یہ الفاظ ڈال دیئے۔ مشرکوں نے خیال کر لیا کہ یہ الفاظ محمد ﷺ نے کہے ہیں (۲) قتادہ نے کہا رسول اللہ ﷺ کی حالت اس وقت نیم بیہوشی کی تھی کہ القاء شیطانی کی وجہ سے یہ الفاظ آپ کی زبان سے سہواً نکل گئے۔ لیکن فوراً ہی[۱] اللہ نے آپ کو متنبہ فرما دیا۔ یہ قول بھی آیا ہے کہ ایک شیطان نے

---

[۱] قاضی عیاض نے شفاء میں لکھا ہے کہ کسی صحیح الروایت عالم نے اس قصہ کی تخریج نہیں کی اور نہ کسی متصل صحیح سند سے اس کی روایت ثابت ہے ایسی پر غرابت داستانیں مورخین اور مفسرین ہی بیان کرتے ہیں جو ہر صحیح و غلط قصہ کتابوں سے نقل کرتے ہیں (اور اصحاب روایت و حدیث کے معیار پر کس کر نہیں دیکھتے کہ یہ سونا ہے یا پیتل) سچ کہا ہے قاضی بکر بن علاء مالکی نے کہ بعض اہل ہوا بدعتی اہل تفسیر کے پیچھے پیچھے لوگ چلنے لگتے ہیں اور باوجودیکہ روایت کو نقل کرنے والے ضعیف ہوتے ہیں روایت میں بھی اضطراب ہوتا ہے، سندیں بھی منقطع ہوتی ہے اور الفاظ میں بھی اختلاف ہوتا ہے لیکن بے دین ملحد پھر بھی انہی روایات سے چمٹے رہتے ہیں۔ اسی قصہ کے سلسلہ میں اہل رایت کے اقوال مختلف ہیں کوئی کہتا ہوں یہ واقعہ نماز کے اندر کا ہے کوئی کہتا ہے اس سورہ کے نزول تلاوت کے وقت رسول اللہ ﷺ قوم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے دل میں خود ہی یہ خیال سہواً پیدا ہوا تھا اور اونگھنے کی حالت میں یہ بات ہو گئی بعض قائل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی آواز بنا کر شیطان نے کلمات کہے تھے جب حضور ﷺ کو اس کی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

جس کو ابیض (گورا شیطان) کہا جاتا ہے، یہ حرکت کی تھی اور یہ ایک بڑی آزمائش تھی، اللہ اپنے بندوں کی طرح طرح سے آزمائش کرتا ہی ہے۔ اگر شبہ کیا جائے کہ کوئی صورت بھی ہوئی ہو خواہ شیطان نے رسول اللہ ﷺ کی آواز میں پڑھا ہو اور لوگوں نے سمجھا ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ الفاظ پڑھے ہیں یا نیم بیہوشی کی حالت میں یہ الفاظ آپ کی زبان سے نکل گئے ہوں بہر حال اگر اس کو مان لیا جائے تو قرآن پر اعتماد ہی فوت ہو جائے گا کیا معلوم کہ حضور ﷺ نے کس حالت میں اس کو پڑھ کر سنایا اور کیا سنایا، یا شیطان نے آپ کی آواز بنا کر پڑھ دیا۔

اس شبہ کا جواب اس طرح دیا جا سکتا ہے کہ قرآن پر اعتماد کے لئے تو اتنا کافی ہے کہ اللہ نے اس کے بعد خود ہی فرما دیا ہے فَيَنۡسَخُ اللّٰهُ مَا يُلۡقِى الشَّيۡطٰنُ ثُمَّ يُحۡكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ یعنی پھر اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو نابود کر دیتا ہے، جو شیطان الفاظ ہوتے ہیں ان کو زائل کر دیتا ہے اور ظاہر کر دیتا ہے کہ یہ القاء شیطانی ہے پھر نازل کردہ آیات کو قائم رکھتا ہے اور القاء شیطانی سے ان کو محفوظ بنا دیتا ہے۔ اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ آیت فینسخ اللّٰہ الخ بھی تو قابل اعتماد نہیں ہو گی جب پورا قرآن ناقابل وثوق ہو جائے گا تو یہ آیت کیسے قابل یقین ہو گی۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ عقل و برہان کا تقاضا ہے کہ جب اللہ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو اصول دین (قرآن) کو بیان کرنے میں پیغمبر کو ہر غلطی اور نسیان سے ضرور محفوظ بنا دیا ہو گا یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ پیغمبر کو اصل دین کے اظہار میں معصوم و محفوظ ہونا چاہیے اس لئے آیت فینسخ اللّٰہ اور دوسری تمام محکم آیات اور ضوابط و احکام ناقابل شک ہیں اللہ نے ان کو محکم بنا دیا ہے تاکہ اہل علم کو معلوم ہو جائے اور وہ یقین رکھیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں اور حق ہیں اور یہ یقین کر لینے کے بعد ان کے دل اللہ کے سامنے جھک جائیں اور خشوع کے ساتھ خوف زدہ ہو جائیں۔

وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۵۲﴾ اور اللہ خوب جاننے والا (اور) حکمت والا ہے یعنی لوگوں کے احوال اور صلاحیتوں کو اللہ خوب جانتا ہے جو ہدایت کا مستحق ہوتا ہے اس کو ہدایت یاب کرتا ہے اور جو گمراہی کا مستحق ہوتا ہے اس کو گمراہ کر دیتا ہے وہ جو کچھ کرتا ہے حکمت سے کرتا ہے کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو کچھ اللہ نے پیغمبر کے پاس وحی بھیجی اور شیطان نے جو کچھ کرنے کا ارادہ کیا اللہ سب کو خوب جانتا ہے اور چونکہ وہ حکمت والا ہے اس لئے شیطان کے القاء کو زائل کر دیتا اور ارادۂ شیطان کو ناکام بنا دیتا ہے۔

لِّيَجۡعَلَ مَا يُلۡقِى الشَّيۡطٰنُ فِتۡنَةً لِّلَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ وَّالۡقَاسِيَةِ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ

یہ سارا واقعہ اس لئے کیا گیا تاکہ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو اللہ ایسے لوگوں کے لئے آزمائش کا ذریعہ بنا دے جن کے دلوں میں شک کا مرض ہے اور جن کے دل بالکل ہی سخت ہیں۔

(باقی حاشیہ صفحہ گزشتہ) اطلاع ملی تو فرمایا واللہ اس طرح تو یہ آیات نازل نہیں ہوئی تھیں کسی نے کہا شیطان نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ رواں کر دیئے تھے اور جب آپ نے جبرئیل کے سامنے یہ کلمات پڑھے تو جبرئیل نے کہا میں نے تو آپ کو یہ الفاظ نہیں پڑھائے تھے۔ اس داستان کی جس مفسر اور تابعی کی طرف نسبت کی جاتی ہے کسی نے بھی اس کی نسبت کسی صحابی کی طرف نہیں کی اس کے اکثر طرق ضعیف بلکہ پوچ ہیں۔ صرف سعید از ابوالبشر از سعید بن جبیر از ابن عباس کا سلسلہ ضرور مرفوع قرار دیا جاتا ہے (یعنی ابن عباس تک اس کی سند ملائی جاتی ہے) لیکن اس سلسلہ میں شک ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ اس وقت مکہ میں تھے (کعبہ میں یا قوم کی مجلس میں یا منیٰ میں) ابو بکر بزار نے کہا ہم نہیں جانتے کہ اس حدیث کی کوئی ایسی متصل سند رسول اللہ ﷺ تک پہنچی ہو جس کا ذکر کرنا جائز ہو۔ صرف سعید بن جبیر والی سند متصل ہے۔ لیکن امیہ بن خالد وغیرہ نے سعید بن جبیر سے یہ روایت مرسلاً بیان کی ہے (یعنی سعید بن جبیر کا بیان قرار دیا ہے)۔ حضرت ابن عباس کا بیان نہیں قرار دیا صرف کلبی نے بحوالہ ابو صالح اس کو حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کیا ہے۔ ابو بکر نے کہا اس کے علاوہ اس داستان کا کوئی اور طریق روایت قابل ذکر نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ سلسلہ بھی کتنا کمزور ہے کلبی کی بیان کردہ احادیث کا تو ذکر بھی جائز نہیں اس کی احادیث کا تو ذکر بھی جائز نہیں اس کی احادیث انتہائی کمزور ہوتی ہیں۔۔۔۔ کیونکہ یہ مشہور دروغ گو ہے۔ (از، مؤلف قدس سرہ)

Marfat.com

فتنہ یعنی آزمائش اور مصیبت۔ مرض سے مراد ہے شک و نفاق۔ سخت دل والوں سے مراد ہیں مشرک۔

وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَفِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ۝۵۳ اور واقعی یہ ظالم لوگ بڑی مخالفت میں ہیں۔

الظالمین سے مراد ہیں منافق اور مشرک۔ شقاق سے مراد ہے خلاف حق۔ یا رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کی مخالفت انھم کی جگہ ان الظالمین صراحت کے ساتھ اس لئے کہا گیا تاکہ منافقوں اور مشرکون کی ناحق کوشی کی صراحت ہو جائے۔

وَّلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَیُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ

اور تاکہ جن لوگوں کو فہم (صحیح) عطا ہوا ہے وہ زیادہ یقین کرلیں کہ یہ (جو نبی نے پڑھا ہے) بلاشک و شبہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے اور اس یقین کی وجہ سے ایمان پر اور زیادہ قائم ہو جائیں پھر اس کی طرف ان کے دل اور بھی جھک جائیں۔

لیعلم کا تعلق فعل محذوف سے ہے یعنی ہم نے جو شیطان کو القاء کی قدرت عطا فرمائی پھر القاء شیطانی کو نابود کر دیا اور اپنی آیات کو مضبوط کر دیا اس کی دو وجوہ ہیں ایک سبب تو یہ ہے کہ القاء شیطانی کو بیمار دل والے منافقوں اور مشرکوں کے لئے فتنہ بنا دینا مقصود ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اہل علم کے علم میں ایمانی پختگی پیدا کرنا مقصود ہے تاکہ بلاشک و شبہ وہ یقین کرلیں کہ یہ حق ہے اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا ہے اور اس مستحکم ایمان کے بعد ان کے دل اللہ کی طرف عاجزی کے ساتھ اور جھک جائیں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لیجعل اور لیعلم میں لام عاقبت کا ہو یعنی اللہ کے اس فعل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کافروں کے لئے فتنہ اور اہل ایمان کیلئے استحکام ایمان ہو جائے گا۔ جیسے دوسری آیت میں آیا ہے۔ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِیَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا موسیٰ کو فرعون کے گھر والوں نے پالیا، تاکہ مآل کار یہ نتیجہ نکلے کہ موسیٰ ان کے دشمن اور موجب رنج ہو جائیں۔

اوتوا العلم سے مراد ہیں وہ لوگ جو اللہ اور اس کے احکام سے واقف ہیں۔ سدی نے کہا باطل اور القاء شیطانی کو نابود کر دینے کی جو لوگ تصدیق کرتے ہیں وہ مراد ہیں۔

انہ یعنی جن آیات کو اللہ نے محکم اور مضبوط کر دیا ہے وہ حق ہیں، یا شیطان کو انسان کے دل میں وسوسہ ڈالنے کی طاقت دینا حق ہے حضرت آدم کی تخلیق کے وقت سے دستور خداوندی یہی رہا ہے۔

فیؤمنوا بہ پس وہ قرآن پر (مزید پختہ) ایمان رکھیں اور دل میں گرہ باندھ لیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے یا یہ مراد ہے کہ وہ اللہ پر مستحکم ترین یقین کرلیں۔ فیؤمنوا بہ پر ف لانا اور یعلم پر اس کا عطف کرنا اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ صرف جان لینے کا نام ایمان نہیں ہے بلکہ ایمان صرف عطا الٰہی اور موہبت خداوندی ہے جو اکثر اہل علم کو علم کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

فتخبت، پس عاجزی کریں یعنی ان کے دلوں میں خشیت پیدا ہو جائے اور وہ مطیع حکم ہو جائیں اور ان کے دلوں میں اطمینان و سکون کی کیفیت پیدا ہو جائے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۵۴ اور یہ حقیقت ہے کہ ایمان والوں کو اللہ ہی راہ راست دکھاتا ہے۔

صراط مستقیم یعنی اسلام کا سیدھا راستہ اور صحیح اعتقاد مراد یہ ہے کہ شبہات کے مواقع پر جب سیدھا راستہ مشتبہ ہو جاتا ہے تو اللہ ہی اہل ایمان کو سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔

وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْهُ حَتّٰی تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ یَاْتِیَهُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَقِیْمٍ ۝۵۵

اور کافر لوگ اس (پڑھے ہوئے حکم) کی طرف سے برابر شک میں ہی پڑے رہیں گے یہاں تک کہ ان پر اچانک مقررہ ساعت آجائے یا بے برکت دن (یعنی روز قیامت) کا عذاب اللہ کی طرف سے ان پر آجائے۔

Marfat.com

مریۃ شک منہ قرآن یا رسول یا اہل ایمان کی طرف سے ان کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے یا رسول اللہ ﷺ کے خیال میں القاء شیطانی سے جو کچھ وسوسہ پیدا ہوتا ہے اس سے کافروں کے دل شک میں پڑ جاتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ اللہ کے رسول نے پہلے توبتوں کا تذکرہ اچھے الفاظ میں کیا پھر لوٹ گئے۔

الساعۃ موت کا وقت اور یوم عقیم سے مراد ہے قیامت کا دن۔ عکرمہ اور ضحاک نے یوم عقیم کی تشریح میں فرمایا، ایسا دن جس کی رات نہ ہوگی یعنی روز قیامت بعض کے نزدیک الساعۃ سے مراد روز قیامت اور یوم عقیم سے مراد بدر کا دن ہے کیونکہ اس روز کافروں کو کوئی بھلائی حاصل نہیں ہوئی۔

لغت میں عقیم بمعنی ممنوع آتا ہے ریح عقیم بغیر بارش کی ہوا یہ بھی ممکن ہے کہ الساعۃ اور یوم عقیم دونوں سے مراد قیامت کا دن ہو۔ ہولناکی کی تصویر کشی کے لئے دوبارہ یوم عقیم کہا گیا ہے۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ (جس روز کافروں کا شک دور ہو جائے گا) اس روز حکومت صرف اللہ کی ہوگی وہی ان کے درمیان بصورت جزاوسزا (عملی) فیصلہ کردے گا۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

ع ۹ / ۱۴ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ پس جن لوگوں نے مان لیا اور نیک کام کئے وہ عیش کے باغوں میں ہوں گے اور جنہوں نے انکار کیا اور ہماری آیات کو جھوٹا قرار دیا، سوانہیں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔

فاو آلئک میں ف کا استعمال بتا رہا ہے کہ مومنوں کا جنت میں داخلہ محض اللہ کی مہربانی سے ہوگا (اعمال داخلہ کے موجب نہیں ہیں) اور کافروں کا جہنم میں داخلہ ان کے اعمال کی وجہ سے ہوگا کافروں کے اعمال موجب عذاب ہیں اسی لئے لھم عذاب خاص طور پر صرف انہی کے لئے عذاب ہوگا فرمایا ھم فی عذاب وہ عذاب میں ہوں گے نہیں فرمایا اور اہل جنت کے متعلق فرمایا وہ عیش کے باغوں میں ہوں گے یعنی اللہ کی مہربانی سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کے اعمال بھی (موجب نجات نہ ہوں گے) فرمایا نہ (میں اپنے اعمال کی وجہ سے مستحق نجات ہوں گا) مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت اور فضل سے ڈھانک لے۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین۔

صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت بھی آئی کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا، سیدھی چال چلتے رہو اور خوش ہو جاؤ کیونکہ کسی کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ بھی (اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جائیں گے) فرمایا اور نہ میں مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی مغفرت اور رحمت سے ڈھانپ لے گا۔ مسلم میں حضرت جابر کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث ہے امام احمد نے حضرت ابو سعید کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت ابن ابی موسیٰ، شریک بن طارق، اسامہ بن شریک اور اسد بن کرز کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔

ایک شبہ

اللہ نے فرمایا اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم اپنے کئے ہوئے اعمال کے سبب جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جنت میں دخل اعمال کی وجہ سے ہوگا۔

جواب

جنت کے مختلف درجات اور مراتب ہیں جن پر رسائی اعمال کی وجہ سے ہوگی (جیسا عمل ہوگا ویسا ہی درجہ ملے گا) لیکن اصل داخلہ اور جن کے اندر ہمیشہ رہنا محض اللہ کی مہربانی سے ہوگا۔ ہناد نے الزہد میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا تو لوگ عفو الٰہی کی وجہ سے پل صراط سے پار ہو گے اور اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہو گے اور اپنے اپنے اعمال کی وجہ سے مرتبے پاؤ گے۔ ابو نعیم نے عون بن عبداللہ کی روایت سے بھی یہ اثر نقل کیا ہے۔

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝۵۸ اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر مارے گئے یا مر گئے اللہ ان کو اچھی روزی ضرور ضرور عطا فرمائے گا اور کوئی شبہ نہیں کہ اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

ھاجروا یعنی اعزاء واقارب اور وطن کو چھوڑ دیا۔ اللہ کی راہ میں یعنی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے۔

ماتوا یعنی اپنی موت (بغیر قتل و قتال کے) سے مر گئے۔

لیرزقنھم اللہ یعنی جنت کے اندر اللہ ان کو رزق عطا فرمائے گا۔

رزقا حسنا یعنی عیش و راحت دوامی بے مثال۔

اللہ بہترین رازق ہے کیونکہ وہ بے حساب روزی عطا فرماتا ہے۔

لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ بے شک ان کو ایسے مقام میں داخل فرمائے گا جس کو وہ پسند کریں گے یعنی جنت کے اندر داخل فرمائے گا جہاں ہر دل پسند چیز باصرہ نواز ہوگی، ایسی جس کو (اس سے پہلے) نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا نہ کان نے سنا ہوگا نہ کسی انسان کے دل میں اس کا تصور آئے گا۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝۵۹ اور بے شک اللہ (ان کے اور ان کے دشمنوں کے احوال سے) خوب واقف ہے (اور) بڑے تحمل والا کہ فوری سزا نہیں دیتا۔

ذٰلِكَ ۚ بات یہی ہے۔ یا یہ بات حق ہے۔

وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝۶۰

اور جو شخص (دشمن کو) اسی قدر تکلیف پہنچائے جس قدر (اس دشمن کی طرف سے) اس کو تکلیف پہنچائی گئی تھی (اور) پھر اس شخص پر زیادتی کی جائے تو اللہ اس شخص کی ضرور مدد کرے گا اللہ بڑا معاف کرنے والا کثیر المغفرت ہے۔ یعنی ظالم سے اتنا ہی بدلہ لے جتنا اس نے ظلم کیا ہے پھر دوبارہ اس پر ظلم کیا جائے تو اللہ یقیناً اس مظلوم کی مدد کرے گا۔ ابتدائی ظلم کو بھی عقاب کہا گیا۔ حالانکہ عقاب (بدلہ) وہ ہوتا ہے جو ظلم کے بعد بطور عوض دیا جائے۔ ایسا صرف ہم شکل ہونے کی وجہ سے کیا گیا۔ (ابتدائی ظلم ہو یا ظلم کا بدلہ دونوں کی شکل ایک جیسی ہوتی ہے اگرچہ علت فعل میں اختلاف ہوتا ہے) اللہ بڑا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ یعنی انتقام لینے والا، جذبات نفسانیہ کے زیر اثر ہی انتقام لیتا ہے۔ اور نفسانی جھکاؤ سے متاثر ہونا ایک طرح کا جرم ہے۔ (اس لئے انتقام لینا بھی ایک قسم کی نفسانی خباثت ہی ہے) لیکن اللہ مظلوم کو معاف کرنے والا ہے، وہ اگر بدلہ لے لے تو اللہ اس کی گرفت نہیں کرے گا۔

یا یوں کہا جائے کہ اللہ نے درگزر کرنے اور صبر کرنے کو اس کے لئے زیادہ مناسب اور اولیٰ قرار دیا تھا۔ اللہ نے فرمادیا تھا وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (جو صبر کرے اور معاف کردے تو یہ بلاشبہ بڑے عالی حوصلگی کا کام ہے) اور اس نے انتقام لے کر خلاف اولیٰ کیا (اور یہ ایک طرح کی غلط روی ہے)۔ اس کو اللہ معاف فرمادے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ آیت میں معاف کر دینے کی ترغیب ہے۔ اللہ باوجود قادر مطلق ہونے کے جب معاف فرمادیتا ہے تو جس بندے کی حق تلفی کی گئی ہو (اس میں تو انتقام لینے کی قدرت بھی پوری پوری نہیں ہے اس لئے) اس کو بدرجۂ اولیٰ معاف کر دینا چاہیے۔ لفظ عفو سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ سزا دینے پر قادر ہے عفو کہتے ہی ہیں اس کو جس میں سزا دینے کی قدرت ہو۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حسن نے آیت مذکورہ کی تفسیر اس طرح کی ہے۔ مَنْ عَاقَبَ جو مشرکوں سے لڑا۔ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ جیسا مشرک اس سے لڑے۔ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ پھر اس پر زیادتی کی گئی کہ اس کو وطن سے نکال دیا گیا تو اللہ اس کی مدد کرے گا۔

Marfat.com

بعض اہل روایت نے کہا ہے کہ کچھ مشرک مسلمانوں کی ایک جماعت پر ۲۸/ محرم کو لڑنے کے لئے چڑھ آئے مسلمانوں نے (ماہ حرام کے احترام کی وجہ سے) لڑنا مناسب نہ سمجھا اور مشرکوں سے درخواست کی کہ محرم میں جنگ نہ کرو، لیکن مشرکوں نے یہ درخواست رد کر دی اور مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ یہ مشرکوں کی طرف سے مسلمانوں پر زیادتی ہوئی۔ مسلمان اپنی جگہ قائم رہے اور اللہ کی طرف سے ان کی مدد ہوئی۔

میں کہتا ہوں اس مطلب پر عفو غفور سے یہ مراد ہوگی کہ ماہ حرام میں جو مسلمانوں کو لڑنا پڑا اللہ اس کو معاف کر دینے والا ہے۔ ابن ابی حاتم نے مقاتل کی تفسیر بھی اسی طرح نقل کی ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ (اللہ کی یہ مدد) اس لئے ہے کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور ان کو رات میں داخل کرتا ہے۔ یعنی وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے لیکن اس کا دستور یہ ہے کہ متضاد اشیاء میں ادل بدل کرتا رہتا ہے۔ رات کا دن میں اور دن کا رات میں داخلہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جتنا ایک کو بڑھاتا ہے اتنا ہی دوسرے کو گھٹا دیتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ روشنی کی جگہ غروب آفتاب کی وجہ سے تاریکی لے آتا ہے اور رات کی تاریکی کی جگہ طلوع آفتاب کی وجہ سے روشنی کر دیتا ہے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝۶۱ اور اس وجہ سے بھی کہ اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ یعنی بدلہ لینے والے کے اور جس سے بدلہ لیا جائے اس کے اقوال کو سنتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ اہل ایمان کی دعاؤں کو سنتا اور ان کو قبول فرماتا ہے اور دونوں کے عمل کو دیکھتا ہے پس کسی کے عمل کو ناکارہ نہیں چھوڑے گا (اور مطابق عمل سزا و جزا دے گا)۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝۶۲

یہ (نصرت) اس سبب سے (یقینی) ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہستی میں کامل ہے اور جن چیزوں کی اللہ کے سوا یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں وہ بالکل ہی بے حقیقت ہیں اور اللہ ہی عالیشان اور (سب سے) بڑا ہے۔

الحق یعنی موجود بنفسہ اور تنہا واجب لذاتہ ہے اس کے واجب الوجود اور واحد و لاشریک ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ساری کائنات کا سرچشمۂ وجود ہو، ہر ایک ہی ہستی اسی کی عطا کردہ ہو وہ عالم بالذات بھی ہو اور دوسری ہر چیز کا عالم ہو۔ اور تمام صفات کمالیہ اس کی ذات میں موجود ہوں۔ کیونکہ جب تک اس کی قدرت کاملہ، علم ہمہ گیر اور سماعت و بصارت محیط کل نہ ہو وہ مستحق الوہیت نہیں ہو سکتا۔

الباطل یعنی معدوم ہے۔ ذاتی طور پر ممتنع الوجود ہے (یعنی کسی کا وجود ذاتی نہیں اور نہ وجود ذاتی ہو سکتا ہے۔ ممکن کہتے ہی ہیں اس کو جس کی ذات کی نسبت وجود و عدم سے برابر ہو جو اپنے وجود میں واجب کا محتاج ہے) یا باطل سے مراد ہے باطل الالوہیت یعنی اللہ کے سوا ہر چیز کی الوہیت باطل اور بے حقیقت ہے۔

العلی وہ برتر و بالا ہے اس بات سے کہ اس کا کوئی شریک ہو۔

الکبیر وہ عظیم الشان اور عالی مرتبہ ہے ایسا کہ اس کا کوئی مثل نہیں ہو سکتا۔

اَلَمْ تَرَ کیا تو نے نہیں دیکھا یا کیا تجھے معلوم نہیں (اول ترجمہ پر رویت سے مراد ہوگا آنکھوں سے دیکھنا اور دوسرا ترجمہ اس وقت ہوگا جب دیکھنے سے مراد ہوگا دل سے دیکھنا اور جاننا) استفہام انکاری یعنی دیکھ اور جان لے۔

اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًؗ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً کہ اللہ اوپر سے پانی اتارتا ہے جس سے سبزہ پیدا ہوتا ہے) پھر زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔

اس جملہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ کی قدرت کامل اور علم محیط کل ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝۶۳ بے شک اللہ لطف والا (اور) مکمل باخبر ہے۔ لطیف سے مراد یا لطیف العلم

Marfat.com

ہے یعنی اس کا علم دقیق ہے ہر ذرہ کا علم اس کو ہے یا لطیف کا معنی ہے مہربان یعنی اس کی مہربانی ہر چھوٹے بڑے کے شامل حال ہے۔ خبیر ہے یعنی ہر طرح کی ظاہری باطنی تدابیر، بندوں کے تمام احوال اور ان کی ضروریات رزق وغیرہ سے باخبر ہے۔

ع ۸ ۱۵ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝

اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے (یعنی وہی سب کا خالق اور مالک اور حاکم ہے) اور بلاشبہ اللہ (اپنی ذات میں) ہر چیز سے بے نیاز ہے اور مستحق ستائش ہے۔ یعنی اس کی صفات و افعال مستحق ستائش ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ بذات خود محمود ہے خواہ حمد کرنے والا اس کی ذات کے سوا کوئی اور موجود نہ ہو۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ زمین میں ہے اس کو تم لوگوں کے کام پر اللہ نے لگا دیا ہے اور کشتیوں کو تمہارے کام پر لگا دیا ہے) جو سمندر میں اللہ کے حکم سے چلتی ہیں۔ مسخر کر دیا، یعنی تمہارے کام پر لگا دیا، تمہارے منافع کے لئے تیار کر دیا۔ بعض نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ زمین یعنی خشکی پر جو سواری کے جانور ہیں ان کو تمہارے تابع بنا دیا تاکہ تم ان پر سوار ہو اور سمندر میں سوار ہونے کے لئے کشتیوں کو تمہارے زیر اختیار کر دیا۔

وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ　　اور وہ آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے (ہاں) مگر اس کا حکم ہو جائے تو خیر۔

آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ فلکی اجسام بھی ارضی اجسام کی طرح بالطبع نیچے گرنے کی طرف مائل ہیں مگر اللہ نے اپنی قدرت سے ان کو تھام رکھا ہے۔ بیضاوی نے، تھام رکھنے کا مطلب یہ لکھا ہے کہ اللہ نے آسمانوں کی نوعی صورتیں ہی ایسی رکھی ہیں جو اوپر ہی رکھی رہنے کی خواستگار ہیں بیضاوی نے لکھا ہے کہ زمین پر آسمانوں کو گرنے کی اجازت قیامت کے دن ہوگی۔

میں کہتا ہوں قیامت کے دن آسمانوں کا زمین پر گرنا تو کہیں ثابت نہیں ہاں پھٹنا اور شگافتہ ہوتا اور تیل کی تلچھٹ کی طرح ہونا اور کاغذ کی طرح لپیٹ دیا جانا تو ضرور آیا ہے۔

اولیٰ یہ ہے کہ اس طرح کہا جائے کہ استثناء نہ مستثنیٰ کے وجود کو چاہتا ہے نہ عدم کو اس لئے آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اذن کے بغیر آسمان زمین پر نہیں گر سکتا لیکن کیا کبھی زمین پر گرنے کی اس کو اجازت ہوگی یا نہیں یہ جملہ سے کچھ معلوم نہیں ہوتا۔

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝　　بے شک اللہ لوگوں کے حال پر بڑی شفقت اور رحمت فرمانے والا ہے، کہ اس نے حصول منافع کے دروازے کھول دیئے طرح طرح کی مصیبتوں کو دفع کر دیا اور (اپنی وحدانیت کو) سمجھانے کے لئے اسباب فراہم کر دیئے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۫ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ　　اور وہی تو ہے جس نے تم کو زندگی عطا کی پھر تم کو مردہ کر دیتا ہے پھر تم کو زندہ کرے گا۔ یعنی تم پہلے جمادی حالت میں تھے پھر غذا سے اس نے نطفہ بنایا پھر نطفہ کو بستہ کر کے لوتھڑا بنایا پھر بوٹی بنا دی پھر جسم بنا دیا پھر اس میں جان ڈال دی، پھر جب تمہارے مدت حیات پوری ہو جائے گی تو تمہارے بدن سے جان کھینچ لے گا، پھر دوبارہ جسم بنا کر اسی میں جان ڈال دے گا۔ یہ زندگی آخرت میں ملے گی۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ۝　　بے شک انسان (یعنی مشرک) بڑا منکر نعمت ہے اللہ کی نعمتیں سامنے ہیں پھر بھی انکار کرتا ہے، نہ ابتدائی پیدائش کی نعمتوں کا اقرار کرتا ہے نہ مرنے کی نعمت کا حالانکہ یہ موت دوسری مقررہ زندگی سے قریب کر دیتی ہے، نہ آخرت کی زندگی کی نعمت کا اس کو اعتراف ہے جو مقصود بقاء دوام تک پہنچانے والی ہے۔ خلاصہ یہ کہ موت بھی ایک نعمت ہے اگر موت نہ ہوتی تو دوسری زندگی کے دروازے میں داخلہ کیسے ملتا اور دوسری زندگی نہ ہوتی تو جنت کا داخلہ اور مقام قرب کا حصول کیسے ممکن ہوتا یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے وجود وحدانیت، ربوبیت اور کمال قدرت و علم کے دلائل موجود ہیں پھر بھی مشرک انکار کرتا ہے اور اپنے رب کی وحدانیت کو نہیں مانتا۔

Marfat.com

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ
(جتنی صاحب شریعت امتیں گزری ہیں ان میں سے) ہر امت کے لئے ذبح کا طریقہ مقرر کر دیا تھا جس پر وہ ذبح کیا کرتے تھے سو ان لوگوں کو چاہئے کہ ذبح کے معاملہ میں آپ سے (خواہ مخواہ کا) جھگڑا نہ کریں۔

اس جملہ کا گزشتہ سے پیوستہ جملوں سے معنوی بعد تھا اس لئے حرف عاطف ذکر نہیں کیا۔

حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر اس طرح فرمائی، ہم نے ہر امت کے لئے ایک شریعت مقرر کر دی تھی جس پر وہ چلتے تھے۔ بعض نے منسک کا ترجمہ تیوہار کیا ہے، مجاہد اور قتادہ نے قربانی کا مقام ترجمہ کیا ہے جس مین وہ قربانی کرتے تھے۔ بعض کے نزدیک منسک سے مراد ہے عبادگاہ۔ بعض نے کہا (میلہ) مرکز انس جس سے وہ مانوس تھے۔ عربی میں منسک اس مقام کو کہتے ہیں جہاں کسی اچھے یا برے کام کے لئے لوگ جمع ہونے کے عادی ہوں۔ مناسک حج کو مناسک اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ لوگ حج کے مقامات پر ہر سال آتے اور جمع ہوتے ہیں۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے نسک عبادت۔ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا ہم کو ہماری عبادت کے مقامات بتادے۔ منسک کا معنی نفس ذبح ہے اور مقام ذبح بھی۔ نسیکہ، ذبیحہ، نسک میلہ کا مقام، منسک بیٹھنے کی جگہ۔

الامر سے مراد ہے امر دین یا ذبح کے طریقے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ یا جاہل ہیں یا عنادی جھگڑالو، اگر عالم ہوتے اور عنادی نہ ہوتے تو آپ سے جھگڑا ہی نہ کرتے کیونکہ آپ کے دین کی صداقت نا قابل نزاع ہے۔

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول بدیل بن ورقاء۔ یزید بن خنیس اور بشر بن سفیان کے متعلق ہوا ان لوگوں نے صحابہ کرام سے کہا تھا اس کی کیا وجہ ہے کہ جس جانور کو تم اپنے ہاتھوں سے قتل (ذبح) کرتے ہو اس کو تو کھاتے ہو اور جس کو خدا براہ راست مار دیتا ہے اس کو نہیں کھاتے (اس کو مردار سمجھتے ہو)۔

زجاج نے کہا بظاہر نزاع کی ممانعت مشرکوں کو ہے لیکن حقیقت میں ممانعت کا رخ رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے۔ عرب کہتے ہیں فلاں شخص تم سے جھگڑا نہ کرے یعنی تم اس سے جھگڑا نہ کرو۔ لیکن ایسا افعال میں ہوتا ہے جو طرفین سے صادر ہو (لیکن اگر فعل کا صدور ایک ہی شخص کی طرف سے ہو تو مذکورہ بالا اسلوب بیان نہیں اختیار کیا جا سکتا)۔

پس لایضر بنک زید کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ تم زید کو نہ مارو۔ ہاں لایضار بنک زید (زید تم سے مار پیٹ نہ کرے) کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ تم زید کو نہ مارو۔

مخاصمت اور نزاع دو آدمیوں کے درمیان ہوتا ہے صرف ایک شخص سے (نزاع بین الطرفین کا صدور نہیں ہو سکتا) جب ایک نزاع ترک کر دے تو وجود مخاصمت باقی نہیں رہتا۔ (صرف یک طرفہ خصومت باقی رہتی ہے)۔

وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ﴿٦٧﴾ اور لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلاؤ۔ آپ بلاشک وشبہ سیدھے راستے پر ہیں۔ یعنی اپنے رب کی توحید و عبادت کی طرف بلکہ اس کی ذات اور بلا کیف قرب کی طرف بلائیے آپ بلاشبہ اس سیدھے راستے پر ہیں جو حق اور مراتب قرب تک پہنچاتا ہے۔

وَإِن جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٦٨﴾ اور (ظہور حق اور لزوم حجت کے بعد بھی) وہ آپ سے خواہ مخواہ کا جھگڑا کریں تو آپ کہہ دیں کہ اللہ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔ یعنی تمہارے اس صحیح غلط جھگڑے کا وہی بدلہ دے گا۔ اس آیت میں وعید ہے مشرکوں کو لیکن نرم لہجے میں۔ یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے۔

اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اللہ ہی قیامت کے دن تمہارے درمیان (عملی) فیصلہ کرے گا۔ یعنی مومنوں اور کافروں کا فیصلہ کر دے گا کہ کون حق پر تھا اور کون باطل پر۔ حق و باطل کا اس روز فیصلہ ہو جائے گا۔ مومنوں کو ثواب ملے گا اور کافروں پر عذاب ہوگا (یہ عملی فیصلہ ہوگا) یوں فیصلہ تو دلائل اور براہین کے ساتھ دنیا میں بھی کر دیا گیا ہے۔

فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٦٩﴾ ان (دینی) امور کا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ اختلاف کا معنی

Marfat.com

ہے دو جھگڑا کرنے والوں میں سے ہر ایک کا دوسرے کے خلاف جانا۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

کیا آپ کو نہیں معلوم کہ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے اللہ اس کو جانتا ہے یہ سب بلاشبہ ایک کتاب میں (درج) ہے۔ یقینی طور پر یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔ استفہام تقریری ہے (یعنی آپ ضرور جانتے ہیں) کتاب سے مراد ہے لوح محفوظ آسمان وزمین میں جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے اللہ نے آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے وہ سب لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا (پس ان مشرکوں کے ہر کردار و گفتار و اطوار کا اندراج بھی لوح محفوظ میں موجود ہے) اس لئے آپ ان کے کردار اور خصومتوں کو کوئی اہمیت نہ دیں۔ اللہ اس سب سے واقف ہے اور یہ سارے امور علم خداوندی میں محفوظ ہیں اور یہ علمی احاطہ یا لوح محفوظ میں درج کرنا یا قیامت کے دن جزاوسزا کا فیصلہ کرنا اللہ کے لئے کچھ دشوار نہیں کیونکہ ہمہ گیر علمی تقاضۂ ذاتی ہے اس لئے (گزشتہ ہوں یا آئندہ) تمام معلومات کی نسبت اس کی طرف برابر ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ

اور (مذکورہ دلائل توحید کے بعد بھی یہ مشرک) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جن (کی پرستش کے جواز) کی اللہ نے کوئی دلیل (اپنی کتابوں میں) نازل نہیں کی اور نہ ان کے پاس ان چیزوں کی عبادت کی کوئی (عقلی) دلیل ہے۔

سلطان یعنی جواز عبادت کی کوئی حجت یا دلیل۔

علم یعنی ان کے پاس کوئی ایسا علم نہیں جو بداہت عقلی یا نظری استدلال سے حاصل ہوا ہو یا کسی سچے خبر دینے والے کی خبر سے ملا ہو جس کی صداقت پر کوئی برہان دلالت کرتی ہو یا وہ متواتر خبر ہو جو اس خمسہ میں سے کسی ایک کے ذریعہ سے حاصل ہوئی ہو۔

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝ اور ان ظالموں کے لئے (یعنی ان مشرکوں کے لئے جنہوں نے ایسی بے جا حرکتوں کا ارتکاب کیا ہے)۔ کوئی مددگار نہ ہوگا (جو اللہ کے عذاب سے ان کو بچا سکے)۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ

اور جب ان کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیات (یعنی جن کے مضامین کی حقانیت واضح ہے) پڑھی جاتی ہیں تو آپ ان کافروں کے چہروں پر ناگواری کے آثار پہچان لیں گے۔

ایتنا یعنی قرآن کی آیات۔

بینت یعنی جن کا اللہ کی طرف سے نازل ہونا کھلا ہوا ہے۔ یا صحیح عقائد پر جن کی دلالت واضح ہے۔

المنکر یعنی غصہ و ناگواری و ترش روئی کی وجہ سے آثار انکار ان کے چہروں پر نمودار ہو جاتے ہیں۔

وجوھھم کی جگہ وجوہ الذین کفروا صراحت کے ساتھ کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ انکار کا باعث سوائے شدت کفر کے اور کوئی نہیں یا منکر سے مراد ہے وہ شرارت جو مومنوں کے ساتھ وہ کرنی چاہتے ہیں۔

يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ ایسا لگتا ہے کہ ان کے سامنے ہماری آیات کی جو لوگ تلاوت کرتے ہیں ان پر یہ حملہ کر بیٹھیں گے۔

یسطون پکڑ لیں گے یا ضرر پہنچانے کے لئے تلاوت کرنے والوں کی طرف ہاتھ بڑھائیں گے۔ گھوڑا جب دو ٹانگوں پر کھڑا ہوتا ہے اور اگلے دونوں پاؤں اوپر اٹھا دیتا ہے۔ خواہ شدت نشاط کی وجہ سے یا اکڑ اور غرور کی وجہ سے یا مادہ پر کودنے کی غرض سے تو کہا جاتا ہے سطا الفرس (باب نصر)۔

قاموس میں ہے۔ سطا علیہ اور سطا بہ (دونوں ہم معنی ہیں) سطو اور سطوۃ مصدر۔ اس پر حملہ کیا یا پکڑنے کے لئے جبر کیا۔

Marfat.com

یتلون علیہم یعنی محمد ﷺ اور صحابہؓ جو آیات پڑھتے ہیں۔ ۹ ع ۸ ۱۲

قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾ (اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجئے کیا میں اس سے بھی زیادہ ناگوار چیز تم کو بتاؤں وہ دوزخ ہے اللہ نے کافروں سے (اس کے اندر داخل کرنے کا) وعدہ کرلیا ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

بشر یعنی جو تمہارے لئے زیادہ بری اور زیادہ ناگوار ہوگی۔

ذلکم اس قرآن سے یا تمہارے اس غصہ و غضب سے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے سے بری یا اس اکتاہٹ اور ملال سے بری جو تلاوت قرآن سن کر تمہارے اندر پیدا ہوتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اے لوگو ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سنو۔

مَثَلٌ عجیب حالت یا عجیب قصہ۔

فاستمعوا له یعنی اس مثال کو کان لگا کر اور غور کے ساتھ سنو۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ میری مثل دوسروں کو قرار دیا گیا ہے، یعنی کافروں نے استحقاق عبادت میں اللہ کی طرح دوسروں کو قرار دے رکھا ہے۔ اللہ مستحق عبادت ہے انہوں نے بتوں کو بھی معبود بنا رکھا ہے۔ سوان کی حالت سنو اور خود فیصلہ کرو کہ اللہ کی مثل کسی کو قرار دینا کیا جائز ہے اس کے بعد اگلی آیت میں تفصیل بیان کی گئی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ

(وہ یہ ہے کہ) جن کی خدا کے سوا تم پوجا کرتے ہو وہ ایک (حقیر) مکھی کو بھی پیدا نہیں کر سکتے گو اس (کام) کے لئے سب جمع ہو جائیں (اور اجتماعی طاقت صرف کر دیں۔ پھر تمہاری کیا حاجت روائی کر سکیں گے) یعنی اے کافرو جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو اور ان کو معبود کہہ کر پکارتے ہو تو وہ ایک مکھی کو پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اتنی حقیر ذلیل اور بے مقدار چیز کو بھی نہیں بنا سکتے۔

ذباب کی جمع قلت اذبة اور جمع کثرت ذبان ہے، جیسے غراب کی جمع اغربة اور غربان آتی ہے۔ ذباب کا لفظ ذب سے مشتق ہے ذب کا معنی ہے دفع کرنا مکھی کو بھی ہر شخص دفع کرتا ہے اس لئے اس کو ذباب کہا جاتا ہے (گویا ذباب بمعنی مذبوب ہے)۔

ولو اجتمعوا له اگرچہ وہ سب بت مل کر ایک مکھی کو پیدا کرنے کے لئے جمع ہو جائیں۔ مقصود یہ کہ وہ سب مل کر بھی تخلیق ذباب پر قادر نہیں ہو سکتے۔ انفرادی طور پر قادر نہ ہونے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین کر لے جائے تو وہ مکھی سے چھڑا نہیں سکتے۔ مشرکین بتوں پر زعفران کا لیپ کرتے تھے اور ان کے سامنے کھانا رکھتے تھے۔ مکھیاں کھانے پر گرتی تھیں اور اس میں سے کچھ لے اڑتی تھیں، مگر بت ان سے چھین نہ سکتے تھے، اسی مضمون کو آیت مذکورہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ نے یہ دونوں حالتیں بیان کر کے کافروں کی انتہائی جہالت کا اظہار کیا ہے۔ اول تو یہ ظاہر کیا کہ وہ اللہ جس کے قبضہ میں ساری کائنات ہے اور وہ سب کا خالق و موجد ہے اس کے ساتھ مشرک ایسی چیزوں کو شریک بناتے ہیں جو حقیر ترین اور ذلیل مخلوق کو پیدا کرنے کی نہ اجتماعی قوت رکھتے ہیں نہ انفرادی۔ دوئم یہ کہ وہ چیزیں جن کو معبود قرار دیا گیا ہے اتنی بے بس اور عاجز ہیں کہ حقیر ترین مخلوق بھی اگر ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ چھڑا نہیں سکتیں، اور اپنی طرف سے اس کا دفاع بھی نہیں کر سکتیں۔

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ طالب اور مطلوب (دونوں) کمزور ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے

Marfat.com

فرمایا، طالب سے مراد ہے مکھی جو اس چیز کی طلبگار ہوتی ہے جس کو وہ بت سے چھینتی ہے۔ اور مطلوب سے مراد ہے بت۔ جس سے مٹھائی وغیرہ مکھی طلب کرتی ہے۔ طلب کمزور ہے اور مطلوب بالکل ہی بے بس۔ بعض نے اس کے برعکس تفسیر کی ہے۔ طلب بت اور مطلوب مکھی۔ لیکن بت تو بے جان ہے وہ کسی چیز کی بھی طلب نہیں رکھتا۔ اس لئے اس کو طالب قرار دینا صرف ظاہری صورت کے لحاظ سے کہا جائے گا اور طالب استقاذ فرض کر لیا جائے گا۔ ضحاک نے کہا، طالب سے مراد بت پرست اور مطلوب سے مراد بت ہے۔

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾　انہوں نے اللہ کے مرتبہ کا اندازہ ویسا نہیں کیا جیسا کرنا چاہئے تھے بیشک اللہ بڑی قوت والا (اور سب پر) غالب ہے۔ یعنی اللہ کی جیسی تعظیم کرنی چاہیے تھی ویسی تعظیم انہوں نے نہیں کی اور اللہ کو ویسا نہیں پہچانا جیسا مناسب تھا، اور نہ اس کی صفات کا صحیح اندازہ کیا۔ اسی لئے حقیر ترین چیزوں کو اس کی عبادت میں شریک قرار دے لیا۔

قوی ہے، یعنی تمام ممکنات کی تخلیق پر قدرت رکھتا ہے۔

عزیز ہے، یعنی وہ سب پر غالب ہے اس پر کوئی چیز غالب نہیں اور دوسرے معبود، عاجز بے بس ہیں حقیر ترین مخلوق بھی ان پر غالب ہے وہ ادنیٰ چیز سے بھی اپنا دفاع نہیں کر سکتے۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ　اللہ ہی ملائکہ میں اپنے پیغامبر منتخب کر لیتا ہے اور آدمیوں میں سے بھی (رسالت کے لئے بعض آدمیوں کو چھانٹ لیتا ہے)۔

بعض فرشتے اللہ کے قاصد ہیں، اللہ کے احکام وحی کے ذریعہ انبیاء تک پہنچاتے ہیں اور لوگوں کی روحیں قبض کرنے اور رزق پہنچانے میں بھی درمیانی واسطہ کا کام انجام دیتے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے مرسل ملائکہ جبرئیلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ، عزرائیلؑ وغیرہ ہیں آدمیوں میں سے اللہ کے پیغمبر سب لوگوں کو حق کی طرف بلاتے ہیں، اللہ کی طرف سے جو احکام ان پر نازل ہوتے ہیں وہ دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ سب سے پہلے رسول حضرت آدمؑ تھے، اور سب سے آخری رسول حضرت محمد ﷺ۔

بغوی نے لکھا ہے یہ آیت اس وقت اتری جب مشرکوں نے کہا تھا ءَ اُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا کیا ہماری جماعت میں سے اس (معمولی) شخص پر قرآن اتار آگیا (اور اس کو نبی بنایا گیا حالانکہ ہم میں بڑے بڑے سردار اور عزت رکھنے والے لوگ موجود ہیں) اس کی تردید میں فرمایا کہ پیغمبر بنانے کا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی جس کو چاہتا ہے پیغمبری کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے پہلی آیات میں وحدانیت ذاتی اور الوہیت کو ثابت کیا اور توحید صفاتی کا اظہار کر دیا۔ اس آیت میں نبوت کو ثابت کر دیا اور کافروں کے قول کی تردید کر دی۔ کافروں نے بت پرستی اور ملائکہ پرستی کی توجیہ کرتے ہوئے کہا تھا مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اور یہ بھی کہا تھا۔ اَلْمَلٰۗىِٕكَةُ بَنَاتُ اللّٰهِ۔

اللہ نے اس آیت میں فرمایا کہ اللہ کے کچھ منتخب بندے ہیں جن کو اللہ اپنے اختیار سے چن لیتا ہے۔ وہ اللہ اور بندوں کے درمیان پیغامبر ہوتے ہیں انہی کے حکم کو ماننے اور اس پر چلنے سے اللہ کی اطاعت تک دوسروں کی رسائی ہوتی ہے۔ پیغمبروں کی پیروی ہی دوسرے لوگوں کی ترقی کا بلند ترین درجہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾　بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ یعنی (مسموعات ہوں یا مرئیات) سب چیزوں سے واقف ہے اس کو ہر چیز کا علم ہے (اور بغیر حواس کے وہ ہر چیز کو جانتا ہے)۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۭ　وہ ان (سب فرشتوں اور آدمیوں کی) آئندہ اور گزشتہ حالتوں کو جانتا ہے۔

Marfat.com

حضرت ابن عباس نے آگے پیچھے کی تشریح میں فرمایا جو کچھ انہوں نے اپنے آگے بھیج دیا اور جو کچھ پیچھے چھوڑ آئے (اچھا یا برا عمل آگے بھیج دیا یا مرنے کے بعد اچھا برا طریقہ جاری کر کے چھوڑ آئے) حسن نے کہا جو کچھ عمل کر چکے اور جو آئندہ کرنے والے ہیں، بعض اہل تفسیر نے کہا کہ ھم ضمیر پیغمبروں کی طرف راجع ہے یعنی پیغمبروں کی پیدائش سے پہلے کے احوال اور ان کے مرنے کے بعد کے احوال سے اللہ واقف ہے۔

وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾ اور تمام امور کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہوتا ہے۔ وہی مالک ہے اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ ایسا کیوں کیا، یہ باز پرس تو بندوں سے کی جائے گی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ اے اہل ایمان تم رکوع اور سجدے کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور نیک کام کیا کرو۔ یہ امید رکھتے ہوئے کہ تم فلاح پاؤ گے۔

رکوع اور سجود سے مراد ہے نماز یہ دونوں نماز کے ضروری ارکان ہیں جن کے بغیر نماز کا وجود ہی نہیں ہوتا قرأت و قیام وغیرہ بھی ارکان ہیں لیکن اتنے اہم نہیں ہیں ضرورت کے وقت ساقط ہو جاتے ہیں، گونگے سے قرأت ساقط ہے جو کھڑا نہ ہو سکتا ہو اس سے قیام ساقط ہے رکوع و سجود کا سقوط کسی وقت نہیں ہوتا اسی لئے امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ جو شخص سر کے اشارہ سے بھی رکوع و سجود نہ کر سکتا ہو وہ نماز مؤخر کر دے (آئندہ جب قدرت ہو تو ادا کر لے) اشارۂ ابرو یا صرف نیت قلب سے نماز نہیں ہو سکتی۔

عبادت کرو، یعنی اس طور سے عبادت کرو جو اللہ کی عبادت کا مقرر طریقہ ہے۔

اور نیکی کرو، حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد ہے قرابتداروں سے اچھا سلوک کرنا ان کو جوڑے رکھنا اور اعلیٰ اخلاق اختیار کرنا۔ بظاہر لفظ خیر عام ہے اس کے اندر ہر نیکی داخل ہے تمام اچھے کاموں کو یہ لفظ شامل ہے مراد یہ ہے کہ جو بھلائی کا کام ہے وہ کرو۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ فلاح پانے کی امید رکھتے ہوئے یہ تمام نیک کام کرو، یعنی یقین مت کرو کہ تمہارے یہ نیک کام قطعی طور پر تم کو بامراد کر دیں گے امید رکھو کہ کامیاب ہو گے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اسرائیلی انبیاء میں سے ایک نبی کے پاس وحی کے ذریعہ سے یہ حکم آیا کہ تمہارے امت میں جو لوگ میرے اطاعت گزار ہیں ان سے کہہ دو کہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کر بیٹھنا کیونکہ قیامت کے دن جس شخص کو میں حساب فہمی کے مقام پر کھڑا کروں گا اور اس کو عذاب دینا چاہوں گا تو ضرور عذاب دوں گا (یعنی حساب فہمی میں سختی کروں گا اور درگزر سے کام نہ لوں گا تو لامحالہ وہ شخص عذاب میں ماخوذ ہو جائے گا) اور اپنی امت کے گناہگاروں سے کہہ دو کہ وہ خود اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالیں (ہلاک شدہ نہ سمجھیں اور ناامید نہ ہوں) کیونکہ میں بڑے بڑے گناہ گاروں کو بخش دوں گا اور مجھے پروا بھی نہ ہو گی۔ رواہ ابونعیم عن علیؓ۔

بزار نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر آدمی کے لئے تین رجسٹر نکال کر لائے جائیں گے ایک رجسٹر میں اس کے نیک اعمال درج ہوں گے ایک رجسٹر گناہوں کا ہو گا جس میں گناہوں کا اندراج ہو گا اور ایک رجسٹر اللہ کی نعمتوں کا (جس میں اللہ کی وہ تمام نعمتیں درج ہوں گی جو اس بندے کو عطا فرمائی گئی ہوں گی) پھر اللہ اپنی سب سے چھوٹی نعمت سے فرمائے گا اپنے مقابلہ میں اس بندے کے نیک (اعمال میں سے کسی) عمل کا انتخاب کر لے، نعمت اپنے مقابلہ پر سب نیک اعمال کو لے آئے گی (اور پھر بھی سارے اعمال صالحہ کے مقابلہ میں نعمت کا پلڑہ بھاری رہے گا) نعمت عرض کرے گی اے اللہ تیری عزت کی قسم میں نے اپنے مقابل ایک ایک کر کے ساری نیکیاں لے لیں اور ساری نیکیاں ختم ہو گئیں اب گناہ رہ گئے عمل صالح (تو ایک ہی نعمت کے مقابلہ میں) ختم ہو گئے۔ اگر اللہ بندہ پر رحم کرنا چاہے گا تو فرمائے گا میرے بندے میں

Marfat.com

نے تیرے لئے تری نیکیاں چند گنا کر دیں اور تیرے گناہوں سے میں نے اعراض کیا اور تجھ کو اپنی نعمت بخش دی۔

مسئلہ :- کیا آیت مذکورہ میں سجدۂ تلاوت واجب ہے علماء کا اس میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ امام مالک، سفیان ثوری اور کچھ دوسرے علماء کہتے ہیں یہاں سجدہ واجب نہیں اس جگہ سجدہ سے مراد تو نماز کا سجدہ ہے۔ کیونکہ آیت میں سجدہ کے ساتھ رکوع کا بھی حکم دیا ہے اور آیات قرآن کو تلاش کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی آیات میں سجدہ سے مراد سجدۂ نماز ہوتا ہے جیسے وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ۔ میں سجدۂ نماز مراد ہے کیونکہ اس کے ساتھ رکوع کا بھی حکم دیا گیا ہے اور ابن مبارکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد وغیرہ قائل ہیں کہ اس جگہ سجدۂ تلاوت ضرور کرنا چاہئے کیونکہ حضرت عقبہ بن عامر کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ کیا سورۂ حج کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں فرمایا، ہاں جو یہ دو سجدے نہ کرے وہ ان آیتوں کو نہ پڑھے۔ رواہ احمد وابو داؤد والترمذی۔ حدیث مذکورہ کو بالفاظ مذکورہ ترمذی نے نقل کیا ہے درواہ الدار قطنی والبیہقی والحاکم۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اس کے سلسلۂ روایت میں ایک شخص ابن لہیعہ شامل ہے جو ضعیف ہے۔ ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔

ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ابن وہب نے کہا ابن لہیعہ یوں تو سچا ہے لیکن حافظہ (کی کمزوری) کی وجہ سے اس کو ضعیف کہا گیا ہے۔ حاکم نے لکھا ہے عبد اللہ بن لہیعہ یوں تو امام ہے لیکن آخری عمر میں اس کا حافظہ درست نہیں رہا تھا (وسواس پیدا ہو گیا تھا) اور اس حدیث کا راوی تنہا یہی شخص ہے (اس لئے حدیث ضعیف ہو گئی۔)

ابو داؤد نے المراسیل میں لکھا ہے کہ ابن لہیعہ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بیان کیا کہ سورۂ حج کو دو سجدوں پر مشتمل ہونے کی فضیلت حاصل ہے۔ اس روایت کو مسند کہنا صحیح نہیں۔

حضرت عمرو بن عاص کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن میں مجھے سجدے کی پندرہ آیات پڑھائیں تین سجدے مفصلات میں اور دو سورۂ حج میں۔ رواہ ابو داؤد وابن ماجہ والدار قطنی والحاکم والمنذری والنووی۔

عبد الحق اور ابن القطان نے اس کو ضعیف کہا ہے اس میں عبد اللہ بن منین کلالی غیر معروف ہے اور اس سے حارث بن سعید ثقفی مصری نے روایت کی ہے اور یہ بھی مجہول ہے۔

حاکم نے حضرت عقبہ بن عامر والی حدیث کی تاکید کے لئے کہا ہے کہ حضرت عمر، حضرت ابن عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابو درداء، حضرت ابو موسیٰ اور حضرت عمار کے اقوال جو بروایت صحیحہ موقوفاً آئے ہیں وہ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ بیہقی نے المعرفۃ میں خالد بن معدان کے طریق سے مرسلاً روایت اس کی تائید میں بیان کی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ یہی اقوال حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عمرؓ کے ہیں۔

میں کہتا ہوں اس باب میں موقوف کو مرفوع کا درجہ حاصل ہے (کیونکہ کسی آیت میں سجدۂ تلاوت ہونے یا نہ ہونے کا مدار محض روایت پر ہے اگر ان صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے نہ سنا ہوتا تو خود ایسا نہیں فرماتے) سجود تلاوت کے مسائل ہم نے سورت انشقاق میں مفصل بیان کر دیئے ہیں۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ　　اور اللہ کے راستہ میں کوشش کرو۔ جیسی کوشش کرنے کا حق ہے۔

جہد بالضم وسعت، طاقت، جہد بالفتح مشقت، بعض اہل لغت کے نزدیک جہد کا معنی ہے انتہائی کوشش۔ بعض کے نزدیک جہد اور جہد دونوں کے معنی ہیں، وسعت اور طاقت، لیکن مشقت اور انتہائی کوشش کے لئے صرف لفظ جہد کا استعمال ہوتا ہے جہاد اور مجاہدہ (باب مفاعلۃ)۔ جہد سے ہی بنا ہے۔ یعنی طرفین سے انتہائی کوشش ومشقت۔ دشمن سے جنگ کرنے میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے طرفین سے غالب آنے کی انتہائی کوشش ہوتی ہے اور ہر فریق اپنی انتہائی وسعت وطاقت صرف کرتا ہے اور قولی و عملی جہاد کرتا ہے۔

Marfat.com

فی اللّٰہ یعنی اللہ کی راہ میں اللہ کے دین کو سربلند کرنے اور مضبوط کرنے کے لئے بعض نے فی اللہ کا ترجمہ کیا ہے لوجہ اللہ، خالص اللہ کے لئے۔

حَقَّ جِهَادِهٖ کی ترکیب مقلوب ہے یعنی جہاد کرو ایسا جہاد جو حق ہو، خالص اللہ کے لئے ہو۔ حق کی اضافت جہاد کی طرف معنی میں زور پیدا کرنے کے لئے کر دی گئی جیسے بولتے ہیں ھو حق عالم خلاصہ مطلب یہ ہے کہ خالص اللہ کی لئے جہاد کرو۔ اسی لئے حضرت ابن عباس نے حق جہادہ کی تشریح میں فرمایا اپنی پوری طاقت اللہ کی راہ میں لگا دینا اور اللہ کے دین میں کسی برا کہنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنا ہی حق جہاد ہے۔ مقاتل اور ضحاک نے کہا اللہ کے لئے کام کرو جیسا کہ کام کرنے کا حق ہے اور اس کی عبادت کرو جیسا عبادت کا حق ہے۔

اکثر مفسرین نے کہا حق جہاد یہ ہے کہ نیت خالص اللہ کے لئے ہو، سدی نے کہا حق جہاد یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے۔

عبداللہ بن مبارک نے کہا نفس اور نفسانی ہوا و ہوس سے جہاد کرنا ہی جہاد اکبر اور حق جہاد ہے۔

بغوی نے بیان کیا، روایت میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس آئے تو فرمایا ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے۔ بیہقی نے الزہد میں حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ غازی لوگ حاضر ہوئی، حضور ﷺ نے ان کو خوش آمدید فرمایا، اور فرمایا تم لوگ جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے۔ عرض کیا گیا جہاد اکبر کیا ہے۔ فرمایا، بندہ کا اپنی نفسانی خواہشات سے جہاد کرنا بیہقی نے کہا اس کی سند میں ضعف ہے۔

میں کہتا ہوں اس آیت میں جہاد سے صرف کفار سے جنگ کرنا ہی مراد نہیں ہے۔ رفتار آیت اس تخصیص کے خلاف ہے۔ ترتیب آیت میں خاص کے بعد عام کا ذکر کیا گیا ہے پہلے وَاسْجُدُوْا وَارْكَعُوْا فرما کر نماز کا حکم دیا اس کے بعد عام عبادت کا حکم دیا جس میں نماز بھی داخل ہے اس کے بعد ہر عمل خیر کو اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اس کے اندر اللہ کے حقوق، بندوں کے حقوق، تمام نمازیں، روزے، کافروں سے جنگ، اخلاق کریمہ اختیار کرنا اور تمام نیکیاں کرنا داخل ہے۔ سنن اور مستحبات کو بھی یہ حکم شامل ہے اس کے بعد جہاد کا حکم دیا تو اس ترتیب بیان کا لحاظ کرتے ہوئے کوئی وجہ نہیں کہ جہاد کو کافروں سے جنگ کے لئے مخصوص سمجھ لیا جائے بلکہ اس سے مراد ہو گا تمام گفتار، رفتار اور اطوار میں اخلاص اور یہ اخلاص اسی وقت حاصل ہو گا جب نفس اور خواہشات نفس کی مخالفت کی جائے کیونکہ جب تک دل کی صفائی نہ ہو اور نفس کو فنا نہ کر دیا جائے اس وقت تک اخلاص کا حصول ممکن نہیں اور دل کی صفائی اور فناء نفس اس وقت ممکن ہے جب نفس امارہ اور اس کی خواہشات سے جہاد کیا جائے لیکن اس کے ساتھ مشکوٰۃ نبوت سے نور چینی بھی لازم ہے اسی کو اصطلاح میں سلوک اور جذب کہا جاتا ہے قدماء مفسرین کے اقوال میں اسی کو اخلاص کہا گیا ہے۔ صوفی جب نفس کو فنا کر دیتا ہے اور دل کی صفائی اس کو حاصل ہو جاتی ہے تو اس کا شمار مخلصین میں ہو جاتا ہے اس وقت وہ کسی کے برا کہنے کی پروا نہیں کرتا اور بغیر دکھاوے اور شہرت طلبی کے خالص نیت کے ساتھ لوجہ اللہ اپنے رب کی عبادت کرتا ہے، ہر دم اس کی فرماں برداری کرتا ہے، کبھی نافرمانی نہیں کرتا در حقیقت یہی جہاد اکبر ہے۔ کافروں سے لڑنا تو جہاد کی ایک ظاہری شکل ہے بلکہ تمام عبادتیں جہاد کی صورتیں ہیں اگر خالص لوجہ اللہ نہ ہوں تو بے کار ہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے تمام اعمال نیت کے ساتھ ہوتے ہیں ہر شخص کے لئے وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہو گی پس جس شخص نے اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کے لئے گھر بار اور وطن چھوڑا تو اس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہو گی اور جس نے دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی چیز کے لئے ہو گی جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہو گی۔ متفق علیہ بروایت حضرت عمر بن خطابؓ۔

بیہقی اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے میں سب شریکوں سے زیادہ شرک سے بے نیاز ہوں جس نے کوئی نیک عمل کیا اور میرے ساتھ دوسرے کو بھی اس میں شریک کر لیا تو میں اس کے عمل سے بیزار ہوں۔ اس کا یہ عمل اسی

Marfat.com

کے لئے ہوگا جس کے لئے اس نے کیا ہوگا۔ رواہ مسلم۔

فائدہ: - اللہ کے رسول نے فرمایا تھا کہ تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف آئے اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ نفس کے ساتھ جہاد کرنا سب سے بڑا جہاد ہے اور یہ شیخ کامل کی صحبت سے مرید کو حاصل ہوتا ہے کافروں سے جنگ کرنے کے بعد جب صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور برکت صحبت سے فیض یاب ہوئے تھے اور انوار رسالت کی کچھ کرنوں کا پر تو ان کے دلوں پر پڑا تھا تو ان کے دل پاک صاف ہو گئے اور نفس کی نفسانیت فنا ہو گئی۔ صحابہ نے بھی اس کے جواب میں کہا کہ جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے صحابہ کا یہ قول بھی بلاشک صحیح تھا، کافروں سے جنگ کرنے کے وقت اگرچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے لیکن دشمن سے لڑنے کی طرف ان کی کامل توجہ تھی کفار کی مدافعت ہی ان کے پیش نظر تھی دوسری طرف ان کی توجہ ہی نہ تھی یا تھی تو کمزور تھی لیکن جب مدینہ میں پہنچ کر امن کے ساتھ صحبت رسول اللہ ﷺ میں کامل توجہ کے ساتھ حاضر ہوئے تو انوار رسالت سے نور چینی کا زیادہ موقع ملا۔ اور علوم ظاہری و باطنی کو حاصل کرنے کی کامل فرصت ملی۔ اور یہی سب سے بڑا جہاد تھا۔

هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۚ اسی نے تم کو (اور امتوں سے) ممتاز فرمایا اور اس نے تم پر دین (کے کام) میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی۔

حضرت مؤلف نے فرمایا، اللہ نے تم کو اپنے نبی اور حبیب کی مصاحبت کے لئے تمام لوگوں میں سے منتخب فرمالیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ نے (سارے انسانوں میں سے) مجھے منتخب فرمالیا اور میرے لئے میرے ساتھی منتخب فرمادیئے اور ساتھیوں میں سے میرے لئے سسرالی رشتہ دار اور مددگار منتخب فرمادیئے۔

حضرت واثلہ بن اسقع کا بیان ہے، میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرمارہا تھے اللہ نے اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے کنانہ کو برگزیدہ بنادیا اور بنی کنانہ میں سے قریش کو بزرگی عطا فرمائی اور قریش میں سے بنی ہاشم کو منتخب کرلیا اور بنی ہاشم میں مجھے منتخب فرمایا۔ رواہ مسلم۔

ترمذی کی روایت میں ہے ابراہیمؑ کی اولاد میں سے اسمٰعیل کو چھانٹ لیا اور اولاد اسمٰعیلؑ میں سے بنی کنانہ کو۔

اور دین میں تم پر تنگی نہیں کی یعنی ایسی تنگی اور سختی نہیں کی جس کی تعمیل و تکمیل تمہارے لئے سخت ہو جاتی۔

بعض اہل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ مومن جب کسی گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ اس کے لئے گناہ کی سزا سے نکلنے کا راستہ ضرور بنادیتا ہے، توبہ کے ذریعہ سے ہو یا دنیوی سزا اور اداء حقوق کی صورت میں ہو یا کفارہ دے کر ہو، بہر حال اللہ نے دین اسلام میں ایسی تنگی نہیں رکھی کہ کسی طرح اس گناہ سے پاک ہونے کی گنجائش ہی نہ ہو۔ گزشتہ امتوں کے لئے بعض گناہوں سے توبہ کرنے اور توبہ قبول ہونے کا اللہ نے کوئی طریقہ مقرر نہیں کیا۔

بعض اہل علم نے کہا تنگی نہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے اداء فرائض کے اوقات میں کوئی اشتباہ نہیں رکھا، فرائض کو ادا کرنے کے اوقات مقرر فرمادیئے مثلاً ہلال رمضان۔ ہلال فطر وقت حج وغیرہ۔

مقاتل نے کہا تنگی نہیں کی یعنی ضرورت کے وقت سہولت کا باب کھول دیا مثلاً سفر میں نماز کا قصر۔ پانی نہ ملنے یا نقصان رساں ہونے کی صورت میں تیمم۔ سخت ضرورت کے وقت مردار کو کھانا، مجبوری کے وقت بیٹھ کر بلکہ لیٹ کر نماز ادا کرنا، کلبی نے بھی یہی تشریح کی ہے۔ یہی مطلب ہے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا کہ جب میں تم کو کسی بات کا حکم دوں تو جتنا ہو سکے اس کی تعمیل کرو۔

حضرت ابن عباس کا قول مروی ہے تنگی نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ بنی اسرائیل پر (سخت احکام کے) جو بار تھے (اور سخت بند شیں تھیں) اللہ نے اس امت سے ان کو ساقط کردیا۔

میں کہتا ہوں دین میں تنگی نہ رکھنے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے شرعی احکام کی پابندی کو مسلمانوں کے لئے

Marfat.com

تکلیف دہ نہیں رہنے دیا، احکام شرعی کی پابندی تمہارے لئے طبعی مرغوبات سے بھی زیادہ لذیذ ہو گئی۔ اجتباء و امتیاز کی یہی خصوصیت لازمہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، نماز میں میری خنکی چشم بنادی گئی ہے۔ رواہ احمد النسائی والحاکم (وصححہ) والبیہقی عن انسؓ۔

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ تم اپنے باپ ابراہیم کی (اس) ملت پر (ہمیشہ قائم رہو) یہ سورت مکی ہے اس لئے بظاہر آیت میں خطاب قریشی مومنوں کو ہے اور دوسرے لوگ ذیلی طور پر اس میں داخل ہو جائیں گے (کیونکہ قریش کے علاوہ بہت کثرت سے ایسے لوگ تھے جن کے نسبی مورث اعلیٰ حضرت ابراہیم نہ تھے) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اس معاملہ میں دوسرے لوگ قریش کے پیرو ہیں، مسلمان مسلمان قریشیوں کے اور کافر کافر قریشیوں کے۔ متفق علیہ من حدیث ابی ہریرہؓ۔

مسلم نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، خیر و شر میں لوگ قریش کے پیرو ہیں۔

بعض علماء کے نزدیک تمام عرب کو خطاب ہے کیونکہ سارے عرب حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے تھے لیکن حضرت سلیمان فارسی حضرت بلال حبشی، حضرت صہیب رومی اور موالی کی کثیر جماعت تو عرب نہ تھی اور قیامت تک آنے والے لوگ بھی نسل ابراہیمی سے نہیں ہوں گے اس لئے یہ تفسیر کمزور ہے (مترجم) بعض نے کہا کہ تمام مسلمان مخاطب ہیں حضرت ابراہیمؑ رسول اللہ ﷺ کے جد اعلیٰ تھے اور امت کے لئے رسول اللہ ﷺ باپ کی طرح ہیں (نسبی نہیں بلکہ) آپ تم مسلمانوں کی ابدی زندگی کا سبب تھے اور مسلمانوں کی حقیقی زندگی کا سبب تھے اور مسلمانوں کی حقیقی زندگی حضور کی ہی عطا کردہ تھی اس لئے اللہ نے فرمایا وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ اور رسول اللہ ﷺ کی بیبیاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تمہارے لئے باپ کی طرح ہوں تم کو تعلیم دیتا ہوں، جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء میں جائے تو قبلہ کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھے نہ پشت کر کے اور دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرے۔ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی و ابن ماجہ وابن حبان عن ابی ہریرہؓ۔

اہل مکہ کو دین ابراہیمی مرغوب تھا، مسلمانوں کو بھی اور کافروں کو بھی۔ مشرکوں کا بھی دعویٰ تھا کہ وہ ملت ابراہیم پر ہیں اس خیال کر تردید میں اللہ نے تنبیہ فرمائی کہ تمہارا یہ گمان غلط ہے دین ابراہیمی پر تو شریعت محمدی پر چلنے والے ہیں ملت محمدی ہی ملت ابراہیمی ہے دوسری آیت میں فرمایا ہے اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ ابراہیمؑ سے سب سے زیادہ قریبی تعلق رکھنے والے وہ لوگ ہیں جو ان کے متبع ہیں اور یہ نبی (اور اس نبی پر) ایمان والے لوگ بھی۔

هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا اسی نے (یعنی اللہ نے) اس سے پہلے (بھی یعنی نزول قرآن سے پہلے سابق کتابوں میں) تمہارا نام مسلمان رکھا اور اس قرآن میں بھی۔

ابن زید نے کہا ھو کی ضمیر ابراہیم کی طرف راجع ہے یعنی اس زمانے سے پہلے اپنے زمانے میں ابراہیم نے تمہارا نام مسلمان رکھا، حضرت ابراہیم نے اپنی دعا میں کہا تھا۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ اے ہمارے رب ہم کو اپنا مسلم (مطیع) بنادے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک مسلمان امت (یعنی اہل مکہ کو مسلمان امت) بنادے اگرچہ حضرت ابراہیم نے اس قرآن میں امت محمدی کو مسلمان کا خطاب نہیں دیا، لیکن آپ نے اپنی دعا میں چونکہ اس امت کو امت مسلمہ کہا تھا (اور اللہ نے آپ کی دعا کو قبول فرمالیا) اور اسی سبب سے اللہ نے اس امت کو قرآن میں مسلمہ کا خطاب دیا تو گویا حضرت ابراہیم نے ہی اس قرآن میں امت محمدی کو مسلمہ کہا، بعض علماء نے کہا اصل کلام اس طرح تھا ابراہیمؑ نے تمہارا نام اس سے پہلے مسلم رکھا اور اس قرآن میں تم کو مسلمان کے نام سے موسوم کرنے کا بیان ہے۔ یہ جملہ درحقیقت هُوَ اجْتَبٰىكُمْ کا بیان ہے کیونکہ سچے اسلام کی ہدایت کرنا اور مسلمان نام رکھنا اسی وجہ سے ہے کہ اللہ نے تم کو منتخب کر لیا ہے۔

Marfat.com

لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ

(اللہ نے تم کو مسلمان ہونے کی وفیق دی اور تم کو مسلمان بنایا اور تمہارا نام مسلمان رکھا) تاکہ قیامت کے دن رسول شہادت دیں (کہ میں نے تم کو اسلام پہنچادیا تھا) اور تم دوسرے لوگوں پر گواہ ہو جاؤ (کہ ان کے پیغمبروں نے ان کو اللہ کا پیام پہنچا دیا تھا)۔

ابن جریر اور ابن المنذر نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن میں اور میری امت والے اونچے ٹیلوں پر ہوں گے اور لوپر سے مخلوق کو دیکھ رہے ہوں گے ہر شخص کی دلی خواہش ہوگی کہ وہ ہم میں سے ہو جائے (یعنی ہمارے پاس ٹیلہ پر آجائے) اور کوئی نبی ایسا نہ ہوگا کہ اس کی قوم نے اس کی تکذیب نہ کی ہو اور ہم شہادت دیں گے کہ اس نے اپنی قوم کو اپنے رب کا پیام پہنچادیا تھا۔

ابن مبارک نے الزہد میں لکھا ہے ہم کو ابن سعد نے اپنے چچا کے بیٹے پر محول کرتے ہوئے اطلاع دی کہ ابو حیلہ نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے اسرافیل کو بلایا جائے گا اور اللہ اس سے فرمائے گا کیا تو نے میرا پیام پہنچادیا تھا۔ اسرافیل جواب دیں گے جی ہاں، میں نے جبرئیلؑ کو تیرا پیام پہنچادیا تھا۔ جبرئیل کو بلا کر پوچھا جائے گا کیا اسرافیل نے تجھے میرا پیام پہنچادیا تھا، جبرئیلؑ جواب دیں گے جی ہاں اس قول پر اسرائیل سبکدوش ہو جائیں گے، اللہ جبرئیلؑ سے فرمائے گا پھر تو نے میرے حکم کی کیا تعمیل کی جبرئیل عرض کریں گے میں نے وہ حکم پیغمبروں کو پہنچادیا تھا۔ پھر پیغمبروں کو طلب کیا جائے گا اور دریافت کیا جائے گا کیا جبرئیلؑ نے تم کو میرا حکم پہنچادیا تھا، پیغمبر عرض کریں گے جی ہاں۔ دریافت کیا جائے گا پھر تم نے میرے حکم کا کیا کیا پیغمبر جواب دیں گے ہم نے اپنی اپنی امتوں کو پہنچادیا اس پر امتوں کو طلب کیا جائے گا اور پوچھا جائے گا کیا تم کو پیغمبروں نے میرا حکم پہنچادیا تھا کچھ لوگ اپنے جواب میں انبیاء کی تکذیب کریں گے اور کچھ تصدیق کریں گے انبیاء عرض کریں گے ہمارے پاس تبلیغ حکم پر شہادت دینے والے گواہ موجود ہیں اللہ فرمائے گا شاہد کون ہے انبیاء عرض کریں گے محمد کی امت شاہد ہے کہ ہم نے اپنی اپنی امتوں کو تیرا حکم پہنچادیا تھا) چنانچہ امت محمدی کو طلب کیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا تم شہادت دیتے ہو کہ انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کو میرا حکم پہنچادیا تھا محمد کی امت والے جواب دیں گے جی ہاں (ہم اس کی شہادت دیتے ہیں) اس وقت انبیاء کی امتیں کہیں گی اے ہمارے رب (یہ لوگ تو ہمارے بعد پیدا ہوئے تھے) انہوں نے تو ہمارا زمانہ نہیں پایا، پھر یہ کیسے شہادت دے رہے ہیں۔ اللہ فرمائے گا تم لوگوں نے تو ان امتوں کا زمانہ نہیں پایا پھر کس طرح ان پر شہادت دے رہے ہو۔ امت محمدی کہے گی، اے ہمارے رب! تو نے ہمارے پاس ایک رسول بھیجا تھا اور ہم پر ایک کتاب اتاری تھی اور اس کتاب میں بیان کیا تھا کہ انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کو تیرا پیام پہنچادیا۔ یہی مضمون ہے آیت وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔ کا اس آیت کی تشریح میں حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بخاری وغیرہ نے جو حدیث بیان کی ہے اس کی تفصیل سورت بقرۃ کی اسی آیت کی تفسیر کے موقع پر ہم نے کر دی ہے۔

فَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ پس نماز کی پابندی کرو۔

وَآتُوا الزَّكَوٰةَ اور زکوٰۃ ادا کرو۔ یعنی اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے ہر طرح کی (جسمانی ومالی) طاعت کرو۔

وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ ط اور (اپنے تمام امور میں) اللہ پر بھروسا رکھو اور اللہ کے سوا کسی اور سے کسی کام میں مدد طلب نہ کرو۔ حسن نے کہا وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دین کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو، حضرت ابن عباس کا قول ایک روایت میں آیا ہے اپنے رب سے مانگو وہ تمام مکروہات سے تم کو محفوظ رکھے گا۔ بعض نے کہا اپنے رب سے دعا کرو تاکہ وہ دین پر تم کو ثابت قدم رکھے۔

بعض کا قول ہے کہ اعتصام باللہ کا معنی ہے قرآن اور سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہنا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد

Marfat.com

فرمایا تھا، میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ جب تک ان کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کا طریقہ۔ رواہ مالک فی الموطا مرسلاً حضرت عصیف بن حارث یمنی راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نہیں پیدا کی کسی قوم نے (اپنے دین کے اندر بلا ثبوت) کوئی نئی بات (مگر اس کے مقابلہ میں) ویسی ہی ایک سنت اٹھادی گئی (مطلب یہ ہے کہ دین کے اندر جب کوئی نئی بات داخل کی جائے گی تو اللہ کے رسول کی سنت اتنی ہی مٹتی چلی جائے گی) پس سنت کو پکڑے رہنا دین میں بدعت کو ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔ رواہ احمد۔

هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ　　وہی تمہارا مددگار ہے، وہی تمہارا محافظ ہے۔ وہ تمہارے کاموں کا کارساز، ذمہ دار ہے۔

فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿٧٨﴾　　وہی تمہارا سب سے اچھا کارساز اور اچھا مددگار ہے۔

فنعم میں ف سببیت کے لئے ہے، یعنی جب ثابت ہو گیا کہ اللہ تمہارا کارساز و مددگار ہے تو بس وہی سب سے اعلیٰ کارساز و مددگار ہے۔ اس کی مثل کوئی نہیں۔ بلکہ حقیقت میں اس کے سوا کوئی دوسرا کارساز و مددگار ہی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

الحمد للہ۔ ۸ ذی الحجہ ۱۲۰۳ھ کو سورۂ حج کی تفسیر ختم ہوئی۔

۱۶ رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ کو اللہ کی مدد سے تفسیر مظہری سورۂ حج کا ترجمہ ختم ہوا۔

فللہ الحمد اولا و اخرا و باطنا و ظاهرا

سورۃ المؤمنون

اٹھارہواں پارہ قد افلح شروع

یہ سورۃ مکی ہے اس میں قراء بصرہ کے نزدیک ۱۱۹ آیات اور علمائے کوفہ کے نزدیک ۱۱۸ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حاکم نے حسب شرط شیخین حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا اور اس کو صحیح قرار دیا کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے میں اپنی نظر کو اوپر آسمان کی طرف اٹھا لیتے تھے اس پر آیات ذیل کا نزول ہوا۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴿۲﴾ بے شک ان مومنوں نے (آخرت میں) فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔

اس آیت کے نزول ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر نیچے جھکا لیا۔ ابن مردویہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے، رسول اللہ ﷺ آسمان میں ادھر ادھر نظر گھما لیا کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بغوی نے حضرت ابوہریرہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی نماز کے اندر آسمان کی طرف اپنی نظر اٹھا لیا کرتے تھے جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو سجدہ گاہ پر نظر جمانے لگے۔

ابن ابی حاتم نے ابن سیرین کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ صحابہ نماز کے اندر آسمان کی طرف نظریں اٹھا لیتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لفظ قد کسی امر متوقع کے ثبوت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جیسے لما کسی امر متوقع کی نفی پر دلالت کرتا ہے۔ قد اگر ماضی پر داخل ہو تو تحقق وقوع کے علاوہ قرب حال کا مفہوم بھی اس کے اندر آجاتا ہے اقد قام ابھی کھڑا ہو گیا۔ قد اکل ابھی ابھی وہ کھا چکا مومنوں کو اللہ کے فضل سے فلاح کی توقع تھی قد کے لانے سے فلاح یاب ہونے کی مسلمانوں کی لئے بشارت ہو گئی (گویا مسلمان فلاح یاب ہو چکے)۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے فلاح کامیابی اور کسی قابل خوف چیز سے نجات اور امر خیر میں باقی رہنا۔ فلاح دنیوی بھی ہوتی ہے اور آخرت کی بھی اس جگہ اخروی مراد ہے۔ کامل فلاح اخروی یہ ہے کہ بالکل عذاب نہ ہو، نہ قبر میں، نہ حساب کے وقت (حساب فہمی کی سختی کی شکل میں) نہ شدائد قیامت میں مبتلا ہو کر، نہ دوزخ میں داخل ہونے کی صورت میں، نہ صراط پر سے گزرنے میں (خلاصہ یہ ہے کہ عذاب قبر سے حساب فہمی کی سختی سے شدائد قیامت سے، روز قیامت کی ظلمت سے، دوزخ کی آگ اور ہر طرح کی تکلیفوں سے اور پل صراط پر گزرنے کی دشواری سے بالکل نجات مل جائے) اور اس نجات کے بعد جنت میں داخلہ مل جائے۔ مرتبۂ قرب اور دیدار باری تعالیٰ نصیب ہو جائے۔ اور مولیٰ کریم کی خوشنودی حاصل ہو جائے۔

رہی فی الجملہ ناقص کامیابی تو اس کی خصوصیت انہی اہل ایمان کے ساتھ نہیں ہے جن کی صفات کا تذکرہ اس آیت میں

Marfat.com

کیا گیا ہے بلکہ ہر وہ شخص جو لا الہ الا اللہ کا قائل ہو وہ آخرت میں ضرور فلاح یاب ہو گا۔ (خواہ اس کی فلاح کامل نہ ہو) اللہ نے فرمادیا ہے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ جو ذرہ (یا چھوٹی سرخ چیونٹی کے) برابر نیکی کرے گا وہ اس کی نظر کے سامنے آئے گی۔ اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ بھی اس کی نظر کے سامنے آئے گی اور نفس ایمان و توحید تمام نیکیوں کا سر کردہ ہے (اس لئے ہر مومن کا فلاح یاب ہونا ضروری ہے خواہ کسی قدر گناہ گار ہو)۔ اسی لئے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، توحید کی تصدیق کرنے والے سعادت یاب ہوں گے اور جنت میں (ہمیشہ) رہیں گے۔

حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ نے جنت عدن کو پیدا کیا اس کے درختوں میں پھل لٹکائے۔ (یعنی درختوں میں اتنی کثرت سے پھل پیدا کئے کہ ان کی شاخیں پھلوں کے بوجھ سے جھک گئیں اور پھل لٹک گئے) اور جنت کے اندر نہریں نکالیں پھر اس کی طرف دیکھا اور فرمایا بات کر، جنت نے عرض کیا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ اللہ نے فرمایا، قسم اپنی عزت و جلال کی کوئی بخیل تیرے اندر میرے قریب بھی نہیں آئے گا۔ رواہ الطبرانی۔

میں کہتا ہوں اس حدیث میں شاید بخیل سے مراد کافر ہے کیونکہ کافر اللہ کا حق توحید ادا کرنے میں بخیل ہوتا ہے۔

دوسری سند سے طبرانی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب اللہ نے جنت عدن کو پیدا کیا تو اس کے اندر ایسی چیزیں پیدا کیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں نہ کسی شخص کے دل میں ان کا خیال آیا، پھر فرمایا بات کر، جنت میں نے عرض کیا قد افلح المؤمنون۔

بزار، طبرانی اور بیہقی نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بھی ایسی ہی مرفوع روایت نقل کی ہے بیہقی نے مجاہد اور کعبؓ کی روایت سے بھی ایسا ہی بیان کیا ہے، حاکم کا بیان حضرت انسؓ کی روایت سے اسی طرح آیا ہے، ابن ابی الدنیا نے صفۃ الجنۃ میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ نے جنت عدن کو ایک سفید موتی اور یاقوت سرخ اور زمرد سبز کی اینٹوں سے بنایا ہے اس کا پلاستر مشک کا ہے اس کی گھاس زعفران ہے اس کی پتھریاں موتی ہیں اور اس مٹی عنبر ہے، اور فرمایا بات کر۔ جنت نے عرض کیا قد افلح المؤمنون اللہ نے فرمایا، قسم ہے اپنی عزت کی تیرے اندر میرے قرب میں کوئی بخیل نہیں آئے گا۔

حضرت مؤلف نے کہا ہو سکتا ہے کہ آیت میں فلاح سے مراد جنت کا داخلہ ہو خواہ عذاب کے بعد ہی مل جائے، اس وقت المؤمنون سے تمام مومن مراد ہوں گے کیونکہ کسی نہ کسی وقت سب مومنوں کا جنت میں داخلہ ہو جائے گا جیسا کہ احادیث مذکورہ سے ثابت ہے۔ اس تفسیر پر آیت میں مومنوں کی جو صفات بیان کی ہیں وہ قید احترازی کے طور پر نہ ہوں گی۔ (کہ جن مومنوں میں وہ صفات نہ ہوں وہ فلاح یاب نہ ہوں بلکہ صفات مدحیہ ہوں گی)۔ مومن کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ ان صفات کا حامل ہو اگر ان صفات کو قید احترازی قرار دیا جائے اور فلاح سے کامل فلاح مراد ہو تو مطلب یہ ہو گا کہ کامل فلاح پانے والے وہ مومن ہوں گے وہ مطلقاً فلاح یاب نہ ہوں گے۔ ہم مفہوم مخالف کے قائل نہیں۔ خواہ مفہوم مخالف کسی صفت کی تقیید سے پیدا ہوا ہو یا شرط کے ذکر سے اصول فقہ میں یہ تحقیقی مسئلہ بیان کر دیا گیا ہے کہ کسی صفت یا شرط کے ذکر کے صورت میں (بے شک حکم اس صفت اور شرط پر مرتب ہوتا ہے لیکن) جس میں وہ صفت یا شرط موجود نہ ہو اس کا حکم معلوم نہیں ہوتا اس کی طرف سے سکوت سمجھا جاتا ہے۔ نفی حکم تعیین کے ساتھ نہیں ہوتی، احتراز کا یہی مطلب ہوتا ہے (کہ جس میں صفت یا شرط مذکور موجود نہ ہو اس سے نہ نفی حکم تعیین کے ساتھ سمجھی جائے نہ اثبات حکم۔ گویا تعیین نفی سے احتراز ہوتا ہے۔)

اہل سنت کا اجماع ہے کہ جو گناہ گار بغیر مومن بغیر توبہ کے مر جائیں وہ جنت میں بالآخر ضرور داخل ہوں گے اللہ کو اختیار ہے کہ سزا دینے کے بعد جنت میں داخل فرمادے یا معاف فرمادے اور بغیر عذاب دیئے جنت میں بھیج دے۔

الخاشعون سے کون لوگ مراد ہیں۔ حضرت ابن عباس نے ترجمہ کیا عاجزی کرنے والے، اللہ کے سامنے اظہار عجز

Marfat.com

کرنے والے۔ حسن نے کہاڈرنے والے۔ مقاتل نے کہاتواضع کرنے والے اور اپنے آپ کو پست قرار دینے والے۔ مجاہد نے کہا نظریں نیچی اور آواز پست رکھنے والے۔ ایک روایت میں حضرت علیؓ کا قول آیا ہے (نماز میں) اِدھر اُدھر التفات نہ کرنا خشوع ہے۔ سعید بن جبیر نے کہاخشوع یہ ہے کہ یہ معلوم بھی نہ ہو کون دائیں طرف ہے اور کون بائیں طرف۔ اور دائیں بائیں نظر نہ ڈالے۔

عمرو بن دینار نے کہا، خشوع سے مراد ہے سکون، اور حسن بصری علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ خشوع سے مراد ہے سجدہ گاہ سے نظر نہ ہٹانا۔ عطاء نے کہااپنے بدن کے کسی حصے سے نہ کھیلنا مثلاً بے وجہ نہ کھجانا مراد ہے۔

بعض نے کہا نماز میں خشوع نام ہے توجہ کی یکسوئی کا کہ دوسری طرف خیال نہ جائے اور زبان سے جو الفاظ ادا کر رہا ہے اس پر غور کرتا جائے، نماز سے اِدھر اُدھر نہ ہٹے۔ دائیں بائیں نظر نہ گھمائے کسی طرف حائل نہ ہو، انگلیاں نہ چٹکائے، کنکریوں کو (جو زمین پر پڑی ہوں) کو الٹ پلٹ نہ کرے اور نماز کے نامناسب کوئی حرکت نہ کرے۔

حضرت ابودرداء نے فرمایا خشوع سے مراد ہے قولی اخلاص (اللہ کے سامنے) تعظیم کے ساتھ کھڑا ہونا کامل یقین اور پوری توجہ و یکسوئی۔

صاحب قاموس نے لکھاہے خشوع کا معنی ہے خضوع یعنی تواضع اخشوع کا مفہوم تواضع کے قریب ہے۔ یا خشوع کا تعلق اعضائے بدن سے ہوتا ہے اور خضوع آواز کی پستی و عاجزی اور نگاہ اور سکون اور اظہار عجز سب سے متعلق ہے۔ نہایہ میں ہے خشوع نگاہ اور آواز میں ہوتا ہے جیسے خضوع کا تعلق اجزائے بدن سے ہوتا ہے۔

حضرت ابوذر راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ بندے کی طرف برابر متوجہ رہتا ہے جب تک بندہ نماز میں اِدھر اُدھر نظر کو متوجہ نہیں کرتا۔ جب بندہ اِدھر اُدھر التفات کرتا ہے تو اللہ بھی اس کی طرف سے توجہ پھیر لیتا ہے۔ رواہ احمد، وابوداؤد، والنسائی، والدارمی۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے التفات فی الصلوۃ کے متعلق دریافت کیا فرمایا، یہ ایک جھپٹا ہوتا ہے جو شیطان بندے کی نماز میں سے اچک لیتا ہے۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین۔

حضرت انس بن مالک راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگ نماز کے اندر اپنی نگاہ آسمان کی طرف کیوں اٹھاتے ہیں، حضور ﷺ کا فرمان اس معاملہ میں اتنا سخت تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا لوگوں کو اس حرکت سے باز آجانا چاہیے ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔ رواہ البغوی۔ مسلم اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا نماز میں دعا کے وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے سے لوگوں کو باز آجانا چاہیے ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔

حضرت جابر بن سمرہ کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نماز کے اندر آسمان کی طرف نظر اٹھانے سے لوگوں کو باز آجانا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی نگاہیں واپس نہ آئیں۔ رواہ مسلم وابوداؤد واحمد وابن ماجہ۔

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز کے اندر اپنی داڑھی سے کھیلتے دیکھا فرمایا اگر اس کی دل میں خشوع ہوتا تو اعضائے بدن میں بھی ہوتا۔ رواہ الحکیم الترمذی فی نوادر الاصول بسند ضعیف.... حضرت ابوبکر صدیقؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہم نفاق والے خشوع سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ نفاق والا خشوع کیسا ہوتا ہے فرمایا بدن کا خشوع اور دل کا نفاق (یعنی دل کسی اور طرف مشغول ہو اور بظاہر اعضاء نماز میں ہوں)۔

مجاہد کا بیان ہے حضرت عبداللہ بن زبیر نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لکڑی کا کھم (اپنی جگہ) کھڑا ہے حضرت ابوبکر صدیق کی بھی یہی حالت تھی۔

حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ راوی ہیں کہ ان کی والدہ حضرت ام رومان نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکرؓ نے مجھے نماز میں اِدھر اُدھر جھکتے دیکھا تو اتنا سخت ڈانٹا کہ قریب تھا میں نماز توڑ دوں اور فرمایا، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے

Marfat.com

تھے جب تم میں سے کوئی نماز کو کھڑا ہو تو اس کے ہاتھ پاؤں میں سکون رہنا چاہئے، یہودیوں کی طرح ادھر ادھر نہ جھکے، نماز میں ہاتھ پاؤں کا ساکن رہنا نماز کا جزء تکمیل ہے۔ (ازالتہ الخفاء)

حضرت ابوالاحوص راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جب کوئی نماز کو کھڑا ہو جائے تو پتھریوں کو صاف نہ کرے کیونکہ (اللہ کی) رحمت اس کے منہ کے سامنے ہوتی ہے (اس کی طرف سے توجہ نہ ہٹائے) رواہ البغوی، امام احمد، ابن عدی، نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے یہ حدیث حضرت ابوذر کی روایت سے بیان کی ہے۔

فصل

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا اپنی نظر سجدہ کرنے کے مقام پر رکھا کرو۔ رواہ البیہقی فی سنتہ الکبیر۔

یہ بھی حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا بیٹے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے پرہیز رکھ۔ نماز کے اندر ادھر ادھر نظر کرنا (نماز کی) بربادی ہے اگر مجبور ہو تو نفل میں (ایسا کر سکتا ہے)۔ فرض میں نہیں۔

وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝۳ اور جو لغو باتوں سے (قولی ہوں یا فعلی) اعراض کرنے والے ہیں۔ عطاء نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا کہ لغو سے مراد شرک ہے حسن نے کہا گناہ اور نافرمانیاں مراد ہیں۔ میں کہتا ہوں آخرت میں کام نہ آنے والے امور مراد لینا بہتر ہے خواہ وہ امور قول سے تعلق رکھتے ہوں یا عمل سے۔

معرضون سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شرک اور معاصی اور آخرت میں ضرر پہنچانے والے امور کے ارتکاب کا تو ذکر ہی کیا ہے وہ تو بے کار اور غیر مفید باتوں سے بھی الگ رہتے ہیں۔ اور پرہیز کرتے ہیں۔

بعض نے کہا لغو سے اعراض کرنے کا یہ مطلب ہے کہ کافروں کے مقابلہ میں وہ گالیاں نہیں دیتے اور سبّ و شتم نہیں کرتے۔

دوسری آیت میں اللہ نے خود فرمایا ہے وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا مطلب یہ ہے کہ جب وہ بری بات سنتے ہیں تو خود اس کے اندر گھس نہیں پڑتے بلکہ۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ۝۴ اور جو اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں زکوٰۃ اس مالی مقدار کو بھی کہتے ہیں جس کو زکوٰۃ دینے والا ادا کرتا ہے اور زکوٰۃ ادا کرنے کو بھی زکوٰۃ کہا جاتا ہے (یعنی مصدر بھی ہے) آیت میں لفظ فاعلون موجود ہے (اور فعل کا وقوع نفس مال پر نہیں ہو سکتا بلکہ فعل کا تعلق ادا کرنے سے ہے) اس لئے اس جگہ زکوٰۃ ادا کرنا ہی مراد ہے اور اگر زکوٰۃ سے مقدار مالی مراد ہو گی تو لفظ الزکوٰۃ سے پہلے لفظ اداء محذوف ماننا پڑے گا۔ یعنی فاعلون لاداء الزکوٰۃ۔

لف فاعلون میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ پابندی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ زکوٰۃ سے مراد ہے عمل صالح۔ یعنی وہ نیک عمل کرنے والے ہیں۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝۵ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝۶

اور جو (تمام عورتوں سے) اپنی شرم گاہوں کی حفاظت رکھنے والے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور اپنی (شرعی) باندیوں کے کیونکہ (بیویوں اور اپنی باندیوں سے شرم گاہوں کی حفاظت نہ کرنے پر) ان پر کوئی الزام قائم نہیں کیا جائے گا۔

فرج، شرم گاہ مرد کی ہو یا عورت کی۔ حفظ الفرج حرام سے پاک دامن رہنا۔ علی ازواجھم کا تعلق حفظون سے ہے۔ احفظ علی عنان فرسی میرے گھوڑے کی لگام کو پکڑے رکھ آزاد نہ چھوڑ۔ یہ عربی مقولہ ہے حُفِظُونَ عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ میں حافظون کے بعد علی کا استعمال اسی محاورے کے مطابق ہے۔ چونکہ حفظ کے اندر نفی بذل کا مفہوم ہے تو گویا

Marfat.com

حافظون کا معنی ہو گیا لایبذلون الا علی ازواجھم وہ اپنی شرمگاہوں کو کہیں استعمال نہیں کرتے سوائے اپنی بیویوں کے۔ یا علی ازواجھم کا تعلق فعل محذوف سے ہے یعنی ھم لایبذلون الا علی ازواجھم۔

مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ سے مراد ہیں باندیاں مطلب یہ ہے کہ سوائے اپنی بیویوں اور اپنی باندیوں کے کسی اور عورت سے وہ قربت صنفی نہیں کرتے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ لفظ ما کا استعمال بے عقل چیزوں کے لئے جو عموماً کسی کی ملک میں ہوتی ہیں اور جتنے مملوک (باندی، غلام) ہوتے ہیں وہ بھی اہل عقل کی فہرست سے (گویا)، خارج ہوتے ہیں کیونکہ کسی کی ملک میں ضرور داخل ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ (بجائے من کے جوذی عقل کے لئے موضوع ہے۔) ما کا لفظ ذکر کیا۔ لیکن اس پر شبہ ہو سکتا ہے کہ جب فرج کا لفظ عام ہے مرد کی شرمگاہ کو بھی کہتے ہیں اور عورت کی شرمگاہ کو بھی اور حَافِظُونَ لِفُرُوجِهِمْ سے ازواج (جوڑے) اور ماملکت ایمانھم کا استثناء کیا گیا ہے اور ماملکت کا لفظ حسب تشریح بیضاوی غلاموں کو بھی شامل ہے تو پھر جو عورت غلام رکھتی ہو اس کو غلام سے قربت صنفی جائز ہونی چاہئے حالانکہ ایسا نہیں ہے اس شبہ کو دور کرنے کے لئے حضرت مؤلف نے فرمایا کہ ماملکت ایمانھم سے صرف باندیاں مراد ہیں کیونکہ عورتوں کو کم عقلی کی وجہ سے بے عقل چیزوں کے حکم میں داخل سمجھا جاتا ہے اسی لئے مؤنث کی ضمیریں بے عقل چیزوں کی طرف راجع کر دی جاتی ہیں۔ پس لفظ ما کا اس جگہ ذکر کرنا دلالت کر رہا ہے کہ اس سے باندیاں مراد ہیں غلام مراد نہیں ہیں خلاصہ یہ کہ عورتوں کے لئے اپنے غلاموں سے قربت ناجائز ہے اور آیت سے اس کا جواز مستفاد نہیں ہوتا۔

فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ پھر جو اس کے علاوہ اور جگہ شہوت رانی کے طلبگار ہوں گے تو وہ حد شرعی سے نکلنے والے ہیں۔

العادون یعنی ظلم اور زیادتی میں کامل ہیں، حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں اس آیت سے متعہ کرنے کی اجازت منسوخ ہو گئی۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا ابتدائے اسلام میں عورتوں سے متعہ کرنا جائز تھا۔ کوئی شخص اجنبی شہر میں جاتا اور وہاں کوئی جان پہچان والا نہ ہوتا تو جس قدر قیام کا ارادہ ہوتا اتنی مدت کے لئے کسی عورت سے نکاح کر لیتا تاکہ عورت اس کے لئے کھانا تیار کر دے اور سامان کی حفاظت رکھے یہاں تک کہ جب آیت الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم نازل ہوئی تو سوائے ان دونوں قسموں کے ہر عورت حرام ہو گئی۔ رواہ الترمذی۔ جن عورتوں سے متعہ کیا جاتا ہے وہ بیویاں یقیناً نہیں ہوتیں۔ فرقہ شیعہ کے نزدیک بھی نہ ان کو شوہر کی میراث ملتی ہے نہ شوہر کو ان کی میراث۔ اور باندیاں بھی یقیناً نہیں ہیں اور تیسری کوئی قسم حسب صراحت آیت حلال نہیں ہے اور زوجین کے درمیان توارث صراحت قرآن کے بموجب ضروری ہے۔ متعہ کا مسئلہ نساء کی آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً کی تفسیر میں ہم نے مفصل بیان کر دیا ہے۔

آیت مذکورہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ عمل بالید، جلق بھی حرام ہے۔ عام علماء کا یہی قول ہے۔ ابن جریج کا قول ہے، میں نے عطاء سے یہ مسئلہ پوچھا تو انہوں نے کہا مکروہ ہے (یعنی مکروہ تحریمی جو حکم حرام میں ہوتا ہے۔ مترجم) عطاء نے کہا میں نے سنا ہے کہ کچھ لوگوں کا حشر ایسی حالت میں ہوگا کہ ان کے ہاتھ حاملہ ہوں گے، میرا خیال ہے کہ وہ یہی عمل کرنے والے ہوں گے۔ سعید بن جبیر نے کہا کچھ لوگ اپنے آلات مردمی سے خود کھیلتے تھے اللہ نے ان پر عذاب نازل فرمایا۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝ اور جو اپنے پاس رکھی ہوئی امانتوں کا اور کئے ہوئے معاہدات کا لحاظ رکھنے والے ہیں۔

امانتوں سے مراد ہیں وہ چیزیں جو بطور امانت مومنوں کے پاس رکھی جائیں ان کو ان چیزوں کا امین بنایا جائے۔ عہد وعدہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک عہد وہ ہے جو اللہ نے بندوں سے لیا اور بندوں نے اللہ سے کیا ہے۔ نماز روزہ

Marfat.com

اور تمام عبادتیں اس کے ذیل میں آگئی ہیں۔ دوسرا عہد وہ ہے جو آدمی آپس میں کرتے ہیں۔ امانت، ودیعت، تجارت اور دوسرے معاہدات جن کا تعلق باہم انسانوں سے ہوتا ہے دونوں کی پابندی اور ان کو پورا کرنا، مسلمانوں پر واجب ہے (بشرطیکہ گناہ اور اللہ کی نافرمانی کا معاہدہ نہ ہو۔ مترجم۔)

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے قیامت کے دن بندے سے سب سے پہلے حساب فہمی نماز کی ہوگی۔ نماز ٹھیک نکلی تو بندہ کامیاب اور بامراد ہوگیا اور نماز بگڑی تو ناکام و نامراد ہو جائے گا۔ اگر کسی فرض کی ادائیگی میں کوئی کمی نکلے گی تو رب کریم فرمائے گا میرے بندے کے نوافل کو دیکھو (اگر کچھ نوافل ہوئے تو) ان سے فرض کی کمی پوری کردی جائے گی، پھر باقی اعمال کا حال بھی اسی طرح ہوگا (دوسری روایت میں آیا ہے پھر زکوٰۃ کی حالت بھی اسی طرح ہوگی۔ پھر تمام اعمال کی حساب فہمی اس طریقے سے ہوگی۔ رواہ ابوداؤد۔ امام احمد نے یہ حدیث بروایت رجل بیان کی ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اور جو اپنی نماز کی پابندی رکھتے ہیں۔ یعنی ہمیشہ ہر نماز کو اس کے وقت پر پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں شروع میں نماز کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا تھا آخری وصف بھی ادائے نماز کو ہی قرار دیا گیا۔ اس سے نماز کی اہمیت ظاہر ہو رہی ہے۔ لیکن ابتدائی آیت میں نماز میں خشوع رکھنے کا ذکر کیا گیا تھا اور اس جگہ نماز کی حفاظت کا دونوں صفتیں الگ الگ ہیں تکرار اوصاف نہیں ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے۔

اولئک یعنی یہی لوگ جو اوصاف مذکورہ کے حامل ہیں۔

الوارثون یعنی اس بات کے مستحق ہیں کہ صرف انہی کو (فردوس کا) وارث کہا جائے گا۔

الذین یرثون یہ الوارثون کا وصف ہے اور جس چیز کے وارث ہوں گے اس کا بیان ہے پہلے بلا تعین وراثت کا ذکر کیا گیا پھر تعین کے ساتھ وراثت فردوس کا ذکر کیا۔ اس سے وراثت کی عظمت اور بلندئ شان ظاہر ہوگئی۔ (شبہ کیا جاسکتا ہے کہ وارث ہونے کا لفظ چاہتا ہے کہ پہلے فردوس کسی اور کی تھی پھر مومنوں کو دیدی جائے گی۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے حضرت مفسر نے فرمایا) مراد یہ ہے کہ فردوس کے اندر کافروں کے لئے بھی نامزد کچھ مکان ہوں گے کہ اگر وہ ایمان لے آتے تو وہ مکان ان کو دیدیئے جاتے اور چونکہ وہ مسلمان نہ ہوئے اس لئے ان کے مکانوں کا وارث مومنوں کو کردیا جائے گا۔ یرثون کا یہی مطلب ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کے لئے دو گھر ہیں۔ ایک گھر جنت میں اور دوسرا دوزخ میں۔ جب کوئی مر کر دوزخ میں چلا جاتا ہے تو اہل جنت اس کے جنت والے گھر کے وارث ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے فرمان اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ کا یہی مطلب ہے۔ رواہ ابن ماجہ و سعید بن منصور و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ والبیہقی فی البعث۔

عبد الرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر اور حاکم کی روایت ان الفاظ کے ساتھ (بھی) آئی ہے کہ اہل جنت اپنے مکانوں کے بھی وارث (مالک) ہوں گے۔ اور اپنے ان بھائیوں کے مکانوں کے بھی کہ اگر وہ (اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام کو) مان لیتے تو ان کے مالک ہوتے کہ ان کے لئے وہ مکان تیار کر ہی دیئے گئے تھے۔

ابن ماجہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے گا اللہ جنت کے اندر اس کا میراثی حصہ ختم کردے گا۔

بعض علماء نے کہا وارث ہونے کا یہ معنی ہے کہ مآل کار ان کو جنت ملے گی جیسے وارث بالآخر میراث پاتا ہے فردوس

Marfat.com

سب سے اونچی جنت ہے اس کی مفصل تشریح سورۂ کہف میں گزر چکی ہے۔

هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ⑪ وہ فردوس میں ہمیشہ رہیں گے نہ مریں گے نہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔

امام احمد، ترمذی، نسائی اور حاکم نے حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر وحی کا نزول ہوتا تھا تو اس وقت آپ کے چہرے کے پاس شہد کی مکھیوں کی طرح کچھ بھنبھناہٹ سنی جاتی تھی۔ ایک روز جو وحی نازل ہونے لگی تو ہم (ختم وحی تک) ٹھہرے رہے (منتظر رہے) جب وحی کی حالت ختم ہو گئی تو حضور ﷺ نے قبلہ کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور کہا اے اللہ ہم کو اور دے، کمی نہ کر، ہم کو عزت عطا فرما، ذلیل نہ کر، ہم کو عطا فرما، محروم نہ کر، ہم کو دوسروں پر ترجیح عطا فرما، دوسروں کو ہم پر برتری نہ دے۔ ہم کو خوش کر دے اور ہم سے راضی ہو جا۔ پھر فرمایا مجھ پر دس آیات نازل کی گئی ہیں جو ان کو قائم کرے گا (یعنی ان پر پورا عمل کرے گا) وہ جنت میں داخل ہو گا اس کے بعد آپ نے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ سے دس آیات تک تلاوت فرمائیں۔ نسائی نے اس حدیث کو منکر کہا ہے لیکن حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ یہ آیات تمام ابواب خیر کا مجموعہ ہیں ان میں مومنوں کے متعدد اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ نماز میں خشوع رکھنا اوقات کی پابندی کرنا ہمیشہ زکوٰۃ ادا کرتے رہنا لغو باتوں سے اعراض کرنا، تمام محرمات سے اجتناب رکھنا وغیرہ، ان اوصاف کا حامل تمام کثافتوں اور گندگیوں سے پاک ہو جاتا ہے اور ذاتی و صفاتی تجلیات کی پرتو اندوزی کی اس میں استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ⑫ اور بلاشبہ ہم نے (جنس) انسان (یعنی آدم) کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا۔ اللہ کی عبادت اور طاعت واجب ہے اور وہ ہر عبادت کا استحقاق رکھتا ہے اس کی وجہ اور سبب کا اس آیت میں بیان ہے گویا یوں فرمایا ہم کو استحقاق ہے کہ بندے ہماری عبادت کریں اور ہم کو واحد مانیں کیونکہ ہم نے ان کو پیدا کیا ہے۔

سللتہ خلاصہ جوہر

من طین میں من بیانیہ ہے یعنی روئے زمین کا خلاصہ آدم کو خلاصۂ ارضی سے پیدا کیا گیا۔ اور باقی انسانوں کو نطفہ سے اور نطفہ غذا سے پیدا ہوتا ہے اور غذا زمین سے پیدا ہوتی ہے۔

کلبی نے کہا طین سے مراد حضرت آدمؑ ہیں عبدالرزاق ابن جریر اور عبد بن حمید نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ طین سے مراد حضرت آدم ہیں۔

عبد بن حمید کا قول نقل کیا ہے کہ من سُلٰلة من طین سے مراد ہے بنی آدم کا نطفہ (گویا طین سے مراد ہوئے بنی آدم اور سُلٰلة سے مراد ہوا نطفہ)

بغوی نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ (سُلٰلة سے مراد ہے) پانی کا خلاصہ عکرمہ نے کہا سُلٰلة سے مراد ہے وہ پانی جو پشت سے کھینچا جاتا ہے۔ عرب نطفہ کو سُلٰلة کہتے ہیں۔

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ⑬ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۚ

پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ (ایک مدت معینہ تک) ایک محفوظ مقام (یعنی رحم) میں رہا پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنایا پھر ہم نے اس بوٹی (کے بعض اجزاء) کو ہڈیاں بنادیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت (کا لباس) پہنا دیا۔

جعلنہ ہم نے اس خلاصہ کو نطفہ سے بنایاہ ضمیر سللتہ کی طرف راجع ہے کیونکہ سلالتہ بمعنی مسلول (اسم مفعول) ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ضمیر کا مرجع انسان ہو۔ نطفہ سے پہلے حرف جر محذوف ہے۔ حرف جر کو حذف کر کے نطفتہ کو منصوب کر دیا ہے یعنی من نطفة (نطفہ سے)

Marfat.com

قرار ٹھہرنے کی جگہ۔ مکین محفوظ مراد رحم۔ مکین در حقیقت مکان قرار کی صفت نہیں ہے بلکہ قرار پکڑنے والے کی ہے۔ مجازاً قرار کی صفت کر دیا گیا ہے۔

ثم خلقنا پھر ہم نے بنادیا سفید نطفہ کو سرخ خون کا لوتھڑا۔

مضغۃ گوشت کی بوٹی اتنی جو چبانے کے بقدر ہو گوشت کی بوٹی کی ہڈیاں بنادینے کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے اس کو سخت کر دیا۔ مضغہ کا جو حصہ ہڈی ہونے سے باقی رہا اس کا گوشت بنا کر ہم نے ہڈیوں کو اس گوشت کا لباس پہنا دیا (ہڈیوں پر چڑھادیا)

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ　پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) اس کو دوسری ہی (طرح کی) مخلوق بنادیا۔

انشانہ میں یہ ضمیر سلالۃ کی طرف راجع ہے یا انسان کی طرف۔ حضرت ابن عباسؓ مجاہد، عکرمہ ضحاک اور ابو العالیہ نے کہا خلق آخر سے مراد ہے روح پھونکنا۔

میں کہتا ہوں ان حضرات کے اقوال میں شاید روح سے مراد روح سفلی یعنی روح حیوانی ہوتی ہے اور نفس سے مراد ہوتی ہے روح علوی کی سواری، روح علوی کا تعلق عالم ارواح سے ہے اس کی قرار گاہ نظر کشف میں عرش کے اوپر ہے یہ مکانی چیز نہیں ہے اور نفس ایک بخار لطیف کا نام ہے جو عناصر سے پیدا ہوتا ہے اور جسم کی ہیئت کو اختیار کر لیتا ہے یہ جسم کثیف میں سرایت کئے ہوئے ہے چونکہ روح سے مراد روح سفلی ہے اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ سلالہ سے پیدا ہوئی ہے روح علوی کی پیدائش گاہ سلالہ سے نہیں اس لئے آیت میں روح علوی مراد نہیں ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ علوی ارواح کی تخلیق تو اجسام کی تخلیق پر مقدم ہے جب اللہ نے ارواح سے میثاق لیا تھا اس وقت اجسام تو موجود بھی نہ تھے۔

نفخ روح کیا ہے

نفخ روح اللہ کی ایک صفت ہے (جس کا وجود قدیم ہے) اللہ نے فرمایا وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ جب ہڈیاں گوشت کا جامہ پہن لیتی ہیں تو اس صفت کا تعلق جسم سے ہو جاتا ہے (گویا روح کا جسم سے تعلق حادث ہے اور روح بجائے خود قدیم ہے۔ ہاں اگر آیت میں انشاء پیدا کرنے سے مراد نفخ روح ہو پیدا کرنا نہ ہو تو اس توجیہ کی ضرورت نہیں)

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ اللہ کے سچے رسول ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کا مادۂ تخلیق ماں کے پیٹ میں بشکل نطفہ چالیس روز تک جمع رکھا جاتا ہے پھر وہ مادہ خون کا لوتھڑا ہو جاتا ہے اور اس حالت میں اتنی ہی مدت تک رہتا ہے پھر گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے اور اتنی ہی مدت تک (بوٹی کی شکل پر) رہتا ہے پھر اللہ فرشتہ کو چار احکام دے کر بھیجتا ہے فرشتہ اس کے (اچھے برے) اعمال اور مدت زندگی اور رزق اور سعید یا شقی ہونا (مومن یا کافر ہونا جنتی یا دوزخی ہونا) لکھ دیتا ہے پھر اس کے اندر روح پھونکی جاتی ہے پس قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم میں سے کچھ لوگ (ساری عمر) جنتیوں کے جیسے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن (تخلیقی) تحریر غالب آتی ہے اور وہ دوزخیوں کے کام کرنے لگتے ہیں (اور انہی اعمال پر خاتمہ ہو جاتا ہے) اور بعض لوگ (ساری عمر) دوزخیوں کے جیسے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور دوزخ کے درمیان ایک گز سے زیادہ فاصلہ نہیں رہتا آخر تقدیر کا لکھا غالب آجاتا ہے اور وہ جنتیوں کے عمل کرنے لگتے ہیں (اور اسی پر ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے) متفق علیہ بخاری و مسلم۔

ایک سوال

آیت میں نطفہ کا علقہ بن جانا اور علقہ کا مضغہ بن جانا اور مضغہ کا ہڈیوں میں تبدیل ہونا اور ہڈیوں پر گوشت چڑھ جانا۔ حرف فا کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان حالات کا تبادلہ فوراً بلا تاخیر ہو جاتا ہے لیکن ان تمام تبدیلات کے درمیان حدیث میں لفظ ثم کا استعمال کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تغیرات کافی وقفے کے بعد ہوتے ہیں۔ اس طرح آیت و حدیث کے بیان میں بظاہر تضاد و اختلاف معلوم ہوتا ہے۔

Marfat.com

جواب

رسول اللہ ﷺ نے ہر دو حالتوں کی تبدیل کے درمیان چالیس روز کی مدت کی صراحت فرمائی ہے اس صورت میں لفظ ثم کا استعال ہونا چاہئے تھا (جب ایک کام کے بعد دوسرا کام تاخیر اور وقفہ کے ساتھ ہو تو لفظ ثم استعال کیا ہی جاتا ہے) لیکن یہ باہمی تبدیلیاں اگر چالیس چالیس روز کی مدت میں ہوتی ہیں مگر اتنی عظیم الشان اور نمایاں ہوتی ہیں کہ چالیس چالیس روز کا وقفہ بھی ایسی تبدیل کے لئے کچھ حیثیت نہیں رکھتا (گویا یہ وقفہ وقفہ ہی نہیں ہے) اس لئے اللہ کے کلام میں لفظ۔ ف۔ ذکر کیا گیا (تاکہ معلوم ہو جائے کہ ایک ایک چلّہ گزرنا اور ہر تبدیلی کا ایک چلّہ کے بعد مکمل ہونا بھی ایسے عظیم الشان تغیرات کے لئے بے حقیقت ہے گویا یہ کوئی وقفہ ہی نہیں ہے)

پھر آیت کے طرز اور اسلوب بیان میں بھی اختلاف ہے اول دونوں حالتوں کو لفظ ثم سے ظاہر کیا گیا ہے پھر تین حالتوں کے تغیر کے درمیان لفظ ف استعال کیا ہے پھر انشاء تخلیق آخر کو لفظ ثم کے ساتھ بیان کیا ہے طرز بیان کی یہ نیرنگی تغیرات کے تفاوت و تنوع کی طرف اشارہ کر رہی ہے سلالہ (غذائی) کا نطفہ بن جانا بہت ہی عظیم الشان اور عجیب ہے پھر پشت پدر اور سینۂ مادر میں ایک طویل مدت تک استقرار پھر رحم مادر میں پہنچ کر مخلوط ہو کر چالیس روز تک بصورت نطفہ ٹھہرا رہنا بھی ندرت شان رکھتا ہے پھر نطفہ کا چالیس روز میں علقہ بن جانا بھی بہت نمایاں اور عظیم تغیر ہوتا ہے اس لئے ہر تغیر کو لفظ ثم سے ظاہر کیا لیکن علقہ کا مضغہ بن جانا اور مضغہ کے بعض اجزاء کا سخت ہو کر ہڈیاں بن جانا اور کچھ حصہ باقی رہ کر گوشت ہو جانا اتنا عظیم تغیر نہیں جتنا اول الذکر دونوں صورتوں میں ہوتا ہے اور چونکہ تخلیق آخر کا زمانہ بہت دیر میں آتا ہے اور اتنا عجیب ہوتا ہے کہ کایا پلٹ جاتی ہے اس لئے آخر میں لفظ ثم سے اس انقلاب کو ظاہر کرنے کے لئے نہایت ضروری تھا۔

مسئلہ :- اگر کسی نے کوئی انڈا غصب کیا اور غاصب کے پاس پہنچ کر انڈے سے بچہ نکل آیا اور پھر بچہ مر گیا یا حرم کے اندر سے انڈا باہر نکال کر لے آیا اور حرم سے باہر انڈے سے بچہ پیدا ہو گیا تو دونوں صورتوں میں انڈے کا ضمان (تاوان) دینا پڑے گا کیونکہ بچہ کا پیدا ہونا تخلیق آخر ہے اور اسی دور میں روح سفلی یعنی روح حیوانی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے ضمان کا تعلق تخلیق اول سے ہی ہوگا۔

قتادہ نے کہا انشاء خلق آخر سے مراد ہے دانت اور بال نکل آنا۔

ابن جریج نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ مکمل جوان ہونا مراد ہے۔

حسن نے کہا نر یا مادہ ہونا مراد ہے عوفی کی روایت حضرت ابن عباس کا تفسیری قول ہے کہ انشاء تخلیق آخر سے زندگی کے سارے تدریجی تغیرات اور انقلابات مراد ہیں پیدا ہونا پھر چیخنا پھر دودھ پینا پھر آہستہ آہستہ بیٹھنا پھر رفتہ رفتہ کھڑا ہونا پھر چلنا اور دودھ ترک کر کے کچھ غذائی چیزیں کھانا پینا پھر بچپن سے دھیرے دھیرے جوانی کی حدود میں داخل ہونا اور ملک ملک میں گھومنا پھرنا سب ہی انشاء خلق آخر کی صورتیں ہیں۔

میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ انشاء تخلیق آخر سے مراد دوسری ولادت ہو جو صوفی کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ مرتبۂ فنا پر پہنچ جاتا ہے اور تمام بہیمی اور سبعی بشری صفات سے نکل کر ملکوتی صفات اختیار کر لیتا ہے اور پھر ملکوتی صفات سے ترقی کر کے رحمانی صفات کی طرف منتقل ہوتا ہے اور بقاء باللہ یا بقاء بصفات اللہ کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔ لفظ ثم کا استعال کرنے کی یہ وجہ زیادہ مناسب ہے۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ (تخلیق کے گزشتہ احوال دلیل ہیں اس امر کی کہ) اللہ کی بہت بڑی شان ہے جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔

تبرک اللہ یعنی اللہ کی شان اعلیٰ و برتر ہے اس بات سے کہ وہ اپنا کوئی شریک بنائے یا اس کے احکام کی پابندی اور تعمیل میں سستی کی جائے۔ فتبرک میں ف سببیت کے لئے ہے (گزشتہ کلام آئندہ کلام کی علت ہے، مطلب یہ ہے کہ تخلیق

Marfat.com

خداوندی کی گزشتہ کیفیت اور مذکورہ بالا احوال اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ کی قدرت کامل ہے اس کی حکمت بالغہ ہے اس کی شان کی عظمت اور اس کے مرتبہ کی رفعت مقتضی ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ شریک ہونا ممکن ہے۔ وہ احسن الخالقین ہے۔

معتزلہ کا قول

معتزلہ فرقہ والے کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے یعنی بندہ ہی اپنے اختیاری افعال کو پیدا کرتا ہے دیکھو اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ خالق بہت ہیں اور اللہ سب سے اچھا خالق ہے (تفضیل کا تحقق اور تصور بغیر مفضل علیہ کے وجود کے نہیں ہو سکتا) ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ تمام عقلی اور شرعی دلائل سے ثابت ہے کہ بندوں کے سارے اختیاری افعال کا خالق اللہ ہی ہے بندہ خالق نہیں ہے اللہ نے فرمایا ہے خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو بھی۔

جس ممکن کا وجود بھی اپنا نہیں اللہ کا عطا کردہ ہے اس کی ذات مقتضی وجود نہیں وہ دوسرے کو کیسے وجود دے سکتا ہے۔
تمام صحابہ اور علماء امت کا اتفاق ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں۔

رہا معتزلہ کے اعتراض کا جواب تو اس کی توضیح کے لیے ہم کہتے ہیں کہ لفظ خلق میں ہمارا کوئی جھگڑا نہیں اس لفظ کا اطلاق تو بندے پر بھی ہوا ہے حضرت عیسیٰ نے فرمایا تھا اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـٴَـةِ الطَّیْرِ اللہ نے خود فرمایا ہے وَتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا لیکن بندے کی طرف جب لفظ خلق کی نسبت کی جاتی ہے تو اس کا معنی ہوتا ہے بنانا۔ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل کی ایک چیز بناتا ہوں اور تم جھوٹ بناتے ہو۔ اس میں کوئی نزاع نہیں کہ لفظ خلق کی نسبت بندے کی طرف کی جاتی ہے لیکن اس وقت خلق کا معنی ایجاد معدوم نہیں ہوتا بلکہ کسب اور صنعت ہوتا ہے یہ یقینی بات ہے کہ انسان کو اپنے اختیار سے افعال کو کرنے نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اور اس کے ارادے اور اختیار کو اپنے اعمال میں دخل ہے یہی ارادہ و اختیار مدار تکلیف ہے تمام اوامر و نواہی کا مکلف بندے کو اسی اختیار کی وجہ سے کیا گیا ہے ثواب و عذاب بھی انہی اختیاری افعال پر مرتب ہوتا ہے۔ ہم اسی کو کسب کہتے ہیں پس بندہ، کاسب، ہے لیکن بندہ کا یہ ارادہ اور اختیار ایجاد معدوم کے لئے بالکل کافی نہیں نہ یہ کسی جوہر کو موجود کر سکتا ہے نہ کسی عرض (یعنی عمل اور حالت) کو ایجاد تو اللہ ہی کی قدرت و اختیار سے وابستہ ہے جب اللہ کی قدرت و اختیار کسی مخلوق سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ تو ہم اس کو تخلیق کہتے ہیں اور اختیار عبد کو بھی اس میں دخیل بنا لیا جائے تو یہ کسب عبد کہلاتا ہے لیکن کسب عبد موجد نہیں۔ موجد تو وہ قدرت و ارادہ ہے جس نے کسب عبد کو بعض چیزوں میں دخیل بنایا ہے بندہ کی طرف لفظ خلق کی نسبت سے یہ سمجھ لینا کہ بندہ اپنے افعال کا خود موجد ہے غلط ہے۔ ہاں بندے کو کاسب اور بنانے والا کہہ سکتے ہیں اسی لئے مجاہد نے کہا تھا کہ بندے بھی بناتے ہیں اور اللہ بھی بناتا ہے اور اللہ سب صناعوں سے بہتر بنانے والا ہے۔

بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ الخالقین کا معنی ہے صورتیں بنانے والے یا اندازہ کرنے والے لغت میں خلق کا معنی ہے اندازہ کرنا۔ بعض اہل تفسیر نے کہا کہ کلام کی بناء فرض محال پر ہے اور فرض محال ناممکن نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ دوسرے بھی خالق ہیں تب بھی اللہ سب سے اچھا خالق ہے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت عمر کا قول نقل کیا ہے حضرت عمر نے فرمایا چار باتوں میں (اتفاقاً) میری موافقت اپنے رب سے ہو گئی۔ ایک یہ کہ جب وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ الخ نازل ہوئی تو اس کے آخر میں میری زبان سے نکل گیا۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ چنانچہ آخر میں یہی الفاظ نازل ہو گئے (الحدیث)

حضرت عمر کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک آیت سے کم قرآنی عبارت معجزہ نہیں ہے نازل ہونے سے پہلے دوسرے انسانوں کی زبان سے بھی اتنی عبارت نکل سکتی ہے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رسول اللہ ﷺ کا کاتب تھا (وحی نازل ہوتی تو آپ اس سے وحی

Marfat.com

کی کتابت بھی کرالیا کرتے تھے) ایک بار رسول اللہ ﷺ کے لکھوائے بغیر یہ جملہ اس نے آیت مذکورہ کے اختتام پر زبان سے کہہ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسی طرح لکھ دے یہ یوں ہی نازل ہوا ہے عبد اللہ نے (لوگوں سے) کہا اگر محمد نبی ہیں ان کے پاس وحی آتی ہے تو میں بھی نبی ہوں میرے پاس بھی وحی آتی ہے یہ کہہ کر اسلام سے پھر گیا اور مکہ چلا گیا کچھ مدت کے بعد جب مکہ فتح ہوا تو جہاں اور چند لوگوں کو حضور ﷺ نے واجب القتل قرار دیا وہاں اس کو بھی مباح الدم قرار دیدیا اور حکم دیدیا کہ جہاں ملے قتل کر دیا جائے۔ عبد اللہ حضرت عثمان بن عفان کی خدمت میں حاضر ہو کر سفارش کا خواستگار ہوا حضرت عثمان نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے لئے امان کی درخواست کی۔ حضور ﷺ دیر تک خاموش رہے پھر دیر کے بعد فرمایا اچھا (عبد اللہ کو امان مل گئی) حضرت عثمان واپس چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا (تم نے میرے اچھا کہنے سے پہلے ہی اس کو قتل کیوں نہیں کر دیا) میں تو دیر تک اسی لئے خاموش رہا تھا کہ تم اس کو قتل کر دو۔

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ، حضور ﷺ نے ہم کو اشارہ کیوں نہ کر دیا، فرمایا نبی کے لئے یہ زیبا نہیں کہ نگاہ کی چوری کرے۔ عبد اللہ اسی روز دوبارہ مسلمان ہو گیا اور پھر اس کا اسلام اچھا رہا۔

میں کہتا ہوں سبیل الرشاد میں عبد اللہ کا مرتد ہونا اور فتح مکہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مباح الدم ہونا اور حضرت عثمان کا سفارش کرنا یہ سب کچھ مذکور ہے لیکن وجہ ارتداد یہ ذکر نہیں کی کہ اس کی زبان سے نزول وحی سے پہلے ہی جملۂ مذکورہ نکل گیا تھا اور تاریخی حیثیت سے ایسا ہونا ممکن بھی نہیں کیونکہ عبد اللہ مذکور کے ارتداد کا واقعہ مدینہ میں ہوا تھا اور یہ سورت مکی ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾　　پھر تم بعد اس (قصۂ عجیبہ) کے ضرور ہی مرنے والے ہو۔ یعنی گزشتہ تمام مراحل زندگی طے کرنے کے بعد جب تمہاری زندگی کے خاتمہ کا وقت آجائے گا تو مر جاؤ گے۔ مطلب یہ کہ لامحالہ تم کو موت کی طرف جانا ہے سب موت کی جانب جا رہے ہو۔

میّت اور مائت وہ شخص جو مرنے والا ہو ابھی مرا نہ ہو اور میت وہ شخص جو مر چکا ہو اسی لئے اس جگہ میّتون تخفیف کے ساتھ پڑھنا درست نہیں ہے جیسے انک میّت وانہم میتون میں تخفیف و تشدید جائز نہیں (کذا ذکر البغوی) صاحب قاموس نے لکھا ہے مات یموت (نصر) یمات (فتح) یمیت (ضرب) میّت اور میت دونوں طرح سے حیّ کی ضد ہے۔ مات کا معنی سو گیا اور سکون پایا بھی ہے یا یوں کہا جائے کہ میت بالتخفیف وہ شخص جو مر چکا ہو اور میت ومائت وہ شخص جو ابھی مرا نہ ہو (آئندہ مرنے والا ہو)

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾　　پھر قیامت کے دن یقیناً (قبروں سے حساب فہمی اور جزا و سزا کے لئے) تم اٹھائے جاؤ گے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

اور ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے اور ہم مخلوق (کی مصلحتوں) سے بے خبر نہ تھے۔

طرائق سے مراد آسمان ہیں، کیونکہ ہر اوپر والا آسمان نیچے والے پر چڑھا ہوا ہے اگر نچلی چیز بالائی چیز کی طرح ہو تو نچلی کو بالائی چیز کا طریقہ کہا جاتا ہے۔ طرائف کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آسمانوں کے اندر فرشتوں یا سیاروں کے چلنے کی گزرگاہیں ہیں۔

الخلق سے مراد ہے مخلوق کوئی ہو۔

غٰفلین یعنی ان کے معاملہ سے بے خبر، ان کو یوں ہی بے کار چھوڑ دینے والے نہیں ہیں بلکہ اختلال اور نظام کی ابتری سے ان کو محفوظ رکھتے ہیں۔ ان کی نگرانی رکھتے ہیں اور حسب حکمت و مصلحت ان کے مناسب حد کمال تک پہنچانے کا انتظام قائم رکھتے ہیں اور آسمانوں کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہیں۔

Marfat.com

جملہ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ جملۂ سابق کی علت ہے۔ پورا مطلب اس طرح ہوگا کہ ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے تاکہ رزق اور برکات کے دروازے تمہارے اوپر کھلے رہیں سورج چاند اور ستارے تم پر چمکتے دمکتے رہیں کیونکہ تمہاری مصلحتوں اور احوال کو درست رکھنے والے امور سے ہم غافل نہیں ہیں (یا غافل نہ تھے)

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۤءِ مَاۤءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور ہم نے (مناسب) مقدار میں اوپر سے پانی برسایا پھر اس کو زمین میں ٹھہرایا اور اس کو (بالکل) معدوم کردینے پر بھی بلاشبہ قدرت رکھنے والے ہیں۔

پانی سے مراد بارش کا پانی۔ بقدر یعنی مناسب مقدار کے ساتھ جتنا تقاضائے مصلحت تھا۔ زمین میں ٹھہرانے کا مطلب بعض اہل علم نے یہ بیان کیا کہ تالابوں اور حوضوں اور گڑھوں میں ہم نے پانی کو جمع کردیا تاکہ بارش نہ ہو تو لوگ اس سے کام چلائیں۔ بعض اہل تفسیر نے کہا کہ اس سے زمین کا پانی پینا مراد ہے پانی کو زمین چوس لیتی ہے۔ زمین کے مسامات میں پانی گھس جاتا ہے پھر اس سے چشمے اور سوت پھوٹ نکلتے ہیں۔ زمین سے جتنا پانی برآمد ہوتا ہے وہ آسمان سے برسا ہوا ہی ہوتا ہے۔

ذھاب م بہ اس کو لے جانا زائل کردینا مراد یہ ہے کہ ہم اس کو خراب بھی کرسکتے ہیں کہ کسی کام نہ آئے اور بھاپ بنا کر اڑا بھی سکتے ہیں اور زمین کے اندر انتہائی گہرائی تک بھی پہنچا سکتے ہیں کہ کسی کے ہاتھ نہ آئے۔

لقدرون بلاشبہ ہم پانی کو فنا کردینے پر بھی اسی طرح قادر ہیں جس طرح اس کو برسانے پر قادر ہیں اگر ہم پانی کو فنا کردیں تو تم پیاسے مرجاؤ تمہارے جانور بھی مرجائیں اور تمہاری زمینیں بنجر ہوجائیں۔

بغوی نے لکھا ہے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ نے جنت سے چار دریا نازل کئے ہیں۔ سیحون، جیحون، دجلہ، فرات یہ بھی بغوی نے لکھا ہے کہ امام حسن بن سفیان نے سند کے ساتھ بوساطت عکرمہ حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے جنت کے ایک چشمہ سے جو جنت کے نچلے نشیبی حصہ میں تھا پانچ دریا جبرئیل کے دونوں بازوؤں پر نازل فرمائے۔ سیحون، جیحون، دجلہ، فرات، نیل، جبرئیل نے یہ دریا بطور امانت پہاڑوں کے سپرد کردیئے اور زمین میں بہادیئے اور لوگوں کے لئے فائدہ بخش بنادیئے آیت وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۤءِ مَاۤءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فی الارض سے اسی طرف اشارہ ہے پھر جب یاجوج وماجوج کا زمانہ آئے گا تو اللہ جبرئیل کو بھیج کر زمین سے قرآن اور تمام (دینی) علم کو اور سنگ اسود کو اور مقام ابراہیم کو اور تابوت موسیٰ کو مع اس کی اندرونی چیزوں کے اور ان پانچوں دریاؤں کو آسمان کی طرف اٹھالے گا۔ آیت وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ کا یہی مطلب ہے۔ جب یہ چیزیں زمین سے اٹھالی جائیں گی تو اہل ارض دنیا اور دین کی ہر بھلائی سے محروم ہوجائیں گے۔

میں کہتا ہوں شاید زمین کے سارے دریا جنت ہی سے آئے ہیں۔ حدیث میں صرف پانچ کا تذکرہ بطور تمثیل کیا گیا ہے۔

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾

پھر ہم نے اس (پانی) سے کھجوروں اور انگوروں کے باغ تمہارے لئے پیدا کئے جن کے اندر تمہارے واسطے بکثرت میوے ہوتے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔ فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ یعنی کھجوروں اور انگوروں کے علاوہ بھی تمہارے لئے بکثرت میوے ان باغوں میں ہوتے ہیں جن سے تم لذت اندوز ہوتے ہو۔

ومنھا یعنی باغوں کے پھلوں اور غلے کے کھیتوں سے بطور غذا تم بعض کو کھاتے ہو اور سامان زندگی حاصل کرتے ہو۔ کھجوروں اور انگوروں کا خصوصی تذکرہ بطور تمثیل کیا گیا ہے ورنہ کشمش اور چھوارے اور طرح طرح کے پھل اور شربت سب ہی باغوں کی پیداوار ہیں یا پھلوں سے بنائے جاتے ہیں۔ انگور اور کھجور عرب میں دوسرے پھلوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ پیدا ہوتے ہیں پس انہی کو بطور مثال ذکر کردیا۔

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَاۤءَ

اور ہم نے ایک (اور) درخت پیدا کیا (یعنی زیتون) جو طور

Marfat.com

سینا میں پیدا ہوتا ہے۔
سیناء کے معنی مختلف بیان کیے گئے ہیں مجاہد نے کہا سیناء کا معنی ہے برکت یعنی برکت والے پہاڑ سے ہم نے زیتون کو پیدا کیا۔
قتادہ، ضحاک اور عکرمہ نے کہا اس کا معنی ہے اچھا اور خوبصورت، ضحاک نے کہا یہ نبطی زبان کا لفظ ہے اور عکرمہ نے اس کو حبشی زبان کا لفظ کہا ہے کلبی نے کہا سیناء کا معنی ہے درختوں والا۔ بعض نے کہا سریانی زبان میں گھنے درختوں کی جھاڑی کو سیناء کہتے ہیں۔ مقاتل نے کہا جس پہاڑ پر بکثرت پھلدار درخت ہوں اس کو نبطی زبان میں سیناء اور سینین کہا جاتا ہے مجاہد نے کہا سینا۔ خاص پتھروں کی ایک قسم ہوتی ہے یہ طور میں بکثرت موجود ہیں اس لئے طور کی سیناء کی طرف اضافت کردی گئی۔ ابن زید نے کہا طور سیناء پورا نام اس پہاڑ کا ہے جو مصر اور ایلہ کے درمیان واقع ہے۔ جہاں سے حضرت موسیٰ کو ندادی گئی تھی۔ جیسے امرء القیس پورا نام ہے۔
تَنۡۢبُتُ بِالدُّهۡنِ وَصِبۡغٍ لِّلۡاٰكِلِيۡنَ ۝ جو اگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کے لئے سالن لئے ہوئے یعنی زیتون میں دونوں فائدے ہیں یعنی اس کے اندر روغن بھی جو مالش کے کام میں آتا ہے اور چراغ بھی اس سے جلائے جاتے ہیں اور یہ سالن بھی ہے کہ روٹی اس میں ڈبوئی جاتی ہے۔
بغوی نے لکھا ہے صبغ اور صباغ اس سالن کو کہتے ہیں جس میں روٹی ڈبوئی جاتی ہے اور روٹی پر اس کا رنگ آجاتا ہے اور ادام عام سالن کو کہتے ہیں جس کو روٹی کے ساتھ کھایا جاتا ہے خواہ اس سے روٹی رنگین ہو یا نہ ہو۔
مقاتل نے کہا اللہ نے اس درخت کو ادام (سالن) بھی بنایا ہے اور دہن (روغن۔ زیت) بھی۔ مقاتل نے یہ بھی کہا کہ طور کے ساتھ زیتون کی خصوصیت اس وجہ سے کہ سب سے پہلے طور میں ہی زیتون کا درخت پیدا ہوا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ طوفان کے بعد زمین پر سب سے پہلے زیتون کا ہی درخت پیدا ہوا۔
وَاِنَّ لَكُمۡ فِى الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَةً‌ ؕ اور تمہارے لئے مویشیوں میں بھی غور کرنے کا موقع ہے۔
عبرت، نشانی، دلیل جس سے صانع کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ پر تم استدلال کرسکتے ہو۔ عام لوگ چونکہ عبرت اندوز نظر سے چوپایوں کو نہیں دیکھتے اور ان کی تخلیق سے سبق نہیں لیتے اس لئے ان کو منکر قرار دے کر کلام کو پرزور طور پر تاکید کے ساتھ بیان کیا (اگر علامات انکار موجود ہوں خواہ مخاطب منکر نہ ہو تب بھی اس کو خطاب اسی طرح تاکید کے ساتھ کیا جاتا ہے جیسے منکر سے کیا جاتا ہے)
نُسۡقِيۡكُمۡ مِّمَّا فِىۡ بُطُوۡنِهَا وَلَـكُمۡ فِيۡهَا مَنَافِعُ كَثِيۡرَةٌ وَّمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ۝ وَعَلَيۡهَا وَعَلَى الۡـفُلۡكِ تُحۡمَلُوۡنَ ۝ ع
ہم تم کو ان کے پیٹوں کے اندر (پیدا شدہ) چیز (دودھ) سے پینے کو دیتے ہیں اور تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت فائدے ہیں اور ان میں سے تم بعض کو کھاتے ہو اور ان پر اور کشتیوں پر لدے پھرتے ہو۔
مما فی بطونہا سے مراد ہے دودھ یا چارہ، اول صورت میں من (بمعنی کچھ) تبعیضیہ ہے اور دوسری صورت میں ابتدائیہ کیونکہ دودھ چارے سے ہی پیدا ہوتا ہے۔
فیہا یعنی چوپایوں کی پشت اور بال و اون وغیرہ میں بکثرت فوائد ہیں۔
ومنہا تاکلون اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو (یعنی گوشت چربی وغیرہ)
وعلیہا اور بعض چوپایوں پر سوار ہوتے ہو جیسے اونٹ اور بیل بعض اہل علم نے کہا صرف اونٹ مراد ہیں عرب اونٹوں پر ہی سوار ہوتے تھے اور لفظ فلک کے ساتھ بھی اونٹ مناسبت رکھتے ہیں۔ اونٹ خشکی کے جہاز مشہور ہیں۔ ذوالرمہ شاعر نے کہا ہے سفینۃ برتحت خدی زمامہا

Marfat.com

تحملون تم لدے پھرتے ہو خشکی میں اور دریاؤں میں۔
نسقیکم الخ یہ عبرت کا بیان ہے کیونکہ گوبر اور خون کے بیچ میں سے خالص سفید خوشگوار دودھ بر آمد کرنا اپنے اندر درس عبرت رکھتا ہے۔ چوپایوں سے دودھ، گھی، اون اور بالوں کی پیداوار اور سواری و بار برداری کے لئے ان کا فرماں بردار ہو جانا اور ضعیف الجثہ انسان کی خدمت پر ایسے قوی ہیکل جانوروں کا لگ جانا اللہ کی قدرت تامہ کو ثابت کرتا ہے۔

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖ اور ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا نوحؑ کو ان کی قوم کے پاس۔
اس سورت کے آغاز میں اللہ نے مومنوں کے خصوصی احوال بیان فرمائے پھر ان دلائل و آیات کا تذکرہ کیا جو ایمان و طاعت کی دعوت دے رہی ہیں۔ اس کے بعد ان سرکش کافروں کا اور ان کے انجام کا ذکر فرمایا جو اللہ سے باغی تھے اور پیغمبر کے فرمان سے سرتابی کرنے والے۔

فَقَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۲۳﴾
پس انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو سوائے اس کے تمہارا اور کوئی معبود نہیں سو کیا تم (اس سے) ڈرتے نہیں۔ یعنی کیا تم کو اس بات کا اندیشہ نہیں کہ تم جو اس کے سوا دوسروں کی پوجا کرتے ہو اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہو۔ کہیں وہ تم سے یہ ساری نعمتیں چھین لے اور تم کو اس شرک کی وجہ سے (دنیا اور آخرت میں) عذاب میں مبتلا کر دے۔

فَقَالَ الۡمَلَؤُا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ ۙ يُرِيۡدُ اَنۡ يَّتَفَضَّلَ عَلَيۡكُمۡ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنۡزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۖۚ مَّا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِىۡۤ اٰبَآئِنَا الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۲۴﴾
(اس کے جواب میں) ان کی قوم کے کافروں نے کہا کہ یہ شخص تو تم ہی جیسا انسان ہے (پیغمبری کا دعویٰ کر کے) چاہتا ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے۔ اگر اللہ کو (رسول بنانا) منظور ہوتا تو وہ (ہدایت کے لئے) فرشتوں کو اتار دیتا ہم نے تو یہ بات اپنے پہلے بزرگوں سے بھی نہیں سنی۔
الملاء سرداران قوم نے آپس میں (یا عوام سے) کہا کہ یہ نوحؑ تو تم ہی جیسا آدمی ہے تمہاری طرح کھاتا اور سوتا ہے پھر یہ اللہ کا بھیجا ہوا رسول کیسے ہو سکتا ہے۔ قوم نوح کا خیال تھا کہ پتھر بھی معبود ہونے میں اللہ کے شریک ہیں اور کوئی انسان اللہ کا رسول نہیں ہو سکتا اگر خدا کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجنا چاہتا تو کسی فرشتے کو بھیج دیتا اسی خیال کے زیر اثر وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ نوح چونکہ رسالت کے مدعی ہیں اس لئے شاید ان کو اپنے آدمی ہونے کا انکار ہے یا فرشتہ ہونے کا دعویٰ ہے۔
یرید یعنی رسالت کا دعویٰ کرنے سے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ تم سب کا سردار بن جائے اور تم سب سے اعلیٰ و بالا ہو جائے۔
لو شاء اللہ یعنی اگر اللہ کو منظور ہوتا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے یا کسی کو رسول بنا کر بھیجنا چاہتا۔
ماسمعنا بھذا ہم نے تو یہ بات جس کا نوح مدعی ہے کہ معبود ایک ہے اور آدمی کو پیغمبر بنا کر وہ بھیجتا ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، اپنے پچھلے بزرگوں میں بھی کبھی نہیں سنی۔ ایسی بات کافروں نے یا تو محض عناد کی وجہ سے کہی تھی یا واقعی کسی پیغمبر کو آئے ہوئے ایک لمبی مدت گزر گئی تھی اور ان کو بزرگوں سے بھی کسی پیغمبر کا مبعوث ہونا معلوم نہیں ہوا تھا۔

اِنۡ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوۡا بِهٖ حَتّٰى حِيۡنٍ ﴿۲۵﴾ یہ صرف ایک ایسا آدمی ہے جس کو جنون ہو گیا ہے اب تم اس کو اس کی حالت پر ایک وقت تک رہنے دو اور منتظر رہو۔
جنۃ جنون، یعنی یہ جو رسالت کا دعویٰ کر رہا ہے یہ اس کا جنون ہے در حقیقت یہ نفی رسالت کی تاکید ہے کیونکہ دیوانہ رسول نہیں ہو سکتا اور اس کو جنون ہے اس لئے رسول نہیں ہو سکتا۔
فتربصوا یعنی اس کو برداشت کرو اور اس وقت کا انتظار کرو کہ یہ خود ہی مر جائے یا اس کا جنون دور ہو جائے۔

Marfat.com

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ نوحؑ نے کہا اے میرے رب چونکہ انہوں نے میری تکذیب کی اس لئے میرا ان سے بدلہ لے۔ (یا مجھے ان کے مقابلے میں کامیاب کر) حضرت نوحؑ نے یہ دعا اس وقت کی جب آپ کو اللہ کی طرف سے اطلاع دے دی گئی کہ جو ایمان لے آئے ہیں ان کے علاوہ اور کوئی ایمان نہیں لائے گا۔

انصرنی میری مدد کر یعنی جس عذاب سے میں نے ان کو ڈرایا تھا وہ عذاب نازل فرمادے۔ اور ان کو تباہ کردے۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ (پس ہم نے نوح کی دعا قبول کی) پھر ان کے پاس وحی بھیجی۔

اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا کہ میری نگرانی میں میری وحی (تعلیم و حکم) کے موافق کشتی بناؤ۔

باعیننا یعنی ہماری نگرانی اور حفاظت میں کشتی بناؤ، کوئی تمہارا کام بگاڑ نہ سکے گا۔

فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ پھر جب ہمارا حکم (عذاب کا یا سوار ہو جانے کا) آجائے اور روئے زمین سے پانی ابلنے لگے تو ہر ایک قسم کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا (لے کر) کشتی میں داخل کر لینا اور اپنے متعلقین کو بھی (کشتی میں سوار کر لینا) استثناء ان لوگوں کے جن کے (ہلاک کرنے کے) متعلق پہلے ہی حکم نافذ ہو چکا ہے۔

فارا التنور تنور ابل جائے یعنی تنور سے پانی ابلنے لگے۔

حضرت مفسر کے نزدیک تنور سے مراد یہی روٹی پکانے کا تنور ہے حضرت نوحؑ کو عذاب (طوفان) آنے کی یہ نشانی بتائی گئی تھی چنانچہ تنور سے پانی پھوٹ نکلا بیوی نے آکر اطلاع دی آپ فوراً سوار ہو گئے۔ آپ کا مکان کوفہ کی مسجد کے اندر تھا کہ باب کندہ کی طرف سے داخل ہونے والے دائیں ہاتھ کو واقع تھا۔ یہ بھی کہا گیا کہ ملک شام کی کسی (ٹیلہ کی) چوٹی پر آپ رہتے تھے۔

فَاسْلُكْ فِيهَا پس اس میں داخل کرلے سلک فعل لازم بھی ہے اور متعدی بھی سلکت فی کذا میں ایسے واقعہ میں داخل ہو گیا۔ اللہ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے مَاسَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ تم کو دہکتی آگ میں کس نے داخل کیا۔

مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ اثنین مفعول ہے یعنی ہر طرح کے جانوروں میں دو دو نر اور مادہ کو داخل کرلو۔

اس قصہ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہر قسم کے جانوروں کو حضرت نوح کے پاس جمع کر دیا گیا آپ اپنے دونوں ہاتھ الگ الگ ہر قسم کے جانوروں پر مارتے تھے دلیاں ہاتھ نر اور بایاں ہاتھ مادہ پر پڑتا تھا آپ دونوں کو کشتی پر سوار کر لیتے تھے۔

واھلک یعنی اپنے گھر والوں کو بھی سوار کر لو اہل سے مراد ہیں وہ تمام لوگ جو حضرت نوح پر ایمان لے آئے تھے۔

اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ یعنی ان گھر والوں کو سوار نہ کرنا جن کا کفر کی وجہ سے ہلاک کیا جانا ازل میں طے ہو چکا ہے۔

من سبق سے مراد ہے حضرت نوح کی بیوی اور بیٹا کنعان۔ علیٰ ضرر کے لئے آتا ہے اور لام نفع کے لئے چونکہ ازلی فیصلہ ان لوگوں کے لئے ضرر رساں تھا اس لئے علیہ فرمایا اور آیت اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى میں ازلی فیصلہ نفع رساں تھا اس لئے لھم فرمایا۔

وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اور ظالموں کے حق میں مجھ سے کلام نہ کرنا (یعنی ان کو بچانے کی مجھ سے دعا نہ کرنا) کیونکہ بلاشبہ وہ غرق کئے جانے والے ہیں۔

فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ پھر جب تم اور تمہارے ساتھی بیٹھ چکیں تو کہنا اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو کافر لوگوں (کے افعال اور ایذاؤں) سے نجات دی۔

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾

Marfat.com

اور (یہ بھی) کہنا کہ اے میرے رب مجھے (زمین پر) برکت کے ساتھ اتارنا اور تو سب اتارنے والوں سے اچھا ہے۔

رب انزلنی حضرت مفسر نے فرمایا سوار ہونے کے بعد کشتی میں اور اترنے کے وقت زمین میں۔

منزلا مبارکا برکت کا اتارنا، کشتی میں برکت کا اتارنا یہ کہ اللہ کے دشمنوں کی صحبت سے نجات دی اور اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو جانے کا موقع عنایت فرمایا اور زمین میں اترنے کے بابرکت ہونے کے یہ معنی کہ (اللہ نے ڈوبنے سے محفوظ رکھا مترجم) اور نسل ورزق میں کثرت عطا فرمائی اور بے غمی کے ساتھ عبادت رب میں مشغول ہو جانے کا موقع عنایت کیا۔

دعا کرنے کا حکم صرف حضرت نوح کو دیا اپنے لئے بھی اور اپنے ساتھیوں کے لئے بھی اس میں حضرت نوح کی بزرگی کا اظہار ہے اور اس امر کی طرف ایماء ہے کہ حضرت نوح کی دعا ساتھ والوں کے لئے بھی کافی ہے ساتھیوں کو اپنے لئے دعا کرنے کی ضرورت نہیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ　　اس (واقعہ مذکورہ) میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

وَّاِنْ کُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ۝۳۰　　اور (یہ نشانیاں بیان کر کے ہم اپنے بندوں کو) بلاشبہ آزمانے والے ہیں۔

فی ذلک یعنی نوح اور ان کی قوم کے قصہ میں۔

لایت بلاشبہ بڑی نشانیاں ہیں جو اللہ کی قدرت کاملہ کو ثابت کرتی ہیں اور ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ مومنوں پر مہربانی کرتا ہے اور کافروں پر غضب نازل فرماتا ہے اس قصہ کے اندر درس عبرت ہے اہل نظر کے لئے۔

وَاِنْ کُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ان مخففہ ہے اصل میں ان تھا یعنی ہم یقیناً قوم نوح کو مصائب میں مبتلا کرنے والے تھے یا اپنے بندوں کی آزمائش کرنے والے تھے بعض مفسرین کے نزدیک ان نافیہ ہے اور لمبتلین میں لام بمعنی الا ہے یعنی نوح کو پیغمبر بنا کر بھیجنا اور ان کا وعظ و نصیحت کرنا اور کسی غرض سے نہ تھا مگر اس کا سبب صرف یہ تھا کہ ہم کو نوحؑ کی قوم کی جانچ کرنی تھی ان کو آزمانا تھا ان کا امتحان لینا تھا کہ نزول عذاب سے پہلے ان کا عمل کیا ہوتا ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ۝۳۱ فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

(ہم نے ان کو غرق کر دیا) ان کے بعد پھر ایک اور قوم کو پیدا کیا اور ان کے اندر انہی میں سے ایک شخص کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔

قرنا اخرین سے مراد ہے قوم عاد یا قوم ثمود۔ بقول بغوی اول زیادہ مناسب ہے (کیونکہ قوم نوح کے بعد قوم عاد ہی پیدا ہوئی جس کی ہدایت کے لئے اللہ نے رسول کو بھیجا تھا)

اگر عاد مراد ہو تو رسول سے حضرت ہودؑ مراد ہوں گے اور ثمود مراد ہو تو رسول سے مراد حضرت صالحؑ ہوں گے۔

منہم کا یہ مطلب ہے کہ رسول انہی کی قوم سے تھا جس کی سچائی اور خوش رفتاری سے سب لوگ واقف تھے اور سب کو اس کے سچا اور نیک ہونے کا اقرار تھا۔

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۳۲　　(یہ پیام دے کر

ع ۲/۲

بھیجا) کہ اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں سو کیا تم (اس کے عذاب سے) نہیں ڈرتے (کہ دوسروں کی پوجا کرتے ہو)۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ

اور (پیغمبر کی یہ بات سن کر) ان کی قوم میں جو سردار تھے جنہوں نے کفر کیا تھا اور قیامت کے آنے کو جھٹلایا تھا اور دنیوی زندگی میں ہم نے ان کو عیش بھی دیا تھا کہنے لگے کہ یہ تو تمہاری طرح ایک معمولی آدمی ہے۔

بلقاء الاخرہ یعنی قیامت اور قیامت کے عذاب و ثواب کے منکر تھے۔

Marfat.com

اترفنهم ہم نے ان کو خوش عیش بنایا تھا، مال و اولاد کی کثرت عطا کی تھی۔
مثلکم تم جیسا ہے یعنی انسانی احوال و اوصاف میں تمہاری طرح ہے۔
يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ﴿۳۳﴾ جو تم کھاتے ہو وہی یہ بھی کھاتا ہے
اور جو تم پیتے ہو وہی یہ بھی پیتا ہے (یعنی تمہاری طرح کھانا کھانے اور پانی پینے کا ضرور تمند ہے)۔
وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ ﴿۳۴﴾ اور بخدا اگر تم اپنے جیسے آدمی
کے (کہے پر چلے اور) فرماں بردار بن گئے تو یقیناً اس وقت گھاٹے میں رہو گے۔ کہ اپنے جیسے آدمی کے فرماں بردار بنو گے اور خود اپنے کو ذلیل کروے گے وہ لوگ عجیب بیوقوف اور جاہل تھے کہ اپنے جیسے آدمی کی بات ماننے کا تو انکار کرتے تھے اور بے جان پتھروں کی پوجا کر کے اپنے ذلیل ہونے کا مظاہرہ کرتے تھے۔
أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَّكُم مُّخْرَجُونَ ﴿۳۵﴾ کیا یہ شخص تم سے
کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور خاک اور (بلا گوشت پوست کی خالی) ہڈیاں ہو جاؤ گے تو (دوبارہ زندہ کر کے زمین سے) نکالے جاؤ گے۔
ایعدکم میں استفہام انکاری ہے یعنی ایسا نہیں کہنا چاہئے یا سوال تقریری ہے یعنی یہ ضرور ایسا کہہ رہا ہے۔ نبوت پر جو انہوں نے طنز کیا تھا اس کو پختہ کرنے کے لئے کافروں نے یہ بات کہی (کہ یہ نبی کیسے ہو سکتا ہے یہ دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کا احمقانہ عقیدہ رکھتا ہے) یا مقولہ سابقہ کی علت ہے پہلے انہوں نے کہا کہ اپنے جیسے آدمی کی اگر اطاعت کرو گے تو گھاٹا پاؤ گے اس کا ثبوت یہ پیش کیا کہ یہ وقوع قیامت کا قائل ہے (دنیا کے سارے عیش میں خلل ڈالنا چاہتا ہے اس کی بات کو ماننے سے اس زندگی میں خسارہ ہی اٹھانا پڑے گا)۔
هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ﴿۳۶﴾ بہت ہی بعید اور بہت ہی بعید (از عقل) ہے جو بات تم سے
کہی جا رہی ہے (اور جس سے تم کو ڈرایا جا رہا ہے)۔
لماتوعدون مبتدا محذوف کی خبر ہے (یعنی سچائی یا عقل سے) یہ دوری اس چیز کی ہے جو تم سے کہی جا رہی ہے۔ یا لام زائد ہے اور ماتوعدون هيهات کا فاعل ہے اور ہیہات بمعنی ماضی ہے) بعض کے نزدیک ہیہات مصدر ہے یعنی دوری ہے اس بات کی جو تم سے کہی جا رہی ہے۔
إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا یہ زندگی اور کچھ نہیں سوائے اس دنیوی زندگی کے حیات دنیا یعنی وہ زندگی جس
میں ہم ہیں اور جو ہمارے قریب ہے (دنو کا معنی ہے قرب۔ دنیا مؤنث ادنیٰ کا ہے اور ادنیٰ اسم تفضیل ہے دنو مادہ ہے مترجم)۔
نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿۳۷﴾ ہم مرتے ہیں اور زندہ ہوتے (رہتے) ہیں اور ہم (دوبارہ
زندہ کر کے) اٹھائے نہیں جائیں گے۔ یعنی ہم میں سے کوئی مرتا ہے کوئی پیدا ہوتا ہے بغوی نے کہا دوبارہ زندگی کے وہ لوگ منکر تھے اس لئے نحیا کا یہ مطلب نہیں کہ ہم سب زندہ ہوں گے بلکہ کلام میں تقدیم تاخیر ہے یعنی ہم تم سب پیدا ہوتے ہیں پھر مر جاتے ہیں۔ یہ مطلب اس وقت ہو گا کہ نموت اور نحیا سے مراد ہوں سب آدمی (لیکن اگر بعض کا مرنا اور بعض کا پیدا ہونا مراد ہو تو اس تاویل کی ضرورت نہ ہو گی۔ مترجم)
میں کہتا ہوں اگر سب ہی لوگ مراد ہوں تب بھی بغوی کی تاویل کی ضرورت نہیں کیونکہ واؤ فقط عطف اور جمعیت کو ظاہر کرتا ہے (ترتیب پر بقول احناف دلالت نہیں کرتا پس مطلب یہ ہو گا کہ ہم سب مرتے جیتے رہتے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ ہم مر جائیں گے پھر دوبارہ زندہ ہوں گے۔ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ
بِمُؤْمِنِينَ ﴿۳۸﴾ یہ شخص (جو اللہ کی طرف سے رسول ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اور وقوع قیامت کا قائل ہے) جھوٹا ہے اس نے اللہ پر دروغ بندی کی ہے اور ہم تو اس کی بات کا یقین کرنے والے نہیں ہیں یہ جملہ مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کی

Marfat.com

تاکید ہے۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ۝۳۹ پیغمبر نے کہا اے میرے رب کافروں نے میری تکذیب کی (اب) تو میری مدد فرما اور ان پر عذاب نازل کر یعنی میرا انتقام لے۔

قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِينَ ۝۴۰ اللہ نے فرمایا کچھ ہی وقت کے بعد یہ لوگ ضرور پشیمان ہوں گے۔

عما میں ما زائد ہے جو مفہوم قلت کی تاکید کر رہا ہے یا نکرہ ہے اور قلیل اس کی صفت ہے یعنی تھوڑے وقت کے بعد مراد یہ ہے کہ جب عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور ایسا عنقریب ہو جائے گا تو ضرور پشیمان ہوں گے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ چنانچہ ان کو ایک سخت چیخ (یعنی عذاب) نے موافق (وعدہ) حق کے آپکڑا اور پھر ہم نے خس وخاشاک (کی طرح پامال) کر دیا۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ صیحة سے مراد ہے ہلاکت قاموس میں ہے صیحة اور صیاح سخت چیخ۔ صیح بہم ان کو گھبرا دیا گیا۔ صیح فیہم وہ ہلاک ہو گئے اور صیحة عذاب کو بھی کہتے ہیں۔

اگر قرنا اخرین سے قوم عاد مراد ہو تو صیحة سے مراد ہو گا عذاب اور اگر یہ قصہ ثمود کا ہے تو صیحة سے مراد ہو گی چیخ۔ سورۂ اعراف کی تفسیر میں ہم نے بیان کر دیا ہے کہ آسمان سے ایک چیخ سنائی دی اور ہر چیز سے ایک چیخ نکلی اور بادل کا کڑکا بھی ہوا جس سے سب کے دل پھٹ گئے (قوم عاد پر چیخ کا عذاب نہیں آیا تھا بلکہ طوفان ہوائی آیا تھا جس کے جھکڑ سات دن تک مسلسل جاری رہے اور سب ہلاک ہو گئے اس لئے اگر آیت مذکورہ میں عاد کا قصہ بیان کیا گیا ہے تو صیحة سے مراد چیخ نہ ہو گی عذاب مراد ہو گا)۔

"ہم نے ان کو خس وخاشاک بنا دیا" یعنی ہلاک کر دیا جیسے سیلاب کے اوپر کوڑا کرکٹ بہہ کر آجاتا ہے۔ ہم نے اس کوڑے کی طرح ان کو کر دیا۔ جو شخص ہلاک ہو جائے، عرب اس کے متعلق کہتے ہیں سال بہ الوادی۔ نالا کا سیلاب اس کو بہا لے گیا۔

فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ ۝۴۱ سو خدا کی مار کافر لوگوں پر۔

بعد وہ ہلاک ہو گیا۔ بعدا مصدر ہے۔ جملہ یا خبریہ ہے ہلاکت ہو گئی ان کافروں کی۔ یا انشائیہ دعائیہ، ہلاکت ہو ان کافروں کی۔ للقوم الظلمین قائم مقام فاعل کے ہے اور بعدا مصدر ہے فعل کے قائم مقام اور لام زائد ہے یا مصدری معنی کو قوت پہنچانے کے لئے لایا گیا ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ۝۴۲ پھر قوم عاد کے بعد ہم نے دوسری قومیں پیدا کیں جیسے قوم ثمود، قوم لوط، قوم شعیب وغیرہ۔

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝۴۳ (ان امتوں میں سے) کوئی امت نہ اپنی (ہلاکت کے) مقررہ میعاد سے پہلے ہلاک ہو سکتی تھی نہ مقررہ وقت ہلاکت سے پیچھے (باقی) رہ سکتی تھی۔ یعنی ہلاکت کا جو وقت مقرر تھا نہ اس سے پہلے ہلاک ہو سکتی ہے نہ وقت مقرر کے بعد زندہ رہ سکتی تھی۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ پھر ہم نے ان کے پاس اپنے پیغمبروں کو (ہدایت کے لئے) پے در پے بھیجا۔

تترا اصل میں وترا تھا وترا وتر سے مشتق ہے۔ وتر (طاق) شفع (جفت) کی ضد کو کہتے ہیں۔ تواتر اور مواترہ چیزوں کا پے در پے یعنی ایک کے بعد دوسرے کا اور دوسرے کے بعد تیسرے کا آنا اور بغیر کسی اجتماعیت کے تسلسل قائم ہونا۔

قاموس میں ہے تواتر پے در پے ہونا۔ (بغیر کسی انقطاع و خلا کے) یا مع انقطاع کے۔ واتر مواترہ و وتارا ایک کے پیچھے

Marfat.com

دوسرا آیا، کیونکہ مواترت بین الاشیاء اسی وقت ہوتی ہے جب ان چیزوں کے درمیان انقطاع ہو۔
حضرت مفسر نے فرمایا مراد یہ ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک اشیاء میں تواتر اسی وقت ہوگا جب ان کے درمیان انقطاع ہو (اتصال والتصاق نہ ہو) حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں آیا ہے لاباس بقضاء رمضان تترا رمضان کے جو روزے ناغہ ہوگئے ہوں ان کو متفرق طور پر ادا کر لینے میں کوئی ہرج نہیں۔ کذافی النہایۃ۔ اصمعی نے کہا واترت الخبر اس وقت کہا جاتا ہے جب ایک کے پیچھے دوسری خبر دی جائے اور دونوں کے درمیان کچھ وقفہ ہو۔
میں کہتا ہوں اسی وجہ سے خبر متواتر اس خبر کو کہتے ہیں جو الگ الگ اتنی اسناد اور اتنے راویوں سے منقول ہو جن کا جھوٹ پر متفق ہو جانا ناممکن ہو۔
ثم ارسلنا کا عطف ثم انشانا پر ہے اس میں جمع کا جمع سے مقابلہ ضرور ہے مگر اس طور پر کہ ایک جمع کی اکائی کو دوسری جمع کی اکائی کے ساتھ ملا دیا جائے گویا مطلب اس طرح ہوا۔ پھر ہم نے ایک قوم پیدا کی پھر اس کی ہدایت کے لئے ایک رسول کو بھیجا، پھر ہم نے دوسری امت پیدا کی اور اس کی ہدایت کے لئے پھر دوسرا نبی بھیجا۔ اسی طرح آگے اس توضیح کے بعد معنی میں کوئی بگاڑ نہیں ہوگا یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے ہم نے کچھ اقوام کو پیدا کیا پھر ان کے بعد کچھ پیغمبروں کو بھیجا۔

كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

جب کبھی کسی امت کے پاس ان کا رسول (ہدایت کے لئے) آیا تو انہوں نے رسول کو جھٹلایا سو ہم نے بھی (ہلاک کرنے میں) ایک کے بعد ایک کا نمبر لگا دیا اور ان کو کہانیاں بنا دیا پس خدا کی مار بے ایمان لوگوں پر۔
رسول کے ساتھ اگر بھیجنے کا ذکر ہو تو بھیجنے والے کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے۔ (جیسے ہم نے اپنا رسول بھیجا) اور اگر رسول کے ساتھ پہنچنے اور آنے کا ذکر ہو تو جن کی طرف رسول کو بھیجا جاتا ہے ان لوگوں کی طرف رسول کی نسبت کی جاتی ہے (جیسے اللہ کا رسول اول کی مثال میں اور قوم ثمود کا رسول دوسرے کی مثال میں کہا جا سکتا ہے) بھیجنا مبداء ہے اس لئے مرسل کی طرف نسبت ہونی چاہئے اور پہنچنا منتہا ہے اس لئے مرسل الیہم کی طرف نسبت ہونی چاہئے۔
کذبوہ یعنی اکثر لوگوں نے تکذیب کی اکثر کے لئے حکم کل کا ہوتا ہے اس لئے سب کی طرف نسبت تکذیب کر دی (باوجودیکہ بعض ایمان لانے والے بھی تھے)۔
فاتبعنا بعضھم بعضا یعنی جس طرح پیغمبروں کو ہم نے یکے بعد دیگرے بھیجا اسی طرح امتوں کو بھی ایک کے بعد ایک کو ہلاک کر دیا۔
وجعلنھم احادیث اور ہم نے ان کو کہانیاں بنا دیا۔ یعنی ان کی داستانیں اور ہلاکت کے قصے رہ گئے جن کو لوگ بطور داستان بیان کرتے ہیں اور عبرت آموز دماغوں والے ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔
احادیث، احدوثۃ کی جمع ہے۔ احدوثۃ وہ قصہ ہے جس کو لوگ دل بہلانے کے لئے تعجب کے ساتھ پڑھتے اور بیان کرتے ہیں۔ اخفش نے کہا یہ یعنی لفظ احدوثۃ اور احادیث کا استعمال شر کے موقع پر ہوتا ہے اور خیر کے موقع پر یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ ہم نے ان کو احادیث بنا دیا بلکہ یوں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص حدیث (ایک افسانہ یا واقعہ) ہو گیا۔
بعض نے کہا احادیث حدیث کا اسم جمع ہے احادیث النبی ﷺ (رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں) کہا جاتا ہے۔
فبعدا القوم لایومنون یعنی جو لوگ پیغمبروں پر ایمان نہیں لاتے اور ان کو سچا نہیں جانتے ان پر خدا کی مار وہ تباہ ہو جاتے ہیں۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارونؑ کو اپنی آیات

Marfat.com

اور کھلی ہوئی دلیل دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا سو انہوں نے (ماننے اور تصدیق کرنے سے) تکبر کیا اور وہ لوگ تھے ہی متکبر۔

سلطن مبین کھلی دلیل جو مقابل حریف کو لاجواب بنا دینے والی ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سلطن مبین سے مراد عصا ہو، سب سے پہلا معجزہ یہی تھا اسی لئے اس کو مستقل طور پر ذکر کیا۔ اسی سے متعدد معجزات صادر ہوئے تھے۔ مثلاً وہ سانپ بن جاتی تھی۔ جادوگروں نے رسیوں سے جو سانپ بنائے تھے انکو یہ لاٹھی نگل گئی تھی۔ اسی کی ضرب سے سمندر کا پانی پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا تھا، اسی کی ضرب سے پتھر سے چشمے جاری ہو جاتے تھے، یہ پڑاؤ کرنے کے وقت چاروں طرف گھوم کر لشکر کی حفاظت کرتی تھی۔ یہی رات میں شمع کا کام دیتی تھی یہی پھلدار درخت بن گئی تھی یہی چشموں کے اندر سے پانی نکالنے کے لئے رسی ڈول کا کام دیتی تھی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیات سے مراد معجزات ہوں، یا دونوں سے مراد معجزات ہوں۔ یہ سب نشان نبوت تھے اور حضرت موسیٰ کے دعوے کی دلیل تھے۔ (عام اہل تفسیر کے نزدیک آیات سے مراد نو معجزات نہیں بلکہ احکام مراد ہیں۔ مترجم)

عالین یعنی وہ لوگ مغرور تھے لوگوں پر جبر اور ظلم کیا کرتے تھے۔

فَقَالُوٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾

چنانچہ (باہم) کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں کو پیغمبر مان لیں، حالانکہ ان کی قوم والے لوگ (سب کے سب) ہمارے زیر حکم ہیں اس غرور کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے موسیٰؑ و ہارونؑ کو جھوٹا قرار دیا اور ہلاک کردہ (قوموں) میں سے ہو گئے۔

انومن میں استفہام انکاری ہے یعنی ان دونوں کی فضیلت اور نبوت کو ہم تسلیم نہیں کریں گے اور ان کی تصدیق نہیں کریں گے

لبشرین بشر کا اطلاق ایک پر بھی ہوتا ہے جیسے آیت فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا میں اور جمع پر بھی اطلاق ہوتا ہے جیسے آیت فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا میں۔

مثلنا لفظ مثل کا اطلاق ایک پر بھی ہوتا ہے اور دو پر بھی اور بہت پر بھی اور مذکر پر بھی اور مؤنث پر بھی۔ وقومهما قوم سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ لنا عبدون ہمارے خدمت گار ہیں زیر حکم ہیں عرب لوگ ہر اس شخص کو عابد کہہ دیتے ہیں جو کسی کا خدمتی اور حکم بردار ہو۔

من المهلكين یعنی غرق کر دیئے گئے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب (توریت) عطا کی تاکہ وہ لوگ (یعنی بنی اسرائیل) سیدھا راستہ پالیں (یعنی ان کو اللہ کے احکام معلوم ہو جائیں اور معرفت کا راستہ پالیں)۔

لعلهم کی ضمیر بنی اسرائیل کی طرف راجع ہے قوم فرعون کی طرف راجع نہیں ہے کیونکہ قوم فرعون کے ڈوبنے کے بعد توریت کا نزول ہوا تھا۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اور ہم نے مریم کے بیٹے (عیسیٰؑ) کو اور ان کی ماں (مریم) کو ایک بڑی نشانی بنایا۔ نشانی بنانے سے مراد ہے بغیر باپ کے پیدا کرنا اور یہ نشانی دونوں کی ایک ہی تھی اس لئے لفظ آیۃً بصیغۂ واحد ذکر کیا۔ یا یوں کہا جائے کہ ابن مریم کے بعد لفظ آیۃً محذوف ہے یعنی ہم نے ابن مریم کو نشانی بنایا کہ انہوں نے شیر خوار ہونے کی حالت میں جب کہ پالنے میں تھے بات کی اور ماں کی پاک دامنی ظاہر کی اور دوسرے معجزے ان سے ظاہر ہوئے۔ اور ان کی ماں کو بھی نشانی بنایا کہ بغیر مرد کی قربت کے ان کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوا۔

اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ ع ۱۸ ۳ اور ہم نے دونوں کو ایک ایسی بلند زمین پر لے جا کر پناہ دی جو (بوجہ اناج اور میوہ جات کے) ٹھہرنے کے قابل اور شاداب جگہ تھی۔

ربوہ زمین میں اونچی جگہ، حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا۔ یہ دمشق تھا۔ سعید بن مسیب اور مقاتل کا بھی یہی قول

Marfat.com

ہے۔

ضحاک نے کہا غوطہء دمشق مراد ہے۔ [1] حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا (ابوہ سے رملہ مراد ہے عطا کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ ربوہ سے مراد بیت المقدس ہے۔ یہی قول قتادہ اور کعب کا ہے۔ کعب نے کہا ربوہ کا حصہ بہ نسبت دوسری زمین کے اٹھارہ میل آسمان کے قریب تھا۔ ابن زید کے نزدیک مصر مراد ہے (یہی قول تاریخی حیثیت سے زیادہ قوی ہے کیونکہ یہودی بادشاہ ہیرودس جب حضرت عیسیٰؑ کے قتل کے درپے ہو گیا تھا تو حضرت مریم اپنے بچہ کو لے کر مصر چلی گئی تھیں۔ مترجم) سدی کے نزدیک فلسطین کی سرزمین مراد ہے۔

ذات قرار قرار والی۔ ہموار زمین جس پر رہنے والے ٹھہر سکیں۔

بعض نے کہا پھلوں اور اناج والی زمین جس کی وجہ سے لوگ وہاں رہ سکیں۔ معین جاری پانی۔ معن الماء پانی بہنے لگا۔ یا معین ماعون سے بنا ہے اور ماعون کا معنی ہے نفع پانی بھی بڑی کام کی چیز ہے۔ یا معین عان کا اسم مفعول ہے عان کا معنی ہے آنکھ سے دیکھا ربوہ بھی اونچی زمین تھی (دور سے) آنکھوں سے دیکھی جا سکتی تھی۔

يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ اے پیغمبر و حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

طیبت سے مراد ہیں حلال چیزیں اور امر وجوب کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ حرام چیزیں نہ کھاؤ (اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ حلال چیزیں کھاؤ یعنی کل حلال چیزیں کھانے کا حکم وجوبی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ حرام چیزیں نہ کھاؤ مترجم) یا لذیذ مباح چیزیں مراد ہیں اس وقت امر اباحت اور سہولت پیدا کرنے کے لئے ہو گا اس سے رہبانیت اور ترک لذات کی تردید ہو جائے گی۔

بعض نے کہا اس سے حلال صاف قوام والا مراد ہے حلال تو حرام کی ضد ہوتا ہے اور صاف سے یہ مراد ہے کہ اس کے کھانے سے اللہ کی یاد نہ بھولے اس کا کھانا اللہ کی یاد سے غافل نہ بنا دے اور خواہشات نفسانی میں نہ ڈال دے اور قوام سے یہ مراد ہے کہ نفس کی خواہش کو روک دے عقل کی حفاظت رکھے، یعنی سیری کی مقدار سے زائد نہ ہو۔

نیک کام سے مراد ہے اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرنا جو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا جائے اس میں کسی قسم کے شرک کی آمیزش بھی نہ ہو، فاسد نہ ہو یعنی قول و فعل نہ ہو جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔ خلاصہء مطلب یہ ہے کہ ہم نے ہر زمانہ میں اس زمانہ کے پیغمبر کو حکم دیدیا تھا کہ حرام چیز نہ کھانا حلال کھانا اور نیک کام کرنا۔ یہ کلام حقیقت میں گزشتہ واقعات کا بیان ہے۔

حسن، مجاہد، قتادہ، سدی، کلبی اور مفسرین کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ یایها الرسل سے خطاب صرف رسول اللہ ﷺ کو ہے۔ عرب کا طریقہ ہے کہ ایک کو جمع کے صیغہ سے خطاب کر لیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں ایک کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے جمع کے صیغہ سے خطاب کیا جاتا ہے اس قسم کے خطاب میں مخاطب کی بزرگی کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور یہ جتانا ہوتا ہے کہ یہ ایک جماعت کے قائم مقام ہے پس جمع کا صیغہ بول کر رسول اللہ ﷺ کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے اور ایماء ہے اس طرف کہ آپ کو سب لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے یہ بھی ہو سکتا کہ صیغہء جمع سے خطاب رسول اللہ ﷺ اور علمائے امت کو ہو رسول اللہ اور علمائے امت کے درمیان ایک برزخی درجہ رکھتا ہے اور علمائے امت رسول اور دوسرے لوگوں کے درمیان برزخی درجہ رکھتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے علماء انبیاء کے قائم مقام ہیں یا علوم انبیاء کے وارث ہیں۔

بعض اہل علم نے کہا کہ حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کو خطاب ہے اور یہ خطاب اس وقت کیا گیا تھا جب ربوہ میں وہ پناہ گزیں ہو گئے تھے اس خطاب میں اس حکم کو بیان فرمایا ہے جو انبیائے سابقین کو دیا گیا تھا۔ تاکہ یہ دونوں بزرگ بھی سابق انبیاء کی

[1] غوطہ نشیبی زمین گڑھا۔ غوطہ دمشق کے قریب ایک شہر کا نام ہے (مجمع البحار) یہ بھی مجمع البحار کے مؤلف نے بیان کیا ہے کہ غوطہء دمشق ان باغوں اور چشموں کو کہا جاتا ہے جو شہر کے گرداگرد ہیں۔

Marfat.com

پیروی کریں۔ بیان قصہ کا تقاضا یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کو ہی مخاطب قرار دیا جائے۔

اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۝ جو کچھ تم کرتے ہو میں بلاشبہ اس کو جانتا ہوں (تمہارے اعمال کے مطابق جزا دوں گا)۔

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ اور یہ ہے تمہارا طریقہ۔ ایک طریقہ اور میں تمہارا رب ہوں تو مجھ سے ڈرو (میری ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ بناؤ اور نہ میری نافرمانی کرو۔ مترجم)۔

امتکم یعنی تمہاری ملت اور شریعت جس پر تم سب قائم ہو۔

امة واحدہ ایک طریقہ یعنی اسلام عقائد اور اصول اعمال (اور بنیادی دستور) میں سب کا ایک طریقہ ہے۔ فرعی اعمال میں حسب حکم خداوندی زمانہ کے اختلاف کی وجہ سے اختلاف ہے اور منسوخ کو چھوڑ کر ناسخ پر عمل ضروری ہے۔

فاتقون ف سببیہ ہے یعنی میں چونکہ تمہارا رب ہوں اس لئے مجھ سے ڈرو۔

فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ سو لوگوں نے اپنے دین میں (اپنا طریق الگ الگ کر کے) اختلاف پیدا کر لیا۔ ہر گروہ کے پاس جو کچھ دین ہے وہ اسی پر اترائے ہوئے ہیں۔ یعنی جن لوگوں کے پاس پیغمبروں کو بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے پیغمبروں کے بعد دین میں تفرقہ پیدا کر لیا اور ایک دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اصولی اختلاف دین بنا لیا اور ایک دین کے چند دین بنا لئے کوئی تو تمام پیغمبروں کو اور ان کے لائے ہوئے احکام کی تصدیق کرتا رہا یہ ہر زمانے میں اہل حق کا گروہ رہا اور کچھ لوگ کسی پیغمبر اور کسی حکم پر ایمان لائے۔ دوسرے انبیاء و احکام کا انکار کر دیا۔ جیسے یہودی اور عیسائی اور صابی بعض نے سب ہی کا انکار کر دیا جیسے مجوسی اور بت پرست مذکورہ بالا تفسیری مطلب اس صورت میں ہوگا جب تقطعوا کو قطعوا کے معنی میں مانا جائے (تفعل بمعنی تفعیل آتا ہے لیکن یہ بھی جائز ہے کہ امرھم سے پہلے حرف جر (فی) محذوف ہو۔ اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ وہ دین کے معاملہ میں پارہ پارہ ہو گئے گروہ گروہ بن گئے اور ایک دین کے انہوں نے بکثرت دین بنا لئے۔

تقطعوا اور امرھم اور بینھم کی ضمیریں ان لوگوں کی طرف راجع ہیں جن کے پاس پیغمبروں کو بھیجا گیا تھا۔ مثلاً حضرت نوح کی قوم کے متعلق فرمایا تھا۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ یا اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رُسُلَنَا تَتْرٰى۔

زبرا گروہ گروہ فرقہ فرقہ ٹکڑے ٹکڑے زبر زبور کی جمع ہے۔ زبور کا معنی ہے ٹکڑا فرقہ زبر الحدید لوہے کے ٹکڑے۔

بعض علماء نے زبرا کا ترجمہ کیا ہے کتابیں۔ زبرت الکتاب میں نے جلی حروف میں کتاب لکھی ہر جلی موٹے حروف کی کتاب کو زبور کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا دین پہلے ایک کتاب کی شکل میں تھا جو اللہ کی طرف سے نازل کی گئی تھی لیکن انہوں نے اس کی متعدد تحریف کردہ کتابیں بنا ڈالیں۔

حسن نے اس طرح مطلب بیان کیا کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور بگاڑ دیا۔

بما لدیھم جو کچھ ان کے پاس تھا یعنی جو دین ان کے پاس تھا یا جو نفسانی خواہش ان کی تھی۔

فرحون اتراتے ہیں اپنے دین کو حق سمجھتے ہیں اسی پر مغرور ہیں۔

فَذَرْهُمْ فِیْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِیْنٍ ۝ سو آپ ان کو اسی جہالت میں ایک خاص وقت تک رہنے دیجئے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (یعنی) کفر و گمراہی میں (رہنے دیجئے) بعض نے کہا غمرہ سے مراد ہے غفلت اور باوجود نہ جاننے کے جاننے کا دعویٰ کرنا۔ غفلت کو اس پانی سے تشبیہ دی۔ جس میں آدمی ڈوب جاتا ہے اس کے قد سے بھی پانی اونچا ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

حتی حین ایک خاص وقت تک یعنی وقت موت تک یا اس وقت تک کہ اللہ آپ کو جہاد کا حکم دیدے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ ان کے کفر سے رنجیدہ نہ ہوں۔ ہم ان کی گرفت ضرور کریں گے یا اپنی طرف سے براہ راست عذاب بھیج کر آپ کے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے۔

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

کیا ان لوگوں کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کو جو کچھ مال و اولاد دیتے چلے جاتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی زیادہ فائدے دے رہے ہیں (ایسا ہرگز نہیں ہے) بلکہ (اس کی وجہ کا) ان کو احساس نہیں ہے۔ یعنی جو لوگ اپنی گمراہی میں خوش ہیں اور پیغمبروں کا فرمان نہیں مانتے ان کو جھوٹا جانتے ہیں اور جو کچھ ہم ان کو مسلسل دیتے چلے جاتے ہیں اور مال و اولاد کی مدد پہنچارہے ہیں اس سے ان کا خیال ہوتا ہے کہ ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچارہے ہیں اس عطاء میں ان کی بھلائی ہے عزت افزائی ہے اور ان کے اعمال کی جزا ہے اور اللہ ان سے خوش ہے ایسا ہرگز نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں ان میں نہ دانش ہے نہ شعور۔

حسن بصری نے فرمایا مومن نیکی بھی کرتا ہے اور پھر ڈرتا بھی رہتا ہے اور منافق بدی کرتا ہے اور پھر بے فکر بھی رہتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾

بے شک جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔ آیات سے مراد ہیں قرآنی آیات جو اللہ کی طرف سے نازل ہوتی ہیں یا وہ نشانیاں مراد ہیں جو توحید کو ثابت کررہی ہیں۔

یؤمنون ایمان رکھتے ہیں یعنی نشانیاں اور آیات سے جس چیز کا اظہار ہوتا ہے اس کو مانتے اور اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں قرار دیتے یعنی اپنے رب کی عبادت میں کسی طرح کے شرک کی آمیزش نہیں کرتے نہ شرک جلی کرتے ہیں۔ نہ شرک خفی۔ شرک نہ کرنے کا جو مطلب بیان کیا ہے اس سے مضمون کی تکرار کا شبہ جاتا رہا بظاہر اللہ پر ایمان رکھنا اور اس کے ساتھ شریک قرار نہ دینا ایک ہی مفہوم رکھتا ہے لیکن جب شرک سے عبادت میں شرک مراد لے لیا جائے تو وحدت مضمون باقی نہیں رہتی کیونکہ اللہ کو ماننے کے بعد بھی اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک کیا جاسکتا تھا (جیسے عرب کے مشرک بلکہ تمام بت پرست کرتے ہیں کہ اللہ کو بھی مانتے ہیں اور اسی کے ساتھ دوسروں کی بھی پوجا کرتے ہیں)۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾

اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) جو کچھ دیتے ہیں ایسی حالت میں دیتے ہیں کہ ان کے دل اس بات سے خوف زدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں۔

ما اتوا یعنی جو کچھ خیر خیرات کرتے ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ یہ آیت یوتون ما اتوا پڑھتی تھیں تو فرماتی تھیں جو کچھ نیک کام کرتے ہیں (یعنی حضرت عائشہ کے نزدیک دینے سے مراد صرف مال دینا نہیں بلکہ ہر کار خیر کرنا مراد ہے)۔

وجلة ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ان کی خیر خیرات رد نہ کردی جائے اور قبول نہ کی جائے۔ یا اس طریقے سے نہ ہوپائے جو بارگاہ کبریائی میں پیش ہونے کے مناسب ہے اور اس پر ان کی پکڑ ہو جائے یا ان کو اپنے گناہوں کی کثرت اور طاعت کی قلت کی وجہ سے یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں یہ خیر خیرات بھی ان کو اللہ کے عذاب سے بچا نہ سکے۔

Marfat.com

اِنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ یہ کلام سابق کی علت ہے لام (تعلیلیہ) محذوف ہے یعنی ان کے دل خوف زدہ رہتے ہیں اس وجہ سے کہ ان کی واپسی اللہ کے پاس ہوگی یا من محذوف ہے یعنی اس بات سے ان کے دل ڈرتے ہیں کہ اللہ کے پاس ان کو لوٹ کر جانا ہے اور وہ ان کے ہر عمل سے واقف ہیں حسن بصریؒ نے فرمایا وہ اللہ کی طاعت کرتے ہیں اور کوشش کے ساتھ کرتے ہیں پھر بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی طاعت نامقبول نہ ہو جائے حضرت عائشہ کا بیان ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے آیت والذین یوتون ماآتوا وقلوبھم وجلۃ کے متعلق دریافت کیا اور عرض کیا (کیا) یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے اور چوری کرتے ہیں فرمایا نہیں اے صدیق کی بیٹی بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں اور خیرات کرتے ہیں اور پھر بھی ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ان کی یہ طاعت نامقبول نہ ہو جائے یہی وہ لوگ ہیں جو بھلائیوں میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ۔

بیہقی کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ نے بیان کیا میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ کیا یہ وہ شخص ہے جو زنا کرتا شراب پیتا اور چوری کرتا ہے فرمایا نہیں اے صدیق کی بیٹی! (یہ وہ شخص نہیں) بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو رات کو (نماز کے لئے) اٹھتا ہے اور خیرات کرتا ہے اور (پھر بھی) ڈرتا ہے کہ کہیں قبول نہ ہو۔

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾ یہ لوگ (البتہ) اپنے فائدے جلدی جلدی حاصل کر رہے ہیں اور بھلائیوں کی طرف تیزی سے جا رہے ہیں۔

آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ طاعتوں کی بہت زیادہ رغبت رکھتے ہیں اس لئے جلدی جلدی طاعتیں کرتے ہیں تاکہ کوئی طاعت فوت نہ ہو جائے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ طاعتوں میں پیش قدمی کرنے پر جن اخروی بھلائیوں کا وعدہ کیا گیا ہے اور نیک اعمال میں تیزی کرنے سے جن دنیوی فوائد کو وابستہ کیا گیا ہے سب فائدوں کے حاصل کرنے کے لئے وہ تیزی سے کام لیتے ہیں اور جلدی جلدی حاصل کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مصیبت کو کوئی چیز رد نہیں کرتی سوائے دعا کے اور عمر میں کوئی چیز زیادتی نہیں کرتی مگر نیکی (یعنی خیر خیرات حسن سلوک) اس تفسیر پر اس آیت کا مضمون ویسا ہی ہوگا۔ جیسا آیت فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ کا ہے گویا ان کو وہ ثواب ملے گا جو ان کے مخالف لوگوں کو نہیں ملے گا۔

میں کہتا ہوں جن بھلائیوں کی طرف دنیا میں مومن تیزی سے بڑھتے ہیں ان سے مراد شاید یہ ہو کہ مومن کو اللہ کی یاد میں لذت آتی ہے اس کے دل کو چین ملتا ہے۔ وہ بقدر کفاف رزق پر قناعت کرتا اور سیر ہو جاتا ہے اس کو دنیوی نعمتوں کے زوال کا کوئی خوف نہیں ہوتا وہ سوائے اللہ کے نہ کسی سے امید وابستہ رکھتا ہے نہ ڈرتا ہے اس کو خواب میں یا بطور الہام مبشرات پہنچتی رہتی ہے۔

وھم لھاسبقون یعنی وہ نیکیوں کی طرف پیش قدمی کی وجہ سے جنت کی طرف سب سے آگے بڑھنے والے ہیں۔ یا سابقون سے (مراد سب سے آگے بڑھنا اور سبقت کر جانا نہیں بلکہ مراد ہے طاعتوں کی طرف یا ثواب کی طرف یا جنت کی طرف بڑھنا۔ یا یہ مراد ہے کہ آخرت سے پہلے وہ دنیوی فائدوں کی طرف بڑھنے والے ہیں کیونکہ (ثواب آخرت سے پہلے) فوری طور پر ان کے لئے دنیوی فائدے فراہم کر دیئے جاتے ہیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ لھاسبقون میں لام بمعنی الیٰ ہے یعنی وہ بھلائیوں کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں جیسے آیت لمانھوا عنہ میں لام بمعنی الیٰ ہے اسی وجہ سے کلبی نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں کہا ہے کہ وہ تمام اقوام سے بھلائیوں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ کی طرف سے ان کے لئے سعادت پہلے ہی سے (مقدر) ہو چکی ہے۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور ہم کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کام کا حکم نہیں دیتے (پس جتنے احکام شرعی ہیں سب انسان کی وسعت کے اندر

Marfat.com

ہیں نا قابل برداشت نہیں ہیں) اور ہمارے پاس ایک دفتر (نامۂ اعمال کا) محفوظ ہے جو ٹھیک ٹھیک (سب کا حال) بتادے گا اور کسی پر ذرا ظلم نہ ہو گا۔

یعنی وہ لوگ جو نیکیوں کی طرف دوڑتے ہیں وہ اپنی خوش دلی اور طبیعت کی رغبت کی وجہ سے دوڑتے ہیں اور ہم نے ان کو برداشت سے زیادہ کوئی حکم نہیں دیا ہم کسی کو وسعت سے بڑھ کر کام کرنے کا حکم نہیں دیتے۔ ولدینا کتب اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے کتاب سے مراد یالوح محفوظ ہے یا اعمال ناموں کا رجسٹر ینطق بالحق جو ٹھیک ٹھیک بولے گی یعنی بتائے گی کہ تمام اعمال اس میں درج ہیں، موجود ہیں ہم ان میں سے کسی کو ضائع نہیں کریں گے۔ سب کا ثواب دیں گے۔ وھم لا یظلمون اور کسی کی حق تلفی نہیں کی جائے گی، نہ نیکیوں میں کمی کی جائے گی۔ نہ گناہوں میں زیادتی۔

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا بلکہ ان کے دل اس (دین) کی طرف سے جہالت (اور شک) میں پڑے ہوئے ہیں۔

غمرۃ چھا جانے والی غفلت۔

من ھذا یعنی عدم شعور سے بھی پس وہ دین کا شعور نہیں رکھتے اور یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ شعور نہیں رکھتے (جاہل مرکب ہیں) یا یہ مطلب ہے کہ نفس شعور سے غافل ہیں نہ اب جانتے ہیں نہ آئندہ سمجھیں گے چھا جانے والی غفلت کی وجہ سے ان میں شعور کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔

یا یہ مطلب ہے کہ وہ اس امر سے بالکل غافل ہیں کہ انہوں نے اللہ کے پسندیدہ دین کو چھوڑ دیا ہے اور دین کو بدل کر فرقے فرقے بن گئے ہیں اور اپنی خواہش کے موافق دین اختیار کر رکھا ہے یا یہ مطلب ہے کہ وہ اس قرآن سے غافل ہیں یا اہل ایمان کے محاسن کمالیہ سے غافل ہیں یا اعمالناموں کے رجسٹر سے غافل ہیں۔

وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ اور اس کے علاوہ ان کے اور بھی (برے برے) اعمال ہیں جن کو وہ کرتے رہتے ہیں۔

من دون ذلک اس کے دو مطلب ہیں ایک تو یہی جو ترجمہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ شرک اور کفر کے سوا ان کی بداعمالیاں اور بھی ہیں دوسرا مطلب یہ کہ مومنوں کے جو اوصاف و اعمال ہیں کافروں کے اعمال ان کے علاوہ اور ان سے ہٹ کر ہیں۔

عملون کرتے رہتے ہیں ان اعمال کے عادی ہیں۔

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾ یہاں تک کہ جب ان کے خوش حال لوگوں کو (مرنے کے بعد) ہم عذاب میں دھر پکڑیں گے تو فوراً وہ چلا اٹھیں گے۔ مترفیھم ان میں کے خوش عیش، آرام میں پڑے ہوئے لوگ۔ بالعذاب ابن جریر نے بوساطت ابن جریج حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ العذاب سے مراد ہے بدر کی لڑائی میں قتل ہونا۔ ضحاک نے کہا وہ قحط مراد ہے جو رسول اللہ ﷺ کی بددعا سے ان پر پڑا تھا۔ حضور نے بددعا میں فرمایا تھا اے اللہ اپنی روندھ مضر (قریش کنانہ وغیرہ) پر سخت کر دے اور ان پر یوسف کے زمانہ کے کال کی طرح (سات سال کا) قحط ڈال دے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قحط کی مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ یہاں تک کہ کتوں کو اور مردار کو اور جلی ہوئی ہڈیوں کو بھی کھا گئے۔ یہ بددعا صحیحین میں حضرت ابن مسعود کی روایت سے آئی ہے۔

جئر دہائی دینا چیخ پڑنا حتی کا ما قبل مابعد والے کلام کا سبب ہوتا ہے یہاں بھی کافروں کی غفلت ان کے ہلاک ہونے اور چیخ پڑنے کی علت ہے۔

لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ اب مت چلاؤ ہماری طرف سے تمہاری مطلق مدد نہیں ہو گی۔ یعنی ان سے کہا جائے گا کہ اب مت چلاؤ تم کو چلانے سے کوئی فائدہ نہ ہو گا اور نہ ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد

Marfat.com

ہو گی اور ہماری مدد کے بغیر عذاب سے تمہارا چھٹکارا نہ ہو گا۔

قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾

میری آیات تم کو پڑھ پڑھ کر سنائی جایا کرتی تھیں تو تم الٹے پاؤں بھاگتے تھے تکبر کرتے ہوئے قرآن کا مشغلہ بناتے ہوئے (اس قرآن کی شان میں) بیہودہ بکتے ہوئے۔ نکوص الٹے پاؤں پلٹنا یعنی تم پشت پھیر کر منہ موڑ کر چل دیتے تھے عمل تو کیا اس کو مانتے بھی نہ تھے سنتے بھی نہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے سے اور ان پر ایمان لانے سے تمہارا غرور روکتا تھا تم دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے۔

بہ حرم کی وجہ سے بہ کی ضمیر حرم کی طرف راجع ہے اگرچہ حرم کا لفظ مذکور نہیں ہے کیونکہ حرم والے ہونے کی وجہ سے ان کا غرور مشہور تھا۔ اس لئے مرجع کو ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ قریش کہا کرتے تھے ہم اہل حرم ہیں۔ خانہ خدا کے پڑوسی ہیں ہم کسی سے نہیں ڈرتے ہم پر کوئی غالب نہ ہو گا۔ حضرت ابن عباس مجاہد اور مفسرین کی ایک جماعت نے یہی تفسیر کی ہے۔

بعض علماء قائل ہیں کہ آیات کی طرف ضمیر راجع ہے کیونکہ آیات اگرچہ جمع مؤنث ہے لیکن بمعنی کتاب ہے اس لئے واحد مذکر کی ضمیر ذکر کر دی گئی۔ اس صورت میں ب سببیہ ہو گی کیونکہ ان کے اندر مسلمانوں پر اپنی فوقیت کا غرور قرآن سننے کی وجہ سے ہی ہوا تھا۔

سمرا سمر کا مطلب ہے رات کو داستان قصے کہانیاں کہنا یعنی رات کو کعبے کے گرد اگرد اپنے اپنے جلسوں میں قصے کہانیاں کہتے رہتے ہو (اور قرآن سننے سے تکبر کرتے ہو) سامر اسم جمع ہے جیسے باقر اور حامل (اس جگہ جمع مراد ہے کیونکہ سامرا مستکبرین کے فاعل سے حال ہے اور مستکبرین جمع کا صیغہ ہے) ہم سمار بھی کہا جاتا ہے اور ہم سامر بھی کذافی النہایۃ حدیث قیلہ میں آیا ہے اذجاء زوجھا من السامر جب اس کا شوہر ان لوگوں کے پاس سے آیا جو قصے کہانیاں کہنے میں مشغول تھے۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے سمر سمرا و سمورا بیدار رہا۔ ھم السمار والسامرہ اور سامر اسم جمع ہے۔ سمر رات رات کی کہانیاں چاندنی، تاریکی، زمانہ، بیضاوی نے لکھا ہے سامر بروزن فاعل اصل میں مصدر ہے جیسے عافیت، بعض کے نزدیک سامر مفرد ہے لیکن محل جمع میں آسکتا ہے جیسے طفل اطفال کے بجائے مستعمل ہے آیت میں آیا ہے یخرجکم طفلا یعنی اطفالا۔

بعض نے کہا سامر تاریک رات کو کہتے ہیں اور یہاں یہی معنی مراد ہے اس تفسیر پر سامر ظرف ہو گا یعنی فی السامر یعنی رات میں تم اپنے قصوں میں مشغول ہوتے ہو اور قرآن سننے سے تکبر کرتے ہو۔

تھجرون ہجر کا معنی ہے فحش بکنا، بری باتیں کہنا، یا یہ لفظ ھجر سے مشتق ہے اور ہجر کا معنی ہے کٹ جانا کترا جانا یا بیہودہ بکواس کرنا۔ یعنی تم قرآن سے کٹ جاتے ہو کتراتے ہو یا رسول اللہ ﷺ کی شان میں یا قرآن کی شان میں بیہودہ بکتے ہو ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کا قول نقل کیا ہے کہ قریش کعبے کے گرد اگرد رات کو قصے کہانیاں تو کہتے تھے مگر طواف نہیں کرتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت مستکبرین بہ سمرا تھجرون نازل ہوئی۔

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ کیا ان لوگوں نے اس کلام الٰہی میں غور نہیں کیا۔ استفہام انکاری ہے اور نفی کا انکار اثبات ہوتا ہے۔ القول سے مراد ہے قرآن مجید الف لام عہدی ہے یعنی وہ کلام جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا اور آپ ﷺ نے پیش کیا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے تو قرآن پر خوب غور کر دیکھا ہے اور اس کے مقابلے کی بھرپور کوشش بھی کر لی ہے اور ایک چھوٹی سورت کی مثل بھی نہیں بنا سکے ہیں جس سے قرآن کا اعجاز ان پر واضح ہو گیا ہے اور یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہے۔

اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَأْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آئی ہے جو ان کے بڑوں کے پاس نہیں آئی۔

ام بمعنی بل ہے اور استفہامی ہمزہ، انکاری ہے پورا مطلب اس طرح ہوا بلکہ ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں آئی جو ان

Marfat.com

کے اول بزرگوں کے پاس نہ آئی ہو بلکہ وہی چیز آئی ہے جو ان کے پہلے بڑوں (حضرت ابراہیمؑ) حضرت اسماعیلؑ اور ان کے اس آچکی ہے۔ یعنی نبوت اور کتاب ان کے اعلیٰ مورثوں کے پاس بھی آچکی ہے اور محمد ﷺ کے پاس بھی اللہ نے بھیجی۔

قریش کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی نبوت کا اقرار تھا اور رسول اللہ ﷺ بھی انہی کی طرح تھے لہٰذا کوئی ناممکن (نئی) بات نہیں ہوئی۔

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ یا یہ لوگ اپنے رسول ﷺ کو پہچانتے نہیں پس (کیا وجہ ہے کہ) ان کے منکر ہیں۔ یعنی بچپن سے بڑے ہونے تک ہمیشہ جانتے رہے ان کے نسب کو امانت داری سچائی، حسن اخلاق، تہذیب، ادب ایفائے وعدہ کمال علمی اور کسی انسان سے تعلیم حاصل نہ کرنے سے بھی واقف رہے کذا قال ابن عباس۔

خلاصہ یہ کہ جب وجوہ مذکورہ میں سے انکار کی کوئی ایک وجہ بھی موجود نہیں تو پھر انکار کرنا جائز ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول کو جنون ہے یہ بھی ام منقطعہ ہے مطلب یہ ہے کہ کیا یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو دیوانہ کہتے ہیں حالانکہ انکو علم ہے کہ اللہ کے رسول کی دانش بڑی وزنی اور نظر و فکر کی گہرائی سب سے زیادہ ہے ایسے شخص کی طرف جنون کی نسبت سوائے دیوانہ یا عنادی دشمن کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمام مقامات پر ام متصلہ ہو اور جملہ افلم یدبروا جملہ مستانفہ ہے اس صورت میں مطلب اس طرح ہو گا کہ جب آیت قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ الخ سننے والوں نے سنی تو خواہ مخواہ دل میں سوال پیدا ہوا کہ آخر قرآن سے کترانے، الٹے پاؤں لوٹنے، غرور کرنے اور بیہودہ بکواس کی وجہ کیا ہے۔ کیا قرآن پر انہوں نے غور نہیں کیا یا ان کو اس سے پہلے گزشتہ زمانہ میں کسی پیغمبر کے آنے کی اطلاع نہیں ملی یا اس نبی کی امانت داری اور سچائی وغیرہ کو یہ پہچانتے نہیں۔ یا یہ رسول اللہ صلعم کو دیوانہ خیال کرتے ہیں اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔

بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾ بلکہ (اس عناد اور جھگڑے کا سبب یہ ہے کہ) یہ رسول ان کے پاس حق بات لے کر آئے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ حق سے نفرت کرنے والے ہیں۔

الحق واقعی سچی بات جس کی سچائی عقلاً نقلاً ظاہر ہو اس کی صحت سورج کی طرح ناقابل انکار ہو۔

اکثرھم للحق کرھون ان میں اکثر لوگ محض عناد یا سرداری کی خواہش اور حکومت کی طمع یا خواہشات کے پرستار ہونے یا جاہلوں کی تقلید کرنے یا رسم و رواج کی پابندی کی وجہ سے حق سے نفرت کرتے ہیں۔ تقاضائے دانش و فہم باعث نفرت نہیں۔

اکثر کا لفظ اس لئے ذکر کیا کہ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے اپنی قوم کے خوف یا فہم و دانش کی کمی یا غور و فکر کی وجہ سے ایمان کو ترک کیا تھا ان کے دلوں میں حق سے عناد نہ تھا۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ

اور (بفرض محال) اگر (دین) حق ان کے خیالات کے تابع ہو جاتا ہے تو تمام آسمان زمین اور جو ان میں آباد ہیں سب تباہ ہو جاتے۔

اگر حق ان کے خیالات کے تابع ہو جاتا یعنی ان کی خواہش کے مطابق چند معبود واقع میں ہوتے تو سارا جہان تباہ ہو جاتا یعنی موجود ہی نہ ہوتا عدم سے وجود میں ہی نہ آتا یہی مطلب ہے آیت لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا الخ کا۔

ابن جریج مقاتل، سدی اور اہل حق کی ایک جماعت کے نزدیک الحق سے مراد اللہ ہے فراء اور زجاج کے نزدیک الحق سے قرآن مراد ہے یعنی اللہ اگر ان کی مراد کی موافقت کرتا اور دوسروں کو اپنا شریک بنالیتا یا اپنے لئے اولاد اختیار کر لیتا اور قرآن کو ان کی خواہشات کے مطابق نازل فرما دیتا اور قرآن شرک و معاصی کی تعلیم دیتا تو اللہ اللہ ہی نہ رہتا۔ الوہیت کے لئے شرکت ناقابل برداشت ہے اللہ بیہودہ باتوں کا حکم نہیں دیتا۔ بیہودہ فحش باتوں کا حکم سخت عیب اور برائی ہے اور الوہیت چاہتی ہے کہ

Marfat.com

اللہ کی ذات ہر عیب اور خرابی سے پاک ہو اور جب اللہ اللہ نہ رہتا تو ممکنات کا وجود کہاں سے آتا۔

بعض اہل علم نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اگر حق ان کی خواہشات کا تابع ہوتا اور باطل ہو جاتا تو پھر وہ چیز (حق و عدل) ہی باقی نہ رہتی جس پر قوام عالم موقوف ہے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جو دین حق رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں اگر وہ کافروں کی خواہشات کا تابع ہو جاتا اور توحید کی جگہ شرک لے لیتا تو اللہ ان کافروں پر عذاب نازل کر دیتا اور سارا عالم اللہ کی آتش غضب سے جل بھن جاتا۔

بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ بلکہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت کی بات بھیجی سو یہ لوگ اپنی نصیحت کی بات سے بھی روگردانی کرتے ہیں۔

ذکرھم یعنی ایسی کتاب جو ان کو اللہ کی یاد دلاتی ہے یا نصیحت و یادداشت۔ یا وہ ذکر جس کی انہوں نے اپنے اس قول میں تمنا کی تھی لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ حضرت ابن عباس نے فرمایا ذکرھم سے مراد ہے وہ کتاب جس میں ان کی بزرگی اور شرف کا بیان ہے یعنی قرآن مجید اسی مضمون کی دوسری آیت آئی ہے۔ فرمایا ہے لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ یعنی ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی جس میں تمہارے لئے شرف اور بزرگی ہے ایک اور آیت میں فرمایا وانہ لذکر لک اور بلاشبہ یہ آپ کے لئے باعث شرف ہے بات یہ ہے کہ قرآن کی زبان وہ اختیار کی گئی جو قریش کی تھی اور زبان میں لوگوں کو قریش کا تابع بنایا گیا اور خلافت صرف قریش کے لئے مخصوص کر دی گئی۔

فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ پس وہ ایسی کتاب کی طرف بھی التفات نہیں کرتے جو ان کے لئے باعث شرف ہے۔

اَمْ تَسْــَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَیْرٌ ۖ وَّهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۷۲﴾ یا آپ ان سے کسی آمدنی کے خواستگار ہیں سو آمدنی تو آپ کے رب کی (عطا کردہ) سب سے بہتر ہے اور وہی سب سے اعلیٰ دینے والا ہے۔

یہ بھی استفہام انکاری ہے یعنی آپ ان سے کسی معاوضہ کے طلب گار نہیں ہیں کہ تاوان ادا کرنے کے ڈر سے یہ ایمان لانے میں تامل کریں۔ فخراج ربک یعنی وہ معاوضہ اور ثواب جو آخرت میں اللہ آپ کو عطا کرے گا۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے خرج خراج کی طرح بمعنی تاوان ہے بیضاوی نے لکھا ہے خرج (خرچ) دخل (آمدنی) کے مقابل کو کہتے ہیں۔ خرج کا معنی ہے دوسرے کو دینا خراج کا زیادہ استعمال اس ٹیکس کے لئے ہوتا ہے جو حکومت کی طرف سے زمین پر مقرر ہوتا ہے خیر بہتر ہے کیونکہ سب سے وسیع بھی ہے اور ہمیشہ جاری رہنے والا بھی ہے اس لئے خداداد خرج کی وجہ سے آپ ان سے تاوان وصول کرنے کے حاجت مند نہیں ہیں۔

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۷۳﴾ اور آپ تو ان کو سیدھے راستے کی طرف بلا رہے ہیں یعنی ایسی راہ (زندگی) پر چلنے کی دعوت دے رہے ہیں جس میں کوئی کجی نہیں جس کی استقامت کی شاہد تمام سلیم عقلیں ہیں۔

اللہ نے مذکورہ بالا آیات میں ان تمام اسباب کی نفی کر دی جو دعوت رسول ﷺ سے انکار کرنے کے موجب بن سکتے تھے۔ راستہ میں کجی نہیں اس راہ کے مستقیم ہونے کی شاہد ہر عقل سلیم ہے۔ دعوت دینے والے کو کوئی لالچ نہیں وہ کچھ مال مانگتا نہیں۔ اس دعوت نامے میں ان لوگوں کے لئے شرف بھی ہے جن کو دعوت دی جارہی ہے اس لئے انکار دعوت کا سبب سوائے حق سے عداوت رکھنے کے یا دانش کے فقدان کے اور کوئی نہیں اور ازل ہی میں یہ بدبختی ان کے لئے لکھ دی گئی تھی یوں تو وہ بڑے عقلمند تھے دنیاوی منافع حاصل کرنے کی بہت سوجھ بوجھ رکھتے تھے اس لئے دوامی منافع کے حصول سے محروم رہنا اور ان کو نہ سمجھنا صرف ازلی شقاوت تھی جو مقدر ہو چکی تھی۔ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے اور راہ مستقیم پر چلنے کی توفیق عنایت فرما دیتا ہے۔

وَاِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ اور جو لوگ آخرت

Marfat.com

پر ایمان نہیں رکھتے وہ بلاشبہ سیدھے راستے سے ہٹتے جا رہے ہیں۔

الصراط میں الف لام عہدی ہے یعنی سیدھا راستہ لنکبون مڑ رہے ہیں ان میں استعداد اور صلاحیت ہی نہیں ہے ان کی تخلیق ہی اللہ کے اسم مضل کے پر تو سے ہوئی ہے ان کے لئے سیدھے راستے پر چلنا ممکن ہی نہیں ہے۔

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۞

اور اگر ہم ان پر مہربانی کر دیتے اور ان کو جو تکلیف ہے اس کو دور کر دیتے تب بھی یہ لوگ اپنی گمراہی میں بھٹکتے سرگرداں پھرتے رہتے۔

ضر (دکھ) یعنی وہ عذاب جس میں خوشحال لوگوں کو مبتلا کیا گیا تھا خواہ اس سے مراد جنگ بدر میں مارا جانا ہو۔ جیساکہ حضرت ابن عباس کا قول ہے یا قحط مراد ہو جیساکہ ضحاک کا قول ہے یہ دونوں قول اوپر ذکر کر دیئے گئے ہیں۔

للجوا تب بھی یہ اڑے رہیں، دشمنی پر جمے رہیں۔

فی طغیانہم یعنی اپنے غرور اور حد سے بڑھے ہوئے کفر اور رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان پر رحم نہیں کیا اور اگر مہربانی کر کے ان کے دکھ کو دور کر دیتے تب بھی یہ کفر پر اڑے رہتے اور اپنی گمراہی میں سرگرداں پھرتے رہتے۔

نسائی اور حاکم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ابوسفیان نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا محمد ﷺ میں تم کو اللہ کا اور قرابت داری کا واسطہ دیتا ہوں (کہ اس مصیبت کو دور کرنے کی دعا کر دو) اب تو ہم اون اور خون بھی کھانے لگے (بھوک سے انتہائی مجبور ہو گئے) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ۞

اور ہم نے ان کو گرفتار عذاب بھی کیا تب بھی انہوں نے اپنے رب کے سامنے نہ عاجزی اختیار کی نہ گڑگڑائے۔ (نہ زاری کی)

العذاب یعنی بدر کی لڑائی میں مارا جانا یا قحط پڑنا۔

فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ یعنی انہوں نے توبہ نہیں کی۔ اپنے رب کی طرف رجوع نہیں ہو۔ بلکہ اپنی سرکشی پر قائم رہے استکانوا یا باب استفعال سے ہے اس کا مادہ کون ہے۔ محتاج بھی ایک کون سے دوسرے کون کی طرف۔ اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ (ہر دم ایک نئے تغیر کا طلبگار ہوتا ہے) یا استکانوا باب افتعال سے ہے اس کا مادہ سکن ہے ک کے بعد الف اشباعی ہے۔

وما یتضرعون یعنی وہ زاری کرنے عاجزی کرنے اور خشوع کرنے سے مانوس ہی نہیں ہیں (خشو خضوع کا مادہ ہی ان کے اندر نہیں ہے)۔

بیہقی نے دلائل میں بیان کیا ہے کہ ابن اثال حنفی جب گرفتار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور ﷺ نے اس سے وعدہ لے کر چھوڑ دیا پھر وہ مکہ کو چلا گیا اور مسلمان ہو گیا (قریش نے اس کو گرفتار کرنا چاہا وہ بھاگ کر) مکہ اور یمامہ کے درمیان آکر آبیٹھا اور یمامہ سے جو غلے کی رسد مکہ کو آیا کرتی تھی اس کو روک دیا۔ قریش بھوکے مرنے لگے یہاں تک کہ جانوروں کا اون کھانے لگے مجبور ہو کر ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کیا آپ کا یہ دعوی نہیں ہے کہ آپ کو دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا بے شک یہی بات ہے ابوسفیان نے کہا تو (یہ کیسی رحمت ہے کہ) آپ نے آباؤ اجداد کو تو تلوار سے قتل کر دیا اور ان کی اولاد کو قحط سالی سے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت میں (گویا) شہادت ہے اس بات کی کہ اگر ہم نے دوسرا عذاب بھی ان سے دور کر دیا تو یہ اللہ کے سامنے زاری نہیں کریں گے جیسے پہلے عذاب میں گرفتار ہونے کے بعد اللہ کی طرف انہوں نے رجوع نہیں کیا اور زاری نہیں کی۔

ایک شبہ

Marfat.com

تفسیر مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے خوش حال کافروں کو جس عذاب میں گرفتار کیا تھا وہ عذاب دور نہیں کیا حالانکہ بغوی نے صراحت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قریش کے لئے بددعا کی اور فرمایا اے اللہ ! ادو یوسفی کی طرح ان کو بھی قحط سالیوں میں مبتلا کردے اور قریش قحط زدہ ہو گئے۔ پھر ابو سفیان نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ میں آپ سے اللہ اور قرابت داری کے حوالے سے پوچھتا ہوں کیا آپ کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ آپ کو لوگوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا بے شک یہی بات ہے۔ ابو سفیان نے کہا تو آپ نے باپوں کو تلوار سے قتل کرادیا اور ان کی اولاد کو قحط سے اب اللہ سے دعا کیجئے کہ خدا اس قحط کو دفع کر دے چنانچہ حضور ﷺ نے دعا کی اور اللہ نے قحط کو دور کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بددعا کی وجہ سے جو قحط قریش پر پڑا تھا وہ حضور ﷺ کی دعا سے اللہ نے دور کر دیا (اور آپ کا بیان کردہ تفسیری مطلب بتا رہا ہے کہ قحط سالی دور نہیں کی گئی)

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ آیت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ زمانہ میں ان پر رحم نہیں کیا گیا اور عذاب دور نہیں کیا گیا کیونکہ اللہ جانتا تھا کہ عذاب دور ہونے کے بعد بھی یہ لوگ کفر پر اڑے رہیں گے لیکن عذاب (کبھی) دفع نہ ہو گا آیت میں اس کی صراحت نہیں ہے چنانچہ پہلے ان سے عذاب دور نہیں کیا گیا، پھر رسول اللہ ﷺ کی دعا سے دور کر دیا گیا لیکن انہوں نے پھر بھی توبہ نہیں کی اور اپنی سرکشی پر اڑے رہے اور گمراہی میں ہی سرگرداں گھومتے رہے۔

حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِیْدٍ اِذَا هُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ۟

یہاں تک کہ جب سخت عذاب کا دروازہ ان پر کھول دیا تو یکدم حیران و نراس ہو گئے یہاں تک کہ سب سے زیادہ سرکش و متمرد شخص رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعائے رحمت کا طلبگار ہوا اس آیت میں عذاب شدید سے قحط کا عذاب مراد ہے بشرطیکہ آیت حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِیْهِمْ بِالْعَذَابِ میں العذاب سے مراد ہو جنگ بدر میں مارا جانا جیسا کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے بھوک کا عذاب قید اور قتل کے عذاب سے سخت ہوتا ہے اسی لئے اس کو عذاب شدید فرمایا اور اگر العذاب سے قحط اور بھوک کا عذاب مراد ہو جیسا کہ ضحاک کا خیال ہے تو پھر عذاب شدید سے مراد ہو گا عذاب موت، یا عذاب قبر یا عذاب قیامت اور عذاب دوزخ اور اس وقت فتحنا ماضی کا صیغہ مستقبل کے معنی میں ہو گا چونکہ آئندہ عذاب کا وقوع یقینی تھا اس لئے ماضی کا صیغہ استعمال کیا جیسے آیت اذا الشمس کورت میں ماضی بمعنی مستقبل ہے اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے ہر طرح کی مصیبت ڈال کر ان کا امتحان لیا۔ قید و قتل کا بھی اور قحط و بھوک کا بھی لیکن انہوں نے عاجزی نہیں کی اور اللہ کے سامنے زاری نہیں کی آخر جب عذاب آخرت میں گرفتار ہوں گے تو اس وقت حیران اور نراس ہو کر رہ جائیں گے اسی حیرانی اور ناامیدی کا اظہار آیت یوم تقوم الساعته یبلس المجرمون میں کیا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۟

اور اللہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے کان آنکھیں اور دل، پیدا کئے تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔ کان اور آنکھیں بنائیں تاکہ اللہ کی قدرت کی نشانیاں تم ان کے ذریعے سے معلوم کرو اور دل بنائے اس لئے کہ تم ان نشانیوں پر غور کرو اور سوچ و بچار سے کام لو (اور تمام دینی دنیوی منافع کو حاصل کرو)

قلیلا ما میں ما زائد ہے اور قلیلا سے مراد ہے تھوڑا شکر یا کم وقت میں شکر کیونکہ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ کان ناک دل کا استعمال اس غرض کے لئے کیا جائے جس کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے اور ان کو پیدا کرنے والے کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ کیا جائے۔ بعض نے کہا محاورہ میں قلیل بمعنی عدم کے مستعمل ہے اس صورت میں یہ مطلب ہو گا کہ تم بالکل شکر نہیں کرتے۔

وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ اور اللہ وہی تو ہے جس نے تم کو زمین میں پیدا کیا (اور توالد تناسل کے ذریعہ زمین پر پھیلایا)

Marfat.com

وَ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝٧٩ اور (قیامت کے دن اسی کے پاس تم جمع کئے جاؤ گے یعنی پہلے پراگندہ اور جدا جدا ہو گے پھر جمع کئے جاؤ گے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ اور وہی ہے جو جلاتا ہے اور مردہ کرتا ہے (یعنی زندگی اور موت اسی کے قبضہ میں ہے جس کو چاہتا ہے زندگی عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے زندگی چھین لیتا ہے)

وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝٨٠ اور اسی کے اختیار میں رات و دن کا گھٹنا بڑھنا ہے سو کیا تم اتنی بات نہیں سمجھتے۔

لہ یعنی اسی کے حکم اور فیصلہ کے ماتحت ہے۔ اختلاف الیل و النہار یعنی تاریکی اور روشنی میں رات دن کا اختلاف ہر ایک کے منافع میں اختلاف یا چھوٹے بڑے ہونے میں اختلاف۔

افلا تعقلون یعنی غور اور فکر سے کام لے کر اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ سب کچھ ہماری قدرت سے ہو رہا ہے اور ساری کائنات ہماری قدرت کے اندر ہے اس لئے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے پر بھی ہم قادر ہیں۔

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝٨١ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝٨٢

بلکہ یہ بھی ویسی ہی بات کہتے ہیں جو اگلے (کافروں) نے کہی تھی یہ کہتے ہیں کہ جب ہم مر جائیں گے اور خاک اور ہڈیاں بن کر رہ جائیں گے تو کیا (دوبارہ) زندہ کر کے ہم اٹھائے جائیں گے۔

یعنی کفار مکہ وہی بات کہہ رہے ہیں جو ان سے پہلے گزشتہ اقوام کے کافروں نے کہی تھی۔

ء انا لمبعوثون میں سوال انکاری ہے یعنی ایسا ہو نہیں سکتا کہ ہم دوبارہ اٹھائے جائیں۔ کافروں نے اپنی ابتدائی پیدائش پر غور نہیں کیا اور اتنا نہ سوچا کہ اس زندگی سے پہلے وہ مٹی تھے اور اس سے پہلے کچھ بھی نہ تھے (معدوم محض تھے عدم سے نکل کر مٹی کی شکل میں پھر غذائی شکل میں پھر خون اور نطفہ کی شکل میں زندہ انسان کی شکل میں آئے)

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝٨٣

اس کا تو ہم سے اور ہم سے پہلے ہمارے بڑوں سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے، یہ کچھ نہیں محض بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آئی ہیں۔

یعنی مرنے کے بعد جی اٹھنے کا وعدہ تو ہمارے بڑوں سے وہ لوگ کرتے ہی چلے آئے ہیں جنہوں نے اللہ کے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ ھذا یعنی مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا۔ اس کا وعدہ تمام مدعیان نبوت کرتے چلے آئے ہیں۔

من قبل اب سے پہلے لیکن اتنی طویل مدت گزرنے کے بعد بھی اب تک وہ وعدہ پورا نہیں ہوا۔

ان ھذا نہیں ہے یہ وعدۂ قیامت۔

الا اساطیر الاولین مگر اگلے لوگوں کی جھوٹی بنائی ہوئی باتیں۔ سطر، قطار، کتاب کی سطر بوئے ہوئے درختوں کی لائن کھڑے ہوئے آدمیوں کی لائن یہاں اول معنی مراد ہے سطر فلاں فلاں شخص نے لکھا سطر کی جمع اسطر اور سطور اور اسطار آتی ہے اور اساطیر اسطار کی جمع ہے مطلب یہ ہے کہ یہ بات خدا کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہے بلکہ اگلے لوگوں کی بے بنیاد جھوٹ لکھی ہوئی چلی آتی ہے مبرد نے کہا اساطیر اسطورہ کی جمع ہے جیسے اراجیح ارجوحہ کی اور احادیث احدوثہ کی اور اعاجیب اعجوبہ کی اور اضاحیک اضحوکہ کی اس کا استعمال تفریح اور دل بہلانے کے لئے لکھی ہوئی جھوٹی تحریروں کے لئے ہوتا ہے اسی لئے اساطیر کا تفسیری ترجمہ اکاذیب کیا گیا ہے۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝٨٤ آپ ان سے پوچھیے زمین اور جو بھی زمین میں ہیں کس کے (پیدا کئے ہوئے) ہیں اگر تم جانتے ہو (یا اگر تم اہل علم میں سے ہو) تو بتاؤ استفہام تقریری ہے یعنی مخاطب کو اقرار پر آمادہ کیا گیا ہے کہ اس کو سوائے اقرار کے کوئی چارہ نہ رہے۔

Marfat.com

ان کنتم تعلمون اگر تم اہل علم میں سے ہو یا اگر تم جانتے ہو تو جواب دو بتاؤ مخاطب کی اہانت اور تحقیر اس سوال سے مقصود ہے کہ ایسی بات جس کو بچے اور دیوانے بھی جانتے ہیں تم نہیں جانتے تمہارا حال اور قول تمہاری جہالت کا شاہد ہے یہ ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن ہی نہیں تمام لوگ اس کے قائل ہیں عقل صریح اور نقل صحیح اس کی گواہ ہے اس لئے ان کو کہنا پڑے گا۔

سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ کہ یہ سب کچھ اللہ کا ہے پھر اس اقرار کے بعد

قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٨٥﴾ آپ ان سے کہیے (کہ جب اللہ ہی کا سب کچھ ہے) تو پھر تم کیوں غور نہیں کرتے کہ جس نے زمین اور زمین کے باشندوں کو پہلی مرتبہ پیدا کیا وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہوگا اعادۂ ایجاد کی قدرت کا انکار کیا معنی رکھتا ہے۔

قُلْ مَن رَّبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿٨٦﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٨٧﴾

آپ (یہ بھی) ان سے کہیے کہ ان سات آسمانوں کا مالک کون ہے اور عرش عظیم کا مالک کون ہے وہ ضرور جواب میں کہیں گے کہ (یہ سب کچھ) اللہ کا ہے آپ کہیے تو پھر تم (اس سے) کیوں نہیں ڈرتے۔ یعنی جب تم اقرار کرتے ہو کہ آسمانوں اور عرش عظیم کا خالق اللہ ہی ہے اور کوئی نہیں تو پھر تم اس کے عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے کیوں دوسروں کو اس کا ساجھی قرار دیتے ہو اور وہ چیزیں جو اس کے دائرہ قدرت میں داخل ہیں کیوں ان کو قدرت سے خارج سمجھتے ہو۔

قُلْ مَن بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ آپ ان سے پوچھیے کہ ہر چیز کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے۔

ملکوت کا معنی ہے حکومت عزت غلبہ، ملکوت میں واؤ مبالغہ کی ہے۔ یعنی انتہائی غلبہ جتنا تصور کیا جا سکتا ہو اسی لئے اس لفظ کا استعمال صرف اللہ کی حکومت واقتدار کے لئے مخصوص ہے بعض کے نزدیک ملکوت سے مراد ہیں خزانے اور (بے گنتی) ذخیرے۔

وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨٨﴾ اور وہی (جس کو چاہتا ہے) پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ۔

یجیر حفاظت کرتا ہے برائی سے بچاتا ہے جس کو چاہتا ہے پناہ دیتا ہے۔

ولا یجار علیہ یعنی جس کو اللہ پناہ نہ دے اس کو کوئی پناہ نہیں دے سکتا اللہ جس کو دکھ پہنچانا چاہے اس کو دکھ پہنچنے سے کوئی بچا نہیں سکتا اور کوئی شخص اللہ کو ضرر پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا۔

سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ فَأَنَّىٰ تُسْحَرُونَ ﴿٨٩﴾ (اب بھی) وہ ضرور کہیں گے کہ (یہ سب حکمت و قدرت اللہ کی ہے تو ان سے کہیے کہ پھر تم کو کیسا خبط ہو رہا ہے یعنی جب تم ان باتوں کا اقرار کرتے ہو تو پھر کس فریب میں پڑ کر حق وہدایت سے روگرداں ہو رہے ہو یا یہ مطلب ہے کہ جب اس کا اعتراف کرتے ہو تو پھر حق کو باطل تم کس طرح خیال کرتے ہو۔

بَلْ أَتَيْنَاهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٩٠﴾ بلکہ ہم نے ان کو سچی بات پہنچائی ہے وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔

الحق سے مراد توحید اور قیامت کا وعدہ اور کاذب ہونے سے یہ مراد ہے کہ یہ توحید اور قیامت کے انکار میں جھوٹے ہیں۔

مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِن وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَٰهٍ اللہ نے کسی کو (اپنی) اولاد نہیں قرار دیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے۔

اس کی اولاد نہیں (کیونکہ اولاد اپنے باپ کی ہم جنس ہوتی ہے اور) اللہ کی مثل اور ہم جنس کوئی نہیں وہ ہر مماثلت اور

Marfat.com

مجانست سے پاک ہے اور نہ کوئی اور خدا ہے جو الوہیت میں اللہ کا شریک ہو۔

اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ　(جب کوئی اور بھی الہ ہوتا تو وہ ضرور خالق بھی ہوتا) اور ہر الہ (خدا) اپنی مخلوق کو (تقسیم کر کے) جدا کر لیتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتا۔

اپنی مخلوق کو لے کر جدا ہو جاتا اور دوسرے کو اپنی مخلوق پر تصرف کرنے سے روک دیتا اور ہر ایک کی ملکیت دوسرے کی ملکیت سے علیحدہ ہو جاتی (اور ان کے باہم لڑائی ہوتی) اور (لڑائی میں) ایک دوسرے پر غالب آجاتا۔ جیسے دنیا کے بادشاہوں کا طریقہ ہے تعداد آلہہ کے وقت باہمی جنگ و جدال ناممکن نہیں اور جنگ میں ایک دوسرے پر غلبہ ہونا ہی چاہئے نتیجہ میں ایک مغلوب ہوتا اور مغلوب خدا نہیں ہو سکتا مغلوبیت کمزوری اور حدوث کی علامت ہے۔ اور اگر کوئی کسی پر غالب نہ آسکتا تو دونوں غالب آنے سے عاجز ہوتے اور عجز علامت حدوث ہے الوہیت کے منافی ہے۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾　ع ۱۵ ۵

اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ (اس کی شان میں بیان کرتے ہیں جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کا۔ غرض ان کی شرک آفرینیوں سے اللہ بزرگ و برتر ہے۔ یعنی اولاد اور شریک سے اللہ پاک ہے جس کی دلیل اوپر ذکر کر دی گئی۔

عالم الغیب والشہادۃ نفی شریک کی دوسری دلیل ہے (اگر کسی موصوف کی کوئی خاص صفت بیان کی جائے تو وہ صفت ہی کسی حکم کی علت ہوتی ہے جیسے احسن یزید صدیقک القدیم اپنے پرانے دوست زید کے ساتھ بھلائی کر۔ بھلائی کرنے کے حکم کی علت زید کی پرانی دوستی ہے۔ پس اللہ کا شریک نہ ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہی پوشیدہ اور ظاہر کا عالم ہے یعنی عالم کل ہے اس کے سوا کوئی ہمہ گیر علم نہیں رکھتا) یہ بات مشرک بھی مانتے تھے کہ علمی ہمہ گیری میں اللہ منفرد ہے۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾

آپ دعا کیجئے کہ اے میرے رب جس عذاب کا ان کافروں سے وعدہ کیا جائے گا اگر وہ عذاب تو مجھے دکھادے تو اے میرے رب مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کر دینا۔ اور ہم اس بات پر قادر ہیں کہ جس (عقراب) کا وعدہ ہم ان سے کر رہے ہیں وہ آپ کو دکھادیں۔

لیکن بیخ بن سے اکھاڑ دینے والا غارت کن عذاب ہم ان پر نازل نہیں کرتے کیونکہ آپ ان میں موجود ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ ان میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئیں گے اور بعض کی نسل میں مومن پیدا ہوں گے۔

انا علی ان نریک دوسرا جملہ معترضہ ہے قیامت کا اور عذاب موعود کا وہ لوگ انکار کرتے تھے اور بطور استہزاء جلد نزول عذاب کے خواستگار تھے ان کے انکار اور عجلت طلبی کو رد کرنے کے لئے یہ جملہ ذکر فرمایا۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ　آپ ان کی برائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ (خصلت) سے کر دیا کیجئے جو بہت ہی اچھا اور نرم ہو۔

سب سے اچھی خصلت سے مراد ہے درگزر کرنا رخ پھیر لینا، صبر کرنا اور بھلائی کرنا۔ یعنی ان کی برائی کے مقابلے میں اپنی طرف سے ان کے ساتھ بھلائی کرو۔ اس تفسیر پر آیت میں کافروں کی ایذارسانی پر صبر کا اور جنگ سے باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور آیت جہاد سے اس آیت کا حکم منسوخ قرار دیا جائے گا۔ بعض کے نزدیک حسنہ سے کلمۂ توحید اور سیہ سے کلمۂ شرک مراد ہے بعض کے خیال میں سیہ برا کام (گناہ کا کام) ہے اور حسنہ سے مراد ہے برے کام سے بازداشت اور ممانعت۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾　وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں ہم اس سے بخوبی واقف ہیں یعنی آپ کے متعلق کافر جو کچھ کہتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ آپ کے حالات کے خلاف بیان کرتے ہیں ہم اس سے بخوبی واقف ہیں اور سزا دینے پر

Marfat.com

قدرت بھی رکھتے ہیں اس لئے آپ خود انتقام کے درپے نہ ہوں اور سارے معاملے کو ہمارے سپرد کر دیں۔ یہ جملہ گویا دفع السیئة بالحسنة کی علت ہے آپ بھلائی کریں اور برائی کے مقابلہ میں بھلائی سے کام لیں اس لئے کہ ہم آپ کا انتقام لے لیں گے ہم ان کے بیان کو بھی خوب جانتے ہیں اور سزا دینے کی قدرت بھی رکھتے ہیں۔

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾

اور آپ دعا کیجئے اے میرے رب میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اے میرے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس آئیں۔

ھمزت زور سے دھکا دینا یعنی وسوسے ڈال کر گناہوں کی طرف لے جانا۔

ان یحضرون کہ میرے پاس آئیں۔ یعنی میری نماز میں عبادت میں اور دوسرے امور میں میرے پاس بھی آئیں کیونکہ شیطان جب پاس آئے گا تو ضرور وسوسہ بھی پیدا کرے گا۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی (کے سر) پر موت آکھڑی ہوتی ہے اس وقت کہتا ہے اے میرے رب مجھے (دنیا میں) پھر واپس بھیج دے تا کہ جس (دنیا) کو میں چھوڑ کر آیا ہوں اس میں پھر جا کر نیک کام کروں۔

حتی ابتدائیہ ہے اسکا تعلق یصفون سے ہے یا کاذبون سے ہے یعنی جب اس کو دونوں ٹھکانے دکھائی دینے لگتے ہیں کہ اگر ایمان لاتا تو جنت کا یہ ٹھکانہ اس کو ملتا اور ایمان نہیں لایا تو دوزخ کے اندر اس کا یہ ٹھکانہ ہے اور اس سے کہہ دیا جاتا ہے کہ جنت کے ٹھکانے کی جگہ اللہ نے دوزخ کے اندر یہ ٹھکانہ مقرر کر دیا تو اس وقت وہ کہتا ہے اے میرے رب مجھے دنیا میں واپس کر دیجئے۔

ارجعون میں خطاب رب کو ہی ہے لیکن تعظیماً جمع کا صیغہ استعمال کیا۔ بعض نے کہا تکرار فعل مقصود ہے اس لئے جمع کا صیغہ ذکر کیا گویا اصل کلام یوں تھا ارجعنی ارجعنی بعض کا قول ہے کہ رب اور روح قبض کرنے والے ملائکہ سب کو خطاب ہے اول رب کو مخاطب بنایا کیونکہ فریاد اصل میں اسی سے کی پھر ملائکہ سے درخواست کی کہ وہ دنیا میں پھر لوٹا دیں۔

فیما ترکت ما سے مراد ایمان ہے یعنی وہ ایمان جس کو میں نے ترک کر دیا تھا اس میں داخل ہو کر میں نیک کام کروں یا مال یا دنیا مراد ہے یعنی جو مال دنیا میں چھوڑ آیا ہوں پھر اس میں جا کر نیک کام کروں۔

ابن جریج کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مومن کو (موت کے) فرشتے نظر آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کیا ہم تجھے دنیا کی طرف لوٹا دیں۔ مومن کہتا ہے کیا افکار و آلام کے گھر کی طرف (تم مجھے لوٹانا چاہتے ہو میں ایسا نہیں چاہتا) بلکہ میں تو اللہ کے پاس جانا چاہتا ہوں اور کافر (کے سامنے جب ملائکہ آتے ہیں تو وہ) کہتا ہے رب ارجعون

صحیحین میں حضرت عبادہ بن صامت کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے ملنا برا سمجھتا ہے اللہ بھی اس سے ملنے سے نفرت کرتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے یا کسی اور بی بی نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں (کون مرنا چاہتا ہے) فرمایا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ بات یوں ہے کہ مومن کے سامنے جب موت آتی ہے تو اس کو اللہ کی خوشنودی اور عزت بخشی کی بشارت دی جاتی ہے اس وقت (پیچھے رہنے والی) کوئی چیز بھی آگے آنے والی چیز سے زیادہ محبوب نہیں ہوتی اس لئے وہ اللہ سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملنا پسند کرتا ہے لیکن جب کافر کے مرنے کا وقت آتا ہے تو اس کو اللہ کے عذاب اور سزا کی اطلاع دی جاتی ہے اس وقت پیش آنے والی چیز سے زیادہ بری کوئی چیز اس کی نظر میں نہیں ہوتی اس لئے وہ اللہ سے ملنے کو ناگوار سمجھتا ہے اور اللہ بھی اس سے ملنے سے نفرت کرتا ہے۔

Marfat.com

كَلَّا ؕ ہرگز نہیں دنیا کی طرف واپسی ہرگز نہیں ہو سکتی۔

اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ اس کی یہ ایک بات ہی بات ہے جس کو وہ کہے جارہا ہے کلمۃ سے مراد ہے پورے کلام کا ایک ٹکڑا یعنی مفید جملہ نحو کی اصطلاح میں کلمہ مفرد لفظ کو کہتے ہیں (لیکن عربی محاورہ میں مفید کلام کو کلمہ کہا جاتا ہے)۔

ھو قائلھا یعنی حسرت اس پر چھا جاتی ہے عذاب کا ڈر ہوتا ہے اس لئے ایسی بات کہتا ہے ورنہ دنیا میں واپس جانا ناممکن ہوتا ہے واپسی کی درخواست بیکار ہوتی ہے۔

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝۱۰۰ اور ان لوگوں سے آگے ایک چیز آڑ ہے اس دن تک جبکہ ان کو اٹھایا جائے گا۔

من ورائھم ان کے آگے برزخ مجاہد نے کہا ان لوگوں کے اور واپسی کے درمیان حجاب ہے (آڑ ہے) قتادہ نے کہا برزخ سے مراد ہے دنیا کی باقی عمر کیونکہ جب تک دنیا کی باقی مدت ختم نہ ہو جائے گی زندگی کی طرف واپسی نہ ہوگی۔ ضحاک نے کہا برزخ موت سے قیامت تک کی مدت بعض نے کہا برزخ سے مراد قبر ہے۔

فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝۱۰۱ پھر جب (قیامت میں) صور پھونکا جائے گا تو ان میں باہمی رشتے ناتے اس روز نہ رہیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ صور پھونکے جانے سے مراد اس جگہ پہلا نفخۂ صور ہے یعنی نفخۂ بیہوشی، جس کے متعلق فرمایا ہے فَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ جب صور پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب بیہوش ہو جائیں گے اور اس روز ان کے درمیان (دنیا والی) رشتہ داریاں نہیں رہیں گی اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو ایک دم سب (اٹھ کے) کھڑے ہو جائیں گے اور (حیرت سے) دیکھتے ہوں گے واقبل نفخه علی بعض یتساء لون اور ایک دوسرے کی جانب رخ کر کے باہم پوچھیں گے الخ۔

صحیح یہ ہے کہ آیت میں نفخہ سے مراد نفخۂ بعث (جس کے بعد سب لوگ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے) مراد ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا قیامت کے دن بندے یا بندی کا ہاتھ پکڑ کر علی الاعلان سب اگلوں اور پچھلوں کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور ایک منادی نداء دے گا یہ فلاں بن فلاں ہے اس کی طرف کسی کا حق ہو تو وہ اپنا حق لینے آجائے اس وقت جس شخص کا اپنے باپ یا بیٹے یا بی بی یا بھائی پر کوئی حق ہوگا وہ خوش ہوگا اور اپنا حق وصول کرے گا۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعود نے آیت فلا انساب الخ پڑھی۔ عطا کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول بھی آیا ہے کہ اس جگہ نفخہ سے مراد دوسرا نفخہ ہے۔

فلا انساب بینھم یعنی دنیا میں تو شرافت نسب پر فخر کرتے تھے قیامت کے دن کوئی کسی پر نسبی (اور نسلی) فخر نہ کر سکے گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ رشتے ناتے اس روز فائدہ نہیں پہنچائیں گے کیونکہ سب اتنے وحشت زدہ اور حیران ہوں گے کہ کوئی کسی سے محبت نہیں کرے گا اور آپس میں مہربانی کا جذبہ معدوم ہو جائے گا اور یہ حالت ہو جائے گی کہ آدمی اپنے بھائی اور ماں باپ اور بیوی بچوں سے بھی بھاگے گا۔

بینھم کی ضمیر کافروں کی طرف راجع ہے کافروں ہی کا ذکر اس سے پہلے کیا گیا ہے مومن مراد نہیں ہیں۔ مومنوں کے متعلق تو اللہ نے فرمایا ہے اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ہم ان کے ساتھ ان کی اولاد کو بھی شامل کر دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کا دن ہوگا تو اس روز مسلمانوں کے لڑکے نکلیں گے (یعنی کوثر و تسنیم کے پاس سے ایسی حالت میں برآمد ہوں گے) کہ ان کے ہاتھوں میں شربت (شراب طہور) ہوگا۔ لوگ ان سے کہیں گے ہم کو پلا دو، وہ جواب دیں گے (نہیں) ہم اپنے

Marfat.com

ماں باپ کو پلائیں گے۔ اپنے ماں باپ کو پلائیں گے یہاں تک کہ ساقط شدہ بچہ بھی جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا کہے گا جب تک میرے باپ اندر نہ جائیں گا۔ میں اندر داخل نہ ہوں گے رواہ ابن ابی الدنیا عن عبداللہ بن عمر اللیثی ابوزارہ کی حدیث بھی اسی کے ہم معنی آئی ہے۔

ایک شبہ

ابن عساکر نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میرے نسبی اور سسرالی ناتے کے علاوہ ہر نسبی اور سسرالی رشتہ ٹوٹ جائے گا۔

جواب

مومنوں کی نسبی رشتہ داریاں رسول اللہ ﷺ کے ضمن میں داخل ہیں۔ حضور ﷺ سب مسلمانوں کے باپ تھے اور آپ کی بی بیاں مسلمانوں کی مائیں تھیں۔ (پس آپ کا رشتہ منقطع نہ ہوگا یعنی مومنوں کے رشتے ناتے منقطع نہ ہوں گے)

بغوی نے کہا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کوئی ذریعہ اور نسب سودمند نہ ہوگا سوائے رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ اور نسبت کے یعنی سوائے قرآن وایمان کے۔

ولا یتساء لون کا یہ مطلب ہے کہ باہم رشتے نہیں پوچھیں گے جیسے دنیا میں پوچھا کرتے تھے کہ تم کس خاندان اور کس قبیلے سے ہو۔

ایک شبہ

اللہ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ باہم احوال دریافت کریں گے۔

جواب

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا قیامت کے احوال اور مواقع مختلف ہوں گے کسی مقام پر تو اتنا خوف طاری ہوگا کہ کوئی کسی کو نہ پوچھے گا اور بعض مواقع ایسے بھی آئیں گے کہ ذرا افاقہ اور سکون ہوگا اس وقت ایک دوسرے کی حالت دریافت کرے گا۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ سو جس شخص کا (ایمان اور نیکی کا) پلڑہ بھاری ہوگا وہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

موازین موزون کی جمع ہے یعنی (وزن کئے ہوئے) عقائد اور نیک اعمال بھاری ہوں گے بھاری ہونے سے مراد ہے زیادہ ہونا۔ نیکیوں کا گناہوں کے مقابلے میں نیچے کو جھک جانا۔ یا موازین میزان کی جمع ہے (اور میزان کا معنی ہے ترازو) یعنی جس کی ترازو میں نیکیوں کا پلڑہ نیچے کو جھکا ہوگا۔ موازین کو بصیغۂ جمع اس لئے ذکر کیا کہ ہر شخص کی (وزن کشی کی) ترازو الگ ہوگی۔ یا تعدد میزان سے مراد وزن کا تعدد ہے۔

المفلحون نجات پانے والے اور درجات پر پہنچنے والے۔

علمائے اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ میزان کا قائم ہونا اور اعمال کا اس میں تولا جانا حق ہے خوارج معتزلہ اور شیعہ اس کا انکار کرتے ہیں اور اکثر اہل بدعت (جو سلف صالحین کے خلاف عقائد رکھتے ہیں) اس کے منکر ہیں۔

بیہقی نے البعث میں حضرت عمر بن خطاب کی روایت سے حدیث جبرئیلؑ نقل کی ہے اس حدیث میں ہے کہ جبرئیلؑ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا محمد ﷺ! ایمان کیا ہے۔ حضور نے فرمایا اللہ کو ماننا اللہ کے فرشتوں اور رسولوں اور جنت دوزخ، میزان اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھائے جانے کا یقین کرنا اور اس بات کو ماننا کہ اچھی بری تقدیر اللہ کی طرف سے (مقرر) ہے (یعنی دنیا میں جو اچھائی برائی ہوتی ہے اللہ نے اس کا علمی اندازہ پہلے سے کر لیا تھا) جبرئیلؑ نے کہا اگر میں ایسا کر لوں تو کیا میں مومن ہو جاؤں گا۔ فرمایا ہاں جبرئیل نے کہا آپ نے سچ کہا۔

Marfat.com

حاکم نے مستدرک میں بر شرط مسلم حضرت سلمان کی روایت سے بیان کیا ہے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میزان قائم کی جائے گی (اتنی بڑی ہوگی کہ) اگر آسمان وزمین اس میں رکھ دیئے جائیں تو اس میں سما جائیں۔ ابن مبارک نے الزہد میں اور اجری نے الشریعت میں حضرت سلمانؓ کا قول موقوفاً نقل کیا ہے اور ابوالشیخ ابن حبان نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس کا قول بھی یہی بیان کیا ہے کہ میزان کی ایک زبان اور دو پلڑے ہوں گے۔

ابن ابی الدنیا نے اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت حذیفہ کا قول بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن میزان والے حضرت جبرئیلؑ ہوں گے۔

میزان کے متعلق احادیث متواتر المعنی ہیں۔

فصل

وزن کشی کیسے ہوگی کیفیت اور وزن کی تفصیل میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ بندے کو مع اس کے اعمال کے تولا جائے گا۔ مومن کا وزن اس کی نیکیوں کے موافق ہوگا اور کافر کا کوئی وزن ہی نہیں نکلے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن بعض لوگ آئیں گے جو عظیم الجثہ اور موٹے ہوں گے اور خدا کے نزدیک ان کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا۔ پھر حضور ﷺ نے آیت فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا تلاوت فرمائی۔ متفق علیہ من حدیث ابی ہریرہؓ

اس تفسیر کی بناء پر جن لوگوں کا وزن ہلکا ہوگا وہ کفار ہی ہوں گے۔ (گناہ گار مومن خفیف الوزن نہ ہوں گے)

بعض نے کہا اعمال نامے تولے جائیں گے یعنی وہ صحیفے جن کے اندر نیکیاں اور بدیاں لکھی ہوں گی۔ ان کی وزن کشی ہوگی، ترمذی ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی اور حاکم نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میری امت کے ایک آدمی کو سب کے سامنے لایا جائے گا اور اس کے ننانوے طومار کھولے جائیں گے ہر طومار کا طول بقدر رسائی نظر ہوگا پھر (اللہ اس سے) فرمائے گا کیا اس میں سے کسی بات کا تجھے انکار ہے کیا میری طرف سے اعمال نویسوں نے تیرے اوپر کوئی ظلم کیا ہے وہ شخص عرض کرے گا نہیں اے میرے رب (اعمال نویسوں نے میری کوئی حق تلفی نہیں کی) اللہ فرمائے گا کیوں نہیں میرے پاس تیری ایک نیکی ہے تجھ پر آج ظلم مطلقاً نہ ہوگا (اس نیکی کا بدلہ ملے گا) چنانچہ اس شخص کا ایک کارڈ نکالا جائے گا جس میں اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ واشھدان محمد اعبدہ و رسولہ لکھا ہوگا بندہ عرض کرے گا اے میرے رب ان طوماروں کی موجودگی میں اس کارڈ کی کیا حقیقت ہے اللہ فرمائے گا تیری حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ تمام طومار ایک پلڑے میں رکھے جائیں اور وہ کارڈ دوسرے پلڑے میں طوماروں والا پلڑا اوپر کو اڑ جائے گا۔ (یعنی اٹھ جائے گا) اور کارڈ بھاری نکلے گا۔ اللہ کے نام سے کوئی چیز بھاری نہیں ہوتی۔ امام احمد نے حسن، صحیح سند سے حضرت ابن عمر کی روایت سے اسی طرح حدیث نقل کی ہے۔

بعض نے کہا اعمال کو مجسم بنا کر تولا جائے گا حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر آسمانوں کو اور زمین اور ان کے اندر کی اور ان دونوں کے درمیان کی اور ان کے نیچے کی ساری کائنات کو لا کر میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں لاالہ الا اللہ کی گواہی کو رکھا جائے تو لاالہ الا اللہ کی شہادت والا پلڑہ جھک جائے گا۔ (وزنی نکلے گا) رواہ الطبرانی۔

ابن عبدالرزاق نے علم کی فضیلت کے باب میں اپنی سند سے ابراہیم نخعی کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے عمل لا کر اس کی ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں گے تو وہ پلڑا ہلکا رہے گا پھر بادلوں کی طرح ایک چیز لا کر ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھ دی جائے گی وہ وزنی نکلے گی۔ پھر اس شخص سے کہا جائے گا تو جانتا ہے یہ کیا ہے وہ شخص جواب دیگا نہیں (میں واقف نہیں) کہا جائے گا یہ علم کی فضیلت ہے جو تو لوگوں کو تعلیم دیتا تھا۔

Marfat.com

ذہبی نے علم کی فضیلت کے بیان میں حضرت عمران بن حصین کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن علماء کی روشنائی اور شہیدوں کے خون کا موازنہ کیا جائے گا تو علماء کی روشنائی شہیدوں کے خون سے بھاری نکلے گی۔

میں کہتا ہوں کہ مومن بندہ کو مع اس کے نیک اعمال ناموں یا مع مجسم نیک اعمال کے (دونوں باتوں کا مطلب ایک ہی ہے) ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور دوسرے کافر بندہ کو مع اس کے برے اعمالناموں کے یا مع اس کے مجسم برے اعمال کے دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا تو کافر کا وزن مچھر کے پر کی برابر نہ نکلے گا۔ اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے ومن خفت موازینہ یعنی اس کی میزان میں (اس کا) کوئی وزن ہی نہ ہوگا۔ مومن کی ترازو میں ضرور (کچھ نہ کچھ) وزن ہوگا خواہ لاالہ الااللہ کی شہادت کے سبب ہی ہو اسی کے متعلق اللہ نے بطور کنایہ فرمایا فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُہٗ مگر مومن کے ثقل کے درجات ہوں گے جو کبیرہ گناہوں سے بچتے رہے ہوں گے اور اللہ نے ان کے گناہ ساقط کر دیئے ہوں گے تو ان کی میزانوں میں وزن سب سے زیادہ ہوگا بدیوں کا پلڑہ اڑ جائے گا۔ بالکل خالی رہے گا (اس میں کوئی وزن ہی نہ ہوگا) اور جن لوگوں کے عمل مخلوط ہوں گے اچھے عمل بھی ہوں اور برے عمل بھی۔ ان میں جنت کے اندر داخل ہونے کی صلاحیت ہوگی انہیں کے متعلق حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں کی حساب فہمی ہوگی گناہوں کی بہ نسبت ایک نیکی بھی اگر کسی کی زائد ہوگی تو وہ جنت میں چلا جائے گا اور جس کے گناہ نیکیوں سے زیادہ ہوں گے وہ دوزخ میں چلا جائے گا۔ یعنی گناہوں کی کثافت سے پاک صاف بنانے کے لئے اس کو آگ میں داخل کیا جائے گا جیسے لوہا آگ میں پڑ کر میل کچیل سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ایک دانگ کے وزن سے بھی میزان کا وزن ہلکا بھاری ہوگا۔ اور جن اشخاص کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی وہ اصحاب اعراف ہوں گے اس وقت تک اعراف میں رہیں گے جب تک اللہ ان کے جنت میں داخلے کا حکم دیدے اس کے بعد جنت میں چلے جائیں گے۔

حضرت ابن عباس کا یہ قول ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے اس قول میں کافروں کی حالت کا بیان نہیں ہے کیونکہ کافر کی کوئی نیکی ہی نہ ہوگی۔ اور قرآن میں صرف مومنین صالحین کا ذکر ہے یا کافروں کا۔ گناہ گار مومنوں کا کوئی تذکرہ نہیں اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ نزول قرآن کے زمانہ میں سارے مومن صالح ہی تھے سب صحابہ تھے کبائر سے پرہیز رکھنے والے تھے۔ یا گناہوں سے توبہ کرنے والے تھے اور گناہوں سے توبہ کرنے والے بے گناہ کی طرح ہو جاتے ہیں۔

وَمَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِیۡنُہٗ فَاُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ فِیۡ جَہَنَّمَ خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾

اور جن لوگوں کی میزانیں ہلکی ہوں گی تو وہ ایسے ہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں کو گھاٹے میں رکھا جہنم میں ہمیشہ رہیں گے یعنی جن کے اچھے اعمال ہلکے ہوں گے یا اچھے اعمال کا پلڑہ ہلکا ہوگا ایسا کہ ان کی نیکیوں کا کوئی وزن ہی نہ ہوگا ایسے لوگ لامحالہ کافر ہی ہوں گے۔

بزار اور بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن آدم کے بیٹے کو لاکر میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور ایک فرشتہ کو میزان پر مقرر کر دیا جائے گا اب اگر اس کی میزانیں بھاری نکلیں تو وہ فرشتہ ایسی آواز سے جس کو ساری مخلوق سنے گی کہے گا فلاں شخص خوش نصیب ہو گیا اس کے بعد کبھی بد نصیب نہ ہوگا اور اگر اس کی میزانیں ہلکی نکلیں تو وہ فرشتہ ایسی آواز سے جس کو ساری مخلوق سنے گی کہے گا فلاں شخص بد نصیب ہو گیا آئندہ اس کے بعد کبھی خوش نصیب نہ ہوگا۔ اس حدیث میں خفت سے مراد ہے بالکل وزن نہ ہونا۔

میں کہتا ہوں شاید گناہ گار مومنوں کے اعمال دوبار تولے جائیں گے اگر اس کی نیکیوں میں کسی قدر ہلکا پن ہوگا تو اس کو اس وقت تک کے لئے دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا کہ وہ پاک صاف ہو جائے پھر پاک صاف ہونے کے بعد اس کے اعمال کی پھر تول کی جائے گی اس وقت اس کی میزانیں بھاری نکلیں گی تو فرشتہ ندا دے گا فلاں شخص خوش نصیب ہو گیا اس کے بعد کبھی

Marfat.com

بد نصیب نہ ہوگا۔ ہم نے سورت القارعہ میں اس مبحث کی کسی قدر تحقیق کردی ہے۔
آیت مندرجہ بالا میں صرف کفار مراد ہیں اس کی دلیل اس سے آگے آنے والی آیت ہے فرمایا ہے فاولئک الذین الخ کہ یہی وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے خود اپنا نقصان کیا اور نفس کو کامل کرنے کا جو وقت تھا وہ کھو دیا۔

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ جھلس دے گی ان کے چہروں کو آگ یعنی ان کے چہروں کو آگ جلا ڈالے گی۔ (کذا فی القاموس) اور مومن کے چہرے کو آگ نہیں جلائے گی۔ مسلم نے حضرت جابر کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس امت کے کچھ لوگ دوزخ میں جائیں گے اور آگ ان کو جلائے گی لیکن ان کے چہروں کے گھیرے کو نہیں جلائے گی پھر کچھ مدت کے بعد ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا ابن مردویہ اور ضیاء نے حضرت ابو درداء کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے آیت تلفح وجوههم النار کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا آگ کی ان کو ایک لپٹ لگے گی کہ ان کے گوشت بہ کر ایڑیوں پر جا پڑیں گے طبرانی نے الاوسط میں اور ابو نعیم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جہنم کی طرف جب دوزخیوں کو ہنکا کر لے جایا جائے گا تو آگ کی ایک لپیٹ ان کو ایسی لگے گی کہ گوشت کو ہڈی پر لگا نہ چھوڑے گی سارا گوشت ایڑیوں پر (بہا کر) ڈال دے گی۔

وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اور آگ کے اندر ان کی صورتیں بگڑ جائیں گی۔ کلوح کا معنی ہے دونوں ہونٹوں کا دانتوں کے اوپر سے سکڑ جانا (یعنی نیچے کا ہونٹ نیچے کی طرف آجانا اور اوپر کا ہونٹ اوپر کو اٹھ جانا) ترمذی نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے لکھا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت وهم فيها كلحون کی تشریح میں فرمایا آگ اس کو بھون ڈالے گی کہ اوپر کا ہونٹ بالائی جانب کو اتنا اٹھ جائے گا کہ سر کے وسط تک پہنچ جائے گا اور نچلا ہونٹ اتنا لٹک جائے گا کہ ناف سے جا لگے گا۔
ہناد نے بیان کیا کہ حضرت ابو مسعود نے آیت وهم فيها كلحون کے متعلق فرمایا جیسے پکی ہوئی سری جس کے دانت باہر نکل آئے ہوں اور ہونٹ سکڑ گئے ہوں۔

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ کیا میری آیات تم کو پڑھ کر نہیں سنائی گئی پھر تم ان کو جھوٹا قرار دیتے ہو یعنی بطور زجر اور استحقاق عذاب کے باعث کو یاد دلانے کے لئے ان سے کہا جائے گا۔

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وہ کہیں گے اے ہمارے رب واقعی ہماری بدبختی نے ہم کو گھیر لیا اور بیشک ہم گمراہ لوگ تھے یعنی ہماری بدبختی نے ہم پر قابو پالیا یہاں تک کہ ہمارے احوال نے ہم کو اس انجام بد تک پہنچا دیا ہم حق سے بھٹکے ہوئے تھے۔

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ اے ہمارے رب اب ہم کو اس (جہنم) سے نکال دے اگر پھر دوبارہ ہم ایسا کریں تو بے شک قصوروار ہوں گے۔
فان عدنا یعنی اگر پھر ہم تکذیب کی طرف لوٹے ہم نے دوبارہ تکذیب کی تو بے شک اس وقت ہم اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوں گے اس وقت عذاب سے تو ہم کو رہائی نہ دینا۔

قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اللہ فرمائے گا اسی جہنم میں ذلت کے ساتھ راندے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔
اخسئو ذلت کے ساتھ چپ رہو۔ یہ دعا کا مقام نہیں ہے اور دور رہو صاحب قاموس نے لکھا ہے خسا الکلب کتے کو دھتکار کر باہر نکال دیا۔ خسا الکلب کتا دور ہو گیا۔ جیسے انخسنا دور ہو گیا (باب انفعال) گویا خساء لازم بھی ہے اور متعدی بھی خساء اور خسوء مصدر ہے۔
ولا تکلمون اور مجھ سے کوئی بات مت کرو یا عذاب دور کرنے کی بات مت کرو۔ عذاب دور نہیں کیا جائے گا۔ اس

Marfat.com

کلام کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے مایوس ہو جائیں گے ان کی ہر امید ختم ہو جائے گی۔
حسن نے کہا دوزخیوں سے یہ آخری کلام ہو گا اس کے بعد وہ کلام نہ کر سکیں گے سوائے دم گھٹنے اور آہیں بھرنے کے اور کوئی بات نہ کر سکیں گے کتوں کی طرح بھونکیں گے نہ خود بات سمجھیں گے۔ نہ اپنی بات سمجھا سکیں گے۔ قرطبی نے کہا جب اخسئوا فیھا ولا تکلمون ان سے کہہ دیا جائے گا تو ان کی ساری امیدیں کٹ جائیں گی بالکل نراس ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے بھونکیں گے اس وقت دوزخ اوپر سے بند کر دی جائے گی۔
ہناد، طبرانی، ابن ابی حاتم، حاکم اور بیہقی نے بیان کیا اور عبداللہ بن احمد نے زوائد الزہد میں اس کو نقل کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو نے فرمایا کہ دوزخی مالک کو پکاریں گے اور کہیں گے مالک (جہنم کا داروغہ دوزخ کے فرشتوں کا آفیسر) اب تو تیرے رب کو چاہئے کہ ہمارا کام تمام کر دے مالک چالیس برس تک ان کو کوئی جواب نہیں دے گا چالیس سال کے بعد جواب دے گا تو کہے گا انکم ماکثون تم کو (یہیں ہمیشہ) رہنا ہے۔ یہ جواب ملنے کے بعد وہ اپنے رب کو پکاریں گے اور کہیں گے رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ اللہ ان کو دنیا کی مدت سے دوگنی مدت تک کوئی جواب نہیں دے گا یوں ہی پڑا رہنے دے گا اس مدت کے بعد جواب دے گا تو فرمائے گا اخسئوا فیھا ولا تکلمون اس وقت وہ بالکل مایوس ہو جائیں گے اور کوئی بات نہیں کر سکیں گے اور سوائے دم گھٹنے اور گڑگڑ کرنے کے ایک کلمہ بھی ان کے منہ سے نہیں نکلے گا۔
سعید بن منصور اور بیہقی نے محمد بن کعب کا بیان نقل کیا ہے کہ دوزخی پانچ مرتبہ پکاریں گے چار دعاؤں کے بعد تو اللہ ان کو جواب دے گا اور پانچویں کے بعد وہ خود بات نہ کر سکیں گے وہ کہیں گے اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ اے ہمارے رب تو نے دو بار ہم کو مردہ کیا اور دوبارہ زندگی عطا کی۔ اب ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں کیا اب یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل ہے اللہ اس کے جواب میں فرمائے گا۔ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ تمہاری یہ حالت اس وجہ سے ہے کہ جب ایک خدا کو پکارا جاتا تھا۔ تو تم انکار کرتے تھے اور جب اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بنایا جاتا تھا تو تم یقین کر لیتے تھے پس (آج) فیصل اسی اللہ کے ہاتھ میں ہے جو سب سے بالا اور بزرگ ہے۔ پھر وہ کہیں گے رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ اے ہمارے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو دنیا کی طرف لوٹا دے تاکہ ہم نیک کام کریں بلا شبہ ہم یقین رکھتے ہیں اللہ جواب میں فرمائے گا فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم اس دن کے پیش آنے کو بھول گئے تھے۔ (یقین نہ رکھتے تھے سو اس کا مزہ چکھو) ہم نے بھی تم کو آگ میں ڈال کر) بھولا بسرا کر دیا اور اپنے کرتوت کے بدلے دوامی عذاب کا مزہ چکھو۔ وہ کہیں گے رَبَّنَا اَخِّرْنَا اِلٰى اَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ اے ہمارے رب ہم کو تھوڑی مدت کی مہلت دے دے کہ ہم تیری دعوت کو قبول کر لیں اور پیغمبروں کے کہے پر چلیں۔ اللہ جواب میں فرمائے گا۔ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ کیا تم نے اس (قیامت کے برپا ہونے) سے پہلے (اپنی زندگی میں) قسمیں نہیں کھائی تھیں کہ تم کو زوال نہ ہو گا۔ وہ عرض کریں گے رَبَّنَا اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ اے ہمارے رب ہم کو یہاں سے نکال لے تاکہ ہم اپنے گزشتہ اعمال کے خلاف (اب) نیک عمل کریں۔ اللہ جواب میں فرمائے گا۔ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيْرُ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ کیا ہم نے تم کو اتنی زندگی نہیں دی کہ جو نصیحت پذیر ہوتا ہو جاتا اور (کیا) تمہارے پاس ڈرانے والا (نہیں) آیا تھا اب مزہ چکھو (آج) کافروں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ دوزخی کہیں گے رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّيْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ اللہ جواب میں فرمائے گا اِخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ اس جواب کے بعد ان کے چہرے پارہ گوشت (کی طرح) ہو جائیں گے جس میں نہ منہ ہوں گے نہ ناک کے سوراخ اور سانس اندر ہی اندر گھومے گا ان پر آگ کے سانپ اور بچھو ٹوٹ پڑیں گے۔ اگر ان میں سے ایک سانپ مشرق میں پھونک مار دے تو مغرب والے سوختہ ہو جائیں۔ اور اگر ایک بچھو دنیا

Marfat.com

والوں کے ڈنک مار دے تو (اس کے زہر سے) سب جل جائیں گے یہ سانپ اور بچھوان پر ٹوٹ پڑیں گے اور انکے گوشت پوست میں گھس جائیں گے اور ان کی آواز ایسی سنائی دے گی جیسے بیابانوں میں وحشی جانوروں کی آوازیں ہوتی ہیں۔

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا میرے بندوں میں ایک گروہ تھا جو کہا کرتا تھا اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے ہیں سو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے سو تم نے ان کو مسخرہ بنایا۔

سخریا کسائی اور فراء نے کہا سخریا بہ کسر سین کسی کا باتوں میں مذاق اڑانا، استہزاء کرنا اور سخریا بضم سین کسی کو عملاً غلام بنالینا تحقیر کرنا۔ سورۂ زخرف میں باتفاق اہل قرأت بضم سین ہے استہزاء قولی کا احتمال ہی وہاں نہیں ہے۔ خلیل نے کہا دونوں لفظ ہم معنی ہیں جیسے بَحْرٌ لُجِّيٌّ اور بحر لجی اور کوکب دری اور کوکب دری قاموس میں بھی اسی طرح آیا ہے صاحب قاموس نے لکھا ہے سخرہ سخریا وسخریا اس کو روک دیا یا مجبور کیا ایسے کام کا مکلف کیا جو وہ کرنا نہیں چاہتا۔ کذا فی النہایہ۔

بہر حال سخری مصدر اور مبالغہ کے لئے یاء بڑھادی گئی ہے اور یہاں استہزاء مراد ہے کیونکہ آگے آتا ہے۔

حَتّٰىٓ اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ یہاں تک (ان سے مذاق کرنے کا مشغلہ کیا) کہ اس مشغلہ نے تم کو میری یاد بھلادی اور تم ان سے ہنسی کیا کرتے تھے۔

ہنسی استہزاء قولی کے بعد ہی ہوتی ہے یاد خدا کو بھلانے کی نسبت مومنوں کی طرف مجازاً کی گئی ہے حقیقت میں اہل ایمان کے ساتھ ہنسی کرنے اور ان کا مذاق بنانے کا مشغلہ موجب نسیان تھا اور اس جگہ یہی مراد ہے۔

مقاتل نے کہا اس آیت کا نزول فقراء صحابہ کے متعلق ہوا جیسے حضرت عمار حضرت صہیب حضرت سلمان وغیرہ قریش کے کافر ان سے بہت استہزاء کرتے تھے اور ان کی ہنسی بنایا کرتے تھے۔

اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ آج ان کے صبر کا بدلہ میں نے یہ دیا کہ بس وہی کامیاب ہوئے۔

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ ارشاد ہوگا آج یہ بتاؤ کہ سالوں کی گنتی کے اعتبار سے تم کتنی مدت زمین پر رہے۔

قال یعنی قیامت کے دن اللہ کافروں سے فرمائے گا۔

کم لبثتم تم زمین میں کتنی مدت رہے یعنی زندگی کی حالت میں اور مرنے کے بعد قبروں میں۔

قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ وہ کہیں گے ایک دن یا ایک دن سے کم رہے (صحیح یاد نہیں) تو گنتی کرنے والوں سے دریافت کر لے۔

کافروں نے پچھلی مدت کو بہت کم قرار دیا۔ اس کی مختلف وجوہ ہو سکتی ہیں (۱) دکھ اور تکلیف کے وقت کو آدمی طویل سمجھتا ہے اور اس سے پہلے گزرے ہوئے زمانے کو چھوٹا جانتا ہے (۲) پچھلی مدت تو گزر چکی تھی اور جو مدت گزر چکے وہ حقیر ہی معلوم ہوتی ہے (۳) آخرت کی زندگی لامحدود ہے اس کے مقابلے میں یہ دنیوی زندگی اور قبر میں رہنے کی مدت بہت ہی کم ہے۔ (۴) پچھلی زندگی خوشی میں گزری اور خوشی کے ایام چھوٹے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ یہ آخری توجیہ اس صورت میں صحیح ہوگی جب مدت قیام سے صرف دنیا میں زندگی کی مدت مراد ہو۔ قبر کی مدت مرادنہ ہو کیونکہ نصوص قطعیہ اور اجماع سے ثابت ہے کہ (کافروں کے لئے خصوصیت کے ساتھ) عذاب قبر حق ہے۔

فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ گنتی کرنے والوں سے پوچھ لے یعنی ان لوگوں سے دریافت کرلے جو گنتی کر سکتے ہوں۔ ہم تو جس

Marfat.com

عذاب میں گرفتار ہیں وہ ہم کو گنتی کرنے سے مانع ہے۔ یا العادین سے مراد ہیں اعمال نامے لکھنے والے، ملائکہ، اعمال نویس، ملائکہ انسانوں کے اعمال محفوظ رکھتے ہیں تو مدت قیام بدرجہ اولیٰ ان کے پاس محفوظ ہو گی۔

قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ ارشاد ہو گا تم دنیا میں تھوڑے ہی وقت رہے لیکن کیا خوب ہو تا کہ یہ بات دنیا میں تم سمجھتے ہوتے۔

قلیلا یعنی پیش آنے والے عذاب کے مقابلہ میں تم تھوڑے وقت ہی رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، آخرت میں یہ دنیا بس ایسی ہو گی جیسے کوئی شخص اپنی انگلی (ذرا) سمندر میں ڈال (کر نکال) لے پھر دیکھے کہ انگلی (سمندر کے پانی سے) کیا لے کر لوٹی۔ رواہ احمد وابن ماجہ و مسلم عن المستورد۔

لو انکم لو تمنائی ہے جس کے اندر توبیخ و ملامت بھی ہے، یعنی کاش تم دنیا میں جان لیتے کہ وہاں تمہاری مدت قیام تھوڑی ہے پھر اس زندگی کو کھیل کود، تکمیل خواہشات اور نفس پرستی میں نہ کھودیتے اور آج کے دن کی پیشی کو نہ بھولتے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، دنیا میں ایسے رہو جیسے تم مسافر یا راہ گیر ہو۔ رواہ البخاری عن ابن عمر، امام، ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں حدیث مذکورہ کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو قبروں والوں میں شمار کرو۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ سو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو محض بے کار پیدا کیا ہے اور کیا تم گمان کرتے تھے کہ تم ہمارے پاس لوٹا کر نہیں لائے جاؤ گے

افحسبتم ہمزہ انکاریہ توبیخیہ ہے، عبثا بے کار بغیر کسی حکمت کے یا محض کھیل کے طور پر یا صرف اس لئے کہ تم کھیلو کودو، بے کار زندگی گزارو ایسا نہیں ہے بلکہ تم کو اس لئے پیدا کیا کہ تم اللہ کو پہچانو اس کی عبادت کرو۔ اس کے فرماں بردار بنو۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِیْمِ ﴿۱۱۶﴾

پس بہت ہی عالی شان ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے اس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں، وہی بزرگی والے عرش کا مالک ہے۔

الملک الحق حقیقی بادشاہ جس کو حکومت کا حق ہے اور (جس کی حکومت واقعی ہے) دوسری مخلوق بالذات مالک نہیں مملوک ہے، (حاکم نہیں محکوم ہے) اس کی مالکیت اور (شاہیت) بالعرض ہے یعنی جب اللہ ہی بادشاہ حقیقی ہے تو اس کا فعل عبث نہیں ہو سکتا۔

العرش الکریم عرش بزرگ۔ اللہ کی پر عظمت تجلیات خصوصی طور پر عرش پر پڑتی ہیں اسی لئے اس کی صفت کریم قرار دی۔

وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی بھی عبادت کرے کہ جس کے معبود ہونے پر اس کے پاس کوئی بھی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہی جا کر ہو گا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ یقیناً کافروں کو فلاح نہ ہو گی (بلکہ ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں پڑے رہیں گے)۔

پکارنے سے مراد ہے عبادت کرنا۔ لا برھان لہ بہ یہ دوسری صفت ہے اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت باطل ہے اور باطل کی کوئی دلیل نہیں یہ دوسری صفت یا تو محض تاکید ہے یا اس لئے ذکر کی گئی ہے کہ حکم توحید کی بنا اسی پر ہے۔ اس امر پر تنبیہ بھی ہے کہ کوئی ایسا دین اختیار کرنا جس کی کوئی دلیل نہ ہو ممنوع ہے چہ جائے کہ اس عقیدہ و عمل کے خلاف دلیل موجود ہو۔

فانما حسابہ یعنی اللہ بقدر استحقاق اس کو سزا دے گا۔ سزا یہ کہ کافروں کو کبھی فلاح نصیب نہ ہو گی۔ جنت میں کبھی نہ جائیں گے، دوزخ سے کبھی رہائی نہ ملے گی۔

آغاز سورۃ میں اللہ نے مومنوں کے فلاح یاب ہونے کا ذکر کیا تھا اور قد افلح المؤمنون فرمایا تھا اور ختم سورۃ پر

Marfat.com

کافروں کے فلاح نہ پانے کی صراحت فرمادی۔ اس سے آگے اپنے رسول ﷺ کو استدعاء رحمت اور استغفار کا حکم دیا، تاکہ آپ کی امت والے آپ کی پیروی کر کے مدارج فلاح پر فائز ہو جائیں۔

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اور آپ کہا کریں اے میرے رب (میری خطائیں) معاف کردے اور (میرے حال پر) رحم فرما تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ اغفر اور ارحم کا مفعول محذوف ہے تاکہ ہر طرح کی مضرتوں کو دفع کرنے اور ہر قسم کی فائدہ مند چیزوں کے حصول میں عموم پیدا ہو جائے یعنی دعا عام ہو جائے۔ یعنی اے اللہ تو میری تمام خطاؤں کو معاف فرمادے (خطاؤں کی معافی کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہر تکلیف دہ، ضرر رساں چیز سے حفاظت ہو جائے گی) اور مجھ پر رحم فرما (ہر طرح کے رحم کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اللہ ہر فائدہ بخش چیز عنایت فرمادے گا۔ مغفرت کا لازمی نتیجہ دفع مضرت ہے اور رحمت کا لازمی نتیجہ حصول منفعت)۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حنش نے بیان کیا ایک مجنون کو حضرت ابن مسعود کے پاس لایا گیا آپ نے اس کے دونوں کانوں میں آیت افحسبتم انما خلقنکم الخ آخر تک پڑھ کر دم کر دی اللہ نے اس کو اچھا کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابن مسعود سے فرمایا، تم نے اس کے کانوں میں کیا دم کیا۔ حضرت ابن مسعود نے واقعہ عرض کر دیا، حضور ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی شخص اس کو پڑھ کر پہاڑ پر دم کر دے تو پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے۔

الحمد للہ ماہ صفر ۱۲۰۴ھ کو سورۂ المؤمنون کی تفسیر ختم ہوئی۔

اللہ کا شکر ہے کہ ۲۸ رمضان ۱۳۷۹ھ کو صبح کے وقت ترجمہ پورا ہوا۔

Marfat.com

سورۃ النور

یہ سورۃ مدنی ہے۔ اس میں ۶۴ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا یہ ایسی سورۃ ہے جو ہم نے نازل کی ہے۔
انزلنھا۔ سورۃ کی صفت ہے۔
وَفَرَضْنٰهَا یعنی جو احکام ہم نے بذریعۂ وحی بھیجے ہیں ان پر عمل کرنا تمہارے لئے لازمی کر دیا ہے، بعض نے کہا فرضنھا کا یہ معنی ہے کہ ہم نے تفصیل کے ساتھ الگ الگ کھول کھول کر اس کو بیان کر دیا ہے۔ بعض اہل تفسیر نے فَرَضْنٰهَا کا ترجمہ کیا قدرناھا یعنی اس کے اندر حدود ہم نے مقرر کر دی ہے۔
وَاَنْزَلْنَا فِیْهَآ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ① اور ہم نے اس کے اندر کھلی آیات نازل کی ہیں تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔
بینت یعنی جن کے مرادی معنی الفاظ سے ظاہر اور واضح ہیں۔
تذکرون تاکہ تم نصیحت حاصل کرو یا یہ مطلب کہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچتے رہو۔
اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد (کا حکم ہم بیان کرتے ہیں) پس تم ان میں سے ہر ایک کو کوڑے مارو۔
فاجلدوا حکم زنا کا بیان ہے۔ یعنی جب دونوں کا فعل زنا ثابت ہو جائے تو کوڑے مارو۔ یہ مطلب بر قول سیبویہ بیان کیا گیا ہے۔ مبرد نے کہا الزانی اور الزانیۃ میں الف لام موصولہ ہے اور معنیٔ شرط کو متضمن ہے اس لئے فاجلدوا میں ف جزائیہ ہے۔ ہے جو زنا کرنے والی اور زنا کرنے والا ہے تو کوڑے مارو۔
جلد جلد بدن پر مارنا۔ جلدہٗ اس کی جلد پر مارا، جیسے راسہ، اس کے سر پر مارا، بطنہ اس کے پیٹ پر مارا۔
فاجلدوا کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ صرف جلد بدن پر مارو۔ ایسا نہ مارو جو کھال کو ادھیڑ کر گوشت تک پہنچ جائے۔
اسی سے فقہاء نے مسئلہ ذیل کا استنباط کیا ہے۔
مسئلہ:۔ ایسے درمیانی سائز کے کوڑے سے مارا جائے جب کے سرے پر گھنڈی (گانٹھ) نہ ہو اور ضرب بھی درمیانی طور پر ماری جائے۔ ابن ابی شیبہ نے حنظلہ سدوسی کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک فرماتے تھے، حکم دیا جاتا تھا کہ کوڑے کی گھنڈی کاٹ دی جائے، پھر اس کے سرے کو دو پتھروں میں رکھ کر خوب کوٹ دیا جائے پھر مارا جائے۔ حنظلہ کا بیان ہے، میں نے دریافت کیا حضرت کس کے زمانہ میں ایسا کیا جاتا تھا فرمایا حضرت عمر بن خطابؓ کے عہد (خلافت) میں۔
عبدالرزاق نے یحییٰ بن ابی کثیر کی روایت سے بیان کیا کہ ایک شخص نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے ایسے جرم کا ارتکاب ہو گیا جو موجب حد ہے اس لئے مجھ پر حد (شرعی) جاری فرما دیجئے۔ حضور ﷺ نے ایک کوڑا طلب فرمایا، حکم کی تعمیل کی گئی، لیکن جو کوڑا پیش کیا گیا وہ سخت بھی تھا اور اس میں سرے پر گھنڈی تھی۔ حضور نے فرمایا اس سے کم (سخت) لاؤ۔ حسب الحکم ایک اور کوڑا پیش کیا گیا جو شکستہ بھی تھا اور نرم بھی فرمایا اس سے اونچے درجہ کا لاؤ (یعنی اتنا نرم

Marfat.com

بھی نہ ہو اور پہلے کوڑے کی طرح سخت اور گرہ دار بھی نہ ہو) چنانچہ درمیانی حیثیت کا کوڑا لایا گیا، فرمایا، یہ ٹھیک ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس کوڑے سے اس شخص کو پٹوایا۔ ابن ابی شیبہ نے زید بن اسلم کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے اور امام مالک نے موطا میں بھی اس کو ذکر کیا ہے۔

مِائَةَ جَلْدَةٍ سو ضربیں مارو۔

زنا کی رغبت کا ظہور عموماً عورت کی طرف سے پہلے ہوتا ہے وہ اکثر مردوں کے سامنے خود نمائی کرتی ہے اس لئے آیت میں زانیہ کا لفظ زانی کے لفظ سے پہلے ذکر کیا اور چوری کا صدور عام طور پر مردوں سے ہی ہوتا ہے اس لئے آیت سرقہ میں السارق کا ذکر السارقہ سے پہلے کیا۔

مسئلہ :- علمائے امت اسلامیہ کا اتفاق ہے کہ اگر زانی اور زانیہ آزاد عاقل بالغ اور کنوارے ہوں تو ہر ایک کے سو کوڑے مارے جائیں اس آیت میں یہی حکم دیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ اور کوئی سزا امام ابو حنیفہ کے نزدیک نہیں دی جاسکتی، لیکن امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا قول ہے کہ سو کوڑے مار کر ایک سال کے لئے شہر بدر کر کے اتنی مسافت پر بھیج دیا جائے جتنی قصر صلوٰۃ کی مسافت ہو (یعنی تین برید یا ۴۰ سے ۴۸ میل تک باختلاف اقوال) اگر راستہ پُرامن ہو خطرناک نہ ہو تو بغیر محرم کے تنہا زانیہ عورت کو شہر بدر کرنے کے مسئلہ میں امام شافعی اور امام احمد کے دو قول ہیں۔ منہاج میں ہے کہ صحیح ترین قول یہی ہے کہ تنہا عورت کو جلاوطن نہ کیا جائے بلکہ شوہر یا کسی محرم کے ساتھ شہر بدر کیا جائے خواہ محرم یا شوہر کو ساتھ جانے کا کچھ معاوضہ ہی دینا پڑے لیکن معاوضہ کہاں سے دیا جائے اس کے متعلق پھر دو قول ہیں ایک قول میں آیا ہے کہ عورت کے مال سے دیا جائے دوسرے قول میں ہے کہ بیت المال سے دیا جائے۔ اگر معاوضہ کی پیش کش کے باوجود شوہر یا محرم ساتھ جانے سے انکار کر دے تو ایک قول میں آیا ہے کہ امام (حاکم) اس کو جبراً عورت کے ساتھ بھیجے منہاج میں ہے کہ صحیح ترین قول یہ ہے کہ امام ساتھ جانے کے لئے جبر نہیں کر سکتا۔ امام مالک کے نزدیک زانیہ کو اجراء حد کے بعد شہر بدر نہیں کیا جائے گا۔

امام شافعی نے مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، البکر بالبکر (کنوارا مرد، کنواری عورت سے زنا کرے تو) جلدہ مأۃ و تغریب عام (سو کوڑے مارنا اور ایک سال کے لئے شہر بدر کرنا) والثیب بالثیب (اور شادی شدہ، شادی شدہ کے ساتھ زنا کرے تو) جلد مأۃ و الرجم (سو کوڑے مارنا اور سنگسار کر دینا) اس حدیث کے شروع میں ہے مجھ سے لے لو مجھ سے لے لو (یعنی مجھ سے یہ حکم سیکھ لو) اللہ نے ان (زانی عورتوں) کے لئے راہ مقرر کر دی (یعنی آخری حکم نازل فرما دیا پہلے حکم دیا گیا تھا کہ زانی عورت کو قید رکھو جب تک اللہ ان کے لئے کوئی راہ نہ نکال دے یعنی آخری فیصلہ صادر نہ فرما دے اس آیت میں آخری فیصلہ زانی عورت کے لئے بلکہ زانی مرد کے لئے بھی صادر فرما دیا) سورۃ النساء کی آیت فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا کی تفسیر کے ذیل میں حدیث مذکور ہم نے نقل کر دی ہے۔

حضرت زید بن خالد کا بیان ہے میں نے خود سنا کنخدا زانی کے متعلق رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے، سو کوڑے مارنا اور ایک سال کی جلاوطنی۔ رواہ البخاری۔

صحیحین میں حضرت زید بن خالد اور حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو شخصوں نے اپنا مقدمہ پیش کیا، ایک نے کہا کتاب اللہ کے موافق ہمارے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور مجھے کچھ بولنے کی اجازت دیجئے، حضور ﷺ نے فرمایا بیان کرو۔ اس شخص نے کہا میرا بیٹا اس شخص کے پاس مزدور تھا۔ میرے بیٹے نے اس کی بیوی سے زنا کیا لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تیرے بیٹے کو سنگسار کی سزا دی جائے گی میں نے سزا سے بچانے کے لئے بطور معاوضہ اس شخص کو سو بکریاں اور ایک باندی دے دی پھر علماء سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا تیرے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کیا جائے گا اور اس عورت کو سنگسار کیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے بیان سننے کے بعد فرمایا قسم ہے اس کی جس

Marfat.com

کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تم دونوں کا فیصلہ کتاب اللہ کے موافق کروں گا، تیری بکریاں اور باندی تو واپس کی جائیں گی اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کیا جائے گا اور (حضرت انسؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا) انیس اٹھ اور میرے پاس اس شخص کی عورت کو لوٹا کر لے آ۔ اگر وہ اقرار کر لے تو اس کو سنگسار کر دے، چنانچہ اس عورت نے اقرار کر لیا اور اس کو آپ نے سنگسار کرادیا۔

امام مالک نے اس کے جواب میں فرمایا کہ البکر بالبکر جلد مأۃ و تغریب عام میں عورتیں داخل نہیں ہیں (بکر کا لفظ عورتوں کو شامل نہیں ہے) لہٰذا عورتوں کو شہر بدر کرنے کا حکم اس حدیث سے نہیں نکلتا۔ مگر امام مالک کا یہ قول قطعاً غلط ہے۔ حدیث کی رفتار عورتوں ہی کے لئے ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث کے شروع میں فرمایا ہے مجھ سے لے لو، مجھ سے لے لو۔ اللہ نے عورتوں کے لئے ایک راہ بنادی۔

پھر لفظ بکر میں عورتوں کو داخل نہ سمجھنا غلط ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا تھا بکر سے اجازت لی جائے (یعنی کنواری بالغ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت لے کر کیا جائے) اس کے علاوہ حضرت زید کی حدیث میں من زنی کا لفظ عام ہے مرد اور عورت دونوں اس میں داخل ہیں، امام مالک کی طرف سے صحیح جواب یہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اور فرمایا ہے عورت بغیر محرم کو ساتھ لئے سفر نہ کرے۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین، و احمد، و ابوداؤد عن ابن عمر۔

حضرت ابن عباس کی روایت سے امام احمد نے بھی اور صحیحین میں بخاری و مسلم نے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ حاکم نے مستدرک میں اور ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے اسی طرح بیان کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالک نے شہر بدر کرنے کا حکم صرف مردوں کے لئے خاص قرار دیا ہے اور عورتوں کے لئے شہر بدر کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اور امام شافعی نے محرم کے ہمراہ ہونے کی شرط لگائی ہے۔

طحاوی نے لکھا ہے کہ جب عورتوں کے لئے تنہا سفر کرنے کی وجہ سے شہر بدر کرنے کا حکم ان کے لئے باقی نہیں رہا تو مردوں کو شہر بدر کرنے کی نفی بھی اس سے نکل آئی (کیونکہ من زنی کا لفظ جب از روئے حدیث مخصوص البعض ہو گیا تو مزید تخصیص قیاس سے کی جاسکتی ہے جو عام مخصوص البعض نہ ہو اس کی تخصیص قیاس سے نہیں کی جاسکتی۔ مترجم) طحاوی نے لکھا ہے کہ حد زنا میں تغریب (جلاوطنی) داخل نہیں اس کا ثبوت حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے ہوتا ہے، حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے اگر تم میں سے کسی کی باندی زنا کرے اور فعل زنا ثابت ہو جائے تو اس کو کوڑے لگائے جائیں اور ڈانٹ ڈپٹ یا زجر و توبیخ نہ کرے (حدیث میں لا یثرب علیھا آیا ہے جس کا ترجمہ ایک تو یہی ہے جو ہم نے کر دیا، دوسرا ترجمہ مراد یہ ہے کہ صرف زجر و توبیخ پر اکتفا نہ کرے بلکہ حد زنا جاری کرے) اگر وہ پھر (دوبارہ) زنا کرے تو اس کو کوڑے لگائے جائیں تثریب نہ کرے تیسری مرتبہ اگر پھر زنا کرے اور اس کا زنا ثابت ہو جائے تو اس کو فروخت کر دے خواہ بالوں کی ایک رسی ہی کے عوض فروخت کرنا پڑے۔ متفق علیہ۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے (تیسری بار زنا کرنے پر) باندی کو فروخت کر دینے کا حکم دیا اور ظاہر ہے کہ اگر حد زنا جاری کرنے کے لئے جلاوطن کرنا ضروری قرار دیا جائے گا تو باندی بائع کے قبضہ میں نہیں رہے گی اور وہ خریدار کو باندی پر قبضہ نہ دے سکے گا اور یہ ناممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ بائع کو ایسی چیز کو فروخت کر دینے کا حکم دیتے جس پر خریدار کا قبضہ ممکن نہیں، اس حدیث سے زانیہ باندی کو شہر بدر کرنے کی سزا نہ دینے کا حکم نکل رہا ہے اور جب باندیوں کو شہر بدر کرنا جائز نہیں تو آزاد عورتیں جن سے زنا کا صدور ہو گیا ہو بدرجۂ اولیٰ جلاوطن نہ کئے جانے کی مستحق ہیں کیونکہ اللہ نے باندیوں کی سزا آزاد عورتوں سے آدھی رکھی ہے فرمایا ہے عَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ۔ اور جب آزاد عورتوں کے لئے تغریب کا حکم نہیں تو آزاد مردوں کے لئے بھی نہیں ہو سکتا (کیونکہ زنا کی جو سزا آزاد عورت کے لئے مقرر ہے وہی آزاد مرد کے لئے مقرر ہے۔ مرد کو زنا کی سزا زائد نہیں دی جاسکتی لیکن

Marfat.com

طحاوی کی یہ دلیل صحیح نہیں کیونکہ عام عورتوں یا باندیوں کیلئے تغریب نہ ہونے کا حکم تو احادیث میں تعارض کی وجہ سے ہے اور مردوں کے لئے (تنہا سفر کرنے کی ممانعت نہیں اس لئے مردوں کے لئے اگر تغریب کا حکم ہو تو) کوئی تعارض نہیں۔

بعض احناف نے کہا حدیث تغریب پر عمل کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ کتاب اللہ پر زیادتی ہے اور کتاب اللہ پر زیادتی کا معنی یہ ہوگا کہ حکم قرآنی کو حدیث نے منسوخ کر دیا اور خبر آحاد سے آیت قرآنی کا نسخ جائز نہیں۔

احناف کی یہ دلیل قابل قبول نہیں۔ حکم نسخ میں جس زیادتی کو مانا جاتا ہے وہ ہر زیادتی نہیں بلکہ مامور بہ میں کسی رکن یا شرط یا وصف کی زیادتی کو حکم نسخ میں جائز قرار دیا جاتا ہے تاکہ جائز کو ناجائز قرار دینا نہ پڑے مثلاً "نماز کے ارکان میں سورت فاتحہ کی تعیین یا کفارہ میں بردہ آزاد کرنے کے لئے اس کے مومن ہونے کی شرط یا قضا روزہ رکھنے میں پے درپے مسلسل روزے رکھنے کی شرط یا طواف میں طہارت کی ضرورت یہ تمام زیادتیاں کتاب اللہ پر زیادتیاں شمار کی جائیں گی جن کا کوئی جواز نہیں ان سے حکم کتاب کا نسخ لازم آئے گا۔ لیکن کتاب اللہ پر ہر زیادتی ممنوع نہیں ہے ورنہ اکثر احادیث باطل قرار پا جائیں گی دیکھو عدت وفات قرآن سے ثابت ہے لیکن عدت میں سوگ کرنے کا ثبوت قرآن سے نہیں، حدیث سے ہے مگر سوگ عدت کی شرط لازم نہیں اگر کوئی عورت چار ماہ دس روز عدت کے پورے کرلے اور اس مدت میں سوگ نہ کرے تو عدت پوری ہو جائے گی مگر ترک واجب کی وجہ سے گناہگار ہوگی۔

بغیر سوگ کے عدت گزارنے کے بعد اس کے لئے جدید نکاح درست ہو جائے گا۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ کے نزدیک سورۂ فاتحہ کی نماز میں تعیین اور کسی سورت کا اس کے ساتھ ملانا بھی واجب ہے رکن صلوٰۃ نہیں ہے۔ پس اگر حدیث کی روشنی میں کوڑے مارنے کی سزا کے ساتھ یک سالہ جلاوطنی کا بھی اضافہ کر دیا جائے تو اس سے جائز ناجائز نہیں ہو جائے گا۔

اصحاب شافعی کہتے ہیں کہ تغریب اور عدم تغریب دونوں کی طرف سے آیت خاموش ہے آیت میں ایسی کوئی تعیین نہیں کہ اگر اس کے خلاف کیا جائے تو آیت کا منسوخ ہونا لازم آجائے پس حدیث کی رو سے تغریب کا اضافہ نسخ آیت کا موجب نہیں۔

محققین احناف کہتے ہیں کہ جس حکم کا سورت نساء میں وعدہ کیا گیا ہے فجلدوا میں اس کا بیان ہے پس اس آیت میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ تکمیل حکم کا درجہ رکھتا ہے اس آیت میں بر قول سیبویہ حکم موعود کا پورا پورا بیان کر دیا گیا اگر اس کو پورا بیان نہ قرار دیا جائے گا تو اس سے جہل مرکب میں مبتلا کرنا لازم آئے گا کیونکہ آیت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے اور واقع میں پورا بیان ہوگا نہیں تو پڑھنے والے جہل مرکب میں مبتلا ہو جائیں گے، ایسے بیان سے تو ترک بیان اولیٰ ہے۔ لیکن اگر مبرد کے قول کے مطابق فاجلدوا کو شرط کی جزا کہا جائے گا تو مطلب یہ ہوگا کہ سو کوڑے مارنے کا حکم تو واقعی موجود ہے اب اگر تغریب کو بھی سزائے تازیانہ کے ساتھ ثابت مانا جائے گا تو یہ اصل حکم کے معارض اور زیادتی ممنوعہ ہوگی مسکوت عنہ کا اثبات نہ ہوگا۔

ایک شبہ یہ کیا جاسکتا ہے کہ حدیث مشہور ہے ساری امت نے اس کو حدیث مانا ہے اور ایسی مشہور حدیث سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔ اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ امت اسلامیہ نے بے شک اس حدیث کی سند کو صحیح مانا ہے اور حدیث صحیح ہے لیکن صحت سند کو ماننے سے حدیث احاد کی فہرست سے باہر نہیں ہو جاتی اور اگر صحیح ماننے کا یہ مطلب ہے کہ سب امت نے اس کے موافق عمل کرنے پر اتفاق اور اجماع کر لیا ہے تو یہ غلط ہے (امت اسلامیہ میں بکثرت اشخاص اور گروہ اس کی ضرورت نہیں مانتے)۔

ایک شبہ:۔ آیت متواتر قطعی ہے لیکن آیت کا مراد ی معنی کیا ہے یہ ظنی ہے کیونکہ باجماع علمائے امت آیت میں عموم مخصوص البعض ہے سو کوڑے مارنے کا حکم (اگرچہ آیت میں ہر زانی کے لئے ہے لیکن یہ حکم) آزاد مردوں اور آزاد عورتوں پر جاری ہوگا اور اکثر امت کے نزدیک زانی اور زانیہ کا ناکتخدا ہونا بھی ضروری ہے۔ پھر صرف کوڑے مارنے پر اکتفا کیا جائے یا اس کے ساتھ شہر بدر بھی کیا جائے یہ بات بجائے خود ظنی ہے اس کا استنباط رائے سے کیا گیا ہے، حد یہ ہے کہ اکثر فقہاء

Marfat.com

اور لغت عربی کے عالم اس استنباط کے قائل بھی نہیں ہیں اس سے معلوم ہوا کہ آیت قطعی السند اور ظنی الدلالت ہے اور حدیث مذکور آحاد میں سی ہے ظنی السند ہے مگر قطعی الدلالت ہے (معنیٰ مراد کی تعیین میں کوئی شک استنباط بالرائے نہیں کیا گیا الفاظ کے جو معین معنیٰ ہیں وہی مراد ہیں) پس جب حدیث آحاد حکم کتاب کی ناسخ ہو سکتی ہے تو بدرجہ اولیٰ اس سے کتاب پر زیادتی جائز ہو سکتی ہے (زیادتی میں تو اصل حکم باقی ہے اور نسخ میں اصل حکم ہی ختم ہو جاتا ہے)۔

ازالہ:- اگر مساوات کو تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی اتنا ماننا ہی پڑے گا کہ زانی مردوں اور عورتوں کے حق میں حدیث کا حکم اول ترین حکم ہے کیونکہ حضرت عبادہ والی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے لو مجھ سے (سن) لو اللہ نے ان (زانی عورتوں) کے لئے راہ نکال دی نا کتخدا، نا کتخدا کے ساتھ سو کوڑے مارنا اور ایک سال کے لئے شہر بدر کرنا، اور شادی شدہ شادی شدہ کے ساتھ سو کوڑے مارنا اور سنگسار کر دینا۔ اب (مساوات کی صورت میں) آیت کا حدیث سے تعارض ہوگا اور آیت وحدیث کے تعارض کے وقت آیت ناسخ ہوگی۔ منسوخ نہیں ہوگی اور امام شافعی کا یہ قول ہے کہ شادی شدہ کے حق میں کوڑے مارنے کا حکم منسوخ ہے (شادی شدہ زانی کو صرف سنگسار کیا جائے) تو پھر ناکتخدا کے لئے تغریب کا حکم (جو حدیث میں مذکور ہے) اگر منسوخ قرار دے دیا جائے تو کیا خرابی ہے اور ناسخ بھی یہی آیت ہوگی (کوئی قیاس ناسخ نہیں ہوگا)۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ کوئی حدیث ایسی نہیں کہ جس سے تغریب واجب کا وجوب اس طرح ثابت ہوتا ہو کہ ہم اس کو بطریق حد (زنا) واجب قرار دے سکیں۔ زائد سے زائد البکر بالبکر جلد مائۃ و تغریب عام کے الفاظ آئے ہیں اور اس میں ایک واجب (یعنی تغریب) کا عطف دوسرے واجب یعنی (جلد مائۃ) پر ہے اور اس عطف سے وجوب تغریب بطور حد ثابت نہیں ہوتا بلکہ بخاری کی روایت میں تو صراحۃ حضرت ابوہریرہؓ کے یہ الفاظ آئے ہیں کہ ناکتخدا زانی کے لئے رسول اللہ ﷺ نے شہر بدر کرنے اور حد کو قائم کرنے یعنی سو کوڑے مارنے کا فیصلہ کیا ہے حضرت ابوہریرہؓ کے الفاظ سے ثابت ہو رہا ہے کہ شہر بدر کرنے کا حکم بطور حد زنا نہ تھا، حد زنا صرف کوڑے مارنا تھا، اب زنا کی سزا کے دو ٹکڑے مانے جائیں (سزائے تازیانہ اور جلاوطن) اور ایک جز کا دوسرے جز پر عطف مانا جائے تو یہ تاویل (حضرت ابوہریرہؓ کے قول کی روشنی میں) انتہائی رکیک ہوگی، کسی دلیل سے اس کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اقامت حد (یعنی سزائے تازیانہ کے بعد) اگر حاکم وقت کی مصلحت عامہ کا تقاضا ہو اور وہ شہر بدر بھی کر دے تو اس کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔

فائدہ:- علمائے شافعیہ نے حدیث تغریب کی ترجیح کے لئے ایک عقلی توجیہ یہ بھی کی ہے کہ جلا کر دینے سے زنا کا دروازہ ہی بند ہو جاتا ہے، پھر اس شخص کو زنا کے مواقع ہی حاصل نہیں ہوتے سب چہرے اجنبی ہوتے ہیں۔ علمائے احناف نے کہا اس سے تو فتنہ کا دروازہ اور کھل جانے کا خطرہ ہے، زنا کرنے والی عورت جب اپنے کنبہ قبیلہ سے کٹ جائے گی تو اس کو جھجک بھی نہیں رہے گا اگر نفسانی جذبات اس کے قوی ہوئے تو بلا خوف وخطر وہ مزید زنا میں مبتلا ہو جائے گی اور نفسانی جذبہ میں اگر ہیجان نہ بھی ہو تب بھی اس کو بعض اوقات گزر بسر کے لئے روپے کی ضرورت ہوگی اور اس مجبوری سے ممکن ہے وہ زنا میں پڑ جائے اس کی تائید عبدالرزاق اور محمد بن حسن شیبانی کی کتاب الآثار والی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ دونوں بزرگوں نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے بروایت حماد بوساطت ابراہیم نخعی بیان کیا کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا ناکتخدا اگر ناکتخدا سے زنا کرے تو دونوں کے سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لئے شہر بدر کر دیا جائے حضرت علی نے فرمایا شہر بدر کر دینے سے تو بڑا فتنہ پیدا ہوگا۔

عبدالرزاق نے زہری کی روایت سے سعید بن مسیب کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے شرابخواری کی سزا میں ربیعہ بن امیہ کو جلاوطن کر کے خیبر بھیج دیا ربیعہ ہرقل سے جا کر مل گیا اور عیسائی ہو گیا حضرت عمر کو جب یہ اطلاع ملی تو فرمایا آئندہ میں کسی مسلمان کو جلاوطنی کی سزا نہیں دوں گا۔

مسئلہ:- اگر حاکم وقت مصلحت سمجھے کہ سزاء تازیانہ کے ساتھ شہر بدر بھی کر سکتا ہے، بمصلحت حاکم شہر بدر کرنا

Marfat.com

جائز ہے رسول اللہ ﷺ کی حدیث تغریب اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر و حضرت عثمان کے فیصلے جو روایت میں آتے ہیں ان سب کا مطلب یہی ہے کہ (حاکم کا یہ اختیار تمیزی ہے اگر وہ چاہے تو جلاوطن بھی کر دے) نسائی ترمذی اور حاکم نے بیان کیا اور حاکم نے بر شرط شیخین اس کی تصحیح بھی کی ہے اور دار قطنی کا بیان بھی یہی ہے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے کوڑے بھی لگوائے اور شہر بدر بھی کیا اور حضرت ابو بکر نے کوڑے لگوائے اور شہر بدر کیا اور حضرت عمر نے پٹوایا اور شہر بدر کیا۔ ابن قطان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور دار قطنی نے اس روایت کے موقوف ہونے کو ترجیح دی ہے۔

ابن ابی شیبہ نے مجہول سند کے ساتھ بیان کیا کہ حضرت عثمان نے ایک عورت کو زنا کی سزا میں کوڑے لگوائے اور خیبر کی طرف شہر بدر کر کے بھیج دیا۔

شہر بدر کرنے کا جواز صرف زنا کی صورت میں ہی نہیں ہے بلکہ حاکم اگر مصلحت سمجھے تو ہر مفسد کو جلاوطن کر سکتا ہے۔

طحاوی نے حضرت عمر و بن شعیب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو قتل کر دیا رسول اللہ ﷺ نے اس کے سو کوڑے لگوائے پھر اس کو ایک سال کے لئے شہر بدر کر دیا اور (اس کا حصہ) مسلمانوں کی فہرست سے خارج کر دیا اور ایک بردہ آزاد کرنے کا اس کو حکم دیا۔

سعید بن منصور راوی ہیں کہ ایک شخص نے رمضان میں شراب پی تھی حضرت عمر نے اس کے دو سو کوڑے لگوائے جلا وطن کر کے شام کی طرف بھیج دیا۔ بخاری نے اس روایت کے ایک حصہ کو بطور تعلیق بیان کیا ہے۔ بغوی نے الجعدیات میں اتنا زائد بیان کیا ہے کہ حضرت عمر جب کسی شخص پر غضب ناک ہوتے تھے تو اس کو شام کیطرف بھیج دیتے تھے بیہقی کی روایت میں آیا ہے کہ بصرہ کی طرف جلاوطن کر کے بھیج دیتے تھے۔ عبد الرزاق نے بوساطت معمر از ایوب از نافع بیان کیا کہ حضرت عمر نے فدک کی طرف (ایک شخص) کو شہر بدر کر کے بھیج دیا۔

مشائخ کرام اسی لئے اگر کسی مرید کے اندر غلبۂ نفسانیت محسوس کرتے تو اس کو کچھ مدت کے لئے ترک وطن کا حکم دے دیتے تھے تاکہ اس کی نفسانیت کا غلبہ ٹوٹ جائے اور دل میں نرمی آجائے۔

میں کہتا ہوں اگر کسی مسلمان کو کوئی حاکم مبتلاء معصیت دیکھے اور اس مسلمان کو اپنے کئے پر ندامت بھی ہو اور وہ اپنے قصور پر شرمندہ بھی ہو تو اس کو سفر کرنے اور وطن کو (کچھ مدت کے لئے) چھوڑ دینے کا حکم دے دے لیکن جو مجرم اپنے قصور پر شرمندہ اور پشیمان نہ ہو اس کی سزا یہ ہے کہ جب تک توبہ نہ کرے ساری زمین سے اس کو نکال دیا جائے۔ ساری زمین سے نکال دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قید کر دیا جائے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ:- اگر زانی اور زانیہ شادی شدہ ہوں تو ان کو سنگسار کیا جائے گا، صحابہ کرام کا اس پر اتفاق ہے بعد کے علماء کا بھی اسی پر اجماع ہے۔ صرف خارجی اس کے منکر ہیں کیونکہ اجماع صحابہ اور خبر آحاد کا وہ انکار کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ رجم سنگسار کرنے کا حکم قرآن سے ثابت نہیں۔ خبر آحاد میں آیا ہے اور خبر آحاد موجب حکم نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ رجم کا حکم احادیث متواترہ سے ثابت ہے ان احادیث کا تواتر لفظی نہ سہی معنوی تواتر ضرور ہے۔ جیسے حضرت علی کی شجاعت اور حاتم کی سخاوت۔ تفصیلی لحاظ سے اگرچہ تواتر کو نہیں پہنچتی لیکن اجمالی فوقیت متواترہ ہے ناقابل انکار ہے۔ اسی طرح رجم کا ثبوت متواتر ہے گو تفصیلی حالات صورتیں اور خصوصیت خبر آحاد میں آئی ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا کہ اللہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو پیغمبر بنا کر بھیجا آپ پر کتاب نازل فرمائی من جملہ دوسری آیات کے آیت رجم بھی نازل فرمائی رسول اللہ ﷺ نے سنگسار کرایا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کرلیا۔ اور کتاب اللہ میں کتخدا زانی مرد اور عورت کو رجم کر دینے کا حکم صحیح ہے بشرطیکہ گواہوں سے ثبوت ہو جائے یا حمل ہو جائے یا مجرم اعتراف کرلے۔ متفق علیہ۔

بیہقی کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے خطبہ دیا اور خطبہ میں فرمایا، اللہ نے محمد ﷺ کو نبی برحق بنا کر بھیجا اور آپ پر کتاب

Marfat.com

نازل فرمائی۔ نازل کردہ آیات میں آیت رجم بھی نازل فرمائی ہم نے وہ آیت پڑھی اور یاد رکھی آیت یہ تھی الشیخ والشیخة اذازنیا فارجموهما البتة نکالا من اللّٰه واللّٰه عزیز حکیم بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب زنا کریں تو دونوں کو قطعاً اللہ کی طرف سے سزا کے طور پر سنگسار کر دو اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے رجم کرایا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کرایا۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر یہ اندیشہ نہ ہو تا کہ لوگ کہنے لگیں گے عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا تو میں مصحف کے حاشیہ پر آیت رجم لکھ دیتا ابو داؤد نے حضرت عمر کا خطبہ نقل کیا ہے اس خطبہ میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ جب طویل زمانہ گزر جائے گا تو لوگ کہنے لگیں گے کہ رجم کا حکم ہم کو کتاب اللہ میں نہیں ملتا۔ ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں (حضرت عمر نے خطبہ میں فرمایا) مجھے یہ بات پسند نہیں کہ لوگ کہیں عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا، اگر یہ خیال نہ ہو تا تو میں اس کو قرآن میں لکھ دیتا۔ کیونکہ مجھے ڈر لگا ہوا ہے کہ آئندہ کچھ لوگ آئیں گے اور اس آیت کو قرآن میں نہیں پائیں گے تو اس کے منکر ہو جائیں گے اور کہیں گے رجم کی کوئی آیت قرآن میں نہیں ہے) حضرت عمر نے یہ خطبہ صحابہ کے سامنے دیا تھا اور کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا (معلوم ہوا کہ آیت رجم کا قرآن میں ہونا اجماعی ہے) حاکم اور طبرانی نے حضرت ابو امامہ کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب زنا کریں تو ان کو اس لذت اندوزی کی پاداش میں سنگسار کر دو۔ صحیح ابن حبان میں آیا ہے کہ سورت احزاب سورۂ بقرۃ کے برابر تھی اور اس میں آیت رجم الشیخ والشیخة اذا زنیا الخ بھی تھی۔ صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان لا اله الا اللّٰه اور محمد رسول اللّٰه کی شہادت دیتا ہو اس کا خون حلال نہیں مگر تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے (۱) جان کے بدلے جان یعنی قصاص کی وجہ سے (۲) یا شادی شدہ زانی ہو (۳) یا دین سے نکل گیا ہو جماعت مسلمین کو چھوڑ کر علیحدہ ہو گیا ہو۔

حضرت ابو امامہ بن سہل بن حنیف کا بیان ہے کہ جس روز حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا گیا تھا اس روز دریچہ سے باہر گردن نکال کر آپ نے فرمایا میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دے کر دریافت کرتا ہوں کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ مسلمان شخص کا خون حلال نہیں مگر تین وجوہ میں کسی ایک وجہ سے (۱) شادی شدہ ہونے کے بعد اس نے زنا کیا ہو (۲) مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گیا ہو (۳) یا ناحق کسی کو قتل کر دیا ہو۔ پس خدا کی قسم میں نے زنا نہیں کیا نہ اسلامی دور سے پہلے نہ اسلام کی حالت میں اور نہ رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے کے بعد میں اسلام سے پھرا اور نہ کسی کو ناحق قتل کیا جس کو قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہو تو پھر تم لوگ مجھے کیوں قتل کرتے ہو۔ رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی۔ ورواہ الشافعی فی مسندہ ورواہ البزار و الحاکم۔ حاکم نے اس کو بر شرط شیخین صحیح قرار دیا ہے ورواہ البیہقی وابو داؤد...... بخاری نے حسب روایت ابو قلابہ اس حدیث کو فعلی قرار دیا ہے، حضرت ابو قلابہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کو قتل نہیں کیا مگر تین وجوہ سے (اگر) کسی نے ناحق قتل کیا تو اس کو (قصاص میں) قتل کیا گیا۔ یا شادی شدہ ہوتے ہوئے کسی نے زنا کیا (تو اس کو سنگسار کیا گیا) یا کوئی اللہ اور رسول ﷺ سے لڑا اور اسلام سے مرتد ہو گیا (تو اس کو قتل کیا)۔

صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماعز بن مالک کو سنگسار کرایا تھا جبکہ انہوں نے خود زنا کا اقرار کیا تھا، رواہ مسلم و البخاری من حدیث ابن عباس ورواہ الترمذی وابن ماجہ من حدیث ابی ہریرہ۔ صحیحین میں یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس، حضرت جابر اور بعض دوسرے لوگوں کے حوالے سے جن کے نام نہیں بتائے گئے نقل کی گئی ہے۔

مسلم نے حضرت بریدہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ماعز بن مالک نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ مجھے پاک کر دیجئے۔ الحدیث۔

رسول اللہ ﷺ نے قبیلۂ غامد کی ایک عورت کو بھی سنگسار کرایا تھا جس نے خود حاضر ہو کر عرض کیا تھا اور اقرار کیا تھا کہ وہ حاملہ ہے اور اس کو زنا کا حمل ہے، حضور ﷺ نے وضع حمل کے بعد اس کو سنگسار کرایا تھا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ جب

Marfat.com

اس کا بچہ کھانا کھانے لگا اس وقت عورت کو سنگسار کر لیا۔

رسول اللہ ﷺ نے قبیلۂ جہینہ کی ایک عورت کو بھی رجم کر لیا تھا، جب اس نے زنا کا خود اعتراف کیا تھا۔ رواہ مسلم من حدیث عمران بن حصین۔

علمائے فقہ و حدیث قائل ہیں کہ خلفائے راشدین کا بھی یہی عمل رہا اور ان کا رجم کرنا روایۃً حد تواتر کو پہنچ گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ :- اگر ایک شادی شدہ ہو اور دوسرا ناکتخدا تو شادی شدہ کو سنگسار کیا جائے گا اور ناکتخدا کو کوڑے لگائے جائیں گے جیسا رسول اللہ ﷺ نے اس مقدمہ میں فیصلہ کیا تھا جس میں ایک شخص کے مزدور نے اس کی بیوی سے زنا کیا تھی (مزدور کو کوڑے مارے گئے اور شادی شدہ عورت کو سنگسار کر لیا گیا)۔

مسئلہ :- کیا شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنے سے پہلے سزائے تازیانہ بھی دی جائے گی۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ امام احمد نے فرمایا، اس آیت کے حکم کے مطابق پہلے سو کوڑے مارے جائیں گے پھر سنگسار کر دیا جائے گا، گویا امام احمد کے نزدیک آیت کا حکم صرف ناکتخدا کے ساتھ مخصوص نہیں ہے نہ منسوخ ہے۔ امام احمد نے یہ بھی فرمایا کہ کوڑے کا جو حکم آیت میں مذکور ہے وہ پوری سزا نہیں ہے بلکہ سزائے زنا کا ایک حصہ ہے دوسرا حصہ وہ ہے جو حدیث میں مذکورہ ہے کہ ناکتخدا کو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے اور شادی شدی کو سنگسار کر دیا جائے اور جس طرح حدیث تغریب اور حکم آیت میں تضاد نہیں ہے (بلکہ حدیث، آیت کا جزء تکمیلی ہے) اسی طرح آیت کے حکم کا ٹکراؤ حدیث رجم سے بھی نہیں ہوتا (آیت کے حکم کا جزء تکمیلی حدیث رجم ہے) اگرچہ حدیث رجم متواتر ہے اس لئے دونوں آیت اور حدیث پر عمل کیا جائے گا، اس کی تائید حضرت عبادہ بن صامت کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بکر بکر سے زنا کرے تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی اور شادی شدہ شادی شدہ سے زنا کرے تو سو کوڑے اور سنگساری۔

حضرت سلمٰی بن محبق راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھ سے لے لو، مجھ سے لے لو۔ اللہ نے ان زنا کرنے والی عورتوں کی راہ بتادی بکر سے بکر زنا کرے تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی اور شادی شدہ شادی شدہ سے زنا کرے تو سو کوڑے اور سنگسار کر دینا۔ حضرت علی کے مندرجہ ذیل اثر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ جس کو احمد اور حاکم اور نسائی نے بروایت شعبی بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے کوفہ میں سراحہ ہمدانیہ کو کوڑے لگوائے پھر اس کو سنگسار کرادیا۔ جمعرات کے دن کوڑے لگوائے اور جمعہ کے دن رجم کرادیا تھا اور فرمایا تھا، میں کتاب اللہ کے موافق اس کے کوڑے لگوا رہا ہوں اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق سنگسار کرا رہا ہوں۔ اصل روایت صحیح بخاری میں موجود ہے مگر عورت کا نام مذکور نہیں۔

امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک آیت کا حکم مخصوص ہے ناکتخدا کے ساتھ اس کی خصوصیت ہے یا شادی شدہ کے حق میں منسوخ ہے۔ حضرت عبادہ اور حضرت سلمٰی کی روایت کردہ حدیثیں بھی یہی حکم رکھتی ہیں (یا مخصوص البعض ہیں یا شادی شدہ کے حق میں منسوخ ہیں) اس کا ثبوت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ماعز اور غامدیہ عورت اور جہنیہ عورت کو رجم کرلیا، مختلف روایت سے اور متعدد طریقوں سے یہ واقعات منقول ہیں لیکن کسی روایت اور کسی طریقۂ سند سے یہ بات ثابت نہیں کہ آپ نے ان لوگوں کو سنگسار کرانے سے پہلے کوڑے بھی لگوائے تھے۔

حضرت زید بن خالد کی روایت کردہ حدیث پہلے نقل کی جاچکی ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک شخص کے مزدور نے اس کی بیوی سے زنا کیا تھا حضور نے زانی کے تو کوڑے لگوائے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کرنے کا حکم دیا۔ اور حضرت انس سے فرمایا، انیس اٹھ کر جا، اگر عورت اعتراف کرلے تو اس کو سنگسار کردے، حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ پہلے اس کے کوڑے مارنا اور پھر سنگسار کرنا (ناسخ کی تین قسمیں ہیں (۱) ناسخ کسی منسوخ کے حکم کو منسوخ کردے مگر منسوخ کی تلاوت باقی ہو، (دوسرا) وہ ناسخ ہوتا ہے جو وحی پر تو مبنی ہوتا ہے مگر وہ غیر متلو ہوتی ہے۔ (تیسرا) وہ ناسخ ہوتا ہے جس کا حکم باقی ہوتا ہے اور تلاوت منسوخ

Marfat.com

ہوتی ہے جیسے الشیخ و الشیخة اذا زنیا الخ اس آیت کی تلاوت منسوخ ہے (اور حکم باقی ہے مگر) اس آیت کو ہم ناسخ اسی مطلب پر کہہ سکتے ہیں جو محققین حنفیہ نے اس آیت کے سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ الزانیة و الزانی فاجلدوا دلالت کر رہی ہے کہ کوڑے مارنا پوری سزا واجب ہے اور آیت الشیخ والشیخة دلالت کر رہی ہے کہ رجم پوری سزا ہے، دونوں میں تعارض اور تضاد ہے لامحالہ ایک ناسخ اور دوسری منسوخ ہو گی۔ اگر ہر آیت کے حکم کو مکمل واجبی سزا نہ قرار دیا جائے گا تو دونوں میں تعارض نہ ہو گا اور ایک کو ناسخ اور دوسری کو منسوخ قرار دینے کی بھی ضرورت نہ ہو گی بلکہ دونوں سزائیں دینا واجب ہوں گی۔ سزائے تازیانہ بھی اور رجم بھی۔ جیسا کہ امام احمد کا قول ہے۔

رہا حضرت علی کا اثر تو اس کے مقابل حضرت عمر کا اثر بھی آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ اجتہادی تھا۔ طحاوی نے حضرت ابو واقد لیثی اشجعی صحابی کا بیان نقل کیا ہے، حضرت ابو واقد نے فرمایا، ہم حضرت عمر کے پاس موجود تھے۔ ایک شخص حاضر ہوا، اور اس نے عرض کیا امیر المومنین میری بیوی نے زنا کا ارتکاب کیا ہے، اور وہ اس فعل کا اعتراف کرتی ہے، حضرت عمر نے مجھ کو چند لوگوں کے ساتھ اس عورت کے پاس دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ حسب الحکم ہم نے جاکر دریافت کیا اس عورت نے وہی بیان کیا جو اس کے شوہر نے کہا تھا اور کہا میرے شوہر نے سچ کہا، ہم نے یہ اطلاع حضرت عمر کو جاکر دے دی۔ آپ نے اس عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دے دیا۔ سنگسار کرنے سے پہلے کوڑے نہیں لگوائے اور یہ واقعہ صحابہ کی جماعت کے سامنے کا ہے۔ (کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔)

میں کہتا ہوں حضرت علی نے جو ہمدانیہ کو دوہری سزا دی اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ پہلے اس کا شادی شدہ ہونا آپ کو معلوم نہیں ہوا تھا اس لئے کوڑے لگوائے پھر شادی شدہ ہونا معلوم ہو گیا تو رجم کی سزا دی۔ اور حضرت علی نے جو فرمایا کہ کتاب اللہ کے موافق میں اس کے کوڑے لگواتا ہوں اور سنت رسول اللہ ﷺ کے موافق اس کو رجم کرتا ہوں اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ نا کتخدا کی سزا کوڑے مارنا قرآن میں مذکور ہے اور شادی شدہ کو سنگسار کرنے کا حکم حدیث میں ہے، پس جب تک اس کے شادی شدہ ہونے کا علم نہ تھا آپ نے قرآن کے مطابق اس کے کوڑے لگوادیئے اور جب شادی شدہ ہونے کا علم ہو گیا تو آپ نے اس کو رجم کرادیا، یہی تشریح ایک روایت میں بھی آئی ہے۔ طحاوی نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے زنا کا ارتکاب کیا حضور ﷺ کے حکم کے مطابق اس کے کوڑے مار دیئے گئے، پھر آپ کو اطلاع ملی کہ وہ شادی شدہ ہے تو آپ ﷺ نے اس کو رجم کرادیا۔

فائدہ: - قرآن مجید میں احصان متعدد معانی آئے ہیں (۱) آزادی اور (۲) نکاح جیسے وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ میں المحصنت سے نکاحی عورتیں مراد ہیں اور فاذا حصن فان اتین بفاحشة فعلیهن نصف مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ میں احصن سے مراد ہے نکاح کرلینا اور المحصنت سے مراد ہیں آزاد عورتیں۔

احصان بمعنی عفت جیسے وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ میں پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن کتابی عورتیں مراد ہیں۔

زانی اور زانیہ کو رجم کرنے کے لئے جو احصان کی شرط شرعاً ضروری ہے اس سے مراد ہے۔ نکاحی ہونا یعنی صحیح نکاح میں ہونا، کیونکہ نکاح کے بعد عورت مرد کی حصن و حفاظت میں داخل ہو جاتی ہے، نتیجہ تزویج محصن ہو جاتا ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے محصن کو کتخدا اور غیر محصن کو ناکتخدا (ثیب اور بکر) کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

علماء نے احصان رجم کی شرائط میں سے زانی کا آزاد، عاقل بالغ، ہونا بھی ضروری قرار دیا ہے اور یہ بھی لازم قرار دیا ہے کہ اس نے صحیح طریقے سے نکاح کیا ہو اور نکاح کے بعد زوجہ سے قربت صنفی بھی کرلی ہو۔ یہ پانچوں شرطیں باجماع علماء ضروری ہیں (ان میں سے اگر کوئی شرط مفقود ہو تو رجم کا حکم جاری نہیں کیا جاسکتا عقل اور بلوغ تو قابل سزا ہونے کی بلکہ اللہ کی طرف سے احکام کا مکلف اور مامور ہونے کی ضروری شرط ہے احصان رجم ہی میں ان کا خصوصی ذکر مناسب نہیں اور آزاد ہونا ہر سزا کی

Marfat.com

تکمیل کی شرط ہے رجم ہی کی کوئی خصوصیت نہیں، یہاں تک کہ غلام کے سو کوڑے بھی نہیں مارے جائیں گے بلکہ آدھی سزا دی جائے گی، ہاں نکاح کا صحیح ہونا رجم کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔

امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام محمد کے نزدیک زانی کو سنگسار کرنے کے لئے اس کا مسلمان ہونا بھی ضروری ہے۔ امام شافعی، امام احمد، اور امام ابو یوسف اسلام کو ضروری نہیں قرار دیتے۔ امام ابو حنیفہ کے قول کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ محصن نہیں ہے یہ حدیث اسحاق بن راہو یہ نے مسند میں..... حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کی ہے اور دونوں طرح سے بیان کی ہے مرفوعاً بھی اور موقوفاً بھی، یعنی ایک جگہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان قرار دیا ہے اور دوسری جگہ حضرت ابن عمر کا قول۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ سوائے اسحاق کے کسی نے اس حدیث کو مرفوعاً نہیں بیان کیا۔ بعض اہل روایت کا قول ہے کہ اسحاق نے اس حدیث کو مرفوع کرنے سے رجوع کر لیا تھا صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے (حضرت ابن عمر کا قول ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف اس کی نسبت غیر محقق ہے) ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اگر سند صحیح ہو تو ایسی حدیث کو مرفوع ہی قرار دیا جائے گا کیونکہ راوی اگر مفتی ہو تو اس کے فتویٰ کی بناء کسی واقعہ پر ہی ہو گی۔

میں کہتا ہوں جب اسحاق نے رجوع کر لیا اور اس کو رسول اللہ ﷺ کا فرمان نہیں قرار دیا تو پھر کوئی دوسرا اس کو مرفوع کہنے کا کیا حق رکھتا ہے اور بالفرض اگر اس کو مرفوع مان بھی لیا جائے تب بھی لیس بمحصن کے لفظ سے خصوصیت کے ساتھ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ رجم کے لئے جس احسان کی شرط ہے وہ باقی نہیں رہا۔ قرآن میں احصان کے مختلف معنی آئے ہیں۔ ممکن ہے اس حدیث میں محصن بمعنی عفیف ہو یعنی مشرک عفیف نہیں ہوتا (پاک دامن نہیں ہوتا شرک سے بڑھ کر تردامنی اور کیا ہو سکتی ہے، جب مشرک ہو گیا تو اس نے اپنی پاک دامنی کھو دی) پس اس پر تہمت زنا لگانے والا حد قذف کا مستحق نہیں ہوتا (کیونکہ پاک دامن آدمی پر تہمت زنا لگانے والا حد قذف کا مستحق ہوتا ہے اگر پاک دامن نہ ہو تو اس پر تہمت زنا دھرنے والا حد قذف کا مستحق نہیں قرار پاتا)۔ پس اس حدیث سے رجم کے لئے مسلمان ہونے کی شرط ضروری نہیں قرار دی جا سکتی۔

پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ حدیث الثیب بالثیب میں لفظ ثیب (شادی شدہ) عام ہے مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کچھ یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کا ارتکاب کیا ہے آپ ﷺ کا ان کے متعلق کیا فیصلہ ہے، حضور ﷺ نے فرمایا رجم کی بابت توریت میں تم کو کیا ملتا ہے۔ کہنے لگے (توریت کے موافق تو) زنا کرنے والوں کو ہم تعزیر کرتے ہیں (یعنی منہ کالا کر کے بازار میں گشت کراتے اور مشتہری کرتے ہیں) اور کوڑے مارتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام بولے تم نے جھوٹ کہا توریت میں تو سنگسار کر دینے کا حکم ہے۔ توریت لاؤ۔ توریت لائی گئی اور اس کو کھول کر پڑھا گیا تو ایک یہودی نے آیت رجم پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس نے اول و آخر کی عبارت پڑھ دی، عبداللہ نے فرمایا ہاتھ ہٹاؤ۔ اس نے ہاتھ ہٹایا تو آیت رجم سامنے آگئی۔ اس پر یہودی کہنے لگے محمد ﷺ! عبداللہ نے سچ کہا، توریت میں آیت رجم ہے۔ حضور ﷺ نے دونوں کو سنگسار کر دینے کا حکم نافذ فرما دیا۔ حسب الحکم دونوں کو رجم کر دیا گیا۔ اس حدیث سے امام احمد و امام شافعی کے قول کا ثبوت ہوتا ہے کہ زانی کو رجم کرنے کے لئے اسلام کی شرط نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ یہ حکم تو توریت میں تھا جو شریعت اسلامیہ میں منسوخ کر دیا گیا۔

میں کہتا ہوں امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ گزشتہ شریعتوں کے احکام ہمارے لئے واجب العمل ہیں تاوقتیکہ ان کا منسوخ کیا جانا ہماری شریعت میں واضح طور پر نہ آگیا ہو خاص کر اس صورت میں تو ان کا واجب العمل ہونا ضروری قرار پاتا ہے جب رسول اللہ ﷺ نے ان پر عمل کیا ہو شریعت سابقہ کے حکم پر رسول اللہ ﷺ کا عمل کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ حکم ہماری شریعت میں بھی باقی ہے اگر ہماری شریعت میں منسوخ کر دیا گیا ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس پر ہرگز عمل نہ کرتے اور اللہ کے (آخری) نازل کردہ حکم کے خلاف کبھی حکم نہ دیتے۔ جب امام ابو حنیفہ کا خود یہ قول ہے کہ بغیر شرعی ناسخ کے شریعت سابقہ کا

Marfat.com

حکم ہمارے لئے بھی واجب العمل ہے تو پھر دیکھنا یہ ہے کہ کیا کوئی آیت یا حدیث ایسی ہے جو حکم رجم کو منسوخ کر رہی ہو ہم کو تو ایسی نہ کوئی آیت ملتی ہے نہ حدیث، زانی زانیہ، شیخ، شیخہ، ثیب اور بکر کے الفاظ تو عام ہیں مومن کو بھی شامل ہیں اور کافر کو بھی اور ہم یہ بتا چکے ہیں کہ حدیث من اشرک باللہ فلیس بمحصن سے رجم کے لئے مسلمان ہونے کی شرط ثابت نہیں ہوتی۔ آیت میں احصان نہ ہونے سے مراد ہے پاک دامن نہ ہونا، یعنی مشرک پاکدامن نہیں اس لئے اس پر تہمت زنا لگانے سے حد قذف جاری نہ ہوگی۔

مسئلہ :- امام ابو حنیفہ نے رجم کے لئے محصن ہونے کی شرط کی تفصیل یہ بیان کی کہ زوجین صحیح نکاح کے ساتھ قربت کر چکے ہوں، دونوں مسلمان عاقل، بالغ اور آزاد ہوں۔ امام احمد نے مسلمان ہونے کی شرط کے علاوہ باقی شرائط میں امام ابو حنیفہ سے اتفاق کیا ہے یہاں تک کہ اگر کسی آزاد مسلمان عاقل بالغ نے باندی سے یا نابالغہ سے یا دیوانی عورت سے یا کتابیہ عورت سے قربت کر لی ہو اور جماع ہو گیا ہو تب بھی وہ محصن نہیں قرار پائے گا اگر اس کے بعد زنا کرے گا تو قابل رجم نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر آزاد عاقل بالغ عورت نے کسی غلام یا نابالغ یا دیوانے سے نکاح کر لیا اور جماعی قربت بھی ہو گئی تب بھی محصنہ نہیں قرار پائے گی اگر اس کے بعد زنا کی مرتکب ہو جائے گی تو اس کو رجم نہیں کیا جائے ہوگا۔ اگر کسی مسلمان نے کسی ذمی عورت سے نکاح کر لیا، اور قربت کر لی پھر قربت کے بعد وہ مسلمان ہو گئی اور اس کے مسلمان ہونے کے بعد شوہر نے اس سے قربت نہیں کی پھر عورت زنا کی مرتکب ہو گئی تو قابل رجم نہیں قرار پائے گی۔

اگر کسی مسلمان عاقل بالغ نے اپنی باندی سے قربت کی پھر اس کو آزاد کر دیا اور آزاد کرنے کے بعد اس سے قربت نہیں کی پھر اس باندی نے زنا کا ارتکاب کیا تو قابل رجم نہ ہوگی۔ سنگسار نہیں کیا جائے گا۔

حنفیہ نے اپنے قول کے ثبوت میں دار قطنی اور ابن عدی کی روایت کردہ حدیث پیش کی ہے کہ ابو بکر بن عبد اللہ بن ابی مریم نے بروایت علی بن ابی طلحہ حضرت کعب بن مالک کا یہ بیان نقل کیا کعب نے ایک یہودی یا عیسائی عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو منع کر دیا اور فرمایا وہ تم کو محصن نہیں بنا سکے گی۔

دار قطنی نے کہا ابو بکر بن عبد اللہ بہت ضعیف راوی ہے اور علی بن ابی طلحہ نے حضرت کعب بن مالک کو نہیں پایا (اس لئے یہ روایت ضعیف نا قابل اعتماد ہے)۔

ابن ہمام نے کہا اس حدیث کو بقیہ بن ولید نے بحوالہ عتبہ بن تمیم بروایت علی بن ابی طلحہ از کعب بن مالک بھی بیان کیا ہے۔ لیکن اس کی سند بھی منقطع ہے۔

میں کہتا ہوں بقیہ بن ولید ضعیف اور تدلیس کرنے والا ہے ابن ہمام نے کہا ہمارے نزدیک کسی روایت کا منقطع ہونا مرسل ہونے کا حکم رکھتا ہے اور مرسل ہمارے نزدیک قابل استدلال ہے، بشر طیکہ .... تمام راوی عادل ہوں۔ میں کہتا ہوں ایک زانی یہودی اور زانیہ یہودن کو رسول اللہ ﷺ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا تھا، یہ حدیث صحیحین میں مذکور ہے اور روایت مذکورہ اس سے متعارض ہے لیکن صحیحین کی حدیث کی برابر قوت نہیں رکھتی اس لئے اس پر عمل ناجائز ہے۔

امام احمد چونکہ احصان کے لئے مسلمان ہونے کی شرط کو ضروری نہیں قرار دیتے اس لئے وہ بھی اپنے قول کی تائید میں اس حدیث کو نہیں پیش کر سکتے۔

بیہقی نے بطریق ابو وہب از یونس بیان کیا کہ زہری نے کہا میں نے خود سنا کہ عبد الملک۔ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے دریافت کر رہا تھا کیا باندی سے (قربت) آزاد مرد کو محصن بنا سکتی ہے۔ عبید اللہ نے کہا ہاں، عبد الملک نے کہا تم یہ کس کی روایت سے بیان کر رہے، عبید اللہ نے کہا ہم نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو ایسا ہی فرماتے پایا ہے۔ بیہقی کا قول ہے کہ ہم کو اطلاع ملی ہے کہ محمد بن یحییٰ نے اوزاعی کا قول بھی یہی بیان کیا تھا۔ بیہقی نے بطریق عبد الرزاق از عمر از زہری بھی عبید اللہ بن عبد اللہ کا قول اسی طرح بیان کیا ہے۔

Marfat.com

مسئلہ :- اگر مرد اور عورت میں سے ایک محصن ہو اور دوسرا محصن نہ ہو تو شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا جائے گا اور نا کتخدا کو کوڑے مارے جائیں گے۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ حضرت زید بن خالد اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث اوپر ذکر کی جا چکی ہے کہ مزدور کو حضور ﷺ نے کوڑے لگوائے اور جس عورت نے اس سے فعل زنا کیا تھا (چونکہ وہ شوہر دار تھی اس لئے) اس کو سنگسار کرنے کا حکم تھا۔ پوری حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ :- اگر دونوں میں سے ایک پاگل اور دوسرا عاقل ہو تو امام مالکؒ و امام شافعیؒ و امام احمدؒ کے نزدیک دونوں میں سے جو مجنون نہ ہو گا اس پر حد شرعی قائم کی جائے گی۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا اگر مرد عاقل ہے اور عورت پاگل تو حد شرعی مرد پر جاری ہو گی اور اگر عورت عاقل ہے اور مرد پاگل تو عورت پر حد جاری نہ ہو گی۔ کیونکہ فعل زنا کا فاعل تو مرد ہوتا ہے عورت تو محل زنا ہے عورت کو زانیہ مجازاً کہا جاتا ہے (حقیقت میں عورت مزنیہ ہوتی ہے) عورت کو جو زنا کی سزا دی جاتی ہے وہ صرف اس وجہ سے کہ اس نے مرد کو فعل زنا کی اجازت دی۔ باقی ائمہ نے کہا اگر عورت عذر شرعی رکھتی ہو اور اس کو سزا نہ دی جائے تو مرد جو غیر معذور ہے اجماعاً شرعی سزا سے نہیں بچ سکتا اسی طرح اگر مرد معذور ہو اور عورت عاقل ہو تو مرد کا معذور ہونا عورت سے حد شرعی کو ساقط نہیں کر سکتا۔ اور ہم یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ عورت کو مرتکب زنا مجازاً کہا جاتا ہے اور اگر اس کو مان بھی لیں تب بھی یہ مجازی معنی، یعنی مرد کو زنا کرنے کی اجازت دینا، عورت پر حد شرعی جاری ہونے کا موجب ہے۔ باقی یہ کہنا کہ بچے اور دیوانہ کا فعل (غیر مکلف ہونے کی وجہ سے) زنا نہیں ہے ناقابل تسلیم ہے بلکہ لغت اور شریعت دونوں میں اس کو زنا کہا گیا ہے، تکلیف شرعی نہ ہونے کی وجہ سے نفاذ حد نہیں ہوتا۔

فصل

مسئلہ :- مرد کا عورت سے آگے کے مقام میں بغیر کسی استحقاق ملکیت کے یعنی بغیر نکاح اور بغیر ملکیت شخص کے جماع کرنا شرعاً اور لغۃً زنا کہلاتا ہے دبر میں جماع کرنا زنا نہیں کہلاتا خواہ مفعول عورت ہو یا مرد۔ سورت نساء کی آیت واللذان یاتیانہا منکم فاذوھما کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے لواطت کی سزا کی تشریح کر دی ہے۔

پس اگر کسی نے اپنی حائضہ بی بی سے یا اپنی روزہ دار بیوی سے یا محرم (یعنی جس نے حج یا عمرہ کا احرام کر لیا ہو) بیوی سے یا استبراء کی مدت (تقریباً ایک (ماہ کے ختم کا انتظار کئے بغیر یا اس باندی سے جو اس کے اور دوسرے شخص کے درمیان مشترک ہو یا مشرک باندی سے یا دوسرے کی منکوحہ باندی سے یا اس باندی سے جو دودھ کے رشتہ سے حرام ہو گئی ہے صحبت کر لی تو اس کو زنا نہیں کہا جائے گا نہ اس فعل پر شرعی سزا جاری ہو گی۔ کیونکہ ان تمام صورتوں میں کسی قدر ملکیت موجود ہے ہاں ایسا کرنے پر گناہ گار ضرور ہو گا۔ اگر شبہ ملک ہو تو شرعاً اس کا حکم بھی ملک کی طرح ہے، چاروں ائمہ اور سوائے ظاہریہ فرقہ کے تمام علماء کے نزدیک حد ساقط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دو (یعنی اگر ارتکاب جرم میں شبہ پیدا ہو جائے تو اس فعل کی مقررہ شرعی سزا جاری مت کرو) ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث بواسطہ مقسم حضرت ابن عباس کی روایت سے مسند ابوحنیفہ میں مذکور ہے۔ ترمذی، حاکم اور بیہقی نے بطریق زہری بواسطۂ عروہ حضرت عائشہ کی روایت سے حدیث مذکور کی یہ الفاظ نقل کئے ہیں، جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو ساقط کرو اگر اس (مجرم) کے لئے کوئی راستہ نکل سکے تو اس کو چھوڑ دو۔ کیونکہ حاکم کا معافی میں غلطی کرنا، غلط طور پر سزا دینے سے بہتر ہے۔ اس روایت میں یزید بن زیاد دمشقی ضعیف ہے بخاری نے اس کو منکر اور نسائی نے متروک قرار دیا ہے۔ وکیع نے اس حدیث کو موقوفاً بیان کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح بھی ہے۔ ترمذی نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ متعدد صحابہ کا بھی یہی قول ہے۔ بیہقی نے وکیع کی روایت کو سنن میں اقرب الی الصواب کہا ہے۔ رشدین نے بواسطۂ عقیل بروایت زہری اس کو بیان کیا ہے۔ لیکن رشدین ضعیف ہے۔

حضرت علیؓ کی مرفوع روایت کے یہ الفاظ ہیں شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دو اور حدود کو معطل کر دینا (جاری نہ کرنا) حاکم کے لئے جائز نہیں ہے (یعنی شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دینا چاہئے لیکن ثبوت کے بعد حاکم حدود کو معطل

Marfat.com

نہیں کر سکتا) اس کی سند میں مختار بن نافع ہے جو منکر الحدیث ہے۔ امام بخاری نے اس کے متعلق یہی کہا ہے۔
اس موضوع کی صحیح ترین حدیث سفیان ثوری کی سلسلہ سے آئی ہے جس کے قائل حضرت ابن مسعود ہیں کہ شبہات سے حدود کو ساقط کردو اور جہاں تک تم سے ہوسکے مسلمانوں سے قتل (یعنی جان لینے والی سزا) کو دفع کردو رواہ ابن ابی شیبہ، حضرت عقبہ بن عامر اور حضرت معاذ سے بھی یہ حدیث موقوفاً مروی ہے۔ رواہ ابن ابی شیبۃ۔ حضرت عمر سے بھی منقطعاً اور موقوفاً یہ حدیث آئی ہے ابن حزم نے کتاب الایصال میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عمر پر اس کو موقوف قرار دیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی کے طریق سے حضرت عمر کا قول اس طرح نقل کیا ہے اگر شبہات کی وجہ سے میں غلطی سے حدود ساقط کردوں تو میرے نزدیک یہ فعل اس سے بہتر ہے کہ شبہات کی موجودگی میں میں حدود جاری کروں۔
ظاہریہ فرقہ کہتا ہے کہ ثبوت کے بعد کسی شبہ کی وجہ سے حد ساقط نہیں کی جاسکتی۔ سقوط حد کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی فرمان ثابت نہیں بلکہ بعض صحابہ کا قول ہے اور وہ بھی ناپسندیدہ سند سے مروی ہے۔ رہی حضرت ابن مسعود کی موقوف حدیث سووہ مرسل ہے اور ابن ابی شیبہ کی روایت کے علاوہ عبدالرزاق نے جو حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے اس کی سند میں اسحاق بن ابی فردہ آتا ہے جو معلل ہے۔
ابن ہمام نے لکھا ہے کہ شبہ کی وجہ سے سقوط حد کی حدیث کو ساری امت نے قبول کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے جو اقوال اس سلسلہ میں مروی ہیں تو مسئلہ کا قطعی الثبوت ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ماعز سے فرمایا تھا۔ شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا۔ شاید تو نے چھولیا ہوگا شاید تو نے دبالیا ہوگا، گویا حضور ﷺ نے اقرار زنا کے بعد حضرت ماعز کو اپنے اقرار سے لوٹ جانے کی درپردہ تلقین فرمائی تھی اور اس کا فائدہ سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ اگر وہ حضور ﷺ کے سوال کے جواب میں ہاں کہہ دیتے تو حضور ﷺ ان کو چھوڑ دیتے۔ اسی طرح جو چور حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اس کے متعلق بھی حضور ﷺ نے فرمایا میرے خیال میں اس نے چوری نہیں کی۔
غامدیہ عورت جس نے زنا کا اقرار کیا تھا سے بھی ایسا ہی فرمایا تھا۔ حضرت علی نے بھی اسی طرح سراحہ سے جس نے زنا کا اقرار کیا تھا فرمایا تھا، شاید تو سورہی ہوگی اور وہ تیرے اوپر آپڑا ہوگا۔ شاید اس نے تجھ پر جبر کیا ہوگیا شاید تیرے آقا نے تیرا نکاح اسی سے کرادیا ہوگا اور تو اس بات کو چھپارہی ہے۔ صحابہ کے اس طرح کے اقوال تلاش کے بعد بہت مل سکتے ہیں جن کی تفصیل موجب طول ہے خلاصہ یہ کہ تمام احادیث و آثار کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ حد کو ساقط کرنے کی ہر ممکن تدبیر کی جائے۔
مسئلہ :- شبہ دو طرح کا ہوتا ہے۔
(۱) شبہ اشتباہ :- یعنی ایسا شبہ جو شبہ میں پڑنے والوں کے لئے تو ہوتا ہے اور جو شبہ نہ کریں ان کے لئے نہیں ہوتا، ایسا شبہ اس وقت ہوتا ہے جب حلت کی کوئی واقعی دلیل تو موجود نہیں ہوتی، لیکن مرتکب زنا اس چیز کو دلیل سمجھ لیتا ہے جو واقعی میں دلیل نہیں ہوسکتی۔
مثلاً کسی نے ماں باپ یا اپنی بی بی کی باندی سے یہ سمجھتے ہوئے صحبت کرلی کہ ماں باپ کے ساتھ رشتۂ ولادت کی وجہ سے اور بی بی سے رشتۂ زوجیت کی وجہ سے ملکیت مشترک ہے اسی لئے ماں باپ اور بی بی کے لئے اس کی شہادت اور اس کے لئے والدین اور بی بی کی شہادت شرعاً قابل قبول نہیں۔ یا جس عورت کو تین طلاقیں دے چکا ہے اور وہ ابھی عدت میں ہے اس سے قربت کرلی یہ سمجھ کر کہ ابھی حقوق نکاح باقی ہیں عدت کا نفقہ میں دے رہا ہوں اور عدت میں عورت کا نکاح کسی دوسرے سے ہو بھی نہیں سکتا۔ ان تمام صورتوں میں اگر اس کو حرمت قربت کا علم نہیں ہے اور صحبت کرلی تو (اگرچہ یہ فعل زنا ہوگا لیکن) حد زنا جاری نہیں ہوگی اور اگر حرمت صحبت کا علم رکھنے کے بعد ایسا کرے گا تو حد زنا جاری ہوگی۔
(۲) شبہ ملک :- یہ اس وقت ہوتا ہے جب واقع میں حلت کی کوئی دلیل موجود ہے (لیکن شبہ کرنے والے نے سمجھنے میں غلطی کی ہو) جیسے بیٹے کی باندی سے اس حدیث کی روشنی میں قربت کرلی جو حضرت جابر سے مروی ہے کہ ایک شخص نے

Marfat.com

خدمت گرامی میں گزارش کی یار سول اللہ ﷺ میرا مال بھی ہے اور اولاد بھی مگر میرا باپ میرا مال چھین لینا چاہتا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا تو اور تیرا مال (سب کچھ) تیرے باپ کا ہے، ابن القطان اور منذری نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ یہ حدیث طبرانی نے الاصغر میں اور بیہقی نے دلائل میں بھی نقل کی ہے (بظاہر اس حدیث سے غلط فہمی ہوتی ہے کہ بیٹے کی باندی بھی باپ ہی کی ملک ہے اس لئے باپ کی قربت بیٹے کی باندی سے جائز ہے۔ یہ دلیل اگرچہ غلط ہے لیکن بہر حال دلیل ہے) اسی طرح جس عورت کو طلاق کنائی دی ہو اور وہ عدت میں ہو اس سے طلاق دینے والے نے (بغیر نکاح جدید کے) قربت کرلی تو حد زنا جاری نہ ہو گی کیونکہ صحابہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک طلاق کنائی دینے کے بعد حق رجوع باقی رہتا ہے اسی طرح بغیر گواہوں کے نکاح کا مسئلہ ہے کہ بغیر گواہ منکوحہ سے قربت حد زنا کی موجب نہیں۔ ان تمام صورتوں میں چونکہ حلت کی کسی نہ کسی طرح کی دلیل موجود ہے (اس لئے) قربت کرنے والے پر حد زنا جاری نہ ہو گی خواہ وہ حرمت کا ہی عقیدہ رکھتا ہو۔

اسی طرح اگر پہلی مرتبہ کوئی عورت رخصتی کے بعد شوہر کے گھر میں آئی اور عورتوں نے کہا یہ تیری بی بی ہے اور شوہر نے قربت کرلی (اور واقع میں وہ عورت اس کی منکوحہ نہ تھی) تو حد جاری نہ ہو گی، البتہ مہر دینا پڑے گا۔ علماء کا اس پر اجماع ہے حضرت علی نے یہی فیصلہ کیا تھا اور عورت کو عدت بھی کرنی ہو گی۔ حد جاری نہ ہونے کی وجہ سے یہ ہے کہ اس نے عورتوں کی خبر پر اعتماد کیا اور کرنا ہی چاہئے تھا کیونکہ پہلی مرتبہ میں کسی کو بھی اپنی بی بی اور غیر عورت کے درمیان امتیاز نہیں ہوتا (دوسری عورتوں کی اطلاع کا اعتبار کرنا ہی پڑتا ہے ہاں اگر کسی نے اپنے بستر پر کسی عورت کو پایا اور اس سے صحبت کرلی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر حد جاری کی جائے گی، امام مالک، شافعی اور امام احمد کا قول اس مسئلہ میں بھی مسئلہ اول کی طرح ہے ان حضرات کے نزدیک اس صورت میں بھی حد جاری نہیں کی جائے گی۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا ایک مدت تک ساتھ رہنے کے بعد دھوکہ ہو جانے کا کوئی معنی نہیں اگر اس صورت میں بھی اس کو اپنے بستر پر موجود اجنبی عورت پر اپنی بی بی کا گمان ہوتا ہے تو بے دلیل ہوتا ہے۔

اگر مرد نابینا ہے اور عورت کو دیکھ نہیں سکتا تب بھی امام صاحب کا یہی قول ہے کیونکہ وہ سوال کر سکتا ہے اور دوسرے طریقے استعمال کر سکتا ہے ہاں اگر نابینا نے اپنی عورت کو بلایا اور اجنبی عورت پہنچ گئی اور اس نے کہا میں تیری بی بی ہوں تو نابینا دھوکہ کھا سکتا ہے اجنبی عورت اس کی بی بی کی آواز بنا سکتی ہے آواز آواز کے مشابہ ہو سکتی ہے خصوصاً ایسی صورت میں تو زیادہ دھوکہ ہو سکتا ہے جب ساتھ رہتے زیادہ مدت نہ گزری ہو۔

مسئلہ:- جس عورت سے نکاح حرام ہے اور کسی نے اس سے نکاح کرلیا اور صحبت کرلی تو امام ابو حنیفہ، امام زفر اور سفیان ثوری کے نزدیک زنا کی حد اس پر جاری نہ ہو گی لیکن اس جرم کی سزا اس کو بہت ہی شدید دی جائے گی (جو حد زنا سے بھی زیادہ سخت ہو گی)۔

میں کہتا ہوں اس کو قتل کر دینے کا فیصلہ زیادہ مناسب ہے تاکہ حدیث کا اتباع ہو جائے۔ امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد، امام مالک کا قول ہے کہ اگر حرمت نکاح کا علم رکھتے ہوئے نکاح کیا ہو تو حد زنا جاری کی جائے گی کیونکہ اس نے ایسی عورت سے صحبت کی جس کی حرمت اجماعی ہے کسی کو اس کی حرمت میں اختلاف نہیں نہ ملک ہے نہ ملک کا شبہ۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہر عورت محل نکاح ہے اس نے عورت سے ہی نکاح کیا ہے ہاں بعض عورتیں نکاح مخصوص کا محل نہیں ہیں اسی لئے ان سے نکاح باطل ہے اس لئے شبہ پیدا ہو گیا، شبہ اسی کو کہتے ہیں جو حقیقت سے مشابہت رکھتا ہو وہ حقیقت تو نہیں بن جاتا پس شبہ نہیں چاہتا کہ کس طور پر اس کی حلت ہو سکتی ہو (قطعاً حرام ہونے کی صورت میں بھی حلت کا شبہ ہو سکتا ہے اور جب شبہ ملک پیدا ہو گیا تو یہ فعل زنا نہیں ہوا، اس لئے حد زنا اس پر جاری نہ ہو گی۔ رہی یہ بات کہ یہ عمل زنا سے زیادہ سخت ہے تو اس عمل کی شدت اس بات کا تقاضا نہیں کرتی کہ اس کو زنا کی سزا دی جائے۔ حدود تو اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔ دیکھو تہمت زنا لگانے کی سزا اشر عاً اسی کوڑے مقرر ہے اور تہمت کفر تہمت زنا سے زیادہ سخت ہے مگر اس کی کوئی سزا

Marfat.com

شرعاً مقرر نہیں۔
رسول اللہ ﷺ نے غیبت کو زنا سے زیادہ سخت قرار دیا ہے اور فرمایا ہے غیبت زنا سے زیادہ سخت ہے۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان، عن ابی سعید و جابر (اس کے باوجود غیبت کی کوئی شرعی سزا مقرر نہیں)۔
جن عورتوں سے نکاح حلال نہیں ان سے مراد وہ عورتیں ہیں جن سے نکاح کی حرمت دوامی ہو کبھی ان سے نکاح حلال نہ ہو خواہ نسبی قرابت دار ہوں یا رضاعی یا سسرالی رشتہ دار ہوں (مثلاً "ماں، دادی، نانی تمام اصول اور بیٹی، پوتی، نواسی تمام فروع اسی طرح تمام رضاعی محرمات یعنی رضاعی ماں کے تمام اصول و فروع وغیرہ اور منکوحہ موطوءہ بیوی کے تمام اصول و فروع وغیرہ) لیکن اگر صحت نکاح اختلافی ہو۔ جیسے بلا گواہوں کے نکاح تو ان سے نکاح حد زنا کو ساقط کر دیتا ہے کیونکہ تمام علماء کے نزدیک اس میں (ملکیت کا) شبہ ہے اگر نکاح کی حرمت تو متفق علیہ ہو لیکن یہ حرمت دوامی نہ ہو، جیسے آزاد عورت پر باندی سے نکاح یا مجوسی عورت سے نکاح یا کسی باندی سے اس کے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح یا غلام کا اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح یا دوسرے کی منکوحہ سے نکاح یا اس عورت سے نکاح جو کسی کی مطلقہ ہو اور عدت میں ہو یا اس کا شوہر مر گیا اور وہ عدت میں ہو یا بی بی کو تین طلاقیں دینے کے بعد (بغیر حلالہ کیئے) اس سے نکاح یا بی بی سے نکاح ہوتے ہوئے سالی سے نکاح یا بی بی کو طلاق دینے کے بعد اس کی عدت کے زمانے میں سالی سے نکاح یا بیبیوں کے باوجود پانچویں سے نکاح یہ سب نکاح حرام ہیں مگر حرمت دوامی نہیں اس لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک ان محرمات سے نکاح اور نکاح کے بعد صحبت حد زنا کا موجب نہیں، صاحبین کے دو قول مروی ہیں ایک روایت میں ان سے نکاح کو موجب حد کہا گیا ہے اور دوسری روایت میں صاحبین کا قول امام صاحب کے قول کے موافق کہا گیا ہے۔
امام ابو حنیفہؒ کے قول کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو طحاوی نے بیان کی ہے کہ ایک شخص نے کسی عورت سے اس کی عدت کے زمانے میں نکاح کر لیا، یہ معاملہ حضرت عمر تک پہنچا، آپ نے اس کو پٹوایا مگر حد زنا سے کم اور عورت کو مہر دلوایا اور دونوں میں تفریق کرادی اور فرمایا آئندہ یہ دونوں کبھی جمع نہیں ہوں گے۔
محارم سے نکاح کرنے کے مسئلہ میں حضرت جابر کی روایت سے آیا ہے کہ ایسے شخص کی گردن ماردی جائے امام احمد اور اسحاق اور اہل ظاہر کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن ابن حزم نے قتل کی سزا صرف اس شخص کے لئے تجویز کی ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے باپ کے مرنے کے بعد نکاح کیا ہو کیونکہ حدیث میں قتل کی سزا کا حکم اسی شخص کے متعلق ہوا تھا جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا تھا دوسری روایت میں امام احمد کا قول آیا ہے کہ ایسے آدمی کی گردن ماردی جائے اور مال ضبط کر لیا جائے۔ کیونکہ حضرت براء بن عازب کا بیان ہے کہ میں اپنے ماموں سے ملا اس وقت وہ ایک جھنڈا لئے کہیں جا رہے تھے۔ میں نے پوچھا آپ کہاں جانے کا ارادہ کر رہے ہیں، انہوں نے جواب دیا مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کی طرف بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے، حضور ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس کی گردن ماردوں اور اس کا مال لے لو۔ رواہ ابوداؤد و الترمذی۔ ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔
طحاوی نے بعض طریقوں سے اس کو بیان کیا ہے لیکن ان میں مال پر قبضہ کر لینے کا ذکر نہیں ہے۔ بعض طریقوں میں مال پر قبضہ کر لینے کا ذکر ہے۔
ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی محرم عورت پر پڑ جائے اس کو قتل کر دو۔ معاویہ بن قرہ نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا کہ قرہ کے باپ یعنی میرے دادا معاویہ کو حضور ﷺ نے ایک ایسے شخص کی گردن مار دینے اور اس کے مال پر قبضہ کر لینے کے لئے بھیجا جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا تھا۔
حنفیہ ان تمام احادیث کے جواب میں کہتے ہیں کہ ان میں سے کسی حدیث میں زنا کی مقرر حد جاری کرنے کا حکم نہیں ہے

Marfat.com

نہ کوڑے مارنے کا نہ سنگسار کرنے کا نہ کسی محرم عورت سے صحبت کرنے کا ذکر ہے۔ صرف محرم عورت سے نکاح کر لینے کا بیان ہے اور محرم سے صرف نکاح کر لینا باجماع علماء سزاء زنا کا موجب نہیں اس لئے کہنا پڑے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص کو قتل کرنے اور اس کا مال چھین لینے کا حکم محض سیاست کے طور پر دیا تھا یایوں کہا جائے کہ جس شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا تھا اس نے اس نکاح کو حلال سمجھ کر کیا تھا، جاہلیت کے دور میں لوگ ایسا ہی سمجھتے تھے۔ پس حرام قطعی کو حلال سمجھنے والا مرتد ہو گیا اور ممکن ہے وہ محارب (اسلام کے خلاف جنگ کرنے والا) بھی ہو گیا ہو اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس کو قتل کرنے اور اس کے مال پر قبضہ کر کے بیت المال میں داخل کرنے کا اور پانچواں حصہ نکالنے کا حکم دیا۔

مسئلہ :۔ اگر اجرت ٹھہرا کر کسی عورت سے زنا کیا تو حد جاری نہ ہو گی یہ شبہ عقد کی صورت ہے البتہ تعزیز (سیاسی سزا) دی جائے گی، امام ابو حنیفہ کا یہی قول ہے جمہور کے نزدیک حد زنا جاری کی جائے گی، عقد اجارہ سے حلت زنا نہیں ہو سکتا اجرت زنا مقرر کر کے زنا کرنا ایسا ہی ہے جیسے کھانا پکانے کے لئے اجرت پر کسی عورت کو مقرر کرنا اور پھر اس سے زنا کرنا (اجرت بجائے خود اجرت ہے اور زنا بہر حال زنا)۔

امام صاحب نے فرمایا، اجرت زنا مقرر کرنے میں بے شک نفع اندوزی معقود علیہ ہوتی ہے لیکن محل اجرت مقرر ہے جو عقد اجارہ کا محل ہوتا ہے تو گویا یہ اجارۂ منافع اجارۂ عین کی طرح ہے (جیسے کوئی گھوڑا یا مکان استعمال کے لئے کرایہ پر لیا محل اجارہ مقرر ہے نفع اندوزی عقد اجارہ کا نتیجہ ہے لیکن محل اجارہ معین ہونے کی وجہ سے یہ اجارۂ منافع اجارۂ عین کی طرح ہے) اس لئے شبہ (ملکیت) پیدا ہو گیا۔ کھانا پکانے کی اجرت کی یہ حالت نہیں ہوتی اس میں تو اجارہ کی نسبت استیفاء جماع کی طرف نہیں ہوتی اس لئے یہاں شبہ عقد نکاح نہیں ہو سکتا جب اجارہ کی نسبت دوسرے محل (کھانا پکانے) کی طرف کی تو شبہ عقد کیسے ہو سکتا ہے۔

مسئلہ :۔ علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ زنا کے ثبوت کے لئے چار مردوں کی شہادت ضروری ہے عورتوں کی شہادت سے ثبوت زنا نہیں ہوتا اور چار مردوں سے کم کی شہادت بھی کافی نہیں ہے اللہ نے فرمایا ہے فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ عورتوں کے زنا پر اپنے میں سے یعنی مسلمانوں میں سے چار مردوں کی شہادت لو۔ دوسری آیت میں ہے لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ انہوں نے اس بات پر چار مرد گواہ کیوں پیش نہیں کئے۔

مسئلہ :۔ اگر چار مردوں نے الگ الگ (متفرق اوقات یا متعدد مجالس میں) شہادت دی تو امام شافعی کے نزدیک ثبوت زنا ہو جائے گا اور حد زنا جاری کر دی جائے گی۔ دوسرے تینوں اماموں کے نزدیک زنا کا ثبوت نہ ہو گا اور شاہدوں کو تہمت زنا لگانے والا قرار دیا جائے گا کیونکہ ابتدا میں ایک گواہ یا دو گواہ یا تین گواہ پیش ہوئے تھے اس وقت نصاب شہادت پورا نہ تھا اور شہادت واجب الرد ہو گئی اور جب قلت تعداد کی وجہ سے ان کی شہادت رد کر دی گئی تو دوبارہ صرف اس وجہ سے کہ چوتھا شاہد بھی آ گیا اور اس نے شہادت دے دی رد شدہ شہادتوں کو قبول نہیں کیا جا سکتا پہلی شہادتوں کا اعتبار تو ختم ہو گیا اگر گواہ آئے تو الگ الگ پھر شہادت دینے کے وقت سب جمع ہو گئے اور سب نے ساتھ شہادت دی تو امام احمد کے نزدیک ایسی شہادت قبول کر لی جائے گی لیکن امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک چاروں گواہوں کا ساتھ آنا اور ساتھ ساتھ شہادت دینا ضروری ہے اس لئے الگ الگ آنے والے لوگوں کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی گو شہادت کے وقت سب کا اجتماع ہو جائے۔

مسئلہ :۔ کیا اقرار کی صورت میں متعدد بار اقرار ضروری ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام احمد اور اکثر علماء کے نزدیک اقرار کا تعدد لازم ہے۔ عاقل بالغ شخص ثبوت شہادت نہ ہونے کی صورت میں اگر خود چار مرتبہ اقرار کرے گا تو ثبوت زنا ہو جائے گا اس تعداد سے کم اقرار کافی نہیں ہے۔ پھر امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایک ہی مجلس میں چار بار اقرار کرنا بھی کافی نہیں ہے ہر اقرار کی مجلس بھی الگ ہونی چاہئے ثبوت زنا میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ امام احمد اور ابو لیلیٰ کے نزدیک چار مرتبہ اقرار خواہ ایک ہی مجلس میں ہو ثبوت زنا کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ صحیحین میں بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے

Marfat.com

کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے، ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے پکار کر کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے زنا کیا ہے حضور ﷺ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا، وہ شخص گھوم کر پھر حضور ﷺ کے سامنے آگیا اور کہا میں نے زنا کیا ہے۔ آپ نے پھر منہ پھیر لیا، وہ شخص گھوم کر پھر حضور ﷺ کے سامنے آگیا اور کہا میں نے زنا کیا ہے۔ آپ نے پھر منہ پھیر لیا۔ جب اس نے چار مرتبہ زنا کا اقرار کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کیا تجھے جنون ہے اس نے جواب دیا نہیں۔ فرمایا کیا تیری شادی ہو گئی ہے، اس نے عرض کیا، جی ہاں، اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا اس کو لے جاؤ اور سنگسار کر دو۔ الحدیث۔

امام ابو حنیفہ نے اپنے استدلال میں وہ حدیث پیش کی ہے جو حضرت بریدہ کی روایت سے مسلم نے بیان کی ہے کہ حضرت ماعز رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرتکب زنا ہونے کا اقرار کیا حضور ﷺ نے ان (کے اقرار) کو رد کر دیا، دوسرے روز وہ پھر حاضر ہوئے، آپ نے پھر بھی (ان کے اقرار کو) رد کر دیا۔ پھر ان کے قبیلے کے پاس کسی کو بھیج کر معلوم کرلیا کہ کیا ماعز کی عقل میں کچھ خرابی ہے۔ قبیلہ والوں نے کہا ہم تو ان کو کامل العقل اور نیک جانتے ہیں تیسری مرتبہ پھر ماعز خدمت گرامی میں حاضر ہوئے (اور پہلے کی طرح اقرار زنا کیا) آپ نے پھر ان کی قبیلہ والوں سے دریافت کرلیا (کیا ماعز کی عقل میں کچھ فتور ہے) قبیلہ والوں نے کہا نے اس میں کوئی خرابی ہے نہ اس کی عقل میں جب چوتھی مرتبہ بھی ایسا ہی واقعہ ہوا (کہ ماعز نے حاضر ہو کر اپنے زانی ہونے کا اقرار کیا) تو آپ نے ایک گڑھا کھدوا کر (ماعز کو اس میں کھڑا کر کے) سنگسار کرا دیا۔

امام احمد، اسحاق بن راہویہ اور مصنف میں ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو بکر کی روایت سے بیان کیا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھا کہ ماعز نے حاضر ہو کر ایک بار (زنا کا) اقرار کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو رد کر دیا، ماعز پھر آئے اور آکر دوبارہ اقرار کیا آپ نے پھر بھی لوٹا دیا وہ پھر آئے اور تیسری بار اقرار کیا۔ میں نے ماعز سے کہا اب اگر چوتھی بار تم نے اقرار کیا تو حضور تم کو سنگسار کر دیں گے مگر ماعز نے چوتھی بار بھی اقرار کیا اس وقت حضور نے اس کو قید کر دیا، اور اس کے متعلق (قبیلہ والوں سے) دریافت کیا کہ یہ کیسا آدمی ہے اس کو جنون تو نہیں ہے سب نے کہا ہم کو تو (اس کے اندر) بھلائی ہی معلوم ہے آخر حضور ﷺ نے سنگسار کرا دیا۔

اس حدیث سے بھی صراحۃً معلوم ہو رہا ہے کہ ماعز متعدد مرتبہ آئے تھے۔ اور تعدد آمد بغیر غائب ہوئے ممکن نہیں اسی لئے حنفیہ قائل ہیں کہ اگر غائب ہو کر پھر لوٹ آئے تو یہ دوسری مجلس مانی جائے گی۔

ابن حبان نے صحیح میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ماعز بن مالک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میں بدکار مرتکب زنا ہو گیا، حضور نے فرمایا، تیرا برا ہو تو نہیں جانتا کہ زنا کیا ہوتا ہے پھر حسب الحکم ماعز کو دھتکار کے (مجلس سے) باہر کر دیا گیا لیکن اس نے دوبارہ آکر وہی پہلی بات کہی اور حضور نے بھی حکم دے کر دھتکار کر اس کو نکلوا دیا ماعز پھر تیسری مرتبہ آئے اور وہی بات کہی جو پہلے کہی تھی اور حضور ﷺ نے حکم دے کر دھکے دلوا کر اس کو نکلوا دیا آخر میں ماعز نے جب چوتھی بار آکر وہی پہلی بات کہی تو حضور نے فرمایا کیا تو نے دخول و خروج کیا تھا ماعز نے جواب دیا جی ہاں اس وقت حضور ﷺ نے اس کو سنگسار کر دینے کا حکم دے دیا۔

یہ حدیث اور جیسی دوسری حدیثیں جن کا ذکر موجب طوالت ہے صاف طور پر تعدد مجالس پر دلالت کر رہی ہیں اس لئے اول الذکر حدیث کو بھی ہم تعدد مجالس پر محمول کریں گے اور پہلی حدیث میں جو آیا ہے کہ ماعز ہٹ کر رسول اللہ ﷺ کے منہ کے سامنے آگئے اس کو اقرار اول کا ہی ایک حصہ شمار کریں گے کیونکہ مجلس نہیں بدلی تھی اس سے آگے جو ذکر کیا گیا ہے کہ ماعز نے چار شہادتیں دیں (چار مرتبہ اقرار کیا) تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ چار مجالس میں اقرار کیا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ چار مجالس میں اقرار کیا تھا اس طرح سب روایت میں مطابقت ہو جائے گی۔

امام مالک، امام شافعی ابو ثور۔ حسن اور حماد بن سلیمان کے نزدیک ایک بار اقرار کرنے سے ہی زنا کا ثبوت ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت زید بن خالد اور حضرت ابوہریرہ کی روایت کردہ حدیث میں آیا ہے کہ جب مزدور نے صاحب خانہ کی بیوی سے زنا

Marfat.com

کا اقرار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے (حضرت انس سے) فرمایا اس عورت کے پاس جاؤ۔ اگر وہ اقرار کرلے تو اس کو سنگسار کردو۔ حضرت انس نے جا کر اس سے دریافت کیا اس نے اقرار کرلیا حضرت انس نے اس کو سنگسار کردیا۔ ان علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ غامدیہ عورت کے قصہ میں ایک بار اقرار کرنے کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ ثبوت زنا کے لئے ایک بار اقرار کرنا کافی ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا تھا کہ اگر وہ اقرار کرلے تو اس کو سنگسار کردینا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ایسا اقرار کرلے جو حد زنا کے لئے قابل قبول یعنی چار بار اقرار کرلے تو اس کو سنگسار کردینا۔ یہ تفصیل حضور ﷺ نے اس لئے بیان نہیں کی کہ آپ واقف تھے کہ صحابہ اس کو جانتے ہیں۔ ماعز وغیرہ کا واقعہ صحابہ کے سامنے گزر ہی چکا تھا۔ باقی یہ کہنا کہ غامدیہ عورت کے قصہ میں صرف ایک بار اقرار کرنے کا ذکر ہے قابل تسلیم نہیں ہے بلکہ ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں تو یہ بھی آیا ہے کہ صحابہ آپس میں کہتے تھے کہ ماعز اور غامدیہ عورت اگر اقرار کے بعد بھی لوٹ جاتے تو حضور ان سے مواخذہ نہ کرتے۔ آپ نے چار مرتبہ اقرار کے بعد ہی دونوں کو رجم کرلیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ عمل ثابت کررہا ہے کہ غامدیہ عورت نے چار بار اقرار کیا تھا۔ البتہ اس کی تفصیل کسی روایت میں نہیں آئی۔ ہاں بزار نے مسند میں زکریا بن سلیم کی وساطت سے کسی قریشی بوڑھے کے حوالہ سے بروایت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ، ابوبکرہ کا بیان نقل کیا ہے کہ غامدیہ عورت نے چار مرتبہ اقرار کیا تھا اور ہر مرتبہ رسول اللہ ﷺ اس کو رد کرتے رہے پھر آخر میں اس سے فرمایا، جا اور وضع حمل کا انتظار کر۔ اس روایت میں ایک راوی مجہول ہے اس لئے ابوداؤد و نسائی کی روایت کی کمی اس سے پوری نہیں ہوسکتی۔

مسئلہ:۔ حاکم کے لئے مستحب ہے کہ اقرار زنا کرنے والے کو پردے پردے میں اقرار سے لوٹ جانے کی تعلیم دے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ماعز سے فرمایا، شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا، شاید تو نے چھولیا ہوگا۔

مسئلہ:۔ چار مرتبہ اقرار کرنے کے بعد حد جاری ہونے سے پہلے یا حد جاری ہونے کے بعد اقرار سے لوٹ جائے تو تینوں اماموں کے نزدیک اس کا رجوع قبول کیا جائے گا اور حد ساقط ہوجائے گی۔ امام مالک کے اس مسئلہ میں دو قول مروی ہیں (منفی۔ مثبت) ائمہ کی دلیل یہ ہے کہ اقرار کی طرح خبر میں سچے اور جھوٹے ہونے کا احتمال ہے اور تکذیب کرنے والا کوئی شخص موجود نہیں ہے اس لئے اقرار کے بعد انکار کی وجہ سے اقرار میں شبہ پیدا ہوجائے گا اور حدود شبہات سے ساقط ہوجاتی ہیں۔ ہاں جن مسائل میں حق عبد موجود ہو اور اللہ کے حق کے ساتھ بندے کا حق بھی اس سے متعلق ہو۔) تو اقرار کے بعد انکار معتبر نہیں مثلاً قصاص اور تہمت زنا کی حد کا سقوط نہیں ہوسکتا کیونکہ اس صورت میں انکار کی تکذیب کرنے والا شخص (مدعی) موجود ہوتا ہے۔ ابوداؤد نے حضرت یزید بن منعم کی روایت سے حضرت ماعز کے قصہ کی جو تفصیل بیان کی ہے اس میں راوی کا یہ قول بھی منقول ہے کہ پتھر لگنے سے ماعز کو جب چوٹ کی تکلیف محسوس ہوئی تو وہ تیزی کے ساتھ بھاگ نکلے۔ سب مارنے والے لوگ پکڑ نہ سکے صرف عبداللہ بن انیس نے ماعز کو جالیا اور اونٹ کے پاؤں کی ہڈی ماعز کے پھینک ماری جس سے وہ ختم ہوگئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ واقعہ بیان کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا تم لوگوں نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا۔ شاید وہ توبہ کرلیتا اور اللہ اس کو توبہ قبول کرلیتا (اور گناہ معاف فرمادیتا) ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے حضرت ماعز کا جو قصہ بیان کیا ہے وہ اسی جیسا ہے۔

فصل

مسئلہ:۔ اگر مریض زنا کرلے اور رجم کا مستحق ہوجائے تو اس کو سنگسار کردیا جائے گا۔ بیماری کا عذر مانع نہ ہوگا کیونکہ رجم کا مقصد ہی ہلاک کردینا ہے لیکن اگر زانی مریض سزائے تازیانہ کا مستحق ہو تو صحت یاب ہونے تک سزا کو ملتوی رکھا جائے گا تاکہ سزا موجب ہلاکت نہ ہوجائے۔ اگر زانی مریض ایسے مرض میں مبتلا ہو جس سے صحت یاب ہونے کی امید ہی نہ ہو۔ مثلاً سل کے مرض میں مبتلا ہو یا پیدائشی طور پر ضعیف ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک ایک ایسا گچھا جس میں سو کچھیاں ہوں لے کر ایک مرتبہ اس کچھے سے اس کو اس طرح مار دیا جائے کہ ہر کچی اس کے بدن پر پڑ جائے۔ جیسا کہ بغوی نے شرح

Marfat.com

السنۃ میں اور ابن ماجہ نے حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف کی وساطت سے حسب روایت سعید بن سعد بن عبادہ بیان کیا ہے کہ ہماری باندیوں میں ایک مرد رہتا تھا جو پیدائشی طور پر بہت کمزور تھا ایک روز دیکھتے کیا ہیں کہ وہ ایک باندی پر پڑا ہوا فعل گناہ میں مشغول ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ نے اس کا واقعہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچادیا حضور ﷺ نے فرمایا اس کے سو کوڑے مارو۔ حضرت سعد نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، وہ تو بہت ہی کمزور ہے اگر ہم اس کے سو کوڑے ماریں گے تو وہ یقیناً مر جائے گا فرمایا، تو ایک گچھا جس میں سو قمچیاں ہوں ایک بار اس کے مارو اور پھر اس کو نکال دو۔ ابوداؤد نے یہ حدیث حضرت ابوامامہ بن سہل کی روایت سے ایک انصاری کے حوالہ سے بیان کی ہے اور نسائی نے بروایت ابوامامہ بن سہل عن ابیہ (یعنی سہل کی وساطت سے) اور طبرانی نے بروایت ابوامامہ بحوالہ ابوسعید خدری بیان کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے یہ تمام طرق روایت محفوظ ہیں گویا ابوامامہ نے صحابہ کی ایک جماعت کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے اور بیہقی نے اس کو ابوامامہ سے مرسلاً بیان کیا ہے۔

مسئلہ:- حاملہ عورت کو زنا کی سزا میں وضع حمل سے پہلے حد زنا نہیں ماری جائے گی تاکہ پیٹ کا بچہ ہلاک نہ ہو جائے اگر وہ سزائے تازیانہ کی مستحق ہو تو نفاس سے فراغت سے پہلے اس کو کوڑے نہ مارے جائیں حضرت علی نے ارشاد فرمایا تھا لوگو اپنے باندی غلاموں پر حد شرعی جاری کرو۔ شادی شدہ ہو یا نا کتخدا...... رسول اللہ ﷺ کی ایک باندی نے جب زنا کیا تھا تو حضور ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اس کے کوڑے ماروں لیکن نفاس شروع ہوئے اس کو تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں اس کے کوڑے ماروں گا تو یہ مر جائے گی۔ میں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ فرمایا تم نے خوب کیا، رواہ مسلم۔ ابوداؤد کی روایت اس طرح ہے اس وقت تک باندی کو رہنے دو کہ اس کا خون بند ہو جائے پھر اس پر حد جاری کرنا اور اپنے باندی غلاموں پر حد زنا قائم کرتے رہنا۔

اور اگر نفاس میں مبتلا عورت کی سزا رجم ہو تو اس کو سنگسار کر دیا جائے گا۔ کیونکہ بچہ پیدا ہو چکا اور وہ رجم کی مستحق ہے اس کو تو مرنا ہی ہے۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا، عورت کو رجم کرنے سے اتنی مدت تاخیر کی جائے گی کہ بچہ کو اس کی ضرورت نہ رہے کیونکہ اگر کوئی شخص بچہ کی تربیت کا ذمہ دار نہ ہوگا تو وہ ہلاک ہو جائے گا اس لئے بچہ کی حفاظت کے لئے اس صورت میں ماں کا ہونا ضروری ہے مسلم نے حضرت بریدہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ غامدیہ عورت کے رجم کرنے کو وضع حمل تک حضور ﷺ نے ملتوی کر دیا تھا ایک انصاری نے اس کی ذمہ داری لے لی جب بچہ پیدا ہو گیا تو انصاری نے آکر اطلاع دی کہ بچہ پیدا ہو گیا فرمایا ابھی رجم نہ کرو کیونکہ اس صورت میں شیر خوار بچہ رہ جائے گا اور کوئی دودھ پلانے والی نہ ہوگی یہ سن کر ایک انصاری نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ ﷺ اس کو دودھ پلوانا میرا ذمہ ہے، انصاری کی بات سن کر حضور ﷺ نے غامدیہ کو سنگسار کرادیا دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غامدیہ سے فرمایا جا اور اس وقت تک انتظار کر کہ بچہ پیدا ہو جائے جب بچہ پیدا ہو گیا اور وہ عورت پھر آئی تو حضور ﷺ نے فرمایا جا اور بچہ کو دودھ پلاتی رہ جب دودھ چھڑا دے تو آنا جب غامدیہ نے مدت پوری کر کے دودھ چھڑا دیا تو بچہ کو لے کر آئی بچہ کے ہاتھ میں روٹی کی کرچ تھی، عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اب میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا اور یہ کھانا کھانے لگا ہے حضور نے وہ بچہ ایک مسلمان کے سپرد کر دیا (تاکہ وہ پرورش کرتا رہے) اس کے بعد ایک گڑھا کھدوا کر جس کی گہرائی عورت کے سینہ تک تھی لوگوں کو حکم دیا کہ اس کو سنگسار کر دو۔ سب نے سنگسار کر دیا۔

مسئلہ:- آیت فاجلدوا میں حاکموں کو خطاب ہے اس لئے امام ابوحنیفہ کے نزدیک کوئی آقا، حاکم کی اجازت کے بغیر اپنے باندی غلام پر حد جاری نہیں کر سکتا، امام شافعی، امام احمد اور امام مالک کا قول اس کے خلاف ہے ایک روایت میں امام مالک کے نزدیک باندی پر اس کا آقا اجازت حاکم کے بغیر حد جاری کر سکتا ہے ہاں اگر باندی کسی کی منکوحہ ہو تو خود حد جاری نہیں کر سکتا۔ امام شافعی نے کہا اگر آقا کوئی ذمی کافر ہو یا مکاتب ہو یا عورت ہو تو اس کو از خود حاکم کی اجازت کے بغیر حد قائم کرنے کا اختیار نہیں ہے امام شافعی کا اختلاف ہر حد شرعی کے سلسلہ میں یہاں تک کہ مرتد کو قتل کرنے یا رہزن کو مار ڈالنے یا چور کا ہاتھ

Marfat.com

کاٹنے کا بھی بغیر حاکم کی اجازت کے اختیار ہے، نووی (شافعی) نے کہا صحیح تر یہ بات ہے کہ (بغیر اجازت حاکم کے) اقامت حدود کا حکم عام ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ میں اطلاق ہے (ہر حد کی اقامت کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا ہے) تہذیب میں ہے کہ قطع دست اور قتل کرا دینے کا اختیار صرف حاکم کو ہے یہی صحیح ترین قول ہے۔

تینوں ائمہ نے مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا جس باندی نے زنا کیا ہو اور وہ منکوحہ نہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے فرمایا اگر اس نے زنا کیا ہو اس کے کوڑے مارو پھر دوبارہ زنا کرے تو کوڑے مارو، پھر بھی زنا کرے تو کوڑے مارو۔ اگر چوتھی بار پھر زنا کرے تو اس کو بیچ ڈالو خواہ بالوں کی ایک رسّی کے عوض ہی ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جن (باندی غلاموں) کے تم مالک ہو ان پر حدود جاری کرو۔ رواہ النسائی والبیہقی من حدیث علیؓ۔ مسلم میں یہ حدیث حضرت علیؓ پر موقوفاً آئی ہے۔

امام شافعیؒ نے روایت کی ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے اپنی باندی کے جس نے زنا کیا تھا کوڑے لگوائے تھے (یعنی خود حد زنا جاری کی تھی) ابن وہب نے بوساطت ابن جریج روایت عمرو بن دینار بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اپنی باندی کے پچاس کوڑے لگواتی تھیں اگر اس نے ارتکاب زنا کیا ہوتا تھا۔ امام شافعی نے بحوالہ، امام مالک بروایت نافع بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر کے ایک غلام نے چوری کی، حضرت عبداللہ نے سعید بن عاص حاکم مدینہ کے پاس ہاتھ کاٹنے کے لئے بھیج دیا۔ سعید نے غلام کا ہاتھ کاٹنے سے انکار کر دیا اور کہا غلام کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگر اس نے چوری کی ہو۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا آپ نے یہ کس کتاب میں پڑھا ہے، پھر آپ نے خود حکم دے دیا اور اس غلام کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

عبدالرزاق نے مصنف میں بروایت معمر از ایوب نافع کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عمر کے ایک غلام نے چوری کی تھی اور ایک غلام نے زنا کا ارتکاب کیا آپ نے از خود حاکم کے پاس بھیجے بغیر چور غلام کا ہاتھ کٹوا دیا اور زانی کے کوڑے لگوائے۔ ابن ماجہ نے چور کے ہاتھ کاٹنے کی روایت نقل کی ہے لیکن اس میں یہ قصہ حضرت عائشہ کا بیان کیا ہے سعید بن منصور نے بروایت ہشیم از ابن ابی لیلیٰ از نافع بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ امام مالک نے مؤطا میں لکھا ہے اور امام شافعی نے امام مالک کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ مکہ کو تشریف لے گئیں آپ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن حضرت ابوبکر صدیق کی اولاد کا ایک غلام بھی تھا، اس قصہ میں آیا ہے کہ اس غلام نے چوری کی اور اقرار کر لیا حضرت عائشہ کے حکم سے اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ امام مالک نے مؤطا میں لکھا ہے کہ حضرت حفصہ نے اپنی ایک باندی کو قتل کرا دیا جس نے جادو کیا تھا۔ عبدالرزاق نے اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد اتنا زائد بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان نے اس فعل کو غیر مشروع قرار دیا۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا، آپ ام المومنین کے اس عمل کو غیر مشروع قرار دے رہے ہیں جو انہوں نے ایک جادوگر عورت کے سلسلہ میں کیا تھا۔

امام ابوحنیفہ نے اپنے مسلک کے استدلال میں اصحاب السنن کی اس روایت کو پیش کیا جو انہوں نے اپنی کتابوں میں موقوفاً و مرفوعاً لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر نے چار چیزوں کو حاکموں کے اختیار میں دیا ہے۔ حدود، زکوٰۃ (کی وصولی اور تقسیم) صلوٰۃ جمعہ اور مال فے (یعنی مال غنیمت کو جمع کرنا اور تقسیم کرنا)۔

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنا چاہئے۔

رافت بمعنی رحم فی، دین اللہ اللہ کی طاعت میں یعنی اللہ کی قائم کردہ حدود کو ترک نہ کرو کہ رحم کی وجہ سے ان کو جاری کرنا چھوڑ دو۔ مجاہد، عکرمہ، عطا، نخعی، شعبی اور سعید بن جبیر نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔

صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی قریش کے لئے اس معاملہ نے بڑی پریشان کن حیثیت اختیار کر لی انہوں نے مشورہ کیا کہ کوئی رسول اللہ ﷺ سے اس کی سفارش کر دیتا، سب نے کہا کہ

Marfat.com

سوائے اسامہ بن زید کے جو رسول اللہ ﷺ کے محبوب ہیں اور کوئی اس کی جرأت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حضرت اسامہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلے میں گزارش کی حضور نے فرمایا، کیا تم اللہ کی قائم کردہ حد کے متعلق سفارش کر رہے ہو۔ پھر حضور اقدس ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا اور فرمایا تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے تباہ کر دیئے گئے کہ جب ان میں کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تھا تو اس پر حد جاری کرتے تھے۔ خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

اہل تفسیر نے آیت کی تشریح اس طرح کی ہے کہ تم کو اللہ کے دین میں کوئی نرمی نہ پکڑلے کہ ہلکی مار مارو۔ ایسا نہ کرو بلکہ دردناک مار مارو۔ سعید بن مسیب اور حسن نے یہی تفسیر کی ہے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا، زنا کی حد تو سختی سے جاری کی جائے پھر اس سے کم سختی شراب کی حد مارنے میں کی جائے اور تہمت زنا کی سزا میں بھی خفت سے کام لیا جائے۔ کیونکہ ممکن میں تہمت زنا لگانے والا واقع میں سچا ہو (لیکن اپنے قول کو شہادت سے ثابت نہ کر سکا ہو) اور شراب پینے کی حد میں غلطی کا احتمال نہیں ہو سکتا اور زنا کا جرم شراب خواری سے بڑا ہے (اس لئے اس کی سزا کو جاری کرنے میں بہت زیادہ سختی سے کام لینا چاہئے) قتادہ کا قول ہے کہ شراب خواری اور تہمت زنا کی سزا میں خفت برتی جائے۔ زنا کی سزا جاری کرنے میں سختی سے کام لیا جائے۔ زہری نے کہا جرم زنا اور تہمت زنا کی سزا دینے میں سختی کی جائے کیونکہ ان کی سزائیں کتاب اللہ میں مذکور ہیں اور شراب کی سزا میں خفت اختیار کی جائے کیونکہ شراب کی سزا صرف حدیث میں آئی ہے قرآن مجید سے ثابت نہیں ہے۔

بغوی کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک باندی نے زنا کیا آپ نے اس کے کوڑے لگوائے اور کوڑے مارنے والے سے فرمایا اس کی پیٹھ اور ٹانگوں پر کوڑے مارنا، آپ کے ایک بیٹے نے کہا لا تاخذکم بھما رافۃ فی دین اللّٰہ (اللہ کا حکم ہے) حضرت عبداللہ نے فرمایا بیٹے اللہ نے مجھے یہ حکم نہیں دیا کہ میں اس کو قتل کر دوں۔ میں نے کوڑے مار دیئے اور درد پہنچا دیا۔ (اتنا ہی کافی ہے)۔

اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ اگر تم اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یعنی تمہارا ایمان اللہ اور روز آخرت پر ہے تو اللہ کے حکم کی تعمیل میں سستی نہ کرو اور اس کی قائم کی ہوئی، حدود کو کوشش کے ساتھ جاری کرو۔ ایمان کا یہی تقاضا ہے۔

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور ان کو سزا دینے کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہو تاکہ مجرم کو زیادہ عبرت ہو۔ بعض وقت رسوائی وہ عبرت آفریں اثر کرتی جو سزا نہیں کرتی۔

طائفۃ ایک گروہ۔ ممکن ہے کہ وہ چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہو (یعنی تعداد بہت ہو) طائفہ، طوف سے ماخوذ ہے۔ طائفہ کی کم سے کم تعداد بعض علماء نے چار بیان کی ہے۔ جو چار اطراف میں ہوں۔ ہر طرف ایک آدمی۔ بعض نے کہا تین کافی ہیں۔ جمع کی کم سے کم تعداد تین ہے۔ اس مطلب پر طائفۃ، طائف کی جمع ہو گی۔ بعض نے کہا ایک دو پر بھی طائفہ کا اطلاق ہوتا ہے (اس وقت طائفہ کا معنی ہو گا ایک فریق)۔

اللہ نے فرمایا ہے وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا اگر مسلمانوں کے دو فریق لڑ پڑیں۔

قاموس میں ہے طائفۃ من الشئی کسی چیز کا ٹکڑا یا ایک اور زیادہ یا ایک سے ہزار تک یا کم سے کم دو آدمی یا ایک ہی آدمی۔ جب ایک آدمی مراد ہو گا تو نفس کے معنی میں ہو گا۔

میں کہتا ہوں ممکن ہے یہ جمع ہو جس کو بطور کنایہ واحد کہا جاتا ہو۔ یہ بھی صحیح ہے کہ (بطور مبالغہ) راویہ اور علامہ کی طرح مبالغہ کا صیغہ قرار دیا جائے۔

نخعی اور مجاہد نے کہا کم سے کم ایک آدمی اور اس سے زیادہ کو طائفہ کہتے ہیں، حضرت ابن عباس سے بھی یہ معنی ایک روایت میں منقول ہیں۔

Marfat.com

امام احمد، عطا، عکرمہ اور اسحاق نے کہا دو یا اس سے زیادہ طائفہ ہے۔ زہری اور قتادہ کے نزدیک دو اور اس سے زیادہ کو طائفہ کہتے ہیں۔ امام مالک اور ابن زید نے طائفہ کی تعداد چار بتائی ہے۔ (زنا کے) گواہوں کی یہی تعداد ہے۔ حسن بصری نے کہا دس اور اس سے زائد طائفہ ہے۔

میں کہتا ہوں یہی قول صحت کے زیادہ قریب ہے کیونکہ آیت کا مقصد تشہیر ہے۔

اَلزَّانِىْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ

زنا کرنے والا نکاح نہیں کرتا مگر زنا کرنے والی سے یا شرک کرنے والی اور زانیہ سے نہیں نکاح کرتا مگر زانی یا مشرک۔

ابوداؤد ترمذی نسائی اور حاکم نے بروایت عمرو بن شعیب از شعیب از جد عمرو بیان کیا ہے کہ مرثد نام کا ایک آدمی تھا جو مکہ سے قیدیوں کو سوار کر کے لارہا تھا تاکہ ان کو مدینہ پہنچادے مکہ میں اس کی ایک عورت دوست تھی جس کا نام عناق تھا مرثد نے رسول اللہ ﷺ سے عناق کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت طلب کی۔ حضور ﷺ نے اس وقت کچھ جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ نزول آیت کے بعد حضور ﷺ نے مرثد کے سامنے یہ آیت وحرم ذلک علی المؤمنین تک تلاوت فرمائی اور فرمایا تم اس سے نکاح مت کرو۔

نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک عورت تھی جس کو ام مہزول کہا جاتا تھا، وہ بدکار پیشہ ور عورت تھی کسی صحابی نے اس سے نکاح کرنا چاہا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

سعید بن منصور نے مجاہد کا بیان نقل کیا ہے کہ جس وقت اللہ نے زنا کو حرام کر دیا اس زمانہ میں کچھ زناکار عورتیں تھیں جو خوبصورت تھیں، کچھ لوگوں نے ارادہ کیا کہ جا کر ان سے نکاح کرلیں اس وقت اس آیت کا نزول ہوا۔

بغوی کا بیان ہے کہ جب مہاجر مدینہ میں آئے تو ان میں کچھ لوگ بالکل نادار تھے کچھ مال و متاع نہ تھا اور قبیلہ والے موجود نہ تھے۔ مدینہ میں کچھ پیشہ ور عورتیں رہتی تھیں جو خود فروش تھیں اور اس زمانہ میں مدینہ کے اندر سب سے زیادہ مالدار تھیں کچھ نادار مہاجروں نے ان سے نکاح کرنا چاہا تاکہ ان بے مایہ لوگوں کے خرچ کی کفالت وہ عورتیں کرلیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی اجازت طلب کی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ ان پیشہ ور عورتوں سے نکاح کرنا مومنوں کے لئے حرام کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ مشرک ہیں۔ یہ تفصیل و تفسیر عطاء بن ابی رباح، مجاہد قتادہ، زہری اور شعبی نے بیان کی اور عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول آیا ہے۔

میں کہتا ہوں اس کو ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں سعید بن جبیر کی مرسل حدیثوں کے مجموعے سے نقل کیا ہے (یعنی یہ قول مرسل ہے)۔

بغوی نے لکھا ہے کہ عکرمہ نے بیان کیا اس آیت کا نزول مکہ اور مدینہ کی چند عورتوں کے حق میں ہوا۔ جن میں سے نو عورتوں کے جھنڈے پیشہ ور عورتوں کی طرح لگے ہوئے تھے جن سے ان کی شناخت ہو جاتی تھی ان میں سے ایک عورت تھی ام مہزول یہ سائب بن ابی السائب مخزومی کی باندی تھی..... جاہلیت کے زمانہ میں لوگ زناکار عورتوں سے نکاح کر لیتے تھے پھر ان کی کمائی کھاتے تھے کچھ مسلمانوں نے بھی ان عورتوں سے اسی طور پر نکاح کرنے کا ارادہ کیا (کہ نکاح کے بعد ان کی کمائی کھائیں گے) چنانچہ ایک مسلمان نے ام مہزول سے نکاح کرنے کی رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اس آیت اور احادیث مندرجہ بالا کی روشنی میں امام احمد نے فرمایا، جب تک زانی اور زانیہ توبہ نہ کرے ان کا نکاح جائز نہیں۔ توبہ کرنے کے بعد ان کو زانی نہیں کہا جائے گا (گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ الحدیث)

باقی تینوں اماموں کے نزدیک زانی کا نکاح بھی صحیح ہے اور زانیہ کا نکاح بھی۔ (لیکن یہ قول بظاہر مفہوم آیت کے خلاف ہے اس لئے) اس آیت کی تشریح میں تاویل کی گئی ہے بعض نے کہا کہ آیت میں نہی کا صیغہ ہے نفی کی خبر ہے جملہ خبریہ منفیہ ہے (ایک واقعہ اور ایک حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے) زانی فاسق ہوتا ہے اس لئے پاکدامن نیک عورتوں سے نکاح کرنے کی طرف

Marfat.com

اس کو رغبت نہیں ہوتی اور زانیہ بھی فاسقہ ہوتی ہے اس لئے نیک مردوں کو بھی اس سے نکاح کرنے کا ارادہ نہیں ہوتا اخلاقی مشابہت اور عملی یکسانیت موجب الفت ہوتی ہے اور خلقی اختلاف باعث نفرت ہوتا ہے۔

تقابلی بیان کا تقاضا تھا کہ اَلزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَا اِلَّا زَانٍ کی بجائے الزانیة لاتنکح الا من زان کہا جاتا لیکن آیت کا منشا چونکہ مردوں کے احوال کا بیان ہے کہ مردوں کو ایسی عورتوں کی رغبت نہیں ہوتی اس لئے اسلوب بیان بدلا گیا۔

وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۝ اور یہ فعل مومنوں کے لئے حرام کر دیا گیا ہے۔ مؤخر الذکر تفسیر کے بموجب اس آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ مومن ایسا فعل نہیں کرتے ایسی حرکت سے بچتے رہتے ہیں اس عمل سے اہل ایمان کو پاک رکھا گیا ہے گویا تحریم سے مراد ہے پاک کر دینا۔ تنزیہ اور تطہیر کو بطور مبالغہ تحریم فرمایا، امام مالک کے نزدیک زناکار سے نکاح مکروہ تحریمی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے بعض علماء کے نزدیک آیت میں نکاح سے مراد ہے جماع۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ زانی زنا نہیں کرتا مگر زانیہ سے یا مشرکہ سے اور زانیہ زنا نہیں کرتی مگر زانی یا مشرک سے۔ یہ تفسیری قول سعید بن جبیر اور ضحاک بن مزاحم کا ہے اور والبی نے اس قول کی نسبت حضرت ابن عباس کی طرف بھی کی ہے۔

زید بن ہارون نے کہا مراد یہ ہے کہ زانی اگر زانیہ سے جماع کو حلال سمجھ کر کرتا ہے تو وہ مشرک (کافر) ہے اور حرام سمجھ کر کرتا ہے تو وہ زانی ہے۔ اس تفسیر پر بھی جملہ منفیہ خبریہ ہوگا (انشائیہ منہیہ نہ ہوگا)

علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ آیت میں نفی بمعنی نہی ہے بلکہ لاینکح کی جگہ لاینکح (بصیغۂ نہی) بعض قرأتوں میں آیا بھی ہے زانیہ سے حرمت نکاح اپنی جگہ قائم ہے لیکن (ہر شخص کے لئے ممانعت نہیں ہے بلکہ) یہ حرمت ان خاص مہاجروں کے لئے تھی جنہوں نے زناکار عورتوں سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

لیکن یہ تخصیص مہاجرین میرے نزدیک بعید از صحت ہے کیونکہ کلام کا آغاز ممانعت سے کیا گیا ہے اگر ممانعت صرف مہاجروں کے لئے ہوتی تو کلام اس طرح ہوتا کہ مومن نکاح نہ کرے مگر صالحہ مومنہ سے۔ پھر (اقوال صحابہ کی روشنی میں بھی) یہ تخصیص غلط ہے حضرت ابن مسعود زانیہ سے نکاح کرنے کو حرام قرار دیتے تھے فرماتے تھے جب زانی زانیہ سے نکاح کر لیتا ہے تو ہمیشہ کے لئے دونوں زانی رہتے ہیں۔

حسن نے کہا سزا یافتہ زانی نکاح نہیں کرتا یا نکاح نہ کرے مگر سزا یافتہ زانیہ سے اور سزا یافتہ زانیہ سے نکاح نہیں کرتا یا نکاح نہ کرے مگر سزا یافتہ زانی۔ ابو داؤد نے عمرو بن شعیب کی روایت سے بوساطت ابو سعید مقبری از ابو ہریرہؓ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سزا یافتہ زانی نکاح نہیں کرتا۔ (یا نکاح نہ کرے) مگر اپنی ہی جیسی سے۔ ان دونوں قولوں کا حاصل یہ ہے کہ حرمت عام اور آیت منسوخ نہیں ہے۔

سعید بن مسیب اور اہل تفسیر کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اسی آیت کی وجہ سے زانیہ سے نکاح حرام تھا لیکن جب آیت وانکحوا الایامی منکم نازل ہوئی تو اس سے حرمت مذکورہ منسوخ ہو گئی (بے شوہری عورتوں سے نکاح کرانے کی اجازت عام ہو گئی) زانیہ بھی ایامی میں داخل ہے اس سے بھی نکاح جائز ہو گیا۔

زانیہ سے نکاح کا جواز حضرت جابر کی روایت کردہ اس حدیث سے بھی ہوتا ہے جو بغوی نے نقل کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری بیوی کسی چھونے والے (یا طلبگار) کے ہاتھ کو دفع نہیں کرتی۔ فرمایا تو اس کو طلاق دے دے، اس شخص نے کہا وہ خوبصورت ہے مجھے اس سے محبت ہے (طلاق کیسے دے دوں) فرمایا تو اس سے مزے اڑا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تو ایسی حالت میں اسے روکے رکھ۔ کذا روی الطبرانی والبیہقی، عن عبید اللہ بن عمر عن عبد الکریم بن مالک عن ابی الزبیر عن جابر۔

ابن ابی جابر نے کہا میں نے اس حدیث کو اپنے باپ سے پوچھا تو انہوں نے کہا حدثنا محمد بن عبد کثیر عن عن معتمر،

Marfat.com

عن عبد الکریم، حدثنی ابو الزبیر عن مولی لبنی ہاشم۔ ہم سے محمد بن کثیر نے بحوالہ معتمر از روایت عبد الکریم بیان کیا عبد الکریم نے کہا، مجھ سے ابو الزبیر نے بنی ہاشم کے کسی آزاد کردہ غلام کی روایت سے بیان کیا۔ کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے بعد حدیث مذکور راوی نے بیان کی۔

ثوری نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے اور اس حاضر ہونے والے آدمی کا نام ہشام بتایا ہے جو بنی ہشام کا آزاد کردہ تھا ابو داؤد اور نسائی نے عبد اللہ بن عبید اللہ بن عمیر کے طریق سے بروایت ابن عباس بیان کیا ہے اور نسائی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک راوی نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس کی روایت تک پہنچایا ہے اور دوسرے راوی نے اس حدیث کو حضرت ابن عباسؓ تک اس روایت کو نہیں پہنچایا۔ موصول ثابت نہیں اس کا مرسل ہونا صحیح ہے۔ شافعی نے اس کی روایت مرسلاً کی ہے۔ نسائی اور ابو داؤد نے عکرمہ کی روایت سے اس کو حضرت ابن عباس تک پہنچایا ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا اس روایت کی سند بہت صحیح ہے۔ نووی نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے ابن جوزی نے باوجود یہ کہ اس کو صحیح سند کے ساتھ لکھا ہے لیکن موضوعات میں اس کو داخل کیا ہے۔ امام احمد کا قول منقول ہے کہ اس موضوع کی کوئی حدیث نہیں اور ہر روایت بے اصل ہے۔

فائدہ

حدیث مذکور میں آیا ہے کہ اس شخص نے اپنی بیوی کی شکایت کرتے ہوئے عرض کیا وہ کسی چھونے والے یا طلبگار کے ہاتھ کو دفع نہیں کرتی۔ اس کا مطلب کیا ہے۔ بعض اہل علم نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص بدکاری کرنا چاہتا ہے اور اس کو چھوتا ہے وہ کسی کے ہاتھ کو نہیں روکتی یہ مطلب نسائی، ابو عبیدہ، ابن الاعرابی، فطابی، فریابی اور نووی نے بیان کیا ہے بغوی اور رافعی نے یہی مطلب سمجھ کر اس سے اپنے مقصد پر استدلال کیا ہے (کہ زانیہ سے نکاح جائز ہے وہ عورت زانیہ تھی مگر رسول اللہ ﷺ نے آخر اس شخص کو اجازت دے دی کہ اگر تو اس کو طلاق نہیں دے سکتا تو اپنے نکاح میں روکے رکھ) بعض علماء نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی سائل کے ہاتھ کو رد نہیں کرتی بڑی فضول خرچ ہے جو کوئی اس سے کچھ چیز مانگتا ہے وہ دے دیتی ہے امام احمد اصمعی اور محمد بن نصر اسی مطلب کی طرف گئے ہیں۔ اس مطلب پر حدیث نا قابل استدلال ہے۔ زانیہ کے جواز نکاح کا ثبوت اس سے نہیں ہوتا۔

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے زنا کے سلسلہ میں ایک مرد ایک عورت کو پٹوایا اور ان کو ترغیب دی کہ دونوں میں نکاح ہو جائے لیکن اس مرد نے انکار کر دیا (معلوم ہوا کہ زانیہ سے زانی کا نکاح جائز ہے) طبرانی اور دار قطنی نے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرے اور پھر اس سے نکاح کر لینا چاہے تو کیا حکم ہے، فرمایا حرام حلال کو حرام نہیں بنا دیتا۔ عبد الرزاق اور ابن ابی شیبہ نے اپنی اپنی مصنف میں بیان کیا ہے کہ کسی نے حضرت ابن عباس سے پوچھا اگر کسی نے کسی عورت سے زنا کیا ہو پھر نکاح کر لینا چاہتا ہو تو کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا اس کا آغاز زنا ہے اور انجام نکاح۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ اور جو لوگ پاک دامن عورتوں کو تہمت زنا لگاتے ہیں۔ یعنی صراحۃ لفظ زنا کی کسی پاک دامن عورت کی طرف نسبت کرتے ہیں مثلاً کوئی یوں کہتا ہوں تو نے زنا کیا یا کہتا ہے اے زانیہ۔ یرمون کی یہ تفسیر تمام علمائے تفسیر و فقہ کے نزدیک مسلمہ ہے کیونکہ چار شہادتیں پیش کرنے کی شرط آیت میں صراحۃً مذکور ہے (اور یہ شرط صرف زنا ہی کے ثبوت کی ہے) اب کسی شخص نے کسی پر کسی دوسرے گناہ کی تہمت لگائی تو باجماع علماء حد قذف (تہمت زنا لگانے کی سزا) اس پر لازم نہ ہوگی۔ بلکہ حاکم حسب صوابدید اس کو تعزیر کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر صراحۃً زنا کی تہمت نہیں لگائی بلکہ پردے پردے میں تعریضاً کسی کی طرح زنا کی نسبت کی (مثلاً یوں کہا، میں تو زانی نہیں۔ مطلب یہ کہ تم زانی ہو) تو امام ابو حنیفہ امام شافعی، امام احمد، سفیان ثوری، ابن سیرین اور حسن بن صلاح کے نزدیک حد قذف جاری نہیں کی جائے گی۔ امام مالک اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک تعریض زنا پر بھی حد قذف جاری کی جائے گی۔ کیونکہ زہری نے بوساطت سالم حضرت ابن عمرؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ تعریض زنا پر بھی حضرت عمرؓ حد جاری کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کے متعلق بھی روایت میں

Marfat.com

آیا ہے کہ آپ نے تعریض زنا پر کوڑے لگوائے تھے۔
تعریض زنا حقیقت میں صراحۃً تہمت زنا لگانے کی طرح ہے اس لئے اس پر بھی حد جاری ہونا چاہئے۔ ہم کہتے ہیں تعریض، تصریح کی طرح نہیں ہوتی اسی لئے عدت کے زمانے میں بیوہ یا مطلقہ عورتوں کو پردے پردے میں پیام نکاح دینا جائز ہے اور صراحت کے ساتھ پیام نکاح عدت میں دینا ناجائز ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے ولا جناح علیکم فیما عرضتم به من خطبة النساء۔
المحصنت پاک دامن عورتیں۔ پاک دامن مردوں کو زنا کے ساتھ متہم کرنے کا بھی یہی حکم ہے اجماع امت اسی پر ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ پاک دامن عورتوں کا لفظ خصوصیت کے ساتھ اس وجہ سے ذکر کیا کہ اس آیت کا سبب نزول ایک خاص واقعہ تھا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عورتوں پر زنا کی تہمت مردوں پر تہمت لگانے کے مقابلے میں کثیر الوقوع ہے اور زیادہ شنیع بھی ہے۔

باجماع علماء احصان سے اس جگہ مراد یہ ہے کہ آزاد ہو بالغ ہو عاقل ہو مسلمان ہو پاکدامن ہو اس سے پہلے متہم بالزنا نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا من اشرک باللہ فلیس بمحصن (جس نے کسی کو اللہ کے ساتھ عبادت میں ساجھی بنایا وہ محصن نہیں ہے) اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔
اگر کسی نے اپنی عمر میں کبھی جرم زنا کا ارتکاب کیا ہو پھر توبہ کرلی ہو اور اس کی حالت درست ہو گئی ہو اور درستی پر ایک مدت گزر گئی ہو پھر اس کی طرف مجرم زنا ہونے کی کوئی نسبت کرے تو تہمت لگانے والے پر حد قذف جاری نہیں کی جائے گی کیونکہ زنا کی نسبت کرنے والا اپنے قول میں سچا ہوتا ہے البتہ اس کو تعزیر کی جائے گی کیونکہ جس شخص نے توبہ کرلی ہے اس کی طرف اس نے گزشتہ گناہ کی نسبت کی حالانکہ گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کسی باندی غلام یا بچے یا پاگل کی طرف زنا کی نسبت کرنے والا بھی حد قذف کا مستوجب نہیں ہوتا۔ داؤد کے متعلق روایت میں آیا ہے کہ ان کے نزدیک باندی غلام پر تہمت زنا لگانے والے پر حد قذف جاری کی جائے گی۔
ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ پھر نہ لائے چار مرد گواہ، یعنی متہم بالزنا نے اگر زنا کا انکار کیا ہو اور تہمت زنا لگانے والا چار گواہ نہ پیش کر سکا ہو تو تہمت لگانے والے کے کوڑے مارو اور اگر چار گواہ زنا کے پیش کر دے تو اب قذف کرنے والا سبکدوش ہو جائے گا اس کے اوپر حد قذف جاری نہیں کی جائے گی (بلکہ ثبوت زنا مکمل ہو جانے کی وجہ سے زانی کو کوڑے مارے جائیں گے) اگر چار گواہ زنا کے تو پیش کر دیئے لیکن مختلف اوقات میں متفرق طور پر پیش کئے اور سب گواہ مجتمع ہو کر نہیں آئے تو زنا کا ثبوت نہ ہو گا اور جس پر تہمت لگائی گئی ہے اس پر حد زنا جاری نہ ہو گی، امام ابو حنیفہ کا یہی مسلک ہے لیکن تہمت لگانے والا بھی مستحق سزا نہیں رہے گا وہ بھی حد قذف سے محفوظ ہو جائے گا۔ کیونکہ زنا کی شہادت کی تعداد تو بہر حال موجود ہے گواہوں کے ساتھ ساتھ آنے کی شرط محض احتیاطاً لگائی گئی ہے تاکہ زنا کی حد ساقط ہو جائے۔ قاذف (تہمت زنا لگانے والے) پر حد قاذف لازم کرنے کے لئے شرط نہیں لگائی گئی ہے (کہ اگر گواہ اجتماعی شکل میں شہادت نہ دیں یا ساتھ ساتھ نہ آئیں تو قاذف پر حد جاری کر دی جائے)۔ اسی طرح اگر متہم بالزنا نے ایک بار اقرار کر لیا تو اس پر حد زنا جاری نہ ہو گی اور نہ قاذف پر حد قذف جاری ہو گی۔
آیت میں شہداء سے مراد وہ شاہد ہیں جو شرعاً شہادت کے اہل ہوں، اسی لئے اگر اندھوں نے شہادت دی یا ایسے لوگوں نے شہادت دی جو جرم قذف کے سزا یافتہ ہوں یا شاہدوں میں کوئی غلام ہو، ان سب صورتوں میں زنا کا ثبوت نہ ہو گا، بلکہ ان گواہوں پر حد قذف جاری کی جائے گی ایسے لوگ شرعاً شہادت کے قابل نہیں ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے غلام تو نہ شاہد بننے کا اہل ہے نہ شہادت دینے کا اس کی شہادت سے تو زنا کے شبہ کا ثبوت بھی نہ ہو گا زنا کا ثبوت تو ادائے شہادت سے ہوتا ہے۔
لیکن اگر گواہ فاسق ہوں تو ان پر حد قذف تو جاری نہ ہو گی لیکن ان کی شہادت سے زنا کا ثبوت بھی نہ ہو سکے گا۔ اس لئے متہم بالزنا پر حد زنا بھی جاری نہ ہو گی، کیونکہ فاسق شہادت ادا کرنے اور شاہد بننے کا اہل تو ہے لیکن فسق کی وجہ سے اس کی شہادت

Marfat.com

میں کسی قدر ضعف ہے اس لئے فاسقوں کی شہادت سے شبہ زنا تو پیدا ہو جائے گا اور وہ حد قذف سے محفوظ رہیں گے اور ثبوت زنا نہ ہو گا اس لئے زانی پر حد زنا جاری نہ ہو گی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک فاسق گواہوں پر حد قذف جاری کی جائے گی کیونکہ شافعی کے نزدیک فاسق غلام کی طرح شہادت کا اہل ہی نہیں ہے۔

اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اگر گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو تو ان پر حد قذف جاری کی جائے گی (اللہ کی قائم کی ہوئی حد معطل نہ ہو اور مجرم آزادی کے ساتھ جرم نہ کریں) اس نیت خیر کے لئے زنا کی اور ہر جرم کی شہادت کی ضرورت تھی اور چار سے کم گواہ ہوں تو یہ غرض حاصل نہیں ہو سکتی (پھر گواہوں کی گواہی صرف بدنام کرنے اور مسلمانوں کی آبروریزی کے جذبہ کے زیر اثر مانی جائے گی بلکہ واقع میں بھی ایسا ہی ہو گا کیونکہ جب گواہوں کو معلوم ہے کہ ہماری شہادت کی تعداد کم ہے اور حد زنا ہم جاری نہیں کرا سکتے تو پھر گواہی کیوں دیتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نیت میں شر ہے وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان کی رسوائی ہو اور خواہ جرم زنا ثابت نہ ہو سکے) حاکم نے مستدرک میں ابو نعیم نے المعرفۃ میں ابو موسیٰ نے الدلائل میں اور بیہقی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر کے سامنے حضرت مغیرہ بن شعبہ کی شہادت ابو بکرہ اور نافع اور شبل بن معبد نے دی اور چوتھا گواہ زیاد تھا، اس نے صراحت کے ساتھ شہادت نہ دی تو حضرت عمرؓ نے تینوں گواہوں کو کوڑے لگوائے اور یہ واقعہ صحابہ کی ایک جماعت کی موجودگی میں ہوا اور کسی نے اس فیصلے کے خلاف انکار نہیں کیا۔ (معلوم ہوا کہ یہ فیصلہ اجماعی تھا) بخاری نے اس واقعہ کے ایک حصہ کو بطور تعلیق بیان کیا ہے۔ عبد الرزاق نے بوساطت ثوری بحوالہ سلیمان تیمی بروایت مہذی یہ واقعہ نقل کیا ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ جب زیاد نے شہادت دینے سے گریز کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ آدمی ناحق شہادت دینے والا نہیں ہے پھر تینوں کے کوڑے لگوائے۔

فَاجْلِدُوْهُمْ تو ان کے کوڑے مارو۔ یعنی اگر وہ شخص جس کے زانی ہونے کی شہادت گواہوں نے دی ہے مطالبہ کرے تو گواہوں کے کوڑے مارو۔ مطالبہ کرنے کی شرط باجماع علماء ہے، کیونکہ اس میں عبد کا حق شامل ہے اگرچہ حق اللہ کا پہلو غالب ہے اور بندے کا حق کمزور حیثیت رکھتا ہے۔ پھر بھی بندے کا حق اس سے متعلق ہے (اس کی عزت و ذلت کا معاملہ ہے) اور بندے کے حق کے لئے مدعی کی طرف سے اپنے حق کی طلب ضروری ہے۔

ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً بشرطیکہ گواہی دینے والے آزاد ہوں غلام نہ ہوں اگر گواہ غلام ہوں تو باجماع فقہاء ہر ایک کی سزا آدھی ہو جائے گی، یعنی ہر غلام گواہ کے چالیس کوڑے مارے جائیں گے۔ فقہاء نے حد قذف کو حد زنا پر قیاس کیا ہے (زانی غلام یا باندی ہو تو پچاس کوڑے مارے جانے کا حکم آیت قرآنی اور حدیث میں آیا ہے۔ اس لئے قاذف اگر غلام ہو تو اس کی سزا بھی آدھی ہو گی)۔ اللہ نے زانی باندیوں کے متعلق فرمایا فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ من العذاب۔

بیہقی نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ نے بیان کیا میں نے حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور ان کے بعد والے خلفاء کے دور خلافت میں ہر خلیفہ کو یہی پایا کہ وہ باندی غلام کو (جس نے کسی پر تہمت زنا لگائی ہو) چالیس کوڑے مارتے تھے۔

امام مالک نے مؤطا میں یہ اثر نقل کیا ہے مگر اس میں حضرت ابو بکرؓ کا نام نہیں ہے، امام اوزاعی کے نزدیک غلام کی حد قذف آزاد کے برابر ہے۔

وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ اور ان کی شہادت آئندہ کبھی قبول نہ کرو۔ اس جملہ کا عطف فاجلدوا پر ہے۔ مبتداء میں شرط کا معنی ہے فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا پوری عبارت جزا ہے، ہمارے نزدیک یہ دونوں ٹکڑے یعنی کوڑے مارنا اور آئندہ کبھی شہادت نہ قبول کیا جانا حد قذف کے دو جزو ہیں، دونوں کا مجموعہ پوری سزا ہے کیونکہ دونوں میں خطاب حاکموں کو ہے انہیں کو حکم دیا گیا ہے کہ کوڑے ماریں اور آئندہ شہادت قبول نہ کریں۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ﴿۴﴾ اور یہ لوگ یقیناً اللہ کے نافرمان ہیں۔ یہ جملہ علیحدہ ہے اس کا تعلق پہلے

Marfat.com

دونوں جملوں سے نہیں ہے، پہلے دونوں انشائیہ ہیں اور یہ جملہ خبریہ ہے حقیقت میں اس جملہ سے ایک شبہ کو دفع کرنا مقصود ہے۔ شبہ کیا جاسکتا ہے کہ حدود تو صرف شبہ پیدا ہونے سے ساقط ہو جاتی ہیں پھر قاذف پر حد جاری کرنے کا حکم کیوں دیا گیا۔ قذف میں سچے ہونے کا بھی تو احتمال ہے (خواہ نصاب شہادت مکمل نہ ہو) اور یہ بھی ممکن ہے کہ قاذف نے محض نیکی کے جذبے کے زیر اثر اللہ کے قانون کو تعطل سے محفوظ رکھنے کے لئے لوجہ اللہ شہادت دی ہو۔ (اور نصاب شہادت پورا نہ ہونے کی وجہ سے ثبوت زنا نہ ہو سکا)۔ اس شبہ کو زائل کرنے کے لئے فرمایا کہ ایسے لوگ فاسق ہیں، اللہ کے نافرمان ہیں۔ جب چار گواہ نہیں پیش کر سکتے تو معلوم ہوتا ہے ان کی نیت بخیر نہیں یہ مسلمان کی آبروریزی کرنی چاہتے ہیں، ان کے دلوں کے اندر نیکی کا جذبہ نہیں ہے۔ ان کو حد خداوندی کا اجراء مقصود نہیں ہے۔ اس لئے سزا کے مستحق ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا لاتقبلوالھم علیحدہ جملہ ہے عدم قبول شہادت کو حد قذف میں دخل نہیں (سزائے تازیانہ صرف حد قذف ہے) شہادت قبول نہ کرنے کی حد قذف سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ حد قذف ایک فعل ہے جس کی اقامت حاکم پر لازم ہے اور عدم قبول شہادت حرمت فعل ہے۔ (اس کی حیثیت سلبی اور منفی ہے) اس کے بعد اولئک ھم الفسقون شہادت کو رد کردینے کی علت ہے۔ ہم کہتے ہیں رد شہادت کی مناسبت حد قذف سے بہت زیادہ ہے۔ قاذف پر حد جاری کرنے کا حکم زجر و توبیخ کے لئے دیا گیا ہے تاکہ لوگ جھوٹی تہمت زنا نہ لگائیں اور دوامی رد شہادت میں زجر ضرب تازیانہ سے زیادہ ہے۔ اسی لئے عدم قبول شہادت کے بعد ابداً کا لفظ فرمایا۔ ظاہر ہے کہ فسق سے ہمیشہ کے لئے شہادت رد نہیں ہوتی، فاسق کی شہادت اسی وقت تک قابل رد ہے جب تک وہ فاسق ہو۔

ایک شبہ:۔ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا کا یہ مطلب ہے کہ جب تک قاذف تہمت زنا پر جمار ہے اس کی شہادت قبول نہ کرو اور جب توبہ کرلے تو اس کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے۔ جیسے یوں کہا جائے کہ کافر کی شہادت کبھی قبول نہ کرو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ کفر پر قائم رہے اس کی شہادت قبول نہ کرو جب کفر سے تائب ہو جائے تو اس کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے۔

ازالہ:۔ کافر پر فاسق کو قیاس کرنا غلط ہے کافر کی شہادت قبول نہیں کی جاتی یا نہ قبول کرو۔ اس کے اندر تو خود یہ مفہوم موجود ہے کہ جب تک وہ کافر ہے اس کی شہادت قبول نہ کرو۔ اس لئے ابداً کا لفظ بڑھانے کی ضرورت نہیں، اگر کسی مشتق پر کوئی حکم مبنی ہو تو وصفی معنی حکم کی علت ہوتا ہے (جیسے اپنے دوست زید سے اچھا سلوک کرو۔ یعنی اچھا سلوک زید سے اس لئے کرو کہ وہ تمہارا دوست ہے زید کے دوست ہونے کا وصف حسن سلوک کے حکم کی علت ہے ہکذا صرح الشیخ عبد القاہر۔ مترجم) پس کافر کی شہادت قبول نہ کرنے کے حکم کی ساتھ ابداً کی قید لغو اور بے فائدہ ہے (لیکن قاذف کی شہادت قبول نہ کرنے کے حکم کے ساتھ ابداً زیادتی زجر و توبیخ کا فائدہ دے رہی ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ کرلیں اور (اپنے اعمال واحوال کو) درست کرلیں تو اللہ غفور (و) رحیم ہے۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا الا الذین کا استثناء گزشتہ آخری جملہ کی طرف راجع ہے (یعنی جو لوگ توبہ کرلیں گے اور اپنے احوال کی درست کرلیں گے وہ فاسق نہیں رہیں گے مطلب یہ ہے کہ توبہ سے قذف کی سزا معاف نہیں ہوگی صرف فاسق ہونے کا حکم جاتا رہے گا) اصول فقہ میں امام ابو حنیفہ کا مسلک یہی ہے کہ جب استثناء چند جملوں کے بعد آئے تو اس کا رجوع آخری جملہ کی طرف ہوتا ہے ہاں اگر کوئی قرینہ ایسا موجود ہو جو آخری جملہ کی طرف راجع کرنے سے مانع ہو تو مجبوراً کل کی طرف استثناء کو راجع کیا جائے گا۔

امام صاحب کی تفسیر مذکور کے چند دلائل ہیں (۱) استثناء کے ساتھ آخری جملہ ہی متصل ہے (۲) آخری جملہ اپنے حکم کے لحاظ سے سابق جملوں سے کٹا ہوا ہے اس کی رفتاری ترتیب ہی جدا ہے گو ضمیر اور اسم اشارہ کے لحاظ سے اس کا اتصال گزشتہ

Marfat.com

تمام جملوں کے ساتھ ہے (۳) استثناء کی شرط یہ ہے کہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ متصل ہو اور اس جگہ آخری جملہ سابقہ گزشتہ جملوں کے اور مستثنیٰ کے درمیان حائل ہے (۴) استثناء کا رجوع سابق کلام کی طرف اس مجبوری کے تحت ہوتا ہے کہ تنہا استثناء کا کوئی مستقل معنی نہیں ہوتا اور یہ ضرورت صرف ایک جملہ سے مربوط کرنے سے پوری ہو جاتی ہے اور جملہ اخیرہ کی طرف رجوع تو بہر حال سب علماء کے نزدیک مسلم ہے اس لئے دوسرے جملوں سے وابستہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ گزشتہ کلام استثناء پر موقوف ہوتا ہے کیونکہ اس کے حکم کو بدلنا تو ضروری ہوتا ہے، استثناء سے وہ حکم بدل جاتا ہے اب یہ تغیر حکم کی ضرورت آخری جملہ کی طرف راجع کرنے سے پوری ہو جاتی ہے۔

ایک شبہ :- واؤ عطف کے لئے اور سابق کلام کو لاحق کلام کے ساتھ شریک کرنے کے لئے آتا ہے اور سابق میں معطوف معطوف علیہ کی شکل میں چند جملے مذکور ہیں۔ لہٰذا تمام جملوں کا استثناء میں اشتراک ہونا چاہئے۔

ازالہ :- عطف کا یہ مطلب نہیں کہ پورے جملہ کا حکم میں اشتراک ہو حرف عطف تو شرکت اعرابی کو ظاہر کرتا ہے (ہر جملے کا حکم جدا جدا ہوتا ہے) استثناء سے کلام سابق کا حکم بدل جاتا ہے۔ پس ہر جملے کی شرکت استثناء میں نہیں ہوگی۔

(۵) توبہ سے فسق ختم ہو جاتا ہے، حدود ساقط نہیں ہوتیں۔ امام شافعی وغیرہ کے نزدیک اگر کوئی قرینہ مانع نہ ہو تو سابق میں جتنے جملے معطوف معطوف علیہ کی شکل میں ذکر کئے گئے ہوں سب کی طرف استثناء کا رجوع ہوتا ہے۔ اسی لئے امام شافعی کا قول ہے کہ توبہ سے حد قذف ساقط ہو جاتی ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک توبہ سے حد ساقط نہیں ہوتی۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اس جگہ استثناء کا رجوع آخر کے دو جملوں کی طرف ہے اول جملہ کی طرف نہیں ہے۔

جملہ لا تقبلوا چونکہ سابق سے بالکل منقطع ہے اور عدم قبول شہادت حد قذف میں داخل نہیں ہے۔ اس لئے استثناء کا رجوع پہلے جملے کی طرف نہیں ہوگا اس سے روکنے والا قرینہ موجود ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ استثناء کا رجوع گزشتہ تینوں جملوں کی طرف ہے اور اس سے لازم نہیں آتا کہ توبہ کے بعد حد ساقط ہو جائے۔ کیونکہ توبہ کامل اس وقت تک نہیں ہو سکتی، جب تک حد شرعی کے اجراء کو قبول نہ کرلے، یا جس پر تہمت لگائی ہے۔ اس سے معافی طلب کرلے اور وہ معاف کردے۔

میں کہتا ہوں توبہ کا معنی صرف یہ ہے کہ اپنے کئے پر ندامت ہو اور اللہ سے معافی طلب کرلے۔ پس اگر توبہ سے حد کا ساقط ہو جانا فرض کر لیا جائے تو پھر حد شرعی کو قبول کرنا واجب نہیں قرار پاتا، اسی بنیاد پر امام شافعیؒ نے فرمایا کہ تہمت لگانے والے کی شہادت صرف تہمت زنا لگانے سے ہی واجب الرد ہو جاتی ہے، خواہ تہمت زدہ شخص حد قذف کا مطالبہ کرے یا نہ کرے کیونکہ قاذف فاسق ہو جاتا ہے۔ اب توبہ کرنے اور پشیمان ہونے اور اپنی حالت کو درست کر لینے کے بعد اس کی شہادت قابل قبول ہو جاتی ہے۔ خواہ اجراء حد کے بعد پشیمان ہو جائے اور توبہ کرلے یا اجراء سزا سے پہلے بہر حال فسق کا دھبّہ توبہ کے بعد زائل ہو جاتا ہے اور آئندہ مردود الشہادہ نہیں رہتا۔

بغوی نے لکھا ہے یہ تشریح حضرت عمر اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، شعبی، عکرمہ، زہری اور عمر بن عبد العزیز کا بھی قول ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا، حد لگائے جانے کے بعد تو قاذف کی حالت اجراء حد سے پہلے کے مقابلہ میں بہتر ہو جاتی ہے کیونکہ حدود گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں۔ (ان سے گناہوں کا اتار ہو جاتا ہے) تو پھر کیا وجہ اچھی حالت ہونے کے بعد تو اس کی شہادت رد کر دی جائے اور بری حالت میں جبکہ اس پر ابھی حد جاری نہ کی گئی ہو اس کی شہادت قابل قبول ہو۔

ہم کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک جو قاذف کی شہادت محض قذف سے ہی (اجرائے حد سے پہلے ہی) واجب الرد ہو جاتی ہے خواہ تہمت زدہ معصوم مطالبہ کرے یا نہ کرے کیونکہ تہمت زنا لگاتے ہی وہ فاسق ہو جاتا ہے اب اگر تہمت زدہ محض اجرائے حد کا مطالبہ نہیں کرتا تو حد جاری نہیں کی جائے گی، لیکن جب تک توبہ نہ کرے گا شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ حضرت عمرؓ

Marfat.com

کی روایت میں آیا ہے کہ آیت الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کا توبہ کرنا ہی اپنے قول (تہمت زنا) کو جھٹلانا ہے (یعنی جب انہوں نے توبہ کی اور اپنے کیے ہوئے پر پشیمان ہوئے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے اپنے آپ کو جھوٹا مان لیا اور تسلیم کر لیا کہ ہم نے جھوٹ کہا) اب اگر انہوں نے خود اپنی تکذیب کر دی (یعنی توبہ کرلی) تو مردود الشہادۃ آئندہ نہ رہے، یہ حدیث اگر پایۂ صحت کو پہنچ جائے تو امام شافعی کے مسلک کا ثبوت اس سے ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں احادیث احاد اگر صراحت قرآن کے خلاف ہوں تو ان کو نہیں مانا جاسکتا۔ قرآن میں تو لا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا صراحت کے ساتھ آگیا ہے اب اگر توبہ کرلے گا تو قبول شہادت کے قابل ہو جائے گا۔ فسق کا دھبہ چھوٹ جائے گا۔ اور اگر تہمت زدہ کے مطالبہ کی وجہ سے حد جاری ہو گئی اور اسّی کوڑے لگ گئے تو اس کی شہادت اب کبھی قبول نہیں کی جائے گی خواہ اس نے توبہ کرلی ہو یا نہ کی ہو، کیونکہ رد شہادت کا حکم حق عبد کی وجہ سے ہے اور بندے کا حق توبہ سے ساقط نہیں ہوتا۔

فائدہ

علماء کا اتفاق ہے کہ حد قذف سے اللہ کے حق کا بھی تعلق ہے اور بندے کے حق کا بھی تہمت زدہ شخص کی رسوائی اور آبروریزی کے عار کو دور کرنے کے لئے حد قذف کا قانون جاری کیا گیا ہے۔ اس سے تہمت زدہ شخص کو خصوصی فائدہ پہنچتا ہے اسی لئے علماء اس کو حق عبد قرار دیتے ہیں، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ حد قذف جرائم سے روکنے والی ہے اس لئے اس کو حد کہا جاتا ہے اس قانون کو جاری کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسانی دنیا تباہی فساد اور فتنہ سے محفوظ رہے اس لئے اس کو حق اللہ کہا جاتا ہے چونکہ یہ بندے کا حق ہے اس لئے اس کو جاری کرنے کے لئے مدعی کی طرف سے مطالبہ شرط ہے اور قدیم ہونے کی وجہ سے شہادت باطل نہیں ہو جاتی اور مستامن کافر پر بھی اس کا اجراء ہوتا ہے اور قاضی کو اگر اس کا علم مدت حکومت کے زمانے میں ہو تو وہ یہ سزا جاری کر دے گا، لیکن اگر زمانۂ حکومت سے پہلے علم تھا تو جب تک حکومت کے زمانہ میں شہادت اس کے سامنے نہ آئے وہ سابق شہادت پر حد جاری نہیں کرے گا اور اگر ایک شخص حد زنا اور حد قذف دونوں کا مستحق ہو یا حد سرقہ اور حد قذف دونوں کا مجرم قرار پائے تو حد قذف پہلے جاری کی جائے گی (کیونکہ حد زنا اور حد سرقہ دونوں خالص حق اللہ ہیں اور بندے کا حق اللہ کے حق پر مقدم ہوتا ہے) اور اقرار کے بعد اس سے لوٹ جانا درست نہیں (زنا کے اقرار سے لوٹ جانا تو صحیح ہے لیکن شہادت زنا دینے کے بعد لوٹ جانا جائز نہیں) اور چونکہ حد قذف سے اللہ کا حق متعلق ہے اس لئے تہمت زدہ شخص یعنی مدعی خود قاذف کو سزا نہیں دے سکتا۔ سزا جاری کرنے کا اختیار صرف حاکم کو ہے اور شبہات پیدا ہونے کی صورت میں حد قذف ساقط ہو جاتی ہے (کیونکہ حق اللہ ہے) اور حد ساقط ہو جانے کے بعد (دیت کی طرح) مالی معاوضہ میں بتدیل نہیں ہو جاتی۔ اور نہ قاذف سے قسم لی جاسکتی ہے (اگر بندہ کا خالص حق ہوتا ہے تو شہادت نہ ہونے کی صورت میں قاذف سے حلف لیا جاتا) اور غلام قاذف ہو تو سزا آدھی ہو جاتی ہے۔ حقوق اللہ کی حیثیت سے جو سزائیں واجب ہیں ان سب میں غلام کے لئے تنصیف ہو جاتی ہے۔ علوم ہوا کہ حد قذف بھی اللہ کا حق ہے۔ البتہ حق عبد کے سلسلہ میں کی جو سزائیں ہیں اور ان کی مقدار کی کمی بیشی تلف حق کی کمی بیشی کے موافق ہوتی ہے۔ حق تلف کرنے والا کوئی ہو غلام ہو یا آزاد اس سے سزا کی کمی بیشی کا تعلق نہیں ہوتا۔

مذکورہ بالا تمام فروعی مسائل پر ائمہ کا اتفاق ہے اور حد قذف میں اللہ اور بندے کے حق کا مشترک ہونا اجماعی فیصلہ ہے لیکن اس میں غالب کس کا حق ہے اللہ کا یا بندہ کا، اس میں ضرور اختلاف ہے، امام شافعی کے نزدیک بندے کا حق غالب ہے، بندہ محتاج ہے اور اللہ بے نیاز۔ امام ابو حنیفہ کا قول اس کے برعکس ہے کیونکہ بندے کے حق کا ذمہ دار تو اللہ ہے، اللہ کے حق میں بندے کا حق بھی ملحوظ رہتا ہے اور اللہ کا حق بندہ وصول نہیں کر سکتا، ہاں اللہ کا نائب ہونے کی حیثیت سے وصول کرتا ہے اس اختلاف پر بہت سے مختلف مسائل متفرع ہوتے ہیں۔ جن کی کچھ تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) حد قذف کے مطالبہ کا حق تہمت زدہ کے وارثوں کو بھی منتقل ہو سکتا ہے، امام شافعی کا یہی قول ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک حد قذف کے مطالبہ کا حق وارثوں کو نہیں ہوتا اللہ کے حق میں میراث جاری نہیں ہوتی۔ بدنوں کے حقوق کا انتقال

Marfat.com

وارثوں کی جانب ہو سکتا ہے خواہ وہ حقوق مالی ہوں یا مال سے تعلق رکھنے والے ہوں جیسے ضمانت و کفالت یا مال میں تبدیل ہو جاتے ہوں جیسے قصاص۔ اور حد قذف ان تینوں شقوں میں سے کسی میں شامل نہیں ہے اس لئے تہمت زدہ شخص کے وارثوں کو یہ حق منتقل نہیں ہو سکتا بلکہ مقذوف کے مرنے کے بعد حد قذف باطل ہو جاتی ہے خواہ اقامت حد سے پہلے مقذوف مر جائے تو جتنی حد باقی رہ گئی ہو وہ باطل ہو جائے گی۔ شافعی کا قول اس کے خلاف ہے۔

(۲) ثبوت حد کے بعد اگر مقذوف معاف کر دے تو حد ساقط نہیں ہو جاتی۔ امام ابو حنیفہ کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعی اور ایک روایت میں ہے جب امام ابو یوسف کے نزدیک ساقط ہو جاتی ہے ہاں اگر مقذوف کہے کہ اس نے مجھے تہمت زنا نہیں لگائی اور گواہ جھوٹے ہیں تو بالاتفاق حد ساقط ہو جاتی ہے کیونکہ (مدعی کے انکار و تردید کی صورت میں) تہمت زنا کا تحقق ہی نہیں پھر سزا کا وجوب کیسے ہو گا یہ بات نہیں ہے کہ سزا کا وجوب ہو گیا تھا پھر ساقط کر دی گئی۔ ہاں قصاص، وجوب (یعنی ثبوت قتل) کے بعد بھی ورثاء مقتول کی معاف کر دینے سے معاف ہو جاتا ہے کیونکہ قصاص میں حق عبد غالب ہے۔

(۳) امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک مال یا کوئی اور چیز قذف کا عوض نہیں قرار دی جا سکتی کیونکہ حد قذف میں اللہ کا حق غالب ہے۔) امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک حد قذف کا معاوضہ ہو سکتا ہے۔

(۴) امام ابو حنیفہ کے نزدیک حد قذف میں مداخل ہو سکتا ہے (یعنی متعدد جرائم کی سزا میں ایک ہی مرتبہ حد جاری کی جائے گی) یہاں تک کہ اگر ایک ہی شخص پر چند مرتبہ تہمت زنا لگائی یا چند آدمیوں پر لگائی (اور ثبوت شرعی نہ ہو گا) تو سب کی پاداش میں ایک ہی حد قذف جاری کی جائے گی۔ بشرطیکہ ایک قذف کے بعد سزا نہ دی جا چکی ہو (یعنی اگر تہمت زنا میں حد قذف جاری کر دی گئی اور سزا پانے کے بعد اس شخص نے پھر دوبارہ کسی اور پر یا پہلے ہی شخص پر تہمت زنا لگائی تو دوبارہ حد جاری کی جائے گی پہلی سزا بعد والے جرم کے لئے کافی نہ ہو گی) اور اگر ایک مقذوف نے مطالبہ کیا اور حد جاری کر دی گئی اور ابھی کوڑے پورے اسی لگنے نہ پائے تھے کہ دوسرے شخص نے (جس پر اسی شخص نے تہمت لگائی تھی) بھی اپنے حق کا مطالبہ کیا تو (دوسری حد جاری نہ ہو گی بلکہ) پہلی ہی سزا کا باقی حصہ پورا کر دیا جائے گا۔ امام شافعیؒ جواز تداخل کے قائل نہیں ہیں۔

میں کہتا ہوں یہ بات مسلمہ ہے کہ حد قذف میں اللہ کا حق اور بندے کا حق دونوں مشترک ہیں مذکورۃ الصدر متفق علیہا مسائل اس کے شاہد ہیں اور یہ امر بھی ثابت شدہ ہے کہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں تو گویا اس طرح کہا جائے کہ ایک حق تو وجوب حد کا مقتضی ہے اور دوسرا حق سقوط حد کا خواستگار لہٰذا سقوط حق کا فتویٰ ہونا چاہئے کیونکہ اگر غلط طور پر معافی ہو جائے تو اس سے بہتر ہے کہ غلط طور پر سزا دی جائے (حضرت عمر کا یہ قول پہلے نقل کر دیا گیا ہے) اس تنقیح کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ جو حد قذف میں وراثت کو جائز نہیں قرار دیتے ان کا یہ قول صحیح ہے اور اگر مقذوف معاف کر دے تو سزا ساقط ہو جانا چاہئے مقذوف کی طرف سے مطالبہ ہی نہیں رہا اور اجرائے حد کے لئے مطالبہ شرط ہے پس امام شافعی جو اس صورت میں سقوط حد کے قائل ہیں ان کا قول اس مسئلہ میں درست ہے اور تداخل بھی حد قذف میں ہونا چاہئے جیسا کہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے اور اگر قاذف اور مقذوف نے کسی معاوضہ پر باہم صلح کر لی تو چونکہ مقذوف سقوط حد پر راضی ہو گیا اس لئے حد ساقط ہو جانا چاہئے اور چونکہ اللہ کے حق کا بھی تعلق ہے اس لئے قاذف کے ذمہ مال کی ادائیگی لازم نہ ہونی چاہئے۔

بخاری نے صحیح میں حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ ہلال بن امیہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی بیوی پر شریک بن سمحاء سے زنا کرنے کی تہمت لگائی (واقعہ یقیناً سچا تھا لیکن شرعی شہادت موجود نہیں تھی اس لئے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (یا تو شرعی ثبوت پیش کرو) ورنہ تمہاری پشت پر کوڑے مارے جائیں گے ہلال نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر کوئی شخص کسی کو اپنی بیوی پر دیکھے تو کیا گواہوں کو تلاش کرنے جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یا گواہ یا تمہاری پشت پر کوڑے۔ ہلال نے کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے میں بلاشک و شبہ سچا ہوں اللہ ضرور (کوئی حکم ایسا) نازل فرمائے گا جس سے میری پشت کوڑوں سے بچ جائے گی۔ اس وقت جبرئیل آیات ذیل لے کر نازل ہوئے۔

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ اور جو لوگ اپنی بیویوں کی طرف زنا کی نسبت کرتے ہیں۔ کیفیت وحی دور ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت ان کان من الصدقین تک تلاوت فرمائی حسب الحکم ہلال آئے اور انہوں نے شہادت دی یعنی لعان کیا اور حضور برابر فرماتے رہے کہ اللہ جانتا ہے کہ تم دونوں میں ایک جھوٹا ہے تو کیا تم دونوں میں سے کوئی ایک اپنے قول سے رجوع کرلے گا۔ ہلال کی شہادت کے بعد عورت کھڑی ہوئی اور اس نے شہادت دی یعنی لعان کیا جب پانچویں شہادت کا نمبر آیا تو لوگوں نے اس کو روکا اور کہا یہ شہادت فیصلہ کر دینے والی ہے (اگر تو نے جرم کیا ہے تو شہادت سے اب بھی لوٹ سکتی ہے) عورت ذرا جھجکی اور مڑی یہاں تک کہ ہمارا خیال ہوا کہ یہ (شہادت سے) لوٹ جائے گی پھر کہنے لگی میں اپنے خاندان کو آئندہ ہمیشہ کے لئے رسوا نہیں کروں گی چنانچہ اس نے شہادت جاری رکھی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس عورت کو دیکھتے رہنا (اگر اس کے بچہ پیدا ہو) اور آنکھیں سرمگیں ہوں سرین بھاری ہوں اور پنڈلیاں گداز ہوں تو (خیال کر لینا کہ) وہ شریک بن سحما کا ہے چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو وہ ایسا ہی تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر کتاب اللہ کا فیصلہ نازل نہ ہوا ہوتا تو پھر میں اس عورت سے سمجھتا۔

صحیح میں حضرت سہل بن سعد ساعدی کی روایت سے آیا ہے کہ ابن عویمر عجلانی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو (مشغول) دیکھ لے تو کیا کرے اگر وہ قتل کر دے گا تو لوگ (قصاص میں) اس کو قتل کر دیں گے (گواہ لینے جائے گا تو مرد فارغ ہو کر جا چکے گا) بتائیے وہ کیا کرے حضور ﷺ نے فرمایا تمہارے اور تمہاری بیوی کے معاملہ میں حکم نازل ہو گیا ہے جاؤ اپنی بیوی کو لے آؤ حضرت سہل کا بیان ہے پھر دونوں نے مسجد کے اندر لعان کیا میں اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھا لعان سے دونوں فارغ ہو گئے تو عویمر نے عرض کیا یا رسول اللہ اب اس کے بعد میں اس عورت کو اپنے پاس رکھوں گا تو (گویا) میں نے اس پر تہمت تراشی کی (کیونکہ غیرت مند آدمی زناکار عورت کو اپنے نکاح میں نہیں رکھتا ہے) چنانچہ انہوں نے عورت کو تین طلاقیں دیدیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ذرا دیکھتے رہنا اگر اس عورت کے بچہ پیدا ہو اور وہ سانولا، سیاہ چشم بھاری سرینوں اور گداز پنڈلیوں والا ہو تو میرا خیال ہو جائے گا کہ عویمر (یعنی ابن عویمر) نے سچ کہا تھا اور اگر اسی کی طرح سرخ رنگ کا ہوا تو میں سمجھوں گا کہ عویمر نے اس عورت پر دروغ بندی کی چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو وہ ویسا ہی تھا جس سے رسول اللہ ﷺ کے بیان کے مطابق عویمر کی سچائی ظاہر ہوتی تھی چنانچہ آئندہ اس بچہ کا نسب ماں سے ملایا جاتا (اور ولد عویمر نہیں کہا جاتا تھا)

امام احمد نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ المحصنت ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدو هم ثمنين جلدة ولا تقبلو الهم شهادة ابداً نازل ہوئی تو انصار کے سردار حضرت سعد بن عبادہ نے عرض کیا (کیا) اسی طرح آیت نازل ہوئی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے گروہ انصار سن رہے ہو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے (اس کو نزول آیت میں شبہ ہے) انصار نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان کو آپ برا نہ کہیں یہ بڑے غیرت مند آدمی ہیں بخدا انہوں نے (کبھی کسی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح نہیں کیا) ہمیشہ ناکتخدا سے ہی نکاح کیا اور نہ اپنی کسی بیوی کو طلاق دی (یعنی جس عورت کا پردہ کسی مرد نے اٹھالیا ہو اس کو انہوں نے کبھی ساتھ رکھنا پسند نہیں کیا اور انتہائی غیرت یہ کہ کسی عورت کو طلاق نہیں دی کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکے) ان کی اسی شدت غیرت کی وجہ سے ہم میں سے کوئی شخص جرأت نہیں کر سکتا کہ (اگر ان کی چھوڑی ہوئی کوئی عورت ہو تو) اس سے نکاح کرلے حضرت سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ قربان بخدا یہ تو میں ضرور جانتا ہوں کہ یہ آیت حق ہے اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے لیکن مجھے تعجب اس بات پر ہے کہ اگر میں بدکار عورت کو اس حالت میں دیکھوں کہ کوئی شخص اس کو اپنی رانوں میں دبائے ہوئے ہے تو مجھے یہ بھی اجازت نہیں کہ میں اس کو اس کی جگہ سے ہلا سکوں جب تک کہ چار گواہ لا کر ان کو آنکھوں سے دکھا نہ دوں خدا کی قسم جب تک میں گواہ لاؤں گا وہ شخص اپنا کام کر کے چل دے گا۔ اس واقعہ کو زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ ہلال بن امیہ کا قصہ ہو گیا حضرت ہلال

Marfat.com

ان تینوں میں سے ایک تھے جن کی توبہ قبول ہونے کی صراحت آیت میں آئی تھی (غزوۂ تبوک کو تین شخص باوجود مقدرت کے نہیں گئے تھے اور واپسی کے وقت حاضر خدمت ہو کر انہوں نے سچ سچ عرض کر دیا تھا اور اپنے قصور کا اعتراف کر لیا تھا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان پر سخت عتاب کیا تھا اور مسلمانوں کو ان کے بائی کاٹ کا حکم دیدیا تھا انہوں نے چالیس پچاس دن برابر اللہ سے زاری کی اور روتے رہے آخر ان کی توبہ قبول ہوئی اور قبول توبہ کی آیت اللہ نے نازل فرمادی، واقعہ یوں ہوا کہ حضرت ہلال رات کو اندھیرا پڑے اپنی زمین سے واپس آئے آکر دیکھا کوئی شخص ان کی بیوی کے پاس موجود ہے (اور کام میں مشغول ہے) آپ نے اپنی آنکھوں سے ان کی حرکت دیکھی اور اپنے کانوں سے ان کی باتیں سنیں لیکن اس شخص کو متنبہ نہیں کیا صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میں اندھیرا پڑے گھر آیا تو میں نے اپنی بیوی کے پاس ایک آدمی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے (ان کی باتیں) سنیں رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ناگوار ہوئی اور بار گزری۔ دوسری طرف انصار جمع ہوئے اور انہوں نے کہا سعد بن عبادہ کے قول نے ہم کو آزمائش میں ڈال دیا۔ اب ہلال بن امیہ کو رسول اللہ (کوڑے) لگوائیں گے اور لوگوں میں ان کی شہادت کو باطل قرار دیں گے۔ ہلال نے کہا خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ اللہ میرے لئے اس سے رہائی کا کوئی راستہ ضرور نکال دے گا (راوی کا بیان ہے) رسول اللہ ﷺ کوڑے لگوانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ اللہ نے آپ پر وحی نازل فرمائی۔ جب وحی نازل ہو گئی (اور حضور ﷺ نے سنادی) لوگ ہلال کو کوڑے مارنے سے رک گئے۔

آیت نازلہ یہ تھی والذین یرمون ازواجھم الخ ابو یعلی نے ایسا ہی بیان حضرت انس کا نقل کیا ہے بغوی نے یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد اس کے آخر میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہلال تم کو خوش خبری ہو اللہ نے تمہارے لئے کشائش پیدا کر دی ہلال نے کہا مجھے اللہ سے اس کی امید تھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت کو بلواؤ حسب الحکم عورت حاضر ہوئی جب دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اکٹھے ہوئے تو عورت سے (ہلال کا قول) کہا گیا عورت نے ہلال کے قول کو جھوٹا قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ یقیناً جانتا ہے کہ تم دونوں میں ایک جھوٹا ہے تو کیا تم دونوں میں سے کوئی (اپنے بیان سے) رجوع کرنے والا ہے۔ ہلال نے کہا یا رسول اللہ میرے ماں باپ قربان میں سچ کہہ چکا اور میں نے حق بات کہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو ان دونوں کے درمیان لعان کرادو۔ حسب الحکم ہلال سے کہا گیا شہادت دو ہلال سے فرمایا ہلال اللہ سے ڈرو دنیوی عذاب آخرت کے عذاب سے آسان ہے اور اللہ کا عذاب لوگوں کے عذاب سے بہت زیادہ سخت ہے اور یہ پانچویں شہادت واجب کر دینے والی ہے (اگر تو جھوٹا ہے تو) عذاب کو تجھ پر واجب کر دے گی۔ ہلال نے کہا خدا کی قسم اللہ اس شہادت پر مجھے عذاب نہیں دے گا جس طرح رسول اللہ ﷺ اس پر میرے کوڑے نہیں ماریں گے۔ اس کے بعد پانچویں شہادت میں ہلال نے کہا کہ اللہ کی لعنت مجھ پر اگر میں جھوٹا ہوں پھر پانچویں شہادت کے وقت رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کو روکا اور فرمایا اللہ سے ڈر پانچویں شہادت یقیناً واجب کر دینے والی ہے اور اللہ کا عذاب لوگوں کے عذاب سے زیادہ سخت ہے یہ سن کر عورت تھوڑی دیر کے لئے کچھ جھجکی اور اقرار کرنے کا ارادہ کیا لیکن پھر کہنے لگی خدا کی قسم میں اپنے خاندان کو رسوا نہیں کروں گی۔ چنانچہ اس نے پانچویں شہادت دے دی اور کہا اللہ کا مجھ پر غضب ہو اگر وہ (ہلال) سچا ہو، آخر رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو الگ الگ کر دیا اور فیصلہ کر دیا کہ بچہ (اگر ہوگا تو) عورت کا ہوگا باپ کی طرف اس کی نسبت نہیں کی جائے گی لیکن بچہ کو ولد حرام نہیں کہا جائے گا۔ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر بچہ ایسا ایسا ہو تو شوہر کا ہوگا اور اگر ایسا ایسا ہو تو وہ اس شخص کا ہوگا جس کا نام لیا گیا ہے۔ چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو خاکستری رنگ کے اونٹ کی طرح بدشکل تھا جو آئندہ زندگی میں مصر کا حاکم بنا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ میرا باپ کون تھا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ تمام روایات میں حضرت ابن عباس کا بیان مندرجہ ذیل آیا ہے اور یہی مقاتل نے بیان کیا کہ جب آیت والذین یرمون المحصنت الخ نازل ہوئی اور منبر پر رسول اللہ ﷺ نے پڑھ کر سنائی تو عاصم بن عدی انصاری نے اٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ مجھے آپ پر قربان کر دے (یہ فرمایئے) اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو (مشغول) دیکھ لے اور جو کچھ دیکھا ہے اس کو بیان کر دے تو اس کے اسّی کوڑے مارے جائیں گے اور مسلمان اس کو فاسق

Marfat.com

کہیں گے اور آئندہ اس کی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ ہم گواہ اس وقت تک کہاں سے لا سکتے ہیں گواہوں کی تلاش میں جائیں گے تو اتنے وقت میں وہ شخص اپنے کام سے فارغ ہو کر جا چکا ہو گا۔ انہی عاصم کے ایک چچازاد تھے جن کا نام عویمر تھا اور عویمر کی بیوی خولہ بنت قیس بن محصن تھیں (چند روز بعد کا ذکر ہے کہ) عویمر عاصم کے پاس پہنچے اور کہا (بھائی) میں نے اپنی بیوی خولہ کے پیٹ پر سوار خود شریک بن سحما کو دیکھ پایا (اب کیا کروں) عاصم نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور آئندہ جمعہ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ گزشتہ جمعہ جو بات میں نے عرض کی تھی اس میں مبتلا میرے ہی خاندان کا ایک شخص ہو گیا۔ عویمر، خولہ اور شریک سب عاصم کے بنی عم (یعنی ایک ہی دادا کے اولاد) تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے سب کو طلب فرمایا اور عویمر سے ارشاد فرمایا وہ تیری بیوی اور تیرے چچا کی بیٹی ہے، اللہ سے ڈر اس کو بہتان تراشی کا نشانہ نہ بنا۔ عویمر نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے شریک کو اس کے پیٹ پر دیکھا اور چار مہینے سے میں خولہ کے قریب بھی نہیں گیا اس کو اگر حمل ہے تو کسی اور کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عورت سے فرمایا اللہ سے ڈر اور جو کچھ تو نے کیا مجھ سے بیان کر دے۔ عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ عویمر بڑا غیرت مند آدمی ہے اسنے دیکھا کہ میں اور شریک دیر تک بیدار رہتے اور باہم باتیں کرتے رہتے اس کو غیرت آئی اور غیرت نے اس سے وہ بات کہلوائی (جو اس نے آپ سے کہی تھی) رسول اللہ ﷺ نے شریک سے فرمایا تیرا کیا بیان ہے۔ اس نے کہا جو عورت کہہ رہی ہے وہی میں کہتا ہوں۔ اس پر اللہ نے آیت والذین یرمون ازواجھم نازل فرمائی۔ حضور ﷺ نے منادی کو حکم دیا کہ الصلوٰۃ جامعۃ کی نداء کر دے منادی نے ندا کر دی لوگ جمع ہو گئے آپ نے عصر کی نماز پڑھی پھر عویمر سے فرمایا اٹھ اور کھڑا ہو کر اللہ کو گواہ کر کے کہہ کہ خولہ زانیہ ہے اور میں یقیناً بلاشبہ سچا ہوں۔ عویمر نے کھڑے ہو کر یہی شہادت دی پھر دوسری شہادت میں عویمر نے کہا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے شریک کو خولہ کے پیٹ پر دیکھا اور میں بلاشبہ سچا ہوں۔ پھر تیسری شہادت میں عویمر نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ اس عورت کو جو حمل ہے وہ میرا نہیں کسی اور کا ہے اور میں سچا ہوں پھر چوتھی شہادت میں عویمر نے کہا میں اللہ کو شاہد جان کر کہتا ہوں کہ میں نے چار مہینے سے اس سے قربت نہیں کی اور بلاشک میں سچا ہوں پھر پانچویں مرتبہ عویمر نے کہا اگر عویمر اس بات میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت ہو (اس کے بعد) حضور ﷺ نے خولہ سے فرمایا کھڑی ہو (اور قسم کھا کر بیان کر) خولہ کھڑی ہوئی اور اس نے کہا میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں زانیہ نہیں ہوں اور عویمر جھوٹا ہے، پھر دوسری شہادت میں خولہ نے کہا میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ عویمر نے شریک کو میرے پیٹ پر نہیں دیکھا اور عویمر جھوٹا ہے پھر تیسری شہادت میں عورت نے کہا میں عویمر سے حاملہ ہوں اور یہ جھوٹا ہے۔ پھر چوتھی شہادت میں عورت نے کہا عویمر نے کبھی مجھے زنا کی حالت میں مبتلا نہیں دیکھا اور یہ جھوٹا ہے، پھر پانچویں شہادت میں اس نے کہا اگر عویمر اس قول میں سچا ہو تو خولہ پر اللہ کا عذاب ٹوٹے تکمیل شہادت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو الگ کرا دیا اور فرمایا اگر یہ قسمیں نہ ہوتیں تو اس وقت اس عورت کے معاملے میں کچھ رائے ہوتی پھر لوگوں سے فرمایا بچے کی پیدائش کے وقت کو دیکھتے رہو اگر بچے کے دونوں ابرو کشادہ ہوں دونوں میں فاصلہ ہو بال بھورے ہوں رنگ مائل بہ سیاہی ہو تو (سمجھو کہ) وہ شریک بن سحما کا ہے اور اگر رنگ خاکستری ہو بال گھنگھریالے ہوں۔ اعضاء کے جوڑ اونٹ کی طرح ہوں تو سمجھو کہ وہ اس شخص کا نہیں ہے جس کی طرف زنا کی نسبت کی گئی ہے (بلکہ وہ عویمر کا ہو گا) حضرت ابن عباس نے فرمایا خولہ کے بچہ پیدا ہوا تو وہ شریک سے بہت زیادہ مشابہ تھا۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ آئمہ (روایت) کا اس آیت کے سبب نزول میں اختلاف ہے کسی کے نزدیک عویمر کے حق میں اس کا نازل ہونا راجح ہے کسی نے ہلال کے بارے میں اس کے نزول کو راجح قرار دیا ہے۔

قرطبی نے آیت کا نزول دو مرتبہ مانا ہے بعض نے دونوں روایتوں میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور بیان کیا ہے کہ سب سے پہلے یہ آیت ہلال کے متعلق نازل ہوئی اور اتفاق سے اسی زمانے میں عویمر کا قصہ بھی ہو گیا اس لئے (کہا جا سکتا ہے کہ یہ دونوں واقعات سبب نزول ہیں) علامہ نووی کا بھی اسی قول کی طرف میلان ہے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ پہلے ہلال

Marfat.com

سے متعلق آیت کا نزول ہو چکا ہو گا جب عویمر اپنا قصہ لے کر آئے اور ان کو ہلال کے واقعہ کا کچھ علم نہ تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم قرآنی بتا دیا اسی سے حضرت ہلال کے قصے میں آیا ہے کہ جبرئیل یہ آیت لے کر اترے اور حضرت عویمر سے فرمایا کہ تیرے معاملے میں نازل ہو چکی ہے۔ واقعہ اس طرح ایک واقعہ ایک اور شخص کا ہوا تھا اس کے معاملہ میں اللہ نے یہ آیت نازل فرما دی ہے۔

ابن ہمام نے اشکال میں بھی یہی جواب دیا ہے۔

مسئلہ: آیت والذین یرمون ازواجھم الخ عام ہے اس لئے امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے فرمایا کہ جو بالغ عاقل شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور ان کے درمیان طلاق ہو سکتی ہو ان کے درمیان لعان کا حکم بھی جاری ہو گا خواہ دونوں آزاد ہوں یا دونوں مملوک یا ایک آزاد اور دوسری مملوک دونوں عادل ہوں یا دونوں فاسق یا ایک عادل ہو اور دوسرا فاسق بلکہ دونوں کا مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں۔ ایک مسلمان ہو اور دوسری کافر (کتابیہ) یا دونوں کافر ہوں۔ امام مالک نے کفر فریقین کی صورت میں اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک کافروں کا آپس میں نکاح ہی صحیح نہیں ہوتا اس لئے طلاق بھی صحیح نہیں ہوتی اور طلاق نہیں تو لعان بھی جائز نہیں۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا جب تک دو شرطیں نہ ہوں گی لعان جائز نہ ہو گا ایک شرط یہ ہے کہ مرد اہل شہادت ہو یعنی مسلمان آزاد عاقل بالغ ہو دوسری شرط یہ ہے کہ عورت ایسی ہو کہ اس کے قاذف (تہمت زنا لگانے والے) کو حد لگائی جا سکتی ہو یعنی مسلمان ہو آزاد ہو عاقل ہو بالغ ہو اور اس سے پہلے اس کی طرف زنا کی نسبت نہ کی گئی ہو امام صاحب کے اس قول پر اگر عورت ایسی نہ ہو (اس کے قاذف کو حد زنا لگائی جا سکتی ہو) اور مرد غلام ہو یا کافر ہو یا تہمت زنا کا پہلے سزا یافتہ ہو (اور ایسا مرد تہمت زنا لگائے) تو لعان کا حکم نہیں دیا جائے گا بلکہ حاکم اگر مناسب سمجھے گا تو تعزیری سزا مرد کو دے گا۔ ہاں اگر شوہر نابینا فاسق ہے تو دونوں میں لعان کا حکم دیا جا سکتا ہے کیونکہ فاسق کی شہادت کو قبول کرنے کا اختیار تو بہر حال قاضی کو حاصل ہے فاسق کی شہادت قابل قبول نہیں لیکن حاکم چاہے تو لے سکتا ہے اور نابینا کی شہادت عام معاملات میں اس لئے قبول نہیں کی جاتی کہ وہ مدعی اور مدعی علیہ میں امتیاز نہیں کر سکتا۔ لیکن قذف کا معاملہ تو اس کا ذاتی ہے وہ اپنے آپ کو پہچانتا ہے اور اپنی بیوی سے امتیاز کرتا ہے اس لئے شہادت کا اہل ہے دوسری شہادتوں کا اہل نہیں ہے ابن مبارک نے امام ابوحنیفہ کا جو قول نقل کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک نابینا قاذف ہو تو لعان نہیں کرایا جائے گا۔ اسی طرح امام صاحب کے نزدیک مندرجہ صورتوں میں نہ حد قذف ہے نہ لعان۔ عورت باندی ہو یا کافرہ ہو یا نابالغ ہو یا پاگل ہو یا اس نے نکاح فاسد کیا اور شوہر نے بہ نکاح فاسد اس سے قربت کی ہو یا اس کا کوئی بچہ ہو جس کا باپ معلوم نہ ہو یا اس نے اپنی عمر میں کبھی زنا کیا ہو خواہ ایک ہی مرتبہ کیا ہو پھر توبہ کر لی ہو یا کسی شبہ سے غلطی سے مرد نے جماع کر لیا ہو اور واقع میں وہ جماع حرام ہو مرد کو حلال ہونے کا شبہ ہو گیا تو ان تمام صورتوں میں نہ حد قذف جاری ہو گی نہ لعان کا حکم دیا جائے گا البتہ حاکم مناسب سمجھے تو عورت کو تعزیری سزا دے سکتا ہے۔

امام صاحب نے جو عورت کے لئے شرط لگائی ہے کہ وہ ایسی ہو جس کے قاذف کو حد لگائی جا سکتی ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ شوہر سے حد قذف کو دور کرنے کے لئے لعان کا حکم دیا گیا ہے جن احادیث میں نزول آیت کا سبب بیان کیا گیا ہے ان سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ حضور رسول اللہ ﷺ نے ہلال سے فرمایا ہلال تم کو بشارت ہو اللہ نے تمہارے لئے کشائش پیدا کر دی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شوہر کے حق میں لعان حد قذف کا بدل ہے اسی لئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ سے ڈرو دنیا کا عذاب یعنی حد عذاب آخرت کے مقابلہ میں بہت آسان ہے پس جب ایسی عورت ہی نہ ہو جس کے قاذف پر حد قذف جاری ہو سکتی ہو تو پھر حد کا بدل یعنی لعان کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ ایک شرط امام صاحب نے یہ بھی لگائی تھی کہ شوہر شہادت کا اہل ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے۔

Marfat.com

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ اور ان کے پاس سوائے اپنے آپ کے اور گواہ نہ ہوں۔ اللہ نے اس آیت میں خود ازواج (شوہروں) کو شہداء (گواہ) قرار دیا ہے کیونکہ الا انفسهم کا نفی ہے استثناء کیا ہے اور نفی سے استثناء اثبات ہوتا ہے (ترجمہ یوں ہوگا اور نہ ہوں ان کے لئے گواہ سوائے اسکے کہ وہ اپنے آپ ہی گواہ ہوں)

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس آیت میں مجاز اً شہداء سے مراد ہیں قسم کھانے والے کیونکہ اس تاویل پر مطلب یہ ہوگا کہ ان کے پاس قسم کھانے والے نہ ہوں سوائے اس کے کہ وہ خود ہی اپنے لئے قسم کھانے والے ہوں یہ مطلب درست نہیں ہے حقیقت میں اس جگہ شہادت کو بمعنی حلف لینا ایک کلّیہ کی فرع ہے جس کا بجائے خود کوئی وجود نہیں کلّیہ یہ ہے کہ (اپنے لئے اپنی شہادت ناجائز ہے اور) دوسرے کے لئے حلف جائز ہے۔ اگر شہادت کا حقیقی معنیٰ قسم ہوتا بھی تب بھی اس جگہ مجازی معنیٰ (یعنی گواہی) کی طرف رجوع کرنا پڑتا (کیونکہ دوسرے کے لئے حلف کا کوئی وجود نہیں) اور جب شہادت کا حقیقی معنیٰ حلف ہے ہی نہیں بلکہ شہادت سے قسم مجاز اً مراد لے لی جاتی ہے تو بدرجۂ اولیٰ اس جگہ شہادت سے مراد قسم نہیں بلکہ گواہی ہے۔

امام صاحب نے شوہر کے لئے شہادت کا اہل ہونے کی شرط لگائی ہے اور یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ عورت ایسی ہو جس کے قاذف پر حد قذف جاری کی جاسکتی ہو ان دونوں باتوں کا ثبوت عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت کردہ حدیث سے ملتا ہے اس حدیث کو ابن ماجہ اور دار قطنی نے چند طرق سے نقل کیا ہے۔

(۱) دار قطنی نے بروایت عثمان بن عبدالرحمٰن زہری بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار (صورتیں) ہیں جن میں لعان نہیں ہے۔ آزاد مرد اور باندی عورت کے درمیان لعان نہیں ہے غلام مرد اور آزاد بی بی کے درمیان لعان نہیں ہے مسلم مرد اور یہودیہ عورت کے درمیان لعان نہیں ہے۔ مسلم مرد اور نصرانی عورت کے درمیان لعان نہیں ہے۔ یحییٰ بخاری ابو حاتم رازی اور ابوداؤد نے کہا عثمان ابن عبدالرحمٰن کچھ نہیں ہے (ہیچ ہے ناقابل اعتبار ہے) یحییٰ نے ایک بار کہا وہ جھوٹ کہتا تھا ابن حبان نے کہا موضوع احادیث کی روایت کا سلسلہ قابل اعتماد راویوں سے ملاتا تھا اس کی روایت کردہ حدیث کو حجت میں پیش کرنا جائز نہیں۔ نسائی اور دار قطنی نے کہا یہ متروک الحدیث ہے۔

(۲) دار قطنی اور ابن ماجہ نے عثمان بن عطاء خراسانی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار عورتوں سے لعان نہیں۔ عیسائی عورت مسلمان مرد، یہودی عورت مسلمان مرد، باندی عورت آزاد مرد، آزاد عورت غلام مرد، یحییٰ اور دار قطنی نے عثمان بن عطاء کو ضعیف کہا ہے ابو حاتم اور ابن حبان نے کہا اس کی حدیث سے احتجاج جائز نہیں۔ علی بن جنید نے کہا یہ متروک الحدیث ہے۔

دار قطنی نے کہا عثمان کی متابعت یزید بن زریع نے بھی کی ہے اس نے بھی بروایت عطاء یہ حدیث بیان کی ہے لیکن یزید بن زریع بھی ضعیف ہے۔

(۳) دار قطنی نے عماد بن مطر کی وساطت سے عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عتاب بن اسید کو بھیجا اس کے بعد حدیث مذکور نقل کی ہے۔

ابو حاتم رازی نے کہا عماد بن مطر جھوٹ بنایا کرتا تھا، ابن عدی نے کہا اس کی حدیثیں بے حقیقت ہیں یہ متروک الحدیث ہے۔ امام احمد نے کہا حماد بن عمرو (جو عمار بن مطر کا راوی ہے) جھوٹ بناتا تھا اور حدیث خود گڑھتا تھا۔ ساجی نے کہا باجماع اہل روایت یہ متروک الحدیث ہے۔ نسائی اور دار قطنی نے حماد بن عمرو کے راوی زید بن رفیع کو ضعیف کہا ہے (گویا عماد بن مطر از حماد بن عمرو از زید بن رفیع از عمرو بن شعیب کے سلسلہ میں اول الذکر تینوں راوی ضعیف جھوٹے اور ناقابل اعتبار ہیں)

ابن جوزی نے لکھا ہے، اوزاعی اور ابن جریج نے جو امام الحدیث ہیں یہ حدیث بوساطت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ بیان کی ہے اور اس کو عمرو بن شعیب کے دادا کا قول قرار دیا ہے رسول اللہ ﷺ کی طرف اس کی نسبت نہیں کی۔

ابن ہمام نے لکھا ہے ضعیف حدیث اگر متعدد طریقوں سے مروی ہو (اور ہر سند میں ضعف ہو) تو وہ حجت (قابل

Marfat.com

استدلال) ہو جاتی ہے۔ یہ حدیث اسی قسم کی ہے اس کی تائید اوزاعی اور ابن جریج کی روایت سے ہو رہی ہے کہ دونوں اماموں نے اس کو عمرو بن شعیب کے دادا کا قول قرار دیا ہے (اگرچہ اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف نہیں کی اور مرفوعاً نہیں بیان کیا پھر بھی موقوفاً ضرور کہا ہے)

فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۞ تو ان میں سے ایک (یعنی مرد) کی شہادت یہی ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہہ دے کہ بلاشبہ میں سچا ہوں امام شافعی نے اس آیت سے اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے اس آیت میں شہادات سے مراد قسمیں ہیں۔ گواہیاں مراد نہیں ہیں کیونکہ لفظ شہادت میں دونوں معنی کا احتمال تھا گواہی اور قسم لیکن لفظ باللہ سے قسم کا معنی محکم ہو گیا۔ لفظ اشہد کہہ کر اگر کوئی قسم مراد لے تو قسم ہو جائے گی معلوم ہوا کہ شہادات کا لفظ بول کر قسمیں مراد لینے کا احتمال تھا لفظ باللہ نے اس معنی کو متعین کر دیا۔ شریعت میں اپنی ذات کے لئے خود شہادت دینا قابل قبول نہیں ہاں اپنے لئے قسم کھا سکتا ہے اور اس کی بھی شریعت میں کوئی نظیر نہیں کہ ایک مقام پر (ایک وقت میں) ایک ہی شخص بار بار شہادت ادا کرتا ہو، ہاں قسم کی تکرار کی مثال موجود ہے جیسے قسامت میں ہوتا ہے اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ شہادت کسی چیز کو ثابت کرنے کے لئے ہوتی اور قسم نفی کے لئے۔ یہ بات ناقابل تصور ہے کہ حقیقت شہادت کا تعلق ایک ہی امر سے ہو لامحالہ ایک کی حقیقت اور دوسرے کے مجازی معنی پر عمل واجب ہو گا اور لفظ شہادت کا مجازی معنی (یعنی قسم) مراد ہو گا اور جب شہادت سے قسم مراد ہو گی تو لعان کے لئے شہادت کا اہل ہونا لازم نہ ہو گا۔

ہم کہتے ہیں بیشک اپنے لئے خود شہادت دینے اور بار بار ایک مقام پر شہادت ادا کرنے کی شریعت میں کوئی نظیر نہیں ہے تو دوسرے کے لئے قسم کھانے کی مثال بھی تو کوئی نہیں ہے۔ اور کسی حکم کو واجب کرنے کے لئے قسم کھانا بھی تو شریعت میں کہیں موجود نہیں ہے۔ قسم تو دفع حکم کے لئے ہوتی ہے نہ کہ ایجاب حکم کے لئے پس جس کو موجود کرنے معدوم کرنے اور جیسا چاہے ویسا حکم دینے کا کامل اختیار و استحقاق ہے جب ایک محل میں دونوں امور کو ابتداء مشروع کرنا اس کے لئے جائز ہے تو اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ ابتداء اس کو مشروع کر دے (اور اس کا ابتداء قانون بنا دے نظیر تلاش کرنے کی ضرورت نہیں)

رہا اپنے لئے خود شہادت دینے کی مثال تو یہ قرآن مجید میں موجود ہے اللہ نے فرمایا ہے شهد الله انه لا اله الا هو اللہ خود شاہد ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے جو مؤذن کو اذان میں اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمد رسول الله کہتے سنا تو فرمایا انا اشهد انا اشهد میں بھی شہادت دیتا ہوں میں بھی شہادت دیتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کا اپنی رسالت کی شہادت دینا خود اپنے لئے شہادت ہے۔

باقی اس جگہ تکرار شہادت کیوں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ زنا کے گواہ جب کوئی ثبوت پیش کرنے سے قاصر ہو تو اس کی جگہ یہ چار شہادتیں بطور بدلیت ضروری قرار پائی ہیں کیونکہ تہمت کے وقت اپنے لئے شہادت (یعنی ایک شہادت) قبول نہیں کی جا سکتی (اس لئے تکرار شہادت ضروری قرار پائی) اگر تہمت کا موقع نہ ہو تو ایک شہادت بھی اپنے لئے قبول کی جاتی ہے جیسے مندرجہ بالا آیت اور حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے پس کسی تہمت کے مقام میں اپنے لئے بار بار شہادت دینا اور قسم سے اس کو پختہ کرنا اور بصورت کذب اپنے لئے لعنت اور غضب خدا کی بددعا کرنا (اور لعنت و غضب کا اپنے کو مستحق ظاہر کرنا) بعید از فہم نہیں ہے۔

وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۞ اور پانچویں شہادت یہ ہو کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

مسئلہ:- اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر تہمت زنا لگائے یا یہ کہے کہ یہ حمل میرا نہیں ہے اور دونوں اہل لعان بھی

Marfat.com

ہوں (جس کی اختلافی بحث اوپر گزر چکی) اور عورت قذف کی سزا کا مطالبہ کرے تو شوہر پر لعان کرنا واجب ہو جاتا ہے اگر مرد لعان سے انکار کر دے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک حاکم اس کو قید رکھے جب تک وہ لعان نہ کرے یا اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار نہ کر لے اگر خود اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کر لے تو اس پر حد قذف جاری کرے۔

امام مالکؒ، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک صورت مذکورہ میں قید نہیں کیا جائے گا بلکہ لعان سے انکار کرتے ہی اس پر حد قذف جاری کی جائے گی کیونکہ قذف تو حد شرعی کے اجراء کو ہی چاہتا ہے لعان کی صورت تو شوہر کی سچائی کو ظاہر کرنے کے لئے قائم کی گئی تھی اور جب قاذف خود اپنی سچائی ظاہر کرنے سے قاصر ہو تو فوراً حد جاری کرنے کا مستحق ہو جاتا ہے قید کا مستحق نہیں ہوتا۔

امام شافعی کے نزدیک لعان سے انکار کرنے سے فاسق ہو جاتا ہے امام مالک کہتے ہیں صرف انکار سے فاسق نہیں ہو جاتا۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ لعان سے انکار کرنا اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار ہے لیکن اس میں کسی قدر شبہ ہے (کیونکہ صراحتاً اس نے اقرار کذب نہیں کیا ہے) اور شبہ کی صورت میں حد جاری نہیں کی جاسکتی مجبوراً اس کو قید کیا جائے گا تاکہ وہ یا لعان پر تیار ہو جائے اور لعان کرے یا صراحتاً اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے تاکہ اس پر حد قذف جاری کی جاسکے۔

اگر شوہر لعان کر لے تو عورت پر بھی لعان کرنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہو جاتا ہے اگر وہ انکار کرے تو حاکم اس کو قید کر دے اور اتنی مدت قید رکھے کہ وہ لعان کے لئے تیار ہو جائے یا زنا کا اقرار کر لے اور شوہر کی تصدیق کر دے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک اگر زوج نے لعان کر لیا تو عورت و مرد میں فرقت ہو گئی اور ہمیشہ کے لئے اس پر عورت حرام ہو گئی اور بچے کی نسبت بھی اس کی طرف نہیں ہو گی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے دونوں لعان کرنے والے کبھی جمع نہیں ہوں گے۔

ہم کہتے ہیں لعان اس وقت تک مستحق نہیں ہوتا جب تک عورت بھی لعان نہ کرلے (کیونکہ لعان باب مفاعلۃ سے ہے اور دونوں کی شرکت کے بغیر باب مفاعلۃ کا مصدر محقق نہیں ہوتا) اس لئے صرف شوہر کے لعان کرنے سے تفریق نہیں ہو سکتی جب تک دونوں لعان نہ کریں فرقت واقع نہ ہو گی۔

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝٨ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٩　اور عورت سے عذاب کو دور کر دے گا۔ چار مرتبہ اللہ کو گواہ کر کے یہ شہادت دینا کہ وہ یعنی شوہر جھوٹا ہے۔ اور پانچویں یہ کہ اللہ کا غضب آئے اس عورت پر اگر وہ شخص سچا ہے

العذاب سے مراد ہے حد زنا جس طرح آیت فعلیھن نصف ماعلی المحصنت من العذاب میں العذاب سے حد زنا مراد ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ہلال کی بیوی سے فرمایا تھا وان عذاب اللّٰہ اشدمن عذاب الناس اللہ کا عذاب لوگوں کے عذاب یعنی حد زنا سے زیادہ سخت ہے۔

لمن الکذبین کا یہ مطلب ہے کہ یہ شخص جو زنا کی تہمت مجھ پر لگا رہا ہے یا اپنا بچہ ہونے کا انکار کر رہا ہے ان دونوں باتوں میں یہ جھوٹا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ پہلی بات میں جھوٹا ہے یا یہ مراد ہے کہ دوسری بات میں جھوٹا ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد کے نزدیک مرد کے لعان کرتے ہی حد زنا عورت پر واجب ہو جاتی ہے لیکن جب عورت لعان کر لیتی ہے تو وہ حد ساقط ہو جاتی ہے آیت کا مفہوم یہی ہے۔ آیت میں العذاب سے مراد حد زنا ہے۔

امام شافعی نے فرمایا عورت کے لعان کرنے سے صرف ایک ہی حکم کا تعلق ہوتا ہے یعنی حد زنا ساقط ہو جاتی ہے۔ اگر مرد گواہوں سے زنا ثابت کر دے تو لعان بیکار ہے، حد زنا اس سے ساقط نہیں ہو سکتی۔ اب اگر عورت نے لعان سے انکار کر دیا تو حد زنا واجب ہو گئی۔ امام صاحب نے فرمایا اگر عورت لعان سے انکار کر دے تو اس کو قید کر دیا جائے گا اور اس وقت تک قید رکھا جائے گا کہ وہ یا تو لعان کرے یا مرد کی تصدیق کرے اگر اس نے مرد کی تصدیق کر دی تو وجوب لعان کا سبب (یعنی عورت کا

انکار) نہ رہا اس لئے لعان کا حکم باقی نہیں رہا اور نہ حد زنا کا وجوب ہو گیا کیونکہ تصدیق براہ راست بالذات اقرار نہیں ہے اس لئے اس سے حد کا وجوب نہیں ہو جاتا ہاں لعان کا حکم جاتا رہتا ہے اور اگر بالفرض تصدیق کو اقرار مان بھی لیا جائے تو ایک ہی مرتبہ حد زنا جاری کرنے کے لئے کافی نہیں ہے پھر یہ کہنا کہ یَدْرَؤُ عَنْهَا الْعَذَابَ میں العذاب سے مراد حد زنا ہے یہ بات بھی بلا دلیل ہے کیونکہ قید کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے قید بھی عذاب ہے بہر حال شبہ پیدا ہو گیا اور شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔

مسئلہ :- اگر عورت نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ واقعی یہ بچہ شوہر کا نہیں ہے انکار ولد میں یہ سچا ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس صورت میں نہ لعان کا حکم باقی رہے گا نہ حد زنا ثابت ہو گی اور بچہ دونوں کا مانا جائے گا کیونکہ لعان ہو جاتا تو بچے کی نسبت پھر شوہر سے نہ ہوتی لیکن لعان نہ ہوا اور زوجین سے نسبی الحاق بچے کا حق ہے اس لئے زوجین کے کہنے سے اس حق کا ابطال نہیں ہو سکتا۔

میں کہتا ہوں امام شافعی اور امام ابو حنیفہ دونوں کے قول میرے لئے تعجب خیز ہیں امام شافعی کے قول پر تو تعجب کی یہ وجہ ہے کہ ان کے نزدیک لعان (یعنی لعان کی شہادت) قسم ہے اسی لئے وہ مرد کے لئے شہادت کی اہلیت کی شرط ضروری نہیں قرار دیتے اور ہر مرد کے لئے لعان کا حکم جاری کرتے ہیں خواہ قاذف غلام ہو یا کافر یا اس سے پہلے تہمت زنا کا سزا یافتہ ہو (کیونکہ یہ سب لوگ قسم کھا سکتے ہیں گو اہل شہادت نہیں ہیں) اور ظاہر ہے کہ قسم موجب مال بھی نہیں ہو سکتی (اگر مدعی قسم کھا کر کہے کہ میرا اتنا روپیہ فلاں شخص پر قرض ہے اور مدعیٰ علیہ انکار کرے اور مدعی کے پاس ثبوت کے گواہ نہ ہوں تو مدعی کے صرف قسم کھانے سے مال کا وجوب مدعیٰ علیہ پر نہیں ہو جاتا) اور جب قسم سے وجوب مال نہیں ہو جاتا تو عورت کو سنگسار کرنے کا وجوب کیسے ہو سکتا ہے رجم تو ہر حد سے زیادہ سخت سزا ہے۔

امام صاحب کا قول یوں عجیب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک لعان قسم نہیں شہادت ہے اسی لئے لعان کرنے والے کے لئے شہادت کی اہلیت ان کی نظر میں ضروری ہے اور یہ بھی امام صاحب نے فرمایا کہ ایک محل میں چار شہادتیں ایک ہی شخص کی، یہ زنا کے شاہدوں کے قائم مقام ہیں زنا کے چار گواہ ہونے ضروری ہیں اس لئے شاہد نہ ہونے کی صورت میں چار بار خود شہادت دینی ضروری ہے اور یہ بھی آپ نے فرمایا کہ مرد کے حق میں یہ چار شہادتیں حد قذف کے قائم مقام ہیں اور عورت کی چار شہادتیں حد زنا کے قائم مقام ہیں پھر تعجب ہے کہ مرد کی چار مرتبہ شہادتوں کے بعد حد زنا عورت پر امام صاحب کے نزدیک کیوں واجب نہیں ہو جاتی۔ اللہ نے تو یدرؤ عنہا العذاب فرمایا ہے یعنی عورت کے لعان سے عذاب ساقط ہو جاتا ہے۔ دراء کا لفظ خاص ہے اس کا معنی ہے ساقط کرنا یعنی موجب عذاب نہ رہے تو عذاب ساقط ہو جاتا ہے (معلوم ہوتا ہے کہ انکار لعان کی صورت میں حد زنا کا وجوب ہو جاتا ہے اور لعان کے بعد حد زنا کا سقوط ہو جاتا ہے) عورت کے حق میں جو لعان کو حد زناء کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اگر عورت لعان کر لے گی تو حد زنا اس پر جاری نہ ہو گی اور لعان سے انکار کر دے گی تو حد زنا جاری ہو گی (انکار لعان کی صورت میں قید کر دینے کی سزا کہاں سے نکل سکتی ہے عورت کا لعان تو حد زنا کے قائم مقام ہے قید کے قائم مقام نہیں، پس لعان سے انکار کی صورت میں حد زنا جاری ہو جانی چاہئے)

ایک شبہ

شوہر کی چار شہادتیں اگر چار مرد گواہوں کی شہادتوں کے قائم مقام ہیں لیکن قائم مقام ہونے کا یہ معنی نہیں کہ ان سے زنا کا یقینی ثبوت ہو جاتا ہے ان چار شہادتوں کا چار گواہوں کی شہادتوں کے قائم مقام ہونا مشتبہ ضرور ہوتا ہے اس لئے حد قذف تو اس کی وجہ سے ساقط ہو جائے گی اور حد زنا ثابت نہیں ہو گی۔ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔

ازالہ

مدعی کی چار شہادتوں کا چار مردوں کی شہادتوں کے قائم مقام ہونا تو یقینی اور قطعی ہے اس کا ثبوت قرآن سے بھی ہے اور حدیث سے بھی اور اجماع امت سے بھی۔ ہاں زنا کا قطعی ناقابل شک ثبوت مدعی کی چار شہادتوں سے نہیں ہوتا تو چار

Marfat.com

گواہوں کی شہادتوں سے بھی ناقابل شک ثبوت زنا کا نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ چاروں نے جھوٹی شہادت دینے پر اتفاق کرلیا ہو اور کوئی خبر بھی ایسی نہیں ہوتی کہ اس میں جھوٹی ہونے کا احتمال ہی نہ ہو۔ ہاں اگر حد تواتر تک پہنچ جائے اور خبر دینے والا منجانب اللہ معصوم ہو تو ضرور موجب یقین اور قطعیت ہو جاتی ہے۔ دو یا چار گواہوں کی شہادت پر حکام جو فیصلہ کر دیتے ہیں وہ صرف حکم شریعت کی تعمیل ہے اس سے غلبۂ ظن حاصل ہو جاتا ہے اور غلبۂ ظن کی بناء پر حاکم فیصلہ کر دیتا ہے یہ مطلب نہیں کہ اس سے حاکم کو یقین ہو جاتا ہے مگر وہ حکم شریعت کی وجہ سے معذور ہے۔

جب چار مردوں کی شہادتوں سے زنا کا ثبوت (شرعی) ہو جاتا ہے اور حد زنا جاری ہو جاتی ہے تو مدعی کا چار مرتبہ قسم کھا کر شہادت دینا تو زیادہ موجب ثبوت ہونا چاہئے۔ اس کی شہادتیں تو اتنی پختہ ہوتی ہیں کہ دروغ ہونے کی صورت میں وہ اپنے لئے اللہ کی لعنت کا خواستگار ہوتا ہے۔ پھر وہ عادل بھی ہوتا ہے فاسق نہیں ہوتا۔ شہادت کی ہر طرح اہلیت بھی رکھتا ہے اور اسی کے ساتھ عورت لعان سے انکار بھی کرتی ہے۔ دیکھو چار آدمی (جھوٹ پر) اگر متفق ہو جائیں تو نا ممکن نہیں ہے اور کسی عورت کا شوہر اگر اس پر زنا کی تہمت لگاتا ہے اور عورت کو یقین بھی ہے کہ اگر میں لعان کرلوں گی تو زنا کی سزا سے بچ جاؤں گی اور باوجود اس کے وہ لعان سے گریز کرتی ہے تو ظاہر ہے کہ وہ شوہر کی تصدیق کرتی ہے۔ رہی یہ بات کہ شبہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں تو اس سے مراد اس قسم کا شبہ نہیں ہے یہ شبہ شریعت کی نظر میں ہیچ ہے ایسا شبہ تو بہر حال باقی رہتا ہے۔ چار شخص گواہی دیدیں یا شوہر لعان کرلے اور عورت لعان سے انکار کردے بہر حال جھوٹ کا وہم تو باقی رہتا ہی ہے۔

پس میرے نزدیک امام ابو حنیفہؒ نے شوہر کے لئے اہلیت شہادت کی جو شرط ضروری قرار دی ہے اور عورت کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اس درجہ کی ہو کہ اس پر الزام رکھنے والے کو (ثبوت نہ ہونے کی صورت میں) قذف کی سزا دی جاسکے امام صاحب کا یہ قول زیادہ صحیح اور قابل ترجیح ہے اسی طرح امام شافعی نے جو فرمایا ہے کہ اگر عورت لعان سے گریز اور انکار کرے تو اس پر حد زنا جاری کی جائے سو امام شافعی کا یہ قول اقرب الی الصحت ہے۔

مسئلہ :- امام شافعی کا قول اوپر گزر چکا ہے کہ فقط مرد کے لعان کرتے ہی زوجین میں فرقت ہو جاتی ہے یہ قول بے دلیل ہے امام زفر امام مالک اور (ایک روایت میں) امام احمد کا قول ہے کہ جب دونوں لعان کر گزریں تو زوجین میں فرقت ہوتی ہے خواہ حاکم نے فیصلہ نہ کیا ہو لیکن امام ابو حنیفہ امام محمد، امام ابو یوسف اور (ایک روایت میں) امام احمد کا قول ہے کہ حاکم کے فیصلہ سے پہلے فرقت نہیں ہو جاتی خواہ دونوں لعان کر چکے ہوں فریقین کے لعان کر چکنے کے بعد دونوں میں تفریق کرا دینا حاکم پر واجب ہو جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک یہ فرقت ایک طلاق بائنہ ہوگی، باقی اماموں کے نزدیک طلاق بائن نہیں بلکہ اس کو فسخ نکاح قرار دیا جائے گا۔ مؤخر الذکر قول کی دلیل یہ ہے کہ حرمت رضاعت کی طرح لعان سے دوامی حرمت ہو جاتی ہے (اور اسی کا نام فسخ ہے) صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں لعان کرنے والوں (یعنی مرد اور عورت) سے فرمایا تمہارا حساب اللہ کے ذمے ہے یقینی بات ہے کہ تم دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے (مرد کو مخاطب کرکے فرمایا) اب تیری اس پر کوئی راہ نہیں (یعنی اس سے ملنے کا اب تیرے لئے کوئی راستہ نہیں رہا دوامی انقطاع ہو گیا) اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا مال (یعنی جو مہر میں نے دیا اس کا کیا ہوگا) فرمایا اگر تو نے اس پر سچا الزام لگایا ہے تو مال (مہر) اس علت کا معاوضہ ہو گیا جو تجھے اس سے جماع کرنے کی حاصل تھی (یعنی تو اس سے قربت کر چکا مہر اس کا معاوضہ ہو جائے گا) اور اگر تو نے اس پر جھوٹی تہمت لگائی ہے تو یہ مال بہت دور چلا گیا اس لئے تیرے لئے اب کوئی مال نہیں ہو سکتا۔ ابو داؤد نے حضرت سہل بن سعد کی روایت سے لعان کرنے والے مرد و عورت کے مقدمہ میں جو حدیث بیان کی ہے وہ اوپر گزر چکی ہے کہ دونوں میں (دوامی) تفریق کرادی جائے کہ آئندہ کبھی دونوں نہ مل سکیں۔ دار قطنی نے حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی ایسا ہی بیان کیا ہے۔

Marfat.com

شیخ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعود سے اس باب میں روایات عبد الرزاق اور ابن ابی شیبہ کے مصنف میں منقول ہیں۔ ابوداؤد نے حضرت ابن عباس کی روایت سے حضرت ہلال بن امیہ کے قصہ کے آخر میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں میں تفریق کرادی اور حکم دے دیا کہ عورت پر تہمت زنا قائم نہ کی جائے اور نہ اس کے بچہ کو ولد الزنا کہا جائے۔

صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص نے اپنی بیوی سے لعان کیا، لعان کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دونوں میں تفریق کرادی اور بچہ کا نسب ماں سے ملادیا۔ (لعان کرنے والے مرد کو اس کا باپ نہیں قرار دیا نہ بچہ کو ولد الزنا قرار دیا) جمہور آئمہ کے قول کی سب سے واضح دلیل وہ روایت ہے جو ہلال بن امیہ کے قصہ میں حضرت ابن عباس کے حوالے سے ابوداؤد نے سنن میں بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعان کے بعد فیصلہ فرمادیا کہ (تفریق کے بعد) عورت کا نفقہ مرد پر نہیں ہے نہ رہنے کی جگہ دینا مرد کے ذمے ہے کیونکہ دونوں میں تفریق ہوئی ہے نہ عورت بیوہ ہوئی ہے کہ اس کا شوہر مر گیا ہو نہ مرد نے اس کو طلاق دی ہے، لعان کے بعد جب خود دوامی حرمت ثابت ہو گئی تو اب حاکم کی تفریق کی ضرورت نہیں۔ دوامی حرمت نکاح کے منافی اسی طرح ہے جس طرح حرمت رضاعت نکاح کے خلاف ہے اس لئے حرمت لعان کو فسخ نکاح قرار دیا جائے گا (طلاق بائنہ نہیں مانا جائے گا)

امام ابو حنیفہ نے فرمایا ثبوت حرمت فسخ نکاح کا تقاضا نہیں کرتا۔ دیکھو ظہار سے حرمت ہو جاتی ہے اور نکاح فسخ نہیں ہوتا (بلکہ کفارۂ ظہار ادا کرنے کے بعد پھر حلت ہو جاتی ہے) ہاں ثبوت حرمت کے بعد شوہر بیوی کو دستور شرعی کے مطابق اپنے پاس رکھنے سے جب قاصر ہے تو اچھی طرح بحسن وخوبی عورت کو آزاد کر دینا اس پر لازم ہے اور جب اس نے ایسا نہیں کیا تو حاکم نے قائم مقام کی حیثیت سے عورت کو اس سے الگ کر دیا تاکہ عورت پر ظلم نہ ہو اس کا ثبوت صحیحین کی اس روایت سے ہوتا ہے جس کے راوی حضرت سہل بن سعد ہیں کہ دونوں کے لعان کر چکنے کے بعد عویمر نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اب اگر میں نے اس کو اپنے پاس روکے رکھا (یعنی اپنے نکاح میں رکھا) تو (گویا) میں نے اس پر جھوٹی تہمت تراشی کی چنانچہ لعان کے بعد عویمر نے اس کو تین طلاقیں دیدیں۔ اور رسول اللہ ﷺ نے طلاق دینے کے سلسلے میں اس کے خلاف کچھ نہیں فرمایا۔

دار قطنی نے جو حضرت ابن عمر کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث نقل کی ہے کہ دونوں کو الگ الگ کر دیا جائے آئندہ یہ کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ اس کا فرمان رسول ہونا محل تامل ہے شیخ ابو بکر رازی نے اس کے فرمان رسول ہونے پر نکتہ چینی کی ہے۔

صاحب تنقیح نے لکھا ہے اس کی سند جید ہے (اس لئے اس کا فرمان رسول ہونا محقق ہے) اور اس کا مفہوم بتا رہا ہے کہ صرف لعان کرنے سے دونوں الگ الگ نہیں ہو جاتے (بلکہ فرمان حاکم کی ضرورت ہے یا اس مرد کا طلاق دینا لازم ہے) امام شافعیؒ کے خلاف اس حدیث کا مفہوم ایک بڑی دلیل ہے۔

رہی حضرت ابن عباس کی یہ روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمادیا کہ مرد پر عورت کا نہ نفقہ ہے نہ مسکن اس لئے کہ دونوں بغیر طلاق کے الگ الگ ہو جاتے ہیں تو نفقہ و مسکن نہ ہونے کی یہ دلیل حضرت ابن عباسؓ کی اجتہادی رائے کا نتیجہ ہے (رسول اللہ ﷺ نے یہ دلیل بیان نہیں فرمائی) مرفوع حدیث تو صرف اتنی ہے کہ (لعان ہو چکنے کے بعد) مرد پر عورت کا نہ نفقہ ہے نہ حق سکنیٰ۔ میں کہتا ہوں لعان کے بعد حرمت ہو جانا باجماع علماء ثابت ہے۔ امام شافعی امام زفر اور دوسرے آئمہ کے نزدیک تو حرمت کا ثبوت ظاہری ہے (کہ یہ حضرات لعان کو فسخ نکاح قرار دیتے ہیں اور لعان کے بعد بغیر حکم حاکم کے فرقت واقع ہو جاتی ہے) اور امام ابو حنیفہؒ کے قول پر بھی حرمت کا ثبوت یقینی ہے ورنہ رسول اللہ ﷺ لعان کے بعد دونوں میں تفریق نہ کراتے امام صاحب خود قائل ہیں کہ لعان کے بعد قاضی دونوں میں تفریق کرادے۔

لیکن یہ حرمت دوامی ہے حرمت ظہار کی طرح نہیں ہے حرمت ظہار تو کفارہ ادا کرنے سے ختم ہو جاتی ہے اور حرمت

Marfat.com

دوامی نکاح کے بالکل منافی ہے، ہنگامی حرمت سے تو نکاح باقی رہتا ہے (نکاح کے فائدے سے وقتی محرومی ہو جاتی ہے) اور حرمت دوامی کا معنی سوائے فسخ نکاح کے اور کچھ نہیں ہے اور جب لعان سے خود نکاح فسخ ہو گیا تو حاکم کے حکم کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔

ابن ہمام نے خود لکھا ہے کہ امام ابو یوسف کے قول پر قضاء قاضی پر تفریق موقوف نہیں رہتی کیونکہ قضاء قاضی سے پہلے ہی حرمت باتفاق علماء ثابت ہو چکتی ہے۔

امام صاحب کا یہ قول کہ چونکہ شوہر لعان کے بعد بیوی کو دستور شرعی کے مطابق اپنے پاس روک نہیں سکتا اس لئے حاکم عورت کو آزاد کرا دینے کا فیصلہ کر دے تسریح بالاحسان کے لئے قاضی شوہر کا قائم مقام ہے یہ قول چاہتا ہے کہ لعان کے بعد قاضی شوہر کو طلاق دینے کا حکم دے۔

اگر وہ طلاق نہ دے تو قاضی تفریق کا حکم جاری کر دے اور حکم تفریق بعد الانکار جاری کرنے کا تو کوئی بھی قائل نہیں نہ رسول اللہ ﷺ نے طلاق دینے کا حکم دیا (عویمر نے خود طلاق دی)

رہی یہ بات کہ حضرت ابن عباس کا قول (عورت کے لئے نہ نفقہ ہے نہ حق سکنیٰ کیونکہ بغیر طلاق کے دونوں میں تفریق ہو جاتی ہے) گو حدیث رسول اللہ ﷺ نہ ہو لیکن مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ آپ رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کی حقیقت اور کیفیت سے واقف تھے (جانتے تھے کہ حضور نے عورت کو نفقہ اور سکونت کے حق سے کیوں محروم قرار دیا) باقی یہ بات کہ جب تفریق لعان سے ہی ہو گئی تو عویمر نے طلاق دینی کیوں ضروری سمجھی تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت عویمر کو اس وقت تک معلوم نہ ہو گا کہ لعان سے خود تفریق ہو جاتی ہے۔

رہا مفہوم شرط کا شافعی کے نزدیک حجت ہونا تو بے شک شافعی مفہوم شرط کو حجت جانتے ہیں لیکن اس جگہ چونکہ دوامی حرمت ثابت ہے اس لئے مفہوم شرط پر عمل ترک کر دیا گیا۔

یا یوں کہا جائے کہ المتلاعنان اذا افترقا لایجتمعان ابدا کا یہ مطلب ہے کہ جب دونوں لعان کر چکے تو دونوں جدا ہو گئے آئندہ کبھی دونوں ساتھ نہیں رہیں گے امام ابو حنیفہ کے نزدیک حدیث "المتبایعان بالخیار مالم تیفرقا" کا یہ مطلب ہے کہ جب تک ایجاب و قبول نہ ہو گیا ہو اور قولی تفریق نہ ہو گئی ہو اس وقت تک ہر شخص کو بیع نہ کرنے کا اختیار ہے۔ (یعنی اس حدیث میں امام صاحب کے نزدیک تفرق سے مراد قولی تفریق ہے پس اسی طرح حدیث اذا افترقا لا یجتمعان میں افتراق قولی (یعنی قول لعان) مراد ہے۔

مسئلہ :- لعان کر چکنے کے بعد اگر شوہر خود اپنی تکذیب کر لے اور اپنے جھوٹے ہونے کا اظہار کر دے تو کیا عورت سے دوبارہ اس کا نکاح ہو سکتا ہے یہ مسئلہ اختلافی ہے۔

امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک اس کا اقرار تکذیب مان تو لیا جائے گا لیکن صرف اس حد تک کہ جھوٹی تہمت زنا لگانے سے جو ضرر اس کو پہنچتا ہے وہ پہنچ جائے گا اور جو فائدہ پہنچ سکتا ہے وہ نہ پہنچے گا مطلب یہ کہ حد قذف اس پر جاری کی جائے گی اور بچہ اس کا مانا جائے گا لیکن حرمت دوامی دور نہ ہو گی اس عورت سے نکاح کبھی نہ کر سکے گا۔

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا (اور ایک روایت میں امام احمد کا بھی یہی قول ہے) کہ حد قذف جاری کی جائے گی اور چونکہ قذف کے اقرار کے بعد وہ لعان کا اہل نہیں رہا تو لعان کو صحیح نہیں مانا جائے گا اور جو حکم (یعنی نکاح جدید نہ کر سکنے کا حکم) لعان سے وابستہ تھا وہ بھی اٹھ جائے گا اور دوبارہ نکاح کر سکے گا اسی طرح اگر کسی دوسرے شخص پر تہمت زنا لگانے کی وجہ سے اس پر حد قذف جاری کر دی گئی ہو (تو لعان کا اہل نہیں رہے گا) یہی حکم اس وقت ہو گا جب عورت زنا کر چکی ہو اور سزایاب ہو چکی ہو تو اہل لعان نہیں رہے گی۔ اس لئے ان دونوں لعان کرنے والوں کے لئے جائز ہو گا کہ (شوہر نے جب اپنی تکذیب خود کر دی تو) دونوں باہم نکاح کر لیں۔

Marfat.com

ہم کہتے ہیں اہلیت لعان ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ لعان ہوا ہی نہیں (اور جب لعان ہو گیا تو پھر تزوج کے ناجائز ہونے کا حکم جاری رہے گا) دیکھو اگر کسی نے کسی اور پر الزام زنا رکھا (اور زنا ثابت نہ کر سکا) اور اس پر حد قذف جاری کر دی گئی پھر مقذوف نے (یعنی جس پر جھوٹی تہمت زنا لگائی تھی اس نے) زنا کیا اور زنا کی سزا اس کو دیدی گئی تو باوجودیکہ زانی اہل لعان نہیں ہوتا پھر بھی اس کے قاذف کی شہادت کبھی قبول نہیں کی جائے گی (بالکل یہی صورت اختلافی مسئلہ کی ہے کہ اپنی خود تکذیب کرنے کی وجہ سے وہ اہل لعان نہیں رہا۔ لیکن جو لعان ہو چکا اس کا حکم باقی رہے گا اور کبھی لعان کرنے والی عورت سے نکاح نہ کر سکے گا)

حنفیہ کہتے ہیں کہ المتلاعنان لایجتمعان ابداً قضیہ عرفیہ ہے اور قضیۂ عرفیہ میں حکم کی بنا اتصاف پر ہوتی ہے اس صورت میں یہ مطلب ہو گا کہ لعان کرنے والے جب تک صفت لعان کے ساتھ متصف رہیں گے جمع نہیں ہو سکتے (اور جب صفت لعان ختم ہو گئی تو عدم اجتماع کا حکم بھی ختم ہو گیا کیونکہ مرد نے اپنی تکذیب خود کر دی تو صفت لعان جاتی رہی اور عدم اجتماع کا حکم زائل ہو گیا) ہم کہتے ہیں یہ قضیۂ عرفیہ نہیں ہے، قضیۂ عرفیہ میں صفت موضوع پائیدار ہوتی ہے اور لعان استمراری وصف نہیں ہے اس لئے اس جگہ حکم بشرط وصف نہیں ہو سکتا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس مرد و عورت نے کبھی لعان کر لیا ہو ان کا آئندہ کبھی نکاح میں اجتماع نہیں ہو سکتا۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جب تک وہ لعان پر قائم رہیں اور ہر ایک دوسرے کو جھوٹا کہتا رہے تو عدم تزوج کا حکم جاری رہے گا اور جب دونوں میں سے کوئی اپنے کو جھوٹا مان لے تو تزوج باہمی جائز ہو جائے گا۔

مسئلہ:۔ اگر مرد نے کہا کہ یہ بچہ مجھ سے نہیں ہے تو قاضی (لعان کے بعد) بچہ کا نسب اس شخص سے نہیں جوڑے گا (بچہ کا باپ اس لعان کرنے والے کو نہیں قرار دے گا) اور ماں سے اس کا الحاق کر دے گا جو لوگ لعان کے بعد تفریق کے لئے حاکم کے فیصلہ کو ضروری قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک مذکور الصدر فیصلہ کے اندر ضمنی طور پر تفریق کا فیصلہ بھی ہو جائے گا (اور جو لوگ تفریق کے لئے قضاء قاضی کی ضرورت نہیں سمجھتے ان کے نزدیک بہر حال تفریق ہو جائے گی) بصورت مذکورہ لعان کے وقت مرد کو یہ الفاظ کہنا ہوں گے کہ میں نے جو اپنا بچہ ہونے کا انکار کیا ہے خدا گواہ ہے میں اس قول میں سچا ہوں عورت بھی لعان میں ان الفاظ کا اضافہ کرے گی۔

اگر عورت کے زانی ہونے اور اپنا بچہ نہ ہونے کا مرد نے اظہار کیا ہے تو لعان میں دونوں باتوں کا ذکر کرنا ہو گا، پھر بچہ کا الحاق اس کی ماں سے کر دیا جائے گا حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرد اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرایا۔ مرد نے اپنا بچہ ہونے کا انکار کیا تھا حضور نے دونوں میں تفریق کرا دی اور بچہ کا الحاق ماں سے کر دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

مسئلہ:۔ اگر مرد نے عورت سے کہا تیرا (یہ) حمل مجھ سے نہیں ہے تو امام ابو حنیفہ امام زفر اور امام احمد کے نزدیک لعان کا حکم نہیں دیا جائے (نہ مرد پر حد قذف جاری ہو گی نہ عورت کو زانیہ قرار دیا جائے گا) کیونکہ بچہ ہونا یقینی نہیں ہے (ممکن ہے حمل ہی نہ ہو) امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک لعان کرایا جائے گا امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا اگر بچہ چھ ماہ سے کم مدت میں پیدا ہو جائے گا تو لعان واجب ہو جائے گا اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ بچے کے پیدا ہونے تک لعان نہیں کرایا جائے گا اگر چھ ماہ سے کم میں بچہ ہو گیا تو لعان واجب ہو گا ورنہ نہیں۔ بعض طرق روایت میں حضرت ہلال کے قصہ میں آیا ہے کہ لعان ولادت کے بعد کیا گیا تھا۔

صحیحین میں حضرت ابن عباس کی روایت سے حضرت ہلال کے قصہ میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ ظاہر فرما دے اور بچہ اس شخص کی شکل کے مشابہ پیدا ہوا جس کے ساتھ زنا کا الزام ہلال نے قائم کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دونوں میں لعان کر دیا۔

امام مالک اور امام شافعی نے اپنے قول کی دلیل میں حسب روایت ابو داؤد بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہلال اور ان کی

Marfat.com

بیوی کے درمیان تفریق کرادی اور فیصلہ فرمایا کہ بچے کو باپ کی طرف منسوب نہ کیا جائے اور نہ اس کو ولد الزنا قرار دیا جائے۔ اور نہ اس کی ماں کو متہم بالزنا کیا جائے۔

جو شخص عورت کو زنا کے ساتھ اور بچہ کو والد الزنا ہونے کے ساتھ متہم کرے اس پر حد (زنا) جاری کی جائے۔

عکرمہ نے کہا وہ بچہ مصر کا گورنر ہوا اور کسی باپ کی طرف اس کی نسبت نہیں کی جاتی تھی۔

اکثر طرق روایت میں آیا ہے کہ لعان کرنے کے وقت ہلال کی بیوی حاملہ تھی۔

نسائی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عجلانی اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرلیا، بیوی اس وقت حاملہ تھی، عبدالرزاق نے بھی یہ واقعہ اسی طرح نقل کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ شوہر نے کہا میں عفار النخل سے ہی اس (عورت) کے قریب نہیں گیا ہوں (اس لئے یہ بچہ مجھ سے نہیں ہے) عفار النخل کا یہ معنی ہے کہ شاخ تراشی کے بعد دو مہینہ تک درخت کو سینچانہ جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ ظاہر کردے چنانچہ پیدا ہوا تو بڑی بری شکل کا تھا۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکار حمل کی صورت میں لعان جائز ہے۔

اس حدیث کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ ہلال نے عورت پر زنا کا الزام قائم کیا تھا انکار حمل نہیں کیا تھا اسی لئے لعان کرلیا گیا۔ وکیع کی روایت میں جو آیا ہے کہ ہلال منکر حمل تھے اس لئے انہوں نے لعان کیا تھا۔ امام احمد نے اس روایت کی صحت سے انکار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ وکیع کی غلطی ہے کہ انہوں نے لعان کی وجہ انکار حمل کو قرار دیا حقیقت یہ ہے کہ ہلال جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بیوی کے زنا کی انہوں نے شہادت دی تو رسول اللہ ﷺ نے لعان کرایا انکار حمل لعان کی وجہ نہیں تھی۔

میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ ہلال نے دونوں الزام قائم کئے تھے بغوی نے حضرت ابن عباس اور قتادہ کی روایت سے جو قصہ نقل کیا ہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

اگر ہلال کی طرف سے صرف زنا کا الزام ہوتا تو رسول اللہ ﷺ (صراحت کے ساتھ) اس کی طرف بچہ کو منسوب کرنے کی ممانعت نہ فرماتے، کیونکہ زانی کے علاوہ ہلال کے تخم سے بچہ کا ہونا بھی محتمل تھا صرف نفی حمل کی وجہ سے لعان کا جواز ہلال والی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔

اسی طرح حضرت ابن عباس نے عجلانی اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرنے کا جو واقعہ بیان کیا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس وقت وہ حاملہ تھی اس سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عجلانی نے صرف انکار حمل کیا تھا (اور زنا کا الزام قائم نہیں کیا تھا) بلکہ ابن سعد نے طبقات میں حضرت عبداللہ بن جعفر کی روایت سے عویمر کے حالات کے ذیل میں بیان کیا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر نے فرمایا میرے سامنے کا واقعہ ہے میں موجود تھا جب کہ عویمر بن حارث عجلانی نے اپنی بیوی پر شریک بن سحما سے زنا کرنے کا الزام قائم کیا تھا اور اس کے حمل کا بھی انکار کردیا تھا عورت حاملہ تھی رسول اللہ ﷺ نے دونوں میں لعان کرادیا میں نے خود دیکھا کہ منبر کے پاس کھڑے ہوئے دونوں لعان کر رہے تھے کچھ مدت کے بعد بچہ پیدا ہوا تو شریک بن سحما سے وہ بہت زیادہ مشابہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بچے کا الحاق اس کی ماں سے کردیا۔

عویمر کو اس کے خاندان والے بہت ملامت کیا کرتے تھے اور کہتے تھے ہم تو اس عورت کو نیک ہی جانتے ہیں، لیکن جب بچہ شریک کا ہم شکل پیدا ہوا تو پھر لوگوں نے عویمر کو معذور سمجھا (یعنی ملامت کرنا چھوڑ دیا) بچہ دو سال زندہ رہ کر مر گیا اس کی ماں بھی اس کے کچھ دنوں بعد مر گئی اور شریک اس واقعہ کے بعد لوگوں کی نظر میں ذلیل ہو گیا۔ قصہ کی یہ تفصیل دلالت کر رہی ہے کہ عویمر نے عورت کے زنا کرنے کا بھی دعویٰ کیا تھا اور حمل کا بھی انکار کیا تھا۔

صاحبین کے قول کی دلیل یہ ہے کہ جب شوہر نے انکار حمل کردیا اور چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہو گیا تو اس سے ثابت ہو جائے گا کہ انکار کے وقت حمل موجود تھا لہٰذا قذف متحقق ہو گیا اور حد قذف سے بچنے کے لئے لعان کیا جائے گا۔

Marfat.com

امام صاحب نے فرمایا حمل کا وجود بالفعل یقینی نہیں تو گویا انکار ولد مشروط ہوا اور مطلب یہ ہوا کہ اگر تو حاملہ ہو تو تیرا یہ حمل مجھ سے نہیں ہے اور قذف کو مشروط کرنا صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ :- اگر شوہر نے یہ الفاظ کہے تو نے زنا کیا اور تیرا حمل زنا کا ہے تو بالاتفاق لعان کرنا ہوگا۔ کیونکہ صراحت کے ساتھ اس نے زنا کاذکر کیا ہے اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک حاکم نفی نسب کا فیصلہ نہیں کرے گا۔ (یعنی یہ حکم نہیں دے گا کہ یہ بچہ تیرا نہیں ہے کسی اور کا ہے) امام شافعیؒ کا قول اس کے خلاف ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بچہ کا الحاق ہلال کے ساتھ نہ کرنے کا حکم دیا تھا اور ہلال نے جس وقت عورت پر الزام لگایا تھا اس وقت وہ حاملہ تھی۔ امام صاحب نے فرمایا احکام کا اجراء تو ولادت کے بعد ہوگا۔ ولادت سے پہلے حمل کا یقین نہیں۔ باقی رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حمل کا موجود ہونا رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعہ سے معلوم ہو گیا (اس لئے آپ نے فوراً فیصلہ کر دیا کہ بچہ کا الحاق ہلال سے نہ کیا جائے)

میں کہتا ہوں امام صاحب کی یہ بات بعید از فہم ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ظاہری امور کی بنیاد پر فیصلہ فرماتے تھے تاکہ مسلمان آپ کا اتباع کریں (پوشیدہ) وحی پر آپ کے فیصلوں کی بناء نہ تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ یہ نہ فرماتے کہ تم دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے بلکہ یقین کے ساتھ دونوں میں سے ایک کے متعلق فرمادیتے کہ تو جھوٹا یا تو جھوٹی ہے۔

مسئلہ :- اگر بچہ کے پیدا ہونے کے بعد شوہر اپنا بچہ ہونے کا انکار کر دے تو امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا انکار صحیح مانا جائے گا بشرطیکہ پیدا ہونے کی خبر سنتے ہی اس نے انکار کر دیا ہو اس صورت میں لعان کیا جائے گا اور اگر خبر ولادت سنتے ہی کچھ نہیں کہا بعد کو انکار نسب کیا تو نسب ثابت مانا جائے گا (انکار صحیح نہ ہوگا) اور (قذف کی وجہ سے) لعان کرنا ہوگا۔

امام صاحب نے فرمایا مبارک باد کے وقت اس نے اگر انکار نسب کر دیا تو انکار صحیح مانا جائے گا۔ (ظاہر روایت کے اعتبار سے) تعیین مدت کے سلسلہ میں امام صاحب کا قول نہیں آیا۔ ابواللیث کی روایت میں آیا ہے کہ امام صاحب نے تین روز کی مدت (انکار کے لئے) مانی ہے۔ حسن کی روایت میں سات روز کا لفظ آیا ہے صاحبین کے نزدیک پوری مدت نفاس انکار کی مدت ہے ظاہر قیاس کا تقاضا ہے کہ فوراً ولادت کی خبر سن کر اگر انکار نسب کر دیا ہو تو مانا جائے اور کچھ وقفہ خاموشی میں گزر گیا ہو تو پھر انکار کو صحیح نہ قرار دیا جائے کیونکہ (موقع اظہار میں) خاموشی رضامندی کی علامت ہے لیکن دقیق قیاس (استحسان) کا فیصلہ ہے کہ اس کو سوچنے اور غور کرنے کی کچھ مدت ملنی چاہئے بغیر غور کئے اگر انکار نسب کر دے گا (اور واقع میں وہ بچہ اس کا ہوگا) تو یہ حرام ہے اور اگر دوسرے کا بچہ ہے اور اسکو وہ اپنا بچہ قرار دے دے گا تو یہ بھی حرام ہے (اپنے بچے کا باپ کسی دوسرے کو قرار دینا یا دوسرے بچے کا باپ اپنے کو ظاہر کرنا دونوں کبیرہ گناہ ہیں)

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے جس عورت نے کسی دوسری قوم کے آدمی کو اپنی قوم میں شامل کیا (یعنی کسی دوسرے شخص سے زنا کرنے کے بچہ کو اپنے شوہر کا بتایا) وہ اللہ کی رحمت سے خارج ہو گئی اور اللہ قیامت کے دن اس کو جنت میں داخل نہیں فرمائے گا اور جس مرد نے دیدہ و دانستہ اپنے بچہ کا باپ ہونے سے انکار کر دیا تو اللہ قیامت کے دن اس سے پردہ کرے گا (اللہ کا دیدار اسے میسر نہ ہو گیا) اور اگلے پچھلوں کے سامنے اس کو رسوا کرے گا۔ رواہ ابوداؤد والنسائی والشافعی وابن حبان والحاکم۔ دار قطنی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

صحیحین میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابو بکرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام (کے دور) میں کسی نے غیر باپ کو اپنا باپ قرار دیا اور وہ واقف بھی ہے کہ جس شخص کی طرف وہ اپنے باپ ہونے کی نسبت کر رہا ہے وہ اس کا باپ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام ہے۔

مسئلہ :- اگر بچے کی پیدائش کے وقت مرد کہیں غائب تھا تو واپس آنے کے بعد کی مدت کا اعتبار کیا جائے گا۔ صاحبین کے نزدیک اتنی مدت غور کرنے کے لئے دی جائے گی جتنی مدت نفاس کی ہوتی ہے اور امام صاحب کے نزدیک مدت مبارک باد

Marfat.com

کی برابر مدت تامل کے لئے کافی ہے۔

مسئلہ :- اگر شوہر کو اپنی بیوی کے زنا کا یقین ہو گیا یا زید سے زنا کرنے کی خبر مشہور ہونے کی بناء پر پختہ گمان ہو گیا اور تائیدی قرینہ بھی موجود ہے (مثلاً) شوہر نے زید کو اس عورت کے ساتھ تنہائی میں دیکھ لیا تو اس صورت میں وہ عورت پر زنا کا الزام قائم کر سکتا ہے یا اگر عورت کے کوئی بچہ پیدا ہوا اور اس نے بیوی سے قربت ہی نہیں کی اس لئے اس کو یقین ہو گیا کہ یہ بچہ مجھ سے نہیں ہے تو انکار ولدیت کرنا جائز ہے۔ یا قربت تو کی تھی لیکن وقت قربت سے ابھی چھ مہینے گزرنے نہیں پائے تھے کہ بچہ ہو گیا یا دو سال گزرنے کے بعد بچہ پیدا ہوا۔ ان سب صورتوں میں بچے سے انکار کر دینا اس کے لئے جائز ہے ہاں اگر چھ ماہ سے اوپر دو سال کے اندر بچہ پیدا ہوا یا حیض نہ آنے کی وجہ سے استبراء رحم نہیں ہوا تو اس صورت میں بچہ کی ولدیت سے انکار ناجائز ہے اور حیض آنے کے وقت سے اگر چھ ماہ سے زیادہ عرصہ کے بعد بچہ پیدا ہوا تو بچہ کو اپنانے سے انکار جائز ہے۔

مسئلہ :- اگر جماع کیا یا عزل کیا یا عورت کے زنا کرنے کا اس کو (یقینی) علم ہو گیا اور اس بات کا احتمال ہے کہ بچہ اسی کا ہو یا زانی کا ہو تو اپنا بچہ ہونے کا انکار حرام ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ	اور (اے امت محمد) اگر تم پر اللہ کا فضل و رحمت نہ ہوتی۔

ع ۱/۱۰ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾	اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ (تو اللہ تم کو رسوا کر دیتا اور دنیا میں ہی فوری عذاب دیدیتا)

تواب (لوٹنے والا) ہے یعنی جو شخص پشیمان ہو کر اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی کا طلبگار ہوتا ہے اللہ اپنی رحمت کے ساتھ اس کی طرف التفات فرماتا اور لوٹتا ہے حکیم ہے یعنی جو حدود وغیرہ اللہ نے تم پر فرض کی ہیں وہ ان کی حکمت سے واقف ہے۔

شیخین وغیرہ نے بروایت زہری بوساطت عروہ بن زبیر و سعید بن مسیب و علقمہ بن وقاص و عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود ام المومنین حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے یہ بیان اس وقت دیا تھا جب تہمت تراشوں کے الزام سے اللہ نے حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی ظاہر فرما دی۔

زہری نے کہا مجھ سے متعدد اہل حدیث نے یہ قصہ بیان کیا۔ بعض نے کم بعض نے زیادہ لیکن ہر ایک کا بیان دوسرے کے بیان کی تائید کرتا ہے عروہ کی روایت میں حضرت عائشہ کا بیان حسب ذیل آیا ہے۔ ام المومنین نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر پر تشریف لے جاتے تو اپنی بیویوں میں قرعہ اندازی کرتے تھے جس بی بی کا نام نکل آتا اس کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک جہاد[۱] پر آپ تشریف لے جانے لگے تو حسب معمول قرعہ اندازی کی میرا نام نکل آیا۔ مجھے آپ نے ساتھ لے لیا یہ واقعہ پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ میں ہودج میں سوار ہوئی میرا ہودج ہی اٹھا کر (اونٹ پر) رکھا جاتا تھا اور نیچے اتارا جاتا تھا (مجھے باہر نکلنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی) اس طرح ہم مدینے سے چلدیئے۔ جب جہاد سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور مدینے کے قریب پہنچ کر ایک جگہ اترے رات کو کوچ کرنے کا اعلان ہوا۔ میں (رفع ضرورت کو جانے کے لئے) اٹھی اور چل کر لشکر سے آگے نکل گئی۔ ضرورت سے فارغ ہو کر جب اپنے مقام پر پہنچی اور سینہ کو ٹٹولا تو عقیق[۲] یمنی کا جو ہار میں پہنے تھی وہ ٹوٹ کر کہیں گر گیا۔ میں ہار کو ڈھونڈنے کے لئے فوراً لوٹ پڑی۔ ہار کی تلاش میں مجھے دیر ہو گئی میرے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھنے والے لوگ آئے اور یہ خیال کر کے کہ میں ہودج کے اندر ہوں خالی ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔ اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں بھاری نہیں ہوتی تھیں ان پر گوشت نہیں چڑھا ہوتا تھا کھانا تھوڑا کھاتی تھیں اس لئے لوگوں نے ہودج کی خفت محسوس نہ کی۔ پھر میں تو کم سن لڑکی ہی تھی انہوں نے ہودج کو اونٹ پر لاد دیا اور اونٹ کو کھڑا کر کے چل

---

[۱] یعنی غزوہ بنی مصطلق جو ۶/ ہجری میں ہوا۔ [۲] جزع اظفار۔ اظفار ایک قسم کی خوشبو ہوتی ہے صحیح روایت میں ظفار آیا ہے ظفار یمن میں ایک شہر کا نام تھا جزع ظفار سے یمنی پوتھ یعنی عقیق یمنی مراد ہے۔

Marfat.com

ہے لشکر کے روانہ ہونے کے بعد مجھے ہار مل گیا۔ پڑاؤ پر واپس آئی تو وہاں کوئی بھی نہ تھا پڑاؤ بالکل خالی تھا مجبوراً میں اپنی فرودگاہ پر ہی رک گئی اور خیال کیا کہ جب لوگ مجھے نہ پائیں گے تو لوٹ کر ضرور آئیں گے۔ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے مجھے نیند آگئی اور میں سو گئی۔

صفوان بن معطل سلمی ذکوانی نے لشکر سے پیچھے بہت دور قیام کیا تھا (کیونکہ لشکر کی کوئی گری پڑی چیز تلاش کرنے اور نگرانی رکھنے پر ان کو مامور کیا گیا تھا) وہ رات کے آخری حصہ میں اپنی فرودگاہ سے (حسب الحکم) روانہ ہوئے اور صبح کو میری فرودگاہ پر پہنچ گئے انہوں نے دیکھا کہ کوئی سو رہا ہے دیکھتے ہی مجھے پہچان لیا کیونکہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے انا للّٰہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔ میں ان کے پڑھنے کی آواز سے بیدار ہو گئی اور اپنا چہرہ چادر سے ڈھانک لیا خدا کی قسم انہوں نے مجھ سے کوئی بات ہی نہیں کی اور سوائے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون کے اور کوئی لفظ میں نے ان سے نہیں سنا اپنی اونٹنی انہوں نے میرے پاس لا کر بٹھا دی اور اس کا ٹھنگنا باندھ دیا۔ میں اٹھ کر اونٹنی پر سوار ہو گئی وہ مہار پکڑے ہوئے آگے آگے چلتے رہے ہمارا لشکر ٹھیک دوپہر کے وقت ایک جگہ ٹھہر گیا تھا میں۔

اس طرح لشکر تک پہنچ گئی۔ میرے معاملہ میں جس (تہمت تراش) کو ہلاک ہونا تھا وہ (غلط افواہیں پھیلا کر) مارا گیا۔ اس تہمت تراشی کا سب سے بڑا ذمہ دار عبداللہ بن ابی بن سلول تھا میں مدینے پہنچ کر بیمار ہو گئی اور ایک مہینہ بیمار رہی لوگ الزام تراشوں کی باتوں میں مشغول تھے۔ بیماری کے زمانے میں مجھے پتہ نہیں تھا صرف یہ بات میرے لئے ضرور پریشان کن اور شبہ پیدا کرنے والی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کا وہ التفات میری طرف نہ تھا جو میری بیماری میں پہلے ہوا کرتا تھا۔ بس اتنی بات ہوتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ (حسب معمول) آتے اور سلام علیک کرتے اور فرماتے تم لوگ کیسے ہو پھر واپس چلے جاتے اس سے مجھے شبہ ہوتا پریشانی ہوتی۔ لیکن راز کا پتہ نہ تھا۔ جب میں اچھی ہو گئی مگر کمزور تھی تو ایک رات کو ام مسطح کو ساتھ لے کر میں مناصع کی طرف جانے کے لئے نکلی پہلے ہمارے گھروں کے پاس بیت الخلاء بنے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔ رفع ضرورت کے لئے رات کو ہم جنگل کی طرف عربوں کے پہلے رواج کے مطابق جایا کرتے تھے ہم کو گھروں کے قریب ٹٹیاں بنانے سے (بدبو سے) ایذا ہوتی تھی۔ (مسطح کی ماں ابورہم بن عبد مناف کی بیٹی تھی اور مسطح کی نانی صخر بن عامر کی بیٹی تھی صخر کی بیٹی حضرت ابو بکر صدیق کی خالہ تھی اور اس کا بیٹا مسطح بن اثاثہ تھا) غرض میں اور ام مسطح دونوں ساتھ ساتھ ضرورت سے فارغ ہو کر گھر کی طرف کو لوٹے، ام مسطح کا پاؤں چادر میں الجھ گیا اور اس نے ٹھوکر کھائی گرتے ہی اس کے منہ سے نکلا مسطح مرے، میں نے کہا تم نے یہ بہت بری بات کہی کیا تم ایسے شخص کو کوس رہی ہو جو بدر میں شریک تھا۔ ام مسطح نے کہا بیٹی کیا تم نے اس کی بات نہیں سنی۔ میں نے کہا اس نے کیا کہا۔ اس پر ام مسطح نے مجھے تہمت تراشوں کی کہی ہوئی بات بتائی۔ اس بات کو سن کر میری بیماری اور بڑھ گئی جب گھر لوٹ کر آئی اور رسول اللہ ﷺ (حسب معمول) تشریف لائے اور دریافت کیا آپ لوگ کیسے ہیں تو میں نے کہا کیا آپ کی اجازت ہے میں اپنے والدین کے گھر جانا چاہتی ہوں۔ میرا خیال تھا کہ مجھے یقینی خبر ماں باپ سے مل جائے گی۔ آپ نے اجازت دیدی میں والدین کے گھر پہنچی اور اپنی والدہ سے پوچھا اماں لوگ یہ کیا باتیں کر رہے ہیں والدہ نے کہا بیٹا تم اس کا رنج نہ کرو جب کوئی عورت کسی شوہر کی نظر میں چہیتی ہوتی ہے اور شوہر اس سے محبت کرتا ہے اور اس کی سوکنیں بھی ہوتی ہیں تو سوکنیں اس کے خلاف بڑی بڑی باتیں بناتی ہیں میں نے کہا سبحان اللہ لوگ یہ باتیں کہہ رہے ہیں، میں اس خبر کو سن کر رات بھر روتی رہی صبح تک نہ میرا آنسو تھما نہ نیند آئی پھر صبح کو بھی روتی رہی۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابی طالب اور اسامہ بن زید کو مشورہ کے لئے بلایا کیونکہ وحی آنے میں دیر ہو گئی تھی (مدت سے وحی نہیں آئی تھی) اسامہ رسول اللہ ﷺ کی بیوی کی پاک دامنی سے واقف تھے انہوں نے پاک دامن ہونے کا ہی مشورہ دیا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ اسامہ کے دل میں رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں کی محبت تھی اسی کے مطابق انہوں نے مشورہ دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ آپ کی بیوی ہیں اور ہم تو ان کو اچھا ہی جانتے ہیں لیکن علی نے کہا آپ کے لئے اللہ

Marfat.com

نے کوئی تنگی نہیں رکھی ان کے علاوہ بہت عورتیں ہیں۔ آپ خادمہ سے دریافت کریں وہ سچ سچ کہہ دے گی رسول اللہ ﷺ نے بریرہ کو بلایا اور فرمایا کیا تو نے عائشہ کی کوئی ایسی حرکت دیکھی ہے جس سے تیرے دل میں کچھ شک گزرا ہو بریرہ نے کہا قسم ہے اسکی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے میں نے عائشہؓ کی کوئی بات ایسی نہیں دیکھی کہ میں نکتہ چینی کرسکوں ہاں بس اتنی بات ضرور ہے کہ وہ چونکہ کم سن لڑکی ہے سو جاتی ہے آٹا گوندھا ہوا رکھا رہتا ہے بکری آتی ہے اس کو کھا جاتی ہے۔ اس تحقیقات کے بعد رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور عبداللہ بن ابی کی طرف سے معذرت پیش کرنے کے خواستگار ہوئے اور فرمایا اے گروہ اہل اسلام میرے گھر والوں کے معاملہ میں عبداللہ بن ابی کی ذات سے مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے کیا کوئی اس کی طرف سے میرے سامنے کوئی عذر پیش کرسکتا ہے خدا کی قسم مجھے اپنی بیوی کے متعلق (کوئی بری بات نہیں معلوم ہوئی) اچھائی ہی معلوم ہوئی لوگ ایک ایسے آدمی کا نام لے رہے ہیں جس کے اندر مجھے کوئی برائی معلوم نہیں ہے (وہ اچھا ہی ہے) اور وہ میرے گھر کے اندر میرے ساتھ ہی جاتا ہے۔ (تنہا نہیں جاتا) یہ سن کر سعد بن معاذ اشہلی کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (اگر آپ کی طرف سے تہمت تراش کو کچھ دکھ پہنچ جائے تو) میں آپ کو معذور جانتا ہوں اگر وہ اس کے قبیلہ میں ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر ہمارے خزرجی بھائیوں میں سے ہے تو آپ جو حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ یہ بات سنکر قبیلہ خزرج کا ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا حسان کی ماں اس شخص کے چچا کی بیٹی تھی۔ یعنی سعد بن عبادہ سردار خزرج کھڑے ہوئے پہلے یہ نیک آدمی تھے لیکن قبیلہ کی حمیت ان پر سوار ہو گئی اور سعد بن معاذ سے کہنے لگے خدا کی قسم تم نے جھوٹ کہا تم نہ اس کو قتل کرو گے نہ اس کو قتل کرنے کی تم میں ہمت ہے اور اگر تمہارے قبیلہ والوں میں سے وہ ہوتا تو میرے خیال میں تم اس کو قتل کرنے کا ارادہ ہی نہ کرتے اس پر سعد بن معاذ کے چچازاد بھائی اسید بن حضیر نے سعد بن عبادہ سے کہا تم نے خدا کی قسم جھوٹ کہا ہم اس کو ضرور بالضرور قتل کردیں گے۔ تم یقیناً منافق ہو منافقوں کی طرف سے لڑتے ہو اس کے بعد اوس اور خزرج دونوں قبیلے جوش میں آگئے قریب تھا کہ آپس میں لڑ پڑیں رسول اللہ ﷺ منبر پر موجود تھے آپ سب کو ٹھنڈا کر رہے تھے آخر سب خاموش ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی خاموشی اختیار کرلی۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں اس روز بھی دن بھر روتی رہی اور رات بھر بھی روتی رہی اور رات بھر بھی میرا آنسو نہ تھما نہ نیند آئی والدین کو اندیشہ ہو گیا کہ روتے روتے میرا جگر نہ پھٹ جائے۔ دونوں حضرات میرے پاس بیٹھے ہی ہوئے تھے اور میں رو رہی تھی کہ ایک انصاری عورت نے اندر آنے کی اجازت طلب کی میں نے اجازت دیدی وہ آکر بیٹھ گئی اور میرے ساتھ رونے لگی۔ کچھ دیر کے بعد رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور بیٹھ گئے۔ اس سے پہلے جب سے میرے متعلق چہ میگوئیاں شروع ہوئی تھیں رسول اللہ ﷺ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے اور ایک مہینہ کا وقفہ گزر چکا تھا اس عرصہ میں میرے معاملے کے متعلق کوئی وحی بھی نہیں آئی تھی بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ نے اول کلمۂ شہادت پڑھا، پھر فرمایا عائشہ مجھے تیرے متعلق ایسی ایسی خبریں پہنچی ہیں اگر تو ان سے پاک ہے تو اللہ تیری پاکی ظاہر فرمادے گا اور اگر تو اتفاقاً کسی گناہ میں مبتلا ہو گئی ہے تو اللہ سے توبہ واستغفار کر، بندہ جب گناہ کا اقرار کرلیتا ہے اور معافی کا طلبگار ہوتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ اپنی بات پوری کرچکے تو میرے آنسو تھم گئے کہ ایک قطرہ بھی نکلتا مجھے محسوس نہ ہوا پھر میں نے اپنے والد سے کہا رسول اللہ ﷺ کی بات کا جواب دیجئے، والد نے کہا خدا کی قسم مجھے کوئی جواب معلوم نہیں کیا جواب دوں پھر میں نے اپنی والدہ سے یہی بات کہی کہ آپ جواب دیجئے انہوں نے بھی والد کی طرح یہی کہا کہ میں کیا کہوں مجھے کوئی جواب معلوم نہیں آخر میں نے خود کہا (اس وقت میں نوعمر لڑکی تھی زیادہ قرآن بھی نہیں پڑھا تھا) خدا کی قسم میں جان گئی کہ تم لوگوں نے یہ بات سنکر اپنے دلوں میں جمالی ہے اور اس کو سچ ماننے لگے ہو، اب اگر میں کہوں کہ میں اس سے پاک ہوں اور خدا جانتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں تو تم مجھے سچا سمجھو گے (اس لئے میں کچھ نہیں کہہ سکتی) مجھے اپنی اور تمہاری حالت کی سوائے اس کے اور کوئی مثال نہیں ملتی جو یوسفؑ کے باپ نے کہا تھا فصبر جمیل واللّٰہ المستعان علی ماتصفون (پس میں یہی کہتی ہوں) یہ کہنے کے بعد میں نے منہ موڑ

Marfat.com

لیا اور بستر پر لیٹ گئی۔ میں یہ تو جانتی تھی کہ چونکہ میں پاک ہوں اللہ ضرور میری پاکی کا اظہار فرمادے گا۔ لیکن میرا یہ گمان بھی نہ تھا کہ میرے معاملے میں اللہ کوئی ایسی وحی نازل فرمائے گا جو (ہمیشہ قرآن میں) پڑھی جائے گی۔ میرے دل میں میری حالت اس قابل نہ تھی کہ اللہ اس کے سلسلہ میں اپنا کلام نازل فرماتا جو (ہمیشہ) پڑھا جائے گا۔ مجھے تو یہ امید تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ کی طرف سے میری پاک دامنی کا کوئی خواب دکھا دیا جائے گا۔

خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ اپنی جگہ سے ہٹے بھی نہ تھے اور نہ کوئی گھر والا باہر نکلا تھا کہ اللہ نے اپنے نبی پر وحی نازل فرما دی اور نزول وحی کے وقت رسول اللہ ﷺ پر جو تکلیف ہوتی تھی وہ ہونے لگی سخت سردی کے زمانے میں نزول وحی کے وقت چاندی کے موتیوں جیسے پسینے کے قطرے آپ کی پیشانی سے ٹپکنے لگتے تھے۔

کچھ دیر کے بعد وحی کی وہ حالت دور ہوئی اور ہنستے ہوئے جو لفظ آپ نے سب سے پہلے اپنے منہ سے نکالا وہ یہ تھا۔ عائشہؓ خوش ہو جا۔ اللہ نے تیری پاک دامنی کا اظہار کر دیا، میری ماں نے کہا اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں نہ اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف جاؤں گی۔ نہ اللہ کے سوا کسی کا شکر کروں گی۔ اللہ نے میری پاکی ظاہر فرمائی ہے اللہ نے مندرجہ ذیل آیات نازل فرمائیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ‌ؕ جو لوگ طوفان لائے وہ تمہاری ہی ایک جماعت ہے۔

یہ دس آیات ہیں افک، انتہائی درجہ کا جھوٹ، افک کا لغوی معنی ہے موڑ دینا الٹ دینا، حضرت عائشہؓ پر تہمت کو افک اس وجہ سے فرمایا کہ آپ اپنی پاک دامنی اور شرافت نفس کی وجہ سے تعریف اور دعا کی مستحق تھیں صدیق اکبرؓ کی بیٹی تھیں رسول اللہ ﷺ کی بیوی تھیں۔ مسلمانوں کی ماں تھیں ہر طرح کی تعظیم و تکریم آپ کی واجب تھی پس اس کے برعکس جس نے آپ کے اوپر تہمت لگائی اس نے (گویا) حقیقت کو ہی الٹ دیا یہ قلب حقیقت ہو گیا۔

عصبۃ دس سے چالیس تک کے آدمیوں کی جماعت اس کا کوئی واحد نہیں کذافی النہایۃ۔

منکم یعنی مسلمانوں میں سے۔

بخاری وغیرہ کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں (ام المومنین) زینب بنت جحش کو ان کی دینداری کی وجہ سے اللہ نے (اس تہمت تراشی سے) بچائے رکھا۔ انہوں نے سوائے کلمہ خیر کے اور کچھ نہیں کہا لیکن ان کی بہن حمنہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو گئی (یعنی تہمت تراشی کرنے والوں کی ہمنوا بن گئی) یہ باتیں کرنے والے مسطح، حسان بن ثابت اور عبداللہ بن ابی منافق تھے۔ عبداللہ بن ابی ہی ایسی باتیں نکال کر لاتا اور جمع کرتا تھا۔

بغوی نے لکھا ہے عروہ نے اہل افک میں صرف حسان بن ثابت مسطح بن اثاثہ، اور حمنہ بنت جحش کے نام دوسرے لوگوں کے ساتھ ذکر کیے۔ مجھے باقی لوگوں کے نام معلوم نہیں۔ اتنا ضرور معلوم ہے کہ ایک جماعت تھی جیسا کہ اللہ نے عصبۃ منکم فرمایا ہے (اور عصبہ دس سے کم کو نہیں کہتے)

عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ کو پسند نہ تھا کہ آپ کے سامنے حضرت حسان کو برا کہا جائے آپ فرماتی تھیں حسان کا ہی تو یہ شعر ہے۔

فان ابی ووالدتی و عرضی لعرض محمد منکم وقاء

میرے ماں باپ اور میری آبرو تم سے محمد کی آبرو کو بچانے والے ہیں

یعنی حضور ﷺ کی آبرو پر میرے والدین اور آبرو قربان۔

لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ‌ؕ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ‌ؕ تم اس بات کو اپنے لئے برا نہ سمجھو یہ تو تمہارے لئے بہتر ہے۔

Marfat.com

لاتحسبوہ کا خطاب رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کو ہے حضرت عائشہؓ پر عیب لگانے کا رنج رسول اللہ ﷺ کو تھا اور تمام مسلمانوں کو بھی تھا۔ حضرت عائشہؓ تمام مسلمانوں کی ماں تھیں۔

خیر لکم تمہارے لئے بہتر ہے۔ اسی سلسلے میں اللہ کے احکام تم کو ملے۔ تمہاری عزت عند اللہ کا اظہار ہوا۔ حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی اور عظمت شان کے اظہار کے لئے اللہ نے اپنے رسول پر آیات نازل فرمائیں۔ جن تہمت تراشی کرنے والوں نے یہ باتیں کیں اللہ نے ان کے لئے ہولناک وعید نازل فرمائی اور یہ تمام آیات قیامت تک محرابوں اور نمازوں میں پڑھی جائیں گی۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ ان میں سے ہر شخص کے لئے وہی گناہ ہے جو اس نے کمایا یعنی جس نے جتنا گناہ کیا اتنی سزا اس کے لئے مقرر ہے کسی نے خود الزام تراشی کی کسی نے اس کو پھیلانا پسند کیا۔ کسی نے دوسرے سے سن کر خود بھی بیان کرنا شروع کر دیا۔ کوئی صرف ہنس دیا زبان سے کچھ نہیں کہا اور کوئی سن کر خاموش رہا تردید نہیں کی۔ غرض جتنا گناہ کیا اتنی سزا اس کے لئے مقرر ہے۔

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عائشہ پر تہمت تراشی کی تھی رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے ہر ایک (پر حد قذف جاری کی ہر ایک) کو اسی اسی کوڑے لگوائے میں کہتا ہوں سزائے تازیانہ اور دنیا میں رسوائی تو ان کی دنیوی سزا تھی اور آخرت میں جتنی سزا اللہ کو منظور ہوگی مل جائے گی۔

وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾ اور ان میں سے جس نے اس طوفان میں بڑا حصہ لیا اس کو سخت سزا ہوگی۔

یعنی جس نے رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں اور مسلمانوں کو ذلیل کرنے کے لئے یہ طوفان سب سے پہلے اٹھایا اور اس کو پھیلایا اس کو سخت عذاب دیا جائے گا۔

زہری نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا یہ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا اور عذاب عظیم سے مراد ہے دوزخ کا عذاب۔

ابن ابی ملیکہ نے بروایت عروہ قصۂ افک کے ذیل میں حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے۔ ام المومنین نے فرمایا پھر میں سوار ہوگئی۔ صفوان نے اونٹ کی مہار پکڑلی (اور مہار پکڑے آگے آگے چلنے لگے) چلتے چلتے منافقوں کی ایک جماعت کی طرف سے ہمارا گزر ہوا منافقوں کا قاعدہ تھا کہ (مسلمانوں کے عام) لشکر سے الگ اپنا پڑاؤ کرتے تھے (ان کی فرودگاہ عام مسلمانوں کی فرودگاہ سے الگ ہوتی تھی) منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی کہنے لگا یہ عورت کون ہے۔ ساتھیوں نے جواب دیا عائشہ ہے عبداللہ بولا خدا کی قسم یہ اس سے نہیں بچی اور نہ وہ اس سے بچا تمہارے نبی کی بیوی رات بھر ایک مرد کے ساتھ رہی۔ پھر صبح ہوئی تو وہ شخص آگے آگے چلنے لگا۔ بعض کا قول ہے کہ الذی تولی کبرہ سے چار شخص مراد ہیں۔ عبداللہ بن ابی بن سلول حسان بن ثابت مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش۔ یہ قول کمزور ہے اگر ایسا ہوتا تو والذی تولی بجائے والذین تولوا (بصیغۂ جمع) ہوتا اس کے علاوہ مسطح اور حسان تو بدری تھے بدر میں شریک تھے اور شرکاء بدر کے تمام اگلے پچھلے گناہ اللہ نے معاف فرما دیئے ہیں (اس لئے ان پر آخرت میں عذاب عظیم نہیں ہو سکتا)

رسول اللہ ﷺ نے اہل بدر سے فرمادیا تھا جو چاہو کرو اللہ نے تم کو بخش دیا ہے۔ اللہ نے تمام (مخلص) صحابیوں کے متعلق فرمایا ہے وکلا وعد اللہ الحسنیٰ اور ہر ایک کے لئے اللہ نے جنت کا وعدہ کر لیا ہے۔ (اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ عذاب نہ ہوگا ممکن ہے عذاب کے بعد جنت میں داخلہ ہو)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ الذی تولی سے حسان مراد ہیں۔ بخاری نے مسروق کا بیان نقل کیا ہے۔ مسروق نے کہا میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا حسان بن ثابت اس وقت ام المومنین کے پاس موجود تھے اور حضرت عائشہؓ کی شان

Marfat.com

میں یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

حصان رزان ما تزن بریبۃ وتصبح غرثی من لحوم الغوافل

وہ بڑی پاک دامن اور بڑی باوقار ہیں۔ کسی شبہ کی بات سے متہم نہیں کی جاسکتیں ان کا پیٹ بے خبر بھولی عورتوں کے گوشت سے خالی رہتا ہے (یعنی کسی کی غیبت نہیں کرتیں)

ام المومنین نے فرمایا مگر تم ایسے نہیں ہو۔ مسروق کہتے ہیں میں نے ام المومنین سے عرض کیا آپ ان کو اپنے پاس آنے کی اجازت کیوں دیتی ہیں۔ اللہ نے تو فرمادیا ہے وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ام المومنین نے فرمایا نابینا ہو جانے سے سخت عذاب اور کیا ہوگا یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے (اپنے اشعار میں) دفاع کیا کرتے تھے یعنی جب مشرک رسول اللہ ﷺ کی ہجا کرتے تھے تو یہ مشرکوں کی ہجو کرتے تھے۔ مسروق کے اس بیان کی روشنی میں عذاب عظیم سے مراد دنیوی عذاب ہی ہوگا لیکن اول تفسیر ہی صحیح ہے۔

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا

جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے (یعنی اپنے بھائیوں کے) متعلق نیک گمان کیوں نہیں کیا۔

اذسمعتموہ یعنی جب تم نے یہ خبر سنی تھی تو اپنے دینی بھائیوں کے متعلق نیک گمان کیوں نہیں رکھا۔ دوسرے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو۔ انفسھم (یعنی اپنی ذات) سے تعبیر کیا کیونکہ تمام مومنوں بلکہ ہر مذہب کے علمبردار آپس میں ایک ذات کی طرح ہوتے ہیں۔ بعض دوسری آیات میں بھی اسی طرح آیا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ سَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ وغیرہ۔ آیت میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ ایمان کا تقاضا ہے تمام مومنوں کے متعلق اچھا گمان رکھنا۔ ان پر نکتہ چینی کرنے سے باز رہنا جو لوگ مومنوں کی عیب چینی کریں ان کا دفاع اس طرح کرنا جس طرح اپنی ذات کے خلاف حرف گیری کے وقت کیا جاتا ہے (خلاصہ یہ کہ تمام مسلمانوں کو اپنا بھائی اپنی ذات کی طرح سمجھنا ایمان کا تقاضا ہے)

وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۲﴾ اور کیوں (نہیں) کہا کہ یہ کھلا ہوا بہتان ہے۔

ایمان تو مدح اور تعظیم کا سبب ہے جو شخص اہل ایمان پر طعن و تشنیع کرتا ہے وہ گویا حقیقت ہی کو الٹ دیتا ہے اور تہمت تراشی اور غیبت کی وجہ سے فاسق گناہ گار ہو جاتا ہے اور فاسق کی شہادت قابل قبول نہیں ہے۔

مسئلہ:- اس آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کے متعلق حسن ظن رکھنا واجب ہے جب تک کوئی شرعی دلیل اس کے خلاف موجود نہ ہو ہر مومن کے متعلق اچھا خیال رکھنا لازم ہے۔

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ اپنے قول کے ثبوت کے لئے چار گواہ کیوں نہیں لائے کہ ان کی شہادت کے بعد حد زنا جاری کی جاتی۔

فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ پس جب گواہ نہ لائے تو اللہ کے نزدیک یہی لوگ جھوٹے ہیں کہ انہوں نے جو زنا کی خبر کا تذکرہ کیا وہ بہ نیت ثواب کیا (اللہ کی قائم کی ہوئی حد جاری کرانے کی کوشش باعث ثواب ہے) اگر کوئی کسی پر زنا کا الزام قائم کرے اور اتنے گواہ بھی پیش کر دے جو زنا کی سزا جاری کرنے کے لئے کافی ہوں تو ممکن ہو اس کی نیت بخیر ہو وہ اللہ کی نافرمانی سے لوگوں کو روکنا چاہتا ہو لیکن ضروری شہادت پیش نہ کر سکے تو اس صورت میں کسی پر زنا کا الزام لگانے کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ ایک مسلمان کو بدنام کرنا چاہتا ہے حد شرعی قائم کرانا نہیں چاہتا اس حالت میں اگر وہ شرعی سزا قائم کرانے کی نیت کا دعویٰ کرتا ہے تو عند اللہ جھوٹا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے عند اللہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ وہ اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت کی رو سے جھوٹے ہیں ان پر تہمت زنا

Marfat.com

کی حد جاری کی جائے گی اس وقت آیت کا پورا مطلب یہ ہوگا کہ جب وہ چار گواہ نہ پیش کر سکے تو ان کو تہمت زنا لگانے کی سزا دی جائے گی۔ کیونکہ حکم شریعت کے لحاظ سے وہ جھوٹے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے چار آدمیوں پر حد قذف جاری کی عبداللہ بن ابی، حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَاۤ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾

اور اگر دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس حرکت میں تم پڑے تھے اس میں تم پر سخت عذاب واقع ہو جاتا۔

یعنی اے مسلمانو! اگر نبی ﷺ کی وجہ سے تم پر اللہ کا کرم نہ ہوتا اور دنیا میں طرح طرح کی نعمتیں وہ اپنی رحمت سے نہ دیتا (بجملہ دوسری نعمتوں کے ایک اسلام کی توفیق اور رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا میسر آجانا بھی ہے جس کی وجہ سے عذاب کے نزول میں رکاوٹ ہوئی اور توبہ کا وقت مل گیا) اور آخرت میں اللہ کی رحمت تم پر نہ ہوتی (کہ اس نے عفو و درگزر اور جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمالیا ہے) تو جس ناز یبا اور پر معصیت مشغلہ میں تم گھس گئے تھے اس کی وجہ سے دنیا و آخرت میں تم پر بڑا عذاب آجاتا۔

افاضہ کسی کام میں گھس جانا بعض کے نزدیک افاضہ کا معنی ہے پھیلانا، خبر مستفیض مشہور خبر کو کہتے ہیں۔

لمسکم تو ضرور تم کو لگ جاتا جیسے دنیا میں عاد، ثمود، قوم لوط اور قوم شعیب پر عذاب آیا کہ ان کی جڑیں ہی اکھڑ گئیں۔

یہ آیت ان مومنوں کے متعلق ہے جو تھے تو اہل افک کے ساتھ مگر مومن تھے منافق نہ تھے۔ اور آیت والذی تولی کبرہ منھم لہ عذاب عظیم میں صرف منافق مراد ہیں جن میں سے عبداللہ بن ابی بھی اور زید بن رفاعہ جیسے لوگ بھی تھے۔

آیت میں لولا کا لفظ بتا رہا ہے کہ اللہ کے فضل و رحمت کی وجہ سے ان مومنوں پر عذاب نہ آیا جو افواہ میں شریک ہو گئے تھے کیونکہ لولا کا مفہوم ہے کسی چیز کا وجود میں نہ آنا کسی دوسری چیز کے موجود ہو جانے کی وجہ سے پس اللہ کا فضل و کرم چونکہ بروئے ظہور آگیا اس لئے عذاب وجود میں نہ آسکا اور والذی تولی کبرہ منھم لہ عذاب عظیم میں عذاب ہونے کی صراحت فرمادی ہے اس لئے ثبوت عذاب یقینی ہے۔

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

(تم کو عذاب پہنچ جاتا) جب کہ تم اس (طوفان و بہتان) کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی دلیل تم کو بالکل معلوم نہ تھی اور تم اس کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے۔ حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت سخت بات تھی۔

اذ ظرفیہ ہے اس کا تعلق مسکم یا افضتم سے ہے۔

تلقونہ تم اس کو اپنی زبانوں سے لے رہے تھے یعنی ایک دوسرے سے پوچھتا اور نقل کرتا تھا۔ کلبی نے کہا اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک شخص دوسرے سے ملتا اور کہتا تھا مجھے ایسی خبر ملی ہے کیا واقعہ ہے اس طرح ایک دوسرے سے زبانی لیتا تھا۔

مجاہد نے کہا ایک دوسرے سے روایت اور نقل کرتا تھا۔ زجاج نے کہا بعض بعض سے سیکھتے تھے۔

وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ الخ یعنی تم صرف افواہی باتیں کہتے تھے جن کی کوئی حقیقت نہ تھی منہ سے ایسی باتیں نکالتے تھے جن کی واقعیت تم کو معلوم نہ تھی۔

ھینا آسان خفیف، جس کے نتیجہ میں کوئی خرابی تمہاری نظر میں نہ تھی۔

Marfat.com

عنداللّٰہ عظیم وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی تھی بھاری گناہ تھا جو بڑے عذاب کا موجب تھا۔ یوں بھی پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانی بہت بڑا گناہ ہے۔ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ عام طور پر موجب عذاب ہو جاتے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ ان الفاظ کی عذاب آفرینی کا کیا ٹھکانہ جن سے اللہ کے رسول کی عزت پر حرف آتا ہو اور آپ کی آبروریزی ہوتی ہو۔

حضرت معاذ بن جبل کا بیان ہے میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں لے جائے اور دوزخ سے دور کر دے فرمایا تم نے بڑی بات دریافت کی لیکن جس کے لئے اللہ آسان کر دے اس کے لئے آسان بھی ہے اللہ کی عبادت کرو۔ کسی چیز کو اس کے ساتھ (الوہیت و ربوبیت میں) ساجھی نہ بناؤ نماز قائم کرو زکوٰۃ ادا کرو۔ رمضان کے روزے رکھو، کعبے کا حج کرو آخر میں فرمایا کیا میں تم کو بھلائی کے دروازے نہ بتا دوں (یاد رکھو) روزہ (عذاب سے بچنے کی) سپر ہے خیرات گناہوں (کی آگ) کو اس طرح بجھا دیتی ہے جیسے پانی آگ کو اور رات کے جوف (وسط) میں نماز پڑھنا (بھی گناہ کی آگ کو بجھا دیتا ہے) پھر آپ نے آیت تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَعْمَلُوْنَ تک تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا کیا میں تمہیں (دینی) امور کا سر اور ستون اور اس کے کوہان کی چوٹی نہ بتا دوں۔ اسلام اس کا سر ہے نماز اس کا ستون ہے اور جہاد اس کے کوہان کی چوٹی ہے، پھر فرمایا کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتا دوں جس پر ان سب کا مدار ہے۔ میں نے عرض کیا ضرور فرمائیے حضور ﷺ نے اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا اس کو روکے رکھو۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا بات کرنے پر بھی ہماری پکڑ ہوگی۔ فرمایا معاذ، تجھ پر تیری ماں روئے زبانوں کے نتائج ہی تو لوگوں کو اوندھے منہ دوزخ میں گرائیں گے۔ (یعنی باتوں کی کھیتی دوزخ کی شکل میں کٹ کر سامنے آئے گی رواہ احمد، والترمذی وابن ماجہ۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾

اور (مسلمانو) جب تم نے (منافقوں سے یہ بہتان اور جھوٹ) سنا تھا تو ان کی تردید کرتے ہوئے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ ہمارے لئے یہ بات کہنی بھی جائز نہیں اے اللہ تو پاک ہے (تیرا رسول پاک ہے تیرے رسول کی بیوی پاک ہے) یہ بڑا بہتان ہے۔

مایکون لنا یعنی ہمارے لئے جائز نہیں سزاوار نہیں کہ یہ بات یا اس قسم کی باتیں کہیں، صدیق اکبر کی بیٹی اور رسول اللہ ﷺ کی بیوی کے متعلق ایسے بات کہنی تو سچے مسلمانوں کے لئے بہت ہی شاق تھی ویسے بھی کسی پاک دامن پر زنا کی تہمت لگانی فاسق بنا دیتی ہے آئندہ ایسے شخص کی شہادت قابل پذیرائی نہیں رہتی اور تہمت تراش مستحق سزا ہو جاتا ہے۔

سبحنک یعنی اے اللہ تو اس بات سے پاک ہے کہ تیرے نبی کی بیوی زانیہ ہو کیونکہ بیوی کی زناکاری تو شوہر کی آبرو کو تباہ کر دیتی ہے نبی لوگوں کو دعوت اصلاح دیتا ہے اس کے گھر میں ایسی بات ہوتی جو دوسروں کی نفرت کا باعث ہو کسی طرح جائز نہیں۔ (نہ عقلاً نہ نقلاً) پیغمبر کی بیوی کافرہ تو ہو سکتی ہے (کافروں کے لئے کفر باعث نفرت نہیں ہوتا اور پیغمبر کی بیوی کا کفر کسی کافر کو پیغمبر کے پاس آنے سے نہیں روکتا نہ بیوی کے کفر سے ان کی نظر میں نبی کی ذلت ہوتی ہے) جیسے حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویاں کافر تھیں لیکن بدکار نہیں تھیں۔

ھذا بھتان یعنی یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ سننے والا اس کو سن کر حیران رہ جاتا ہے جس پر دروغ بندی کی جا رہی ہے اس کی عظمت شان اور پھر اس کی طرف ایسی ذلیل حرکت کی نسبت سننے والے کو متحیر بنا دیتی ہے جس پر دروغ تراشی کی جاتی ہے اس کے مرتبے کے موافق تہمت (کے ہلکے بھاری ہونے) کا اندازہ قائم کیا جاتا ہے۔

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے (اور ممانعت فرماتا ہے) کہ ایسی حرکت دوبارہ پھر کبھی نہ کرنا۔ وعظ کا معنی ہے ایسی یاد داشت جس میں خوف بھی دلایا گیا ہو خلیل نے کہا وعظ کا معنی ہے اس طور پر خیر کی یاد دہانی کرنا کہ دلوں میں رقت پیدا ہو جائے مطلب یہ ہے کہ اللہ تم کو اپنا عذاب یاد دلاتا اور سزا سے ڈراتا ہے۔

ان تعود وا المثلہ کہ ایسی بات دوبارہ زندگی بھر نہ کہو نہ سنو۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تم کو تنبیہ کرتا ہے اور ڈراتا ہے

Marfat.com

کیونکہ اس کو تمہارا پھر ایسا کرنا پسند نہیں ہے۔
مجاہد نے یعظکم کا ترجمہ کیا تم کو منع کرتا ہے دوبارہ ایسی حرکت کرنے سے۔
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ (یعنی) اگر تم مومن ہو تو نصیحت مانو، ایسی حرکت پھر کبھی نہ کرنا یہ حرکت تقاضائے ایمان کے خلاف ہے۔
جو شیعہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کو متہم کرتے ہیں وہ مومن نہیں ہیں (یہ حضرت مؤلف کا استنباط ہے)
وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ اور اللہ تمہارے لئے آیات کھول کر بیان کرتا ہے یعنی ایسی آیات بیان کرتا ہے جو اوامر و نواہی اور محاسن آداب و اخلاق کی کھلی تعلیم دیتی ہیں۔
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ اور اللہ خوب جانتا ہے یعنی اچھے برے امور سے بخوبی واقف ہے اس لئے بھلائیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں کی ممانعت فرماتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ تمام حالات کو جانتا ہے عائشہ کی پاکدامنی کو بھی جانتا ہے اور بہتان طرازوں کے جھوٹ کو بھی۔
حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وہ حکمت والا ہے۔ اس کی سب تدبیریں حکمت سے پُر ہیں وہ اپنے نبی کی طرف کسی برائی کی نسبت کو جائز نہیں قرار دیتا۔
اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ
جو لوگ مسلمانوں میں بہت بری باتیں پھیلنے کے خواستگار ہیں ان کے لئے سخت تکلیف دہ سزا ہے۔
الفاحشۃ حد سے زیادہ بری بات۔
فِي الدُّنْيَا دنیا میں بھی کہ حد قذف ان پر جاری کی جاتی ہے۔
وَالْاٰخِرَةِ ۭ اور آخرت میں بھی کہ ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا۔
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اور اللہ جانتا ہے یعنی دلوں میں چھپی باتوں سے اللہ واقف ہے کہ کس کی نیت بخیر ہے اور کون بے حیائی کی باتیں مسلمانوں میں پھیلانا چاہتا ہے۔
وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ اور (اے لوگو!) تم نہیں جانتے۔ اس لئے تم کو تو ظاہری امور کا اتباع کرنا چاہئے تھا۔ اگر الزام زنا کے ثبوت میں کوئی چار شہادتیں شرعی پیش کردے تو اس کے متعلق گمان اچھا رکھو سمجھ لو اس نے بہ نیت ثواب ایسا کیا ہے کسی مسلمان کی آبروریزی اس کا مقصد نہیں وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کو قائم کرانا اور زمین سے بگاڑ کو دور کرنا چاہتا ہے لیکن اگر شرعی گواہ نہ ہوں تو الزام زنا لگانے والا اچھی نیت نہیں رکھتا۔ حدود الٰہیہ کو قائم نہیں کرا سکتا۔ مسلمانوں کی آبروریزی کرنا اس کا مقصد ہے اس لئے حد قذف اس پر جاری کرو۔ خواہ واقع میں سچا ہو حقیقت خدا جانے۔ اللہ کے حکم کے بموجب وہ جھوٹا ہے تمام ظاہری احکام کے پابند ہو اللہ نے ایسے لوگوں کو بہتان تراش کہا، اور تہمت تراشی کی سزا مقرر کردی ہے۔
وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع
الربع ۲ ع ۸
اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی ہے اور اللہ بڑا شفیق اور بڑا رحم کرنے والا ہے (تو تم بھی سزا سے نہ بچتے)
یہ خطاب ان مسلمانوں کو ہے جنہوں نے حضرت عائشہ کے قصہ میں کچھ دخل اندازی کی تھی۔ شرط کی جزاء محذوف ہے۔ یعنی اگر اللہ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا تو دنیا میں ایسا عذاب تم پر نازل کرتا کہ تمہاری بیخ و بُن اکھڑ جاتی اور آخرت میں تم کو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈال دیتا۔
اللہ نے اس آیت میں دوبارہ عذاب سے ڈرایا ہے اور اپنی رحمت کا تذکرہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ بڑا اہم اور جرم بہت سنگین تھا۔
حضرت ابن عباس نے فرمایا آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ الخ میں عبداللہ بن ابی اور اس کے

Marfat.com

ساتھی مراد ہیں اور لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ لا فی الدنیا و الاخرة سے مراد ہے دنیا میں حد قذف اور آخرت میں دوامی دوزخ۔
اور ولولا فضل اللّٰه علیکم و رحمته میں مراد ہیں حسان اور مسطح اور حمنہ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ
اے ایمان والو شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو وہ (تو ہمیشہ ہر شخص کو) بے حیائی اور نا معقول کام کرنے ہی کو کہے گا۔

الفحشاء وہ کام جس کی برائی عقلاً ونقلاً حد سے زیادہ ہو۔

المنکر وہ کام جو شرعاً نا معقول ہو۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی۔ یہ خطاب ان مسلمانوں کو ہے جو (اپنی نادانی کی وجہ سے) منافقوں کے ساتھ افواہ پھیلانے میں شامل ہو گئے تھے۔ اللہ کی ان پر یہ مہربانی ہوئی کہ گناہوں کو مٹا دینے والی سزا کا حکم جاری کر دیا گیا اور اللہ نے ان کو توبہ کی توفیق عنایت فرما دی۔

مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ تو (اس طوفان و بہتان کے گناہ سے) تم میں سے بھی کوئی پاک نہ ہوتا۔

وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ اور اللہ جس کو چاہتا ہے پاک کرتا ہے (توبہ کی توفیق عطا فرماتا ہے اور اس کی توبہ کو قبول فرماتا ہے) اور اللہ ہر شخص کے کلام کو سننے والا اور نیتوں کو جاننے والا ہے۔

شیخین نے صحیحین میں اور بعض دوسرے اہل روایت نے ذکر کیا ہے کہ جب افک کا واقعہ ہوا تو حضرت ابو بکر نے فرمایا بخدا آئندہ مسطح کے لئے میں کچھ خرچ نہیں کروں گا۔

مسطح بن اثاثہ کی حضرت ابو بکرؓ سے رشتہ داری تھی اور مسطح نادار مفلس تھے۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِى الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۪ۖ
اور جو لوگ تم میں (دینی) بزرگی اور (دنیوی) وسعت والے ہیں وہ اہل قرابت کو اور مسکینوں کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں۔

ولا یاتل یعنی قسم نہ کھائیں۔ یہ لفظ باب افتعال سے ہے الیہ سے مشتق ہے الیہ کا معنی ہے قسم۔ یا اس کا مادہ الو ہے الو کا معنی ہے کمی کرنا یعنی کمی نہ کریں۔ اس جگہ قسم کا معنی لینا زیادہ مناسب ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اثاثہ کو کچھ نہ دینے کی قسم کھائی تھی۔

الفضل سے مراد ہے دینی فضیلت (مال مراد نہیں ہے کیونکہ اس کے بعد السعة کا لفظ مذکور ہے اور سعة کا معنی مالی کشائش) اگر مال مراد ہوگا تو تکرار لازم آئے گی (جو بے ضرورت جائز نہیں) اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ ممانعت صرف انہیں لوگوں کے لئے ہے جو دینی فضیلت رکھتے ہوں ان کے مرتبے کا یہی تقاضا ہے ورنہ۔ کسی رشتہ دار سے اگر دکھ پہنچا ہو تو اس کو اپنا مال نہ دینا اور اس کے مصارف برداشت نہ کرنا عام لوگوں کے لئے حرام نہیں ہے۔

منکم میں حضرت ابو بکر اور ان جیسے صاحبان فضل کو خطاب ہے اس سے حضرت ابو بکرؓ کی دینی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

یا یہ مطلب ہے کہ تم میں کے دولت مند لوگ دنیا ترک نہ کریں۔ خیرات کا حکم مال داروں کے لئے ہے (نادار کیا خیرات کرے گا)

اُولِى الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ سے حضرت مسطح اور ان جیسے لوگ مراد ہیں حضرت مسطح مسکین بھی تھے، مہاجر بھی تھے، بدری بھی تھے اور حضرت ابو بکر کی خالہ کے بیٹے بھی تھے۔

Marfat.com

وَلْيَعْفُوا		اور (جو ان کی طرف سے زیادتی ہو گئی ہے اس کو) معاف کر دیں۔

وَلْيَصْفَحُوا		اور ان سے در گزر کریں۔

اَلَا تُحِبُّونَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (اے فضیلت اور دولت والو) کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ (تمہارے در گزر کرنے اور حسن سلوک کرنے اور معاف کر دینے کے بدلے میں) تمہارے قصور معاف کر دے تم پر اللہ کی نعمتیں اور حقوق بہت زیادہ ہیں اور وہ بدلہ لینے پر پوری پوری قدرت بھی رکھتا ہے اس کے باوجود وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔ لہٰذا تم بھی اپنے اندر اللہ کی یہ پسندیدہ صفت پیدا کرو۔

شیخین وغیرہ کی روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم میں تو دل سے خواستگار ہوں کہ اللہ میرے قصور بخش دے اس کے بعد آپ نے دوبارہ حضرت مسطح کے مصارف جاری کر دیئے اور فرمایا واللہ! آئندہ کبھی میں یہ مصارف نہیں روکوں گا۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صلہ رحم جوڑنے والا وہ نہیں ہے جو برابر کا بدلہ لے لے بلکہ واصل رحم وہ شخص ہے کہ اگر کوئی تم سے اپنا رشتہ توڑ لے تو تم اس کو جوڑے رکھو رواہ البخاری۔ حضرت ابن عباس اور ضحاک کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکر اور دوسرے چند صحابیوں نے قسم کھالی تھی کہ جن لوگوں نے اس بہتان تراشی میں حصہ لیا ہے ان کو کچھ نہیں دیں گے اس پر آیت مذکورہ کا نزول ہوا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ جو لوگ پاکدامن بھولی بھالی مومن عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں وہ یقیناً دنیا اور آخرت میں ملعون ہیں اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

المحصنت پاک دامن عورتیں۔

الغفلت زنا سے بے خبر بدکاری کا تصور بھی ان کے دل میں نہیں آتا۔

المومنت اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان رکھنے والیاں۔

عذاب عظیم یعنی دوزخ کے اندر ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

یہ حکم ہر شخص کا ہے جو کسی پاک دامن ایماندار زنا سے بے خبر عورت پر زنا کی تہمت لگاتا ہے اور آیت والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعة شہداء فاجلدوھم الخ میں ہر اس شخص کا حکم بیان کیا گیا جو پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگاتا ہے خواہ وہ عورت زنا کے تصور سے بے خبر ہو یا نہ ہو، بہر حال حد قذف اور شہادت کا ہمیشہ کے لئے قبول نہ ہونا ہر قاذف اور تہمت تراش کی سزا ہے خواہ وہ سچا ہی ہو مگر شرعی چار گواہ نہ پیش نہ کر سکتا ہو یا جھوٹا ہو اور ملعون ہونے کا حکم صرف اس شخص کے لئے مخصوص ہے جس نے جھوٹی تہمت لگائی ہو بے چاری بھولی بھالی عورت اس تہمت سے بے خبر ہوتی ہے۔ ایسے تہمت تراش کا جرم بہت بڑا ہوتا ہے لیکن جرم کتنا ہی بڑا ہو اس پر کفر عائد نہیں ہوتا۔ ایسا مجرم کافر نہیں ہو جاتا۔ صرف کافر ہی نہیں بعض کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والا بھی شرعاً مستحق لعن ہو جاتا ہے مثلاً قصداً مومن کو قتل کرنے والا بھی مستحق لعنت ہوتا ہے۔

مقاتل نے کہا یہ حکم صرف عبداللہ بن ابی کے لئے تھا مقاتل کے خیال میں ملعون صرف کافر ہوتا ہے۔

طبرانی نے لکھا ہے کہ خصیف نے بیان کیا میں نے سعید بن جبیر سے پوچھا زنا کرنے اور تہمت زنا لگانے میں سے کون زیادہ سخت ہے۔ (کس کا گناہ زیادہ ہے) سعید نے کہا زنا (زیادہ سخت ہے) میں نے کہا اللہ نے تو فرمایا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فرمایا یہ آیت حضرت عائشہؓ کے حق میں نازل ہوئی تھی، اس روایت کی سند میں یحییٰ حمانی ضعیف راوی ہے۔ بغوی نے بھی خصیف کی یہ روایت نقل کی ہے۔

Marfat.com

عوام بن حوشب نے قبیلہ بنی کاہل کے ایک شیخ کے حوالہ سے نقل کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا آیت مذکورہ حضرت عائشہ اور دوسری امہات المومنین کے حق میں خاص طور پر نازل ہوئی اس میں توبہ کا ذکر نہیں ہے اور اگر کوئی کسی دوسری مومن عورت پر زنا کی تہمت لگائے اس کے لئے اللہ نے توبہ کی گنجائش رکھی ہے اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے آیت وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا الخ تلاوت کی اور فرمایا ان لوگوں کے لئے توبہ کا ذکر کیا گیا اور (آیت مذکورہ بالا میں) ان لوگوں کے لئے توبہ کا ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح طبرانی نے ضحاک بن مزاحم کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول صرف امہات المومنین کے حق میں ہوا تھا۔

دوسرے اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ (اول) اس آیت کا نزول حضور ﷺ کی بیویوں کے حق میں ہوا تھا یہاں تک کہ (اس کے بعد) وہ آیت جو شروع سورت میں گزری نازل ہوئی یعنی آیت والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعة شهداء الخ بعد کو نازل ہوئی اور اس میں حد قذف اور توبہ کا ذکر کر دیا گیا۔

میں کہتا ہوں ان مختلف اقوال کی بنیاد دو باتوں پر ہے (۱) اول یہ کہ آیت مذکور کے نزول کا سبب قصۂ افک ہے۔ (۲) دوئم یہ کہ کفر کے علاوہ دوسرے کبیرہ گناہوں کے مرتکب پر لعنت شریعت میں وارد نہیں ہے۔ اول کا جواب یہ ہے کہ مورد اور سبب نزول کی تخصیص عموم حکم سے مانع نہیں ہوتی، الفاظ میں عموم ہے اس لئے آیت کے اطلاع میں بھی عموم ہے۔

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ لعنت کی خصوصیت کفر ہی کے ساتھ نہیں ہے قصداً قاتل کو بھی ملعون قرار دیا گیا ہے معلوم ہوا کہ بعض کبیرہ گناہ بھی مستحق لعنت بنا دیتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ اس آیت میں توبہ اور مغفرت کا ذکر نہیں کیا گیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امہات المومنین پر تہمت لگانے والوں کی توبہ قبول ہی نہ ہو اور ان کی مغفرت ممکن ہی نہ ہو اللہ نے صراحۃً فرمایا ہے وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ اور شرک کے علاوہ جس کو چاہے گا اللہ بخش دے گا۔

یَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾

جس روز کہ ان کی زبانیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے خلاف (ہو کر) ان کے کئے ہوئے اعمال پر گواہی دیں گے (اس روز ان پر عذاب عظیم ہوگا)

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن حساب کے لئے مومن کو طلب کیا جائے گا اور اس کا رب اس کے کئے ہوئے وہ اعمال اس کے سامنے لائے گا جو بندے اور رب کے درمیان تھے یعنی حقوق اللہ سے تعلق رکھنے والے اعمال جن سے بندہ واقف ہوگا اور اس کا رب۔ (بندے کے سامنے لائے جائیں گے) مومن ان کا اقرار کرے گا اور عرض کرے گا اے میرے رب! میں نے یہ کئے تھے میں نے یہ کئے تھے۔ اقرار کرانے کے بعد اللہ ان پر پردہ ڈال دے گا اور معاف فرما دے گا وہ گناہ اس طرح چھپا دیئے جائیں گے کہ روئے زمین پر کوئی مخلوق ان کو نہ دیکھ سکے گی۔ ہاں اس کی نیکیاں ہی نیکیاں نمایاں ہوں گی سارے لوگ اس کی نیکیاں دیکھیں گے اور باہم بیان کریں گے منافق کو جب حساب کے لئے طلب کیا جائے گا اور اس کا رب اس کے عمل اس کے سامنے لائے گا تو وہ انکار کرے گا اور عرض کرے گا اے میرے رب! تیری عزت کی قسم میں نے یہ کام نہیں کئے بن کئے کام فرشتے نے مجھ پر لکھ دیئے ہیں۔ فرشتہ کہے گا کیا تو نے فلاں دن فلاں جگہ یہ کام نہیں کیا تھا۔ منافق کہے گا قسم ہے عزت رب کی میں نے نہیں کئے اس وقت اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی (اور اعضاء شہادت دیں گے) حضرت ابو موسیٰ نے کہا میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے اس کی داہنی ران بولے گی۔ پھر ابو موسیٰ نے آیت اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ الخ تلاوت کی۔

ابو یعلی اور حاکم نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا فرمایا (یعنی یہ حدیث مرفوع ہے)

احمد نے بسند صحیح اور طبرانی نے حضرت عقبہ بن عامر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے جس روز

Marfat.com

منہ پر مہر لگادی جائے گی اس روز انسان کی سب سے پہلی ہڈی جو کلام کرے گی وہ اس کی بائیں ران کی ہوگی۔ احمد، نسائی، حاکم اور بیہقی حضرت معاویہ بن جیدہ کی روایت سے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن (منافق) لوگ اس حالت میں آئیں گے کہ ان کے مونہوں پر دہانے چڑھے ہوں گے (کہ منہ بند ہوں گے بول نہ سکیں گے) سب سے پہلے آدمی کی ران اور ہتھیلی کلام کرے گی۔ مسلم نے رویت باری تعالیٰ کے باب میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ ایک طویل حدیث کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ آدمی کے عمل (کی شہادت دینے کے لئے) اس کی ران اور اس کا گوشت اور اس کی ہڈی بولے گی اور یہ شخص منافق ہوگا جس پر اللہ کا غضب ہوگا۔

ایک شبہ

اس جگہ اللہ نے فرمایا کہ ان کی زبانیں شہادت دیں گی اور دوسری آیت میں فرمایا ہے ہم ان کے منہ پر مہر لگادیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے (بظاہر) دونوں میں اختلاف ہے۔

ازالہ

منہ پر مہر لگانے کا یہ مطلب ہے کہ خود اپنے ارادے سے وہ منہ سے بول نہ سکیں گے (اپنی مرضی کے مطابق زبانوں سے کلام نہ کرسکیں گے) یہ مطلب نہیں کہ انکے ارادے کے خلاف بھی ان کی زبانوں سے کوئی لفظ نکل نہ سکے گا (اور گویائی کی قوت سلب ہو جائے گی)

قرطبی نے لکھا ہے جسمانی اعضاء ان لوگوں کے خلاف شہادت دیں گے جو اعمال ناموں کی تحریر کے منکر ہوں گے (اور اعمالنامہ کے اندرلج کو غلط بتائیں گے) اور جھگڑا کریں گے۔ ایسے لوگوں کے خلاف اعضائے جسم شہادت دیں گے۔

میں کہتا ہوں اس تفسیر پر گزشتہ آیات کا نزول عبداللہ بن ابی کے لئے مانا جائے گا جیسا کہ قتادہ کا خیال ہے۔

يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ اس روز اللہ ان کو (ان کے عمل کا) پورا پورا عوض دے گا۔ یعنی ٹھیک ٹھیک واجبی بدلہ۔

دین بدلہ، عوض، حق واجب لازم

بعض کے نزدیک دین سے مراد ہے حساب اور الحق سے مراد ہے انصاف والا۔

وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾ اور وہ جان لیں گے کہ اللہ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا اور (بات کی حقیقت کو) کھول دینے والا ہے۔

الحق المبین موجود حقیقی اصلی ہے۔ تمام چیزوں کو (خواہ وہ جواہر ہو یا عرض) پیدا کرنے والا ہے تمام حقائق کائنات کو تھامے رکھنے والا ہے۔ گویا اسی کا وجود اصلی ہے اور ساری کائنات اسی کے وجود کا عکس ہیں۔ اس کی الوہیت کھلی ہوئی ہے الوہیت میں کوئی اس کا شریک نہیں اور ثواب عذاب دینے پر اس کے سوا اور کوئی قادر نہیں۔

یا الحق سے مراد ہے ذوالحق اور المبین سے مراد ہے بین یعنی اس کا انصاف ظاہر ہے یا المبین (ظاہر کرنے والا) کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو اس نے وعدہ کیا ہے قیامت کے دن اس کو ظاہر کرنے والا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا عبداللہ بن ابی (دین کی صداقت) میں شک کرتا تھا قیامت کے دن اس کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ ہی حق مبین ہے۔

میں کہتا ہوں شاید حضرت ابن عباس کے قول کا یہ مطلب ہے کہ عام لوگ خصوصاً کافر خیال کرتے ہیں کہ خدا کی ہستی موہوم ہے (واقعی خدا کا وجود نہیں) یہاں تک کہ وہ حوادث کائنات کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں یا ستاروں کی چال سے ان کو وابستہ سمجھتے ہیں اور انسانوں کے ہاتھ میں نفع نقصان کا حقیقی اختیار جانتے ہیں اسی لئے جتنا بادشاہوں سے ڈرتے ہیں خدا سے نہیں ڈرتے قیامت کے دن ان کے سامنے آجائے گا کہ جو کچھ وہ خیال کرتے تھے غلط تھا اور اللہ ہی حق مبین ہے۔

Marfat.com

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ
اور (یہ قاعدہ عام ہے کہ) گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لائق۔

اکثر اہل تفسیر کے نزدیک الخبیثات سے مراد ہیں گندی باتیں، مذمت، تحقیر اور توہین کرنے والے ناپاک الفاظ ایسے الفاظ، کلمات گندے لوگوں کے لئے ہی زیبا ہیں ناپاک لوگوں کو ہی ایسی بری باتوں کا استحقاق ہے اور خبیث لوگ ہی مذمت و تحقیر وغیرہ کے اہل ہیں اور پاک کلمات یعنی تعریف ثناء اور دعا کے مستحق پاک لوگ ہیں اور پاک کلمات انہیں کے لئے زیبا ہیں۔ پس حضرت عائشہؓ ثنا اور تعریف کی مستحق ہیں دعا اور تعریف ہی ان کے لئے زیبا ہے ان پر تہمت تراشی اور بہتان بندی قطعاً ناجائز اور غیر مناسب ہے۔

اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۖ یہ لوگ (یعنی حضرت عائشہؓ اور ان جیسے لوگ) ان (بیہودہ) باتوں سے پاک ہیں جو یہ (بہتان بندی کرنے والے) کہتے ہیں۔

زجاج نے آیت مذکورہ بالا کی تفسیر حسب ذیل کی ہے۔ گندے کلمات جیسے کلمہ کفر، جھوٹ، صحابہ اور اہل بیت کو برا کہنا، پاک دامن عورتوں پر زنا کا بہتان رکھنا اور اسی جیسی دوسری باتیں ناپاک آدمیوں جیسے عبداللہ بن ابی وغیرہ کے لئے ہی جچتی ہیں وہی ایسی باتیں کہہ سکتے ہیں۔ پاک لوگ ایسا کلام زبان سے نہیں نکال سکتے۔ گندے لوگوں کو انہیں گندی باتوں کے لئے پیدا کیا ہے ان کے خمیر میں یہی باتیں رکھی گئی ہیں۔ اور پاک کلمات جیسے اللہ کا ذکر، رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام، مومن مردوں اور عورتوں کے لئے دعا و مغفرت اور تلاوت قرآن وغیرہ کی توفیق پاک لوگوں کو ہی ملتی ہے پاک لوگوں کی تخلیق ہی پاک کلمات کے لئے کی گئی ہے ان کے خمیر میں یہ پاک باتیں رکھ دی گئی ہیں یہی پاک لوگ اس جرم کے ارتکاب سے پاک ہیں جو تہمت تراش ان کے متعلق کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں تہمت تراشی کرنے والوں کی مذمت ہے اور جن کی اللہ نے الزامات سے پاک ہونے کی صراحت کی ہے ان کی مدح ہے۔

ابن زید نے کہا خبیثات سے گندی عورتیں اور خبیثین سے گندے مرد مراد ہیں یعنی اکثر گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے ہوتے ہیں اور عائشہؓ پاک ہیں اسی لئے اللہ نے ان کو اپنے رسول کی زوجیت کے لئے منتخب فرمایا۔ عائشہؓ اور ان جیسے لوگ ان افترا پردازوں کی الزام تراشی سے پاک ہیں۔ اگر عائشہؓ پاک نہ ہوتیں تو پاک رسول کی بیوی بننے کی اہل نہ ہوتیں۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کو ناپسند ہے کہ میں سوائے جنتی (عورت) کے کسی اور سے نکاح کروں۔ رواہ ابن عساکر

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۟ ان کے (یعنی عائشہؓ اور ان جیسے لوگوں کے) لئے (گناہوں کی) مغفرت ہے اور عزت والا رزق یعنی جنت ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ روایت میں آیا ہے حضرت عائشہؓ چند باتوں پر ناز کرتی تھیں جو آپ ہی کو عطا کی گئی تھیں، کسی اور عورت کو نہیں دی گئیں۔

(۱) حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت عائشہؓ کی تصویر ایک ریشمی کپڑے میں (لپیٹ کر) لائے اور کہا یہ آپ کی بیوی ہیں۔

میں کہتا ہوں ترمذی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے۔ روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ حضرت عائشہؓ کی تصویر اپنے ہاتھ میں لائے تھے۔

Marfat.com

(۲) حضرت عائشہؓ کے سوا کسی اور ناکتخدا (دوشیزہ) سے رسول اللہ ﷺ نے شادی نہیں کی۔
(۳) رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت حضور والا کا سر حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا۔
(۴) حضرت عائشہؓ کے حجرے میں رسول اللہ ﷺ کا جسد مبارک دفن کیا گیا۔
(۵) جب رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ کے ساتھ ایک چادر میں ہوتے تو (کبھی اسی حالت میں) وحی آجاتی اور کسی بیوی کو یہ شرف حاصل نہ تھا)۔
(۶) حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی کی صراحت آسمان سے نازل ہوئی۔
(۷) آپ رسول اللہ ﷺ کے (اول) خلیفہ کی صاحبزادی ہیں۔
(۸) آپ صدیقہ طاہرہ تھیں۔
(۹) آپ سے مغفرت اور رزق کریم عطا فرمانے کا وعدہ کیا گیا۔

مسروق اگر حضرت عائشہؓ کی روایت سے کوئی حدیث بیان کرتے تو یہ الفاظ کہتے، مجھ سے بیان کیا صدیق کی صاحبزادی صدیقہ نے جو رسول اللہ ﷺ کی چہیتی بیوی تھیں اور جن کی پاک دامنی آسمان سے نازل کی گئی تھی۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اگر پورے قرآن میں تلاش کیا جائے تو کسی کے لئے کوئی وعید اتنی سخت نہیں نازل ہوئی۔ جتنی حضرت عائشہؓ پر تہمت تراشنے والوں کے حق میں نازل ہوئی۔

صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تجھے (یعنی تیری صورت کو) تین رات برابر) خواب میں میری نظر کے سامنے لایا گیا۔ فرشتہ ایک ریشمی کپڑے میں تجھے لاتا تھا اور مجھ سے کہتا تھا یہ آپ کی بیوی ہے میں نے تیرے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو وہ تیری ہی صورت تھی۔ میں نے کہا اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اس کو پورا کردے گا۔

صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے یہ بھی آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یہ جبرئیلؑ ہیں تم کو سلام کررہے ہیں۔ میں نے جواب دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کو وہ کچھ نظر آتا تھا جو میں نہیں دیکھتی تھی۔

یہ بھی حضرت عائشہؓ ہی کا بیان ہے کہ لوگ قصداً عائشہؓ کی باری کے دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے ہدیے بھیجتے تھے (باری کی اس تعیین سے) ان کو رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنا مقصود ہوتی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کے دو گروہ (جدا جدا) ہوگئے تھے۔ ایک گروہ عائشہ، حفصہ، صفیہ اور سودہ کا تھا اور دوسرا گروہ ام سلمہ اور باقی بیویوں کا تھا۔ ایک روز ام سلمہ کی ساتھ والی بیویوں نے ام سلمہ سے کہا آپ رسول اللہ سے عرض کریں کہ آپ لوگوں سے فرمادیں کہ اگر کسی شخص کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کوئی ہدیہ بھیجنا ہو تو رسول اللہ ﷺ جس بیوی کے گھر ہوں وہیں بھیج دیں (عائشہؓ کی باری ہی کی تخصیص نہ رکھیں) چنانچہ ام سلمہ نے (بیویوں کا قول) رسول اللہ ﷺ سے عرض کردیا۔ حضور نے فرمایا تم مجھے عائشہؓ کے معاملے میں مت ستاؤ۔ سوائے عائشہؓ کے اور کسی عورت کی چادر میں اگر میں موجود ہوتا ہوں تو) میرے پاس وحی نہیں آتی۔ ام سلمہ نے کہا میں اللہ کے رسول کو ایذا دینے سے اللہ سے توبہ کرتی ہوں۔ اس کے بعد بیویوں نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی۔ فاطمہؓ کو اسی غرض سے حضور ﷺ کے پاس بھیجا اور (سیدہ) فاطمہؓ نے اس بات کے سلسلے میں گزارش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیٹا! کیا تجھے وہ بات ناپسند ہے جو مجھے پسند ہے سیدہ نے کہا کیوں نہیں (پسند ہے) فرمایا تو تو بھی اس سے محبت کر۔ متفق علیہ۔

صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے آیا ہے (کہ حضور نے فرمایا) عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید (ایک خاص قسم کا کھانا) کی فضیلت اور کھانوں پر۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا صحابہ کو جب کسی حدیث (کے

Marfat.com

سمجھنے) میں کوئی دشواری ہوتی اور ہم جا کر حضرت عائشہؓ سے دریافت کرتے تو اس کا علم ہم کو ان کے پاس ملتا۔ رواہ الترمذی

حضرت موسیٰ بن طلحہ کا بیان ہے میں نے عائشہؓ سے زیادہ سلیس بیان والا کسی کو نہیں پایا۔ رواہ الترمذی۔ بیضاوی نے لکھا ہے اللہ نے چار شخصوں کو چار کے ذریعہ پاکی (یعنی تہمت سے برأت) عنایت کر دی۔

(۱) یوسف کو زلیخا کے ایک گھر والے (بچہ) کی شہادت کی وجہ سے

(۲) موسیٰ کو یہودیوں کی تہمت سے اس پتھر کے ذریعہ جو آپ کے کپڑے لے بھاگا تھا۔

(۳) مریم کو انہی کے بچے (عیسیٰ) کی شہادت کی وجہ سے۔

(۴) عائشہؓ کو ان مذکور آیات کے ذریعے سے اور مختلف پُرزور طریقوں سے حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی کا اظہار اتنی مؤکد عبارتوں میں محض منصب رسول کی عظمت کو بیان کرنے اور آپ کے مرتبے کو بالا اور اعلیٰ بنانے کے لئے کیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں اس سے اللہ اور اللہ کے رسول کی نظر میں حضرت عائشہؓ کی عظمت و شان کا اظہار بھی مقصود ہے۔

فریابی اور ابن جریر نے حضرت عدی بن ثابت کی روایت سے بیان کیا کہ ایک انصاری عورت نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ میں اپنے گھر کے اندر (بعض وقت) ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ اس حالت میں کوئی مجھے دیکھے، لیکن گھر کے آدمیوں سے کوئی (نہ کوئی) آدمی (بے روک ٹوک) اندر آجاتا ہے اور اس حالت میں مجھے دیکھ لیتا ہے میں کیا کروں۔ اس سوال پر آیت ذیل کا نزول ہوا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ؕ

اے ایمان والو! تم اپنے (خاص رہنے کے) گھروں کے علاوہ غیر گھروں میں داخل مت ہو جب تک ان سے اجازت حاصل نہ کر لو اور گھر والوں کو سلام نہ کر لو۔

غیر بیوتکم یعنی ان مکانوں کے علاوہ جن میں تم رہتے ہو (خواہ ان غیر مکانوں کے تم ہی مالک ہو)

غیر بیوتکم میں اضافت تملیک کے لئے نہیں ہے، کیونکہ جو شخص اپنا مملوکہ مکان کسی دوسرے شخص کو کرایہ پر یا مفت رہنے کے لئے دیدے (وہ اگرچہ اس مکان کا مالک ہوتا ہے لیکن) اس کو بھی اجازت نہیں کہ رہنے والے کی اجازت کے بغیر اس مکان میں داخل ہو سکے۔

تستانسوا کا مرادی معنی ہے اجازت حاصل کر لو ایک روایت میں حضرت ابن عباس اور حضرت ابی بن کعب کی قرأت میں تستانسوا کی جگہ تستاذنوا بھی آیا ہے۔

لغت میں انس کا معنی ہے دیکھنا جاننا احساس کرنا اور وحشت نہ ہونا۔ ابن ابی حاتم نے کہا کہ حضرت ابوایوب کے بھتیجے حضرت ابو سورہ نے بیان کیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ سلام کرنا تو ہم جانتے ہیں لیکن استیناس (طلب انس) کا کیا مطلب ہے، فرمایا (استیناس یہ ہے کہ) آدمی (باہر ہی رہ کر) سبحان اللہ اور اللہ اکبر اور الحمد للہ کہے اور کھنکھارے (تاکہ گھر والے کو اس کی آمد کی اطلاع ہو جائے) پھر اہل خانہ اجازت دیدے۔ (تو اندر داخل ہو جائے)

قاموس میں ہے انس، ضد وحشت (کو کہتے ہیں) آنس الشئی کسی چیز کو دیکھا جانا، احساس کیا آنس الصوت آواز کو سنا، خلیل نے کہا استیناس کا معنی ہے دیکھنا۔ انست نارا میں نے آگ دیکھ پائی ہے طلب اذن کو استیناس کے لفظ سے اس لئے تعبیر کیا کہ طلبگار اجازت کے دل میں ایک طرح کی وحشت ہوتی ہے اس کو اندیشہ ہوتا ہے کہ شاید داخلے کی اجازت نہ ملے۔ جب داخلے کی اجازت مل جاتی ہے تو اس کی وحشت خاطر دور ہو جاتی ہے۔ طلب گار اجازت طالب علم بھی ہوتا ہے اس کو معلوم نہیں ہوتا کہ داخلے کی اجازت گھر والے کی طرف سے ملے گی یا نہیں۔ اجازت ملنے کے بعد اس کو علم ہو جاتا ہے۔

تسلموا علی اهلها یعنی گھر والوں کو السلام علیکم کہو۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیٹے جب تو گھر والوں کے پاس جائے تو انہیں سلام کر، تیرے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت حاصل ہو گی۔ رواہ الترمذی۔

Marfat.com

طلب اجازت پہلے کی جائے یا سلام یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ آیت میں طلب اذن کاذکر پہلے ہے اس لئے کچھ لوگوں کا قول ہے کہ پہلے اجازت داخلہ طلب کی جائے پھر سلام کیا جائے لیکن یہ قول بے دلیل ہے واؤ (عاطفہ) کا یہ معنی ہے کہ دونوں کام کئے جائیں پہلے پیچھے کس کو کیا جائے یہ واؤ سے نہیں معلوم ہوتا۔ پھر حضرت ابن مسعود کے مصحف میں تسلموا کالفظ تستاذنوا سے پہلے آیا ہے۔

اکثر علماء کا قول ہے پہلے سلام کیا جائے حضرت کلدہ بن حنبل کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا پہنچا۔ نہ اجازت داخلہ مانگی نہ سلام کیا حضور ﷺ نے فرمایا واپس جاؤ اور واپس جا کر کہو السلام علیکم کیا میں اندر آسکتا ہوں، رواہ ابوداؤد والترمذی۔

حضرت جابر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے پہلے سلام نہ کیا ہو اس کو (داخلے کی) اجازت نہ دو۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

بغوی نے لکھا ہے ایک شخص نے حضرت ابن عمر سے داخلہ کی اجازت طلب کی اور کہا کیا میں اندر آسکتا ہوں حضرت ابن عمر نے فرمایا نہیں ایک شخص نے آنے والے کو مشورہ دیا کہ پہلے سلام کر پھر اجازت داخلہ طلب کر۔ حسب مشورہ اس نے سلام کیا پھر اجازت طلب کی حضرت ابن عمر نے اجازت داخلہ دیدی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے اگر آنے والے کی نظر (گھر کے اندر) کسی آدمی پر پڑ جائے تو پہلے سلام کرے اور کوئی نظر نہ آئے تو طلب اجازت پہلے کرے پھر سلام کرے۔

حضرت ابوموسیٰ اور حضرت حذیفہ اپنی محرم عورتوں کے پاس (گھر کے اندر) آنا چاہتے تو ان سے بھی اجازت داخلہ کے طلب گار ہوتے تھے حسن نے عطاء بن یسار کی روایت سے مرسلاً بیان کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، کیا میں اپنی ماں کے پاس بھی داخلے کی اجازت لے کر جاؤں۔ فرمایا ہاں اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں تو اس کے ساتھ رہتا ہی ہوں۔ فرمایا اس کے پاس جانے کے لئے اجازت طلب کر۔ اس نے عرض کیا حضور ﷺ میں تو اس کا خادم ہوں۔ فرمایا (پھر بھی) داخلے کی اجازت مانگ۔ کیا تو اپنی ماں کو برہنہ دیکھنا پسند کرے گا۔ اس نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو پھر اس سے داخلے کی اجازت مانگ رواہ مالک۔

مسئلہ :- اگر قاصد بھیج کر کسی کو بلوایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ آجائے تو مزید اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم میں سے کسی کو بلوایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ آجائے تو یہی اس کے لئے اجازت ہے۔ رواہ ابوداؤد۔

دوسری روایت میں آیا، کسی کو بلوانے کے لئے قاصد بھیجنا ہی اجازت ہے۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ یعنی اچانک اندر گھس پڑنے سے یا رسم جاہلیت سے یہ طریقہ بہتر ہے۔ حضرت عمران بن حصین کا بیان ہے ہم جاہلیت کے زمانے میں (بجائے سلام علیک کے) کہتے تھے۔ انعم اللہ بک عینا اللہ تم کو خنک چشم رکھے۔ انعم صبا حا صبح بخیر جب اسلام آیا تو اس نے ہم کو ایسا کرنے کی ممانعت کر دی۔ رواہ ابوداؤد

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ اگر تم مکانوں کے اندر کسی کو نہ پاؤ۔ (کہ تم کو اجازت دے) تو جب تک اجازت نہ ملے اندر نہ جاؤ۔ یعنی جب تک گھر والا آکر تم کو اجازت نہ دے دے اندر نہ جاؤ۔ بات یہ ہے کہ بغیر اجازت اندر داخل ہو جانے کی ممانعت کی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ بغیر اجازت داخلے سے ننگا کھلا آدمی سامنے آجاتا ہے اور بے پردگی ہو جاتی ہے، بلکہ ایک وجہ ممانعت کی یہ بھی ہے کہ اس سے بعض

Marfat.com

ان باتوں یا چیزوں کا اظہار ہو جاتا ہے جن کو آدمی لوگوں سے چھپانا چاہتا ہے پھر ممانعت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دوسرے کی چیز میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا یوں بھی ممنوع ہے ہاں اس مکان میں بدون اجازت داخلہ کی ممانعت نہیں جس میں اچانک داخلہ کی کوئی معقول وجہ ہو مثلاً مکان میں آگ لگ گئی ہو یا گر رہا ہو۔ یا اس میں کوئی ممنوع فعل ہو رہا ہو (مثلاً چوری ہو رہی ہو یا قتل ہو رہا ہو یا شراب فروخت ہو رہی ہو)

وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۚ　اور اگر تم سے کہہ دیا جائے لوٹ جاؤ تو لوٹ آؤ (داخل ہونے پر اصرار نہ کرو) یہ ہی تمہارے لئے بہت پاکیزہ (عمل) ہے۔

یعنی دروازے پر کھڑا رہنے اور داخلے کے لئے اصرار کرنے سے بصورت انکار واپس چلا آنا تمہارے لئے پاکیزہ فعل ہے اڑنا اور داخلے کے لئے اصرار کرنا بری بات ہے اس میں شرف نفس کا ضیاع ہے۔

تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے بعد بھی اگر گھر والا اجازت نہ دے (اندر سے اجازت نہ ملے خاموشی رہے) تو اس کا حکم بھی انکار اور رجوع کی طرح ہے یعنی لوٹ آنا چاہئے۔

حضرت ابو سعید خدری کا بیان ہے میرے پاس ابو موسیٰ اشعری آئے اور کہا مجھے حضرت عمرؓ نے آدمی بھیج کر بلوایا (آدمی کہہ کر واپس چلا گیا) حسب الطلب میں حضرت عمر کے دروازے پر پہنچا اور تین بار (باہر سے) سلام کیا لیکن (اندر سے) حضرت عمرؓ نے سلام کا جواب نہیں دیا میں لوٹ آیا۔ اب جو ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے مجھ سے جواب طلب کیا کہ تم کیوں نہیں آئے۔ میں نے جواب دیا میں تو آیا تھا اور تین مرتبہ سلام کرنے کے بعد بھی جب سلام کا جواب آپ کی طرف سے نہیں ملا تو لوٹ گیا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا تھا۔ اگر تم میں سے کوئی تین مرتبہ (داخلہ کی) اجازت طلب کرے اور اس کو اجازت نہ ملے تو اس کو لوٹ جانا چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس ارشاد پر شہادت پیش کرو (اگر آپ لوگوں میں سے کوئی اس فرمان کا شاہد ہو تو میرے ساتھ چل کر شہادت دیدے) حضرت ابو سعیدؓ نے فرمایا میں اٹھ کھڑا ہوں اور ان کے ساتھ جا کر حضرت عمرؓ کے سامنے شہادت دیدی۔ متفق علیہ۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی مرفوع روایت ہے کہ تسلیم (جس کا حکم آیت میں دیا گیا ہے) یہ ہے کہ تین مرتبہ کہے السلام علیکم، کیا میں اندر آسکتا ہوں۔ اگر اجازت مل جائے تو اندر چلا جائے ورنہ لوٹ جائے۔ رواہ ابن ماجہ۔

بغوی نے لکھا ہے حدیث مذکور کو بشر بن سعید نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بھی بیان کیا ہے اس روایت کے بموجب حدیث کے یہ الفاظ ہیں اگر تم میں سے کوئی تین بار اجازت (داخلہ) طلب کرے اور اس کو اجازت نہ ملے تو لوٹ جائے۔

حسن نے کہا پہلی مرتبہ (اجازت طلبی اور سلام) اطلاع آمد ہے اور دوسری مرتبہ (سلام و اجازت طلبی) ایک قسم کا مشورہ اور طلب امر ہے اور تیسری مرتبہ (الفاظ مذکور کہنا) واپسی کے لئے اجازت کی طلب ہے۔ حضرت انس راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ حضرت سعد بن عبادہ کے پاس (ملاقات کے لئے) تشریف لے گئے اور (باہر سے) داخلے کی اجازت طلب کی اور فرمایا السلام علیکم ورحمۃ اللہ حضرت سعد نے چپکے سے جواب دیدیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ لیکن رسول اللہ ﷺ نے نہیں سنا۔ یہاں تک کہ آپ نے تین بار سلام علیک کی اور سعد نے ایسی آواز سے جواب دیا کہ حضور ﷺ نہ سن سکے۔ بالآخر آپ لوٹ آئے۔ اب سعد پیچھے دوڑے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ حضور ﷺ پر نثار آپ نے جتنی بار سلام علیک کی میں نے اپنے کانوں سے اس کو سنا اور جواب بھی برابر دیا لیکن اپنا جواب آپ کو نہیں سنایا (اتنی پست آواز سے جواب دیا کہ آپ نہ سن سکیں) (مجھے دل سے خواہش تھی کہ آپ کی طرف سے سلامتی اور برکت زیادہ سے زیادہ مجھے مل جائے۔ (آپ برابر مجھے برکت و سلامتی کی دعا دیتے رہیں) اس کے بعد سب لوگ سعد کے گھر کے اندر داخل ہوئے سعد نے کشمش پیش کی۔ حضور ﷺ نے نوش فرمائی اور کھانے سے فارغ ہو کر فرمایا، تمہارا کھانا نیک لوگوں نے کھایا اور ملائکہ نے تمہارے لئے نزول

Marfat.com

رحمت کی دعا کی اور روزہ داروں نے تمہارے پاس روزہ کھولا۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی کسی کے دروازے پر جائے اور اجازت داخلہ طلب نہ کرے بلکہ صاحب خانہ کے باہر نکلنے کے انتظار میں دروازے پر بیٹھ جائے تو جائز ہے۔ حضرت ابن عباس ایک انصاری کے دروازے پر طلب حدیث کے لئے جاتے اور انصاری کے برآمد ہونے کے انتظار میں دروازے پر بیٹھ جاتے۔ داخل ہونے کی اجازت طلب نہ کرتے۔ انصاری فرماتے اے رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹے آپ نے مجھے اطلاع دیدی ہوتی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہم کو اسی طرح طلب علم کا حکم دیا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں اللہ نے فرمایا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ یہ آیت بھی مضمون مذکور پر دلالت کر رہی ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی کسی کے دروازے پر جائے اور اجازت طلب کرے اور دروازے پر پردہ نہ ہو تو دروازہ کے سامنے منہ کر کے نہ کھڑا ہو اور نہ دروازے کی جھریوں سے اندر جھانکے حضرت عبداللہ بن بسر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کے دروازے پر جاتے تو دروازے کے بالکل سامنے منہ کر کے نہیں کھڑے ہوتے بلکہ دائیں یا بائیں بازو کے پاس کھڑے ہو کر فرماتے السلام علیکم، السلام علیکم اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں گھروں (کے دروازوں) پر پردے نہیں ہوتے تھے۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی راوی ہیں کہ ایک بار ایک شخص نے حجرے کے پردے سے رسول اللہ ﷺ کو اندر جھانک کر دیکھا اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں کوئی نوک دار لوہے کی چیز تھی حضور ﷺ نے فرمایا اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے تو میں اس کی آنکھ میں اس کو چبھو دیتا۔ طلب اجازت کا حکم تو فقط نہ دیکھنے کے لئے ہی دیا گیا ہے (جب دیکھ لیا تو طلب اجازت بیکار ہے) رواہ البغوی۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص تمہاری اجازت کے بغیر تم کو جھانک کر دیکھے اور تم کوئی کنکری اس کے پھینک مارو اور کنکری سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تمہارا کوئی جرم نہیں۔ رواہ احمد والشیخان فی الصحیحین۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ اور اللہ تمہارے اعمال سے بخوبی واقف ہے وہ جانتا ہے کہ جو تم کو حکم دیئے جاتے ہیں ان کی کس قدر تعمیل کرتے ہو اور کتنی تعمیل نہیں کرتے۔

ابن ابی حاتم نے مقاتل بن حبان کا بیان نقل کیا ہے کہ جب گھروں میں داخل ہونے کے لئے اجازت طلب کرنے کا حکم نازل ہوا تو حضرت ابوبکر نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ قریش کے تاجر جو مکہ مدینہ اور شام کے درمیان آتے جاتے ہیں ان کا کیا ہو گا سر راہ ان کے (قیام اور اترنے کے) مکان مقرر ہوتے ہیں جن کے اندر کوئی رہتا نہیں ہے (صرف راستہ میں کسی جگہ ٹھہرنے کے لئے قریش کے تاجر بنا کر چھوڑ دیتے ہیں) وہاں کس سے اجازت داخلہ مانگیں گے اور کس کو سلام کریں گے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ

(اجازت طلب نہ کرنے اور سلام نہ کرنے میں) تم پر کوئی گناہ (اس وقت تک) نہیں کہ تم غیر مسکونہ مکانوں میں داخل ہو جہاں تمہارا سامان (یعنی نفع کی چیز) ہو۔

بغوی نے لکھا ہے کہ جن بیوت میں بلا اجازت داخلے کا حکم آیت مذکور میں دیا گیا ہے ان سے مراد کون سے مکان ہیں علماء کے اقوال اس میں مختلف آئے ہیں قتادہ نے کہا ان سے مراد وہ دکانیں کوٹھریاں اور مکان ہیں جو قافلوں کے لئے بنا دیئے جاتے تھے، قافلے آتے جاتے وہاں ٹھہرتے تھے اور اپنا سامان رکھتے تھے۔ ان مکانوں میں بغیر اجازت طلبی کے داخلے کو جائز کر دیا گیا۔ اس صورت میں متاع (بمعنی منفعت) یہ ہو گی کہ وہاں لوگ اترتے ہیں اور سامان رکھتے ہیں اور سردی گرمی سے بچتے ہیں۔

ابن زید نے کہا ان سے مراد وہ تجارتی کوٹھیاں اور دکانیں ہیں جو بازاروں میں ہوتی ہیں جہاں خرید فروخت کے لئے لوگ

Marfat.com

داخل ہوتے ہیں یہی منفعت ہے۔
ابراہیم نخعی نے کہا بازار کی دکانوں میں داخل ہونے کی اجازت لینی ضروری نہیں۔ ابن سیرین جب بازار کی کسی دکان پر جاتے تو فرماتے السلام علیکم میں داخل ہو جاؤں پھر جواب کا انتظار کئے بغیر داخل ہو جاتے تھے۔ عطاء نے کہا ویران کھنڈر مراد ہیں اور متاع سے مراد ہے بول و براز کے لئے جانا۔
بعض نے کہا وہ تمام مکان مراد ہیں جہاں کوئی باشندہ نہ ہو کیونکہ اجازت طلبی کا حکم صرف اس لئے دیا گیا ہے کہ کسی ننگے کھلے پر نظر نہ پڑ جائے جن مکانوں کے اندر کوئی رہتا نہ ہو ان کے اندر داخل ہونے میں کسی برہنگی پر نظر پڑنے کا کوئی اندیشہ نہیں اس لئے اجازت طلب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو۔ یہ وعید ان لوگوں کے لئے ہے جو کسی فساد کی غرض سے یا لوگوں کو برہنہ دیکھنے کے لئے گھروں میں بلا اجازت داخل ہوتے ہیں۔
قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ ـــــــــ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ آنکھیں نیچی رکھیں۔ یعنی جس کی طرف دیکھنا جائز نہیں اس کو دیکھنے سے آنکھیں بند رکھیں حسن کی مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی لعنت ہے (نامحرم کو) دیکھنے والے پر اور جس صورت کو دیکھا جائے اس پر۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔
یغضوا امر کا صیغہ ہے لام محذوف ہے من ابصار میں بر قول اخفش من زائد ہے۔ اخفش کے نزدیک کلام مثبت میں بھی من کا زائد ہونا جائز ہے۔ سیبویہ کے نزدیک من تبعیضیہ ہے کیونکہ مومنوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ کسی کو نہ دیکھیں سب کی طرف سے آنکھیں بند رکھیں بلکہ جس کو دیکھنے کی اجازت نہیں اس کی طرف نظر اٹھانے کی ممانعت ہے بلکہ نامحرم کی طرف بالارادہ دوسری بار دیکھنے کی بندش ہے۔ پہلی مرتبہ جو بلا ارادہ نظر پڑ جائے اس کا گناہ نہیں۔ حضرت بریدہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا علی! پہلی (بے ساختہ) نظر کے پیچھے (دوسری بالارادہ) نظر نہ کرنا پہلی نظر تمہارے لئے جائز ہے دوسری نظر مباح نہیں رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والدارمی۔
حضرت جریر بن عبداللہ کا بیان ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک نظر پڑ جانے کا مسئلہ دریافت کیا حضور ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ نظر پھیر لیا کروں۔ رواہ مسلم۔
حضرت ابوامامہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان کسی (اجنبی) عورت کی خوبصورتی پہلی مرتبہ (اچانک) دیکھ کر آنکھ بند کر لیتا ہے اللہ اس کے لئے عبادت میں احساس حلاوت پیدا کر دیتا ہے۔ رواہ احمد۔
وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۚ اور اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت کریں۔ یعنی اپنی بیویوں اور باندیوں کے علاوہ دوسروں سے اپنی شرمگاہوں کو بچائے رکھیں، استثناء لفظی کی ضرورت نہیں تھی عقلاً اور نقلاً بیویاں اور باندیاں مستثنیٰ ہی ہیں۔
ابوالعالیہ نے کہا سوائے اس جگہ کے باقی جہاں بھی شرمگاہ کی حفاظت رکھنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں زنا اور حرام سے حفاظت مراد ہے۔ صرف اس جگہ شرمگاہ کی حفاظت سے پردہ کرنا چھپائے رکھنا تاکہ کسی غیر کی نظر نہ پڑے۔ بہز بن حکیم کے دادا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اپنی شرمگاہ کو سوائے اپنی بیوی اور اپنی باندی کے اوروں سے محفوظ رکھ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر آدمی تنہائی میں ہو تو کیا حکم ہے فرمایا اللہ زیادہ مستحق ہے اس بات کا کہ اس سے شرم کی جائے۔ رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ۔
حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ برہنہ سے بچو تمہارے ساتھ (ہر وقت) ایسی ہستیاں رہتی ہیں جو تم سے کسی وقت الگ نہیں ہوتیں سوائے رفع حاجت کے وقت کے یا اس وقت کے جب کوئی شخص اپنی بیوی سے قربت کرتا ہے۔ لہٰذا تم ان سے شرم کرو اور ان کی عزت کرو۔

Marfat.com

ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ یہ (آنکھیں بند کرلینا اور شرم گاہوں کی حفاظت رکھنا) ان کے لئے نہایت پاکیزہ یا نہایت مفید عمل ہے اس میں زنا کا خطرہ بھی نہیں رہتا۔

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ بے شک اللہ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔

ابن ابی حاتم نے بحوالہ مقاتل بیان کیا کہ حضرت جابر بن عبداللہ نے فرمایا (ایک بار) حضرت اسماء بنت مرثد اپنے نخلستان میں تھیں کچھ عورتیں ان کے پاس آئیں جو ازار پہنے ہوئے نہ تھیں اس لئے جو کچھ وہ پانوؤں میں پہنے ہوئی تھیں (یعنی پازیب وغیرہ) وہ کھلا نظر آرہا تھا ان کے سینے اور گیسو بھی کھلے ہوئے تھے حضرت اسماء نے فرمایا یہ کیسی بری ہیئت ہے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ اور مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، یعنی جس کو دیکھنا جائز نہیں اس سے آنکھیں بند رکھیں۔ یہ آیت دلالت کررہی ہے کہ عورت کے لئے اجنبی مردوں کو دیکھنا مطلقاً ناجائز ہے امام شافعیؒ کا یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا اگر میلان صنفی کا اندیشہ نہ ہو تو عورت اجنبی مرد کا وہ حصہ دیکھ سکتی ہے جو ایک مرد دوسرے مرد کا دیکھ سکتا ہے۔ امام شافعیؒ نے اپنے قول کے ثبوت میں یہ حدیث پیش کی ہے کہ ایک بار حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھیں۔ حضرت ابن ام مکتوم بھی آگئے (یہ واقعہ حکم حجاب نازل ہونے کے بعد کا ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم دونوں پردے میں ہو جاؤ (حضرت ام سلمہ کا بیان ہے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا وہ نابینا نہیں ہیں۔ فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو کیا تم اس کو نہیں دیکھ سکتیں۔ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی۔

امام ابو حنیفہؒ نے حضرت ابن عباس کی روایت مندرجہ ذیل سے استدلال کیا ہے کہ حجۃ الوداع کے سال قبیلۂ خثعم کی ایک عورت آئی اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بندوں پر اللہ نے جو حج فرض کیا ہے وہ میرے بوڑھے باپ پر (بھی عائد ہوتا ہے اور) ایسے وقت میں (اس پر یہ فرض) عائد ہوا ہے کہ وہ بہت بوڑھا ہے ٹھیک طرح سے سواری پر بیٹھ بھی نہیں سکتا اگر میں اس کے بدل میں حج کرلوں تو کیا اس کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔ فرمایا ہاں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا فضل (جو اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار تھے) اس عورت کی طرف دیکھنے لگے اور وہ عورت بھی فضل کی طرف دیکھ رہی تھی رسول اللہ ﷺ نے فضل کا منہ دوسری طرف پھیر دیا۔ الحدیث رواہ البخاری۔

ترمذی نے حضرت علی کی روایت سے یہ حدیث اسی طرح بیان کی ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ حضرت عباسؓ نے کہا آپ ﷺ نے اپنے چچا کے بیٹے کا منہ موڑ دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں نے ایک جوان مرد کو (جوان عورت کی طرف) اور جوان عورت کو جوان مرد کی طرف نظر کرتے) دیکھا مجھے دونوں کے متعلق شیطان (کی مداخلت) کا اندیشہ ہوا۔ اس روایت کو ترمذی نے صحیح کہا ہے۔

ابن قطان نے اس حدیث سے استنباط کیا ہے کہ اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو (عورت کا مرد کی طرف) نظر کرنا جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کو منہ چھپانے کا حکم نہیں دیا اور اگر حضرت عباس نظر کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تو سوال نہ کرتے اور جو کچھ حضرت عباس سمجھتے تھے اگر وہ درست نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس پر حضرت عباس کو قائم نہ رکھتے۔ دوسری حدیث حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت سے آئی ہے کہ جب ان کو ان کے شوہر نے طلاق دیدی اور قطعی طلاق دیدی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو حضرت ام ابن مکتوم (نابینا) کے گھر میں ایام عدت بسر کرنے کا حکم دیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت اجنبی نابینا مرد کو دیکھ سکتی ہے یعنی میلان صنفی کا اندیشہ نہ ہو تو ایسا کرنا جائز ہے۔

مسئلہ:- ناف سے زانو تک عورت کو عورت نہیں دیکھ سکتی اور نہ مرد مرد کو۔ حضرت ابو سعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مرد مرد کے ستر کو نہ دیکھے اور نہ عورت عورت کے ستر کو مرد مرد کے ساتھ برہنہ ایک کپڑے میں نہ

Marfat.com

لیٹے اور نہ عورت عورت کے ساتھ برہنہ ایک کپڑے میں لیٹے۔ رواہ مسلم۔

وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا اور اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس (موقع زینت) میں سے (غالباً) کھلا رہتا ہے۔ زینت سے مراد ہیں زیور، کپڑے، سنگھار یعنی سج دھج اور سنگھار کو بھی ظاہر نہ کریں۔ زینت کے اعضاء کا ظاہر نہ کرنا تو بدرجۂ اولیٰ ضروری ہے۔

ماظهر سے مراد ہیں وہ چیزیں جو زیور وغیرہ کو استعمال کرنے کے لئے وقت ظاہر رہتی ہی ہیں جیسے کپڑے، انگوٹھی وغیرہ کہ ان کے چھپائے رکھنے میں بڑی دشواری ہے۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک زینت سے مراد ہیں اعضاء زینت یا زینت سے مراد ہیں فطری اور بناوٹی محاسن۔ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، اور امام شافعیؒ اور امام احمد کے نزدیک چہرہ اور پہنچے تک دونوں ہاتھ حکم ستر سے مستثنیٰ ہیں۔ ترمذی نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس کا یہی قول نقل کیا ہے کہ ماظهر سے مراد ہے چہرہ اور دونوں کف (یعنی پہنچے سے نیچے نیچے ہتھیلیاں وغیرہ) عطاء کی روایت میں حضرت عائشہ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔ دوسری روایت میں چہرہ اور کفین کے ساتھ قدموں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

امام شافعیؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ صرف چہرہ مستثنیٰ ہے۔ بہرحال چاروں اماموں کے نزدیک بالاتفاق چہرہ ستر سے مستثنیٰ ہے، امام ابو حنیفہؒ، امام مالک امام احمد کے پاس ایک روایت کے بموجب کفین بھی مستثنیٰ ہیں۔ مختلفات، قاضی خان میں آیا ہے کہ کف کا بیرونی اور اندرونی حصہ پہنچے تک مستثنیٰ ہے اور ظاہر الروایت میں آیا ہے کہ ہتھیلیاں ستر نہیں ہیں مگر ہتھیلیوں کا بیرونی حصہ قابل ستر ہے۔ کذا قال ابن ہمام دونوں قدم عورت (قابل ستر) ہیں لیکن ایک روایت میں امام ابو حنیفہ کا قول اس کے خلاف آیا ہے۔

حضرت ام سلمہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا اگر عورت صرف کرتہ اوڑھنی پہن کر نماز پڑھ لے ازار پہنے نہ ہو تو کیا نماز ہو جائے گی، فرمایا کوئی ہرج نہیں بشرطیکہ کرتہ اتنا (لمبا) ہو کہ قدموں کو اوپر سے ڈھانک لے۔ رواہ ابوداؤد و الحاکم۔ شیخ عبدالحق نے اس روایت کو معلل قرار دیا ہے کیونکہ مالک وغیرہ نے اسکو موقوفاً نقل کیا ہے اور اس کو موقوف قرار دینا ہی صحیح ہے۔ ابن جوزی نے کہا اس حدیث کو مرفوع کہنے میں کلام ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی عبدالرحمن بن عبداللہ بھی ہے جو ضعیف ہے یحییٰ نے اس کو ضعیف کہا ہے ابو حاتم رازی نے کہا اس کی روایت کردہ حدیث ناقابل استدلال ہے۔

بالائے قدم کا عورت ہونا اس آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے اللہ نے فرمایا ہے ولایضربن بار جلهن لیعلم مایخفین من زینتهن اپنے پاؤں اس طرح نہ ماریں کہ جو زینت وہ چھپاتی ہیں وہ معلوم ہو جائے اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پازیب، جھانجن وغیرہ چھپی ہوئی زینت ہیں (اور باطنی زینت کو چھپانا لازم ہے) اس لئے پازیب وغیرہ کی جگہ یعنی بالائے قدم بھی قابل ستر ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ آیت میں جس ستر کا حکم ہے اس کا تعلق صرف نماز سے ہے پردہ سے نہیں ہے کیونکہ آزاد عورت کا سارا بدن واجب الستر ہے سوائے شوہر اور محرم کے عورت کے بدن کا کوئی حصہ دیکھنا کسی مرد کے لئے جائز نہیں۔ ہاں مجبوری ہو تو الگ بات ہے جیسے بیماری کا علاج یا ادائے شہادت وغیرہ حنفی فقہ کی کتابوں میں چہرے کو ستر سے مستثنیٰ کیا گیا ہے اور یہ استثناء صرف نماز کے ساتھ مخصوص نہیں ہے ہدایہ میں ہے کسی مرد کے لئے اجنبی عورت کا کوئی حصۂ بدن سوائے چہرے اور کفین کے دیکھنا جائز نہیں کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے ولا یبدین زینتهن الا ماظهر منها (اس آیت میں ماظہر یعنی چہرے اور کفین کو مستثنیٰ کر دیا ہے) اس کے علاوہ چہرہ اور کفین کے چھپائے رکھنے میں سخت دشواری بھی ہے۔ ان کا ضرورت کے وقت کھلا رہنا ضروری ہے۔ مردوں سے لین دین میں ان کا کھلنا لازم ہے۔

اگر نفسانی میلان کے ابھار کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں سوائے خالص مجبوری کے چہرے کو دیکھنا بھی جائز نہیں۔ سخت مجبوری ہو تو خیر جیسے گواہ بنتے گواہی دینے اور قاضی کے سامنے جانے کی اجازت کی مجبوری ہو لیکن اگر نفسانی میلان کے ابھار کا یقین نہ ہو

Marfat.com

بلکہ شبہ ہو کہ عورت کا چہرہ دیکھ کر شاید شہوانی ابھار ہو جائے یا غالب گمان نفسانیت کے ابھار کا ہو تو چہرے کو دیکھنا مباح نہیں۔

میں کہتا ہوں امام ابو حنیفہ کا مسلک یہی ہے اور اسی کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو ابو داؤد نے مرسلاً بیان کی ہے کہ لڑکی جب بالغہ ہو جائے تو سوائے اس کے چہرے اور پہنچے تک ہاتھ کے اور کچھ دیکھنا درست نہیں۔ میں کہتا ہوں جن مردوں کو عورتوں کی حاجت نہیں ہوتی (بہت بوڑھے ہونے کی وجہ سے عورتوں کی طرف ان کا میلان خاطر باقی نہیں رہتا) ان کے سامنے عورتوں کا اپنی پوشیدہ زینت کو نمودار کرنا باجماع علماء جائز ہے اور قرآنی صراحت سے بھی ثابت ہے کیونکہ اس صورت میں فتنہ کا کوئی خوف نہیں ہوتا پس جب پوشیدہ زینت کا اظہار جائز ہے تو ناکارہ مردوں کے سامنے ظاہری زینت کو لے آنے میں بدرجۂ اولیٰ کوئی ہرج نہیں ہاں اگر اجنبی عورت کو دیکھ کر نفسانیت کے بیدار ہونے کا اندیشہ ہو خواہ یہ اندیشہ صرف شبہ کی حد کے اندر ہو تب بھی اس کے چہرے پر نظر کرنا ناجائز ہے۔ صاحب ہدایہ کا یہی مطلب ہے۔ ابن ہمام نے لکھا ہے اگر اجنبی عورت کے یا امرد لڑکے کے چہرے کو دیکھ کر نفسانیت میں بیداری اور ابھار کا شبہ ہو تب بھی نہ اجنبی عورت کو دیکھنا جائز ہے اور نہ امرد لڑکے کے چہرے کو۔ جن صورتوں میں اجنبی عورت کے چہرے کو دیکھنے کی ممانعت ہے انہیں صورتوں میں عورت کے لئے اپنا چہرہ اجنبی مرد کو دکھانا بھی ناجائز ہے اگر مرد کے اندر اجنبی عورت کا چہرہ دیکھ کر نفسانی ابھار کا شک ہو رہا ہو تو عورت اس کو اپنا چہرہ دکھا نہیں سکتی اس سے فتنہ اور بگاڑ کی تخم کاری ہوگی اور چونکہ ہر اجنبی عورت کا چہرہ ہر جوان نامحرم مرد کے لئے نفسانیت میں ابھار پیدا کرنے کا احتمال رکھتا ہے جو مرد اپنے اندر عورتوں کی طرف میلان کی صلاحیت رکھتا ہے (اور پیر فرتوت کی حدود میں داخل نہیں ہوا ہے) اجنبی عورت کا چہرہ دیکھ کر اس کے نفسانی میلان میں بیداری نہ ہونا ناقابل تصور ہے اس لئے ہم کو کہنا پڑے گا کہ آزاد (جوان) عورت کے لئے اجنبی مرد سے چہرے کا پردہ رکھنا بھی لازم ہے بشرطیکہ مرد عورت کا شوہر اور محرم نہ ہو اور عورت کی طرف میلان کی اس میں صلاحیت ہو۔ حسن کا اصل سرچشمہ تو چہرہ ہی ہے چہرے کو دیکھنے سے ہی فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ بہت زیادہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے عورت (سر تاپا) عورت ہے۔ (یعنی قابل ستر ہے) جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک میں رہتا ہے۔ رواہ الترمذی عن ابن مسعود۔ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ عورت (از سر تاپا) واجب الستر ہے ضرورتیں اس حکم سے باجماع امت مستثنیٰ ہیں۔ عورت کو بازار سے ضروری سودا سلف لانے والا نہ ملے تو یہ بھی ایک طرح کی ضرورت ہے برقعہ پہن کر وہ نکل سکتی ہے۔ راستہ دیکھنے کے لئے وہ ایک آنکھ کھلی رکھے۔ سر سے پاؤں تک چھپانے والا کپڑا نہ ملے تو جہاں تک ممکن ہو اور جو کپڑے میسر ہوں وہی کپڑے پہن کر اور بدن کو چھپا کر باہر آسکتی ہے۔ کبھی علاج معالجہ کے لئے ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کبھی گواہوں کے پاس اور کبھی عدالت میں حاکم کے سامنے جانے کی مجبوری ہوتی ہے ان سب صورتوں میں بقدر ضرورت پردے کا انکشاف درست ہے۔ ہم نے زینت کا مرادی معنی دو طرح سے بیان کیا ہے (۱) کپڑے زیور اور بناؤ سنگھار کی چیزیں بیضاوی کے نزدیک زینت سے یہی مراد ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے بھی زینت سے مراد کپڑے لئے ہیں اور (استدلال میں آیت) خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ تلاوت فرمائی تھی (اس آیت میں زینت سے مراد کپڑے ہیں اور مسجد سے مراد نماز۔ مترجم) اس صورت میں زینت یعنی لباس اور زیور کو ظاہر کرنے کی صراحۃً ممانعت ہوگی اور مواضع زینت یعنی اعضاء کو ظاہر کرنے کی حرمت دلالت النص سے بدرجۂ اولیٰ ہو جائے گی اس وقت الا ما ظهر کا مطلب بالکل صاف ہوگا کہ جو کپڑے بیرونی ہیں اور اوپر کا لباس ہیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

اور اگر زینت سے مواضع زینت یعنی اعضاء مراد ہوں تو استثناء کا مطلب یہ ہوگا کہ جب ضروری کام کاج کے لئے یا گواہوں کو فراہم کرنے کے لئے یا ادائے شہادت کے لئے مواضع زینت یعنی اعضاء کو کھولنا پڑ جائے اور کھولنے کا ارادہ نہ ہو تو ایسی ضرورت کے وقت ان اعضاء کی بے پردگی جائز ہے۔ بہرحال چہرے اور کفین کھولنے کا استثناء صرف نماز ہی میں نہیں ہے (جیسا کہ بیضاوی کا خیال ہے بلکہ عام حالات سے اس کا تعلق ہے۔ مترجم)

Marfat.com

چہرہ کھلا رکھنے کا عدم جواز اس آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ اللہ نے فرمایا قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَاۗءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ۔ الآیۃ۔ اے پیغمبر! اپنی بیبیوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی چادریں اپنے اوپر اوڑھ لیا کریں (اس آیت کی تفسیر میں) حضرت ابن عباس اور ابو عبیدہ نے کہا، مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے سروں اور چہروں کو چادر سے ڈھانک لیا کریں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ آزاد عورتیں ہیں۔ صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں۔ رہا قبیلہ خثعم کی عورت کا واقعہ جس نے اپنے بوڑھے باپ کے عوض خود حج کرنے کا مسئلہ پوچھا تھا اور حضرت فضل بن عباس اس کی طرف دیکھنے لگے تھے (تو اس عام حالات میں چہرہ کھلا رکھنے کے جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا) یہ تو مسئلہ دریافت کرنے کی ضرورت کی وجہ سے تھا اور مجبوری کے وقت بہر حال چہرے کا پردہ نہیں رہتا۔ اسی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فضل کے چہرے کو عورت کی طرف سے پھیر دینا خود بتا رہا ہے کہ نامحرم عورت کے چہرہ کی طرف دیکھنا ناجائز ہے۔

مسئلہ :- اس آیت کا حکم باجماع علماء آزاد عورتوں کے لئے مخصوص ہے، باندیاں خواہ کامل ہوں یا ناقص یعنی مکاتب ہوں مدبر ہوں، ام ولد ہوں یا خالص باندی، ان کے لئے سر، چہرہ، کلائیاں اور پنڈلیاں کھولنا جائز ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک۔ باندی کے لئے واجب الستر حصہ ناف سے زانو تک مردوں کی طرح ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک باندی کا پیٹ اور پشت بھی عورت (واجب الستر) ہے۔ اصحاب شافعی کہتے ہیں کہ باندی کا حال بھی آزاد عورتوں کی طرح ہے، صرف سر، کلائیاں اور پنڈلیاں عورت یعنی واجب الستر نہیں ہیں۔ شیخین نے صحیحین میں حضرت صفیہ کے قصہ میں بیان کیا ہے کہ لوگوں نے حضرت صفیہ کے متعلق یہ رائے قائم کی تھی کہ اگر حضور ﷺ ان کا پردہ کرائیں تو سمجھ لو وہ بیوی ہیں اور اگر پردہ نہ کرائیں تو سمجھ لو ام ولد ہیں۔ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ باندی کے پردے کا احکام آزاد عورت کے پردے کے احکام سے جدا ہیں، حضرت انس کا بیان ہے حضرت عمر کے سامنے ایک باندی مقنعہ پوش حالت میں نکلی آپ دُرّہ لے کر اس پر جا پہنچے اور فرمایا کمینی آزاد عورتوں کی شکل اختیار کر رہی ہے یہ مقنعہ اتار۔

اس کے علاوہ آیت يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَاۗءِ الْمُؤْمِنِيْنَ ..... ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ۔ کا آخری حصہ مفہوم کے لحاظ سے بتا رہا ہے کہ باندی کا حکم پردہ اور ہے اور آزاد عورت کا اور۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ باندی کے لئے، سر کلائیاں اور پنڈلیاں کھلی رکھنے کا جواز استثناء (الا ماظهر منها) کی وجہ سے ہے۔ پردے کی آیت کا حکم تو باندیوں کو بھی شامل تھا لیکن آقا کی خدمت کے لئے باندی کا باہر نکلنا بہر حال ضروری ہے اور بے چاری کے کام کے کپڑے چھوٹے ہونا بھی لازم ہیں اور چھوٹے کپڑوں سے کلائیاں، پنڈلیاں اور چہرے کا چھپانہ رہنا بھی قرین عقل ہے اس لئے ضرورت کے تحت باندی کے لئے ان اعضاء کا پردہ ضروری نہیں قرار دیا گیا۔

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈال لیں تاکہ ان کے بال گردن اور کان چھپے رہیں۔

ولیضربن یعنی اپنی اوڑھنیوں کا کچھ حصہ گریبانوں پر رکھ لیں۔ ضرب الید علی الحائط (دیوار پر ہاتھ رکھا) محاورہ ہے۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا، سابق مہاجر عورتوں پر اللہ کی رحمت ہو جب اللہ نے آیت ولیضربن بخمرهن علی جیوبهن نازل فرمائی تو انہوں نے اپنی چادریں پھاڑ کر ان کے خمار بنا لئے۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔ یعنی وہ زینت جس کا ظاہر کرنا ممنوع ہے اس کو ظاہر نہ کریں۔

اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ مگر اپنے شوہروں کے لئے۔ زینت کا مرکزی نقطہ تو شوہر ہی ہیں اپنی بیویوں کے سارے بدن

Marfat.com

کو دیکھنا جائز ہے، یہاں تک کہ شرمگاہوں کو بھی۔ مگر شرمگاہوں کو دیکھنا مکروہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے جو شخص اپنی بیوی سے قربت کرے تو پردہ کرلے۔ دونوں گدھوں کی طرح ننگے نہ ہوں۔ رواہ الشافعی والطبرانی والبیہقی عن ابن مسعود عن عتبہ بن عبد والنسائی عن عبداللہ بن سرجس والطبرانی ایضاً عن ابی امامۃ۔ ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ کی شرم گاہ کبھی نہیں دیکھی۔

اَوْ اٰبَآئِهِنَّ یا اپنے باپوں کے لئے۔ اسی طرح دادا، نانا، پردادا، پرنانا غرض سارے اصول کا بالاجماع یہی حکم ہے۔

اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ یا اپنے شوہروں کے باپوں کے لئے۔ شوہروں کے سارے اصول کا بھی یہی حکم ہے۔

اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ یا اپنے بیٹوں کے لئے۔ پوتوں، نواسوں اور تمام فروع کا بدلالت النص اور بالاجماع یہی حکم ہے۔

اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے لئے۔ شوہروں کی ساری نسل کا یہی حکم ہے۔

اَوْ اِخْوَانِهِنَّ یا اپنے بھائیوں کے لئے۔ بھائی حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی۔

اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ یا اپنے بھتیجوں کے لئے۔ بھتیجوں کے بیٹوں اور بھتیجوں کے بیٹوں کا۔ غرض بھائیوں کی ساری فروع کا یہی حکم ہے۔

اَوْ بَنِیْٓ اَخَوٰتِهِنَّ یا اپنے بھانجوں کے لئے۔ بہنوں کے پوتے نواسے بھی اسی حکم میں شامل ہیں۔ مذکورہ بالا سب لوگ عام طور پر اپنی بزرگ یا خورد عورتوں کے گھروں میں ہر وقت آمدورفت رکھتے ہیں اور عموماً کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں ہوتا، اصول و فروع سے صنفی تعلقات کو طبعاً لوگ برا سمجھتے ہیں پھر حیا اور شرم بھی دامن گیر ہوتی ہے۔ اس لئے مذکورہ بالا مردوں کے سامنے مذکورہ عورتوں کا آنا اور اپنی زینت کو ظاہر کرنا اللہ نے جائز قرار دیا اور مردوں کے لئے مباح کر دیا کہ خدمت کے وقت جو حصۂ بدن کھلا رہتا ہے یا کھل جاتا ہے اس کو دیکھ سکتے ہیں یعنی سر، پنڈلیاں، بازو اور سینہ، پیٹ اور پشت کو دیکھنا روا نہیں، نہ ناف سے زانو تک کوئی حصہ دیکھنا جائز ہے عام طور پر یہ حصے کام کے وقت بھی چھپے رہتے ہیں اور ان کو چھپا رکھنے میں کوئی تکلیف بھی نہیں ہوتی۔ یہ حکم ان مردوں اور عورتوں کے لئے ہے جو باہم محرم ہیں جن کے درمیان سلسلۂ نکاح ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا ہے، خواہ حرمت نسبی ہو یا دودھ کی شرکت کی وجہ سے آیت میں باپ کے بھائیوں اور ماں کے بھائیوں کا ذکر صراحت کے ساتھ نہیں کیا گیا کیونکہ دلالت النص سے ان کا حکم وہی معلوم ہو جاتا ہے جو بھتیجوں اور بھانجوں کا ہے اسی پر اجماع اہل علم ہے کیونکہ جب پھوپھی اپنی زینت کا اظہار اپنے بھتیجے کے سامنے کر سکتی ہے تو بھتیجی کے لئے بھی اپنے چچا کے سامنے زینت کا اظہار جائز ہوگا، دونوں رشتے برابر کے ہیں۔ اسی طرح خالہ بھانجے کے سامنے جب اپنی زینت کا اظہار کر سکتی ہی تو بھانجی ماموں کے سامنے بھی زینت کو ظاہر کر سکتی ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ اعمام واخوال کو صراحت کے ساتھ ذکر نہ کرنے سے اس طرف اشارہ ہو کہ چچا اور ماموں کے سامنے اظہار زینت نہ کرنا تقاضاء احتیاط ہے۔ ممکن ہے کہ وہ ان کی زینت کو دیکھ کر اپنے بیٹوں کے سامنے ان عورتوں کی زینت کو بیان کر دیں۔ (حضرت مفسر کی توجیہ انتہائی رکیک ہے اصل بات یہ ہے کہ چچا اور ماموں سے رشتہ اتنا قریب اور قوی ہوتا ہے کہ باپ دادا اور نانا کے بعد اصول میں اور کسی سے اتنا قریب رشتہ نہیں ہوتا۔ جب چچا اور ماموں کے اصول کا ذکر کر دیا تو خود ان کا ذکر بدرجہ اولیٰ ہو گیا۔ مترجم)

مسئلہ:۔ محرم عورت کے جس حصہ کو دیکھنا جائز ہے اس حصہ کو ہاتھ لگ جانا اور چھو جانا بھی جائز ہے۔ سفر میں کبھی ایسا ہو جاتا ہے اور ضرورت پڑ جاتی ہے اور حرمت نکاح دوامی ہے اس لئے فتنہ کا اندیشہ نہیں۔ ہاں اگر اس سے اپنی یا محرم عورت کی نفسانی خواہش کے بیدار ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں نہ محرم کی طرف دیکھنا جائز ہے نہ اس کو چھونا اور ہاتھ لگانا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں اور دونوں آنکھوں کا زنا بری نیت سے دیکھنا۔ اور دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں اور

Marfat.com

ان کا زنا بری نیت سے پکڑنا ہے۔ دوسری روایت میں ہے دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں اور دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں اور دونوں پاؤں زنا کرتے ہیں اور شرمگاہ زنا کرتی ہے۔ رواہ احمد والطبرانی عن ابن مسعود۔ مرفوعاً

محرم عورتوں سے زنا کرنے کا جرم بہت ہی سخت ہے۔ اس لئے اگر ان کو دیکھنے یا چھونے سے نفسانیت کے بیدار ہو جانے کا کسی ایک طرف بھی خطرہ ہو تو دیکھنے سے پرہیز رکھے اور چھونے سے بھی۔

اَوْ نِسَآئِهِنَّ یا اپنی عورتوں کے لئے۔ یعنی ایک عورت دوسری عورت کے سامنے اپنی زینت کا اظہر کر سکتی ہے خواہ وہ عورت مومنہ ہو یا غیر مومنہ آزاد ہو یا باندی کیونکہ ہر عورت دوسری عورت کی ہم جنس ہے اور نفسانی خواہشات کی بیداری کا عام طور پر خطرہ نہیں ہوتا۔ ہاں ناف سے زانوں تک کا انکشاف ایک عورت دوسری عورت کے سامنے (باستثناء ضرورت خاص) نہیں کر سکتی۔

امام ابو حنیفہ کا ایک قول منقول ہے کہ عورت کا عورت کی طرف دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے مرد کا اپنی محرم عورت کی طرف دیکھنا۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ نساء لھن سے مراد ہے مسلمان عورتیں (اپنی عورتیں یعنی اپنی ہم مذہب بہنیں) اس تفسیر پر مسلمان عورت کے لئے کسی غیر مسلم عورت کے سامنے اپنی زینت کا اظہار جائز نہ ہوگا کیونکہ غیر مسلمہ عورت اپنی نہیں ہے غیر ہے۔ غیر مسلمہ عورت کو مردوں کے سامنے مسلم عورتوں کے احوال بیان کرنے سے کوئی باک نہیں ہوتا۔

حضرت ابن مسعود کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، عورت عورت کے سامنے برہنہ نہ ہو کہ وہ جا کر اس طرح بیان کر دے کہ مرد کے سامنے وہ منظر آجائے۔

بغوی نے لکھا ہے عمر بن عبد العزیز نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو لکھ کر بھیجا تھا کہ کتابی عورتوں کو مسلمان عورتوں کے ساتھ حمام میں جانے سے منع کر دیں۔

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ یا ان باندیوں کے سامنے جو ان کی مملوک ہیں۔

ابن جریج کا قول ہے کہ نسائہن سے مراد ہیں مسلمان آزاد عورتیں اور ماملکت ایمانہن سے مراد ہیں باندیاں خواہ مسلمان ہوں یا نہ ہوں غلام مراد نہیں ہیں۔ اس تشریح کے بموجب کسی مسلمان عورت کا کسی مشرک عورت کے سامنے اپنی زینت کا انکشاف جائز نہ ہوگا۔ ہاں اگر باندی ہو خواہ مشرکہ ہی ہو اس سے زینت کا اخفا ضروری نہیں اور جب ماملک سے اپنی باندیاں مراد ہیں تو اپنے غلام کے سامنے اظہار زینت درست نہ ہوگا نہ غلام کے لئے اپنی مالکہ کے جسم کا کوئی ایسا حصہ دیکھنا جائز ہوگا جس کو اجنبی مرد کے لئے دیکھنا حرام ہے۔

امام ابو حنیفہ اور بعض شوافع کا یہی قول ہے۔ شیخ ابو حامد شافعی نے کہا ہمارے رفقاء (شافعیہ) کا صحیح قول یہی ہے کہ غلام اپنی مالکہ کا محرم نہیں ہے۔ نووی نے لکھا ہے یہی صحیح ہے بلکہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ یہ فیصلہ قطعی ہے، غلام اپنی مالکہ کا محرم ہو اس کی کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔ آیت کی صحیح تفسیر یہی ہے کہ ماملکت سے مراد صرف باندیاں ہیں صاحب ہدایہ نے کہا ہمارے قول کی دلیل یہ ہے کہ غلام بہر حال مرد ہے اور شوہر نہیں ہے اور نہ محرم ہے (اجنبی ہے) اور اشتہائے نفسانی کا خطرہ موجود ہے۔ آزاد ہونے کے بعد اپنی مالکہ سے وہ نکاح کر سکتا ہے اور ایسا پیش خدمت نہیں ہے کہ اس سے زینت کا اخفاء نہ کیا جا سکتا ہو۔ غلام تو باہر کا کام کرج کرتے ہیں اندرون خانہ خدمت تو باندیاں کرتی ہیں۔ پس آیت مذکورہ میں صرف باندیاں ہی مراد ہیں۔ سعید بن مسیب اور حسن وغیرہ نے کہا تھا تم کو سورۂ نور کی آیت کا غلط مطلب نہ لینا چاہئے، وہ تو صرف عورتوں کے متعلق ہے مردوں کے لئے نہیں ہے۔

یہ تفسیر اسی وقت صحیح ہوگی جب نساء ھن سے مراد آزاد مسلمان عورتیں ہوں۔ عام مسلمان عورتیں مراد نہ ہوں۔ ورنہ ماملکت ایمانہن سے بے فائدہ تکرار لازم آئے گی۔ حاصل یہ کہ مسلمان عورت کے لئے کافر آزاد عورت کے

Marfat.com

سامنے اپنی زینت کا اظہار امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز نہیں۔
امام مالک نے فرمایا ما ملکت ایمانھن کا لفظ اپنی باندیوں کو بھی شامل ہے اور اپنے غلاموں کو بھی۔ اپنا غلام بھی مثل دوسرے محارم کے ہوتا ہے جو زینت دوسرے محرم کے سامنے ظاہر کی جاسکتی ہے وہ اپنے غلام کی سامنے بھی ظاہر کی جاسکتی ہے اور عورت کا جو حصہ زینت محرم دیکھ سکتا ہے وہ اس عورت کا غلام بھی دیکھ سکتا ہے۔
امام شافعی نے بھی اس کی صراحت کی ہے اور جمہور شافعیہ کے نزدیک یہی روایت زیادہ صحیح بھی ہے (ابو حامد شافعی اور نووی شافعی کی رائے اس کے خلاف اوپر گزر چکی) گھر کے غلام بغیر اجازت طلب کرنے کے اندر آتے جاتے رہتے ہی ہیں اور بغیر اجازت اندر آنے کی عام ضرورت بھی رہتی ہے۔
بغوی نے لکھا ہے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہ سے بھی ایسی ہی روایات منقول ہیں حضرت انس کی روایت کردہ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک غلام سیدہ فاطمہ کو عطا فرمایا اور غلام کو ساتھ لے کر حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لے گئے اس وقت حضرت سیدہ کے پاس صرف اتنا کپڑا تھا کہ اگر سر چھپاتی تھیں تو پاؤں کھلے رہتے تھے اور ٹانگیں چھپاتی تھیں تو سر تک کپڑا نہیں پہنچتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے یہ بات ملاحظہ فرمائی تو ارشاد فرمایا کوئی حرج نہیں (کوئی غیر نہیں ہے) صرف تمہارا باپ اور تمہارا غلام ہے۔ رواہ ابو داؤد۔ اس حدیث کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے وہ غلام چھوٹی عمر کا ہو۔ حدیث میں جو لفظ غلام آیا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے (غلام کا معنی ہے لڑکا)
حضرت ام سلمہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کسی مکاتب غلام کی رقم (کتابت) پوری ادا ہو جائے تو اس کو مکاتب سے پردہ کر لینا چاہیئے۔ رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ اس حدیث سے (غلام سے کامل پردہ نہ کرنے پر) استدلال مفہوم مخالف کے اعتبار سے کیا جاسکتا ہے۔ (حدیث کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر بدل کتابت پورا ادا نہ ہو اور غلام آزادی حاصل نہ کر سکا ہو تو اس سے پردہ نہ کرنا چاہیئے)۔

أَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ یا ان مردوں پر جو طفیلی کے طور پر رہتے ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو۔

غیر اولی الاربۃ یعنی جن کو عورتوں کی طرف رغبت نہ رہی ہو۔ مراد ہیں پیر فرتوت۔ بہت بوڑھے، ازکار رفتہ۔ ان کو تابعین اس لئے کہا گیا کہ یہ خود کوئی کمائی نہیں کر سکتے، گھر والوں کے تابع ہوتے ہیں تاکہ بچا کھچا کھانا ان کو مل جائے۔ حسن نے کہا غیر اولی الاربۃ وہ لوگ ہیں جن کو انتشار نہ ہو سکتا ہو، عورتوں سے قربت نہ کر سکیں اور نہ عورتوں کی رغبت ان میں باقی رہی ہو۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا نامرد مراد ہے۔
سعید بن جبیر نے کہا ناقص العقل خبطی مراد ہیں عکرمہ نے کہا ذکر بریدہ مراد ہیں بعض نے کہا مخنث مراد ہیں۔ مقاتل نے کہا پیر فرتوت ازکار رفتہ اور نامرد اور خصی اور ذکر بریدہ سب مراد ہیں۔
صحیح یہ ہے کہ خصی اور ذکر بریدہ نامحرم عورت کے معاملہ میں نر کا حکم رکھتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے خصی نر قابل جماع ہوتا ہے اور ذکر بریدہ کی بھی یہی حالت ہوتی ہے، مس کر سکتا ہے، رگڑ سکتا ہے اس کو انزال ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ زنانہ جو بدفعلیوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے زنانہ بن گیا ہو وہ بھی بدچلن نر ہوتا ہے یہ سب لوگ آیت قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ کے حکم میں داخل ہیں، آیت کا حکم ذکر بریدہ خصی اور مخنث کو بھی شامل ہے اور یہ شمول قطعی ہے۔ اور آیت التابعین غیر اولی الاربۃ میں ان ذکر بریدہ خصی وغیرہ کا شامل ہونا قطعی نہیں ہے اس لئے اول آیت میں جو نظریں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے وہ ان پر لاگو ہوگا۔ صاحب کفایہ نے لکھا ہے کہ ہدایہ میں جو مخنث کے ساتھ بالردی من الافعال کی شرط لگائی گئی ہے اس کی مراد یہ ہے کہ وہ مخنث مراد ہیں جو مفعولیت میں مبتلا ہوں وہ مخنث مراد نہیں ہیں جن کے اعضا میں نرمی اور زبان میں لوچ اور لچک ہو خلقی مخنثوں کی مشابہت ان میں پائی جاتی ہے، عورتوں کی طرف نفسانی میلان نہ رکھتے ہوں اور فاسقانہ مفعولیت میں مبتلا

Marfat.com

نہ ہوں۔ ہمارے بعض مشائخ نے ایسے لوگوں کو عورتوں کے پاس آنے جانے کی اجازت دی ہے یہ غیر اولی الاربۃ من الرجال میں داخل ہیں۔

میں کہتا ہوں اصلی فطری خنثیٰ جس کے پاس آلۂ مردانگی بھی ہوتا ہے اور شرمگاہ نسوانی بھی۔ اگر اس میں نسوانی علامات نمایاں ہوں، مثلاً عورتوں کی طرح پستان ہوں یا عورت کی مثل پستانوں میں دودھ اتر آئے، حیض آتا ہو یا حمل ہو، یا شرمگاہ نسوانی سے اس سے جماع کیا جا سکتا ہو تو ایسا خنثیٰ عورت کے حکم میں ہے۔ ورنہ مرد کا حکم اس پر لاگو ہوگا، عورتوں کے لئے اس کے سامنے اظہار زینت جائز نہ ہوگا۔ اور اگر خنثیٰ مشکل ہے تو محتاط طریقہ اختیار کیا جائے گا نہ وہ مردوں کے سامنے اپنا کشف کر سکے گا نہ عورتیں اس کے سامنے اپنی زینت کو نمایاں کر سکیں گی۔ واللہ اعلم۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ام سلمہ کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ حضرت ام سلمہ کے پاس موجود تھے اور گھر میں ایک مخنث بھی موجود تھا، مخنث نے حضرت ام سلمہ کے بھائی حضرت عبداللہ بن امیہ سے کہا عبداللہ! اگر کل کو اللہ تم کو طائف کی فتح عنایت فرمادے تو میں تم کو غیلان کی بیٹی کا پتہ بتاؤں گا، وہ چار کے ساتھ سامنے سے آتی ہے اور آٹھ کے ساتھ پیٹھ موڑ کر جاتی ہے (یعنی اس کے حسن کا یہ عالم ہے کہ جب وہ سامنے سے آتی ہے تو پیٹ پر چار شکنیں پڑتی دکھائی دیتی ہیں اور پشت پھیر کر واپس جاتی ہے تو آٹھ شکنیں نمودار ہوتی ہیں، چار دائیں پہلو کی طرف اور چار بائیں پہلو کی طرف) حضور ﷺ نے فرمایا، یہ لوگ تمہارے پاس اندر نہ آئیں۔

بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ عورتوں کے پاس مخنثوں کا آنا جائز نہیں۔ لیکن یہ استدلال کمزور ہے۔ کیونکہ جب تک اس مخنث نے بنت غیلان کے حسن کے احوال بیان نہیں کئے تھے حضور ﷺ نے اس کو گھر کے اندر برقرار رکھا تھا اور گھر میں داخل ہونے کی ممانعت نہیں فرمائی تھی پھر جب اس نے بنت غیلان کی کیفیت بیان کی تو آپ نے ممانعت فرما دی گویا بناء حکم بنت غیلان کی حالت کا بیان (اور مرد کو اس کی طرف راغب بنانا) تھا تو یہ علت وہی ہے جس کی موجودگی میں عورت کا عورت کے پاس داخلہ بھی ممنوع ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود کی حدیث میں اوپر آچکا ہے۔

اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ۪ ایسے لڑکوں کے لئے جو عورت کے پردہ کی باتوں سے ناواقف ہیں۔ الطفل اسم جنس ہے جمع پر اس کا اطلاق کیا گیا، کیونکہ اس کی صفت بصیغۂ جمع ذکر کی گئی ہے۔ لم یظھروا الخ یعنی بالغ نہ ہوئے ہوں۔ یا جماع کی قدرت نہ رکھتے ہوں ظھر علی زید کا معنی یہ بھی آتا ہے کہ وہ زید پر قابو پا گیا قادر ہو گیا۔ یا یہ مراد ہے کہ عورتوں کے پردے کے مقامات کو انہوں نے کھولا نہ ہو یا پردہ کی باتوں کی ان کو ابھی واقفیت نہ ہوئی ہو۔ بہرحال مراد یہ ہے کہ حد شہوت کو نہ پہنچے ہوں اور ان میں ابھی صلاحیت نہ پیدا ہوئی ہو۔

مجاہد نے کہا اتنے چھوٹے بچے مراد ہیں جن کو عورتوں کو چھپی اور کھلی باتوں میں کوئی تمیز ہی نہ ہو وہ جانتے ہی نہ ہوں پردہ کی چیز کیا ہوتی ہے۔ اول معنی مراد لینا زیادہ صحیح ہے کیونکہ جو بچے شعور و تمیز کو پہنچ گئے ہوں حد شہوت کو نہ پہنچے ہوں ان کے سامنے عورتیں باقی حصۂ بدن کھول سکتی ہیں صرف ناف سے زانو تک نہیں کھول سکتیں۔ آیت لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ اس پر دلالت کر رہی ہے۔ اور اگر بچہ اتنا چھوٹا ہے کہ کچھ شناخت اور تمیز نہیں رکھتا تو وہ چوپایوں درختوں اور پتھروں کی طرح ہے اس کے سامنے ہر طرح کی پردہ کشائی جائز ہے یہاں تک کہ عورت مغلظہ کی برہنگی بھی درست ہے۔ اور اگر لڑکا مراہق ہے (حد بلوغ کے بالکل قریب پہنچ گیا ہے) تو وہ مردوں کے حکم میں ہے۔

ابن جریر نے حضرمی کی روایت سے بیان کیا کہ ایک عورت نے چاندی کی دو بازیبیں بنوائیں اور ان میں گھنگھرو لگائے، پھر لوگوں کے سامنے سے گزری اور پاؤں زمین پر پٹخے اور اس طرح گھنگھرو پازیب سے ٹکرا کر بولے، اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

Marfat.com

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ ۚ اور اپنے پاؤں زمین پر نہ ماریں کہ ان کا چھپا ہوا زیور (لوگوں کو) معلوم ہو جائے۔

بغوی نے لکھا ہے عورت جب چلتی تھی تو پاؤں زمین پر مارتی تھی تاکہ اس کی پازیب کی آواز لوگ سن لیں۔ اس کی ممانعت کردی گئی، کیونکہ یہ حرکت مردوں کے دلوں میں اس عورت کی طرف میلان پیدا کرتی تھی۔

بیضاوی نے لکھا ہے زیور کو ظاہر کرنے کی ممانعت سے زیادہ زور اس بات میں ہے کہ زیور کی آواز پیدا ہونے سے ہی روک دی جائے۔ اس لئے بیضاوی نے النوازل میں صراحت کی ہے کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے۔ اسی پر یہ مسئلہ مبنی ہے کہ عورت کا عورت سے قرآن سیکھنا افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی لئے ارشاد فرمایا کہ سبحان اللہ کہنا مردوں کے لئے ہے اور تالی بجانا عورتوں کے لئے۔ متفق علیہ۔

ابن ہمام نے لکھا ہے اسی وجہ سے اگر کہا جائے۔ کہ عورت نماز میں اگر جہری قرأت کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ تو اس کی بنیاد معقول ہے امام کو نماز میں اگر سہو ہو جائے تو اس کو متنبہ کرنے کے لئے بجائے اس کے کہ عورت آواز سے سبحان اللہ کہے رسول اللہ ﷺ نے اس کو تالی بجادینے کا حکم دیا۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا قدم بھی عورت ہے۔

وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ اور اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ سے توبہ کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے اوامر و نواہی کی تعمیل میں کوتاہی ہر شخص سے ہوتی ہے اس لئے سب کو توبہ کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام نبی آدم خطاوار ہیں اور خطاواروں میں سب سے اچھے توبہ کرنے والے ہیں۔ رواہ الترمذی و ابن ماجہ و الدارمی۔

بعض نے کہا جاہلیت کے زمانہ میں تم جو کچھ کرتے تھے اس سے توبہ کرو، اسلام کی وجہ سے اگرچہ پچھلے دور کفر کے اعمال قابل مواخذہ نہیں رہے، لیکن جب بھی ان بداعمالیوں کی یاد آجائے ان پر ندامت تو بہر حال واجب ہی ہے اور ان کو دوبارہ اختیار نہ کرنے کا پکا ارادہ لازم ہی ہے۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝۳۱ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

فلاح دارین توبہ ہی سے وابستہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا، اس شخص کے لئے خوشی ہے جو اپنے اعمال نامے میں بکثرت استغفار پائے گا۔

حضرت ابن عمر کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے لوگو! اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔ میں ہر روز سو بار اپنے رب کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم میں دن میں ستر بار سے زیادہ اپنے رب سے معافی مانگتا اور توبہ کرتا ہوں۔ رواہ البخاری۔

اعرابی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ میرے دل پر کثافت آجاتی ہے میں دن میں سو مرتبہ اللہ سے استغفار اور توبہ کرتا ہوں۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابن عمر کا بیان ہے ہم گنتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی مجلس میں سو بار فرماتے تھے رب اغفرلی وتب علی انک انت التواب الغفور۔ رواہ الترمذی و ابن ماجة و ابو داؤد۔

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ جب کہ گزشتہ آیات میں اللہ نے ان باتوں کی ممانعت فرمادی جو اکثر زنا کی طرف لے جاتی ہیں تو اب اس آیت میں نکاح کا حکم دیا۔ (تاکہ فطرت انسانی کا تقاضا جائز طور پر پورا ہو سکے) نکاح نظروں کو نیچا رکھنے والا اور زنا سے بچانے والا ہے۔ انکحوا میں خطاب اولیا اور سرپرستوں کو ہے۔ لیامی اصل میں ایایم تھا، جیسے یتامیٰ کی اصل

Marfat.com

یتایم بھی ایم کی جمع لیامی ہے ایم اس مرد کو بھی کہتے ہیں جس کی بیوی نہ ہو اور اس عورت کو بھی کہتے ہیں جس کا شوہر نہ ہو۔
وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اور اپنے غلاموں اور باندیوں میں سے ان کا بھی نکاح کر دو جو صلاحیت رکھتے ہوں۔ یہ امر استحبابی ہے (واجب نہیں ہے) صالحین نیک لوگ۔ صالح ہونے کی شرط نکاح کرانے کے لئے لازم نہیں غیر صالح کا نکاح کرانا بھی مستحب ہے لیکن جو باندی غلام نیک ہوں ان کے دین کی حفاظت اور ان کی پرہیز گاری کی نگہداشت کی اہمیت زیادہ ہے اس لئے خصوصیت کے ساتھ صالحین کا نکاح کرانے کی ہدایت کی۔
بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ صالحین سے مراد ہیں وہ لوگ جن میں نکاح کرنے اور حقوق نکاح ادا کرنے کی صلاحیت و اہلیت ہو۔
مسئلہ:- اگر جوش صنفی غالب ہو، اور حرام میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو نکاح واجب ہے۔ صاحب نہایہ نے لکھا ہے اگر زنا میں مبتلا ہو جانے کا ڈر ہو اور بچنے پر قدرت نہ ہو تو ایسی حالت میں نکاح فرض ہے۔ ابن ہمام نے لکھا ہے اگر ایسا قوی اندیشہ ہو کہ نکاح نہ کرے گا تو اپنے پر قابو نہ پا سکے گا۔ یقیناً حرام میں مبتلا ہو جائے گا تو نکاح فرض ہے اور اگر مغلوبیت اس حد تک نہ ہو بلکہ جوش کی وجہ سے مبتلاء معصیت ہو جانے کا خطرہ ہو تو نکاح واجب ہے لیکن یہ وجوب اس وقت ہے جب حقوق نکاح ادا کرنے کا یقین ہو نکاح کے بعد حق تلفی کا اندیشہ نہ ہو، اگر لوازم نکاح ادا نہ کر سکنے کا خوف ہو تو نکاح مکروہ ہے۔ ابن ہمام نے یہ بھی لکھا ہے کہ حق تلفی کا خوف بھی تفصیل طلب ہے اگر فریضہ نکاح کے تلف ہونے کا حق یقین ہو تو نکاح حرام ہے اگر حق تلفی کا خطرہ ہو یقین نہ ہو تو نکاح مکروہ تحریمی ہے۔
بدائع میں ذکر کیا گیا ہے جوش شہوانی (کے وقت جو نکاح فرض ہو جاتا ہے اس) کے لئے یہ شرط بھی ضروری ہے کہ بقدر مہر معجّل ادا کرنے اور نفقہ برداشت کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ اگر جوش شہوانی کے ساتھ یہ شرطیں بھی موجود ہوں اور نکاح نہ کرے تو گناہ گار ہوگا۔
اگر اعتدال کی حالت ہو تو داؤد اور دوسرے اہل ظاہر کہتے ہیں کہ اس حالت میں بھی ہر مرد اور عورت پر نکاح فرض عین ہے۔ لیکن عمر میں ایک مرتبہ بشرطیکہ جماع پر قدرت ہو اور نفقہ برداشت کر سکتا ہو۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ (یعنی یہ امر وجوب کے لئے ہے) حضرت سمرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ مجرد رہنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ رواہ الترمذی وابن ماجۃ۔
دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے عکاف سے فرمایا کیا تیری بیوی ہے عکاف نے کہا۔ نہیں فرمایا اور کوئی باندی بھی نہیں ہے۔ عکاف نے کہا، نہیں۔ فرمایا تو خوش حال مالدار بھی ہے عکاف نے کہا میں فراخ حال ہوں (مالدار ہوں) فرمایا، تب تو شیطان کے بھائیوں میں سے ہے۔
یہ بھی حضور ﷺ نے فرمایا، ہماری سنت (طریقہ) نکاح ہے تم میں جو لوگ مجرد ہیں وہ برے لوگ ہیں اور جو مجرد ہونے کی حالت میں مر گئے وہ بہت رذیل مردے ہیں۔ رواہ احمد۔
حضرت انس کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نکاح کرنے کا حکم دیتے تھے اور مجرد رہنے کی سختی کے ساتھ ممانعت فرماتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے اس عورت سے نکاح کرو جو شوہر سے بہت زیادہ محبت کرنے والی اور بکثرت بچے پیدا کرنے والی ہو۔ میں قیامت کے دن متقی لوگوں کے مقابلے میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی۔
سورۃ نساء کو آیت فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کی تفسیر میں اسی طرح کی حدیث گزر چکی ہے۔ بعض حنفیہ قائل ہیں کہ نکاح واجب بالکفایہ ہے یعنی سب پر واجب ہے لیکن سب کا نکاح کرنا ضروری نہیں کچھ لوگ نکاح کر لیں تو سب کی طرف سے واجب ادا ہو جائے گا۔ قانون نکاح جاری کرنے کی غرض یہ ہے کہ مسلمان دنیا میں باقی رہیں ان کی نسل ختم نہ ہو جائے اور یہ غرض کچھ لوگوں کے نکاح کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

نکاح فرض عین نہیں ہے اس پر اجماع امت ہے، داؤد جیسے لوگوں کا اس کو فرض عین قرار دینا خلاف اجماع ہے، بعض علماء نے واجب بالکفایہ ہونے کے ثبوت میں آیت فانکحوا ما طاب لکم من النساء پیش کی ہے اس آیت میں جتنی عورتوں سے بیک وقت نکاح کیا جاسکتا ہے ان کی تعداد بیان کرنی مقصود ہے اور خطاب سرپرستوں کو ہے کہ اگر ایامی نکاح کرنا چاہیں تو وہ نکاح سے نہ روکیں۔ رہیں احادیث مذکورہ تو وہ آحاد ہیں اور احادیث سے آحاد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔

بعض کے نزدیک نکاح تو سنت مؤکدہ ہے بعض کے نزدیک مستحب لیکن سنت یا مستحب ہونا صرف اس شرط کے ساتھ ہے کہ جماع پر قدرت رکھتا ہو بیوی کا خرچ اٹھا سکتا ہو اور حق تلفی کا اس کو خطرہ نہ ہو ان میں سے اگر کوئی شرط مفقود ہو تو نکاح مکروہ ہے یا حرام۔

عملی سنت ہونے کا ثبوت رسول اللہ ﷺ کے دوامی عمل سے ملتا ہے اور قولی سنت کے ثبوت کے لئے یہ حدیث کافی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، اے گروہ جوانان تم میں سے جو شخص نکاح کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کرلے اور جس میں مالی استطاعت نہ ہو وہ روزے رکھے روزہ اس کے لئے شہوت شکن ہے۔ (خصی بننے کی ضرورت نہیں، روزہ خود ایسا ہی شہوت شکن ہے جیسے خصی ہونا) متفق علیہ من حدیث ابن مسعود۔

ابن ماجہ نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، نکاح میری سنت ہے، جس نے میری سنت پر عمل نہیں کیا وہ مجھ سے متعلق نہیں ہے۔ (یعنی میری تعلیم سے اس کا تعلق نہیں) نکاح کرو۔ دوسری امتوں کے مقابلہ میں، میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ جو استطاعت رکھتا ہو اس کو نکاح کرنا چاہئے جو استطاعت نہ رکھتا ہو اس کو روزہ رکھنا ضروری ہے۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی عیسیٰ بن میمون ہے اور یہ راوی ضعیف ہے۔

صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں روزے رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے (یعنی میرا نہیں ہے مجھ سے اس کا تعلق نہیں ہے)۔

ترمذی نے ابوب کی روایت سے لکھا ہے کہ پیغمبروں کی چار سنتیں ہیں، حیا، خوشبو کا استعمال، مسواک اور نکاح۔

ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص طاہر اور مطہر ہونے کی حالت میں اللہ سے ملنے کا خواستگار ہو اس کو آزاد عورتوں سے نکاح کرنا چاہئے۔

نکاح کا جو حکم ہم نے سطور بالا میں بیان کیا وہ علماء حنفیہ کے موافق ہے امام احمد کا بھی یہی قول ہے امام شافعیؒ کے نزدیک ہر حالت میں نکاح استحباب سے آگے نہیں بڑھتا اور استحباب بھی اس وقت ہو گا کہ جماع پر قدرت رکھتا ہو، خرچ برداشت کر سکتا ہو اور حق تلفی کا اس کو خطرہ نہ ہو، ان شرائط کی موجودگی میں اگرچہ نکاح مستحب ہے لیکن عبادت کے لئے یکسوئی حاصل کرنے کی غرض سے نکاح نہ کرنا افضل ہے اور اگر مذکورہ تینوں شرطوں میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو نکاح حرام یا مکروہ تحریمی ہے، ہاں اگر جوش شہوانی سے مغلوب ہو اور حرام میں مبتلا ہو جانے کا خوف ہو تو نکاح کا استحباب زیادہ قوی ہو جاتا ہے، اس حالت میں نفل نماز، نفل روزے، نفل حج اور نفل جہاد سے نکاح افضل ہے، امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔

فریقین کے اختلاف کا خلاصہ یہ ہے کہ

جس شخص کو حقوق ادا نہ کرسکنے کا خوف ہو یا نکاح کرنے کی وجہ کسی حرام کام میں پڑجانے کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے نکاح حرام یا مکروہ تحریمی ہے اور جو شخص جوش شہوانی سے مغلوب ہو اور خوف ہو کہ نکاح نہ کرنے کی وجہ سے زنا میں مبتلا ہو جائے گا اور حقوق نکاح ادا کرنے کی اس میں استطاعت بھی ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نکاح واجب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک واجب تو نہیں مگر تاکیدی مستحب ہے۔

میں کہتا ہوں زنا حرام ہے اور حرام کی ضد واجب ہی ہے پس جس شخص کو زنا میں مبتلا ہو جانے کا خوف ہو اس کے لئے

Marfat.com

نکاح واجب ہی ہوگا۔ باقی اگر اعتدال کی حالت ہو مغلوب کن جوش نہ ہو اور زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور نکاح کرنے کی صورت میں حق تلفی کا خطرہ نہ ہو اور حقوق نکاح ادا کرنے پر قدرت ہو تو ایسے شخص کے لئے نکاح اگرچہ سنت مستحبہ ہے لیکن عبادت کے لئے یکسوئی حاصل کرنے کی غرض سے نکاح نہ کرنا افضل ہے یا نکاح کرنا، امام ابو حنیفہ کے نزدیک عبادت کے لئے یکسوئی حاصل کرنے سے نکاح افضل ہے اور امام شافعیؒ عبادتی یکسوئی کا حصول اور ترک نکاح کو افضل کہتے ہیں۔ امام شافعی نے اپنے قول کے ثبوت میں حضرت یحییٰ پیغمبر کی شخصیت کو پیش کیا ہے جن کی اللہ نے تعریف کی ہے، انہوں نے عورتوں سے کامل انقطاع کر لیا تھا باوجود یہ کہ ان کے اندر قدرت اور مردانگی تھی لیکن انہوں نے اپنے آپ کو روکے رکھا اللہ نے ان کی تعریف میں سَيِّدًا وَّحَصُوْرًا فرمایا، حصور کا یہی معنی ہے۔ ابن ہمام نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ یہ وصف قابل ستائش حضرت یحییٰ کی شریعت میں تھا، اس لئے اللہ نے اس وصف کی وجہ سے حضرت یحییٰ کی تعریف فرمائی ہے۔ ہماری شریعت میں تو رہبانیت ناجائز ہے پھر ایک طرف حضرت یحییٰ کا یہ حال تھا کہ آپ نے کبھی کسی عورت سے نکاح نہیں کیا، دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے کہ حضور ﷺ نے متعدد عورتوں سے نکاح کئے، دونوں میں تضاد ہے ہمارے لئے ہمارے رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہی شمع راہ ہے اگر ترک نکاح افضل ہوتا تو نا ممکن تھا کہ اللہ افضل الانبیاء کو وقت وفات تک ترک افضل پر قائم رکھتا۔

شیخین نے صحیحین میں بیان کیا ہے کہ چند صحابہ نے امہات المومنین سے اندرون خانہ پوشیدگی میں رسول اللہ ﷺ کے اعمال کے متعلق دریافت کیا معلوم ہوا کہ گھر کے اندر رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے اوقات غیر معمولی عبادت میں نہیں گزرتے تھے، آپ سوتے بھی تھے عبادت بھی کرتے تھے تو کہنے لگے ہم میں سے کون رسول اللہ ﷺ کی طرح ہو سکتا ہے، حضور ﷺ کی فرد گزاشتیں تو اللہ نے پہلے ہی سے معاف فرما دی ہیں ایک صاحب بولے، میں تو عورتوں سے قربت ہی چھوڑ دوں گا، دوسرے نے کہا میں گوشت نہیں کھاؤں گا، تیسرے کہنے لگے میں بستر پر نہیں سوؤں گا، اس گفتگو کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو بھی پہنچ گئی (دوسرے دن حضور ﷺ نے ایک تقریر کی اور خطبہ میں) حمد و ثناء کے بعد فرمایا کیا وجہ کہ کچھ لوگوں نے ایسی باتیں کیں، میں تو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے (متعلق) نہیں ہے۔

بخاری نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا، نکاح کرو۔ اس امت کے سب سے افضل آدمی کی بیبیاں بہت تھیں، یعنی رسول اللہ ﷺ جو سب سے افضل تھے آپ کی بیبیاں بھی بہت تھیں اور بیبیوں کی کثرت نے آپ کے مرتبہ کی عظمت کم نہیں کی۔ اوپر گزر چکا ہے کہ مجرد رہنے کی حضور ﷺ نے سخت ممانعت فرمائی ہے۔

تحقیق موضوع

میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ جو شخص اپنے لئے نکاح کرنے اور اہل و عیال سے تعلق رکھنے کو تعلق باللہ رکھنے میں رکاوٹ نہیں سمجھتا اس کو اپنے اوپر اتنا قابو ہے کہ باوجود ان مشاغل کے عبادت اور ذکر اللہ کی کثرت اور تعمیر اوقات میں اس کے کوئی فرق نہیں آسکتا تو اس کے لئے نکاح افضل ہے رسول اللہ ﷺ اکثر انبیاء، صحابہ کرام اور بیشتر علمائے صالحین اسی درجہ پر فائز تھے، باوجود کثرت موانع کے ان بزرگوں کے مجاہدے میں کوئی فرق نہیں آسکتا ہے ان کا مرتبہ یقیناً بہت اونچا تھا اور ان کا ثبات فکر و نظر نہایت پختہ تھا اور ان کا عملی جہاد نفس سب عوائق و موانع پر غالب تھا۔ لیکن جو شخص اپنے آپ کو اتنا راسخ القدم نہیں سمجھتا وہ ڈرتا ہے کہ نکاح کرنے اور اہل و عیال کی پرورش میں مشغول ہونے سے اس کے تعمیری اوقات میں فرق آجائے گا اس کے دل کی دنیا اجاڑ ہو جائے گی وہ پراگندہ خاطر ہو کر ذکر اللہ کی کثرت نہ کر سکے گا۔ اور انقطاع کلی میں رخنہ پیدا ہو جائے گا۔ اس کے لئے ترک نکاح افضل ہے لیکن یہ ترک کی افضلیت اس وقت ہے جب اس کو زنا میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ اللہ نے ذکر خدا اور تعلق باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ پر زور دیتے ہوئے تمام پرکشش اسباب دنیا اور پر فریب جذبات قرابت سے مغلوب نہ ہونے کی تعلیم دی ہے اور فرمایا ہے۔

Marfat.com

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ۔

یا یها الذین امنوا ان من ازواجکم و اولادکم عدوا لکم۔ فاحذرو هم۔

اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال و اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کریں جو لوگ ایسا کریں گے وہی گھاٹے میں رہنے والے ہیں۔

اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیبیاں اور تمہارے مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے خراب ہونے کا تم کو اندیشہ ہے اور تمہارے پسندیدہ مکان جو تمہارے مسکن ہیں اگر تم کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں تو منتظر رہو کہ اللہ اپنے امر کو لے آئے۔

اے ایمان والو! تمہاری کچھ بیبیاں اور اولاد تمہاری دشمن ہیں ان سے احتیاط رکھو۔

یہ ظاہر ہے کہ نفل عبادت بہر حال عبادت ہے اور نکاح فی نفسہ ایک جائز کام ہے اپنی اصلیت کے لحاظ سے عبادت نہیں ہے اس کو عبادت کے لئے وضع نہیں کیا گیا اگر نکاح فی نفسہ عبادت ہوتا تو نکاح کرنے کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہوتا، تمام عبادات کے لئے اسلام اولیں شرط ہے۔ بخاری و مسلم نے صحیحین میں حضرت عمر بن خطاب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہو تو اس کی ہجرت (فی سبیل اللہ ہجرت نہ ہو گی بلکہ) اسی کام کے لئے ہو گی جس کے لئے اس نے وطن چھوڑا ہو گا۔ غور کرو کہ اگر نکاح فی نفسہ عبادت ہوتا تو کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ترک وطن کرنے کو فی سبیل اللہ (یعنی عبادت کے لئے) ہجرت قرار دیا جاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی چیزوں میں سے میرے لئے عورتیں اور خوشبو مرغوب بنادی گئی ہیں اور خنکی چشم مجھے نماز میں ملتی ہے۔ رواہ النسائی والطبرانی واسنادہ حسن۔

یہ حدیث صراحۃً بتارہی ہے کہ عورتوں سے نکاح خوشبو کی طرح دنیوی مباح امور میں سے ہے۔ حقیقت میں نکاح سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں اور جو مصالح اس سے وابستہ ہیں ان کی وجہ سے نکاح کو امر مستحب کہا جاتا ہے ورنہ امر مباح سے زائد اس کی فی نفسہ کوئی حیثیت نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے نکاح اور خوشبو لگانے کو پیغمبروں کا طریقہ فرمایا ہے اور سنن انبیاء میں سے قرار دیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ چیز سنن ہدیٰ میں سے ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ سنت زائدہ ہے سنت عادیہ ہے۔ سنت ہدیٰ تو وہ سنت ہے جس پر بطور عبادت رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ پابندی کی ہو۔

ایک شبہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے نکاح میری سنت ہے اور جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے (متعلق) نہیں ہے۔ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ نکاح سنت ہدیٰ ہے۔

جواب:۔ اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نکاح سنن ہدیٰ میں سے ہے، بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس کام کو خود کیا اور پسند فرمایا اس سے کترانا اور برا سمجھنا ضرور موجب عتاب اور باعث ناراضگی ہے لیکن برا نہ سمجھنا اور انکار نہ کرنا صرف ترک کرنا تو موجب عتاب نہیں ہے۔ حدیث میں اعراض سے مراد ہے انکاری اعراض اور برا سمجھ کر ترک کرنا۔ ہاں سنت ہدیٰ کو تو ترک کرنا بھی موجب عتاب ہے اس لئے نکاح سنت ہدیٰ نہیں ہے۔

Marfat.com

معارضہ

حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، دنیا کی تین چیزیں مجھے محبوب ہیں، (۱) خوشبو، (۲) عورتیں اور (۳) نماز نماز کو میری آنکھ کی ٹھنڈک بنادیا گیا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نکاح دنیوی امور میں سے ہے تو نماز بھی دنیوی امور میں سے ہے۔

جواب

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو مسند نہیں قرار دیا اور صراحت کی ہے کہ کسی مسند طریق سے ہم کو تین کا لفظ نہیں پہنچا۔ بلکہ اس کے خلاف وہ حدیث ہے جو مسلم نے حضرت عمرو بن العاص کی روایت سے مرفوعاً بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا دنیا متاع (فائدہ اندوزی کی چیز) ہے۔ اور دنیا کے متاع میں صالحہ عورت سب سے اچھی متاع ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نکاح دنیاوی امور میں سے ہے۔

حاصل مدعا یہ ہے کہ قرآن اور حدیث میں نکاح کے متعلق جو امر کا صیغہ آیا ہے اس سے مراد امر اباحت یا امر استحباب ہے (وجوبی امر مراد نہیں ہے)۔

رہی عکاف والی حدیث جس میں عکاف کو بیوی اور جاریہ نہ ہونے اخوان الشیاطین میں سے قرار دیا گیا ہے تو اس کا تعلق ایک خاص حالت سے ہے جب جوش شہوانی مغلوب کن حدود میں داخل ہو گیا ہو اور فتنۂ زنا میں پڑ جانے کا خوف ہو (جیسا کہ عکاف کا واقعہ تھا) تو اس وقت بے شک یہی حکم ہوگا۔

نکاح اگرچہ امر مباح ہے عبادت نہیں ہے لیکن اگر اس کے اندر حسن نیت کا شمول ہو تو عبادت بن جاتا ہے مثلاً اپنی نظر نیچی رکھنا یا مسلمانوں کی تعداد بڑھانا مقصود ہو تو نکاح عبادت بن جاتا ہے مگر یہ بات صرف نکاح ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ کھانا، پینا، خریدنا بیچنا اور دوسرے مباح معاملات میں بھی اگر حسن نیت شامل ہو اور ثواب کے ارادہ سے کئے جائیں تو وہ بھی عبادت بن جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (اللہ کے) فرض کے بعد حلال کی طلب بھی فرض ہے رواہ الطبرانی والبیہقی عن ابن مسعودؓ۔

طبرانی نے حضرت انس بن مالک کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کی ساتھ بھی بیان یہ ہے کہ حلال کی طلب ہر مسلمان پر واجب ہے۔ بقائے نسل کے لئے نکاح جس طرح فرض کفایہ ہے (تاکہ مسلمانوں کی نسل دنیا میں ختم نہ ہو) اسی طرح بقدر بقائے زندگی کھانا پینا ہر شخص پر فرض عین ہے اور تجارت زراعت وغیرہ دوسرے معاملات اور پیشے فرض کفایہ ہیں، اگر سب لوگ ان کو چھوڑ دیں گے تو معاشی انتظام درہم برہم ہو جائے گا اور دینی نظم بھی بگڑ جائے گا (اور سب گناہگار ہوں گے) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ امانت دار سچا تاجر (قیامت کے دن) انبیاء اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا، رواہ الترمذی عن ابی سعید الخدری وحسنہ، وابن ماجہ من حدیث ابن عمر۔

بغوی نے شرح السنۃ میں حضرت انس کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ لیکن (نکاح ہو یا تجارت یا زراعت یا کھانا پینا) ان تمام امور کی خوبی (یعنی عبادت ہو جانا) بالغیر ہے (حسن نیت کی وجہ سے یہ امور عبادت بن جاتے ہیں) اور ذکر خداوندی اور سب سے کٹ کر اللہ سے لو لگانا فی نفسہ عبادت ہیں ان کی خوبی ذاتی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ نوافل کی وجہ سے برابر میرا مقرب ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، الحدیث رواہ البخاری۔ اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ میرا بندہ نکاح یا کھانے پینے سے برابر میرا قرب حاصل کرتا جاتا ہے۔ یہ بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس وحی نہیں آئی کہ میں مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو جاؤں بلکہ یہ وحی آئی ہے کہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کروں اور سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں۔ رواہ البغوی فی تفسیر سورۃ الحجر۔

Marfat.com

حضرت یحییٰ کے مجرد رہنے کے سلسلے میں یہ کہنا کہ ان کی شریعت میں مجرد رہنا افضل تھا اور ہماری شریعت میں رہبانیت منسوخ کر دی گئی ہے یہ جواب قطعاً بے کار ہے بلکہ تمام پیغمبروں کی شریعتوں میں نکاح کرنا مجرد رہنے سے افضل تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے چار چیزوں کو سنن انبیاء میں شمار کیا ہے ان چار چیزوں میں ایک نکاح کو بھی شامل کیا ہے۔ آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ موسیٰؑ، ہارونؑ، ایوبؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، زکریاؑ وغیرہ ہم سب ہی نے نکاح کئے تھے اور یہ سب یحییٰ سے افضل تھے، شاید حضرت یحییٰ نے اپنے حق میں نکاح کرنا مناسب نہ سمجھا ہو، ان کو خوف ہو کہ نکاح سے میرے بعض اہم امور میں خلل پڑ جائے گا، پھر یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ کی شریعت میں رہبانیت افضل تھی اور شریعت اسلامیہ میں منسوخ کر دی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ رہبانیت جو نصاریٰ نے اختیار کی تھی وہ بدعت تھی اللہ نے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ اللہ نے فرمایا ہے وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا حدیث میں جس رہبانیت و ترک دنیا کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد وہی عیسائیوں والی رہبانیت ہے۔ اللہ کے ذکر کے لئے خلوت گزین ہونے اور مخلوق سے کٹ کر خالق سے لو لگائے رکھنے کی ممانعت نہیں ہے۔ اللہ کے ذکر اور انقطاع عن الخلق کا تو اللہ نے حکم دیا ہے، فرمایا ہے وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، مسلمان کا بہترین مال وہ بکریاں ہیں جن کو ہنکا کر وہ پہاڑ کی چوٹی پر لے جائے (اور سب سے الگ ہو جائے) تاکہ فتنوں سے اپنے دین کو بچا کر بھاگ جائے رہبانیت سے مراد ہے ان جائز امور کو ترک کر دینا جن کو ترک کرنے کا کوئی ثواب نہیں، جیسے نکاح کا ترک کر دینا بستر پر سونا ترک کر دینا۔ گوشت ترک کر دینا، ہمیشہ چپ رہنا اور کلام کو ترک کر دینا، جیسے نصاریٰ کے راہب کیا کرتے تھے، اللہ نے فرمایا ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ۔ شریعت میں ممانعت اسی اختراعی خود ساختہ رہبانیت کی ہے۔ جائز شرعی رہبانیت کی ممانعت نہیں ہے۔ صحابہ کرام کی تعریف میں حدیث میں آیا ہے وہ رات میں راہب اور دن میں شیر تھے۔

فائدہ

امام شافعی کے مسلک کی تائید کرتے ہوئے بغوی نے لکھا ہے کہ آیت میں اللہ نے بیوہ عورتوں کے سرپرستوں کو رانڈوں کے نکاح کرا دینے کا حکم دیا ہے، بالکل اسی طرح جیسے آقاؤں کو غلاموں اور باندیوں کا نکاح کرانے کا اختیار دیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیواؤں کے نکاح کرانے کا کامل اختیار ان کے سرپرستوں کو ہے۔ بغوی کا مقصد یہ ہے کہ (حسب مسلک شافعیؒ) آزاد عاقلہ بالغہ عورت کا نکاح (خواہ وہ اپنی زبان سے ایجاب کرلے) ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ سورۂ بقرۃ کی آیت وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ کی تفسیر میں ہم نے اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف مفصل بیان کیا ہے۔ اس موضوع پر بغوی کا اس آیت سے استدلال غلط ہے کیونکہ (ایامیٰ کا ترجمہ صرف بیوائیں غلط ہے) ایم اس مرد کو کہتے ہیں جس کی بی بی نہ ہو اور اس عورت کو بھی کہتے ہیں جس کا شوہر نہ ہو خواہ دونوں کی شادی ہی نہ ہوئی ہو۔ نا کتخدا ہوں، یا شادی ہونے کی بعد شوہر سے اور شوہر بیوی سے محروم ہو گیا ہو۔ نابالغ اور بالغ کی بھی کوئی شرط نہیں، بڑے ہوں یا بچے بہر حال سب پر لفظ ایم کا اطلاق ہوتا ہے اور علماء امت کے نزدیک بالاتفاق مسلمہ ہے کہ بالغ مردوں کے نکاح کا اختیار سرپرستوں کو نہیں ہے اور یہ بھی مسلمہ ہے کہ نابالغ چھوٹی لڑکی کا کامل اختیار ولی کے ہاتھ میں ہے اس لئے ایامیٰ سے صرف عورتیں مراد لینا بے دلیل بات ہے ہاں اگر چھوٹے لڑکے اور نابالغ لڑکیاں مراد ہوں تو ٹھیک ہے (کیونکہ بالاتفاق نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں کے نکاح کا اختیار سرپرستوں کا ہے)۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بطور مجاز نکاح کرا دینے سے مراد ہو نکاح سے نہ روکنا اور نکاح کرنے میں مدد کرنا گویا آیت یہ تعلیم دے رہی ہے کہ اگر غلام آقا سے بالغ عورت سرپرست سے اپنا نکاح کرانے کی درخواست کرے تو آقا اور ولی پر ان کا نکاح کرا دینا واجب ہے یہ مطلب امام شافعی کے مسلک پر ہوگا اور ان لوگوں کے نزدیک بھی آیت کا یہی مفہوم ہوگا جو عورتوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ سے نکاح کو جائز نہیں قرار دیتے۔

Marfat.com

امام ابو حنیفہ کے نزدیک تو آیت کا مقصد صرف یہ ہے کہ سرپرست لوگ عورتوں کو نکاح سے نہ روکیں۔ یہی مفہوم آیت وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَیْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ کا ہے۔

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اگر تمہارے پاس کوئی ایسا شخص پیام نکاح بھیجے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے (اپنی بہن، بیٹی یا عزیزہ کا) نکاح کر دو اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین پر فتنہ اور لمبا چوڑا بگاڑ پیدا ہو جائے گا (رسوائی ذلت اور زناکاری کا برا نتیجہ پیدا ہوگا) رواہ الترمذی۔

حضرت عمر بن خطابؓ اور انس بن مالک روای ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، توریت میں لکھا ہوا تھا کہ جس کی بیٹی بارہ سال کی ہو جائے اور وہ اس کا نکاح نہ کرے اس حالت میں اگر لڑکی کسی گناہ کا ارتکاب کر لے تو گناہ نکاح نہ کرنے والے پر پڑے گا۔

حضرت ابوسعید اور حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس کے لڑکا ہو وہ لڑکے کا اچھا نام رکھے اور اچھی تہذیب سکھائے، جوان ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے، اگر بالغ ہو جانے کے بعد اس کا نکاح نہیں کرے گا اور وہ کوئی گناہ کر بیٹھے گا تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا، دونوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کی ہیں۔

اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۲﴾

اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی بنادے گا اور اللہ سمائی والا (اور) بخوبی جاننے والا ہے۔

نکاح سے روکنے والی چیز ناداری ہو سکتی ہے اس کے رد میں فرمایا کہ ناداری تم کو نکاح سے مانع نہ ہو کیونکہ اللہ تمام بندوں کے رزق کا ذمہ داری ہے مال تو آنے جانے والی چیز ہے (نہ اس کی ہونے پر بھروسہ نہ نہ ہونے پر مایوسی) بعض نے کہا اس جگہ غنی بنادینے سے مراد ہے قانع بنادینا۔ بعض نے کہا غنا عطا کرنے سے مراد ہے، دوہرا رزق عطا کرنا۔ شوہر کا رزق اور بیوی کا رزق۔ اول الذکر تفسیر معنی زیادہ صحیح ہے۔ نکاح کرنے والے سے اللہ نے اس آیت میں وعدہ کیا ہے کہ نکاح کے بعد اس کی محتاجی اللہ دور کر دے گا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا، اس شخص پر تعجب ہے جو بغیر نکاح کے غنا کا طلب گار ہوتا ہے حالانکہ اللہ نے فرمایا ہے۔ اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ دوسری جگہ فرمایا ہے اِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ۔

حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا نکاح کے سلسلہ میں اللہ کے حکم کی تعمیل کرو، اللہ نے جو تم سے غنی بنادینے کا وعدہ کیا ہے وہ اس کو پورا کرے گا۔ اللہ نے فرمایا ہے اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ حضرت قتادہ کا بیان ہے، حضرت عمر بن خطاب کا فرمان ہم سے نقل کیا گیا ہے۔ میں نے اس شخص کی طرح (عجیب آدمی) نہیں دیکھا جو نکاح کے ذریعہ غنا کا طلب گار نہیں ہوتا۔ حالانکہ اس سلسلہ میں اللہ نے وعدہ فرمایا ہے وہ فرماتا ہے نکاح کے ذریعہ سے غنا طلب کرو۔ نکاح کر کے ہی اللہ کے فضل کے خواستگار بنو۔ اس کے بعد آپ نے یہی آیۃ تلاوت فرمائی۔

بزار، خطیب اور دار قطنی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، عورتوں سے نکاح کرو، وہ خود مال لے کر آئیں گی (یعنی نکاح کے بعد اللہ تمہارے لئے فراخ دستی کے دروازے کھول دے گا) رواہ ابوداؤد فی مراسیلہ مرسلا عن عروۃ۔

ثعلبی اور دیلمی مؤلف مسند الفردوس نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے نکاح کے ذریعہ سے رزق کی تلاش کرو۔

میں کہتا ہوں شاید یہ وعدہ ان لوگوں کے لئے ہے جو نکاح کے ذریعہ سے پاک دامن رہنے کے خواست گار ہوتے ہیں اور رزق کا بھروسہ اللہ پر رکھتے ہیں۔ ذیل کی آیت سے اس کی تائید ہو رہی ہے۔

وَلْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى یُغْنِیَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ

اور جن لوگوں کو نکاح میسر نہ ہو وہ پاک دامن رہیں، یہاں تک اللہ ان کو اپنے فضل سے صاحب مقدرت کر دے۔

Marfat.com

نکاح سے مراد ہے نکاح کا سامان اور وہ چیزیں جن کے بغیر نکاح نہیں ہوتا، مثلاً مہر معجّل (اگر اس کی ضرورت ہو) اور خرچ۔ بیوی کا نان نفقہ۔ ناداری کی وجہ سے اس کو ڈر ہو کہ بیوی کا خرچ کہاں سے دوں گا، میری وجہ سے غریب کی حق تلفی ہوگی، ایسے شخص پر لازم ہے عفت قائم رکھنے کی کوشش کرے کم کھائے۔ زیادہ روزے رکھے۔ روزے رکھنے سے جوش شہوانی ٹوٹ جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس میں استطاعت (یعنی نکاح کرنے کی استطاعت) نہ ہو اس پر روزے رکھنے لازم ہیں، روزہ اس کے لئے شہوت شکن ہو جائے گا۔

یُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ یعنی اللہ اس کے لئے رزق میں کشائش پیدا کردے۔ فضل سے مراد ہے رزق اور غنی بنا دینے سے مراد ہے رزق کو کشادہ کرنا۔

ابن السکن نے معرفت الصحابہ میں عبداللہ بن صبیح کے باپ کا بیان نقل کیا ہے عبداللہ کے باپ نے کہا میں حضرت حویطب بن عبدالعزی کا غلام تھا، میں نے حویطب سے درخواست کی کہ مجھے مکاتب بنا دیجئے، انہوں نے انکار کیا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ تمہارے جو مملوک (باندیاں ہوں یا غلام) مکاتب بنائے جانے کی درخواست کریں تو تم ان کو مکاتب بنا دو۔

بغوی نے لکھا یہ آیت نازل ہوئی تو حویطب نے اپنے غلام کو سو دینار ادا کرنے کی شرط پر مکاتب بنا دیا اور بیس دینار (تجارت وغیرہ کے لئے) اس کو خود دے دیئے، چنانچہ غلام نے کمائی کر کے سو دینار ادا کر دیئے (اور آزاد ہو گیا) یہ غلام جنگ حنین میں شہید ہو گیا۔

آیت مذکور میں، جمہور علماء کے نزدیک امر استحبابی ہے (وجوبی نہیں مکاتب بنانا واجب نہیں) صاحب ہدایہ نے یہی لکھا ہے اور اسی کی صحیح قرار دیا ہے۔ صاحب ہدایہ کی مراد یہ ہے کہ ہمارے بعض اکابر جو آیت میں کَاتِبُوْهُمْ کو امر اباحت کہتے ہیں یہ غلط ہے یعنی آیت کا یہ مطلب نہیں کہ باندی غلام کو مکاتب بنانا تمہارے لئے جائز ہے بلکہ مراد ہے مکاتب بنانے کا مستحب ہونا، کیونکہ اگر امر کو اباحت کے لئے قرار دیا جائے گا۔ تو غلام کے اندر صلاحیت ہو یا نہ ہو بہر حال اس کو مکاتب بنانا جائز ہے، پھر صلاحیت کی شرط بے فائدہ ہے۔

دلیل استحباب کا رد اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ بر قول اباحت شرط صرف عادی ہو گی۔ (احترازی نہ ہو گی) قاعدہ یہی ہے کہ آقا اپنے غلام کو اسی وقت مکاتب بناتا ہے جب اس میں مکاتب ہونے کی صلاحیت پاتا ہے۔ اسی کو آیت میں بطور شرط بیان کر دیا گیا ہے۔ ورنہ یہ واقعہ کا اظہار ہے۔

بعض متقدین کے نزدیک کاتبوا وجوب کے لے ہے (اگر مکاتب ہونے کی غلام درخواست کرے اور اس کے اندر اس کی صلاحیت محسوس کی جائے تو مکاتب بنانا واجب ہے) عطا اور عمرو بن دینار کا یہی قول ہے، ایک روایت میں امام احمد کا بھی یہی قول آیا ہے۔ لیکن اس وجوب کی شرط یہ ہے کہ اتنے معاوضہ پر غلام مکاتب ہونے کی درخواست کرے جو واقعی بازار میں اس کی قیمت ہو سکتی ہو، یا اس سے زیادہ ادائیگی کا وعدہ کرے۔ بغوی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ابن سیرین نے اپنے آقا حضرت انس بن مالک سے درخواست کی کہ مجھے مکاتب بنا دیجئے۔ حضرت انس نے کچھ توقف کیا۔ ابن سیرین نے حضرت عمر سے جا کر شکایت کی۔ حضرت عمر دُرّہ لے کر حضرت انس پر چڑھ دوڑے۔ اور مکاتب بنانے کا حکم دیا۔ حضرت انس نے ابن سیرین کو مکاتب بنا دیا۔

مکاتبت، عقد معاوضہ ہے اور عقد معاوضہ میں طرفین سے ایجاد و قبول ہونا ضروری ہے (ایک طرف کا ایجاب کافی نہیں ہے) کتابت کا معنی ہے ایجاب اور مکاتبت طرفین سے کتاب میں شرکت کو چاہتا ہے پس آقا کی طرف سے ایجاب اور غلام کی طرف سے قبول لازم ہے۔

مکاتبت، آزادی، بشرط ادائے مال نہیں ہے (جس کی درستی کے لئے غلام کی طرف سے قبول لازم نہیں) لہٰذا جو نابالغ

Marfat.com

غلام خرید و فروخت کا شعور رکھتا ہو وہ عقد کتابت کو قبول بھی کر سکتا ہے۔ ہاں اگر اتنا بچہ ہو کہ اس کو خرید و فروخت کا بھی شعور نہ ہو یا دیوانہ ہو تو اس کے قبول کرنے سے عقد کتابت منعقد نہیں ہوتا۔

اگر آقا نے غلام سے کہا، میں نے تجھے اتنے مال کی شرط پر مکاتب بنایا اور غلام نے کہا، میں نے قبول کیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک معاہدہ مکمل ہو گیا، آقا کو یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں کہ اگر تو اتنا مال ادا کر دے تو آزاد ہے۔ امام مالک اور احمد کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا، صرف الفاظ مذکورہ کے کہنے سے عقد مکاتبت مکمل نہیں ہو سکتا بلکہ یہ بھی کہنا ہو گا کہ میں نے قسط وار اتنے مال کی ادائیگی کی شرط پر تجھے مکاتب کیا۔ اگر تو اتنا مال ادا کر دے تو آزاد ہے۔ اگر (اتنا مال ادا کر دے تو آزاد ہے کا لفظ) زبان سے نہ کہا مگر نیت یہی تھی تب بھی کافی ہو جائے گا، کذا فی المنہاج۔

مسئلہ:- امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر معاوضۂ کتابت فوری ادا کرنے کی شرط لگادی تب بھی صحیح ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک کم سے کم ادائیگی دو قسطوں میں ہونا ضروری ہے اور قسط وار ادائیگی کی شرط لازم ہے۔ فی الفور ادائیگی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ غلام کو فوراً مال کہاں سے مل سکتا ہے۔

امام اعظم نے کہا۔ عقد کتابت عقد معاوضہ ہے جیسے عقد بیع۔ بدل کتابت۔ ثمن (قیمت) کے مشابہ ہے۔ قیمت کا اقرار زبانی خرید کی صحت کے لئے کافی ہے۔ ادائیگی قیمت پر قدرت مشتری صحت عقد کے لئے لازم نہیں۔ مفلس بھی ہزاروں روپے کا مال خرید سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عقد کتابت کے وقت غلام کو کوئی شخص زکوٰۃ کی یا کسی اور قسم کی امدادی رقم دے دے اور غلام فوراً ادا کر دے۔ اگر غلام معاوضہ کتابت ادا کرنے سے قاصر رہے تو آقا دوبارہ اس کو حسب سابق بحیثیت غلام واپس لے سکتا ہے۔

مسئلہ:- عقد مکاتبت ہو چکنے کے بعد غلام پر آقا کا قبضہ نہیں رہتا، اب وہ ہر طرح کی خرید و فروخت، محنت مزدوری اور سفر کرنے کا مجاز ہو گا۔ البتہ آقا کی ملک سے باجماع علماء اس وقت تک خارج نہ ہو گا جب تک پائی پائی معاوضہ کی ادا نہ کر دے گا۔

مسئلہ:- عقد کتابت آقا کے لئے عقد لازم ہے آقا باختیار خود غلام کی رضامندی فسخ نہیں کر سکتا..... عقد کتابت کے بعد غلام کو آزادی کا استحقاق ہو جاتا ہے اور جس طرح آزاد کرنے کے بعد کو آقا فسخ نہیں کر سکتا اسی طرح غلام کے استحقاق آزادی کو بھی سلب نہیں کر سکتا۔ البتہ غلام پر اس عقد کا لزوم نہیں ہوتا وہ اگر کمائی نہ کرے اور معاوضہ کتابت ادا نہ کر سکے تو اس پر جبر نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کی رضامندی سے عقد کتابت کو فسخ کر دیا جائے گا، امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کا یہی قول ہے، ہاں اگر اس کے پاس اتنا مال موجود ہو کہ وہ مقررہ معاوضہ ادا کر سکتا ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک عقد مکاتبت فسخ نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو ادائے معاوضہ پر مجبور کیا جائے گا۔

امام مالک کے نزدیک نادار غلام کو کمائی کرنے پر مجبور کیا جائے گا، کتابت کو فسخ نہیں کیا جائے گا۔ غلام کو حق نہیں کہ وہ ناداری کی وجہ سے کتابت کو فسخ کر سکے۔

مسئلہ:- مکاتب چونکہ آقا کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتا اس لئے عقد کتابت کے بعد آقا کو اختیار ہے کہ غلام کا اس میں فائدہ ہے اس لئے بلا شبہ، بلا معاوضہ آزادی پر وہ راضی ہی ہو گا۔

مسئلہ:- مکاتب کو آقا فروخت کر سکتا ہے، دوسرا آقا پہلے آقا کے قائم مقام ہو جائے گا اور عقد مکاتبت حسب سابق قائم رہے گا فسخ نہیں ہو گا، غلام کتابت کا معاوضہ دوسرے آقا کو ادا کرے گا یہ امام احمد کا قول ہے اور شافعی کا بھی یہی اول قول تھا، امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک مکاتب کو بغیر اس کی رضامندی کے فروخت نہیں کیا جا سکتا اگر مکاتب اپنی فرد خگی پر راضی ہو جائے گا تو بیع صحیح ہو گی اور کتابت فسخ ہو جائے گی۔ امام شافعی کا قول جدید یہی ہے۔

امام ابو حنیفہ کے قول کی دلیل:- مکاتب اپنی آزادی کا مستحق بن جاتا ہے اور استحقاق کو آقا نہیں چھین سکتا۔ اگر کوئی شخص مکاتب کو خرید کر مالک بن جائے گا تو مکاتب کا استحقاق آزادی سلب ہو جائے گا۔

Marfat.com

جواب :- خریدنے کے بعد ملکیت ضرور مشتری کی ہوگی جس طرح پہلے آقا کی تھی مکاتب کا عقد کتابت فسخ نہ ہوگا۔ مکاتب کو استحقاق باقی رہے گا۔

امام احمد کے قول کی دلیل :- حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ بریرہ آئی اور اس نے کہا مجھے اپنے مکاتب ہونے کا معاوضہ دینا ہے، آپ اس معاوضہ کی ادائیگی میں میری مدد کیجئے اس وقت تک بریرہ نے بدل کتابت کا کوئی حصہ ادا نہیں کیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس کو خرید کر آزاد کر دو۔ حق ولاء آزاد کرنے والے کا ہوتا ہے۔ رواہ احمد۔

اصل حدیث صحیحین میں اس طرح ہے کہ بریرہ نے آکر حضرت عائشہؓ سے کہا ہے میں نے ۹ اوقیہ (سونے) معاوضہ پر عقد کتابت کیا ہے۔ سالانہ ایک اوقیہ دینا ہوگا آپ میری امداد کیجئے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا اگر تیرے مالک پسند کریں تو میں یکمشت ان کی پوری رقم گن دوں گی لیکن حق ولاء میرا ہوگا۔ بریرہ نے جاکر اپنے مالکوں سے یہی بات کہی انہوں نے انکار کر دیا۔ بریرہ نے واپس آکر حضرت عائشہؓ سے کہا، انہوں نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا، وہ حق ولاء اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، یہ گفتگو رسول اللہ ﷺ نے بھی سن لی اور دریافت فرمایا، کیا بات ہے۔ حضرت عائشہؓ نے واقعہ عرض کر دیا، فرمایا، تم بریدہ کو لے کر آزاد کر دو اور حق ولاء کی شرط انہیں لوگوں کے لئے کرلو۔ حق ولاء آزاد کرنے والے کا ہی ہوتا ہے (یعنی شرط کر لینے کے بعد حق ولاء تم ہی کو پہنچے گا بیچنے والوں کو نہیں) نسائی نے بھی یہ قصہ بروایت بریرہ بیان کیا ہے۔

اس حدیث میں امام احمد کے قول کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ کیونکہ آئمہ میں اختلاف تو اس صورت میں ہے جب مکاتب کو اس کی رضامندی کے بغیر فروخت کیا جائے اور مکاتب رضامند ہو تو امام اعظم بھی جواز بیع کے قائل ہیں امام سے جو ظاہر روایت آئی ہے وہ صورت رضا میں جواز کی ہی ہے اور بریرہ کے قصہ سے ظاہر ہے وہ اپنی بیع پر راضی تھیں۔ اسی لئے امام بخاری نے اس حدیث کا عنوان قائم کیا ہے باب بیع المکاتب اذا رضی۔

مسئلہ :- پورا زر معاوضہ ادا کرنے کے بعد ہی مکاتب آزاد ہوتا ہے حضرت عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مکاتب غلام ہے جب تک اس کے زر کتابت کا ایک درہم بھی باقی ہے۔ رواہ ابوداؤد والحاکم والنسائی من طرق۔ نسائی اور ابن ماجہ نے دوسری سند سے بوساطت عطاء حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں جو غلام سو اوقیہ معاوضہ کی شرط پر مکاتب بنایا گیا ہو، جب تک ایک اوقیہ بھی ادائیگی سے باقی رہے گا وہ غلام رہے گا نسائی نے اس حدیث کو منکر کہا ہے۔ ابن حزم نے کہا یہ عطاء خراسانی ہے جس نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کوئی حدیث نہیں سنی۔

ترمذی اور ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے اپنے غلام کو سو اوقیہ معاوضہ پر مکاتب بنایا اور غلام نے ۹۰ ادا کر دیئے، صرف دس اوقیہ یا (فرمایا) دس دینار باقی رہ گئے پھر وہ ادائیگی سے عاجز ہو گیا تو وہ غلام (ہی) رہے گا۔

امام مالکؒ نے مؤطا میں بوساطت نافع حضرت ابن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ مکاتب پر جب تک ایک درہم بھی باقی رہے گا وہ غلام رہے گا۔ ابن قانع نے دوسرے طریق سے حضرت ابن عمر کی روایت سے اس کو مرفوعاً بھی بیان کیا ہے، لیکن ابن قانع نے اس کے مرفوع ہونے کو مجروح کیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے اس مسئلہ میں صحابہ میں باہم اختلاف تھا۔ کفایہ میں ہے کہ حضرت زید بن ثابت کا قول ہمارے مسلک کے موافق ہے۔ حضرت علی نے فرمایا جتنی رقم مکاتب نے ادا کر دی ہو اتنی ہی اس کو آزادی مل جائے گی۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا، اگر مکاتب اپنی بازاری قیمت کے بقدر ادا کر چکا ہو تو آزاد ہو جائے گا، اس سے زیادہ اگر آقا کی طرف سے مقرر کردہ معاوضہ باقی رہ جائے گا تو دوسرے قرض خواہوں کی طرح آقا بھی ایک قرض خواہ کی حیثیت میں ہو جائے گا (مکاتب بہر حال آزاد ہو جائے گا مقروض رہے گا)

Marfat.com

حضرت ابن عباس نے فرمایا، عقد کتابت ہوتے ہی مکاتب آزاد ہو جاتا ہے (اس کی آزادی ادائے معاوضہ پر موقوف نہیں رہتی) ہاں آقا کا قرض دار ہو جاتا ہے جیسا دوسروں کے قرض دار ویسا ہی آقا کا قرض دار۔ ہم نے حضرت زید بن ثابت کے قول کو اختیار کیا کیونکہ اس کی بناء مرفوع حدیث پر ہے۔

ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ام سلمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے کسی کے مکاتب کے پاس اگر بقدر ادائے معاوضہ رقم ہو تو اس کو پھر اس مکاتب سے پردہ کرنا چاہئے۔

مسئلہ:- مکاتب اگر ایک قسط مقرر وقت پر ادا نہ کر سکے تو حاکم اس کے معاملے پر غور کرے اگر مکاتب کا کسی پر قرض ہو جس کے وصول ہونے کی قریبی امید ہو یا مال ملنے کا کوئی اور راستہ ہو تو تین روز کی اس کو مہلت دے دے اس سے زیادہ مہلت نہ دے۔ اور اگر مال آنے کی اس کے پاس کوئی سبیل نہ ہو اور آقا فسخ کتابت کرانا چاہتا ہو تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک فسخ کتابت کی ڈگری دے دے۔ امام ابو یوسف نے فرمایا، جب تک دو قسطیں غلام پر نہ چڑھ جائیں حاکم غلام کو ادا سے عاجز نہ قرار دے اور فسخ کتابت کی ڈگری آقا کو نہ دے، آقا کو خود یہ اختیار نہیں کہ غلام کو عاجز عن الاداء قرار دے لے۔ حاکم کی ڈگری اور غلام کی رضامندی ضروری ہے۔

مسئلہ:- اگر مکاتب کو کہیں سے زکوۃ کا مال مل گیا اور اس نے بدل کتابت میں آقا کو دے دیا لیکن اس سے پوری رقم ادا نہ ہو سکی اور حاکم نے غلام کے عاجز عن الادا ہونے کا فیصلہ کر دیا تو وصول شدہ زکوۃ کا مال آقا کے لئے حلال ہے۔ خواہ آقا مالدار ہو یا ہاشمی ہو (جس کے لئے زکوۃ کا مال حلال نہیں ہوتا) کیونکہ اس صورت میں ملکیت کی حیثیت مختلف ہو جائے گی، غلام کے لئے تو وہ مال زکوۃ ہی ہوگا اور آقا کو معاوضہ کتابت میں ملا ہوگا۔

حضرت عائشہؓ کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے، ام المومنین نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لائے، ہانڈی چڑھی ہوئی تھی اس میں گوشت جوش کے ساتھ پک رہا تھا آپ ﷺ کی خدمت میں روٹی اور گھر کا معمولی سالن پیش کیا گیا، فرمایا، کیا ہانڈی میں گوشت نہیں ہے۔ حاضرین نے عرض کیا گوشت ضرور ہے لیکن وہ صدقہ کا گوشت ہے جو بریرہ کو دیا گیا تھا اور آپ ﷺ صدقہ کی چیز نہیں کھاتے ہیں فرمایا، وہ بریرہ کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے تو ہدیہ ہے (ملک بدل گئی اور حیثیت ملک میں بھی تغیر آگیا) متفق علیہ۔ ہاں اگر (مکاتب) غلام نے وہ مال جو اس کو زکوۃ کا ملا ہے کسی مالدار یا ہاشمی کو کھانے کی صرف اجازت دے دی تو چونکہ ملک نہیں بدلی اور غلام ہی کی ملکیت باقی ہے اس لئے غنی اور ہاشمی کے لئے اس کا کھانا جائز نہیں۔ جیسے کسی شخص نے بعقد فاسد کوئی چیز خریدی اور کسی دوسرے شخص کو اجازت دے دی کہ تم اس کو کھا سکتے ہو تو اس کہنے سے وہ چیز اس دوسرے شخص کے لئے حلال نہیں ہو جائے گی۔ البتہ اگر (ہبہ کر دے یا دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دے یعنی) اپنی ملکیت سے خارج کر دے تو دوسرے شخص کے لئے وہ چیز جائز ہو جائے گی۔

مسئلہ:- مقررہ معاوضہ ادا کرنے سے پہلے اگر مکاتب مر جائے تو امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک غلامی کی حالت میں مرے گا عقد کتابت ختم ہو جائے گا، خواہ اس نے کچھ مال چھوڑا ہو یا نہ چھوڑا ہو جیسے مبیع مشتری کے قبضہ میں پہنچنے سے پہلے بائع کے قبضہ میں ہی اگر تلف ہو جائے تو عقد بیع فسخ ہو جاتا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے یہی قول حضرت عمر، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت، عمر بن عبد العزیز اور قتادہ کا ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، سفیان ثوری، عطا، طاؤس، حسن بصری اور نخعی کا قول ہے کہ اگر مکاتب کا اتنا ترکہ ہو جو معاوضہ کتابت ادا کرنے کے قابل ہو تو وہ مال بطور معاوضہ آقا کو دے دیا جائے گا اور غلام کو آزادی کی حالت میں وفات یافتہ قرار دیا جائے گا اور اگر ادائے معاوضہ سے زائد مال باقی ہو گا تو اس کے آزاد وارثوں کو حسب میراث شرعی دے دیا جائے گا۔

اِنۡ عَلِمۡتُمۡ فِيۡهِمۡ خَيۡرًا ﴿ۖ﴾ اگر تم کو ان غلاموں باندیوں کے اندر کوئی خیر (بھلائی) محسوس ہو۔

حضرت ابن عمر، امام مالک اور سفیان ثوری کے نزدیک خیر سے مراد ہے کمائی کی قوت، حسن، ضحاک اور مجاہد نے کہا مال

Marfat.com

مراد ہے وصیت کے سلسلے میں اللہ نے فرمایا ہے ان ترک خیرا اگر اس نے مال چھوڑا ہو..... روایت میں آیا ہے کہ حضرت سلمان کے کسی غلام نے آپ سے مکاتب بنا دینے کی درخواست کی حضرت سلمان نے فرمایا، کیا تیرے پاس مال ہے۔ غلام نے کہا نہیں، حضرت سلمان نے اس کو مکاتب نہیں بنایا اور فرمایا تو مجھے لوگوں کا میل کچیل (صدقہ، خیرات کا مال) کھلائے گا۔

مجاہد وغیرہ کی تشریح غلط ہے، غلام کے پاس اپنا مال ہونے کا کوئی معنی ہی نہیں، غلام جب تک غلام ہے وہ اور اس کے پاس جو کچھ ہے سب آقا کا ہے اور ادائیگی معاوضہ مالک مال ہونے کے بعد واجب ہوتی ہے۔

زجاج نے کہا اگر خیر سے مال مراد ہوتا تو فیھم نہ ہوتا لھم ہوتا (فی ظرفیت کے لئے، اور لام تملیک کے لئے آتا ہے۔ آدمی مال کا ظرف نہیں ہوتا مالک ہوتا ہے۔ مترجم)

ابراہیم بن زید اور عبید نے خیرا کا ترجمہ کیا صدقہ اور امانت۔ اور حسب نقل بیہقی حضرت ابن عباس نے ترجمہ کیا سچائی اور وفائے عہد۔ امام شافعیؒ نے فرمایا، خیر کا سب سے اچھا معنی ہے کمائی اور امانت۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے خیر سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ضرر نہیں پہنچائے گا اور اگر غلام کافر ہو، مسلمانوں کو اس سے ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو وہ کافروں کا مددگار ہو رہا ہو تو ایسے غلام کو مکاتب بنانا مکروہ ہے لیکن اگر کر دیا تو کتابت ناجائز نہیں ہے۔

ایک روایت میں عبیدہ کا قول آیا ہے کہ اس آیت میں خیر سے مراد ہے اقامت صلوٰۃ۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ خیر سے مراد ہے عاقل، بالغ ہونا۔ بچہ اور دیوانہ اہل کتابت نہیں۔

میں کہتا ہوں، اللہ نے پہلے فرمایا وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ اس کے بعد مکاتب بنانے کا حکم دیا۔ طلب مکاتبت بغیر عقل کے معتبر نہیں۔ معلوم ہوا کہ مکاتب اسی غلام کو بنانے کا حکم ہے جو طلب کتابت کا اہل ہو یعنی دیوانہ نہ ہو۔ اب اگر خیر سے مراد بھی عقل ہو تو یہ شرط بے فائدہ ہوگی۔ رہا مکاتب کا بالغ ہونا تو یہ شرط ناقابل تسلیم ہے اگر ہوشیار سمجھ دار لڑکا ہو تو وہ (خرید فروخت کی طرح) عقد کتابت کا اہل ہے مکاتب بنائے جانے کی درخواست کر سکتا ہے۔

مسئلہ:- جو غلام نکما ہو کمائی نہ کرتا ہو اس کو بھی مکاتب بنانا، امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک بلا کراہیت درست ہے۔ امام احمد کا دوسرا قول ایک روایت میں آیا ہے کہ چونکہ آیت مذکورہ میں خیر سے مراد ہے کمائی کی قدرت اس لئے جو غلام کمائی کے قابل نہ ہو اس کو مکاتب بنانا مکروہ ہے۔ میرے نزدیک یہ استدلال غلط ہے، اگر فرض کر لیا جائے کہ خیر سے مراد کمائی کی قدرت ہے پھر بھی شرط کے مفقود ہونے کی صورت میں کتابت کیسے مکروہ ہو جائے گی (زائد سے زائد یہ مکاتب بنانا واجب یا مستحب نہیں رہے گا) کیونکہ بغیر کمائی کے غلام کو زکوٰۃ، صدقات کا مال بھی مل سکتا ہے۔

مسئلہ:- جو باندی ہنرمند اور کمائی کے قابل نہ ہو اس کو مکاتب بنانا باتفاق ائمہ مکروہ ہے کیونکہ بے ہنری کے باعث باندی کے لئے زر کتابت حاصل کرنا بغیر زنا کے عام طور پر ممکن نہیں، پس بہت ممکن ہے کہ وہ آزاد ہونے کے لئے زنا کی مرتکب ہو جائے۔

وَآتُوهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ اور اللہ کے اس مال میں سے جو اللہ نے تم کو عطا فرمایا کچھ مال ان کو (بطور امداد) دیا کرو۔

یہ خطاب عام لوگوں کو سب کو غلاموں کی آزادی میں مدد کرنے کی ترغیب دی ہے خواہ زکوٰۃ کے مال سے ہو یا عام خیرات اور غیر واجب صدقات سے۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک فرض زکوٰۃ کا وہ حصہ مراد ہے جو آیت فی الرقاب میں اللہ نے ان کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ حسن بصری اور زید بن اسلم کا یہی قول ہے لیکن اس آیت میں لفظ عام ہے زکوٰۃ کے ساتھ حکم کو مخصوص قرار دینا تقاضاء امر کے خلاف ہے۔ کیونکہ غلاموں کی آزادی کے لئے زکوٰۃ کا ایک حصہ دینا تو فرض ہے اور اس جگہ امر استحباب کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں ہے، بلکہ مکاتب بنانے کا حکم ہی وجوبی نہیں استحبابی ہے۔ بعض اہل علم نے کہا خطاب آقاؤں کو ہے آقاؤں کے لئے مستحب اور بقول بعض واجب ہے کہ بدل کتابت کا کچھ حصہ مکاتب کو خود چھوڑ دیں۔

Marfat.com

حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور تابعین وصحابہ کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ امام شافعی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

کتنا حصہ چھوڑ دے، یہ بحث اختلافی ہے، حضرت علیؓ نے فرمایا جو معاوضہ مقرر ہو اس کا ایک چوتھائی معاف کر دے۔ عبدالرزاق، سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر، ابن مردویہ اور بیہقی نے ابن عبدالرحمٰن سلمی کی روایت سے اسی طرح بیان کیا ہے۔ بعض نے حضرت علیؓ کی روایت سے اس کو مرفوع (فرمان رسول اللہ ﷺ) بھی قرار دیا ہے۔

حضرت ابن عباس کا قول مروی ہے کہ ایک تہائی چھوڑ دے۔ بعض نے کہا کوئی مقدار مقرر نہیں جتنا چاہے معاف کر دے۔ امام شافعی کا یہی قول ہے۔ نافع کا بیان ہے حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنے ایک غلام کو ۳۵ ہزار درہم معاوضہ مقرر کر کے مکاتب بنایا اور (جب ۳۰ ہزار ادا ہو چکے تو) آخر میں ۵ ہزار معاف کر دیئے۔

سعید بن جبیر نے کہا کہ حضرت ابن عمر جب کسی غلام کو مکاتب بناتے تو آخر میں جو کچھ معاف کرنا ہوتا معاف کر دیتے تھے شروع میں (پہلی دوسری یا اس سے کم وبیش رقم) معاف نہیں کرتے تھے آپ کو یہ اندیشہ رہتا تھا کہ اگر یہ غلام بدل کتابت ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے پھر غلامی میں حسب سابق آ گیا تو معاوضہ کتابت کا جو حصہ وہ معاف کر چکے ہوں گے وہ پھر ان کی ملک میں آ جائے گا (کیونکہ غلام تو پورا کا پورا غلامی میں واپس آ جائے گا اور غلام کا جو معاوضہ قرار پایا تھا مثلاً پانچ ہزار اور اس میں سے ایک ہزار معاف کر دیا تھا تو گویا ۱/۵ حصہ غلام کا ملکیت سے خارج کر دیا تھا پھر جب غلام واپس ملکیت کی طرف آ گیا تو ۱/۵ حصہ جو معاف کر دیا تھا وہ بھی واپس آ گیا) آخری ادائیگی کے وقت آپ کو حسب منشا معاف کر دینا زیادہ مرغوب تھا۔

میں کہتا ہوں معاف کر دینے کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ غلام کو کچھ دیا گیا بلکہ معافی کا مطلب ہے اصل معاوضہ میں سے کچھ حصہ ساقط کر دینا، گرا دینا، اسقاط میں تملیک نہیں ہوتی تملیک کچھ دینے میں ہوتی ہے اسی لئے امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ آقا پر واجب نہیں ہے کہ طے شدہ معاوضہ کا کوئی حصہ معاف کر دے کیونکہ بیع کی طرح عقد کتابت بھی عقد معاوضہ ہے اور کسی عقد معاوضہ میں معاوضہ کا وجوب کیسے ہو سکتا ہے۔ عقد کتابت سے غلام پر مقررہ معاوضہ کا ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے، اب اگر اسی عقد معاوضہ میں آقا پر کچھ معاوضہ کا معاف کرنا بھی واجب قرار دیا جائے گا تو عقد کتابت وجوب معاوضہ کا بھی سبب قرار پائے گا اور اسقاط معاوضہ کے وجوب کا بھی۔ ایسی معافی سے فائدہ ہی کیا ہوا آسان بات تو یہ تھی کہ جب غلام کے عوض ایک ہزار روپیہ لینا ہی تھا تو تیرہ سو پہ عقد کتابت کرتا تین سو بطور وجوب ساقط کر دیتا ایک ہزار وصول کر لیتا۔

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اور اپنی باندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو۔

مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول اپنی باندی سے زنا کی کمائی کراتا تھا، یہ بھی مسلم کی روایت ہے عبداللہ بن ابی کی دو باندیاں تھیں ایک کا نام مسیکہ اور دوسری کا نام امیمہ تھا عبداللہ دونوں سے زنا کی کمائی کرانا چاہتا تھا، دونوں باندیوں نے خدمت گرامی میں اس کی شکایت کی اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

حاکم نے بطریق ابو الزبیر حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مسیکہ کسی انصاری کی باندی تھی اس نے شکایت کی تھی کہ میرا آقا مجھے زنا کی کمائی کرنے پر مجبور کرتا ہے اس پر اس آیت کا نزول ہوا۔

بزار اور طبرانی نے صحیح سند سے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی کی ایک جاریہ (باندی) تھی جو دور جاہلیت میں زنا کرتی تھی پھر جب اسلام میں زنا کی حرمت کر دی گئی تو اس باندی نے قسم کھالی کہ آئندہ میں زنا نہیں کروں گی۔ اس کے متعلق آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ بزار نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت انس کی طرف بھی اس بیان کی نسبت کی ہے اس روایت میں اس باندی کا نام معاذہ بتایا گیا ہے۔ سعید بن منصور نے حضرت عکرمہ کا بیان نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی کی دو باندیاں تھیں مسیکہ اور معاذہ۔ عبداللہ دونوں سے زنا کی کمائی کراتا تھا آخر دور اسلامی میں ایک نے کہا اگر یہ فعل اچھا تھا تو میں اس کو بہت کر چکی اور اگر اچھا نہ تھا تو اب اس کو ترک کر دینا ہی مناسب ہے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

Marfat.com

بغوی نے لکھا ہے یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ ایک باندی عبداللہ کے پاس زنا کی کمائی میں ایک چادر لے کر آئی اور دوسری ایک دینار لائی۔ عبداللہ نے دونوں سے کہا جاؤ ابھی کچھ اور کمائی کر کے لاؤ باندیوں نے کہا خدا کی قسم اب تو ہم ایسا نہیں کریں گے، اسلام آچکا ہے۔ اللہ نے زنا کو حرام کر دیا ہے (جب عبداللہ نے مجبور کیا تو) دونوں نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر اپناد کھ بیان کیا اور یہ آیت اتری۔ ثعلبی نے حسب بیان مقاتل کہا کہ عبداللہ کے پاس اس کام کے لئے چھ باندیاں تھیں۔ اور ان کے بارے میں آیت وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ نازل ہوئی۔

اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا ، جب وہ پاک دامن رہنا چاہیں۔

بیضاوی نے لکھا، اس جملہ میں ان شرطیہ اکراہ کی قید نہیں ہے (یعنی قید احترازی نہیں ہے) کیونکہ مرضی کے خلاف ہونے کی صورت میں ہی جبر اور اکراہ کا تحقق ہوتا ہے (اکراہ نام ہی مرضی کے خلاف کرانے کا ہے) نہ یہ عدم اکراہ کی قید ہے کیونکہ (بر قول شافعیہ مفہوم مخالف یہ ہوگا کہ اگر وہ پاک دامن... رہنا نہ چاہیں تو اکراہ جائز ہے اور یہ مطلب غلط ہے کیونکہ) نہی کا عدم منہی عنہ کے عدم کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے یعنی پاکدامنی کا ارادہ نہ ہو تو اکراہ بھی نہیں ہوتا بلکہ بخوشی زنا کا تحقق ہوتا ہے..... میں کہتا ہوں اس جگہ ان (شرطیہ شکیہ) اذا ظرفیہ کے معنی ہے شرطیہ نہیں ہے سبب نزول کے یہی مطابق ہے (باندیوں نے پاکدامن رہنے کا ارادہ کیا ہی تھا) واقعہ کو بصورت شک اس لئے ظاہر کیا کہ (اگرچہ اس موقع پر باندیوں نے پاک دامن رہنے کا ارادہ کیا تھا لیکن) باندیوں کی طرف سے پاکدامنی کی خواہش شاذ و نادر ہی ہوتی ہے اس میں آقاؤں کو زجر اور تشنیع بھی ہے کہ وہ باندیاں جو ضعیف العقل ہوتی ہیں اور نفسانی خواہشات کا ان پر غلبہ بھی ہوتا ہے، جب انہوں نے پاکدامن رہنے کا ارادہ کر لیا تو تم کیسے غیر تمند مرد ہو کہ ان کو زنا پر مجبور کرتے ہو ایسا نہ کرو تم مرد ہو غیر تمند ہو تم کو یہ دیوثی نہ کرنی چاہیے۔

حسین اور فضیل نے کہا کلام میں کچھ تقدیم و تاخیر ہے مطلب یہ ہے کہ اگر بیوائیں پاکدامن رہنا چاہیں تو ان کا نکاح کرا دو اور اپنی باندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو۔

لِتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ، کچھ دنیوی سامان کی طلب میں (باندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو) یعنی تم ان کی کمائی چاہتے ہو اور ان کی اولاد کو فروخت کر کے مال حاصل کرنے کے خواہشمند ہو (اس لئے تم ان کو زنا کرنے پر مجبور کرتے ہو ایسا نہ کرو)۔

وَمَنْ يُكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ اور جو ان کو زنا پر مجبور کرے گا تو گناہ مجبور کرنے والے پر ہوگا اللہ ان کو معاف کر دینے والا بڑا مہربان ہے (جبریہ زنا کے بعد اللہ ان کو معاف فرما دے گا) حسن جب یہ آیت پڑھتے تھے تو آخر میں کہتے تھے لهن واللہ لهن یعنی بخدا اللہ ان باندیوں کو معاف کر دے گا۔ اس مطلب پر من یکرھھن مبتدا ہوگا اور خبر محذوف ہوگی بعد والے جملہ میں چونکہ رابطہ کوئی ضمیر نہیں ہے اس لئے بعد والا جملہ خبر نہیں ہو سکتا، مطلب اس طرح ہوگا کہ جو جبر کرے گا اس پر باندیوں کے زنا کرنے کا عذاب ہوگا باندیوں کو تو اس جبر کے بعد اللہ معاف کر دے گا۔

یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جبر کرنے والوں کو اللہ معاف کر دے گا بشرطیکہ وہ آئندہ کے لئے توبہ کر لیں لیکن یہ مطلب رفتار کلام اور غرض کلام کے خلاف ہوگا۔ کیونکہ کلام کا نشانہ تو جبر کرنے والوں کو عذاب کی وعید سنانا ہے امیدوار مغفرت بنانا مقصود نہیں ہے پھر عبداللہ بن ابی کے حق میں آیت کا نزول ہوا ہے اور وہ منافق تھا اور منافق کے متعلق صراحت کر دی گئی ہے اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ۔ (آپ ان کے لئے معافی کے طلبگار ہوں یا نہ ہوں دونوں باتیں برابر ہیں اللہ ہرگز ان کو معاف نہیں کرے گا، ایسے موقع پر تلقین توبہ کرنا اور امیدوار رحمت بنانا مناسب نہیں۔

ایک شبہ:۔ جس باندی کو زنا پر مجبور کیا گیا تو جب وہ گناہ گار ہی نہیں ہے پھر مغفرت کی کیا ضرورت۔

جواب:۔ اکراہ کے بعد ذمہ داری اور عقل کا فقدان نہیں ہو جاتا، اس لئے اہلیت فعل ساقط نہیں ہوتی اور مکرہ (جس

Marfat.com

پر جبر کیا گیا ہے) مخاطب ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس شخص کو کسی کے قتل کرنے پر یا جس مرد کو زنا کرنے پر مجبور کیا گیا ہو اس کے لئے قتل کر دینا یا زنا کرنا حرام ہے امام زفر کی نزدیک تو ایسا قتل موجب قصاص ہے، امام ابو حنیفہ موجب قصاص نہیں مانتے (یہ اختلاف اپنی جگہ پر ہے) ہاں اللہ نے بعض صورتوں میں مجبور کردہ شخص سے گناہ اٹھالیا ہے اور بعض مواقع پر امر حرام کی اجازت بھی دے دی ہے جیسے کسی جابر کے جبر کرنے سے کلمہ کفر زبان سے کہہ دینا۔ بشرطیکہ دل میں ایمان قائم ہو یا نماز روزہ توڑ دینا، احرام حج کھول دینا کسی کا مال تباہ کر دینا وغیرہ۔ یہ سب صورتیں اس وقت رخصت کے تحت آئیں گی جب اکراہ کامل ہو۔ ان صورتوں میں گناہ گار نہ قرار دینا تو رحمت و مغفرت کی نشانی ہے دیکھو اللہ نے فرمایا ہے فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ جو شخص مضطر مجبور ہو بشرطیکہ دل سے طلب گار نہ ہو اور حد سے تجاوز بھی نہ کرے تو اس پر گناہ گار نہ قرار دینا تو رحمت و مغفرت کی نشانی اور نتیجہ ہے یہ بھی جواب دیا جا سکتا ہے کہ گناہ اس وقت قرار نہ دیا جائے گا جب جبر کرنے والا اضطرار کی حد تک مجبور کر کے وہ گناہ کرائے یعنی مجبور کو یہ اندیشہ ہو جائے اگر میں جابر کے قول پر عمل نہیں کروں گا تو مارا جاؤں گا یا میرا کوئی عضو کاٹ دیا جائے گا۔ اگر اس حد تک اندیشہ نہ ہو تو گناہ قائم رہتا ہے۔ اور چونکہ عبداللہ نے باندیوں کو اس حد تک مجبور نہیں کیا تھا کہ اگر وہ زنا نہ کریں گی تو ان کو قتل کر دیا جائے گا یا جسم کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے گا یا توڑ پھوڑ دیا جائے گا اس لئے گناہ قائم رہا وہ عورتیں زنا کرنے کے بعد بے گناہ نہیں ہوئیں۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اور (اے محمد ﷺ! اس سورت میں) ہم نے تم پر اتاریں۔

اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ایسی آیات جو احکام و حدود کو کھول کر بیان کرنے والی ہیں۔ یا (باب تفعیل بمعنی تفعل ہے) یہ مطلب ہے کہ کھلی کھلی واضح آیت ہم نے نازل کیں جن کی تصدیق گزشتہ آسمانی کتابوں سے بھی ہوتی ہے اور سالم عقلیں بھی ان کو مانتی ہیں۔

وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ اور جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان کی بعض حکایات یعنی جس طرح یوسفؑ، مریمؑ وغیرہ کے ہم نے عجیب تاریخی واقعات بیان کئے انہی کی طرح عجیب واقعہ ہم نے عائشہؓ کا بھی بیان کر دیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو حالات اور نتائج گزشتہ قوموں کے ہم نے بیان کئے انہی کی طرح اے دروغ بندی، تہمت تراشی کرنے والو تمہارا حال بھی بیان کر دیا جو نتیجہ ان کا ہوا وہی تمہارا ہوگا۔

وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۳۴ اور (خدا سے) ڈرنے والوں کے لئے نصیحت کی باتیں کیونکہ خدا سے ڈرنے والے ہی اس سے فائدہ اٹھانے والے ہیں (اس لئے یہ آیات انہی کے لئے حقیقت میں نصیحت ہیں۔ ع ۸

بعض اہل تفسیر کے نزدیک آیات سے مراد پورا قرآن ہے اور مذکورہ تینوں صفات قرآن ہی کی ہیں۔

الحمد للہ سورۂ نور کے چوتھے رکوع کا ترجمہ

۲۰ مارچ ۱۹۷۰ء مطابق ۱۱ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ کو تمام ہوا۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ آسمانوں کا اور زمین کا نور ہے۔

نور اس کیفیت کا نام ہے جس کو آنکھ سب سے پہلے ادراک کرتی ہے پھر اس کے ذریعہ سے دوسری قابل دید چیزوں کا انکشاف کرتی ہے۔ جیسے چاند سورج کی روشنی کہ (پہلے چاند سورج اس سے روشن ہوتے ہیں پھر) ان چیزوں کا اس سے انجلاء ہو جاتا ہے جو سورج و چاند کے سامنے ہوتی ہیں۔ اس تعریف کی رو سے لفظ نور کا ذات باری تعالیٰ پر حقیقی اطلاق ممکن نہیں (کیونکہ یہ نور مادی ہے اور عوارض مادیات میں سے ہے) لا محالہ تاویل کی جائے گی۔ تاویل کی چند صورتیں ہیں (۱) مضاف کو

Marfat.com

محذوف مانا جائے یعنی اللہ زمین و آسمان کو نور عطا کرنے والا ہے۔ (۲) بطور مبالغہ مصدر کو اللہ پر محمول کیا جائے (اللہ میں اتنی زیادہ نور بخشی ہے کہ گویا خدا خود نور ہو گیا) جیسے زید کا اگر بہت زیادہ منصف ہونا ظاہر کرنا ہوتا ہے تو کہتے ہیں زید، عدل یا اعلیٰ ترین کریم کو کرم کہہ لیتے ہیں۔ (۳) یا مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے یعنی اللہ زمینوں اور آسمانوں کو چاند سورج اور ستاروں سے اور انبیاء، ملائکہ اور مومنوں سے روشن کرنے والا ہے۔ کذا قال الضحاک۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ زمین کو درختوں اور ہری بھری گھاس سے نورانی کر دینے والا بھی اللہ ہے۔

بعض نے کہا اللہ نور ہے یعنی تمام انوار اسی کے ہیں جیسے کہا جاتا ہے فلاں شخص ہمارے لئے رحمت ہے یعنی ہم کو جو رحمت حاصل ہوئی ہے وہ اسی سے حاصل ہوئی ہے۔

کبھی لفظ نور کا اطلاق بطور مدح بھی کیا جاتا ہے جیسے ایک شاعر کا شعر ہے۔ جب کسی رات کو عبد اللہ مرو سے چلا جاتا ہے تو مرو کا نور اور حسن چلا جاتا ہے۔

بعض نے کہا نور سے مراد ہے مدبر جو سردار قوم بڑا مدبر اور منتظم ہو اس کو نور القوم کہا جاتا ہے۔

بعض نے کہا نور وہ کیفیت ہے جو ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرنے والی ہو اور اصل ظہور وجود و ہستی ہے جس طرح اصل خفاء عدم و نیستی ہے، پس نور السمٰوٰت سے مراد ہے آسمانوں کا موجود ہونا۔ اللہ بذات خود موجود ہے اور دوسری چیزوں کو موجود کرنے والا ہے۔

باصرہ (قوت بینائی) پر بھی اس کا اطلاق اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ ادراک اشیاء اس پر موقوف ہے اور بصیرت تو، بہر حال اعلیٰ ترین مدرک ہے آنکھ اپنا ادراک نہیں کرتی بصیرت اپنا بھی ادراک ہے اور اپنی ذات کے علاوہ تمام کلیات و جزئیات کا ادراک بھی اسی پر موقوف ہے یہی حقائق پر غور کرتی اور ان کی تحلیل و ترکیب کرتی ہے اس لئے اس کو نور کہنا تو بدرجہ اولیٰ لازم ہے۔ اور چونکہ بصیرت بذات خود اور باختیار کامل نہ اپنی ذات کا ادراک کر سکتی ہے نہ دوسری چیزوں کا بلکہ اللہ کی طرف سے اس پر فیضان ادراک ہوتا ہے کبھی بلاواسطہ اور کبھی ملائکہ وانبیاء کے توسط سے اس لئے ان سب کو انوار کہا جاتا ہے۔ ملائکہ بھی نور ہیں انبیاء بھی نور ہیں اور سب سے بڑھ کر اللہ نور ہے اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کے اس تفسیری قول سے ہوتی ہے جو بغوی نے نقل کیا ہے کہ اللہ نور السمٰوٰت والارض کا معنی یہ ہے کہ اللہ اہل آسمان و زمین کا ہادی (راہنما) ہے۔ اسی کی رہنمائی سے سب حق کی طرف چل رہے ہیں اور گمراہی سے، حیرت سے نجات پا رہے ہیں۔ نور کی اضافت بتا رہی ہے کہ اس کا جلوہ سب کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے یا یہ کہ اس کی اندر تمام حسی اور عقلی نور سمائے ہوئے ہیں۔

مَثَلُ نُوْرِہٖ اللہ کے نور کی صفت۔ یعنی وہ نور جو مومن کے دل میں جگمگاتا ہے جس کی پرتو اندازی کی وجہ سے مومن کا دل اللہ کی ذات و صفات کی طرف راستہ پاتا ہے، عقل انسانی جس کو پا نہیں سکتی تھی۔ اس نور کی ضیاء پاشی کی وجہ سے وہاں تک پہنچ جاتی ہے اور جس کے ذریعہ یہ عقل بشری حق کو حق اور باطل کو باطل جان لیتی ہے، اللہ نے فرمایا ہے، فھو علی نور من ربہ۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن مسعود پڑھتے تھے مثل نورہ فی قلب المومن۔ بقول سعید بن جبیر حضرت ابن عباس نے فرمایا، اس نور کی حالت وصفت جو اللہ نے مومن کو عطا فرمایا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ نورہ کی ضمیر مومن کی طرف راجع ہے۔ حضرت ابی نے فرمایا، مومن کے دل کے نور کی صفت۔ یہ مومن وہ بندہ ہے، جس کے دل کے اندر اللہ نے ایمان اور سینہ کے اندر قرآن جما دیا ہے۔ حسن اور زید بن اسلم نے کہا نور سے مراد قرآن ہے، سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا نور سے مراد ہے، رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک۔ بعض کے نزدیک نور سے اللہ کی طاعت مراد ہے۔ بندے کی طاعت کو اللہ نے اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے۔

كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ جیسے ایک طاقچہ جس میں ایک چراغ ہو۔ مشکوٰۃ طاقچہ جس میں آرپار سوراخ نہ

Marfat.com

ہو اگر آرپار سوراخ ہو تو اس کو کوہ (روشن دان کہتے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک مشکوٰۃ حبشی زبان کا لفظ ہے۔ مجاہد نے مشکوٰۃ کا ترجمہ قندیل کیا ہے اس وقت مضاف محذوف ہوگا، یعنی نور قندیل کی طرح جس میں چراغ موجود ہو۔ مصباح چراغ۔ یہ اسم آلہ بروزن مفعال ہے، صبح کا معنی ہے روشنی مصباح روشنی کا آلہ۔

اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ چراغ شیشہ کے فانوس میں ہو۔ زجاج نے کہا شیشے کے اندر نور اور آگ کی روشنی بہت زیادہ جھلکتی ہے، اسی لئے لفظ زجاجہ ذکر کیا۔

اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ شیشے کا فانوس ایسا معلوم ہوتا ہو۔

دری میں یا نسبتی ہے۔ در موتی۔ (یعنی موتی جیسا تارا) صفائی اور حسن میں موتی کی طرف۔

ایک شبہ

تارے کی چمک اور روشنی تو موتی سے زیادہ ہوتی ہے پھر موتی سے تارے کو تشبیہ دینے کا کیا معنی (وصف مشبہ تو مشبہ بہ میں زیادہ ہونا چاہئے اور اس جگہ مشبہ میں زائد ہے)۔

ازالہ

مطلب یہ ہے کہ وہ تارا تمام تاروں سے زیادہ چمکیلا اور پُر نور ہے۔ جیسے موتی کا دانہ تمام دانوں سے زیادہ صاف اور چمکدار ہوتا ہے۔

بعض نے کہا پانچ ستارے جو سب سے بڑے ہیں یعنی زحل و مریخ، مشتری، زہرہ، عطارد ان میں سے کسی ایک ستارے کو کوکب دری کہا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں شاید زہرہ کو کہتے ہیں زہرہ کی چمک دمک اور روشنی دوسرے ستاروں سے زیادہ ہوتی ہے۔

ایک شبہ

دوسرے ستاروں سے تشبیہ دی۔ چاند سورج سے تشبیہ کیوں نہ دی ان دونوں کی چمک اور روشنی تو دوسرے ستاروں سے زیادہ ہے۔

ازالہ

چاند سورج کو کبھی گرہن لگ جاتا ہے دوسرے ستارے گرہن میں نہیں آتے۔ میں کہتا ہوں چراغ کو سورج سے تشبیہ دی جاتی ہے، اللہ نے فرمایا فَجَعَلْنَا الشَّمْسَ سِرَاجًا اسی لئے زجاجہ کو تارے سے تشبیہ دی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ فانوس کی روشنی چراغ سے کم ہے۔ اگر سورج سے تشبیہ دی جاتی تو مضمون الٹ جاتا اور فانوس کی چمک چراغ سے زیادہ ہونا سمجھا جاتا اور یہ بات مقصود کے خلاف ہو جاتی۔

یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ وہ چراغ جو برکت والے درخت یعنی زیتون (کے تیل) سے روشن ہو۔

زیتون کا درخت بڑا بابرکت درخت ہوتا ہے اس سے گوناگوں فوائد حاصل ہوتے ہیں اس کا تیل چراغوں میں بھی جلایا جاتا ہے اور نہایت نفیس مفید روشنی دیتا ہے یہ بطور سالن بھی کام میں آتا ہے اور ایک قسم کی خاص لذت بھی اپنے اندر رکھتا ہے کمال یہ ہے کہ درخت سے تیل نکالنے کے لئے کسی کولھو کی ضرورت نہیں ہر شخص بآسانی خود نکال سکتا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے زیتون کے تیل سے ناسور اچھا ہوتا ہے۔ چوٹی سے جڑ تک اس کے درختوں میں تیل ہی تیل ہوتا ہے۔

بغوی نے لکھا حضرت اسید بن ثابت یا حضرت اسید انصاری کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زیتون کا تیل کھاؤ اور استعمال کرو یہ مبارک درخت ہے۔ رواہ الترمذی عن عمرؓ۔ واحمد والترمذی والحاکم۔ عن ابی اسید ورواہ ابن ماجۃ والحاکم عن ابی ہریرۃؓ۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں زیتون کا تیل کھاؤ اور استعمال کرو یہ نفیس اور برکت والا ہوتا

Marfat.com

ہے۔
ابو نعیم نے الطب میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زیتون کا تیل کھاؤ اور لگاؤ یہ ستر بیماریوں کے لئے شفاء ہے جن میں سے ایک کوڑھ کی بیماری بھی ہے۔
لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ جو نہ شرقی ہو نہ غربی۔ سدی اور ایک جماعت علماء کے نزدیک اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ نہ ایسے مقام میں ہے کہ ہر وقت اس پر دھوپ پڑتی ہو اور اس کو جلاڈالے نہ ایسی پوشیدہ جگہ میں ہے کہ سورج ہمیشہ اس سے غائب رہے کبھی اس پر دھوپ نہ پڑے اور اس کے نتیجے میں وہ کچارہ جائے۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ وہ نہ مشرق میں اس طرح واقع ہے کہ صرف طلوع کے وقت اس پر دھوپ پڑتی ہو غروب کے وقت بالکل نہ پڑتی ہو۔ نہ غرب میں اس طرح واقع ہے کہ صرف غروب کے وقت اس پر دھوپ پڑتی ہو طلوع کے وقت نہ پڑتی ہو بلکہ وہ پہاڑ کی چوٹی یا کھلے وسیع میدان میں واقع ہے کہ ہر وقت اس پر دھوپ پڑتی ہے اسی وجہ سے اس کے پھل نہایت پختہ اور تیل بہت صاف ہوتا ہے۔
بغوی نے اس کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عرب کہتے ہیں وہ نہ کالا ہے نہ گورا، نہ میٹھا نہ کھٹا یعنی بالکل خالص سفید بھی نہیں ہے نہ بالکل سیاہ ہے بلکہ درمیانی رنگ اور معتدل مزہ رکھتا ہے، بروایت عکرمہ یہ قول حضرت ابن عباس کا ہے، کلبی اور اکثر اہل تفسیر نے یہی مطلب بیان کیا ہے۔
بعض نے کہا وہ درخت نہ زمین کے مشرقی حصہ میں واقع ہے نہ مغربی حصہ میں بلکہ درمیان میں یعنی ملک شام میں واقع ہے، شام کا زیتون بہت عمدہ ہوتا ہے۔
حسن نے کہا ایسا کوئی درخت دنیا میں نہیں جو نہ شرقی ہو نہ غربی اللہ نے اپنے نور کی تشبیہ ایسے درخت زیتون سے دی ہے جو مغرب میں بھی نہ ہو اور مشرق میں بھی نہ ہو (یعنی اللہ کا نور نہ مغرب کے لئے خاص ہے نہ مشرق کے لئے) میں کہتا ہوں اس قول پر شاید درخت زیتون سے مراد جنت کا شجرۂ زیتون ہو جس سے اللہ نے اپنے نور کو تشبیہ دی ہے۔
يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ اس کا تیل اتنا چمکیلا اور روشن ہے کہ قریب ہے وہ خود بغیر آگ کو مس کرنے کے روشن ہو جائے۔ اس آیت میں روغن زیتون کی صفائی اور چمک کا پرزور اظہار ہے۔
نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ نور بالائے نور ہے۔ ایک تو تیل کی بجائے خود چمک پھر آگ کی وجہ سے اس کی اشتعالی روشنی۔ یہ دوہرا نور ہے۔ بلکہ چند در چند نور ہے تیل کے صاف ہونے کی وجہ سے اس کی ذاتی چمک شیشہ کے اشتعال کی چمک اور ایسے طاقچہ کی جگمگاہٹ جس میں ادھر ادھر سوراخ اور آرپار راستہ نہیں ہے۔
بغوی نے لکھا ہے اس تمثیل کی تشریح میں اہل علم کے اقوال مختلف ہیں بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ نور محمد کی تمثیل ہے، حضرت ابن عباس نے کعب احبار سے فرمایا تھا، آیۃ مثل نورہ کمشکوٰۃ کے معنی کی تشریح کرو۔ کعب احبار نے کہا اللہ نے اس آیت میں اپنے نبی کی حالت بطور تمثیل بیان کی ہے۔ مشکوٰۃ سے مراد ہے رسول اللہ ﷺ کا مبارک سینہ اور شیشہ سے مراد ہے آپ کا دل اور مصباح سے مراد ہے نبوت۔ اور یکاد زیتہا یضیئی کا یہ مطلب ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ نہ بھی کیا ہوتا تب بھی قریب تھا کہ آپ کا نور جگمگانے لگتا اور لوگوں کے سامنے آپ کا نبی ہونا خود آجاتا۔
کعب احبار کی تشریح میری نظر میں نہایت لطیف ہے واقعی نور محمدی کی یہی حالت تھی بعثت نبوی ﷺ سے پہلے کے کچھ احوال ہم اس جگہ ذکر کرتے ہیں جو اس موضوع پر روشنی ڈالنے والے ہیں۔
فصل:۔ خلاصۃ السیر کے مؤلف نے رسول اللہ ﷺ کے ان معجزات کا ذکر کیا ہے جو بعثت سے پہلے ذات مبارک سے ظہور پذیر ہوئے تھے ہم ان کا مختصر تذکرہ کرتے ہیں۔
رسول اللہ ﷺ کی والدہ کا بیان ہے میں نے بحالت حمل خواب میں دیکھا کہ ایک نور میرے اندر سے نکلا جس کی وجہ سے شہر بصریٰ علاقۂ شام کے محلات میری نظر کے سامنے چمک اٹھے پھر پیدا ہوتے ہی آپ نے سر آسمان کی طرف اٹھایا، حافظ ابن

Marfat.com

حجر نے لکھا ہے کہ جونہی رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے آپ کی والدہ نے ایک نور دیکھا جس سے ملک شام کے محل ان کی نظر کے سامنے چمک اٹھے، ابن حبان اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

ابو نعیم نے دلائل میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ نے بیان کیا جب آپ پیدا ہوئے تو فرشتہ نے آپ کو تین بار پانی میں غوطہ دیا۔ پھر ایک ریشمی بٹوے کے اندر سے ایک مہر نکال کر آپ کے شانہ پر لگائی جس کی وجہ سے ایک سفید انڈے کی طرح چیز پیدا ہو گئی جو زہرہ کی طرح چمکنے لگی۔

بیہقی ابن ابی الدنیا اور ابن السکن کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کی رات کو کسریٰ کے محل میں لرزہ آ گیا اس کے چودہ کنگرے گر پڑے اور کسریٰ خوف زدہ ہو گیا۔ اور فارس کی جو آگ ہزار برس سے نہیں بجھی تھی وہ بجھ گئی اور ساوت جھیل خشک ہو گئی۔

حضرت عائشہ کی روایت میں آیا ہے کہ ایک یہودی مکہ میں رہتا اور تجارت کرتا تھا، رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کی رات کو اس نے قریش سے کہا اے گروہ قریش آج رات اس امت کا نبی پیدا ہو گیا جس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک نشان ہے اور نشان میں گھوڑے کے ریال کی طرح چند بالوں کی ایک قطار ہے لوگ یہودی کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی والدہ کے پاس پہنچے اور نو مولود بچے کی پشت کھول کر دیکھی یہودی کی نظر جب مسہ پر پڑی فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑا، لوگوں نے پوچھا ارے تجھے کیا ہو گیا، یہودی کہنے لگا واللہ بنی اسرائیل سے نبوت نکل گئی۔ رواہ الحاکم۔ مواہب لدنیہ میں عیصا راہب کا قصہ ذکر کیا گیا ہے۔

عیصا مکہ والوں سے کہتا تھا اے اہل مکہ عنقریب تم میں ایک پیغمبر پیدا ہونے والا ہے سارا عرب جس کا تابع ہو جائے گا اور عجم پر بھی اس کا اقتدار ہو گا یہ زمانہ اس کی پیدائش کا ہے۔

حضرت عباس بن عبد المطلب کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے دین میں میرے داخل ہونے کا ایک خاص باعث ہوا آپ کے نبی ہونے کی نشانی میں نے اسی وقت دیکھ لی تھی جب آپ جھولنے میں پڑے ہوئے چاند سے باتیں کر رہے تھے اور انگلی سے اس کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور جب آپ اس کی طرف اشارہ کرتے تھے وہ (کنارہ) جھک جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں اس سے باتیں کر رہا تھا اور وہ مجھ سے باتیں کر رہا تھا وہ مجھے رونے سے بہلاتا تھا اور جب وہ عرش کے نیچے سر بسجود ہوتا تھا تو میں اس کی آواز سنتا تھا۔

حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی شمار کی گئی ہے کہ آپ کے جھولنے کو فرشتے جھلاتے تھے۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ پیدا ہوتے ہی آپ نے کلام کیا تھا۔

ابو یعلی اور ابن حبان نے حضرت عبد اللہ بن جعفر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی انا حضرت حلیمہ نے کہا جب میں نے آپ کو اپنی گود میں لے لیا تو فوراً میری چھاتیاں بقدر ضرورت دودھ سے بھر آئیں پہلے میرا بچہ یعنی ضمرہ بھوکا رہنے کی وجہ سے سوتا نہ تھا، اب دونوں نے سیر ہو کر پی لیا اور دونوں سو گئے پہلے میری پستان میں اتنا دودھ ہی نہ تھا جو بچہ کے لئے کافی ہوتا نہ ہماری اونٹنی کے پاس دودھ تھا جو بچہ کو پلایا جا سکتا اب جو میرا شوہر اونٹنی کے پاس گیا تو دیکھتا کیا ہے کہ اونٹنی کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں میرے شوہر نے اس کو دوہا اور میں نے خوب سیر ہو کر پیا اور شوہر نے بھی خوب پیا اور وہ رات بڑے چین سے گزری، محمد ﷺ کو لے کر جب میں واپس آئی اور گدھی پر سوار ہوئی تو خدا کی قسم وہ تو اتنی تیز چلنے لگی کہ ساتھیوں کا کوئی گدھا اس کا مقابل نہ کر سکا ساتھ والیاں کہنے لگیں اری ابی ذویب کی بیٹی! ذرا ٹھہر تو، کیا یہ تیری وہی گدھی ہے جس پر تو آئی تھی، میں نے کہا ہاں۔ بات یہ تھی کہ کمزوری اور لاغری کی وجہ سے میری گدھی ساتھ والے قافلہ کے لئے بار ہو گئی تھی بار بار ان کو رکنا پڑتا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضرت حلیمہ نے کہا جب میں نے رسول اللہ ﷺ نے کہا اللّٰہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللّٰہ بکرۃ واصیلا یہ آپ کا سب سے پہلا کلام تھا۔ الحدیث۔

Marfat.com

حضرت ابن عباس کا بیان ہے حلیمہ آپ کو دور نہیں جانے دیتی تھیں تا کہ آپ کی طرف سے ان کو بے خبری نہ رہے ایک روز آپ اپنی رضاعی بہن شیماء کے ساتھ باہر چلے گئے اور جہاں جنگل میں اونٹ تھے وہاں جا پہنچے حلیمہ تلاش میں نکلیں آپ اپنی بہن کے ساتھ کہیں مل گئے حلیمہ نے کہا اس گرمی میں تم کہاں پھر رہے ہو شیما نے کہا اماں! مجھے اپنے بھائی کے ساتھ تو گرمی محسوس ہی نہیں ہوئی، برابر ان کے اوپر ایک بدلی سایہ کئے رہی۔ جب یہ کہیں ٹھہر جاتے تھے بدلی بھی ان کے اوپر ٹھہر جاتی تھی یہ چل دیتے تھے تو بدلی بھی ان کے اوپر چل دیتی تھی۔

شمائل محمدیہ میں مذکور ہے کہ حلیمہ نے کہا جس روز سے ہم نے آپ کو لیا کبھی ہم کو چراغ کی ضرورت نہیں رہی آپ کے چہرہ کی روشنی تو چراغ سے زیادہ نورانی تھی۔ اگر ہم کو کسی جگہ چراغ کی ضرورت پڑتی تو ہم آپ کو وہاں لے جاتے آپ کی برکت سے تمام مقامات روشن ہو جاتے۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حلیمہ جب آپ کو لے کر بتوں کی طرف گئیں تو ہبل اور دوسرے بت آپ کی تعظیم میں اپنی اپنی جگہ سرنگوں ہو گئے اور سنگ اسود کے پاس لے کر گئیں تو سنگ اسود خود اپنی جگہ سے نکل کر آپ کے منہ کو چمٹ گیا۔

یہ بھی مروی ہے کہ حلیمہ جب آپ کو دودھ پلانے لگیں تو پستانوں سے اتنا دودھ بہنے لگا جو دس بلکہ اس سے بھی زیادہ بچوں کے لئے کافی ہوتا۔ جب حلیمہ آپ کو لے کر کسی خشک وادی سے گزرتیں تو وہ فوراً سرسبز ہو جاتی، حضرت حلیمہ خود سنتی اور دیکھتی تھیں کہ پتھر اور درخت آپ کو سلام کرتے تھے اور درختوں کی شاخیں آپ کی طرف جھک جاتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کا رضاعی بھائی دونوں ساتھ ساتھ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ رضاعی بھائی کا بیان ہے کہ میرا رضاعی بھائی جب کسی وادی پر جا کر کھڑا ہوتا تھا تو وہ فوراً سرسبز ہو جاتی تھی۔ اور بکریوں کو پانی پلانے کے لئے ہم کنویں پر آتے تھے تو کنویں کا پانی ابل کر کنویں کے منہ تک آجاتا تھا، جب آپ دھوپ میں کھڑے ہوتے تھے تو بدلی آکر سایہ کر لیتی تھی اور جنگل جانور آپ کے پاس آکر آپ ﷺ کو چومتے تھے۔

خلاصۃ السیر میں ہے کہ آپ کی انّا نے بیان کیا ایک بار آپ ہمارے اونٹوں کے مقام پر تھے اچانک آپ کا رضاعی بھائی دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ دو سفید پوش آدمیوں نے میرے قرشی بھائی کو پکڑ کر زمین پر لٹا کر پیٹ پھاڑ دیا، حضرت حلیمہ کا بیان ہے ہم یہ بات سن کر فوراً ان کی طرف نکل کھڑے ہوئے جا کر دیکھا تو آپ منہ لپیٹے کھڑے ہوئے تھے ہم نے آپ کو چمٹا لیا اور دریافت کیا کیا واقعہ ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا دو آدمی سفید پوش آئے اور انہوں نے مجھے لٹا کر میرا پیٹ پھاڑا پھر اس کے اندر کسی چیز کو ٹٹولا مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے کیا چیز نکالی۔ حضرت شداد بن اوس کی روایت سے ابو یعلی، ابو نعیم اور ابن ابی عساکر نے ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے کہ تین آدمیوں کا ایک گروہ آیا، ان کے پاس سونے کا طشت تھا جو برف سے بھرا ہوا تھا ان میں سے ایک نے مجھے زمین پر لٹایا (اور پیٹ پھاڑ کر) پھر پیٹ کے اندر کی چیزیں نکالیں، پھر ان کو برف سے دھویا اور خوب دھویا پھر ان کو ان کی جگہ دوبارہ رکھ دیا پھر دوسرا کھڑا ہوا اور اس نے میرا دل نکال کر پھاڑا (اور اس کو صاف کیا) یہ سب باتیں میں دیکھ رہا تھا، پھر ایک سیاہ بوٹی اس کے اندر سے نکال کر پھینک دی پھر دائیں بائیں طرف ہاتھ گھمانے لگا معلوم ہوتا تھا کوئی چیز تلاش کر رہا ہے پھر مجھے نظر آیا کہ اس کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی ہے جو مجسم نور ہے اس کو دیکھنے سے نگاہ میں چکا چوند ہو رہی تھی اس انگوٹھی سے اس نے میرے دل پر مہر لگادی مہر لگاتے ہی میرا دل نور سے بھر گیا یہ نبوت و دانش کا نور تھا پھر دل کو لوٹا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا میں اس مہر کی خنکی اپنے دل میں مدت تک محسوس کرتا رہا پھر تیسرے شخص نے اپنے ساتھی سے کہا تم ہٹ جاؤ (وہ ہٹ گیا) تیسرے شخص نے سینے کی وسطی لکیر (خط ابیض) کے آغاز سے زیر ناف کے آخری حصہ تک ہاتھ پھیرا فوراً شگاف جڑ گیا۔

حضرت انس کا بیان ہے میں حضور ﷺ کے سینہ پر سلائی کا نشان دیکھتا تھا۔

ابن عساکر کی روایت میں آیا ہے کہ ایک سال کال پڑا، ابو طالب حضور ﷺ کو ساتھ لے کر بارش کی دعا کرنے کعبے کے

Marfat.com

پاس پہنچے کعبہ کی دیوار سے اپنی پشت لگائی اور حضور ﷺ کی انگلی پکڑی اس وقت آسمان پر بادل کا ٹکڑا بھی نہ تھا، فوراً ادھر ادھر سے بادل آ گیا اور موسلادھار خوب بارش ہوئی اتنی کہ ساری وادی بہ نکلی۔ اسی واقعہ کی طرف ابو طالب نے ذیل کے شعر میں اشارہ کیا ہے، ''ان کا رنگ گورا ہے ان کے طفیل میں بارش کی دعا کی جاتی ہے۔ وہ یتیموں کی پناہ گاہ اور رانڈوں کی عصمت بچانے والی ہیں''۔

خلاصۃ السیر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ ملک شام کی طرف گئے۔ مقام بصریٰ میں پہنچے تو بحیرا راہب نے آپ کا حلیہ دیکھ کر پہچان لیا اور دست مبارک کو پکڑ کر کہا یہ رب العالمین کے رسول ہیں اللہ ان کو انسانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گا۔ راہب سے دریافت کیا گیا تم کو اس کا کیسے علم ہوا، راہب نے کہا جب تم لوگ گھاٹی سے نکل کر آ رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ہر درخت اور پتھر ان کی طرف کو جھک رہا تھا اور ایسا صرف نبی کے لئے ہی ہوتا ہے ہم نے اپنی کتابوں میں ان کے حالات پڑھے ہیں۔ پھر ابو طالب سے بحیرا نے کہا اگر تم ان کو لے کر شام کو گئے تو یہودی ان کو قتل کر دیں گے۔ چنانچہ راہب کے مشورے سے ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کو بصریٰ سے ہی واپس کر دیا (یا ساتھ لے کر واپس لوٹ آئے) دوبارہ حضرت خدیجہؓ کے غلام کو ساتھ لے کر تجارت کی غرض سے آپ ﷺ ملک شام کو گئے اس وقت سن مبارک پچیس سال کا تھا اور حضرت خدیجہ سے نکاح نہیں ہو پایا تھا، شام میں پہنچ کر ایک راہب کے گرجے کے پاس اترے راہب نے اوپر سے میسرہ کی طرف جھانک کر دریافت کیا تمہارے ساتھ یہ کون شخص ہے میسرہ نے کہا باشندگان حرم میں سے ایک قریشی شخص ہے۔ راہب نے کہا اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے کبھی کوئی اور نہیں اترا۔ بعض روایت میں آیا ہے کہ راہب رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا میں ایمان لے آیا اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ وہی نبی ہیں جن کا ذکر اللہ نے توریت میں کیا ہے، پھر مہر نبوت کو دیکھ کر چوما اور کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول نبی امی ہاشمی عربی کی ہیں آپ ہی صاحب حوض ہیں آپ ہی شفاعت کرنے والے ہیں آپ ہی کے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ میسرہ نے بیان کیا دوپہر کا وقت ہوا اور گرمی سخت ہو گئی تو دو فرشتے اتر کر آپ پر سایہ کرنے لگے تا کہ گرمی (اور سورج کی تیزی) سے آپ کو تکلیف نہ ہو آپ اس وقت اپنے اونٹ پر سفر کر رہے تھے حضرت خدیجہ نے میسرہ کا جب بیان سنا تو آپ کے دل میں حضور ﷺ سے نکاح کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔

سہیلی نے راہب مذکور کے قول کا مطلب اس طرح بیان کیا۔ راہب کی مراد یہ تھی کہ اس وقت اس درخت کے نیچے پیغمبر ہی فروکش ہوا ہے۔ سہیلی کو اس تاویل کی ضرورت اس لئے پڑی کہ انبیاء کے دور کو گزرے ایک طویل مدت (تقریباً پانچ سو سال) گزر چکے تھے اتنی طویل مدت کسی ایک درخت کا باقی رہنا بعید از عقل تھا پھر درخت بھی سر راہ تھا آنے جانے والے ضرور اس کے نیچے آرام لیتے رہے ہوں گے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ لب راہ درخت کے نیچے کوئی مسافر سوائے نبی کے کبھی نہ اترا ہو۔ سہیل کی توجیہ (ٹھیک ہے لیکن یہ توجیہ) لفظ قط کے خلاف ہے قط کا تو یہ معنی ہے کہ کبھی اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے اور کوئی نہیں اترا حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی قدرت ہمہ گیر ہے غیر معمولی حالات اللہ کی قدرت سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے اور کوئی کبھی نہ اترا ہو۔ اللہ کی قدرت سے کوئی بات بعید نہیں۔ (سہیلی کی توجیہ کا یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے۔ کہ یہ درخت جس کی عمر دس بیس یا پچاس برس ہے اس مدت میں کوئی شخص کبھی اس کے نیچے نہیں نازل ہوا اس وقت صرف پیغمبر ہی فروکش ہوا اور حسب صراحت توریت اس کے نیچے پیغمبر ہی اتر سکتا تھا) واللہ اعلم۔

سالم کی روایت میں آیا ہے کہ آیت مذکورہ کی تفسیر میں حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا مشکوٰۃ سے مراد ہے رسول اللہ ﷺ کا مبارک سینہ اور زجاجہ سے مراد ہے آپ کا دل اور مصباح وہ نور تھا جو آپ کے دل میں روشن تھا اور شجرہ مبارک سے مراد ہیں حضرت ابراہیم اور شرقی غربی نہ ہونے سے مراد ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نہ یہودی تھے نہ عیسائی اور نورٌ علیٰ نور کا یہ مطلب ہے کہ ایک نور تو حضرت ابراہیمؑ کے دل کا نور تھا اور دوسرا نور رسول اللہ ﷺ کے دل کا نور۔

Marfat.com

محمد بن کعب قرظی نے کہا مشکوٰۃ حضرت ابراہیمؑ تھے اور زجاجہ حضرت اسمٰعیلؑ اور مصباح رسول اللہ ﷺ۔ آپ ہی کی ذات کو اللہ تعالیٰ نے آیت سراجاً منیرا میں سراج فرمایا ہے۔ یہ چراغ ایک برکت والے درخت کے تیل یعنی حضرت ابراہیم کی ذات سے روشن تھا، حضرت ابراہیمؑ یقیناً بہت ہی بابرکت تھے اکثر انبیاء آپ ہی کے نسل سے ہوئے پھر آپ ایسے درخت کی طرح تھے جو نہ شرقی ہو نہ غربی یعنی آپ نہ یہودی تھے نہ عیسائی یہودی مغرب کو منہ کر کے عبادت کرتے ہیں اس لئے یہودیوں کو غربی قرار دیا اور عیسائی شرقی قرار پائے۔ یَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ سے اس طرف اشارہ ہے کہ وحی آنے سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کے کمالات اور محاسن ظہور پذیر ہونے والے تھے (آگ کے چھونے یعنی آنے کے لئے تو ان کا ظہور ہو ہی گیا وحی سے پہلے ہی وہ قریب الظہور تھے) نور بالائے نور کا یہ مطلب ہے کہ نور اصل نور نسل کے ساتھ شامل ہو گیا ایک تو نور ابراہیمی تھا پھر نور محمدی ﷺ اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ پس نور محمدی نور بالائے نور ہو گیا، ابوالعالیہ نے حسب ذیل تفسیر کی حضرت ابی بن کعب کی طرف نسبت کی ہے کہ یہ مومن کی مثال ہے مومن کی ذات ایک مشکوٰۃ ہے زجاجہ مومن کا سینہ ہے مصباح اس کا دل ہے نور مصباح ایمان اور قرآن کی روشنی ہے جو مومن کے دل میں ہوتی ہے۔ شجرۂ مبارکہ سے یہ روشنی اخلاص للہ کے مبارک درخت سے حاصل ہوتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سر سبز شاداب درخت جو گھنے باغ میں دوسرے درختوں سے گھرا ہوا ہو کہ سورج کے طلوع و غروب کے وقت دھوپ سے محفوظ ہو مومن بھی ہر طرح کے فتنہ سے محفوظ رہتا ہے، چار اوصاف اس کے خصوصی اوصاف ہوتے ہیں اگر اللہ کی طرف سے اس کو کچھ ملتا ہے تو شکر ادا کرتا ہے نہیں ملتا تو صبر کرتا ہے فیصلہ کرتا ہے تو انصاف کا کرتا ہے بات کہتا ہے تو سچی کہتا ہے اس کا دل ایسا چراغ ہوتا ہے جو آگ کو چھو جانے کے بغیر بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روشن ہو جانے کے قریب ہے یعنی ظہور حق سے پہلے ہی اس کو معرفت حق حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا دل فطری طور پر حق پرست ہے، وہ نور بالائے نور ہوتا ہے اس کا قول ایک نور ہوتا ہے اس کا علم ایک نور ہوتا ہے اس کا آنا نور اور جانا نور ہوتا ہے اور قیامت کے دن وہ نور ہی کی طرف جائے گا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ اللہ کے نور کی مثال ہے جو مومن کے دل میں ہوتا ہے مومن کا دل فطرتاً ہدایت پر عمل کرتا ہے جب اس کو (شریعت کے ذریعہ سے) علم حاصل ہو جاتا ہے تو اس کی ہدایت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے نور بالاء نور ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں صوفی کا دل حق بات، حق عمل اور حق اعتقاد کی وجہ سے کھل جاتا ہے، حق کو قبول کرتا ہے اور باطل کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے، باطل سے اس میں انقباض ہو جاتا ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اپنے دل سے (مشتبہ امور میں) فتویٰ طلب کرو۔ اگرچہ مفتیوں نے تم کو فتویٰ دے دیا ہو۔ رواہ البخاری فی التاریخ بسند حسن۔ جب مومن کے دل میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کا علم آجاتا ہے تو اس کے اندر یقین و ہدایت کا نور اور بڑھ جاتا ہے۔ نور علی نور کی تشریح میں کلبی نے کہا یعنی مومن کا ایمان اور اس کا عمل، سدی نے کہا نور ایمان اور نور قرآن۔

حسن اور ابن زید نے کہا یہ قرآن کی مثال ہے مصباح قرآن ہے جس طرح چراغ سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اسی طرح قرآن سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ زجاجہ مومن کا دل ہے مشکوٰۃ اس کا منہ اور زبان ہے، مبارک درخت وحی کا درخت ہے، زیت سے مراد ہے قرآنی دلائل، تیل کے روشن ہو جانے سے مراد ہے حجت قرآن کا واضح ہو جانا خواہ اس کو پڑھا نہ گیا ہو، یعنی نزول قرآن سے پہلے اللہ نے مخلوق کی ہدایت کی نشانیاں اور دلائل قائم فرما دی تھیں، پھر جب قرآن نازل ہوا تو نور بالائے نور ہو گیا، نور فطرت میں نور قرآن کا اضافہ ہو گیا۔

بعض علماء نے کہا یہ حقیقت میں اس ہدایت کی تمثیل ہے جو واضح آیات کے مفہوم کے اندر موجود ہے اور اس ہدایت کا ظہور مشکوٰۃ ہے یا یوں کہا جائے کہ لوگوں کے اوہام و خیالات کی تاریکیاں ہدایت کو گھیرے رہتی ہیں۔ پس یہ ہدایت چراغ کی طرح ہے جس کو ہر طرف سے ظلمت محیط ہوتی ہے (اور وہ بیچ میں جگمگاتا رہتا ہے) یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ نے انسان کو پانچ

Marfat.com

علمی ادراکی قوتیں عطا فرمائی ہیں جن سے انسانی معاش و معاد وابستہ ہے۔
(۱) حسی قوت (یعنی حس مشترک) جس کے ذریعہ سے دماغ ان چیزوں کو جان لیتا ہے جو ظاہری پانچوں حواس کے ذریعہ سے محسوس ہوتی ہے۔
(۲) خیال کی قوت یہ طاقت احساسی قوت کے معلومات کا خزانہ ہے محسوسات کی جو صورتیں حسی قوت میں آتی ہیں ان کو یہ اپنے اندر جمع رکھتی ہے تاکہ ضرورت کے وقت قوت عقلیہ کے سامنے لاسکے۔
(۳) قوت عاقلہ جو صرف کلی حقائق کا ادراک کرتی ہے (جزئی صورتوں سے حقائق کلیہ کا تجزیہ اور استنباط کر لیتی ہے۔
(۴) فکری قوت یعنی قوت متفکرہ جو معلومات کو ترتیب دے کر نامعلوم چیزوں کا علم حاصل کرتی ہے۔ اس کا کام دلائل کو جوڑنا اور معلومات کو ترتیب دینا ہے۔
(۵) قوت قدسیہ یہ قوت انبیاء اور اولیاء کے ساتھ مخصوص ہے اسرار ملکوت اور انوار غیب کا اس کے ذریعہ سے انکشاف ہوتا ہے آیت وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا میں یہی قوت مراد ہے۔ آیت زیر تفسیر میں یہی پانچویں قوتیں مشکوٰۃ، زجاجہ، مصباح، شجرہ اور زیت سے مراد ہیں۔
حسی قوت، مشکوٰۃ کی طرح ہے گویا یہ ایک کھڑکی یا روشندان ہے جس کا رخ باہر کی طرف کو ہے اور صرف محسوسات خارجیہ کو جانتی ہے، اپنے پیچھے کا اس کو کچھ ادراک نہیں، اس کا معقولات کے ذریعہ سے روشن ہو جانا بالذات نہیں۔
قوت خیالیہ، اس قارورے یا شیشے کی طرح ہے جو ہر جہتی معقولات کی صورتوں کا ادراک کرتی ہے اور انوار عقلیہ کو اپنے اندر محفوظ رکھتی اور قوت عاقلہ کی ضیاء پاشی سے روشن رہتی ہے۔
قوت عاقلہ، ایک چراغ ہے جو علوم کلیہ اور معارف ربانیہ کے نور سے جگمگا رہا ہے، قوت متفکرہ، ایک مبارک درخت ہے جس کے پھل لامحدود ہیں یہ زیتون کا درخت ہے جس سے روغن پیدا ہوتا ہے اور اسی روغن سے چراغ روشن ہوتا ہے، یہ درخت نہ غربی ہے نہ شرقی کیونکہ تمام جسمانی عوارض سے پاک ہے یا یوں کہو کہ یہ درخت فکریہ صورتوں اور معانی کے درمیان واقع ہے، دونوں سے بہرہ یاب ہوتا ہے اور دونوں میں تصرف کرتا ہے۔
قوت قدسیہ روغن زیتون کی طرح صاف شفاف ہے، بغیر سوچ بچار اور کسی سے سیکھنے کے خود ہی معارف و علوم کی نورانیت سے جگمگا جانے کے قریب ہوتی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آیت مذکورہ میں قوت عقلیہ کی تمثیل ہو، ہر شخص کی قوت عقلیہ و علمیہ ہر قسم کی صورتوں سے خالی ہوتی ہے لیکن قبول علم کی اس میں صلاحیت و استعداد ہوتی ہے اس درجہ کو آیت میں مشکوٰۃ قرار دیا ہے (قدماء فلاسفہ حسب صراحت ابہروی و شیخ ابن سینا قوت عقلیہ کے اس مرتبہ کو عقل ہیولانی کہتے ہیں) اس مرتبے سے ترقی کر کے قوت عقلیہ کا دوسرا درجہ آتا ہے کہ بدیہی علوم اس کو حاصل ہو جاتے ہیں، بغیر سوچ بچار اور فکر و نظر کے بعض چیزوں کا اس کو علم ہو جاتا ہے لیکن کسی نظری چیز کا علم بالفعل نہیں، ہاں صلاحیت (قریبہ یا بعیدہ) نظری علوم کو حاصل کرنے کی موجود ہوتی ہے۔ احساس جزئیات سے حاصل شدہ بدیہی علوم کی تصویریں اس کے اندر موجود ہوتی ہیں اور ان بدیہی علوم کو ترتیب دے کر وہ نظری امور کا علم حاصل کر سکتی ہے گویا اس درجہ میں پہنچ کر وہ ایک جگمگاتا شیشہ ہوتی ہے اگر اس درجہ میں پہنچ کر قوت عقلیہ فکر و اجتہاد کے ساتھ نظری علوم حاصل کرنا چاہتی ہے تو زیتون کے درخت کے مشابہ ہے اور اگر حدس کے ذریعہ سے تحصیل علم کرتی ہے تو روغن زیتون کی طرح ہے فکر کا معنی ہے مبادی اور مقدمات کے ذریعہ سے نتائج کی جانب قوت فکریہ کی حرکت اور حدس کا معنی ہے نتائج سے مبادی کی طرف بازگشت اور اگر تحصیل کا سرچشمہ قوت قدسیہ ہے تو اس کی حالت ایسی ہے جیسے اتنا صاف و شفاف روغن کہ بغیر آگ اور دیا سلائی کو مس کئے بھی گویا مشتعل ہو جائے گا (یعنی بہت ہی قریب الاشتعال ہے) وحی اور الہام کا فرشتہ قوت عقلیہ کے لئے مرکز نور و اشتعال ہے قوت قدسیہ کا مرتبہ اتنا جلی اور نورانی ہوتا ہے کہ وحی و الہام کے ملائکہ سے اتصال و تعلق کے بغیر بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود اس میں اشتعال و نورانیت کا ظہور

Marfat.com

ہو جائے گا، اس سے آگے بڑھ کر جب قوت عقلیہ کو علوم نظریہ حاصل ہو جاتے ہیں تو دو صورتیں ہوتی ہیں۔ (۱) علوم نظریہ عقل کے سامنے ہر وقت حاضر نہیں ہوتے لیکن عقل جب ان کو حاضر کرنا چاہتی ہے حاضر کر لیتی ہے، تصویریں موجود ہیں التفات نظر کی ضرورت ہے، جب چاہا اور التفات نظر سے کام لے کر حاضر کر لیا اس مرتبہ کو ہم مصباح سے تشبیہ دے سکتے ہیں (۲) لیکن اگر تصاویر ہر وقت عقل کے سامنے حاضر ہوں تو یہ نور بالائے نور ہو جاتا ہے (یاد رکھو کہ دوسرے درجہ کو اہل فلسفہ عقل بالملکہ اور تیسرے درجہ کو عقل بالفعل اور چوتھے درجہ کو عقل مستفاد کہتے ہیں یا تیسرے درجہ کو عقل مستفاد اور چوتھے درجہ کو عقل بالفعل کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی کے کشف الہامی پر مبنی آیت زیر تفسیر کی دو تاویلیں اور بھی ہیں جن کو ہم اس جگہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ (۱) اللّٰہ نور السموت و الارض یعنی آسمان و زمین کو موجود کرنے والا اور پردۂ عدم سے میدان خارجی میں لانے والا ہے اور یہ وجود خارجی مثل ظل اور سایہ کے ہے۔

مثل نورہ۔ نور سے مراد ہے وجود۔ عظمت نور کو ظاہر کرنے کے لئے اپنی ذات کی طرف نور کی نسبت کی جیسے بیت اللہ (خانہ خدا) اور ناقۃ اللہ (اللہ کی براہ راست پیدا کی ہوئی متبرک اونٹنی) کہا جاتا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ ماہیات ممکنات پر وجود خداوندی پر تو انداز اور سایہ افگن ہے جیسے چاند اور سورج کے مقابل جو خطۂ زمین آ جاتا ہے اس پر چاند اور سورج کا نور عکس ریز ہوتا ہے۔

کمشکوٰۃ یعنی جیسے مشکوٰۃ (طاقچہ، چراغ دان) کی روشنی، مضاف محذوف ہے۔

فیھا مصباح یعنی مشکوٰۃ کے اندر چراغ روشن ہے اور چراغ کی روشنی سے مشکوٰۃ پُر نور ہو رہا ہے اسی طرح اللہ کی صفات و اسماء کے چراغ سے تمام ممکنات کی حقیقتیں نور وجود حاصل کر رہی ہیں۔

المصباح فی زجاجۃ یعنی چراغ کی نور پاشی بدرجۂ کمال ہے، حضرت مجدد نے فرمایا انبیاء اور اولیاء کو چھوڑ کر باقی تمام ممکنات کے مبادی تعین اللہ کی صفات نہیں بلکہ صفات کا پر تو اور ظل مبد تعین ہے اس کی توضیح یہ ہے کہ اللہ اپنی صفات کمال کو بھی جانتا ہے اور ان صفات کے نقائص کو بھی یعنی وہ اپنی صفات ثبوتیہ کا بھی علم رکھتا ہے اور صفات سلبیہ تنزیہیہ کا بھی۔ جیسے موت نقیض حیات ہے جہالت نقیض علم ہے کمزوری اور عجز قدرت کی نقیض ہے۔ بہرا ہونا سننے کی نقیض ہے نابینا ہونا بینا ہونے کی نقیض گونگا ہونا کلام کی نقیض ہے، مجبور ہونا با اختیار ہونے کی نقیض ہے اور تعطل تکوین کی نقیض ہے۔

جب اللہ کی صفات ثبوتیہ اور سلبیہ مرتبۂ علم میں جمع ہو جاتی ہیں تو نقائص کی تصویریں صفات سلبیہ کے ساتھ آمیختہ ہو جاتی ہے ان مخلوقات کی حقیقت عدم ہوتی ہے اور سلب صفات ان کے عوارض ہوتے ہیں یعنی یہ صفات سلبیہ اور تنزیہیہ ہوتی ہیں۔ صوفیا کی اصطلاح میں انہی مخلوطات کو ظل صفات کہتے انہی کو اعیان ثابتہ کہا جاتا ہے۔ یہی ممکنات اور حقائق ممکنات کے مبادی تعین ہوتے ہیں۔ یہی حقائق امکانیہ کی مربی (تعین کرنے والی) ہوتی ہیں، صفات کی تشبیہ روشن چراغ سے دی جا سکتی ہے اور ظلال صفات کو شیشہ کہہ سکتے ہیں اور ماہیات امکانیہ کے وجود و ظہور کو مشکوٰۃ قرار دیا جا سکتا ہے، چراغ کی روشنی سے شیشہ اور قارورہ روشن ہو جاتا ہے، مصباح کے نور سے شیشہ جگمگا جاتا ہے، پھر اس قارورہ اور شیشے کی جلوہ افگنی مشکوٰۃ پر ہوتی ہے اور مشکوٰۃ میں نورانیت اور چمک پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح فصات کا نور ظلال صفات کو منور کر دیتا ہے، صفات، ظلال پر پر تو انداز ہوتی ہیں اور ان کو روشن کر دیتی ہیں اور ظلال صفات کی عکس ریزی ماہیات امکانیہ پر ہوتی ہے اور ممکنات کو نور وجود حاصل ہو جاتا ہے، خلاصہ یہ کہ مشکوٰۃ کا نور یعنی ممکنات کا وجود اور ظہور شیشہ سے یعنی ظلال صفات سے حاصل ہوتا ہے اور شیشہ کی نورانیت یعنی ظلال کی نور چینی اور نور پاشی اصل مصباح یعنی صفات کی پر تو اندازی کی ممنون کرم ہے۔

مسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نور اللہ کے چہرہ کا نقاب ہے اگر وہ اس نقاب کو کھول دے تو اس کے چہرے کے چمکارے (شعاعیں) وہاں تک ساری مخلوق کو جلا کر سوختہ کر دیں جہاں تک

Marfat.com

اس کی نظر پہنچے۔ شاید اس حدیث میں نور سے مراد مرتبۂ ظلال ہے اور انوار وجہ سے مراد ہیں صفات۔

بات یہ ہے کہ عام ممکنات کی ماہیات اپنی استعداد کی کمزوری سے براہ راست ظلال کی وساطت کے بغیر صفات سے نور وجود کو حاصل نہیں کر سکتیں، اگر ظلال صفات کا توسط نہ ہو تو عام ممکنات معدوم ہو جائیں البتہ انبیاء و اولیاء اپنی استعداد و صلاحیت کی قوت کی وجہ سے براہ راست صفات سے بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں، پس جس طرح ظلال، صفات سے براہ راست نور چیں ہوتے ہیں اسی طرح انبیاء و اولیاء بھی براہ راست صفات سے نور اندوز ہوتے ہیں اور چونکہ ان کے اصول میں شر کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا اس لئے وہ سرشتی طور پر گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یعنی نور مصباح سے شیشہ روشن اور چمکیلا ہوتا ہے کہ شیشہ کو دیکھ کر دھوکا ہو جاتا ہے کہ یہی مصباح ہے دیکھنے والے شیشہ (یعنی فانوس) اور چراغ میں امتیاز نہیں کر پاتے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

رق الزجاج ورقت الخمر فتشابها وتشاکل الامر

(شیشہ بھی شفاف ہے اور شراب بھی شفاف ہے، دونوں ہم شکل ہیں)۔

فکانما خمر ولا زجاج وکانما زجاج ولا خمر

(ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صرف شراب ہے شیشہ نہیں اور یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ صرف شیشہ ہے شراب نہیں ہے)

ظلال و صفات میں چونکہ اتنا اشتباہ ہے کہ دونوں میں امتیاز کرنا بہت مشکل ہے اسی لئے عارفوں کا ایک گروہ یعنی وہ صوفی جو وحدۃ الوجود کے قائل ہیں نظر فریب میں مبتلا ہو گئے، ظلال کو صفات سمجھ بیٹھے دونوں مرتبوں کا فرق نہ سمجھ سکے اور صفات کو عین ذات کہنے لگے اور خیال کرنے لگے کہ ممکنات کی ماہیات میں جو حقیقت جلوہ انداز ہے وہ ان ممکنات کی عین ہے نور پذیر اور نور افگن ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اسی غلط فہمی کی بنیاد پر وہ پکار اٹھے، لیس فی الکون الا اللّٰہ عالم وجود میں سوائے اللہ کے اور کچھ نہیں۔ ایک عارف نے کہا، لیس فی جبتی سوی اللّٰہ میرے جبہ کے اندر سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں، ایک وجودی شاعر کا قول ہے۔

لاملک سلیمان ولا بلقیس ولا ادم فی الکون ولا ابلیس

عالم وجود میں نہ ملک سلیمان ہے نہ بلقیس نہ آدم نہ ابلیس۔

والکل صور وانت المعنی یا من ھو للقلوب مقناطیس

اے وہ ذات جو دلوں کے اپنی طرف کھینچنے کے لئے مقناطیس ہے حقیقت تو ہی ہے اور باقی سارا جہان محض صورتیں مورتیں ہیں۔

یہ ساری خرافات سکر اور فریفتگی عشق کا نتیجہ ہیں یہ لوگ جلوہ آفریں اور جلوہ پذیر میں فرق نہ کر سکے۔

یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ یعنی وہ چراغ زیتون کے برکت والے درخت کے تیل سے روشن ہے۔

خاص ہدایت:۔ اللہ کی صفات کا خارج میں وجود و ظہور اللہ کی ذات سے وابستہ ہے اس لئے صفات اپنی ذات کے اعتبار سے ممکن ہیں اور ذات خداوندی کی وجہ سے واجب (یعنی صفات فی نفسہا ممکن ہیں ممکن بالذات ہیں اور واجب بالغیر۔) پس صفات امکانی وذاتی لحاظ سے انبیاء اور ملائکہ کے تعین کا مبدء ہیں اور وجود کے لحاظ سے قدیم ہیں کیونکہ ان کا قدم ذات خداوندی سے مستفاد ہے (اور ذات خداوندی قدیم ہے اس لئے صفات بھی قدیم ہیں جیسے صفات میں امکان ذاتی ہے اور وجوب بالغیر اسی طرح ان میں قدم بھی بالغیر ہے۔ مترجم) پس ذات خداوندی زیتون کے بابرکت درخت کے مشابہ ہے جو نہ شرقی ہے نہ غربی (اس کی کوئی جہت خاص نہیں وہ ہر جہتی ہے) اور صفات مثل چراغ کے ہیں ذات سے (حسب المفہوم) زائد ہیں۔ قرآن اور اقوال رسول اللہ ﷺ سے یہی مستفاد ہے اور اسی پر اجماع اہل سنت ہے۔

ابو الحسن اشعری کا خیال ہے کہ صفات نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات یعنی ذات سے (حسب المفہوم) زائد ہیں اس لئے

Marfat.com

عین ذات نہیں اور ذات سے (حسب الوجود) جدا نہیں ہیں اس لئے غیر ذات بھی نہیں ہیں فلاسفہ اور معتزلہ وجود صفات کے منکر ہیں (یعنی ذات سے زائد نہیں مانتے بلکہ ذات کو عین صفات کہتے ہیں) وہ کہتے ہیں کہ اگر ذات خداوندی کو فی نفسہا صفات سے الگ مانا جائے گا اور صفات کو ذات سے الگ قرار دیا جائے گا تو ترتب آثار کے لئے ذات کو صفات کا محتاج ماننا پڑے گا (کیونکہ متعدد صفات کی وجہ سے ہی مختلف آثار کا ذات سے ظہور ہو گا تنہا مجرد عن الصفات ذات ظہور آثار کے لئے کافی نہیں ہو سکتی)۔

متکلمین نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ ذات کی احتیاج اپنی صفات کی طرف محال نہیں صفات سے الگ کسی اور چیز کی طرف ذات کی احتیاج ممنوع ہے۔

شیخ مجدد نے فرمایا صفات ضرور ذات سے زائد ہیں اور خارج (یعنی نفس الامر) میں ان کا وجود ہے نصوص قرآنی اور صراحت احادیث سے یہ ثابت ہے لیکن ذات فی نفسہا ترتب آثار میں صفات کی محتاج نہیں ہے (یعنی تنہا ذات بغیر صفات کے اظہار آثار کے لئے کافی ہے) اگر ہم ساری صفات کا عدم فرض کر لیں تب بھی آثار کا ظہور ذات سے ضرور ہو گا۔ مثلاً اگر سننے اور دیکھنے کی صفت ذات میں نہ مانی جائے تب بھی تنہا ذات ان آثار کے اظہار کے لئے کافی ہے جو شنوائی اور بینائی کی صفات پر مرتب ہوتے ہیں۔ شنوائی کے آثار اگر (بغیر صفت سمع کے) تنہا ذات سے ظاہر ہوں تو اس وقت اس کو شان سمع کہا جائے گا اسی طرح بصارت کے آثار بغیر صفت بصارت کے ذات سے ظاہر ہو سکتے ہیں اس لئے اس کو شان بصارت کہا جائے گا پس یہی شیون ذات، صفات کے اصول ہیں اور صفات، ظلال کے اصول ہیں۔ شان گویا اعتبار، بہر حال یہ اس روغن کے مشابہ ہے جو زیتون کے مبارک درخت کے اندر ہوتا ہے۔ اس تقریر پر یکاد زیتھا یضیئی ولولم تمسسه نار کے ساتھ تشبیہ کامل ہو گئی صفات نہ ہوں تب بھی شیون ذات پر آثار مرتب ہونا یقینی ہے گو صفات چراغ کی آگ کی طرح ہیں اور زیت شیون ذات ہیں۔

نور علی نور یعنی ایک تو چراغ کا نور ہے جو شیشے اور مشکوٰۃ کو روشن کر رہا ہے دوسرا درخت زیتون کے روغن کا نور ہے، جیسے ایک نور صفات ہے جس سے آثار کا ظہور ماہیات کی نور اندوزی اور ممکنات کی ایجاد وابستہ ہے دوسرا نور شیون ذات کا ہے اس طرح نور بالائے نور ہے۔

یھدی اللہ لنورہ من یشاء یعنی جس شخص کو چاہتا ہے اللہ اپنا نور معرفت عطا فرماتا ہے اس کی معرفت کا نور خاص خاص عارف ہی حاصل کرتے ہیں۔

اس توجیہ پر اس آیت میں ایجاد اشیاء کی طرف اشارہ ہو گا وجود خارجی ظلی کے میدان میں پردۂ عدم سے نکل کر آنا مراد ہو گا اور اس بات کا ثبوت ہو گا کہ تمام موجودات سے ذات خداوندی انتہائی قریب ہے۔

سورۂ قاف کی آیت وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ کی تفسیر میں ہم نے اقربیت ذات کی مفصل تشریح کر دی ہے۔

(۲) دوسری تاویل جو سلف سے مروی ہے حسب ذیل ہے اللّٰہ نور السموت و الارض یعنی آسمان و زمین کے رہنے والوں کو اللہ اپنی معرفت کا راستہ بتانے والا ہے پس تمام اہل ارض و سماء اسی کے نور کے ذریعہ سے ذات و صفات کی معرفت کا راستہ پاتے اور مراتب قرب تک ترقی کرتے جاتے ہیں آیت قریب من المحسنین اور آیت اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ میں در پردہ اسی نور کو بیان کیا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ فرماتا ہے میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے میرا قرب حاصل کرتا جاتا ہے، بالآخر میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ الحدیث۔ اسی قرب کا نام ولایت خاصہ ہے۔

مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح یعنی مومن کے دل میں اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے مشکوٰۃ کا نور جس کے اندر چراغ روشن ہو۔ پس مومن کا دل ایک مشکوٰۃ ہے جس کے اندر صفات الٰہی کی جلوہ پاشی ہو رہی ہے اور صفات خداوندی مثل روشن چراغ کے ہیں۔ اور یہ چراغ زیتون کے ایک بابرکت درخت (کے تیل) سے روشن ہے اور درخت بھی وہ ہے جو جس

Marfat.com

شرقی ہے نہ غربی، یعنی صفات الٰہیہ ذات الٰہی سے پھوٹ رہی ہیں اور ذات کے اندر شیون ذاتیہ اور اعتبارات ان صفات کے لئے سرچشمہ ہیں۔

المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانھا کوکب دری اس آیت میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ اولیاء عموماً براہ راست صفات الہیہ سے پرتو اندوز نہیں ہو سکتے، ان کی نور چینی ظلال کی وساطت پر موقوف ہے ظلال کے پردے کے پیچھے صفات ہیں جو ظلال پر پرتوافگن ہیں اور ظلال کی نور پاشی اولیاء پر ہوتی ہے، انبیاء کے علاوہ دوسرے تمام لوگوں کا مبد تعین یہی ظلال صفات ہیں صفات نہیں ہیں عام اولیاء کی براہ راست ترقی اپنے اصول یعنی ظلال تک ہوتی ہے ظلال ہی کی وساطت سے وہ انوار صفات کی خوشہ چینی کرتے ہیں انہی انوار ظلال میں اولیاء کی فنا و بقا ہوتی ہے اسی وساطت سے ان کو تقرب الٰہی حاصل ہوتا ہے اور اس تقرب کا نام ولایت ہے لیکن یہ ولایت صغریٰ کہلاتی ہے، ہاں کچھ کامل ترین اولیاء ایسے بھی ہوتے ہیں کہ صاحب شریعت کے اتباع کی وجہ سے ان کو مقام صفات تک بلکہ مرتبہ شیون تک ترقی مل جاتی ہے اور یہی مقام ان کے لئے فنا و بقاء کا مقام ہوتا ہے، مرتبہ صفات کی دو حیثیتیں ہیں (۱) ظہور۔ (۲) بطون۔ ظہور حیثیت تو یہ ہے کہ وہ ذات الٰہی کے ساتھ قائم ہیں۔ یہی ظہور صفات ولایت کبریٰ یعنی ولایت انبیاء ہے اور بطون کی حیثیت کا نام ولایت علیا یعنی ولایت ملائکہ ہے۔

انبیاء کے بعد صدیقین کا مرتبہ ہے صدیقین صحابہ کے متعلق فرمایا ہے، ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ اور صحابہ کے بعد دوسرے صدیقوں کے متعلق فرمایا، وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ صدیق مرتبۂ صفات و شیون کے حجاج کے بغیر خالص ذات ان پر جلوہ پاش ہو جاتی ہے آیت میں آخری دونوں فریقوں کے متعلق کوئی اشارہ نہیں ہے البتہ نور علی نور سے اولیاء کے مراتب وصول کے اختلاف کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس مقام پر ایک نور دوسرے نور سے اوپر ہے درجۂ نورانیت میں بڑا تفاوت ہے۔

يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ اللہ اپنے نور کے ذریعہ سے جس کو چاہتا ہے ہدایت یاب کر دیتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے کہ اللہ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر اس پر اپنے نور کا کچھ حصہ (پرتو) ڈالا، پس جس شخص نے اس نور کا کچھ حصہ پالیا وہ ہدایت یاب ہو گیا اور جس نے نور کا حصہ نہ پایا وہ گمراہ ہو گیا، اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اللہ کے علم پر قلم خشک ہو گیا۔ رواہ احمد و الترمذی، مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مخلوق کو جہالت و گمراہی کے حال میں پیدا کیا۔ اس جہالت کا سرچشمہ عدم ذاتی ہے اس کے بعد اپنے اس نور کا کچھ حصہ اس پر ڈالا۔ یعنی ظلال میں جو نور صفات سے آتا ہے اس نور کا کچھ حصہ مخلوق پر ڈالا جس پر اس نور کا کچھ چمکارا پڑ گیا وہ ہدایت یاب ہو گیا، نہ پڑا تو گمراہ ہو گیا۔ نور پڑنے اور پہنچنے کی صورت یہ ہے کہ جس ذات گرامی کو اللہ نے رحمت عالم بنا کر بھیجا اور اس کے سینے کو کھول دیا اور اس کے دل کے اندر نور حکمت اور ایمان کو بھر دیا اس کی پیروی کی جائے اس کے چمکتے ہوئے نور کا کوئی چمکارا اچن لیا جائے اپنے دل کو اس رحمت عالم کے دل کا آئینہ بنا دیا جائے، تاکہ اپنا دل بھی بقدر نور چینی روشن ہو جائے۔ آدمی تین طرح کے ہیں ایک وہ گروہ ہے جس نے صورت ایمان حاصل کر لی، دنیا میں کفر سے اور آخرت میں دوزخ سے نجات پالی، دوسرا وہ گروہ ہے جس نے حقیقت پالی حقیقت ایمان پانے والوں کے درجات مختلف ہیں۔ تیسرا وہ طبقہ ہے جس نے نور ایمان قطعاً حاصل نہیں کیا، صحیح راستہ سے محروم رہا، اور ادھر ادھر بھٹکتا رہا۔ یہ گروہ اہل ضلالت کا ہے۔

حضرت ابو عنبہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، زمین والوں میں اللہ کے نور کے کچھ ظروف ہیں، یعنی اللہ کے نیک بندوں کے دل، جو دل سب سے زیادہ نرم اور بہت زیادہ پسیجنے والے ہیں، اللہ کو وہ سب سے زیادہ پیارے ہیں۔ رواہ الطبرانی۔

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ اور لوگوں کے فائدے کے لئے اللہ مثالیں بیان کرتا ہے، یعنی وہ عقلی معانی جن کو آدمی حواس کے ذریعہ سے نہیں سمجھتا ان کو سمجھانے کے لئے اللہ محسوس مثالیں دیتا ہے، تاکہ غیر محسوس امور کا انسان کو علم ہو جائے، آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ اپنے اولیاء کو عالم مثال میں ان چیزوں کی تصویریں دکھا دیتا ہے

Marfat.com

جن کی (عالم محسوسات و معقولات میں) کوئی تصویر نہیں اور اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ حق بالکل نمایاں ہو کر ان کے سامنے آجائے اور وہ حقیقت کی صورت دیکھ لیں۔ بات یہ ہے کہ اللہ سے بندے کا قریب ہونا تو قرآن اور حدیث سے ثابت ہے، نوافل کے ذریعہ سے بندہ اللہ کا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، لیکن یہ قرب (جسمانی نہیں، مادی نہیں) بے کیف ہے اس کی کیفیت نہیں بیان کی جاسکتی۔ نہ حواس ظاہری و باطنی سے اس کا احساس کیا جاسکتا ہے نہ عقل نارسا کی علمی رسائی وہاں تک ہے، نہ علم حصولی کا اس سے تعلق ہے نہ اس کا علم، حضوری ہو سکتا ہے[1]، بلکہ عقلی اور حسی علم کے علاوہ براہ راست اللہ کی طرف سے اس کا فیضان ہوتا ہے اسی علم کو بطور کنایہ بیان کیا گیا ہے اس حدیث قدسی میں جس میں اللہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے حتی کنت سمعه الذی یسمع به (میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے) علم وجدانی کے حصول کا براہ راست فیضان کے علاوہ ایک اور ذریعہ بھی ہوتا ہے، عالم مثال میں ان تمام حقائق و معانی کی صورتیں اور جسمانی شکلیں موجود ہیں جن کی اس عالم جسمانی میں کوئی شکل نہیں (مثلاً عداوت، محبت، صداقت، علم، ایمان، جہالت وغیرہ ایسے معانی ہیں جن کی کوئی شکل اس عالم میں موجود نہیں، ہاں ان معانی کے مظاہر موجود ہیں) صوفی عالم مثال میں ظلال کا دائرہ دیکھتا ہے اور صفات کا دائرہ بھی اس کو نظر آتا ہے اور جتنا نوافل کو انابت اور رجوع الی اللہ کے زینے پر آگے بڑھاتا ہے اس کو اپنی ذات دائرہ ظلال کی طرف بڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ آخر دائرہ ظلال میں اس کی ذات مخلوط ہو کر گم ہو جاتی ہے۔ اور دائرے کے رنگ میں ڈوب جاتی ہے اس کے آگے دائرہ صفات کی طرف اس کی سیر شروع ہوتی ہے اور جب حدود صفات تک اس کی رسائی ہو جاتی ہے تو اس وقت وہ اپنی انفرادی ہستی کھو دیتا ہے اور صفات کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ حقیقت میں وہاں کوئی رنگ نہیں ہوتا (رنگ تو عرض کی قسم ہے اور مقولہ کیف سے ہے وہاں تو کوئی کیفیت نہیں) لیکن سمجھانے کے لئے کوئی لفظ نہیں۔ زبان اس حالت کو بیان کرنے سے قاصر ہے اس لئے رنگ کا لفظ استعمال کیا گیا، اللہ نے فرمایا سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ہم ان کو انفسی اور آفاقی نشانیاں دکھاتے ہیں تاکہ ان کو کامل انکشاف ہو جائے کہ اللہ ہی حق ہے (اور اللہ کے سوا ہر چیز باطل اور بے حقیقت)

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۳۵ اور اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے۔ یہ جملہ حالیہ ہے (یعنی ایسا نہیں کہ بغیر علم کے اللہ مثالیں بیان کرتا ہے۔ نہیں ایسا نہیں۔ بلکہ بخوبی کامل علم کی حالت میں اللہ بیان فرماتا ہے۔)

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ ان گھروں میں جن کو بنانے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

بیوت سے مراد ہیں مسجدیں۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ مسجدیں زمین پر اللہ کے گھر ہیں یہ آسمان والوں کی نظر میں ایسی چمکیلی دکھائی دیتی ہیں جیسے زمین والوں کے لئے ستارے مسجدیں بلند کرنے سے مراد ہے مسجدوں کا بنایا جانا، کذا قال مجاہد۔ رفع بمعنی تعمیر آیت وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ میں بھی آیا ہے (جب ابراہیم و اسماعیل بیت اللہ کی دیواریں اٹھارہے تھے، یعنی بنارہے تھے) اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جو اللہ کے (ذکر) کے لئے مسجد بنائے گا اللہ جنت کے اندر اس کے لئے گھر بنادے گا (متفق علیہ من حدیث عثمان)

[1] اگر کسی چیز کا علم اس چیز کے عکس اور صورت کے ذریعہ سے ہو تو اس کو علم حصولی کہتے ہیں علم حصولی میں مبدء انکشاف نفس شئ نہیں ہوتی نہ اصل شے قوت مدرکہ کے سامنے ہوتی ہے بلکہ اس چیز کی صورت نفس مدرکہ کے سامنے آتی ہے اور اس صورت کے ذریعہ سے اصل چیز کا علم ہو جاتا ہے۔ علم حضوری میں ذات شئ قوت مدرکہ کے سامنے ہوتی ہے اور مبدء انکشاف ذات شے ہوتی ہے جیسے ہر شخص اپنے آپ کو بعلم حضوری جانتا ہے ایسا نہیں کہ اپنی ذات کی صورت ذہن میں لائے۔ پھر اس صورت کو اپنی ذات کو جاننے کا ذریعہ بنائے، یہ دونوں قسمیں ذہنی اور دماغی علم کی ہیں خواہ علم حسی جزئی ہو یا کلی عقلی، لیکن حصول علم کا ایک تیسرا ذریعہ متکلمین اور صوفیا کے نزدیک اور بھی ہے جس کو وجدان کہا جاتا ہے وجدان کا تعلق قلب سے ہوتا ہے کشف الہام اور وحی کا موقوف علیہ وجدان ہی ہے اس علم کا فیضان براہ راست قلب پر ہوتا ہے آپ اس کو ایک غیبی نوری چمک یا اشراق قدسی کہہ سکتے ہیں۔ (مترجم)۔

Marfat.com

حسن نے کہا آیت اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس کے گھر کی تعظیم کی جائے، یعنی اس میں بیہودہ بری باتیں نہ کی جائیں، آیت اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ میں پاک رکھنے سے مراد بھی یہی ہے کہ اس میں بری باتیں نہ کی جائیں۔ بغوی نے بروایت صالح بن حبان بریدہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ صرف چار مسجدیں ہیں جن کو پیغمبروں نے بنایا تھا کعبہ کو حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل نے بنایا بیت المقدس کو حضرت داؤد حضرت سلیمان نے بنایا مسجد مدینہ اور مسجد قبا کو رسول اللہ صلعم نے بنایا مسجد قبا وہی مسجد ہے جس کی بنیاد اول دن سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔

میں کہتا ہوں یہ مسجدیں گو بڑی فضیلت رکھتی ہیں لیکن انہی کو خاص طور پر مراد قرار دینے کی کوئی دلیل نہیں۔ فی بیوت کا تعلق گزشتہ عبارت سے ہے یعنی اللہ کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے اللہ کے گھروں میں مشکوٰۃ کی روشنی میرے نزدیک یہ تفسیر کمزور ہے پچھلی عبارت ختم ہو چکی اس میں اللہ نے اپنے نور کو نور مشکوٰۃ سے تشبیہ دی اور مشکوٰۃ کی کچھ صفتیں اور قیدیں ذکر کردیں جو نور کی شدت اور قوت پر دلالت کر رہی ہیں اور اس آیت سے نور کی چمک میں کوئی اضافہ نہیں ہو جاتا اس لئے اس کا تعلق ماقبل سے نہیں ہے یہ شبہ بھی بے بنیاد ہے کہ مسجدوں کی قندیلیں زیادہ روشن اور چمکیلی ہوتی ہیں سرمایہ داروں کے مکانوں کی قندیلیں تو مساجد کی قندیلوں سے کہیں زیادہ چمکیلی اور روشن ہوتی ہیں۔

اس لئے زیادہ مناسب یہ ہے کہ فی بیوت کو یهدی اللہ لنورہ سے وابستہ قرار دیا جائے اکثر ہدایت الہیہ مسجدوں کے اندر اعتکاف کرنے والوں اور نماز ادا کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا نماز مومن کی معراج ہے۔ یہ بھی ارشاد فرمایا بندہ اپنے رب سے بہت زیادہ قریب سجدہ کی حالت ہوتا ہے لہٰذا تم (سجدہ میں) دعا بہت کیا کرو رواہ مسلم وابوداؤد والنسائی عن ابی ہریرہؓ

یہ بھی ممکن ہے کہ فی بیوت کا تعلق امر محذوف سے ہو یعنی اللہ کے گھروں میں اللہ کی پاکی بیان کرو۔

وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهٗ 　اور اللہ نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ ان کے اندر اللہ کا نام دیا کیا جائے۔ نماز میں ہو یا نماز سے باہر۔

حضرت ابن عباسؓ نے (ذکر اسم کی تفسیر کرتے ہوئے) فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کی جائے۔

يُسَبِّحُ لَهٗ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ 　صبح و شام ان مسجدوں میں اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں کچھ لوگ۔

اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ صبح شام کی تسبیح سے پانچوں فرض نمازیں، مسجدوں کی تعمیر انہی نمازوں کی ادائیگی کے لئے کی جاتی ہے فجر کی نماز صبح کی تسبیح ہے اور باقی چاروں نمازیں شام (یعنی پچھلے وقت) کی نمازیں۔ آصال اصل کی جمع ہے یعنی شام (یا پچھلا دن) بعض نے کہا صرف فجر اور عصر کی نمازیں مراد ہیں ان اوقات کی نمازوں کی اہمیت بہت زیادہ ہے فجر کا وقت سونے کا وقت ہے اور عصر کا وقت بازاروں میں کاروبار کا وقت۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جس نے دونوں ٹھنڈی نمازیں پڑھیں وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ رواہ مسلم من حدیث ابی موسیٰ اللہ نے فرمایا ہے حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى سب نمازوں کی پابندی کرو (خصوصاً) درمیانی نماز (یعنی عصر) کی۔

بغوی نے لکھا ہے ایک روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ صبح کی تسبیح سے چاشت کی نماز مراد ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص باوضو فرض نماز کے لئے چل کر جاتا ہے اس کا ثواب محرم حاجی کی طرح ہوتا ہے اور جو چاشت کی نماز کی غرض سے چل کر جاتا ہے اور صرف چاشت کی نماز کا ارادہ ہی اس کو کھڑا کرتا ہے اس کا ثواب عمرہ کرنے والے کے ثواب کے برابر ہوتا ہے اور (ایک) نماز کے پیچھے (دوسری) نماز علیین میں لکھ دی جاتی ہے۔

بغوی اور طبرانی نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے جو شخص فرض نماز کے لئے پیدل چل کر گیا تو (اس کا یہ عمل) ایسا ہے جیسے ایک حج کرنا اور جو شخص نفل نماز کے لئے پیدل چل کر گیا تو یہ نماز نفل عمرہ کی طرح ہوگی۔

Marfat.com

رِجَالٌ مرد، عورتوں سے قطع نظر کر کے خصوصیت کے ساتھ مردوں کا تذکرہ اس لئے کیا کہ عورتوں پر مسجد کے اندر جا کر نہ جمعہ لازم ہے نہ جماعت کی نماز۔ یا یہ وجہ ہے کہ عام طور پر عورتوں پر جہالت اور غفلت چھائی رہتی ہے۔

لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ان کو اللہ کی یاد سے نہ کوئی تجارت غافل بناتی ہے نہ بیع۔

تجارت کا لفظ خرید و فروخت دونوں کو شامل ہے اس لئے لفظ تجارت کے بعد لفظ بیع کی ضرورت نہ تھی لیکن خرید سے فروخت کی زیادہ اہمیت ہے خریدنے میں تو نفع کی امید ہوتی ہے اور فروخت میں فائدہ (سامنے ہوتا ہے اس لئے) یقینی ہوتا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وضع لغوی کے لحاظ سے اگرچہ تجارت میں خرید و فروخت دونوں داخل ہیں لیکن اس جگہ تجارت کے مقابلہ میں بیع کا لفظ ذکر کیا گیا ہے اس لئے تجارت سے مراد ہے خرید۔ اور اشتراء کو چھوڑ کر لفظ تجارت کو اس لئے اختیار کیا کہ اشتراء (خرید) سے تجارت کا آغاز ہوتا ہے۔

بعض اہل علم نے کہا کہ تجارت سے مفید لین دین مراد ہے اور اسکے بعد بیع کا خصوصی ذکر بیع کی اہمیت دکھانے کے لئے کیا گیا ہے۔ فراء نے کہا تجارت کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو باہر سے مال لانے والے ہیں اور بیع کا تعلق دست گردان بیع سے ہے۔

ذکر اللہ سے مراد ہے نماز پڑھنے کے لئے مسجدوں میں آنا۔ بغوی نے بروایت سالم حضرت ابن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ میں بازار میں تھا اتنے میں نماز کی اقامت ہوئی لوگ اٹھ کر دکانیں بند کر کے مسجد میں چلے گئے انہیں کے متعلق آیت لاتلهيهم تجارة ولابيع الخ نازل ہوئی۔

یا ذکر اللہ سے مراد ہے اللہ کی عمومی یاد اور مالک سے لو لگانا اس وقت ذکر اللہ کا لفظ عام ہوگا اس کے مصداق وہ لوگ بھی ہوں گے جو سب سے کنارہ کش ہو کر سارے دنیوی دھندوں کو چھوڑ کر ہر وقت طاعت الٰہی میں ڈوبے رہتے ہیں اور وہ لوگ بھی مصداق قرار پائیں گے جنہوں نے دنیوی معاملات ترک نہیں کئے لیکن تجارت وغیرہ میں مشغول رہنے کے باوجود تجارت نے ان کے دل کو اللہ کی یاد سے غافل نہیں بنایا وہ باہمہ بھی ہیں اور بے ہمہ بھی۔ ظاہر میں لوگوں کے ساتھ دنیوی مشاغل میں ہیں اور باطن میں اپنے خالق کے ساتھ ساری مخلوق سے بے نیاز۔

وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ اور نماز قائم کرنے سے بغوی نے لکھا ہے کہ نماز قائم کرنے سے مراد ہے مقررہ اوقات میں نماز ادا کرنا مقررہ وقت سے نماز کو مؤخر کرنے والا نماز کو قائم کرنے والا نہیں ہوتا۔

وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ اور (فرض) زکوٰۃ ادا کرنے سے نہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب ادائے زکوٰۃ کا وقت آجاتا ہے تو وہ زکوٰۃ کو روکتے نہیں (فوراً ادا کر دیتے ہیں) بعض علماء کا قول ہے زکوٰۃ سے تمام اچھے اعمال مراد ہیں۔

يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ایسے دن کی (دار و گیر) سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جائیں گی۔

تتقلب یعنی مضطرب ہو جائیں گے اور ہول کی وجہ سے حالت غیر ہو جائے گی۔ بعض نے تتقلب کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ کافروں کے دل اس کفر و شرک سے پلٹ جائیں گے جس پر دنیا میں قائم تھے اور ان کی آنکھوں سے پردے ہٹ جائیں گے اور وہ چیزیں ان کو دکھائی دیں گی جو کبھی نہ دیکھی ہوں گی بلکہ خیال و گمان میں نہ آئی ہوں گی رہے مومن تو پہلے وہ (جنت کی موجود نعمتوں پر) قناعت کئے ہوئے ہیں پھر ان کے دل اور آنکھیں پلٹا کھائیں گی اور وہ اپنے رب کو چودھویں کے چاند اور چوتھی ساعت کے آفتاب کی طرح اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

بعض نے کہا خوف و امید کی وجہ سے مومنوں کے دل الٹ پلٹ ہوں گے ہلاکت کا خوف ہوگا اور نجات کی امید ہوگی۔ آنکھیں گرد و پیش کی طرف دیکھ کر چکرائیں گی اور ہر طرف پلٹ کر دیکھیں گی کہ کس طرف سے پکڑ ہوتی ہے دائیں جانب سے یا بائیں جانب سے اور کس رخ سے اعمال نامہ ملتا ہے سیدھی طرف سے یا الٹی طرف سے یا پیچھے سے، بعض اہل علم نے کہا خوف

Marfat.com

کی وجہ سے دل الٹ پلٹ ہوں گے اور گلے تک آکر پھنس جائیں گے۔نہ نیچے اتر سکیں گے نہ اوپر آکر نکل سکیں گے اور حالات کی ہولناکی دیکھ کر آنکھیں پتھرا جائیں گی۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ تاکہ اللہ ان کو ثواب عطا کرے اس جملہ کا تعلق یسبح یا لاتلھیھم سے ہے اور یہ کلام سابق کی غایت وغرض ہے۔یا اس کا تعلق یخافون سے ہے اس وقت لام عاقبت ہوگا کلام سابق کی علت وغایت بیان کرنے کے لئے نہ ہوگا کیونکہ خوف غیر اختیاری چیز ہے اور علت وغایت اختیار افعال کی ہوتی ہے۔

اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا بہترین ثواب یا اچھے اعمال کا ثواب مؤخر الذکر ترجمہ پر احسن (اسم تفضیل) بمعنی حسن (صفت مشبہ) کے ہوگا۔

وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اور ہر (عمل کے ثواب کا جتنا) اس نے وعدہ کر رکھا ہے اپنی مہربانی سے اس سے زیادہ کردے (اتنا زیادہ کردے) کہ ان کے خیال میں بھی نہ آیا ہو۔

وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۳۸ اور اللہ بے گنتی (یعنی بے نہایت) عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا

اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے کسی چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت کہ پیاسا (آدمی دور سے) اس کو پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچا تو اس کو (اپنے گمان کے موافق) کچھ بھی نہ پایا۔

یعنی کافروں کے اعمال (قیامت کے دن) ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے کیونکہ وہ سراب کی طرح (بے حقیقت) ہوں گے۔سراب اس سفید ریت کو کہتے ہیں جو ریگستانی میدان میں دوپہر کے وقت دھوپ میں آب رواں کی طرح دور سے نظر آتی۔

قیعہ اور قاع (مفرد) میدان اس کی جمع قیعان آتی ہے اور قویع صیغۂ تصغیر ہے بعض کے نزدیک قیعة قاع کی جمع ہے۔کافر قیامت کے دن سخت ناکام ہوگا اس کو تشبیہ اس پیاسے سے دی جو پانی کا سخت ضرورت مند ہو اور سراب کو آب سمجھ کر نامراد ہو جائے۔

اذا جاءہ یہاں تک کہ اس ریت کے پاس جس کو پانی خیال کیا تھا پہنچ جائے یا سراب کے مقام پر پہنچ جائے۔

لم یجدہ شیئا یعنی گمان کے مطابق اس کو کچھ نہ ملے۔

وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ اور اس کے پاس اللہ کی قضا کو پایا پھر اللہ نے اس کی عمر کا حساب کتاب برابر چکا دیا۔

ووجد اللہ عندہ یعنی اس نے اللہ کا عذاب اپنے پاس پایا اور اللہ نے اس کے اعمال کے مطابق پورا پورا بدلہ دیا۔

ایک شبہ

وجد کا فاعل ظمان ہے (لیکن اس صورت میں مطلب خبط ہو جاتا ہے) پیاسے کا سراب کے پاس اللہ کا عذاب پانا ایک بیکار بات ہے۔(حقیقی مراد تو یہ ہے کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے جاکر کافر اپنی سزا پائے گا لیکن کافر کی طرف وجد کی ضمیر راجع نہیں ہے)۔

ازالہ

میرے نزدیک اس شبہ کے دو جواب ہو سکتے ہیں۔

(۱) قیامت کے دن کافر سخت پیاسا ہوگا آگ بصورت آب اس کے سامنے آئے گی وہ آگ کو پانی سمجھے گا اور اس کی

Marfat.com

طرف دوڑے گا لیکن وہاں اس کو اللہ کا عذاب بصورت آتش ملے گا اور اپنی خیالی مراد نہیں ملے گی۔

(۲) عذاب سے مراد (آخرت کا عذاب نہیں ہے بلکہ) وہ دکھ اور نامرادی مراد ہے جو سخت پیاسے کو سراب پر پہنچ کر حاصل ہوتی ہے اور اس سارے دکھ کی بنیاد اس کی بداعمالیاں ہوتی ہیں اللہ نے فرمایا ہے تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی کرتوت کے بدلہ میں پہنچتی ہے اور اللہ تمہارے بہت سے جرائم سے درگزر فرماتا ہے (ورنہ پوری بداعمالیوں کی سزا تو دنیا ہی میں اس سے کہیں زیادہ ہونی چاہئے) اولیٰ یہ ہے کہ حتی کہ ابتدائیہ قرار دیا جائے اور اس کا تعلق اَعْمَالُهُمْ کَسَرَابٍ سے مانا جائے اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کافر جب قیامت کے دن اپنے اعمال پر پہنچے گا اور اس کا کیا کرایا سامنے آئے گا۔ تو وہاں سوائے اللہ کے عذاب کے اور کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ اس وقت جاءہ میں جاء کی ضمیر کافر کی طرف راجع ہوگی ظمان کی طرف راجع نہ ہوگی اور ہ ضمیر مفعول عمل کی طرف لوٹے گی سراب کی طرف نہیں لوٹے گی۔

وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اور اللہ تیزی کے ساتھ حساب لینے والا ہے ایک کے حساب میں مشغولیت اس کو دوسرے کے حساب سے نہیں روکتی۔ اس دنیا کے آدھے دن کے بقدر وقت میں وہ سب بندوں کا حساب لے لے گا۔

اَوْ كَظُلُمٰتٍ یا (ان کے اعمال) تاریکیوں کی طرح ہیں۔

کظلمت کا عطف کسراب پر ہے اور او تخییر کے لئے ہے یعنی مخاطب کو اختیار ہے کہ ان کی بداعمالیوں کو سراب کی طرح سمجھے یا تاریکیوں کی طرح۔ ان کے اعمال قیامت کے دن موجب حسرت اور غیر مفید ثابت ہوں گے اس لئے ان کو سراب کی مانند کہا جاسکتا ہے اور حق کی روشنی سے بالکل خالی ہیں اس لئے ان کو تہ بہ تہ تاریکیاں قرار دیا جاسکتا ہے۔

یا یوں کہا جائے کہ او تنویع کے لئے ہے کیونکہ کافروں کے اعمال دو نوعیتوں کے ہیں کچھ اچھے ہیں جیسے دان خیرات عزیزوں کے ساتھ حسن سلک وغیرہ کچھ برے ہیں اول کو سراب سے تشبیہ دی اور دوسری قسم کے اعمال کو تاریکیوں سے یا یوں کہا جائے کہ او تقسیم کے لئے ہے اور اختلاف وقت کی وجہ سے ان کے اعمال کی تشبیہ بھی مختلف طور پر ہے دنیا میں ان کے اعمال کو اندھیریوں کی مثل قرار دیا اور آخرت میں سراب کی طرح فرمایا۔

فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ (وہ تاریکیاں) جو گہرے سمندر میں ہوں۔

لجی گہرا جہاں پانی بہت ہوتا ہے یہ لفظ لج کی طرف منسوب ہے (لج کا معنی ہے کنڈ، جہاں پانی اکٹھا ہوتا ہے) بیضاوی نے لجی کا ترجمہ کیا ہے (سمندر کا وہ حصہ جہاں) پانی بہت ہوتا ہے نہایہ اور قاموس میں بھی لجی کا معنی معظم الماء بیان کیا گیا ہے بعض نے کہا لجی کا معنی ہے موجزن لہریں مارتا ہوا سمندر۔

يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ جس میں موجوں پر موجیں چڑھی ہوئی ہوں۔

موج وہ لہر جو ہواؤں کے تلاطم سے پانی پر نمودار ہوتی ہے موج پر موج چڑھنے سے مراد ہے پے در پے لہریں چڑھنا۔

مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ (اور) اس لہر پر بادل ہوں، جو ستاروں کی روشنی نیچے نہ پہنچنے دیں۔

ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ یہ تاریکیاں ایسی ہوں کہ ایک کے اوپر دوسری چھائی ہو۔

اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا اگر (ایسی تاریکیوں میں پھنس جانے والا) اپنا ہاتھ (جو اس کے بہت قریب ہے) تاریکی میں باہر نکالے تو ہاتھ بھی اس کو سوجھائی نہ دے۔

اخرج یدہ یکد یرٰیہا یہ سب فاعلی ضمیریں تاریک متواج سمندر میں سفر کرنے اور پھنس جانے والے کی طرف راجع ہیں جس کا ذکر بطور دلالت کلام موجود ہے اگرچہ صراحتہً نہیں ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ کافر کی بداعمالیوں کی تاریکیاں اس کے دل پر تہ بہ تہ چڑھی ہوئی ہیں جو اس کو ادراک حق اور ہدایت کو قبول کرنے سے روکتی ہیں قلبی انکار حق ایک تاریک موجزن سمندر ہے جس پر گناہوں کی تہ در تہ تاریکیاں سمندر کی اٹھتی ہوئی لہروں کی طرح چھائی ہوئی ہیں پھر دل پر گمراہی کی مہر اور چھاپ اس (کالے) بادل کی طرح ہے جو سمندر کی موجوں کے اوپر چھایا ہوا ہو۔ کافر جب واضح ترین حقیقت یعنی ایمان و اسلام پر

Marfat.com

غور کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو (دل کی تہ بر تہ تاریکیوں میں) دیکھ نہیں پاتا، تمام انبیاء کا انکار کرتا ہے باوجودیکہ ان کے معجزات واضح طور پر نظر کے سامنے ہوتے ہیں اور پتھروں کو جو ساری کائنات عنصری میں پست ترین درجہ رکھتے ہیں معبود قرار دیتا ہے۔

ع ۱۱

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝ اور جس کو اللہ نے روشنی عطا نہ فرمائی ہو اس کو روشنی نہیں مل سکتی۔

یعنی ہدایت خداداد چیز ہے بلکہ اہل حق کے ساتھ منطقی لوگ جو صغریٰ کبریٰ کو ترتیب دے کر نتیجہ نکالتے ہیں وہ بھی بتوفیق خداوندی اور امر وہی ضروری نہیں کہ مقدمات کے بعد بھی نتیجہ نکل آئے (یعنی فکر و نظر اور استدلال عقلی بھی عطیۂ خداوندی ہے خود عقل بغیر اللہ کی راہنمائی کے صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتی) بہت سے وہ لوگ جو دنیوی معاملات میں بڑے بھولے اور نادان پر آخرت کے معاملات میں بہت تیز اور ہوشیار ہوتے ہیں اور بکثرت آدمی دنیوی امور میں روشن عقل رکھنے والے مگر آخرت کی طرف سے غافل اور دینی امور میں بے سمجھ جانوروں کی طرح ہوتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا۔ پھر اپنا کچھ نور اس پر ڈال دیا۔ پس جس پر اس کے نور کا کوئی چھینٹا پڑ گیا وہ ہدایت یاب ہو گیا اور جس پر نہ پڑا وہ گمراہ ہو گیا اسی لئے میں کہتا ہوں کہ علم خداوندی پر قلم (لکھ کر) خشک ہو گیا (آئندہ تحریر میں تغیر نہ ہوگا)

بغوی نے بحوالہ مقاتل لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول عقبہ بن ربیعہ کے حق میں مواعتبہ دور جاہلیت میں دین حق کا متلاشی تھا ٹاٹ کا لباس پہن رکھا تھا (اور حق کی جستجو میں سرگرداں تھا) لیکن جب اسلام آیا تو اس نے ماننے سے انکار کر دیا۔

اَلَمْ تَرَ کیا آپ نے نہیں دیکھا یعنی کیا وحی عقلی، استدلال اور کشف کے ذریعہ سے آپ کو ایسا علم نہیں حاصل ہوا جو یقینی و پختگی میں مشاہدۂ چشم کی طرح ہو۔

اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ کہ اللہ کی (تمام عیوب و نقائص سے) پاکی بیان کرتے ہیں یعنی اس کی پاکی کی شہادت دے رہے ہیں۔

مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ (فرشتے اور اللہ کی غیبی مخلوق) جو آسمانوں میں ہے

وَالْاَرْضِ اور جو زمین میں ہے یعنی انسان جن اور دوسری مخلوق کائنات سماوی و ارضی سے مراد ہے ساری مخلوق۔

من کا لفظ جو اہل عقل کے لئے خاص ہے) اس جگہ استعمال کیا گیا، صرف اس لئے کہ اہل عقل کی شہادت غالب حیثیت رکھتی ہے۔

وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ اور پرندے بھی جب کہ وہ (ہواہیں) پر پھیلائے ہوئے ہوں۔

صافات کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا کہ جو پرندے زمین پر ہیں وہ تو من فی السموت و الارض کے ذیل میں شامل ہی تھے اگر صافات کی قید ذکر نہ کی جاتی تو والطیر کا لفظ سوائے تکرار ذکر کے اور کوئی فائدہ نہ دیتا۔

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (پاکی بیان کرنے والوں میں سے) ہر ایک اپنی دعا اور پاکی بیان کرنے سے واقف ہے (یعنی تقدیس و تسبیح و دعا کا طریقہ اس کو معلوم ہے) صلوٰۃ سے مراد ہے دعا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہر پاکی بیان کرنے اور دعا کرنے والے کی تسبیح و دعا کو اللہ جانتا ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۴۱ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور آسمانوں کا اور زمین کا ملک اللہ ہی کا ہے وہی مالک ہے وہی خالق ہے آسمان و زمین اور ان کی اندرونی کائنات خواہ ذوات (جواہر) ہوں یا صفات یا افعال سب کا پیدا کرنے والا اور مالک وہی ہے۔

وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝۴۲ اور اللہ ہی کی جانب ہے سب کی واپسی وہی ہر ایک کو اس کے عمل کے موافق بدلہ دے گا۔ یہاں تک کہ سینگوں والی بکری سے منڈی بکری کو بدلہ دلوائے گا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ بادلوں کو ہنکاتا ہے۔

Marfat.com

تزجیہ کسی چیز کو دھکا دینا، بضاعۃ مزجاۃ (حقیر پونجی) جس کو ہر شخص پھینک دیتا ہے (یعنی ناقابل قدر سمجھتا ہے)

ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ پھر اس کو (یعنی اس کے متفرق منتشر ٹکڑوں کو یکجا کر کے) جوڑتا ہے۔

ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا پھر اس کو تہ بر تہ بنا دیتا ہے۔

فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ پھر اسکے شگافوں سے (موسلادھار) بارش تم کو نکلتی دکھائی دیتی ہے۔

وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ بَرَدٍ اور آسمان سے یعنی آسمان میں موجود پہاڑوں سے اولے اتارتا ہے ایک ترجمہ یہ بھی کیا گیا ہے کہ آسمان، سے اولوں کے (بڑے بڑے تودوں کے) پہاڑ اتارتا ہے۔ اول ترجمہ پر من السماء اور من جبال میں من ابتدائیہ ہوگا اور من برد میں من بیانیہ

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ نے اس آیت میں اطلاع دی ہے کہ آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں دوسرے ترجمہ کی بناء پر من جبال من برد مفعول ہوگا یعنی اولوں کے بڑے بڑے تودے جو پہاڑوں کی طرح ہوتے ہیں اللہ اوپر سے اتارتا ہے۔

فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۭ پھر اس کو جس (کی جان و مال) پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے ہٹانا چاہتا ہے ہٹا دیتا ہے۔ یعنی جس کی کھیتیاں اور مال اولوں سے تباہ کرنا چاہتا ہے تباہ کر دیتا ہے اور جس سے (اولوں کے رخ کو) پھیرنا چاہتا ہے پھیر دیتا ہے اس کو ژالہ باری سے نقصان نہیں پہنچتا۔

يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ۞ (ایسا لگتا ہے کہ) عنقریب بادل کی بجلی کی چمک نگاہوں کو (جھپک) لے جائے گی۔

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اللہ رات اور دن کو الٹ پلٹ کرتا ہے، یعنی دن کے بعد رات آتی ہے اور رات کے بعد دن اور دن رات کا گھٹاؤ بڑھاؤ بھی ہوتا رہتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ گرمی، سردی، روشنی اور تاریکی کے لحاظ سے رات دن میں تغیر ہوتا رہتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ نے فرمایا مجھے ابن آدم دکھ پہنچاتا ہے زمانے کو گالیاں دیتا ہے حالانکہ میں ہی زمانہ (کو الٹنے پلٹنے والا) ہوں میرے ہی ہاتھ میں حکم ہے میں ہی رات دن کا ادل بدل کرتا ہوں (رواہ البخاری و مسلم فی صحیحہا)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۞ بلاشبہ ان (مذکورہ واقعات میں بصیرت والوں کے لئے عبرت ہے۔

عبرت سے مراد یہ ہے کہ یہ واقعات ایک خالق قدیم کی ہستی پر دلالت کرتے ہیں جس کی قدرت ہمہ گیر علم محیط کل اور مشیت نافذ ہے وہ کسی کا محتاج نہیں (بلکہ دنیا کا ہر واقعہ اسی کا مرہون قدرت و مشیت ہے۔)

الابصار سے مراد ہے بصیرت اور صحیح فہم

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ اور اللہ ہی نے پیدا کیا ہر رینگنے پھرنے والے جانور کو پانی سے۔

پانی سے مراد ہے وہ پانی جو ہر جانور کے خمیری مادے میں داخل ہے یا نطفہ مراد ہے اس صورت میں کل جانور مراد نہ ہوں گے، کیونکہ بعض جانور بغیر نطفہ کے پیدا ہوں گے لیکن اکثریت انہی جانداروں کی ہے جن کی تخلیق نطفہ سے ہوتی ہے اس لئے بطور تغلیب لفظ کل استعمال کیا۔ ملائکہ اور جن دابہ میں شامل نہیں ہیں۔ بعض اہل علم نے کہا من ماء کا تعلق خلق سے نہیں ہے بلکہ یہ دابہ کی صفت ہے یعنی جو جانور نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں اللہ ہی ان کا خالق ہے۔

بعض علماء نے کہا تمام (عنصری) مخلوق کی اصل پانی ہی ہے۔[1] بغوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے اول پانی کو پیدا کیا، پھر اس

---

[1] ارسطو اور اس کے پیرو کہتے ہیں کہ ہر جانور کی تخلیق کے اصل ارکان و عناصر چار ہیں پانی ہوا مٹی آگ ؟ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کے کچھ حصہ کو ہوا بنادیا جس سے فرشتے بنے اور کچھ حصہ کو آگ میں تبدیل کردیا جس سے جنات کی تخلیق ہوئی اور کچھ حصہ کو مٹی بنادیا گیا جس سے حضرت آدمؑ کی ساخت ہوئی اور مٹی سے ہی تمام جانور بنائے گئے۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ سو کچھ جانور تو وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں، جیسے سانپ گنڈار وغیرہ۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ اور کچھ دو ٹانگوں سے چلتے ہیں جیسے انسان اور پرندے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ اور کچھ وہ ہیں جو چار ٹانگوں پر چلتے ہیں جیسے چرندے، درندے، چار سے زیادہ پاؤں سے چلنے والے جانوروں کی بھی کچھ قسمیں ہیں جیسے مکڑی کیکڑا وغیرہ ان کا تذکرہ آیت میں اس وجہ سے نہیں کیا کہ ان کی رفتار کی صورت بھی وہی ہوتی ہے جو چوپایوں کی رفتار کی ہوتی ہے (یعنی چلنے میں ان کی گردن اور منہ اوپر کو اٹھا ہوا نہیں ہوتا)

يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اللہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔

یعنی بسائط ہوں یا مرکبات[1] اللہ نے مختلف شکلوں، مزاجوں، طبیعتوں، ہیئتوں کے بنائے ہیں مادہ سب کا ایک ہے لیکن اللہ کی مشیت و مصلحت کے زیر اثر طبیعت، صورت، مزاج اور افعال و حرکات کا تخلیقی اختلاف ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﮁ بلا شک اللہ کے قابو میں سب کچھ ہے اس لئے جو کچھ وہ چاہتا ہے کرتا ہے۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ بیشک ہم (حق کو) واضح کردینے والی آیات (قرآن میں) اتار چکے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس عالم وجود میں جو وجود حقیقی کے سایہ اور پرتو کی طرح ہے ایسی دلائل کھول کر ہم نے ظاہر کردی ہیں جو خالق علیم و حکیم کی ہستی کی شہادت دے رہی ہیں اور حق کو واضح کر رہی ہیں۔

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﮂ اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستہ پر چلاتا ہے یعنی اسلام کے راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرماتا ہے اور یہی راستہ اس کو دوزخ سے بچا کر جنت اور مقام قرب تک پہنچا دیتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ایمان ایک خداداد وہبی چیز ہے بغیر اللہ کی توفیق اور ہدایت کے محض غور و فکر کرنے اور عقلی گھوڑے دوڑانے سے حاصل نہیں ہوتی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ ایک منافق اور ایک یہودی کے درمیان کسی زمین کے متعلق جھگڑا تھا، یہودی چاہتا تھا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ سے کرائے (کیونکہ اس کو یقین تھا کہ محمد ظلم اور حق تلفی نہیں کریں گے) منافق نے کہا اس کا تصفیہ کعب بن اشرف یہودی سے کراؤ محمد ہماری حق تلفی کریں گے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ

اور وہ کہتے ہیں ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لائے اور (دونوں کے) فرماں بردار ہو گئے پھر اس (قول) کے بعد ان میں کا ایک فریق (قبول حق سے جب کہ اس کے خلاف فیصلہ ہو جائے) پھر جاتا ہے۔

---

[1] حکماء یونان کی اصطلاح میں بسیط اس جسم کو کہتے ہیں جس کے ہر جز کا نام اور حقیقت وہی ہو جو دوسرے اجزاء اور اجزاء کے مجموعہ کی ہے جیسے پانی کا ہر قطرہ پانی ہی ہے نہ نام بدلتا ہے نہ حقیقت الگ ہے۔ مرکب وہ جسم ہے جس کے اجزاء کی طبیعتیں الگ الگ ہوں اور ہر جز کا نام بھی جدا ہو جیسے انسان اور دوسرے حیوان آگ پانی مٹی ہوا کا خمیر رکھتے ہیں۔ یہی ان کے اجزاء ہیں اور ہر جز کی حقیقت و ماہیت جدا ہے۔

(گزشتہ سے پیوستہ[1]) (ارسطو اور شیخ ابن سیناء نے انہی کو اسطقسات بھی کہا ہے بعض یونانیوں کا خیال ہے کہ اجزاء تخلیقی دو ہیں۔ بعض نے کہا صرف گیس ہر تخلیق کی بنیاد ہے، پانی مٹی وغیرہ اسی کے روپ ہیں۔

لیکن بعض علمائے اسلام قائل ہیں کہ سنگ بنیاد پانی ہے، پانی جم کر پتھر بنا۔ پانی تحلیل و تبخیر کے ذریعہ ہوا بن گیا۔ پھر ہوا آگ ہو گئی۔ سب حیوانوں کا اصل خمیر پانی ہی ہے اور پانی ہی بنیاد ہے۔

Marfat.com

یقولون یعنی بشر اور اس جیسے دوسرے منافق کہتے ہیں۔
فریق یعنی وہ فریق جو حق پر نہ تھا۔
وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ اور یہ لوگ مومن نہیں ہیں۔
اولئک سے تمام منافقوں کی طرف اشارہ ہے اس جملہ میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ منافق اگرچہ زبانوں سے مومن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ان کے دل مومن نہیں ہیں۔
یا اولئک سے اسی گروہ کی طرف اشارہ ہے جو فیصلہ سے سرتابی کرتا تھا۔
المومنین کے الف لام (عہدی) سے ان مومنوں کی طرف اشارہ ہے کہ جن کی سچائی اور خلوص سے اللہ واقف تھا اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کو مخلص صادق مومن جانتے تھے مطلب یہ ہے کہ یہ منافق سچے پر خلوص مومن نہیں ہیں۔
ابن ابی حاتم نے حسن (بصری) کی مرسل روایت بیان کی ہے کہ بعض (منافق) لوگوں کا اگر کسی سے کچھ نزاع ہوتا تھا اور اس کو رسول اللہ ﷺ سے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کی دعوت دی جاتی تھی تو وہ اگر حق پر ہوتا اور اس کو بجائے خود یہ یقین ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ بہر حال حق فیصلہ کریں گے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جانے اور مقدمہ پیش کرنے پر راضی ہو جاتا تھا لیکن اگر وہ حق پر نہ ہوتا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس معاملہ لے جانے کی اس کو دعوت دی جاتی تو کترا جاتا اور کہتا رسول اللہ ﷺ کے پاس نہیں) فلاں شخص سے چل کر فیصلہ کراؤ۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔
وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اور جب ان کو اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف بلایا جاتا ہے۔
بعض علمائے تفسیر نے اس طرح ترجمہ کیا ہے جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف بلایا جاتا ہے۔ اس صورت میں و رسولہ کا عطف اللہ پر عطف تفسیری ہوگا جیسے محاورہ میں بولا جاتا ہے۔ اعجبنی وکرمہ
لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ تاکہ اللہ کے رسول (حکم خدا کے مطابق) ان کے درمیان فیصلہ کر دیں۔
اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ تو ان میں کا ایک فریق (جو ناحق پر ہوتا ہے رسول خدا کی طرف آنے سے) کتراتا ہے۔
وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ اور ان کا (واقعی) حق ہوتا ہے تو رسول ﷺ کی طرف (دوڑے ہوئے) آتے ہیں۔
مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ حکم کے مطیع ہو کر کیونکہ ان کو یقین ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول کا فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا۔
اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ کیا ان کے دلوں میں کوئی بیماری ہے یعنی کفر اور حق تلفی کی طرف میلان قلبی ہے۔
اَمِ ارْتَابُوْٓا یا شک میں پڑ گئے ہیں یعنی آپ کی طرف سے کوئی بات شک آفریں انہوں نے دیکھ لی ہے۔ جس کی وجہ سے آپ پر ان کا یقین جاتا رہا ہے۔ اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ
یا ان کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کی حق تلفی کرے گا۔ (اور غلط فیصلہ کرے گا)
بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ بلکہ (مؤخر الذکر دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہیں۔ کھوٹ انہی کے دلوں کے اندر ہے) وہی ظالم ہیں۔ اپنی جانوں پر بھی ظلم کرتے ہیں کہ دل سے ایمان نہیں لاتے اور اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کو نہیں مانتے اور دوسرے لوگوں پر بھی ظلم کرتے ہیں کہ بغیر استحقاق کے لوگوں کا مال ہڑپ کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ کے رسول کے فیصلہ سے باز رہنے کی تین وجوہ آیت مذکورہ میں بیان کیں پھر آخری دونوں وجہوں کی نفی کر کے اول وجہ کو ثابت کر دیا۔ لفظ بل میں آخری دونوں شقوں سے اعراض اور اول شق کا اثبات ہے۔ بات یہ ہے کہ منافقوں کا رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کرانے پر راضی نہ ہونا تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ کی بناء پر ہو سکتا تھا۔ (۱) یا تو کوئی خرابی خود انہی کے اندر ہو (۲) یا حکم میں کوئی نقص ہو (۳) حاکم کے اندر عیب ہونے کی دو صورتیں ہو سکتی تھیں ایک یقینی نقص، اور دوسرا اندیشۂ حق تلفی۔ پیغمبر کی

Marfat.com

عظمت، نبوت اور عدل وامانت کا تقاضا یہ ہے کہ نہ آپ کی ذات قابل شک اور نہ فیصلہ محل تہمت اس لئے دونوں آخری شقوں کی نفی یقینی ہے اور صرف اول ہی شق کا ثبوت محقق ہے آخری دونوں صورتوں کی نفی کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب ان کا حق واقعی ہوتا ہے تو (انصاف ملنے کا یقین رکھتے ہوئے) اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرتے ہیں قرآن کا اسلوب بیان اور طریقۂ تعبیر یہ ہے کہ منافقوں اور کافروں کے پہلو بہ پہلو مخلص مومنوں کے حالات کا بھی اظہار کرتا ہے اسی لئے اگلی آیت میں مخلص مومنوں کا ذکر فرمایا ہے۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵۱ مسلمانوں کا قول اس وقت جب ان کو (کسی معاملہ میں) اللہ اور اسکے رسول کی طرف فیصلہ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے۔ بس یہ ہوتا ہے کہ وہ (خوشی خوشی) کہہ دیتے ہیں ہم نے سن لیا اور اس کو (تہ دل سے) مان لیا ایسے ہی لوگ (آخرت میں) فلاح پانے والے ہیں۔

المومنین سے مراد مخلص مومن ہیں اولئک یعنی جو لوگ ان اوصاف کے حامل ہیں وہ سب۔ ھم المفلحون وہی بامراد ہوں گے ان کے علاوہ دوسرے فلاح یاب نہ ہوں گے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا حضرت ابن عباس نے فرمایا خواہ اس فرماں برداری میں اس کو دکھ پہنچے یا خوشی حاصل ہو۔

وَيَخْشَ اللّٰهَ اور اللہ سے ڈرتا رہے گا یعنی اپنے کئے ہوئے گناہوں کی پکڑ کا اور اللہ کے حکم کے خلاف کرنے کا اس کو ڈر لگا رہے گا۔

وَيَتَّقْهِ اور اللہ (کے عذاب) سے خوف رکھے گا۔ یعنی اللہ کے احکام وحدود کی پابندی کرے گا تعمیل اوامر کرے گا اور ممنوعات سے بچتا رہے گا۔

فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝۵۲ سو ایسے ہی لوگ کامیاب ہوں گے دوامی سکھ اور اللہ کی خوشنودی ان کو ملے گی۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۭ اور وہ اللہ کی پختہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر آپ ہم کو (جہاد کے لئے یا گھر بار اور مال متاع چھوڑ کر) نکلنے کا حکم دیں گے تو ہم ضرور ضرور نکل کھڑے ہوں گے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ منافق، رسول اللہ ﷺ سے کہا کرتے تھے کہ آپ جہاں ہوں گے ہم آپ کے ساتھ ہوں گے اگر آپ (غزوات یا جہاد کے لئے) نکلیں گے تو ہم آپ کے ساتھ نکلیں گے، اگر آپ (کہیں) قیام کریں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ ٹھہر جائیں گے (آپ کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے) اگر آپ ہم کو جہاد کا حکم دیں گے تو ہم جہاد کریں گے۔

قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ (جھوٹی) قسمیں نہ کھاؤ تمہاری فرماں برداری (کی حقیقت) معلوم ہے۔

مجاہد نے کہا طاعت معروفہ سے مراد ہے کہ تمہاری اطاعت محض زبانی ہے دلی اعتقاد کے ساتھ نہیں ہے تمہاری اس طاعت کی حقیقت معلوم ہے کہ تم جھوٹ بولتے ہو اور ایسی بات کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے۔ بعض اہل تفسیر نے طاعۃ معروفۃ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ کھلی ہوئی خالص اطاعت زبانی خلاف ورزی سے بہتر اور افضل ہے۔

مقاتل نے یہ تاویل کی کہ تمہاری طرف سے اچھی طاعت ہونی چاہئے (یعنی فصل محذوف ہے) بعض نے کہا آیت کا مطلب اس طرح ہے کہ تم سے اطاعت کرنے کی قسمیں مطلوب نہیں بلکہ طاعت معروفہ مطلوب ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۵۳ حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے

Marfat.com

تمہاری چھپی ہوئی باتیں بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

قُلْ آپ کہہ دیجئے خطاب کی تکرار مفید تاکید ہے۔

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ اب اگر تم روگردانی کرو گے تو رسول پر وہ (فرض) لازم ہے جس کا بار اس پر ڈالا گیا ہے (یعنی تبلیغ احکام) اور تم پر وہ (فرض) لازم ہے جس کا بار تم پر ڈالا گیا ہے یعنی تعمیل حکم۔

فانما شرط محذوف کی جزا ہے اصل مطلب یہ ہے کہ اگر تم نہ مانو گے اور روگردانی کرو گے تو خود نقصان اٹھاؤ گے۔ رسول کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ کیونکہ رسول کے ذمے جو فرض عائد کیا گیا ہے اس کو تو انہوں نے ادا کر دیا اور تم پر جو فریضہ لازم کیا گیا ہے تم نے اس کو ادا نہیں کیا اس لئے نقصان تمہارا ہی ہوگا۔

وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا اور اگر تم رسول کے حکم پر چلو گے تو ہدایت پاؤ گے حق کا راستہ تم کو مل جائے گا اور جنت تک پہنچ جاؤ گے۔

وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾ اور رسول کے ذمہ صرف (ان احکام کو) واضح طور پر کھول کر پہنچا دینا ہے۔ جن کا تم کو مکلف کیا گیا ہے۔

البلاغ (مصدر متعدی) پہنچانا) المبین واضح کر دینے والا یعنی احکام تکلیفیہ کو کھول کر بیان کرنے والا۔

طبرانی اور حاکم نے حضرت ابی بن کعب کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام (یعنی مہاجرین) مدینہ میں تشریف لے آئے اور انصار نے ان کو ٹھہرنے کا ٹھکانہ دے دیا تو سارا عرب ان کا دشمن ہو گیا (ہر طرف سے ان کو ہر وقت خطرہ رہتا تھا) بغیر اسلحہ کے نہ ان کی رات گزرتی تھی نہ صبح ہوتی تھی ان کو ہوک اٹھتی تھی کہ کاش (کبھی) ایسی زندگی بھی ہم کو میسر ہو جائے کہ امن و چین کے ساتھ ہماری راتیں گزریں اور سوائے اللہ کے ہم کو کسی کا خوف نہ ہو اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اللہ نے (ان کے متعلق) وعدہ کر لیا ہے کہ زمین پر ان کو خلیفہ (جانشین یعنی حاکم اور بادشاہ) ضرور بنائے گا۔

مومنوں سے مراد ہیں وہ مدینہ والے مومن جو نزول آیت کے وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے عام مومن مراد نہیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے پختہ وعدہ کر لیا ہے کہ ان نیکوکار مومنوں میں سے بعض کو عرب و عجم کی زمین کا مالک بنائے گا اور ان کو واجب الطاعت بادشاہ اور حاکم ضرور کر دے گا۔

یا یہ مطلب ہے کہ ان سب کو زمین پر ایسا تصرف عنایت کرے گا جیسا بادشاہوں کو اپنے غلاموں پر ہوتا ہے۔

كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ جیسے ان سے پہلے (نیکوکار ایمان دار) لوگوں کو اس نے خلیفہ بنایا تھا (مثلاً حضرت داؤد، حضرت سلیمان وغیرہ)

قتادہ نے آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل کو جیسے اللہ نے خلافت عطا کی۔ مصر اور شام میں بڑے بڑے بادشاہوں اور ان کو فتح عنایت کی اور ان کے ملک و مال کا بنی اسرائیل کو وارث بنایا اور موسیٰ سے اللہ نے توریت میں ملک شام کی فتح کا وعدہ کیا تھا وہ پورا کیا لیکن حضرت موسیٰ کی زندگی میں وہ وعدہ پورا نہیں کیا گیا۔ بلکہ چالیس سال تک بنی اسرائیل اپنی سرتابی اور نافرمانی کی وجہ سے معتوب رہے) اللہ نے فرمایا ہے اِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ بلکہ حضرت یوشع بن نون کے ہاتھوں اس فتح کی تکمیل ہوئی اور حضرت موسیٰ کی وصیت کے موافق

Marfat.com

حضرت یوشع نے ہی بنی اسرائیل کو ملک تقسیم کیا۔ اسی طرح اللہ نے رسول اللہ ﷺ سے بھی وعدہ فرمایا کہ دین اسلام کو ہر مذہب پر غلبہ عنایت فرمائے گا اور ملک شام کی حکومت عطا فرمائے گا۔ آیت غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ کی قرأت مشہورہ تو وہی ہے جو قرآن میں پڑھی جاتی ہے لیکن ایک اور قرأت میں غلبت الروم اور سیغلبون آیا ہے اس قرأت کا یہ مطلب بیان کیا گیا ہے کہ قریب زمین پر رومی غالب آگئے اور فارس میں غالب آنے کے بعد چند سال ہی میں یہ مغلوب ہو جائیں گے اور مسلمان ان پر غالب آجائیں گے۔ یہ فتح رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں تو حاصل نہیں ہوئی (جیسے حضرت موسیٰ کی زندگی میں بنی اسرائیل کو شام کی فتح حاصل نہیں ہوئی تھی) لیکن حضور گرامی ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے بنی حنیفہ (یعنی مسیلمہ کے لشکر) سے اور عرب مرتدوں سے جہاد کیا اور غلبۂ روم سے نو سال بعد حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں اللہ نے فتح شام مرحمت فرمائی۔ حدیبیہ کے سال ۶ھ میں رومی غالب آئے تھے اس کے نو سال بعد مسلمانوں نے ملک شام ان سے چھین لیا اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام سے عراق پر لشکر کشی کرنے کا مشورہ کیا حضرت علیؓ نے اسی آیت کو ثبوت میں پیش کرتے ہوئے جہاد کا مشورہ دیا۔ حضرت علیؓ کا یہ مشورہ اہل سنت کی متعدد کتابوں میں منقول ہے اور شیعی کتب میں سے نہج البلاغۃ میں بھی حضرت علی کا اسی آیت سے یہ استنباط مذکور ہے بروایت نہج البلاغۃ حضرت علیؓ نے فرمایا اس کام (دین) کی کامیابی یا ناکامی تعداد کی قلت و کثرت پر موقوف نہیں ہے یہ تو اللہ کا دین ہے جس کو اس نے غالب بنایا ہے اور (یہ) اللہ کا لشکر ہے جس کو اس نے غلبہ عنایت کیا ہے اور مدد فرمائی ہے یہاں تک کہ جہاں سے نکلا نکلا اور جہاں پہنچا پہنچا۔ اللہ نے خود فرمادیا وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ الخ پس اللہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا اور اپنے لشکر کو ضرور فتح یاب بنائے گا۔

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ اور جس دین کو اللہ نے ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ضرور ضرور جماؤ عطا کرے گا۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس کی تشریح میں فرمایا ان کو ملکی وسعت عطا کرے گا۔ دوسرے ممالک پر ان کا قبضہ ہو جائے گا اور اپنے دین کو تمام مذاہب پر غالب کرے گا۔

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ اور خوف کے بعد بجائے خوف کے ان کو امن عنایت کرے گا۔

يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وہ میری عبادت کریں گے کسی چیز کو میرا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

یعبدوننی امنوا کی ضمیر سے حال ہے کیونکہ اللہ کا وعدہ استخلاف توحید پر قائم رہنے کے ساتھ مشروط ہے یا علیحدہ جملہ ہے جس میں استحقاق خلافت کی علت بیان کی گئی ہے۔

ابو العالیہ نے کہا اللہ نے اپنے نبی کو جزیرۃ العرب پر اقتدار عطا فرمادیا۔ سب عربوں نے ہتھیار رکھ دیئے اور مسلمان ہوگئے۔ وفات رسول اللہ ﷺ تک مسلمان اسی چین سے رہے پھر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے دور میں بھی امن و چین کی یہی حالت قائم رہی اور حضرت عثمانؓ کا دور خلافت بھی اسی طرح گزر گیا آخر جس (خانہ جنگی کی مصیبت) میں پھنسنا تھا پھنس گئے اور اللہ کی نعمت کے شکر گزار نہ رہے۔

ابو العالیہ کا بیان ہے کہ نزول وحی کے بعد رسول اللہ ﷺ مکہ میں صحابہ کے ساتھ رہے صحابہ کو حکم تھا کہ کافروں کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں پر صبر رکھیں۔ پھر مدینے کو ہجرت کر جانے کا حکم ہو گیا اور لڑنے کا بھی حکم مل گیا لیکن (ہر طرف سے خوف کی یہ حالت تھی کہ) کوئی ہتھیار اپنے بدن سے الگ نہ کرتا تھا آخر ایک شخص نے کہا کیا ہمارے لئے کوئی دن بھی ایسا نہ آئے گا کہ ہم امن سے رہیں اور ہتھیار کھول دیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ حضرت براء نے فرمایا یہ آیت ہمارے متعلق نازل ہوئی تھی ہم سخت خوف کی حالت میں تھے

Marfat.com

پھر اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور خوف کی بجائے امن عطا کیا اور زمین پر ان کو پھیلا دیا (یعنی ملکی فتوحات عطا فرمادیں)۔

اس آیت میں آئندہ واقعہ کے متعلق پیشن گوئی ہے (جو صحیح ثابت ہوئی) اس لئے یہ صداقت نبوت کی دلیل ہے۔ اور خلفائے راشدین کی خلافت کی حجت پر بھی یہ آیت دلالت کر رہی ہے اگر خلفائے راشدین کی خلافت مراد نہ ہو تو وعدۂ الٰہی میں کذب لازم آئے گا کیونکہ سوائے خلافت راشدہ کے زمانہ کے موعود (فتوحات ملکیہ) اور موعود لہم (مومنین صالحین) یکجا جمع نہ ہوئے اس سے اہلسنت کے مسلک کی صداقت واضح ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دین اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے اور رافضیوں کا یہ قول غلط ہو جاتا ہے کہ آئمہ آج تک خوف کی حالت میں رہے ہیں یہاں تک کہ دشمنوں کے خوف سے امام مہدی بھی پوشیدہ ہیں۔

لفظ منکم (میں خطاب صحابہ کو ہے اس لئے اس لفظ) سے یہ بھی غلط ثابت ہوتا ہے کہ امام مہدی کے ظہور کے بعد اللہ اپنا وعدہ پورا کرے گا (ابھی تک اس نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا) دین کا ظہور کب اور کیسے ہوگا جب کہ کچھ اوپر گیارہ سو برس تک نہیں ہوا۔ ایسا خیال کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہے پھر ملوکیت ہو جائے گی۔ حضرت سفینہ نے کہا دو سال حضرت ابو بکرؓ خلافت کو تھامے رہے۔ پھر حضرت عمرؓ کی خلافت دس سال رہی پھر حضرت عثمانؓ کی خلافت بارہ سال رہی پھر حضرت علیؓ چھ سال خلیفہ رہے۔

حضرت عدی بن حاتم نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور اس نے فاقہ کی شکایت کی اور دوسرے آدمی نے آکر راستہ لوٹا جانے کا شکوہ کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عدی کیا تم نے حیرہ دیکھا ہے، میں نے عرض کیا میں نے خود نہیں دیکھا البتہ اس کے متعلق سنا ضرور ہے فرمایا اگر تمہاری عمر (کچھ) لمبی ہوئی تو دیکھ لوگے کہ (تنہا) عورت حیرہ سے سفر کرتی ہوئی آئے گی اور کعبہ کا طواف کرے گی اور اس کو سوائے خدا کے کسی سے خوف نہ ہوگا۔ میں نے اپنے دل میں کہا اس وقت بنی طے کے غارت گر کہاں ہوں گے جنہوں نے ملک میں آگ لگادی ہے۔ (حضورؐ نے فرمایا) اگر تیری عمر (کچھ) دراز ہوئی تو کسریٰ کے خزانے تم لوگ فتح کر لوگے۔ میں نے کہا کیا کسریٰ بن ہرمز کے فرمایا کسریٰ بن ہرمز کے (پھر فرمایا) اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو دیکھ لوگے کہ آدمی مٹھی بھر بھر چاندی یا سونا قبول کرنے والے کی تلاش میں لئے پھرے گا (اور کوئی لینے والا نہ ملے گا) اور جس روز آدمی اپنے رب کے سامنے جائے گا اور بندے کے اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا کہ اللہ کا مطلب بندے کو سمجھائے (بلکہ اللہ براہ راست بندہ سے خطاب کرے گا) اور فرمائے گا کیا اپنے احکام پہنچانے کے لئے میں نے تیرے پاس اپنا رسول نہیں بھیجا تھا۔ بندہ کہے گا کیوں نہیں (یقیناً بھیجا تھا) اللہ فرمائے گا کیا میں نے تجھے مال نہیں دیا تھا اور تجھ پر اپنی مہربانی نہیں کی تھی بندہ عرض کرے گا کیوں نہیں (یہ سب کچھ ہوا تھا) اس وقت آدمی اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو جہنم کے سوا اس کو کچھ نہیں دکھائی دے گا اور بائیں طرف دیکھے گا تب بھی جہنم ہی دکھائی دے گا (غرض جہنم میں پھینک دیا جائے گا) حضور ﷺ اقدس نے فرمایا دوزخ سے بچو، خواہ چھوارے کا ایک ٹکڑا ہی خیرات کر کے (یعنی چھوارے کا ایک ٹکڑا غریب کو دینا دوزخ سے بچنے کا سبب بن جائے گا) اگر چھوارے کا ایک ٹکڑا بھی میسر نہ ہو تو (سائل سے) میٹھی بات کہہ کر ہی (دوزخ سے اپنی حفاظت کرو) حضرت عدی نے (اپنے شاگرد سے) فرمایا میں نے تو یہ دیکھ لیا کہ ایک عورت حیرہ سے کعبہ کا طواف کرنے کے لئے چلتی یہاں تک کہ طواف کر لیتی ہے اور (راستہ میں اس کو کسی لٹیرے بدمعاش کا اندیشہ نہیں ہوتا) اللہ کے سوا اس کو کسی کا خوف نہیں ہوتا اور کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کرنے میں تو میں خود شریک تھا۔ آئندہ اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کو بھی صحیح پالوگے کہ مٹھی بھر (سونا چاندی) آدمی لے کر قبول کرنے والے کی تلاش میں نکلے گا اور قبول کرنے والا اس کو نہیں ملے گا۔

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ اور اس کے بعد جو لوگ کفر کریں گے یعنی مومنوں کے صاحب اقتدار اور خلیفہ ارض

Marfat.com

ہاں باندی اپنے آقا اور مالک کے پاس ہر وقت بلا اجازت داخل ہو سکتی ہے کیونکہ وہ تو بیوی کی طرح ہے (جو ننگے کھلے سے واقف ہوتی ہے) بالغ یا قریب البلوغ غلام اپنی مالکہ کے پاس کسی وقت داخل نہیں ہو سکتا (شرعاً مالکہ کو اس سے پردہ کرنا چاہئے) اللہ نے فرمایا ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ الخ اس آیت میں جن مملوک لوگوں کا استثناء کیا گیا ہے ان سے مراد باندیاں ہیں غلام نہیں ہیں۔ اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے یہ مضمون بیان کر دیا ہے۔

جو لڑکا باشعور ہے وہ بغیر اجازت لئے ہر سہ اوقات مذکورہ میں داخل نہیں ہو سکتا اور ان تین اوقات کے علاوہ ہر وقت بغیر اجازت حاصل کئے داخل ہو سکتا ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ ان تین اوقات کے علاوہ (اور کسی وقت بغیر اجازت کے ان غلاموں باندیوں اور خدمتی لڑکوں کے داخل ہونے میں) نہ تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر۔

طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ وہ (یعنی خدمتی لڑکے اور غلام، تمہارے ارد گرد گھومتے ہی رہتے ہیں۔ آتے ہیں جاتے ہیں (ہر بار اجازت لینے میں بڑی دشواری ہے اس لئے اوقات ممنوعہ کے علاوہ وہ بلا اجازت آسکتے ہیں)

بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ تم میں سے بعض بعض کے پاس گھومتے ہی رہتے ہیں۔ اللہ نے اس آیت میں غلاموں اور بچوں کو خطاب میں شریک کر دیا کیونکہ خلط ملط کی کثرت کی وجہ سے گویا سب ایک ہی ہو گئے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ اسی طرح اللہ تمہارے لئے آیات (احکام) کھول کر بیان فرماتا ہے اور اللہ (تمہارے حالات کو) خوب جاننے والا اور قوانین شرعی کو نافذ کرنے میں) بڑی حکمت والا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا حکم اب بھی باقی ہے یا منسوخ ہو گیا علماء کے اقوال اس میں مختلف ہیں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (اس زمانہ میں) لوگوں کے گھروں پر نہ پردے تھے نہ حجاب بچے بالے اور خادم یوں ہی اندر آجاتے تھے اور گھر والوں کو ایسے حال پر دیکھ لیتے تھے جو گھر والوں کے لئے ناگواری کا سبب ہوتا تھا (گھر والوں کو پسند نہ تھا کہ کوئی ان کو ان کے اندرونی احوال دیکھے) اس وجہ سے اللہ نے داخلہ کی اجازت طلب کرنے کا حکم دیا پھر اللہ نے مسلمانوں کے لئے مالی وسعت کر دی اور انہوں نے دروازوں کے پردے بنا لئے اب طلب اجازت کی ضرورت نہیں رہی۔

کچھ علماء کا خیال ہے کہ آیت کا حکم منسوخ نہیں ہے سفیان نے موسیٰ بن عائشہ کا بیان نقل کیا ہے موسیٰ نے کہا میں نے شعبی سے دریافت کیا کیا یہ آیت منسوخ ہے شعبی نے کہا نہیں خدا کی قسم میں نے کہا لوگ تو اس پر عمل نہیں کرتے شعبی نے کہا اللہ المستعان۔

سعید بن جبیر نے کہا لوگ کہتے ہیں یہ آیت منسوخ ہو گئی، خدا کی قسم یہ منسوخ نہیں ہوئی بلکہ لوگوں نے اس کے موافق عمل کرنے میں سہل انگاری سے کام لیا۔ (یعنی اس آیت کے حکم کو زیادہ اہمیت نہیں دی) صحیح یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ طلب اجازت کے حکم کی علت یہ ہے کہ اوقات مذکورہ میں پردہ پوشی (لباس وغیرہ) کا اہتمام نہیں رہتا آیت ثلث عورات اسی مفہوم کو ظاہر کر رہی ہے دوسرے اوقات اور مذکورہ بالا تینوں اوقات میں یہی فرق ہے پس علت حکم موجود نہ ہونے کی وجہ سے حکم کا باقی نہ رہنا نسخ نہیں ہے (یعنی اس زمانہ میں علت حکم موجود نہیں ہے اب دروازے پردہ پوش ہیں اور اوقات ثلثہ مذکورہ میں لوگ ننگے کھلے بھی نہیں رہتے اس لئے حکم باقی نہیں رہا) حضرت ابن عباس نے جو اس آیت کا منسوخ ہونا فرمایا ہے آپ کا یہ کلام مجازی ہے (یعنی منسوخ اصطلاحی نہیں بلکہ عدم بقاء علت کی وجہ سے حکم کا باقی نہ رہنا مراد ہے حضرت ابن عباس نے عدم بقاء حکم کو مجازاً نسخ فرما دیا) اس سے معلوم ہو گیا کہ جب اس زمانہ میں اوقات ثلثہ میں بھی ستر اور پردہ پوشی کا رواج اور نظام قائم ہے تو پھر اجازت طلبی کی کوئی ضرورت نہیں۔

Marfat.com

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ

اور جب تم میں سے بچے جوانی کے (حدود کے) قریب پہنچ جائیں تو وہ بھی (ہمہ اوقات داخلہ کی) ویسے ہی اجازت لیا کریں جیسے اجازت ان سے پہلے والے (یعنی بالغ) لیا کرتے تھے ہر وقت کا خلط ملط اور آنا جانا ہی باعث تھا کہ ان کو بغیر طلب اجازت کے داخل ہونے کا حکم جواز مل گیا تھا جب وہ صورت جاتی رہی اور جوانی آگئی تو بلا اجازت داخلہ کا حکم بھی جاتا رہا اس حکم کے عوم میں سب لوگ داخل ہیں مرد ہوں، محرم عورتیں ہوں، نامحرم عورتیں ہوں (بغیر اجازت ملنے کے ہر شخص کے پاس داخلہ ممنوع ہے خواہ کسی وقت ہو) اس کی تائید حضرت ابو سعید خدری کی مندرجہ ذیل روایت سے ہوتی ہے حضرت ابو سعید نے فرمایا میرے پاس ابو موسیٰ آئے اور بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو بھیج کر مجھے طلب کیا میں فوراً حضرت عمر کے دروازے پر جا پہنچا اور تین بار سلام علیک کی لیکن (اندر سے) حضرت عمرؓ نے کوئی جواب نہیں دیا چونکہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمادیا تھا کہ اگر کوئی (کسی کے گھر جائے اور) تین مرتبہ سلام علیک کرنے کے بعد بھی اس کو داخلہ کی اجازت نہ ملے تو اس کو لوٹ آنا چاہئے۔ اس لئے میں لوٹ آیا۔ حضرت عمر نے مجھے بلوایا اور واپسی کی وجہ دریافت کی میں نے رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس حدیث کا گواہ پیش کرو۔ (چنانچہ میں آپ کے پاس آیا ہوں کہ اگر یہ حدیث آپ نے بھی سنی تھی تو میرے ساتھ چل کر شہادت دید یجئے) میں ابو موسیٰ کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا اور حضرت عمر کے پاس جا کر شہادت دیدی۔ متفق علیہ۔

عطاء بن یسار کی روایت ہے کہ ایک شخص نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر سوال کیا کیا میں اپنی ماں کے پاس داخل ہوں تب بھی (داخلہ کی) اجازت طلب کروں فرمایا ہاں۔ اس شخص نے عرض کیا میں تو اس کے ساتھ گھر میں رہتا ہوں فرمایا (داخلہ کی اجازت) ضرور لے لیا کرو۔ اس شخص نے عرض کیا میں تو اس کا خادم ہوں (ہر وقت اس کی خدمت میں لگا رہتا ہوں) فرمایا (پھر بھی) داخلہ کی اجازت لے لیا کرو۔ کیا تم اپنی ماں کو برہنہ دیکھنا پسند کرو گے اس شخص نے کہا نہیں۔ فرمایا تو پھر اس کے پاس داخل ہونے کی اجازت لے لیا کرو۔ رواہ مالک مرسلاً۔

بغوی نے لکھا ہے کہ سعید بن مسیب کہتے تھے آدمی کو اپنی ماں کے پاس بھی داخلہ کی اجازت لے کر جانا چاہئے۔ اس آیت کا نزول اسی سلسلہ میں ہوا تھا۔

میں کہتا ہوں شاید اس آیت میں طلب اجازت کا حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں ہے اس لئے اگر کوئی شخص اپنے گھر کے اندر داخل ہونا چاہے اور گھر کے اندر ایسی عورتیں بھی نہوں جن کا پردہ ضروری ہو تو مستحب یہی ہے کہ اجازت لے کر اندر داخل ہو تاکہ نامحرم بے پردہ عورت پر نظر نہ پڑ سکے لیکن غیر عورت کا غیر گھر میں برہنہ ہونے کا احتمال چونکہ ضعیف ہے اس لئے بلا اجازت لئے داخلہ مکروہ تنزیہی ہے۔ (حرام نہیں ہے) ہاں دوسروں کے گھروں میں بلا اجازت داخلہ حرام ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا۔

اسی طرح جس گھر میں اجنبی عورتیں ہوں تو ان کے پاس بھی بغیر حصول اجازت کے داخلہ ممنوع ہے اللہ نے فرمایا ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ۔

بیضاوی نے لکھا ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ بالغ غلام اگر اپنی مالکہ کے پاس جائے تو داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرنا واجب ہے وہ اس آیت سے اپنے مسلک پر استدلال کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں وہ مراہق لڑکے مراد ہیں جو غلام نہ ہوں کیونکہ آیت اول الذکر میں مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کو وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ کا مدمقابل قرار دیا گیا ہے اس لئے اس آیت کے اندر ممالیک کا اندراج نہیں ہوگا۔ بیضاوی کے مندرجہ بالا کلام سے اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ عبد بالغ کا اپنی مالکہ کے پاس داخل ہونا یا نہ ہونا مختلف فیہ ہے اور اس مسئلہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ غلام اپنی مالکہ کے لئے محرم ہے یا نہیں امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک محرم ہے امام

Marfat.com

ابو حنیفہ کے نزدیک محرم نہیں ہے اول الذکر قول پر اپنی مالکہ کے پاس بالغ غلام کا داخل ہونا طلب اذن کو مستحب قرار دیتا ہے جیسے دوسری نامحرم عورتوں کے پاس داخلہ کے لئے اذن طلبی مستحب ہے اور مؤخر الذکر قول پر طلب اجازت واجب ہے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنے احکام بیان فرماتا ہے اور اللہ بخوبی جاننے والا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔

تکرار آیت محض تاکید اور طلب اذن پر زور دینے کے لئے ہے۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ۚ اور بڑی بوڑھی عورتیں جن کو (کسی کے) نکاح (میں آنے) کی کچھ امید نہ رہی ہو ان کو اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے اتار رکھیں بشرطیکہ زینت (کے مواقع) کا اظہار نہ کریں۔

القواعد القاعد کی جمع ہے وہ عورتیں مراد ہیں جو حاملہ ہونے اور حیض آنے سے ناامید ہو چکی ہوں چونکہ حمل اور حیض سے انقطاع کی صفت عورتوں ہی کے لئے مخصوص ہے مردوں سے اشتباہ بھی نہیں ہے اس لئے حامل اور حائض کی طرح عورت کے لئے لفظ قاعد (بجائے قاعدۃ کے) عربی میں مستعمل ہے۔

الّٰتِیْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا یعنی وہ عورتیں جو بڑی بوڑھی ہونے کی وجہ سے اس قابل نہ رہی ہوں کہ نکاح کی کوئی توقع کر سکیں ربیعہ نے کہا اس سے مراد وہ بوڑھی عورتیں ہیں جن سے مرد نفرت کرتے ہیں بڑھاپے کی وجہ سے کوئی ان کی طرف رغبت نہیں کرتا۔ جو عمر رسیدہ عورت ایسی ہو کہ اس کے اندر کچھ رعنائی باقی ہو وہ اس آیت سے خارج ہے۔

کپڑے اتار دینے سے مراد ہے کچھ کپڑے اتار دینا حضرت ابن مسعود اور حضرت ابی بن کعب کی قرأت میں من ثیابہن آیا ہے (من تبعیضیہ ہے یعنی کچھ کپڑے) اس قرأت سے اصل مراد واضح ہو جاتی ہے۔ لہٰذا کسی (آزاد) بوڑھی عورت کے لئے بھی اجنبی مردوں کے سامنے پشت یا پیٹ اور ناف سے نیچے کا بدن کھولنا جائز نہیں۔ سر چہرہ اور دونوں بانہیں کھول سکتی ہے۔

غیر متبرجت برج کا لغوی مفہوم ہے ظہور، قلعہ، مضبوط عمارت، آسمانی ستاروں کا جھمگھٹ اسی مناسبت سے برج کہلاتا ہے۔

تبرج پوشیدہ چیز کو بناوٹ کے ساتھ ظاہر کرنا سفینہ بارجۃ وہ کشتی جس پر پردہ نہ ہو برج آنکھوں کی ایسی کشادگی کی سیاہی کے گرداگرد پوری سفیدی نمایاں ہو کوئی حصہ اوجھل نہ رہے لفظ تبرج کا خصوصی استعمال عورتوں کے بے پردہ بن ٹھن کر مردوں کے سامنے آنے کے لئے ہوتا ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دس باتوں کو برا سمجھتے تھے ان میں سے ایک بات یہ (حضور کو پسند نہ) تھی کہ عورت سنگھار کر کے غیر مقام میں نمودار ہو۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ تبرج کا معنی ہے غیر مردوں کے سامنے عورتوں کا اظہار زینت، ایسا اظہار زینت شرعاً مذموم ہے ہاں شوہر کے سامنے اظہار زینت مذموم نہیں ہے حدیث میں لغیر محلھا سے یہی مذموم اظہار زینت ہے۔

ان تضعن ثیابھن کے بعد غیر متبرجت کی قید کا اضافہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ کچھ کپڑے اتار کر غیر مردوں کے سامنے بوڑھی عورتوں کا آنا اس وقت قابل گناہ نہیں قرار دیا جائے گا جب کچھ کپڑے اتارنے سے ان عورتوں کا مقصد اظہار زینت نہ ہو اگر کپڑے اتارنے کا مقصد اندرونی زینت اور لباس کی نمائش ہو تو بہر حال گناہ اور حرام ہے۔

وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۗ اور (غیر مردوں کے سامنے کپڑے اتارنے سے بالکل) اجتناب رکھنا ان کے لئے بہتر ہے۔

یستعففن عفت کی طلبگار ہوں عفت کا معنی ہے ناجائز کام سے اپنے نفس کو روکنا کذا فی القاموس۔ اس جگہ غیر مردوں کے سامنے کپڑے اتارنے سے پرہیز رکھنا مراد ہے۔ یعنی کپڑے (اتارنا اگرچہ جائز ہے لیکن) اتارنے سے نہ اتارنا بہتر ہے لباس اتار دینے سے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو سکتا ہے اور لباس پہنے رہنے میں اس کا احتمال نہیں۔

Marfat.com

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾ (عورتیں جو مردوں سے باتیں کرتی ہیں ان کی باتوں کو) اللہ خوب سننے والا (اور کپڑے اتار دینے سے ان کی جو غرض ہوتی ہے اللہ اس کو) خوب جاننے والا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ
اندھے پر کوئی تنگی نہیں ہے۔ نہ لنگڑے پر کوئی تنگی ہے اور نہ بیمار پر کوئی تنگی ہے۔

بغوی نے سعید بن جبیر اور ضحاک وغیرہ کا بیان نقل کیا ہے کہ لنگڑے اندھے اور بیمار لوگ تندرست لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے سے خود گریز کرتے تھے کیونکہ تندرست لوگ ان سے نفرت کرتے اور ان کے ساتھ کھانے کو برا سمجھتے تھے۔

اندھا کہتا تھا ممکن ہے میں زیادہ کھا جاؤں (اور دوسروں کے واسطے کھانا کم ہو جائے) لنگڑا کہتا تھا۔ مجھے بیٹھنے کے لئے دو آدمیوں کی جگہ گھیرنا پڑے گی (اس سے دوسروں کو تنگی ہو گی) اس پر اس آیت کا نزول ہوا۔

مطلب یہ کہ اگر یہ معذور لوگ تندرست لوگوں کے ساتھ کھانا کھائیں تو ان کے لئے کوئی تنگی (گناہ، بندش) نہیں ہے۔

بغوی نے لکھا ہے اسی طرح ابن جریر نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جب آیت یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ نازل ہوئی تو بیماروں، لنگڑوں اور اندھوں کے ساتھ کھانے سے مسلمانوں پر دشواری آپڑی۔ مسلمانوں نے کہا، کھانا تو ہر مال سے اونچا درجہ رکھتا ہے اور اللہ نے خلاف حق کھانے سے منع کیا ہے۔ نابینا آدمی تو عمدہ کھانے کو دیکھ ہی نہیں سکتا اور لنگڑا ٹھیک طور پر بیٹھ نہیں سکتا اور (کھانے میں اگر لوگوں کے ہاتھ پڑ رہے ہوں یا کھانے کے لئے لوگ گھس رہے ہوں تو) مزاحمت نہیں کر سکتا اور بیمار تو کھانا اٹھانے سے ویسے ہی کمزور ہوتا ہے (تو ہم اب ان کے ساتھ کس طرح کھا سکتے ہیں) اس پر یہ آیت مفاتحہ تک نازل ہوئی۔ اس تشریح کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ مسلمانو! اندھوں وغیرہ کے ساتھ کھانے سے تم پر کوئی تنگی نہیں ہے۔

سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ مسلمان جب جہاد کو جاتے تھے تو اپنے پیچھے کچھ اپاہج لوگوں کو چھوڑ کر اپنے گھروں کی کنجیاں ان کو دے جاتے تھے اور کہہ دیتے تھے تم کو ہماری طرف سے اجازت ہے کہ ہمارے گھروں کے اندر جو کچھ ہے تم اس میں سے کھا سکتے ہو۔ لیکن ان لوگوں کو دشواری پیش آتی تھی۔

وہ کہتے تھے گھر والے جب یہاں موجود نہیں ہیں تو ہم ان کے گھروں کے اندر داخل نہیں ہوں گے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اجازت عطا کر دی۔

حسن نے کہا اس آیت کا نزول جہاد سے رہ جانے یعنی جہاد میں مذکورہ بالا معذوروں کے نہ جانے کی اجازت کے لئے ہوا اور پھر ختم ہو گیا۔ آئندہ کلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

وَّلَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اور نہ تم پر کوئی تنگی ہے کہ اپنے گھروں میں (رکھی ہوئی چیزوں میں) سے کھالو۔

اپنے گھروں سے مراد ہیں وہ گھر جن میں بیوی بچے ہوں اس میں اولاد کے گھر بھی شامل ہیں، اپنی اولاد کا گھر اپنا ہی گھر ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے اخرجہ اصحاب السنۃ وابن ماجہ والحاکم عن عائشہ رضی اللہ عنہا۔

حضرت عائشہؓ کی روایت سے ابوداؤد دارمی، ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پاکیزہ ترین مال وہ ہے جو آدمی اپنی کمائی سے کمائے اور آدمی کی اولاد بھی اسی کی کمائی سے ہے مطلب یہ ہے کہ بیویوں کا اور اپنی اولاد کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کذا قال ابن قتیبہ۔

اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ

Marfat.com

اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ
یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا اس مال میں سے جس کی کنجیوں کے تم مالک (بنا دیئے گئے) ہو۔

ماملکتم مفاتحہ سے مراد حضرت ابن عباس کے نزدیک وکیل (یعنی نمائندہ ایجنٹ) اور منتظم ہے جو زمین اور جانوروں کی دیکھ بھال کا مختار بنا دیا گیا ہو۔ ایسا شخص اپنی زیر انتظام زمین کی پیداوار کھا سکتا ہے اور زیر نگہداشت جانوروں کا دودھ پی سکتا ہے البتہ بوجھ نہیں لاد سکتا نہ غلہ اور پیداوار کا ذخیرہ بنا کر رکھ سکتا ہے۔

ضحاک نے کہا اپنے غلاموں باندیوں کے گھر مراد ہیں آقا اپنے غلام کے گھر کا مالک ہوتا ہے۔

مفاتح خزانے۔ اللہ نے فرمایا وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ اور اسی کے پاس غیب کے خزانے ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مفاتح سے کھولنے کے آلے یعنی کنجیاں مراد ہوں۔

عکرمہ نے کہا جب آدمی کنجی کا مالک (یعنی متصرف) ہو جاتا ہے تو وہ اس مال کا خزانچی بن جاتا ہے اس لئے اگر کچھ اس میں سے کھا لے تو کوئی حرج نہیں۔

سدی نے کہا اگر کوئی شخص کسی کو اپنے غلہ وغیرہ کا نگراں متصرف بنا دے تو اگر یہ نگراں اس میں سے کچھ کھا لے تو کوئی حرج نہیں۔ بزار نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ مسلمان رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب ہو کر جہاد کو نکلنے کے بڑے خواہشمند ہوتے تھے۔ چنانچہ جہاد کو جاتے وقت (گھروں کی) کنجیاں ان لوگوں کو دے جاتے تھے جو اپاہج (لنگڑے، لولے، اندھے، بیمار وغیرہ) ہوتے تھے۔ اور کہہ دیتے تھے کہ جتنا تم پسند کرو ہمارے گھروں سے لے کر کھا سکتے ہو، ہماری طرف سے اجازت ہے لیکن جن لوگوں کو اجازت دی جاتی تھی وہ کہتے تھے اس میں سے کچھ کھانا ہمارے لئے جائز نہیں ان لوگوں نے بے دلی کے ساتھ (مجبور ہو کر) اجازت دی ہے اس پر اس آیت کا نزول ہوا۔

ابن جریر کا بیان ہے کہ زہری سے آیت لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى الخ کے متعلق دریافت کیا گیا کہ اندھے، لنگڑے اور بیمار کا ذکر اس آیت میں کیوں کیا گیا (اس کا پس منظر کیا ہے)۔ زہری نے کہا مجھ سے عبید اللہ بن عبد اللہ نے بیان کیا تھا کہ مسلمان جب جہاد کو جاتے تھے تو اپنے پیچھے ان اپاہجوں کو چھوڑ جاتے تھے اور ان کو اپنے گھروں کی کنجیاں سپرد کر جاتے تھے اور یہ بھی کہہ دیتے تھے کہ ہمارے گھروں کے اندر جو کچھ ہے اس میں سے کھانے کی تم کو ہماری طرف سے اجازت ہے، لیکن وہ لوگ بڑی دشواری میں پڑ جاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ جب گھر والے موجود نہیں تو ہم ان کے گھروں کے اندر نہیں جائیں گے۔ (اور گھروں میں داخلے کے بغیر گھروں کے اندر موجود چیز کو کس طرح کھا سکتے ہیں) اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اجازت عطا فرما دی گئی۔

بعض لوگوں نے کہا ماملکتم مفاتحہ سے مراد یہ ہے کہ جو کھانے پینے کی چیزیں تم نے جمع کر رکھی ہیں ان کو کھا سکتے ہو۔

مجاہد و قتادہ نے یہ مطلب بیان کیا تم نے اپنے گھروں کے اندر جو کھانے کی چیزیں رکھ چھوڑی ہیں جن کے تم مالک ہو، ان کو کھانا تمہارے لئے ممنوع نہیں۔

اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۚ یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔

خلیط کے لفظ کی طرح لفظ صدیق ایک کے لئے بھی آتا ہے اور چند کے لئے بھی۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے سچے دوستوں کے مکان سے بھی تم (ان کی غیبت میں) کھا سکتے ہو۔ کیونکہ تمہاری یہ بے تکلفی دوستوں کے لئے خوش کن اور پسندیدہ ہو گی۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس آیت کا نزول حارث بن عمرو کے حق میں ہوا تھا۔ حارث رسول اللہ

Marfat.com

ﷺ کے ساتھ کسی جہاد پر جانے لگے تو اپنی بجائے گھر کی نگرانی مالک بن زید کے سپرد کر دی، جب واپس آئے تو مالک کو بہت دبلا اور کمزور پایا، وجہ دریافت کی تو مالک نے کہا میں نے آپ کے گھر میں موجود غلہ کھانا، جبکہ آپ کی اجازت بھی نہیں تھی اپنے لئے برا (اور باعث گناہ) سمجھا۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ثعلبی نے بھی اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس کی یہ روایت نقل کی ہے لیکن مالک بن زید کی جگہ خالد بن زید کا لفظ اس روایت میں آیا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے حسن اور قتادہ اسی آیت کی بناء پر قائل تھے کہ دوست کے گھر میں داخل ہو کر اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کوئی چیز کھالینا جائز ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا اشخاص (یعنی اقرباء اور اعزاء) کے گھروں میں جاکر ان کی موجودگی کے بغیر کچھ کھالینا جائز ہے۔ کھا سکتے ہو لیکن بطور توشہ ذخیرہ کرنا اور اٹھا کر لے آنا جائز نہیں۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے یہ حکم شروع اسلام میں تھا پھر منسوخ کر دیا گیا۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حکم اب بھی باقی ہے لیکن اس کا جواز اس بات پر موقوف ہے کہ گھر والے نے صریح اجازت دے دی ہو یا قرینہ سے اس کی اجازت معلوم ہو گئی ہو یہی وجہ ہے کہ آیت میں ذکر ایسے ہی لوگوں کا کیا گیا جن سے عام طور پر بے تکلفی ہوتی ہے۔ (اور آپس میں کھانے پینے کا کوئی پرہیز یا تکلف نہیں ہوتا) ان لوگوں کا آیت میں تذکرہ صرف عادت ورواج کے پیش نظر ہے (حصہ کے لئے نہیں ہے) اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ بالکل اجنبی اور غیر آدمی کے گھر پہنچ کر اس کی صریحی یا غیر صریحی اجازت کے بغیر کچھ کھالینا بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ گھر والے کی رضامندی کا کسی طور پر علم ہو گیا ہو۔

مسئلہ: یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ عام طور پر قریبی محرم رشتہ داروں میں چونکہ بے تکلفی اور (کھانے پینے سے) انبساط خاطر ہوتا ہے اس لئے حنفیہ کہتے ہیں کہ محرم قرابت دار کے مکان کے اندر سے اگر کوئی شخص اس قرابت دار کا یا کسی غیر کا مال چرالے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، لیکن اگر کسی غیر کے مکان سے کچھ مال چرا لیا خواہ چرانے والے کے قریبی محرم ہی کا ہو تب بھی ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ اول صورت میں مال محرز نہ تھا اور دوسری صورت میں محرز تھا (محرز بمعنی محفوظ یعنی اول صورت میں مال ایسی جگہ نہیں رکھا ہوا تھا جو چرانے والے کے لئے محفوظ مقام سمجھا جائے اور دوسری صورت میں اس چور کے لئے غیر کا گھر ممنوع ہے۔ اور محفوظ مقام ہے)۔

شبہ

اگر یہ بات ہے تو اسی آیت کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ دوست کے مکان کے اندر سے چوری کرنے پر بھی چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

ازالہ

دوستی عارضی چیز ہے (توڑنے سے ٹوٹ جاتی ہے اور جوڑنے سے جڑ جاتی ہے) قرابت کا درجہ اس سے جدا ہے (وہ تخلیقی اور فطری ہے توڑنے سے ٹوٹتی نہیں) دوست کے گھر سے مال چرا کر تو چور دوستی کی حدود سے آگے بڑھ جاتا ہے (یہ عمل دوستی شکن ہے) اس فعل کی وجہ سے دوستی ہی باقی نہیں رہتی (لیکن قرابت قریبہ ہر صورت میں باقی رہتی ہے)

بغوی نے لکھا ہے اندھے، لنگڑے اور بیمار کھانا مانگنے کے لئے بعض مسلمانوں کے گھر جاتے تھے صاحب خانہ کے پاس کھلانے کے لئے کچھ موجود نہ ہوتا تو وہ اپنے ماں باپ کے گھر ان کو لے جاتا یا ان لوگوں میں سے کسی کے گھر لے جاتا جن کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے ایسا کھانا کھانے میں ان معذوروں کو پس و پیش ہوتا اور وہ کہتے یہ ہم کو دوسروں کے گھر لئے پھرتا ہے اور وہاں سے بغیر اجازت کے لے کر ہم کو کھلاتا ہے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ تشریح کے بموجب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ نہ اندھوں، لنگڑوں، بیماروں کے لئے کوئی ممانعت ہے نہ تمہارے لئے کوئی گناہ ہے کہ ان معذوروں کے ساتھ مل کر تم اپنے گھروں سے اپنی اولاد، اہل وعیال، آباؤامہات، اخوان واخوات، اعمام وعمات اخوال وخالات وغیرہ وغیرہ کے گھروں سے لے کر

Marfat.com

کچھ کھاؤ۔

بغوی نے بحوالہ عطاء خراسانی حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ مالدار لوگ غریب قرابت داروں یا دوستوں کے گھر جاتے تھے اور وہ کھانا پیش کرتے تھے تو مالدار لوگ کہتے تھے بخدا ہم یہ گناہ نہیں کریں گے کہ تمہارے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائیں ہم مالدار ہیں اور تم نادار ہو اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ط تم پر کوئی گناہ نہیں اکٹھے ہو کر کھاؤ یا الگ الگ۔

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول بنی لیث بن بکر کنانی کے متعلق ہوا اس قبیلہ کا ایک شخص تنہا بغیر مہمان کے نہیں کھاتا تھا مہمان ساتھ کھانے کے لئے مل جاتا تو کھانا کھا لیتا ورنہ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ صبح سے بیٹھے بیٹھے شام ہو گئی اور کھانا سامنے رکھا رہا مگر اس شخص نے نہیں کھایا اونٹنیوں کے تھنوں میں دودھ بھرا رہتا مگر وہ تنہا نہ پیتا (اس لئے دودھ دوہتا ہی نہ تھا) جب کوئی مہمان ہم مشرب ہونے کے لئے آجاتا تو پی لیتا۔ دن بھر مہمان کے نہ ملنے اور تنہا نہ کھانے کی وجہ سے بھوکا پیاسا رہتا۔ آخر جب شام ہو جاتی تو کچھ کھا لیتا۔ یہ بیان قتادہ ضحاک اور ابن جریج کا ہے۔

ابن جریر اور بغوی نے اس سلسلہ میں عکرمہ اور ابو صالح کا بیان اس طرح نقل کیا ہے کہ انصار کا دستور تھا کہ جب ان کا کوئی مہمان ہوتا تو اس وقت تک کھانا نہ کھاتے جب تک مہمان کھانے میں ان کے ساتھ شریک نہ ہو جاتا۔ اس آیت میں ان کو اجازت دیدی گئی کہ جس طرح چاہیں کھائیں۔ (مہمان کے ساتھ) اکٹھے ہو کر کھائیں یا الگ الگ کھائیں۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ پھر جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنوں کو سلام کرو۔

اپنے گھر ہوں یا غیر کے علی انفسکم سے مراد یہ ہے کہ آپس میں سلام کیا کرو۔ انفس کا اطلاق اس جماعت پر بھی ہوتا ہے جو ایک مذہب کے ہوں یا قرابت دار ہوں۔ اللہ نے فرمایا ہے لَا تُخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا۔

بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب تم گھروں کے اندر داخل ہو اور وہاں کوئی نہ ہو تو خود اپنے آپ کو سلام کیا کرو۔ یعنی یوں کہا کرو۔ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین ایسی صورت میں ملائکہ سلام کا جواب دیتے ہیں۔

تَحِيَّةً بطور دعا۔ تحیۃ کے معنی ہی سلام کرنا ہیں۔ اس لئے لفظ تحیۃ سلموا کا مفعول مطلق ہے۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے آدم کو اپنی (قائم کردہ) صورت میں پیدا کیا۔ آدمؑ کے قد کی لمبائی ساٹھ ہاتھ تھی۔ بناچکنے (اور روح پھونکنے) کے بعد فرمایا کہ جاؤ فرشتوں کی یہ جماعت جو بیٹھی ہوئی ہے اس کو سلام کرو۔ اور سنو وہ تم کو کیا جواب دیتے ہیں۔ وہ جو جواب دیں گے وہی تمہارا اور تمہاری نسل کا جواب (سلام) ہوگا۔ آدمؑ نے جا کر السلام علیکم کہا۔ فرشتوں نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ الخ۔

مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اللہ کی طرف سے۔ یعنی یہ سلام اللہ کی طرف سے شروع ہوا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ من عند اللہ کا تعلق تحیۃ سے ہو۔ کیونکہ تحیۃ کا معنی دعائے زندگی اور زندگی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔

مُبٰرَكَةً برکت والی یعنی جس کے ساتھ برکت ہو۔ برکت کا معنی ہے بھلائی کی زیادتی سو سلام علیک کے جواب میں کہیے علیکم السلام والبرکۃ تم پر سلام ہو اور بھلائیوں کی زیادتی۔

بعض اہل علم نے کہا سلام کے جواب کو برکت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے خیر میں زیادتی اور ثواب کی امید کی جاتی ہے۔

طَيِّبَةً پاک۔ یعنی نفاق اور ریاکاری سے پاک، صاف دل سے نکلی ہوئی۔

بعض کے نزدیک طیبہ کا یہ مطلب ہے کہ اس سے سننے والے کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا مبرکۃ طیبۃ سے مراد ہے اچھی خوبصورت، حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

نے فرمایا جب تم میرے کسی امتی سے ملو تو اس کو سلام کرو۔ اس سے تمہاری عمر لمبی ہو گی اور جب اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو۔ اس سے تمہارے گھر کی خیر بڑھے گی اور چاشت کی نماز پڑھا کرو۔ یہ صلوٰۃ اوابین (اللہ کی طرف لوٹنے والوں کی نماز) ہے۔ اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان والثعلبی وحمزہ بن یوسف الجرجانی فی تاریخ جرجان اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

بغوی نے لکھا ہے اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں اور جو لوگ گھر کے اندر موجود ہوں ان کو یہ شخص سلام کرے۔ جابر طاؤس، زہری قتادہ اور عمر دین دینار کا بھی یہی قول ہے۔ قتادہ نے کہا اگر تم اپنے گھر میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں کو سلام کرو۔ وہ تمہارے سلام کے زیادہ مستحق ہیں اور اگر خالی گھر میں داخل ہو جہاں کوئی نہ ہو تب (بھی سلام کرو اور) یوں کہو السلام علینا و علی عباداللّٰہ صالحین ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ ملائکہ سلام کا جواب دیتے ہیں۔

بیہقی نے شعب الایمان میں قتادہ کی مرسل روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم باہر جاؤ تو اپنے گھر والوں کو سلام کے ساتھ رخصت کرو۔

ترمذی نے حضرت انس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (مجھ سے) فرمایا بیٹے جب تو گھر والوں کے پاس (گھر کے اندر) داخل ہو تو ان کو سلام کیا کر تیرے لئے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت ہو گی۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا اگر گھر کے اندر کوئی نہ ہو تو یوں کہے السلام علینا من ربنا السلام علینا وعلی عباداللّٰہ الصلحین السلام علی اھل البیت ورحمتہ اللّٰہ ہم پر ہمارے رب کی طرف سے سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلامتی ہو، گھر والوں پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔

اس آیت کی توضیح میں عمرو بن دینار نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جب تو مسجد میں داخل ہو تو یوں کہ السلام علینا و علی عباداللہ صالحین۔

حضرت عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا اسلام (میں) کونسا (عمل) سب سے اچھا ہے۔ فرمایا یہ کہ تم کھانا کھلاؤ اور (ہر شخص کو) سلام کرو۔ خواہ اس کو جانتے ہو یا نہ جانتے ہو۔ متفق علیہ۔

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں اگر کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔ اگر وہ مر جائے تو اس کے جنازے میں یہ حاضر ہو۔ اگر وہ دعوت کرے تو یہ دعوت کو قبول کرے۔ ملاقات ہو تو سلام کرے۔ اس کو چھینک آئے تو یرحمک اللہ کہے اور وہ سامنے موجود ہو یا نہ ہو بہر حال اس کی خیر خواہی کرے۔ رواہ النسائی ترمذی اور بزار نے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم جب تک مومن نہ ہو گے جنت میں نہ جاؤ گے اور جب تک آپس میں محبت نہ کرو گے مومن نہ ہو گے۔ کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتا دوں کہ اگر تم اس کو کرو گے تو آپس میں محبت کرنے لگو گے۔ سلام (کے رواج) کو پھیلاؤ۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابوہریرہ کی مرفوع روایت ہے سوار پیدل کو سلام کرے اور پیدل بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے (آدمی) بہت (آدمیوں) کو متفق علیہ

بخاری نے حضرت ابوہریرہ کی دوسری روایت نقل کی ہے اس میں (اتنا زائد) ہے چھوٹا بڑے کو (سلام کرے) حضرت عمران بن حصین راوی ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا۔ السلام علیکم حضور ﷺ نے سلام کا جواب ویسا ہی دے دیا۔ وہ شخص بیٹھ گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا دس نیکیاں ہوئیں یا دس ثواب لکھے گئے) کچھ دیر کے بعد ایک اور شخص آیا اور کہا السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔ حضور ﷺ نے اسکو بھی ویسا ہی جواب دے دیا۔ وہ بھی بیٹھ گیا اور حضور ﷺ نے فرمایا بیس۔ پھر ایک اور شخص آیا اس نے کہا السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ حضور ﷺ نے اس کو بھی (ایسا ہی) جواب دے دیا۔ وہ بھی

Marfat.com

بیٹھ گیا حضور ﷺ نے فرمایا تیس[1] رواہ الترمذی وابوداؤد۔ ابوداؤد نے حضرت معاذ بن انس کی روایت سے بھی اسی کے ہم معنی حدیث نقل کی ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ پھر ایک اور شخص آیا اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ، حضور نے فرمایا چالیس اور فضائل اسی طرح ہوتے ہیں۔

حضرت ابوامامہ کی مرفوع روایت ہے کہ سب سے زیادہ اللہ سے قرب رکھنے والا وہ شخص ہے جو سلام کی ابتدا کرتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ کی مرفوع روایت ہے جو شخص کسی جلسہ میں پہنچے تو سلام کرے پھر اس کا دل بیٹھنے کو چاہے تو بیٹھ جائے۔ پھر (واپسی کے وقت) جب اٹھے تو سلام کرے پہلا اسلام دوسرے سلام سے زیادہ مستحق (ثواب) نہیں ہے۔ رواہ الترمذی وابوداؤد۔

حضرت علی نے فرمایا اگر جماعت گزرے تو ان میں سے ایک کا سلام کرنا سب کی طرف سے کافی ہے اور بیٹھنے والوں میں سے بھی ایک کا جواب دے دینا کافی ہے۔ بغوی نے مصابیح میں اس کو حضرت علی کا قول قرار دیا ہے اور بیہقی نے شعب الایمان میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد کہا ہے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦١﴾ ع ۱۴ اسی طرح اللہ کھول کھول کر تمہارے لئے احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

یہ تیسری تاکیدی آیت ہے جو علاوہ تاکید کے آخری احکام کی عظمت شان کو بھی ظاہر کر رہی ہے۔ نمبر اول اور نمبر دوم آیات کے خاتمہ پر واللہ علیم حکیم فرمایا تھا۔ اور اس آیت کا خاتمہ لعلکم تعقلون پر فرمایا۔ اول و دوم احکام کے خاتمہ پر اصل علت احکام بیان کر دی یعنی اللہ کے علم و حکمت کا تقاضا یہی ہے اور اس آیت کے خاتمہ پر مقصد حکم کو ظاہر فرما دیا کہ حق کو سمجھنا اور جو کام بہتر ہے اس کو جان لینا ان آیات کا اصل مقصد ہے۔

دلائل میں بیہقی نے اور ابن اسحاق نے عروہ اور محمد بن کعب قرظی کے حوالہ سے بیان کیا کہ جنگ احزاب کے سال (جب قریش اور غطفان کے قبائل وغیرہ مدینہ پر چڑھ کر آئے تو) قریش نے مدینہ میں چاہ رومہ کے مجمع الاسیال کے مقام پر اپنا پڑاؤ کیا ان کا کمانڈر ابوسفیان تھا اور غطفان (کے قبائل) نے آکر احد کے ایک طرف نقمین میں قیام کیا رسول اللہ ﷺ کو اطلاع مل چکی تھی آپ نے مدینہ کے گرد خندق کھدوادی تھی خود بھی حضور خندق کھودنے میں مصروف عمل تھے اور مسلمان بھی کام میں لگے ہوئے تھے۔ لیکن منافقوں میں سے کچھ لوگ سستی کر رہے تھے، جھوٹ موٹ کام میں شریک تھے اور موقع پاتے ہی رسول اللہ ﷺ کے علم و اجازت کے بغیر گھروں کو چپکے سے سرک لیتے تھے پھر کسی مسلمان کو کوئی حادثہ در پیش ہو جاتا جس سے وہ مجبور ہو جاتا تو رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کر دیتا اور اجازت لے کر جاتا تھا۔ اجازت ملنے پر ضرورت پوری کر کے فوراً واپس آجاتا تھا اس پر آیات ذیل آخر سورۃ تک نازل ہوئیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مومن حقیقت میں صرف وہی ہیں جو (سچے دل سے) اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے ہیں۔ یعنی وہ لوگ حقیقت میں مومن نہیں ہیں جو زبان سے تو مومن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ان کے دل مومن نہیں ہیں۔

وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ اور جب رسول ﷺ کے ساتھ کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے مجمع کیا گیا ہے تو جب تک آپ سے اجازت نہ لے لیں نہیں جاتے (اے رسول ﷺ) جو لوگ آپ سے (ایسے موقع پر) اجازت لیتے ہیں پس وہی اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔

امر جامع اجتماعی کام ایسا کام جس کو انجام دینے کے لئے جمعیت ضروری ہے جیسے خندق کھودنا اجتماعی مشورہ، جہاد، جمعہ اور عیدین کی نمازیں وغیرہ۔

[1] یعنی تیس نیکیاں ہوئیں۔

Marfat.com

لم یذھبوا یعنی اس کام کو چھوڑ کر بچھڑ نہیں جاتے اور جس مقصد سے جمع ہوئے ہیں اس سے روگرداں نہیں ہو جاتے۔

حتی یستاذنوہ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سے اجازت کے خواستگار ہوتے ہیں اور آپ ان کو جانے کی اجازت دیدیتے ہیں (یعنی بغیر اجازت حاصل کئے نہیں جاتے۔ صرف طلب اجازت کو کافی نہیں سمجھتے)

یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مومنوں سے مراد کامل ایمان والے مومن ہیں یعنی جن مومنوں کی حالت کو بیان کیا گیا ہے وہ اس وقت موجود ہی تھے اور سب کامل الایمان تھے۔ منافقوں سے ان کی حالت ہی جدا تھی۔

ان الذین یستاذنونک سختی اور مصیبت کے وقت رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑنا اور مدد کرتے رہنا ان لوگوں کے ایمان کی کھلی ہوئی شہادت تھی۔ اس لئے بلیغ اسلوب بیان کے ساتھ پختہ طریقے سے ان کے مومن ہونے کو اس آیت میں دوبارہ ظاہر فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ جو اجازت لینے کے بعد جاتے ہیں وہ قطعی مومن ہیں بلا اجازت لئے چلے جانے والے مومن نہیں ہیں۔

فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ سو اگر وہ اپنے کسی کام کے لئے (جانے کی) آپ سے اجازت طلب کریں تو آپ (کو اختیار ہے آپ) جس کو چاہیں اجازت دیدیں۔

لبعض شانھم یعنی ہر کام کے لئے اجازت لے کر چلے جانا مومن کی شان کے خلاف ہے ہاں اگر کوئی ضروری کام آپڑے جس کو انجام دیئے بغیر چارہ نہ ہو اور واپس جانا لازم ہو تو اس کے لئے اجازت لی جاسکتی ہے۔

لمن شئت یعنی ہر طلب گار اذن کو اجازت دے دینا رسول پر لازم نہیں ورنہ اجازت طلب کرنے کا فائدہ ہی کیا ہے اجازت کی درخواست ہر ایک کر سکتا تھا۔ لمن شئت کی قید سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ بعض احکام اللہ کے رسول ﷺ کی رائے پر موقوف ہیں اور اسی طرح خلیفۂ وقت (کے امتیازی اختیار) کو ان میں دخل ہے۔

بعض لوگ اس اختیار تمیزی کے قائل نہیں تو ان کے نزدیک لمن شئت کا یہ مطلب ہے کہ طلب گاران اذن میں سے جس کی سچائی کو تم جانتے ہو اور سمجھتے ہو کہ واقعی اس کو عذر ہے یا اجتماعی امر یعنی جس کام کے لئے مسلمانوں کا اجتماع کیا گیا ہے وہ کام زیادہ اجتماع کا مقتضی نہیں ہے یا اجازت لے کر جانے والے کی غیر حاضری سے اس کام میں خرابی نہیں آئے گی تو اجازت دیدو۔

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٢﴾ اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کرو، بلاشبہ اللہ بڑا معاف کرنے والا، نہایت مہربان ہے (ان کے اس قصور کو معاف فرمادیگا) یعنی اجازت لینے کے بعد بھی اجتماعی کام کو چھوڑ کر جانا بھی قصور ہے۔ امر دین پر دنیوی کام کو ترجیح دینا یقیناً ایک قسم کی کوتاہی ہے لیکن اللہ بلاشبہ بندوں کی فروگذاشتوں اور خطاؤں کو معاف کرنے والا اور ان کے لئے اپنی مہربانی سے سہولت پیدا کرنے والا ہے۔ (اس لئے معاف فرمادے گا)

بغوی نے لکھا ہے اہل تفسیر نے اس آیت کے شان نزول میں کہا ہے کہ جمعہ کے روز جب رسول اللہ ﷺ (خطبہ دینے کے لئے) منبر پر پہنچ جاتے تھے اور اس وقت کسی شخص کو مسجد سے باہر جانے کا کوئی عذر پیش آجاتا تھا تو وہ مسجد سے باہر نہیں نکلتا تھا بلکہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جا کر کھڑا ہو جاتا تھا۔ حضور ﷺ پہچان جاتے تھے کہ یہ جانے کی اجازت کا خواستگار ہے۔ آپ ایسے لوگوں میں سے جس کو چاہتے تھے اجازت دیدیتے تھے۔

مجاہد نے کہا جمعہ کے دن (خطبہ کے وقت) امام کی طرف سے ہاتھ سے اشارہ کر دینا ہی اذن ہے اہل علم کہتے ہیں۔ مسلمانوں کے ہر اجتماعی کام کا یہی حکم ہے۔ جب امام کے ساتھ لوگ کسی اجتماعی کام کے لئے جمع ہوں تو بغیر اجازت امام کے اجتماع کو چھوڑ کر نہ جائیں اور امام کو اختیار ہے کہ جب کوئی جانے کے لئے اجازت مانگے تو جس کو چاہے اجازت دیدے نہ چاہے نہ دے۔ اجازت طلب کرنے اور اجازت دینے نہ دینے کی تفصیل اس وقت ہے جب ٹھہرے رہنے سے کوئی اضطراری سبب مانع نہ

Marfat.com

ہو۔ اگر اضطراری سبب پیدا ہو گیا تو اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں مثلاً مسجد میں کسی عورت کو حیض شروع ہو گیا یا کوئی جنب ہو گیا یا کسی کو کوئی (شدید) مرض لاحق ہو گیا۔ ایسے حالات میں اجازت طلب کرنا لازم نہیں۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ رسول کے بلانے کو آپس میں تم ایسا نہ قرار دو جیسا تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔

دعاء الرسول میں فاعل کی طرف اضافت ہے اور مفعول محذوف ہے مطلب یہ کہ کسی امر جامع (اجتماعی امر) کے موقع پر رسول اللہ ﷺ تم کو بلائیں تو تم فوراً حکم کی تعمیل کرو اور یہ نہ سمجھو کہ رسول کا بلاوا بھی ایسا ہی ہے جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو کہ جس کو بلایا جاتا ہے اس کا دل چاہا گیا دل نہ چاہا نہ گیا۔ اور چلا بھی گیا تو جب ارادہ ہوا بغیر اجازت لئے اٹھ کر چلا آیا۔ رسول کی دعوت پر لبیک کہنی فرض ہے اور بلا اجازت لئے یونہی چھوڑ کر چلا آنا حرام ہے اس تفسیر پر اس آیت کا مطلب ویسا ہی ہو گا جیسا دوسری آیت میں فرمایا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ۔

مجاہد نے کہا دعاء الرسول (میں اضافت مفعول کی طرف ہے) یعنی جب تم رسول کو بلاؤ یا پکارو تو اس طرح نہ بلاؤ جیسے آپس میں ایک دوسرے کو بلاتا اور پکارتا ہے بلکہ تعظیم و تکریم کے ساتھ بلاؤ۔ اللہ کے رسول ﷺ کو ان کا نام لے کر نہ پکارو۔

ابو نعیم نے الدلائل میں ضحاک کی سند سے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ (دیہاتی اعرابی لوگ) یا محمد یا ابا القاسم کہتے تھے۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس حکم کے بعد وہ لوگ یا نبی اللہ یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کرنے لگے۔ یہ تشریح آیت کے سیاق و سباق کے مناسب نہیں ہے کیونکہ پچھلا کلام تو اجازت طلب کرنے نہ کرنے کے سلسلہ میں تھا (اور یہاں رسول کو پکارنے اور بلانے کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔ دونوں کلاموں میں کوئی ربط نہیں) اس کے علاوہ نفس عبارت بھی اس مطلب سے انکار کرتی ہے کیونکہ دعاء بعضکم بعضا مشبہ بہ ہے اور اس میں لفظ بعض (اول) فاعل ہے دعا کی اس کی طرف اضافت ہے۔ کیونکہ بعضاً منصوب ہے اس لئے یقینی طور پر مفعول ہے پس عبارت کا تقاضا ہے کہ دعاء الرسول (مشبہ) میں بھی دعا کی اضافت فاعل کی طرف ہو۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباس نے آیت کا (تشریحی) معنی اس طرح بیان کیا (تم اللہ کے رسول کو ناراض نہ کرو) تم کو ان کی بد دعا سے ڈرتے رہنا چاہئے ان کی بد دعا موجب (عذاب) ہے دوسروں کی بد دعا کی طرح نہیں ہے)

بخاری نے صحیح میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ کچھ یہودی خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور کہا السام علیک (تم پر ہلاکت ہو تم کو موت آ جائے) حضور ﷺ نے فرمایا و علیکم (اور تم پر بھی) حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ السام علیکم و لعنۃ اللہ و غضب علیکم (تم کو موت آئے تم پر اللہ کی لعنت ہو اور غضب ٹوٹے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ عائشہ! نرمی کرو۔ نرم کلام اختیار کرو سخت کلامی اور بیہودہ بات کہنے سے پرہیز رکھو۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کیا آپ نے نہیں سنا کہ انہوں نے کیا کہا تھا۔ فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ میں نے ان کو کیا جواب (لوٹا کر) دیا تھا میری دعا ان کے بارے میں قبول ہو جائے گی اور ان کی دعا میرے بارے میں قبول نہ ہو گی۔

میں کہتا ہوں اس مطلب پر علیکم کا لفظ محذوف قرار دیا جائے گا اور اصل کلام اس طرح ہو گا لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ علیکم كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ عَلٰی بَعْضٍ (مادۂ دعا کے بعد اگر علی آتا ہے تو بد دعا کا معنی ہوتا ہے اور اگر اس کے بعد لام آئے مثلاً لہم لک لہ لی وغیرہ تو اچھی دعا کا معنی ہو گا اور کوئی صلہ یعنی رابط اور حرف جر نہ ہو تو پکارنے بلانے اور اچھی بری دعا کرنے کا معنی ہو گا۔ مترجم)۔

مگر اس تفسیر پر یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم میں سے چھوٹے بڑوں کو پکارتے ہیں اور بڑے کبھی ان کو پکار کر قبول کرتے ہیں کبھی ان کی درخواست رد کر دیتے ہیں۔ تم ان کی طرح رسول کی دعا کو نہ سمجھو رسول جب اپنے رب سے کوئی دعا کرتے ہیں تو ان کی دعا رد نہیں کی جاتی ضرور قبول ہوتی ہے۔

Marfat.com

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ تم میں سے جو لوگ (دوسروں کی) آڑ لے کر چپکے سے سرک جاتے ہیں اللہ ان سے واقف ہے۔

سل چپکے سے کسی چیز کو کسی چیز میں سے کھینچ لینا اور پوشیدہ طور پر نکال لینا۔ پوشیدہ چوری پر اس کا اطلاق اسی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ سل البعیر فی جوف اللیل رات میں اونٹ چپکے سے پوشیدہ طور پر نکل کر چلا گیا۔ انسل اور استل بھی اس کا ہم معنی ہے کذا فی القاموس۔

لواذا۔ لواذ باب مفاعلۃ کا مصدر ہے لاوذیلا وذلواذا۔ مجرد کا مصدر لیاذا آتا ہے اس لئے ثلاثی مجرد کا مصدر نہیں ہے۔ لیاذ کا معنی ہے دوسرے کی پناہ پکڑنا دوسرے سے چمٹ جانا دوسرے کے ساتھ مل جانا ایک منقول دعا میں آیا ہے اللہم الوذبک اے اللہ! میں تیری پناہ پکڑتا ہوں لواذ (باب مفاعلت سے مشارکت کو چاہتا ہے) کا معنی یہ ہے کہ ایک دوسرے کی اور دوسرا پہلے کی پناہ میں چلا جائے (باہم ایک دوسرے کی آڑ پکڑ لیں) آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ چھپ کر نکل جاتے ہیں ایک دوسرے کی آڑ لے کر سرک جاتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جن لوگوں کو جانے کی اجازت مل جاتی ہے ان کی آڑ لے کر انکے ساتھ یہ بھی نکل جاتے ہیں۔

قاموس میں ہے لوذ، لواذ کی طرح کسی چیز کے ذریعہ سے چھپ جانا آڑ پکڑ لینا۔

خندق کی کھدائی کے وقت منافقوں کی بھی یہی حالت تھی جیسا کہ ابن اسحاق اور بیہقی نے عروہ اور محمد بن کعب قرظی کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ منافق پوشیدہ طور پر رسول اللہ کا ساتھ چھوڑ کر واپس چلے جاتے تھے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا جمعہ کے دن مسجد میں ٹھہرنا اور رسول اللہ ﷺ کا خطبہ سننا گوارا نہ تھا اس لئے بعض صحابہ کی آڑ لے کر مسجد سے پوشیدہ طور پر نکل جاتے تھے۔

قد یعلم اللہ اللہ جانتا ہے یعنی اللہ سزا دے گا سزا علم کے بعد ہوتی ہے (اس لئے علم کا لفظ بول کر سزا مراد لی)

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

پس جو لوگ اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ ان پر (دنیا میں) کوئی آفت (نہ) آن پڑے یا (آخرت میں) ان پر کوئی دردناک عذاب (نہ) آجائے۔

عن امرہ میں بعض کے نزدیک عن زائد ہے (کیونکہ یخالفون کا باب بغیر وساطت کے خود متعدی ہے اس کا صلہ عن نہیں آتا) مطلب یہ ہے کہ مخالف سمت کو چلتے ہیں۔

بعض علماء نے کہا مخالفت کے اندر اعراض کا مفہوم داخل ہے لفظ عن اسی اعراض پر دلالت کر رہا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ کے حکم کی طرف سے کتراتے ہیں۔ خالفہ عن الامر اس سے اعراض کیا کترا لیا۔ اس صورت میں مفعول محذوف ہوگا۔ عن امرہ کی ضمیر یا اللہ کی طرف راجع ہے یا رسول کی طرف۔

فتنۃ بر قول مجاہد فتنہ سے مراد ہے دنیوی مصیبت اور دکھ اور عذاب الیم سے مراد ہے آخرت کا عذاب۔

یعنی جو لوگ اللہ کے امر کے خلاف راہ اختیار کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی دنیوی آفت و مصیبت آپڑے یا عذاب الیم میں مبتلا ہو جائیں۔

کچھ علماء قائل ہیں کہ اگر امر کے واجب ہونے یا مستحب ہونے وغیرہ کا کوئی قرینہ نہ ہو (اور قرینہ سے کسی معنی کی تعیین نہ ہوتی ہو) تو (اصل لغت کے لحاظ سے) امر وجوب کے لئے ہوتا ہے مطلق امر مشترک نہیں ہے نہ وجوب و استحباب کے درمیان جیسا کہ امام شافعی کہتے ہیں نہ وجوب استحباب اور اباحت کے درمیان نہ وجوب استحباب اباحت اور تہدید کے درمیان جیسا کہ شیعہ قائل ہیں (خلاصہ یہ کہ صیغۂ امر کی وضع حقیقی وجوب کے لئے ہے دوسرے معانی میں استعمال مجازی ہے جو قرینہ پر موقوف ہے لفظ امر مشترک بین المعانی نہیں ہے) شیعہ کے قول کے مطابق ہی ابن شریح کا قول بھی روایت میں آیا ہے۔

Marfat.com

مطلق امر کو جو لوگ وجوب کے لئے کہتے ہیں ان کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے کیونکہ آیت میں مخالفت امر کی صورت میں دنیوی مصیبت اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ خوف مصیبت اور عذاب کا ڈر ترک واجب یا ارتکاب حرام کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ خوب سن لو کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ در حقیقت اللہ ہی کا ہے یعنی اللہ ہی اس کا خالق و مالک ہے۔

قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۭ تم جس حالت پر ہو وہی اس کو جانتا ہے یعنی ایمان ہو یا نفاق موافقت امر ہو یا مخالفت۔ یہ تمام مکلفین کو خطاب ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ صرف منافقوں کو خطاب ہو اور قد یعلم سے سابق مضمون کی تاکید مقصود ہو کیونکہ جو ذات ساری کائنات کی خالق اور مالک ہے تو لازمی بات ہے کہ وہ تمام مخلوقات و مملوکات کے احوال سے واقف بھی ہو گی۔

وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اور جس روز لوگ اللہ کی طرف لوٹا کر لائے جائیں گے (اس روز) اللہ ان کو ان کے کئے ہوئے اعمال سے آگاہ کر دے گا۔ یعنی اچھے برے عمل کی جزا و سزا پوری پوری دے گا۔

فینبئهم میں ف زائد ہے اور یوم یرجعون ینبئهم کا ظرف (مفعول فیہ) ہے۔ جیسے آیت لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ اِيْلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاۗءِ وَالصَّيْفِ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ میں (لایلاف کا تعلق لیعبدوا سے ہے اور فلیعبدوا میں ف زائد ہے)۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ؀ اور اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے یعنی کوئی چھپی چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ع ۹ ۱۵

بغوی نے حضرت عائشہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں کو بالاخانوں پر نہ رکھو اور ان کو لکھنا نہ سکھاؤ (بلکہ) ان کو چرخہ کی اور سورت نور کی تعلیم دو۔ اللہ نے اللہ کے رسول ﷺ نے اور صحابہ کرام نے سچ فرمایا۔

الحمد للہ، سورت نور کی تفسیر ۲۶؍ رمضان ۱۲۰۴ھ کو ختم ہوئی اس کے بعد انشاء اللہ سورۂ فرقان کی تفسیر آرہی ہے۔

بعون اللہ وحمدہ سورۂ نور کی تفسیر کا ترجمہ ۲۵؍ جمادی الثانیہ ۱۳۹۰ھ کو ختم ہوا۔

فالحمد قبل له والحمد بعدله والصلوٰة علی رسوله محمد و اتباعه

Marfat.com

سورۃ الفرقان

یہ سورۃ مکی ہے اس میں ۷۷ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَبٰرَكَ بڑی خیر والا ہے۔[1]

تبارک (باب تفاعل کا ماضی ہے لیکن اس) کی صرفی گردان نہیں آتی اس کا استعمال صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے یہ لفظ برکت سے بنایا گیا ہے برکت کا معنی ہے کثرت خیر یعنی اس کی خیر کثیر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یعنی ہر خیر اسی کی طرف سے آئی ہے کذا قال حسن بعض علماء نے تبارک کا ترجمہ کیا وہ ہر چیز سے بڑھ چڑھ کر ہے اور اپنی صفات وافعال میں سب سے اعلیٰ وبالا ہے برکت کے معنی کے اندر زیادتی کا مفہوم داخل ہے اسی لئے ضحاک نے اس لفظ کا ترجمہ کیا وہ عظمت والا ہے۔

الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ وہ جس نے قرآن اپنے بندے (یعنی محمد ﷺ) پر تھوڑا تھوڑا (تدریجاً) اتارا۔

فرقان مصدر ہے فرق بین الشیئین دو چیزوں کو الگ الگ کر دیا۔ قرآن کو فرقان کہنے کی یہ وجہ ہے کہ یہ اپنے بیان سے حق وباطل کو الگ الگ کر دیتا ہے اور اپنے اعجاز سے اہل حق واہل باطل میں فرق کر دیتا ہے یا فرقان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ (پورے قرآن کا نزول یکدم نہیں ہوا بلکہ) تھوڑا تھوڑا الگ الگ مختلف اوقات ومقامات میں نازل ہوا۔

چونکہ قرآن کے اندر خیر کثیر ہے اور اللہ کا برتر واعلیٰ ہونا اس سے ثابت ہے اس لئے قرآن نازل کرنے والے کو خیر کثیر کا مالک قرار دیا۔ اور تبارک فرمایا۔

---

[1] امام مالک، امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عمرؓ بن خطاب کا بیان نقل کیا ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں میں نے ہشام بن حکیم کو سورۂ فرقان پڑھتے سنا اور کان لگا کر سنا تو محسوس کیا کہ ہشام ان کثیر الفاظ پر سورۂ فرقان پڑھ رہے ہیں جن پر رسول اللہ ﷺ نے مجھے نہیں پڑھایا تھا (کثیر الفاظ سے غالباً مراد الفاظ کے ادا کرنے کی کیفیت ہے جیسے امالہ اشمام وغیرہ۔ حروف کثیرہ کے مفہوم کی تشریح میں علماء کے ۲۱ / اقوال آئے ہیں اس فقیر کی نظر میں کیفیت ادا مراد لینا زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم) قریب تھا کہ نماز ہی میں میں ان پر جا کودوں لیکن میں رکا رہا۔ جب انہوں نے سلام پھیر دیا تو فوراً جا کر ان کا گریبان پکڑ لیا اور دریافت کیا۔ یہ سورت جو تم پڑھ رہے تھے تم کو کس نے پڑھائی تھی۔ ہشام نے کہا رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی تھی۔ میں نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو مجھے تو رسول اللہ ﷺ نے اس قرأت کے خلاف پڑھائی تھی جو تم نے پڑھی۔ غرض میں ہشام کو کھینچتا ہوا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا اور عرض کیا میں نے ان کو سورۂ فرقان ان طریقوں سے پڑھتے نہیں سنا جن کے مطابق حضور ﷺ نے مجھے یہ سورۃ پڑھائی تھی۔ حضور ﷺ نے ہشام سے فرمایا ہشام پڑھو ہشام نے جس طریقے سے پہلے پڑھا تھا اسی طریقے سے پڑھ کر سنا دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسی طرح ہے یونہی نازل کی گئی پھر مجھ سے فرمایا تم پڑھو۔ حسب الحکم میں نے اس طریقے سے یہ سورت پڑھی جس طریقہ سے حضور ﷺ نے مجھے پڑھائی تھی۔ فرمایا یہ اسی طرح نازل ہوئی یہ قرآن سات حرفوں (لہجوں یا طرق ادا وغیرہ) پر نازل ہوا ہے تم کو جو طریقہ سہل معلوم ہو اس طریقہ سے پڑھو۔ (مؤلف)

Marfat.com

لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِينَ نَذِيرًا ۝١ تاکہ وہ (یعنی عبدیا فرقان سارے) جہانوں کے لئے (یعنی تمام جن و انس کو مخالفت اور اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والا ہو۔

عالمین سے مراد ہیں جنات اور انسان کیونکہ خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی رسالت جنات اور انسانوں کے لئے عام تھی۔ نذیر بمعنی منذر (ڈرانے والا) یا بمعنی انذار (مصدر ڈرانا) جیسے نکیر بمعنی انکار آتا ہے۔

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وہ اللہ کہ اسی کا اقتدار آسمانوں اور زمین میں ہے۔

وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا اور اس نے (اپنے لئے) کوئی بیٹا نہیں اختیار کیا (جیساکہ عیسائیوں کا خیال ہے کہ مسیح خدا کا بیٹا تھا)۔

وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ اور نہ حکومت میں کوئی اس کا ساجھی ہے جیساکہ مجوسی اور ثنویہ فرقہ والے کہتے ہیں (مجوسی اور ثنویہ فرقہ والے دو خالق مانتے ہیں۔ ایک خیر اور بھلائی کا خالق، دوسرا شر اور برائی کا خالق، مجوسی اول خالق کو یزداں اور دوسرے کو اہرمن کہتے ہیں)۔ اس آیت میں اللہ نے اپنے لئے اقتدار مطلق ہونے کا اظہار فرمایا اور اس کی دلیل پر آئندہ آیت میں تنبیہ فرمائی۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ اور اسی نے ہر چیز پیدا کی۔ یعنی ایک خاص اندازے کے ماتحت ہر چیز کو نیستی سے ہستی میں لایا۔ مثلاً انسان کو خاص مادہ سے مخصوص معین شکل دے کر پیدا کیا۔

فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ۝٢ پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا۔

یعنی اس کو ٹھیک بنایا جو خواص و افعال اس میں پیدا کرنا مقصود تھا اسکے مطابق اس چیز میں تخلیقی صلاحیت پیدا کر دی۔ جیسے انسان میں فہم، ادراک، غور و فکر، تدبیر، نوع در نوع صنعتوں کے اختراع اور گوناگوں افعال و اعمال پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا کر دی۔

یا یہ مطلب ہے کہ معین و مقرر وقت تک باقی رکھنا اس کے لئے مقدر کر دیا۔ کبھی لفظ خلق کے مفہوم اشتقاقی سے قطع نظر کر کے صرف ایجاد کے معنی میں اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس وقت یہ مطلب ہوگا کہ اللہ ہر چیز کو عدم سے وجود میں لایا پھر اس کی ایجاد میں ایک قدر خاص کا لحاظ رکھا تاکہ تفاوت نہ ہونے پائے۔

بعض علماء نے قدر کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ نے ہر چیز کے لئے مدت زندگی عمل اور رزق پہلے سے ہی مقدر کر دیا۔ اب (اس دنیا میں آکر) یہ تینوں چیزیں تخلیق کے مطابق ہوتی ہیں۔ (اللہ کے اندازہ تخلیقی کے خلاف نہیں ہو سکتیں) چونکہ توحید و نبوت کے اثبات کا مفہوم (زیر ذکر) کلام کے اندر تھا اس لئے جو لوگ ان دونوں کے منکر تھے ان کے عقائد و اقوال کی ذیل کی آیت میں تردید فرمائی (اول) باطل معبودوں کا نقص ظاہر فرمایا (پھر نبوت پر ان کو جو بیہودہ اعتراض اور شبہ تھا اس کا ازالہ کیا)

وَاتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً لَّا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ

اور بنا رکھے ہیں انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود ان کو پیدا کیا جاتا ہے۔

اتخذوا یعنی کفار مکہ نے بنا رکھے ہیں۔

من دونہ اللہ کے سوا۔

لا یخلقون شیئا جو نہ کسی جوہر کو پیدا کرتے نہ عرض کو نہ عمل و فعل کو نہ حالت کو۔[1]

وھم یخلقون اور وہ پیدا کئے جاتے ہیں وہ مخلوق ہیں اللہ سب کا خالق ہے۔ عبارت کے الفاظ و معانی میں عموم ہے تمام

[1] جو ممکن خود مستقل بالذات ہو اپنے وجود خارجی میں دوسرے کا محتاج نہ ہو اس کو جوہر کہتے ہیں جیسے تمام اجسام اور وجود خارجی میں اگر دوسرے کا محتاج ہو تو اس کو عرض کہتے ہیں جیسے سیاہی، سرخی جسم کی محتاج ہے۔

Marfat.com

باطل معبودوں کو یہ لفظ شامل ہے لیکن مراد صرف بت ہیں۔ اس لئے یخلقون کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ پجاری خود اپنے بتوں کو تراشتے اور صورتیں بناتے ہیں۔

وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا اور وہ خود نہ اپنے ضرر پر قابو رکھتے ہیں نہ نفع پر۔ یعنی اگر اللہ ان کو دکھ پہنچانا چاہے تو وہ دکھ کو دفع نہیں کر سکتے۔ اگر مکھی ان سے کوئی چیز اڑا کر لے جائے تو وہ چھڑا نہیں سکتے اور نہ فائدہ حاصل کرنے کی ان میں قدرت ہے۔

نفع و نقصان پر قادر نہ ہونا صرف بتوں ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ عالی مرتبہ پیغمبر جیسے حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر اور تمام فرشتے بھی عاجز ہیں اللہ نے فرمایا ہے قُلْ لَّا اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِىَ السُّوْءُ۔

وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾ اور نہ وہ قابو رکھتے ہیں موت پر نہ زندگی پر نہ (دوبارہ) اٹھنے پر یعنی ان میں قدرت نہیں کہ کسی پر موت کو مسلط کر سکیں یا کسی کو (ابتداء) زندگی دے سکیں یا (مرنے کے بعد) دوبارہ زندہ کر کے اٹھا سکیں۔ اور یہ تمام امور الوہیت کے لوازم ہیں جس کے اندر یہ لوازم نہیں وہ الہ نہیں ہو سکتا۔ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ الہ کے لئے ضروری ہے کہ دوبارہ زندہ کر کے سزا و جزا دے سکے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اور کافروں نے کہا

صراحت کے ساتھ کفروا کہنے میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ انکار توحید کی طرح انکار نبوت بھی کفر ہے۔ کیونکہ (خالص) توحید تک پہنچنے کے لئے تنہا عقل کافی نہیں ہے بلکہ حقیقی توحید وہ ہے جو شریعت میں بیان کی گئی ہے۔ فلاسفہ اور تبعین نے الٰہیات (یعنی مافوق الطبیعیات مسائل) میں بہت سے غوطے کھائے ہیں راہ حقیقت سے واقف نہ تھے اس لئے خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

صحیحین میں حضرت ابن عباس کی روایت سے قبیلہ عبدالقیس کے وفد کے قصہ میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ ایک اللہ کے ماننے کے معنی کیا ہیں۔ اہل وفد نے کہا اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بخوبی واقف ہے فرمایا (اللہ کی توحید کو) ماننا یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دو۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ کہ یہ تو کچھ بھی نہیں نرا جھوٹ ہے۔

ھذا یعنی قرآن جو محمد ﷺ پیش کر رہے ہیں۔

افک جھوٹ کا رخ (حق و صداقت کی سمت سے) پھیر دیا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ محمد نے خود گھڑ لیا ہے (یہ محمد ﷺ کا خود تراشیدہ ہے)۔

وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ اور اس کام میں کچھ دوسرے لوگوں نے ان کی مدد کی ہے۔

مجاہد نے کہا قوم اخرون سے ان کی مراد تھی یہودیوں کی ایک جماعت۔ حسن نے کہا ایک حبشی (غلام) مراد تھا جس کا نام عبید بن الحضر تھا۔ یہ کاہن تھا۔ بعض نے کہا مکہ میں کچھ غلام تھے جن کے نام تھے، جبر، یسار، عداس۔ یہ لوگ کتابی تھے، قوم آخرون سے یہی لوگ مراد تھے۔

مشرکوں کا خیال تھا کہ محمد ان سے ہی قرآن سیکھ لیتے ہیں۔

فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚ﴿۴﴾ پس بلاشبہ انہوں نے بہت ہی بے جا بات کی اور جھوٹ (کہا)۔

ظلم (بے جا حرکت) یہ کہ اللہ کے کلام کو یہودیوں سے سیکھا ہوا من گھڑت کلام قرار دیا اور زور (جھوٹ) یہ بنایا کہ ایسے شخص کو تہمت تراش اور دروغ باف قرار دیا جو قطعاً ان کے الزامات سے پاک تھا۔

بیضاوی نے لکھا، لفظ جاء، یا اتی کا استعمال فعل (کیا) کے معنی میں بھی ہوتا ہے اس وقت یہ فعل متعدی بنفسہ ہو جاتے

Marfat.com

ہیں۔
وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اور (کافر) کہتے ہیں کہ یہ تو بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آئی ہیں۔
یعنی ان میں سے بعض نے جیسے نضر بن حارث نے کہا کہ قرآن اللہ کا بھیجا ہوا نہیں ہے بلکہ پچھلے گزرے ہوئے لوگوں کی لکھی ہوئی داستانیں ہیں۔ جیسے رستم واسفندیار کے قصے ہیں۔
اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ (محمد ﷺ نے) یہ لکھوالی ہیں، پس صبح و شام ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔
یعنی جبر، یسار، عداس وغیرہ سے رسول اللہ ﷺ نے لکھوالی ہیں، خود اُمّی ہیں لکھ پڑھ نہیں سکتے صبح و شام پڑھوا کر سن لیتے ہیں تاکہ یاد رکھ سکیں۔
قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ آپ (ان کے قول کی تردید میں) کہہ دیجئے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے بلکہ) اس کو اس خدا نے اتارا ہے جو آسمانوں کی اور زمین کی چھپی باتوں کو جانتا ہے۔
اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کے مقابل بڑے بڑے زبان آور اہل ادب عاجز ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس کلام کے اندر ایسے علوم ہیں جن سے وہی ذات واقف ہو سکتی جو ہر پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والی ہو (اور چونکہ کوئی گزشتہ موجودہ انسانی ہستی ایسی نہیں جو ان علوم سے واقف ہو) اس لئے یہ انسان کا کلام نہیں ہے۔
اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ بلاشبہ وہ بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے اسی لئے باوجود کامل قدرت کے تم کو اس نے اب تک عذاب نہیں دیا حالانکہ تم مستحق عذاب ہو۔
وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ اور ان (کافر) لوگوں نے کہا یہ کیسا رسول ہے کہ (ہماری طرح) کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔
یعنی یہ رسول ہوتا تو اس کی دوسرے انسانوں سے کوئی امتیازی حیثیت ہوتی (کھانے پینے کی اس کو ضرورت نہ ہوتی۔ اور بازاروں میں کبھی نہ گھومتا اور جب اس کی یہ امتیازی حیثیت نہیں ہے تو یہ رسول بھی نہیں ہے)۔
بغوی نے لکھا ہے کافر کہتے تھے تم فرشتہ نہیں ہو۔ فرشتہ کھاتا پیتا نہیں اور تم کھاتے پیتے ہو۔ اور تم بادشاہ بھی نہیں ہو بادشاہ بازاروں میں نہیں گھومتا پھرتا اور تم گھومتے پھرتے ہو۔
میں کہتا ہوں یہ بات غلط ہے رسول اللہ نے تو نہ کبھی فرشتہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور نہ بادشاہ ہونے کا (پھر کافر اس کی تردید ہی کیوں کرتے) بلکہ آپ نے تو فرمایا تھا اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ میں تم جیسا انسان ہوں (مگر) میرے پاس وحی آتی ہے۔ آپ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور نبوت کا دعویٰ کھانا کھانے اور بازاروں میں چلنے پھرنے کے منافی نہیں ہے۔ یہ چیزیں تو مقتضائے بشریت ہیں اور بشریت نبوت کے لئے لازم ہے افادہ اور استفادہ کے لئے ہم جنس ہونا ضروری ہے اللہ نے فرمایا اگر زمین پر ملائکہ (آباد) ہوتے، اطمینان کے ساتھ زمین پر چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتہ ہی رسول اتارتے (انسانوں کے لئے انسان ہی پیغمبر ہونا چاہئے)
لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اس کے پاس فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ اس کے ساتھ رہ کر ڈراتا۔
یعنی یہ کیسا رسول ہے کہ نہ تو یہ فرشتہ ہے کہ اس کو اپنی ذاتی قوت حاصل ہوتی نہ اس کے ساتھ کوئی تائید کرنے والا فرشتہ بھیجا گیا ہے کہ فرشتہ کی تصدیق سے ہم اس کی سچائی جان لیتے۔
اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ یا (آسمان سے) اس کی طرف کوئی خزانہ

Marfat.com

ڈال دیا جاتا (کہ وہ خرچ کرتا رہتا اور معاش کی طلب میں بازاروں میں گھومنے پھرنے کا محتاج نہ رہتا) یا اس کا کوئی باغ ہی ہوتا جس کے پھل وہ کھالیا کرتا (اور روزی پیدا کرنے کا ضرورت مند نہ رہتا)

مذکورہ بالا عبارت میں کافروں نے تین اقوال کا ذکر کیا اور تنزلی ترتیب کے ساتھ کیا۔ اول یہ کہ رسول فرشتہ کیوں نہیں۔ دوسری بات یہ کہ اگر وہ فرشتہ نہیں بھی ہوتا تو کم از کم کوئی فرشتہ تصدیق کرنے والا اس کے ساتھ ہوتا۔ تیسرے یہ کہ اگر ایسا بھی نہیں ہوا تو کم از کم اس کی روزی کا کوئی انتظام ہی ہوتا۔ (جس کی دو صورتیں تھیں ایک غیبی اور دوسری ظاہری غیبی تو یہ کہ) اس کے پاس آسمان سے کوئی خزانہ آجاتا اور (ظاہری یہ کہ) یا اس کے پاس کھانے اور روزی حاصل کرنے کے لئے کوئی باغ ہوتا۔ جیسے زمین داروں اور مالدار لوگوں کے پاس ہوتا ہے۔

وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۸﴾ اور ظالموں نے (یہ بھی) کہا کہ تم لوگ محض جادو زدہ آدمی کا ساتھ دے رہے ہو جادو کی وجہ سے اس کی عقل ماری گئی ہے۔ (پاگل ہو گیا ہے)

کافروں کی طرف سے یہ خطاب مسلمانوں کو تھا۔ بعض علماء نے مسحور کا ترجمہ کیا ہے فریب خوردہ بعض نے ترجمہ کیا حق سے پھرا ہوا بعض نے کہا اسم مفعول بمعنی فاعل ہے۔ یعنی جادوگر۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ (اے محمد ﷺ) آپ دیکھیے یہ آپ کے لئے کیسی عجیب عجیب باتیں بیان کر رہے ہیں۔

امثال بمعنی اشباہ، یعنی انہوں نے آپ کو جھوٹے افترا پردازوں اور بیہودہ قصہ بیان کرنے والوں کی طرح قرار دے رکھا ہے یہی تو وجہ ہے کہ وہ آپ کو مفتری اور دوسروں سے افسانے لکھوانے والا کہتے ہیں۔ اور (کبھی) سحر زدہ لوگوں کی طرح (بدحواس پاگل) کہتے ہیں اور (کبھی) فرشتہ ہونے یا بادشاہ ہونے کے مدعی کی طرح قرار دیتے ہیں اور (یہ مان کر کہ آپ کو اپنے فرشتہ ہونے اور بادشاہ ہونے کا دعویٰ ہے) کہنے لگتے ہیں کہ فرشتہ کا کھانا کھانا اور بازاروں میں گھومنا ناممکن ہے اور بادشاہ نیز دولت مندوں کے پاس خزانے اور باغات ہونے چاہئیں اس لئے آپ کا دعویٰ ملوکیت غلط ہے۔

فَضَلُّوْا پس (دیکھو یہ کس طرح) گمراہ ہو گئے حق تک پہنچانے والا راستہ اور آپ کی نبوت کو پہچاننے کا طریقہ تو یہ تھا کہ انبیاء کی خصوصیات کو پہچانتے کہ وہ بھی انسان ہوتے ہیں غلطیوں سے معصوم ہوتے ہیں ان کے پاس رب کی طرف سے وحی آتی ہے ان کو معجزات دیئے جاتے ہیں جن سے جھوٹے مدعیان نبوت اور سچے انبیاء میں امتیاز ہو جاتا ہے۔

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹﴾ اب ان کو (ہدایت کا) راستہ نہیں مل سکتا یا یہ مطلب ہے کہ جب ان کی تمثیلات ع ۱ و تشبیہات میں خود تناقض اور تضاد ہے تو پھر آپ کی نبوت پر جرح و قدح کرنے کا ان کو کوئی راستہ نہیں مل سکتا کیونکہ جو کلام خود ہی متناقض ہو وہ ساقط الاعتبار ہوتا ہے۔ ۹ ۱۶

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے نیز ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حضرت خیثمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ (اللہ کی طرف سے) رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کو زمین کے خزانے اور خزانوں کی کنجیاں عطا کر دیں اور اس سے آپ کے اس اجر میں کمی نہ ہوگی جو قیامت کے دن ہمارے پاس سے آپ کو ملے گا اور اگر آپ چاہیں تو اس (نعمت) کو بھی ہم آخرت (کی نعمتوں) کے ساتھ جمع کر دیں حضور ﷺ نے جواب دیا نہیں (میں یہاں لینا نہیں چاہتا) میرے لئے آخرت میں دونوں (نعمتوں) کو جمع کر لیا جائے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾

بڑی برکت والا ہے وہ اللہ کہ اگر وہ چاہے تو آپ کے لئے اس سے بہتر (دنیا ہی میں) نعمتیں عطا فرما دے۔ (یعنی) ایسے باغ جن کے (درختوں کے) نیچے نہریں جاری ہوں (آپ کو دیدے) اور آپ کے لئے محلات (تیار) کر دے۔

Marfat.com

یعنی خزانوں اور باغوں سے بہتر نعمتیں دنیا میں ہی اگر اللہ دینا چاہے تو وہ دیدے لیکن اس نے یہ چیزیں آپ کے لئے آخرت میں مقرر کر دی ہیں۔

بغوی نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس کا قول اس طرح نقل کیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو اس سے یعنی بازاروں میں گھومنے اور معاش کی تلاش میں پھرنے سے بہتر عنایت کر دے۔

قصورا مضبوط مکان عرب ہر پختہ مکان کو قصر کہتے ہیں۔

امام احمد اور ترمذی نے حضرت ابو امامہ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے وادیٔ مکہ کو میرے لئے سونا بنادینے کی مجھ سے پیش کش کی میں نے عرض کیا نہیں میرے رب میں تو ایک دن سیر شکم ہوں اور ایک دن بھوکا رہوں (یہی مجھے پسند ہے) جب میں بھوکا ہوں تو تیرے سامنے زاری کروں اور سیر شکم ہوں تو تیری تعریف اور شکر کروں۔

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلتے۔ ایک فرشتہ جس کی کمر کعبے کے برابر تھی میرے پاس آیا اور اس نے کہا آپ کا رب آپ کو سلام فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو نبی اور بندہ (غلام) رہیں اور اگر چاہیں تو نبی اور بادشاہ ہو جائیں میں نے جبرئیلؑ کی طرف دیکھا۔ جبرئیلؑ نے اشارہ کیا کہ اپنے آپ کو نچلا رکھو۔ میں نے کہہ دیا میں نبی اور بندہ (غلام) رہنا چاہتا ہوں۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ تکیہ لگائے کھانا نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے میں غلاموں کی طرح کھاتا ہوں اور غلاموں کی طرح بیٹھتا ہوں۔

بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ ۚ بلکہ انہوں نے قیامت کی تکذیب کی۔

(یعنی وقوع قیامت کا یقین نہیں کیا) اس جملہ کا عطف قالوا پر ہے (اور بل کا استعمال ترقی کے لئے) مطلب یہ ہے کہ (انہوں نے صرف اول الذکر بات ہی نہیں کہی) بلکہ اس سے بھی زیادہ عجیب بات کہی یا اس آیت کا تعلق گزشتہ متصل آیت سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ آپ کو مفلسی کا طعن دے کر اور دوسرے بیہودہ طنز کر کے صرف آپ ہی تکذیب نہیں کرتے بلکہ ان کی نظریں محض حقیر سامان دنیا سے آگے نہیں بڑھتیں ان کا خیال ہے عزت کی چیز صرف مال ہے یا یہ معنی ہے کہ یہ قیامت کو ہی نہیں مانتے پھر اس جواب کی طرف التفات ہی کیسے کریں گے اور آخرت میں اللہ نے جن نعمتوں کے دینے کا آپ سے وعدہ کیا ہے اس کو سچا کیسے جانیں گے یا یہ معنی ہے کہ آپ اس پر تعجب نہ کریں کہ وہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں بلکہ اس سے زیادہ تعجب انگیز یہ بات ہے کہ وہ وجود قیامت کی تکذیب کرتے ہیں۔

وَأَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا ۝ اور ہم نے تیار کر رکھی ہے تکذیب کرنے والوں کے لئے سخت بھڑکتی آگ۔

بعض علماء نے کہا سعیر ایک دوزخ کا نام ہے۔

إِذَا رَأَتْهُم مِّن مَّكَانٍ بَعِيدٍ جب وہ آگ ان کو دور کے مقام سے دیکھے گی۔

بعض اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ آگ کی طرف دیکھنے کی نسبت حقیقی ہے (واقع میں آگ دیکھے گی) بغوی نے لکھا ہے، ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر جو کوئی شخص قصداً دروغ بندی کرے اس کو اپنی جگہ آگ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بنالینی چاہئے۔ صحابہ نے عرض کیا کیا آگ کی بھی آنکھیں ہوں گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ نے فرمایا ہے اذا راتھم من مکان بعید۔

بعض علماء نے کہا آگ کی طرف دیکھنے کی نسبت مجازی ہے یعنی دوزخ کے فرشتے دیکھیں گے یا یہ مطلب ہے کہ آگ اتنی دوری پر ہو گی کہ دیکھی جاسکے گی۔ ایک حدیث میں آیا ہے ان دونوں کے آپس میں اتنی مسافت ہو گی کہ دکھائی نہیں پڑے

Marfat.com

گی۔ یعنی دونوں میں اتنا فاصلہ نہ ہوگا کہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں۔ (بلکہ فاصلہ بہت ہوگا)۔
مکان م بعید کی تشریح میں کلبی نے کہا سو سال کی راہ۔
بعض نے کہا پانچ سو برس راہ کی مسافت۔

سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ⑫ تو وہ (کافر) سنیں گے اس آگ کے غضبناک ہونے کی آواز اور غراہٹ

تغیظ جوش مارنے کی آواز جو غضبناک آدمی کی غصیلی آواز کی طرح ہو۔
زفیر پیٹ کے اندر کی گڑگڑاہٹ، غراہٹ

وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ⑬

اور جب ان کو دوزخ کے تنگ مقام میں باندھ کر جکڑ کر ڈالا جائے گا تو وہاں وہ ہلاکت (یعنی موت) کو پکاریں گے۔
تنگ مقام میں ڈالے جانے کی غرض ہوگی عذاب کی شدت تنگی میں بے چینی اور وسعت مکان میں کچھ راحت ہوتی ہی ہے۔ ابن ابی حاتم نے یحییٰ بن اسید کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ان کو دوزخ میں اس طرح ٹھونسا جائے گا جیسے دیوار میں میخ۔
حضرت ابن عمر کی روایت میں آیا ہے جیسے برچھے بوری میں۔
ابن مبارک نے بطریق قتادہ بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے تھے کافروں پر دوزخ کی ایسی تنگی ہوگی جیسے نیزے بوری میں۔
ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ جب ان لوگوں کو جن کو ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے دوزخ میں ڈالا جائے گا (یعنی ڈالے جانے کا حکم ہوگا) تو اول ان کو لوہے کے صندوقوں میں بند کر کے لوہے کی کیلیں ٹھونک دی جائیں گی پھر ان صندوقوں کو دوسرے آہنی صندوقوں میں بند کر دیا جائے گا۔ پھر جہنم کی تہ میں ان کو پھینک دیا جائے گا پس کوئی بھی سوا اپنے کسی دوسرے کو عذاب میں مبتلا دیکھ نہ سکے گا۔
سوید بن غفلہ کی روایت سے بھی ابو نعیم اور بیہقی نے اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔
مقرنین یعنی گردن سے ہاتھ بندھے ہوئے زنجیروں سے جکڑے ہوئے بعض نے کہا شیطانوں کے ساتھ باندھے گئے۔ شیطانوں کی جٹ میں بندھے ہوئے۔
ثبور (بمعنی ہلاکت یہ ترجمہ ضحاک نے کیا حضرت ابن عباس نے فرمایا ثبورا یعنی ویلا (ویل بمعنی ہلاکت)۔
احمد بزار ابن ابی حاتم اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے ابلیس کو آگ کا لباس پہنایا جائے گا وہ اس لباس کو اپنی دونوں بھنوؤں پر رکھ کر کھینچے گا اور یا ثبور پکارے گا (ہائے میری ہلاکت) اس کی ذریات اس کے پیچھے (اسی طرح کا لباس پہنے) یا ثبور پکارتی ہوگی، آخر سب دوزخ پر جا کر ٹھہریں گے اس وقت ان سے کہا جائے گا۔

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ⑭ آج ایک (طرح کی) ہلاکت کو نہ

پکارو بلکہ (طرح طرح کی) بہت ہلاکتوں کو پکارو یعنی تمہاری ایک ہی ہلاکت نہیں بلکہ بہت ہلاکتیں ہیں عذاب کو گونا گوں قسمیں ہیں اور ہر قسم کا عذاب بجائے خود ایک ہلاکت ہے یا یہ وجہ ہے کہ نو بہ نو (بار بار ایک ہی طرح کا) عذاب ہوگا (پس بہت سی ہلاکتیں ہو جائیں گی) اللہ نے فرمایا ہے كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ جتنی مرتبہ ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کی (جلی ہوئی) کھالیں دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں۔
یا ثبور کثیر کا یہ معنی ہے کہ کسی وقت ہلاکت منقطع نہ ہوگی۔

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ آپ کہیے کیا یہ بہتر ہے یا دوامی

Marfat.com

جنت بہتر ہے جس کا وعدہ مومنوں سے کیا گیا ہے۔
قل اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے
اذلک کیا یہ دوزخ جس کی حالت مذکورہ عبادت میں بیان کی گئی اور دوزخ والے یا ذلک سے اشارہ دنیوی خزانہ اور یہاں کے باغات کی طرف ہے۔
یہ استفہام تقریری ہے جس کے اندر استہزاء اور سرزنش شامل ہے۔
المتقون سے مراد ہیں شرک اور تکذیب سے بچنے والے (یعنی تمام مومن) کیونکہ متقیوں کے مقابلہ میں کفار کا ذکر کیا گیا ہے۔ مومن مراد لینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جنت ہر مومن کو ملے گی۔
جنته الخلد میں اس بات پر دلالت ہے کہ جنت ہمیشہ رہے گی۔

كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ ان کے لئے جنت (ان کے اعمال کی) جزا تھی اور (عظیم الشان) لوٹنے کی جگہ۔

یعنی اللہ کے علم میں یا لوح محفوظ میں جنت مومنوں کے اعمال کی جزا تھی یا یوں کہا جائے کہ اللہ کا وعدہ ایسا ہی یقینی الوقوع ہے جیسے کہ واقع ہو گیا۔ (اس کے لئے کانت ماضی کا صیغہ استعمال کیا)۔
جزاء یعنی ثواب اعمال مصیرا لوٹنے کی جگہ جہاں پلٹ کر جائیں گے۔ مصیر امیں تنوین اظہار عظمت کے لئے ہے۔

لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۭ جو کچھ وہ چاہیں گے جنت میں ان کو ملے گا (یا ان کے لئے موجود ہے) ہمیشہ (وہاں) رہیں گے۔

یعنی اپنے مرتبے کے لائق مومن جنت کے اندر جو کچھ چاہے گا وہ اس کو ملے گا۔ ظاہر ہے کہ ناقص کو وہ نعمت نہیں ملے گی جو کامل کو ملے گی۔ آیت میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ تمام ارمان تو صرف جنت میں ہی پورے ہوں گے (دنیا میں پورے نہیں ہو سکتے)

كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾ اے پیغمبر یہ ایک وعدہ ہے جو آپ کے رب کے ذمے ہے اور قابل درخواست ہے۔

علی ربک یعنی آپ کے رب پر لازم ہے اور واجب ہے کیونکہ اس نے وعدہ کر لیا ہے اور وعدۂ خداوندی کے خلاف ہونا ممکن نہیں (یعنی اللہ پر کوئی بات فی نفسہ واجب نہیں وجوب مجبور عاجز پر ہوتا ہے اور خدا ہر عجز سے پاک ہے لیکن اس نے اپنے ارادے اور اختیار سے وعدہ فرما لیا ہے اس لئے وعدے کو پورا کرنا اس پر لازم ہے پس یہ وجوب اضافی ہے خود اسی کا اختیار کردہ ہے) پہلے ارادے کے ساتھ اس نے وعدہ کیا پھر وعدے کے مطابق ایفاء کو اس نے اپنے اوپر واجب کیا (اس لئے اگر ایفاء وعدہ اس پر واجب ہوا تو اس کے اختیار کے ماتحت ہوا)
مسئولا یعنی وہ مستحق ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور طلب و دعا کی جائے۔ یا اس کے مسئول ہونے کا یہ مطلب ہے کہ لوگ اس سے سوال کرتے ہیں اور مانگتے ہیں اور امید رکھتے ہیں۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ اے ہمارے رب ہم کو وہ جنت عطا فرما جس کا وعدہ اپنے پیغمبروں کی زبانی ہم سے کیا ہے۔
محمد بن کعب قرظی نے کہا فرشتے ایفاء وعدہ کی اس سے درخواست کریں گے اور کہیں گے رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ نِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾
اور جس روز اللہ ان کو اور اللہ کے سوا جن کو یہ پوجتے تھے ان کو سب کو اکٹھا کرے گا پھر ان (معبودوں) سے فرمائے گا کیا تم نے میرے بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود ہی راہ حق سے گمراہ ہو گئے

Marfat.com

تھے۔

مایعبدون سے مراد ہیں تمام باطل معبود (عقل والے ہوں یا عقل سے محروم کیونکہ زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ لفظ ما دونوں کو شامل ہوا ہے اہل عقل کو اور بے عقل چیزوں کو مجاہد نے سوال و جواب کے قرینہ کا لحاظ کرتے ہوئے کہا کہ اس جگہ ملائکہ، جنات، حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر مراد ہیں۔ عکرمہ ضحاک اور کلبی کے نزدیک صرف اصنام (بت) مراد ہیں کیونکہ (اہل نحو کا مشہور قول یہ ہے کہ) ما کا استعمال بے عقل چیزوں کے لئے ہوتا ہے اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے دن اللہ ان بتوں کو زندہ کردے گا اور بولنے پر قدرت عطا کردے گا جس طرح انسان کے ہاتھ پاؤں اور مقامات (گناہ) گویا بنادیئے جائیں گے۔

اصللتم کیا تم نے گمراہ کیا تھا، یعنی کیا تم نے ان کو اپنی پوجا کی دعوت دی تھی۔

ام هم صلوا السبیل یا وہ خود معرفت حق کا راستہ کھو بیٹھے تھے۔ انہوں نے خود صحیح غور و فکر نہیں کیا اور ہادئ برحق کی نصیحت سے گریز کیا۔ اس سوال کی غرض معبودان باطل کے پرستاروں کو سرزنش اور زجر ہوگی۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ

وہ کہیں گے تو پاک ہے ہمارے لئے تو تیرے سوا دوسروں کو کارساز قرار دینا جائز ہی نہ تھا۔ قالوا صیغہ ماضی بمعنی مستقبل ہے کیونکہ مستقبل میں ان کا یہ بات کہنا یقینی ہے۔

سبحنک یعنی بطور تعجب وہ یہ لفظ کہیں گے کیونکہ معبودان باطل اگر ملائکہ یا انبیاء ہوں گے تو اس سوال پر ان کا تعجب ظاہر ہی ہے۔ اللہ نے ان کو معصوم بنایا تھا ان سے ایسا جرم کیسے سرزد ہو سکتا تھا اور اگر مخاطب، جمادات اور پتھروں وغیرہ کو مانا جائے تب بھی ان کا تعجب صحیح ہے ان کو اللہ کی طرف سے تخلیقاً قدرت ہی نہیں دی گئی۔ پھر وہ کیسے گمراہ کرسکتے تھے ان سے ایسا سوال تعجب انگیز تھا۔

یا ان کو اس بات پر تعجب اس وجہ سے ہوا کہ ہمارے متعلق تو فرمادیا گیا کہ ہم اللہ کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہتے ہیں اللہ نے فرمادیا ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ پھر ہم کس طرح گمراہ کرسکتے ہیں اور کیونکر شرک کی تعلیم دے سکتے ہیں۔

ماکان ینبغی لنا ہمارے لئے تو یہ بھی جائز نہیں یعنی اللہ نے ہم کو معصوم بنایا ہے یا قدرت ہی نہیں دی اس لئے کسی دوسرے کو اللہ کے سوا ہم اپنا کارساز قرار دیں یہ ہمارے لئے درست ہی نہیں ہے دوسروں کو بہکانے یا گمراہ کرنے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

یہ جواب انبیاء، ملائکہ اور جمادات کی طرف سے ہوگا لیکن جو لوگ خود معبود اور رب بن بیٹھے ہیں خواہ وہ انسان ہوں یا جنات ان کی طرف سے یہ جواب نہ ہوگا بلکہ وہ اس طرح کے جواب دیں گے واللہ ربنا ماکنا مشرکین قسم اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم مشرک نہیں تھے۔ شیطان کہے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا وہ سچا وعدہ تھا اللہ نے وہ پورا کیا اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا میرا تم پر کوئی جبر نہ تھا۔ الآیۃ۔

وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ۝۱۸

(لیکن تو نے تو ان کو اور ان کے بڑوں کو آسودگی دی کہ وہ تیری یاد کو بھلا بیٹھے اور یہ لوگ خود ہی برباد ہوئے۔

متعتهم یعنی تو نے ان کو عمر صحت اور طرح طرح کی نعمتوں سے اتنا نوازا کہ وہ خواہشات میں ڈوب گئے اور تیری یاد سے غافل ہوگئے۔ تیری نعمتوں کی یاد ان کو نہ رہی تیری آیات میں غور کرنے سے انہوں نے اعراض کیا اور بھول گئے کہ وہ تیرے محتاج ہیں۔ یاذکر کو بھول جانے کا یہ مطلب ہے کہ نصیحت کو اور قرآن پر ایمان لانے کو انہوں نے ترک کردیا (انسان کے

Marfat.com

لئے ترک لازم ہے ملزوم بول کر لازم مراد لیا۔)

(معتزلہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے گناہوں کے پیدا کرنے کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی جاسکتی چنانچہ گمراہ کرنے اور گمراہ ہونے کی نسبت اس آیت میں بندوں کی طرف کی گئی ہے اس کا جواب مفسر رحمتہ اللہ علیہ نے یہ دیا کہ) ضلالت کی نسبت بندوں کی طرف اس لئے کی گئی کہ انسان کاسب گمراہی اور مرتکب گناہ ہے اور اللہ کی طرف ضلالت کی نسبت اس لئے کی گئی کہ اللہ گمراہی کا خالق ہے اور گمراہی کی تخلیق گمراہ ہونے پر آمادہ کرتی ہے اس صورت میں یہ آیت اہل سنت کے مسلک کی تائید کرتی ہے اور معتزلہ کے قول کی تردید۔

وکانوا یعنی تیرے ازلی فیصلے میں ہی یہ لوگ ہلاک ہونے والے تھے۔

بورا مصدر ہے واحد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور جمع پر بھی۔ بعض کے نزدیک بورا بائر کی جمع ہے جیسے عوذ عائذ کی جمع ہے۔

فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ بِمَا تَقُولُونَ ۙ پس تمہارے معبود ہی (قیامت کے دن) تمہارے قول کی تکذیب کریں گے۔

یہ خطاب دنیا میں مشرکوں کو ہے۔ یعنی آخرت میں تمہارے معبود تمہارے قول کی تکذیب کریں گے چونکہ قیامت میں ہونے والا واقعہ یقینی تھا۔ اس لئے مستقبل کی تعبیر بصیغۂ ماضی کی جیسے اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ میں۔

یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہم قیامت کے دن مشرکوں سے کہیں گے کہ تمہارے معبود ہی تم کو جھوٹا قرار دے رہے ہیں۔ بما تقولون یعنی یہ بات جو تم کہتے تھے کہ یہ ہمارے معبود ہیں یا کہتے ہو کہ ہمارے ان معبودوں نے ہم کو گمراہ کیا اس بات کی تکذیب معبودوں نے ہی کر دی۔

فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ سو اب تم نہ (عذاب کو) لوٹانے کی طاقت رکھتے ہو نہ مدد کی۔ یعنی تمہارے معبود نہ عذاب کو پھیرنے کی طاقت رکھتے ہیں نہ تمہاری مدد کرنے کی یا یہ مطلب ہے کہ تم عذاب کو پھیرنے کی طاقت رکھتے ہو نہ اپنی مدد کرنے کی۔ بعض نے کہا صرف کا معنی ہے حیلہ تدبیر، عرب کہتے فلان یتصرف فلاں شخص کچھ حیلہ کرے گا مطلب یہ ہے کہ اب تم نہ کوئی حیلہ کر سکتے ہو نہ مدد۔

وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ﴿۱۹﴾ اور (اے انسانو) تم میں سے جو کوئی ظلم (یعنی شرک) کرے گا ہم اس کو بڑے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ اس ترجمہ پر ظلم سے مراد ہو گا شرک، اس صورت میں شرک کی سزا یعنی عذاب باتفاق علماء لازم ہے اور اگر ظلم کے اندر فسق کو بھی شامل قرار دیا جائے تو پھر سزا کا لزوم عمومی نہ ہو گا بلکہ عدم مانع کے ساتھ مشروط ہو گا۔ یعنی گناہ کبیرہ کی سزا ضروری نہیں قرار پائے گی توبہ اور طاعت کے بعد بالاتفاق ساقط کر دی جائے گی اور (بغیر توبہ کے بھی) ہمارے نزدیک (برحمت خداوندی یا بشفاعت) معاف ہو سکتی ہے۔ واحدی نے بطریق جویبر اور بغوی نے بطریق ضحاک اور ابن جریر نے بروایت سعید و عکرمہ حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جب مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ پر مفلس و نادار ہونے کا طنز کیا اور کہا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ تو حضور کو اس سے رنج ہوا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۗ

اور ہم نے آپ سے پہلے پیغمبر نہیں بھیجے مگر ایسے ہی پیغمبر بھیجے جو یقیناً کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے۔ (یعنی آپ سے پہلے ہم نے اپنے پیغمبر بھیجے وہ کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے) اس میں رسول اللہ ﷺ کے رنج کو دور کرنا اور تسلی دینا مقصود ہے۔

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لئے مصیبت بنادیا ہے۔

Marfat.com

مال دار کو نادار کے لئے مصیبت بنادیا فقیر کہتا ہے میں اس مال دار کی طرح کیوں نہیں ہوا تندرست بیمار کے لئے مصیبت ہے اور شریف رذیل کے لئے حضرت ابن عباس نے (فتنہ کا معنی آزمائش (بیان کیا اور) فرمایا ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لئے آزمائش بنادیا ہے تاکہ جو لوگ تمہارے مخالف ہیں اور تمہاری مخالفت میں باتیں کرتے ہیں اور تم ان کی باتوں کو سنتے اور ان کی مخالفتوں کو دیکھتے ہو تم ان کی اس اذیت رسانی پر صبر کرو اور اپنے سیدھے راستے پر چلتے رہو۔

بعض اہل روایت نے کہا اس آیت کا نزول صرف اونچے اور نیچے کے طبقوں کے سلسلہ میں ہوا اعلیٰ طبقہ کے لوگوں میں سے اگر کوئی شخص مسلمان ہونا چاہتا اور اس سے پہلے کوئی زیریں طبقے کا شخص مسلمان ہو چکا ہوتا تو اس بالا طبقہ کے آدمی کو خیال ہوتا کہ اب اگر میں مسلمان ہوا تو اس ذلیل رذیل مسلمان کو مجھ پر برتری حاصل رہے گی اور مجھے اس کے پیچھے رہنا پڑے گا یہ سوچ کر وہ اپنا ارادہ بدل دیتا اور مسلمان نہ ہوتا۔ بعض کے بعض کے لئے آزمائش بنائے جانے کا یہی مطلب ہے یہ بیان کلبی کا ہے۔ مقاتل نے کہا اس آیت کا نزول ابوجہل، ولید بن عتبہ عاص بن وائل اور نضر بن حارث کے حق میں ہوا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت ابوذرؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عمارؓ، حضرت بلالؓ، حضرت صہیبؓ اور حضرت عامر بن فہیرہؓ مسلمان ہو چکے ہیں کہنے لگے اب اگر ہم مسلمان ہوئے تو ان کے برابر ہونا پڑے گا۔

قتادہ نے کہا قریش مومنوں کا مذاق بناتے تھے اور کہتے تھے ذرا محمد کے ساتھیوں کو تو دیکھو جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا ہے وہ تو ہمارے غلام ہیں کمینے ہیں ذلیل طبقے کے ہیں اللہ نے ان مومنوں کو خطاب کر کے فرمایا۔

اَتَصۡبِرُوۡنَ کیا اس فقر و مصیبت اور کافروں کی طرف سے اذیت پہنچنے پر تم صبر رکھو گے۔ یا صبر نہ رکھو گے، صبر رکھو گے تو اجر پاؤ گے۔ صبر نہ رکھو گے تو غم والوں میں مزید مبتلا ہو گے مطلب یہ کہ صبر رکھو۔

وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيۡرًا ﴿٢٠﴾ اور آپ کا رب (صبر رکھنے والوں اور صبر نہ رکھنے والوں کو) خوب دیکھ رہا ہے۔ ع ۲ ۱۱ ۱۷

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مال اور جسم کے لحاظ سے اپنے سے اونچے کو دیکھے تو اپنے سے نیچے کو بھی دیکھے (یعنی اپنے سے اونچے کو مت دیکھو کہ حسرت ہو نیچے کو دیکھو کہ تسلی ہو اور شکر کی توفیق ہو) رواہ الشیخان فی الصحیحین واحمد۔

اٹھارہواں پارہ ختم

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وقال الذین

انیسواں پارہ شروع

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا اور جو لوگ ہم سے ملنے کی امید ہی نہیں رکھتے (کیونکہ وہ دوبارہ زندگی کے منکر ہیں) وہ کہتے ہیں چونکہ دوسری زندگی کے وہ قائل نہیں اس لئے اللہ سے مل کر ان کو کسی بھلائی کی امید بھی نہیں اور نہ کسی برائی کا خوف ہے۔ رجاء کا بمعنیٔ خوف مجازی استعمال ہے یا (یوں کہا جائے کہ) تہامہ والوں کی زبان میں رجاء امید و خوف دونوں معانی میں مستعمل ہے فراء نے یہی کہا ہے اللہ نے ایک اور آیت میں فرمایا ہے مَا لَکُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰہِ وَقَارًا تم اللہ کی عظمت سے کیوں نہیں ڈرتے۔ لغت میں کسی چیز تک پہنچنے کو لقاء کہا جاتا ہے (ملاقات کرنے یعنی) کسی کے دیکھنے کو بھی لقا اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کسی کو دیکھنے کا معنی ہے اس شخص تک پہنچنا۔ آیت میں سزا تک پہنچنا مراد ہے۔

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِکَۃُ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے گئے جو محمد ﷺ کے سچا ہونے کی ہم کو اطلاع دیتے۔ یا اللہ کی طرف سے ہمارے پاس قاصد بن کر آتے۔

اَوْ نَرٰی رَبَّنَا ؕ یا ہم اپنے رب کو (خود) دیکھتے اور وہ ہم کو محمد کا اتباع کرنے کا حکم دیتا۔

لَقَدِ اسْتَکْبَرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِہِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا کَبِیْرًا ﴿۲۱﴾ یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں اور حد انسانیت سے بہت دور نکل گئے ہیں۔

یعنی انہوں نے اپنے کو بہت بڑا سمجھا کہ ایسی بات کی طلب کی جو انبیاء کرام کو بھی کبھی بعض خاص حالات و لوقات میں حاصل ہوتی ہے۔

وَعَتَوْا عُتُوًّا کَبِیْرًا اور کفر میں حد سے آگے بڑھ گئے، انتہائی درجہ کفر تک پہنچ گئے مجاہد نے کہا عتوا یعنی انتہائی سرکش ہوگئے۔ مقاتل نے کہا مغرور ہوگئے بغوی نے لکھا ہے عتو کا معنی ہے شدید ترین کفر اور بہت ہی بڑا ظلم۔ عتو کبیر سے مراد ہے کہ (غرور کی) انتہا کو پہنچ گئے۔ یہاں تک کہ خدا کو دیکھنے کے طلب گار ہوگئے۔

بعض علماء نے کہا عتو کبیر یہ تھا کہ انہوں نے کھلے ہوئے واضح معجزات اپنی آنکھوں سے دیکھے اور پھر انکو نہ مانا اور ایسی چیز کے خواستگار بن گئے جس کا حصول بڑے بڑے طالبین کاملین کو بھی نہیں ہو سکا۔

یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓئِکَۃَ جس روز وہ فرشتوں کو دیکھیں گے یعنی مرنے کے وقت یا قیامت کے دن جب کافر ملائکہ کو دیکھیں گے۔

لَا بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ اس روز مجرموں کے لئے کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی۔

یہ جملہ معترضہ ہے یا یہ مطلب ہے کہ اس روز فرشتے کہیں گے کافروں کے لئے آج کوئی خوشی کی خبر نہیں۔ عطیہ نے کہا قیامت کے دن ملائکہ مومنوں کو بشارت دیں گے اور کافروں سے کہیں گے (آج) تمہارے لئے کوئی خوشی کی خبر نہیں۔

Marfat.com

بعض نے یہ مطلب بیان کیا کہ جس روز وہ فرشتوں کو دیکھیں گے (یعنی مرنے کے وقت یا قیامت کے دن) اس روز فرشتے ان کو بشارت نہیں دیں گے۔ مومنوں کو جنت کی بشارت دیں گے۔

للمجرمین رفتار کلام چاہتی تھی کہ لھم کہا جاتا لیکن ضمیر کی جگہ صراحت کے ساتھ مجرمین کہنا ان کے مجرم ہونے پر دلالت کر رہا ہے اور یہ بات بھی معلوم ہو رہی ہے کہ مانع بشارت ان کا مجرم ہونا ہوگا۔

وَ يَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ اور کہیں گے پناہ ہے پناہ ہے۔

بغوی نے بحوالۂ عطاء حضرت ابن عباس کا قول اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ فرشتے کہیں گے حرام ہے حرام کر دیا گیا ہے کہ جنت میں سوائے ان لوگوں کے جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل تھے کوئی اور داخل ہو۔

مقاتل نے کہا جب کافروں کو قبروں سے نکالا جائے گا تو اس وقت ملائکہ ان سے کہیں گے حرام ہے تمہارے لئے جنت حرام کر دی گئی ہے۔ بعض علماء نے کہا جب مجرموں کو قبروں سے نکالا جائے گا اور وہ ملائکہ کو دیکھیں گے تو مجرم خود ہی یہ الفاظ کہیں گے۔ بغوی نے بحوالہ ابن جریج لکھا ہے کہ عربوں پر جب کوئی مصیبت آتی ہے اور کسی ناخوشگوار امر میں مبتلا ہوتے ہیں تو حجراً محجوراً کہتے ہیں چنانچہ مجرم فرشتوں کو دیکھنے کے بعد یہ الفاظ کہیں گے۔

بعض نے اس لفظ کا ترجمہ کیا پناہ خدا کی پناہ۔ مجاہد نے کہا جب کافر ملائکہ کو دیکھیں گے تو اس روز فرشتوں سے (اللہ کی پناہ) مانگیں گے اور حجراً محجوراً کہیں گے یعنی اللہ سے درخواست کریں گے کہ فرشتوں سے ان کو بچالے۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اور ہم ان کے ان (نیک) اعمال کی طرف جو وہ (دنیا میں) کر چکے تھے متوجہ ہوں گے سو ان کو ایسا کر دیں گے جیسے پریشان غبار۔

من عمل یعنی کافروں کے اچھے اعمال جیسے مہمان نوازی، کنبہ پروری، رشتہ داروں سے حسن سلوک، مصیبت زدہ کی مدد وغیرہ

هَبَآءً مَّنْثُوْرًا یعنی بے کار، رائیگاں جس کا آخرت میں کوئی ثواب نہ ہوگا کیونکہ ثواب کی شرط ہے ایمان اور محض اللہ کے لئے نیکی کرنا اور یہ دونوں شرطیں کافروں کے اعمال میں مفقود ہیں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا ہباء ان ذروں کو کہتے ہیں جو روشن دانوں (اور کواڑوں) کے شگافوں سے سورج کی روشنی پر غبار کی طرح نظر آتے ہیں مگر ہاتھ سے ان کو چھوا نہیں جا سکتا اور نہ وہ سایہ میں نظر آتے ہیں حسن، مجاہد اور عکرمہ نے بھی اس لفظ کی یہی تشریح کی منثور کا معنی ہے پراگندہ۔

حضرت ابن عباس قتادہ اور سعید بن جبیر نے فرمایا ہباء اس دھول کو کہتے ہیں جس کو ہوا اڑاتی ہے اور بکھیرتی ہے۔ مقاتل نے کہا ہبا وہ غبار ہے جو گھوڑوں کی ٹاپوں سے دوڑنے کے وقت اڑتا ہے۔

بعض علماء نے کہا ہبا منثور وہ ذرات ہوتے ہیں جو روشن دانوں کے سوراخوں سے سورج کی کرنوں پر نظر آتے ہیں اور ہباء منبث وہ دھول ہوتی ہے جو گھوڑوں کی ٹاپوں سے اٹھتی اور اس کو اڑاتی ہے۔

کافروں کے اچھے اعمال آخرت میں ناکارہ ثابت ہوں گے ان کی کوئی حقیقت نہ ہوگی اس حقارت اور عدم افادیت کو ہباء سے تشبیہ دی۔ پھر منثور فرمایا منثور کی کوئی تنظیم نہیں۔ کفار کے اعمال کی بھی تنظیم نہ ہوگی (کسی ضابطۂ ایمان کے زیر اثر منظم نہ ہوں گے) یا ہباء منثور کی طرح منتشر ہو جائیں گے۔

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾ اہل جنت اس روز قیام گاہوں کے اعتبار سے بھی اچھے اور آرام گاہوں کے اعتبار سے بھی بہتر ہوں گے۔

مستقر قرار گاہ جہاں بیشتر اوقات میں آدمی ٹھہرتا ہے۔

مقیلا ٹھکانا جس کی طرف آرام لینے اور بیویوں سے تمتع اندوز ہونے کے لئے آدمی رجوع کرتا ہے یا مقیل سے مراد

Marfat.com

[illegible] تو ہو کا ہی نہیں اس لئے (حقیقی معنی مراد نہیں ہو سکتے) مجازی معنی بطور تشبیہ مراد ہیں۔

[illegible] وقت آرام لینے کو کہتے ہیں۔ خواہ نیند نہ ہو کیونکہ اللہ نے وَاَحْسَنُ مَقِيلًا [illegible]

[illegible]

[illegible] اس امر کی طرف کہ اہل جنت کی قرارگاہیں طرح طرح کی خوبصورت تصویروں اور [illegible] ہوں گی۔

[illegible] مصدر ہوں یا ظرف زمان یعنی ان کی قرارگاہیں اور اوقات استراحت اتنے خوش گوار [illegible] (آرام و آسائش کے جو مکان یا اوقات) پیش پرستوں اور [illegible] اہل جنت کے لئے ہوں گے۔

[illegible] اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور حاکم نے حضرت ابن مسعود کی روایت [illegible] صحیح بھی کہا ہے کہ قیامت کا دن آدھا ہونے پائے گا کہ یہ (اہل جنت) اور وہ [illegible] بغوی کی روایت میں حضرت ابن مسعود کا بیان ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے [illegible] اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ میں جا کر ٹھہر جائیں گے۔ پھر آپ نے یہ آیت [illegible] حضرت ابن مسعود کی قرأت میں یہ آیت اسی طرح آئی ہے ابن جریر ابن المنذر اور [illegible] کا قول نقل کیا ہے لوگ خیال کرتے تھے کہ قیامت کے دن آدھے دن میں لوگوں کا حساب ختم [illegible] دوزخ والے دوزخ میں قیلولہ کریں گے (دوپہر بسر کریں گے) بغوی نے لکھا ہے حضرت [illegible] آدھے دن میں ہی ہو جائے گا اور جب لوگ قیلولہ کریں گے تو جنت میں پہنچ کر اپنی اپنی [illegible] بغوی نے لکھا ہے یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ مومنوں کے لئے قیامت کا دن چھوٹا کر دیا جائے [illegible] تک ہوتا ہے۔

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا۝ اور جس روز (طلوع)

[illegible] آسمان پھٹ جائے گا اور فرشتے اتارے جائیں گے۔ یقینا

[illegible] جس کا ذکر آیت هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ [illegible] میں اس کا بیان گزر چکا ہے غمام ایک سفید باریک بادل کہر کی طرح ہو گا جو صرف بنی [illegible] اللہ نے نازل فرمایا تھا۔

[illegible] کہتے ہیں رمیت انسہم بالقوس میں نے کمان سے تیر پھینکا بالغمام میں [illegible] آسمان کھل جائے گا۔

[illegible] اور ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ قیامت [illegible] ساری مخلوق کو جمع کرے گا جن وانس کو چوپایوں کو درندوں کو پرندوں کو غرض سب مخلوق کو [illegible] (نچلا آسمان) پھٹ جائے گا اور اس کے باشندے اتنے اتر پڑیں گے کہ سارے جنات اور انسانوں [illegible] کل مخلوق ارضی سے زائد ہوں گے اور [illegible] سب کو گھیر [illegible] لیں گے زمین والے پوچھیں گے کیا تمہارے [illegible] وہ جواب دیں گے [illegible] دوسرے آسمان والے اتریں گے جو کل زمین والوں اور پہلے آسمان والوں سے [illegible] پوچھیں گے کیا تمہارے اندر ہمارا رب ہے وہ جواب دیں گے نہیں اور کل جن وانس اور ملائکہ کو [illegible] تیسرے آسمان والے اتریں گے۔ زمین والوں سے اور پہلے دوسرے آسمان والوں کے مجموعہ سے ان [illegible] لوگ دریافت کریں گے کیا تمہارے اندر ہمارا رب ہے وہ جواب دیں گے نہیں۔ پھر چوتھے آسمان والے

Marfat.com

اتریں گے ان کی تعداد تینوں آسمان والوں اور زمین والوں کے مجموعہ سے زیادہ ہو گی۔ لوگ ان سے دریافت کریں گے کیا تمہارے اندر ہمارا رب ہے وہ کہیں گے نہیں۔ پھر پانچویں آسمان والے نازل ہوں گے اور ان کی تعداد تمام پہلے والوں سے زیادہ ہو گی پھر چھٹے آسمان والے بھی اسی طرح اتریں گے پھر ساتویں آسمان والے بھی اتریں گے اور ان کی گنتی سب کے مجموعہ سے زائد ہو گی۔ ان سے دریافت کیا جائے گا کیا تمہارے اندر ہمارا رب ہے وہ جواب دیں گے نہیں۔ پھر ہمارا عرش غمام کے سائبانوں میں (اس شان کے ساتھ) اترے گا کہ اس کے گرد کروبی ہوں گے کروبیوں کی تعداد ساتوں آسمان والوں اور زمین والوں سے زائد ہو گی اور حاملین عرش بھی ہوں گے عرش کو اٹھانے والے ملائکہ کے سینگ ہوں گے ایسے جیسے بانس کی گانٹھیں ان کے ایک ایک قدم کا فاصلہ اتنا اتنا (یعنی ناقابل اندازہ) ہو گا۔ ان کے پاؤں کے تلوے سے ٹخنے تک کا فاصلہ پانسو برس کی راہ کے برابر ہو گا اور ٹخنے سے زانو تک کا فاصلہ بھی پانچ سو برس کی راہ کے برابر ہو گا اور کولھے کی نوک سے ہنسلی تک کا فاصلہ بھی پانچ سو برس کی راہ کے برابر ہو گا اور ہنسلی سے کان کی لو تک کا فاصلہ بھی پانچ سو برس کی راہ کے برابر ہو گا۔

یہ حدیث مع اس کی تاویلات کے سورۂ بقرہ کی آیت هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ کی تفسیر کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ (یہ حدیث منکر ہے سلسلۂ روایت میں بعض راوی ناقابل اعتبار ہیں)

ابن جریر اور ابن مبارک نے ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ کے حکم سے آسمان اپنے باشندوں سمیت پھٹ پڑے گا اس حکم کے وقت ملائکہ آسمان کے کناروں پر ہوں گے اور نیچے اتر کر ساری زمین اور زمین والوں کو گھیر لیں گے پھر دوسرے تیسرے چوتھے پانچویں چھٹے اور ساتویں آسمان کا بھی یہی حال ہو گا پھر سب فرشتے صف بستہ ہو جائیں گے ایک قطار کے بعد دوسری قطار (ترتیب وار) ہو جائے گی پھر ایک فرشتہ اترے گا جس کے بائیں جانب جہنم ہو گا زمین والے جہنم کو دیکھ کر ادھر ادھر بھاگ پڑیں گے مگر زمین کے جس کنارے پر پہنچیں گے وہاں ملائکہ کی سات صفیں گھیرے ہوئے ملیں گی مجبوراً اسی جگہ جہاں سے بھاگے تھے لوٹ آئیں گے۔ آیات ذیل میں اسی کا بیان ہے اللہ نے فرمایا ہے اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ۔ وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا۔

لوگ اسی حالت میں ہوں گے کہ اچانک ایک آواز سنائی دے گی اور لوگ حساب (فہمی) کے لئے چل دیں گے۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِۨ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ اس روز (حقیقی) حکومت رحمٰن ہی کی ہو گی۔ یعنی اس روز حق اور واقعی لازوال حکومت رحمٰن کی ہی ہو گی کسی دوسرے کی (ظاہری اور مجازی طور پر بھی) نہیں ہو گی۔

وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ۝۲۶ اور وہ دن کافروں کے لئے سخت دشوار دن ہو گا۔

حضرت ابو سعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے اس دن کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کے برابر ہو گی (اور عرض کیا گیا) کیسا لمبا دن ہو گا (اور اتنا لمبا وقت کیسے کٹے گا) حضور نے فرمایا قسم ہے اسکی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مومن کے لئے وہ بہت ہلکا ہو گا یہاں تک کہ فرض نماز کے (ایک) وقت سے بھی اس کے لئے زیادہ آسان (اور چھوٹا) ہو گا۔

بغویؒ نے لکھا ہے عقبہ بن ابی معیط کا دستور تھا کہ جب سفر سے واپس آتا تھا تو کھانا تیار کراتا اور اپنی قوم کے بڑے بڑے لوگوں کی دعوت کرتا تھا۔ یہ شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس زیادہ بیٹھتا تھا ایک روز سفر سے واپس آکر کھانا تیار کرایا اور لوگوں کی دعوت کی رسول اللہ ﷺ کو بھی کھانے کے لئے بلایا (آپ تشریف لے گئے) جب عقبہ نے کھانا لاکر رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھا تو حضور ﷺ نے فرمایا میں اس وقت تک تمہارا کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک تم لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت نہ دو گے۔ عقبہ نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا اور حضور ﷺ نے اس کا کھانا کھا لیا عقبہ ابی بن خلف کا دوست تھا (اور ابی سخت کافر

Marfat.com

تھا) ابی کو عقبہ کے کلمۂ شہادت پڑھنے کی اطلاع ملی تو اس نے عقبہ سے کہا عقبہ تم بے دین ہو گئے عقبہ نے کہا نہیں تو خدا کی قسم میں تو بے دین نہیں ہوا۔ بات صرف یہ تھی کہ میرے گھر ایک آدمی آیا اور بغیر کلمہ شہادت پڑھوائے میرا کھانا کھانے سے اس نے انکار کر دیا میری غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ وہ میرے گھر سے بغیر کھانا کھائے چلا جائے اس لئے میں نے شہادت دیدی اور اس نے کھانا کھالیا ابی نے کہا میں اس وقت تک تم سے راضی نہیں ہوں گا جب تک تم جا کر اس کے منہ پر تھوک نہ دو گے عقبہ نے جا کر ایسا کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں نے بھی اگر مکہ کے باہر تجھے پالیا تو تیرے سر پر تلوار ماروں گا (یعنی تجھے قتل کر دوں گا۔) چنانچہ عقبہ کو بدر کے دن بند ھوا کر قتل کر دیا گیا۔ رہا ابی تو اس کو احد کے دن رسول اللہ نے اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔ ابن جریر نے یہ روایت مرسل بھی نقل کی ہے اس روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔ ابی نے عقبہ سے کہا میں تم سے اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک تم اس کی گردن کو پاؤں سے روند نہ دو گے۔ اور اس کے منہ پر تھوک نہ دو گے چنانچہ عقبہ نے جب دار الندوہ میں حضور کو سجدے کی حالت میں پایا تو وہ ایسا کر گزرا۔ حضور نے فرمایا جب میں مکہ کے باہر تجھ کو پاؤں گا تو تیرے سر پر تلوار ماروں گا بدر کے دن عقبہ قید کر لیا گیا۔ حضور نے حضرت علیؓ کو عقبہ کے قتل کر دینے کا حکم دیا۔ اور مقابلہ کے وقت ابی کے بھالا مارا پھر ابی مکہ کو لوٹ گیا اور مر گیا۔ عقبہ اور ابی کے متعلق آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿٢٧﴾

اور جس روز کہ ظالم (افسوس سے) اپنے دانتوں سے اپنے ہاتھ کاٹے گا (اور) کہے گا کاش میں رسول کے ساتھ (ان کی) راہ پکڑ لیتا۔

الظالم سے مراد ہے عقبہ بن ابی معیط ابن جریر نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ ابی بن خلف رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ عقبہ بن ابی معیط نے اسکو سرزنش کی اس پر یہ آیت خذولا تک نازل ہوئی شعبی اور مقسم سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے دانتوں سے ہاتھ کاٹنا۔ انگلیوں کے پورے کھانا۔ دانت پیسنا یہ سب کنائی الفاظ ہیں ان سے مراد ہوتا ہے انتہائی غصہ اور حسرت۔

ضحاک نے کہا جب عقبہ نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک پر تھوک پھینکا تو اس کا تھوک لوٹ کر اسی کے رخساروں پر آپڑا۔ جس سے دونوں رخسار جل گئے اور مرتے دم تک جلنے کا نشان نہیں گیا شعبی کا بیان ہے کہ عقبہ بن ابی معیط امیہ بن خلف کا دوست تھا۔ عقبہ مسلمان ہو گیا۔ امیہ نے کہا چونکہ تو نے محمد کی بیعت کر لی ہے اس لئے میرا چہرہ تیرے لئے اور تیرا چہرہ میرے لئے دیکھنا حرام ہے عقبہ نے اسلام کا انکار کر دیا اور مرتد ہو گیا اس پر اللہ نے اس کے بارے میں آیت يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ نازل فرمائی الظالم سے مراد ہے عقبہ بن ابی معیط بن امیہ بن عبد الشمس بن عبد مناف۔ ہاتھ کاٹنے سے مراد ہے ندامت و افسوس کہ وہ دوست جس نے اس کو اللہ کے راستہ سے روکا اس نے اس کا کہا مان لیا اور گناہ و کفر کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو خود تباہ کر دیا۔ عطاء نے کہا وہ (قیامت کے دن) اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک کھا جائے گا پھر ہاتھ اگ آئیں گے وہ حسرت و افسوس کرتے ہوئے ان کو پھر کھا جائے گا اور یوں ہی ہاتھ اگتے رہیں گے اور وہ حسرت کے ساتھ کھاتا رہے گا۔

يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا یعنی کاش میں محمد کا اتباع کر لیتا اور ان کی معیت میں ہدایت کا راستہ اختیار کر لیتا جو ایک ہی ہے اور مجھے گمراہی کی طرف نہیں لے جاتا۔

يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿٢٨﴾ ہائے افسوس کاش میں فلاں (یعنی ابی بن خلف) کو دوست نہ بناتا۔

لَّقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي اس نے قطعاً مجھے ذکر (خداوندی) کی طرف سے گمراہ کر دیا بعد اس کے کہ ذکر میرے پاس آچکا تھا۔

Marfat.com

ذکر سے مراد ہے اللہ کی یاد یا قرآن مجید یا رسول اللہ ﷺ کی نصیحت یا کلمہ شہادت۔

وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ اور شیطان انسان کو بے مدد چھوڑنے والا ہے۔

الشیطن :۔ مراد ہے گمراہ کرنے والا دوست۔ ہر سرکش سرتاب اور ہر راہ خدا سے روکنے والا انسان ہو یا جن شیطان ہے۔ خذلان کا معنی ہے بے مدد چھوڑ دینا۔ (ضرورت کے وقت) مدد نہ کرنا مطلب یہ ہے کہ شیطان کسی کا دوست نہیں ہلاکت کے غار تک پہنچا کر ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔

ان آیات کا مورد اگرچہ خاص ہے لیکن عموم عبارت کے زیر اثر حکم عام ہے جو دو دوست گناہ پر دوستی کو قائم رکھے ہوں ان کو آیت کا حکم شامل ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نیک اور بد ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کے پاس تو مشک ہے اور دوسرا لوہار کی بھٹی دھونک رہا ہے مشک اپنے پاس رکھنے والا یا تو تم کو (کچھ مشک مفت) دیدے گا یا تم اسے خرید لوگے یا (کم از کم) عمدہ خوشبو ہی تم کو (اس کی طرف سے) مل جائے گی۔ اور بھٹی دھونکنے والا یا تمہارے کپڑوں کو جلادے گا یا (کم از کم) بدبو تم کو اس کی طرف سے پہنچے گی۔ (رواہ البخاری)۔

حضرت ابو سعید خدری کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا سوائے مومن کے کسی کے ساتھ نہ رہو اور سوائے پرہیزگاروں کے تمہارا کھانا اور کوئی نہ کھائے (یعنی صرف نیک لوگوں کی دعوت کرو) رواہ احمد والترمذی وابن حبان والحاکم

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (عام طور پر) آدمی اپنے دوست کے مسلک پر ہوتا ہے اس لئے اس کو (پہلے سے) دیکھ لینا چاہئے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے (رواہ البغوی)

امام احمد اور اصحاب سنن نے اور شیخین نے صحیحین میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے نیز صحیحین میں حضرت ابن مسعود کی روایت سے بھی آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا آدمی اسی کے ساتھ ہوگا۔ (یا ہوتا ہے) جس سے اس کو محبت ہوگی۔ (یا محبت ہے)

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ اور (اس روز) رسول اللہ ﷺ (یعنی محمد ﷺ) کہیں گے اے میرے رب میری قوم (یعنی قریش) نے اس قرآن کو متروک کر رکھا تھا۔ یعنی قرآن سے روگرداں ہو گئے تھے اس پر ایمان نہیں لائے تھے اور اس کے احکام پر عمل نہیں کیا تھا۔

بعض نے کہا مجور ہجر سے مشتق ہے ہجر کا معنی ہے بیہودہ کلام بکواس۔ مطلب یہ ہے کہ میری قوم نے اس قرآن کو بیہودہ بکواس قرار دے رکھا تھا کوئی شاعری کہتا تھا، کوئی کہانت، کوئی جادو نخعی اور مجاہد نے یہی تشریح کی ہے۔

بعض لوگوں نے آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ رسول ﷺ نے (دنیا میں) کہا اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو متروک بنا دیا اس قول کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کی سرکشی اور بیہودہ کلامی کا اللہ سے شکوہ کیا اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو تسلی دینے کے لئے فرمایا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۚ اور اسی طرح ہم نے مشرکوں میں سے ہر پیغمبر کے دشمن بنا دیئے تھے اس لئے آپ بھی ویسے ہی صبر کریں جیسا گزشتہ پیغمبروں نے کیا میں یقیناً آپ کی مدد کرنے والا اور راستہ بتانے والا ہوں۔

وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾ اور آپ کا رب آپ کو (دشمنوں پر) راستہ بتانے اور آپ کی مدد کرنے کے لئے کافی ہے۔

ابن ابی حاتم اور حاکم نے اور المختار میں ضیاء نے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ مشرکوں نے کہا کہ اگر محمد اپنے دعوئے نبوت میں سچے ہیں تو پھر ان کا رب ان کو دکھ کیوں دیتا ہے (اور کیوں بار بار تھوڑی تھوڑی آیات بھیجتا ہے) یکدم پورا قرآن ان پر کیوں نہیں اتار دیتا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

Marfat.com

مع وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾

اور کافروں نے کہا کہ محمد پر پورا قرآن نازل نہیں کیا گیا (جیسے موسیٰ پر توریت عیسیٰ پر انجیل اور داؤد پر زبور نازل کی گئی تھی) ہم نے اس کو اسی طرح نازل کیا ہے تاکہ آپ کے دل کو مضبوط رکھیں اور ہم نے اس کو واضح طور پر کھول کر بیان کیا ہے۔

نزل بمعنی انزل ہے (یعنی تدریجاً نزول مراد نہیں ہے) کیونکہ آگے جملة واحدة کا لفظ آیا ہے جس سے مراد ہے یکدم پورا قرآن۔

بیضاوی نے کہا کافروں کا یہ اعتراض بے کار تھا۔ کیونکہ قرآن یکدم نازل کیا جاتا یا تھوڑا تھوڑا بہر حال اس کے اعجاز میں تو کوئی فرق نہیں آسکتا تھا پھر تدریجی نزول میں بہت سے فوائد بھی تھے جن کی طرف اگلی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

کذلک کاف کا تعلق فعل محذوف سے ہے۔ یعنی ہم نے اس کو اس طرح تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا۔

لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ تاکہ اس سے آپ کے دل کو جماؤ عطا کریں آپ کو سمجھنے اور یاد رکھنے میں دشواری نہ ہو۔ پھر واقعات اور حالات کے موافق نازل کرنے میں معنوی بصیرت بھی اس سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ جب تھوڑا تھوڑا نازل کیا گیا اور ہر ٹکڑے کو چیلنج کے طور پر پیش کیا گیا اور کفار ہر ٹکڑے کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہوئے تو اس سے اللہ کے رسول ﷺ کے دل کو قوت حاصل ہوئی۔ تدریجی نزول کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ ہر مرتبہ جبرئیلؑ نے آکر آپ ﷺ کے دل کو قوی کیا۔ تدریجی نزول سے ناسخ و منسوخ کی پہچان بھی ہو گئی۔ دلالت لفظیہ کے ساتھ قرائن حالیہ نے مل کر بلاغت کلام کو مزید اجاگر کیا۔

رتلنه ترتيلا حضرت ابن عباس نے اس کا ترجمہ کیا ہم نے قرآن کو واضح طور پر بیان کر دیا۔ ترتیل کا معنی ہے ترسل یعنی ٹھہر ٹھہر کر (الگ الگ صاف صاف) پڑھنا۔ سدی نے ترجمہ کیا ہم نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے الگ الگ کر دیا۔ مجاہد نے کہا ہم اس کے ایک حصہ کو دوسرے کے بعد لائے نخعی اور حسن نے کہا ہم نے اس کو جدا جدا ٹکڑوں میں بانٹ دیا (تمام اقوال کا مطلب تقریباً ایک ہی ہے مترجم) ترتیل کا اصلی استعمال دانتوں کی جھریاں بتانے کے لئے ہوتا ہے (اگر ہر دانت دوسرے دانت کے ساتھ ہموار ہو اور دونوں کے درمیان جھری نما ایک لکیر ہو تو دانتوں کی اس حالت کو ترتیل اسنان کہا جاتا ہے۔

وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اور وہ کوئی عجیب سوال آپ کے سامنے نہیں لاتے۔ مثل سے مراد ہے عجیب سوال گویا ان کا سوال مثالی ہوتا ہے جس سے وہ آپ کی نبوت کو مجروح کرنا چاہتے ہیں۔

اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ مگر ہم آپ کو اس کا صحیح جواب عطا کر دیتے ہیں جس سے ان کے سوال کی صحیح تردید ہو جاتی ہے۔

وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ اور بہترین تشریح کے ساتھ (جواب دیتے ہیں جس سے ان کا اعتراض دور ہو جاتا ہے) یا مثل سے مراد ہے عجیب حالت یعنی وہ جب آپ کی کوئی (گزشتہ) عجیب حالت بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں اس کا یہ حال تھا تو ہم آپ کو اپنی حکمت کے موافق حالت عطا کر دیتے ہیں جس سے آپ کی نبوت کی غرض کا انکشاف ہو جاتا ہے۔

فسر کا معنی ہے ظاہر کر دینا کسی ڈھانکی ہوئی چیز کا پردہ ہٹا دینا کذا فی القاموس۔

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾ ع ۳ ۱۴

جن لوگوں کو منہ کے بل جہنم کی طرف ہنکا کر لے جایا جائے گا وہ رہنے کے مقام کے لحاظ سے بھی بدتر ہوں گے اور طریقہ میں بھی بہت گمراہ ہوں گے۔

اضل کا مفضل علیہ محذوف ہے یعنی رسول۔ اس آیت کا اسلوب ویسا ہی ہے جیسے آیت هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ۔

Marfat.com

گویا آیت کا مطلب یوں ہوا کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے راستے کو گمراہی کا راستہ جانتے ہیں اور آپ کو حقیر سمجھتے ہیں اور اپنے حال سے واقف نہیں کہ وہ کس قدر برے مقام میں ہیں اور رسول سے (جو بقول ان کے گمراہ ہیں) کتنے زیادہ گمراہ ہیں۔
بعض اہل تفسیر کے نزدیک اس آیت کا اتصال آیت أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا سے ہے۔ اس تفسیر پر مفضل علیہ عام ہوگا۔ یعنی وہ لوگ سب سے زیادہ برے مقام والے ہوں گے اور ہر گمراہ سے زیادہ گمراہ ہوں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن تین طور پر لوگوں کو چلایا جائے گا کچھ سوار کچھ پیدل کچھ منہ کے بل چلنے والے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا منہ کے بل چلیں گے فرمایا جس نے پاؤں سے چلایا ہے وہ منہ کے بل چلانے کی بھی قدرت رکھتا ہے رواہ ابوداؤد والبیہقی۔

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کیا قیامت کے دن کافر کو منہ کے بل چلایا جائے گا۔ فرمایا جس نے دنیا میں قدموں سے چلایا ہے کیا وہ قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر قادر نہ ہوگا۔ متفق علیہ

حضرت معاویہ بن حیدہ کی روایت ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے تمہارا حشر (تین حالات میں) ہوگا کچھ پیدل ہوگئے کچھ سوار کچھ منہ کے بل چلائے جاؤ گے رواہ الترمذی۔ ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

حضرت ابوذر کا بیان ہے مجھ سے سچے (نبی) نے جن کی تصدیق (اللہ کی طرف سے) ہوئی تھی۔ فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ تین جماعتوں کی صورت میں چلائے جائیں گے ایک گروہ سیر شکم، لباس پوش اور سوار ہوگا ایک گروہ پیدل رواں دواں ہوگا اور ایک گروہ کو فرشتے منہ کے بل گھسیٹیں گے۔ رواہ النسائی والحاکم والبیہقی۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيرًا ﴿۳۵﴾ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) دی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو مددگار بنادیا۔ یعنی دعوت اسلام اور اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے ہارون کو موسیٰ کا مددگار بنادیا۔ وزیر (مددگار) کہنے سے نبوت کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ کسی کام میں اگر دو آدمی شریک ہوں (اور مقصد ایک ہو) تو ہر ایک دوسرے کا مددگار ہوتا ہے۔

فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا اور ہم نے کہہ دیا کہ تم دونوں اس قوم (کی ہدایت کے لئے اس) کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا ہے یعنی اللہ کی بنائی ہوئی آیات فطرت جو اللہ کی ذاتی و صفاتی توحید پر دلالت کر رہی ہیں اور بتا رہی ہیں کہ اللہ اپنی ذات و صفات میں ایک ہے ان آیات کا وہ لوگ انکار کرتے ہیں جو (دہریہ ہیں) صانع اور خالق کے منکر ہیں یا مشرک ہیں دوسروں کو خدا کا ساجھی قرار دیتے ہیں اور بتوں کو پوجتے ہیں تم دونوں جاکر ان کو اللہ کی ذات و صفات کو ماننے اور اللہ کو ایک سمجھنے کی دعوت دو۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آیات سے مراد حضرت موسیٰ کے معجزات ہوں۔ اس مطلب پر الذین کذبوا بایتنا کا یہ مطلب ہوگا کہ نزول قرآن کے وقت میں جو لوگ موسیٰؑ کے معجزات کے منکر تھے ان کی ہدایت کے لئے ہم نے موسیٰ و ہارونؑ کو مامور کیا۔ آیات سے توریت کی آیات مراد نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ توریت کا نزول تو فرعون کے ہلاک ہونے کے بعد ہوا تھا (فرعون کے پاس توریت دے کر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ کو نہیں بھیجا گیا تھا)

فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا ﴿۳۶﴾ پھر ہم نے اس قوم کو کامل طور پر تباہ کر دیا۔
اس عبارت میں کچھ ایجاز اور اختصار ہے مفصل کلام اس طرح تھا۔ حسب الحکم موسیٰ اور ہارونؑ اس قوم کے پاس گئے ان کو ایمان کی دعوت دی لیکن انہوں نے دونوں کو جھوٹا قرار دیا آخر ہم نے ان لوگوں کو تباہ کر دیا۔ کلام میں اختصار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جو اصل مقصود تھا اس کی صراحت کر دی۔ یعنی پیغمبر بھیج کر حجت پوری کر دی اور تکذیب کی وجہ سے لوگ تباہ ہونے کے مستحق ہوگئے بس اس جگہ اتنا ہی بیان کر دینا کافی تھا (تاکہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت ثابت ہو جائے۔ اور نبوت کی غرض ظاہر

Marfat.com

ہو جائے۔ مترجم)

وَقَوْمَ نُوحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنٰهُمْ　　اور قوم نوحؑ (کا بھی تذکرہ کرو) جب اس قوم نے پیغمبروں کو جھوٹا قرار دیا تو ہم نے ان کو غرق کر دیا۔

تکذیب رسل سے مراد ہے حضرت نوح کی اور آپ سے پہلے گزرنے ہوئے پیغمبروں کی تکذیب یا یوں کہا جائے کہ صرف حضرت نوحؑ کی تکذیب ہی مراد ہے لیکن ایک پیغمبر کی تکذیب حقیقت میں سب پیغمبروں کی تکذیب ہے (کیونکہ ہر پیغمبر دوسرے تمام پیغمبروں کی تصدیق کرتا ہے اس ایک کو جھوٹا جاننا حقیقت میں تمام پیغمبروں کو دروغ گو قرار دینا ہوتا ہے) اس لئے تکذیب نوح کو تکذیب رسل قرار دیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ پیغمبروں کی بعثت کی (سرے ہی سے) انہوں نے تکذیب کی (یعنی انہوں نے کہا کہ کوئی پیغمبر ہی اللہ کی طرف سے نہیں بھیجا جاتا۔ کسی پیغمبر کی بعثت کی ضرورت نہیں۔ ہدایت کے لئے اہل دانش کی عقل کافی ہے۔ مترجم)

وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً　　اور ان کو (یعنی ان کے غرق کرنے کو یا ان کے قصہ کو) لوگوں کے لئے عبرت بنادیا۔

وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝　　اور (جن لوگوں نے کفر و شرک کر کے اپنے اوپر خود ظلم کیا تھا ایسے) ظالموں کے لئے ہم نے دکھ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ　　اور عاد و ثمود اور رس والوں (کا ذکر کرو کہ ان) کو ہم نے ہلاک کیا۔

عاد و ثمود کے واقعات کا تذکرہ سورۂ اعراف وغیرہ میں آچکا ہے۔

اصحب الرس قاموس میں ہے رس کسی چیز کی ابتداء۔ وہ کنواں جس کے گرداگرد من بنادی گئی ہو۔ درست کرنا بگاڑنا، کھودنا، مردہ کو دفن کرنا۔ آذربیجان کی ایک وادی کا نام رس الحمی ورسیس الحمی بخار کا آغاز۔

اصحاب الرس جس قوم کو کہا گیا اس کی وجہ تسمیہ یا یہ ہے کہ وہ شراء کفر کی ابتداء کرنے والی تھی یا کنویں والی تھی (کنویں کے گرداگرد آباد ہو گئی تھی) یا اس وادی کی رہنے والی تھی جس کا نام رس تھا۔ یا یہ وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے نبی (غالباً حضرت حنظلہ صنعانی مترجم) کو شہید کر کے دفن کر دیا تھا اس جگہ اصحاب الرس سے مراد ہے حضرت شعیبؑ کی قوم جس نے ایک کنویں پر اپنی آبادی کر لی تھی۔ یہ لوگ جانور پالتے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے ایک وقت جب وہ سب کنویں کے گرداگرد اپنے گھروں میں موجود تھے وہاں کی زمین دھنس گئی، وہ کنواں اور آبادی اور ساری زمین اندر گھس گئی اور سب مر گئے ان کے یکدم ہلاک ہو جانے کی اصلی علت یہ تھی کہ اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے حضرت شعیبؑ پیغمبر کو مبعوث فرمایا۔ حضرت شعیبؑ نے ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن ان کی سرکشی اور بڑھتی گئی اور حضرت شعیبؑ کو طرح طرح سے ایذا پہنچانے لگے۔ آخر ہلاک کر دیئے گئے زمین سب کو کھا گئی کنویں کو بھی ان کو بھی اور ان کے گھروں کو بھی۔ یہ تفصیل وہب بن منبہ نے بیان کی ابن جریر اور ابن عساکر نے قتادہ کی طرف بھی اس بیان کی نسبت کی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ قتادہ اور کلبی نے کہا رس علاقۂ یمامہ میں ایک کنواں تھا وہاں کے باشندوں نے اپنے نبی کو شہید کر دیا تھا اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا۔

بعض اہل روایت کا قول ہے کہ ثمود یعنی قوم صالح میں سے جو لوگ (ایمان لے آئے تھے اور) بچ گئے تھے۔ اصحاب الرس وہی لوگ تھے۔ یہ اس کنویں کے پاس رہتے تھے جس کا تذکرہ اللہ نے آیت وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ میں کیا ہے۔ عبد بن حمید ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اس بیان کی نسبت قتادہ کی طرف کی ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ اصحاب الرس کا ایک پیغمبر تھا جس کا نام حنظلہ بن صفوان تھا۔ رس والوں نے اپنے پیغمبر کو شہید کر دیا۔ اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی طرف سے ایک مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ ایک دراز گردن، عظیم الجثہ پرندہ کوہ فتح پر

Marfat.com

رہتا تھا۔ پرندہ کو لمبی گردن ہونے کی وجہ سے عنقاء کہا جاتا تھا۔ عنقاء اس قوم کے بچوں پر آپڑتا تھا اور اچک کر لے جاتا تھا۔ حنظلہ نے عنقاء کو بددعا دی نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بجلی اس پر ٹوٹ پڑی لیکن کچھ مدت کے بعد قوم والوں نے حنظلہ کو شہید کر دیا اور (اس جرم کی سزا میں) ان کو بھی ہلاک کر دیا گیا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ کعب مقاتل اور سدی کا بیان ہے رس انطاکیہ میں ایک کنواں تھا لوگوں نے حبیب بن نجار کو قتل کر کے اس کنویں میں ڈال دیا حبیب بن نجار اور ان کی قوم کا تذکرہ سورۂ یٰسین میں آیا ہے۔

بعض نے کہا اصحاب الرس ہی اصحاب الاخدود تھے۔ انہوں نے (مومنوں کو جلانے کے لئے) ایک خندق کھودی تھی (اور اس میں آگ بھر دی تھی) عکرمہ نے کہا اصحاب الرس نے اپنے نبی کو کنویں میں پاٹ دیا تھا یعنی دفن کر دیا تھا۔ بعض نے کہا رس معدن کو کہتے ہیں (معدن والے) رس کی جمع رساس آتی ہے۔

وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۝ اور اس کے (یعنی عاد، ثمود اصحاب الرس اور قوم موسیٰ کے) درمیان کے ہم نے بہت قرنوں (قوموں) کو ہلاک کر دیا۔

قرون، قرن کی جمع کثرت ہے قرن ہم عصر لوگوں کو کہتے ہیں اگر قرن کی اضافت کسی معین شخص یا معین جماعت کی طرف کی جاتی ہے تو اس سے مراد ہوتے ہیں وہ لوگ جو اس شخص سے یا اس جماعت کے اکثر افراد سے یا ایک ہی فرد سے ملے ہوں۔ قرون ثلثہ جن کے قرون خیر ہونے کی شہادت حدیث میں آئی ہے اسی استعمال کے مطابق ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم رسول اللہ ﷺ کے قرن تو صحابہ تھے جنہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا تھا اور دوسرا قرن وہ لوگ تھے جنہوں نے اکثر صحابہ کو یا کسی ایک صحابی ہی کو دیکھا تھا اور تیسرا قرن وہ لوگ تھے جنہوں نے تابعین ہی میں سے کسی ایک کو دیکھا تھا۔

اگر قرن مضاف نہ ہو تو مراد ہوتے ہیں ہم عصر لوگ اور یہ حقیقت ناقابل شک ہے کہ ہر زمانہ میں بچے بوڑھوں کے ہم عصر ہوتے ہیں پھر وہ بچے بوڑھے ہو جاتے ہیں تو ان کے ایام پیری کے زمانہ کے بچے ان کے ہم عصر ہوتے ہیں اور سلسلہ یوں ہی چلتا رہتا ہے۔ اس لئے (بطور مجاز) لفظ قرن کا اطلاق ایک مدت معینہ پر کیا جانے لگا مدت کی حدبندی میں اختلاف ہے، کسی کے نزدیک چالیس سال کی مدت ایک قرن ہے۔ کسی نے دس سال یا بیس یا تیس یا پچاس یا ساٹھ یا ستر یا نوے سال کو ایک قرن قرار دیا۔ کسی نے ایک قرن کی مدت ایک سو بیس سال بتائی ہے۔ سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ قرن ایک صدی کو کہتے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لڑکے کو دعا دی تھی اور فرمایا تھا ایک قرن جیو۔ چنانچہ اس کی عمر سو سال ہوئی۔ جب قرن بمعنی مدت لیا جائے گا تو آیت کا مطلب اس طرح ہوگا۔ ہم نے بہت زمانوں والوں کو جو کافر تھے ہلاک کر دیا۔

وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۫ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ۝ اور ہم نے اقوام مذکورہ میں سے ہر ایک کی ہدایت کے لئے عجیب عجیب مضامین بیان کئے اور ہم نے سب کو برباد کر دیا۔

ضربنا له الامثال یعنی گزشتہ اقوام کے عجیب عجیب واقعات کا ہم نے بیان کیا ہے تاکہ لوگ ان سے عبرت حاصل کریں۔

وکلا تبرنا اور جب انہوں نے عبرت حاصل نہیں کی اور پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو تباہ کر دیا۔ اخفش نے تبرنا کا ترجمہ کیا ہے ہم نے ان کو توڑ دیا۔ زجاج نے کہا کسی چیز کو توڑنے اور ریزہ ریزہ کرنے کو تتبر کہتے ہیں سونے اور چاندی کے ٹکڑوں کو اسی لئے تبر کہا جاتا ہے۔

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اور بلاشبہ وہ (مکہ والے) اس بستی کی طرف گزرے ہیں جن پر بری بارش کر دی گئی تھی۔

یعنی بہت سے مکہ کے باشندے ملک شام کو جاتے آتے ہیں اس بستی پر سے گزرے ہیں جس پر بری بارش کی گئی تھی۔

Marfat.com

القریۃ سے مراد ہے سدوم کا شہر اور اس سے تعلق رکھنے والی دوسری بستیاں جہاں قوم لوط رہتی تھی اور امرد پرستی جیسی خبیث حرکتوں میں مبتلا تھی۔ اللہ نے ان پر پتھروں کی بارش کر کے تاخت و تاراج کر دیا۔ سب اہل مکہ تو نہیں گئے تھے لیکن بعض کے فعل کو (جبکہ دوسرے سب لوگ اس فعل پر راضی ہوں) سب کا فعل کہہ دیا جاتا ہے جیسے آیت فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا میں اونٹنی کو قتل کرنے کی نسبت پوری قوم ثمود کی طرف کی گئی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے قوم لوط کی بستیاں پانچ ہیں اللہ نے ان میں سے چار کو تباہ کر دیا اور ایک بستی جو چھوٹی سی تھی بچ گئی اس بستی کے رہنے والے خبیث حرکات میں مبتلا نہ تھے ملک شام کو جاتے ہوئے یہ بستیاں سر راہ پڑتی تھیں۔

أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرَوْنَهَا کیا یہ اس بستی کو نہیں دیکھا کرتے۔ یہ استفہام انکاری ہے اور نفی کا انکار اثبات ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اس بستی کو دیکھا کرتے ہیں۔ پھر اس سے عبرت کیوں حاصل نہیں کرتے۔

بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا ﴿۴۰﴾ بلکہ ان کو (دوبارہ جی) اٹھنے کی امید بھی نہیں ہے یعنی ان کے نصیحت پذیر اور عبرت اندوز نہ ہونے کی یہ وجہ نہیں کہ انہوں نے اس تباہ شدہ بستی کو آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دل نابینا ہیں دوبارہ جی اٹھنے کی ان کو توقع ہی نہیں ہے ان کو انجام آخرت کی امید ہی نہیں ہے اور مومنوں کو ثواب کی امید ہے۔

یا آیت میں رجاء بر لغت تہامہ، بمعنی خوف ہے یعنی دوبارہ جی اٹھنے کا ان کو کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

وَإِذَا رَأَوْكَ إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ط اور جب (کفار قریش) آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کو مذاق بنالیتے ہیں۔

ھزوا مصدر ہے بمعنی اسم مفعول یعنی آپ کو مسخرہ بنالیتے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے یہ آیت ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کی بابت نازل ہوئی۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے گزرے اور بطور استہزاء کہنے لگے۔

أَهَٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ﴿۴۱﴾ کیا یہ (محمد) وہی ہے جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

استفہام انکاری تعجبی ہے۔ اور ھذا کا لفظ تحقیر کے لئے استعمال کیا گیا ہے (یعنی یہ رسول نہیں رسول ہونے کے قابل نہیں، ایک حقیر آدمی کو رسول بنا کر بھیجنا بڑی عجیب بات ہے)

إِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ آلِهَتِنَا قریب تھا کہ یہ ہم کو ہمارے معبودوں کی طرف سے بہکا لیتا۔ یعنی ہمارے معبودوں کی پرستش سے ہم کو پھیر دیتا۔ مقصد یہ کہ اس طرز سے توحید کی طرف بلاتا۔ اور ایسی دلیلیں پیش کرتا ہے جن کی وجہ سے دماغوں میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ جو کچھ یہ پیش کر رہا ہے وہ اس کے معجزات ہیں۔

ان (ان کا) مخفف ہے۔ آیت میں دلیل ہے اس بات کی کہ رسول اللہ ﷺ دعوت اسلام میں انتہائی کوشاں تھے اور بکثرت معجزات بھی آپ ﷺ نے پیش کئے تھے اتنے اور اس ڈھنگ سے کہ قریب تھا کہ وہ ضدی کافر بھی اپنے ٹیڑھے راستے کو چھوڑ کر اسلام کے سیدھے راستے پر آجاتے لیکن ان کی اڑ اور بت پرستی پر ہٹ نے ان کو اسلام سے محروم رکھا۔ اور جو شخص اتنے کثیر واضح معجزات دیکھ کر بھی نصیحت پذیر نہ ہو اس سے کیا امید ہو سکتی ہے کہ وہ تباہ شدہ بستیوں کو دیکھ کر عبرت اندوز ہو سکے۔

لَوْلَا أَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ط اگر ہم ان معبودوں (کی پوجا) پر جمے نہ رہتے۔ لولا کی خبر محذوف ہے اوپر والا جملہ اس کی تعیین پر دلالت کر رہا ہے یعنی اگر ہم اپنے معبودوں کی پرستش پر جمے نہ رہتے تو محمد نے بس ہم کو بہکا ہی لیا تھا۔

کافروں کا یہ کلام غمازی کر رہا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اور آپ کے ساتھیوں کو گمراہ قرار دیتے تھے اسی خیال کی تردید ذیل کی آیت میں اللہ نے فرما دی۔

وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿۴۲﴾ جب آئندہ عذاب (ان کے

Marfat.com

سامنے آئے گا اور) ان کو دکھائی دے گا اس وقت ان کو معلوم ہوگا کہ کون (فریق) بڑا گمراہ تھا۔ کافریا مومن اس فقرے میں عذاب کی دھمکی ہے اور اس بات پر دلالت ہے کہ اللہ ان کو یوں ہی (بغیر عذاب دیئے) نہیں چھوڑے گا۔

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اے پیغمبر آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے یعنی اپنی خواہشات کا تابع ہو گیا خواہشات پر ہی اس نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی۔ (خواہشات نفس کا پرستار ہو گیا) نہ کسی دلیل کو سنتا ہے نہ دیکھتا ہے بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباس نے آیت کا تفسیری مطلب اس طرح بیان کیا۔ کیا آپ اس شخص کو دیکھ رہے ہیں۔ جس نے اس اللہ کی عبادت تو ترک کر دی جو اس کا خالق ہے اور پتھروں کی طرف جھک گیا ان کی پوجا کرنے لگا۔

اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ﴿۴۳﴾ تو کیا آپ اس کے ذمہ دار ہوں گے یعنی کیا آپ اس کے ذمہ دار ہیں کہ پتھروں کی پوجا سے اس کو روک دیں۔

وکیل ذمہ دار مانع سابق جملہ میں تعجب آگیں استفہام تقریری ہے اور اس جملہ میں استفہام انکاری ہے یعنی آپ اس کے شرک کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

کلبی نے کہا آیت قتال سے یہ آیت منسوخ ہو گئی۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ؕ کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ (کلام اللہ کو) سنتے یا (اس کے مطلب اور غرض کو) سمجھتے ہیں۔ استفہام انکاری ہے اور ام بمعنی بل کے ہے منقطعہ ہے یعنی حقیقت میں یہ لوگ نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی ہے سننے سے مراد ہے دل کا سننا۔ دل کے کانوں سے سننا چونکہ دل کے کانوں سے نہیں سنتے اور نہیں سمجھتے اس لئے نہ کسی نصیحت سے ان کو فائدہ پہنچتا ہے نہ دلیل سے۔ آیت بتا رہی ہے کہ ہر دلیل صحیح مفید علم ہوتی ہے دلیل سے نتیجہ کا علم ہو جاتا ہے لیکن (خود بالذات دلیل سے نتیجہ دماغ میں نہیں بیٹھتا بلکہ) اللہ کی مشیت سے وابستہ ہے۔ اکثر کا لفظ اس لئے ذکر کیا سب ایسے نہ تھے کچھ لوگ انہی میں سے ایمان بھی لے آئے تھے اور کچھ لوگ ایسے بھی کہ انہوں نے حقانیت و صداقت کو سمجھ لیا لیکن غرور کی وجہ سے یا اپنی سرداری فوت ہونے کے اندیشہ سے گمراہی میں پڑے رہے اور حق کو قبول نہ کر سکے۔

اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۴۴﴾ وہ نہیں ہیں مگر چوپایوں کی طرح (جانوروں کی طرح سنتے ہیں اور سمجھتے نہیں) بلکہ جانوروں سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں۔ ع ۲

یعنی کانوں سے چوپایوں کی طرح سنتے ہیں اور سمجھتے نہیں اس لئے نصیحت سے فائدہ اندوز نہیں ہوتے اور دلائل و معجزات کو آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود غور نہیں کرتے اس لئے چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ جانوروں سے زیادہ گمراہ ہیں کیونکہ یہ جانور اگر حق کو حق اور باطل کو باطل نہیں جانتے تو (اس لئے کہ حق و باطل کو سمجھنے والی عقل ان کو نہیں دی گئی اس لئے معذور ہیں (یہ بات بھی نہیں ہے کہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھتے ہوں، جانوروں کی نادانی سادہ ہے اور کافر جہل مرکب میں مبتلا ہیں۔ (حق کو حق اور باطل کو باطل نہیں جانتے بلکہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ہم حق کو حق اور باطل کو باطل جانتے ہیں) اور ظاہر ہے کہ جہل مرکب (نداند و بداند کو بداند) جہل بسیط (نداند و بداند کہ نہ داند) سے زیادہ برا ہے۔ چوپایوں کو تو حق و باطل کی تمیز ہی نہیں اور ان کافروں (کے اندر قوت تمیز و فیصلہ ہے پھر بھی ان) کو تمیز نہیں شرک کو حق سمجھتے ہیں اور باوجودیکہ پتھروں کی پوجا کا بطلان ظاہر ہے پھر بھی بلا دلیل ان کو پوجتے ہیں اور دلائل و معجزات کی کھلی ہوئی شہادت رسالت کے باوجود پیغمبروں کا انکار کرتے ہیں، بعض علماء نے جانوروں سے زیادہ گمراہ ہونے کی یہ صورت بیان کی کہ چوپائے تو اپنے مالک اور نگراں کے حکم کو مانتے ہیں جو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے اس کو پہچانتے ہیں اپنے (غذائی) فائدے کو طلب کرتے اور ضرر رساں دشمن سے بھاگتے ہیں لیکن کفار اپنے رب کے حکم کو نہیں مانتے اور اس کے احسان کو نہیں پہچانتے۔

Marfat.com

یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ جانور اپنے خالق کو جانتے اور اس کے حکم کی اطاعت کرتے اور تسبیح و تحمید میں مشغول رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں اگرچہ ان کی قوت فہم کو عام لوگ نہیں سمجھتے۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص ایک بیل کو ہنکا کر لے جا رہا تھا (چلتے چلتے جب) تھک گیا تو بیل پر سوار ہو گیا۔ بیل نے کہا ہم کو اس کام کے لئے نہیں پیدا کیا گیا۔ ہم کو کھیت جوتنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے لوگوں نے (حضور کا یہ فرمان سن کر) کہا سبحان اللہ بیل بھی (کہیں) بولتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرا تو اس پر ایمان ہے اور ابو بکر و عمر کا بھی۔ اس وقت یہ دونوں حضرات وہاں موجود بھی نہیں تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ایک شخص اپنی بکریوں کے ساتھ تھا۔ اچانک ایک بھیڑیئے نے ایک بکری پر حملہ کر دیا اور پکڑ لیا بکریوں کا مالک جا پہنچا اور بکری کو چھڑا لیا۔ بھیڑیئے نے کہا قیامت کے دن اس کی حمایت کون کرے گا جب کہ سوائے میرے اور کوئی اس کی نگرانی کرنے والا نہ ہو گا لوگوں نے کہا سبحان اللہ (کیا) بھیڑیا بھی باتیں کرتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا میں تو اس پر ایمان رکھتا ہوں اور ابو بکر و عمر بھی۔ یہ دونوں حضرات وہاں موجود بھی نہیں تھے۔

فائدہ:- ملائکہ میں روح اور عقل ہوتی ہے۔ اور چوپایوں میں نفس و خواہشات آدمی سب کا مجموعہ ہے پس اگر آدمی کی نفسانیت اور خواہشات کا روحانیت و عقل پر غلبہ ہو جاتا ہے تو آدمی چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ ہو جاتا ہے اور اگر روحانیت کا نفس و خواہشات پر تسلط ہو جاتا ہے تو آدمی ملائکہ سے افضل ہوتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ کیا آپ نے (اللہ کی صنعت کی طرف) نہیں دیکھا کہ اس نے سایہ کو کیسے پھیلایا ہے یا یہ معنی ہے کیا آپ نے سایہ کو نہیں دیکھا آپ کے رب نے اس کو کیسے پھیلایا ہے۔

اول ترجمہ عقلی طور پر دلالت کر رہا ہے کہ سایہ کا پیدا ہونا اور مفید ترین اسباب ممکنہ کے ساتھ گھومنا چلنا صانع حکیم کی ہستی کو بتا رہا ہے اور چونکہ یہ استدلال بالکل واضح ہے اس لئے اسلوب کلام کو بدل دیا (مخلوق کا خالق پر اور مصنوع کا صانع کے وجود پر دلالت کرنا بالکل واضح ہے اور عقلی تائید اس کو حاصل ہے!! اور یوں فرمایا کہ کیا آپ نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا۔ یعنی اللہ کا رب ہونا اور سایہ کے پھیلاؤ کا فاعل حقیقی ہونا تو ایک محسوس بات ہے آنکھوں سے دیکھے جانے کے قابل ہے۔

طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک کا وقت ظل کہلاتا ہے اللہ نے اس کو پھیلایا ہے اس کی تخلیق تعجب آگیں ہے کہ ظل ہے اور اس کے ساتھ آفتاب نہیں ہے (بغیر آفتاب کے سایہ ہے) جیسا کہ جنت والے سایہ کے متعلق وظل ممدود فرمایا ہے یا ظل سے مراد ہے وہ سایہ جو طلوع آفتاب کے بعد دیواروں اور درختوں وغیرہ کا ہوتا ہے۔

ابو عبیدہ نے کہا جو سایہ سورج سے زائل ہو جاتا ہے اس کو ظل کہتے ہیں اور جس سایہ سے دھوپ زائل ہو جاتی ہے اس کو فے کہتے ہیں گویا زوال آفتاب سے پہلے ظل ہوتا ہے اور زوال کے بعد فئے آتا ہے۔ (فیئے موئنا) زوال کے بعد سایہ بھی مشرق سے مغرب کی طرف لوٹ آتا ہے۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ظل (آخر) شب کی اس تاریخ کو کہا جاتا ہے جو سورج کے نکلنے سے زائل ہو جاتی ہے۔

وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ اور اگر اللہ چاہتا تو سایہ کو ٹھہرا ہوا (یعنی غیر متحرک بنا دیتا۔ مطلب یہ کہ سورج نکلتا ہی نہیں قیامت تک رات ہی رات رہتی۔ اس مطلب پر ساکن سکن سے مشتق ہو گا سکن کا معنی ہے ٹھہر گیا۔ یا ساکن کا معنی ہے نہ سرکنے والا اس ترجمہ پر لفظ ساکن سکون سے مشتق ہو گا۔ یعنی سورج کو ایک ہی وضع پر قائم رکھتا۔

ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ﴿۴۵﴾ پھر سورج کو ہم نے سایہ کی دلیل (یعنی راہنما) بنا دیا۔

اگر سورج نہ ہوتا تو سایہ کو سایہ کون جانے روشنی نہ ہو تو تاریکی کی پہچان کیسے ہو چیزوں کی شناخت ان کی ضدوں کو جاننے سے ہوتی ہے اس کے علاوہ سایہ کی کمی بیشی بھی سورج کی مرہون منت ہے۔

ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا ﴿۴۶﴾ پھر ہم نے اس کو آسانی کے ساتھ (یا تھوڑا تھوڑا کر کے

Marfat.com

مدریجاً) اپنی طرف سمیٹ لیا یعنی سورج کے نکلنے اٹھنے اور کرنوں کے پھیلنے سے سایہ جاتا رہتا ہے اور سایہ کی جگہ آفتاب کی شعاعیں لے لیتی ہیں اول تاریکی دھیرے دھیرے جاتی رہتی ہے یہاں تک کہ کامل اجالا ہو جاتا ہے پھر سورج نکل آتا ہے اور سورج کی شعاعیں ان مقامات پر پڑتی ہیں جہاں پہلے تاریکی ہوتی ہے۔

میرے نزدیک ان آیات کی تاویل دوسرے رنگ سے بھی کی جاسکتی ہے ظل سے مراد عالم امکان ہے عالم امکان کا وجود خارجی ظلی ہے امکان مرتبۂ وجوب کا ظل ہے شمس سے مراد ہیں اللہ کی صفات واسماء کے مراتب اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح عالم امکان کو ایجاد کیا اور اس کے وجود کو وجود واجب کا ظل ہے کس طرح ماہیات ممکنہ کی مختلف صورتوں پر پھیلا دیا اگر اللہ چاہتا تو سارے عالم امکان کے وجود کو ساکن مستقر اور ایک ہی حالت پر کر دیتا مگر اس نے ایسا نہیں چاہا بلکہ اس کو محل حوادث اور تغیرات وفناء کی آماجگاہ بنا دیا تاکہ وہ ذات واجب الوجود حقیقی کا محتاج رہے اور اس کی امکانی احتیاج نمودار ہو پھر ہم نے آفتاب کو اس کے لئے راہنما بنایا۔ یعنی جب اللہ کی صفات واسماء کا جلوہ صوفی کے دل پر پڑتا ہے اور قلبی بصیرت کے ذریعہ اس کو وجود حق تعالیٰ کا مشاہدہ ہوتا ہے تو اس وقت اس پر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ تمام عالم امکان وجود حق تعالیٰ کا ظل ہے تجلیات و مشاہدات سے پہلے وہ خیال کرتا ہے کہ عالم امکان کا بجائے خود کوئی وجود ہے لیکن صفاتی اور اسمائی نورپاشی کے بعد اس کا یہ خیال دور ہو جاتا ہے۔

پھر ہم اس کو دھیرے دھیرے سمیٹ لیتے ہیں یعنی صوفی کو رفتہ رفتہ اپنا مقرب بنا لیتے ہیں اور ہماری صفات وذات کی بے کیف قربت اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کا فرمان نقل کیا تھا۔ اللہ فرماتا ہے کہ نوافل کے ذریعہ میرا بندہ برابر میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ الحدیث

صوفیاء کا قول ہے جس کے دونوں دن برابر (ایک جیسے) ہوں وہ گھاٹے میں رہتا ہے (یعنی جو دوسرے دن پہلے دن سے زیادہ عروج حاصل نہ کرے وہ خسارے میں ہے)

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا اور وہی رب تو ہے جس نے تمہارے لئے رات کو لباس بنایا۔

تاریکی شب لباس کی طرح پردہ پوش ہے اس لئے رات کو لباس سے تشبیہ دی۔

وَالنَّوْمَ سُبَاتًا اور نیند کو بدنوں کے لئے راحت بنایا (کہ مشاغل بیداری نیند میں منقطع ہو جاتے ہیں) سبت کا لغوی معنی ہے کاٹنا (نیند مشاغل بیداری کو کاٹ دیتی ہے) یا سباتا کا ترجمہ ہے موت (اللہ نے دوسری آیت میں نیند کو وفات سے تعبیر کیا ہے اور) فرمایا ہے وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ اس معنی کے لحاظ سے مسبوت مردہ کو کہتے ہیں۔

وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ اور دن کو اٹھ بیٹھنے کا وقت بنا دیا دینی اور دنیوی کاموں کے لئے لوگ عام طور پر دن کو اٹھ جاتے اور پھیل جاتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۚ اور وہ رب وہی تو ہے جو اپنی رحمت (بارش نازل کرنے) سے پہلے ہواؤں کو بشارت دینے والیاں (بنا کر) بھیجتا ہے۔

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ اور ہم نے اوپر سے بالکل پاک پانی اتارا۔

طہور وہ چیز جس سے پاکی حاصل ہوتی ہے جیسے سحور سحری کا کھانا۔ فطور افطار کی چیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پاک مٹی مسلمان کو طاہر بنانے کی چیز ہے جب تک پانی نہ پائے خواہ دس سال گزر جائیں۔ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی عن ابی ذر ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

یہ بھی حضور ﷺ نے فرمایا ساری زمین ہمارے لئے مسجد بنا دی گئی ہے اور زمین کی مٹی کو طہور (پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ) بنا دیا گیا ہے۔

Marfat.com

یا طہور قبول کی طرح مصدر ہے مسلم وابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کے برتن میں اگر کتا منہ ڈال دے تو اس برتن کی پاکی یہ ہے کہ اس کو سات مرتبہ دھوڈالے جن میں پہلی مرتبہ مٹی سے (مانجھے) اس صورت میں پانی کو طہور کہنا بطور مبالغہ کے ہوگا۔ یا طہور خود مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی پاک ہونے میں کامل جیسے صبور بڑا صابر شکور بڑا شکر گزار قطوع بہت کاٹنے والا۔ ضحواک بہت ہنسنے والا۔

بغوی نے لکھا ہے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ طہور اس چیز کو کہتے ہیں جو بار بار (مسلسل) پاک کرے جیسے صبور وہ چیز جس کے ذریعہ سے بار بار صبر کا ظہور ہو اور شکور وہ چیز جس کے ذریعہ بار شکر حاصل ہو اسی قول کی بنیاد پر امام مالک کے نزدیک اس پانی سے جس کو وضو میں ایک بار استعمال کرلیا گیا ہو وضو کرنا جائز ہے۔

میں کہتا ہوں یہ فضول بات ہے (پاک ہونا اور پاک کرنا دونوں میں بڑا فرق ہے) فعول کے وزن کو تفصیل میں کوئی دخل نہیں پس طہور کو تطہیر سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ مزید یہ کہ وزن فعول مبالغہ (یعنی شدت و قوت فعل) پر دلالت کرتا ہے تکرار فعل یعنی کثرت) پر نہیں دلالت کرتا، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ طہور کا معنی ہے کامل الطہارت اور کامل الطہارت ہونے کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ خود بھی پاک ہو اور دوسری ناپاکی کو پاک کرنے والا ہے۔

شرعی نصوص اور متواتر روایات اور اجماع امت سے پانی کے اندر ان اوصاف کا ہونا ثابت ہے۔ پانی خود بھی پاک ہوتا ہے اور ناپاک کو بھی پاک کردینے والی چیز ہے دوسرا کامل الطہارت ہونے کا معنی یہ ہے کہ پانی اتنا پاک ہے کہ اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں بناتی۔ امام مالک کا یہی قول ہے امام مالک نے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے کہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں بناتی۔

یہ حدیث امام احمد اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کی ہے سنن اربعہ کی روایت میں ان الماء لایخبث (پانی گندہ نہیں ہوتا) آیا ہے۔ دار قطنی نے یہ حدیث حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔

طبرانی نے الاوسط میں اور ابو یعلی، بزار، ابوعلی بن سکن نے حضرت شریک کی روایت سے اور احمد و ترمذی وابوداؤد و نسائی نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے مندرجہ ذیل حدیث بیان کی ہے کہ خدمت گرامی میں عرض کیا گیا یارسول اللہ ﷺ کیا ہم چاہ بضاعہ (کے پانی) سے وضو کرسکتے ہیں (یہ کنواں گندہ کنواں تھا) اس میں حیض کے کپڑے، مرے ہوئے کتے اور سڑی ہوئی بودار چیزیں (جاہلیت کے زمانہ میں) ڈالی جاتی تھیں فرمایا پانی طہور (پاک یا پاک کن) ہے اس کو کوئی چیز نجس نہیں بناتی۔

ابن ماجہ کا بیان ہے کہ حضرت ابو سعید خدری نے فرمایا جن تالابوں میں اتر کر درندے کتے اور گدھے پانی پیتے ہیں (ان کے پانی کا حکم رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا تو) حضور ﷺ نے ان تالابوں کے متعلق فرمایا۔ ان (جانوروں) کے لئے اتنا پانی ہے جتنا انہوں نے اپنے پیٹوں میں اٹھالیا اور جو بچ رہا ہے وہ ہمارے لئے پاک ہے۔

ایک شبہ

باجماع علماء یہ احادیث متروک ہیں یہاں تک کہ امام مالک نے فرمایا جب پانی کا کوئی وصف (رنگ، مزہ، بو) نجس چیز پڑنے سے بدل جائے تو وہ نجس ہو جاتا ہے ہم کہتے ہیں جب پانی کا کوئی وصف بدل گیا تو وہ آب مطلق (سادہ پانی) نہیں رہا اور ہمارا کلام آب مطلق کی نجاست وطہارت کے متعلق ہے۔

ازالہ

حدیث میں (پانی سے غیر معین پانی مراد نہیں ہے بلکہ) خاص پانی مراد ہے یعنی کثیر پانی جو تالابوں میں رکا ہوا ہو اور چاہ بضاعہ وغیرہ میں (موجود) تھا۔ اس توجیہ سے احادیث کا باہمی اختلاف دور ہو جائے گا کیونکہ دوسری احادیث میں آیا ہے کہ اگر نجاست پانی میں گر جائے خواہ پانی کا کوئی وصف تبدیل نہ ہوا ہو تب بھی پانی نجس ہو جاتا ہے۔

مسلم ابوداؤد کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کتا کسی کے برتن میں منہ ڈالے تو اس کی طہارت کی یہ

Marfat.com

صورت ہے کہ اس کو سات بار دھویا جائے اول بار مٹی سے (مانجھا جائے)
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایسا نہ کرے کہ رکے ہوئے پانی میں جو جاری نہ ہو پیشاب کر کے پھر اسی سے وضو کرے۔ متفق علیہ۔

امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام بخاری امام مسلم اور اصحاب سنن اربعہ نے حضرت ابو داؤد کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو جائے تو بغیر تین مرتبہ دھوئے اپنا ہاتھ برتن میں ہرگز نہ ڈالے کیونکہ کسی کو نہیں معلوم کہ اس کا ہاتھ رات کو سوتے میں کہاں رہا۔ یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے بھی آئی ہے ہم نے پانی کے نجس ہو جانے یا نجس نہ ہو جانے کے سلسلہ میں احادیث متعارضہ کے تعارض کو دور کرنے کے لئے یہ قول اختیار کیا کہ اگر آب کثیر ہو تو وہ نجاست سے نجس نہیں ہوتا اور آب قلیل ہو تو نجس ہو جاتا ہے اب رہا پانی کی قلت و کثرت کا معیار تو اس کے متعلق آئمہ میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک دو مٹکے پانی آب کثیر ہے۔ (یعنی وزن میں پانچ سو عراقی رطل، پیمائش میں سوا گز (شرعی فقہی گہرا سوا گز لمبا۔ سوا گز چوڑا) اتنا پانی نجاست پڑنے سے نجس نہیں ہوتا۔ ہاں اگر نجاست سے پانی کا رنگ یا مزا یا بو بدل جائے تو کثیر پانی بھی نجس ہو جاتا ہے۔ تھوڑا پانی بہر حال نجاست پڑنے سے نجس ہو جاتا ہے (خواہ بو مزہ کوئی وصف نہ بدلے)۔

امام ابو حنیفہؒ نے کہا جو شخص آب کثیر استعمال کر رہا ہے اگر اس کے غالب خیال میں پانی اتنا ہے کہ ایک طرف کی نجاست (کا اثر) دوسرے کنارے تک پہنچنے سے قاصر ہے تو ایسا پانی کثیر ہے ورنہ قلیل ہے بعد کے کچھ علماء نے کثیر کا ایک اندازہ مقرر کر دیا کسی نے کہا دس گز چوڑا دس گز لمبا کسی نے پندرہ گز چوڑا پندرہ گز لمبا۔ کسی نے بارہ گز چوڑا بارہ گز لمبا کسی نے آٹھ آٹھ اور کسی نے سات سات گز لمبا چوڑا مقرر کیا گز سے مراد ہے کپڑے کا گز۔ اور کپڑے کا گز سات مٹھی ہوتا ہے اور ایک مٹھی سے مراد ہے چار انگل۔

امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ امام محمد کسی کے قول میں بھی آب کثیر کی کوئی متعین مقدار منقول نہیں کیونکہ شارع کی طرف سے اس کی کوئی حد بندی نہیں کی گئی دو مٹکوں والی حدیث ضعیف ہے (نا قابل استدلال) اس لئے مقدار کی تعین کو اسی شخص کے غالب رائے کے سپرد کر دینا مناسب ہے جو پانی کو استعمال کر رہا ہو۔

امام شافعی اور امام احمد نے قلتین (دو مٹکوں) والی حدیث کو اپنے قول کے ثبوت میں پیش کیا ہے حق بات یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے عبداللہ بن عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے امام شافعی، امام احمد، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، دار قطنی، بیہقی اور اصحاب السنن الاربعہ نے اس کو بیان کیا ہے۔ ابو داؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ جس پانی میں درندے اور چوپائے آتے جاتے ہیں اس کا کیا حکم ہے فرمایا اگر پانی دو مٹکے ہو تو گندگی کو نہیں اٹھاتا یعنی گندہ نہیں ہوتا حاکم کی روایت پر حدیث کے یہ الفاظ ہیں جب پانی دو مٹکے ہوں تو اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں بناتی۔ ابو داؤد اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے نجس نہیں ہو جاتا۔ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور بر شرط شیخین قرار دیا ہے ابن مندہ نے کہا اس حدیث کی اسناد بہ شرط مسلم ہے طحاوی نے بھی اس حدیث کی صحت کا اقرار کیا ہے۔

ایک شبہ

اس حدیث کا مدار (متفق علیہ مرکزی راوی) ولید بن کثیر ہے ولید سے آگے کبھی محمد بن جعفر بن زبیر کو راوی قرار دیا جاتا ہے کبھی محمد بن عباد بن جعفر کو اور اس سے بھی اوپر کبھی عبداللہ بن عبداللہ بن عمر کو منقول عنہ کہا گیا ہے کبھی عبید اللہ بن عبداللہ بن عمر کو اس طرح یہ حدیث مضطرب ہو گئی۔

حافظ ابن حجر نے کہا اس طرح کا اضطراب حدیث کی صحت کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ کیونکہ سب راویوں کو اگر معتمد مان لیا جائے تو یہ انتقال ثقہ سے ثقہ کی جانب ہوگا (جس میں کوئی حرج نہیں) پھر تحقیقی بات یہ ہے کہ ولید بن کثیر کے راوی دو ہیں

Marfat.com

عبید اللہ بن عبد اللہ اور عبد اللہ بن عبد اللہ۔
ایک جماعت نے دونوں طریقوں سے روایت کی ہے ان دو طریقوں کے علاوہ کوئی طریقہ محض توہم پر مبنی ہے۔
دار قطنی نے کہا یہ دونوں قول صحیح ہیں اسامہ نے بروایت ولید دونوں طریقوں سے روایت کی ہے ایک تیسرا طریقہ روایت اور بھی ہے جس کو ابن معین نے جید طریقہ کہا ہے وہ سلسلہ یہ ہے کہ حماد بن سلمہ از عاصم بن منذر از عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر۔

ایک سوال

ایک روایت میں آیا ہے لم یحمل خبثا دوسری روایت میں ہے لم ینجسہ شئی تیسری روایت میں لاتنتجس یہ اضطراب تو متن حدیث میں ہو گیا۔

جواب

یہ روایت بالمعنی ہے (معنی تینوں روایتوں کے ایک ہی ہیں کوئی تعارض نہیں) اور متن حدیث میں اضطراب اس وقت مانا جاتا ہے جب الفاظ کے اختلاف سے معانی میں تعارض پیدا ہوتا ہے۔

دوسرا شبہ

حدیث میں قلتین کا لفظ مشکوک ہے کیونکہ اذابلغ الماء قلتین اوثلاثا آیا ہے اور لفظ او شک پیدا کر رہا ہے امام احمد نے بروایت وکیع اور دار قطنی نے بروایت یزید بن ہارون پھر اس سے آگے وکیع اور یزید نے بروایت عاصم بن منذر از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر مرفوعاً یہ حدیث الفاظ مندرجہ بالا کے ساتھ بیان کی ہے۔ ابن جوزی نے لکھا ہے حماد سے نیچے راویوں کی روایت میں اختلاف ہے ابراہیم بن حجاج اور کامل بن طلحہ نے بروایت حماد انہی الفاظ مذکورہ کے ساتھ حدیث بیان کی ہے لیکن عفان اور یعقوب بن اسحاق حضرمی اور بشر بن سری اور علاء بن عبد الجبار اور موسیٰ بن اسماعیل اور عبید اللہ بن موسیٰ عیسیٰ نے بروایت حماد بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اذاکان الماء قلتین اس سے آگے ثلاثا کا لفظ نہیں ہے صرف قلتین کا لفظ ہے۔
اسی طرح ابن سباح نے بروایت یزید بن ہارون جو حدیث نقل کی ہے اس میں لفظ او شکیہ ہے لیکن حضرت ابن مسعود کی روایت میں شک کا کوئی لفظ نہیں (یعنی اوثلاثا نہیں ہے) لہٰذا عمل اس روایت پر واجب ہے جس میں حرف شک نہیں ہے۔
یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ لفظ او شک کے لئے نہیں بلکہ تردید یا تخییر کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ دونوں مقداروں میں سے کسی مقدار کو پانی پہنچ جائے وقوع نجاست سے نجس نہیں ہوتا خواہ دو مٹکوں کے بقدر ہو جائے یا تین مٹکوں کے بقدر۔
اگر شبہ کیا جائے کہ بعض روایتوں میں چالیس مٹکوں کا لفظ آیا ہے دار قطنی ابن عدی اور عقیلی نے بروایت قاسم بن عبد اللہ العمری از محمد بن منکدر بیان کیا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ نے فرمایا حضور کا ارشاد گرامی ہے جب پانی چالیس مٹکوں تک پہنچ جائے (یعنی جب پانی بقدر چالیس مٹکوں کے ہو جائے) تو گندگی کا حامل نہیں رہتا (یعنی گندہ ناپاک نہیں ہوتا)
ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ امام احمد یحییٰ بن معین ابوزرعہ اور ابو حاتم رازی نے قاسم بن عبد اللہ کے متعلق کہا یہ دروغ گو خود حدیثیں بناتا تھا۔ اس لئے قاسم کی روایت سے آئی ہوئی حدیث سے صحیح حدیث کو مضطرب نہیں قرار دیا جا سکتا۔
اگر شبہ کیا جائے تو دار قطنی نے صحیح سند کے ساتھ حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے اذا بلغ الماء اربعین قلتہ لم یتنجس یہ حدیث بطریق روح بن قاسم از روایت ابن منکدر از ابن عمر آئی ہے البتہ مرفوع نہیں ہے موقوف ہے وکیع بن سفیان ثوری اور معمر نے بھی ابن منکدر کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے اور اگر اپنی روایت کے خلاف راوی کا قول ہو تو حدیث کو مطعون کر دیتا ہے اس لئے ابن عمر کی قلتین والی مرفوع روایت مجروح ہے۔
ہم کہتے ہیں امام ابو حنیفہ کے نزدیک تو مطلقاً کسی حالت میں بھی شرط کا مفہوم حجت نہیں ہوتا اور امام شافعی کے نزدیک اگر سوال کے جواب میں شرط لگائی گئی تو اس کا مفہوم حجت نہیں ہوتا (اس لئے اذا بلغ الماء اربعین قلۃ کا یہ مطلب نہیں

Marfat.com

ہو سکتا کہ اگر پانی چالیس مٹکوں سے کم ہو تو وقوع نجاست سے نجس ہو جاتا ہے کیونکہ شرط علت حکم نہیں ہے)

دوسری بات یہ ہے کہ لفظ قلہ مشترک ہے کوزہ لوٹا اور گھڑا اسکو قلہ کہا جاتا ہے چھوٹا ہو یا بڑا للذا تعارض احادیث دور کرنے کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ قلتین والی حدیث میں دو بڑے مٹکے مراد ہیں اور چالیس مٹکوں والی حدیث میں قلہ سے مراد ہو گا ایک لوٹا اتنا کہ بیس لوٹے ایک بڑے مٹکے کے برابر ہو جائیں اس طرح دو مٹکے چالیس لوٹوں کے برابر ہو جائیں گے۔

مزید شبہ

اگر قلہ کا لفظ مشترک ہے گھڑا، مشک، ڈول اور پہاڑ کی چوٹی پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ صاحب قاموس نے اس لفظ کی تشریح میں لکھا ہے سر کی چوٹی، کوہان، پہاڑ کی چوٹی، بڑا کنواں، بڑا گھڑا، معمولی گھڑا، پیالہ، لوٹا وغیرہ تو پھر قلہ کے معنی کی تعیین خود ساختہ ہے اور ہجر کے مٹکوں کی تعیین کسی صحیح مرفوع حدیث میں مذکور نہیں ہاں ابن عدی نے حضرت ابن عمر کی حدیث ضرور نقل کی ہے اذا بلغ الماء قلتین من قلال هجرلم ینجسه شئی اس حدیث میں ضرور ہجر کے مٹکوں کا ذکر آیا ہے لیکن اس کی سند میں مغیرہ بن صقلان ایک راوی ہے جو منکر الحدیث ہے۔

للذا لفظ قلہ سے کیا مراد ہے اس کی تعیین خود نہیں کی جا سکتی اور اس حدیث پر عمل ترک کر دیا جائے گا مجمل کا یہی حکم ہے۔

ہم کہتے ہیں پہاڑ کی چوٹی یا کوہان یا سر کی چوٹی تو باجماع علماء مراد نہیں ہے (اور عقل اور روایت کے بھی خلاف ہے) دو پہاڑوں کی چوٹی تک پانی کا پہنچ جانا سوائے سمندری پانی کے اور کسی پانی کے لئے ممکن نہیں اسی طرح کوہان شتر یا سر کی چندیا تک پانی کا پہنچ جانا بھی نا قابل تصور ہے پھر (باتفاق علماء) اس مقدار سے کم پانی بھی آب کثیر ہوتا ہے للذا لفظ قلہ سے ظرف کی طرف انتقال ذہنی ہونا حدیث کا مفہوم سمجھنے کے لئے ضروری ہے اور ظروف مختلف ہیں سب پر لفظ قلہ کا اطلاق ہوتا ہے لیکن ہجر کے مٹکوں کی تعیین قابل ترجیح ہے کیونکہ عرب نے اپنے اشعار میں لفظ قلہ کا استعمال اس معنی میں کیا ہے۔ کذا قال ابو عبیدہ فی کتاب الطہور بیہقی نے کہا ہجر کے مٹکے عرب میں مشہور تھے یہی وجہ ہے کہ شب معراج میں رسول اللہ ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا فاذا ورقها مثل آذان الفیله واذانبقها مثل قلال هجر میں نے دیکھا کہ اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی مثل اور اس کے بیر (پھل) ہجر کے مٹکوں کے برابر تھے۔

تعیین کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ازہری کے قول کے مطابق ہجر کے مٹکے سب سے بڑے مٹکے ہوتے تھے اور جب شارع نے پانی کی مقدار تعداد سے بیان کی تو عدد سے مراد سب سے بڑا عدد ہی ہونا چاہئے جب ایک بڑا برتن دو چھوٹے برتنوں کے برابر ہو تو ایک کو چھوڑ کر دو چھوٹے برتنوں کا ذکر کرنا بے سود ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ جب دو چھوٹے مٹکوں کے بقدر پانی میں نجاست گرنے سے پانی نجس نہیں ہوتا تو دو بڑے مٹکوں کے بقدر پانی میں نجاست گرنے سے پانی کا نجس نہ ہونا بدرجہ اولیٰ ضروری ہو جاتا ہے اس لئے احتیاطاً بڑے مٹکوں کی تعیین کر دی چھوٹے مٹکوں کے برابر پانی تو بڑے مٹکوں میں آ ہی جاتا ہے۔

ایک قوی معارضہ

قلتین والی حدیث کو حافظ ابن عبدالبر، عاصی اسماعیل بن اسحاق اور ابو بکر بن ولی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ یہ تینوں حضرات مالکیہ مسلک کے تھے ابن عبدالبر نے کہا شافعی کا قول درایت کے اعتبار سے بھی کمزور ہے اور نقل کے لحاظ سے بھی ثابت نہیں ہے یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کے صحیح ہونے میں علماء کی ایک جماعت کو کلام ہے پھر کسی صحیح حدیث میں قلتین کی مقدار کی تعیین بھی منقول نہیں نہ اجماع سے ثابت ہے۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں گزشتہ سوالات مجمل طور پر علماء کے اقوال میں آئے ہیں لیکن اس حدیث کے کسی راوی کو کسی نے ضعیف نہیں کہا کیونکہ اس کے سارے راوی وہ ہیں جو صحیحین کے رواۃ ہیں۔ سوالات کے ترتیب وار جواب دیئے

Marfat.com

گئے ہیں اس لئے ان حضرات کا قول قابل رد ہے۔

مسئلہ :- وضو اور غسل پانی کے علاوہ کسی اور سیال چیز سے بالاتفاق ناجائز ہے اللہ نے فرمایا فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا یعنی پانی نہ ملنے کی صورت میں پاک مٹی سے تیمم کرنے کا حکم دیا دوسرے سیال کا ذکر نہیں فرمایا لیکن کیا نجاست حقیقیہ کو بھی پانی کے علاوہ دوسری سیال چیزوں سے پاک کرنا جائز ہے۔ جمہور نے کہا نا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا جائز ہے بغوی نے جمہور کی طرف سے اسی آیت کو بطور استدلال پیش کیا ہے اور لکھا ہے کہ آیت میں طہور بمعنی مطہر (پاک کرنے والا) ہے کیونکہ دوسری آیت میں بارش کے پانی کو مطہر فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ اس سے معلوم ہوا کہ پاک کرنے کا وصف صرف پانی میں ہوتا ہے اگر نجاست کا ازالہ دوسری سیال چیزوں سے جائز قرار دیا جائے گا تو بے وضو ہونے اور جنابت کی ناپاکی کا ازالہ بھی دوسری سیال چیزوں سے جائز ماننا پڑے گا۔ بغوی کا یہ استدلال صحیح نہیں اگر پانی کو (مطہر یا پاک کرنے والا) کہا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی دوسرا سیال مطہر ہو نہیں سکتا جیسا کہ پانی کا ظاہر ہونا موجب حصر نہیں کہ پانی ہی پاک ہو اور کوئی دوسرا سیال پاک نہ ہو۔

امام ابوحنیفہ نے کہا حدث (بے وضو ہونے یا جنابت کی ناپاکی) اور نجاست حقیقیہ میں فرق ہے حدث تو حکمی نجاست ہے (شارع نے اس کو نجاست قرار دیا ہے) ورنہ آنکھوں سے دیکھی جانے والی نجاست نہیں۔ اس نجاست کا ازالہ صرف پانی سے بنص قرآن و باجماع امت ہوتا ہے کسی دوسرے سیال سے حدث کا ازالہ نہ کتاب اللہ سے ثابت ہے نہ اجماع سے اور چونکہ (نجاست حکمی اور طہارت حکمی کا) یہ مسئلہ خلاف قیاس ہے۔ اس لئے ازالۂ حدث کے لئے پانی پر دوسرے سیالوں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن نجاست حقیقیہ تو آنکھوں سے دیکھی جانے والی ہے پانی سے اس کا ازالہ عقل کے موافق ہے اس لئے دوسرے پاک سیالوں کو اس جگہ پانی پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

میں کہتا ہوں (امام ابوحنیفہ کی حدث و نجاست میں یہ تفریق درست ہے) لیکن اس پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ پاک پانی کو جب کسی نجس میں ڈالا جاتا ہے تو نجس کے ساتھ ملتے ہی پانی نجس ہو جاتا ہے، اب تین مرتبہ یا سات مرتبہ دھونے کے بعد نجس (کپڑے وغیرہ) کا پاک ہونا (غیر عقلی اور) محض تعبدی ہے (شریعت نے نجس کو پاک کرنے کا یہی طریقہ بتلایا ہے) اور نچوڑنے کے بعد بھی سارا نجس پانی نکل نہیں جاتا۔ کچھ باقی ہی رہتا ہے لہٰذا قیاس کا تقاضا تھا کہ نجس کپڑا وغیرہ دھونے سے پاک ہی نہ ہو اسی لئے گزشتہ شریعتوں میں کپڑے کو پاک کرنے کا صرف یہ طریقہ بتایا گیا ہے کہ نجس حصہ کاٹ دیا جائے اسلام میں ناپاک کپڑے وغیرہ کو پاک کرنے کا طریقہ صرف دھونے کو قرار دیا گیا اور یہ سراسر قیاس کے خلاف ہے (اور جو شرعی حکم خلاف قیاس ہو اس پر کسی دوسرے مسئلہ کو قیاس نہیں کیا جاسکتا) اس لئے دوسرے سیالوں کو پانی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

مسئلہ :- پانی میں نجاست پڑنے سے جس طرح پانی ناپاک ہو جاتا ہے اسی طرح پانی اگر نجاست پر پڑ جائے تو ناپاک ہو جاتا ہے کیونکہ نجس بنانے والا صرف اختلاط ہے پانی میں نجاست کا اختلاط ہو یا نجس چیز کے ساتھ) پانی کا اختلاط۔ دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ابن جوزی نے امام احمد کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ نجاست کا دھوون طہارت کا مقام (بدن یا کپڑا وغیرہ) کے بعد جب مقام سے الگ ہو جائے اور اس میں کوئی تغیر نہ آیا ہو (یعنی بو رنگ مزہ وغیرہ میں فرق نہ آیا ہو) تو وہ پاک ہے اسی طرح پیشاب اگر زمین وغیرہ پر گر جائے اور جتنا پانی اس پر بہایا جائے اس سے پیشاب کی مقدار کم اور مغلوب ہو اور پانی میں کوئی تغیر آیا ہو تو یہ پانی پاک ہے اور وہ مقام بھی پاک ہو جائے گا۔ یہی قول امام مالک اور امام شافعی کا ہے اس کی دلیل حضرت انس بن مالک کی یہ حدیث ہے کہ (ایک بار) رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے ایک اعرابی آیا اور اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ حضور ﷺ نے حاضرین میں سے ایک شخص سے فرمایا تم اٹھ کر ایک ڈول پانی لے آؤ اور اس پر بہا دو۔ رواہ احمد والبخاری و مسلم فی الصحیحین۔ بخاری نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بھی اسی طرح حدیث نقل کی ہے۔

ہم کہتے ہیں یہ حدیث قیاس صحیح کے خلاف ہے اس لئے اس کا مطلب یہ قرار دیا جائے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے اس

Marfat.com

جگہ کی مٹی ہٹوا دینے کا اور پھر اس پر پانی بہانے کا حکم دیا ہو گا اور یہ بات بعض احادیث میں آئی بھی ہے دار قطنی نے عبد الجبار کے طریق سے بروایت ابن عیینہ از یحیی بن سعید بیان کیا کہ حضرت انس نے فرمایا ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا حضور گرامی نے فرمایا اس جگہ کو کھود دو (اور مٹی نکال کر) پھر اس جگہ ایک ڈول پانی بہا دو۔ حافظ ابن حجر نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں اگر شبہ کیا جائے کہ اس روایت میں دار قطنی نے کہا ہے کہ عبد الجبار کو ابن عیینہ کے متعلق وہم ہو گیا کیونکہ ابن عیینہ کے ساتھیوں نے جو حافظ الحدیث کا مرتبہ رکھتے تھے۔ ابن عیینہ کی وساطت سے بروایت یحیی بن سعید یہ حدیث بیان کی ہے اور اس میں کھودنے کا حکم دینے کا ذکر نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں عبد الجبار ثقہ ہے اور ثقہ کی روایت میں اگر کچھ زیادتی ہو تو وہ قابل قبول ہوتی ہے۔

دار قطنی نے حضرت ابن مسعود وغیرہ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث بیان کی ہے لیکن اس کی سند کمزور ہے مگر سند میں کوئی راوی ایسا نہیں کہ کسی نے اس کو متہم بالکذب کیا ہو۔

دار قطنی اور ابو داؤد نے عبد اللہ بن معقل بن مقرن مزنی کی روایت سے بھی اس کو نقل کیا ہے اور دار قطنی نے یہ بھی کہا ہے کہ عبد اللہ بن معقل تابعی تھے اور ان کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر اس کے رواۃ کے سلسلہ میں ایک شخص جریر بن حازم بھی ہے جس کے متعلق ذہبی نے لکھا ہے کہ جریر ثقہ ہے امام ہے مگر اس کی دماغی حالت مرنے سے (کچھ) پہلے بگڑ گئی تھی اسی لئے اس کے بیٹے وہب نے اس کو بیان حدیث سے روک دیا تھا اور مرتے دم تک پھر اس نے کوئی حدیث نہیں بیان کی۔ ابن معین نے کہا جریر بن حازم نے جب قتادہ کے سلسلہ سے حدیث بیان کی تو وہ ضعیف ہے۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث بسلسلۂ قتادہ نہیں ہے بلکہ عبد اللہ بن عمیر کے سلسلہ سے منقول ہے اور عبد اللہ بن عمیر ثقہ (قابل بھروسہ) ہے۔ صحیحین کا راوی ہے۔

امام احمد نے اس حدیث کو منکر کہا ہے لیکن یہ جرح اجمالی ہے اور اجمالی جرح (بغیر کسی تفصیلی دلیل کے) قابل قبول نہیں۔ امام احمد نے جو اس حدیث کو منکر کہا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مشہور حدیث میں کھودنے کا ذکر نہیں آیا ہے لیکن یہ کوئی جرح نہیں غیر مشہور حدیث میں اگر ثقہ راوی نے کوئی لفظ زیادہ نقل کیا ہو تو قابل قبول ہوتا ہے۔

طحاوی نے بطریق ابن عیینہ از عمرو بن دینار از طاؤس بیان کیا اسی طرح سعید بن منصور نے بروایت ابن عیینہ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس مقام کو کھود دو (پھر اس پر پانی بہا دو) یہ حدیث بھی مرسل ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک مرسل مسند سے زیادہ قوی ہوتی ہے امام مالک اور امام احمد کے نزدیک مسند کا مرتبہ مرسل سے اونچا ہے لیکن مرسل کے حجت ہونے میں کلام نہیں امام شافعی کے نزدیک مرسل حدیث اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوتی جب تک اس کے اندر پانچ شرطوں میں سے ایک شرط محقق نہ ہو۔ کسی دوسرے راوی نے اس کو مسند کیا ہو یا مرسل ہی کیا ہو مگر شیوخ مختلف ہوں یا کسی صحابی کا قول یا اکثر اہل علم کا قول اس کا موئد ہو یا یہ معلوم ہو کہ اس شخص نے بغیر مروی عنہ کا نام لئے جو یہ حدیث بیان کی ہے تو اس کا قاعدہ اور عادت ہی یہ ہے کہ یہ شخص جب کوئی حدیث مرسلاً بیان کرتا ہے تو عادل شخص ہی اس کا مروی عنہ ہوتا ہے۔

اس جگہ مرسل طاؤس صحیح ہے کیونکہ اس کی تائید مرسل عبد اللہ بن معقل سے ہو رہی ہے اور یہ سلسلہ حسن بھی ہے اور مسند انس صحیح ہے یا حسن ہے البتہ مسند ابن مسعود ضعیف ہے۔

اگر سوال کیا جائے کہ صحیحین میں حضرت انس کی روایت تمام روایات سے زیادہ قوی اور زیادہ قابل ترجیح ہے تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ صحیحین کی حدیث سند کے اعتبار سے ضرور صحیح ہے لیکن معنی کے لحاظ سے کمزور ہے کیونکہ اس کا تصادم ان احادیث سے ہو رہا ہے جو تقریباً متواتر ہیں اور نجاست کے اختلاط سے پانی کے نجس ہونے پر دلالت کر رہی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک بات یہ ہے کہ ترجیح کی تلاش تعارض کے وقت ہوتی ہے اور اس جگہ احادیث میں تعارض نہیں ہے بلکہ احادیث مذکورۃ الصدر میں مٹی کھودنے کا ذکر ہے اور حضرت انس کی حدیث مٹی کھودنے کے ذکر سے خاموش ہے اس لئے عمل کسی

Marfat.com

حدیث پر ترک نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ :- ازالۂ حدث کے لئے پانی کا استعمال کیا گیا ہو یا صرف حصول ثواب کے لئے وضو کیا گیا ہو بہر حال ایسا مستعمل پانی جمہور کے نزدیک پاک ہے حسن کی روایت میں امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ ایسا پانی نجس ہے نجاست غلیظہ امام ابو یوسف کی روایت میں ابو حنیفہ کا قول ہے کہ ایسے پانی کی نجاست خفیف ہے کیونکہ نجس ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام محمد کی روایت ہے کہ آب مستعمل کے متعلق امام ابو حنیفہ کا قول جمہور کے مسلک کے مطابق ہے یعنی آب مستعمل پاک ہے عام حنفیہ جو آب مستعمل کو نجس کہتے ہیں ان کی دلیل حدیث بھی ہے اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے حدیث حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے صحیح مسلم میں آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جنابت والا رکے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے۔ ابو داؤد کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں تم میں سے کوئی رکے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے اور نہ اس میں غسل جنابت کرے لور یہ ممانعت تحریمی نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ جنابت والے کے بدن کا کوئی حصہ منی سے آلودہ ہو (لور یہ نجاست پانی میں گھل کر پانی کو ناپاک بنادے اس صورت میں تو بالاتفاق پانی نجس ہوگا، اختلاف تو نجاست حکمیہ کے متعلق تھا) یہ ممانعت ایسی ہی ہے جیسے بیدار ہونے والے کو بغیر ہاتھ دھوئے برتن میں ہاتھ ڈالنے کی ممانعت کی گئی تھی کیونکہ احتمال تھا کہ شاید رات میں ہاتھ نجاست حقیقیہ سے آلودہ ہو گیا ہو حضور ﷺ نے خود بطور اشارہ فرمادیا تھا فانہ لا یدری این باتت یدہ رہا قیاس سے استدلال تو وہ ظاہر ہے کہ نجاست حقیقیہ جس پانی کو استعمال کر کے دور کی جاسکتی ہے وہ نجس ہو جاتا ہے پس اسی پر قیاس ہم اس پانی کے استعمال کو کریں گے جو ازالۂ حدث کے لئے یا حصول ثواب کے لئے استعمال کیا گیا ہو علت مشترکہ استعمال ہے۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ قیاس غلط ہے مقیس لور مقیس علیہ میں وجہ تفریق موجود ہے نجاست حقیقیہ جس پانی کو استعمال کر کے دور کی جاتی ہے وہ نجس تو اس لئے ہوتا ہے کہ اس میں نجاست کے اجزاء مخلوط ہو جاتے ہیں اور نجاست حکمیہ کو دور کرنے والے پانی میں نجاست حکمیہ کے اجزاء شامل نہیں ہوتے کیونکہ حدث (خواہ اصغر ہو یا اکبر بہر حال) ایک امر حکمی ہے اور ایسی نجاست کے اجزاء نہیں ہوتے نہ ایسی نجاست کو زائل کرنے کے اجزاء ہوتے ہیں اگر پانی سے کوئی ایک عضو دھو لیا جائے تو کیا طہارت ہو جائے گی ایسا ہرگز نہیں ہوتا بلکہ جنابت والا جب تک کل بدن نہ دھوئے اور وضو کرنے والا جب تک چاروں اعضاء نہ دھوئے طہارت نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ وضو کے پانی کا ایک ایک جز پاک ہے (کیونکہ اس نے نجاست حکمیہ کو دور نہیں کیا) لہٰذا پورا آب مستعمل بھی پاک ہے کیونکہ پاک قطرہ جب پاک قطرہ سے ملے گا تو مجموعہ ناپاک نہیں ہو سکتا۔

اگر صرف حصول ثواب کے لئے (وضو پر) وضو کیا جائے تو حنفیہ اس مستعمل پانی کو نجس کہتے ہیں اور ثبوت میں اس حدیث کو پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو وضو کرتا ہے اور اچھی طرح کرتا ہے اس کی خطائیں اس کے جسم سے نکل جاتی ہیں یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں متفق علیہ عن عثمان و مسلم عن ابی ہریرہ نحوہ۔

یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ گناہ بدن سے پانی کے ساتھ نکل جاتے ہیں لور کوئی شک نہیں کہ گناہ گندگی ہیں جس طرح دوسری گندگیوں کے مخلوط ہو جانے سے پانی نجس ہو جاتا ہے اسی طرح گناہوں کی گندگی ملنے سے بھی نجس ہو جانا ضروری ہے۔

حنفیہ کا یہ استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ گناہوں کی کوئی جسامت نہیں نہ وہ عوارض ہیں کہ پانی کے ساتھ مخلوط ہو جائیں۔ گناہ نجاست حقیقیہ کی طرح نہیں ان کا بدن سے خارج ہونا نجاست حقیقیہ کے خارج ہونے کی طرح نہیں کہ جس کے مخلوط ہونے سے پانی نجس ہو جائے بلکہ گناہوں کے خارج ہونے کا معنی ہے معاف ہو جانا بخشا جانا۔ اگر گناہ دوسری گندگیوں کی طرح ہوتے تو گناہ گار مومنوں کی نماز (گناہوں سے آلودہ ہونے لور پاک نہ ہونے کی حالت میں) جائز ہی نہ ہوتی حالانکہ گناہ گار مومن کی نماز تو اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ رسول اللہ ﷺ کا بھی ارشاد گرامی ہے۔ کہ پانچوں نمازیں (درمیانی لوقات کے گناہوں کے لئے) اور جمعہ کی نماز آئندہ جمعہ تک (کے گناہوں) کے لئے لور رمضان (آئندہ) رمضان تک (کے گناہوں) کے لئے کفارہ ہیں درمیانی (اوقات وایام کے) گناہوں کو اتار دینے والے

Marfat.com

ہیں بشرطیکہ آدمی کبیرہ گناہوں سے بچا رہے رواہ مسلم عن ابی ہریرہ۔

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے کسی اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا اظہار کر دیا اس پر آیت وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ الی آخرہ نازل ہوئی۔ متفق علیہ۔

آب مستعمل کو جو لوگ پاک کہتے ہیں ان کے قول کی تائید متعدد احادیث سے ہوتی ہے۔ حضرت جابر کا بیان ہے میں بیمار تھا۔ بیہوش پڑا تھا۔ رسول اللہ ﷺ میری عیادت کو تشریف لائے آکر وضو کیا اور وضو کا پانی میرے اوپر ڈالا مجھے فوراً ہوش آگیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے وارث نہ میرے ماں باپ ہیں نہ اولاد، اس پر آیت فرائض نازل ہوئی۔ متفق علیہ۔

حضرت سائب بن یزید کا بیان ہے مجھے میری خالہ رسول اللہ کی خدمت میں لے گئیں اور عرض کیا یہ میری بہن کا لڑکا دکھی ہے حضور ﷺ نے برکت کی دعا کی پھر وضو کیا اور حضور ﷺ کے وضو کا پانی میں نے پیا متفق علیہ۔

حضرت مسور بن مخرمہ کی حدیث صلح حدیبیہ کے تذکرے کے ذیل میں آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب کوئی تھوک تھوکا تو خدا کی قسم وہ (زمین پر گرنے کے بجائے) کسی آدمی کے ہاتھ پر لگا اور اس نے اس لعاب کو اپنے بدن اور چہرے پر مل لیا۔ حضور جب وضو کرتے تھے لوگ وضو کے پانی کو لینے کے لئے ٹوٹ پڑتے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وضو کے پانی پر لڑ پڑیں گے۔ رواہ البخاری۔

مسئلہ:- ازالۂ حدث یا حصول ثواب کی خاطر جس پانی کو (غسل یا وضو کی شکل میں) استعمال کر لیا گیا ہو کیا اس سے نجاست حقیقیہ کو دور کیا جا سکتا ہے بالاتفاق علماء اس کا جواب اثبات میں دیتے ہیں۔ ہاں جن لوگوں کے نزدیک ایسا پانی نجس ہوتا ہے ان کے نزدیک اس پانی سے نجاست حقیقیہ کو پاک نہیں کیا جا سکتا لیکن کیا اس پانی سے (دوبارہ) غسل اور وضو کیا جا سکتا ہے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے امام محمد کے نزدیک جس پانی کو حصول ثواب کے لئے (بصورت وضو بالا وضو) استعمال کر لیا گیا ہو اس سے دوبارہ غسل یا وضو نہیں ہو سکتا۔ ایسا پانی پاک تو ہے لیکن پاک کن نہیں ہے امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک ازالۂ حدث کے لئے جس پانی کو استعمال کر لیا گیا ہو اس سے غسل اور وضو جائز نہیں وہ ظاہر ہے مطہر (پاک کرنے والا) نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ کا قول ہے جس پانی کا استعمال کر لیا گیا ہو خواہ ازالۂ حدث کے لئے یا حصول ثواب کے لئے بہر صورت وہ پاک تو ہے پاک کرنے والا نہیں ہے غیر مطہر ہونے پر حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے اور قیاس سے بھی۔ حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی رکے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے۔ اس حدیث میں رکے ہوئے پانی میں غسل کرنے کی ممانعت فرمائی گئی اور اس ممانعت کی وجہ یا تو یہ ہے کہ وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے یا یہ وجہ ہے کہ وہ مطہر نہیں رہتا استعمال کے بعد پانی کا نجس ہو جانا تو نا قابل تصور ہے صرف دوسری ہی شق باقی رہی یعنی وہ طاہر تو ہے مطہر نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں ممانعت تحریمی نہیں تنزیہی ہے اور احتمال ہے کہ نجاست حقیقیہ ہو لیکن احتمال نجاست کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ پانی نجس ہو گیا طہارت یقینی احتمال و شک سے نجاست میں تبدیل نہیں ہو سکتی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مطہر ہونا مطلق پانی کا لازمی وصف ہے۔

ازالۂ حدث یا حصول ثواب کے لئے استعمال کردہ پانی کو غیر مطہر قرار دینے والے اس پانی کو زکوٰۃ پر قیاس کرتے ہیں۔ علت مشترکہ جامعہ یہ ہے کہ زکوٰۃ سے اسقاط فرض بھی ہوتا ہے اور حصول ثواب بھی اس کی تفصیل و توضیح یہ ہے کہ اسقاط فرض اور عبادت مقصودہ (یعنی اقامت قربت) سے درمیانی ذریعہ میں کثافت اور کسی قدر گندہ پن ضرور آجاتا ہے لیکن اس حد تک نہیں کہ وہ نجس ہو جائے اسی لئے مال زکوٰۃ اپنی کثافت اور گندہ پن کی وجہ سے ہاشمیوں کے لئے ضرور حرام کر دیا لیکن اس کو نجس نہیں قرار دیا گیا۔ پس اسی طرح ازالۂ حدث یا حصول ثواب کے لئے پانی کا استعمال ایک حد تک پانی کو کثیف ضرور بنا دیتا ہے مطہر ہونے کی صفت ضرور جاتی رہتی ہے لیکن نجاست کی حد تک کثافت نہیں پہنچتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات قابل تسلیم نہیں کہ اسقاط فرض یا اقامت قربت سے (درمیانی ذریعہ میں) کثافت اور گندہ

Marfat.com

پن آجاتا ہے۔ ہاشمیوں کے لئے مال زکوٰۃ کی حرمت تو صرف امر تعبدی ہے (غیر عقلی) مقام غور ہے کہ بدن اور لباس کے ذریعہ سے بھی تو نماز ادا کی جاتی ہے ان کو استعمال کرنے سے اسقاط فرض بھی ہوتا ہے اور حصول ثواب بھی لیکن ان دونوں میں سے کسی میں بھی اسقاط فرض یا اقامت قربت سے نہ کثافت آتی ہے نہ گندہ پن۔

اسی طرح قربانی کرنے سے اداء واجب ہو جاتا ہے اور اس سے قربانی کے گوشت میں نہ کثافت آتی ہے نہ گندہ پن رسول اللہ ﷺ نے قربانی کا گوشت تناول فرمایا تھا۔

اس کے علاوہ مطلق پاک پانی کا مطہر ہونا پانی کی لازمی صفت ہے (جب پاک ہوگا تو پاک بھی کرے گا) کیونکہ اللہ نے فرمایا فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا مطلق پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کا حکم دیا گیا ہے اور آب مستعمل بہر حال مطلق پانی کے ذیل میں آتا ہے اس لئے مستعمل پانی کی موجودگی میں تیمم جائز نہ ہوگا بلکہ اسی پانی سے وضو واجب ہوگا۔

اگر شبہ کیا جائے کہ مستعمل پانی مطلق پانی کے ذیل میں نہیں آتا۔ مطلق پانی تو وہی ہوگا جس میں کوئی کثافت نہ ہو ایسے پانی سے تو بہر حال نماز کے لئے وضو جائز ہے مطلق پانی کہنے سے آب مقید آب نجس اور کثافت والا گندہ پانی خارج ہو گیا۔

ہم کہتے ہیں کہ اول تو یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے کہ آب مستعمل میں کوئی ایسی چیز شامل ہو جاتی ہے (جو آب مطلق کی فہرست سے اس کو خارج کر دیتی ہے اور) جس کی موجودگی کی وجہ سے اس پانی سے وضو نا جائز ہو جاتا ہے یہ تو مصادرہ ہے (جو دلیل ہے وہی دعویٰ ہے دلیل دعویٰ پر موقوف ہے) دوئم یہ کہ مطلق پانی لغوی اعتبار سے وہی ہوتا ہے جس پر لفظ آب کا اطلاق بلا قید ہوتا ہو اور اس میں شک نہیں کہ مطلق پانی کہنے میں پاک پانی نجس پانی جس کا کوئی وصف نہ بدلا ہو (نہ رنگ، نہ مزہ نہ بو) نیز مستعمل پانی خواہ اس کا استعمال حصول ثواب کے لئے کیا گیا ہو یا صرف گرمی دور کرنے کے لئے سب ہی داخل ہیں۔ اسی لئے زہری کا قول ہے کہ کتا جب کسی کے برتن میں منہ ڈال دے اور دوسرا پانی وضو کرنے کے لئے موجود نہ ہو تو اسی سے وضو کرلے (تیمم نہ کرے) سفیان ثوری نے کہا بعینہ یہی فقہی مفہوم ہے آیت فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا کا (یعنی مطلق پانی نہ ملے تو تیمم کرلو) بخاری نے اس کو تعلیقاً ذکر کیا ہے۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو استعمال نجاست سے منع کر دیا ہے اور ان سے پرہیز رکھنے کی ہدایت فرمادی ہے صریح آیت ہے وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ اور آیت وضو میں فرمایا ہے وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے مسلم ؒ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو (برتن میں جو کچھ پانی ہو) اس کو بہادے پھر برتن کو سات مرتبہ دھو ڈالے دوسری حدیث میں آیا ہے ان گندگیوں (اور نجاستوں) میں سے کسی گندگی میں اگر کسی کو مبتلا ہونا پڑ جائے تو بندش خدا کے مطابق بچا رہے۔

ایک اور آیت میں اللہ نے فرمایا ہے يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ اب اگر کسی کو نجس پانی مل جائے تو حقیقت میں اس کو شرعی پانی نہیں ملا کیونکہ شریعت نے نجس پانی کے استعمال کی ممانعت فرمادی ہے جیسے کوئی کنوئیں کے کنارہ پر بیٹھا ہو اور ڈول (رسّی) نہ ہو تو ظاہر ہے کہ فطری قدرتی طور پر پانی کو استعمال کرنا اس کے لئے ممنوع ہو گیا طبعاً وہ خود کنوئیں میں گر نہیں سکتا اسی طرح بیمار کے پاس پانی ہو اور (شدت مرض کے خوف سے) اس کے لئے شرعاً اور طبعاً استعمال سے روک حاصل ہو گئی ہے ممنوع شرعی کا حکم ممنوع طبعی کی طرح ہے رہا مستعمل پانی تو چونکہ وہ پاک ہے اس لئے اس کا استعمال ممنوع شرعی نہیں۔ اب جس کو آب مستعمل مل جائے تو اس کے لئے حقیقت میں بھی پانی مل گیا اور شرعی اعتبار سے بھی اس کے لئے ممانعت نہیں ہے اس لئے اس کی موجودگی میں تیمم جائز نہیں ہو سکتا اسی کو استعمال کرنا چاہئے وہ یقیناً (طاہر ہونے کے علاوہ) مطہر بھی ہوگا۔

مسئلہ:۔ پانی میں اگر کوئی پاک چیز گر جائے اور (پانی کے تینوں اوصاف میں سے) کوئی وصف نہ بدلا اور پانی کے قوام میں بھی کوئی اضافہ نہ ہوا ہو تو اس سے باتفاق علماء وضو جائز ہے لیکن اگر کوئی ایک یا ایک سے زیادہ وصف میں تغیر آگیا ہو اور اس سے

Marfat.com

اجتناب دشوار ہو جیسے برسات کے موسم میں مٹی یا پتوں کے ملنے سے پانی کے بعض اوصاف بدل جاتے ہیں تو اس سے بھی بالاتفاق وضو جائز ہے بشرطیکہ پانی کی طبعی حالت یعنی رقت باقی ہو اس میں تغیر نہ آیا ہو جیسے ایک جگہ پڑا رہنے سے پانی کی حالت ہو جاتی ہے لیکن اگر اس سے اجتناب دشوار نہ ہو جیسے سرکہ یا زعفران ملا ہو اپانی یا اشنان کا آمیختہ ایسی حالت میں اگر پانی کا کوئی ایک وصف بدل گیا ہو تو امام شافعی کے نزدیک اس سے وضو جائز نہیں کیونکہ ایسا پانی اب مطلق نہیں رہا آپ مقید ہو گیا (یعنی عرق ہو گیا) اور آب مطلق نہ ہو تو تیمم کا حکم ہے (لہٰذا تیمم کیا جائے)

امام ابو حنیفہ نے فرمایا اس سے وضو جائز ہے ہاں اگر کوئی جامد چیز آمیختہ ہو جائے جس سے پانی میں گاڑھا پن آ گیا یا پانی کے بیشتر اوصاف بدل گئے جیسے نبیذ کی حالت ہوتی ہے (نبیذ جیسا نیدہ پانی میں کوئی چیز بھگوئی ہوئی یا حد خاص تک پکائی ہوئی) یا کوئی سیال چیز ہی زیادہ مقدار میں پانی میں مل گئی ہو کہ اس کی مقدار کے مقابلے میں پانی کے اجزاء کم ہوں یا پانی کے اکثر اوصاف بدل گئے ہوں یا اس کو پانی میں پکایا گیا ہو جس کی وجہ سے پانی کی طبعیت ہی بدل گئی ہو جیسے شوربہ یا آب باقلی تو اس سے وضو جائز نہیں لیکن اگر آمیزش سے مقصود ہو پانی کا ستھرا پن بڑھانا جیسے آس اور بیری کے پتے اور اشنان تو اس سے وضو درست ہے۔ اگر پاک چیز کی آمیزش سے پانی میں تھوڑا سا تغیر آ جائے تو کوئی حرج نہیں۔ ابن خزیمہ اور نسائی نے حضرت ام ہانی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت میمونہ نے ایک بڑے لگن سے غسل کیا جس میں گوندھے ہوئے آٹے کے آثار موجود تھے۔

بخاری نے حضرت ام عطیہ انصاریہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کی وفات ہوئی تو حضور ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو فرمایا اس کو تین بار یا پانچ بار یا اس سے زیادہ بار جتنا مناسب سمجھو پانی اور بیری کے پتوں سے (یعنی بیری کے پتوں کے ساتھ گرم کئے ہوئے پانی سے) غسل دینا اور آخری بار کچھ کافور شامل کر دینا یا فرمایا کافور شامل کر دینا۔

بزار نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ثمامہ بن اثال مسلمان ہونے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ پانی اور بیری کے پتوں سے غسل کر لیں قیس بن عاصم کی حدیث میں بھی یہی آیا ہے کہ وہ مسلمان ہونے لگے تو حضور ﷺ نے ان کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل کرنے کا حکم دیا۔

لِّنُحْيِۦَ بِهِۦ بَلْدَةً مَّيْتًا تاکہ ہم اس پانی سے مردہ بستی کو زندہ کر دیں۔

بلدہ بمعنی بلد ہے اسی لئے اس کی صفت میتاً (بصیغۂ مذکر) ذکر کی۔

وَنُسْقِيَهُۥ مِمَّا خَلَقْنَآ أَنْعَٰمًا وَأَنَاسِىَّ كَثِيرًا ﴿٤٩﴾ اور اپنی مخلوق میں سے چوپایوں کو اور بہت سے انسانوں کو وہ پانی پلا کر سیراب کریں۔

اناسی سے مراد ہیں صحرا نشین خانہ بدوش بدو کیونکہ انہی کی زندگی بارش کے پانی سے وابستہ ہے شہروں والے اور دیہات کے باشندے تو دریاؤں کنوؤں اور چشموں کے پاس آباد ہوتے ہی ہیں ان کو بارش کے پانی سے سیراب ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی ان کے جانور بھی دریاؤں اور چشموں کے پانی سے سیراب ہو جاتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ نے انسانوں پر اپنی کی ہوئی نعمتوں کو شمار کر لیا ہے۔ انسانوں کے عام منافع اور بیشتر اسباب معیشت کا حصول چوپایوں سے وابستہ ہے اسی لئے انسانوں سے پہلے جانوروں کو سیراب کرنے کا ذکر کیا اور جانوروں کے ذکر سے بھی پہلے زمین کا ذکر کیا کیونکہ سب سے پہلے بارش سے زمین ہی زندہ ہوتی ہے اور زمین کی حیات چوپایوں کی زندگی کا ذریعہ ہے۔

اناسی انسی کی جمع ہے یا انسان کی جیسے ظرابی ظربان کی جمع ہے۔ انسان کی جمع قرار دی جائے گی تو کہا جائے گا کہ لفظ اناسی اصل میں اناسین تھا۔ جیسے بساتین بستان کی جمع ہے پھر نون کو یا سے بدل دیا گیا اور یاء کو یاء میں ادغام کر دیا گیا۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَٰهُ بَيْنَهُمْ اور ہم نے پانی کو انسانوں میں گھمایا پھرایا۔ کبھی ایک شہر میں کبھی دوسری بستی میں بارش کی بغوی نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ کوئی سال ایسا نہیں ہوتا کہ دوسرے سال سے اس میں بارش زیادہ ہو بلکہ اللہ بارش کو زمین پر گھماتا رہتا ہے پھر آپ نے یہی آیت پڑھی ایک مرفوع روایت میں آیا ہے کہ کوئی ساعت ایسی نہیں ہوتی نہ رات

Marfat.com

میں نہ دن میں کہ ابر سے بارش نہ ہوتی ہو اللہ بارش کا رخ جس طرف چاہتا ہے پھیر دیتا ہے ابن اسحاق ابن جرج اور مقاتل نے حضرت ابن مسعود تک اس قول کو پہنچایا ہے اور حضرت ابن مسعود نے اس کو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد فرمایا ہے کہ کسی ایک سال دوسرے سال سے زیادہ بارش نہیں ہوتی۔ لیکن اللہ نے رزق کی تقسیم کردی ہے نچلے آسمان (یعنی بادل) میں بینہ (کا خزانہ) رکھ دیا ہے اور مخصوص ناپ تول کے ساتھ نیچے اتارتا ہے جب کوئی قوم گناہ کرتی ہے تو اللہ اس کی طرف سے بارش کا رخ موڑ کر دوسروں کی طرف کر دیتا ہے اور جب سب نافرمان ہو جاتے ہیں تو پھر بیابانوں اور دریاؤں کی طرف بارش کو موڑ دیا جاتا ہے۔

بعض کے نزدیک تصریف المطر سے یہ مراد ہے کہ کبھی بارش بڑی بڑی بوندوں کی شکل میں موسلادھار ہوتی ہے کبھی خفیف اور شبنم کے رنگ میں۔

بعض نے کہا تصریف سے یہ مراد ہے کہ دریاؤں اور چشموں کی طرف لوٹا دیتا ہے۔

بعض نے کہا صرّفنہ کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے یہ بات قرآن اور تمام دوسری کتابوں میں بار بار بیان کر دی ہے۔

لِيَذَّكَّرُوْا ۖ تاکہ لوگ غور کریں۔ یعنی غور کر کے کمال قدرت اور حق نعمت کو پہچانیں اور پھر شکر ادا کریں۔ یالیذکروا کا ترجمہ ہے تاکہ وہ عبرت حاصل کریں، نصیحت پکڑیں کہ بارش کا رخ کبھی ان کی طرف ہوتا ہے کبھی ان کی طرف سے دوسروں کی طرف۔

فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾ لیکن اکثر لوگ بے ناشکری کئے نہیں رہے۔ یعنی جب اللہ نے بارش کی تو اکثر لوگوں نے ناشکری کی اور کہنے لگے یہ بارش تو فلاں ستارہ کی تاثیر سے ہوئی ہے حضرت زید بن خالد جہنی راوی ہیں کہ حدیبیہ میں رات کو بارش ہوئی جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد لوگوں کی طرف رخ پھیرا اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا، صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی جانے حضور ﷺ نے ارشاد کیا اللہ نے فرمایا صبح کو میرے بندوں میں سے کچھ مجھ پر ایمان رکھنے والے ہوئے کچھ کافر (ہوئے) جن لوگوں نے کہا ہم پر اللہ کے فضل و رحمت سے بارش ہوگئی وہ مجھ پر ایمان رکھنے والے ہیں اور ستاروں کے منکر اور جن لوگوں نے کہا فلاں ستارہ کی تاثیر سے ہم پر بارش ہوئی وہ میرے منکر ہوگئے اور ستاروں کی تاثیر پر یقین رکھنے والے۔ متفق علیہ۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾ اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے۔

یعنی اس طرح آپ کے اوپر سے تبلیغ کا بار ہلکا ہو جاتا لیکن آپ کو عظمت عطا کرنے اور آپ کی شان بلند کرنے کے لئے ہم نے سب لوگوں کے لئے تنہا آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور تمام پیغمبروں پر آپ کو فضیلت عطا کی۔

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾ سو (اس نعمت کے شکریہ میں) آپ کافروں کی خوشی کا کام نہ کیجئے اور قرآن سے بڑے زور و شور سے ان کا مقابلہ کیجئے۔

یعنی کافر جس طرف آپ کو بلاتے ہیں آپ ان کا کہنا مانیں ان کی موافقت نہ کریں نہ اس چیز میں ان سے رواداری کا سلوک کریں بلکہ ہماری نعمت کا شکر ادا کریں کہ ہم نے سب لوگوں کے لئے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے آپ اپنی دعوت اور اظہار حق پر ثابت قدم رہیں اور اللہ کی مدد توفیق یا قرآن کے ذریعہ سے یا کافروں کی مخالفت کر کے۔ ان سے جہاد عظیم کریں دل سے بھی اور زبان سے بھی اور تلوار سے بھی (جیسا موقع ہو ویسا جہاد کیجئے) مراد یہ ہے کہ کافر ابطال حق کی کوشش کرتے ہیں آپ ان کے مقابلہ میں ہر طرح اظہار حق اور حمایت حق کی کوشش کریں۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ اور اللہ وہی ہے جس نے دو سمندروں کو ملایا (اور متصل کیا) یہ میٹھا ہے پیاس کو بجھانے والا اور یہ نمکین ہے کڑوا اور دونوں کے درمیان ایک پردہ بنا دیا ہے اور ایک مضبوط بندش کر دی ہے۔

مرج البحرین یعنی ایک سمندر کو دوسرے سمندر سے متصل اور چسپاں کر کے آزاد چھوڑ دیا (کہ اگر ہو سکے تو ایک

Marfat.com

دوسرے کے ساتھ مخلوط اور یکذات ہو جائیں لیکن ایسا ہوتا نہیں ہے۔ ہر سمندر باوجودیکہ دوسرے سے ملا ہوا اور متصل ہے مگر اپنی حد میں رہتا ہے، مترجم) مرج الدابۃ اور امرج الدابۃ جانور کو چراگاہ میں آزاد چھوڑ دیا کہ جہاں چاہے چرتا پھرے۔

فرات پیاس کو توڑ دینے والا، بجھانے والا، انتہائی شیرینی کی وجہ سے پیاس کو زائل کر دینے والا، اجاج، شدید نمکین۔ انتہائی شوریت کی وجہ سے تلخ، نمکین پانی پیاس کو بڑھاتا اور بھڑکاتا ہے۔ فاجج النار آگ بھڑ گئی۔

برزخ پردہ، دونوں کو مخلوط ہو جانے سے روکنے والا۔

حجرا محجورا پردہ سخت روک، کہ کوئی اپنی حد سے آگے نہیں بڑھتا، اور نمکین سمندر، میٹھے سمندر کو بگاڑ نہیں سکتا۔ بیضاوی نے لکھا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باہر سے کسی چیز نے داخل ہو کر سمندر کو بیچ سے پھاڑ دیا ہے اور اس طرح یہ دخیل (دھارا) میلوں تک گھستا چلا جاتا ہے اور اس کے مزے میں فرق نہیں آتا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ میٹھے سمندر سے مراد بڑے دریا ہیں جیسے نیل فرات وغیرہ اور شور سمندر سے یہی بڑا سمندر مراد ہے جو نمکین اور تلخ ہے اور برزخ سے مراد وہ خطہ ارضی ہے جو سمندر اور بڑے دریاؤں کے وسط میں واقع اور حائل ہے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۗ　　اور اللہ وہی تو ہے جس نے پانی سے (یعنی نطفہ سے) آدمی کو پیدا کیا پھر اس کو بنایا نسب (یعنی مرد) اور سسرال (یعنی عورت) مطلب یہ ہے کہ انسان کی دو صنفیں کر دیں۔ (۱) نسب والا یعنی مرد بنایا، مرد کی طرف نسب لوٹتا ہے (۲) سسرال والا یعنی عورت، اس تشریح پر اس آیت کا مطلب وہی ہے جو آیت جَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ کا ہے۔

بعض علماء کے نزدیک نسب سے مراد ہے نسب والا جس سے عورت و مرد کے نسب کا جوڑ ملتا ہے یعنی باپ دادا، اور صہر سے مراد ہے مرد و عورت کا سسرالی رشتہ۔

وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ﴿۵۴﴾　　اور آپ کا رب بڑی قدرت والا ہے جیسے اس کی مشیت ہو ویسا ہی پیدا کرتا ہے ایک مادہ سے انسان کو بنایا پھر اعضاء کی ساخت مختلف کر دی اور طبائع میں تفریق کر دی۔ ایک ہی نطفہ سے نر کو بنایا مادہ کو بنایا اور جڑواں بھی کسی کو پیدا کر دیا۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ　　اور اللہ کے سوا وہ ایسی چیزوں کو پوجتے ہیں جو نہ ان کو فائدہ پہنچاتی ہیں نہ ضرر۔ یعنی اگر ان چیزوں کو پوجا جائے تو وہ پوجنے والوں کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتیں اور ان کی پوجا نہ کی جائے تو نہ پوجنے والوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔

وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ﴿۵۵﴾　　اور کافر اپنے رب کے خلاف (گناہ کر کے شیطان کا) مددگار ہو جاتا ہے۔

بعض علماء نے ظہیر کا ترجمہ کیا ہے ذلیل، کمین، جعلنی ظہیرا اس نے مجھے ذلیل کر دیا۔ ظہرت الشئی میں نے اس چیز کو پس پشت پھینک دیا یعنی ناقابل توجہ کر دیا۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿۵۶﴾　　اور ہم نے آپ کو (قادر مطلق یا ذمہ دار بنا کر بھیجا بلکہ) صرف خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ یعنی مومنوں کو جنت کی خوش خبری سنانے والا اور کافروں کو دوزخ سے ڈرانے والا۔

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ　　آپ کہہ دیجئے میں اس (تبلیغ) کی کوئی اجرت تم سے طلب نہیں کرتا۔

من اجر یعنی کوئی ایسا معاوضہ نہیں مانگتا جو تم کو میرے اتباع سے روکے اور تم اس کو اپنے اوپر تاوان سمجھو۔

إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿۵۷﴾　　مگر (اس شخص کا عمل اور ایمان چاہتا ہوں)

Marfat.com

جو اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرے۔ یعنی جو اللہ کا قرب اور قرب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرتا ہے بس مجھے ایسے ہی شخص کی طلب ہے۔

اللہ کے اوامر و نواہی کی تعمیل کے لئے اللہ کے رسول کی اطاعت کو اجر رسالت قرار دیا کیونکہ رسالت کا اصل مقصد ہی یہ ہے اس کے علاوہ ہر اجر تبلیغ کی نفی کر دی تاکہ کسی کو شبہ کرنے کا موقع ہی باقی نہ رہے (شاید کوئی سر پھرا یہ خیال کرنے لگتا کہ اللہ کی طرف احکام کو منسوب کر کے یہ اپنی اطاعت تحصیل زر و مال کے لئے کرانا چاہتے ہیں اور ہم سے معاوضہ مالی کے طلب گار ہیں، ہر قسم کے معاوضہ مال کی طلب کی ممانعت کر کے اس وہم کی بیخ کنی کر دی۔ مترجم) پھر اس طرز ادا میں انتہائی شفقت کا اظہار بھی ہے کافروں کے لئے جو بات فائدہ رساں تھی اس کو اپنے لئے سود مند ظاہر کیا اور بتا دیا کہ تم لوگوں کا اس راستہ پر چلنا ہی میری خدمت رسالت کا پورا پورا معاوضہ ہے اس طریق بیان سے اس امر پر تنبیہ بھی ہو گئی کہ امت کی اطاعت کا فائدہ مال کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹے گا چونکہ رسول کی راہنمائی سے امت ہدایت یاب ہوئی ہے اس لئے (رہنمائی کا اور) ہدایت یاب ہونے کا ثواب رسول اللہ ﷺ کو ملے گا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا نیکی کا راستہ بتانے والا بھی نیکی کرنے والے کی طرح ہے یہ حدیث بزار نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت سہل بن سعد اور حضرت ابو مسعود کی روایت سے اور امام احمد نیز صحاح ستہ کے مؤلفین نے اور ضیاء نے کچھ زیادتی کے ساتھ حضرت بریدہ کی روایت سے اور ابن ابی الدنیا نے قضاء الحوائج میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے۔ ضیاء نے اتنا ٹکڑا حدیث کا اور نقل کیا ہے کہ اللہ مصیبت زدہ کی فریاد رسی کو پسند فرماتا ہے۔ مسلم نے حضرت جریر کی روایت سے ایک طویل حدیث کے ذیل میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ قائم کیا اس کو اس طریقے پر چلنے کا ثواب ملے گا اور ان لوگوں کے عمل کا بھی ثواب ملے گا جو اس طریقہ پر چلیں گے مگر اس سے ان عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ آیت الا من شاء میں استثناء منقطع ہے یعنی جو شخص اپنا مال راہ خدا میں اللہ کے قرب تک پہنچنے کیلئے خرچ کرنا چاہتا ہو وہ ایسا کرے۔ میں اپنے لئے کچھ طلب نہیں کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ میں اپنے لئے تو کچھ مانگتا نہیں، ہاں اس بات سے بھی نہیں روکتا کہ راہ خدا میں کوئی اپنا مال صرف کرے اور اللہ کی خوشنودی کا طلب گار ہو اور اس کا راستہ اختیار کرے۔

زکوٰۃ اور صدقات کا قانون جاری کرنے سے مخالفوں کو شبہ کرنے کا موقع ملتا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ قانون طلب زر کے لئے جاری کیا ہے اسی لئے اللہ نے اپنے نبی کے اہل بیت کے لئے زکوٰۃ و صدقات (واجبہ) کا کھانا جائز نہیں کیا۔

مسئلہ:- اس آیت سے استنباط کیا گیا ہے کہ کسی طاعت کو اجرت طلب کرنا جائز نہیں نہ تعلیم قرآن (حدیث و فقہ) کی، نہ اذان کی نہ امامت کی نہ اسی طرح کے دوسرے کاموں کی (جیسے وعظ تبلیغ وغیرہ)

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ اور اس ذات پر بھروسہ کیجئے جو زندہ ہے کبھی نہیں مرے گی۔ جو ہستیاں زندہ ہیں لیکن موت کا نشانہ ہیں کبھی ان کو موت ضرور آئے گی ایسی ہستیوں پر بھروسہ، بھروسہ کرنے والوں کو بے مدد چھوڑ دیتا ہے اور وہ تباہ ہو جاتے ہیں مگر اللہ (کی حیات پر کبھی موت طاری ہونے کا وہم بھی نہیں ہو سکتا اس لئے) اس بات کا مستحق ہے کہ اس پر مخالفوں کے شر سے محفوظ رہنے اور لوگوں کی طرف سے مالی معاوضہ سے بے نیاز رہنے کے سلسلے میں بھروسہ کیا جا سکتا ہے پس آپ ان لوگوں کے شر اور ان کے مال سے بے نیاز رہنے میں اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔

مع وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۚ وَكَفَىٰ بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا ﴿٥٨﴾ اور اسکی تسبیح و تحمید میں لگے رہیے

سبح یعنی تمام صفات نقص (وعیب) سے اس کی پاکی کا اعتراف کرو۔

بحمدہ اس کی صفات کمالیہ کی ثناء اور تعریف کرو۔ اور مزید انعام کے اس سے طالب ہو۔ بعض علماء نے سبح کا ترجمہ کیا ہے صل نماز پڑھو اور بحمدہ کا مطلب ہے نعمتوں کا شکر ادا کرنا۔ یعنی اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے نماز پڑھو۔

وکفی بہ، یعنی اللہ بندوں کے گناہوں سے پورے طور پر باخبر اور باعلم ہے وہ گناہوں کی سزا دے گا۔

Marfat.com

الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ

وہ ذات جس نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان دونوں کی درمیانی کائنات کو (ایک اندازے کے ساتھ) پیدا کیا چھ دن (کی مقدار) میں پھر تخت (الوہیت) پر قائم ہوا۔

یہ آیت سابق آیت کے مضمون کو ثابت کر رہی ہے مطلب یہ ہے کہ جب اللہ ہی سب کا خالق اور متصرف کل ہے تو اسی پر بھروسہ رکھا جائے۔ آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آدمی تمام امور میں تدریج اور آہستگی اختیار کرے، کیونکہ وہ اللہ جس کی قدرت محیط کل ہے اور اس کا حکم انتہائی سریع النفوذ ہے اس نے تخلیق کائنات میں تدریج اور آہستگی اختیار فرمائی (اور یکدم سب کو پیدا نہیں کر دیا۔

اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا ﴿۵۹﴾ وہی رحمٰن ہے سو تم اس کو کسی باخبر (یعنی عالم) سے پوچھ دیکھو (وہ اس کی حقیقت تم کو بتادے گا)

بہ یعنی اس تخلیق کائنات اور استوی علی العرش کے متعلق کسی عالم کو پوچھ دیکھو۔ کذا قال الکلبی۔

خبیر سے مراد ہے اللہ، یا جبرئیل یا وہ علماء جنہوں نے سابق آسمانی کتابوں میں یہ باتیں پڑھی ہیں۔ بعض کے نزدیک بہ کی ضمیر الرحمٰن کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اللہ پر لفظ رحمٰن کے اطلاق کا انکار کرتے ہیں تو تم علماء اہل کتاب سے پوچھ دیکھو، وہ تم کو بتادیں گے کہ رحمٰن کا ہم معنی لفظ اللہ کے لئے ان کی کتابوں میں مذکور ہے اگر کسی چیز کے متعلق پوچھنا ہو تو عربی میں سالہ عنہ بھی آتا ہے اور سال بہ بھی۔ بعض علماء نے کہا (کہ فسئل کا مخاطب عام انسان ہے یعنی) اے انسان تو رحمٰن کے متعلق باخبر لوگوں سے پوچھ لے وہ تجھے رحمٰن کے اوصاف بتادیں گے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا

اور جب ان سے کہا گیا کہ رحمٰن کو سجدہ کرو، کہنے لگے رحمٰن کیا چیز ہے (ہر) اس چیز کو ہم سجدہ کرنے لگیں جن کو سجدہ کرنے کا تم ہم کو حکم دو۔

مشرکین لفظ رحمٰن کا اطلاق اللہ پر نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ سوائے رحمٰن یمامہ (یعنی مسیلمہ کذاب متنبی) کے اور کسی رحمٰن کو ہم نہیں جانتے۔ مشرکین مسیلمہ کو رحمٰن یمامہ کہتے تھے۔

وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾ اور (رحمٰن کو سجدہ کرنے کے حکم نے) ان کے اندر (ایمان سے) اور نفرت بڑھادی۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا ﴿۶۱﴾

بڑی خیر والا ہے وہ اللہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور سورج اور روشنی دینے والا چاند بنایا۔

حسن قتادہ اور مجاہد نے کہا بروج بڑے بڑے ستارے (برج ظاہر ہونے کو کہتے ہیں) بڑے بڑے ستارے ظہور کی وجہ سے بروج کہلاتے ہیں۔ عطیہ عوفی، بروج سے مراد وہ اونچے محل ہیں جن میں چوکیدار اور محافظ موجود ہیں۔

سرٰجا (چراغ روشن) یعنی سورج۔ دوسری آیت میں اللہ نے فرمایا ہے وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا۔

کسائی اور حمزہ کی قرأت میں سرجا بصیغۂ جمع آیا ہے۔ اس وقت سرج سے مراد ہوں گے سورج اور دوسرے ستارے۔ چاند مراد نہ ہوگا کیونکہ چاند چراغ نہیں ہے اس کی اپنی کوئی روشنی نہیں۔ اس کو ساری روشنی سورج سے پہنچتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب یہ پورا پورا سورج کے سامنے ہو جاتا ہے تو پورا روشن ہو جاتا ہے اور سورج سے جتنے حصہ کا تقابل نہیں ہوتا۔ اتنا ہی حصہ تاریک رہتا۔ پھر قمر کا سرجا پر عطف بھی کیا گیا ہے (اور عطف مغایرت کو چاہتا ہے)

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾

اور وہ ایسا ہے کہ اس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا اور یہ سب کچھ اس شخص کے سمجھنے کے لئے ہے جو سمجھنا یا شکر کرنا چاہے۔

النصف ۲ ع ۵

Marfat.com

خلفۃ یعنی رات اور دن میں سے ہر ایک دوسرے کا قائم مقام ہو جاتا ہے، اسی لئے اگر کسی سے دن یا رات کا کوئی عمل فوت ہو گیا ہو تو دن کے عمل کو رات میں اور رات کے عمل کو دن میں ادا کر سکتا ہے۔ [۱]

بغوی نے لکھا ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا آج میری رات کی نماز فوت ہو گئی حضرت عمرؓ نے فرمایا، رات کو جو نماز فوت ہو گئی اس کو دن میں پورا کر لو۔ اللہ نے فرمایا ہے وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَن يَذَّكَّرَ

مجاہد نے خلفۃ کا ترجمہ کیا ہے مخالف۔ رات اور دن باہم مخالف بنائے گئے ہیں ایک سیاہ ہے ایک سفید۔

ان یذکر یعنی اس شخص کے لئے جو اللہ کی نعمتوں پر غور کرنے اور اس کی بنائی چیزوں کی حکمت کو سمجھے اور پھر جان لے کہ یقیناً اس کو بنانے والا کوئی پر حکمت خالق ہے جو واجب لذاتہ ہے اور بندوں پر مہربان ہے۔

یا یہ مطلب ہے کہ جو کار خیر اس سے رات میں یا دن میں فوت ہو گیا ہے اس کو یاد کرلے اور دن کا فوت شدہ کام رات کو اور رات کا فوت شدہ کام دن کو پورا کرلے۔

او اراد شکورا یا اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہئے، یعنی رات کی تاریکی، دن کی روشنی اور (ان کا تبادل) جو کچھ ان کے اندر منافع رکھے ہیں سب کی تخلیق اس غرض سے ہے کہ ذکر کرنے اور عبرت حاصل کرنے والے اللہ کا ذکر کریں اور سبق لیں اور شکر کرنے والے ان نعمتوں کا شکر ادا کریں اگر بغیر ذکر و فکر اور شکر کے یونہی کسی کا وقت گزر جائے تو حقیقت میں اس کی زندگی بیکار ہو گئی اور اصلی سرمایۂ زندگی تباہ ہو گیا۔

وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا اور رحمٰن کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر تواضع کے ساتھ چلتے ہیں [۲] عباد الرحمٰن میں اضافت سے مقصود ہے عباد کی عزت افزائی اور ان کی فضیلت کا اظہار یا یہ مقصود ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو رحمٰن کی عبادت میں ڈوبے ہوئے ہیں (گویا حقیقت میں یہ ہی اللہ کی بندگی کرنے والے ہیں) اس صورت میں عباد عابد کی جمع ہے جیسے تجار تاجر کی جمع ہے۔ اللہ کے دوسرے نام اس جگہ ذکر نہیں کئے صرف الرحمٰن کا ذکر کیا اس میں اشارہ ہے کہ اللہ نے ان سے اپنی رحمت کاملہ کا وعدہ کر لیا ہے اور یہ بھی مخلوق خدا پر کامل طور پر مہربان ہیں (جب رحمان کے پرستار ہیں تو خود بھی ان کا رحیم ہونا ضروری ہے)

یَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ ھونا یعنی تواضع اور فروتنی کے ساتھ پُروقار پُرسکون چال سے چلتے ہیں ان کی چال میں نہ غرور ہے، نہ اترانا، لغت میں ہون کا معنی ہے نرمی، صاحب قاموس نے ہون کا معنی لکھا ہے وقار (سنجیدگی) یہی معنی مراد ہیں اس قول رسول میں جس میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا، مومن نرم رفتار اور پُروقار ہوتا ہے اتنا کہ انتہائی نرمی کی وجہ سے تم اس کو احمق خیال کرنے لگتے ہو۔ رواہ البیہقی بسند ضعیف عن ابی ہریرۃؓ۔

وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۞ اور جب بے وقوف لوگ کوئی ناگوار غیر مناسب بات کہہ کر ان سے خطاب کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلام۔

مجاہد نے مقاتل بن حیان نے سلام کا ترجمہ کیا سداد یعنی سیدھی بات جس سے ایذا سے بھی سلامت رہیں اور گناہ سے

---

[۱] حسن راوی ہیں کہ ایک بار حضرت عمر نے چاشت کی نماز بہت طویل کر دی کسی نے دریافت کیا آج آپ نے وہ بات کی جو اس سے پہلے آپ نہیں کرتے تھے فرمایا میرا رات کا کچھ وظیفہ آج رہ گیا تھا میں اس کو پورا کرنا چاہتا تھا یا فرمایا، میں نے اس کو ادا کرنا چاہا۔ اس کے بعد آپ نے آیت وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً تلاوت فرمائی۔

[۲] حضرت عمرؓ نے ایک نوجوان کو اکڑ کر چلتے دیکھا فرمایا جس چال میں غرور ہو وہ بری ہے سوائے جہاد کے (جب دشمنوں کا مقابلہ ہو) اللہ نے کچھ لوگوں کی تعریف کی ہے اور فرمایا ہے وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ ۔۔۔ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا تک بس۔ تو اپنی چال میں درمیانی صورت اختیار کر (نہ زیادہ جھک کر چل نہ اکڑ کر)

Marfat.com

بھی۔ حسن نے کہا اگر کوئی جاہل ان سے جہالت کرتا ہے تو وہ برداشت کر لیتے ہیں (جہالت کے جواب میں) جہالت نہیں کرتے، حسن نے سلام کہنے کا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں تم پر سلام۔ کیونکہ اللہ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ابوالعالیہ نے کہا یہ حکم جہاد سے پہلے تھا جب آیت جہاد آگئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

حق بات یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہے کیونکہ جہاد کا حکم تو محض اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے دیا گیا ہے اگر لوگ لا الہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں یا جزیہ ادا کرنے لگیں تو قتال اور لڑنے کا حکم ختم ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، مجھے اس وقت تک لڑنے کا حکم دیا گیا ہے کہ لوگ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہو جائیں۔ متفق علیہ عن ابن عمر۔

اللہ نے فرمایا جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر جزیہ دینے لگیں۔

رہی یہ آیت (تو اس کا موضوع اور مضمون ہی دوسرا ہے) اس میں بے وقوف جاہلوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے اور ان بے وقوفوں کی طرف توجہ نہ کرنے اور اپنی ذات کے لئے انتقام نہ لینے کی تعلیم دی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا، میرے کچھ رشتہ دار ہیں، میں ان سے میل رکھنا چاہتا ہوں مگر وہ مجھ سے قطع تعلق کرتے ہیں۔ میں ان سے بھلائی کرتا ہوں وہ میرے ساتھ برائی کرتے ہیں میں ان کی طرف سے زیادتی برداشت کرتا ہوں وہ مجھ سے جہالت (بدکلامی، بدمعاملگی، بدخوئی) کرتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا اگر تو ایسا ہی ہے جیسا تو نے کہا تو پھر ان کو خاک پھنکواتا ہے اور جب تک تو اس حالت پر قائم رہے گا اللہ کی طرف سے ایک مددگار تیرے ساتھ برابر رہے گا۔ رواہ مسلم

مروی ہے کہ حسن بصری نے یہ آیت پڑھی تو فرمایا یہ تو ان کی دن کی حالت ہوتی ہے (اور رات میں حالت یہ ہوتی ہے جو آئندہ آیت میں بیان کی گئی ہے)

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝ اور وہ لوگ جو رات کو اپنے رب کے سامنے سجدے کرتے اور کھڑے رہتے ہیں۔

حسن نے فرمایا، یہ حالت ان کی رات کو ہوتی ہے، عبادت کے لئے رات کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا کہ رات کی عبادت زیادہ دشوار ہوتی ہے، ریاکاری کا بھی اس میں شائبہ نہیں ہوتا خضوع قلب اور زبان سے دل کی موافقت خوب ہوتی ہے اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دن دوسری قسم کی عبادتوں کے لئے مخصوص ہے (جو عام طور پر رات کو ادا نہیں کی جا سکتیں) مثلاً اللہ کی راہ میں جہاد اور کسی ملامت گر کی ملامت کا اندیشہ نہ کرنا تعلیم و تعلم اور ہدایت پانے کے لئے نیک لوگوں اور بزرگوں کی صحبت وغیرہ

سجدًا ساجد کی جمع ہے اور قیام قائم کی قیام مصدر بمعنی اسم فاعل ہے، نماز شب (کی فضیلت) کے متعلق حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میری امت کے سردار حاملین قرآن اور نماز شب ادا کرنے والے ہیں۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات میں پڑھی جانے والی نماز ہے۔ رواہ احمد۔

حضرت ابوامامہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیام شب کا التزام کرو یہ گزشتہ صلحاء کی عادت جاریہ ہے رب سے قربت حاصل کرنے گناہوں کو ساقط کرنے اور (آئندہ) گناہ سے روکنے کا ذریعہ ہے۔ رواہ الترمذی۔

حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تین چیزیں ہیں جن کی طرف دیکھ کر اللہ ہنستا ہے (یعنی پسندیدگی فرماتا ہے۔ (۱) اس آدمی کو دیکھ کو جو رات میں اٹھ کر نماز پڑھتا ہے (۲) ان لوگوں کو دیکھ کر جو نماز میں صف بند ہوتے

Marfat.com

ہیں۔ (۳) ان لوگوں کو دیکھ کر جو دشمن کے مقابلے میں لڑنے کے لئے صفیں قائم رکھتے ہیں۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا جس نے عشاء کی نماز کے بعد دو رکعتیں یا اس سے زیادہ پڑھ لیں تو گویا اس نے رات بھر اللہ کے سامنے سجدہ اور قیام میں گذاری۔ حضرت عثمان بن عفان راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لی تو ایسا ہو گیا جیسے اس نے آدھی رات قیام کیا۔ رواہ مسلم واحمد۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہماری طرف سے عذاب جہنم کا (رخ) پھیر دے بلاشبہ جہنم کا عذاب بڑا سخت ہے۔

یعنی وہ اللہ کی عبادت میں سرگرم رہتے ہیں، مخلوق سے معاشرتی، سماجی اور اخلاقی تعلقات بھی مبنی بر انصاف رکھتے ہیں اس کے باوجود وہ اللہ کے عذاب سے خوف زدہ رہتے ہیں اللہ کے سامنے زاری کرتے ہیں کہ وہ اپنا عذاب ان کی طرف سے پھیر دے کیونکہ ان کو اپنے اعمال پر بھروسہ نہیں ہوتا نہ وہ اپنی حالت پر اعتماد رکھتے ہیں۔

حضرت علی راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے انبیاء بنی اسرائیل میں سے ایک نبی (یعنی حضرت داؤدؑ) کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی امت کے اطاعت گذار بندوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں کیونکہ قیامت کے دن حساب فہمی کے وقت میں جس بندے کو کھڑا کروں گا اور اس کو عذاب دینا چاہوں گا تو (بتقاضاء عدل) اس کو عذاب دوں گا اور میرے نافرمان بندوں سے کہہ دو کہ وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالیں (یعنی مغفرت سے ناامید نہ ہوں) کیونکہ میں بڑے بڑے گناہ (اگر چاہوں گا تو اپنی رحمت سے) بخش دوں گا اور مجھے پروا نہیں ہے (نہ کسی کو عذاب دینے نہ بخش دینے کی) رواہ ابو نعیم۔

غرام کے معنی ہیں لازم (دور نہ ہونے والا) قرضدار کو قرض خواہ چمٹا رہتا ہے اسی لئے قرضدار کو غریم کہتے ہیں بغوی نے لکھا ہے غرام کا معنی ہے بہت سخت چمٹنے والا۔ بعض نے کہا غرام کا معنی ہے ہلاکت۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو سخت شدید مصیبت انسان پر پڑتی ہے اس کو غرام کہتے ہیں۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا اللہ نے کافروں کو حکم دیا کہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں لیکن انہوں نے شکر ادا نہیں کیا اس لئے اللہ نے ان پر سخت (لازم، ناقابل زوال) مصیبت ڈال دی اور وہ (ہمیشہ) دوزخ میں رہیں گے حسن نے کہا ہر غریم اپنے غریم سے جدا ہوتا ہے لیکن جہنم جدا نہ ہوگا۔

إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾ بے شک دوزخ بری قرارگاہ اور جائے قیام ہے۔ یعنی دوزخ میں ٹھہرنا اور رہنا برا ہے (مطلب یہ کہ مستقر اور مقام بمعنی مصدری ہیں)

وَالَّذِيْنَ إِذَا أَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا اور وہ لوگ جو خرچ کرتے وقت نہ اسراف کرتے ہیں نہ کنجوسی۔ اسراف گناہ کے راستہ میں خرچ کرنا خواہ کتنی ہی قلیل مقدار ہو اقتار اللہ کے حق کو روکنا۔ حضرت ابن عباس، مجاہد قتادہ اور ابن جریج کا یہی قول ہے حسن نے اس کی تائید میں آیت کا معنی اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی میں خرچ نہیں کرتے۔ اور نہ اللہ کے قائم کئے ہوئے حقوق کو ادا کرنے میں بخل کرتے ہیں بعض لوگوں نے کہا اسراف کے معنی حد سے بڑھ کر فضول خرچی جو حد تبذیر (مال بکھیرنے) تک پہنچا دے اور اقتار کا معنی ہے انتہائی ضرورت کے موقع پر بھی خرچ نہ کرنا۔ ابراہیم کے اس قول کے بھی یہی معنی ہیں کہ وہ نہ لوگوں کو ننگا بھوکا رکھتے ہیں نہ اتنا خرچ کرتے ہیں کہ لوگ کہنے لگیں کہ انہوں نے یہ خرچ فضول کیا۔

میں کہتا ہوں یہ قول پہلے ہی قول کی طرف راجع ہے بلکہ اس سے زیادہ خاص ہے کیونکہ جائز خرچ میں بھی حد شرعی سے تجاوز کر جانا کہ حد تبذیر تک پہنچ جائے گناہ اور حرام ہے اللہ نے فرمایا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا۔ اور جن کے لئے خرچ کرنا واجب ہے کہ ان کو ننگا بھوکا نہ رہنے دے اور اللہ کے مقرر کردہ مالی حق کو ادا کرنا اور اس میں کنجوسی نہ

Marfat.com

کرنا لازم ہے۔

وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ اور ان کا خرچ کرنا (افراط و تفریط کے) درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

قوام درمیانی۔ دو برائیوں کے درمیان بھلائی۔[1] وسط کو قوام کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وسط کے دونوں طرف متوازن ہوتے ہیں اور چونکہ دونوں جانب مساوی بھی ہوتے ہیں اس لئے وسط کو سواء بھی کہا جاتا ہے۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن مسعود کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن مسعود نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، سب سے بڑا گناہ کون سا ہے۔ فرمایا، اللہ کی مثل دوسرے کو قرار دینا حالانکہ اللہ نے ہی تم کو پیدا کیا ہے، میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے، فرمایا اس خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دینا کہ وہ تمہارے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائے گی، میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا (گناہ سب سے بڑا ہے) فرمایا، اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا، اس کی تصدیق میں اللہ نے آیات ذیل نازل فرمائیں۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ

اور وہ لوگ جو کسی دوسرے معبود کو اللہ کے ساتھ نہیں پکارتے اور نہ بغیر حق کے کسی ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کو قتل کرنے کی اللہ نے ممانعت فرما دی ہے اور نہ زنا کرتے ہیں۔

بالحق یعنی حق پر قتل کرتے ہیں مثلاً قصاص میں قتل کرتے ہیں (یا محصن کو) زنا کی سزا میں سنگسار کرتے ہیں وغیرہ ان آیات میں بنیادی گناہوں کی نفی کی گئی ہے اس سے اوپر اصول طاعات کا اثبات کیا گیا تھا اس نفی و اثبات سے مقصود ہے مومنوں کے کمال ایمانی کا اظہار اور اس بات پر تنبیہ کہ جس اجر کا وعدہ کیا گیا ہے وہ انہی مسلمانوں سے کیا گیا ہے جو اصول طاعت کے ساتھ متصف اور امہات معاصی سے مجتنب رہتے ہیں، در پردہ اس میں کافروں پر تعریض بھی ہے کہ وہ معاصی سے اجتناب نہیں کرتے اور اصول طاعت کو ادا نہیں کرتے اور ان کے اوصاف مومنوں کے اوصاف کے بالکل برعکس ہیں اسی لئے آئندہ آیت میں مرتکب معصیت کے عذاب میں مبتلا ہونے کی وعید بیان فرما دی، اور ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ اور جو شخص یہ کام کرے گا وہ گناہوں کی سزا پائے گا حضرت ابن عباس نے فرمایا گناہ سے مراد ہے گناہ کی سزا۔ ابو عبیدہ نے کہا اثام کا معنی ہے سزا۔ مجاہد نے کہا اثام جہنم کے اندر ایک وادی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے حدیث میں آیا ہے کہ غی اور اثام (جہنم کے اندر) دو کنویں ہیں جن کے اندر دوزخیوں کا لہو، پیپ بہہ کر جاتا ہے

میں کہتا ہوں ابن ابی حاتم نے اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ اثام جہنم میں ایک وادی ہے ہناد نے سفیان کا بھی یہی قول بیان کیا ہے۔

ابن جریر، طبرانی اور بیہقی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی پتھر جس کا وزن دس اوقیہ ہو جہنم کے کنارہ سے (اندر کی طرف) پھینکا جائے تو ستر برس میں غی و اثام تک پہنچے گا راوی کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا غی اور اثام کیا ہیں فرمایا جہنم کی تلی میں دو نہریں ہیں جن کے اندر دوزخیوں کا کچ، لہو بہہ کر جاتا ہے انہیں دونوں کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے اور فرمایا ہے، فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا۔

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن اس پر دوہرا عذاب ہوگا کفر کا اور گناہ کا۔

---

[1] وہ لوگ یعنی صحابہ کرام مزے اور لذت کے لئے کھانا نہیں کھاتے تھے نہ آرائش و زیبائش کے لئے لباس پہنتے تھے بلکہ کھانا کھانے سے ان کا مقصد تھا بھوک کو دور کرنا اور عبادت کے لئے قوت حاصل کرنا اسی طرح لباس سے ان کی غرض تھی قابل ستر حصۂ بدن کو چھپانا اور سردی گرمی سے جسم کی حفاظت کرنی۔ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا یہ بھی اسراف ہے کہ آدمی کو جو چیز پسند آئے وہ خریدے۔ (از مفسر رحمہ اللہ)

Marfat.com

وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ اور وہ عذاب میں ہمیشہ ذلیل ہو کر رہے گا۔

شیخین نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مشرکوں میں سے کچھ لوگوں نے بکثرت قتل کئے اور قتل کے ساتھ جرم زنا کے بھی مرتکب ہوئے، پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا آپ جو کچھ فرماتے ہیں اور جس چیز کی دعوت دے رہے ہیں وہ ہے تو اچھی، مگر یہ بتائیے کہ ہمارے گناہ کا اتار کس طرح ہو گا اس پر آیت والذین لا یدعون مع اللّٰہ سے یخلد فیہ مہانا الا من تاب و امن و عمل عملا صالحا تک نازل ہوئی۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا یعنی وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جنہوں نے (شرک سے) توبہ کر لی اور ایمان لے آئے اور نیک اعمال کئے۔

حضرت ابن عباس کے نزدیک توبہ کرنے سے مراد ہے گناہ سے توبہ کرنا اور ایمان لانے سے مراد ہے اپنے رب پر ایمان لانا۔

اسی قصے کے متعلق آیت قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بھی نازل ہوئی۔

بخاری وغیرہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب سورت الفرقان میں اللہ نے آیات وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ نازل فرمائی تو مکہ کے مشرکوں نے کہا ہم نے تو ناحق قتل بھی کئے ہیں اور اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی بھی عبادت کی ہے اور بے حیائی کے کاموں (یعنی زنا) کا ارتکاب بھی کیا ہے ہم اگر مسلمان ہو گئے تو ہمارا کیا ہو گا) اس پر آیت الا من تاب نازل ہوئی۔

بغوی نے لکھا ہے ہم کو حضرت ابن عباس کا یہ قول پہنچا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم دو سال تک آیت وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (مہانا تک) پڑھا کرتے تھے، پھر (دو سال کے بعد) نازل ہوا اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ اس آیت کے نازل ہونے سے اور آیت اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ کے نازل ہونے سے جیسا خوش رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ایسا خوش میں نے حضور ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔

ایک شبہ

مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے ساتھ ہی ہونا ضروری ہے دونوں کے درمیان فصل زمانہ ناجائز ہے پھر یہ کہنا کس طرح درست ہے کہ الا من تاب و امن کا نزول والذین لا یدعون مع اللّٰہ الٰھا اخر کے نزول کے دو سال بعد ہوا۔

ازالہ

ہم کہتے ہیں کہ پہلے آیت مذکورہ بغیر استثناء کے (صرف مہانا تک) نازل ہوئی تھی پھر پوری آیت والذین لا یدعون سے آخر تک یعنی غفورا رحیما تک نازل ہوئی (گویا مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ دونوں کا نزول ایک ہی وقت میں ہوا) پس یہ آیت پہلی آیت کو مقدار استثناء کے لحاظ سے منسوخ کر رہی ہے۔

مزید شبہ

اصول فقہ کا یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ حکم منسوخ ہوتا ہے خبر منسوخ نہیں کی جا سکتی اور یہ آیت جملۂ خبریہ ہے کہ اس کے منسوخ کئے جانے کے کیا معنی۔

Marfat.com

ازالہ......

خبر منسوخ نہیں ہوتی ہے بے شک یہ بات صحیح ہے ورنہ پہلی خبر کا جھوٹ ہونا لازم آئے گا اور خدا کی دی ہوئی خبر کذب کا احتمال بھی نہیں رکھتی۔ لیکن آیت وعید (خواہ خبری شکل میں ہو) منسوخ ہو سکتی ہے کیونکہ وعید کے خلاف واقع ہونا جائز ہے۔ اہل سنۃ کا یہی مسلک ہے اگرچہ معتزلہ کا قول اس کے خلاف ہے (مترجم)۔ اللہ اپنی رحمت و فضل سے اپنی دی ہوئی وعید کے خلاف کر سکتا ہے حقیقت میں وعید خبر نہیں ہوتی انشاء ہوتی ہے (کیونکہ خبر کے لئے مخبر عنہ کا پہلے ہونا ضروری ہے اور وعید کا ظہور آئندہ ہو گا اس لئے آیت وعید گو بصورت خبر ہوتی ہے مگر حقیقت میں انشاء ہوتی ہے اور انشاء یعنی حکم کو منسوخ کیا جا سکتا ہے۔ مترجم)

یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ اثبات سے استثناء نفی اور نفی سے استثناء اثبات ہوتا ہے (یعنی مستثنیٰ حکم مسکوت عنہ میں نہیں ہوتا جیسا کہ احناف کا خیال ہے مترجم) آیت میں استثناء کا مفرغ ہونا اسی کو بتا رہا ہے ایسا نہیں ہے کہ استثناء کے بعد جو مستثنیٰ منہ باقی رہتا ہے اس کا حکم تو منطوق ہوتا ہے اور مستثنیٰ کی طرف سے سکوت ہوتا ہے یعنی اس کا حکم معلوم نہیں ہوتا۔ ورنہ لازم آئے گا کہ منطوق حکم کو مسکوت عنہ حکم سے منسوخ کر دیا گیا اور یہ درست نہیں۔

فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ انہی (نیکوکار مومنوں) کی برائیوں کو اللہ نیکیوں میں تبدیل کر دے گا۔

ایک جماعت نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ توبہ کے بعد ان کے گزشتہ گناہوں کو مٹا دے گا اور ان کی جگہ آئندہ ہونے والی نیکیوں کو قائم کر دے گا یا یہ مطلب ہے کہ گناہوں کے ارتکاب کی جو قوت ان کے نفوس میں تھی دنیا ہی میں ان کی اس قوت معصیت کو قوت طاعت سے تبدیل کر دے گا اور گزشتہ معاصی کے خلاف طاعت کی توفیق عنایت کر دے گا یہی مطلب ہے حضرت ابن عباس، حسن، سعید بن جبیر، ضحاک اور سدی کے اس تشریحی قول کا کہ حالت شرک میں کئے ہوئے برے اعمال کی جگہ حال اسلام میں کئے ہوئے اچھے اعمال کو اللہ دے دے گا شرک کو توحید سے مومنوں کے قتل کو حربی مشرکوں کے قتل سے اور زنا کو عفت و پاکدامنی میں بدل دے گا۔

کچھ علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ اپنی مہربانی سے اسلام میں کئے ہوئے برے اعمال کو قیامت کے دن نیکیوں میں تبدیل کر دے گا یہی قول سعید بن مسیب، مکحول، ام المومنین حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ کا مروی ہے اس کی تائید حضرت ابوذرؓ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن ایک آدمی کو (حساب کے لئے) لایا جائے گا اور حکم ہو گا اس کے چھوٹے گناہ اس کے سامنے لاؤ حسب الحکم چھوٹے گناہ اس کے سامنے لائیں گے اور اس کے بڑے گناہ پوشیدہ رکھے جائیں گے وہ چھوٹے گناہوں کا اقرار کرے گا انکار نہیں کرے گا اور بڑے گناہوں کی پیشی کا اندیشہ کرتا رہے گا حکم ہو گا ہر گناہ کی جگہ اس کو ایک نیکی دے دو وہ کہے گا میرے گناہ تو اور بھی ہیں جو مجھے یہاں دکھائی نہیں دیتے۔ راوی کا بیان ہے یہ فرماتے وقت رسول اللہ ﷺ اتنے ہنس پڑے کہ کچلیاں نظر آنے لگیں۔ رواہ مسلم۔ ابن ابی حاتم نے حضرت سلمان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن ایک شخص کو اس کا اعمالنامہ دیا جائے گا جونہی وہ اعمالنامہ کا بالائی حصہ پڑھے گا تو اس کے خیالات برے ہونے لگیں گے (لیکن) وہ یکدم اعمالنامہ کے نیچے کے اندرجات کو دیکھے گا تو اس میں اس کو اپنی نیکیاں دکھائی دیں گی پھر جو بالائی حصہ کو دیکھے گا تو اس میں مندرجہ برائیاں نیکیوں سے تبدیل ہو چکی ہوں گی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن کچھ ایسے لوگوں کو بھی اللہ

Marfat.com

(موقف) میں لائے گا جو دل سے خواہش مند ہوں گے کہ انہوں نے (کاش) گناہ بہت کئے ہوتے۔ دریافت کیا گیا یہ کون لوگ ہوں گے فرمایا جن کی برائیاں نیکیوں میں تبدیل کردی گئی ہوں گی۔

ایک شبہ

گناہ تو اللہ کو پسند نہیں، ایک ناگوار امر ہے اور نیکی اللہ کو پسند ہے اور اللہ اپنے بندوں سے کفر اور معصیت کو پسند نہیں کرتا پھر بدی نیکی کیسے ہو جائے گی اور کس طرح گناہ قابل ثواب بن جائے گا ناپسندیدہ، پسندیدہ کیسے ہو سکتا ہے۔

ازالہ

اس شبہ کو دو طرح سے دور کیا جا سکتا ہے۔

(۱) اللہ کے نیک بندوں سے اگر بتقدیر الٰہی کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو ان کو انتہائی، پشیمانی ہوتی ہے اتنی کہ خود ان کو اپنی جان ذلیل معلوم ہونے لگتی ہے، فوراً اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں زاری کرتے ہیں اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں، معافی کے طلب گار ہوتے ہیں آخر رحمت الٰہی کی ان پر اتنی اور ایسی بارش ہونے لگتی ہے کہ اگر وہ گناہ نہ کرتے تو اس رحمت کا نزول ان پر نہ ہوتا اور اس مرتبے پر نہ پہنچتے، حاصل یہ ہے کہ گناہ جو موجب عذاب تھا، ندامت و استغفار کے بعد سبب ثواب بن جاتا ہے اسی مفہوم کو ظاہر کرتا ہے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ اگر تم نے گناہ نہ کیے تو اللہ تم کو لے جائے گا اور تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو گناہ کریں گے پھر اللہ سے معافی کے طلب گار ہوں گے اور اللہ ان کو معاف کردے گا۔ رواہ مسلم من حدیث ابی ہریرہ۔

یہ بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ماعز بن مالک کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ ایک گروہ کو تقسیم کردی جائے تو سب کو اپنے اندر سمالے (سب کی مغفرت کے لئے کافی ہو جائے۔ حضرت ماعز ایک مخلص صحابی تھے حسب تقدیر ان سے زنا کا صدور ہو گیا اور خود حاضر ہو کر انہوں نے اقرار و اظہار کرنے کے بعد حد زنا جاری کرنے کی درخواست کی حضور ﷺ نے ہر چند اشارات کئے کہ وہ زنا کے اقرار سے پھر جائیں لیکن انہوں نے اصرار کے ساتھ چار مرتبہ اقرار کیا اور سزا کے امیدوار ہوئے آخر حضور ﷺ نے ان کو سنگسار کرادیا۔ مترجم)

(ایک عورت قبیلہ، غامد میں کی تھی اس سے فعل زنا سرزد ہو گیا اس نے بھی حاضر ہو کر سزائے زنا جاری کرنے کی درخواست کی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے پاک کر دیجئے۔ اس کو بھی حضور ﷺ نے ہر چند ٹالنا چاہا مگر وہ نہ مانی آخر اس کو بھی حضور ﷺ نے سنگسار کرادیا) حضرت خالد بن ولید نے اس غامدیہ عورت کے متعلق ناشائستہ الفاظ کہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، خالد زبان روک قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ مکس والا بھی کرلے تو اس کی بھی مغفرت ہو جائے (مکس وہ ٹیکس جو عشر کے بہانہ سے سرکاری آدمی سوداگروں سے وصول کرلیتے تھے یہ ٹیکس بیرونی سوداگروں سے دھوکہ دے کر لیا جاتا تھا۔ مجمع البحار) رواہ مسلم فی قصہ ماعز والغامدیۃ عن بریدہ۔

یہی روح ہے اس قول کی جس گناہ کا آغاز غفلت اور انجام ندامت و توبہ ہو وہ اس طاعت سے بہتر ہے جس کا آغاز فخر اور انجام ریاکاری ہو۔

(۲) بحر محبت میں ڈوبنے والوں سے کبھی کبھی کوئی ایسا عمل یا قول سرزد ہو جاتا ہے جو معیار شریعت سے گرا ہوا ہوتا ہے جیسے رہبانیت (ترک لذائذ، ترک تعلقات ترک کل) سماع، وجد اور شطحیات (غیر شرعی کلمات) چونکہ ان امور کا ان سے صدور خالص محبت و عشق کے زیر اثر ہوتا ہے اس لئے ان کی ان ظاہری لغزشوں کو اللہ نیکیوں سے تبدیل کردے گا۔ عارف رومی نے فرمایا ہے۔

Marfat.com

ہر چہ گیرد علتی علت شود | کفر گیرد کاملے ملت شود
کار پاکان را قیاس از خود گیر | گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر
او بدل گشت و بدل شد کار او | لطف گشت و نور شد ہر نار او

شاید حضرت ابوذر کی حدیث میں جو آیا ہے کہ (قیامت کے دن بعض لوگوں کے متعلق حکم ہوگا کہ) اس کے چھوٹے گناہ اس کے سامنے لاؤ حسب الحکم چھوٹے گناہ اس کے سامنے لائے جائیں اور پوشیدہ گناہوں کو پوشیدہ رکھا جائے گا۔ اس سے اشارہ ہمارے مذکورہ بالا قول کی طرف ہے کیونکہ کاملوں سے جو ان امور کا صدور ہوتا ہے وہ غلبۂ محبت کے زیر اثر ہوتا ہے۔

شرعی نقطۂ نظر سے انکو چھوٹے گناہ کہا جاسکتا ہے کبیرہ گناہ نہیں قرار دیا جاسکتا چونکہ ان صغیرہ گناہوں کا اصل سرچشمہ (ارادۂ معصیت نہیں بلکہ) غلبۂ محبت ہوتا ہے اس لئے اللہ ان کو نیکیاں بنادے گا رہے کبیرہ گناہ جو بقضاء خداوندی کبھی کبھی ان سے سرزد ہوگئے ہوں گے ان کو پوشیدہ رکھا جائے گا اور معاف کردیا جائے گا ذکر بھی نہیں کیا جائے گا جیساکہ آئندہ آیت اس کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۞ اور اللہ بہت معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے۔ چھوٹے بڑے سب گناہوں کو بخش دے گا توبہ کے بعد بھی اور بغیر توبہ کے بھی۔

میں کہتا ہوں آیت وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ سے شاید فناء قلب کی طرف اشارہ ہے۔ فناء قلب کے بعد آدمی سوائے خدا کے کسی چیز کا قصد نہیں کرتا اللہ کے سوا اس کو نہ کسی سے کوئی امید رہتی ہے نہ خوف، اللہ ہی اس کا مقصود ہو جاتا ہے اور جو مقصود ہوتا ہے وہی معبود ہوتا ہے بلکہ اس کو اللہ کے سوا کوئی چیز موجود ہی نہیں دکھائی دیتی کیونکہ حقیقی وجود اللہ کا ہے دوسری چیزوں کا حقیقی وجود نہیں (بلکہ وجود حقیقی کا ایک پرتو اور سایہ ہے) صرف اللہ ہی کا اصل وجود ہے، ذات الٰہی کا تقاضا ہے وجود۔

......ایک شبہ......

کیا عام اہل ایمان کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ اللہ ہی کا وجود حقیقی اور اصلی ہے اور دوسرے کا وجود ایسا نہیں ہے (بلکہ ظلی اور غیر حقیقی ہے) پھر فناء قلب کے درجہ تک پہنچنے والوں کی کیا خصوصیت ہے۔

......ازالہ......

میں کہتا ہوں عقیدہ تو سب مومنوں کا یہی ہے لیکن ان کا یہ عقیدہ استدلالی ہے شہودی نہیں، معاینہ پر مبنی نہیں۔ بداہت وجدان اس پر شاہد ہے دیکھو عام مومنوں کو (بظاہر) طمع اور خوف اللہ کے سوا دوسروں سے ہوتا ہے اس سے آگے وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۔ سے شاید فناء نفس کی طرف اشارہ ہے نفس امارہ بالسوء (گناہ کا حکم دینے والا نفس) جب فناء ہو جاتا ہے اور اللہ کی مرضی پر اس کو اطمینان حاصل ہو جاتا ہے تو سارے جذبات معصیت اس سے الگ ہو جاتے ہیں ہماری اس توجیہ کا ثبوت یہ ہے کہ پہلے اللہ نے ان کے صفات کمالیہ کا ذکر کیا اور فرمایا و عباد الرحمن الذین یمشون اس کے بعد اوصاف مذکورہ بالا (عدم قتل و عدم زنا وغیرہ) کا ذکر کیا اگر اس سے مجازی عرفی توحید اور ظاہری تقویٰ مراد ہوتا تو پھر آیت وعباد الرحمن سے پہلے اس کا ذکر ہونا چاہئے تھا۔

وَمَنْ تَابَ اور جس نے توبہ کی۔ یعنی شرک و معاصی سے توبہ کی۔ شرک اور گناہ کو چھوڑ دیا اور ندامت کے ساتھ معافی کا طلب گار ہوا۔

وَعَمِلَ صَالِحًا اور نیک عمل کئے یعنی گزشتہ عمل بد کی تلافی نیک اعمال سے کی یا یہ مطلب ہے کہ شرک و

Marfat.com

معصیت کو چھوڑ کر دائرہ طاعت میں داخل ہو گیا۔

فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ۝ تو (وہ بھی عذاب سے بچا رہے گا کیونکہ) حقیقت میں وہ اللہ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے۔

پس اللہ کا (عطا کیا ہوا) حق ہے کہ اللہ اس کو ثواب دے اور اس کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے۔

متابا کی تنوین بعض اہل تفسیر کے نزدیک تعظیم کے لئے اور توبہ کی ترغیب کے لئے ہے مطلب یہ کہ وہ اللہ کی طرف ایسا عظیم الشان رجوع کرتے ہیں جو اللہ کی نظر میں پسندیدہ ہے عذاب کو مٹا دینے والا اور حصول ثواب کا ذریعہ ہے بعض علماء نے کہا اللہ کی طرف لوٹنے سے مراد ہے اللہ کے ثواب کی طرف لوٹنا اور یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔ بغوی نے لکھا ہے بعض اہل علم کا قول ہے کہ جن گناہوں سے اجتناب کرنے کی سابق آیت میں صراحت کی گئی ہے اس آیت میں ان گناہوں سے توبہ مقصود نہیں ہے دوسری قسم کی توبہ اور رجوع مقصود ہے۔ یعنی جن لوگوں نے شرک سے توبہ کی اور فرائض کو ادا کیا اور قتل و زنا کا ارتکاب نہیں کیا اس کا رجوع مرنے کے بعد اللہ کی طرف بحسن و خوبی ہو گا۔ قتل و زنا کا ارتکاب کرنے والوں سے قتل و زنا نہ کرنے والوں کا رجوع بہتر حالت میں ہو گا۔ اس صورت میں پہلی توبہ جس کا ذکر من تاب میں کیا گیا ہے جزا ہو گی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیت تمام گناہوں سے توبہ کے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص توبہ کرنے کا ارادہ کرے اور عزم کر چکا ہو تو اس کی لوجہ اللہ توبہ کرنا چاہئے فانہ یتوب اگرچہ خبر ہے لیکن بمعنی امر ہے بعض نے کہا (یتوب میں توبہ بمعنی رجوع ہے) مطلب یہ ہے کہ آخر اللہ کی طرف لوٹنا اور منتقل ہونا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر آیت یبدل اللہ سیاتھم حسنت میں وہ تائب مراد ہوں جن سے غلبۂ حال اور سکر و محبت کے زیر اثر کچھ ایسی لغزشیں ہو گئی ہوں جو غیر شرعی ہوں معیار شرع پر پوری نہ اترتی ہوں پھر اس محبت کے غلبہ کی وجہ سے اللہ ان کی لغزشوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے گا تو اس آیت میں وہ نیک بندے مراد ہو سکتے ہیں جن سے کوئی غیر شرعی حرکت سرزد نہیں ہوئی نہ سکر اور غلبۂ حال کی وجہ سے نہ حالت صحو میں بلکہ ان بندوں نے تمام مکروہات و ممنوعات شرعیہ سے رجوع کر لیا اور کبھی کوئی گناہ کا کام نہیں کیا، ان اصحاب صحو کا رجوع اللہ کی طرف اصحاب سکر سے بہتر ہو گا جیسے نقشبندیہ ہیں جو بالکل صحابۂ کرام کا نمونہ ہیں اور صحابہ کی طرح سنت کے پیرو ہیں۔

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ اور وہ جو جھوٹی شہادت نہیں دیتے۔

بغوی نے لکھا ہے ضحاک اور اکثر مفسرین کے نزدیک زور سے مراد ہے شرک۔

میں کہتا ہوں اس تفسیر پر نفی شرک کی تکرار ہو جائے گی۔ کیونکہ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ میں شرک کی نفی ہے علی بن طلحہ کے نزدیک شہادت زور سے مراد ہے لوگوں کے خلاف جھوٹی شہادت دینی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، جھوٹے گواہ کے چالیس تسمے (کوڑے) مارے جائیں اور منہ کالا کر کے بازار میں گھمایا جائے۔

ابن ابی شیبہ نے بروایت ابو خالد بحوالہ، حجاج بوساطت مکحول ولید کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عاملوں کو جو شام میں مامور تھے لکھ بھیجا تھا کہ جھوٹے گواہ کے چالیس کوڑے مارے جائیں اور منہ کالا کیا جائے اور سر منڈوا دیا جائے اور طویل مدت تک قید رکھا جائے عبدالرزاق نے مصنف میں مکحول کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جھوٹے گواہ کے چالیس کوڑے لگوائے تھے۔ یہ بھی عبدالرزاق نے لکھا ہے کہ مجھ سے یحییٰ بن علاء نے اور یحییٰ سے احوص بن حکیم نے بیان کیا اور احوص نے اپنے باپ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جھوٹے گواہ کے متعلق حکم دیا کہ اس کا منہ کالا کیا جائے اور اس کی پگڑی گردن میں ڈال کر قبائل میں گھمایا جائے۔

حضرت عمرؓ کے انہی احکام کی روشنی میں امام مالک، امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا جھوٹے گواہ کو

Marfat.com

(کوڑے) مارنے کی تعزیری سزا دی جائے اور اس کی قوم کے سامنے لے جا کر اس کو کھڑا کیا جائے تاکہ وہ بھی پہچان جائیں کہ وہ جھوٹا گواہ ہے۔

امام مالک نے اتنا زائد فرمایا کہ مسجدوں اور بازاروں میں اس کو حاضر کیا جائے۔

مذکورہ بالا ائمہ نے فرمایا کہ جھوٹی شہادت گناہ کبیرہ ہے جیسا کہ رسول اللہ کا فرمان حضرت انس کی روایت سے شیخین نے صحیحین میں نقل کیا ہے بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو بتاؤں کہ سب سے بڑے کبیرہ گناہ کون سے ہیں صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ضرور فرمایئے، فرمایا! اللہ کا ساجھی قرار دینا، ماں باپ سے سرکشی کرنا، حضور ﷺ اس وقت تکیہ لگائے ہوئے تھے فوراً اٹھ بیٹھے اور فرمایا سنو اور جھوٹی بات کہنی، جھوٹی شہادت دینی، حضور ﷺ نے اس لفظ کو بار بار اتنی مرتبہ فرمایا کہ ہم نے (اپنے دل میں) کہا اب حضور ﷺ خاموش ہو جاتے تو بہتر تھا۔

اللہ نے شرک اور جھوٹی شہادت سے پرہیز رکھنے کا یکجائی حکم ملا کر دیا ہے اور فرمایا ہے فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ جب شہادت زور کبیرہ گناہ قرار پائی اور اس کی کوئی شرعی سزا مقرر نہیں ہے بلکہ اس میں تعزیر ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تعزیری سزا کے لئے صرف تشہیر کافی ہے مارنا اور قید کرنا جائز نہیں کیونکہ تعزیر کا مقصد ہے (مجرم کو) بازداشت اور یہ بازداشت تشہیر سے حاصل ہو جاتی ہے مارنے اور قید کرنے زجر و بازداشت کی شدت ہے لیکن ایسی سخت سزا کا تصور مجرم کو اپنی شہادت کے جھوٹے ہونے کے اقرار اور شہادت سے لوٹ جانے سے روکتا ہے اور شہادت کا جھوٹ ہونا بغیر اس کے ثابت نہیں ہوتا کہ مجرم خود ہی اپنی شہادت کے کاذب ہونے کا اقرار کرے اور دی ہوئی شہادت سے لوٹ جائے لہٰذا جھوٹی شہادت کی سزا میں تخفیف ہونی چاہئے (تاکہ مجرم اپنی شہادت کے جھوٹے ہونے کے اقرار کی جرأت کر سکے) رہا حضرت عمر کا اثر تو وہ محض سیاسی تھا (آئینی نہ تھا آرڈیننس تھا جس کا امیر وقت کو اختیار ہے)

امام ابو حنیفہؒ کے قول کی طرح قاضی شریح کا قول بھی روایت میں آیا ہے امام محمد نے کتاب الآثار میں بیان کیا ہے کہ شریح جب کسی جھوٹے گواہ کو پکڑ لیتے تھے اور مجرم بازاری شخص ہوتا تو شریح اپنے قاصد کو حکم دیتے کہ جا کر بازار والوں کو کہہ دو کہ شریح تم کو سلام کہتا ہے اور سلام کے بعد اس نے کہا ہے کہ ہم نے اس شخص کو جھوٹا شاہد پایا تم لوگ اس سے پرہیز رکھو اور اگر مجرم (بازاری نہ ہوتا بلکہ) عرب کے قبیلہ میں سے ہوتا تو اس قبیلہ کی مسجد میں قاصد کو بھیج کر مذکورہ پیام کہلا بھیجتے۔ ابن ابی شیبہ نے بھی شریح کا یہی فیصلہ نقل کیا ہے ابن جریج کے نزدیک شہادت زور سے ہر جھوٹ مراد ہے صرف شرک ہی مراد نہیں ہے۔

بعض علماء نے لا یشھدون الزور کا مطلب یہ بیان کیا کہ وہ جھوٹ کی محفلوں میں شرکت نہیں کرتے (یعنی الزور سے پہلے مضاف محذوف ہے) کیونکہ بے ہودہ جلسوں میں موجود ہونا بھی شرکت کا حکم رکھتا ہے۔ اس تفسیر پر بے ہودہ قصوں یا شاعری کی مجلسوں میں شرکت کرنا ناجائز قرار پائے گا مجاہد کا یہی قول ہے۔ مراد یہ ہے کہ مشرکوں کے تہواروں اور میلوں میں وہ شریک نہیں ہوتے۔

بعض نے الزور سے نوحہ کی مجلس مراد لی ہے قتادہ نے عدم شہادت زور کا یہ مطلب بیان کیا کہ بے ہودہ، باطل باتوں کی تائید اور اعانت نہیں کرتے۔

محمد بن حنیفہؒ نے فرمایا لغو اور گانے کے موقع پر حاضر نہیں ہوتے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا گانا دلوں میں نفاق کو اس طرح اگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو۔

بغوی نے لکھا ہے زور کا اصل معنی ہے کسی چیز کو خوب صورت بنا دینا اور اصل حالت کے خلاف دوسری حالت پر دکھانا، پس (اس جگہ) زور کے معنی ہوئے باطل پر ایسا ملمع کرنا کہ وہ حق معلوم ہونے لگے میں کہتا ہوں لغت میں زور کا معنی ہے موڑ دینا، پھیر دینا اللہ نے فرمایا ہے تزاور عن کھفھم سورج ان کے غار سے مڑ جاتا ہے اس کا استعمال کذب کے لئے بھی ہوتا ہے کیونکہ جھوٹ میں حق سے باطل کی طرف جھکاؤ ہوتا ہے اسی طرح ہر لغویات پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

Marfat.com

صاحب قاموس نے لکھا ہے زور۔ بالضم جھوٹ اور شرک اور یہود و نصاریٰ کے تہوار (میلے) اور سرور اور گانے کی مجلس اور گانے کے سوا دوسرے (باطل) معبود اور قوت۔ میں کہتا ہوں صاحب قاموس نے جو معانی بیان کئے ہیں ان میں سے رئیس اور قوت کے علاوہ آیت میں ہر معنی مراد ہو سکتے ہیں۔

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ اور اگر (اتفاقاً) بے ہودہ مشغلوں کے پاس ہو کر گزریں تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

اس کا عطف آیت لا یشھدون الزور پر ہے زور سے مراد بھی معاصی ہیں اور لغو سے مراد بھی معاصی ہیں اور شہود سے مراد ہے حاضر ہونا حسن اور کلبی کا یہی قول ہے مطلب یہ ہے کہ وہ خود اپنے ارادہ سے گناہوں کی مجلسوں میں نہیں جاتے لیکن اتفاقاً اگر کسی گناہ کی محفل کی طرف سے ان کا گذر ہو جاتا ہے تو منہ پھیر کر تیزی کے ساتھ وہاں سے گذر جاتے ہیں عربی محاورہ ہے کرم فلان عما یشینه فلاں شخص ایسی باتوں سے پاک ہے جو اس کو عیب دار بناتی ہے اکرم نفسہ عنہ اس نے اپنے نفس کو عیب دار بنانے والی باتوں سے پاک رکھا۔

مقاتل نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ جب کافروں سے وہ برا بھلا اور دکھ پہنچانے والی باتیں سنتے ہیں تو درگذر کرتے ہیں اور منہ پھیر لیتے ہیں ابن جریج کی روایت میں مجاہد کا بھی یہی قول آیا ہے یہی مفہوم ہے آیت وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ کا۔

سدی نے کہا آیت مذکورہ بالا آیت جہاد سے منسوخ ہے۔

میں کہتا ہوں (اس آیت میں اور جہاد کی آیت میں کوئی تعارض نہیں ہے مترجم) حکم جہاد و قتال اداء جزیہ (کی شرط ماننے) پر ختم ہو جاتا ہے برا بھلا کہنے اور دکھ پہنچانے پر تو قتال کا حکم نہیں ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ اور وہ ایسے ہیں کہ جب اللہ کے احکام کے ذریعہ سے انکو نصیحت کی جاتی ہے۔

یعنی وعظ و نصیحت کی جاتی ہے اور آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں یا یہ مراد یہ ہے کہ (آیات سے مراد ہیں نفسی اور آفاقی لائل توحید) جب انکو دلائل توحید و تنزیہ پیش کر کے نصیحت کی جاتی ہے۔

لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ تو ان احکام پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے یعنی بغیر گوش ہوش سے سننے اور بغیر چشم حقیقت بین سے دیکھنے کے اندھوں بہروں کی طرح نہیں اٹھ کھڑے ہوتے بلکہ گوش قبول سے سنتے اور سمجھتے ہیں اور چشم بصیرت سے حق کو دیکھتے اور اس پر چلتے ہیں۔

آیت میں نفی حالت مراد ہے نفی فعل مراد نہیں ہے یعنی ان کی حالت اندھوں بہروں کی طرح نہیں ہوتی جیسے کہا جاتا ہے لا یلقانی زید راکبا زید سوار ہونے کی حالت میں مجھ سے نہیں ملتا۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ

اور وہ جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما۔

اعین بصیغۂ جمع قلت ذکر کیا (عیون نہیں فرمایا) کیونکہ آنکھ سے مراد ہیں متقیوں کی آنکھیں اور دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں ان کی تعداد کم ہی ہے۔ من ازواجنا میں من ابتدائیہ ہے یعنی ہمارے اہل و عیال کو صالح بنا کر ان سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

قرطبی نے لکھا ہے مومن کی آنکھ کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی ٹھنڈک نہیں کہ وہ اپنی بیوی اور اولاد کو اللہ کا فرماں بردار دیکھے۔

حسن نے کہا قرۃ مصدر ہے اسی لئے اس کو بصیغہ مفرد ذکر کیا قرۃ کا اصل معنی ہے ٹھنڈک، خنکی، حرارت کی ضد۔ عرب

Marfat.com

(گرم ملک کی سکونت کی وجہ سے) گرمی سے تکلیف اور ٹھنڈک سے چین محسوس کرتے ہیں خوشی کے وقت قرۃ العین (خنکی چشم) اور غم کے وقت سخنۃ العین (گرمی چشم) کہتے ہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خوشی کے آنسو ٹھنڈے اور غم کے آنسو گرم ہوتے ہیں۔ ازہری نے کہا قرۃ العین کا یہ معنی ہے کہ دل کو اپنا پسندیدہ محبوب مل جائے اور آنکھ دوسروں سے ہٹ کر اپنے محبوب ہی کو دیکھے۔

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۞ اور ہم کو متقیوں کا پیشوا بنا۔

جب اہل وعیال متقی ہو جائیں گے تو لامحالہ وہ مومن متقیوں کے امام (پیشوا) قرار پائیں گے۔

لفظ امام مفرد ہے جنس پر دلالت کر رہا ہے (اور اجعلنا میں ضمیر مفعول جمع ہے اور جماعت مومنوں کی ہی یہ دعا ہے) لیکن غیر مقصود کا اشتباہ نہیں ہے اسی لئے بصیغۂ مفرد ذکر کیا جیسے دوسری آیت میں عدو اور طفل بصیغہ مفرد جماعت کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے ثم یخرجکم طفلا نهم عدوبی الا رب العالمین۔

بعض علماء نے کہا امام ام کا مصدر ہے جیسے صیام اور قیام۔ یا یوں کہا جائے کہ واجعلنا یعنی واجعل کل واحدمناہم میں سے ہر ایک کو امام بنادے جیسا کہ دوسری آیت میں آیا ہے کہ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّکَ (بجائے رسل کے رسول کا لفظ ذکر کیا) بعض اہل علم نے کہا امام آم بروزن عام خاص کی جمع ہے جیسے صائم کی جگہ صیام۔ اس وقت مطلب یہ ہو گا کہ ہم کو متقیوں کے راستہ پر چلنے والا اور ان کی پیروی کا قصد کرنے والا بنادے۔

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ ان لوگوں کو (جن کے اوصاف اوپر ذکر کر دیئے گئے) ثواب میں جنت کے اعلیٰ مقامات دیئے جائیں گے۔

شیخین نے صحیحین میں اور امام احمد نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت اپنے سے اوپر بالائی منزلوں والوں کو آپس کے تفاوت مراتب کی وجہ سے اس طرح دیکھیں گے جیسے تم لوگ ابر آلود آسمان میں مشرقی یا مغربی افق سے ستارے کو دیکھتے ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو انبیاء کے مکان ہوں گے دوسرا کوئی وہاں نہیں پہنچے گا فرمایا کیوں نہیں قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور پیغمبروں کو سچا جانا (وہ انسان ان مراتب تک پہنچ سکتے ہیں) حضرت سہل بن سعد کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے۔

احمد، حاکم، اور بیہقی نے حضرت ابن عمر کی روایت سے اور ترمذی و بیہقی نے حضرت علیؓ کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت ابو مالک اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کے اندر کچھ بالاخانے ایسے ہیں جن کے اندر کی حالت باہر سے اور باہر کی حالت اندر سے دکھائی دے گی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ بالاخانے کن لوگوں کے لئے ہوں گے فرمایا ان لوگوں کے لئے جو پاکیزہ کلام کرتے ہیں (غریبوں کو) کھانا کھلاتے ہیں اور جب دوسرے لوگ سوتے ہیں تو وہ رات کو (نماز میں) کھڑے رہتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں یہ حدیث اس طرح آئی ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت کے لحاظ سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے، ان لوگوں کے لئے ہیں جو پاکیزہ کلام کرتے ہیں اسلام پھیلاتے ہیں کھانا کھلاتے ہیں اور رات میں ایسے وقت نماز پڑھتے ہیں کہ اور لوگ سوتے ہوتے ہیں۔

حضرت ابو مالک کی روایت کے یہ الفاظ ہیں، ان لوگوں کے لئے جو کھانا کھلاتے ہیں نرم کلام کرتے ہیں متواتر روزے رکھتے ہیں اور رات میں نماز پڑھتے ہیں جبکہ اور لوگ سوتے ہوتے ہیں۔

بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو جنت کے بالاخانوں کے متعلق نہ بتاؤں، صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ (فرمایئے) ارشاد فرمایا، جنت کے اندر

Marfat.com

یقیناً کچھ بالاخانے قسم قسم کے جواہرات کے ایسے (شفاف) ہیں کہ ان کے باہر سے اندر کی نعمتیں لذتیں اور عزت عشیاں دکھائی دیں گی اور اندر سے باہر کی راحت لذت اور عزت دکھائی دے گی یہ نعمت لذت اور عزت ایسی ہوگی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ بالاخانے کن لوگوں کے لئے ہوں گے فرمایا ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اسلام کو پھیلایا، کھانا کھلایا ہمیشہ روزے رکھے اور رات میں ایسے وقت نماز پڑھی جبکہ (اور) لوگ سوتے ہوں۔ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ ایسا کرنے کی کس میں طاقت ہے، فرمایا میری امت اس کی طاقت رکھتی ہے میں اس کی تفصیل تم کو بتاتا ہوں جو اپنے بھائی (مسلمان) سے ملا اور اس کو سلام کیا اور سلام کا جواب دیا۔ اس نے سلام کو پھیلایا اور جس نے اپنے اہل و عیال کو پیٹ بھر کھانا کھلایا تو اس نے (ضروری) کھانا کھلا دیا اور جس نے رمضان کے علاوہ ہر مہینے تین دن کے (یعنی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخوں کے) روزے رکھے اس نے (گویا) ہمیشہ روزے رکھے اور جس نے عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لی تو بے شک اس نے رات ایسے وقت نماز پڑھی کہ یہودی عیسائی اور مجوسی اس وقت خواب میں ہوتے ہیں اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔

ابن عدی اور بیہقی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی شک نہیں کہ جنت کے اندر کچھ بالاخانے ایسے ہیں کہ ان کے اندر رہنے والا اگر ان کے اندر ہوگا تو بالاخانہ سے پیچھے والی چیزیں اس سے پوشیدہ نہ ہوں گی اور اگر بالاخانوں پیچھے سے (باہر) ہوگا تو اندر کی چیزیں اس سے مخفی نہ ہوں گی۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول یہ بالاخانے کن کے لئے ہوں گے فرمایا ان کے لئے جنہوں نے پاکیزہ کلام کیا۔ مسلسل روزے رکھے، سلام کو پھیلایا اور رات میں ایسے وقت نماز پڑھی کہ لوگ سوتے ہوں عرض کیا گیا کلام کی پاکیزگی سے کیا مراد ہے فرمایا، سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر قیامت کے دن جب ان کا قائل (محشر کے میدان میں) آئے گا تو یہ کلمات آگے پیچھے ہوں گے اور نجات دلانے والے ہوں گے عرض کیا گیا مسلسل روزے رکھنے کا کیا مطلب ہے فرمایا، جس نے رمضان کے روزے رکھے اس نے بلاشبہ (ہمیشہ کے) مسلسل روزے رکھے عرض کیا گیا کھلانے سے کیا مراد ہے فرمایا جس نے اپنے عیال کو کھانا دیا۔ عرض کیا گیا سلام کو پھیلانے سے کیا مراد ہے، فرمایا اپنے (مسلمان) بھائی کی مصاحبت اور اس کو سلام کرنا عرض کیا گیا لوگوں کے سونے کی حالت میں نماز کا کیا مطلب، فرمایا عشاء کی نماز۔

حکیم، ترمذی نے حضرت سہل بن سعد کی مرفوع روایت سے اس آیت کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ بالاخانہ سرخ یاقوت، سبز زبرجد اور سفید موتی کا ہوگا جس میں نہ کوئی شگاف ہوگا نہ کوئی عیب۔

بِمَا صَبَرُوْا ان کے صبر کرنے کی وجہ سے۔

یعنی انہوں نے چونکہ دنیا میں نفسانی خواہشات کو ترک کیا مجاہدات کی تکلیفیں اٹھائی تھیں کافروں کی طرف سے پہنچنے والی اذیتیں برداشت کی تھیں اور طاعت و عبادت کی وجہ سے پہنچنے والے دکھ پر ثابت قدم رہے تھے اس لئے ان کو مذکورہ بالا مراتب ملیں گے۔

ابو نعیم نے ابو جعفر کا قول نقل کیا ہے کہ صبر کرنے سے مراد ہے دنیا میں ناداری پر صبر کرنا۔

وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ اور ان کو اس بہشت میں فرشتوں کی طرف سے بقاء کی دعا اور سلام ملے گا۔

یعنی بالاخانوں کے اندر فرشتے تحیۃ و سلام کے ساتھ استقبال کریں گے، مراد یہ ہے کہ ان کے لئے اللہ سے سلامتی و عافیت کی دعا کریں گے یا یہ مراد ہے کہ ان کو ہر آفت سے سالم رہنے اور ہمیشہ باقی رہنے کی بشارت دیں گے۔ کلبی نے کہا مراد یہ ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے کو سلام کریں گے اور اللہ کی طرف سے ان کو سلام بھیجا جائے گا۔ احمد، بزار اور ابن حبان نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ کی مخلوق میں سے جنت کے اندر وہ فقراء مہاجرین داخل ہوں گے جن کے ذریعہ سے سرحدوں کی حفاظت کی جاتی ہے اور انہی کی وجہ سے مکروہات سے (مسلمانوں کا) بچاؤ ہوتا ہے (لیکن ان کی

Marfat.com

خود یہ حالت ہوتی ہے) کہ وہ اپنی ضروریات کو اپنے سینے میں لے کر مر جاتے ہیں اور زندگی بھر ان کو پورا نہیں کر سکتے۔ اللہ اپنے فرشتوں میں سے جن کو چاہے گا حکم دے گا کہ جاؤ ان کو سلام کرو۔ (انکا استقبال کرو) ملائکہ عرض کریں گے۔ اے ہمارے رب ہم تیرے آسمان کے باشندے ہیں اور تیری مخلوق میں سے تیرے برگزیدہ بنائے ہوئے ہیں۔ پھر تو ہی ہم کو حکم دے رہا ہے کہ ہم انکے پاس جائیں اور ان کو سلام کریں۔ اللہ فرمائے گا یہ وہ لوگ ہیں جو میری (ہی) عبادت کرتے تھے میرا ساجھی کسی کو نہیں بناتے تھے انہی کے ذریعہ سے سرحدوں کی حفاظت کی جاتی تھی اور انہی کی وجہ سے مکروہات سے بچاؤ ہوتا تھا لیکن وہ ایسی حالت میں مر جاتے تھے کہ ان کی ضروریات ان کے سینوں کے اندر ہوتی تھی اور وہ ضروریات کو پورا نہ کر سکے تھے۔ حسب الحکم ملائکہ ان کے پاس جائیں گے اور ہر دروازے سے داخل ہو کر کہیں گے سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ بعض لوگوں نے کہا آیت کا یہ مطلب ہے کہ ان کو تحیت یعنی بقائے دوامی اور سلام یعنی ہر آفت سے سلامتی کی پیش کش کی جائے گی۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ان بالاخانوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾ وہ بالاخانے (ان کے لئے) اچھی قرارگاہ اور قیام کی جگہ ہوں گے۔

مسلم نے حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ایک منادی نداء کرے گا تمہارے لئے بلاشک دوامی تندرستی ہے، کبھی بیمار نہ ہو گے تمہارے لئے دوامی زندگی ہے کبھی نہیں مرو گے، تمہارے لئے ہمیشہ جوان رہنا ہے کبھی بوڑھے نہ ہو گے، تمہارے لئے ہمیشہ راحت میں رہنا ہے کبھی دکھی نہ ہو گے۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ آپ (عام طور پر لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ میرا رب تمہاری ذرا بھی پروا نہیں کرے گا اگر تم عبادت نہ کرو گے)

یعبو ماخوذ ہے عبات الجیش عبوا سے میں نے فوج کو مرتب کر دیا، تیار کر دیا، کذافی النہایہ مطلب یہ ہے کہ اگر تم اللہ سے استغفار نہ کرو تو کون چیز تم کو جنت میں داخل ہونے کے لئے تیار کر سکتی ہے بعض اہل تفسیر نے دعاء کا ترجمہ کیا ہے عبادت یا ایمان۔ بعض علماء نے آیت کا یہ مطلب ہے کہ اگر اللہ تم کو اسلام کی دعوت نہ دیتا تو جنت میں کیسے داخل ہوتے۔ اب چونکہ تم ایمان لے آئے تو اللہ نے تم کو جنت میں داخل ہونے کے لئے تیار کر دیا۔ بعض علماء نے کہا یعبو، عبا سے مشتق ہے اور عبا کا معنی ہے بوجھ، وزن، مطلب یہ ہے کہ اگر تمہاری طرف سے طاعت و عبادت نہ ہو تو اللہ کی نظر میں تمہارا کیا وزن اور کیا قدر ہو گی۔ اللہ کو تمہاری پروانہ ہو گی کیونکہ انسان کی بزرگی اور برتری صرف معرفت اور طاعت کی وجہ سے ہے ورنہ انسان چوپایوں کی طرح ہے بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر وہ تم کو دعوت اسلام نہ دیتا اور تم ایمان نہ لاتے تو اللہ کی نظر میں تمہاری قدر نہ ہوتی اب جبکہ اس نے تم کو اسلام کی دعوت دے دی ہے اور) تم ایمان لے آئے تو اللہ کے نزدیک تمہاری قدر نمایاں ہو گئی۔

بعض نے کہا، مایعبو بکم کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کو تم کو پیدا کرنے کی کیا پروا ہوتی اگر تمہاری عبادت اور طاعت (مقصود) نہ ہوتی۔ یعنی اس نے اپنی عبادت کے لئے تم کو پیدا کیا ہے اسی کے متعلق فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ بغوی نے لکھا ہے یہی قول حضرت ابن عباس اور مجاہد کا ہے۔

بعض نے مایعبو بکم کا ترجمہ کیا ہے مایبالی بکم یعنی اللہ کو تمہاری مغفرت کی کیا پروا ہے۔ اگر تم اس کے ساتھ دوسرے معبودوں کو نہ پکارو اور اگر تم شرک نہ کرو تو وہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اسی مفہوم کی تائید ہو رہی ہے آیت مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ سے۔ بعض نے کہا آیت کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تمہارے عذاب کی کیا پروا کرتا ہے اگر مصائب و شدائد میں تم اس کو نہ پکارو۔ اسی پر دلالت کر رہی ہے آیت فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ نے اپنی کسی غرض کے لئے تم کو نہیں پیدا کیا اور نہ اللہ کے نزدیک تمہاری کوئی قدر ہے بغیر اس کے کہ تم اس سے سوال کرو اور اس سے مغفرت کے خواستگار ہو اگر تم اس سے سوال کرو گے اور مغفرت

Marfat.com

کے لئے دعا کرو گے تو وہ تم کو دے گا اور گناہ معاف کر دے گا اس مطلب پر مایعبو میں مانافیہ ہو گا۔

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ۝ سو تم احکام خداوندی کو جھوٹا سمجھتے ہو تو عنقریب یہ (جھوٹا سمجھنا) تمہارے لئے وبال جان ہو جائے گا یہ کفار مکہ کو خطاب ہے۔

یعنی اللہ نے رسول کے ذریعہ سے تم کو اپنی توحید و عبادت کی دعوت دی لیکن تم نے رسول ﷺ کی تکذیب کی اور دعوت کو قبول نہیں کیا تو اب جنت میں داخل کرنے کا سروسامان اللہ تم کو کس طرح دے گا یا یہ مطلب ہے کہ اس کے نزدیک تمہارا وزن و مرتبہ کیسے ہو گا یا یہ مطلب ہے کہ تم کو عذاب دینے کی اس کو کیا پرواہ ہو گی۔ نتیجہ یہ کہ تمہاری یہ تکذیب تم سے جدا نہ ہو گی تم کو چمٹی رہے گی تم کو توبہ کی توفیق نہیں دی جائے گی اور تمہارے اعمال کی پاداش تم کو ملے گی۔

یا یہ مطلب ہے کہ تمہاری اس تکذیب کی سزا تم کو چمٹی رہے گی تم کو گھیرے رہے گی یا اس تکذیب کا اثر تمہارے ساتھ چسپاں رہے گا یہاں تک کہ یہ تکذیب تم کو اوندھے منہ دوزخ میں گرا دے گا۔

حضرت ابن عباس نے لزاما کا ترجمہ کیا ہے موت اور ابو عبیدہ نے ترجمہ کیا ہلاکت ابن زید نے قتال اور ابن جریر نے کہا ہمیشہ رہنے والا کبھی نہ ختم ہونے والا عذاب اور ایسی تباہ کن فنا آگیں ہلاکت جو ایک کو دوسرے کے ہاتھوں پہنچے گی۔ بغوی نے لکھا ہے لزاما سے مراد کیا ہے۔ اس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں حضرت ابن مسعود حضرت ابی بن کعب اور مجاہد نے فرمایا، اس سے مراد یوم بدر ہے جس میں سترّ کفار مارے گئے یعنی بدر کی لڑائی میں کافر مارے گئے اور قتل ہوتے ہی عذاب آخرت ان سے چمٹ گیا۔ بخاری نے صحیح میں حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا آپ نے فرمایا پانچ چیزیں تو ہو چکیں دخان (جو آسمان پر نظر آچکا) چاند (جو پھٹ چکا) روم جن کو ایرانیوں پر غلبہ مل چکا بطشہ (سخت پکڑ) اور لزام (بدر کی لڑائی میں کفار کا قتل) بعض نے کہا لزام سے مراد عذاب آخرت ہے واللہ اعلم۔

الحمد اللّٰہ رب العالمین وصلّی اللّٰہ تعالی علی خیر خلقه محمد واله و اصحابه اجمعین۔

اللہ کی مدد اور اس کی توفیق سے سورت فرقان کی تفسیر چھ صفر ۱۲۰۵ھ کو ختم ہوئی تفسیر سورۃ الفرقان کا ترجمہ ۲۱ر شعبان ۱۳۹۰ھ کو پورا ہوا۔

Marfat.com

سورة الشعراء

سورۃ الشعراکی ہے صرف آخر کی چار آیات وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ سے آخر تک کی نہیں ہے اس سورۃ کی کل ۲۲۷ آیات ہیں۔

حاکم نے متدرک میں حضرت معقل بن یسار کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ طٰہٰ اور طٰس والی سورتیں اور حٰمٓ والی سورتیں مجھے الواح موسیٰ سے عطا کی گئیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طٰسٓمٓ ① بغوی نے بروایت عکرمہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا طٰسٓمٓ کی تفسیر سے علماء عاجز ہیں۔ علی بن طلحہ والبی کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ قسم ہے اور اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے (یعنی اللہ نے اپنے اس نام کی قسم کھائی ہے) قتادہ نے کہا قرآن کے ناموں میں سے ایک نام طٰسٓمٓ ہے۔ مجاہد نے کہا ایک عورت کا نام ہے محمد بن کعب قرظی نے کہا اللہ نے قسم کھائی اپنے طول (یعنی قدرت کی) اور سنا (یعنی نور کی) اور مجد (یعنی بزرگی) کی (قرظی کا مراد یہ ہے کہ ط سے طول کی طرف اور اس سے سنا کی طرف اور میم سے مجد کی طرف اشارہ ہے) حق بات یہ ہے کہ یہ (دوسرے مقطعات کی طرح۔ مترجم) اللہ اور اس کے رسول کے درمیان ایک راز ہے۔

تِلْكَ یہ۔ سورت یا قرآن۔

اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② کھلی یا کھول دینے والی کتاب کی آیات ہیں۔ یعنی اس کتاب کی آیات ہیں جس کا معجزہ ہونا ظاہر ہے یا جو اللہ کے احکام اور ہدایت کا راستہ کھول دینے والی ہے۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ شاید آپ اپنی جان کھودیں گے۔

بخع نفسہ اس نے غم میں اپنی جان ہلاک کر دی۔

بخاع پشت میں ایک رگ ہوتی ہے جو گردن میں بھی آتی ہے یہ رگ حسب زعم زمخشری نخاع (حرام مغز) کے علاوہ ہوتی ہے اور بخع کا اصل معنی ہے ذبح کرتے وقت چھری کو نجاع تک پہنچا دینا پھر اس کا استعمال ہر مبالغہ کے لئے ہونے لگا۔

اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③ اس وجہ سے کہ وہ مومن نہیں ہوتے (ایمان نہیں لاتے) اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی اور آپ کو یہ بات بہت شاق ہوئی کیونکہ حضور کو بہت زیادہ تمنا اور رغبت تھی کہ اہل مکہ مسلمان ہو جائیں یہ بھی ممکن ہے کہ حضور کو اہل مکہ کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اس بات کا غم ہو کہ کہیں خدا تعالیٰ مجھ سے اس کی باز پرس نہ کرے اس صورت میں یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے لئے پیام تسلی ہے۔ لَعَلَّ کلمۂ امید ہے لیکن اس جگہ رحم کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے یعنی اپنی جان پر آپ رحم کریں اور غم میں نہ پڑیں آپ اگر غم کریں گے تو شاید آپ غم کی وجہ سے اپنی جان ہلاک کر دیں۔ درحقیقت ہم ہی ان کا مومن ہونا نہیں چاہتے۔

اِنْ نَّشَاْ اگر ہم (ان کا مومن ہو جانا) چاہیں۔

Marfat.com

نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً تو ان پر آسمان سے کوئی نشانی نازل کر دیں کہ وہ اس کو دیکھ کر ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں۔یا (آیۃ سے مراد ہے مصیبت یعنی) کوئی ایسی مصیبت نازل کر دیں جو ان کو ایمان لانے پر مجبور کر دے۔

فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝ پھر ان کی گردنیں اس کے سامنے جھک جائیں یعنی یہ فرماں بردار ہو جائیں۔

قتادہ نے کہا۔ اگر اللہ چاہتا تو کوئی ایسی نشانی نازل کر دیتا کہ پھر کوئی بھی نافرمانی سے گردن نہ موڑ تا ابن جریج نے کہا آیت کا یہ معنی ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو کوئی ایسا امر نازل کر دیتا کہ پھر ان میں سے کوئی شخص بھی نافرمانی نہ کر سکتا۔

......ایک شبہ......

اعناق، عنق کی جمع ہے اور عنق مؤنث ہے، اس لئے اعناق کے ساتھ خاضعۃ ہونا چاہئے۔ خاضعین بصیغہ جمع مذکر کیوں کہا گیا۔

ازالہ:-(۱) دوسری متصل آیات کے مقاطع کی لفظی رعایت سے ایسا کیا گیا۔

(۲) اصل کلام فَظَلُّوْا لَهَا خٰضِعِيْنَ تھا اور یہ صحیح تھا لیکن عضو خضوع اور مقام خضوع کو بیان کرنے کے لئے لفظ اعناق بڑھا دیا گیا جو زائد ہے۔

(۳) مضاف محذوف ہے، اصل میں اصحاب الاعناق تھا مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا، کیونکہ گردنیں جب خاضع ہو جائیں گی تو گردنوں والے خود ہی فرماں بردار عاجز ہو جائیں گے (جواب نمبر دوم مجاز فی الاسناد تھا اور نمبر سوئم میں مجاز بالحذف۔ مترجم)

(۴) اخفش نے کہا، خاضعین کا تعلق اعناقھم کی ضمیر جمع مذکر (یعنی ہم) سے ہے اعناق سے نہیں ہے۔

(۵) خضوع اہل عقل کی صفت ہے اور اعناق کو عقلاء کے قائم مقام قرار دے کر خاضعین کو بصیغہ جمع مذکر ذکر کر دیا۔

(۶) عرب کا قاعدہ ہے کہ جب مؤنث کی اضافت مذکر کی طرف کرتے ہیں تو مؤنث کو بھی مذکر مان لیتے ہیں اور مذکر کی اضافت مؤنث کی طرف کرتے ہیں تو اس مذکر کو بھی مؤنث قرار دے لیتے ہیں اس جگہ شق اول کی موافقت ہے۔

(۷) عنق سے پورا جسم مراد ہے (جز اعظم بول کر کل مراد لینا جائز ہے۔ مترجم) ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ (ہاتھوں سے مراد پوری شخصیت ہے) اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ (عنق سے مراد وہ شخص ہے)

(۸) مجاہد نے کہا (اعناق کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے بلکہ) اعناق سے مراد ہیں بڑے بڑے سردار، یعنی بڑے بڑے سردار اس آیت کے سامنے تابع دار ہو جاتے ہیں۔

(۹) اعناق سے جماعتیں مراد ہیں عرب کہتے ہیں جاء القوم عنقا عنقا وہ لوگ جوق درجوق ٹکڑیاں بنا کر آئے۔

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝

اور کوئی جدید (تازہ وارد) نصیحت ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے نہیں آتی مگر وہ اس سے روگرداں ہو جاتے ہیں۔

ذکر یعنی نصیحت یعنی قرآن کا کوئی حصہ جس میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے من ذکر میں من زائد ہے اور من الرحمٰن میں من ابتدائیہ ہے محدث سے مراد ہے جدید نازل شدہ خواہ وجود کے لحاظ سے وہ قدیم ہو (حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو پیام بھی نازل ہوا ہے وہ کسی زمانے میں نازل ہوا ہو، اصول کے لحاظ سے ایک ہی تعلیم دیتا ہے اللہ کی ذاتی و صفاتی توحید، وجود ملائکہ، نبوت ووحی کی صداقت، قانون خیر و شر اور قیامت کے دن اعمال کی جزاو سزا یہ بنیادی تعلیم ہر کتاب اور ہر صحیفے میں دی گئی ہے اس میں زمانہ کا فرق اثرانداز نہیں۔ البتہ قدیم وجدید کا فرق نزول میں ہے کوئی کتاب پہلے نازل ہوئی جیسے صحف نوح کوئی سب سے آخر میں نازل ہوئی جیسے قرآن مجید۔

Marfat.com

فَقَدْ كَذَّبُوْا پھر یقیناً انہوں نے تکذیب کی۔ یعنی ذکر کی طرف سے روگرداں ہونے کے بعد انہوں نے ذکر کو جھوٹا قرار دیا۔ اور تکذیب میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ ذکر کا مذاق بنانے لگے۔ فقد کذبوا کے اندر استہزا کا مفہوم ضمنی طور پر آ گیا آئندہ آیت اس پر دلالت کر رہی ہے۔

فَسَيَأْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ (بدر کے دن یا قیامت کے دن) آئندہ ان کو اس (ذکر) کی اطلاعات مل جائیں گی جس ذکر کا وہ مذاق اڑا رہے تھے۔ یعنی یہ بات سامنے آجائے گی کہ وہ ذکر جس کا وہ مذاق بناتے تھے حق تھا یا باطل اور تصدیق و تعظیم کا مستحق تھا یا تکذیب و تحقیر و استہزا کے لائق۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝ کیا انہوں نے زمین کی طرف (نظر اٹھا کر) نہیں دیکھا ہم نے کس قدر عمدہ اچھا سبزہ ہر طرح کا اس میں اگایا ہے۔

یعنی اللہ کے رسول سے اللہ کی توحید اور مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھائے جانے کی دلیلیں انہوں نے طلب کیں اور زمین کی طرف نہیں دیکھا۔

مطلب یہ ہے کہ جب یہ زمین کو اور اس کی روئیدگی کو دیکھ رہے ہیں (اور توحید الٰہی اور قیامت کے وقوع کی نشانیاں ان کے سامنے ہیں) تو مزید آیات کی طلب نہ کرنی چاہئے۔ آیت میں استفہام انکاری ہے اور انکار نفی اثبات ہوتا ہے۔

کم انبتنا میں کم خبر یہ ہے کہ جو کثرت کو ظاہر کر رہا ہے۔

زوج بمعنی صنف نبات۔ ہر طرح کا سبزہ، درخت۔

کریم عمدہ، اچھا، آدمیوں اور جانوروں کے لئے مفید ترین غذا اور کثیر المنفعت دوا۔ خواہ مفرد شکل میں ہو یا مرکب بنا کر۔ (دوا کبھی مفرد مفید ہوتی ہے کبھی معجون جوارش اور دوسرے طرح طرح کے مرکبات کی شکل میں) زمین کے ہر سبزہ کی روئیدگی و بالیدگی کی سب سے بڑی افادیت یہ ہے کہ وہ اپنے خالق کی ہمہ گیر قدرت پر دلالت کر رہی ہے عدم کے بعد دوبارہ پیدا کرنے کو ثابت کر رہی ہے اور اللہ کی کامل صفات کا اظہار کر رہی ہے۔

لفظ کل احاطۂ افراد کے لئے اور لفظ کم کثرت اصناف کو ظاہر کر رہا ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ اس میں بلاشبہ (بڑی) نشانی ہے۔ یعنی طرح طرح کا سبزہ پیدا کرنے میں یا (ان میں سے ہر ایک کے اندر ایسی عظیم الشان نشانی موجود ہے جو واجب بالذات کامل القدرت تام الحکمۃ وسیع النعمت بسیط الرحمۃ اللہ کی ہستی پر دلالت کر رہی ہے۔

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے، یعنی اللہ کے علم اور قضائے خداوندی میں (پہلے سے ہی) یہ بات موجود تھی کہ ان میں سے اکثر ایمان والے نہیں ہیں۔ اسی لئے عظیم الشان آیات قدرت نے بھی ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ سیبویہ نے کہا اس جگہ کان زائد ہے یعنی آیات عظیمہ کو دیکھنے کے بعد بھی ان میں سے اکثر مومن نہیں ہیں۔

ع ۱ ۵ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ اور حقیقت یہ ہے کہ بلاشک و شبہ آپ کا رب ہی غالب مہربان ہے۔ یعنی کافروں سے انتقام لینے پر قادر ہے لیکن مہربان بھی ہے۔

یعنی کافروں سے انتقام لینے پر قادر ہے لیکن مہربان بھی ہے اپنی مہربانی سے اس نے مہلت دے رکھی ہے یا یہ مطلب ہے کہ کافروں سے انتقام لینے پر قادر ہے اور توبہ کرنے والے مومنوں پر مہربان ہے۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝

اور جب آپ کے رب نے موسیٰؑ کو پکارا (اور حکم دیا) کہ تم ان ظالموں یعنی فرعون کی قوم والوں کے پاس جاؤ (اور دیکھو کہ) کیا وہ ہمارے غضب سے نہیں ڈرتے۔

Marfat.com

یعنی اس واقعہ کو یاد کرو جب آپ کے رب نے موسیٰؑ کو پکارا تھا موسیٰ نے درخت کو اور (درخت سے اٹھتی ہوئی) آگ کو دیکھا اس وقت اللہ نے ان کو ندا دی تھی۔

اس میں رسول اللہ ﷺ کے لئے پیام تسکین ہے کہ آپ کافروں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اپنی جان کا نقصان نہ کریں اور اس وقت کو یاد کریں جب اللہ نے موسیٰؑ کو ندا دی تھی اور قوم فرعون کے پاس جا کر ہدایت کرنے کا حکم دیا تھا۔

الظالمین ظلم کرنے والے یعنی کفر کرنے والے یعنی اسرائیل کو غلام بنانے والے، اور ان کو طرح طرح کی اذیتیں دینے والے، یہاں تک کہ ان کے نوزائیدہ بچوں کو قتل کر دینے والے، قوم فرعون فرعون تو ان کا فرماں روا تھا۔ سب کام اسی کے حکم سے ہوتے تھے اس لئے فرعون کا ذکر نہیں کیا صرف قوم فرعون کا ذکر کیا۔ الا یتقون استفہام انکاری توبیخی ہے جس سے مراد ہے امر یعنی اللہ کی اطاعت و عبادت کر کے ان کو اللہ کے عذاب سے اپنی جانوں کو محفوظ کرنا چاہئے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اصل کلام الا یاقوم اتقون ہو۔ قوم کو حذف کر دیا (منادی بھی محذوف کر دیا جاتا ہے) جیسے الا یسجدوا کی اصل الا یا قوم اسجدوا تھی (پھر یا کو اتقون سے ملا دیا اور امر کی ہمزہ کو حذف کر دیا) مطلب یہ ہو گا کہ قوم فرعون کے پاس جاؤ اور کہواے میری قوم اللہ سے ڈرو۔

قَالَ رَبِّ إِنِّيٓ أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ ⑫　موسیٰ نے کہا اے میرے رب مجھے اندیشہ ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے۔

وَيَضِيقُ صَدۡرِي وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِي　اور میرا سینہ تنگ ہو جائے گا (یعنی دل بھچے گا) اور میری زبان نہیں چلے گی۔

مطلب یہ ہے کہ میری زبان میں گرہ ہے اس لئے زبان سے چونکہ تکذیب کو دور کرنے والی کوئی دلیل میں روانی سے نہ کہہ سکوں گا اور زبان و دل کی مدد نہ کرے گی۔ اس لئے میرا دل بھچے گا۔ بغوی نے لکھا ہے یضیق صدری کا یہ مطلب ہے کہ ان کی تکذیب سے میرا سینہ تنگ ہو گا۔

فَأَرۡسِلۡ إِلَىٰ هَٰرُونَ ⑬　پس ہارونؑ کے پاس (وحی یا جبرئیل کو وحی دے کر) بھیج دے۔ بیضاوی نے لکھا ہے حضرت موسیٰ کی طرف سے یہ حیلہ بہانہ اور تعمیل حکم میں ٹال مٹول نہ تھی بلکہ اپنے ساتھ ملانے اور تبلیغ رسالت میں شریک بنانے کی درخواست تین وجوہ کی بناء پر کی۔

(۱) تکذیب کا اندیشہ۔

(۲) تکذیب سے متاثر ہو کر دل کی تنگی۔

(۳) تنگیٔ قلب کی وجہ سے روح کا دل کے اندر گھٹ جانا اور زبان کی بندش بڑھ جانا۔ جب یہ تینوں امور جمع ہو جائیں تو لا محالہ کسی مددگار کی ضرورت پڑنا ظاہر ہے تاکہ وہ دل کو قوی کرے اور زبان کے کنگوانے کے وقت ترجمانی کر سکے۔ پس موسیٰ کی درخواست کا مقصد یہ تھا کہ تعمیل حکم کے لئے ہارون کو میرا مددگار بنا دے (تاکہ امتثال حکم پورے طور پر ہو سکے)

وَلَهُمۡ عَلَيَّ ذَنۢبٞ فَأَخَافُ أَن يَقۡتُلُونِ ⑭　اور ان کا مجھ پر ایک جرم بھی عائد ہوتا ہے اس لئے مجھے ڈر ہے وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

علی ذنب اس جگہ مضاف محذوف ہے یعنی اس کی طرف سے مجھ پر ارتکاب جرم کا دعویٰ بھی ہے ایک قبطی میرے ہاتھ سے مارا گیا تھا، حضرت موسیٰ نے قبطی کے قتل کو فرعونیوں کے خیال کے بموجب جرم قرار دیا ورنہ واقع میں قبطی کو قتل کرنا جائز تھا۔ وہ کافر تھا معصوم الدم نہ تھا۔ یہ ایک طویل قصہ کا مختصر حصہ ہے دوسری جگہ اس کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

فاخاف ان یقتلون یعنی اداء رسالت سے وہ مجھے قتل کر دیں گے اس کا مجھے اندیشہ ہے، حضرت موسیٰ کا اظہار خوف قتل بھی عدم تعمیل حکم کا بہانہ نہ تھا بلکہ ایک طرح کی دعا تھی کہ اللہ اس مصیبت کو دفع کر دے جس کے واقع ہو جانے کا قوی

Marfat.com

اندیشہ ہے کہ پیام پہنچانے سے پہلے ہی وہ قتل کردیں اور تبلیغ رسالت نہ ہو سکے۔

قَالَ كَلَّا ۚ　اللہ نے فرمایا ہرگز نہیں (ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا وہ تم کو قتل نہیں کر سکتے۔

فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ⑮　سو اب تم دونوں ہمارے احکام لے کر جاؤ ہم (اپنی نصرت و امداد کے ساتھ) تمہارے ساتھ ہیں (اور تمہارے کلام کو) سنتے ہیں۔

حضرت ہارون موجود نہ تھے بطور تغلیب حاضر علی الغائب تثنیہ مخاطب کا صیغہ استعمال کیا گیا اور دونوں کو جانے کا حکم دیا۔

حضرت موسیٰ کی دونوں درخواستیں قبول کرلی گئیں۔

کلا کے لفظ سے تو قتل سے محفوظ رکھنے کا وعدہ کیا گیا اور فاذھبا (بصیغہ تثنیہ) سے حضرت ہارون کو بطور مددگار شریک بنادیا گیا۔ گویا یوں فرمایا، موسیٰ تم کو اپنے قتل ہو جانے کا وہم نہ کرو اور جس کو اپنے ساتھ ملانے کی تم نے درخواست کی ہے اس کو ساتھ لے کر جاؤ۔ انا معکم ہم تم سب کے ساتھ ہیں۔ یعنی تمہارے اور ہارون کے اور جو تمہارے ساتھ جائے اس کے ساتھ ہماری مدد ہے یا تم دونوں کے اور تمہارے دشمنوں کے ساتھ ہمارا علم ہے (کوئی بھی ہمارے علم سے باہر نہیں ہے مستمعون تم سب کی گفتگو کو ہم سننے والے ہیں ہم تم دونوں کو ان پر غالب کریں گے۔

فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑯　سو تم دونوں فرعون کے پاس جاکر اس سے کہو کہ ہم رب العالمین کے قاصد ہیں۔

رسول کا لفظ مفرد ہے اس جگہ بمعنیٔ رسالت ہے۔ لفظ رسول بمعنیٔ مرسل (بھیجا ہوا) بھی ہے اور بمعنی رسالت (پیامبری) بھی۔ بیضاوی نے لکھا ہے اسی وجہ سے لفظ رسول کو کبھی بصورت تثنیہ استعمال کیا جاتا ہے۔ کبھی بصیغہ مفرد۔ یعنی اگر رسول بمعنیٔ مرسل ہو تثنیہ لایا جائیگا اور اگر بمعنیٔ رسالت ہو تو مفرد مستعمل ہو گا۔ اگر بمعنی رسالت ہو تو یہ مطلب ہو گا کہ ہم رب العالمین کی طرف سے رسالت والے پیام رساں ہیں (یعنی رسول سے پہلے لفظ ذو محذوف ہو گا) ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وزن فعول کا استعمال واحد جمع دونوں کے لئے ہوتا ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ انا رسل رب العالمین نہیں فرمایا چونکہ وزن فعول و فعیل میں مذکر، مؤنث اور واحد، جمع سب برابر ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا رسول کا اطلاق دو پر بھی ہوتا ہے اور زیادہ پر بھی، عرب بولتے ہیں ھذا رسولی ووکیلی ھذان (یہ دونوں)۔ رسولی ووکیلی اللہ نے فعول کو جمع کے لئے بھی استعمال کیا ہے فرمایا وھم لکم عدو بعض نے کہا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اخوت (بھائی ہونے) میں متحد تھے اس لئے لفظ رسول بصیغہ مفرد استعمال کیا۔

بعض نے کہا پیام ایک تھا اس لئے دو پیامبروں کو ایک ہی قرار دیا یا انا رسول کا مطلب ہے ان کل واحد منا ہم میں سے ہر ایک اللہ کا رسول ہے۔

اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ⑰　(ہم کو یہ پیام دیکر بھیجا گیا ہے) ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو چھوڑ دے تاکہ وہ شام کو چلے جائیں تو ان کو غلام بنائے نہ رکھ۔

بغوی نے لکھا ہے فرعون نے بنی اسرائیل کو چار سو برس غلام بنائے رکھا، اس زمانہ میں بنی اسرائیل کی تعداد چھ سو اسی ہزار تھی (یعنی چھ لاکھ اسی ہزار) غرض موسیٰ مصر کی طرف چلے ہارون وہاں موجود ہی تھے موسیٰ نے ہارون کو حکم الٰہی سے مطلع کیا۔ قصہ کی تفصیل میں آیا ہے کہ موسیٰ جب مصر کو لوٹ کر آئے تو اس وقت اونی چوغہ پہنے ہاتھ میں لاٹھی لئے لاٹھ کے سرے میں توبڑا لٹکا ہوا (جس کے اندر کھانے پینے کا سامان تھا) اس ہیئت سے مصر میں داخل ہوئے۔ مصر میں آکر اپنے گھر میں داخل ہوئے اور ہارون کو اطلاع دی کہ اللہ نے مجھے فرعون اور تمہارے پاس بھیجا ہے۔ تمہارے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ ہم دونوں جاکر فرعون کو دعوت دیں۔ یہ سن کر موسیٰ وہارون کی ماں آگئی اور چیخ پڑی کہنے لگی فرعون تو تجھے قتل کرنے کے لئے تیری تلاش میں ہے اگر تم لوگ اس کے پاس جاؤ گے تو وہ تم کو مرواڈالے گا۔ حضرت موسیٰ نے اس کی ایک نہ مانی اور رات کو دونوں فرعون کے

Marfat.com

دروازہ پر جا پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ دربان ہکّے بکّے ہوگئے اور گھبرا کر انہوں نے پوچھا، دروازے پر کون ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ دربانوں نے اوپر سے جھانک سے دیکھا اور پوچھا تم دونوں کون ہو۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا میں رب العالمین کا قاصد ہوں فوراً دربان نے فرعون سے جا کر کہا، ایک پاگل دروازے پر کھڑا کہہ رہا ہے میں رب العالمین کا قاصد ہوں۔ فرعون نے صبح تک یونہی چھوڑے رکھا۔ صبح ہوئی تو دونوں کو طلب کیا گیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ دونوں فرعون کی طرف گئے لیکن سال بھر تک فرعون نے اپنے پاس آنے کی اجازت نہیں دی پھر دربان نے جا کر فرعون سے کہا یہاں ایک آدمی ہے جو کہہ رہا ہے کہ میں رب العالمین کا قاصد ہوں، فرعون نے کہا اندر آنے دو۔ ہم اس سے کچھ دل لگی ہی کریں گے۔ دونوں فرعون کے پاس پہنچے اور اللہ کا پیام پہنچایا۔ فرعون حضرت موسیٰ کو پہچان گیا کیونکہ آپ نے اسی کے گھر میں پرورش پائی تھی۔

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا کہنے لگا کیا ہم نے اسوقت اپنے گھروں میں نہیں پالا تھا۔ جبکہ تو (نوزائیدہ) بچہ تھا۔

ولید سے مراد ہے بچہ، قرب ولادت کی وجہ سے ولید کہا (ورنہ حضرت موسیٰ فرعون کے گھر کے اندر پیدا نہیں ہوئے تھے)

وَلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿١٨﴾ اور تو ہمارے اندر برسوں رہا۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ فرعون کے پاس تیس سال کی عمر تک رہے پھر مدین کو چلے گئے وہاں دس سال رہے پھر مصر کو لوٹے اور فرعونیوں کو تیس سال تک اللہ کی طرف بلاتے رہے پھر فرعون کے ڈوبنے کے بعد پچاس برس زندہ رہے۔ (آپ کی کل عمر ۱۲۰ برس ہوئی)۔

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩﴾ اور تو نے اپنی وہ حرکت بھی کی تھی جو کی تھی اور تو بڑا ناشکرا ہے۔

یعنی تو نے قبطی کو قتل کر دیا اور میرے احسان کی ایسی ناشکری کی کہ میرے خاص لوگوں کو قتل کرنے لگا۔ کذا روی العوفی عن ابن عباس وہو قول اکثر المفسرین۔ (یعنی کفر سے مراد ہے کفران نعمت اور احسان فراموشی) کیونکہ فرعون کفر باللہ سے تو واقف ہی نہ تھا۔ حسن اور سدی نے کہا اَنْتَ من الکافرین یعنی اپنے جس معبود کی طرف تو ہم کو بلا رہا ہے اس کا منکر تو پہلے تو خود تھا ہمارے ساتھ مذہب پر رہتا تھا یا یہ مراد ہے کہ تو میرا منکر یا احسان فراموش ہے کہ لوٹ کر آیا تو میری مخالفت کرتا آیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ تو کافروں میں سے ہے یعنی ان لوگوں میں سے ہے جن کو فرعون والے اپنے مذہب میں کافر قرار دیتے تھے۔

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٢٠﴾ حضرت موسیٰ نے کہا میں نے وہ حرکت اس وقت کی تھی جبکہ میں گم کردہ راہ تھا یعنی ناواقفوں میں سے تھا اس وقت اللہ کے پاس سے میرے پاس کوئی ہدایت نہیں آئی تھی۔ یا یہ مطلب ہے کہ میں اس وقت نہیں جانتا تھا کہ میرے اس فعل سے وہ مر جائے گا۔ مارنے سے میرا مقصد قتل کرنا نہ تھا یا یہ مطلب ہے کہ بغیر قصد وارادہ کے میں اس وقت صحیح راستہ سے بھٹک گیا تھا یعنی نازیبا حرکت تو مجھ سے ضرور صادر ہوئی لیکن بلا ارادہ۔ یا یہ مطلب ہے کہ میں ان لوگوں میں سے تھا جو جاہلانہ کام کر بیٹھتے ہیں۔

بعض نے کہا ضلالت سے مراد ہے بھول جانا یعنی بھولے سے مجھ سے یہ حرکت ہوگئی۔ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى میں ان تضل کا ترجمہ ان تنسی کیا گیا ہے کہ ایک عورت بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلائے۔

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ تو جب مجھے تم سے ڈر لگا تو میں تم سے بھاگ گیا یعنی مدین کو بھاگ گیا۔

فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢١﴾ پھر میرے رب نے مجھے حکم (یعنی حکمت وعلم) عطا فرمایا اور مجھے پیغمبروں سے بنا دیا۔

Marfat.com

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَ بَنِي إِسْرَآءِيلَ ﴿۲۲﴾ اور یہ کوئی نعمت ہے

جس کا تو مجھ پر احسان رکھ رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا۔

تلک سے اشارہ تربیت کی طرف ہے یا بری خصلت کی طرف اشارہ ہے۔

عبدت سے تو نے غلام بنا رکھا اعبدت استعبدت اور تعبدت (یعنی تفصیل افعال استفعال اور تفعل سب ہم معنی ہیں) مفسرین نے اس آیت کا مطلب مختلف طور پر لکھا ہے۔

(۱) حضرت موسیٰ کی طرف سے یہ اقرار احسان ہے کہ تو نے مجھے زندہ چھوڑ دیا اور پالا اور دوسرے اسرائیلی بچوں کی طرح قتل نہیں کرایا۔ گویا حضرت موسیٰ نے فرمایا بے شک یہ تیرا احسان ہے جو تو مجھے جتلا رہا ہے کہ بنی اسرائیل کو تو نے غلام بنائے رکھا اور مجھے چھوڑ دیا۔ غلام نہیں بنایا۔

(۲) بظاہر یہ اقرار نعمت ہے اور حقیقت میں انکار ہے، حضرت موسیٰ نے اول فرعونکی تردید توبیخ کی اور پھر اس نعمت تربیت کی طرف کلام کارخ کیا جس کا فرعون نے ذکر کیا تھا لیکن اس کا صراحتہً انکار نہیں کیا۔ کیونکہ فرعون نے واقع میں پالا ہی تھا بلکہ اس بات پر تنبیہ کی کہ یہ نعمت حقیقت میں احسان نہ تھی لیکن ظلم کے مقابلے میں یا ظلم کے نتیجہ میں یہ نعمت تھی مجھ پر تیرا احسان نتیجہ تھا اس بات کا کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا ان کے لڑکوں کو تو قتل کراتا تھا اسی وجہ سے میں تیرے ہاتھ لگا اور تیرے پاس مجھے پہنچایا گیا اور تو نے میری پرورش و کفالت کی۔ اگر تو بنی اسرائیل کو حد سے زیادہ ذلیل نہ کرتا اور ان کے لڑکوں کو قتل نہ کراتا تو میرے گھر والے میری پرورش کرتے اور دریا میں مجھے نہ پھینکتے اور میں تیرے مکان میں نہ لایا جاتا۔

(۳) یہ استفہام انکاری ہے ہمزہ استفہام محذوف ہے یعنی یہ احسان جس کا تو نے ذکر کیا ہے کیا کوئی احسان ہے جبکہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔ بنی اسرائیل کو غلام بنائے رکھنے کی صورت میں یہ تربیت کوئی احسان نہیں۔ میری قوم کو تو نے غلام بنائے رکھا اور میری تربیت کی یہ کوئی احسان ہوا۔

جب فرعون نے حضرت موسیٰ کے طنز کو سن لیا اور یہ بھی دیکھ لیا کہ موسیٰ اپنی دعوت پر اڑے ہوئے ہیں تو دعوت پر اعتراض کرنے لگا اور سب سے پہلے بھیجنے والے رب کی حقیقت دریافت کی۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ (بطور تحقیق) کہنے لگا رب العلمین کیا چیز ہوتی ہے بعض فرعون نے رب العلمین کی حقیقت دریافت کی اور ظاہر ہے کہ اللہ کی ذات مرکب نہیں ہے کہ اس کے اجزاء ذاتیہ حضرت موسیٰ بتادیتے اور فرد کے صرف خصوصیات ہی بتائے جاسکتے ہیں (یعنی صرف تعریف بالخاصہ ہی ہو سکتی ہے) اس لئے حضرت موسیٰ نے جواب میں اللہ کے خصوصی افعال اور آثار کا ذکر کیا اور۔

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ موسیٰ نے کہا وہ

آسمانوں کا اور زمین اور ان کی درمیان کائنات کا رب ہے اگر (ان آثار قدرت و حکمت کے ذریعہ سے) تم اس کو ماننے والے ہو (تو ایمان لے آؤ اور مان لو) یعنی اگر حقائق اشیاء کے وجود کو مانتے ہو تو پھر ان مصنوعات و مخلوقات سے ان کے خالق کے وجود وحدانیت پر استدلال کرو۔ یہ تمام اجسام محسوسہ ممکن ہیں کیونکہ مرکب ہیں۔ ان میں تعدد ہے انکے احوال تغیر پذیر ہیں ان کا ایک مبداء اور مؤثر ہونا لازم ہے جو واجب بالذات ہو۔ ممکن ممکن کی علت تامہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر ممکن اپنے وجود میں اپنی علت کا محتاج ہے پس یا تو علت کی جانب تسلسل غیر متناہی ہو گا جو محال ہے یا واجب بالذات علت پر یہ تسلسل ختم ہو جائے گا یہی صحیح ہے (اس سے معلوم ہوا کہ مبداء اول کا واجب بالذات اور ضروری الوجود ہونا لازم ہے۔ مترجم) اور یہی مبداء تمام محسوس اور غیر محسوس ممکنات کا مبداء ہو گا ورنہ یا واجب کا تعدد لازم آئے گا یا بعض ممکنات کا علت سے استغنا اور محتاج ہونا لازم آئے گا۔

واجبوں کا تعدد تو ناممکن ہے ورنہ متعدد واجبوں کے اندر کچھ اجزاء مشترکہ ہوں گے اور کچھ ممیزہ اس طرح ہر واجب کی

Marfat.com

حقیقت مشترکہ اور ممیزہ اجزاء سے مرکب ہو جائے گی اور مرکب ہونا حدوث کی دلیل ہے اس صورت میں واجب واجب نہ رہے گا حادث ہو جائے گا۔ رہی استغناء کی شق تو استغنا امکان کی ضد ہے ممکن ہو اور علت سے مستغنی ہو ایسا ہو نہیں سکتا۔

اب ظاہر ہے کہ واجب تعالیٰ کو اس کے بیرونی خصوصی احوال سے پہچاننا ممکن ہو سکتا ہے۔ ذات کے اجزاء سے نہیں۔ نہ ذات کی تعریف خود ذات سے کی جا سکتی ہے نہ ذاتیات اور اجزاء سے (جب اجزاء ہی نہیں ہیں تو اجزاء کے ذریعہ سے ذات کی تعریف کیسے ہو سکتی ہے خلاصہ یہ کہ اللہ کے وجود وحدانیت کو اگر پہچانا جا سکتا ہے تو ان ہی موجودات و کائنات کے ذریعہ سے جو اللہ کی وحدت ذاتیہ کے خصوصی نشانات و آثار ہیں۔ مترجم)

چونکہ فرعون احمق (یا دانستہ نادان بننے والا) تھا حضرت موسیٰ کے جواب کی خوبی کو نہیں سمجھا اور

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُۥٓ أَلَا تَسْتَمِعُونَ ﴿۲۵﴾ اور اپنے گرد و پیش کے لوگوں سے فرعون (بطور تعجب) کہنے لگا کیا تم سن رہے ہو۔ یعنی موسیٰ کا جواب تم نے سنا میں نے اس سے اس کے رب العالمین کی حقیقت پوچھی اور اس کے افعال و آثار کا ذکر کرنے لگا یا یہ مطلب ہے کہ آسمان تو قدیم بالذات ہیں اور یہ کہہ رہا ہے کہ ان کا رب خالق ہے شاید فرعون دہریہ کا خیال تھا (جو عالم کو قدیم اور خود کو فنا جانتے ہیں مترجم)

یا یہ مطلب ہے کہ آسمان کسی مؤثر فاعل کے محتاج نہیں ہیں اور یہ ان کو رب مانتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے دیکھا کہ آسمان و زمین کی تخلیق و حدوث تو ان لوگوں کے سامنے نہیں اس لئے یہ آسمانوں کو قدیم خیال کرنے لگے ایسی دلیل پیش کرنا چاہئے اور ایسی مخلوق کا رب ہونا ظاہر کرنا چاہئے جس کے قدیم ہونے کا ان کو توہم بھی نہ ہو اور جس کی احتیاج کسی مصور حکیم کی جانب بالکل نمایاں ہو اس لئے موسیٰ نے کہا۔

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ ءَابَآئِكُمُ ٱلْأَوَّلِينَ ﴿۲۶﴾ کہا وہ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے سابق باپ دادا کا بھی۔

قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ ٱلَّذِىٓ أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴿۲۷﴾ فرعون کہنے لگا تمہارا یہ رسول جو تمہارے پاس بھیجا گیا ہے بلا شک و شبہ پاگل ہے کہ میں اس سے اس کے رب کی حقیقت پوچھتا ہوں اور یہ دوسرے جواب دیتا ہے فرعون نے حضرت موسیٰ کو رسول بطور مذاق کہا تھا۔

قَالَ رَبُّ ٱلْمَشْرِقِ وَٱلْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَآ موسیٰ نے کہا وہی مشرق و مغرب کا اور ان دونوں کے درمیانی کائنات کا رب ہے۔ یعنی روزانہ دیکھتے ہو کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اور گزشتہ دن کے محور کے علاوہ دوسرے محور پر چلاتا ہے یہاں تک کہ مغرب تک ایسے طریقہ سے پہنچا دیتا ہے جو انتظام کائنات کے لئے انتہائی مفید ہے۔

إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۲۸﴾ اگر تم عقل رکھتے ہو تو سمجھ گئے ہو گئے کہ جو جواب میں نے دیا ہے اس سے اعلیٰ جواب (اعلیٰ کے بارے میں) ممکن نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ نے پہلے گفتگو میں نرمی کی تھی لیکن جب ان لوگوں کی طرف سے شدت محسوس کی تو ان ہی کے قول کی طرح اپنے کلام میں بھی درشتی اختیار کر لی۔

مغلوب جاہلوں کی عادت ہے کہ جب کوئی جواب نہیں بن پڑتا تو دھمکیاں دینے پر اتر آتے ہیں فرعون نے بھی ایسا ہی کیا جب لاجواب ہو گیا تو۔ قَالَ لَئِنِ ٱتَّخَذْتَ إِلَٰهًا غَيْرِى لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ ٱلْمَسْجُونِينَ ﴿۲۹﴾

بولا اگر میرے سوا تو نے کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں شامل کر دوں گا۔

المسجونین میں الف لام عہدی ہے یعنی ان قیدیوں میں شامل کر دوں گا جن کی حالت میرے قید خانے میں تجھے معلوم ہے، کلبی نے کہا فرعون کی قید کی حالت قتل سے بھی زیادہ سخت تھی، قیدی کو تنہا اندھیری کوٹھری میں پھینک دیتا تھا قیدی کو وہاں کچھ نظر نہ آتا تھا اور لڑھکتا ہوا زمین کے اندر چلا جاتا تھا۔ فرعون کو سخت عذاب دینے کی قدرت حاصل تھی اس سے اس نے اپنے رب ہونے پر استدلال کیا اور صانع عالم کا انکار کرنے لگا اس نے بطور تعجب الا تسمعون کہا تھا کہ میرے سوا کسی

Marfat.com

دوسرے الہ کا ہونا عجیب بات ہے۔

قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ موسیٰ نے (فرعون کی دھمکی کے جواب میں) کہا (تو مجھے ایسی حالت میں بھی قید کر سکے گا) جبکہ میں نے تیرے سامنے (اپنی سچائی اور تیری غلطی کی) کوئی واضح چیز (یعنی نشانی) لے آؤں۔ اس جملہ میں استفہام انکاریہ تنبیہ ہے اور واؤ حالیہ ہے۔

قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فرعون بولا (وہ واضح چیز کیا ہے) اس کو پیش کر اگر تو (اپنی رسالت کے دعویٰ میں) سچا ہے۔ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾

پس موسیٰ نے اپنی لاٹھی (زمین پر) ڈال دی تو وہ یکدم کھلم کھلا اژدہا بن گئی یا ایسا اژدہا بن گئی جو موسیٰ کے دعویٰ کی سچائی کو ظاہر کرنے والا تھا۔ فرعون نے مزید معجزہ طلب کیا تو۔

ع ۲

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ موسیٰ نے (اپنے گریبان کے اندر سے) اپنا ہاتھ نکالا تو یکدم وہ دیکھنے والوں (کی نظروں) کے لئے گورا (شعاع پاش نظروں کو خیرہ کر دینے والا) ہو گیا۔ جس کی کرنیں افق پر چھا گئیں فرعون ہکا بکا ہو گیا اور لاچار ہو کر۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

اپنے گرد جمع شدہ سرداروں سے کہنے لگا یہ بڑا جاننے والا جادوگر ہے تم کو تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے نکال دینا چاہتا ہے اب تم مجھے کیا مشورہ دیتے ہو۔

کہاں تو ربوبیت کے دعویٰ کی وہ زورازوری تھی اور اب جب موسیٰ کے معجزہ سامنے اپنی کمزوری محسوس کی تو نیچے اتر آیا اور لگا ساتھیوں سے مشورہ کرنے گویا ان کو اپنا حاکم مان لیا۔ اس کو خوف تھا کہ موسیٰ غالب آجائے گا اور اس کے ملک پر تسلط جما لے گا۔ اس لئے مصاحبین کو موسیٰ کی طرف سے نفرت دلانے کے لئے مذکورہ بالا الفاظ کہے۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾

مصاحبین نے کہا (اس وقت تو) موسیٰ کو اور اس کے بھائی کو ٹال دیجئے اور شہروں میں (جادوگروں کو) جمع کرنے والوں کو بھیج دیجئے۔ تاکہ وہ تمام بڑے بڑے جاننے والے جادوگروں کو لے آئیں۔

ارجہ ان دونوں کے معاملے کو مؤخر کر دیجئے (اس وقت ملتوی کر دیجئے ان کو ٹال دیجئے)۔

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ چنانچہ ایک مقررہ تاریخ کو معین وقت پر جادوگر اکٹھے کر دیئے گئے۔ اس جگہ کچھ جملے حذف کر دیئے گئے ہیں اور کلام کو مختصر کر دیا گیا ہے پورا کلام یوں تھا کہ فرعون نے کچھ لوگوں کو جادوگروں کو جمع کرنے کے لئے شہروں میں بھیجا وہ گئے اور معین تاریخ پر جادوگروں کو جمع کر لائے وقت دن چڑھے کا تھا اور دن تہوار کا۔

بغوی نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اتفاق سے وہ دن نوروز کا تھا اور شنبہ کا دن تھا۔

وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ اور لوگوں سے کہہ دیا گیا کیا تم بھی جمع ہو جاؤ گے۔ یہ استفہام بمعنی امر ہے۔ فرعون نے لوگوں کو جمع ہو جانے کی ترغیب دی اور حکم دیا کہ تم سب بھی اکٹھے ہو جانا شاید فرعون کو یہ خیال ہو گیا کہ لوگ جمع ہونے میں سستی کریں گے۔

لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ تاکہ جادوگر اگر غالب ہو جائیں تو ہم ان کی راہ پر رہیں۔

جادوگروں سے مراد ہیں وہ جادوگر جن کو فرعون نے موسیٰ کے مقابلے کے لئے بلوایا تھا۔

لعل امید ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے اور امید کا لفظ اسی کی تائید کر رہا ہے کہ جادوگروں سے مراد ہیں فرعون کے جمع کئے ہوئے جادوگر۔ (حضرت مؤلف نے کہا) جادوگروں سے مراد ہیں موسیٰ ہارون اور ان کی قوم والے اتباع سے مراد ہے اتباع

Marfat.com

دینی۔ اس وقت امید کا (حقیقی اصلی معنی مراد نہ ہوگا بلکہ) مطلب یہ ہوگا کہ اگر موسیٰ اور ہارون غالب ہوگئے تو شاید ہم ان کے دین پر چلنے لگیں، یعنی ہم ان کے دین پر نہیں چلیں گے۔

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾

اس کے بعد جب جادوگر (فرعون کے پاس) آگئے تو انہوں نے فرعون سے کہا اگر ہم غالب آگئے تو کیا ہم کو کچھ اس کا بدلہ بھی یقینی طور پر ملے گا۔ یہ استفہام تقریری ہے (یعنی ضرور ملنا چاہئے)

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾ فرعون نے کہا ہاں تم اس وقت (جبکہ غالب آ جاؤ گے شاہی) مقرب ہو جاؤ گے۔

جادوگروں نے بصورت غلبہ معاوضہ کی طلب ظاہر کی تھی فرعون نے ان کی طلب سے زیادہ اپنا مقرب بنانے کا وعدہ کر لیا۔ اس کے بعد جادوگروں نے حضرت موسیٰ سے کہا آپ جو کچھ پھینکنا چاہتے ہیں پہلے پھینکئے یا ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم پہلے (اپنا جادو) پھینکیں سورۂ اعراف میں یہ ٹکڑا گزر چکا ہے کہ جادوگروں نے موسیٰ سے کہا، اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ موسیٰ نے ان سے کہا (پہلے) تم ہی پھینکو جو کچھ پھینکنے والے ہو۔

اس آیت سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ جادو کرنا تو حرام ہے حضرت موسیٰ نے ان کو جادو کرنے کا کیوں حکم دیا۔ کیونکہ اس جگہ حکم دینا مراد ہی نہیں ہے بلکہ صرف اجازت مقصود ہے اور اجازت بھی پہلے کر چکنے کی۔ تاکہ موسیٰ کو اپنا معجزہ ظاہر کرنے کا موقع مل جائے یا یوں کہا جائے کہ امر اس جگہ بمعنی تحقیر ہے۔ حضرت موسیٰ نے معجزے کے مقابلے میں ان کے جادو کو حقیر قرار دیا اور اس تحقیر کو ظاہر کرنے کے لئے فرمالیا۔ جو کرنے والے ہو کرو۔

فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

پس جادوگروں نے اپنی رسیاں اور گنڈے (زمین پر) پھینکے اور (بطور تبرک فرعون کا نام لیا اور) کہا فرعون کی عزت کے وسیلہ سے ہم ہی بلاشبہ غالب رہیں گے۔

چونکہ فرعون پر جادوگروں کو اعتقاد تھا اس لئے عزت فرعون کا ذکر انہوں نے بطور تبرک لیا۔ یا (ب) قسمیہ ہے یعنی عزت فرعون کی قسم ہم غالب رہیں گے۔

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ پھر موسیٰ نے اپنی لاٹھی (زمین پر) پھینکی تو وہ یکدم جادوگروں کو شعبدہ گری سے بنائی ہوئی چیزوں کو نگلنے لگی۔

مایافکون میں ما موصولہ ہے یعنی جادوگروں نے اپنی شعبدہ بازی سے جو کچھ بنالیا تھا۔ ان کی رسیاں اور ڈنڈے سانپوں کی طرح رینگتے دوڑتے لوگوں کے خیال میں نظر آنے لگے تھے اور لوگوں کی انہوں نے نظر بندی کر دی تھی۔ مترجم) ان سب کو موسیٰ کی لاٹھی کا سانپ نگلنے لگا۔ یا ما مصدریہ ہے یعنی ان کے جھوٹے شعبدے کو لاٹھی نگلنے لگی۔

فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اس کے بعد (بے اختیار) جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے کہہ اٹھے ہم رب العلمین پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔

یعنی جب جادوگروں نے پیش نظر منظر دیکھ لیا اور سمجھ گئے کہ جادو سے ایسا ہونا ممکن نہیں تو اپنے پر قابو نہ رکھ سکے اور بے اختیار ہو کر سجدے میں گر پڑے، اللہ نے ان کو توبہ کی توفیق عنایت کر دی اور (ایک غیبی ہاتھ نے) ان کو سجدے میں گرا دیا۔ آیت بتارہی ہے کہ جادو نام ہے صرف شعبدہ گری طمع کاری اور خیال کو متاثر کرنے کا اس کی حقیقت کچھ نہیں ہے (کچھ علماء نے

Marfat.com

کہا جادو حق ہے یعنی واقعی ایک حقیقت مؤثرہ ہے)
حضرت مفسرؒ نے اس قول کی تردید کے لئے فرمایا کہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ جادو کی کوئی واقعی حقیقت نہیں اگر اس کی کچھ حقیقت ہے تو صرف اتنی کہ یہ ایک طرح شعبدہ گری، فریب کو بصورت واقعیت دکھا دینا اور لوگوں کے خیال پر اثر انداز ہونا ہے، دوسری آیت میں یُخَیَّلُ اِلَیْھِمْ کا لفظ آیا ہے یعنی لوگوں کے خیال میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سانپ دوڑ رہے ہیں۔
مترجم) رب العالمین کے بعد رب موسیٰ وہارون کہنے سے وضاحت کرنا اور وہم کو دفع کرنا مقصود ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ہمارے ایمان کا سبب وہ معجزہ ہے جو موسیٰ کے ہاتھ سے ظاہر ہوا۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ
فرعون نے کہا میری اجازت کے بغیر ہی تم نے اس کی بات (یعنی معجزہ) کا یقین کر لیا (حقیقت میں یہ تمہاری سب کی سازش ہے) موسیٰ تمہارا سردار ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔
یعنی فرعون کو یہ اندیشہ ہو گیا کہ لوگ جادوگروں کے ایمان لانے سے بہک جائیں گے اور خیال کرنے لگیں گے کہ جادوگروں کے سامنے حق کا ظہور ہو گیا اس لئے وہ ایمان لے آئے پس قوم کو دھوکہ دینے اور حقیقت کو مشتبہ بنانے کے لئے اس نے کہا کہ میری اجازت کے بغیر تم نے موسیٰ (کی اس کرشمہ سازی) کا یقین کر لیا۔
اٰمَنْتُمْ میں ہمزہ استفہام انکاری محذوف ہے۔
عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ یعنی اسی نے تم کو جادو سکھایا ہے، کچھ سکھایا ہے کچھ نہیں سکھایا اسی لئے تم پر غالب آگیا یا یہ مطلب ہے کہ تم نے باہم سازش کر لی اور ایک دوسرے سے اندرونی طور پر مل گئے۔

فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۚ اب کچھ دیر میں ہی تم کو معلوم ہو جائے گا یہ سزا دینے کی مبہم دھمکی ہے جس کی توضیح اگلی آیت میں ہے۔

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ میں ضرور تم سب کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کٹوا دوں گا اور سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔

قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۫ جادوگروں نے کہا (اس میں ہمارا) کوئی ضرر نہیں۔ جادوگروں نے ایسا اس لئے کہا اس قتل اور سخت عذاب سے تو ان کو مرتبۂ شہادت اور اجر جزیل حاصل ہونے والا تھا جس کے مقابلہ میں دنیوی دکھ کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔

اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ ہم تو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہی ہیں۔
تیرے ہاتھوں سے یا کسی اور سبب سے ہم تو مرنے والے ہیں اگر تو قتل کر دے گا تو ہمارے لئے سب سے زیادہ مفید ہوگا۔

اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾ ع ۱۸ ہم کو تو خواہش ہی یہ ہے کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں کو معاف کر دے اس وجہ سے کہ (فرعون کے ساتھیوں میں یا اس میلہ میں) ہم سب سے اول ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔
میں کہتا ہوں بظاہر آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم اول مومن ہیں اور اول مومن وہی لوگ ہوتے ہیں جن کی تقلید دوسرے لوگ بعد کو کریں۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو رات کو نکال لے جا کیونکہ (دن میں) تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔
یعنی رات کو نکال لے جانے کی علت یہ ہے کہ (دن کو) فرعون اور اس کی قوم والے تمہارا تعاقب کریں گے تاکہ تم کو مصر سے نکلنے سے روکیں۔

Marfat.com

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ نے حضرت موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ بنی اسرائیل کے ہر چار گھر والوں کو ایک گھر میں جمع کرو پھر بھیڑ کے بچوں کو ذبح کر کے ان کا خون گھروں کے دروازوں پر لگا دو میں فرشتوں کو حکم دوں گا جس گھر پر خون کا نشان ہوگا اس میں داخل نہ ہوں گے پھر میں فرشتوں کو حکم دوں گا وہ قوم فرعون کے بچوں کو مار ڈالیں گے اور ان کو مالی نقصان پہنچائیں پھر تم چپاتیاں پکانا (یعنی چپاتیاں پکا کر ساتھ لے لینا) پھر راتوں رات میرے بندوں کو لے کر سمندر پر پہنچ جانا وہاں تم کو میرا (جدید) حکم ملے گا۔ صبح ہوئی تو لوگوں نے فرعون سے کہا یہ حرکت موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی ہے انہوں نے ہمارے بچے مار ڈالے اور مال بھی لے گئے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ کے پیچھے پندرہ لاکھ سردار جن میں سے ہر ایک کی کمانڈ میں ایک ہزار آدمی تھے روانہ کر دیئے اور خود بھی اپنی عظیم کرسی پر بیٹھ کر نکل کھڑا ہوا میں کہتا ہوں (یہ سب داستان بکواس ہے) فرعون کے لشکر کی اتنی تعداد بعید از عقل بھی ہے اور کوئی قابل اعتبار روایت بھی ایسی نہیں آئی۔

فَأَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿٥٣﴾ پھر فرعون نے شہروں میں (لشکر کو) جمع کرنے والے بھیج دیئے یعنی کچھ سپاہی بھیج دیئے تاکہ وہ فوج میں لوگوں کو بھرتی کریں میں کہتا ہوں شاید فرعون نے قریب کے شہروں میں کچھ لوگوں کو اس لئے بھیج دیا کہ وہ اسی رات کو صبح تک مصر کی (راجدھانی) میں اکٹھا کر لیں اور فرعون نے یہ بھی کہلوا دیا کہ۔

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ یہ (بنی اسرائیل) تھوڑے سے ہیں شرذمۃ آدمیوں کی قلیل تعداد اسی کی تائید اگلے فقرہ۔

قَلِيلُونَ ﴿٥٤﴾ سے کر دی۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ وہ روایت جس میں بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار بتائی گئی ہے غلط ہے۔ فرعون نے بنی اسرائیل کو قلیل التعداد اپنے لشکر کے مقابلے میں قرار دیا بعض روایات میں فرعون کے لشکر کے مقدمہ (اگلے حصہ) کی تعداد سات لاکھ بیان کی گئی ہے اسی پر ساقہ (پچھلا حصہ) اور دونوں بازوؤں (یمین و یسار) اور قلب (وسط) کو قیاس کر لیا جائے لیکن یہ تعداد بھی خلاف عقل و روایت ہے مصر کا ملک ہی کتنا تھا بڑی بڑی حکومتوں اور سلطنتوں کی فوج کی تعداد بھی اتنی نہیں ہوتی۔

میں کہتا ہوں شاید شرذمہ کہہ کر بنی اسرائیل کی تعداد کی قلت، فرعون نے اپنی فوج کے مقابلہ میں ظاہر کی ہو اور قلیلون کہہ کر واقعی ان کی تعداد کی کمی بیان کی ہو۔

وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَائِظُونَ ﴿٥٥﴾ اور بلا شک و شبہ وہ ہم کو غصہ دلا رہے ہیں۔ یا یہ ترجمہ کیا جائے بلا شبہ وہ ہم سے بغض و عداوت رکھنے والے ہیں۔

غائظون یعنی غیظ و عداوت والے۔ دشمن ہم سے بغض رکھنے والے۔ یا ہمارے ساتھ ایسی حرکت کرنے والے ہیں جو ہم کو غضب آلود کر دے۔

وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَاذِرُونَ ﴿٥٦﴾ اور ہم سب ایک مسلم جماعت (اور باقاعدہ فوج) ہیں فراء نے کہا حاذر وہ شخص جو تم کو اس وقت ڈرا رہا ہے اور حذر وہ شخص جو خوفناک ہے (یعنی حاذر فعل کے تجدد و حدوث کے لئے آتا ہے اور حذر ثبات کے لئے)

بعض نے حاذرون کا ترجمہ کیا قوت والے یعنی تیار۔ اور حذرون کا معنی ہے محتاط، بیدار کذا قال الزجاج۔

فَأَخْرَجْنَاهُم مِّن جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٧﴾ وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٥٨﴾

پھر ہم ان کو نکال کر لے آئے باغوں اور چشموں سے اور خزانوں سے اور عمدہ قیام گاہوں سے۔

یعنی فرعون کے ساتھی جمع ہو گئے اور سب کا اتفاق ہو گیا کہ بنی اسرائیل کا پیچھا کیا جائے چنانچہ سب ہماری مشیت کے مطابق نکل کھڑے ہوئے باغات بھی چھوڑے دریا اور نہروں کو بھی چھوڑا سونے چاندی کے خزانوں کو خیر باد کہا اور

Marfat.com

خوبصورت عمدہ مکانات اور امیرانہ ٹھاٹ کی بیٹھکیں سب کچھ چھوڑ کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں چڑھ دوڑے۔ اور اس طرح سب اپنے شہروں سے نکل آئے۔

كَذٰلِكَ ؕ واقعہ یونہی ہوا۔ بات ایسی ہی ہوئی۔

وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾ اور بنی اسرائیل کو ہم نے ان چیزوں کا وارث بنادیا۔ کیونکہ جب فرعون اور اس کا سارا لشکر ڈوب گیا تو بنی اسرائیل مصر کو لوٹ گئے اور فرعونیوں کے چھوڑے ہوئے مال متاع اور جائیدادو باغات پر قابض ہو گئے (یہ خیال حضرت مفسر کا ہے اہل تاریخ کا قوی قول یہ ہے کہ بنی اسرائیل اس وقت لوٹ کر نہیں آئے بلکہ صحرائے سینا میں گھس پڑے۔ اور اسی بیابان میں پھنس گئے۔ من وسلویٰ کا نزول بھی یہیں ہوا اور حضرت موسیٰ کو توریت بھی ملی اور بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی بھی یہیں کی۔ آخر حضرت موسیٰ اور حضرت موسیٰ نے پہلے حضرت ہارون کی وفات بھی اسی صحرائے میں ہوئی پھر حضرت یوشع کو نبوت بھی یہیں عطا ہوئی اور چالیس برس سے زیادہ اس وادی میں سرگرداں رہنے کے بعد قصور معاف ہوا اور نجات ملی اور حدود فلسطین وشام میں داخل ہوئے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ شام میں حکومت قائم کرنے کے بعد پھر بنی اسرائیل مصر کی طرف لوٹے ہوں لیکن یہ بھی خیال ہے ورنہ حضرت یوسف سے پہلے بنی اسرائیل کی کوئی آبادی یا حکومت مصر میں نہیں ہوئی۔ تاریخ سے اسرائیل کا مصر پر اقتدار ثابت نہیں۔ مترجم)

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ ﴿۶۰﴾ غرض (ایک روز) سورج کے نکلنے کے وقت پیچھے سے ان کو جالیا۔

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ جب دونوں جماعتیں باہم دکھائی دینے لگیں تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا ہم تک بلاشبہ پہنچ جائیں گے۔ (یعنی ہم کو یہ پکڑ لیں گے اور ہم میں مدافعت کی طاقت ہے نہیں)۔

قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۶۲﴾ موسیٰ نے (اللہ کے وعدے پر بھروسہ رکھتے ہوئے) کہا ہر گز نہیں۔ میرے ساتھ میرا رب موجود ہے (یعنی اس کی مدد موجود ہے) وہی مجھ کو عنقریب (نجات کا) راستہ بتادے گا۔

فَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی دریا میں (یعنی نیل میں) مارو۔ (موسیٰ نے لاٹھی پانی میں ماری) فوراً دریا پھٹ گیا (اور خشک راستہ نکل آیا)۔

فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ﴿۶۳﴾ اور (پانی کا) ہر حصہ ایک بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا (یعنی اپنی جگہ پر رک گیا، پھر بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں میں سے ہر خاندان اپنے راستہ میں داخل ہو کر پار ہو گیا)

وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۴﴾ اور ہم دوسروں کو (یعنی فرعون اور اس کے ساتھیوں کو اس جگہ کے) قریب لے آئے۔

وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۶﴾ اور ہم نے موسیٰ کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ تھے سب کو بچالیا پھر ان دوسروں کو (یعنی فرعون اور اس کے ساتھیوں کو) غرق کر دیا۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۶۷﴾ بلاشبہ اس میں (یعنی موسیٰ کو ساتھیوں سمیت بچالینے اور فرعون کو ساتھیوں سمیت غرق کر دینے میں) کھلی ہوئی دلیل ہے (موسیٰ کی سچائی کی) اور ان میں (یعنی فرعون کے ساتھیوں میں) اکثر لوگ مومن نہ تھے۔ روایت میں آیا ہے کہ فرعون کے ساتھیوں میں صرف یہ لوگ ایمان لائے تھے آسیہ فرعون کی بی بی، ایک وہ شخص جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوا تھا یعنی حزئیل اور اس کی بی بی اور مریم بنت ناموسیا۔ یہ مریم وہی عورت تھی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کی نشاندہی کی تھی۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۶۸﴾ اور یقیناً آپ کا رب (دشمنوں سے انتقام لینے میں) غالب اور (دوستوں کے لئے) مہربان ہے۔ ع ۴ / ۸

Marfat.com

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ﴿۶۹﴾ اور ان (اہل مکہ) کو ابراہیم کی خبر (یعنی واقعہ) پڑھ کر سناؤ اس جملہ کا عطف وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ پر ہے کیونکہ اذنادی سے پہلے لفظ اذکر محذوف ہے (اس لئے فعل کا عطف فعل پر ہو گیا)۔

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿۷۰﴾ جب کہ ابراہیم نے اپنے باپ سے اور قوم والوں سے کہا تم لوگ کس چیز کی پوجا کرتے ہو۔ حضرت ابراہیم نے یہ سوال (طلب علم کے لئے نہیں کیا تھا آپکو تو معلوم ہی تھا کہ یہ لوگ بتوں کی پوجا کرتے ہیں بلکہ یہ سوال) اس لئے کیا تاکہ ان کو بتا سکیں کہ جن کی تم پوجا کرتے ہو وہ مستحق عبادت نہیں ان کی پوجا ناز یبا ہے۔

قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ﴿۷۱﴾ کہنے لگے ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ہمیشہ ان ہی پر جمے رہتے ہیں (حضرت ابراہیم کا سوال مختصر تھا لیکن) فخر کے طور پر انہوں نے جواب کو طول دے دیا نظل (کا لغوی ترجمہ ہے ہم دن کو ہوتے ہیں لیکن یہ ترجمہ یہاں مناسب نہیں ہے اس لئے اس جگہ اس کا معنی ہے ہم ہمیشہ رہتے ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے وہ لوگ دن میں بتوں کی پوجا کرتے تھے رات کو نہیں کرتے تھے (اس صورت میں نظل اپنے لغوی معنی پر ہوگا۔ مترجم)

قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ﴿۷۲﴾ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ﴿۷۳﴾ ابراہیم نے کہا کیا وہ تمہاری سنتے ہیں جب تم انکو پکارتے ہو یا تم کو فائدہ پہنچاتے ہیں یا تم کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

ھل یسمعون یعنی کیا وہ تمہاری پکار کو سنتے ہیں حضرت ابن عباس نے ترجمہ کیا کیا وہ تمہارے لئے (یعنی تمہاری بات) سنتے ہیں۔

اوینفعونکم یعنی اگر تم ان کی پوجا کرو تو کیا وہ تم کو نفع دیتے ہیں۔

او یضرون یا اگر ان کی پوجا نہ کرو تو کیا وہ تم کو ضرر پہنچا سکتے ہیں۔

قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿۷۴﴾ کہنے لگے (ان باتوں میں سے تو وہ کچھ بھی نہیں کرتے ان وجوہ کی وجہ سے ہم ان کو نہیں پوجتے) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے (اس لئے ہم بھی کرتے ہیں)۔

قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿۷۵﴾ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ ﴿۷۶﴾

ابراہیم نے کہا تم نے (غور کیا اور) دیکھا کہ تم خود اور تمہارے اگلے باپ دادا کس چیز کو پوجتے ہیں۔

ہمزہ استفہام تقریری ہے یعنی اقرار کرو کہ تم کتنی بیکار چیزوں کی پوجا کرتے ہو جو نہ نفع پہنچا سکتی ہیں نہ ضرر نہ کچھ سنتے ہیں۔ اقدمون کا لفظ ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ پرانا اور اگلے زمانہ میں ہونا صحیح ہونے کی دلیل نہیں تقدم زمانی کی وجہ سے باطل حق نہیں بن جاتا۔

فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي پس بے شک وہ میرے دشمن ہیں۔

اپنا دشمن کہنے سے درپردہ یہ مراد ہے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں تم کو ان کی پوجا کرنے سے ایسا ضرر پہنچے گا جو کسی شخص کو اپنے دشمن سے نہیں پہنچتا۔ مہربان واعظ کی نصیحت کرنے کا یہ مؤثر طریقہ ہی ہے کہ پہلے وہ اپنی ذات کو مخاطب کرتا ہے اور مقصد ہوتا ہے دوسروں کو نصیحت کرنا۔ اسی قسم کا استعمال دوسری آیت میں آیا ہے فرمایا ہے وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي یعنی کیا وجہ کہ تم اپنے خالق کی عبادت نہ کرو۔

جمادات کی طرف دشمن ہونے کی نسبت مجازی ہے یا تو اس وجہ سے کہ وہ ضرر پہنچنے کا ذریعہ ہیں یا اس وجہ سے کہ قیامت کے دن وہ دشمن بن جائیں گے اللہ نے فرمایا ہے سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا۔

عدو بروزن فعول اصل میں مصدر ہے جیسے قبول اسی لئے اس کو بصیغۂ مفرد ذکر کیا یا ہم سے مراد ہے کل معبود لکم تمہارا ہر معبود میرا دشمن ہے۔

Marfat.com

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عدو اور صدیق صفت کے صیغے بروزن فعول و فعیل ہیں ان کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور جمع پر بھی رجل عدو بھی کہا جاتا ہے اور قوم عدو بھی۔ اللہ نے فرمایا ہے فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ دوسری آیت میں آیا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ۔

اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾ مگر رب العالمین۔ یہ استثناء منقطع ہے۔ (یعنی الاّ کا معنی ہے لیکن) گویا یوں فرمایا کہ وہ سب میرے دشمن ہیں مگر رب العالمین کہ وہ میرا دوست ہے۔ بعض اہل علم نے کہا قوم ابراہیم بتوں کے ساتھ اللہ کی بھی عبادت کرتے تھے حضرت ابراہیم نے فرمایا تمہارے سارے معبود سوائے رب العالمین کے میرے دشمن ہیں یایوں کہا جائے کہ ان کے آباؤ اجداد میں کچھ لوگ اللہ کو مانتے اور اس کی عبادت کرتے تھے (ان دونوں صورتوں میں استثناء متصل ہوگا)

الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿۷۸﴾ وہ جس نے مجھے پیدا کیا وہی مجھے ہدایت کرے گا ہر مخلوق کو زندگی کا دنیوی و اخروی راستہ وہی بتاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ابتداء ایجاد سے انتہا، موت تک پوری زندگی اللہ تخلیقی تدریجی رہنمائی فرماتا رہتا ہے تاکہ انسان مفید حیات چیزوں کو حاصل کرتا اور ضرر رساں چیزوں سے بچتا رہے۔ رحم کے اندر بچہ ماں کا فضول خون ناف کے ذریعہ سے چوسنا شروع کرتا ہے اور اس سفر کی انتہا داخلۂ جنت ہے یہ ساری رہنمائی اللہ ہی کرتا ہے۔

وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿۷۹﴾ اور وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے (کھانے پینے کو دیتا ہے)

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿۸۰﴾ اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہ ہی مجھے شفا عنایت کرتا ہے۔ بیماری اور شفا دونوں کا خالق اللہ ہی ہے لیکن بلحاظ ادب مریض کرنے کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی۔ حضرت خضر کے قول کو نقل کیا ہے اور فرمایا فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا میں نے ارادہ کیا کہ اس کشتی کو عیب دار کردوں۔ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَا اَشُدَّهُمَا آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی بھرپور طاقت کو پہنچ جائیں (اول آیت میں ارادۂ عیب کی نسبت حضرت خضر نے اپنی طرف کی تقاضاء ادب یہی تھا اور دوسری آیت میں ارادہ کی نسبت اللہ کی طرف کی تقاضاء معرفت یہی تھا مترجم)

حضرت ابراہیم نے بیمار ہونے کو اپنا فعل اس لحاظ سے بھی قرار دیا کہ (گو بیماری اللہ پیدا کرتا ہے مگر) ہر مصیبت جو انسان پر آتی ہے وہ اسی کے کرتوت کا نتیجہ ہوتی ہے اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو بیان کرنا چاہتے تھے (اور بیمار کرنا نعمت نہیں اس لئے بیمار کرنے کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی) لیکن آئندہ آیت میں موت دینے کی نسبت اللہ کی طرف کی ہے گو بظاہر موت بھی سخت تکلیف کا نام ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ موت میں کوئی ضرر نہیں ہوتا وہ تو ایک غیر محسوس چیز ہے مرنے سے پہلے جو عوارض و اسباب عارض ہوتے ہیں دکھ دینے والے تو وہ ہوتے ہیں ان کے بعد موت کا غیر محسوس درد ہوتا ہے ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ اہل کمال کے لئے موت تو دنیوی مصائب و آلام سے چھوٹنے اور لازوال راحت و نعمت حاصل ہونے کا ذریعہ ہے مشہور مقولہ ہے کہ موت ایک پل ہے جو حبیب کو حبیب کے پاس پہنچا دیتا ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ اچانک موت مومن کے لئے راحت اور کافر کے لئے مواخذہ ہے۔ رواہ احمد البیہقی عن عائشہؓ مرفوعاً۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ہر مسلم کے لئے موت (گناہوں کا) کفارہ ہے رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ والبیہقی بسند ضعیف عن انسؓ۔

پھر ایک عقلی بات یہ بھی ہے کہ موت عموماً کھانے پینے کی چیزوں میں انتہائی کمی (یا بیشی) کی وجہ سے ہوتی ہے یوں بھی اخلاط (سوداء صفراء، بلغم، خون) اور عناصر (آگ مٹی پانی ہوا) کے درمیان انتہائی تضاد اور کیفیات کا اختلاف ہے ان کے باہمی اختلاط کے بعد اعتدال مزاجی اور معتدل کیفیت کا ظہور تو جبراً اللہ کی قدرت سے ہو جاتا ہے۔

وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿۸۱﴾ اور وہ جو مجھے موت دے گا پھر (آخرت میں) مجھے زندہ کرے گا۔

وَالَّذِيْ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾ اور جس سے مجھے یہ امید ہے کہ میری غلط کاری کو وہ قیامت کے دن معاف کر دے گا۔ حضرت ابراہیم نے اپنی خطا کا اقرار بطور انکسار نفس کیا (کیونکہ پیغمبر

Marfat.com

معصوم ہوتے ہیں ان سے خطاء کا یعنی گناہ کبیرہ کا صدور نہیں ہوتا مترجم) یا اس سے مقصود تھا اپنی امت کو تعلیم دینا کہ گناہوں سے بچتے رہیں اور جو گناہ ان سے صادر ہو جائے اس کی معافی کی درخواست کریں یا یوں کہا جائے کہ حضرت ابراہیم نے رخصت پر عمل کیا (ناجائز کام تو نہیں کیا) لیکن عزیمت کو ترک کر دیا (یعنی بلندی مرتبہ جس کام کا تقاضا کرتی تھی وہ نہیں کیا) اور عزیمت کو ترک کرنے کی صرف یہ وجہ تھی کہ امت پر بار نہ پڑ جائے جس کا اٹھانا لوگوں کے لئے دشوار ہو اس لئے آپ نے رخصت پر عمل کیا تاکہ امت کو عمل میں سہولت ہو اور اسی ترک عزیمت کے لئے استغفار کیا (چونکہ ترک عزیمت آپ کے علو مرتبہ کے خلاف تھا)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت ابراہیم کی خطا وہی تین الفاظ تھے جو انہوں نے کہے تھے قوم والوں سے کہا تھا اِنِّیْ سَقِیْمٌ (حالانکہ بیمار نہ تھے) اور کہا تھا بَلْ فَعَلَهٗ کبیر ھم یہ حرکت بڑے بت نے کی ہے (حالانکہ یہ بات غلط تھی) اور حضرت

امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ یہ (حضرت ابراہیم کا انکسار نفس کی بناء پر اپنی خطا کا اقرار، یا امت کو تعلیم یا اپنے قصور کا اعتراف اور پھر استغفار تھا) ضعیف ہے کیونکہ تواضع اور انکسار نفس کی بناء پر انہوں نے اپنی خطا کا جو اقرار کیا تو کیا واقعی وہ خطاکار تھے یا غلط طور پر انہوں نے اپنے خاطی ہونے کا اظہار کیا اور خلاف واقعہ بات کہی اول صورت میں وہ معصوم نہ ہوئے حالانکہ انبیاء کو معصوم ہونا چاہئے اور دوسری صورت میں ان کی دروغ گوئی ثابت ہوئی (اور یہ بھی منافیٔ عصمت ہے) تعلیم امت کے لئے آپ سے جھوٹ کا صدور اور غلط اقرار نہیں ہو سکتا۔ میں کہتا ہوں امام رازی کا یہ قول خود کمزور ہے جھوٹ اور معصیت کا لزوم تو اس وقت ہوتا جب کہ وہ اپنے آپ کو معصوم اور ہر گناہ سے پاک سمجھتے ہوئے زبان سے کہتے کہ میں گناہ گار، خطاوار ہوں مگر وہ تو گناہوں سے پاک جانتے ہی نہ تھے (گو پاک تھے) واقعہ یہ ہے کہ صوفی جب مقام فقر و فناء کی تکمیل کر لیتا ہے تو وہ اپنی ہستی اور اپنے سارے کمالات کو حق تعالیٰ کی طرف سے عاریت سمجھتا ہے اور اپنے نفس کو معدوم محض تصور کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میرا نفس تو تمام شرور کا مبدء ہے اللہ نے فرمایا ہے مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۘ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ تم کو جو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تمہارے نفس کی طرف سے پہنچتی ہے اس حالت میں اگر صوفی اپنے کو گناہ گار کہتا ہے تو اس کو جھوٹ نہیں کہا جا سکتا۔ ایک بار ظہر کی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو سہو ہو گیا (آپ ﷺ نے خیال کیا میں پوری نماز پڑھ چکا اس لئے سلام پھیر دیا) ذوالیدین (ایک صحابی تھے) نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا نماز میں قصر کر دیا گیا یا حضور ﷺ بھول گئے فرمایا اس میں سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ ذوالیدین نے عرض کیا (حضور ﷺ) کچھ تو ہوا پس رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا تھا اس میں سے کوئی بات نہیں ہوئی حضور کی یہ بات ہرگز ہرگز نہ جھوٹ ہو سکتی ہے نا گناہ ہاں نسیان ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی دعا کی تھی رب اغفرلی خطیئتی اے میرے رب میرے قصور کو معاف فرما دے اس دعا کی بنیاد بھی انکسار نفس ہے اور چونکہ یہ امر ہے اور امر انشاء کی قسم ہے اس لئے اس میں کذب کا احتمال بھی نہیں ہے (حضرت مفسر کے تنقیحی جواب سے تو جمہور اہل بلاغت کے خلاف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صدق کا معنی ہے اعتقاد کے موافق ہونا اور کذب کے معنی میں اعتقاد کے مخالف ہونا اور حضرت ابراہیم چونکہ اپنے آپ کو گناہ سے پاک نہیں جانتے تھے اگرچہ واقع میں معصوم تھے اس لئے ان کا قول سچا تھا اعتقاد کے موافق تھا ان کا گناہ کا ان کے سمجھنے کے مطابق تھا صدق و کذب کی یہ تعریف جمہور کے مسلک کے خلاف ہے۔ اس فقیر کی نظر میں اصل اعتراض کا جواب یہ ہے کہ پیغمبر اپنی حقیر لغزشوں کو بھی گناہ جانتے ہیں اور لغزشوں سے کوئی نبی معصوم نہیں حضرت ابراہیم کی درخواست مغفرت ہو یا رسول اللہ ﷺ کی طلب معافی دونوں میں یہی بات ملحوظ ہے کہ کون اللہ کا پورا حق ادا کر سکتا ہے اور کون جلیل القدر رسول لغزش سے محفوظ ہو سکتا ہے بات صرف یہ ہے کہ جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے حسنات الابرا رسیات للمقربین نیکوں کی نیکیاں اہل قربت کے لئے گناہ ہیں مترجم) حضرت مفسر نے یہ بھی فرمایا کہ انہضام نفس اور انکسار نفس سے مراد تواضع نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہے جلال رب کے سامنے نفس کا شکستہ ہو جانا حضرت ابراہیم کا نفس منکسر ہو چکا تھا اس شکستگیٔ نفس کی بناء پر انہوں نے اپنے گناہ کی معافی کی امید کی۔ اگر تواضع مراد ہو تو امام رازی کا شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ باوجود گناہ گار نہ ہونے کے انہوں نے اپنے گناہ گار ہونے کا جھوٹا اظہار کیا اور دروغ گو ہوئے ہم اس بحث کا کچھ حصہ سورت محمد کی آیت استغفر لذنبک کی تفسیر کے ذیل میں انشاء اللہ لکھیں گے۔ از مفسر رحمہ اللہ

Marfat.com

سارہ کے متعلق بادشاہ سے کہا تھا ھذا اختی یہ میری بہن ہے (حالانکہ سارہ آپ کی بہن نہ تھیں بلکہ بی بی تھیں) مجاہد نے اس کو تیسری خطا حضرت ابراہیمؑ کی قرار دیا ہے لیکن جس نے حضرت ابراہیمؑ کے قول ہذا ربی کو خطا قرار دیا ہے اس طرح خطائیں تین سے زیادہ ہو جائیں گی۔ حضرت مفسر نے فرمایا ان الفاظ کو خطا کہنا کمزور بات ہے یہ الفاظ تو توریہ کے تھے (ذو معنی تھے حضرت ابراہیمؑ کی مراد کچھ اور تھی اور مخاطب کچھ اور سمجھ گیا) اور توریہ کو خطا نہیں کہا جاسکتا۔ بغوی نے بوساطت مسروق حضرت عائشہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میں نے عرض کیا ابن جدعان دور جاہلیت میں کنبہ پروری کرتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا کیا اس کا اس کو کچھ نفع ملے گا فرمایا اس کو کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا اگر اس نے کسی دن بھی رب اغفرلی خطیتی یوما الدین نہیں کہا ہوگا۔

حضرت ابراہیم نے قوم کے سامنے جو کچھ تفصیل سے بیان کیا وہ سب بطور استدلال تھا اور یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ جس معبود میں ایسا کرنے (یعنی پیدا کرنے، کھلانے، پلانے، شفا دینے، اور مارنے جلانے) کی طاقت نہ ہو وہ معبود ہونے کا حق نہیں رکھتا نہ اس کی پوجا جائز ہے)

رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَّأَلْحِقْنِي بِالصّٰلِحِينَ ﴿۸۳﴾ اے میرے رب مجھے حکم عطا فرمادے اور مجھے نیکیوں کے ساتھ ملادے۔ حکم سے مراد علم و عمل کا کمال ہے اور صالحین سے مراد ہیں انبیاء معصومین جن کے اندر کسی کدورت علمی و عملی کا شائبہ نہیں ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے علمی و عملی کمال عطا فرمائے تاکہ میں انبیاء کے مسلک میں منسلک ہو سکوں اور اللہ کی صحیح خلافت اور خلق خدا کی قیادت کی اور میرے اندر استعداد پیدا ہو جائے۔

وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ﴿۸۴﴾ اور میرا تذکرہ خیر آنے والے لوگوں میں کردے۔ یعنی میری اچھی تعریف اور بھلائی کا ذکر قبول عام آئندہ لوگوں کی زبانوں پر کردے (کہ سب مجھے اچھا کہیں کوئی برائی کے ساتھ میرا ذکر نہ کرے) یا یہ مطلب ہے کہ آنے والی امتیں اگر میری ثنا کریں تو وہ سچی ہو (میری غیر واقعی اور غلط تعریف نہ کریں)

وَاجْعَلْنِي مِن وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ﴿۸۵﴾ اور مجھے جنت النعیم کے مستحقین میں سے کر۔

وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ ﴿۸۶﴾ اور میرے باپ کو معاف کردے وہ بلاشبہ (حق کے راستہ سے) بھٹکا ہوا ہے حضرت ابراہیم نے باپ کے لئے یہ دعاء مغفرت اس وقت کی تھی جب کہ آپ کو معلوم نہ تھا کہ یہ اللہ کا قطعی دشمن ہے اس کے مقدر میں ایمان کی ہدایت نہیں ہے لیکن جب آپ کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو پھر اس سے اظہار بیزاری کیا۔ اللہ نے فرمایا وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ابراہیم نے اپنے باپ کے لئے دعاء مغفرت صرف اس وعدہ کی وجہ سے کی تھی جو اس نے باپ سے کر لیا تھا لیکن جب ابراہیم پر واضح ہو گیا کہ اس کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گیا۔ یا یوں کہا جائے کہ جب حضرت ابراہیم نے باپ کے لئے دعاء مغفرت کی تھی اس وقت تک کافروں کے لئے دعا مغفرت کی ممانعت نہیں ہوئی تھی۔

وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ﴿۸۷﴾ اور جس روز لوگ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے اس روز مجھے رسوانہ کرنا یا ذلیل نہ کرنا اول ترجمہ پر لا تخزنی کا مصدر خزایۃ ہوگا اور دوسرے ترجمہ پر خزی۔

شیخین نے صحیحین میں خود حضرت ابن عمر کا بیان نقل کیا ہے آپ نے فرمایا مجھ سے دریافت کیا گیا کہ (قیامت کے دن اللہ جو بعض بندوں سے کچھ چپکے چپکے فرمائے گا جس کی دوسروں کو اطلاع نہ ہوگی اس) سرگوشی کے متعلق آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا سنا ہے۔ میں نے کہا رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ تم میں سے بعض لوگ اپنے رب کے قریب ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ وہ ان پر اپنا پردہ ڈال دے گا اور فرمائے گا کیا تو نے ایسا ایسا کیا تھا بندہ عرض کرے گا جی ہاں جی ہاں اللہ فرمائے گا میں نے دنیا میں تیرے اس عمل پر پردہ ڈالے رکھا تھا اور آج معاف کرتا ہوں پھر اس کی نیکیوں کی تحریر سیدھے ہاتھ میں دے دی

Marfat.com

جائے گی البتہ کافروں اور منافقوں کو سب کے سامنے علی الاعلان پکارا جائے گا۔ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر دروغ تراشی کی تھی۔ آگاہ ہو جاؤ کہ ان ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾ اس دن جب کہ (نجات کے لئے) نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد ہاں (اس کی نجات ہوگی) جو اللہ کے پاس کفر و شرک سے پاک دل سے کر آئے گا۔

سلیم سے مراد شرک اور شک سے پاک دل ہے گناہوں سے پاک ہونا مراد نہیں ہے کیونکہ کوئی شخص بھی (لغزش یا چھوٹے بڑے ہر قسم کے) گناہ سے پاک نہیں ہے بغوی نے لکھا ہے یہی قول اکثر اہل تفسیر کا ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا سلیم (تندرست، صحت مند) دل مومن کا ہے اور بیمار دل کافر اور منافق کا (اس قول پر آیت میں ہر مومن مراد ہوگا) ابو عثمان نیشاپوری نے کہا سلیم (سالم خالی) دل اس کا ہے جو ہر بدعت سے خالی ہو اور سنت پر قائم ہو یعنی آیت میں اہل السنت والجماعت مراد ہیں۔

آیت کا تفسیری مطلب یہ ہے کہ اس روز مال اور اولاد کسی کو فائدہ نہیں پہنچے گی۔ ہاں مومن کو فائدہ پہنچے گی۔ اس صورت میں مستثنیٰ مفرغ ہوگا یا یہ مطلب ہے کہ کسی کا مال و اولاد مفید نہ ہوگی ہاں مومن کا مال اور اولاد کام آئے گا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ کافر خواہ اپنے قرابت داروں کے لئے کتنا ہی مال صرف کر دے اور کتنے ہی مسکینوں کو کھانا کھلائے کچھ بھی اس کے کام نہ آئے گا۔ نہ اولاد اس کے کام آئے گی خواہ اس کی اولاد صلحاء اور انبیاء ہی ہوں مگر کافر کی کوئی شفاعت نہیں کرے گا نہ اس کے لئے معافی کا طلب گار ہوگا اللہ نے فرمایا ہے۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى نہ نبی کے لئے جائز ہے نہ (دوسرے) مسلمانوں کے لئے کہ وہ مشرکوں کے لئے دعاء مغفرت کریں خواہ وہ مشرک ان کے قرابتدار ہی ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ابراہیم اپنے باپ آذر کو اس حالت میں پائیں گے کہ اس کا چہرہ بدرونق غبار آلود ہوگا۔ آپ اس سے فرمائیں گے کہ کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ میرے قول کے خلاف نہ چل۔ باپ کہے گا آج میں تمہاری نافرمانی نہیں کروں گا۔ ابراہیم (دعا کریں گے اور) عرض کریں گے اے میرے رب تو نے وعدہ کیا تھا کہ قیامت کے دن مجھے رسوا نہیں کرے گا۔ میرے باپ کی انتہائی رسوائی سے بڑھ کر اور کون سی (میری) رسوائی ہوگی۔ اللہ فرمائے گا میں نے جنت کافروں کے لئے حرام کر دی ہے پھر حکم ہوگا ابراہیم اپنے دونوں قدموں کے نیچے دیکھو۔ حضرت ابراہیم (اپنے قدموں کی طرف) دیکھیں گے تو بڑے بڑے بالوں کا ایک بجو دکھائی دے گا جو (گندگی میں لتھڑا ہوا ہوگا) پھر اس کی ٹانگیں پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا اور ابراہیم اس روز اس سے بیزاری کا اظہار کریں گے مومن نے جو مال اطاعت خداوندی میں خرچ کیا ہوگا اس سے قیامت کے دن اس کو فائدہ پہنچے گا۔ اسی طرح اس کی اولاد بھی شفاعت و استغفار کر کے اس کو فائدہ پہنچائے گی۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾ اور قریب کر دی جائے گی جنت متقیوں کے۔ یعنی موقف سے وہ جنت کو دیکھ لیں گے اور اپنے حشر سے خوش ہوں گے۔

وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾ اور ظاہر کر دی جائے گی دوزخ کج راہوں کے لئے۔ وہ اپنے سامنے دوزخ کو کھلا ہوا دیکھیں گے اور سمجھ جائیں گے کہ ہم کو ہنکا کر اس کے اندر لے جایا جائے گا بیضاوی نے کہا ہے دونوں آیتوں میں الفاظ کا اختلاف ہے (اول آیت میں ازلفت اور دوسری آیت میں برزت ہے) اس میں وعدہ کے پہلو کو ترجیح ہے۔

وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور ان سے کہا جائے گا کہ اللہ کے سوا تم جن کی پوجا کرتے تھے (اور جن کی شفاعت کے امیدوار تھے آج) وہ کہاں ہیں۔

هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ کیا (آج) وہ تمہاری مدد کریں گے اور اللہ کے عذاب سے تم کو بچالیں گے۔ استفہام

Marfat.com

انکاری اور توبیخی ہے (یعنی عذاب سے بچا نہیں سکتے)۔
اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٩٣﴾ یا خود محفوظ ہو سکتے ہیں۔ اپنے اوپر سے عذاب کو دفع کر سکتے ہیں (یعنی ایسا بھی نہیں کر سکتے) بلکہ وہ کافر اور اللہ کے سوا جن کی وہ پوجا کرتے تھے سب کے سب جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا پھر اوندھے منہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس نے کبکبوا کا ترجمہ کیا دوزخ میں ان کو اکٹھا کر دیا جائے گا۔ مجاہد نے ترجمہ کیا اوندھے منہ گرا دیا جائے گا۔ مقاتل نے کہا پھینک دیا جائے گا زجاج نے کہا ایک کو دوسرے پر ڈال دیا جائے گا قتیبی نے کہا سر کے بل ڈال دیئے جائیں گے قاموس میں ہے کبہ اس کو الٹ دیا جیسے اکب اور کبکبہ فاکب اس کو الٹ دیا پھر وہ الٹ گیا اس مثال میں اکب لازم ہے یعنی کب اور کبکب کا ایک معنی ہے بیضاوی نے کہا کبکب میں کاف کی تکرار تکرار معنی کے لئے ہے گویا مطلب یہ ہو گا کہ جس کو آگے میں ڈال دیا جائے گا وہ لڑھکتا ہوا تہ میں پہنچ جائے گا۔

هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿٩٤﴾ ان (باطل معبودوں) کو بھی اور گمراہوں (کافروں) کو بھی یعنی پجاریوں کو بھی۔

وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿٩٥﴾ اور ابلیس کے سارے جتھوں کو یعنی جنات اور انسانوں میں سے اس کے تمام متبعین کو بعض کے نزدیک جنود ابلیس سے مراد ہے۔ ابلیس کی ذریت (نسل)

قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٩٦﴾ دوزخ کے اندر وہ جھگڑتے ہوئے کہیں گے ہم کو ضمیر پجاریوں اور بتوں سب کی طرف لوٹ رہی ہے اللہ بتوں کو بھی اس وقت گویا بنا دے گا اور وہ اپنے پجاریوں سے جھگڑیں گے (اور قالوا کا فاعل صرف پجاری ہیں یعنی جھگڑیں گے تو سب مگر اس قول کے قائل صرف پجاری ہوں گے۔ مترجم)

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٩٧﴾ خدا کی قسم ہم کھلی گمراہی میں تھے۔ ان ان کا مخفف ہے۔ اور جملہ مقولہ ہے۔

اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٨﴾ جب کہ (اے باطل معبودو) ہم تم کو (عبادت میں) رب العالمین کے برابر قرار دیتے تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم ضمیر قالوا کی ضمیر کی طرح صرف پجاریوں کی طرف راجع ہو کیونکہ بتوں میں جھگڑنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے (بت بے جان ہیں بولنے کی ان میں اہلیت نہیں ہے) لیکن جب بت بے جان ہوں گے تو ان کو خطاب کرنے کا فائدہ سوائے اپنے افسوس و حسرت کے اظہار اور ندامت کے اور کچھ نہ ہو گا۔ خلاصہ یہ کہ ان کافروں کا جھگڑا ان بتوں سے ہو گا جو مبدء ضلالت تھے اور وہ خود اپنی گمراہی کا اقرار کریں گے اور اظہار حسرت کریں گے۔

وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٩٩﴾ اور ہم کو تو بس مجرموں نے گمراہ کیا۔ مقاتل نے کہا المجرمون سے مراد ہیں شیاطین۔ کلبی نے کہا گمراہ اسلاف مراد ہیں جن کی تقلید ان کافروں نے کی تھی۔

فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿١٠٠﴾ اب ہمارا کوئی سفارشی نہیں ہے۔ یعنی مومنوں کے سفارشی تو انبیاء ملائکہ اور نیک مومن ہیں۔ ہمارا کوئی سفارشی نہیں۔

وَلَا صَدِيْقٍ اور نہ کوئی سچا دوست ہے۔

شافعین کو جمع اور صدیق کو مفرد ذکر کرنے کی چند وجوہ ہو سکتی ہیں۔ (۱) عام طور پر سفارشی تو بہت ہو جاتے ہیں اور سچا دوست کم ہی ملتا ہے۔ (۲) جتنی کوشش متعدد سفارشی کرتے ہیں ان سب سے زیادہ لگن کے ساتھ ایک دوست کوشش کرتا ہے۔ (۳) صدیق کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور جمع پر بھی کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ وزن فعول و فعیل کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور متعدد پر بھی (۴) صدیق اصل میں حنین اور صہیل کی طرح مصدر ہے (بطور صفت استعمال کر لیا گیا ہے اور مصدر میں واحد کا کوئی امتیاز نہیں ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ مصادر کی جمع نہیں آتی۔ مترجم)۔

حَمِيْمٍ ﴿١٠١﴾ قریب قاموس میں ہے حمیم بروزن امیر بمعنی قریب۔ اس کی جمع احماء ہے کبھی حمیم کا استعمال جمع اور

Marfat.com

مؤنث کے لئے بھی ہوتا ہے کافروں کے کلام کا مطلب یہ ہوگا کہ آج نہ ہمارا کوئی سچا دوست ہے نہ قرابتدار جو ہماری سفارش کردے۔ اللہ نے فرمایا ہے۔ اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ اس روز گہرے دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے ہاں متقی (باہم دشمن نہ ہوں گے) بغوی نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا کہ۔
حضرت جابر نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ آدمی جنت کے اندر کہے گا میرا فلاں دوست کیا ہوا (کہاں گیا) اس وقت اس جنتی کا دوست جہنم میں ہوگا اللہ حکم دے گا اس کے دوست کو دوزخ سے نکال کر جنت میں لے جاؤ اس کے بعد جو لوگ دوزخ میں رہ جائیں گے وہ کہیں گے فَمَا لَنَا مِنۡ شَافِعِیۡنَ وَلَا صَدِیۡقٍ حَمِیۡمٍ حسن نے فرمایا اپنے مومن دوستوں کی تعداد زیادہ کرو کیونکہ قیامت کے دن وہ شفاعت کریں گے۔

فَلَوۡ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۝ پس کاش ہم کو ایک بار (دنیا میں) لوٹا دیا جاتا تو ہم (بھی) مومنوں (کے گروہ) میں سے ہو جاتے۔

اس آیت میں لو بمعنی لیت (کاش) کے ہے۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ اس (یعنی ابراہیمؑ کے قصہ) میں بلاشبہ عظیم الشان نشانی (کھلی ہوئی دلیل) ہے۔
جو شخص بصیرت اندوز نظر رکھتا ہے اور درس عبرت حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے حضرت ابراہیمؑ کے قصہ میں (توحید، الوہیت و ربوبیت کی) واضح دلیل موجود ہے قصہ کو بیان کرنے میں کیسی عمدہ بے ترتیب کلام اور کتنا حسین ہے اسلوب تقریر۔ کلام اور اسلوب تقریر۔ اصول علوم دینیہ کی طرف کیسے لطیف اشارات ہیں اور ان اشارات کے اندر کتنا علمی خزانہ مخفی ہے حضرت ابراہیمؑ نے قوم کو کیسی خوبصورتی کے ساتھ دعوت دی۔ مخالفت بھی کی تو کتنی خوبصورتی کے ساتھ۔ حضرت ابراہیمؑ اپنی قوم پر کس قدر مہربان تھے۔ بیان قرآنی میں اس کی کیسی اعلیٰ تصویر پیش کی ہے اور نفس واقعہ کی کیسی تصویر کشی کی ہے وعدہ وعید کو بھی بطور نقل بیان کیا ہے لیکن درپردہ تاکہ سننے والے گوش قبول سے اس کو سنیں اور نفرت نہ کریں پھر اس بیان میں رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی بھی واضح دلیل اور کھلا ہوا ثبوت موجود ہے (کہ آپ باوجود امی ہونے کے ہزاروں سال پرانا واقعہ کس قدر خوبصورتی اور صداقت کے ساتھ بیان کر رہے ہیں اگر یہ خداتعالیٰ کی طرف سے بیان کردہ نہیں ہے تو اور کیا ہے)۔

وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۝ اور ان کی (قوم) میں سے اکثر آدمی (ان پر) ایمان لانے والے نہیں تھے۔
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ۝ اور حقیقت یہی ہے کہ آپ کا رب ہی غالب (اور) مہربان کریم ہے ع ۵ ۹
یعنی انتقام پر قادر ہے مگر اس نے اپنی رحمت سے کافروں کو ڈھیل دی تاکہ وہ ان کی اولاد میں سے کوئی ایمان لے آئے اور اسی نے اپنی رحمت سے اہل ایمان کو اپنی نعمتوں سے سرفراز کیا۔

كَذَّبَتۡ قَوۡمُ نُوۡحِ ۣ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۝ قوم نوح نے پیغمبروں کو جھوٹا قرار دیا۔ قوم مؤنث ہے اسی لئے تصغیر کی صورت میں (تاء تانیث کا اظہار کر دیا جاتا ہے اور) قویمہ کہا جاتا ہے المرسلین اگرچہ جمع کا صیغہ ہے مگر اس سے مراد جنس مرسل ہے جیسے عربی محاورہ ہے فلان یرکب الخیل فلاں شخص گھوڑوں پر سوار ہوتا ہے خواہ وہ ایک ہی گھوڑے پر سوار ہوتا ہو تب بھی یرکب الخیل کہا جاتا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قوم نوح سارے پیغمبروں کا (یعنی نفس رسالت کا) ہی انکار کرتی ہو بعض روایات میں آیا ہے کہ حسن بصری سے دریافت کیا گیا ابو سعید یہ تو بتائیے کہ اللہ نے كَذَّبَتۡ قَوۡمُ نُوۡحِ ۣ الۡمُرۡسَلِیۡنَ، كَذَّبَتۡ عَادُ ۣ الۡمُرۡسَلِیۡنَ۔ كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ فرمایا ہے باوجودیکہ ان میں سے ہر قوم نے صرف اپنے ہی ایک پیغمبر کی تکذیب کی کیونکہ ان کی ہدایت کے لئے ایک ہی پیغمبر کو بھیجا گیا تھا۔ حسن بصری نے فرمایا ہر دوسرا پیغمبر انہی (عقائد و اعمال) کی تعلیم لے کر آیا جس کے لئے پہلا پیغمبر آیا اور جب انہوں نے ایک پیغمبر کی تکذیب کی تو حقیقت میں سب کی تکذیب کی۔

اِذۡ قَالَ لَهُمۡ اَخُوۡهُمۡ نُوۡحٌ جب ان کے بھائی نوح نے ان سے کہا۔ بھائی سے مراد ہے نسبی بھائی۔

Marfat.com

دینی بھائی مراد نہیں ہے۔

اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ کیا تم (اللہ سے) نہیں ڈرتے کہ دوسروں کی پوجا چھوڑ دو۔

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۰۷﴾ میں بلاشبہ تمہاری ہدایت کے لئے امانتدار پیغمبر ہوں۔ یعنی اللہ کا قاصد ہوں اور جو وحی اللہ کی طرف سے میرے پاس آتی ہے اس کا امانتدار ہوں اور تم لوگوں میں بھی میری امانت داری اور سچائی مشہور ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ پس اللہ سے ڈرو یعنی اس کے عذاب سے بچو۔

وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اور میرا کہا مانو یعنی توحید خدا اور صرف اللہ کی عبادت کرنے کا جو میں تم کو حکم دے رہا ہوں اس کو مانو۔

وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اور میں اس (دعوت و نصیحت) کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ کہ تم مجھ پر طلب زر کی کوئی تہمت رکھ سکو۔

اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ میرا ثواب تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے تم اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔

تکرار آیت تاکید کے لئے ہے اس تکرار سے یہ بات ظاہر کرنا بھی ہے کہ امانت دار ہونے کا تقاضا ہے کہ نوح کی بات مانی جائے اور ان کی دعوت قبول کی جائے نیز طلب گار اجرت نہ ہونا اور روپیہ کا لالچ نہ ہونا بھی موجب اطاعت ہے۔ ان دونوں اوصاف میں سے ہر وصف مستقل طور پر موجب اطاعت ہے اور حضرت نوح کے اندر تو دونوں اوصاف موجود تھے اس لئے آپ کی اطاعت کا وجوب بدرجۂ اولیٰ ہو رہا ہے۔

قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ کہنے لگے کیا ایسی صورت میں ہم تم پر ایمان لا سکتے ہیں جب کہ کمینے لوگ تمہارے متبع ہیں۔

ارذل (بروزن اعور) کی جمع سالم ارذلون ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے ارذل کمینہ۔ کم عزت بیضاوی نے لکھا ہے جس کی عزت کم ہو اور مال بھی کم ہو وہ ارذل ہے۔ بغوی نے ترجمہ کیا ہے نچلے طبقہ والے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا سنار۔ عکرمہ نے کہا کپڑا بننے والے اور موچی۔ قوم نوح کے یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ وہ بہت سخیف العقل احمق تھے ان کے پیش نظر صرف حقیر متاع دنیا تھا وہ نادار مومنوں کے متعلق یہی رائے رکھتے تھے کہ صرف مال لالچ اور کچھ لونچا اٹھنے کے لئے وہ ایمان لائے ہیں۔ غور و خوض اور فکر و بصیرت کے بعد مسلمان نہیں ہوئے ان لوگوں کا تمہاری دعوت قبول کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ تمہاری دعوت و نصیحت غلط اور باطل ہے ایسے کمینوں کے ساتھ ہم کیسے ایمان لا سکتے ہیں۔

قَالَ وَمَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ نوح نے کہا مجھے کیا معلوم کہ وہ کس غرض سے (میری نصیحت کے مطابق) عمل کرتے ہیں یعنی میں نہیں جانتا کہ ان کی طرف سے میری اتباع کرنا کس وجہ سے ہے خالص اللہ کے لئے ہے یا دنیاوی لالچ کے لئے۔ میرا ذمہ تو صرف ظاہر کا اعتبار کرنا ہے۔

اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ (رہی ان کے باطن کی حالت تو) ان کی حساب فہمی کا اللہ ذمہ دار ہے وہی باطن احوال سے واقف ہے۔

لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ اگر تم کو شعور ہوتا (تو اس بات کو سمجھ جاتے) مگر اللہ نے تو تمہارے حواس اور اک حق سے معطل کر دیئے ہیں تمہار انور بصیرت نابینا ہو گیا۔

فراء نے یہ مطلب بیان کیا اگر تم ذی علم ہوتے تو پیشوں کی وجہ سے ان کو ذلیل نہ سمجھتے۔ زجاج نے کہا پیشوں سے دینداری کو ضرر نہیں پہنچتا۔

وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ اور میں تو مومنوں کو (اپنے پاس سے) نکالنے والا نہیں

Marfat.com

کافروں کے قول سے یہ امر مترشح ہوتا تھا کہ وہ غریب مسلمانوں کو نوح کے پاس سے نکلوانے کے خواستگار ہیں اس کے جواب میں حضرت نوح نے یہ جملہ فرمایا:

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۵﴾ میں تو صرف واضح طور پر (اللہ کی نافرمانی اور عذاب سے) ڈرانے والا ہوں۔ یہ کلام گویا غریب مسلمانوں کو اپنے پاس سے نہ نکالنے کی علت کی طرح ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مجھے تو سب لوگوں کو۔ خواہ عزت والے ہوں یا رذیل نچلے طبقہ والے۔ کفر و معصیت سے منع کرنے عذاب خدا سے ڈرانے اور اللہ کی طرف بلانے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ دولت مندوں کو ساتھ لینے کے لئے غریبوں کو اپنے پاس سے ہنکا دینا میرے لئے کس طرح جائز ہو سکتا ہے میرا فریضہ تو سب کو کھول کر ڈرانا ہے۔ ضحاک نے مبین کی تشریح میں کہا واضح دلیل کے ساتھ میں عذاب خدا سے ڈرانے والا ہوں تم لوگوں کو راضی کرنے کے لئے غریبوں کو نکال دینا میرے لئے جائز نہیں۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ قوم والوں نے کہا نوح اگر تو (اپنے قول سے) باز نہ آیا تو ہم تجھے سنگسار کر دیں گے (مقاتل و کلبی) ضحاک نے مرجومین کا ترجمہ کیا ہے مشتومین یعنی ہم تجھے گالیاں دیں گے۔

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

نوح نے کہا اے میرے رب میری قوم نے مجھے جھوٹا قرار دیا اب میرا اور ان کا قطعی (اور آخری) فیصلہ کر دے اور مجھے اور میرے ساتھی مومنوں کو (ان کے ارادوں سے یا ان کی بداعمالی کی نحوست سے) بچالے۔ حضرت نوح نے یہ دعا کافروں کے خلاف اس لئے کی کہ انہوں نے تکذیب حق کی تھی اس وجہ سے نہیں کی تھی کہ کافروں نے آپ کو ڈرایا دھمکایا تھا آپ کی بے عزتی کی تھی۔ یعنی آپ نے بددعا کا سبب ظاہر کر دیا کہ تکذیب حق کی وجہ سے میں کافروں کے خلاف دعا کر رہا ہوں۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ پھر ہم نے نوح کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں تھے بچالیا اس کے بعد جتنے باقی رہ گئے ان کو ڈبو دیا۔ کشتی سے باہر رہ جانے والے سب کافر تھے اس لئے الباقین سے مراد ہیں سب کافر۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ بے شک اس قصہ میں عظیم الشان نشانی ہے (جو دنیا میں بطور تواتر مشہور ہے)

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اور قوم نوح میں اکثر مومن نہیں تھے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۲﴾ اور آپ کا رب یقیناً غالب اور بڑا مہربان ہے۔ ع ۶/۱۰

كَذَّبَتْ عَادُ ِالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ (قوم) عاد نے پیغمبروں کو جھوٹا مانا۔ عاد، قوم عاد کے مورث اعلیٰ کا نام تھا لیکن اس جگہ قبیلہ مراد ہے اس لئے کذبت مؤنث کا صیغہ ذکر کیا۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ جب ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا بھائی سے مراد ہے نسبی (اور قومی) بھائی دینی بھائی مراد نہیں ہے۔

اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ کیا تم (اللہ کے عذاب سے) نہیں ڈرتے۔ کہ اس کی توحید کا اقرار کرو اور شرک کو چھوڑ دو۔

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۲۵﴾ میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں یعنی اس رسالت میں خائن نہیں ہوں (اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا) کلبی نے کہا میں رسالت کے دعویٰ سے پہلے بھی تم لوگوں میں امانت دار سچا مانا جاتا تھا مجھے تم جھوٹا نہیں جانتے تھے پھر اب کیوں تم دروغ گوئی کی تہمت مجھ پر رکھتے ہو۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

پس اللہ سے ڈرو اور میرے کہے پر چلو میں تم سے اس (تبلیغ و ہدایت) کا کوئی

Marfat.com

معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا ثواب تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔

ادائے رسالت اللہ کی طاعت ہے اس لئے اس کا ثواب بھی اللہ ہی کے ذمہ ہے **مسئلہ** طاعت کی اجرت لینا جائز نہیں ورنہ وہ طاعت اللہ کی طاعت نہ ہوگی اور اللہ کے نزدیک مستحق اجر نہ ہوگی۔

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ کیا تم ہر اونچے مقام پر یادگار کے طور پر ایک عمارت بناتے ہو جس کو محض فضول (بلا ضرورت) بناتے ہو اور بڑے بڑے محل تعمیر کرتے ہو۔

استفہام، زجری یا تقریری ہے۔ کل ریع میں استغراق حقیقی نہیں (کیونکہ ہر اونچی جگہ میں قوم عاد نہ قصر بناتی تھی نہ ایسا ممکن تھا) اور کثرت اضافی بھی مراد نہیں ہے (کیونکہ یہ بھی خلاف واقعہ ہے) بلکہ فی نفسہ کثرت مراد ہے یعنی بہت سے مقامات میں تم یادگاریں تعمیر کرتے ہو۔ والبی نے کہا کہ حضرت ابن عباس نے ریع کا ترجمہ کیا اونچا مقام، بلند جگہ، ضحاک اور مقاتل نے ترجمہ کیا ہر راستہ میں۔ عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول آیا ہے۔ مجاہد نے کہا دو پہاڑوں کے درمیان کا راستہ۔ مجاہد کا دوسرا قول مروی ہے کہ ریع کا معنی ہے منظر۔ قاموس میں ہے ریع کسرہ اور فتحہ کے ساتھ زمین کا اونچا حصہ۔ یا پہاڑ کے اندر شگافی راستہ یا اونچا پہاڑ یا ہر اونچے مقام کی وادی کی سیلان گاہ۔ ریع بالکسر یہودیوں کا گرجا، خانقاہ اور کبوتروں کا برج۔

آیت یعنی یادگار۔ بانی کو یاد دلانے والی عمارت۔

تعبثون یعنی فضول کام کرتے ہو آخرت میں ان کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ دنیا میں بھی بیکار ہیں۔

یا آیت سے مراد ہے مسافروں کے لئے بنائے جانے والے نشان چونکہ قوم عاد والے ستاروں کو دیکھ کر اپنی سفری راہیں پہچان لیتے تھے اس لئے فرمایا کہ تم یہ بیکار کام کرتے ہو۔

بعض اہل تفسیر نے کہا عاد کی قوم والے اونچے مقامات پر عمارتیں بناتے تھے تاکہ اوپر چڑھ کر آنے جانے والے راہ گیروں کو دیکھیں اور ان سے ہنسی مذاق کریں۔

سعید بن جبیر نے کہا قوم عاد والے کبوتر بازی کرتے تھے کبوتروں کے لئے انہوں نے برج بنا رکھے تھے حضرت ہود نے ان کے اس فعل کو پسند نہیں کیا اور ان برجوں کے بنانے کو لغو قرار دیا اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں تعبثون آیا ہے یعنی تم لوگ ان سے کھیلتے ہو۔

میں کہتا ہوں کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ یادگار قائم رکھنے کے لئے محلات، اونچی عمارتیں اور قلعے تعمیر کرتے تھے دنیا پرستوں کا شیوہ ہی یہی ہے اس کی غرض یہ ہوتی تھی کہ ہمیشہ ان عمارتوں کو بنانے والوں کی یادگار باقی رہے۔ انہی کے متعلق اللہ نے فرمایا أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے رب نے بڑی بڑی لاٹیں بنانے والی عاد ارم کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ چونکہ یہ عمل فضول اور بے نتیجہ تھا اس لئے حضرت ہود نے اس کو پسند نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی یہ تعمیری عمل پسند نہیں تھا اسی لئے حضور اقدس نے ارشاد فرمایا جب اللہ کسی بندہ کی برائی چاہتا ہے تو پکی اینٹوں اور گارے میں اس کی ہمت کو محصور کر دیتا ہے کہ وہ عمارتیں بنانے لگتا ہے رواہ الطبرانی بسند جید من حدیث جابر طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابو البشر انصاری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ جب کسی بندہ کی ذلت چاہتا ہے تو وہ بندہ اپنا مال عمارت بنانے میں خرچ کرتا ہے۔ حضرت واثلہ بن اسقع کی روایت سے طبرانی نے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہر عمارت اپنے مالک کے لئے وبال ہے سوائے اس کے جو ایسی ہو حضور ﷺ نے یہ فرماتے وقت اپنی ہتھیلی سے اشارہ کیا تھا۔

حضرت انس راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ باہر نکلے (یعنی بازار کو گئے) ایک گول اونچے گنبد نما مکان کو دیکھ کر فرمایا یہ کیا ہے صحابہ نے عرض کیا یہ فلاں انصاری کا ہے حضور خاموش ہوگئے مگر یہ بات اپنے دل میں لئے رہے جب اس کا مالک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس وقت لوگوں کے مجمع میں تشریف فرما تھے اس شخص نے سلام کیا آپ نے منہ پھیر لیا ایسا کئی مرتبہ ہوا تو وہ شخص سمجھ گیا کہ حضور ﷺ مجھ سے ناراض ہیں اس لئے بے رخی برت رہے ہیں (لیکن ناراضگی کی

Marfat.com

وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آئی) صحابہ سے پوچھا رسول اللہ ﷺ کا رخ مجھے غیر غیر دکھائی دیتا ہے کیا وجہ ہے صحابہ نے کہا باہر تشریف لے گئے تھے اور تمہارے بنائے ہوئے گنبد کو دیکھا تھا یہ سنتے ہی وہ شخص فوراً لوٹ پڑا اور جا کر گنبد کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ایک روز پھر باہر تشریف لے گئے اور گنبد دکھائی نہ دیا تو فرمایا وہ گنبد کیا ہوا اصحابہ نے عرض کیا اسکے مالک نے حضور ﷺ کی بے رخی کا ہم سے شکوہ کیا تھا ہم نے اس کو بات بتادی اس نے جا کر گنبد کو ڈھا دیا۔ فرمایا سنو ہر عمارت اپنے مالک کے لئے وبال ہوگی سوائے اس کے جو ضروری ہو جس کے بغیر چارہ نہ ہو۔

امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر عمارت قیامت کے دن اپنے مالک کے لئے وبال ہوگی سوائے مسجد اور (سکونت) کے گھر کے۔

مصانع حوض، تالاب، مضبوط اونچے محل، قلعے

لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے۔ مضبوط عمارتیں بناتے ہو۔

مسئلہ :۔ لمبی لمبی آرزوئیں کرنی مکروہ ہے آرزو کی کمی مستحب ہے حضرت ابن عمر کا بیان ہے ایک بار رسول اللہ ﷺ نے میرے جسم کے کسی حصہ کو پکڑ کر فرمایا دنیا میں اس طرح رہنا جیسے تو پردیسی ہے، یا راہ گیر ہے اور اپنے آپ کو مردوں کی فہرست میں شمار کرنا۔ رواہ البخاری۔

یہ بھی حضرت عمر کی روایت ہے کہ ایک بار ہماری طرف رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا میں اور میری ماں کچھ مٹی سے کر رہے تھے (یعنی مٹی کی لسائی یا لپائی کر رہے تھے) فرمایا عبداللہ یہ کیا ہے میں نے کہا ہم کچھ درستی (مرمت) کر رہے ہیں فرمایا امر (یعنی تقدیری حکم) اس سے بھی پہلے پہنچنے والا ہے (یعنی موت سر پر کھڑی ہے معلوم نہیں اس کی درستی سے پہلے آجائے) رواہ احمد والترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ (بچے ہوئے) پانی کو بہا دیا کرتے تھے (آگے بڑھ کر سفر میں جب پانی کی ضرورت ہوتی اور پانی موجود نہ ہوتا تو) تیمم کر لیتے تھے میں عرض کرتا یا رسول اللہ ﷺ پانی قریب ہی ہے حضور ﷺ فرماتے مجھے کیا معلوم شاید میں پانی تک نہ پہنچ سکوں۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ وابن الجوزی فی کتاب الوفاء۔

وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اور جب کسی پر دار و گیر کرنے لگتے ہو تو بالکل جابر (اور ظالم) بن کر دار و گیر کرتے ہو۔ یعنی جب سختی کے ساتھ عذاب دینے کے لئے پکڑتے ہو۔

جبارین بغیر رحم کے ناحق قتل کرنے والے۔ قاموس میں ہے جبار، متکبر آدمی اور وہ دل جس میں رحم نہ آئے اور ناحق بہت زیادہ قتل کرنے والا۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ پس اللہ سے ڈرو (یعنی ان حرکت کو چھوڑ دو۔)

وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ اور میرا کہا مانو یعنی جس چیز کی طرف آنے کی میں تم کو دعوت دے رہا ہوں اس کو مان لو تمہارے لئے بہت زیادہ فائدہ رساں ہے۔

وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اور ڈرو اس سے جس نے تم کو وہ نعمتیں بطور امداد عطا فرمائیں جن سے تم واقف ہو۔

اس آیت میں دوبارہ تقویٰ کا حکم دیا اور جو خدا داد نعمتیں ان کو معلوم تھیں ان کی عطاء کو حکم تقویٰ کی علت قرار دیا اور اس بات پر تنبیہ بھی کی کہ اگر تقویٰ رکھو گے تو امداد ہمیشہ جاری رہے گی اور تقویٰ چھوڑ دو گے تو امداد بھی منقطع کر دی جائے گی۔

الا تتقون میں کافروں کے جرم پر اجمالی دلالت تھی اور بما تعلمون میں خدا داد نعمتوں کا مجمل اظہار تھا اس کے بعد انعامات کی تفصیل بیان کر دی تاکہ نصیحت اندوزی اور ترغیب تقویٰ مبالغہ کے ساتھ ہو جائے چنانچہ فرمایا۔

اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اس نے چوپائے اور اولاد اور باغات اور

Marfat.com

چشمے تم کو عطا فرمائے یہ مذکورہ بالا امد کم سے بدل ہے (یعنی سابق الذکر امداد سے یہی مؤخر الذکر امداد مقصود ہے) اس کے بعد عذاب کی وعید سنائی اور فرمایا۔

اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۳۵﴾ (اگر تم میرے کہنے پر نہ چلو گے تو) مجھے یہ اندیشہ ہے کہ یوم عظیم کا عذاب تم پر آجائے گا (کذا فسرہ ابن عباس) یوم عظیم کا عذاب دنیا میں ہو یا آخرت میں کیونکہ جو خدا عطاء نعمت پر قادر ہے وہ انتقام پر بھی قادر ہے۔ یہ جملہ حکم سابق کی علت کو ظاہر کر رہا ہے۔

قَالُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡنَاۤ اَوَعَظۡتَ اَمۡ لَمۡ تَکُنۡ مِّنَ الۡوٰعِظِیۡنَ ﴿۱۳۶﴾ قوم ہود نے (جواب میں) کہا ہمارے لئے (دونوں) برابر ہیں تم نصیحت کرو یا نہ کرو۔ یعنی تمہارے وعظ کی وجہ سے اپنے طریقہ کو جس پر ہم چل رہے ہیں ترک نہیں کریں گے۔ وعظ اس کلام کو کہتے ہیں جو وعدو وعید (ترغیب و ترہیب) کے ذکر کی وجہ سے دلوں میں نرمی پیدا کر دے۔ (یعنی وعظ کے اندر ترغیب و ترہیب ضروری ہے تاکہ دلوں کی سختی دور ہو)۔

اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا خُلُقُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۳۷﴾ یہ تو پہلے لوگوں کی عادت ہی ہے (کہ وہ اسی طرح کی جھوٹی باتیں بنایا کرتے تھے) یا یہ مطلب ہے کہ ہمارا جو مذہب اور دین ہے یہی دین ہمارے اسلاف کا تھا اور ہم ان کے پیرو ہیں یا یہ مطلب ہے کہ زندگی اور موت کی یہ رفتار پہلے زمانے سے یوں ہی چلی آئی ہے سب لوگ پیدا ہوتے اور مرتے رہے ہیں۔

کسائی۔ ابو جعفر اور ابو عمرو کی قرأت میں لفظ خلق کی بجائے خلق بسکون لام آیا ہے اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ تم ہم کو جو وعظ نصیحت کر رہے ہو یہ تو پہلے لوگوں کی من گھڑت اور دروغ بافی ہے۔ اور خلق کا معنی ہے خود کسی بات کو گھڑنا۔ آیت میں آیا ہے وتخلقون افکا تم خود جھوٹ گھڑتے ہو یا یہ مطلب ہے کہ پہلے لوگوں سے یہ طریقہ چلا آیا ہے وہ پیدا ہوتے اور مرتے رہے ہیں ہم بھی پیدا ہوتے اور مرتے ہیں۔ نہ وہ مر کر اٹھے نہ ان کا حساب ہوا نہ ہم مر کر دوبارہ اٹھیں گے۔ نہ ہمارے اعمال کا حساب ہوگا۔

وَ مَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِیۡنَ ﴿۱۳۸﴾ اور (جس طریقہ پر ہم چل رہے ہیں اس پر) ہم کو عذاب نہیں ہوگا۔

فَکَذَّبُوۡہُ فَاَہۡلَکۡنٰہُمۡ غرض قوم ہود نے ہود کو جھٹلایا ان کی بات صحیح نہ مانا آخر ہم نے ان کو (تیز آندھی بھیج) کر ہلاک کر دیا۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَ مَا کَانَ اَکۡثَرُہُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۳۹﴾ اس قصہ میں (اللہ کی قدرت اور نبی کی صداقت کی) بڑی دلیل ہے اور ان میں سے اکثر لوگ مومن نہ تھے۔

اس آخری جملہ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگر قوم عاد کا بیشتر یا نصف حصہ مومن ہو جاتا تو ان پر عذاب نہ آتا اور قریش جو ایسے عذاب سے محفوظ ہیں وہ مومنوں کی برکت سے ہے۔ اللہ نے فرمایا وَلَوۡلَا رِجَالٌ مُّؤۡمِنُوۡنَ وَنِسَآءٌ مُّؤۡمِنٰتٌ لَعَذَّبۡنَا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا اگر مومن مرد اور مومن عورتیں نہ ہوتیں تو ہم ان کافروں کو دردناک عذاب یقیناً دیتے۔

وَ اِنَّ رَبَّکَ لَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۴۰﴾ اور بلاشبہ آپ کا رب ہی غالب اور بڑا مہربان ہے۔ ع ۸ / ۷ / ۱۱

کَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۴۱﴾ۚۖ اِذۡ قَالَ لَہُمۡ اَخُوۡہُمۡ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۴۲﴾ۚ اِنِّیۡ لَکُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ﴿۱۴۳﴾ۙ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿۱۴۴﴾ۚ وَ مَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۴۵﴾ؕ

(قوم) ثمود نے پیغمبروں کو جھوٹا بتایا جب ان کے نسبی بھائی صالح نے ان سے کہا کیا تم (اللہ کے عذاب اور گرفت سے) نہیں ڈرتے میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں سو تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو میں تم سے (اس تبلیغ و ہدایت کا) کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا میرا سارا معاوضہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

Marfat.com

اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾

کیا تم کو انہی چیزوں میں جو یہاں موجود ہیں یعنی باغات اور چشمے اور کھیتیاں اور کھجور کے درخت جن کے گچھے خوب گوندھے ہوئے ہیں یونہی بے فکری کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا۔

استفہام انکاری ہے یعنی دنیا کی ان نعمتوں میں تم کو یونہی نہیں چھوڑ دیا جائے گا یا استفہام انکاری نہیں بلکہ یاد دہانی ہے ان نعمتوں کی جو اللہ نے خالص طور پر ان کو عطا فرمائی تھیں۔

طلعہا طلع سے مراد ہیں پھل۔ ھضیم ایک روایت کے اعتبار سے حضرت ابن عباس نے اس کا ترجمہ کیا لطیف۔ اس معنی میں ہضیم الکشح یعنی لطیف الکشح آتا ہے۔ دوسری روایت ابو العالیہ کی ہے جس میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے اس کا ترجمہ مفید، پختہ کیا۔ عکرمہ نے کہا نرم حسن نے کہا لٹکتا ہوا۔ مجاہد نے کہا خوشۂ کھجور جب خشک ہو جاتا ہے تو اس کو ہشیم کہتے ہیں اور جب تروتازہ ہوتا ہے تو وہ ہضیم ہے ضحاک اور مقاتل نے کہا تہ بر تہ قطار پر چڑھی ہوئی مراد ہے کثیر اہل لغت کہتے ہیں کہ ہضیم وہ گچھا ہے جو برآمد ہونے سے پہلے اندر ہی اندر باہم چسپاں ہوتا ہے ازہری نے کہا بعض بعض کے اندر گھسا ہوا بعض نے کہا ہضیم بمعنی ہاضم ہے کھانے کو ہضم کرنے والا ہے بہرحال ان تمام معانی کا مجموعہ لفظ لطافت کے اندر ہے (اسی لئے حضرت ابن عباس نے اس کا ترجمہ لطیف کیا)

وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر اتراتے (فخر کرتے) ہوئے مکان بناتے ہو۔

فرہین یعنی پتھر تراشنے میں ماہر فرہ الرجل فراهة وہ آدمی ماہر ہو گیا۔ عکرمہ نے اس کا ترجمہ کیا خوش عیش، آرام میں۔ قتادہ نے کہا اپنی صنعت کاری پر مغرور سدی نے کہا متحیر اخفش نے ترجمہ کیا خوش۔ عرب حاء کو ہاء سے بدل دیتے ہیں جیسے مدحۃ کی جگہ مدہۃ کہنے لگتے ہیں یہ بھی کہا گیا کہ فارہین سے مراد ہے حریص ابو عبیدہ نے کہا (اپنی صنعت پر) اترانے والے۔ ممکن مراد یہ ہے کہ اس نعمت پر اترانے والے ہو۔ ممکن ہو اور غرور کی وجہ سے قبول حق سے سرتابی کرنے والے ہو۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ پس اللہ سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو۔

وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

اور ان حدود (بندگی) سے نکل جانے والوں کا کہنا مت مانو جو سرزمین میں فساد کیا کرتے ہیں اور اصلاح (کی بات) نہیں کرتے حضرت ابن عباس نے مسرفین کی تفسیر کی مشرکین۔ مقاتل نے کہا وہ نو آدمی تھے جنہوں نے اونٹنی کو قتل کیا تھا۔ [زمین میں فساد کرتے ہیں یعنی اللہ کی نافرمانیوں سے ملک میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں اور اللہ کی فرمانبرداری کر کے سنوار نہیں پیدا کرتے۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ (قوم ثمود نے) کہا تم خالص جادو زدہ لوگوں میں سے ہو۔

(یعنی تم پر جادو کر دیا گیا ہے کہ ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو) یہ ترجمہ مجاہد اور قتادہ کا ہے۔ لیکن کلبی نے بروایت ابو صالح بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے اسکا ترجمہ معللین بہلائے ہوئے عرب کہتے ہیں سحرہ اسکو کھانا پانی دے کر بہلا دیا اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تم کھانا کھاتے ہو پانی پیتے ہو فرشتے نہیں ہو بلکہ،

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ (بالکل) ہماری طرح آدمی ہو اس کے سوا کچھ نہیں ہو۔ اس لئے نبی نہیں ہو۔

فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ اگر (اپنے دعوے میں) سچے ہو تو (اپنے قول کے سچا ہونے کی) کوئی دلیل پیش کر جب قوم نے دلیل نبوت طلب کی تو حضرت ہود کی دعا سے اللہ نے پتھر کی چٹان کے اندر سے ایک اونٹنی برآمد کر دی۔

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ صالح نے (پھر قوم سے) کہا یہ ایک اونٹنی ہے (جو پتھر سے برآمد ہوئی ہے یہ میری

Marfat.com

سچائی کی نشانی ہے)

لَهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ ایک روز اس کے لئے پانی کا حصہ (مقرر) ہے اور ایک معین دن تمہارے لئے پانی کا حصہ ہے۔

پس تم لوگ اپنے حصہ پر اکتفا کرنا اور اس کے حصہ میں مداخلت نہ کرنا۔

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ اور برائی (اذیت رسانی) کے ساتھ اس کو ہاتھ نہ لگانا۔

فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ ورنہ تم کو یوم عظیم کا عذاب آپکڑے گا یعنی ایک دن عذاب عظیم میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

فَعَقَرُوْهَا پھر انہوں نے اونٹنی کو قتل کر دیا۔ چونکہ سب اونٹنی کو قتل کرنے پر راضی تھے اس لئے قتل کو نسبت سب کی طرف کر دی گئی اور اسی وجہ سے سب عذاب میں پکڑے گئے۔

فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ قتل کے بعد پشیمان ہوئے یہ پشیمانی توبہ نہ تھی بلکہ نزول عذاب کے ڈر سے تھی یا اس وقت ہوئی تھی جب عذاب آتا دیکھ لیا تھا لیکن اس وقت پشیمانی کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ آخر عذاب نے ان کو آپکڑا یعنی اس عذاب نے جس کی ان کو دھمکی دی گئی تھی۔

۸ ع ۹ ۱۲ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۚ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾

بے شک اس میں بڑی نشانی (واضح دلیل) ہے اور ان میں سے اکثر لوگ مومن نہیں تھے (اس لئے ان پر عذاب آیا) اور بلاشک و شبہ آپ کا رب ہی غالب اور بڑا مہربان ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾

قوم لوط نے پیغمبروں کو جھوٹا جانا جب ان سے ان کے بھائی نے کہا کیا تم (اللہ کے عذاب سے) نہیں ڈرتے۔ میں بلاشبہ تمہاری ہدایت کے لئے (اللہ کی طرف سے) بھیجا گیا ہوں اور فرض رسالت ادا کرنے میں) امانت دار ہوں پس تم اللہ سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو اور میں اس کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا میرا معاوضہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

(اس آیت میں بھائی سے مراد وطنی بھائی یا ساتھی ہے حضرت لوط نہ نسب میں ان لوگوں کے ساتھ شریک تھے نہ مذہب میں اس لئے نہ اخوت نسبی مراد ہے نہ دینی برادری۔ مترجم)

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ کیا تمام دنیا جہان والوں میں سے تم (یہ حرکت کرتے ہو کہ) مردوں سے فعل بد کرتے ہو یعنی سارے جہان سے ہٹ کر سب کے خلاف تم مردوں سے لواطت کرتے ہو دنیا میں کوئی مخلوق بھی اس عمل میں تمہاری شریک نہیں ہے کوئی بھی یہ حرکت نہیں کرتا اس مطلب پر عالمین سے مراد ہوگا ہر جماع کرنے والا (خواہ آدمی ہو یا کوئی اور) یا یہ مطلب ہے کہ آدمیوں میں سے تم ہی مردوں سے لواطت کرتے ہو اور کوئی آدمی ایسا نہیں کرتا اس مطلب پر العالمین سے مراد آدمی ہوں گے۔

وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ اور جو بیبیاں اللہ نے تمہارے لئے پیدا کی ہیں ان کو چھوڑے رہتے ہو اس ترجمہ پر من ازواجکم میں من بیانیہ ہوگا۔ یا یہ مطلب ہے کہ تمہاری بیبیوں کا جو مقام اللہ نے تمہارے لئے بنایا ہے تم اس کو چھوڑے رکھتے ہو (یعنی عورتوں سے صنفی مجامعت نہیں کرتے بلکہ ان سے بھی لواطت کرتے ہو) وہ لوگ عورتوں سے بھی لواطت کرتے تھے جیسے رافضی کرتے ہیں اس وقت من تبعیضیہ ہوگا یعنی تمہاری بیبیوں کا جو حصۂ جسم اللہ نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے اس کو چھوڑے رکھتے ہو۔ اس مطلب پر آیت سے عورتوں کے ساتھ لواطت کرنے

Marfat.com

کی حرکت پر استدلال کیا جاسکتا ہے بیویاں ہوں یا باندیاں۔
بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ بلکہ تم حد سے تجاوز کرنے والے ہی لوگ ہو۔ یعنی شہوت رانی میں حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرتے ہو شہوت کو پورا کرنے میں تم تمام لوگوں کی حدبندیوں سے آگے بڑھنے والے بلکہ جانوروں سے بھی اس معاملہ میں بڑھ کر ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ گناہوں میں تم حد سے بڑھے ہوئے ہو یا یہ مطلب ہے کہ اس نالائق حرکت کرنے کی وجہ سے تم اس بات کے مستحق ہو کہ تم کو حد سے تجاوز کرنے والا کہا جائے۔
قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾ کہنے لگے لوط اگر تو (اپنے دعویٰ سے اور ہم کو باز داشت کرنے سے) باز نہ آیا تو خارج کردہ لوگوں میں سے ہو جائے گا یعنی اپنی بستی سے ہم تجھے نکال دیں گے۔
قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ لوط نے کہا میں تمہارے (عمل سے سخت نفرت کرنے والا ہوں یا) عمل کا سخت دشمن ہوں قالی بغض رکھنے والا یعنی تمہارے عمل سے مجھے سخت نفرت ہے اسی لئے مجھے بستی سے نکالے جانے کی دھمکی کی پروا نہیں ہے من القالین کہنے میں قالی کہنے سے زیادہ زور ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے عمل سے نفرت کرنے والی جماعت میں میں شامل ہوں اور اس گروہ میں مشہور ہوں۔
حضرت لوط کو جب معلوم ہو گیا کہ میری نصیحت و دعوت کا ان لوگوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا (آئندہ ان کے ساتھ رہنا بیکار ہے) تو آپ نے دعا کی کہ مجھے ان سے الگ کر دیا جائے تا کہ ان پر آنے والے عذاب سے میں محفوظ رہوں۔
رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ اے میرے رب مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کے عمل (کے برے نتیجے اور عذاب) سے بچالے۔
فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ سو ہم نے لوط کو اور اس کے گھر والوں کو یعنی دین میں جو ان کے ساتھی تھی۔ سب کو بچالیا پہلے سے ہی ان کو بستی سے باہر نکال دیا اور عذاب سے محفوظ رکھا۔
اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ سوائے ایک بوڑھی عورت کے جو (عذاب اور ہلاکت میں) باقی رہ جانے والوں کے اندر شامل رہی یعنی مقرر ہو چکا تھا کہ وہ کافروں میں رہے گی یہ عورت یعنی حضرت لوط کی بیوی حضرت کے پیچھے پیچھے چلی تو تھی لیکن اپنی قوم کی طرف راغب اور ان کے عمل کو پسند کرتی تھی اس لئے ایک پتھر راستہ میں اس کے بھی لگ گیا اور وہ مر گئی بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ حضرت لوط کے ساتھ بستی سے باہر نکلی ہی نہ تھی جو لوگ بستی میں باقی تھے انہیں میں وہ بھی شامل تھی۔
ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ پھر (جب لوط اپنے ساتھیوں کو لے کر باہر نکل گئے تو) ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا۔
وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ اور ان پر (کنکریوں کی یا پتھروں کی) خوب بارش کر دی۔ وہب بن منبہ نے کہا ان پر گندھک اور آگ کی بارش کی گئی۔
فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾ یا برا مینہ تھا ان لوگوں کا جن کو عذاب سے ڈرایا گیا تھا۔
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾ ع ۹/۱٦/۱۳
اس میں بلا شبہ (اللہ کی قدرت اور پیغمبروں کی صداقت کی) دلیل ہے اور ان میں اکثر لوگ مومن نہیں تھے اور آپ کا رب بلا شبہ غالب (اور) بڑا مہربان ہے۔
كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾ بن والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا (جھوٹا قرار دیا)

Marfat.com

ایکہ درختوں کی گھنی جھاڑی۔ بن مدین کے قریب ایک گھنا جنگل تھا جس میں کچھ لوگ رہتے تھے یہ گروہ مدین والوں سے الگ تھا۔ اللہ نے حضرت شعیب کو جس طرح مدین والوں کی ہدایت پر مامور کیا تھا اسی طرح اس جنگل کے باشندوں کی ہدایت کے لئے بھی مقرر کیا تھا حضرت شعیب اہل مدین میں سے تھے اصحاب ایکہ میں سے نہیں تھے۔

إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٧٧﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٧٨﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٧٩﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٨٠﴾

جب کہ شعیب نے کہا کیا تم (اللہ کے عذاب سے) نہیں ڈرتے میں تمہارے لئے (اللہ کا) امانت دار فرستادہ ہوں اللہ سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو اور میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا میرا معاوضہ تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔ اللہ نے تمام انبیاء کی تبلیغ اور طرز تبلیغ کو ایک ہی عبارت میں نقل کیا کیونکہ سب نے ہی اللہ سے ڈرنے اس کی اطاعت کرنے اور اس کی عبادت میں شرک نہ کرنے کا حکم دیا سب ہی نے تبلیغ رسالت کا معاوضہ طلب نہ کرنے کا اظہار کیا اور سب نے ہی اپنی دعوت کا ثواب اللہ کے ذمہ قرار دیا۔ اسی لئے اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ کَمَا اَوْحَیْنَا اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ (یعنی وحی کے ذریعہ سے ہم نے جس طرح اور جو احکام نوح کو اور نوح کے بعد دوسرے انبیاء کو بھیجے تھے وہی آپ کو بھی وحی کے ذریعہ سے بھیجے مطلب یہ کہ طریق وحی سب کا ایک جیسا ہے اور جو اوامر و نواہی اجزاء وحی تھے وہ سب کے برابر تھے۔ مترجم)

دوسری آیت میں حکم دیا ہے اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ دین کو قائم کرو اور اس میں تفریق نہ کرو۔

أَوْفُوا الْكَيْلَ پورا ناپ دیا کرو (یہ تقویٰ کی تفصیل ہے)

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿١٨١﴾ اور (پیمانہ بھر دینے میں) کمی نہ کرو یعنی لوگوں کا حق دینے میں کمی نہ کرو۔

وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ﴿١٨٢﴾ اور (تول کر دینے کی چیزوں کو) صحیح ترازو سے تول کر دیا کرو۔

قسطاس کو اگر عربی لفظ قرار دیا جائے تو اس کا اشتقاق قسط سے ہوگا اور قسط کا معنی ہے عدل۔ المستقیم ٹھیک صحیح جس میں کوئی کمی نہ ہو۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ اور لوگوں کو ان کی چیزیں (ناپ تول میں) کم نہ کیا کرو۔

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ اور زمین پر فساد نہ مچاؤ یعنی لوٹ مار قتل و غارت اور رہزنی وغیرہ نہ کرو۔

مُفْسِدِينَ ﴿١٨٣﴾ دانستہ تباہی لاتے ہوئے مطلب یہ ہے کہ قصداً بگاڑ نہ پیدا کرو تباہی نہ پھیلاؤ اس سے معلوم ہوا کہ اگر نیت اصلاح کی ہو اور خرابی پیدا ہو جائے تو اس کو فساد فی الارض نہیں کیا جائے گا اور اس کا کوئی مواخذہ نہیں کسی نے کافر کے تیر مار اکافر نے مسلمان قیدی کو اپنے سامنے ڈھال کی طرح کر دیا اور مسلمان مارا گیا یا زخمی ہو گیا تو نہ دیت ہو گی، نہ قصاص، نہ کوئی تاوان۔

وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٨٤﴾ اور ڈرو اس (خدا) سے جس نے تم کو پیدا کیا اور پہلی مخلوق کو بھی یعنی تم سے پہلے دوسرے لوگوں کو بھی۔

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿١٨٥﴾ کہنے لگے تم تو بالکل سحر زدہ ہو۔

وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا اور تم تو ہم جیسے انسان ہی ہو یعنی آدمی ہو اور ہم جیسے آدمی اول تو رسول کو آدمی نہ ہونا چاہئے اور تم آدمی ہو پھر تم کو ہم پر کوئی فوقیت حاصل نہیں (نہ بادشاہ ہو نہ شوکت و سطوت والے دولت مند

Marfat.com

سردار) اس لئے تم رسول نہیں ہو سکتے۔

وَإِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ اور ہم بلاشبہ تم کو جھوٹا خیال کرتے ہیں تم نبوت کے دعوے میں جھوٹے ہو۔

فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾ اگر سچ ہونے کا دعویٰ ہے اور سچے ہو تو آسمان کا کوئی ٹکڑا ہم پر گرادو۔

قَالَ رَبِّيْ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ شعیب نے کہا جو کچھ تم کرتے ہو میرا رب اس سے بخوبی واقف ہے یعنی تم کو جو کم تولتے ناپتے، لوٹتے، قتل کرتے اور راہزنی کرتے ہو اس سے میرا رب خوب واقف ہے وہی اگر چاہے گا تو اس کی سزا تم کو جب چاہے گا دے گا عذاب لانے کا اختیار مجھے نہیں ہے میری ذمہ داری تو صرف تبلیغ و دعوت کی ہے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ غرض ایکہ والوں نے شعیب کی تکذیب کی اس لئے یوم الظلہ (سائبان کے دن) کے عذاب نے ان کو آپکڑا اس کی صورت یہ ہوئی کہ ایکہ والوں کے جنگل میں سخت گرمی پڑی، لوگ بے تاب ہو کر تہ خانوں میں گھس گئے اندر پہنچے تو وہاں اور بھی شدید گرمی محسوس ہوئی مجبور ہو کر باہر آگئے اس وقت آسمان پر ایک بدلی آئی اور بدلی کے سایہ میں سب جمع ہو گئے اسی بدلی کو ظلہ (سائبان) کہا گیا ہے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ بادل سے آگ برسنے لگی اور سب جل بھن گئے یہ قصہ سورت ہود میں گزر چکا ہے۔

إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ بیشک یہ یوم عظیم کا عذاب تھا (یعنی عذاب عظیم تھا جو اس روز واقعہ ہوا)

إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾ ع ۱۰

اس قصہ میں درحقیقت (عبرت اندوزی) کی بڑی نشانی تھی اور ان میں سے اکثر لوگ مومن تھے (اس لئے ان پر عذاب نازل کیا گیا) اور یہ قطعی بات ہے کہ آپ کا رب ہی غالب اور بڑا مہربان ہے۔

مذکورہ ساتوں قصے مختصر طور پر رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لئے بیان کئے گئے تاکہ آپ صبر کریں اور سمجھ لیں کہ ہر پیغمبر کی قوم والوں کی طرف سے تکذیب ہوئی ہے اور سب پیغمبروں نے استقامت قائم رکھی آخر پیغمبروں کے منکر ہلاک کر دیئے گئے اور پیغمبر اپنے ساتھیوں سمیت غالب رہے۔ مترجم) اس میں رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنے والوں کے لئے عذاب کی دھمکی بھی ہے۔

وَإِنَّهُ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ اور بے شک قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔ تنزیل (مصدر) بمعنی منزل (اسم مفعول) کے ہے۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ روح الامین (یعنی جبرئیلؑ) اس کو لے کر اترا ہے اور تمہارے دل پر اس نے نازل کیا ہے پھر آپ نے اس کو یاد کر لیا ہے قلب سے مراد ہے یہی صنوبری قلب جو سینہ کے اندر ہے وہ لامکانی لطیفہ ربانی مراد نہیں ہے جس کا مقام عرش کے اوپر ہے اور اس کا ظہور اسی صنوبری دل پر بطیفۂ ربانی تو عالم امر سے ہے یہ نہ وحی کا بار اٹھا سکتا ہے نہ نبوت کا یہ بوجھ اٹھانے والا تو قلب صنوبری ہی ہے جو عناصر کا مجموعہ کا نقوش کا محل اور عالم امر کے ظہور کا مقام ہے اسی لئے ہمیشہ وحی کا صدور جسمانی ساخت کی تکمیل یعنی چالیس سال کی عمر کے بعد ہوا۔ جبرئیل امین وحی الٰہی میں اس لئے ان کو امین کہا جاتا ہے۔

لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ تاکہ آپ (اللہ کی نافرمانی اور عذاب سے) ڈرانے والوں میں سے ہوں۔ یعنی فہرست انبیاء میں آپ شامل ہو جائیں۔ مترجم)

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ واضح عربی زبان میں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے قریش کی زبان

Marfat.com

مراد ہے تاکہ قریش کو یہ عذر نہ ہو کہ ہم وحی کی زبان کو نہیں سمجھتے۔

اس آیت کا بعض اہل تفسیر نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ روح الامین نے یہ قرآن آپ کے دل پر عربی زبان میں اتارا ہے اگر کسی اور زبان میں نازل ہوتا تو آپ کے کانوں پر نازل ہوتا دل پر نازل نہ ہو سکتا کیونکہ غیر عربی الفاظ کے معنی آپ سمجھ نہ پاتے۔ آدمی کبھی چند زبانوں سے واقف ہوتا ہے اگر کوئی اس کی مادری زبان میں بات کرے تو فوراً اس کا مطلب ذہن کی طرف متوجہ ہوتا ہے الفاظ کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور اگر مادری زبان کے علاوہ کسی دوسری سیکھی ہوئی زبان میں اس سے کلام کرتا ہے تو اول اس کا ذہن الفاظ کی طرف متوجہ ہوتا ہے پھر الفاظ سے معانی کی طرف انتقال ذہنی ہوتا ہے۔

وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۹۶﴾ اور اس (قرآن) کا ذکر پہلی امتوں کی آسمانی کتابوں میں بھی ہے۔

اکثر اہل تفسیر نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ نزول قرآن کا ذکر کتب سابقہ میں کر دیا گیا ہے مقاتل نے کہا محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر گزشتہ کتابوں میں کر دیا گیا ہے بعض کے نزدیک قرآن کی طرف ضمیر راجع ہے۔ زبر کتابیں۔

مؤخر الذکر تفسیری قول ہی کی بناء پر بعض احناف کے نزدیک قرآن صرف معانی کا نام ہے کیونکہ معانی ہی کا اندراج کتب سابقہ میں تھا عربی الفاظ ان کتابوں میں نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فارسی میں نماز کی قرأت کو جائز قرار دیا ہے (لیکن امام ابو حنیفہ کے قول کی بنیاد اس بات کو قرار دینا کہ قرآن صرف معنی کا نام ہے غلط ہے امام اعظم نے تو ان علماء بلاغت واعجاز کے لئے فارسی میں صرف نماز کے اندر قرأت کو جائز قرار دیا تھا جو تلاوت قرآن کے وقت قرآن کی بلاغت میں ڈوب جاتے ہیں اور ان کا ادبی ذوق حلاوت وطلاوت عبارت کی کیفیت میں اتنا سرشار وبدمست ہو جاتا ہے کہ پھر ان کی کامل توجہ معبود کے سامنے حاضر ہونے کی طرف نہیں رہتی عوام کے لئے تو امام صاحب نے فارسی میں قرأت کو جائز نہیں قرار دیا اگر امام صاحب کے نزدیک۔ قرآن صرف معنی کا نام ہوتا تو وہ ترجمۂ قرآن کو ہر مقام پر قرآن کا حکم دیتے یہاں تک کہ جنب اور حائضہ اور نفساء کے لئے بھی ترجمہ کو پڑھنا اور چھونا ممنوع قرار دیتے حالانکہ ایسا نہیں ہے مترجم۔

حضرت مفسر نے فرمایا احناف کا یہ قول غلط ہے قرآن عبارت اور معانی دونوں کا نام ہے اللہ نے اس کو قرآناً عربیاً فرمایا ہے اور عربی عبارت کی صفت ہوتی ہے (معنی تو عربی عبارتوں کے بھی ہوتے ہیں اور دوسری زبانوں کی عبارتوں کے بھی) مزید یہ کہ قرآن معجز ہے اور اعجاز عبارت کی خصوصیت ہے اسی لئے جنبی کے لئے فارسی میں قرآن پڑھنا جائز ہے امام ابو حنیفہؒ نے صرف نماز میں اجازت دی تھی کہ عربی کی جگہ دوسری زبان کی عبارت (جو معانی پر دلالت کر رہی ہو) پڑھنی جائز ہے اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ امام صاحب کے نزدیک قرآن کی عبارت کا پڑھنا نماز کا رکن نہیں ہے اور قرآن کی عبارت خضوع سے (بعض لوگوں کے لئے) مانع ہو جاتی ہے پھر اپنے اس قول سے امام صاحب نے رجوع بھی کر لیا تھا اور صاحبینؒ کی طرح نماز کی قرأت فارسی میں ناجائز قرار دے دی تھی احناف کا اسی پر فتویٰ بھی ہے اور اکثر ائمہ کا بھی یہی قول ہے۔

اَوَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۹۷﴾ (کیا یہ لوگ رسول کو نہیں پہچانتے) اور کیا ان کے لئے (رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی یہ) دلیل کافی نہیں ہے کہ علماء بنی اسرائیل رسول اللہ ﷺ کو (ان کی صفات واحوال خصوصی کو توریت سے پڑھ کر) جانتے ہیں۔

یعلمہ کی ضمیر مفعول رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے اور قرآن کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے یعنی قرآن کا اللہ کی طرف سے نازل ہونا علماء بنی اسرائیل کے علم میں ہے وہ اس سے ناواقف ہیں۔

علماء بنی اسرائیل سے مراد بر قول عطیہ پانچ علماء تھے عبد اللہ بن سلام، ابن یامین، ثعلبہ، اسد، اسید حضرت ابن عباس نے فرمایا اہل مکہ نے مدینہ میں یہودیوں سے رسول اللہ ﷺ کے متعلق دریافت کر لیا یہودیوں نے کہا ان کی (یعنی پیغمبر آخر الزماں کی) بعثت کا زمانہ یہی ہے اور ہم توریت میں ان کے اوصاف وخصوصی احوال پاتے ہیں۔

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِیْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَیْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹۹﴾

Marfat.com

اور اگر ہم کسی عجمی پر اس قرآن کو اتار دیتے اور وہ ان کو پڑھ کر سناتا تو یہ اس پر ایمان لانے والے نہ ہوتے۔ اعجمین اعجم کی جمع ہے اعجم اس شخص کو کہتے ہیں جو فصیح عربی اچھی طرح نہ بول سکے خواہ نسباً عربی ہی ہو اور عجمی کی نسبت عجم کی طرف ہے عجمی اس شخص کو کہتے ہیں جو نسباً غیر عربی ہو خواہ عربی فصیح بولتا ہو۔ اس تشریح لغوی کی بناء پر آیت کا یہ معنی ہوگا کہ اگر ہم یہ قرآن کسی ایسے شخص پر نازل کرتے جس کی عربی زبان فصیح نہ ہوتی۔

بیضاوی نے لکھا ہے اعجمین اعجمی کی جمع ہے اسی لئے اس کو بصیغۂ جمع سالم ذکر کیا ہے یعنی اگر اعجم کی جمع ہوتی تو پھر اس کی جمع سالم نہ آتی کیونکہ اس کا مؤنث عجماء آتا ہے اور جس وزن افعل مؤنث بروزن فعلاء آتا ہے اس کی جمع سالم نہیں آتی اس کی نظیر اشعرون ہے جو اشعری کی جمع ہے۔ اصل میں اشعریون تھا تخفیفاً اشعرون کر لیا گیا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اگر ہم قرآن کو عربی میں ہی یا عربی زبان میں کسی ایسے شخص پر نازل کرتے جو فصیح عربی سے واقف نہ ہوتا تب بھی یہ اہل مکہ ایمان نہ لاتے ان کا ذاتی عناد اور غرور اعجمی کے اتباع سے نفرت ان کو ایمان سے روکتی یا نہ سمجھنے کی وجہ سے ایمان نہ لاتے اور صاف کہہ دیتے کہ ہم سمجھتے ہی نہیں تم کہتے کیا ہو اسی مضمون کو دوسری آیت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ۔

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۲۰۰﴾ اسی طرح ہم نے اس (شرک و تکذیب) کو مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیا ہے کذا قال الحسن و مجاہد۔ آیت کے اس تشریحی ترجمہ سے معلوم ہو گیا کہ شرک کا خالق بھی اللہ ہی ہے بعض اہل تفسیر نے کہا سلکناہ میں ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے یعنی ہم نے اس قرآن کو ان مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیا انہوں نے قرآن کے اعجاز کو خوب پہچان لیا ہے اس کے باوجود محض عناد کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے۔

لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ یہ قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اس آیت میں اللہ نے اس شخص کی حالت بیان فرمائی ہے جس کا شرک پر مرنا اللہ کے علم میں ہے۔

حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿۲۰۱﴾ یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں جس کی وجہ سے ایمان پر مجبور ہو جائیں اور یہ عذاب مرنے کے بعد قبروں میں ہوگا (اور اس وقت ایمان مفید نہ ہوگا۔)

فَیَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ پھر ان پر عذاب اچانک آ جائے گا اور ان کو احساس بھی نہ ہو پائے گا۔

فَیَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ (اس وقت حسرت و افسوس کے ساتھ) کہیں گے کاش ہم کو مہلت دے دی جاتی۔ یہ استفہام اظہار تمنا کے لئے ہوگا وہ دنیا میں لوٹ کر جانے کی تمنا کریں گے مقاتل نے بیان کیا جب اللہ نے اپنے رسول کی زبانی کافروں کو عذاب سے ڈرایا تو کہنے لگے۔ کب تک عذاب سے ڈراتے رہو گے آخر عذاب کب آئے گا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اَفَبِعَذَابِنَا یَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ کیا وہ ہمارے عذاب کے جلد آ پہنچنے کے خواستگار ہیں یعنی نزول عذاب کے وقت تو یہ مہلت ملنے کے طلب گار ہوں گے اور اب فوری عذاب کے خواستگار ہیں۔

بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ یہ آیت کافروں کے ان اقوال کی طرف اشارہ ہے جن میں بعض کافروں نے کہا تھا اَنْزِلْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ اور یوں بھی کہا تھا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا۔

حقیقت میں کافروں کا عقیدہ تھا کہ عذاب ہرگز نہیں آئے گا اور ہم امن چین اور سلامتی کے ساتھ طویل مدتوں تک چلیں گے اور مزے اڑاتے رہیں گے اسی لئے وہ عذاب آنے کی جلدی مچاتے تھے اور فوری عذاب کے خواستگار بنتے تھے اللہ نے ان کے عجلت پسندی کی تردید کر دی۔ پھر بالغرض تسلیم کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ہم ان کو برسوں زندگی کے مزے اڑانے دیں

Marfat.com

اور ان پر عذاب موعود آجائے تو کیا درازی عمر اور تمتع اندوزی عذاب کو دفع کرنے میں کوئی کام آسکے گی۔ چنانچہ فرمایا:

أَفَرَءَيْتَ إِن مَّتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَاءَهُم مَّا كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿۲۰۶﴾ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يُمَتَّعُونَ ﴿۲۰۷﴾

بھلا دیکھو تو اگر ہم برسہا برس ان کو مزے اڑانے دیں پھر مدت کے بعد ان پر وہ عذاب آجائے جس سے ان کو ڈرایا جاتا رہا تھا تو ان کا یہ تمتع اندوز ہونا ان کو کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا (عذاب کو ان سے دفع نہیں کر سکے گا)

آیات کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جب عذاب الیم ان پر ناگہاں آپڑے گا اور یہ عذاب کو اپنے سامنے دیکھ لیں گے تو کہیں گے کاش ہم کو کچھ مہلت دے دی جاتی لیکن ان کو مہلت نہیں دی جائے گی اور بالفرض اگر مہلت دے بھی دی جائے تو آپ غور کیجئے کہ اس مہلت دینے سے ان کو کیا فائدہ پہنچے گا اگر ہم ان کو برسوں مزے اڑانے دیں پھر ان پر وہی موعود عذاب آجائے تو اس مہلت سے وہ عذاب دفع نہ ہو گا اور درازی مہلت نہ ان کو دفع عذاب کا فائدہ دے سکے گی نہ تخفیف عذاب کا بلکہ یہ ساری تمتع اندوزی اور عیش سب کچھ بھول جائیں گے ایسا معلوم ہو گا کہ کبھی آسائش میں تھے ہی نہیں۔

وَمَا أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذِرُونَ ﴿۲۰۸﴾ اور (منکرین کی) جتنی بستیاں ہم نے (عذاب سے) ہلاک کیں سب میں ڈرانے والے پیغمبر آئے منذرون سے مراد ہیں پیغمبر جنہوں نے اللہ کے عذاب سے ڈرایا مگر وہ باز نہ آئے۔

ذِكْرَىٰ وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۲۰۹﴾ نصیحت کے لئے۔ اور ہم ظالم نہیں ہیں۔ مع

ذکری یادداشت یہ منذروں کی علت (مفعول لہ) ہے کیونکہ ذکری بمعنی انداز ہے یا ذکری کا تعلق پہلے کلام سے نہیں ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ ہم ان پیغمبروں کو مجسم نصیحت بنا دیتے ہیں۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ ﴿۲۱۰﴾ اور اس قرآن کو شیاطین لے کر نہیں اترے۔ یعنی مشرکوں کا یہ قول غلط ہے کہ شیاطین محمد پر قرآن کا القاء کرتے ہیں۔

وَمَا يَنبَغِي لَهُمْ اور شیاطین کے لئے ایسا کرنا جائز بھی نہیں ہے (کیونکہ قرآن ہدایت ہے اور شیاطین گمراہی کی طرف بلانے والے ہیں)

وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۲۱۱﴾ اور وہ ایسا کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے کیونکہ قرآن میں غیب کی خبریں دی گئی ہیں شیطان غیبی خبریں (کیا جانیں اور) کیسے القاء کر سکتے ہیں۔

إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ﴿۲۱۲﴾ شیاطین کو تو قطعاً (وحی اور کلام ملائکہ کو) سننے سے دور رکھا جاتا ہے (یعنی آسمان تک جا کر ملائکہ کا کلام نہیں سن سکتے)

معزولون روکے گئے، انگارے سے مارے گئے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ ﴿۲۱۳﴾ سو اللہ کی موجودگی میں تم کسی اور معبود کو نہ پکارو کہیں تم بھی ان ہی لوگوں میں سے ہو جاؤ جن کو عذاب دیا جائے گا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا (بظاہر خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے لیکن حقیقت میں) اس سے دوسروں کو ڈرانا مقصود ہے گویا یوں فرمایا کہ آپ تمام مخلوق میں میرے نزدیک زیادہ معزز ہیں لیکن اگر آپ بھی میرے سوا کسی دوسرے کو معبود بنائیں گے تو آپ کو بھی عذاب دوں گا۔

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿۲۱۴﴾ اور (سب سے پہلے) آپ اپنے قریب ترین کنبہ والوں کو ڈرائیے۔ یعنی سب سے پہلے اس کو جو آپ کا زیادہ قرابت دار ہو پھر اس سے کم قرابت رکھنے والے کو پھر اس سے کم قرابت دار کو کیونکہ جس کی قرابت زیادہ ہے وہ پہلے ہدایت کا مستحق ہے مزید یہ کہ اس طریقہ ہدایت سے دوسروں کو بدگمانی کا بھی موقع مل سکتا کیونکہ عام

Marfat.com

طور پر لوگ اپنے قریب ترین عزیزوں سے چشم پوشی کیا کرتے ہیں (اور جب آپ قریب ترین عزیزوں کو بھی اللہ کے عذاب سے ڈرائیں گے تو کسی کو یہ گمان کرنے کا موقع ہی نہیں ملے گا کہ آپ اپنے عزیزوں کی طرف سے چشم پوشی کر رہے ہیں) یا اس لئے عزیز ترین قرابت داروں کو ڈرانے کا حکم دیا گیا کہ دوسرے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کے عذاب کو دفع کرنے والا کوئی نہیں (پیغمبر بھی اپنے قرابت داروں کو عذاب سے بچانہ سکیں گے) نجات کا راستہ یہی ہے کہ ان کی بات مانی جائے اور ان کی ہدایت پر عمل کیا جائے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ محمد بن اسحٰق نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت علی نے فرمایا جب یہ آیت رسول اللہ ﷺ پر اتری تو آپ ﷺ نے مجھے طلب کیا اور فرمایا علی! اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریب ترین عزیزوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں میں یہ حکم سن کر سوچ میں پڑ گیا کہ کیا کروں مجھے معلوم تھا کہ اگر میں ان لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں گا اور اس کام کے لئے پکاروں گا تو ان کی طرف سے میرے سامنے ایسا عمل آئے گا جو مجھے ناگوار ہوگا یہ سوچ کر میں خاموش ہو رہا لیکن اب جبرئیل نے مجھ سے آکر کہا کہ محمد اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ تم کو عذاب دے گا لہٰذا علی تم جا کر ایک صاع (آٹے) کی روٹی بنواؤ اور بکری کی ایک ٹانگ (پکا کر بطور سالن کے) اس کے ساتھ رکھ دو اور ایک بڑے پیالہ میں دودھ بھر کر لے آؤ پھر اولاد عبدالمطلب کو اکٹھا کرو تاکہ جس بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے میں وہ بات ان کو پہنچا دوں حضرت علیؓ نے فرمایا میں نے حکم کی تعمیل کی ہے پھر سب کی دعوت کر دی ہے وہ لوگ آئے جن میں رسول اللہ ﷺ کے تائے (چچے) ابو طالب، حمزہ، عباس اور ابولہب بھی تھے سب کم و بیش چالیس آدمی تھے جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے وہ کھانا منگوایا جو میں نے تیار کیا تھا میں نے لاکر رکھ دیا آپ نے اس میں سے ایک ٹکڑا گوشت کا لے کر اپنے دانتوں سے اس کو کاٹا پھر اس کو پیالہ میں رکھ دیا پھر فرمایا بسم اللہ کھایئے سب نے کھایا یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے خدا کی قسم جتنا کھانا میں نے سب کے لئے رکھا تھا اتنا تو ان میں کا ایک آدمی کھا لیتا (مگر کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ سب کے پیٹ بھر گئے اور کسی کو مزید ضرورت نہیں رہی) پھر فرمایا ان کو (دودھ) پلاؤ میں ان کے سامنے وہی (دودھ بھرا) پیالہ لے آیا خدا کی قسم دودھ اتنا تھا کہ اتنا تو ایک آدمی پی جاتا لیکن سب پی کر سیر ہو گئے اب رسول اللہ ﷺ نے کچھ بات کرنے کا موقع پایا لیکن حضور ﷺ کے کچھ کہنے سے پہلے ابولہب بول اٹھا اور کہنے لگا تمہارے ساتھی نے تم پر جادو کر دیا یہ سنتے ہی لوگ منتشر ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ ان سے بات نہ کر سکے دوسرے دن حضور ﷺ نے فرمایا علی تم کو معلوم ہے کہ یہ شخص پہلے بول اٹھا اور میرے بات کرنے سے پہلے ہی لوگ منتشر ہو گئے اب پھر ویسا ہی کھانا تیار کرو (جیسا کل) کیا تھا اور لوگوں کو پھر جمع کرو میں نے حکم کی تعمیل کی پھر سب کو جمع کیا حضور نے کھانا منگوایا میں نے سامنے لاکر رکھ دیا آپ نے وہی عمل کیا جو گزشتہ دن کیا تھا اس کے بعد سب نے کھایا پیا کھا چکنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کلام شروع کیا اور فرمایا اے اولاد عبدالمطلب میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو بھی اس کی دعوت دوں تم میں سے کون شخص ہے جو اس کام میں مدد کرے اور میرا بھائی اور وصی اور نائب ہو جائے لوگ یہ سن کر سب کے سب جھجکے میں سب سے کم عمر تھا میں نے کہا یا نبی اللہ میں اس کام میں آپ کا مددگار ہوں گا یہ سن کر آپ نے میری گردن پکڑی اور فرمایا یہ میرا بھائی میرا وصی اور میرا نائب ہے تم اس کی بات سنو اور اس کا کہا مانو لوگ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اس نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم علی کی بات سنیں اور اسکی اطاعت کریں۔

صحیحین میں سعید بن جبیر کی وساطت سے حضرت ابن عباس کا بیان آیا ہے کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ نازل ہوئی تو حضور نے کوہ صفا پر چڑھ کر مختلف بطون قریش کو پکارنا شروع کیا اے اولاد فہر، اے بنی عدی آواز سن کر سب لوگ جمع ہو گئے جو خود نہ آسکا اس نے اپنا قاصد بھیج دیا تاکہ وہ جا کر دیکھے کہ واقعہ کیا ہوا ابولہب بھی آگیا اور دوسرے قریش والے بھی۔ آپ نے فرمایا بھلا بتاؤ اگر میں تم کو اطلاع دوں کو وادی کے اندر (اس وقت) کچھ سوار موجود ہیں جو تم پر تاخت کرنا چاہتے ہیں تو کیا تم میری تصدیق کرو گے سب نے کہا جی ہاں ہم نے اپنے تجربہ میں آپ کا کبھی کوئی جھوٹ نہیں پایا حضور ﷺ نے فرمایا تو عذاب شدید آنے سے پہلے میں تم کو اس سے ڈرا رہا ہوں (عذاب شدید میرے سامنے ہے جو آنے والا

Marfat.com

ہے) ابولہب بولا تو ہمیشہ کے لئے ہلاک ہو جائے کیا اسی لئے تو نے ہم کو جمع کیا تھا اس پر سورت تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ آخر تک نازل ہوئی۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ اتری تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا اے گروہ قریش (راوی کا بیان ہے کہ یہ لفظ فرمایا یا اسی طرح کا کوئی دوسرا لفظ) اپنی جانوں کو خود خرید لو (یعنی آنے والے عذاب سے بچالو) میں اللہ کے عذاب سے تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا اے اولاد عبد مناف میں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب میں اللہ (کے عذاب) سے بچانے کے لئے بالکل تمہارے کام نہیں آسکتا اے رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی صفیہ تم کو بھی میں اللہ سے نہیں بچاسکتا اے محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ میرے مال میں تو جو کچھ مانگنا چاہتی ہے مجھ سے مانگ لے اللہ کے مقابل میں تیرے کوئی کام نہیں آؤں گا۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ بستی سے نکل کر کوہ صفا پر چڑھ گئے اور وہاں سے اونچی آواز سے پکارا یا صباط (اے لوگو ہشیار ہو جاؤ دشمن آخر رات میں حملہ کرنے والا ہے) لوگوں نے آواز سن کر کہا یہ کون ہے سب آپ کے پاس جمع ہو گئے حضور نے فرمایا بھلا بتاؤ تو اگر میں تم کو اطلاع دوں کہ کچھ سوار اس پہاڑ کے دامن سے برآمد ہو رہے ہیں (جو تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں) تو کیا تم مجھے سچا جانو گے لوگوں نے کہا ہم نے تجربہ میں آپ کی کوئی بات جھوٹی نہیں پائی فرمایا تو میں عذاب شدید آنے سے پہلے تم کو (اس کی آمد سے) ڈرا رہا ہوں (عذاب شدید میرے سامنے ہے) ابولہب بولا تجھے ہلاکت ہو کیا اسی لئے تو نے ہم کو اکٹھا کیا تھا یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا اس پر اسی روز تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وقد تب (اعمش کی قرأت میں اسی طرح آیا ہے) نازل ہوئی۔

بغوی نے حضرت عبداللہ بن حمار مجاشعی کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو علم اس نے مجھے عطا فرمایا ہے اور تم اس سے واقف نہیں آج تم کو اس کے کچھ حصہ سے واقف کر دوں اس نے فرمایا ہے کہ جو مال میں نے اپنے بندوں کو (بطور حلال) عطا کر دیا وہ ان کے لئے حلال ہے میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا پھر شیطانوں نے پہنچ کر ان کو ان کے دین سے بہکایا اور جو چیز میں نے ان کے لئے حلال کر دی تھی شیطانوں نے وہ چیز ان کے لئے حرام قرار دی تھی میں نے ان کو حکم دیا تھا کہ جس چیز کی معبودیت کی میں نے کوئی دلیل نہیں اتاری اس کو میرا ساجھی نہ قرار دیں۔ اللہ نے تمام زمین والوں کو دیکھا اور سب سے نفرت کی عرب ہوں یا عجمی ہاں۔ اہل کتاب میں سے جو (اصلی دین پر) باقی رہ گئے تھے (ان سے نفرت نہیں کی) اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں (اللہ کی نافرمانی اور عذاب سے) قریش کو ڈراؤں میں نے عرض کیا اے رب وہ تو میرا سر توڑ ڈالیں گے اور میرے سر کو کچل کر روٹی بنا دیں گے اللہ نے فرمایا میں نے تجھے اسی لئے بھیجا ہے کہ تیری بھی جانچ کر دوں اور تیرے ذریعہ سے دوسروں کو بھی۔ میں نے تیرے اوپر ایک کتاب اتاری ہے جس کو پانی نہیں دھو سکتا تو اس کو سوتے جاگتے پڑھا کر۔ تو ان سے جہاد کر کامیاب ہو گیا تو (اللہ کے بندوں پر) خرچ کر (اللہ کی طرف سے) تجھ پر خرچ کیا جائے گا تو ایک لشکر (کافروں کے مقابلے کے لئے) تیار کر میں اس سے پانچ گنا لشکر تیری مدد کے لئے بھیج دوں گا۔ اور اپنے فرمانبرداروں کو ساتھ لے کر نافرمانوں سے جنگ کر پھر فرمایا۔ اہل جنت تین ہیں۔ (۱) منصف حاکم (۲) ہر قرابت دار اور مسلم پر مہربانی کرنے والا نرم دل آدمی (۳) دولت مند پاک دامن آدمی جو خود پاکدامن رہتا ہے اور دوسروں کو خیرات دیتا ہے اور دوزخی پانچ ہیں وہ کمزور بے عقل جس میں برائیوں سے روکنے والی سمجھ نہ ہو محض دوسروں کے پیچھے لگ جانے والا ہو اور وہ شخص کہ جب صبح کو اٹھتا ہے تو تم کو تمہارے مال و عیال کے معاملہ میں فریب دیتا اٹھتا ہے اور وہ شخص کہ اس کا ہر لالچ خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو اس کو (اپنے ساتھ) لے جاتا ہے اور وہ شخص جو بد اخلاق اور فحاش ہے۔ حضور نے بخل اور کذب کا بھی ذکر کیا تھا۔ واللہ اعلم۔

ابن جریر نے بحوالہ ابن جریج بیان کیا ہے کہ جب آیت وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی تو حضور نے تبلیغ کی ابتدا اپنے گھر والوں سے کی مسلمانوں پر یہ امر شاق گزرا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

Marfat.com

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۱۵﴾ اور ان لوگوں کے ساتھ (مشفقانہ) فروتنی سے پیش آؤ جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلیں۔

اخفض یعنی نرم رویہ اختیار کرو۔ پرندہ جب نیچے اترنا چاہتا ہے تو اپنے بازوؤں کو نیچے جھکا لیتا ہے یہاں بطور استعارہ سلوک کی نرمی اور خوش اخلاقی مراد ہے۔

من المومنین میں من بیانیہ ہے یا تبعیضیہ اگر اتباع سے عام اتباع مراد ہو خواہ اتباع کامل ہو یا ناقص تو من بیانیہ ہو جائے گا اور اگر کامل اتباع مراد ہو تو من تبعیضیہ ہو جائے گا کیونکہ مومنین کا لفظ عام ہے کامل اتباع کرنے والے مومن ہوں یا ناقص اتباع کرنے والے گناہ گار مؤمن۔ مؤخر الذکر کی تائید آئندہ جملہ سے ہوتی ہے کیونکہ اس میں گناہ گار مؤمن مراد ہیں۔

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۱۶﴾ پھر اگر وہ مومن (بعض امور میں) تمہاری نافرمانی کریں تو کہہ دو کہ میں تمہارے ان (گناہوں کے) اعمال سے بری ہوں اس آیت میں گناہوں سے الگ ہونے کے اظہار کا حکم دیا گیا ہے گناہ گاروں سے الگ ہونے کے اظہار کا حکم نہیں دیا گیا۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿۲۱۷﴾ اور اللہ غالب مہربان پر بھروسہ کرو۔

توکل کا معنی ہے اپنا کام (مکمل طور پر) دوسرے کے سپرد کر دینا اور ایسا کرنا نہ عقلاً جائز ہے نہ نقلاً صحیح۔ ہاں اگر جس کی سپردگی میں کام دیا ہو وہ نفع پہنچانے اور ضرر کو دفع کرنے پر کامل قدرت رکھتا ہوں بھروسہ کرنے کے اقوال کو سنتا اور تمام احوال کو دیکھتا ہو اور انجام سے باخبر ہو اور بھروسہ کرنے والے کا ہر وقت نگراں ہو تو اس کی سپردگی میں اپنے کام دیئے جا سکتے ہیں اسی لئے فرمایا علی العزیز یعنی اس اللہ پر اعتماد رکھو جو اپنے دشمنوں پر غالب ان کو مقہور کرنے والا اور اپنے دوستوں کی مدد کرنے والا ہے الرحیم جو رحیم ہے تمہارے اوپر بھی اور تمہاری پیروی کرنے والوں پر بھی۔

الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۲۱۸﴾ جو تم کو دیکھتا ہے جس وقت تم کھڑے ہوتے ہو یعنی لوگوں کو توحید کی طرف بلانے کے لئے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے کھڑے ہوتے ہو یا جس وقت تم نماز کے لئے اٹھتے ہو۔ کذا قال المفسرون۔

وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ﴿۲۱۹﴾ اور (نماز شروع ہونے کے بعد) نمازیوں کے ساتھ آپ کی نشست برخاست کو بھی دیکھتا ہے۔

تقلبک، یعنی نماز کے اندر قیام اور رکوع اور سجود کی طرف تمہارے منتقل ہونے کو۔ فی الساجدین یعنی فی المصلین۔ حسب روایت عطیہ و عکرمہ حضرت ابن عباس کا یہی تفسیری قول ہے مقاتل نے کہا فی المصلین یعنی مع المصلین مطلب یہ ہے کہ اللہ تم کو اس وقت بھی دیکھتا ہے جب تم تنہا نماز پڑھتے ہو اور اس وقت بھی دیکھتا ہے جب نمازیوں کے ساتھ جماعت کی نماز پڑھتے ہو۔ مجاہد نے کہا مطلب ہے کہ تم جو نمازیوں کی طرف نظر گھماتے پھراتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس طرح سامنے سے دیکھتے تھے اسی طرح پشت کے پیچھے کی چیز کو بھی دیکھتے تھے (تو نماز کے اندر نظر نبوت سے مقتدیوں کے حال کا بھی مشاہدہ کر لیتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم میرا رخ یہاں (یعنی سامنے کی طرف) دیکھتے ہو واللہ تمہارے خضوع کی حالت مجھ سے پوشیدہ نہیں ہوتی میں تمہیں بلاشبہ اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں رواہ البغوی۔ حسن نے کہا تقلب سے مراد ہے تصرف یعنی مومنوں میں تمہاری آمد و رفت کو اللہ دیکھتا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا ساجدین سے مراد ہیں انبیاء یعنی جیسے انبیاء کے حالات تھے وہ چلتے پھرتے اور مختلف احوال رکھتے تھے اسی طرح مختلف احوال میں تمہارے تصرف کو بھی خدا دیکھتا ہے۔ بعض اہل علم نے یہ بیان کیا کہ تہجد گزاروں کے احوال کو تلاش کرنے کے لئے جو تم آتے جاتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ جب شب کی نماز کی فرضیت

Marfat.com

منسوخ کردی گئی تو اسی رات کو رسول اللہ ﷺ اپنے مکان سے برآمد ہو کر صحابہ کے مکانوں کی طرف تشریف لے گئے تاکہ یہ معلوم کر سکیں کہ صحابہ رات کو گھروں کے اندر کیا کرتے ہیں کیونکہ آپ کو صحابہ کا عبادت میں مشغول ہونا بہت زیادہ مرغوب تھا۔ صحابہ کو ذکر خدا اور تلاوت میں مشغول پایا ان کی آوازوں کی بھن بھناہٹ بھڑوں (یا شہد کی مکھیوں) کی بھن بھناہٹ کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے احوال خاص بہت تھے یہاں صرف آپ کے تقلب فی الصحابہ کا ذکر اس لئے کیا کہ آپ کا یہ عمل رحمت کا سبب تھا۔

عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس کا ایک قول آیا ہے کہ تقلب سے مراد ہے آباؤ واجداد کی پشتوں میں منتقل ہونا یعنی ایک نبی سے نور محمدی کا دوسرے نبی کی پشت میں منتقل ہو کر آنا۔ لیکن اس تفسیر پر رسول اللہ ﷺ کی کوئی خاص مدح نہ ہوگی کیونکہ آباؤ اجداد میں ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہونا تو صرف رسول اللہ ﷺ ہی کے لئے مخصوص نہ تھا تمام قریش بلکہ تمام انسان یونہی پشت در پشت منتقل ہوتے چلے آئے ہیں۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ تقلب سے مراد ہو پاک عبادت گزار مردوں کی پشت سے مقدس پاک دامن عورتوں کے رحموں میں آپ کا منتقل ہوتے رہنا۔ یعنی موحد، مومن مردوں کی پشتوں سے مومن، موحد عورتوں کے رحموں کی طرف انتقام۔ اس تفسیر سے آیت پر استدلال کیا جا سکے گا اس امر پر کہ حضور ﷺ کے سارے آباؤ اجداد مومن تھے۔ کذا قال السیوطی۔

حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی کے شعر ہیں۔

ویقل احد نورا عظیما تلا لافی وجوه الساجدین

تقلب فیهم قرنا فقرنا الی ان جاء خیر المرسلین

ہر ایک نور عظیم منتقل کرتا رہا جو موحدوں کے چہروں پر جگمگاتا رہا وہ نور ہر زمانہ میں منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ سید المرسلین پیدا ہو گئے۔

اس تفسیر کی تائید صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے قرن در قرن (منتقل کر کے) نبی آدم کے بہترین قرن میں بھیجا گیا یہاں تک کہ میری بعثت اس زمانہ میں ہو گئی۔ جس میں میں ہوں۔ مسلم نے حضرت واثلہ بن اسقع کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے اولاد ابراہیمؑ میں سے اسماعیل کا انتخاب کر لیا اور اولاد اسماعیل میں سے بنی کنانہ کا اور بنی کنانہ میں سے قریش کا اور قریش میں سے بنی ہاشم کا اور بنی ہاشم میں سے مجھے چن لیا۔ بیہقی نے دلائل نبوت میں حضرت انس کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جب بھی اللہ نے آدمیوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین فرقہ میں سے کر دیا آخر مجھے میرے والدین سے پیدا کر دیا گیا کہ دور جاہلیت کی کوئی خرابی مجھے نہیں پہنچی آدم سے لے کر اپنے والدین تک میں نکاح سے پیدا ہوا زنا سے نہیں پس میں ذاتی حیثیت میں بھی تم سے بہتر ہوں اور نسبی اعتبار سے بھی افضل ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کے آباء واجداد کے مومن ہونے کے موضوع پر مجمل اور مفصل ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں مثبت و منفی ہر طرح کی بحث کی ہے میں نے اس کا خلاصہ ایک رسالہ کی شکل میں لکھ دیا ہے اس موضوع کی تنقیح کے لئے اس رسالہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۲۲۰﴾ بلاشبہ وہی سننے والا اور جاننے والا ہے اقوال کو سنتا اور افعال کو نیتوں کو اور تمام امور کے انجام کو جانتا ہے لہٰذا اسی پر توکل کرنا مناسب ہے۔

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ ﴿۲۲۱﴾ کیا میں تم کو بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں۔ یہ جواب ہے کافروں کے اسی قول کا کہ اس شخص پر شیاطین کا نزول ہوتا ہے۔

Marfat.com

تَنَزَّلُ عَلٰی كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ ﴿۲۲۲﴾ شیاطین اترتے ہیں ہر بڑے دروغ گو پکے گناہ گار پر۔
اور محمد ﷺ نہ شریر دروغ گو ہیں۔ نہ گناہ گار اللہ کے نافرمان اس لئے شیاطین کا نزول ان پر نہیں ہو سکتا تعلیم دینے والے اور تعلیم پانے والے میں (عملی و قولی) مناسبت و موافقت ضروری ہے۔

یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَ اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾ (دروغ گو گناہ گار لوگ شیطانوں کی طرف) کانوں کو لگاتے ہیں اور ان سے کچھ سیکھ پاتے ہیں مگر اس میں اپنے خیالات کا کثیر حصہ شامل کر دیتے ہیں جو غلط۔ اور واقع کے خلاف ہوتا ہے ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں اور محمد ﷺ ایسے نہیں ہیں آپ نہ شیطانوں کی بات سنتے ہیں نہ دروغ بافی کرتے ہیں بلکہ بکثرت غیب کی اطلاعات دیتے ہیں جن میں سے کوئی بھی واقع کے خلاف نہیں ہوتی)

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کاہنوں کے متعلق دریافت کیا حضور نے فرمایا وہ (یعنی کاہن) کچھ نہیں عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ وہ بسا اوقات ایسی باتیں کہتے ہیں جو صحیح ثابت ہوتی ہیں فرمایا کوئی ایک صحیح بات کوئی جن (فرشتوں کی گفتگو سے) جھپٹ کر بھاگتا ہے اور لا کر اپنے دوست کے کان میں مرغی کے کٹکٹانے کی طرح کٹ کٹ کر دیتا ہے کاہن اس ایک صحیح بات میں سو سے بھی زیادہ جھوٹ ملا کر بیان کر دیتے ہیں۔ متفق علیہ۔

حضرت عائشہ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ فرشتے عنان یعنی ابر میں اترتے ہیں اور ان میں باہم اس امر کا تذکرہ ہوتا ہے کہ جس کا فیصلہ آسمان پر ہو چکا ہے شیاطین (بادلوں تک پہنچ کر) اس بات کو چوری سے سن پاتے ہیں اور کاہنوں کے دلوں میں لا کر ڈال دیتے ہیں کاہن اس کے ساتھ سو جھوٹ اپنی طرف سے شامل کر دیتے ہیں رواہ البخاری۔

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ جب کسی امر کا فیصلہ آسمان پر کر دیتا ہے تو فرشتے عاجزی سے اور اطاعت کے اظہار کے لئے اپنے بازو پھٹ پھٹاتے ہیں جیسے کسی چٹان پر زنجیر مارنے سے آواز پیدا ہوتی ہے جب گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو (باہم) پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا دوسرے جواب میں کہتے ہیں جو کچھ فرمایا وہ حق ہے وہی بزرگ، برتر عالی قدر ہے۔ اس بات کو کچھ چوری سے سننے والے (شیاطین) سن پاتے ہیں وہ نیچے والے چوری سے سننے والے سے کہہ دیتے ہیں اور اسی طرح ایک کے بعد ایک ترتیب وار سن لیتا ہے (سفیان راوی نے اپنی انگلیاں کھول کر ہاتھ کو ترچھا کر کے دکھایا۔ یعنی چاروں انگلیوں کو اس طرح ترتیب دے کر بتایا کہ ایک انگلی دوسری کے اوپر اور دوسری تیسری کے اوپر تیسری چوتھی کے اوپر کر کے دکھائی۔ مترجم) نیچے والا سن کر اپنے نیچے والے کو بتا دیتا ہے اور وہ اپنے سے نیچے والے کو۔ یہاں تک کہ سب سے نچلا شیطان ساحر یا کاہن کو بتا دیتا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اوپر والا نیچے والے کو بتانے بھی نہیں پاتا کہ پہلے ہی ایک انگارہ ٹوٹنے والا ستارہ اس پر آ گرتا ہے (اور اس کو جلا دیتا ہے) اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انگارہ پڑنے سے پہلے وہ اپنے نیچے والے کو بتا چکتا ہے کاہن اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتا ہے (اور لوگوں سے کہہ دیتا ہے) اسی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ کیا فلاں فلاں دن کاہن نے ایسا نہیں کہا تھا غرض اسی آسمان والی بات کی وجہ سے کاہن کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ رواہ البخاری۔

حضرت ابن عباس نے کسی انصاری کا مقولہ نقل کیا انصاری نے کہا ہم ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک تارہ ٹوٹا اور اس کی روشنی ہوئی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جاہلیت کے زمانہ میں اس طرح (تارہ) پھینکا جاتا تھا تو تم لوگ کیا کہتے تھے حاضرین نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خود جانتے ہیں ہم کہا کرتے تھے کہ آج رات کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ (تارے) نہ کسی کے مرنے کی وجہ سے پھینکے جاتے ہیں نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے پھینکے جاتے ہیں بلکہ ہمارا رب بزرگ و برتر جب کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو حاملین عرش تسبیح پڑھتے ہیں پھر ان سے متصل آسمان والے یہاں تک کہ تسبیح کی (آواز) اس نچلے قریبی آسمان والوں کو پہنچ جاتی ہے پھر حاملین عرش سے متصل آسمان والے حاملین عرش سے کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا وہ بتاتے ہیں کہ اللہ نے یہ فرمایا پھر (ترتیب وار) ایک آسمان والے دوسرے آسمان والوں سے پوچھتے چلے آتے ہیں یہاں تک کہ وہ بات اس دنیوی آسمان تک پہنچ جاتی ہے اور جن جھپٹ کر اس کو سن کر لے بھاگتا ہے اس

Marfat.com

طرح شیاطین اپنے دوستوں کی طرف لا کر دے مارتے ہیں (کاہن لوگ) جب اس بات کو اسی طرح بیان کرتے ہیں جیسی وہ ہوتی ہے تو وہ حق ہوتی ہے لیکن وہ تو اس میں بڑھادیتے ہیں۔ رواہ مسلم۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بروایت عوفی حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دو آدمیوں نے (یعنی دو شاعروں نے باہم ہجو کا مقابلہ کیا ایک انصاری تھا دوسرا کسی اور قبیلہ کا۔ ہم ایک کے ساتھ اس کی قوم کے کچھ غاوی (گمراہ یعنی اشعار کو نقل کرنے اور یاد رکھنے والے) بھی تھے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ ۝ اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں بغوی نے ضحاک کی روایت سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے عطیہ کی ایک روایت بھی ابن عباس سے یہی ہے حضرت ابن عباس کا قول عطیہ نے بھی یہی نقل کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے بھی بروایت عکرمہ اسی طرح بیان کیا ہے۔ لیکن اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ آیت میں وہ شعراء امراء مراد ہیں جو کافروں کی حمایت میں رسول اللہ ﷺ کی ہجاء کرتے تھے مقاتل نے ان کے نام اس طرح نقل کئے ہیں عبد اللہ بن زبیر سہمی۔ ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی۔ شافع بن عبد مناف۔ ابو عزہ عبد اللہ بن عمر جمحی۔ امیہ بن صلت ثقفی۔

یہ شعراء جھوٹی غلط سلط باتیں کہتے اور دعویٰ کرتے تھے کہ جیسا محمد کہتے ہیں ویسا ہم بھی کہتے ہیں یہ لوگ اشعار سناتے اور ان کی قوم کے کچھ گمراہ لوگ جمع ہو جاتے اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے متعلق ان شاعروں کے ہجائیہ اشعار سنتے اور پھر نقل کرتے تھے یہی وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے غاوون فرمایا یعنی وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے متعلق کہے ہوئے ہجائیہ اشعار نقل کرتے تھے۔

قتادہ اور مجاہد نے کہا الغاوون سے مراد ہیں شیاطین۔ یہ جملہ الگ ہے اس میں رسول اللہ ﷺ کے شاعر ہونے کے خیال کو باطل کیا گیا ہے۔ اسی ابطال کی تائید آئندہ آیت کر رہی ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۝ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۝

(اے مخاطب) کیا تجھے معلوم نہیں کہ وہ ہر وادی میں سرگرداں پھرتے ہیں اور وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔

وادی سے کلام کی ایک نوع جیسے مدح، ذم، فخر، یا محبت، اظہار بغض وغیرہ کہا جاتا ہے۔ انانی فی واد و انت فی واد اخر میں ایک وادی میں ہوں (ایک قسم کی بات کر رہا ہوں) اور تو دوسری وادی میں ہے (دوسری قسم کی بات کر رہا ہے)

ھائم سرگرداں۔ اپنے رخ پر بغیر کسی حد پر رکے چلا جانے والا۔ یعنی شعراء کلام میں انتہائی مبالغہ کرتے ہیں جھوٹ کی پروا بھی نہیں کرتے ان کے بیشتر کلامی مقدمات محض خیالی بے حقیقت ہوتے ہیں۔

قتادہ نے کہا شعراء تعریف بھی جھوٹی کرتے ہیں اور ہجا بھی غیر واقعی۔ بعض نے فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حروف تہجی کے حساب سے ہر حرف پر اشعار کے قافیے بناتے ہیں۔

عمل کے خلاف کہنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ اشعار میں بہت دروغ گوئی کرتے ہیں۔

قرآن کے اعجاز کے دو رخ ہیں اول ترتیبی یعنی اسلوب ادا اور دوسرا معنوی۔ قرآن کی معنویت پر تو وہ لوگ یہ جرح کرتے تھے کہ یہ شیاطین لے کر اترتے ہیں اور اعجاز لفظی کے سلسلہ میں کہتے تھے یہ شاعری ہے اس لئے اللہ نے کاہنوں اور شاعروں کی حالت بیان کر کے رسول اللہ ﷺ کی حالت کا ان کی حالتوں سے فرق ظاہر کر دیا۔

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کسی کے پیٹ میں لہو، پیپ بھرا ہو کہ اس کی صحت غارت کر دے تو اس سے بہتر ہے کہ اس کے اندر شعر بھرے ہوں۔ رواہ البخاری و مسلم واحمد وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ۔

حضرت ابو سعید خدری کا بیان ہے ہم رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب (کوہ) عرج پر چل رہے تھے اچانک ایک شاعر گاتا ہوا

Marfat.com

سامنے آیا حضور نے فرمایا شیطان کو پکڑ لو یا تھام لو فرمایا فرمایا اگر کسی کے جوف کے اندر پیپ، لہو بھرا ہو تو اس سے بہتر ہے کہ اس کے اندر شعر بھرے ہیں۔

حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کلام میں انتہائی مبالغہ کرنے والے غارت ہو گئے حضور ﷺ نے یہ بات تین بار فرمائی۔

حضرت ابو ثعلبہ خشنی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سب سے زیادہ پیارے اور قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے مقرب تم میں سے وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور میرے لئے سب سے زیادہ قابل نفرت اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ دور تم میں سے وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق سب سے برے ہوں فضول بکواس کرنے والے ہوں بنا بنا کر خلاف حقیقت کثیر کلام کرنے والے ہوں حلق پھاڑ کر بغیر احتیاط کے کام کو پھیلانے والے ہوں۔ میں کہتا ہوں شعراء کی یہی حالت ہوتی ہے۔ ترمذی نے حضرت جابر کی روایت سے بھی حدیث اسی طرح نقل کی ہے ایک روایت میں آیا ہے۔ کہ صحابہ نے عرض کیا ہم ثرثاروں (بکواسی۔ کثیر گو) اور متشدقون (باچھیں پھاڑ کر بنا کر کلام کرنے والے) کو تو جانتے ہیں متفیھقون کے کیا معنی فرمایا۔ تکبر کرنے والے۔

حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس رات مجھے معراج میں لے جایا گیا تو میرا گذر کچھ لوگوں کی طرف سے ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے میں نے پوچھا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں جبرئیل نے کہا یہ آپ کی امت کے وہ خطیب ہیں جو ایسی باتیں (تقریر میں) کہتے تھے جو خود نہیں کرتے تھے۔ رواہ الترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

ابن ابی حاتم نے عروہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت وَالشُّعَرَاۗءُ يَتَّبِعُهُمُ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ تک نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا اللہ کو علم ہے کہ میں ان ہی شعراء میں ہوں اس پر آیت والشعرا یتبعھم آخر سورت تک نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم اور ابن جریر اور حاکم نے ابوالحسن براء کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت وَالشُّعَرَاۗءُ يَتَّبِعُهُمُ الخ نازل ہوئی تو عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک اور حسان بن ثابت خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہم شاعر ہیں اب ہم تو غارت ہو گئے اس پر اللہ نے آیت الا الذین امنوا نازل فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو طلب فرمایا اور یہ آیات پڑھ کر سنا دیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۭ

مگر وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور مظلوم ہونے کے بعد انہوں نے انتقام لیا۔

ذکروا اللہ کثیرا یعنی ان کی شاعری ان کے لئے اللہ کے ذکر کی کثرت سے مانع نہ ہو اور اپنے بشتر اشعار میں وہ اللہ کے ذکر، توحید، اللہ کی حمد و ثناء اور اس کی اطاعت کی ترغیب بیان کرتے ہیں۔

ابویزید نے کہا ذکر کی کثرت تعداد کی کثرت سے نہیں ہوتی بلکہ حضور قلب سے ہوتی ہے۔

وانتصروا یعنی مسلمانوں کی ہجا جن لوگوں نے کی ہو ان مومن شاعروں نے اس کے مقابلے میں ان کی ہجا کی ہو اور اس طرح کافروں کے ظلم کا انتقام لیا ہو۔

بغوی نے شرح السنۃ اور معالم میں لکھا ہے کہ حضرت کعب بن مالک نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا نبی اللہ شاعری کے متعلق اللہ نے جو کچھ نازل فرمایا وہ معلوم ہی ہے (پھر ہمارا کیا ہوگا) فرمایا مومن اپنی تلوار (سے بھی جہاد کرتا ہے) اور زبان سے بھی جہاد کرتا ہے قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم جو (اپنی زبانوں سے) ان کے تیر مارتے

Marfat.com

ہو وہ گویا کمانوں سے تیر مارنے کی طرح ہیں۔
استیعاب میں عبدالبر نے لکھا ہے کہ حضرت کعب۔ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ شاعری کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ فرمایا مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی۔
بغوی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عمرۃ القضاء کے موقع پر رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے ابن رواحہ حضور کے آگے آگے چل رہے تھے اور حرم کے اندر شعر پڑھ رہے تھے حضور ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا عمر اس کو پڑھنے دے یہ اشعار کمانوں کے تیروں سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ ان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔
صحیحین میں حضرت براء بن عازب کی روایت سے آیا ہے کہ غزوۂ بنی قریظہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت سے فرمایا مشرکوں کی ہجو کرو جبرئیل (مدد کے لئے) تمہارے ساتھ ہیں یہ بھی رسول اللہ ﷺ حضرت حسان سے فرمارہے تھے میری طرف سے ان کو جواب دو۔ اے اللہ روح القدس کے ذریعہ سے اس کی مدد کر۔
مسلم نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قریش کی ہجو کرو تمہاری طرف سے یہ ہجو قریش کے لئے تیر لگنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔
یہ بھی حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ میں نے حضور کو حسان سے یہ فرماتے ہوئے سنا روح القدس برابر تیری مدد پر ہے گا جب تو اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے دفاع کرے گا۔
حضرت عائشہ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے حسان نے ان کی ہجا کی پس شفا دی اور شفا دینے والی چیز بیان کردی۔
بخاری نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حسان کے لئے مسجد کے اندر منبر رکھوا دیتے تھے جس پر وہ کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کی طرف فخریہ یا دفاعیہ کلام پڑھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے اللہ روح القدس سے حسان کی مدد کرتا ہے جب تک رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حسان دفاع کرتا ہے۔
بغوی نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قریش کی ہجو کرو یہ ان کے لئے تیر لگنے سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ پھر ابن رواحہ کے پاس آدمی بھیجا اور انکو حکم دیا ان کی ہجا کرو اور ان سے ہجو میں مقابلہ کرو۔ (لیکن خود) حضور ﷺ کی خوشی کے مطابق ہجو نہ کرسکے پھر کعب بن مالک کو بلوایا پھر حسان بن ثابت کو بلوایا جب حسان آئے تو فرمایا اب وقت آگیا کہ تم اس شیر کی طرف تیر بھیجو جو دم پٹک رہا ہے (یعنی حملہ کے لئے تیار ہے) پھر حضرت حسان نے اپنی زبان منہ سے باہر نکالتے ہوئے اسے ہلا کر کہا۔ قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اپنی زبان ان کو چمڑے کی طرح چیر ڈالوں گا حضور نے فرمایا جلدی نہ کرو ابوبکر قریش کے نسبوں سے بخوبی واقف ہیں میرا نسب بھی قریش کے اندر ہی ہے ابوبکر میرے نسب کو ان کے اندر سے الگ چھانٹ دیں گے حسان حضرت ابوبکر کے پاس گئے پھر لوٹ کر آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ابوبکر نے آپ کے نسب کو چھانٹ دیا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں آپ کو ان کے اندر سے اس طرح کھینچ نکالوں گا جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔ حسان نے یہ شعر کہے۔

هجوت محمد افاجبت عنه　　　وعند الله فی ذاک الجزاء

تو نے محمد کی ہجو کی میں نے ان کی طرف سے جواب دیا اللہ کے ہاں اس کا بدلہ ہے۔

هجوت محمد ابرا تقيا　　　رسول الله شيمة الوفاء

تو نے مقدس پرہیزگار محمد کی ہجو کی جو اللہ کے رسول ہیں اور ان کی خصلت وفاء عہد ہے۔

فان ابی ووالدتی وعرضی　　　لعرض محمد منکم وقاء

میرے ماں باپ اور میری آبرو۔ محمد کی آبرو کو تم سے بچانے والی ہے یعنی محمد کی آبرو پر سب قربان۔

Marfat.com

امن یھجو رسول اللہ منکم — ویمدحہ وینصرہ سواء

تم میں سے جو رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرتا ہے اور جو رسول اللہ ﷺ کی مدح اور امداد کرتا ہے کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

وجبریل رسول اللہ فینا — وروح القدس لیس لہ کفاء

اللہ کے رسول جبرئیل اور روح القدس ہمارے اندر ہیں جن کا کوئی ہمسر نہیں۔

ابن سیرین کی مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کعب بن مالک سے فرمایا لاؤ حضرت کعب نے آپ کو (قصیدہ) سنایا حضور نے فرمایا یہ ان قریش کے لئے تیر پڑنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

فائدہ

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر شعر جھوٹ اور دوسری ناجائز باتوں سے پاک ہو تو ایسی شاعری میں کوئی حرج نہیں۔ بیہقی نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس شعر کے جواز و عدم جواز کا ذکر کیا گیا فرمایا یہ بھی ایک کلام ہے اچھا بھی ہوتا ہے برا بھی ہوتا ہے اچھے کو لو برے کو چھوڑ دو۔

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے اچھا کلام جو کسی شاعر نے کہا ہو وہ لبید کا یہ کلام ہے الا کل شیء ما خلا اللہ باطل خوب سن لو اللہ کے سوا ہر چیز بے حقیقت ہے متفق علیہ۔

عمرو بن شرید نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا عمرو کے باپ نے کہا میں ایک روز رسول اللہ ﷺ کے پیچھے حضور کے ساتھ سوار تھا فرمایا کیا امیہ بن صلت کا کوئی شعر تمہیں یاد ہے میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا لاؤ میں نے ایک شعر سنا دیا فرمایا اور میں نے ایک شعر اور سنا دیا فرمایا اور پڑھو یہاں تک کہ میں نے حضور کو سو شعر پڑھ کر سنائے۔ رواہ مسلم۔

حضرت جندب راوی ہیں کہ کسی معرکہ میں حضور کی ایک انگلی زخمی (یا خون آلود) ہو گئی آپ نے فرمایا ھل انت الا اصبع دمیت وفی سبیل اللہ مالقیت تو صرف ایک انگلی ہے جو زخمی ہو گئی اور جو کچھ تو نے دکھ پایا اللہ کی راہ میں پایا۔ متفق علیہ۔

شعبی کا بیان ہے کہ ابوبکر بھی شعر کہتے تھے اور عمر بھی شعر کہتے تھے اور علی بھی شعر کہتے تھے تینوں شعر کہتے تھے روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباس مسجد کے اندر خود بھی شعر پڑھتے تھے اور پڑھواتے بھی تھے ایک بار عمرو بن ربیع کو طلب فرمایا اس سے اس کا قصیدہ سنا جس کا پہلا شعر یہ تھا۔

امن آل نعمی انت غاد فمبکر — غداۃ غدام رائح فمھجر

ابن ربیعہ نے آپ کو پورا قصیدہ آخر تک سنا دیا جو تقریباً ستر شعر کا تھا۔ حضرت ابن عباس نے دوبارہ لوٹ کر سنا دیا یعنی آپ پورا قصیدہ ایک بار سن کر یاد کر لیا کرتے تھے۔

فائدہ

اگر شعروں میں اللہ کا ذکر ہو یا علم دین ہو یا مسلمانوں کو وعظ و نصیحت ہو تو ایسی شاعری عبادت ہے۔

حضرت ابی بن کعب راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بعض شعر حکمت ہوتے ہیں۔ رواہ البخاری۔

صخر بن عبداللہ بن بریدہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے بعض بیان جادو ہوتے ہیں اور بعض علم جہالت اور بعض شعر حکمت اور بعض قول عیال۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے بعض بیان جادو ہوتے ہیں اور بعض علم جہالت اور بعض شعر جہالت اور بعض شعر

Marfat.com

حکمت اور بعض قول وعیال۔ رواہ ابوداؤد

حضرت ابن عباس کی روایت ہے بعض بیان جادو ہوتے ہیں اور بعض شعر حکمتیں رواہ ابوداؤد۔ واحمد۔

ایک حدیث اوپر درج کی جاچکی ہے کہ مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور زبان سے بھی۔ ابوداؤد نسائی دارمی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مشرکوں سے جہاد کرو اپنے مالوں سے اپنی جانوں سے اور اپنی زبانوں سے۔

اوپر کی آیت میں جب اللہ نے مسلم شعراء اور مشرک شعراء کا ذکر کر دیا تو آئندہ آیت میں مشرک شعراء کو وعید سنائی اور فرمایا:

ع ۱۱ ۱۵ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ﴿۲۲۷﴾ اور عنقریب ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کر رکھا ہے معلوم ہو جائے گا کہ ان کو کیسی بری جگہ لوٹ کر جانا ہے۔

الذین ظلموا یعنی جن لوگوں نے شرک کیا یا رسول اللہ ﷺ کی ہجو کی۔

ای منقلب مقلب مصدر ہے بمعنی رجوع یا ظرف ہے بمعنی جائے رجوع استفہام (سوالیہ نہیں) تہدیدی ہے۔

ینقلبون لوٹیں گے یعنی مرنے کے بعد لوٹیں گے حضرت ابن عباس نے کہا جہنم اور آتش سوزاں کی طرف لوٹیں گے۔

بیضاوی نے لکھا ہے یہ سخت تہدید ہے۔ سیعلم کے اندر وعید بلیغ ہے اور الذین ظلموا میں عموم واطلاق ہے اور ای منقلب میں ابہام کے ساتھ عظیم ہولناکی کا اظہار ہے مطلب یہ ہے کہ ظالم امید رکھتے ہیں کہ عذاب سے (ان کو چھوٹ مل جائے اور وہ لوٹ جائیں گے مگر (مرنے کے بعد) ان کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ عذاب سے لوٹنے کی کوئی وجہ نہیں ہوگی

ابن ابی حاتم نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا میرے والد نے اپنے وصیت نامہ میں دو سطریں لکھیں (اور وصیت نامہ اس طرح تحریر کیا) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وصیت وہ ہے جو ابو بکر بن ابو قحافہ نے دنیا سے نکلتے وقت لکھا تھا (یہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ) اس وقت کافر بھی ایمان لے آتا ہے اور بدکار بھی نیک ہو جاتا ہے اور جھوٹا بھی سچ کہتا ہے میں نے تم پر عمر بن خطاب کو اپنا جانشین بنایا اگر وہ انصاف کریں تو ان کے متعلق میرا یہی خیال اور امید ہے اور اگر وہ ظلم کریں اور (مذہبی احکام کو بدل ڈالیں) تو میں (معذور ہوں) غیب داں نہیں ہوں۔ (آئندہ کا مجھے علم نہیں) وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ۔

الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ علی خیر خلقه محمد واله و اصحبه اجمعین۔

تفسیر سورت شعراء سے فراغت ۱۲۰۵ھ میں ۴ / رجب کو پنجشنبہ کے دن ہوئی

اس کے بعد سورۂ نمل کی تفسیر انشاء اللہ آئے گی۔

اللہ کی توفیق ومدد سے سورت شعراء کی تفسیر کے ترجمہ سے

فراغت ۱۲ / رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ کو جمعہ کے روز ہوئی۔ فالحمد للہ۔

تمت

Marfat.com

تفاسیر و علوم قرآنی اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر

دارالاشاعت کی مطبوعہ مستند کتب

تفاسیر و علوم قرآنی

تفسیر عثمانی بطرز تفسیر مع عنوانات جدید کتابت ۲ جلد		علامہ شبیر احمد عثمانی، اضافہ عنوانات جناب محمد ولی رازی
تفسیر مظہری اردو	۱۲ جلدیں	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی
قصص القرآن	۴ حصے در ۲ جلد کامل	مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی
تاریخ ارض القرآن		علامہ سید سلیمان ندوی
قرآن اور ماحولیات		انجینئر شفیع حیدر دانش
قرآن سائنس اور تہذیب و تمدن		ڈاکٹر حقانی میاں قادری
لغات القرآن		مولانا عبدالرشید نعمانی
قاموس القرآن		قاضی زین العابدین
قاموس الفاظ القرآن الکریم (عربی انگریزی)		ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی
ملک البیان فی مناقب القرآن (عربی انگریزی)		حبان پینیرک
اعمال قرآنی		مولانا اشرف علی تھانوی
قرآن کی باتیں		مولانا احمد سعید صاحب

حدیث

تفہیم البخاری مع ترجمہ و شرح اردو	۳ جلد	مولانا ظہور الباری اعظمی فاضل دیوبند
تفہیم المسلم	۳ جلد	مولانا زکریا اقبال، فاضل دارالعلوم کراچی
جامع ترمذی	۲ جلد	مولانا فضل احمد صاحب
سنن ابو داؤد شریف	۳ جلد	مولانا سرفراز احمد صاحب، مولانا خورشید عالم قاسمی صاحب فاضل دیوبند
سنن نسائی	۳ جلد	مولانا فضل احمد صاحب
معارف الحدیث ترجمہ و شرح	۴ جلد ۸ حصے کامل	مولانا محمد منظور نعمانی صاحب
مشکوٰۃ شریف مترجم مع عنوانات	۳ جلد	مولانا عابد الرحمن کاندھلوی / مولانا عبداللہ جاوید
ریاض الصالحین مترجم	۲ جلد	مولانا خلیل الرحمن نعمانی مظاہری
الادب المفرد کامل مع ترجمہ و شرح		از امام بخاری
مظاہر حق جدید شرح مشکوٰۃ شریف	۵ جلد کامل	مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری فاضل دیوبند
تقریر بخاری شریف	۴ حصے کامل	حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب
تجرید بخاری شریف	یک جلد	علامہ حسین بن مبارک زبیدی
تنظیم الاشتات	شرح مشکوٰۃ اردو	مولانا ابو الحسن صاحب
شرح اربعین نووی	ترجمہ و شرح	مولانا مفتی عاشق الٰہی البرنی
قصص الحدیث		مولانا محمد زکریا اقبال، فاضل دارالعلوم کراچی

ناشر:- دارالاشاعت اردو بازار کراچی فون ۲۶۳۱۸۶۱-۲۲۱۳۷۶۸-۰۲۱

Marfat.com

Marfat.com